پیامِ زینب سلام اللہ علیہا

اپریل 2013ء بمطابق جمادی الاول، جمادی الثانی ۱۴۳۴ ہجری قمری

197

Registered # NPR-159

صلی اللہ علیک یا ایتہا الصدیقۃ الشہیدہ

فاطمہ شہیدہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ

فاطمۃ بضعۃ منی فمن آذاھا فقد آذانی

فرمانِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فاطمہؑ میرا حصہ ہیں، جس نے انہیں تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی

خواتین کا پہلا اسلامی، علمی، تبلیغی، تربیتی اور ادبی مجلّہ

بانی و سربراہ: علامہ سید افتخار حسین نقوی

چیف ایڈیٹر: سیدہ وجیہہ زہرا نقوی — ایڈیٹر: صفدر حسین ذاکر کربلائی

جلد نمبر 18 شمارہ نمبر 4 ماہ اپریل 2013ء۔ جمادی الاول / جمادی الثانی 1434ھ، چیت / بیساکھ 2069 بکرمی

تنویر زیدی، ساجدہ پروین، اقبال زہرا، امتہ المہدی

منتظم: غلام قنبر عمرانی
0092 306767746

فون نمبر مرکزی پیام گھر: 0092 459 392514

ٹائٹل
مشتاق حسین حسینی

سب ایڈیٹر
انچارج ماہنامہ پیام زینبؑ و شریکۃ الحسین پبلی کیشنز
سید راشد صغیر رضوی

انچارج دفتر پیام
سید زاہد عباس

انچارج سرکولیشن
عطا اللہ

کمپوزنگ
وسیم عباس تنویر حسین

ضروری نوٹ: ماہنامہ پیام زینبؑ ملت شیعہ کا ترجمان مجلّہ ہے ہم نہایت احتیاط سے تحاریر کا انتخاب کرتے ہیں اگر کبھی کمپوزر کی غلطی سے کوئی لفظ یا کسی عبارت کا مفہوم بدل جائے تو برائے مہربانی اسکی نشاندہی کریں کسی بھی مکتب فکر کی دل آزاری ہمارا مقصد نہیں

ادارے کا مقالہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

مولانا اظہر حسین نمائندہ خصوصی برائے لاہور 0092 3457962714

بیرون ملک نمائندگان

سید انصار مہدی
سید توقیر عباس
عارف حسین
(قم ایران)
مشہد مقدس

سید ضیاء الحسن نقوی (نجف اشرف عراق)
سید زوار حسین بخاری۔ سڈنی
غلام حسین عمانی (عمان) ملازم حسین علوی (شام)

ذاکر قیصر مصطفےٰ نمائندہ خصوصی
سید علی رضوی (جرمنی) بشیر حسین (برطانیہ)

سید مجاہد حسین نقوی نمائندہ خصوصی برائے شیخوپورہ

سیار مبلغ و نمائندہ خصوصی غلام عباس انقلابی
0346-7075448

مولانا جعفر حسین (فاضل قم) نمائندہ برائے ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ

مظفر آباد، آزاد کشمیر
النور ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) 05881047696

پنڈی اسلام آباد و گرد و نواح
النور ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) 051-4318529
051-4449342

زر سالانہ
600.00 روپے

قیمت
50.00 روپے

اکاؤنٹ انفارمیشن
نام اکاؤنٹ پیام زینبؑ

Ac/no
085502010025913
بینک MCB گلن خیل میانوالی

اکاؤنٹ انفارمیشن یا سالانہ چندہ بذریعہ منی آرڈر کی معلومات حاصل کریں۔
0459-392264 0459-392484
0459-392753

فہرست مضامین

◉ اے علیؑ! تم میرے بعد ہادی ہو فرمانِ حضرت رسول خداؐ 2

◉ اس ایک جُملے پر خدایا کرنا میرا خاتمہ / المصطفےٰؐ والمرتضیٰؑ وابناہما والفاطمہؑ 3

◉ شیعہ کے بنیادی عقائد و نظریات 7

◉ آیہ تطہیر اور اہل بیت رسولؐ 11

◉ حضرت سیدہ زہراء سلام اللہ علیہا مقام رسالت، بعثت کے مقاصد، اپنا تعارف عظیم باپ کی توصیف اور اپنے خدا پسند شوہر کی شجاعت کا ذکر فرماتی ہیں 14

◉ حضرت سیدہ فاطمۃ زہراء علیہا السلام فی القرآن 16

◉ توبہ واستغفار کے بارے میں قرآن و معصومینؑ کے ارشادات 19

◉ حضرت سیدۃ النساء العالمین کے فضائل و عظمت کے چند پہلو 20

◉ حضرت سیدۃ النساء العالمین سلام اللہ علیہا کے ارشادات مبارکہ 23

◉ مسائل کا روحانی و نورانی حل 28

◉ ہم مخلوق کے شب و روز کے اعمال پر گواہ اور شاہد ہیں...... معصومین علیہم السلام 32

◉ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی ہدایت کا انتظام 33

◉ بارگاہ سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا میں شعراء کا نذرانہ عقیدت 37

◉ سبد گل 39

◉ تاریخ کربلا کا ثناخوان جو قافلہ حسینیؑ میں شریک ہو کر امر ہو گیا 40

◉ افکار محسن 44

◉ حضرت شاہ زین العابدین موسوی المشہدیؒ 45

◉ بچوں کا اسلامی انسائیکلوپیڈیا 47

◉ جنتری 48

برائے خط و کتابت
جامعہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ پکی شاہ مردان میانوالی پوسٹ کوڈ 42330

اے علیؑ! تم میرے بعد ھادی ہو
فرمانِ حضرت رسول خداؐ

کنیز بتول زینبی

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان

"اِنَّمَا اَنتَ مُنذِرٌ وَ لِکُلِّ قَومٍ ھَادٍ"

"سوا اس کے نہیں کہ تو ایک ڈرانے والا ہے اور ہر قوم کے لئے ایک ھادی ہے" (سورہ الرعد آیت ۷)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو ڈرانے والا ہوں اور میرے بعد علیؑ ہادی ہیں۔ پھر فرمایا: یا علیؑ! میرے بعد ہدایت پانے والے تمہارے ذریعے سے ہدایت پائیں گے (اور قوم کوئی ایسی نہیں گزری جس میں کوئی ہادی نہ ہو اور آج ۱۱۴۹ سال سے امیر المومنین علیہ السلام کے فرزند مہدی آل محمدؐ (عج) اس منصب پر فائز ہیں جیسا کہ صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا ہر امام زمانہؑ ہادی ہے اور اپنے زمانے کا ہدایت کرنے والا ہے (تفسیر صافی ص ۲۵۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یا علیؑ! میں ڈرانے والا ہوں اور میرے بعد تم قوم کے ہادی ہو اور راہ ہدایت پانے والے تمہارے ہی ذریعے سے ہدایت پائیں گے (آج فرزند امیر المومنین علیہ السلام مہدی آل محمد علیہ السلام بقید حیات ہیں) (مجمع البیان)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ میں منذر ہوں اور ہر زمانے میں میرے خاندان کا ایک فرد امام ہادی رہے گا اور وہ لوگوں کو دین کی ہدایت کرے گا۔ (اصول کافی جلد ا ص ۱۹۳۔ غیبت النعمانی ص ۱۰۹۔ اثبات الہداۃ جلد ا ص ۸۱۔ بصائر الدرجات جلد ا ص ۳۰۔ بحار الانوار جلد ۲۳ ص ۳۔ تفسیر نور الثقلین جلد ۲ ص ۴۸۳)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں

ابو بصیرؒ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا "منذر" "محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ہادی حضرت امام علی علیہ السلام اور باقی آئمہؑ ہیں اور "لکل قوم ھاد" سے مراد یہ ہے کہ ہر زمانے میں ایک امام مبین کا وجود ضروری ہے۔ (آیات الولایہ ص ۱۷۶)

الامام المہدیؑ فی کتب اہل سنت

حضرت ثوبان روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے خزانہ کے پاس تین شخص جنگ کریں گے۔ یہ تینوں خلیفہ کے لڑکے ہوں گے۔ پھر بھی یہ خزانہ ان میں سے کسی کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔ اس کے بعد مشرق کی جانب سے سیاہ جھنڈے نمودار ہوں گے اور وہ تم سے اس شدت کے ساتھ جنگ کریں گے کہ اس سے پہلے کسی قوم نے اس قدر شدید جنگ نہ کی ہوگی (راوی حدیث یعنی حضرت ثوبان کہتے ہیں) کہ پھر رسول اللہؐ نے کوئی بات بیان فرمائیں (جس کو یہ سمجھ نہ سکے) یعنی پھر اللہ کے خلیفہ مہدیؑ کا ظہور ہوگا۔ پھر فرمایا کہ جب تم لوگ انہیں دیکھنا تو ان سے بیعت کر لینا اگرچہ اس بیعت کے لئے برف پر گھسٹ کر آنا پڑے، بلاشبہ وہ اللہ کے خلیفہ مہدیؑ ہوں گے۔

(ابن ماجہ، السنن، ۲: ۱۳۶۷)

اس ایک جُملے پر خدایا کرنا میرا خاتمہ
المصطفیٰؐ و المرتضیٰؑ وابناھما والفاطمہؑ

"ماں" ایک ایسا لفظ ہے کہ جس میں کوثر و سلسبیل جتنی مٹھاس اور پاکیزگی، طوبیٰ جیسی خنکی موجود ہے اس رشتے میں اللہ تعالیٰ کی کریمی اور رحیمی نے ظہور کیا ہے ماں اُن گنت رشتوں پہ بھاری ہے اور اس کی ہر جہت میں ایک دلاسہ، سکون، ڈھارس اور پناہ ہے یہ اتنا گھنا اور بھرپور سایہ دار درخت ہے جو خود دھوپ برداشت کر کے ٹھنڈک مہیا کرتا ہے۔ ماں کے لفظ کی ادائیگی میں اتنی اپنائیت ہے کہ انسان ہزار بیگانوں کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتا۔ ماں اور ممتا ہر بچے کیلئے الٰہی عطیہ ہے حضرت حواؑ سے لے کر حضرت آمنہؑ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ سے لے کر حضرت سیدہ فاطمہ زہراؑ اور سیدہ نرجس خاتون علیہا السلام تک ہر ماں نے انبیاءؑ، اوصیاء، اولیاء اللہ کو جنم دے کر اپنی آغوش کی تربیت سے سرفراز فرما کر الٰہی نظام کی سنہری کڑیوں کی زنجیر کو مرتب کیا۔

آج دنیا میں "یوم مادر" منا کر ماؤں کو اس کی اہمیت کے بارے میں متوجہ کیا جاتا ہے۔ آئیں صحن و آغوش خدیجۃ الکبریٰؑ میں ایک ایسی ہستی کی دہلیز پہ آیہ تطہیر تلاوت کر کے اجازت حاصل کریں اور اس کے حضور جھکی ہوئی نم آلود پلکوں کی سجدہ ریزی کے بعد اسے تعظیمی سلام، درود پڑھ کر پیش کریں۔ یہ رحمت العالمین کی سیدۃ نساء العالمین بیٹی ہے۔ کائنات کے امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کی رفیقہ و شریکہ حیات ہے۔ جوانانِ جنت کے سردار، حسنؑ اور حسینؑ کی جنت ہے۔ سیدہ زینبؑ و سیدہ کلثومؑ کی مادر گرامی ہے۔ اس ایک طاہر و اطہر ہستی میں ایک شریکِ کار رسالت بیٹی بھی ہے۔ فاتح، بدر و حنین، احد و خندق و خیبر کی اسلام پرور زوجہ گرامی ہے۔ مباہلے میں توحید و رسالت کے انتخاب حسنؑ و حسینؑ کی ماں ہے اور اسلام کے آزردہ چہرے پہ پڑے ہوئے ملوکیت کے دبیز پردے کو دربار کوفہ و شام میں رسن بستہ ہاتھوں سے نوچ اُتار پھینکنے والی بیٹیوں سیدہ زینبؑ و سیدہ ام کلثومؑ کی مادر گرامی ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

سیدہ زہراء سلام اللہ علیہا بیٹی زوجہ اور ماں قرار پائی تو تینوں جہتوں سے اسلام کو سرخرو فرما کر دینی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوئیں۔

جب ہم حضرت سیدہ زہراء سلام اللہ علیہا کو ایک بیٹی، کی حیثیت سے دیکھتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ حضرت پیغمبر اکرمؐ پر جب اونٹ کی اُوجھری پھینکی جا رہی ہے تو آپؑ اسے صاف کرتی نظر آتی ہیں اور جب غزوہ احد میں حضرت رسول اللہؐ زخمی ہوئے تو مدینہ سے احد تک کا فاصلہ طے کر کے آنحضرت کی عیادت کرتی نظر آتی ہیں اور حضور پاکؐ کے زخموں پر مرہم رکھتی نظر آتی ہیں۔ میدان مباہلہ میں حق و صداقت کی مجاہدہ کا کردار آج تک قرآن و حدیث میں محفوظ دکھائی دیتا ہے۔ یہ ایک بیٹی ہی تھی کہ جسے کائنات کے سردار، عالمین کے لئے رحمت، حبیب کبریا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "ام ابیہا" (اپنے بابا کی اماں) کے لقب سے نواز کر آپؑ کی عظمت و جلالت سے اُمت کو روشناس کرایا ہے۔

ایک بیوی ہونے کے ناطے حضرت امیر المومنینؑ کے شانہ بشانہ خدمت اسلام میں آپؑ کا کردار تاریخ نسواں و انسانیت میں رقم ہے۔ ایک غمخوار زوجہ ہیں۔ گھر کی ڈیوڑھی کے کام اپنے ذمہ لے کر امت کی تمام عورتوں کیلئے سبق دیا کہ اپنے شوہر کے ساتھ کس طرح ایک بیوی کو تعاون کرنا ہے؟ اپنی کنیز فضہؑ کے ساتھ آپ کی تقسیم کار میں خادماؤں سے حُسنِ سلوک کا درس دیا آپ کا گھر کے اندر کردار اور رویہ سب عورتوں کیلئے گھریلو اور نجی زندگی کا مکمل آئینہ دار ہے جو حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھے اور اولاد کی تربیت میں سردار جناں شہزادگان امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی تربیت کر کے اسلام کو ایسے فرزند عطا کرے، جنھوں نے اسلام کی بقاء کیلئے انسان کی آخری فداکاری کی حدود تک جان تک بھی اللہ کے راہ میں قربان کر دی بیٹیوں کو آغوش سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کیا نصیب ہوئی؟ کہ اسلام کے بخت جاگ اٹھے، مدینہ سے مکہ اور وہاں سے کربلا اور پھر کوفہ و شام کے درباروں، بازاروں تک توحید و رسالت و امامت انہی دختران علیؑ و بتولؑ نے دشمنان اسلام کی ہر دیرینہ سازش کو ناکام بنا دیا اور اسلام کو سرفراز فرمایا۔

حضرت نبی اکرم کی رحلت کے بعد مسجد نبوی میں حضرت سیدۃ نساء العالمین کا تاریخی اور احتجاجی خطبہ جہاں عرب کی فصاحت و بلاغت سے لبریز ہے وہاں قوانین خدا ورسولؐ سے بھرپور نظر آتا ہے اور حضور اکرم کی ۲۳ سالہ زندگی کا خلاصہ بھی اس خطبہ میں پڑھنے کو ملتا ہے اور قرآن مجید میں جو کچھ ہے اس سب پر اشاریہ بھی یہی خطبہ ہے۔ حضرت امیر المومنینؑ اور اپنے حق کیلئے آپؑ نے اس خطبہ میں وہ انداز اپنایا کہ کسی مخالف کے پاس کوئی جواب نہ رہا۔

زندگی کی ابتداء سے لے کر وصیتی احکامات تک حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا الٰہی نظریہ کو استقامت بخشتے ہوئے تازہ دم نظر آتی ہیں سانحہ پہ سانحہ، دکھ پہ دکھ، مصائب پہ مصائب، مگر احکامِ الٰہی کے نفاذ میں ہمہ وقت مصروف نظر آتی ہیں جس سے دین کی اہمیت پر روشنی بڑھتی ہے۔

حضرت امیر المومنینؑ کی گوشہ نشینی کے ایام میں کائنات کے مشکل کشاء کی ڈھارس کا نام سیدہ زہراء سلام اللہ علیہا ہے۔ وحی کے الہام افزا ماحول کی پروردہ خاتونِ جنت کو اپنا مرثیہ خود کہنا پڑا کہ ”اگر یہ مصائب دنوں پر آتے تو وہ راتوں میں بدل جاتے اور پہاڑوں پر آتے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتے“ الٰہی انعام و عزت پانے والی دخترِ رسولؐ کو ماحول نے بیگانہ اور سبک بنانا چاہا مگر تقویٰ کی آخری منزل پہ فائز خاتونِ جنت نے اپنے صبر سے جبر کے جبڑے توڑ دیئے۔ منافقوں کو اپنے بارے میں بار بار حذیفہ یمانی، امین رسولؐ سے تصدیق چاہنا پڑی۔

جس کے بچوں کے لباس اور کھانے خلد بریں سے آتے ہوں وہ زمانے میں اپنے تعارف کی بھی محتاج ہو جائے اس سے بڑھ اور کیا سانحہ ہو سکتا ہے؟ حضرت امیر المومنینؑ کے خطبہ شقشقیہ میں بھی ہمیں فاطمیؑ کرب نظر آتا ہے کائنات میں شرفاء کے لئے سب سے مشکل ترین جہاد ناپسندیدہ ماحول میں گزر اوقات کرنا ہے جناب سیدہؑ کی زندگی دین کی سربلندی اور اسکی بقاء کیلئے تھی اس لئے سب کچھ برداشت کیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنی آیات میں دخترِ رسولؐ کو اس کی اطاعتِ الٰہی کے بدلہ میں اتنا خراج پیش کیا کہ حضرت سیدہ انہی آیات کے سہارے ہر دکھ کو نظر انداز کرتے ہوئے نظر آتی ہیں۔ قرآنی حروف مقطعات، جناب سیدہ زہراءؑ کے اسرار ہی کے بیان کا ایک انداز ہے۔ ھل اتی میں انکی سخاوت کے تذکرے ہیں۔ سورہ کوثر انکی نسبی ضمانت ہے۔ آیت تطہیر انکی عصمت پر گواہ ہے۔ سورہ لہب انکی ذات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دفاع اور انکے دشمن پہ غیض و غضب کی شاہد ہے۔ سورہ رحمان میں جناب سیدہؑ ہی تو وہ الٰہی نعمت ہیں جس کا بار بار تذکرہ کیا گیا ہے۔ سورہ رحمٰن میں آپ کے شوہر نامدار اور آپ کے فرزندان حسن و حسین علیہم السلام کا خوبصورت انداز میں (مرج البحرین یلتقیان آخر حد تک) آپ ہی کی شان کو اجاگر کیا گیا ہے۔ سورہ قدر میں انکی قدریں ہیں۔ آیہ مباہلہ انکی صداقت پہ الٰہی مہر ہے۔ سورہ مزمل انکا اوڑھنا ہے۔ سورہ دہر میں انکی ”عطا“ کو دہر میں شہرت دی گئی۔ آیت بلغ انکی ولایت کا ترانہ ہے۔ سورہ والتین ان کی طینت اور خلقت اولیہ کا بیان ہے۔ آیت فی القربا ءان کا اللہ کی طرف سے حق واجب ہے۔ آیت خمس ان کو صدقہ کی آلودگیوں سے مبرا قرار دیتی ہے۔ آیتِ صلوات ان پر مسلسل درود و سلام کا اللہ کی طرف سے جاری رہنے اور کائنات کی ہر شئی کو انکا خدی خوان قرار دینے کا اعلان ہے۔ ملائکہ مقرب انکے بچوں کیلئے سراپا نیاز ہیں، ان کی زندگی کا ہر لمحہ، ہر گوشہ، ہر پہلو ہر جہت وحی الٰہی سے سرشار ہے۔ سیدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا مصحف فاطمہؑ رکھتی ہیں یہ ان کا ماضی، حال اور مستقبل پہ اقتدار ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ مصحفِ فاطمہؑ کیا ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا ”مصحفِ فاطمہؑ ان واقعات پر مشتمل ہے جو ابھی رو پذیر ہونگی اور اسمیں ان لوگوں کے اسماء لکھے ہوئے ہیں جو روزِ قیامت تک حکومت کریں گے۔

قرآن میں شجرہ طیبہ کا ذکر ان ہی سے وابستہ ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ”ہم ایک شجر ہیں جس کی اصل اور جڑیں حضرت نبی اکرمؐ ہیں اس شجر کا تنا، علی ابن ابی طالبؑ، اسکی شاخیں حضرت رسول اللہؐ کی دختر گرامی حضرت سیدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا ہیں اور اسکے پھل امام حسنؑ اور امام حسینؑ ہیں (تفسیر فرات)

حضرت ولی العصر (عج) جب نظام کائنات کی اصلاح کیلئے تشریف لائیں گے تو ان کیلئے حضرت سیدہ زہراء سلام اللہ علیہا کی سیرت ہی پیش خیمہ اور قابل تقلید نمونہ ہونگی۔

حضرت امام زمانہ (عج) اپنی توقیع مبارک میں فرماتے ہیں ”حضرت پیغمبر اکرمؐ کی دختر گرامی سیدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہیں۔ تمام آئمہ اطہار علیہم السلام پر آپؑ کا حُجت قرار دیا جانا آپؑ کی عظمت پر ایک اور روشن دلیل ہے۔ حدیث کا تتمہ کچھ اس طرح ہے کہ بہت جلد جاہل لوگ اپنے اعمال کی پستی سے آگاہ ہو جائیں گے اور جلد ہی کفار

سمجھ جائیں گے کہ دائمی سعادت کس کیلئے ہے؟ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے سائے میں ہمیں اور تمہیں (سائل) ہر قسمی آفات و بلیات سے اپنی پناہ میں رکھے (احتجاج ج ۲ ص ۲۷۸)

حضرت سیدہ زہراء سلام اللہ علیہا کی اولاد اتنی محترم قرار پائی کہ حضرت رسول اللہ کا ارشاد ہے کہ "اگر کوئی میری اولاد میں سے کسی کو دیکھے اور مجھ پر خندہ پیشانی سے معرفت کے ساتھ درود و سلام بھیجے تو اللہ تعالیٰ اس کی قوت سماعت و بصارت میں اضافہ فرماتا ہے (ینابیع المکت ج ۳ ص ۲۲۰) نیز فرماتے ہیں "اے لوگو! میری زندگی اور میری رحلت کے بعد میرے اہل بیتؑ کی تعظیم و تکریم کریں میرے اہل بیتؑ کے احترام کے علاوہ کسی اور کے احترام میں کھڑا ہونا روا نہیں ہے (الفضائل ص ۱۳۵) اپنی اولاد کی تعظیم و تکریم کے بارے میں اکثر مقامات پر فرمایا تا کہ کوئی لمحہ ذہنوں میں ٹھہر جائے ایک مقام پر فرماتے ہیں "جس نے میری اولاد کی عزت و تکریم کی اس نے مجھے عزت دی اور جس نے اس کی توہین کی اس نے یقیناً میری توہین کی ہے (المستدرک ج ۱۲ ص ۳۷۶) نیز آپ حضرت موسیٰؑ و حضرت خضرؑ کے واقعہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں "جس طرح عبد صالح (خضرؑ) نے دو یتیموں کے ساتھ رعایت کی ہے اس طرح تم ہمارے بارے میں رعایت کرو (القطرہ)

یہ خالق کی طرف سے حضرت سیدہ زہراءؑ کی نسبتوں کا احترام ہے جو حضرت پیغمبر اکرمؐ جگہ جگہ فرما رہے ہیں شیخ صدوقؒ، من لا یحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۲۰۵ پر رقمطراز ہیں کہ بیت اللہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔ قرآن پہ نگاہ کرنا عبادت ہے اور آل محمدؐ کے چہروں کو دیکھنا عبادت ہے۔

اولادِ فاطمہؑ کیلئے الکافی ج ۳ ص ۱۳۵ پر حدیث معراج میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمدؐ! اپنے نفس اور اپنے اہل بیتؑ پر درود بھیج! آپؐ نے فرمایا اے اللہ! مجھ اور میرے اہل بیتؑ پر درود بھیج، جب آپؐ یہ کام انجام دے چکے تو آپؐ فرشتوں اور پیغمبروں کی صفیں دیکھتے ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محمدؐ! ان پر سلام بھیجو آپؐ نے فرمایا آپؐ پر خدا کا سلام، اس کی رحمتیں اور برکتیں ہوں اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی بے شک میں سلام خود، ہوں تو اور تیری ذریت رحمت اور برکات ہیں۔

شیخ طبرسی مکارم الاخلاق میں لکھتے ہیں کہ فضل بن یونس کے غلام نے اطلاع دی کہ دروازہ پر ایک شخص کھڑا ہے جس کا نام موسیٰؑ بن جعفرؑ اور کنیت ابوالحسنؑ ہے فضل بن یونس نے غلام سے کہا کہ اگر آنے والا وہ شخص ہے جو میرے خیال میں ہے تو میں تم کو آزاد کردوں گا اتنے میں امام موسیٰ بن جعفرؑ تشریف لائے اور آپؑ نے فرمایا اے فضل! صاحب خانہ کا اپنے گھر میں سب سے آگے بیٹھنے کا حق زیادہ ہے لیکن اگر کوئی بنی ہاشمؑ اس محفل میں آجائے تو پھر اُسے صدر محفل میں قرار دینا فضیلت ہے اور ایسا کیا کرو (مکارم الاخلاق ص ۱۴۸)

حضرت پیغمبر اکرمؐ کا ہر فعل، وحی الٰہی کے تابع ہے آنحضرتؐ وہی کہتے ہیں جو وحی کہتی ہے۔ حضرت امام علی رضاؑ نے اپنے الٰہی سلسلے سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت امیر المومنینؑ سے آنحضرتؐ نے فرمایا یا علیؑ! بے شک اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو آپؑ کی ذریت کو، آپؑ کی اولاد کو، آپؑ کے شیعوں کو اور آپؑ کے شیعوں کے دوستوں کو بخش دیا ہے پس آپؑ کو اسکی بشارت ہو (عیون اخبار الرضاؑ ج ۲ ص ۴۷)

حضرت پیغمبر اکرمؐ نے اپنی ذریت کی زیارت، ملاقات اور انکی قبروں کی زیارت کے بارے میں جامع الاخبار میں فرمایا ہے کہ "جس کسی نے بھی میری اولاد کی، انکی زندگی میں یا مرنے کے بعد زیارت کی وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے میری زیارت کی ہو، بہر حال اسے بخش دیا جائے گا۔ امالی شیخ صدوقؒ ص ۴۶۱ پر یہ روایت مزید دیگر روایات کی اہمیت بڑھاتی ہے کہ حضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا جو کوئی بھی چاہتا ہے کہ ایسا عمل انجام دے تا کہ میرے نزدیک مقرب ہو اور اس عمل کی وجہ سے وہ میرے اوپر حق رکھتا ہو کہ میں روزِ قیامت اس کی شفاعت کروں تو اسے چاہیے کہ میری ذریت کی خدمت کرے اور انکے دلوں کو خوش کرے۔

مومنین کا ایک دوسرے کو کھانا کھلانے، مل بیٹھنے، ملاقات کرنے کا اجر و ثواب ہر مقام پر ذکر ہوا مگر حضرت پیغمبر اکرمؐ نے ایک حدیث میں اولادِ فاطمہؑ کے بارے میں بہت بڑی دوزخ سے برأت کی ضمانت دی ہے آنحضرتؐ فرماتے ہیں جو بھی میرے نیک اور صالح فرزندوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے گا اللہ تعالیٰ اسکا بدن آگ پر حرام کردے گا۔ (جامع الاخبار ص ۳۹۳)

حضرت رسول اللہ کی اس حدیث کا تقریباً ہر محدث نے ذکر کیا ہے کہ میری نیک اور صالح اولاد کا احترام اللہ کی خاطر کرو اور میری غیر صالح اولاد کی عزت میرے لئے کرو۔

شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری مجالس المومنین میں المناقب المرتضویہ ص ۹۷ اور احقاق الحق ج ۹ ص ۱۹۳ کے حوالے سے یہ روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضرت پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کی تمام حمد اسی کے ساتھ مخصوص ہے اللہ تعالیٰ نے علیؑ اور فاطمہؑ اور انکی اولاد کی محبت لوگوں کے سامنے رکھی ان میں سے جنہوں نے فوراً قبول کیا انہیں

رسول بنا دیا گیا اور جنہوں نے بعد میں اقرار کیا انہیں شیعہ بنا دیا گیا اور جنہوں نے اکے بعد اقرار کیا انہیں اصفیاء کے طور پر منتخب کر لیا گیا اللہ تعالیٰ نے ان سب کو بہشت میں اکٹھا کیا ہے۔

جامع الاخبار کی حدیث میں حضرت نبی اکرمؐ فرماتے ہیں "میری اولاد کے ساتھ محبت کرنا تم پر واجب ہے اس عمل کا انجام بہشت بریں ہوگا اور میری اولاد کے ساتھ بغض رکھنے سے بچیں، کیونکہ اسکا انجام دوزخ ہوگا"

امالی صدوق ص ۲۷۰ پر نقل ہے کہ حضرت رسول اللہؐ فرماتے ہیں "روزِ قیامت جب میں مقامِ محمود پر کھڑا ہونگا تو اپنی امت کے ان لوگوں کی شفاعت کرونگا جو گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہونگے اور اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں میری شفاعت قبول فرمائے گا اللہ کی قسم! جن لوگوں نے میری ذریت کو اذیت دی میں انکی شفاعت نہیں کرونگا" حضرت نبی اکرمؐ اور دیگر آئمہ معصومینؑ نے دین سے خارج ہونے والی اولاد کی عزت و احترام کی نفی کی ہے حضرت امام زین العابدینؑ کا ارشاد ہے کہ ہماری اولاد میں سے نیکی کرنے والے کیلئے دُوہرا اجرا اور بُرائی کرنے والے کیلئے دوہری سزا ہے۔

یہ سب حضرت سیدہ زہراءؑ کی نسبتوں سے وابستگی کے تذکرے ہیں جو تاریخ ہی نہیں دین اسلام کا حصہ ہیں اور جن سے صَرفِ نظر کرنا اپنے آپ کو دین سے خارج کردینے کے برابر ہے۔ حضرت سیدہ زہراء سلام اللہ علیہا کی زندگی کا دقیق مطالعہ فرمانے سے انسان کے اندر توحید اور رسالت و امامت کی معرفت پیدا ہو جاتی ہے آئمہ معصومینؑ اپنی اولاد کو حضرت سیدہ علیہا السلام کے مسجدِ نبویؐ میں دیئے ہوئے خطبہ کو حفظ کرنے کا حکم فرماتے رہے ہیں۔ حضرت سیدہ زینبؑ کم سنی میں اس کو دُہرا رہی تھیں کہ ابن عباسؓ نے پوچھ لیا کہ آپ کیا پڑھ رہی ہیں؟ جب آپؑ نے مادرِ گرامی کے خطبہ کا ذکر کیا تو ابن عباسؓ بے ساختہ بول اٹھے کہ آپؑ تو عقیلۂ القریش ہیں۔ سیدہ زہراء سلام اللہ علیہا کی ذاتِ گرامی میں اللہ تعالیٰ نے اپنی جنتی نعمتوں کو جمع فرمایا اور یکجا کر دیا یہ کائنات میں کسی اور خاتون میں ممکن ہی نہیں۔ الٰہی عطیات وہبی ہوتے ہیں یہ کسب سے آتے ہی نہیں۔

ہمیں دیکھنا ہے کہ کیا آج کی ماں، بیٹی اور بہن ان اصولوں پہ کاربند ہے؟ جنہیں اسلام نے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے ذریعے رائج کیا۔ کیا ہماری کوئی خوشی کی ایسی تقریب بھی ہے کہ جس میں اگر سرکارِ سیدہ سلام اللہ علیہا تشریف لے آئیں تو ہمیں ندامت نہ ہو اور ہم حضرت سیدہ زہراء سلام اللہ علیہا سے سرخرو ہوسکیں کیا ہمارے گھروں میں ٹیلی ویژن کی نشریات کے دوران اللہ تعالیٰ کے ملائکہ ٹھہر سکتے ہیں۔ کیا کوئی بھی الٰہی تھیلے کا فرستادہ ہمارے دسترخوان سے رزق حلال طلب کرسکتا ہے؟ اور کیا ہم اسے رزق حلال مہیا کرسکتے ہیں؟ کیا ہمارے کردار پہ ہمارے گھروں میں رکھا ہوا قرآن حکیم اس کی تصدیق کرے گا کہ ہم اس کی تعلیمات کو گھروں میں نافذ کرنے میں مخلص ہیں۔

حضرت سیدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا صرف انہی کی شفاعت فرمائیں گی جو اسکی ذاتِ گرامی، اسکے خاندان سے مخلص ہیں ان تمام سوالات کا جواب ہمیں اپنے ضمیروں سے لینا ہوگا۔

امتِ مسلمہ کیلئے یوم مادر ۲۰ جمادی الثانیہ ہی ہے جس دن کائنات کے اولین اور آخرین سب کیلئے ایک کامل اور مکمل نمونہ حیات جناب سیدہ زہراء علیہا السلام کی نورانی ولادت سے حضور پاکؐ کا قلب پاک منور ہو گیا اور جناب سیدہ خدیجۃ الکبریٰؑ کی آغوش نے حُجتِ خدا کو اپنی گود میں لے کر سکون و اطمینان حاصل کیا اور اللہ کی اس نعمت عظمٰی کو اپنے لئے کائنات کا سب سے بڑا اعزاز سمجھا۔ خداوند ہمیں اس باعظمت بی بی کی سیرت پر چلنے کی توفیق دے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں وہ دن جلد دکھائے جب خاندانِ رسالت کا آخری وارث فرزند زہراء علیہا السلام اس دنیا میں تشریف لائے اور کائنات پر اسوۂ سیدہ سلام اللہ علیہا نافذ کرے اور اللہ تعالیٰ ہمیں اسکے ناصران میں شمار فرمائے۔

اے عادل و قادر خالق! بتول عذرا سلام اللہ علیہا کو دُکھ دینے والوں سے انتقام لینے کے لیے حضرت بقیۃ اللہ کا ظہور فرما اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے (آمین)

☆☆......☆......☆☆

شیعہ کے بنیادی عقائد ونظریات

علامہ السید افتخار حسین نقوی النجفی

جامعہ امام خمینیؒ میں ہر سال مڈل کا امتحان دینے والے طلباء کیلئے معارف اسلامی ۴۵ روزہ شارٹ کورس منعقد ہوتا ہے۔ اس سال ایک سو سے زائد طلباء اس کورس میں شریک ہیں۔ امام خمینیؒ ٹرسٹ کے چیئرمین علامہ سید افتخار حسین نقوی نے طلباء کو شیعیت کے بنیادی عقائد ونظریات کے موضوع پر درس دیا۔ عمومی استفادہ کیلئے اسے پیام زینبؑ میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔ (ادارہ)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "یا علی انت وشیعتک ھم الفائزون"

میرے لئے سعادت ہے کہ میں آپ عزیزوں کے درمیان موجود ہوں مصروفیات کی وجہ سے یہ توفیق کم ہوگی کہ طلباء کو آ کے درس دے سکوں اور آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ یہ توفیق دے کہ میں ہر روز درس دے سکوں۔

آپ سے گفتگو کا عنوان شیعہ کا معنی کیا ہے؟ شیعہ کسے کہتے ہیں؟ شیعہ کا عقیدہ کیا ہے اور شیعوں کو کیا کرنا چاہیے؟ یہ تین سوال ہیں۔

شیعہ کا معنی

شیعہ کا معنی پیروی کرنا، پیچھے چلنا، جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص علیؑ کا شیعہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ علیؑ کے پیچھے چلنے والا ہے، وہ علیؑ کی پیروی کرنے والا ہے اسی طرح جب کوئی کسی کی پیروی کرتا ہے اور کسی کی بات مانتا ہے تو وہ پھر اس کی مدد بھی کرتا ہے اسکے ساتھ تعاون بھی کررہا ہوتا ہے لہٰذا شیعہ کا دوسرا معنی مددگار، ناصر، نصرت کرنے والا، مدد کرنے والا، علیؑ کے شیعہ یعنی علیؑ کے مددگار علیؑ کے ناصر۔ جو کسی کی پیروی میں ہوتے ہیں، کسی کی مدد کررہے ہوتے ہیں جہاں وہ اکیلے ہوتے ہیں تو جب وہ افراد مل جائیں تو ایک جماعت بن جاتی ہے لہٰذا تیسرا معنی جماعت ہے، علیؑ کے شیعہ یعنی علیؑ کی جماعت علیؑ کا گروپ علیؑ کی پارٹی۔ شیعہ کے معنی آپ کیلئے واضح ہوگئے۔ جنازہ کیلئے کہا جاتا ہے کہ لوگ جنازہ کی تشییع کررہے ہوتے ہیں یعنی جنازے کے پیچھے چل رہے ہوتے ہیں اور شیعہ کا معنی ہوتا ہے کسی کی مدد کرنا تو ہمارے آئمہؑ ہمیشہ اپنے مددگاروں کی تلاش میں تھے امام حسین علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے، ہے کوئی میری مدد کرنے والا؟! ہر امامؑ کو مددگاروں کی ضرورت ہوتی ہے جو کسی کے مددگار ہوتے ہیں وہ اسکے شیعہ ہوتے ہیں جس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ اس کی بات مان رہے ہوتے ہیں مددگار ہوتا ہی وہ ہے جو کسی کی بات مانے اور تیسری بات جماعت ہے۔ یہاں سے ایک اور بات واضح ہوگئی کہ شیعہ کسی مذہب کا نام نہیں اگرچہ عام محاورے میں کہتے ہیں شیعہ مذہب!! ہمارا تعلق شیعہ مذہب سے ہے یہ ایک غلط العام ہے یعنی ایک عمومی محاورہ ہے جو اپنے اصلی معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔

شیعہ کا معنی پیروی کرنے والا گروہ، جماعت، ناصر اور ناصر تو کسی کا بھی ہوسکتا ہے اگر اوبامہ کی پیروی کرتا ہے تو وہ شخص اوبامہ کا شیعہ ہے جو زرداری کی بات مانتا ہے تو وہ زرداری کا شیعہ ہے اگر یہ کہوگے کہ فلاں شخص زرداری کا حامی ہے یعنی وہ ناصر ہے زرداری کا، "شیعۃ الزرداری"۔

ہم کون؟!

ہم کون ہیں؟ ہم علیؑ کے شیعہ ہیں، ہم امام حسینؑ کے شیعہ ہیں، ہم شیعہ بارہ امامی ہیں۔ مذہب کا معنی راستہ ہے راستہ جہاں سے آپ چل رہے ہوتے ہیں پگڈنڈی، راستہ، راستہ ہوتا ہے مذہب یعنی چلنے کی جگہ تو ہم اس دنیا میں چل رہے ہیں نا! تو ہمارا چلنا بھی دو قسم کا ہوتا ہے ایک زمین پر چل رہے ہیں ایک ہماری فکر اور سوچ ہے اس سوچ کے تحت چل رہے ہیں اب ہماری سوچ کیا ہے؟ کہ ہم نے علیؑ کے پیچھے چلنا ہے تو گویا کہ ہمارا رستہ علیؑ کا راستہ ہے یعنی جس راہ پر علیؑ چلے وہی راہ ہماری ہے۔

مذہب کا معنی ہوتا ہے راستہ۔ راستہ جس پر ہم چلتے ہیں اسی طرح میرے افکار، میری سوچیں، میرا اٹھنا بیٹھنا وہ بھی ایک راہ اور طریقہ ہے جس پر میں چل رہا ہوتا ہوں اب جو اوباما کی لائن پر چلتا ہے اس نے اوباما کا رستہ اختیار کیا ہوا ہے جو زرداری کی لائن پر چلتا ہے اس نے زرداری کا مذہب اختیار کیا ہوا ہے جو نواز شریف کی لائن پر چلتا ہے اس نے نواز شریف کا رستہ اختیار کیا ہوا ہے، ہم علیؑ کی بات مانتے ہیں تو ہم علیؑ کے رستے پر ہیں یعنی علیؑ کے مذہب پر ہیں تو یہ جو ہم کہتے ہیں شیعہ مذہب یعنی علیؑ کا مذہب۔ علیؑ کا راستہ، علیؑ کا طریقہ۔ اس حوالے سے شیعہ پر مذہب کا عنوان بھی بولا جاسکتا ہے۔

شیعہ مذہب کا مطلب

شیعہ مذہب کا مطلب کیا ہے؟ علیؑ کے پیروکاروں کا راستہ۔ ہمارا مذہب شیعہ ہے اس کا کیا مطلب؟ یعنی ہمارا راستہ علیؑ کا راستہ ہے، ہم علیؑ کی جماعت ہیں معنی یہ ہے دین اسلام ہے اور دین کے معنی میں مذہب بھی استعمال ہوتا ہے وہ بھی اسلام ہے، شریعت اسلام ہے، قانون اسلام ہے، اسلام کے سوا کوئی اور قانون نہیں ہے

شیعہ کب وجود میں آئے

شیعہ کب وجود میں آئے؟ اس جماعت کی بنیاد کب پڑی؟ تو یہ بات آپ خوب یاد کرلو کہ شیعہ کا معنی ہوتا ہے پیروی کرنا شیعہ کا معنی ہوتا ہے مدد دینا، شیعہ کا معنی ہوتا ہے جماعت اور ہم علیؑ کی جماعت ہیں کسی اور کی نہیں، علیؑ کے معاون ومددگار ہیں اور اولادِ علیؑ، آئمہ اطہارؑ کے ناصران ہیں ہم بارہ امامی ہیں ہمارا مذہب، ہمارا دین اسلام ہے لیکن یہ جو محاورہ عام استعمال ہوتا ہے تو اسکا مطلب یہی ہے کہ ہم اس راستے پر ہیں جو علیؑ کا ہے فلاں شیعہ مذہب والا ہے یعنی اس عنوان کے اندر جو چیز چھپی ہوئی ہے وہ یہی ہوتا ہے کہ یہ علیؑ والے ہیں۔ شیعہ مذہب والے ہیں یعنی علیؑ والے ہیں، علیؑ کے پیروکار ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ شیعہ کب وجود میں آئے؟ شیعہ جماعت اسلام میں کب بنی؟ کیا شیعہ اور اسلام دو چیزیں ہیں؟ یا شیعہ اور اسلام ایک چیز ہے؟ اسلام دین ہے یعنی نظام حیات ہے اور دین کا معنی نظام زندگی ہے۔ یعنی ہم نے زندگی کیسے گزارنی ہے؟ ہمیں کیا کرنا ہے اس دنیا میں؟ اللہ نے ہم سے کیا چاہا ہے کہ ہم دنیا میں کیسے رہیں؟ کیسے اٹھیں؟ کیسے بیٹھیں؟ کیسے چلیں؟ کس طرح بولیں؟ کیا کھائیں؟ کیا نہ کھائیں؟ کونسی چیز استعمال کرنا ہمارے لئے جائز ہے؟ کونسی چیز استعمال کرنا جائز نہیں ہے؟ ہمارے ایک دوسرے پر حقوق ہیں ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں؟ والدین کے کیا حقوق ہیں؟ اولاد کے کیا حقوق ہیں؟ انکا آپس میں تعلق جو ہے وہ کس قسم کا ہونا چاہیے؟ ہمسائیوں سے کیسے تعلقات ہوں انکے کیا حقوق ہیں؟ رشتہ داروں کے کیا حقوق ہیں؟ بستی والوں کے کیا حقوق ہیں؟ ایک ملک اور ایک وطن اور ایک سرزمین جس میں رہتے ہیں اس کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ پوری دنیا کے حوالے سے پورے انسانوں سے ہمارا رابطہ کیسا ہونا چاہیے؟ جو مسلمان نہیں ہیں ان سے ہمارا کیسے رابطہ ہونا چاہیے؟ مسلمانوں کا آپس میں رابطہ کیسا ہونا چاہیے؟ سسٹم اور نظام کیا ہو، کیسا ہو، وہ دین کونسا ہے وہ اسلام ہے، اسلام نظام حیات ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کیلئے پسند کیا ہے اور ہم نے اسے قبول کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس دین کو لائے یہ اللہ کا پسندیدہ نظام اسلام ہے اور حضرت آدمؑ کا دین بھی یہی اسلام تھا حضرت ابراہیمؑ کا دین بھی یہی اسلام تھا حضرت ابراہیمؑ نے اعلان کر کے کہا کہ میں مسلمان ہوں حضرت ابراہیمؑ کی اولاد اسحاقؑ واسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ سے بنی اسرائیل کے انبیاءؑ چلے اور حضرت اسماعیلؑ سے ابراہیمی شریعت کا سلسلہ چلا۔ تو وہ سارے مسلمان تھے حضرت نوحؑ وہ بھی مسلمان تھے حضور پاکؐ اسلام کی آخری شکل لے آئے جو کامل نظام تھا اس کو لے آئے اور حضور پاکؐ نے ستائیس رجب کو چالیس سال کی عمر جب آپؐ کی مکمل ہوئی تو باقاعدہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو حکم ہوا کہ آپؐ گھر جا کر اسلام کی دعوت دیں تو آپؐ نے آغاز بی بی خدیجہؑ اور مولا علیؑ سے کیا اور سب سے پہلے مسلم مولا علیؑ اور بی بی خدیجۃ الکبریٰؑ ہیں اور اسکے بعد یہ سلسلہ چلا اور گھر سے باہر والے مسلمان ہوتے گئے یہ ایک الگ اور مفصل بحث ہے کہ اسلام کس طرح پھیلا فی الحال ہم نے اس بحث میں نہیں جانا۔

شیعہ کا آغاز

سوال یہ ہے کہ شیعہ کا آغاز کب ہوا؟ شیعہ کا آغاز یعنی باقاعدہ لفظ شیعہ کا استعمال!! تو یہ خود حضور پاکؐ نے کیا اور کب کیا؟! جب حضور پاکؐ کو حکم ہوا کہ آپؐ اپنے خاندان کو، اپنے قبیلے سے قریبی افراد یعنی بنی ہاشمؑ کو اسلام کی دعوت دیں جسے

دعوت ذوالعشیرہ کہتے ہیں سورہ مدثر میں ہے ''وانذر عشیرتک الاقربین'' اپنے قریب ترین قبیلے والے جو ہیں دور والے نہیں، قربیٰ سے وہی مراد بنی ہاشمؑ تھے اپنے چچاؤں کو، کزنوں کو، اپنے قریبیوں کو دعوت دی تو اس دعوت کیلئے باقاعدہ انتظام کیا گیا آپ دعوت ذوالعشیرہ بارے میں مجلسوں میں سنتے رہتے ہیں۔ یہ جو تاریخ اسلام آپ کو پڑھائی جارہی ہے تو اس میں بھی اسکا ذکر موجود ہے دعوت ذوالعشیرہ میں حضور پاکؐ نے جب یہ کہا کہ کون ہے جو میرا مددگار بنے؟ کون ہے جو تبلیغ میں میرا ساتھی بنے گا؟ میرا معاون ہوگا اور میرا مشیر ہوگا تو علیؑ مولا ہی بار بار کھڑے ہوئے اس وقت سب اپنے ہی خاندان والے تھے باہر والے لوگ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے تو وہیں پر حضور پاکؐ یہ فرما رہے تھے کہ آج جو میری حمایت کرے گا کل وہی میرا قائمقام، میرا وزیر، میرا مشیر ہوگا۔ تو مولا علیؑ بار بار کھڑے ہوتے تھے دس سال مولا علیؑ کی عمر تھی تو آپ نے تیسری مرتبہ جب کھڑے ہو کر اعلان کیا تو حضور پاکؐ نے وہیں پر ہی یہ جملہ فرمایا کہ اے علیؑ! تم اور تمہارے شیعہ تمہاری جماعت والے ہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہیں کیونکہ مولا علیؑ جو اعلان کر رہے تھے وہ یہ جملہ فرما رہے تھے کہ ''انا ناصرک یا رسول اللہ'' میں آپؐ کی مدد کروں گا یا رسول اللہؐ! میں آپ کا زور کمر بنوں گا، زور بازو بنوں گا، تو جو لفظ وہاں پر استعمال ہوا وہ لفظ شیعہ تھا یہ واقعہ کوئی اسلام کی پہلی وحی کے تین سال بعد بعض روایات کے مطابق ہوا اور اس کے بعد یہ سلسلہ چلتا رہا جب بہت سارے اصحابؓ آ گئے اور بہت سارے مسلمان ہو گئے تو اصحابؓ میں بھی دو گروپ تھے ایک گروپ وہ تھا جو علیؑ کی سائیڈ میں زیادہ رہتا تھا وہ کہتے تھے کہ یہ علیؑ کا گروپ ہے اور کچھ وہ تھے جو عثمان کی سائیڈ پر زیادہ رہتے تھے تو کہا جاتا تھا کہ یہ عثمان کا گروپ ہے اصحابؓ میں گروپنگ حضور پاکؐ کے زمانے میں بھی موجود تھی تو یہ لفظ حضور پاکؐ نے استعمال کیا بعد میں اسلام میں داخل نہیں ہوا۔

شیعہ کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ

آج کے دور میں شیعہ کے خلاف بہت ساری غلط باتیں پھیلائی جاتی ہیں جو ہمارے عقائد نہیں ہیں وہ ہمارے سر تھوپے جاتے ہیں اور اس پہ بعض تنگ نظر اہل سنت کے علماء جو حقائق سے ناواقف ہیں یا متعصب ہیں یا بدنیت ہیں وہ اس قسم کی باتیں کہہ کر ان باتوں کو شیعوں کی طرف نسبت دے کر کہتے ہیں کہ شیعہ اسلام سے خارج ہیں اور یہ کافر ہیں ابھی حال ہی میں میانوالی کے گاؤں میں ڈھوک بھرتال میں ایک شخص نے جوہر آباد کے مفتی کو خط لکھا کہ شیعہ کا جنازہ ہوا ہے اور اس میں سنی بھی شریک ہوئے ہیں ایک سنی پیش نماز بھی شریک ہوا ہے تو اسکے بارے میں بتائیں تو اس نے جواب لکھا کہ شیعہ کافر ہیں لیکن کفر کی وجہ بھی لکھی۔ اور ایسی باتیں اہل سنت کے مدارس میں ان طلباء کو پڑھائی جاتی ہیں آپ سکولوں میں پڑھتے ہیں پھر بھی جائینگے سکولوں میں سنی بچوں سے ملیں گے ممکن ہے آپ سے وہ یہ کہیں اور آپ کے پاس جواب نہ تو میں چاہتا ہوں کہ آپ کو پتہ ہو وہ ہمارے بارے میں کیا سوچتے ہیں جو وہ کہتے ہیں وہ جھوٹ ہے تاکہ آپ جرأت کے ساتھ کہہ سکو اور چیلنج بھی کر سکو اور اپنے ساتھیوں کو بتا سکو کہ ہمارے عقائد وہ نہیں جو تمہیں بتائے جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ شیعہ کہتے ہیں اللہ علیؑ میں حلول کر گیا ہے یعنی ایک شخص علیؑ ہے جو اللہ ہے خالق کائنات علیؑ کے جسم میں آ گیا ہے لہٰذا یہ کافر ہیں۔

ہمارا عقیدہ علیؑ مولا کے بارے

ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے علیؑ اللہ کی مخلوق ہیں علیؑ اللہ کے ولی ہیں ہم روزانہ اذان میں کہتے ہیں ''اشھدان علیا ولی اللہ'' خود ہماری اذان ان کی اس بات کا جواب ہے ہم علیؑ کو اللہ کا ولی کہتے ہیں'' حجت اللہ '' علیؑ کو اللہ کا اللہ کی زمین پر نمائندہ کہتے ہیں، دوسری بات اس نے لکھی کہ یہ کہتے ہیں کہ جبرئیلؑ نے آنا علی کے پاس تھا بھول کر وہ رسول پاکؐ کے گھر چلا گیا وہ کیسا جبرئیل تھا کہ جس کو یہ بھی سمجھ نہیں آئی کہ یہ علیؑ ہے اور یہ محمدؐ ہے تو بھئی یہ ہمارا عقیدہ نہیں ہے انکا ہوگا ہم شیعوں کا نہیں ہے ہمارے نزدیک تو یہ ہے کہ علیؑ خود فرماتے ہیں'' کفی الی فخراً ان اکون عبداً من عبید محمد '' میرے فخر کیلئے یہ کافی ہے کہ میں حضور پاکؐ کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ علیؑ باقی انبیاءؑ سے افضل ہیں اگر کوئی آپ سے کہے کہ یہ کیا؟ آپ کہہ رہے ہو کہ علیؑ انبیاءؑ سے افضل ہیں؟ تو آپ اس کا جواب دیں، آپ لوگوں نے اہل سنت کے ہاں ہر مولوی کو یہ روایت پڑھتے ہوئے سنا بھی ہوگا کہ حضور پاکؐ نے فرمایا میری امت کے جو علماء ہیں وہ بنی اسرائیل کے نبیوںؑ سے افضل ہیں اور جو بنی اسرائیل کے انبیاءؑ تھے وہ باقی انبیاءؑ سے افضل تھے، اسرائیل

حضرت یعقوبؑ کا نام تھا حضرت یعقوبؑ حضرت یوسفؑ کے بابا تھے انکا دوسرا نام اسرائیل تھا انکے بارہ بیٹے تھے تو آگے نبوت چلی بعض بیٹوں میں تو اس لئے بنی اسرائیل کے انبیاءؑ یعنی حضرت یعقوبؑ کی اولاد سے جو انبیاءؑ ہیں اور وہ انبیاءؑ باقی نبیوںؑ سے زیادہ فضیلت والے تھے البتہ جو اسماعیلی سلسلہ تھا تو حضرت اسماعیلؑ سب سے افضل تھے کیونکہ آپ رسول آخرالزمان کے جد امجد تھے اور ابراہیمی شریعت کے امین بھی، ابراہیمی شریعت باقی شرائع سے افضل تھی۔ اور انکی اولاد سے اوصیاء آئے اور پھر حضور پاکؐ کا زمانہ آتا ہے حضور پاکؐ تو سب کے سردار ہیں تو ان سے کہو کہ مسلمانوں کے جو علماء ہیں وہ بنی اسرائیل کے نبیوںؑ سے افضل ہو سکتے ہیں تو علیؑ عالم نہیں؟! جب کہ علیؑ عالم ہی نہیں بلکہ علماء کے سردار ہیں اہل سنت بھی انکو قبول کرتے ہیں کہ حضور پاکؐ نے فرمایا کہ "انا مدینة العلم وعلی بابها من اراد العلم فليعظ بابها" میں علم کا شہر ہوں علیؑ اس علم کے حصول کا وسیلہ ہیں یعنی اگر میرا علم چاہیے تو علیؑ کے پاس آؤ وہ تمہیں میرا علم دے گا علیؑ کے عالم ہونے کی دلیل خود رسول پاکؐ دے گئے اور یہ حدیث فقط شیعوں کے ہاں نہیں بلکہ سنیوں کے ہاں بھی ہے اور اس حدیث کا کوئی انکار نہیں کرتا اگر باقی باتیں چھوڑ دو خود ان ہی کی اپنی باتوں کے لحاظ سے بھی دیکھو تو علیؑ نبیوںؑ سے افضل ہیں لیکن علیؑ جو سارے نبیوںؑ سے افضل ہیں اور علیؑ کی غلامی کو فخر سمجھتے ہیں تو وہ علیؑ کہتے ہیں کہ میرے لئے فخر یہ ہے کہ میں حضور پاکؐ کا غلام ہوں انہیں رسولؐ کے غلام ہونے پر فخر ہے یہ ہمارا عقیدہ ہے اس لئے ہم اذان میں کہتے ہیں کہ "خليفة رسول الله" اذان میں کہتے ہیں وصی رسول اللہ، علی اللہ کے رسولؐ کے خلیفہ ہیں، علیؑ اللہ کے رسولؐ کے غلام ہیں سارا جواب ہم اذان میں دے دیتے ہیں اگر وہ سمجھیں تو اذان میں جواب موجود ہے "اشهدان علیاًامیر المومنین" "علیؑ مومنوں کے امیر ہیں، علیاً ولی اللہ وصی رسول اللہ علیؑ رسولؐ کے وصی ہیں، علیؑ مولا رسول اللہؐ کے بعد سب سے افضل ہیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ "علی خیر البشر من انکر فقد کفر" علیؑ حضور پاکؐ کے بعد جتنے انسان ہیں سارے انسانوں میں افضل اور اشرف ہیں اور جو علیؑ کی اس فضیلت کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ تیسری بات تھی کہ یہ لوگ ہمارے اوپر تہمت اور جھوٹ باندھتے ہیں (جاری ہے)

☆☆......☆......☆☆

بقیہ......ہم مخلوق کے شب و روز اعمال پر گواہ ہیں

تیسرا یہ کہ "مومنین" کا ذکر اسی صورت میں صحیح ہے کہ مراد سب اعمال ہوں اور غیر معمولی طریقوں سے معلوم ہوں ورنہ جو اعمال آشکار اور واضح ہیں وہ تو مومنین اور غیر مومنین سب دیکھتے ہیں یہاں سے ضمنی طور پر یہ نکتہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس آیت میں مومنین سے مراد سب صاحب ایمان افراد نہیں ہیں بلکہ ان میں سے کچھ مخصوص افراد ہیں جو علم اللہ سے اسرار غیبی سے آگاہ ہیں یعنی رسول اللہؐ کے حقیقی جانشین"۔

اہم نکتہ کی طرف متوجہ ہوں

ایک اہم نکتہ جس کی طرف توجہ کرنا چاہیے یہ ہے کہ جس طرح پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ اعمال کے پیش ہونے کا مسئلہ اس کے معتقدین کیلئے بہت زیادہ تربیتی اثر رکھتا ہے کیونکہ جب ہمیں یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کہ ہر جگہ میرے ساتھ ہے اس کے علاوہ پیغمبر اکرمؐ اور ہمارے محبوب پیشوا ہر روز یا ہر ہفتے میرے ہر عمل سے چاہے وہ اچھا ہو یا بُرا۔ آگاہ ہو جاتے ہیں تو بلا شبہ ہم زیادہ احتیاط کریں گے اور اپنے اعمال کی طرف متوجہ رہیں گے بالکل اسی طرح جیسے کسی ادارے میں کام کرنے والوں کو معلوم ہو کہ ہر روز یا ہر ہفتے ان کے تمام اعمال پوری تفصیل سے اعلیٰ افسروں کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور وہ اُن سے باخبر ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے کاموں کو بڑی توجہ سے سرانجام دیں گے۔

تفسیر نور کے مفسر لکھتے ہیں

آغا محسن قرائتی تفسیر نور مترجم ج سوم کے ص ۱۱۶ پر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت بیان کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسولؐ اور مومنین ہمارے اعمال سے آگاہ ہیں یہ شیعوں کا وہی عقیدہ ہے جو اس بات پر متفق ہے جو، اس بات پر مبنی ہے کہ ہمارے اعمال اولیاء خدا (ائمہ اطہارؑ) کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں یہ یا تو روزانہ یا ہفتہ وار یا ہر مہینے پیش کئے جاتے ہیں اگر ہمارے اعمال اچھے ہوتے ہیں تو اولیاء اللہ ہم سے خوش ہوتے ہیں اور اگر بُرے ہوتے ہیں تو غمگین اور پریشان ہو جاتے ہیں اس عقیدے پر ایمان، انسان کے اندر حیا اور تقویٰ پیدا کرتا ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں "لوگو! تم اپنے گناہوں کے ذریعے رسول خدا کو تکلیف نہ پہنچاؤ"۔

☆☆......☆......☆☆

آیہ تطہیر اور اہل بیت رسولؐ

اللہ

حسنؑ حسینؑ علیؑ فاطمہ محمدؐ

...إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا

"...Allah only desires to keep away abomination from you,
O people of the house! And to purify you a (Thorough) purifying"
Surah Ahzaab (33): 33

تحقیق و ترتیب......امۃ المہدی

سورہ احزاب آیت ۳۳ میں ارشاد خداوندی ہے: **"انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا"**

"یقیناً اللہ کا ارادہ ہے کہ تم اہل بیتؑ سے ہر قسم کی نجاست کو دور رکھے اور تمھیں ایسا پاک رکھے جیسا کہ پاک رکھنے کا حق ہے"۔

مصباح الہدایہ تالیف آیت اللہ العظمیٰ حاج سید علی موسوی بہبہانی ص ۲۱۷ تا ۲۲۶ پر "طہارہ اہل بیتؑ" عنوان دے کر مندرجہ بالا آیت نقل کرنے کے بعد یہ حدیث نقل کرتے ہیں

حضرت نبی اکرمؐ کی احادیث

غایۃ المرام ص ۲۸۹ میں ہے کہ ثعلبی نے اپنے اسناد کے ساتھ عبداللہؓ ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا

"اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے اور مجھے ان میں سے بہترین حصے میں قرار دیا ہے اور اسکے بارے میں فرمایا ہے **"واصحاب الیمین مااصحاب الیمین"** تو میں بہترین اصحاب یمین ہوں (سورہ واقعہ ۲۷)

پھر ان دو قسموں کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے اور مجھے بہترین حصے میں قرار دیا ہے اور اس کے بارے میں فرمایا ہے **"واصحاب المیمنہ ما اصحاب المیمنہ والسابقون السابقون"** (سورہ واقعہ ۸،۱۰)

اور میں بہترین سابقین میں سے ہوں پھر ان حصوں کو قبائل کی صورت میں تقسیم کیا اور مجھے بہترین قبائل میں سے قرار دیا پھر قبائل کو خاندانوں میں تقسیم کیا اور مجھے بہترین خاندان میں سے قرار دیا اور میرے خاندان کے متعلق فرمایا

"انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا"

نزول آیہ تطہیر

غایۃ المرام ص ۲۸۹ میں ہے کہ حمیدی اپنی اسناد کے ساتھ حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہیں

ایک دن حضرت رسول اکرمؐ سیاہ بالوں سے بنی ہوئی چادر اوڑھ کر میرے حجرے سے نکلے اتنے میں حسنؑ بن علیؑ آئے حضرت رسول اللہؐ نے انہیں اپنی عبا کے اندر کرلیا پھر حسینؑ آئے انہیں بھی آپؐ نے اپنی عبا کے اندر کرلیا پھر فاطمہؑ اور علیؑ آئے انہیں بھی عبا کے اندر لے آئے اور فرمایا: **"انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا"**

آیت تطہیر کی تلاوت کرنا

سنن ابوداؤد اور موطا مالک میں انس بن مالک سے روایت کی گئی ہے کہ آیت تطہیر کے نزول کے بعد چھ ماہ تک ہر روز حضرت نبی اکرمؐ صبح مسجد میں جانے سے پہلے دروازہ فاطمہ سلام اللہ علیہا پہ آتے تھے اور اس آیت کی تلاوت فرماتے۔

(غایۃ المرام ص ۲۸۹)

❁ ابو برزہ کی روایت میں ہے کہ میں نے ۱۷ مہینہ نماز آنحضرتؐ کے ساتھ پڑھی آپؐ جب گھر سے نکلتے تھے تو سیدھے باب فاطمہ زہراؑ پر آ کر فرماتے تھے **"الصلاۃ علیکم انما یرید اللہ......الخ"** (مجمع الزوائد)

❁ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ میں آنحضرتؐ کے ساتھ ۹ ماہ رہا آپؐ روزانہ نماز کے وقت حضرت علیؑ کے دروازے پر آ کر فرماتے **"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"** "اہل البیتؑ انما یرید اللہ......الخ" آپ کا روزانہ پانچ مرتبہ کا یہی معمول تھا (الدر المنثور)

ابن حجر کا نظریہ

ابن حجر الہیثمی جو ان روایات کو ضعیف کہتے ہیں وہ بھی سب سے زیادہ اس آیت کریمہ کی توجیہ کرنے پر اصرار کرتے ہیں اور یہ کہنے پر مجبور ہیں۔

''اکثر مفسرین کا قول یہی ہے کہ (آیت تطہیر) حضرت علیؑ۔ فاطمہؑ۔ حسنؑ۔ حسینؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے''۔ (الصواعق المحرقہ ص ۱۴۳)

حضرت رسول اللہؐ نے خود ہی اتنی وضاحت فرمادی ہے جس سے شک کی گنجائش ہی ختم ہوگئی ہے چنانچہ آپؐ فرماتے ہیں یہ آیت میرے اور علیؑ۔ فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے'' (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۸۵۔ ذخائر العقبیٰ۔ محب الدین طبری)

علامہ عبدالحسین شرف الدین لبنانی لکھتے ہیں

''الکلمۃ الغراء فی تفصیل الزہراءؑ جو الفصول المہمہ میں چھپی ہے اسکا ص ۲۰۴۔ ۲۰۵ ملاحظہ فرمائیں علامہ عبدالحسین لکھتے ہیں۔

''تمام اسلامی مذاہب کے اہل قبلہ کا اجماع ہے کہ جب آیہ تطہیر نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے حضرات حسنینؑ۔ حضرت علیؑ و حضرت فاطمہؑ کو اپنے پاس اکٹھا کر کے اپنے ساتھ ان لوگوں پر چادر ڈالی تا کہ یہ حضرات تمام بیٹوں۔ نفسوں اور عورتوں سے متمیز ہو جائیں جب سب کے سب تمام خاندان سے الگ ہو کر چادر کے نیچے آگئے اور اس چادر کے ذریعہ پوری امت کی نظروں سے چھپ گئے تو اسی حالت میں ان کو رسول اللہؐ نے آیت سنائی اس عمل کا مقصد صرف یہ تھا کہ آلؑ اور اصحابؓ میں سے کسی ایک فرد کو اس میں شرکت کی طمع نہ رہے چنانچہ آپؐ نے تمام لوگوں سے علیحدگی میں صرف انہی حضرات کو مخاطب کر کے فرمایا: ''انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا''

پس ان حضرات پر پردہ ڈال کر ان کو شک و ریب کے پردے سے الگ کر دیا اور شبہات کو ختم کر دیا لہٰذا آپؐ کی حکمت بالغہ کی بناء پر اہل بیتؑ میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوسکا اور بلاغت بیان کی شعاعوں سے آنحضرتؐ کا مقصد واضح و روشن ہوگیا والحمد للہ رب العالمین۔

تبصرہ

علامہ محمد محمدی الآصفی ''اہل بیتؑ ......الخ'' کے ص ۹۸ پر مندرجہ بالا حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں'' آیت کے بارے میں لوگوں کو یہ اشتباہ نہ ہونے پائے کہ اہل بیتؑ سے کون حضرات مراد ہیں؟ اس لئے آنحضرتؐ نے یہ عجیب و غریب طریقہ استعمال کیا تھا تا کہ اہل بیتؑ کا انحصار انہی حضرات میں رہے اور ان میں کوئی دوسرا داخل نہ ہو سکے۔

یہ بات بھی شک سے بالا ہے کہ اس امر کی تبلیغ اور اہل بیتؑ کی حد بندی کیلئے آنحضرتؐ نے جو اتنا اہتمام فرمایا تھا اسکا کوئی نہ کوئی اہم مقصد تو رہا ہی ہوگا اور واقعاً اسکا نتیجہ بعد میں مسلمانوں کی تاریخ و حیات و دین میں مرتب ہو کے رہا۔

اگر آیت کا مقصد صرف اہل بیتؑ کا احترام ہوتا کہ یہ رسول اللہؐ کے قرابت دار ہیں اس لئے ان کا احترام کرنا چاہیے تو پھر حضرت رسول اللہؐ کو اتنے اہتمام و تاکید اور ان کے ناموں کے اعلان اور ان کے انحصار کیلئے اتنے مختلف طریقے استعمال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور نہ ہی جناب سیدہ زہراؑ کے مکان کے سامنے روزانہ پانچ مرتبہ یا کم از کم ہر نماز کے وقت بنا بر اختلاف روایات ۶ ماہ یا ۷ ماہ یا ۸ ماہ یا ۹ ماہ یا ۱۷ ماہ مسلمانوں کے سامنے مسلسل اعلان کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

یقیناً یہ بات عجیب تھی اور اس میں کوئی راز پوشیدہ تھا اور کسی نہ کسی طرح اس حقیقت کو آنحضرتؐ مختلف بیانات اور مختلف طریقہ ہائے عمل سے آشکار کرنا چاہتے تھے۔

- اس لئے کبھی تو اہل بیتؑ کا نام بتاتے تھے۔
- کبھی ان کے منحصر ہونے کو بتاتے تھے اور فرماتے تھے ''اللهم هولاء آلی ......الخ''
- اور کبھی ان کو چادر کے نیچے جمع کر کے فرماتے تھے جس میں کسی دوسرے کو داخل نہیں ہونے دیتے تھے۔
- انتہا یہ ہے کہ اپنی بیوی ام سلمیٰؓ کو اس کے اندر داخل ہونے سے منع کر دیتے تھے
- کبھی ہر ایک کا تعارف کیے بعد دیگرے نام بنام کراتے تھے۔
- کبھی اہم ترین افراد امت کو اپنے ہمراہ لے کر مدتوں در سیدہؑ پر آ کر سلام کرتے اور ان کی طہارت کا اعلان فرماتے تھے۔

ابن ابی حدید کا نظریہ

ابن ابی حدید معتزلی اپنی کتاب شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں ''حضرت نبی اکرمؐ خود بتا کر گئے ہیں کہ ان کے اہل بیتؑ کون ہیں؟ جب انہوں نے فرمایا کہ'' میں تم میں دو گراں بہا چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک کتاب خدا دوسری اپنی عترت

پھر ان پر عبا اوڑھ کر فرمایا ”یہ میرے اہل بیتؑ ہیں“ تیسری مرتبہ اس وقت وضاحت کی جب آیت تطہیر اتری۔

اہل بیتؑ کون ہیں؟

ابن ابی حدید مزید کہتے ہیں کہ اگر تم یہ کہو کہ وہ اہل بیتؑ کون ہیں؟ جن کا ذکر حضرت علیؑ نے نہج البلاغہ میں کیا ہے تو میں کہوں گا وہ علیؑ و فاطمہؑ اور ان کے دو بیٹے حسنؑ اور حسینؑ ہیں بلکہ درحقیقت اصل عترت خود علیؑ ہیں کیونکہ ان کے بیٹے تو ان کے تابع ہیں اور ان کی نسبت اپنے باپ سے وہی ہے جو ستارے کی نسبت سورج سے ہے حضرت نبی اکرمؐ اسی مطلب کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ تمہارا باپ تم سے افضل ہے۔

حضرت امیرالمومنینؑ عترت رسولؐ کے بارے میں فرماتے ہیں ”وھم ازمة الحق“ ”حق کی لگام انکے ہاتھ میں ہیں“ (شعراء۸۴)

پس جہاں اہل بیتؑ ہونگے وہیں حق ہوگا جدھر یہ جائیں گے ادھر حق جائے گا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت رسول اللہؐ فرماتے ہیں کہ ”حق علیؑ کے پیچھے پیچھے چلتا ہے“۔

فضائل اہل بیتؑ کا منبع و سرچشمہ

علامہ حسین بخش جاڑاؒ تفسیر انوار النجف ج ۱۱ ص ۱۸۸ پر لکھتے ہیں کہ ”انما یرید اللہ ......الخ“ اس آیت مجیدہ کا نام آیت تطہیر ہے اور یہ آیت فضائل و مناقب اہل بیتؑ کیلئے منبع اور سرچشمہ کی حیثیت رکھتی ہے بلکہ قرآن مجید میں اسکا وجود اہل بیتؑ کے خلاف لکھنے بولنے اور سوچنے والوں کا ناطقہ بند کرنے کیلئے کافی ہے

ارباب سیر اور روایات حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس مقام پر اہل بیتؑ سے مراد پنجتن پاکؑ ہیں چنانچہ یہ روایت کتب فریقین میں حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں

ازواج اہل بیتؑ میں شامل نہیں

❁ البرہان ج ۳ ص ۳۲۴ روایت صحیح مسلم سے نقل کی ہے کہ زید بن ارقم سے کسی نے پوچھا کہ کیا ازواج رسول بھی اہل بیتؑ میں داخل ہیں زید نے جواب دیا نہیں اہل بیتؑ رسولؐ وہ ہیں جن پر صداقہ حرام ہے۔

❁ تفسیر انوار النجف ج ۱۱ ص ۱۹۴ پر تفسیر ثعلبی کے حوالے سے منقول ہے کہ حضرت ام سلمیٰؓ کہتی ہیں کہ پس اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ”انما یرید اللہ ......الخ“ پس تو آنحضرتؐ نے علیؑ و فاطمہؑ۔ حسنؑ۔ حسینؑ پر خیبری چادر ڈال دی اور دعا مانگی ”اے اللہ یہ میرے اہل بیتؑ اور عترت ہیں ان سے رجس کو دور رکھ اور ان کو پاک رکھ جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے“ تو میں نے کہا یا رسول اللہؐ میں بھی آپؐ کے ہمراہ ہوں؟ تو حضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا ”تو نیکی پر ہے“ (درالمنثور سیوطی)

❁ اہل بیتؑ آیہ تطہیر کی روشنی میں تالیف علامہ محمد محمدی الآصفی ناشر دار الثقافہ کراچی ص ۹۵ پر مندرجہ بالا روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں حضرت نبی اکرمؐ نے حضرت ام سلمیٰؓ کے خیر پر ہونے کی نفی نہیں فرمائی لیکن اہل بیتؑ سے ہونے کی نفی کر دی حالانکہ وہ آنحضرتؐ کی بیوی تھیں امہات المومنین میں سے تھیں اور جب یہ روایت صحیح ہے تو پھر امہات المومنین کو اہل بیتؑ میں داخل کرنے کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی“۔

اہل اسلام کا اتفاق ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ آیت کریمہ پنجتن پاکؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے اس پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے اور شیعہ و اہل سنت کی نقل کردہ روایات متواترہ اس کی تائید کرتی ہیں۔ ہم اہل سنت مفسرین۔ محدثین اور مورخین کے صرف دو حوالے نقل کر رہے ہیں کہ جن کا نظریہ یہی ہے کہ آیت تطہیر صرف اور صرف پنجتن پاکؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ حوالے ملاحظہ فرمائیں۔

❁ صحیح مسلم باب فضائل اہل بیتؑ ج ۲ ص ۲۶۸ ❁ صحیح ترمذی ج ۵ ص ۳۰ ❁ مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۳۳۰ ❁ مستدرک الحاکم ج ۳ ص ۱۲۳ ❁ خصائص امام نسائی ص ۴۹ ❁ تلخیص الذہبی ج ۲ ص ۱۵۰ ❁ معجم الطبرانی ج ۱ ص ۶۵ ❁ شواہد التنزیل للحاکم الحسکانی ج ۲ ص ۱۱ ❁ البخاری فی التاریخ الکبریٰ ج ۱ ص ۶۹ ❁ الاصابہ لابن حجر العسقلانی ج ۲ ص ۵۰۲ ❁ تفسیر الفخری الرازی ج ۲ ص ۷۰۰ ❁ ینابیع المودہ للقندوزی حنفی ص ۱۰۷ ❁ مناقب الخوارزمی ص ۲۳ ❁ السیرت الحلبیہ ج ۳ ص ۲۱۲ ❁ السیرت الدحلانیہ ج ۳ ص ۳۲۹ ❁ اسد الغابہ لابن الاثیر ج ۲ ص ۱۲ ❁ تفسیر الطبری ج ۲۲ ص ۶ ❁ الدر المنثور للسیوطی ج ۵ ص ۱۹۸ ❁ تاریخ ابن عساکر ج ۱ ص ۱۸۵ ❁ تفسیر الکشاف للزمخشری ج ۱ ص ۱۹۳ ❁ احکام القرآن الابن عربی ج ۲ ص ۱۶۶ ❁ تفسیر القرطبی ج ۱۴ ص ۱۸۲ ❁ الصواعق المحرقہ ابن حجر ص ۸۵ ❁ الاستیعاب ج ۴ ص ۳۱۱ ❁ العقد الفرید ج ۴ ص ۳۱۱ ❁ منتخب کنز الاعمال ج ۵ ص ۹۶ ❁ مصابیح السنہ للبغوی ج ۲ ص ۲۷۸ ❁ اسباب النزول للواحدی ص ۲۰۳ ❁ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۸۳۔

☆☆......☆......☆☆

حضرت سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا مقامِ رسالت، بعثت کے مقاصد، اپنا تعارف عظیم باپ کی توصیف اور اپنے خدا پسند شوہر کی شجاعت کا ذکر فرماتی ہیں

پیشکش...... رباب فاطمہ۔ ایم، ایس، سی

ترجمہ...... علامہ ابن حسن نجفی

نیز مکرر گواہی دیتی ہوں کہ میرے باپ محمدؐ اللہ کے بندے اور اسکے رسولؐ ہیں خدا نے رسالت کا منصب دینے سے پہلے انہیں اس عہدے کیلئے چُن لیا تھا اور اس نے ابھی پیدا ابھی نہیں کیا تھا کہ جہاں جہاں چاہا آپ کا نام روشن کر دیا نیز کارِ نبوت کی بجا آوری سے قبل نگاہِ قدرت آپ کو اس مقصد کیلئے منتخب کر چکی تھی یہ اس دور کی بات ہے...... جب ساری خلقت نہاں خانہ غیب میں پوشیدہ ...... سب کے سب خوف و وحشت کے پردوں کے پیچھے دبکے ہوئے اور عدم کی آخری حدوں کے بالکل قریب تھے یہ خدا کے علم میں تھا کیونکہ دشتِ امکاں میں جو بھی ہوتا ہے وہ اسکے انجام پانے سے باخبر ہے اسکی آگہی صحنِ کائنات میں رونما ہونے والے ہر واقعے، ہر حادثے اور ہر سرگزشت پر گرفت رکھتی ہے پھر وہ تمام اُمور کے وقوع پذیر ہونے اور جملہ کاموں کے وقت نامے سے خوب واقف ہے اس نے اپنے پیغمبر کو دین حق کی غرض وغایت پورا کرنے کیلئے بھیجا اور انسانی معاشرے میں اپنے آئین کو جاری کرنے کے عزمِ محکم کے ساتھ نیز طے شدہ قطعی احکام اور حتمی قواعد کو نافذ العمل بنانے کی خاطر مبعوث فرمایا جب آپ مبعوث ہوئے تو ملاحظہ فرمایا کہ اقوامِ عالم دینی اعتبار سے بٹی ہوئی اور بڑے تفرقے کا شکار ہیں ان میں سے بعض گروہ تو اپنے آتش کدوں کو سنبھالے بیٹھے ہیں کچھ جتھے اپنے اپنے بتوں کی پوجا پاٹ میں لگے ہوئے ہیں فطرت کے قاعدوں اور دماغ کی صلاحیت سے اللہ کو جاننے کے باوجود اسکی بندگی سے انکاری ہیں لہٰذا پروردگارِ عالم نے میرے پدرِ بزرگوار کے "نور" سے جہالت کے گھُپ اندھیروں کو چھانٹ کر دنیا میں اُجالا کر دیا دلوں کے سارے بَل نکال دیئے ظلمت آشنا آنکھوں کو روشنی عطا کی لوگوں کو ہدایت کی راہیں دکھائیں طرح طرح کی گمرائیوں سے چھٹکارا دلایا۔ ذہن و ضمیر کو حقیقت شناسی کا انداز سکھایا سچے اور اچھے دین کو پہنچوایا اور سیدھے راستے سے لگا دیا پھر اللہ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا اور اس طرح بلایا کہ وہ خوشی خوشی بصد شوق، اور کمال رغبت کے ساتھ آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے ہوئے اپنے رب سے جا ملے اب محمدؐ اس دکھ بھری دنیا کی تکلیفوں سے دور اپنے راحت کدے میں آرام فرما ہیں خدا کے مقرب فرشتے انہیں گھیرے ہوئے ہیں اس بخشنے والے پاک پروردگار کی مرضی شامل حال ہے اور وہ اپنے قادر و مطلق آفریدگار کے سایہ رحمت میں آسودہ ہیں خدا کا درود میرے باپ پر جو اس کے نبیؐ، اس کی وحی کے امین، اسکے برگزیدہ اور ساری خلقت میں سے منتخب کئے ہوئے پسندیدہ بندے تھے انکے حضور سلام اور اللہ کی رحمت و برکت انکے ساتھ ساتھ رہے۔

پھر آپؑ نے فرمایا لوگو! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں فاطمہؑ ہوں اور میرے باپ محمدؐ ہیں میری گفتگو شروع سے اخیر تک ایک جیسی ہوگی اس میں نہ کسی طرح کو تضاد ملے گا اور نہ کوئی کھوٹ دکھائی دے گا نیز میرے اعمالِ حیات میں بھی کوئی ایسا کام نہیں جس کا رشتہ حق و صداقت سے نہ ملتا ہو دیکھو! تمہارے ہاں ایک ایسے رسولؐ آئے جو خود تم ہی میں سے ہیں تمہارا دکھ درد ان پر شاق ہے۔ انہیں نفس نفس تمہاری بھلائی چاہیے وہ ایمان والوں کے لئے بڑے مہربان اور انتہائی شفیق ہیں تم اگر نسب کے حوالے سے انہیں جاننا چاہو تو یاد رکھو کہ وہ میرے اور صرف میرے باپ ہیں تمہاری عورتوں میں سے کسی کو ان سے رشتہ پدری کا اعزاز حاصل نہیں اور میرے شریکِ زندگی (علیؑ) کے چچا زاد بھائی ہیں تمہارے مَردوں میں کسی سے ان کی یہ قرابت داری نہیں حضورؐ سے یہ خاندانی وابستگی ہم لوگوں کے واسطے کس درجہ باعثِ افتخار ہے خدا کے پیمبرؐ نے کس خوش اسلوبی سے کارِ رسالت کو انجام دیا اور مُشرکوں کو انکے کیفرِ کردار سے باخبر فرمایا آپؐ دشمنانِ

خدا کی راہ و روش سے منہ موڑے رہے سرکشوں کے سَر توڑے۔ باغیوں کی گردنیں مروڑیں تاکہ وہ راہِ راست پر آجائیں پیغمبر اکرمؐ نے حکمت کی زبان اور نصیحت انگیز حُسنِ بیان سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا انہوں نے بتوں کو پاش پاش کیا اور نخوت پسندوں کو نیچا دکھایا خدا فراموشوں کے مجمع میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے پھر جہل کی شبِ تار کے پردے اُٹھے اور صبح آگہی کے جلوے پھیل گئے حق اور حقیقت نکھر کر سامنے آئی۔

دین کے پیشوا نے تکلم فرمایا۔ شیطان کے ساتھی دم بخود ہو کر رہ گئے۔ منافقوں کے گروہ ہلاکت کو پہنچے۔ کفر و عداوت کے سارے بَل کُھل گئے اور تمہارے ہونٹوں پر توحید کے رَسیلے بول مچلنے لگے...... ہاں ان حالات کے ظہور میں گنتی کی اُن چند ہستیوں کا بھی حصہ ہے جنہوں نے ناموافق حالات میں بھی اپنی پاکبازی کو سنبھالے رکھا جبکہ مجموعی طور پر تم سب دہکتے ہوئے آتش کدے کے دہانے پر کھڑے تھے طاقتوروں کے سامنے تمہاری حیثیت کیا تھی؟ گھونٹ بھر پانی ......منہ کا نوالہ، جلدی میں آگ لے جانے والے کی ایک چنگاری، قدم قدم روندن میں آنے والی مخلوق، گڑھوں میں جمع گندے پانی سے اپنی پیاس بجھاتے تھے گھانس پھونس سے پیٹ بھرتے تھے ذِلت وخواری تمہارا مقدر بنی ہوئی تھی ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا کہ آس پاس کے لوگ کہیں اغوا نہ کرلیں اللہ نے تمہیں ان تمام اندوہناک واقعات سے حضور محمد مصطفیٰؐ کے صدقے نجات دلائی تمہارے دلدّر (دھڑکے۔ وسوسے۔ شکوک) دور ہو گئے سرکار ختم المرسلینؐ نے زور آوروں کے ہاتھوں بڑے شدائد برداشت کیے مگر عرب کے بھیڑیوں اور سرکش اہل کتاب کا جم کر مقابلہ کیا۔ دشمن جب بھی جنگ کے شعلے بھڑکاتے اللہ ان کو بُجھا دیتا اور جس لمحے بھی شیطان کے ساتھی کوئی فتنہ کھڑا کرتے یا مشرکوں میں سے کوئی اژدہے کی طرح بڑا سا منہ کھولتا۔

خاتم الانبیاءؐ اسلام کے تحفظ کیلئے اپنے بھائی علیؑ کو آگے کر دیتے تھے پھر علیؑ چڑھائی کرنے والوں کو جب تک پامال شجاعت نہیں کر دیتے واپس نہیں آتے تھے ہاں فتنوں کی آگ کو اپنی تیغ کے پانی سے بجھا کر دَم لیتے خدا کی راہ میں ہر سختی جھیلتے اور دین کو بچانے کے واسطے کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھتے وہ اللہ کے رسولؐ سے بہت قریب تھے اور پاک پروردگار نے انہیں اپنے اولیاء کی سَروری عطا فرمائی تھی۔ علیؑ جہاد کے واسطے ہمہ وقت کمربستہ رہتے وہ امت کے خیر خواہ تھے اللہ کا ہر حکم دل سے بجالاتے۔ دین کے تمام اُمور کے لئے جان توڑ کوشش کرتے نیز

جب بات خدا کی ہو تو پھر کوئی کچھ کہے اسے خاطر میں نہیں لاتے تھے مگر تم تو ان دنوں عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے تھے سُکھ چین سے، امن وامان کی چھاؤں میں اطمینان کی سانس لے رہے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ ہم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹیں اور تمہیں یہ بُری خبر سننے کو ملے جنگ کے موقع پر تم کنارہ کش ہو جاتے تھے اور لڑائی دیکھ کر فرار کی راہیں ڈھونڈنے لگتے تھے۔

☆☆......☆......☆☆

بقیہ......توبہ واستغفار کے بارے ارشادات

ان کو دوزخ کے عذاب سے بچالے اور اے ہمارے پروردگار ان کو عدن کی جنتوں میں داخل کر جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے آباء ازواج واولاد میں جو نیک ہوں ان کو بھی داخل جنت کر تو بڑی عزت وحکمت والا ہے اور ان کو گناہوں سے بچالے اور جو گناہوں سے یہاں بچے تو اس پر تیری رحمت ہوگی اور یہی ان کیلئے بہت بڑی کامیابی ہے"۔

اور تیسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"اور جو لوگ اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہیں کرتے اور کسی کو جس کا قتل کرنا حرام ہے ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے اور جو ایسا کرے گا تو اپنے گناہوں کی سزا پالے گا اور روزِ قیامت اس کیلئے دوگنا عذاب ہوگا اور نہایت ذلت سے دوزخ میں ہمیشہ کیلئے داخل ہوگا ہاں جو توبہ کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اللہ تعالیٰ بڑا غفور ورحیم ہے"۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ سے اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے جتنا وہ شخص کہ جس کی تاریک رات کو سواری اور توشۂ سفر گم ہو جائے اور اسکے بعد اسے مل جائے"۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "ہر درد کی ایک دوا ہے اور گناہوں کی دوا استغفار ہے"۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "توبہ کے بعد گناہ کرنے والا شخص آلودہ ہو جاتا ہے"۔

☆☆......☆......☆☆

حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام فی القرآن

مباہلہ

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ (سورۃ آل عمران)

محمدؐ علیؑ فاطمہؑ حسنؑ حسینؑ

شہید محراب آیت اللہ دستغیب

آیہ مباہلہ جناب سیدہ فاطمہ زہراؑ کی شان میں

بزرگ علمائے اہل سنت وشیعہ نے جناب سیدہ فاطمہ زہراؑ کے فضائل ومناقب میں بہت تفصیلی کتب لکھی ہیں جن میں بعض فضائل کا تعلق ان قرآنی آیات سے ہے جو آپؑ کی شان میں نازل ہوئی ہیں منجملہ ان کے ایک آیت مباہلہ ہے:

''پس اسکے بعد کہ تیرے پاس علم آچکا ہے کوئی شخص عیسیٰؑ کے بارے میں جھگڑا کرے تو کہہ دو کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنے نفسوں کو اور تمہارے نفسوں کو پھر ہم خدا کی طرف رجوع کریں اور خدا کی لعنت جھوٹوں پر قرار دیں'' (سورہ آل عمران آیت ۶۱)

تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ کلمہ ''نساء نا'' سے مراد اس آیت مباہلہ میں جناب سیدہ فاطمہ زہراؑ ہیں اور صیغہ جمع کا مطلب یہ ہے کہ جناب سیدہ طاہرہ تمام مومنات کی نمائندہ بن کر میدان مباہلہ میں آئی ہیں۔

اظہار جزم بصدق دعویٰ

رسول اکرمؐ کا اپنے بیٹوں (حسنؑ وحسینؑ) اور جناب سیدہ فاطمہ زہراؑ اور حضرت علی علیہ السلام کو مباہلہ میں شریک کرنا حکمت سے خالی نہیں ہے من جملہ ان کے ایک تو اپنے یقین کا اظہار تھا اور آپؐ کو اپنے دعویٰ نبوت میں اپنی صداقت پر اس قدر اعتماد تھا کہ نصاریٰ نجران کے مقابلہ میں اپنے جگر گوشوں اور جان سے پیارے بچوں حسنین شریفینؑ کو اور اپنی اکلوتی بیٹی کو اور اپنی جان حضرت علی علیہ السلام کو ظلم کے دفاع اور کاذبوں پر نفرین کیلئے ساتھ لائے تا کہ طرفین سے جو بھی باطل پر ہے اس کی بنیاد کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے رسالت مآبؐ فرماتے ہیں کہ مجھے اپنی صداقت وحقانیت کا اتنا یقین تھا کہ میدان مباہلہ میں اپنی عزیز ترین ہستیوں کو اپنے ساتھ لایا۔

مباہلہ میں کس طرح تشریف لے گئے؟

نصاریٰ نے جب مباہلہ قبول کیا تو چوبیس ذی الحج ۱۰ھ کو میدان مباہلہ کی طرف آتے ہوئے حضورؐ نے حسینؑ کو آغوش میں لیا اور حسنؑ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور جناب بتولؑ اور حضرت علی علیہ السلام آپؐ کے پیچھے پیچھے چلے رسول خداؐ نے اپنے ان بچے اور معصوم ساتھیوں سے کہا کہ جس وقت میں نجران کے نصاریٰ پر لعنت کروں تم سب مل کر بیک زبان ''آمین'' کہنا۔

دعاؤں کو قبول کرنے والے چمکتے ہوئے چہرے

اسقف نجران نے جب پیغمبر اسلامؐ اور ان کے ساتھیوں کو مذکورہ حالت میں آتے دیکھا تو جماعت نصاریٰ سے کہنے لگا تم لوگ اچھی طرح جان لو کہ یہ چمکتے ہوئے چہرے جو میں دیکھ رہا ہوں اگر یہ خدا سے دعا کریں کہ وہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹائے تو یقیناً خدا ایسا ہی کرے گا لہذا اگر تم نے ان سے مباہلہ کیا تو یقیناً ہلاک ہو جاؤ گے اور روئے زمین پر ایک نصرانی بھی باقی نہیں بچے گا۔

آیہ مباہلہ میں چند نکات

یہ داستانِ مباہلہ کا خلاصہ تھا جو آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا اب مومنین کو چاہیے کہ اس واقعہ کی جزئیات میں غور وفکر فرمائیں تا کہ اہلبیتؑ رسول کی فضیلت اور مقام ومنزلت ان پر واضح ہو جائے خصوصاً پروردگار عالم کے اس حکم پر اپنی توجہ کو مبذول فرمائیں کہ جس میں خالق دو جہان نے اپنے پیارے حبیب سے فرمایا کہ میدان مباہلہ میں اپنے ابناء، ونساء وانفس کے ساتھ تشریف لایئے۔

تمام مفسرین ومحدثین ومورخین کا اتفاق ہے کہ رسول اکرمؐ "انفسنا" کی جگہ حضرت علی علیہ السلام کو ساتھ لائے تا کہ لوگوں کو علم ہو جائے کہ خاندان بنی ہاشم اور صحابہ رسول میں نہ تو علی علیہ السلام کے سوا کوئی جان مصطفیٰؐ ہے اور نہ ہی کوئی ہم پلہ شان مرتضیٰؑ ہے۔

اور "ابناء" کی جگہ حسنین علیہما السلام کو ساتھ لائے تا کہ سب لوگ جان لیں کہ حسنؑ وحسینؑ پیغمبر اسلامؐ کے بیٹے ہیں اور ان کی مثل کوئی بھی نہیں ہے۔

اور "نساء" کی جگہ جناب زہراؑ کو ساتھ لائے تا کہ آپ کی بیویوں اور ہاشمی عورتوں کو معلوم ہو جائے کہ ان کو ساتھ نہ لانا اس بات کا اعلان ہے کہ تم ان سے کوئی بھی رسولؐ کے ساتھ جسمانی وفرزندی قرابت اور روحانی اتصال اور باطنی اتحاد میں اس منزل پر فائز نہیں ہے جو مقام جناب سیدہ فاطمہ زہراؑ کو حاصل ہے لہذا خدا کے نزدیک جو مقامِ جناب زہراؑ کا ہے اس میں دوسری کوئی خاتون شریک نہیں ہے ورنہ اسے بھی رسول خداؐ میدانِ مباہلہ میں جناب بتولؑ کے ساتھ لے آتے۔

دوسری "سورہ ھل اتی" شان اہل بیتؑ میں

امامیہ اور اہلبیتؑ کی پیروی کرنے والے تمام حضرات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ "سورۃ الدھر" اہلبیت رسول علیہم السلام یعنی علیؑ وفاطمہؑ حسنؑ وحسینؑ علیہم السلام کی شان میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اس سورہ میں جتنی بھی آیاتِ مدح وبشارت ہیں سب انہی مقدس ہستیوں کی شان میں ہیں اور جتنی بھی آیات ذم اور وعدہ عذاب کے سلسلے میں ہیں سب ان ہی کے دشمنوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

ناقلین شان سورہ

اس سورہ کا شان نزول اہلبیتؑ کے بارے میں ہے بزرگ علمائے اہل سنت نے اسے نقل کیا ہے جیسے علامہ واحدی نے البسیط میں اور ابواسحاق ثعلبی نے اپنی تفسیر کبیر میں اور موفق بن احمد نے اپنی کتاب الفضائل میں اور زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف میں اور اسماعیل الحقی نے اپنی تفسیر روح البیان میں نقل کیا ہے۔

روایت میں ہے کہ رسول خداؐ نے سورہ دھر کی تلاوت کے بعد جب دیکھا کہ میری اہل بیتؑ کا عمل بارگاہ رب العزت میں اسقدر مقبول ہوا ہے کہ خداوند عالم نے سورہ ھل اتی میں ان کو اپنی مدح اور بشارت کا مستحق ٹھہرایا ہے تو بہت خوش ہوئے اور تبسم کیا اور خداوند عالم کی حمد وثناء کی اسی طرح اہلبیتؑ بھی بہت خوش ہوئے اور اس نعمت پر شکر خدا ادا کیا۔

تیسری آیہ مودّت اور اجرِ رسالت

سورہ شوریٰ میں ارشاد ہے۔

"اے محمدؐ مومنین سے کہہ دو کہ میں تبلیغ وحی الٰہی کے سلسلے میں تم سے اُجرت نہیں چاہتا اور صلہ کی توقع نہیں رکھتا لیکن تم سے اہل قرابت کی دوستی کامل کی توقع رکھتا ہوں اور جو شخص حصول قُربِ الٰہی کے لئے نیکی کمائے گا یہ مودّت اہلبیتؑ اس کی نیکیوں کو زیادہ کرے گی یعنی اس کو زیادہ ثواب ملے گا خداوند عالم گناہوں کو بخشنے والا اور اطاعت کرنے والوں کو بدلہ دینے والا ہے" (سورہ الشوریٰ آیت ۲۳)

اکابرین اہل سنت کی کثیر تعداد علماء شیعہ کے ساتھ اس بات پر متفق ہے کہ آیہ مودت اہلبیتؑ محمدؐ کی مودت ومحبت کے وجوب کو ثابت کرتی ہے اور ذی القربیٰ سے یعنی "القربیٰ" سے مراد علی وفاطمہ وحسنین علیہم السلام ہیں اور اس آیت میں حسنہ ونیک عمل سے مقصود ان کی مودت ہے۔

بزرگانِ اہلِ سنت کی روایات

۱۔ علامہ ثعلبی اور علامہ ابونعیم، علامہ بغوی، علامہ، علامہ واحدی، علامہ طبرانی اور علامہ احمد اپنی اسناد کیساتھ روایت کرتے ہیں ابن عباسؓ کہتا ہے جب یہ آیہ مودّت نازل ہوئی تو رسول اکرمؐ سے سوال کیا گیا کہ وہ آپؐ کے قریبی کون ہیں جن کی مودّت ہم پر واجب ہے؟ فرمایا وہ علیؑ وفاطمہؑ حسنؑ وحسینؑ علیہم السلام ہیں۔

اور اس روایت کو علامہ زمخشری، علامہ رازی، علامہ طبری اور بارہ دوسرے علماء سے نقل کیا گیا ہے، جن کا تعلق علمائے اہل سنت سے ہے

۲۔ حافظ ابوعبداللہ اور محبّ الدین طبری، علامہ ابن حجر اور سمہودی روایت کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ خداوند عالم نے میری اہل بیتؑ کی مودّت کو اجر رسالت قرار دیا ہے یہ میرا تم پر ایسا اجر ہے یعنی میری اہلبیتؑ سے مودّۃ کا جو اجر ہے اس کا میں بروز محشر تم سے سوال کروں گا۔

۳۔ علامہ طبری، علامہ ابن عساکر، علامہ حسکانی اور علامہ گنجی اپنی اسناد کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ

رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ خداوند عالم نے دوسرے تمام نبیوں کو مختلف شجروں سے خلق فرمایا اور مجھے شجر واحد سے خلق فرمایا ہے پس اس شجر کی جڑ میں ہوں اور شاخ علیؑ ہیں اور فاطمہؑ وہ مرکز ہیں جہاں سے شاخیں پھوٹتی ہیں حسنؑ و حسینؑ اس شجر کے پھل ہیں اور ہمارے شیعہ اس شجر کے پتے ہیں۔

پس جو بھی ان شاخوں سے وابستہ رہا یعنی اس نے اس شجر واحد کی شاخوں کو ہاتھوں سے تھامے رکھا وہ نجات پا گیا اور جس شخص نے بھی چاہے کوئی ہو جس نے ان سے منہ پھیرا وہ ہلاک ہو گیا۔

اور اگر خدا کا کوئی بندہ صفا اور مروہ کے درمیان ایک ہزار سال عبادت کرے اس کے بعد پھر ایک ہزار سال عبادت کرے اور پھر ایک ہزار سال رات دن عبادت الٰہی میں گزار دے اتنی عبادت کے باوجود اگر اس کے دل میں ہماری محبت نہیں ہوگی تو اللہ تعالیٰ ایسے عابد کو منہ کے بل جہنم میں پھینک دے گا یہ مودۃ القربیٰ کا سوال میں محمدؐ تم سے نہیں کر رہا بلکہ خدا کر رہا ہے (میں نے تو اس کا حکم تم تک پہنچایا ہے تم عمل کرو یا نہ کرو تم جانو اور وہ جانے)

چوتھی آیت تطہیر......خدا کی پاکیزہ مخلوق

سورہ احزاب کی آیہ تطہیر میں ارشاد رب العزت ہوتا ہے۔

"ماسوا اس کے نہیں کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ اے اہلبیتؑ نبوتؐ وہ تم سے ہر قسم کی ناپاکی کو دور رکھے اور تمہیں ایسا پاک رکھے جیسا پاک رکھنے کا حق ہے"

(سورہ احزاب آیت ۳۳)

آیہ تطہیر کے معنی کا خلاصہ یہ ہے کہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ اے اہلِ بیتؑ پیغمبر اسلامؐ...... مشیت الٰہی یہ ہے کہ وہ تمام گناہوں، لغزشوں، پستیوں اور ظاہری و باطنی نجاستوں کو تم سے دور رکھے تا کہ تمہارے دامنِ عصمت پر گناہ کی گرد، نہ پڑے اور تم ہر گناہ کبیرہ و صغیرہ سے پاک رہ کر وادی عصمت کے شہنشاہ رہو۔

آیہ تطہیر میں پنجتن پاکؑ

اس بات میں شک نہیں ہے کہ اہل بیتؑ سے مراد اس آیہ شریفہ میں اہلبیت رسولؐ ہیں اور بہت سی شیعہ و اہل سنت روایات متواترہ اس کی گواہ ہیں کہ اہل بیتؑ سے مراد پنجتن پاکؑ، اصحاب کساء یعنی محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ صلوات اللہ علیہم ہیں اور اس میں کوئی بھی شک نہیں ہے۔

علماء اہل سنت اور علماء شیعہ کی جانب سے بیان کردہ ستر احادیث تقریباً اس مطلب پر شاہد ہیں جن میں زیادہ کتب اہل سنت میں مذکور ہیں اور ان سب کو جاننے کیلئے آپ علامہ بحرانی کی کتاب "غایۃ المرام" کی طرف رجوع فرمائیں۔

بذات خود پیغمبرؐ نے اہل بیتؑ کی پہچان کرائی

تمام اسلامی مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے فرقے اس بات پر متفق ہیں کہ جس وقت آیہ تطہیر رسول اکرمؐ پر نازل ہوئی تو حضور انورؐ نے حسنؑ و حسینؑ کو اپنے سامنے بٹھایا اور علیؑ و فاطمہؑ کو اپنے اردگرد بٹھا کر سب کے اوپر اپنی چادر اوڑھ لی یہاں تک کہ پنجتن پاکؑ دوسرے لوگوں سے جدا اور ممتاز ہو گئے اچانک آپؐ نے آیہ تطہیر کو تلاوت کیا اور اسی آیہ مجیدہ کے پڑھنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے ہاتھوں کو عبا کے نیچے سے باہر نکال کر آسمان کی طرف بلند کر کے فرمایا۔

خدایا یہ ہیں میری اہل بیتؑ پس ہر قسمی نجاست کو ان سے دور رکھ اور ان کو پاک رکھ جیسا کہ پاک رکھنے کا حق ہے اور اس جملہ کا تکرار فرمایا

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے جب یہ سب کچھ ہوتے دیکھا اور مذکورہ باتیں بھی سُنیں تو آپ نے بھی اس چادر میں داخل ہونے اجازت طلب کی تو حضور پاکؐ نے فرمایا آپ نیکی پر ہیں لیکن آپ اس چادر میں نہیں آسکتیں کیونکہ یہ سارا واقعہ انہی کے حجرہ میں ہوا اور وہی اس حدیث و روایت کی چشم دیدہ گواہ ہیں جسے علماء اہل سنت نے بیان کیا ہے اور اس واقعہ کی حدیث کو حدیث کساء کا نام دیا گیا ہے اور یہ سب آیات جناب سیدہؑ کی عظمت و فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔

☆☆......☆......☆☆

ہمارے شیعہ ہم سے زیادہ صابر ہیں

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ "ہم بڑے صابر ہیں لیکن ہمارے شیعہ ہم سے بڑھ کر صابر ہیں" راوی نے دریافت کیا آپؑ کے قربان جاؤں آپؑ کے شیعہ آپؑ سے کیونکر بڑھ کر صابر ہیں؟ تو امام جعفر صادقؑ نے فرمایا "اس لئے کہ ہم جس بات پر صبر کرتے ہیں اسے ہم جانتے ہیں اور ہمارے شیعہ ایسی بات پر صبر کرتے ہیں جسے وہ نہیں جانتے" (بحار الانوار ج ۱۷ ص ۸۰، اصول کافی ج ۲ ص ۹۳، ج ۱۷ ص ۸۴، ج ۸۲ ص ۱۳۲، ج ۲۴ ص ۲۱۶)

انتخاب...... ممتاز علی (اسلام والا جھنگ)

قسط سوم

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ

توبہ واستغفار کے بارے میں قرآن ومعصومینؑ کے ارشادات

تحقیق وترتیب......صفدر حسین ڈوگر کربلائی

نوٹ: مندرجہ ذیل روایات الشافی ترجمہ اصول کافی ج ۵ سے نقل کی گئی ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین دعا استغفار ہے“۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ”جب کوئی بندہ زیادہ استغفار کرتا ہے تو اسکا صحیفہ اعمال بلند کیا جاتا ہے جو روشنی دیتا ہے“۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ”استغفار کی مثال ایسی ہے جیسے موسم خزاں میں درختوں کے حرکت کرنے سے پتے گرجاتے ہیں اور استغفار گناہوں سے کر کے پھر گناہ کرنا اللہ تعالیٰ سے مذاق کرنا ہے“۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ”حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے چار باتیں جس میں ہوں گی وہ ان کے بعد اللہ کو ناراض کر کے ہلاک نہ ہوگا سوائے بدبخت وبدنصیب کے...... جو بندہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے پس اگر وہ اس کو عمل میں نہ لا سکے تو اسکی نیک نیتی کی بناء پر اللہ تعالیٰ اس کے نام پر لکھ دیتا ہے اور اگر عمل میں لے آتا ہے تو دس گنا لکھتا ہے اور اگر کوئی بندہ بدی کا ارادہ کرے پس اگر عمل میں نہ لائے تو اس کیلئے کچھ نہیں لکھا جاتا اور اگر عمل میں لے آئے تو سات گھنٹے تک کی مہلت دی جاتی ہے نیکی لکھنے والا فرشتہ بدی لکھنے والے فرشتے سے کہتا ہے جلدی نہ کر شاید اس کے بعد ایسی نیکی کرے کہ یہ گناہ محو ہو جائے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نیکیاں بدیوں کو لے جاتی ہیں یا یہ خدا سے استغفار کرے وہ یہ ہے

"استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو ،عالم الغیب والشھادۃ ، العزیز الحکیم ، الغفور الرحیم ، ذوالجلال والاکرام واتوب الیہ"

ترجمہ ”میں طالب مغفرت ہوں اس اللہ سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ غیب اور حضور کا جاننے والا ہے۔ عزت والا۔ حکمت والا۔ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ صاحب جلالت وبزرگی والا ہے۔ میں اس سے توبہ کرتا ہوں“۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ”جب بندہ خالص دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دوست رکھتا ہے اور دنیا وآخرت میں اس کے عیب چھپا دیتا ہے“ راوی نے پوچھا کہ کیسے چھپاتا ہے آپؑ نے فرمایا ”دونوں فرشتے (کراما کاتبین) جو گناہ اس کے لکھتے ہیں مٹا دیتے ہیں اور اسکے اعضاء وجوارح کو وحی کی جاتی ہے کہ اس کے گناہوں کو چھپا لو ورنہ زمین کے حصوں کو وحی کی جاتی ہے کہ جہاں اس نے عمل کیا ہے اسے چھپا لو یہاں تک کہ وہ اللہ سے اس طرح ملتا ہے کہ کوئی گناہ اس کے اوپر نہیں رہتا ہے“۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے والوں کے متعلق تین آیات قرآن حکیم میں ایسی بیان کی ہیں جن کی تلاوت تمام آسمانوں اور زمین کے رہنے والوں کی نجات کیلئے کافی ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

”اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے پس جسے اللہ دوست رکھتا ہے اسے عذاب نہ کرے گا“۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”جو فرشتے عرش اُٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح، حمد کے ساتھ کرتے ہیں اور ایمان والوں کیلئے استغفار کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے پروردگار تیری رحمت وعلم ہر شئے کو گھیرے ہوئے ہے، پس بخش دے ان لوگوں کو جنہوں نے توبہ کر لی ہے اور تیرے راستے پر چل رہے ہیں

(بقیہ......صفحہ نمبر ۱۵ کالم نمبر ۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

یا فاطمۃ الزہراؑ

حضرت سیدۃ النساء العالمینؑ کے فضائل و عظمت کے چند پہلو

جب آفتابِ حشر کی گرمی ہو چار سو
سایہ ردائے پاک کا ہم کو بہم رہے
یہ سر ہمیشہ درِ زہراؑ پہ خم رہے

مرتب: ذاکرہ عاصمہ صفدر ڈوگر ایم اے انگلش (راولپنڈی)

حضرت سیدہ فاطمہؑ کے اسمائے مبارک

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت سیدہ فاطمہؑ کے نو (۹) اسمائے مبارکہ ہیں جو یہ ہیں فاطمہؑ۔ صدیقہ۔ مبارکہ۔ ذکیہ۔ راضیہ۔ اور زہراؑ (علل الشرائع شیخ صدوقؒ ص ۱۳۵)

عصمت کی نسبتیں ہیں زہراءؑ کے نام سے

شیخ صدوقؒ علل الشرائع ص ۱۳۶ پر یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادقؑ سے جابرؓ نے پوچھا کہ حضرت سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا نام زہراء کیوں رکھا گیا؟ تو امام جعفر صادقؑ نے فرمایا "اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان معظمہ کو اپنے نور سے خلق فرمایا اور جب یہ نور چمکا تو اس کی روشنی سے تمام آسمان اور زمین چمک اٹھی اور ملائکہ کی آنکھیں چندھیا گئیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوگئے اور عرض کی اے میرے اللہ! اور اے میرے مالک! یہ نور کیسا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کی طرف وحی کی کہ یہ نور میرے ہی نور سے پیدا ہوا ہے میں نے اس کو اپنے آسمان میں ساکن کیا اور اس کو میں انبیاء میں ایک ایسے نبی کی امانت قرار دوں گا جو تمام انبیاءؑ سے افضل ہوگا اور اس نور میں ایسے آئمہؑ کو ظاہر کروں گا جو میرے حکم سے میرے حق کی طرف ہدایت کریں گے اور وحی کا سلسلہ پورا ہونے کے بعد ان آئمہؑ کو زمین پر اپنا خلیفہ قرار دوں گا۔

زہراءؑ کا نور، عرش پر یوں ضَوفگن ہوا

علل الشرائع ص ۱۳۷ پر حضرت امام جعفر صادقؑ سے ارشاد ہے کہ جب آپؑ سے دریافت کیا گیا کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا نام زہراءؑ کیسے ہوگیا؟ تو آپؑ نے فرمایا اس لئے کہ جب حضرت سیدہ فاطمہؑ معظمہ محرابِ عبادت میں کھڑی ہوتی تھیں تو آپؑ کا نور اہل آسمان کیلئے اس طرح ضَوفگن ہوتا جس طرح اہل زمین کیلئے چاند چمکتا ہے"۔

زہراءؑ کا نور ذاتِ علیؑ پر عیاں ہوا

علل الشرائع ص ۱۳۶ پر ابان بن تغلب سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ فرزندِ رسولؐ حضرت سیدہ فاطمہؑ کا نام زہراءؑ کیوں رکھا گیا؟ تو آپؑ نے فرمایا کہ ان کا نور حضرت امیرالمومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ پر دن میں تین مرتبہ خصوصی ظہور فرماتا تھا ایک نمازِ صبح کے وقت آپؑ کے چہرہ اطہر سے نور ساطع ہوتا اور لوگ ابھی بستروں پر پڑے ہوئے ہوتے تا آنکہ اس نور کی ضیاپاشیوں سے مدینہ میں لوگوں کے حجرے اور مکان منور ہو جاتے اور ان کے در و دیوار سفید نظر آتے تو لوگ حضرت رسول اکرمؐ کے پاس آتے اور پوچھتے یارسول اللہؐ ہم یہ کیا دیکھ رہے ہیں؟ تو آنحضرتؐ لوگوں کو سیدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کے گھر کی طرف بھیج دیتے اور وہ وہاں پہنچتے تو دیکھتے کہ حضرت سیدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا اپنے مصلےٰ پر نماز ادا فرما رہی ہوتیں اور انکے چہرہ اطہر سے نور ساطع ہو رہا ہوتا تو اس سے وہ سمجھ جاتے کہ جو روشنی ہم نے دیکھی ہے وہ سیدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کے چہرہ اقدس کے نور کی وجہ سے ہے پھر جب دوپہر کا وقت ہوتا تو حضرت سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا نماز ادا فرمانے کیلئے تیار ہوتیں تو انکے چہرہ اطہر سے زرد رنگ کا نور ساطع ہوتا اور اس زرد نور کی روشنی ان کے حجروں میں داخل ہو جاتی جس سے ان لوگوں کے لباس اور چہرے زرد نظر آتے اور وہ دوڑتے ہوئے حضرت رسول اللہؐ کے پاس آتے جو کچھ دیکھتے اس کے متعلق سوال کرتے اور آنحضرتؐ ان لوگوں کو خانہ حضرت سیدہ زہراؑ کی

طرف بھیج دیتے، وہاں پہنچ کر لوگ دیکھتے کہ سیدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا محراب عبادت کو شرف بخشے ہوئے ہیں اور انکے چہرۂ اقدس سے زرد رنگ کا نور ساطع ہوتا نظر آرہا ہے تو سمجھ لیتے کہ جو کچھ انہوں نے دیکھا ہے وہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے چہرۂ اقدس کے نور کے سبب ہے اور جب شام ہوتی اور سورج غروب ہوجاتا تو حضرت سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے چہرۂ اطہر کا رنگ سرخ ہوجاتا اور خوشی و شکر خدا کی وجہ سے آپؑ کے چہرۂ اقدس سے سُرخ رنگ کا نور ساطع ہوتا اور یہ سُرخ روشنی لوگوں کے گھروں میں داخل ہوتی اور انکے در و دیوار سُرخ نظر آتے اور وہ پھر دوڑتے ہوئے حضرت نبی اکرمؐ کے پاس آتے اور اسکے بارے میں پوچھتے اور حضرت رسول اللہ گو بیت حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی طرف بھیج دیتے اور وہ دیکھتے کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا بیٹھی ہوئی تسبیح الٰہی پڑھ رہی ہیں اور آپؑ کے چہرۂ مبارک سے سُرخ نور ساطع ہورہا ہے اور وہ سمجھ جاتے کہ یہ سُرخ نورانی رَو جو انہیں نظر آرہی ہے وہ حضرت سیدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کے چہرۂ اطہر کے نور کی وجہ سے ہے اور یہ نور آپؑ کے چہرے پر مسلسل رہا۔

آئمہ طاہرینؑ کی طرف سے طواف کعبہ بجالانا

الکافی ج ۴ ص ۳۱۴ بحار الانوار ج ۹ مترجم ص ۱۰۵ پر موسیٰ بن قاسم سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں گزارش کی کہ میرا ارادہ ہے کہ میں آپؑ اور آپؑ کے پدر گرامی کی طرف سے طواف کعبہ بجالاؤں مگر لوگوں نے کہا ہے کہ اوصیاء کی طرف سے طواف نہیں کیا جاتا۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا "جتنا بھی ممکن ہو طواف کرو یہ جائز ہے" راوی کا بیان ہے کہ تین سال کے بعد میں نے گزارش کی کہ آپؑ نے مجھے اجازت دی تھی کہ آپؑ کی طرف سے طواف کروں اور آپؑ کے پدر بزرگوار کی طرف سے طواف بجالاؤں میں نے جس قدر بھی ممکن ہوا آپؑ دونوں حضراتؑ کی طرف سے طواف کیا پھر میرے دل میں ایک اور بات آئی میں نے اس پر عمل کیا آپؑ نے فرمایا وہ کیا؟ تو اس نے عرض کیا کہ میں نے حضرت رسول اللہؐ سے لے کر آپؑ کی ذات اطہر تک دس دن تک ہر روز ایک دن ہر ایک پاک ہستی کیلئے طواف کیا چونکہ آپؑ حضراتؑ کی ولایت کو اللہ تعالیٰ نے جزو دین قرار دیا ہے آپؑ نے فرمایا "پھر تو تم خدا کی قسم ادین خدا پر عمل کرنے والے ہو اس لئے کہ بغیر ہماری ولایت کے اللہ تعالیٰ دین کو قبول نہیں کرتا" میں نے کہا کہ میں آپؑ کی جدہ ماجدہ حضرت سیدہ زہراءؑ کی طرف سے بھی طواف بجالاتا رہا آپؑ نے فرمایا "ان کی طرف سے طواف اور زیادہ کرو اس لئے کہ اب تک تم نے جو عمل کیا یہ ان میں سب سے افضل ہے انشاء اللہ"۔

سیدۃ النساء العالمین حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ہیں

معانی الاخبار کے حوالے بحار الانوار ج ۳ مترجم کے ص پر مفضل سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے پوچھا کہ مولاؑ یہ ارشاد فرمائیں کہ حضرت رسول اللہؐ نے جو حضرت فاطمہ زہراءؑ کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ دنیا کی تمام عورتوں کی سردار ہیں تو کیا حضرت سیدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا صرف اپنے زمانے کی عورتوں کی بھی سردار ہیں؟ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا یہ صفت تو حضرت مریمؑ کی ہے کہ وہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار تھیں اور ہماری جدہ ماجدہ سیدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا سارے جہان کی عورتوں کی سردار ہیں چاہے اولین کی عورتیں ہوں یا آخرین کی۔

حضرت سیدہ زہراءؑ کی محبت ہی شفاعت کی سند ہے

علل الشرائع ص ۱۳۶ پر شیخ صدوقؒ یہ روایت لکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے کہ "حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کے سامنے جہنم کے دروازے پر ایک پڑاؤ ہوگا اور جب قیامت کا دن ہوگا تو ہر شخص کے ماتھے پر مومن یا کافر لکھ دیا جائے گا پھر اسی اثنا میں ایک محبِّ اہل بیتؑ کو جس کے گناہ سب سے زیادہ ہوں گے حکم دیا جائے گا کہ اسکو جہنم میں لے جاؤ جب وہ دروازہ پر پہنچے گا تو حضرت سیدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا اسکے ماتھے کی تحریر پڑھیں گی کہ یہ محبِ اہل بیتؑ ہے تو بارگاہِ الٰہی میں عرض کریں گی اے میرے اللہ! اے میرے مالک! تو نے میرا نام فاطمہؑ رکھا اور میری وجہ سے تو نے مجھ سے محبت رکھنے والوں اور میری ذرّیت سے محبت رکھنے والوں کو جہنم سے بَری کر دیا ہے اور تیرا وعدہ بھی یہی ہے تُو ہرگز اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اے فاطمہؑ تو نے سچ کہا میں نے ہی تیرا نام فاطمہؑ رکھا اور تیری ہی وجہ سے تجھ سے محبت اور تولا رکھنے والوں کو اور تیری ذرّیت سے محبت اور تولا رکھنے والوں کو جہنم سے بالکل بَری

کردیا ہے میرا وعدہ سچا ہے اور میں اپنے وعدہ کے خلاف کبھی نہیں کرتا میں نے اس بندے کو جہنم کی طرف لے جانیکا حکم صرف اس لئے دیا تھا کہ آپؑ اس کی شفاعت کریں اور میں تمہاری شفاعت قبول کروں تاکہ میرے ملائکہ میرے انبیاءؑ و رسلؑ اور تمام اہل موقف پر واضح ہوجائے کہ میرے نزدیک آپ کا کیا مقام ہے؟ اب تم جس کی پیشانی پر مومن لکھا ہوا دیکھو اسکا ہاتھ پکڑو اور جنت میں داخل کردو"۔

حضرت سیدہ زہراءؑ کا روزِ محشر مقدمہ

عیون اخبار الرضاج ۲ مترجم ص ۳۸۷ پر شیخ صدوقؒ یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری بیٹی فاطمہ (سلام اللہ علیہا) اس حال میں دربار احدیت میں آئیں گی کہ چند خون آلود پوشاکیں انہوں نے ہاتھ پر اٹھا رکھی ہونگی جنھیں وہ عرش الٰہی کے ستونوں پر آویزاں کردیں گی اور اسکے بعد بارگاہِ خداوندی میں عرض کریں گی کہ اے فیصلہ کرنے والے عادل ترین پروردگار! میرے اور رسول اللہؐ کے فرزند کے قاتلوں کے بارے میں فیصلہ فرما! اس کے بعد حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا ربِ کعبہ کی قسم! میرا پروردگار میری بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا کیلئے فیصلہ صادر فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو غضب ناک کرنیوالوں پر عذاب نازل کرے گا اور اسے (فاطمہ سلام اللہ علیہا) خوش اور راضی رکھنے والوں سے خوشنودی اور اپنی رضامندی کا اظہار کرے گا۔

عظمتِ حضرت سیدہ زہراء سلام اللہ علیہا

عیون اخبار الرضاج ۲ ص ۳۹۷ پر نقل ہے کہ حضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا "قیامت کے دن منادی ندا دیگا کہ اے گروہِ جن وانس سے تعلق رکھنے والو! اپنی آنکھیں بند کرلو تاکہ محمدؐ کی بیٹی فاطمہؑ مقامِ محشر سے گزر جائے"۔

☆☆......☆☆......☆☆☆

خبرِ غم

- ماہنامہ پیام زینبؑ کے قاری حسن مہدی کی نومولودہ ہمشیرہ ارمان سکینہ انتقال کرگئی ہیں
- پکی شاہ مردان سے غلام شبیر زرگر کے والد غلام حسن زرگر انتقال کرگئے ہیں
- پکی شاہ مردان سے نور محمد مستری انتقال کرگئے ہیں۔
- فتح پور ضلع اوکاڑہ سے ماہنامہ پیام زینبؑ کے قاری حاجی الطاف حسین صاحب کی زوجہ حاجن زوار کنیز فاطمہ انتقال کرگئی ہیں۔

عزادار سید الشہداؑ سید فرحت عباس کرمانی انتقال کرگئے

شیرگڑھ ضلع اوکاڑہ سے سید الطاف حسینؒ کے فرزند اور اکیس رمضان کی مجلس عزا کے بانی سید فرحت عباس کرمانی 19 مارچ کی صبح کو انتقال کرگئے۔

مرحوم وسیع حلقہ احباب رکھتے تھے اور ہر ایک سے تعلقات قائم رکھنے میں رواداری رکھتے تھے۔ راقم الحروف سے بڑا قدیمی تعلق تھا۔ ہم نے اسلامیہ کالج روڈ لاہور سے ایف اے ایک ہی سیشن میں کیا۔ کالج سے بی بی پاکدامن جانا اور مجالس عزا میں شرکت کرنا ہمارا معمول رہا۔ ان کے ہاں تمام ذاکرین مجالس پڑھتے تھے ان کے چچا سید ممتاز حسین کرمانی اپنے زمانے کے بہت بڑے ذاکر تھے اور ذاکر گل محمد عاشق ملتانی کے شاگرد تھے۔ اپنے علاقے کے علاوہ سیالکوٹ اور دیگر شہروں میں مذہب کی بڑی خدمت کی۔

فرحت عباس اسی خاندان کی یادگار تھے ان کے دونوں فرزند سید خرم شاہ، سید حسن شاہ (جو آج کل جنوبی افریقہ میں ہیں) میرے انتہائی قریبی زندگی میں شامل ہیں۔ فرحت عباس شاہ کی عزاداری سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے سلسلے میں بہت زیادہ خدماتؒ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کو جوار سید الشہداءؑ نصیب کرے وہ ایران کے کئی بار کے زائر بھی تھے۔

علامہ سید افتخار حسین نقوی النجفی، سید راشد صغیر رضوی اور ان کے ادارہ کے افراد نے دعائے مغفرت کرتے ہوئے ان کے پس ماندگان سے اظہار تعزیت کیا ہے......(سوگوار۔ صفدر حسین ڈوگر کربلائی)

آپ سے سورہ فاتحہ کی استدعا ہے

- مریدکے (شیخوپورہ) سے معروف سیاسی شخصیت چوہدری منظور حسین گجر (مرحوم) کی رفیقہ حیات چوہدری شاہ محمد گجر کی دختر، چوہدری غلام وہب گجر کی ہمشیرہ اور چوہدری خالد منظور، چوہدری زاہد منظور کی والدہ گرامی انتقال فرماگئی ہیں۔ مرحومہ ایک عزادار خاتون تھیں۔ اللہ انہیں جوار سیدہ زہراؑ نصیب فرمائے۔
- ماہنامہ پیام زینبؑ کے سیار نمائندہ جناب مولانا غلام عباس انقلابی کے بھائی گزشتہ دنوں انتقال کرگئے۔ مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے ماہنامہ پیام زینبؑ کے مرکزی آفس میں فاتحہ خوانی کرائی گئی۔ ماہنامہ پیام زینبؑ کے سرپرست اعلیٰ علامہ سید افتخار حسین نقوی النجفی نے مولانا غلام عباس انقلابی سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے مرحوم کے بلندی درجات کے لئے دعا فرمائی۔

تمام قارئین سے مرحومین کے بلندی درجات کیلئے سورہ فاتحہ کی استدعا ہے۔

میرے اوپر ایسی مصیبتیں پڑیں کہ اگر وہ روشن دنوں پر پڑتیں تو اندھیری راتوں میں تبدیل ہوجاتے۔

حضرت سیدۃ النساء العالمینؑ کے ارشاداتِ مبارکہ

اللہ سے ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے کوشش کرو کہ جب مرو تو مسلمان ہی مرو۔

انتخاب وترتیب......سیدہ اقبال زہرا نقوی (پکی شاہ مردان)

نوٹ: مندرجہ ذیل احادیث ''انوارِ وحی'' طبع کراچی سے لکھی گئی ہیں۔

❁ حقیقی حمد مخصوص ہے خدا کیلئے کہ اس نے نعمتیں عطا فرمائیں اور اسکے لئے شکر ہے کہ اس نے نفس کو نیک و بد کی تمیز بخشی اور اسی کے لئے ثنا ہے کہ اس نے اپنی تمام نعمتیں عام کیں بغیر کسی استحقاق کے اور بندوں کو اپنی کامل نعمتوں سے بہرہ اندوز فرمایا اور پورا پورا لگاتار وارد فرمایا اتنی نعمتیں جن کا شمار ناممکن ہے اور ایسی نعمتیں جن کی مدت اوقات شکر سے کہیں زیادہ ہے اور جن کی ہمیشگی کا ادراک انسان کے بس سے باہر ہے۔

❁ چیزوں کو اس نے اپنی قدرت سے خلق فرمایا اور اپنی مشیّت سے پیدا کیا حالانکہ اس کو ان چیزوں کے پیدا کرنے کی حاجت نہ تھی اور نہ ان چیزوں کو صورت وجود عطا کرنے میں اسکا کوئی فائدہ تھا صرف اس لئے پیدا کیا کہ عقل والوں کو اس کی حکمت کا ثبوت ملے اور اس کی اطاعت اور ادائیگی شکر کی طرف متوجہ ہوں۔

❁ خدا نے اپنے بندوں کو شکر کر کے نعمتیں زیادہ کرانے کی طرف رغبت دلائی تاکہ نعمتیں مسلسل رہیں اور نعمتوں کے عطا کرنے پر مخلوقات پر اپنی حمد کی فرمائش کی اور پھر انہیں دنیوی نعمتوں کی طرح آخرت کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی جانب مائل فرمایا۔

❁ میں گواہی دیتی ہوں کہ میرے پدرِ بزرگوار محمدؐ اس کے بندے اور رسولؐ ہیں جنہیں اس نے رسولؐ بنا کر بھیجنے سے پہلے ہی مختار و ممتاز بنالیا اور انہیں مبعوث کرنے سے پہلے ہی انبیاء کو ان کے نام سے آگاہ کر دیا تھا اور انہیں درجہ رسالت پر فائز کرنے سے پہلے ہی اصطفاء کی منزل پر فائز کر دیا تھا جبکہ ساری مخلوق غیب کے حجاب میں پوشیدہ اور عدم کے ہولناک پردوں میں محفوظ تھی اور حدِ عدم سے وابستہ تھی

❁ خداوند تعالیٰ درود نازل کرے میرے پدرِ بزرگوار پر جو اسکے پیغمبرؐ اور اس کی وحی پر اس کے امین تھے اور اسکی مخلوقات میں اسکے برگزیدہ منتخب اور پسندیدہ تھے ان پر خدا کا سلام، اسکی رحمت اور اسکی برکتیں ہوں۔

❁ یہ خدا کی کتاب تمہارے درمیان موجود ہے اس کے امور ظاہر ہیں اسکے احکام روشن ترین اور اسکی نشانیاں واضح ہیں اسکی تنبیہیں صاف واعلانیہ ہیں اور اسکے اوامر آشکار ہیں۔ ایسی کتاب کو تم نے پسِ پشت ڈال رکھا ہے کیا اس سے نفرت کر کے پیٹھ پھیرتے ہو اور اسکے خلاف فیصلہ کرتے ہو؟

❁ خداوند عالم نے میرے پدرِ بزرگوار حضرت محمدؐ کے ذریعے دنیا کی بے دینی کی تاریکیاں دور کیں عقلوں سے مشکلیں اور آنکھوں سے پردے ہٹا دیئے۔

❁ اللہ کے بندو! تم (حضور اکرمؐ کے) اوامر و نواہی کے بجالانے کے پابند ہو۔

❁ تم ایک وقت جہنم کے کنارے پر تھے ایسے، جیسے پینے والے کا ایک گھونٹ اور طمع کرنے والوں کا ایک چلو، ایسے وقت میں خداوند نے ان چھوٹی بڑی بلاؤں کے بعد میرے پدرِ بزرگوار کے ذریعے عرب ڈاکوؤں سے تمہیں نجات دی۔

❁ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ یہ لوگ (ابوالحسنؑ کو چھوڑ کر) کس جائے پناہ کی طرف مائل ہوتے ہیں؟ اور کس سہارے سے ٹھکانہ لیا ہے؟ کس ستون پر بھروسہ کیا ہے؟ کیسے بُرے ہیں؟ پناہ لینے والے اور کیا ہی بُرا قبیلہ ہے؟

❁ اور جو شخص بھی اپنے پچھلے پیروں پر پلٹے گا وہ ہرگز خداوند عالم کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا اور خداوند عالم شکر کرنے والے کو جزا دے گا۔

❁ خدا کی قسم! اگر یہ لوگ اس مہار کو الگ نہ کرتے جو رسول خداؐ نے انکے حوالے کی تھی تو ابوالحسنؑ اسے نہ چھوڑتے بلکہ اس مہار کے سہارے بڑی نرم رفتاری سے انہیں ساتھ لے چلتے۔

قسم بخدا! اگر یہ لوگ صحیح راستے سے ہٹ جاتے اور واضح دلیل کے قبول کرنے سے کنارہ کشی کرتے تو ابوالحسنؑ انکو پھر ان باتوں کی طرف بلاتے اور اسی راہ پر چلاتے

خدا کی قسم! یہ لوگ ابوالحسنؑ سے اس لئے ناخوش ہیں کہ ان کی تلوار بُرائی کو دور کرتی ہے موت سے بے پرواہ ہیں سخت جنگ اور خدا کے بارے میں انکی جرأت وہمت بہت بلند ہے۔

میرے اوپر ایسی مصیبتیں پڑیں کہ اگر وہ روشن دنوں پر پڑتیں تو اندھیری راتوں میں تبدیل ہو جاتے۔

یہ اللہ کی کتاب ہے جو حاکم عادل اور ناطق فیصلہ کرنے والی ہے کہتی ہے کہ "سلیمانؑ داؤدؑ کا وارث بنا"۔

اور تم نے اس ہستی کو دور کیا جو دین کے حل وعقد کا سب سے زیادہ حقدار تھا تم زندگی کی تنگی سے نکل کر تونگری میں آئے ہو اور دین کی باتیں جو یاد کی تھیں وہ بالکل بھلا دیں، جس پانی کو شیریں سمجھ کر پیا تھا اسے اُگل دیا ہے پس اگر تم اور روئے زمین کے تمام افراد کافر ہو جائیں تو اللہ سب سے بے نیاز ہے۔

خدا بُرا کرے ان لوگوں کا جنہوں نے اپنے عہد کو توڑا اور رسول کو نکالنے پر آمادہ ہوئے جس کی ابتدا تم سے ہے؟ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اگر تم مومن ہوتے تو صرف خدا سے ڈرنا چاہیے تھا۔

میں اس نبیؐ کی بیٹی ہوں جو تمہیں تمہارے سامنے آنے والے عذاب سے ڈراتا تھا۔

خداوند عالم نے ایمان اس لئے قرار دیا کہ تمہیں شرک سے پاک کرے۔

عدل کی تاکید اس لئے ہے کہ تمہارے دلوں کو جوڑ دے۔

شراب پینے کی ممانعت اس لئے کی کہ بُرے اخلاق سے بندے پاک رہیں اور کسی پر تہمت لگانا اس لئے منع کیا کہ لعنت کے سامنے حجاب قائم رہے۔

خدا نے شرک کو اس لئے حرام کیا کہ اس کی ربوبیّت کا اقرار خالص رہے پس اللہ سے ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے کوشش کرو کہ جب مرو تو مسلمان ہی مرو۔

چوری کرنے کو اس لئے منع کیا کہ دوسروں کے مال میں بغیر اجازت تصرف کرنے سے باز رہیں۔

صبر کرنے کو حصول اجر میں مددگار قرار دیا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں عوام الناس کا مفاد مضمر ہے۔

جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کی نظروں کے سامنے ہے۔

نوٹ: مندرجہ ذیل احادیث "گفتار دلنشین" طبع قم سے نقل کی گئی ہیں۔

"اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له" ایک ایسا کلمہ ہے جس کی حقیقت خدا نے اخلاص کو قرار دیا ہے اور دلوں کو اسکے لئے مرکزِ اتصال قرار دیا ہے اور مقام توحید و اسکی خصوصیات کو نورِ تفکر کے پَرتو میں آشکار قرار دیا ہے اس خدا کی صفت یہ ہے کہ اس کو آنکھوں سے دیکھا نہیں جاسکتا زبانیں اس کی صفت بیان کرنے سے عاجز ہیں بشری ادراک اس کے تصور سے عاجز ہے۔

(اعیان الشیعہ طبع جدید ج ۱ ص ۳۱۵)

خداوند عالم نے اپنی اطاعت پر ثواب اور معصیت پر عذاب (اس لئے) مقرر کیا ہے تاکہ اپنے بندوں کو عذاب و بلا سے باز رکھے اور بہشت کی طرف لے جائے (اعیان الشیعہ طبع جدید ج ۱ ص ۳۱۶)

میں گواہی دیتی ہوں کہ میرے باپ محمدؐ خدا کے بندہ اور اسکے رسولؐ ہیں اور خداوند عالم نے انکو مبعوث برسالت کرنے سے پہلے منتخب کیا اور اختیار کیا اور انکو مجتبیٰ بنانے سے پہلے ان کا نام رکھا اور (رسولؐ بنا کر) بھیجنے سے پہلے انکو مصطفیٰ بنایا جبکہ تمام مخلوق، پردہ ہائے غیب کے نیچے اور بیم وہراس کے نہاں خانوں میں چھپی ہوئی تھی اور عدم کے آخری حد سے مقرون تھی اس لئے کہ خدا امور کے انجام سے زمانہ کے حوادث وجریان اُمور سے مطلع تھا اور محمدؐ کو اپنے امر کی تکمیل کیلئے مبعوث فرمایا تاکہ اسکے امر کا اجرا کریں اور اسکے حتمی مقدرات کو جامۂ عمل پہنائیں۔ (اعیان الشیعہ طبع جدید ج ۱ ص ۳۱۶)

خداوند عالم نے امتوں کو مختلف دینوں میں (اور فرقوں میں) بٹے ہوئے، آتش پرستی کرتے ہوئے، بت پرستی کرتے ہوئے (وجود خدا کی دلیلوں کو دیکھتے ہوئے) خدا کا منکر دیکھا تو میرے باپ محمدؐ کے ذریعہ تاریکیوں کو دور کیا دلوں کے (پردہ ہائے) تاریکی کو چاک کر دیا آنکھوں سے ان کے اندھے پن کو ختم کر دیا (اعیان الشیعہ طبع جدید ج ۱ ص ۳۱۶)

لوگوں کے درمیان میرے باپ محمدؐ ہدایت کیلئے کھڑے ہوئے اور انکو گمراہی سے نجات دی اور اندھے پن سے روشنی کی طرف رہنمائی کی مضبوط دین کی طرف ہدایت فرمائی صراط مستقیم کی طرف دعوت دی (اعیان الشیعہ طبع جدید ج ۱ ص ۳۱۶)

❁ اے خدا کے بندو! تم ہی خدا کے امر و نہی کو برپا کرنے والے ہو اور خدا کے دین و وحی کے حامل ہو اپنے نفسوں پر خدا کے امین ہو، امتوں کی طرف اس کے دین کو پہچانے والے ہو۔ (اعیان الشیعہ طبع جدید ج۱ ص۳۱۶)

❁ اے خدا کے بندو! متوجہ ہو خدا کی طرف سے حقیقی نمائندہ تمہارے درمیان ہے اور اس سے پہلے تم سے عہد و پیمان باندھ چکا ہے اور باقی ماندہ نبوت ہے جو تمہاری رہبری کیلئے تم پر معین کیا گیا ہے اور (وہ رہبر) خدا کی بولتی کتاب، قرآن صادق، نور ساطع اور ضیاء لامع ہے اس کے حقائق واضح، اسکے اسرار منکشف، اسکے ظواہر روشن ہیں۔ (اعیان الشیعہ طبع جدید ج۱ ص۳۱۶)

❁ کتاب خدا اپنے پیروکاروں کو رضائے الٰہی کی طرف لے جانے والی ہے اسکو کان دھر کے سننا نجات تک پہنچانے والا ہے اسی قرآن کے ذریعہ خدا کی روشن دلیلوں کو حاصل کیا جاسکتا ہے نیز اس کے عزائم مفسرہ ڈرانے والے محرمات، واضح دلائل کافی، براہین، مندوب فضائل، مرخص عطایا، واجب شرائع بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں (اعیان الشیعہ طبع جدید ج۱ ص۳۱۶)

❁ خداوند عالم نے ایمان کو تمہارے لئے شرک سے (اور کفر سے) پاکیزگی قرار دی۔ (اعیان الشیعہ طبع جدید ج۱ ص۳۱۶)

❁ خداوند عالم نے نماز کو تمہارے لئے تکبر سے دوری قرار دی

(اعیان الشیعہ طبع جدید ج۱ ص۳۱۶)

❁ خداوند عالم نے تمہاری روح کی پاکیزگی اور رزق کی زیادتی کیلئے زکات قرار دی ہے۔ (اعیان الشیعہ طبع جدید ج۱ ص۳۱۶)

❁ خداوند عالم نے تمہارے اخلاص کی استواری و برقراری کیلئے روزہ قرار دیا۔

(اعیان الشیعہ طبع جدید ج۱ ص۳۱۶)

❁ خداوند عالم نے دین کو مضبوط کرنے کیلئے حج قرار دیا (اعیان الشیعہ طبع جدید ج۱ ص۳۱۶)

❁ خداوند عالم نے دلوں کو نزدیک کرنے کیلئے عدالت قرار دیا۔

(اعیان الشیعہ طبع جدید ج۱ ص۳۱۶)

❁ خداوند عالم نے (خاندان رسالت کی) اطاعت کو معاشرے کے نظام کی حفاظت کیلئے اور امامت (آئمہ معصومینؑ) کو اختلاف سے بچانے کیلئے قرار دیا (اعیان الشیعہ طبع جدید ج۱ ص۳۱۶)

❁ خداوند عالم نے صبر و استقامت کو جزا حاصل کرنے کیلئے قرار دیا ہے۔

(اعیان الشیعہ طبع جدید ج۱ ص۳۱۶)

❁ خداوند عالم نے جہاد کو اسلام کیلئے سبب عزت و شکوہ اور کافروں و منافقوں کیلئے سبب ذلت و رسوائی قرار دیا (اعیان الشیعہ طبع جدید ج۱ ص۳۱۶)

❁ خداوند عالم نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو معاشرے کی اصلاح کیلئے قرار دیا ہے۔ (اعیان الشیعہ طبع جدید ج۱ ص۳۱۶)

❁ پروردگار عالم نے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کو اپنی ناراضگی کیلئے ڈھال بنایا ہے۔ (اعیان الشیعہ طبع جدید ج۱ ص۳۱۶)

❁ خداوند عالم نے صلہ رحمی کو سبب بلندی و طول عمر قرار دیا ہے۔

(اعیان الشیعہ طبع جدید ج۱ ص۳۱۶)

❁ خداوند عالم نے قصاص کو حفاظت خون کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

(اعیان الشیعہ طبع جدید ج۱ ص۳۱۶)

❁ خداوند عالم نے وفائے نذر کو مغفرت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

(اعیان الشیعہ طبع جدید ج۱ ص۳۱۶)

❁ ہر وزن و پیمانہ کو صحیح ناپ تول سے استعمال کو خدا نے کم فروشی سے روکنے کا ذریعہ قرار دیا۔ (اعیان الشیعہ طبع جدید ج۱ ص۳۱۶)

❁ خداوند عالم نے رجس (کثافتوں) سے دوری کیلئے شراب خوری سے روکا ہے۔ (اعیان الشیعہ طبع جدید ج۱ ص۳۱۶)

❁ خداوند عالم نے کسی پر عیب لگانے سے ممانعت کو لعنت کا حجاب قرار دیا ہے۔

(اعیان الشیعہ طبع جدید ج۱ ص۳۱۶)

❁ خداوند عالم نے ترک چوری کو عفت و پاکیزگی کیلئے متعین کیا ہے۔

(اعیان الشیعہ طبع جدید ج۱ ص۳۱۶)

❁ خداوند عالم نے شرک کو اس لئے روک دیا تاکہ سب لوگ نہایت خلوص سے عبادت کرسکیں (اعیان الشیعہ طبع جدید ج۱ ص۳۱۶)

❁ لوگو! تم ہی میں سے (ہمارا ایک رسول تمہارے پاس آچکا ہے جس کی شفقت کی یہ حالت ہے کہ) اس پر شاق ہے کہ تم تکلیف اٹھاؤ اور اسے تمہاری بہبودی کا بہت خیال ہے ایمان داروں پر بے حد شفیق و مہربان ہے (سورہ توبہ ۱۲۸)

اگر تم اس کی نسبت دیکھو اور پہچانو تو یہ رسولؐ میرا باپ ہے نہ کہ تم عورتوں میں سے کسی کا (باپ ہے) اور یہ رسولؐ میرے چچازاد بھائی کا بھائی ہے نہ کہ تم لوگوں میں سے کسی مرد کا بھائی ہے اور اسکی طرف میری کتنی اچھی نسبت ہے؟ میرا باپ کھل کر ڈرانے والا، مشرکوں سے اعراض کرنے والا، انکے بڑوں کو قتل کرنے والا غم و غصہ کو پی جانے والا، لوگوں کو حکمت اور اچھے موعظہ سے خدا کی طرف بلانے والا، بتوں کو توڑنے والا، مشرکوں کے شیرازے کو بکھیرنے والا تھا یہاں تک کہ وہ لوگ شکست کھا گئے اور منہ موڑ کر بھاگے اور شب نے اپنا بستر باندھا، صبح کا چہرہ نمودار ہوا، دین کا لیڈر بولنے لگا، شیطانوں کو زبانیں گنگ ہو گئیں، نفاق کے ٹکڑے اڑا دیئے، کفر و شرک کی گرہیں کھول دیں، نورانی چہرے والوں اور بھوکوں کو کلمہ اخلاص سمجھا دیا۔ (اعیان الشیعہ طبع جدید ج۱ ص ۳۱۶)

❁ تم سب جہنم کے کنارے تھے۔ ہر شرابی کی شراب پینے کی جگہ تھی، ہر حریص (ولالچی) کیلئے لقمہ تھے ہر (متلاشی) آتش کیلئے چنگاری تھے، ہر ایک کے پیروں تلے روندے جاتے تھے گڑھوں میں جمع ہوا (گندا) پانی تم پیتے تھے، درختوں کے پتے، بیابانوں کی گھاس تمہاری غذا تھی تم اتنے ذلیل و خوار تھے کہ اپنے آس پاس کے لوگوں سے ڈرتے تھے کہ کہیں تم کو اُچک نہ لے جائیں پس خدا نے میرے باپ محمدؐ کے ذریعہ تم کو ان ذلتوں سے نجات دی حالانکہ آنحضرتؐ ہمیشہ، بے باک اور بھیڑیوں کی طرح بھوکے عربوں اور سرکش یہود و نصاریٰ سے مسلسل نبرد آزما رہا کرتے تھے یہ لوگ جب بھی آتش جنگ بھڑکاتے تھے خدا اسکو بجھا دیتا تھا۔ (اعیان الشیعہ طبع جدید ج۱ ص ۳۱۶)

❁ امام حسنؑ فرماتے ہیں میں نے اپنی ماں فاطمہ زہراؑ کو شب جمعہ، رات بھر سفیدہ سحر نمودار ہونے تک نماز پڑھتے دیکھا اور پوری رات صرف مومنین و مومنات کا نام لے کر کثرت سے دعا کرتے ہوئے سنتا رہا اور اس درمیان اپنے لئے کوئی دعا نہیں فرمائی میں نے عرض کیا مادر گرامی! جس طرح آپؑ دوسروں کیلئے دعا کر رہی ہیں اپنے لئے کیوں نہیں کرتیں؟ فرمایا بیٹا پہلے پڑوس والے پھر گھر والے (بیت الاحزان ص ۲۲)

❁ حضرت رسولخداؐ نے حضرت فاطمہؑ سے پوچھا عورت کیلئے سب سے زیادہ بہتر کیا ہے؟ معصومہؑ نے جواب دیا نہ وہ کسی نامحرم مرد کو دیکھے اور نہ کوئی نامحرم مرد اسکو دیکھے (بیت الاحزان ص ۲۲)

❁ ایک مرتبہ ایک عورت حضرت فاطمہ زہراؑ کے پاس آکر بولی میری ماں بہت بوڑھی ہے کچھ نماز کے مسائل انکو نہیں معلوم۔ انہیں معلوم کرنے کیلئے مجھے آپؑ کے پاس بھیجا ہے جناب فاطمہؑ نے فرمایا ہاں ہاں پوچھئے اس نے سوال کیا حضرت فاطمہؑ نے جواب دیا اس نے پھر دوسرا سوال کیا جناب فاطمہؑ نے اسکا (بھی جواب دیا؟ پھر اس نے تیسرا سوال کیا حضرت زہراؑ نے اسکا بھی جواب دیا یہاں تک کہ اس نے دس سوالات کئے اور جناب فاطمہؑ نے دسوں کے جوابات دیئے پھر کثرت سوال سے اس عورت کو شرم دامن گیر ہوئی اور کہنے لگی دختر رسولؐ اب میں آپؑ کو زیادہ زحمت نہیں دینا چاہتی حضرت فاطمہؑ نے فرمایا (نہیں نہیں) تم کو جو پوچھنا ہو پوچھو تمہارا کیا خیال ہے اگر کسی کو ایک بھاری بوجھ کو ٹھے پر لے جانے کیلئے کرایہ پر طے کیا جائے اور کرایہ ایک لاکھ دینار ہو تو کیا یہ بوجھ اسکو لے جانا اسکو گراں گزرے گا؟ عورت نے کہا ہرگز نہیں جناب فاطمہؑ نے فرمایا میں نے اپنی ذات کو وقف کر رکھا ہے کہ ایک مسئلہ کے جواب میں مجھے زمین سے لے کر آسمان تک بھرے ہوئے موتی دیئے جائیں اس لئے ظاہر ہے کہ مسئلہ کا جواب دینا مجھے گراں نہ گزرے گا (بحار ج۲ ص۳)

❁ میرے معبود جو تو نے مجھے روزی دی ہے اس پر مجھے قناعت (بھی) عطا فرما اور جب تک مجھے باقی رکھ، مجھے (اپنے دامنِ رحمت میں) چھپائے رکھ اور عافیت عطا کر! میرے اوپر رحم فرما! میرے خدا جس چیز کو تو نے میرے مقدر میں نہیں لکھا اسکے حصول میں میری مدد نہ کر اور جو چیز میرے مقدر میں لکھ دی ہے اسکے حصول میں میرے لئے آسانی پیدا کر (اعیان الشیعہ طبع جدید ج۱ ص ۳۲۳)

❁ میرے معبود میرے والدین کو اور جن کے میرے اوپر احسان ہوں انکو بہترین جزا مرحمت فرما میرے خدا جس مقصد کیلئے تو نے مجھے پیدا کیا ہے اس کیلئے فراغت و فرصت دے (اعیان الشیعہ طبع جدید ج۱ ص ۳۲۳)

❁ آپ نے حضرت رسول خداؐ کا مرثیہ کہا ہے کہ جو شخص محمدؐ کی قبر کی مٹی سونگھ لے اور وہ مدت دراز تک خوشبو نہ سونگھے تو اس کا بھلا کیا ہوگا؟ (یعنی آخر عمر تک اسکو پھر کسی خوشبو کی ضرورت نہ ہوگی) (اعلام النساء ج۴ ص ۱۱۳)

❁ غبار غم نے فضائے آسمان کو گھیر لیا سورج کو گہن لگ گیا، دن تاریک ہو گیا پوری زمین رسولخداؐ کے انتقال کے بعد ان کے غم میں لرزہ براندام ہے شرق و غرب

عالم کو آنحضرتؐ پر گریہ کرنا چاہیے قبیلہ مضر اور یمن کے لوگوں کو گریہ کناں ہونا چاہیے کوہِ عظیم کو ان کے جود وسخا پر اور کعبہ اور اسکے رُکنوں کو رونا چاہیے اے خاتم رسولاں! آپ کی روشنی دنیا والوں کیلئے مبارک ہے قرآن کے نازل کرنے والے کی رحمت آپؐ پر نازل ہو (اعلام النساء ج ۴ ص ۱۱۳)

❁ آپؐ کے بعد فتنوں نے سر اٹھایا اور گوناگوں صدائیں بلند ہوئیں اگر آپؐ موجود ہوتے تو یہ تمام اختلافات رُونما نہ ہوتے آپ کا ہم سے جدا ہونا ایسا ہی ہے جیسے خشک زمین، پانی سے محروم ہو جائے آپ کی قوم کے حالات اختلال پذیر ہو گئے لہٰذا انکو دیکھئے اور اپنی نظروں کے سامنے رکھئے (اعلام النساء ج ۴ ص ۱۲۲)

نوٹ: مندرجہ ذیل فرمودات "روح ہستی"، طبع یوپی انڈیا سے لکھے گئے ہیں۔

❁ مجھ سے رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے فاطمہؑ! جو شخص تم پر صلوات بھیجے اللہ تعالیٰ اسکی مغفرت فرمائے گا اور جنت میں جس جگہ بھی میں ہونگا اسے میرے ساتھ ملحق کرے گا۔ (کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ ج ۱ ص ۴۷۲)

❁ میں نے اپنے پدرِ بزرگوار سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس قول کے متعلق پوچھا کہ اعراف (جنت ودوزخ کے مابین بلندیوں) پر کچھ لوگ ہونگے جو ہر شخص کو (جنتی ہو یا جہنمی) انکی پیشانی سے پہچان لیں گے تو آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ میرے بعد آئمہؑ ہیں جو علیؑ اور میرے دونوں فرزند "نواسے" حسنؑ وحسینؑ اور نسلِ حسینؑ سے نو افراد ہیں یہی حضرات صاحبانِ اعراف ہیں جنت میں داخل نہیں ہوگا مگر وہی شخص جو ان حضرات کو پہچانتا ہو اور وہ حضرات بھی اسکو پہچانتے ہوں اور آتشِ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا مگر وہی شخص جو ان آئمہؑ کا انکار کرے اور وہ حضرات بھی اسکا انکار کریں اور اسے بیگانہ سمجھیں اللہ تعالیٰ کی معرفت ممکن نہیں ہے مگر انہیں آئمہ معصومینؑ کی معرفت کے وسیلہ سے۔

(کفایۃ الاثر فی النص علی الائمۃ الاثنی عشر ص ۱۹۴)

❁ ہمارے شیعہ بہترین اہل جنت میں سے ہیں اور ہمارے تمام دوست اور جو لوگ ہمارے اولیاء کے دوست اور ہمارے دشمنوں کے دشمن اور اپنے قلب وزبان سے ہم کو تسلیم کرنے والے ہیں وہ جس وقت کہ ان تمام چیزوں میں جو باعثِ ہلاکت ہیں ہمارے اوامر ونواہی کی مخالفت کریں اس وقت ہمارے واقعی شیعوں میں سے شمار نہیں ہونگے لیکن وہ ان سب کے باوجود جنت میں ہیں اور لیکن بعد اسکے کہ وہ اپنے گناہوں سے پاک ہو جائیں جو بلاؤں اور مصائب کے اثر سے یا عرصہ ہائے قیامت میں مختلف سختیوں کے سبب سے ہوئے، یہاں تک کہ ہم اہل بیتؑ ان سب کو اپنی محبت ومودّت کی خاطر سے جہنم سے نجات دیں اور اپنے حضور میں نزدیک منتقل کر دیں (بحار ج ۶۸ ص ۱۵۵)

❁ کیا تم رسول اللہ کا یہ قول بھول گئے جو غدیر خم کے دن ارشاد فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں پس علیؑ اسکے مولا اور اولیٰ بالنفس ہیں اور آیا یہ قول پیغمبر تم فراموش کر گئے؟ کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے علیؑ! تو مجھ سے وہی نسبت رکھتا ہے جیسے ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔ (اسنی المطالب طبع تہران ص ۵۰)

❁ قسم بخدا اگر لوگ حق اس کے اہل پر چھوڑ دیتے اور عترتِ نبیؐ کی پیروی کرتے تو کبھی دو شخص اللہ تعالیٰ کے بارے میں اختلاف نہ کرتے اور آئمہ معصومینؑ ہر ایک دوسرے کے بعد وارث امامت ہوتے یہاں تک کہ ہم اہل بیتؑ کا قائمؑ قیام کرے جو کہ حسینؑ کی اولاد سے نواں امامؑ ہے لیکن دنیا پرستوں نے اس شخص کو مقدم کیا خلیفہ بنالیا جس کو اللہ تعالیٰ نے موخر کیا تھا یعنی محکوم بنایا تھا اور اس امامؑ برحق کو موخر کر دیا جس کو اللہ تعالیٰ نے مقدم کیا تھا یعنی امامت و خلافت کیلئے منتخب فرمایا تھا (بحار ج ۴۳ ص ۱۶۰)

❁ کس چیز کے سبب دنیا پرستوں نے ابوالحسن علی علیہ السلام سے کینہ اختیار کیا؟ قسم بخدا اس علیؑ سے اس وجہ سے کینہ اور دشمنی کی کہ اس کی تلوار فقط منکرات کی نابودی کی خاطر چلتی تھی اور وہ مرگِ ناگہانی کی پرواہ نہ رکھتا تھا اور جنگ میں شدت کے ساتھ مبارزہ کرتا تھا اور دشمنانِ اسلام کو جو ان کے عزیز تھے ہلاک کرتا تھا اور جنگ کے صدمات کا مزہ عذاب چکھاتا تھا اور اسکا خروش وغضب فقط اللہ کیلئے ہوتا تھا۔

(فاطمہ زہراؑ بہجۃ قلب مصطفےٰؐ ص ۳۰۷، بنقل از بحار کمپانی ج ۸ ص ۲۲۴)

❁ بے شک وہ حضرات جن سے اللہ تعالیٰ نے ہر رجس کو دور رکھا ہے اور انکو پاک رکھا ہے جو پاک رکھنے کا حق ہے ان حضرات کے خلاف کوئی شہادت جائز ونافذ اور قابل قبول نہیں ہو سکتی اس لئے کہ وہ بُرائی سے محفوظ ومعصوم ہیں ہر فحش وبدی سے پاک ومنزہ ہیں۔ (احقاق الحق ج ۷ ص ۳۰۸)

❁ میرے پدرِ بزرگوار نبی اکرمؐ نے علیؑ کی طرف نظر کی اور فرمایا کہ یہ اور اسکے شیعہ جنت میں ہیں (ریاحین الشریعہ ج ۱ ص ۳۲۶، فاطمہ زہراؑ بہجۃ قلب مصطفےٰؐ ص ۳۴۴)

☆☆......☆☆......☆☆

مسائل کا روحانی و نورانی حل

تحقیق و ترتیب...... حسین سراج زادہ

دہشت گردی اور ٹارگٹ کلنگ سے بچاؤ کیلئے اعمال

معزز قارئین! دہشت گردی، ٹارگٹ کلنگ نے ہر گھر کا سکون چھین لیا ہے ہم معصومین علیہم السلام کے ارشاد کردہ اعمال لکھ رہے ہیں تاکہ الٰہی مدد سے دہشت گردوں کا حشر بھی ابرہہ کے ہاتھیوں جیسا ہی ہو۔ ہم نے انتہائی محنت سے یہ اعمال منتخب کیے ہیں براہِ کرم انہیں روزمرہ کا معمول بنالیں تاکہ آپ محمدؐ و آل محمدؑ کے توسل سے اللہ عزوجل کی پناہ میں آجائیں۔

❁ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ہمارے خاندان میں ہمارے جدامجد کے حکم کی تعمیل میں دن، رات کو تین تین مرتبہ سورہ "فلق" اور سورہ "والناس" پڑھی جاتی ہے اور ہمارا دشمن ہمیں اذیت دینے میں کامیاب نہیں ہوتا۔

❁ معصومین علیہم السلام کا ارشاد ہے کہ سورہ مسد (تبت یدیٰ) کو صبح و شام سات مرتبہ پڑھنے سے ہمارا دشمن خود خوفناک اذیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔
ہمارے مراجع عظام، مجتہدین کرام نے اس عمل کو اپنے مجربات میں درج کیا ہے۔ لہٰذا اسے نظرانداز مت کریں۔

اللہ تعالیٰ کی پناہ نصیب ہو جاتی ہے

❁ شیخ صدوق علیہ الرحمہ اپنی اسناد سے ثواب الاعمال مترجم ص ۳۴۹ پر لکھتے ہیں کہ حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جو شخص گھر سے نکلتے وقت "بسم اللہ" کہے گا تو دو فرشتے کہیں گے تجھے ہدایت نصیب ہوئی اگر وہ کہے "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہ" تو ملائکہ کہتے ہیں کہ تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے"۔

❁ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ "انا انزلنا" نازل کر کے ہم پہ اور ہمارے شیعوں پر رحم فرمایا ہے اگر یہ سورہ نہ ہوتا تو ہمارے شیعہ دشمن کی سازشوں اور انتقام کا نشانہ بن جاتے اسکے بعد آپؑ نے اصحاب سے فرمایا کہ ہشام بن عبدالملک میرے قتل کرنے کا مصمم ارادہ کئے ہوئے تھا مگر جب میں نے سورہ قدر اور سات مرتبہ، اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک "اللہ" کا ورد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ہشام پر ایک بڑا خوفناک سانپ مسلط کر دیا جو منہ کھول کر اسے نگل جانا چاہتا تھا اور ہشام کے علاوہ کوئی اور اس سانپ کو نہ دیکھ سکتا تھا۔ ہشام خوفزدہ ہو کر منتیں سماجتیں کرنے لگا، پس جو ہمارا شیعہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں جانا چاہتا ہے وہ اس سورہ اور "اللہ" کے مبارک اسم کا سات مرتبہ ورد کرے" (مصباح کفعمی)

❁ حضرت امام علی نقی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے جد رسول اللہؐ کا ارشاد ہے کہ "جو شخص گھر سے نکلتے وقت ایک مرتبہ آیۃ الکرسی پڑھے تو وہ بحفاظت اپنے گھر واپس لوٹے گا اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کی حفاظت پر مامور ہوں گے"۔

❁ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "جب جان کے ضائع ہونے کا خطرہ لاحق ہو اور ہر طرف دشمن ہوں تو گھر سے نکلتے وقت دس مرتبہ سورہ توحید پڑھے تو اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو جاتی ہے کہ وہ گھر خیریت سے واپس آئے"۔

❁ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ "اپنے آپ کو بسم اللہ الرحمن الرحیم اور سورہ قل ھو اللہ احد کے ذریعہ لوگوں کی نظروں سے محفوظ کرلو ان دونوں کو اپنے چاروں طرف اور زمین کی جانب اور پھر آسمان کی جانب رخ کر کے پڑھ کے گھروں سے نکلو تو تمام جن وانس بھی مل کر کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے"۔

حضرت رسول اللہ فرماتے ہیں کہ خطرناک سے خطرناک سفر پر بھی جاتے ہوئے ایک مرتبہ آیت الکرسی (العلی العظیم تک) پڑھو اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کا ذمہ دار ہوگا اور اسے گھر سے نکلتے وقت پڑھنا ہرگز ترک نہ کرو۔

آیت الکرسی "العلی العظیم" تک روزانہ سو (۱۰۰) مرتبہ ایک وقت مقرر کرکے اول و آخر درود پڑھ کر پورے گھر، محلے، گاؤں، قصبے اور شہر کا حصار باندھا جاسکتا ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تمہیں جب خوفزدہ کیا جارہا ہو، ناگہانی آفات کا ڈر ہو تو قرآن مجید کی جہاں سے چاہو سو (۱۰۰) آیات کی تلاوت کرکے تین بار یہ کہو "اَللّٰھُمَّ ادْفَعْ عَنِّی الْبَلَاءَ" (اے اللہ! مجھ سے بلا (مصیبت) کو دور فرما۔

اس کے بعد دعا مانگو تو اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا۔

اس دعا کو روزانہ ایک وقت مقرر کرکے پڑھا جائے تو ہر ناگہانی آفت سے نجات مل جائے گی۔

معزز قارئین! ہم نے پیامِ زینبؑ میں قرآن مجید کی سورتوں کے بارے میں ان کے فضائل و اعمال کا سلسلہ شروع کیا تھا اور سورہ ہائے قرآنی پر تمام تفاسیرِ اہل بیتؑ سے جو ہمیں مہیا ہوئیں اسے نقل کیا۔ یہ کتاب چند سال قبل مکمل بھی ہوگئی۔

حضرت علامہ سید اعجاز حسین کاظمی اعلی اللہ مقامہ نے اس کا نام انتہائی سادہ اور سہل رکھنے کا فرمایا میں نے گزارش کی کہ آپ ہی تجویز فرمادیں تو انہوں نے "قرآنی سورتوں کے فضائل و اعمال" نام رکھا۔

سورہ ہائے قرآنی پر کام تو مکمل ہے اب آیات مبارکہ پر کام جاری ہے۔

ہم نے اس کا اپنے کالم "مسائل کے روحانی حل" میں سورہ حشر سے آغاز کیا ہے اللہ تعالیٰ بطفیل معصومین علیہم السلام اور امہاتِ معصومینؑ کی خصوصی نظرِ کرم سے مجھے صحت و سلامتی کے ساتھ اسے بجالانے کے لئے زندگی عطا فرمائے تو میں سرخرو ہوسکوں گا۔ (انشاءاللہ)

حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "جو شخص سورۂ "حشر" کی تلاوت کرے تو جنت، جہنم، عرش، کرسی، حجاب، ساتوں زمین و آسمان، فضا، ہوا، درخت، پہاڑ، سورج، چاند اور فرشتے، سبھی اس کیلئے درود بھی پڑھتے ہیں اور استغفار بھی کرتے ہیں۔ سورۂ حشر پڑھنے والا، تلاوت والے دن یا رات کو مر جائے تو شہید کی موت مرتا ہے"۔ (ثواب الاعمال صدوقؒ، مترجم ص ۲۵۲، تفسیر صافی ج ۵، ص ۱۶۰، بحار الانوار ج ۹۲، ص ۳۰۸، تفسیر مجمع البیان ج ۹، ص ۲۵۵، ۲۵۶، تفسیر نمونہ، تفسیر انوار النجف ج ۱۳، ص ۲۴۶، بحوالہ تفسیر البرہان)

حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جو شخص چار رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں سورۂ "الحمد" کے بعد سورہ "حشر" پڑھے تو جس شرعی کام کے لئے جہاں بھی جائے اسے کامیابی نصیب ہوگی"۔ (تفسیر انوار النجف ج ۱۳، ص ۲۴۶)

حضرت امام جعفر صادقؑ کا فرمان

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ کوئی مشکلات، رنج و غم اور عظیم دُکھوں میں مبتلا ہو تو ان حاجات کو سورہ حشر کے ذریعے دور کرو۔

ہر روز ایک مرتبہ اس کی مسلسل تلاوت کرو۔ اللہ تعالیٰ اس کے توسل سے تم پر رحم فرماتے ہوئے ہر حاجت پوری فرمادے گا اور مشکلات کو دور فرمائے گا۔

اس کتاب کے مولف لکھتے ہیں کہ یہ تمام بزرگ علماء کا مجرب عمل ہے۔

اسے تلاوت کرنے والے یاد رکھیں کہ کسی دن ناغہ نہ ہونے پائے اگر کوئی دن رہ جائے تو پھر اسے دوبارہ شروع کرو۔ (ہزار و یک ختم تالیف آقای نصر اللہی بروجردی طبع قم المقدسہ ص ۹۸)

"جو شخص سورۂ "حشر" حاجات کے پورا ہونے اور پریشانیوں کے دُور ہونے کی نیت سے چالیس دن تک بلا ناغہ روزانہ ایک مرتبہ تلاوت کرے گا تو اس کی حاجات اور دُعائیں قبول ہوں گی"۔ (بحر الغرائب ص ۳۱، تحفہ رضویہ ص ۱۴۲، تفسیر انوار النجف ج ۱۳، ص ۲۴۶)

"جو شخص اس سورہ کو شیشے کے برتن میں لکھ کر بارش کے پانی سے دھو کر پی لے تو اس کا حافظہ تیز ہوگا نیز بھول جانے کی عادت ختم ہوجائے گی"۔

(تفسیر برہان ج ۷، ص ۴۹۱، تفسیر انوار النجف ج ۱۳، ص ۲۴۶)

سورہ حشر کی آخری چار آیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ

الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

سورہ حشر کی آخری آیات کے بارے میں اعمال

معزز قارئین! معصومین علیہم السلام کی طرف سے ارشاد کردہ احادیث مبارکہ اور مجتہدین عظام کے نقل کردہ اقوال سے سورہ حشر کی آخری آیات میں اسم اعظم کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

بعض مقامات پر تعداد مختلف ہے اس سلسلے میں گزارش ہے کہ شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری رضوان اللہ تعالیٰ اور سید ابن طاؤس اعلی اللہ مقامہ نے تحریر کیا ہے کہ معصومین علیہم السلام اپنے اصحاب کے مزاج اور ظرف اور اُن کی روزمرہ کی مصروفیات کو مدِنظر رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

جیسے کہ ایک چرواہے کی درخواست پر حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے شبِ قدر کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا۔

اسی طرح مراجع عظام، مجتہدین کرام بھی سائل کو اس کی ذہنی اور روحانی استعداد کے مطابق عمل عطا فرمایا کرتے تھے۔

لہٰذا ہم نے سورہ حشر کے بارے میں اور آخری آیات کے متعلق تمام احادیث اور اقوال درج کر دیے ہیں جسے جو عمل بجالانے کی توفیق ملے وہ اسی عمل کو بجالائے اسے اس کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ انشاء اللہ

حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک

معقل بن یسار کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کا فرمان مبارک ہے کہ جو انسان صبح کو یہ کہے "اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم" اور پھر سورہ حشر کی آخری چار آیات کی تلاوت کرے تو اللہ تعالیٰ سات ہزار فرشتوں کو اس پر نگران مقرر فرماتا ہے جو اس کی ہر قسم کی آفات سے حفاظت فرماتے ہیں اور اس پر رات تک صلوات پڑھتے ہیں اور اگر وہ اس روز مرجائے تو وہ شہادت کی موت مرے گا۔ اور اگر رات کو یہی چار آیات انتہائی خلوص سے پڑھے تو اس کو اللہ تعالیٰ ان آیات کی برکت سے شفا عطا فرمائے گا۔

اور اگر کوئی اس سورہ حشر کو شیشے کے برتن میں لکھے اور بارش کے پانی سے دھو کر اس کو پیئے تو اس کے حافظہ میں اضافہ ہوگا۔ (ختوم واذکار ج۱ ص ۱۲۹، ہزار و یک ختم ص ۶۸)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک ہے کہ جو "سورۂ حشر" کی آخری تین آیات کی دن کو تلاوت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کے لئے ستر ہزار فرشتوں کو مقرر کرتا ہے جو اس پر رات ہوتے تک درود پڑھتے ہیں اور اگر وہ اسی دن مرجائے تو وہ شہید مرے گا"۔ (بحار الانوار ج ۹۲، ص ۳۰۸، جامع الاخبار ص ۵۶، تفسیر در منثور ج ۶ ص ۲۰۱، تفسیر نمونہ ج ۲۳، ص ۳۴۲)

حضرت رسول اللہؐ سے حضرت جبرئیلؑ امین نے فرمایا

حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر المومنینؑ سے ارشاد فرمایا: "یا علیؑ! اگر کوئی سورہ حشر کی تلاوت کرے تو وہ دنیا و آخرت کی ہر معصیت سے محفوظ رہے گا"۔

پھر ارشاد فرمایا کہ "حضرت جبرئیلؑ نے اللہ عزوجل سے اسم اعظم کے بارے میں سوال کیا تو ارشاد ہوا کہ سورہ حشر کی آخری آیات میں ہے۔

حضرت جبرئیلؑ نے دو مرتبہ یہی سوال کیا تو جواب میں یہی ارشاد فرمایا گیا۔

(ختوم واذکار تالیف آیت اللہ مقدم مشہد مقدس جلد ۱ ص ۱۲۹)

اسم اعظم کا بیان

چشمہ رستگار تالیف عبدالباسط شہیب زادکان طبع قم المقدسہ "اسم اعظم" کے بارے میں ایک باب تفصیلاً درج کرتے ہوئے ص ۲۶۱ پر لکھتے ہیں۔

اسم اعظم سورہ حشر کی آخری چار آیات میں ہے جو کوئی اس کی تلاوت کر کے خلوصِ دل اور آہ و زاری کے ساتھ دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرماتا ہے۔

ختوم واذکار جلد ۱ صفحہ ۱۱۳۔ آیت اللہ مقدم (مشہد مقدس) اسم اعظم کے باب میں لکھتے ہیں کہ سورہ حشر کی آخری چھ آیات میں اسم اعظم ہے۔

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد مبارک ہے کہ سورہ حشر کی آخری آیات میں اسم اعظم ہے۔ (ہزار و یک ختم ص ٦٩)

سر درد کے لئے اس آیت کو تلاوت کریں...... حضرت امیر المومنینؑ

ہزار و یک ختم طبع قم المقدسہ کے ص ١٢٦ پر یہ روایت نقل ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ نے ارشاد فرمایا: "اگر کسی کو سر میں شدید درد ہو یا کوئی اور ذہنی تکلیف ہو تو سورہ حشر کی آیت "لو انزلنا ھذا القرآن علیٰ جبل سے لے کر "یتفکرون" تک پڑھ کر دم کرے تو مرض دور ہو جائے گا"۔

عارف کامل محمد علی شاہ آبادی رضوان اللہ لکھتے ہیں

عارف کامل محمد علی شاہ آبادی (جو عرفان میں امام خمینیؒ کے استاد تھے جن کے بارے میں امام خمینیؒ بار بار تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ میری جان ان پر قربان ہو! نیز یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر استادِ محترم کا درس سننے کو مجھے ستر (٧٠) سال نصیب ہوں تو بھی ہر روز تازہ ذکر ہی سننے کو ملے گا)

عارف کامل کے ناشر بنیاد خرمگی شہید شاہ آبادی تہران، ایران کے ص ٥٤، ٥٥ پر فرماتے ہیں:

سورہ حشر کی آخری تین آیات کی مکمل توجہ اور خلوص سے اتنی زیادہ تلاوت کریں کہ اس کے اثرات دل و روح پر راسخ ہو کر رچ بس جائیں اور اس کی مکمل معرفت حاصل کریں۔ تاکہ جب بھی کوئی بات کرنا چاہو تو بے ساختہ انہی آیات کی زبان پر تلاوت جاری ہو جائے۔

جب قبر کی پہلی رات آئے اور منکر و نکیر سوال کریں تو ان کے جواب میں سورہ حشر کی یہی تین آیات منہ سے نکلیں۔ اور آپ کے اس جواب سے ملائکہ حیران و مبہوت ہو جائیں اور یہ مقام ان آیات کی روح کی گہرائیوں میں سما جانے والی تلاوت سے ممکن ہے۔

یہ روایت "برنامہ رادیوئی سیمای فرزانگان سال ١٣٦٥" کے حوالے سے بھی درج کی گئی ہے۔

اگر آپ کو توفیق الٰہی نصیب ہو

آیت اللہ سید عبدالکریم کشمیری رضوی النجفی کا مندرجہ ذیل نادر و نایاب اعمال روح و ریحان طبع قم المقدسہ ص ٦٩۔ ہزار و یک ختم طبع قم المقدسہ ص ١٢٦ سے نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

اگر آپ کا بخت یاوری کرے اور آپ کا قلب و روح مکمل طور پر اس عمل کو بجالانے پہ آمادہ ہو اور اللہ تعالیٰ بطفیل معصومین علیہم السلام توفیق عطا فرمائے تو سورہ حشر کی آخری چار آیات کو مندرجہ ذیل طریقے سے پڑھ کر دیکھیں جہاں آپ کا نفس تقویٰ اختیار کرنے پر آمادہ ہو جائے گا وہاں آپ کی زندگی کا ہر مشکل سے مشکل کام بھی احسن طریقے سے حل ہو جائے گا۔ استاد عبدالکریم اعلی اللہ مقامہ نے اسے خود اپنے مجربات میں نقل کیا ہے۔

عمل کی شرائط کے ساتھ اس میں ناغہ نہ ہو اور اسے مسلسل یکسوئی کے ساتھ پڑھیں یہ عمل استاد عبدالکریم نجفی اعلی اللہ مقامہ نے نجف اشرف میں دو بار پڑھا اور اسے پڑھنے کی تاکید کی ہے۔

یہ اسی (٨٠) دن کا عمل ہے۔ پہلے چالیس دن پڑھنے کا طریقہ یہ ہے۔

ہر روز ان آیات کو وقت مقرر کر کے پہلے دن ایک مرتبہ دوسرے دن دو مرتبہ اور اسی طرح چالیس دنوں میں ایک ایک بار تلاوت کا اضافہ کرتے جائیں یعنی چالیسویں دن چالیس مرتبہ پڑھیں۔

پھر اکتالیسویں (٤١) دن چالیس بار، بیالیسویں دن ٣٩ بار اور طرح آخری دن ایک مرتبہ۔ دعا کے قبول ہونے کے لئے اسے استاد عبدالکریم علیہ الرحمہ نے اس عمل کو موثر ترین قرار دیا ہے۔

ابراہیم کفعمی اعلی اللہ مقامہ لکھتے ہیں

ابراہیم کفعمی اعلی اللہ مقامہ نے اپنی کتاب "جنۃ الامان" میں اسم اعظم کے باب میں سورہ حشر کی آخری تین آیات کو اسم اعظم قرار دیا ہے۔ انہی کے اس حوالے کو دو ہزار دستور العمل مجرب مؤلف سید محمد تقی حامد سجادی طبع مشہد مقدس نے ص ٦٢٨ پر درج کیا ہے۔

☆☆......☆......☆☆

قسط دوم

ہم مخلوق کے شب و روز کے اعمال پر گواہ اور شاہد ہیں......معصومین علیہم السلام

تحقیق و ترتیب......صفدر حسین ڈوگر کربلائی

اعمال پیش ہونے کا مسئلہ

تفسیر نمونہ ج ۸ ص ۱۰۸ پر تفسیر نمونہ کے مفسرین "اعمال پیش ہونے کا مسئلہ" کا عنوان دے کر لکھتے ہیں کہ "بہت سی روایات اور خبریں جو آئمہ معصومینؑ سے پہنچی ہیں ان کے پیش نظر کتب اہل بیتؑ کے پیروکاروں کا یہ مشہور و معروف عقیدہ ہے کہ حضرت پیغمبر اکرمؐ اور آئمہ طاہرینؑ تمام امت کے اعمال سے آگاہ ہو جاتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ مخصوص طریقوں سے امت کے اعمال ان کے سامنے پیش کر دیتا ہے"۔

حضرت امام جعفر صادقؑ کا فرمان

تفسیر نمونہ میں اصول کافی ج ۱ ص ۱۷۱ کے حوالے سے حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا "لوگوں کے اعمال ہر روز صبح کے وقت حضرت رسول اکرمؐ کے سامنے پیش ہوتے ہیں چاہے وہ نیک لوگوں کے اعمال ہوں یا بُرے لوگوں کے لہٰذا متوجہ رہو اور اس سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "**وقل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ**" کا یہی مفہوم ہے" یہ کہہ کر امام جعفر صادقؑ خاموش ہو گئے۔

حضرت امام محمد باقرؑ کا ارشاد

تفسیر برہان ج ۲ ص ۱۵۸ کے حوالے سے نقل ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں "تمہارے تمام اعمال ہر جمعرات کو عصر کے وقت حضرت رسول اللہؐ کے پاس پیش ہوتے ہیں لہٰذا اس بات پر شرم کرو کہ تمہاری طرف سے کوئی بُرا عمل حضرت رسول اکرمؐ کی خدمت میں پیش ہو"۔

حضرت امام علی رضاؑ حلفیہ فرماتے ہیں

نیز ایک روایت میں حضرت امام علی رضاؑ سے اصول کافی ج ص ۱۷۱ باب عرض الاعمال میں منقول ہے کہ ایک شخص نے آپؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے لئے اور میرے گھر والوں کیلئے دعا کیجئے تو امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا "تو کیا میں دعا نہیں کرتا" "**واللہ ان اعمالکم لتعرض علی فی کل یوم ولیلہ**" "اللہ کی قسم! اعمال ہر شب و روز میرے سامنے پیش ہوتے ہیں" راوی کہتا ہے کہ یہ بات مجھ پر گراں گزری امام علی رضا علیہ السلام میری طرف متوجہ ہوئے اور مجھ سے فرمایا: "**اما تقر کتاب اللہ عزوجل وقل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمومنون ھو علی ابن ابی طالب**" کیا تو نے اللہ کی کتاب نہیں پڑھی جو کہتی ہے "عمل کرو، اللہ، اس کا رسولؐ اور مومنین تمہارے عمل کو دیکھتے ہیں اللہ کی قسم! مومنین سے مراد علیؑ ابن ابی طالبؑ اور ان کی اولاد میں سے دوسرے ائمہؑ ہیں۔

مفسرین وضاحت کرتے ہیں

تفسیر نمونہ ج ۸ ص ۱۱۰ پر مندرجہ بالا معصومین طاہرینؑ کی روایات نقل کر کے لکھتے ہیں دوسرا یہ کہ آیت کے آخر میں ہے "**فینبئکم بما کنتم تعلمون**" "خدا تمہیں قیامت میں اس سے آگاہ کرے گا جو تم عمل کرتے تھے" اس میں شک نہیں کہ اس جملے کے مفہوم میں انسان کے تمام اعمال شامل ہیں، چاہے وہ مخفی ہوں یا آشکار اور آیت کا ظاہر یہ ہے کہ آیت کی ابتداء اور آخر سے "عمل" کا ایک ہی مفہوم ہے لہٰذا آیت کی ابتداء میں آشکار و مخفی تمام اعمال کے بارے میں ہے اور اس میں شک نہیں کہ ان تمام سے آگاہی معمول کے طریق سے ممکن نہیں ہے دوسرے لفظوں میں آیت کا آخری حصہ تمام اعمال کی جزا کے بارے میں ہے اور دوسرا، جزاء کا اور بات دونوں میں ایک ہی موضوع سے متعلق ہے"۔

(بقیہ......صفحہ نمبر ۱۰ کالم نمبر ۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

انسان کی ہدایت کا انتظام اللہ تعالیٰ کی طرف سے

علامہ السید افتخار حسین نقوی النجفی
پیشکش......سید قمر عباس (کیمرہ مین منہاج نور ٹی وی)

جامعہ السیدہ خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کی طالبات کے ششماہی امتحان کے نتائج کے اعلان بارے ایک تقریب منعقد ہوئی جس میں علامہ سید افتخار حسین نقوی نے طالبات سے خطاب کیا۔ اس میں اہم تربیتی نکات بیان کیے۔ عمومی استفادہ کیلئے پیام زینبؑ میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔

حدیث میں ہے" ان الدنیا دار الابتلاء ودار الفناء"

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اپنی تمام مخلوقات میں بہترین مخلوق قرار دیا۔ انسان کو عقل وشعور دیا اور اس کی ہدایت اور رہنمائی کیلئے اپنے خصوصی نمائندگان انبیاءؑ ورسل بھیجے اور کتابیں بھی ساتھ تھیں اور آخری پیغمبر ہمارے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور انکے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو مکمل کیا اپنا نظام جو تھا انسانوں کے واسطے اس کی تکمیل فرمائی اور کتاب ہدایت، کتاب قانون، کتاب انسانیت، انسان کی ترقی وکمال کیلئے رہنما کتاب، قرآن کی شکل میں عطا کی اور قرآن کیلئے معلمین بھی اپنی طرف سے بھیجے آئمہ اہل بیت علیہم السلام۔

انسان ارادہ واختیار کا مالک

اس انسان کو یہ اختیار دیا کہ وہ اپنے اختیار واپنے ارادے سے ترقی کی منزلیں طے کرے اسے اچھائی بھی بتادی گئی برائی بھی بتادی گئی ترقی کا راستہ بھی سمجھا دیا گیا اور تنزلی وزوال کے راستے بھی بتادیئے گئے اور انسان کو بتایا گیا کہ یہ جو تیرا جہان ہے جو پہلا پڑاؤ ہے، پہلی منزل ہے، یہ ایک زود گزر ہے، اس نے زیادہ دیر نہیں رہنا یہاں سے تمہیں اگلی جگہ جانا ہے وہ جو اگلی جگہ ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہے اسکا پھر خاتمہ نہیں ہے۔ جس کو آپ آخرت کہتے ہیں آخرت یعنی اگلا جہان، اگلے جہان کو کسی نے دیکھا نہیں یہ جہان جس میں ہم رہ رہے ہیں یہ کتنے دیر ہم یہاں رہیں گے یہ پتہ نہیں ہے۔ کچھ تو رحم مادر سے باہر آتے ہی نہیں وہیں پر ہی ختم ہوجاتے ہیں اور کچھ اس رحم مادر سے باہر آنے کے بعد مرجاتے ہیں کچھ تھوڑا عرصہ اس فضاء کو دیکھنے کے بعد مرجاتے ہیں کچھ چھ ماہ کی عمر تک کچھ دس سال ،بیس سال، تیس سال، چالیس، پچاس سال سو سال آج کے دور میں تو ساٹھ ستر سال بھی بس تو اسکے بعد اس جہان کو چھوڑ جاتے ہیں۔

دنیا سے جانے کا وقت

کب کسی نے اس دنیا کو چھوڑنا ہے؟ اس جہان کو چھوڑنا ہے کب کسی پر موت آنی ہے؟ وہ وقت کسی کو پتہ نہیں ہے یہ سب کو پتہ ہے کہ ہم نے یہاں سے چلے جانا ہے اور اتنا یقین ہے کہ اس کے بارے میں کسی کو شک ہے ہی نہیں لوگوں نے اللہ کے وجود کے بارے میں شک کیا ہے لیکن موت کے بارے میں کسی کو شک نہیں ہے اسی لئے موت کو، موت کا دوسرا نام ہی یقین ہے ہم زیارات میں حدیثوں میں پڑھتے ہیں کہ موت کو یقین سے تعبیر کیا گیا ہے "حتی اتاک الیقین" امام حسین علیہ السلام کے بارے میں پڑھتے ہیں کہ آپؑ نے جہاد کیا یہاں تک کہ یقین آپ کے پاس آگیا یعنی موت، دنیا سے چلے جانے کا وقت آگیا ہے۔

موت کی تعریف

موت اس حالت کو کہتے ہیں کہ جس حالت کے آتے ہی انسان یہاں کا جو سلسلہ ہے اس سے علیحدہ ہوجاتا ہے اور پھر اسے اٹھا کر قبر کی تاریک کوٹھی میں ڈال آتے ہیں اور وہاں پر اکیلا ہوتا ہے کوئی بھی نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اس قبر میں کب تک اس نے رہنا ہے؟ اس کا یہ جسم، یہ ہڈیاں بوسیدہ ہوجائیں گی اور راکھ

بن جائینگی بہت کم ایسے ہونگے جن کا جسم اپنی اصلی حالت میں موجود رہتا ہے اور اس کی وجہ انکے ایسے اعمال ہوتے ہیں جو انکے جسم کو بوسیدہ نہیں ہونے دیتے۔ پھران قبروں سے انہیں اٹھایا جائے گا اب کب اٹھایا جائیگا؟ وہ پتہ نہیں ہے اور جب اٹھایا جائیگا تو پھر سب ایک ہی میدان میں ہونگے اس میدان میں سب کا نامہ اعمال انکے سامنے ہوگا ہر عمل جسمانی شکل اختیار کر جائے گا اور اس کے قریب گھوم رہا ہوگا ہر ایک کی اپنی ایک شکل ہوگی کچھ شکلیں خوف ناک ہونگی جو دوسروں کو طعنے دیتے ہیں اور ان پر تہمتیں باندھتے ہیں وہاں پر کوئی عمل بچھو کی شکل میں ظاہر ہوگا کوئی سانپ کی شکل میں ظاہر ہوگا کوئی بھیڑیے کی شکل میں، لومڑی کی شکل میں، مکاروں کا اس طرح مختلف شکلیں ہونگی اسکے اردگرد ہونگی وہ خوف کے مارے چیخے چلائے گا وہ اپنے پسینے میں غرق ہوگا انسان کے خود اپنے جسم کے اعضاء وہ بھی بولنا شروع کردینگے اور ہر عضو کہہ رہا ہوگا کہ اس نے میرے ذریعہ یہ کام کیا ہے میرے ذریعے فلاں کام کیا ہے اور وہ اس کے خلاف گواہی دے رہے ہونگے۔ سورہ یٰسین میں ہے کہ انسان کہے گا کہ تم تو میرے ہو اور میرے خلاف گواہی دے رہے ہو تو وہ کہیں گے کہ ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے بلوایا ہے ہم کیسے غلط بات کہیں ہم تو وہی بول رہے ہیں جو تم نے کیا ہے جن کے اعمال اچھے ہونگے ان کا نامہ عمل دائیں ہاتھ میں ہوگا اور انکے عمل اچھے خوبصورت شکل میں ہونگے۔ ولایت اہل البیت علیہم السلام ایک نورانی شکل میں خوبصورت موجود اس کے سامنے اسکے لئے مددگار کے عنوان سے موجود ہوگا۔

ولایت اہل البیت علیہم السلام کا نور

اب انسان کو کیا کرنا چاہیے کچھ تو کہتے ہیں کہ آخرت میں کچھ ہے ہی نہیں، بس یہی دنیا ہے اس میں لذتیں اٹھالو، مزے لے لو، جتنے بھی دن ہیں، کوئی قانون نہیں، کوئی ضابطہ نہیں، جو مرضی کرو کس نے پوچھنا ہے یہی بات جو ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے کسی منکر نے آکر کہی وہ یہ کہتا تھا کہ آخرت نہیں ہے مستقبل نہیں ہے اس دنیا کے بعد والا جہان کچھ نہیں بس یہی ہے تو مولاؑ نے اس سے یہ پوچھا کہ اگر تو وہاں کچھ نہیں ہوا تو پھر ہم اور آپ برابر ہوں گے لیکن اگر وہاں ہوا وہاں حساب و کتاب ہوا تو ہم بہتر حالت میں ہونگے یا تم؟ جو عقلمند ہوتا ہے وہ بہتر کا انتخاب کرتا ہے تو احتیاط کا تقاضا کیا ہے؟ تو وہیں پر وہ منکر ہدایت پا گیا اور کہا کہ آپ ٹھیک کہتے ہیں اور آخرت پر ایمان لے آیا۔

دنیا پہلا گھر ہے

دنیا پہلا گھر ہے اور یہاں ہم نے ہمیشہ نہیں رہنا یہاں سے چلے جانا ہے تو یہاں ایسی زندگی گزاریں جیسی خدا نے چاہی ہے دنیا، دنیا کیلئے نہ کریں دنیا سے آخرت کیلئے زادِ راہ بنائیں دنیا کو آخرت بہترین بنانے کا وسیلہ بنائیں انسان کی آخرت اور انسان کا انجام اس کے اپنے ہاتھ میں ہے اگر اچھا کرے گا تو نتیجہ اسکا اچھا ملے گا برا کرے گا نتیجہ اسے برا ملے گا اور خالی نتیجہ ہی نہیں ملے گا اگر برائی کی ہے رائی کے دانے کے برابر تو وہ خود برائی کو دیکھے گا خود برائی وہاں اسکے سامنے جسم کی شکل اختیار کرے گی اگر اچھائی کرے گا تو خود اچھائی کو دیکھے گا خود اچھائی جسمانی شکل اختیار کرے گی۔

اللہ کا کرم خاص

آپ تصور کرو کہ یہاں تو اللہ کا کرم ہے کہ اللہ نے چاہا ماحول میں رونق رہے ایک دوسرے سے ملتے رہیں ایک دوسرے سے ڈریں نہیں، پیار و محبت کی فضا رہے، آبادی رہے لہٰذا کسی کو کسی کے بارے میں کچھ پتہ نہیں کون کیا ہے؟ بلکہ اللہ نے ایک دوسرے کے احترام کیلئے آرڈر جاری کردیا کہ کوئی کسی کی برائی کو عام نہ کرے، کوئی کسی کی پیٹھ پیچھے اسکی برائی بیان نہ کرے، کوئی کسی کو برے لفظوں سے یاد نہ کرے، کسی کو اگر کسی کی برائی کا پتہ چل گیا تو دوسرے کو مت بتائے نہ خود سے پتہ چل سکتا ہے اگر کسی کو پتہ چل گیا ہے تو اس کو بیان کرنے سے بھی روک دیا گیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا ان انسانوں پر کرم ہے مہربانی ہے۔

آخرت کا حال

اگر انسان بے حیا ہو جائے اور اللہ کی رحمت اور کرم اور حلم اور فضل کا مذاق اڑائے اور اپنے پیٹھ پر برائیوں اور گناہوں کا منوں بوجھ اٹھا کے لے جائے تو پھر وہاں پر تو کوئی چیز چھپے گی نہیں تو بیٹا ماں سے بھاگے گا ماں اپنے دودھ پیتے بچے سے بھاگے گی یعنی ہوش ہی نہیں ہوگا کوئی کسی کا ساتھی نہیں ہوگا کوئی کسی کا خیر چاہنے

والا نہیں ہوگا ہر شخص اپنی ذات میں گم ہوگا اور شرمندگی کے پسینے میں غرق ہوگا کیونکہ ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں لیکن اتنے اپنے پسینے میں غرق ہیں کہ دوسرے کا خیال ہی نہیں تو ایسی حالت جو ہے وہاں پر پیش آنی ہے تو اس کیلئے ہم نے یہیں کام کرنا ہے یہی جگہ ہے یہ دار الامتحان ہے یہ امتحان کا گھر ہے اور اس گھر نے ختم ہو جانا ہے یہ دار الامتحان ہے۔

دنیا الٰہی امتحان گاہ

یہ اللہ کا کرم ہے کہ دنیا میں امتحان لیا جاتا ہے تو پرچے آؤٹ نہیں ہوتے جب امتحان کے کمرے میں بیٹھیں گے تو اس وقت پرچہ ہاتھ میں تھما دیا جائے گا تو پھر جو یاد کیا ہے اس کو لکھیں گے جو نہیں کیا تو وہ نہیں لکھیں گے اور پھر رزلٹ جو ہے وہی آئیگا جو کیا ہے جو لکھا ہے محنت کی ہے تو اسکا نتیجہ اچھا آئیگا محنت نہیں کی تو اسکا برا نتیجہ آئیگا لیکن اللہ کی جو امتحان گاہ ہے وہ یہی دنیا ہے یہ امتحان گاہ ہے اور پرچہ جو ہے اوپن کر دیا گیا ہے سوالات اوپن ہیں اور انکے جوابات بھی بتا دیئے گئے ہیں یعنی اللہ کا جو امتحان کا طریقہ ہے سوالات بھی معلوم ہیں جوابات بھی معلوم ہیں مجھے اس دنیا میں کیا کرنا ہے؟ مجھے کیسے سونا ہے؟ کیا کھانا ہے؟ کونسا کام کرنا ہے؟ کونسا نہیں کرنا ہے، کونسی چیز نجس ہے کونسی چیز پاک ہے آپس میں کیسے رہنا ہے؟ ہمسائیوں کے ساتھ کیسے رہنا ہے؟ ماں باپ سے کیسے تعلق ہونا ہے؟ حکمرانوں سے کیسے ہونا ہے؟ رعیت کیسے ہونی ہے؟ اپنے وطن سے کیا تعلق ہونا ہے؟ غیر مذہب جو ہمارے طریقے پر نہیں ہے انکے ساتھ کیسا رابطہ ہونا ہے؟ اپنے ہادیوں کے ساتھ، ہادیان برحق انکے ساتھ کیسا تعلق ہونا ہے؟ معلم و متعلم کا کیا رشتہ ہے؟ استاد و شاگرد کا کیا تعلق ہے؟ یہ سب چیزیں، یہ سوالات ہیں اور انکے جوابات موجود ہیں۔

دنیا عمل کرنے کا گھر ہے

عمل ہم نے کرنا ہے یعنی اگر ہر سوال کا جواب اس طرح دیا جس طرح خدا نے کہا ہے تو پھر اس کا اجر ہے ثواب ہے اور پریشانی بھی نہیں ہے اگر اس طرح جواب نہیں دیا تو پھر شرمندگی ہے پریشانی ہے تو عقلمندی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو موقع دیا ہے اس موقع سے فائدہ اٹھائیں آپ طالبات یہاں پر اس مدرسے میں، کوئی چند ماہ کیلئے آتی ہے، کوئی چند سال کیلئے آتی ہیں، یہاں کچھ سیکھنے کیلئے آپ آتی ہیں وقت گزارنے کیلئے نہیں اور سیکھنا جو ہے وہ خالی چند کتابوں کو یاد کر لینا نہیں بلکہ جو پڑھ رہی ہو اس کو اپنی زندگی پر لاگو کرو اور اپنی اصلاح کرو جو آپ میں کمزوریاں ہیں ان کمزوریوں کو دور کرو اور اس طرح اپنے آپ کو بناؤ جس طرح خدا چاہتا ہے۔

اپنی گفتگو میں، اٹھنے بیٹھنے میں، اپنے لباس میں، بات کرنے میں، ہر لحاظ سے تا کہ جب واپس گھر جاؤ تو آپ کا طریقہ رہن سہن، آپ کا اٹھنا بیٹھنا بتا رہا ہو کہ آپ کچھ سیکھ کر آئی ہیں ورنہ آپ کے گھر والے بھی آپ کو اچھا نہیں کہیں گے کہیں گے کہ وقت ضائع کر آئی ہو مدرسے کی بھی بدنامی اور سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ امام زمانہ (عج) جن کے مال سے آپ پر خرچ کیا جا رہا ہے وہ آپ سے ناراض ہونگے اور ان کی ناراضگی جو ہے جہنم پہنچنے کا ذریعہ بن جائیگی۔ جس طرح ابھی آپ نے ایک امتحان دیا ہے اور اسکے رزلٹ کی انتظار میں ہیں تو یہ جو امتحان گاہ اللہ کی طرف سے ہے اسکا رزلٹ بھی آپ کو خود پتہ ہونا چاہیے اگر اچھے کام کرو گی تو اچھا رزلٹ ہوگا برے کام کرو گی تو برا رزلٹ ہوگا تو آپ کو چاہیے کہ جس طرح آپ اس چھوٹے سے امتحان کیلئے بے چین ہوتی ہیں اور اس کا رزلٹ اچھا ہو تو اچھا تو وہی ہوگا جو آپ نے لکھا ہے اگر اچھے پرچے حل کیے ہونگے تو پاس ہیں، نہیں کیے تو فیل ہیں۔ تو اللہ کے ہاں جو آپ کا پرچہ جا رہا ہے وہ سب سے اہم ہے تو اس کیلئے آپ کو ہر وقت متوجہ رہنا چاہیے اور اپنے آپ کو خود تذکر دیا د دلائیں اور آپ کے ایسے ساتھی ہوں جو آپ کو خیر کی طرف دعوت دیں نہ کہ آپ کا وقت ضائع کریں اور فضول گپ شپ میں گھنٹوں گزار دو بلکہ ایسے ہوں جو آپ کو نماز تہجد کا کہیں، باوضو رہنے کا کہیں، قرآن کی تلاوت کا کہیں، سبق یاد کرنے کا کہیں تو ایک ذمہ دار انسان بننے کا آپ کو کہیں۔

آپ نے معاشرے میں ایک بہت بڑا کردار ادا کرنا ہے آپ نے اپنے ہمسائے میں، اپنے گھر والوں میں جا کے دین کی بات کرنی ہے انہیں انسان بنانا ہے خود انسان نہیں بنو گی تو دوسروں کو کیا انسان بناؤ گی خود کو طہارت کے مسائل یاد نہیں ہیں تو دوسروں کو کیا سمجھاؤ گی آپ میں اگر تکبر بڑائی اور غرور ہے تو دوسروں میں کیسے تواضع و انکساری لاؤ گی۔ اپنے اندر اگر عیب ہے تو دوسرے کا عیب کیسے دور کرو گی؟ یہ سب کچھ ایک وقت میں تو نہیں ہو سکتا آہستہ آہستہ ہوتا ہے یہ چیزیں تو

کوئی ایسی نہیں ہے کہ جو آپ کو سمجھ نہ آئیں اور اب آپ تنہا خود نہیں فقط آپ کی اپنی ذات نہیں ہے اب تو آپ خود بھی ہیں اور پھر دوسروں کو آپ نے سکھانا بھی ہے آپ اس نیت سے یہاں آئی ہیں کہ خود سمجھیں اور پھر دوسروں کو جا کے سمجھائیں خود پڑھیں اور دوسروں کو جا کے پڑھائیں خود عمل کریں اور دوسروں کو عمل کیلئے آمادہ کریں یہ آپ کا کام ہے۔ اور اس کیلئے مسلسل عمل جد و جہد کوشش اور پھر غیب سے مدد ملتی ہے اگر آپ دعا و مناجات دعائے توسل، امام زمانہؑ سے رابطہ، استغاثہ یہ کریں گی تو پھر غیب سے بھی مدد ملے گی لیکن باتوں سے نہیں ہوتا عمل سے ہوتا ہے۔

دعاء۔ توفیق الٰہی

ہماری دعا ہے کہ خدا آپ کو توفیق جو دی ہے وہ واپس نہ لے یہ توفیق ہے آپ جیسی کتنی لڑکیاں ہیں جو گھروں میں ہیں فضول وقت گزار رہی ہیں جن کو حرام و حلال کا پتہ ہی نہیں ہے جائز و ناجائز کی خبر ہی نہیں ہے تو یہ آپ کو ایک توفیق ملی ہے اللہ کی طرف سے۔ توفیق کیا ہوتی ہے اسباب مہیا ہو جانا۔ وسیلہ بننا کہتے ہیں کہ اللہ آپ کو توفیق دے اسکا معنی ہے کہ آپ کیلئے ایسے وسائل ہوں، ایسے ذرائع پیدا ہو جائیں، ایسے اسباب مل جائیں کہ آپ اچھے کام کرو تو یہ گویا کہ مدرسہ میں آپ کا آنا اللہ کی توفیق ہے اس توفیق کا کیا مطلب ہے؟ توفیق ہے یعنی اللہ نے آپ کیلئے موقع دیا ہے آپ کے ذہن میں بات آگئی ہے کہ آپ دینی معارف سیکھنے کیلئے مدرسہ آئیں۔ آپ کے والدین کے ذہن میں بات آگئی کہ ہم اپنی بچی کو مدرسے بھیج دیں تا کہ وہاں سے تربیت لے آئے یہ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو ایک توفیق ملی ہے یہاں آنے کا ذریعہ بن گیا اور یہ احکام سیکھنے کا وسیلہ بنا جب کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ توفیق اور بڑھادئے اے اللہ ہمارے وسائل اور امکانات پیدا ہو جائیں جن کی وجہ سے ہم اچھائی اور خیر کی طرف سے راغب رہوں اور برائیوں سے بچیں تو بہر حال اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو خیر و برکت اور نیک عمل حاصل کرنے کی توفیق دے شر شیاطین سے بچائے نیک بنائے۔

☆☆......☆......☆☆

بقیہ...... حضرت شاہ زین العابدین موسوی المشہدیؒ

آپؒ کی وفات ۱۱۱۷ھ کو نور پور شاہاں میں ہوئی جہاں آپ کا مزار پرانوار مرجع خلائق ہے۔ آپؒ کے دو اور بھائی شاہ جہان بادشاہ اور چھوٹے شاہ اور ایک بہن بھی تھی۔ چھوٹے شاہ اور بہن نے حالت طفولی میں رحلت فرمائی شاہ جہان بادشاہ اپنی ہمشیرہ اور والدہ محترمہ کے ہمراہ اپنے والد محترم کے مزار (باغ کلاں نزد آبپارہ مارکیٹ اسلام آباد) میں دفن ہیں۔

(۶) حضرت سید شاہ چمن چراغ بادشاہ

آپؒ کی ولادت بھی موضع سید تحصیل گوجر خان میں ہوئی۔ آپؒ کے والد سید ملوک شاہ (متوفی ۱۱۱۵ھ) اور والدہ مائی بنت خاتون تھیں والد اور والدہ دونوں کا مدفن سید کسراں ہے۔ آپ انتہائی صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے اور بری امام سرکارؒ کے ہمعصر تھے لیکن سگے بھائی ہرگز نہ تھے جیسا کہ عام لوگوں میں مشہور ہے۔ آپؒ کے والد ملوک شاہ اور بری سرکارؒ کے والد سخی محمود شاہؒ ہیں جیسا کہ اوپر بیان کر دیا گیا ہے کئی کرامات آپؒ سے منسوب ہیں آپؒ کا حجرہ عبادت و چلہ گاہ اور ذاتی مکان آج تک سید کسراں میں موجود ہے۔

آپ مظفر آباد سے ہوتے ہوئے راولپنڈی تشریف لائے اور آپؒ سے منسوب محلہ شاہ چمن چراغ میں ہی آپ نے ۱۱۵۰ھ میں انتقال فرمایا دربار کے ساتھ ملحق امام بارگاہ ہے جہاں عرصہ قدیم سے باقاعدہ عزاداری منعقد کی جاتی ہے۔

(۷) حضرت سید علی محمد شاہ کاظمی المشہدیؒ

سلطان الاولیاء حضرت سید زین العابدین موسوی مشہدی (متوفی ۹۰۰ھ) کی نویں پشت میں سید علی محمد شاہ کاظمی ایک عارف بزرگ ہو گزرے ہیں جو زہد و تقویٰ کے ساتھ ساتھ علم طب پر بھی گہری نظر رکھتے تھے شاہ نواز حاکم پنجاب کے عہد حکومت میں ۱۷۶۵ء کے لگ بھگ علاقہ جلالپور کے حکمران راجہ کی دعوت پر علاقہ جلالپور میں تشریف لائے اور مذکورہ راجہ نے ان کی خدمات اور کردار عمل سے متاثر ہو کر انہیں ۳۲ مربع زمین پیش کی جو آپ نے قبول فرمائی۔ اور موضع دبجہ نزد شاہ پور چکوال سے مستقل طور پر اس علاقہ میں تشریف لے آئے وہ جگہ آج کل بستی سیدانوالہ کے نام سے مشہور ہے کتب انساب سے پتہ چلتا ہے کہ آپ شیعہ امامیہ تھے اور آپ نے اس علاقہ میں باقاعدہ شیعیت کی تبلیغ فرمائی اور راجگان برادری کے بہت سے افراد آپ کے حلقہ بگوش ہو گئے ان کی تمام اولاد بھی اسی مسلک حقہ پر کاربند ہے اور علاقہ پنڈ دادنخان میں تبلیغ تشیع اور فروغ عزاداری میں ان کا کردار نمایاں رہا ہے۔

☆☆......☆......☆☆

انتخاب......سعدیہ بتول

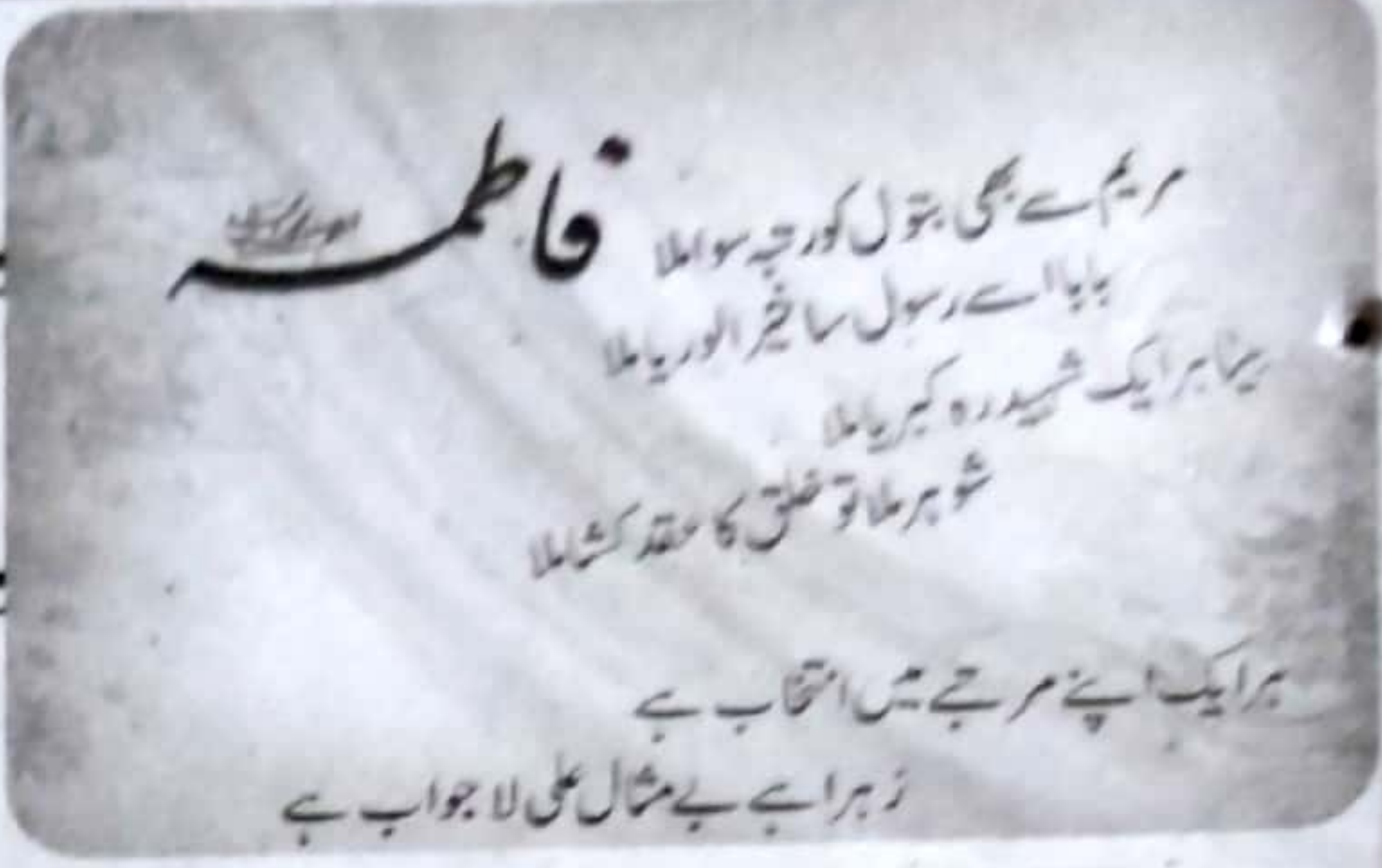

بارگاہ سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا میں شعراء کا نذرانۂ عقیدت

سلام

نظیر باقری دہلوی

نور مرکز نور عصمت نور کوثر فاطمہؑ
عظمتیں جتنی بھی ہیں ان سب کا محور فاطمہؑ

کوئی دنیا میں نہیں ان کے برابر فاطمہؑ
تیرے بابا تیرے بچے تیرا شوہر فاطمہؑ

باپ بیٹے اور شوہر کے تعارف کے لئے
ہے کساء میں ہر جگہ منظر بہ منظر فاطمہؑ

ضعف جو محسوس ہوتا تھا وہ رخصت ہو گیا
نور نے جس وقت اُوڑھی تیری چادر فاطمہؑ

اول و آخر محمدؐ ہیں پیمبرؐ جس طرح
اس طرح ہیں اول و آخر پیمبر فاطمہؑ

خود مسلماں ہو گئیں کتنی یہودی عورتیں
معجزہ تیرا سُنا جاتا ہے گھر گھر فاطمہؑ

زندگی بھر کا سفر اور اک قدم باہر نہیں
گھر کے اندر فاطمہؑ چادر کے اندر فاطمہؑ

سلام

نظیر باقری دہلوی

رسول پاک محمدؐ کی جسم و جاں زہراؑ
مثال ڈھونڈنے جائیں تیری کہاں زہراؑ

نبی کی بیٹی ہے اور اک امامؑ کی زوجہ
اور اب ہے گیارہ اماموں کی ایک ماں زہراؑ

کبھی فرشتوں کی صورت کبھی ستارے کی
جھکا ملا ہے ترے در پہ آسماں زہراؑ

ترے لہو کے مقابل شکست لکھی گئی
جہاں جہاں بھی ہوا اس کا امتحاں زہراؑ

ثبوت آیت تطہیر حشر تک کے لئے
حصار دیں میں ہے عصمت کی پاسباں زہراؑ

گیا تھا اور کوئی شام سے مدینے تک
مگر ملے ہیں ترے پاؤں کے نشاں زہراؑ

جبینِ رسالت

سید مجم سبطین حسنی

منصبِ دین میں یوں عہدہ نشیں ہے زہراؑ
کُلِ ایماں ہے علیؑ کُلِ یقیں ہے زہراؑ

لختِ دل ہی تو نہیں لختِ نبوت بھی ہے وہ
ہر حوالے سے رسالتؐ کی امیں ہے زہراؑ

آیتیں لے کے اُترتے ہیں تو رُکتے ہیں یہیں
تیری دہلیز فرشتوں کی زمیں ہے زہراؑ

پُرشکن کس پہ ہے؟ ممنون ہے کس پر دیکھو؟
چہرۂ رحمتِ عالم کی جبیں ہے زہراؑ

جس کے محور پہ ملیں تین امامؑ ایک نبیؐ
رازِ تطہیر کی وہ شرحِ مُبیں ہے زہراؑ

سوچنا بھی تو درودوں میں دُعاؤں میں اُسے
کتنے مسنون حجابوں میں مکیں ہے زہراؑ

اُن کی تسبیح بھی بے مشق مودّت ہے ریا
جن کی توفیق عقیدت میں نہیں ہے زہراؑ

"کربلا" "مشہد" و بغداد کے ہر مقتل میں
اپنے اجڑے ہوئے گلشن پہ حزیں ہے زہراؑ

جب بھی سادات کی بچھڑی ہوئی قبریں ہوں کہیں
آنکھ یہ سوچ کے روئے کہ یہیں ہے زہراؑ

خُلد حسنینؑ کی خیرات میں مانگو حسنیؔ!
ملکۂ مملکتِ خُلدِ بریں ہے زہراؑ

☆☆......☆......☆☆☆

مدح فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

شاہد علی شعلہ جونپوری

برنگِ نور جہاں آگہی اُترتی ہے
وہیں پہ آیت تطہیر بھی اُترتی ہے

عروجِ عصمت کبریٰ کی پیشوائی کو
حصار باندھے ہوئے مریمؑ اُترتی ہے

عطائے فاطمہؑ زہرا نے ہل اتیٰ سے کہا
یہاں فرشتوں کی خوش قسمتی اُترتی ہے

بہت سنبھال کے رکھنا قدم کو اے جبرئیل
یہی وہ در ہے جہاں داوری اُترتی ہے

یہ احترام ترے نقش پا کا ہے زہراؑ
فلک سے چاند نہیں چاندنی اُترتی ہے

نوحہ

افتخار حسین اختر چینوٹی

پردہ دارِ انّما روتی رہی
فاطمہ زہراؑ سدا روتی رہی

اس طرح یعقوبؑ بھی روئے نہ تھے
جس طرح یہ بے نوا روتی رہی

ہاں مسلمانوں کی آبادی سے دور
دخترِ خیر الوریٰؐ روتی رہی

لاشِ حُرؒ پر لاشِ ابنِ قینؒ پر
صاحبِ شرم و حیا روتی رہی

روئی پردے میں سدا بنتِ نبیؐ
بنتِ حیدرؑ بے ردا روتی رہی

سوچ میں اختر ہیں قرطاس و قلم
کیوں شہیدِ حسبُنا روتی رہی

☆☆......☆......☆☆

آغوش میں خدیجہؑ کے مہکی تھی اک کلی

ارتضیٰ جونپوری

پوشیدہ ایک بات تھی اعلان بن گئی
ہر گفتگو بتولؑ کی قرآن بن گئی

آغوش میں خدیجہؑ کے مہکی تھی اک کلی
دامنِ نبیؐ کے حق میں گلستان بن گئی

کہہ کر نبیؐ نے بضعۃ منی بنا دیا
میں جسم ہوں بتولؑ مری جان بن گئی

خود اپنی ذات میں کبھی زینبؑ کے روپ میں
زہراؑء، شکستِ کفر کی پہچان بن گئی

عقبیٰ میں بھی بتولؑ کے صدقے میں ارتضیٰ
یہ منقبت نجات کا سامان بن گئی

قرآں بھی ہے شریکِ ثناخوانِ فاطمہؑ

بتلا گئے رسولؐ ہے یہ شانِ فاطمہؑ
اشکِ جناں ہے رونقِ ایوانِ فاطمہؑ
کعبہ طوافِ خانۂ زہراؑء نہ کیوں کرے؟
کعبہ مثال ہو گیا دالانِ فاطمہؑ
زینت ہیں مصطفیٰؐ کی خدیجہؑ کو ناز ہے
قرآں بھی ہے شریکِ ثنا خوانِ فاطمہؑ
بنتِ رسولؐ کارِ رسالتؐ میں پیش پیش
توحید کا یقین ہے ایقانِ فاطمہؑ
مرضی جو سیدہؑ کی وہ مرضی خدا کی ہے
فرمانِ مصطفیٰؐ کا ہے فرمانِ فاطمہؑ
پوچھا خدا نے اے ابو طالبؑ بتایئے
جز مرتضیٰؑ کے کون ہے؟ شایانِ فاطمہؑ
بیٹے حسنؑ، حسینؑ سے اللہ نے دیئے
اک شانِ فاطمہؑ ہوا اک جانِ فاطمہؑ
عیسیٰؑ گواہ، عصمتِ مریمؑ گواہ ہے
"مریمؑ" کی جانماز ہے دامانِ فاطمہؑ"
اے بختِ ارتضیٰ تو بڑا پاک باز ہے
جاری ہے تجھ پہ ہر گھڑی فیضانِ فاطمہؑ

شاعر...... علامہ اقبال

مزرع تسلیم را حاصل بتولؑ
مادراں را اسوۂ کامل بتولؑ

شاعر...... نظیر باقری دہلوی

ہم پڑھتے ہیں روز کساء اس واسطے اے لوگو
ذکر ہمیں خاتون جناں کا اچھا لگتا ہے

شاعر...... شعلہ جونپوری

مجلس میں ساری آنکھوں کا لیتا ہے جائزہ
رومال فاطمہؑ کو گہر کی تلاش ہے

شاعر...... اقبال رضوی سیالکوٹ

مرکز کساء کا کون ہے؟ اتنا تو غور کر
تکمیل کس کے گھر میں حدیث کساء کی ہے؟

شاعر...... امیر امام حر

وہ خدیجہؑ کا شرف وہ رفعتِ بنتِ نبیؐ
ماں کی سیرت میں ڈھلی تھی سیرت بنتِ نبیؐ

شاعر...... سید امین نقوی قادری

ہاتفِ غیبی نے نقوی سے کہا
فاطمہؑ قرآن کی تفسیر ہے

شاعر...... رئیس احمر

دامنِ رسولِ پاکؐ کا چادر بتولؑ کی
دیکھو تو کیسے سائے میں پھولے پھلے حسینؑ

شاعر...... استاد قمر جلالوی

لکھ رہی ہیں نام گن گن کر ہر اک کے فاطمہؑ
کتنے مومن رو رہے ہیں چودہ معصومینؑ کے ساتھ

شاعر...... محمود سروش

ان کا گھر ہی تھا خدا کا گھر جبھی تو بہر رزق
سائلِ نانِ جویں آکر ملک، در پر ہوا

شاعر...... اختر زیدی کوئٹہ

ذہن میں نورِ آیہ تطہیر
لب پہ میرے ثنائے زہراؑ ہے

شاعر...... ساحر لکھنوی

قدم مائل ہوا جب فاطمہ زہراؑ کی مدحت پر
مری فکر مجازی آگئی راہِ حقیقت پر

شاعر...... ڈاکٹر مسعود خاکی

ہر روز ماں کی قبر پہ جاتے رہے حسینؑ
ہر شب کو اک چراغ جلاتے رہے حسینؑ

شاعر...... جسٹس حسن رضا غدیری

ذات آپؑ کی سرمایہ عرفان ہوئی ہے
ہاں آپؑ سے سادات کی پہچان ہوئی ہے

شاعر...... سہیل شاہ کراچی

راضی ہو سکتی ہیں تم سے بھی جناب زہراؑ
دل سے گر تم بھی انہیں اشکوں کے نذرانے دو

شاعر...... ظفر عباس ظفر کراچی

پی رہا ہوں مہر زہراؑ کا میں پانی رات دن
اور کھاتا ہوں درِ زہراؑ کا صدقہ صبح و شام

شاعر...... بچے بھائی مرحوم کراچی

افضل ہے فرشتوں سے جو وہ نوع بشر ہوں
میں فاطمہ زہراؑ کی دعاؤں کا اثر ہوں

شاعر...... حسنین نقوی شہید

تسبیح فاطمہؑ پڑھا کرتے ہیں مومنیں
جاری ہے صبح و شام یہ فیضانِ فاطمہؑ

شاعر...... پروفیسر سبط جعفر کراچی

محمدؐ و مرتضیٰؑ کے ہوتے ہوئے بنی مرکزِ تعارف
عیاں کساء سے بھی تیری عظمت بتولؑ عذرا جناب زہراؑ

شاعر...... ذکی سرور کوٹی

فقط اک فاطمہؑ زہراء کسی کی کچھ نہ لگتی تھی
وگرنہ لوگ غیروں کو بھی پُرسا دینے آتے ہیں

شاعر...... احمد نوید کراچی

جہاں جہاں سے گزرتے ہیں اہل بیتؑ نبیؐ
برہنہ پا کھلے فاطمہؑ گزرتی ہے

قتل گاہوں سے چن کر ہمارے علم ... اور نکلیں گے عشاق کے قافلے

میں ملک کیوں چھوڑوں؟

ایک مہینہ قبل شہید بزرگوار استاد سبط جعفر زیدی نے ایک معتقد سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "مجھے کالعدم تنظیموں کی جانب سے مسلسل قتل کی دھمکیاں مل رہی ہیں۔ میرا خاندان اور میرے دوست اور میرے رفقاء کار مجھے امریکہ اور کینیڈا میں مستقل سکونت اختیار کرنے کے لیے مسلسل تقاضا کر رہے ہیں۔ لیکن میں کیوں جاؤں؟ میری پوری زندگی امام حسینؑ کی خدمت میں گزری مختلف جہتوں سے اسلام کی خدمت فرمائی۔ میں بھی اسی راہ میں قتل ہو جانا پسند کروں گا۔ میں یہ ملک کیوں چھوڑوں؟ میں شہادت کا پرچار کرتا ہوں، میں شہادت کے متعلق شعور بیدار کرتا ہوں، میں شہداء کی شان میں قصیدے لکھتا ہوں تو میں اس نعمت سے کیوں فرار کروں؟ شیعہ کتب میں شہادت عظیم ترین کامیابی ہے۔"

سبطِ جعفرؒ ہوگیا سارا حسینؑ کا

تاریخ کربلا کا ثناخوان جو قافلہ حسینیؑ میں شریک ہو کر امر ہو گیا

تحریر......صفدر حسین ڈوگر کربلائی

نجم المقدسہ کے ایک بازار میں علامہ ریاض الحکیم سے ملاقات ہوئی تو وہ گھر لے گئے میری خواہش پہ انٹرویو دیا اس وقت تک حکیم خاندان کے شہدا کی تعداد، شہدائے کربلا کے برابر ہو چکی تھی۔

فرمانے لگے کہ ہم تو پیدا ہی شہید ہونے کے لئے ہوتے ہیں اور اس میں ہمیں کوئی تردّد بھی نہیں۔ ہمارے گھروں کے دروازے زندانوں میں کھلتے ہیں اور وہاں سے مقتل کی طرف راستے جاتے ہیں پھر ہم اپنے قافلہِ کربلا میں شریک ہو جاتے ہیں ہم شہادت کی لوریاں سُن سُن کر پرورش پاتے ہیں۔

آج مورخہ 18 مارچ کو لیاقت آباد کے کالج کے پرنسپل مرثیہ خوانی کے استاد، ایک مورخ جو، اب تاریخ کا حصہ قرار پائے ہیں۔ شہیدِ ملت سید سبط جعفر رضوان اللہ تعالیٰ قافلہ کربلا میں جا شریک ہوئے، ایڈووکیٹ بھی تھے۔

کراچی میں محرم کے عشرے اور مجالس پڑھیں، کیپٹن (ر) سید وقار زیدی، سید مختار زیدی، سید رضا زیدی میرے میزبان ہوتے تھے۔ گورنمنٹ کے گیسٹ ہاؤس میں ان کی طرف سے میرے قیام کا انتظام ہوتا اور وہاں ریحان اعظمی، سبط جعفر سے بھرپور ملاقاتیں رہیں۔

پاکستان کے الیکٹرانک میڈیا نے سبط جعفر کی شہادت کی بہت حد تک کوریج دی میں نے نفت روزہ "ایوان صداقت" اسلام آباد میں ان پر پانچ اقساط لکھیں۔

پروفیسر سید سبط جعفر زیدی سے طویل ملاقاتیں رہیں، جن سے ایک شخص کو سمجھنے میں کافی حد تک مدد ملتی ہے۔ اس کی اتنی جہتیں تھیں کہ انسان فیصلہ نہیں کر پاتا تھا کہ اس کا کس زاویے سے تذکرہ کرے، ایک چیز طے ہے کہ اُسے مل کر بڑے سے بڑا کام انجام دینے والا شخص بھی اسے رَشک کی نظروں سے دیکھتا ہے بیک وقت کئی شعبوں میں مصروف کار ہی نہیں، انہیں عروج بخشنے کی دُھن سوار رہتی تھی۔

اور بالآخر اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں سے محمدؐ و آل محمدؐ کے وسیلے سے وہ کامیاب و کامران ہوتے تھے۔

حلقہ احباب کے گھروں سے پُرانے کپڑے اکٹھے کر کے اسے خود دھو کر استری کر کے بدنوں کو ڈھانپنے کی سعادت حاصل کرتے رہے ان لوگوں کی مدد کرتے تھے جو سوال کرنے سے کتراتے اور ڈرتے ہیں۔ وہ خاموش ہوتے تو انسان ان کے لئے دعا کرنے لگتا ہے کہ خدانخواستہ کہیں طبیعت علیل تو نہیں ان کی مصروفیات میں سے سب سے مشکل بلکہ خوفناک ریحان اعظمی کی دوستی ہے۔ ان کی موٹر سائیکل لازم و ملزوم تھی جسے کراچی کے کسی بھی حصے میں اگر ریحان کی نظر پڑ جائے تو باقی وقت اس کی نذر وہ کلاس میں لیکچر دے رہے ہوتے تو ریحان "ایک منٹ کے لئے" کہہ کر سارا دن بھگائے پھرتے تھے جس کا تاوان سبط جعفر خود وقت کی شکل میں ادا کرتے تھے۔

ٹیلی ویژن تو دور کی بات ہے ان کے انتہائی مختصر سے گھر میں ریڈیو نام کی بھی کوئی چیز نہیں تھی۔ میرے اعزاز میں دی گئی دعوت میں ریحان اعظمی، ندیم سرور کے علاوہ ان تینوں حضرات کے منتخب سامعین بھی موجود تھے سبط جعفر کے بیٹے نے سلام سنایا تو محفل لوٹ لی۔ ریحان کہہ رہے تھے کہ مچھلی کے بچے کو تیرنا کون سکھائے گا؟ وہ تو فطرت لے کے دنیا میں آتا ہے"۔ اُن کا فون صرف اس وقت "آن" ہوتا تھا جب وہ خود کہیں فون کر رہے ہوں ورنہ ہمیشہ خاموش رہتا تھا محفل میں ان کے ہوتے ہوئے کوئی بات کرلے تو یہ اس کی ہمت ہوتی۔ انہیں پہلی صدی میں ہونا چاہیے تھا مگر وہ اس صدی کی بھی ضرورت بن چکے تھے۔

کچھ عرصہ قبل سبط جعفرؒ نے لکھا "آپ کی خیریت و مصروفیت و فتوحات سے کچھ نہ

کچھ آگاہی ہوتی رہتی ہے۔ بالخصوص انتہائی معلومات جریدہ ماہنامہ ''پیام زینبؑ'' اور بہتری کی طرف رواں دواں ہفت روزہ ''ایوانِ صداقت'' اور لاہور سے ہفت روزہ ''بیانِ صداقت'' کی دیدہ زیب تحریروں کو خوبصورت انداز میں شائع کیا جارہا ہے۔ یہ باقاعدگی سے موصول نہ بھی ہوں تو کسی نہ کسی ذریعے سے پڑھنے کیلئے مل جاتے ہیں اور آپ کی مصروفیات و خدمات کا علم ہوتا رہتا ہے اگرچہ آپ کی متعدد معرکتہ الآراء تصانیف، بالخصوص صحیفہ حقائق جلد اول، دوئم، صحیفہ عزاداری، باب الحوائج شہزادہ علی اصغر علیہ السلام پہ ''۲۸۴'' شعراء کا کلام بھی میرے مطالعہ و استفادہ میں بلکہ میرے سرہانے رہتی ہیں۔ یہ جُملے میرے اور سبطِ جعفرؒ کے باہمی رابطے کے غماز ہیں۔

پروفیسر سید سبطِ جعفرؒ زیدی پہ یہ تحریر اس لئے بھی اہمیت کی حامل ہے کہ بڑے ترّدد اور دقّت سے اس کا مسوّدہ تلاش کرنے میں، مجھے ایک دن لگا۔ مسودہ نامکمل ملا، میرے ادبی تجاوزات کی نذر ہونے والا باقی مسوّدہ مجھ پر قرض ہے۔

سبطِ جعفر پہ کراچی ہی سے ایک مجلّہ ''صوتی علوم وفنونِ اسلامی، حُسنِ قرأت تا سوز خوانی'' مہیا ہوا۔ میں اس فائل کے کاغذات میں سبطِ جعفر کے حالاتِ زندگی تلاش کرنے بیٹھا تو اس دوران اُن کا فون آیا مگر مجال ہے کہ مجھے بات کرنے دی ہو۔ خدا جانے اس شخص کی رفیقۂ حیات کی قوتِ سماعت آج تک کیوں بحال یا موجود ہے؟

مجھے کسی سوال کا موقع ہی نہ دیا اور کیا کہتے رہے یہ میں سوچتا رہا۔ اس مذکورہ مجلّہ میں سبطِ جعفر کے بارے میں بڑی قدآور شخصیتوں نے لکھا، حالاتِ زندگی بھی اجمالاً بیان کی مگر سبطِ جعفر کے خطوط میں انہی کے قلم سے اپنی ذات پر لکھی ہوئی مجھے ایک تحریر ملی، جو معزز قارئین کی نذر ہے۔ یہ حالات نہیں اپنی ایک ہنگامی اور دفاعی صورت میں لکھنے پڑے، جس کا تذکرہ ضروری نہیں۔

سبطِ جعفر اپنی شاعری کو واجبی سی قرار دیتا تھا حالانکہ وہ واجب حد تک شاعر تھا۔ اپنے خطوط میں وہ مجھے اور اپنے آپ کو مصروفیت کی حد تک بدحواس قرار دیتا رہتا تھا۔

اس کی گفتگو، تحریر کی اتنی جہتیں ہیں کہ ایک ایک جُملے میں بیسیوں باتیں لکھ دیتا ۔ میں اُس کے قلم میں سے اس کی زبانی، اس کی کہانی لکھ رہا ہوں اس کی کارکردگی قابلِ رشک حد تک ہے میرے لئے بھی حالانکہ ہر وقت مجھے لکھنا اور صرف لکھنا ہی ہوتا ہے۔ خیر سبطِ جعفرؒ نے اپنے بارے میں لکھا:

''میں ایک زیدی الواسطی، دیندار و باکردار، ذی علم، اثناعشری خانوادہ سے تعلق رکھتا ہوں۔ میرے دادا مولانا سید انوار الحسن (المعروف بہ مولوی محمد عبداللہ) مرحوم، اگرچہ ضلع بجنور (سادات بارہہ کی ایک زیدی شاخ) سے تعلق رکھتے تھے مگر بغرضِ ملازمت آپ کا قیام زیادہ تر (محلّہ دانشمندان) امروہہ میں رہا جہاں آپ گورنمنٹ ہائی اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ آپ کے تلامذہ کی بڑی تعداد اب بھی برصغیر میں موجود ہے (جن میں مولانا نسیمؒ امروہوی بھی شامل تھے)۔ میرے والد مولانا احمدؒ میاں راہیؔ جہانگیر آبادی بھی ایک مُتقی گوشہ نشیں عالمِ دین اور نام و نمود سے بے پرواہ مُخلص دینی و قومی خدمتگار اور انگریزی، عربی، فارسی، اُردو، ہندی، سنسکرت کے عالم و شاعر تھے جن کے تلامذہ و معتقدین کی بڑی تعداد برصغیر کے علاوہ متحدہ عرب امارات اور جرمنی میں بھی موجود ہے اور دینی و علمی اور ادبی آثار و شواہد بھی موجود و محفوظ ہیں۔ میری والدہ بھی رؤساءِ نگینہ ضلع بجنور کے عابدی خانوادہ کی مومنہ و باکردار خاتون تھیں جبکہ میرے تمام افرادِ خانہ بھی دیندار و باکردار افراد ہیں، عقیدہ کے اعتبار سے بھی عمل کے اعتبار سے بھی۔ اس تفصیل کی ضرورت اسلئے محسوس ہوئی کہ میرے مخالفین میرے دیندار والدین کو بھی مطعون کر رہے ہیں۔ میں نے کراچی یونیورسٹی سے علومِ اسلامی اور ادبیات اُردو میں بدرجۂ امتیاز ایم اے کیا۔ ایل ایل بی اور بی ایڈ میں بھی نمایاں کامیابی حاصل کی، معتبر و مستند اداروں اور اساتذہ سے دینی تعلیم بھی حاصل کی، دُنیاوی بھی۔ مطالعۂ پاکستان (لازمی) اور عمرانیات، سماجیات پر میری امدادی نصابی کتب انٹرمیڈیٹ اور ڈگری کی سطح پر گزشتہ بیس سال سے پڑھی/ پڑھائی جارہی ہیں۔ قومی و دینی خدمت اور علمی و ادبی ذوق اور سماجی بہبود کے علاوہ رزقِ حلال کی خواہش میں، میں نے سی ایس ایس، وکالت، ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ (جیل سروس) اور بیرونِ ممالک (سمندر پار) ملازمت پر وطنِ عزیز میں کالج کی سطح پر معلّمی کو ترجیح دی اور بحمداللہ اپنے کالج میں تدریس کے ساتھ ہی اعزازی مشیرِ قانون اور اُمورِ طلبہ کی ذمہ داریاں بفضلِ تعالیٰ ۱۹۸۱ء سے بحُسن و خوبی انجام دے رہا

ہوں۔ میں ہمیشہ کردار کی بنیاد پر دوستی کرتا ہوں جب کسی سے نباہ کی صورت نہ رہے تو خاموشی سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہوں، کھلے دل سے ملتا ہوں میرا کبھی کسی سے جھگڑا نہیں ہوا۔ اوائلِ عمری یعنی کمسنی سے تقریر، نوحہ خوانی اور نعت و منقبت خوانی کا مشغلہ رہا جو بعد میں شاعری و سوز خوانی تک وسیع ہو گیا۔ ساتھ ہی ساتھ تحریر و تصنیف اور تحقیق و تالیف پر یہ سوچ کر توجہ دی کہ قوم میں ذی علم و با کردار لکھنے والوں کا ''قحط الرجال'' ہوتا جا رہا ہے۔ میری مصروفیات و مشاغل کا محور دین و ملت ہی رہے ہیں۔ میں ۱۹۶۷ء میں بطور نعت خواں و سلام خواں ریڈیو سے اور ۱۹۷۰ء میں ٹیلیویژن سے وابستہ ہوا، پھر جب مجھے نعت و سلام کے علاوہ ریڈیو اور ٹی وی سے دوسرے پروگرامز بھی ملنے لگے۔ اب تک ہزاروں محافل و مجالس میں بطور شاعر و ناظم، مقرر و سوز خواں (بشمول نعت خوانی و منقبت خوانی) خدمات انجام دی ہیں اور ہدیہ نذرانہ تو کجا کرایۂ آمد و رفت بھی قبول نہیں کیا حتیٰ کہ جب ۸۸۔۱۹۸۷ء میں مجھے دوبارہ بطور سوز خوان، ریڈیو اور ٹی وی پر بلایا گیا تو ابتدائی سال میں نے ان اداروں سے بھی ''حقِ خدمت'' وصول نہیں کیا بعد میں جب متعلقہ کرم فرماؤں نے کہا کہ اگر آپ یہ ''چیک'' وصول نہیں کرینگے تو دوسرے ''غیر مستحق و ناموزوں افراد'' یہ رقم لیجائیں گے۔ چنانچہ میں نے ریڈیو ٹی وی کے چیک قبول کرنا شروع کر دیئے تاہم یہ رقم بھی ''مستحق عزاداروں'' میں تقسیم کر دیتا ہوں جنکی نشاندہی کم ظرفی ہوگی علاوہ ازیں میں اب تک میرے سوز خوانی کے چھ آڈیو کیسٹس اور ایک ویڈیو کیسٹ جاری ہو چکے ہیں جن کا کوئی معاوضہ میں نے نہیں لیا (شالیمار ریکارڈنگ کمپنی، EMI اور پنجتن کیسٹ سینٹر/ یاسین اسٹوڈیوز والوں سے میرے دعویٰ کی تصدیق کی جاسکتی ہے)۔ ۱۹۹۰ء میں مولاؑ کے ذکر کے طفیل مجھ احقر کو براستہ لندن، ناروے، سوئیڈن اور جرمنی کے دورہ کا موقع ملا۔ ویزا مقامی اداروں اور کرم فرما (لندن ایکسپورٹ والوں) نے فراہم کیا تھا جو بانیٔ مجلس نہ تھے جبکہ فرینکفرٹ تا کراچی ایک ایئر لائن/ٹریولنگ ایجنسی کے اسٹاف کی طرف سے ایک رعایتی ٹکٹ تھا یہ سفر نہ میرے اختیار میں تھا، نہ ہی کسی بانیٔ مجلس پر بوجھ۔ پھر بھی ناروے کے عشرۂ محرم کے دوران میری حاضری پر خوش ہو کر بعض مومنین نے مجھے نذرانے پیش کئے جو میں نے اپنی میزبان انجمن حسینیؑ کو پیش کر دیئے، تاہم انہوں نے اسے قبول نہیں کیا اور میرا حق قرار دیا چنانچہ واپسی پر میں نے نہ صرف یہ رقوم بلکہ وہ رقم بھی تنظیم المکاتب (پاکستان) اور انجمن وظیفۂ سادات و مومنین (پاکستان) کو پیش کر دیں کہ جو مجھے ریڈیو ناروے کی اُردو سروس سے سوز و سلام اور ادبی پروگرام/انٹرویو پیش کرنے پر ملی تھیں۔ چنانچہ یہ احقر وظیفۂ سادات و مومنین کا ''مربی'' اور میری اہلیہ اور بیٹا بھی تنظیم المکاتب کا لائف ممبر ہے۔ مجھے ریڈیو ناروے کی اُردو سروس کیلئے خدمات کی پیشکش ہوئی۔ نیز پاکستانی ٹیلی ویژن کراچی سینٹر کے جنرل منیجر کی طرف سے نیم کلاسیکی/موسیقی کے پروگرامز کی پیشکش کی گئی جو میں نے بصد تشکر و اعتذار قبول نہیں کی محض اپنی قومی و مذہبی ذمہ داری کی وجہ سے۔ میرے ان تمام دعوؤں کی تصدیق کی جاسکتی ہے کہ بحمد اللہ سارے متعلقہ افراد اور ادارے موجود ہیں۔ میں تقریباً چار سو سے بھی زائد (مجالس و محافل کے) پروگرامز سالانہ کرتا ہوں میں نے کبھی پوسٹر/اشتہار میں نام دینے کو نہیں کہا، کرایہ یا حقِ خدمت وصول نہیں کیا۔ دُہرا حصہ/تبرک یا ناشتہ اور ظاہری عوامی پذیرائی میرا مطمع نظر نہیں رہا۔ میرے مطمع نظر ہمیشہ خدمتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ رہا ہے بقول حضرت نجم آفندیؒ

بیٹھے نُصیریوں میں بھی اور صوفیوں میں بھی
ذکرِ علیؑ کہیں بھی ہو عاشق ہیں نام کے!

چنانچہ اس ذوق و شوق میں ۱۹۹۳ء میں روزنامہ جنگ کراچی میں چار تحقیقاتی و تکنیکی تفصیلی مضامین قوالی، صوفی عنبر شاہ وارثیؒ، سوز خوانی اور نوحہ خوانی پر تحریر کئے۔ اسی جستجو میں میرے مراسم اور خدمات و اثرات خانقاہوں اور خوش عقیدہ اہلِ تسنن حضرات میں بھی ہیں چنانچہ میں روشن خیال و غیر متعصب حضرات کو ایک دوسرے سے ملانا اور متعارف کراتا رہا ہوں۔ جو احباب ہمارے یہاں سے وہاں گئے اور جو حضرات وہاں سے یہاں آئے دونوں ہی طبقات نے مدحِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی ہے۔ علامہ عباس حیدر عابدی، علامہ عرفان حیدر عابدی، علامہ علی کرار نقوی، مولانا مرزا یوسف حسین اور اشرف عباس و ابرار حسین صاحبان کے علاوہ پروفیسر مولانا محمد سعید، حافظ مولانا محمد اشفاق چشتی، مولانا خالد سہیل چشتی اور مولانا قاری حسن محمود صاحبان میرے اس بیان کے شاہد ہیں جبکہ پروفیسر ناگپال

صاحب بھی ایک مداحِ اہلبیتؑ کی حیثیت سے قوم میں جانے جاتے ہیں۔ اگر قوم میرا ساتھ دیتی تو میں ایسے بہت سے خوش عقیدہ اور روشن خیال افراد اور برادرانِ اسلام کو سامنے لاسکتا تھا جس سے فرقہ وارانہ کشیدگی و جنون اور مذہبی، لسانی وطبقاتی انتہا پسندی اور تعصبات و امتیازات کم کرنے میں مدد مل سکتی ہے کہ یہ زندگی محبتوں کیلئے ناکافی ہے نہ جانے نفرتوں کی مہلت و فرصت لوگ کیونکر نکال لیتے ہیں؟

آپ یقین جانیں اپنی قومی و مذہبی خدمات کی وجہ سے میں ٹیوشن/کوچنگ سینٹر نہیں پڑھاتا کوئی دوسرا ذریعۂ آمدنی نہیں رکھتا حتیٰ کہ امتحانی کام (بورڈ اور یونیورسٹی کے ممتحن کا) نہیں کرتا۔ کبھی ریڈیو ٹی وی یا اخبارات بشمول جنگ کے چکر نہیں لگائے۔ بحمد اللہ ریڈیو ہو یا ٹی وی، خود مجھ احقر کو بلاتے ہیں تو جاتا ہوں کسی پروگرام یا مضمون کیلئے میں نے ان اداروں کے چکر نہیں کاٹے، متعلقہ لوگوں ہی نے رابطہ کیا ہے۔ میں سیدھی اور سادہ مگر پُرسکون و مطمئن شکر و قناعت، توکل و استغنیٰ کی زندگی بسر کرتا ہوں۔ آپ یقین کریں کہ معاشی ترقی کے اس دور میں میرے بچے ٹی وی پر کارٹون دیکھنے کیلئے محلہ میں جاتے ہیں کہ فرسودہ بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی بھی ناکارہ پڑا ہوا ہے میں نے بھارت جا کر بھی فلم نہیں دیکھی۔ بحمد اللہ گناہانِ کبیرہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ ذکرِ اہلبیتؑ کے طفیل فرصتِ گناہ ملتی ہی نہیں!۔ گناہانِ صغیرہ سے حتیٰ الامکان اجتناب کرتا ہوں میں خود کو کسی منصب و عہدہ کا اہل نہیں سمجھتا چنانچہ انجمن سوز خوانان کراچی کے اہم عہدہ سے عملاً خود ہی کنارہ کش ہوں۔ انجمن محمدیؐ قدیم والوں نے از راہِ محبت و بندہ پروری گزشتہ کئی برسوں سے مجھے زبردستی بصد اصرار "صدر" بنا رکھا ہے (اور یہ اعزاز بھی برائے نام اور رسمی سا ہے ورنہ) میں اسکے قابل نہیں ہوں۔ "انجمن فدائے اہلبیتؑ" والوں نے مجھے جبری و اعزازی طور پر مدیرِ اعلیٰ بنا دیا تھا اسی طرح مرکزی تنظیم عزا، تحریک خواجہ غریب نواز (پاکستان) انجمن ذوالفقار مرتضوی، طارق ایجوکیشن سوسائٹی اور متعدد اداروں نے مجھے از راہ محبت و بندہ پروری جو ذمہ داریاں اور اعزازات تفویض کر رکھے ہیں میں ان کے لئے ان کا ممنون ہوں اور انہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں ان محبتوں اور اعزازات کا مستحق و متمنی نہ تھا، نہ ہوں وہ جب چاہیں مجھ سے گلوخلاصی کرالیں۔ اسی بناء پر میں نے فروغ ایمان ٹرسٹ یعنی بابُ العلم والوں سے بھی معذرت کرلی تھی جبکہ وہ مجھے از راہ محبت ٹرسٹ میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ جو مجھے جانتے ہیں وہ بھی اس کی گواہی دینگے کہ میں نے عملاً ثابت کیا ہے کہ میں بانی مجلس کو اپنا محسن سمجھتا ہوں کہ وہ میرے جد اور آقا مولاؑ کے فضائل و مصائب کیلئے اہتمام کرتا اور صفِ عزا بچھاتا ہے یعنی گھر اُسکا، خرچ اُسکا، ذکر میرے (اور خود اس کے) آقا و مولاؑ اور جد کا۔ جسکے لئے وہ میرے نام شائع کرتا/کراتا ہے ذاتی طور پر ممنون و دعاگو ہوتا ہے اس دینی خدمت کے عوض کہ جس کا اجر و ثواب مجھے بارگاہِ ربُ العالمین و معصومینؑ سے بھی دونوں جہان میں ملنا ہے وہ میرے دنیاوی کام کیلئے بھی تیار رہتا ہے۔ اسی ذکر کے طفیل ہمیں عزت، شہرت، عظمت اور (میرے علاوہ) دولت بھی نصیب ہوتی ہے اسی ذکر کے طفیل ہمارے ذاکرین نے جتنے ممالک گھومے ہوئے ہیں ہمارے تمام سربراہانِ مملکت و حکومت کو بھی یہ مواقع نہیں ملے۔ ریڈیو ٹی وی غرضیکہ ہر قسم کی مادّی اور رُوحانی پذیرائی ہمیں نصیب ہوتی ہے ورنہ ہماری سماجی حیثیت کیا ہے؟ ہم اپنی عملی معاشرتی زندگی میں کیا ہیں؟ (گستاخی معاف! چپراسی، کلرک، اسکول ٹیچر، پروفیسر، ایڈووکیٹ، جج، ڈاکٹر، دوکاندار، ایجنٹ وغیرہ وغیرہ) جبکہ مولاؑ کے ذکر کے طفیل ہم سب کچھ ہیں تو پھر ذاکرین کی ذمہ داری ہے کہ وہ منبر اور اس ذکر کے مقاصد اور تقاضے پورے کریں۔ اپنے منصب اور اس قسم کے جذبہ کی قدر کریں، اپنے مطالعہ و کردار سازی کے بعد قوم کی بھی ہر طرح کی رہنمائی کریں۔ اپنی تقاریر میں معصومینؑ کے فضائل و معجزات اور مصائب یعنی شخصیات و سوانح اور خدمات و کردار بھی بیان کریں اور قوم کی معاشی و سماجی رہنمائی بھی کریں فقہی و شرعی مسائل بھی توازن و ضرورت کے مطابق بیان کریں۔ ذاکرین کو نذر و ہدیہ پیش کرنا بانی مجلس کی ذمہ داری اور قبول کرلینا ذاکر کا استحقاق اور اختیار ہے۔ بلاشبہ نذرانہ و ہدیہ پیش کرنا سنت امامؑ ہے لیکن پیشگی معاملات کوئی مناسب بات نہیں ہے۔ (یہ حالات زندگی انہوں نے تیرا (۱۳) سال قبل بھجوائے تھے...... باقی آئندہ شمارے میں بشرطِ زندگی)

☆☆......☆☆......☆☆

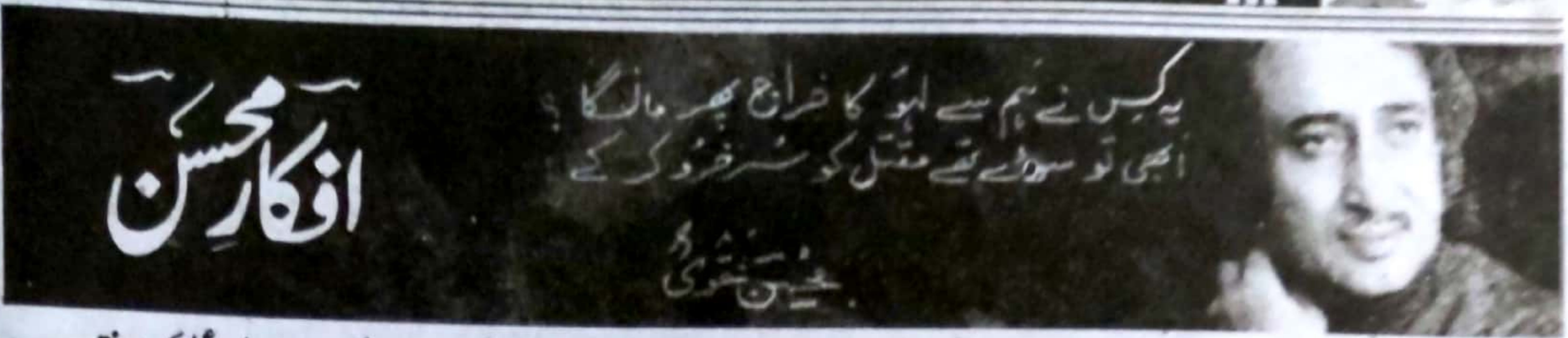

حماد اہل بیتؑ سید محسن نقوی شہید

انتخاب و پیشکش...... خیزران فاطمہ۔ شہربانو

حماد اہل بیتؑ سید محسن نقوی شہید کی اس کتاب کا چوتھا ایڈیشن ادارہ منہاج الصالحین غزنی سٹریٹ اردو بازار سے مہیا ہے۔

محسن ہو تو کچھ اپنی مدد کر غمِ دوراں
ہم کعبۂ فکر اب وجد ڈھونڈھ رہے ہیں
اے خاکِ مدینہ ترے ذرّوں میں ابھی تک
ہم بنتِ پیمبرؐ کی لحد ڈھونڈھ رہے ہیں

- ......اے دخترِ رسولؐ! میرا اسلام عقیدت قبول کر کہ میری فکر نے تیری دہلیز پر سجدہ کر کے ادراک کی سلطنت پر حکومت کرنا سیکھا۔
- ......کبھی کبھی میں سمندر کے پانی کو دیکھتے ہوئے اس لئے بھی جھجکتا ہوں کہ یہ پانی فاطمہ زہرا کا جہیز ہے۔
- ......اگر زمین، ابوترابؑ کی جاگیر نہ ہوتی تو فاطمہؑ کبھی بھی آسمانوں سے زمین پر نازل نہ ہوتی۔
- ......فاطمہؑ زہرا کی عظمت کے لئے صرف اتنی سی بات کافی ہے کہ محمدؐ جیسا سرتاج الانبیاءؐ اپنا تعارف اپنی بیٹی کے حوالے سے کرانا باعثِ فخر سمجھتا ہے۔
- ......حدیثِ کساء پڑھ کر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آسمانی مخلوق پنجتنؑ میں سب سے زیادہ جس عظیم شخصیت سے مرعوب ہے اس کا اسمِ گرامی ہے "الفاطمۃ الزہراؑ"
- ......جس معصومہؑ کی بددعا سے ابوجہل اور ابولہب جیسے منکرین نبوت بھی خوف کھاتے ہوں اُس معصومہ کا دل دکھانے والے بخشش خداوندی کے طلبگار کیونکر ہو سکتے ہیں؟
- ......مسلمانو! میں تمہارے انجام سے ڈرتا ہوں کہ تم نے اولادِ فاطمہؑ پر ظلم کرنا ہمیشہ اپنا فرض سمجھا ہے۔
- ......جو لوگ اپنے رسولؐ کی بیٹی کو اس کے جائز حق سے محروم کر کے مطمئن ہوں ان سے اس دور میں اپنے حقوق طلب کرنا عبث اور فضول ہے۔
- ......اگر دنیا بھر کی مائیں اپنی اولاد کی تربیت فاطمہؑ بنت محمدؐ کے انداز سے کرنا سیکھ لیتیں تو خدا کو جہنم تخلیق کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔
- ......ہر ماں کے قدموں تلے جنت ہے بشرطیکہ وہ اسوۂ بتولِ پر عمل کرنا جانتی ہو
- ......اگر سورہ "اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرْ" صرف اور صرف بتولِ پاک کی شان میں نازل ہوتی تو محشر میں کوثر کے طلبگاروں کو پہلے سوچنا ہوگا کہ کہیں وہ دنیا میں اس گروہ سے تو متعلق نہ تھے جس گروہ نے بتولِ پاک کا گھر جلانے کی ناپاک سازش کی تھی۔
- ......میں اپنے آخری امامؑ کے ظہور کا اس لئے بھی منتظر ہوں کہ میرا آخری امام حق زہراؑ کے غاصبوں کا صحیح سراغ لگائے گا۔
- ......قیامت پر ایمان لانے والو! کاش تم خاتونِ قیامت کی عظمت پر بھی ایمان لا سکتے۔
- ......دُنیا! تُو کتنی سنگدل ہے کہ بتولِ پاک کی فریاد بھی تیرے پتھر دل کو موم نہ کر سکی۔
- ......مجھے اپنے عزاخانوں سے اس لئے بھی عقیدت ہے کہ فاطمۃ الزہراؑ کے بیت الحزن کی یاد دلاتے ہیں۔
- ......میرا جی چاہتا ہے کہ اپنی تاریخ کے اُن صفحات کو جلا دوں جن میں فاطمۃ الکبریٰؑ کی توہین کرنے والوں کا تذکرہ ہے۔
- ......محمدؐ کی بیٹی! تُو کتنی عظیم ہے کہ فرشتے تیری چادر کی تعظیم کرنا واجب سمجھتے ہیں
- ......جس مخدومہ کی کنیز چالیس سال تک قرآن کے علاوہ کوئی گفتگو نہ کرے اس کے مقدمے کے خلاف قرآن کی آیتوں میں تصرف کرنا کتنی بڑی جہالت ہے؟
- ......قیامت شاید اس لئے بھی یقینی ہو کہ کائنات کے تمام انسانوں کو فاطمہؑ کی عظمت بیک وقت سکھائی جائے۔
- ......اے حشر کے سورج تو اُس وقت یقیناً ڈوب جائے گا۔ جب محمدؐ کی بیٹی میدانِ حشر میں اپنے بال کھولے گی۔
- ......حسنینؑ کی پرورش کرنے والی ماں کو جنت کی سرداری کا حق یقیناً ملنا چاہیے ورنہ جنت کا مفہوم دُھندلا جاتا ہے۔
- ......میں جنت میں جانے سے پہلے اس کے دروازے پر سجدہ کرنا ضروری سمجھوں گا کہ مجھے "فاطمۃ الزہراؑ" کی سلطنت میں جانے کا شرف بخشا جائے گا اور جنت مجھے ضرور ملے گی کہ میں نے دُشمنانِ اولادِ فاطمہؑ کو کبھی انسان نہیں سمجھا۔
- ......مجھے اُن لوگوں کی انسانیت ہمیشہ مشکوک نظر آئی ہے جو فاطمہؑ پر ظلم کرنے والوں کے لئے حق کی بخشش کے طلبگار ہیں۔
- ......اولادِ فاطمہؑ پر ظلم کرنے والوں کا انجام صرف دوزخ؟؟ (یہ کچھ عجیب سا لگتا ہے)

قسط پنجم

حضرت شاہ زین العابدین موسوی المشہدیؒ

تحقیق و ترتیب۔۔۔۔۔ سید محسن رضا کاظمی (سیدانوالہ، جہلم)

فون نمبر۔۔۔۔ 0308-8873592

سید محمد شاہ، سید محمود شاہ پسران شاہ زین، صاحب نسب نامہ شریف کے مطابق دونوں بھائی ۸۴۴ھ کو جڑواں پیدا ہوئے۔ دونوں برادران علم و فضل میں صاحبان کمال تھے سلطان سارنگ حاکم پوٹھوہاران کا مرید تھا دونوں بھائی شاہ زین سرکارؒ کی زندگی میں ہی موضع جھنڈا گجرات آباد ہوئے اور گرد و نواح میں تبلیغی خدمات سرانجام دیں۔ سید کسراں کو دوسری دفعہ ان دونوں بھائیوں نے ہی آباد کیا۔ سید محمد شاہ کی اولاد سید کسراں، بھیکہ سیداں، توفلکیاں، دھتموڑ، چمکنہ اور گڑھی پھلگراں مواضعات ہزارہ مظفر آباد اور پونچھ وغیرہ میں بکثرت آباد ہے۔

سید شاہ نذر دیوان، سخی مزمل بادشاہ، معظم بادشاہ جھلیاری اور شاہ عنایت ولائیت مزار مظفر آباد وغیرہ ان کی اولاد میں مشہور بزرگ ہیں۔

سید محمود شاہ کی سید کسراں، چوہڑ ہڑپال، ڈھوک رتہ اور مواضعات ہزارہ، پنڈ جمال خان، کھٹیاللہ، سنگر، بھیلا، ٹاہلی شیر بائی، داتہ، توفلکیاں، نڑوکہ، ناپائیں گوجری اور حویلیاں وغیرہ اور مواضعات مظفر آباد نیلی، چکلی سیداں، نڑہی پنجکوٹ اور گوڑی وغیرہ میں اولاد بکثرت آباد ہے۔

سید حمید شاہ، سید احمد شاہ دونوں برادران علاقہ خان پور چکوال آ گئے، سید حمید شاہ نے اس جگہ قیام فرمایا جو موضع شاہ پور کے نزدیک سید پور کے نام سے مشہور ہے۔ ازاں بعد ان دونوں کی اولاد اوپر پہاری جسے دلجبہ کہتے ہیں پر آباد ہو گئی۔ سید احمد شاہ کی اولاد کچھ عرصہ بعد سید کسراں منتقل ہو گئی شاہ چمن چراغ انہی کی اولاد ہیں۔ غاقزی امام مشہدی اور موضع نون کے سادات بھی، وریامال دو میل ضلع اٹک، شاہ سید باہو، ٹاہلیاں، توفلکیاں اور جھجیاں ہزارہ میں بھی ان کی اولاد آباد ہے۔

سید حمید شاہ کا مزار شاہ پور چکوال ہے ان کی اولاد موضع شاہ پور، سلطان پور، کوٹلی سیداں، منوال مواضعات چکوال اور ٹوبہ سیداں، بستی سیدانوالہ مواضعات پنڈ دادنخان ضلع جہلم، بگڑہ ہزارہ، مواضعات میرپور اور مظفر آباد میں بکثرت آباد ہے۔ سید حمید شاہ کی آٹھویں پشت میں سید علی محمد شاہ کاظمی ایک عارف بزرگ ہو گذرے ہیں جو زہد و تقویٰ کے ساتھ علم طب پر بھی گہری نظر رکھتے تھے شاہ نواز حاکم پنجاب کے عہد حکومت میں 1765ء کے لگ بھگ علاقہ جلالپور کے حکمران راجہ کی دعوت پر علاقہ جلال پور میں تشریف لائے۔

مذکورہ راجہ نے ان کی خدمات اور کردار عمل سے متاثر ہو کر ۳۲ مربع زمین پیش کی جو آپ نے قبول فرمائی۔ اور موضع دبجہ نزد شاہ پور سے مستقل طور پر اس علاقہ میں تشریف لے آئے اور وہ مقام آج کل بستی سیدانوالہ کے نام سے مشہور ہے جہاں قدیم عرصہ سے عزاداری شروع ہے اور علاقہ بھر میں قدیمی شیعہ ہونے کا اعزاز اسی بستی کے سادات کو حاصل ہے۔

سید باقر شاہ کی اولاد شاہ پور، شاہ سید بکھو اور جھجہ ہزارہ میں بکثرت آباد ہے۔ آپ کے خانوادہ سے تعلق رکھنے والے چند جلیل القدر فقراء کا ذکر بھی مختصر طور پر ذکر ہے۔

خانوادہ کاظمیہ کے چند دیگر اولیاء کرام

(۱) حضرت سخی شاہ نذر دیوان بادشاہؒ

آپ کا اصل نام سید محمد نذر شاہ تھا آپ کے ایک اور بھائی سید شاہ محمد دیوان تھے۔ انہی کے نام کی نسبت سے آپ بھی شاہ نذر دیوان مشہور ہو گئے۔ آپ کی ولادت ۹۸۶ھ کو بمقام سید تحصیل گجرخان ضلع راولپنڈی ہوئی۔ آپ شاہ زینؒ سرکار کی پانچویں پشت میں ہیں آپ کا شجرہ نسب اس طرح ہے۔

سید شاہ محمد نذر بن سید اسم علی بن سید حسن علی بن سید محمد شاہؒ بن شاہ زینؒ سرکار

آپ صاحب کرامات اور جامع کمالات تھے آپ اپنے زمانہ کے بلند پایہ بزرگ، ولی، ماہر علوم شرعیہ اور علم عرفان کے بحرے بے کراں تھے۔ تعلیمات

محمدؐ و آل محمدؐ کے مطابق تبلیغ اسلام میں سرگرداں رہنے کے علاوہ اپنے جدِ مظلومؑ کی عزاداری کا بھی باقاعدہ اہتمام کرتے تھے آپ کا مزار موضع سید تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی مرجع خلائق ہے۔

(۲) حضرت نخی شاہ مزمل بادشاہ

ایک روایت کے مطابق آپ کا اصل نام مقبول حسین تھا لیکن سورہ مزمل کی کثرت سے تلاوت کرنے کے سبب شاہ مزمل کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کی ولادت ۱۰۲۰ھ کے لگ بھگ موضع سید تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی میں ہوئی۔ آپ سید شاہ محمد دیوان کے بیٹے اور نخی شاہ نذر دیوان کے بھتیجے تھے آپ مغلیہ دور میں موضع سید سے موضع بھیکہ سیداں منتقل ہوئے۔ آپ کا مزار بھیکہ سیداں (اسلام آباد) زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

(۳) حضرت نخی شاہ پیارؒ

آپ کی ولادت بھی موضع سید میں ہوئی آپ کا زمانہ شاہ مزمل بادشاہؒ سے بعد اور بری شاہ لطیفؒ سے قبل کا ہے آپ کے والد کا نام سید امیر شاہؒ جو شاہ زینؒ سرکار کی ساتویں پشت میں تھے آپ کے کچھ مرید چوہڑ ہڑپال راولپنڈی آباد تھے ان کی دعوت پر آپ چوہڑ ہڑپال تشریف لائے۔ نہایت ہی صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ اعوان خاندان نے بطور ہدیہ آپ کو زمین دی آپؒ کا مزار اسی زمین پر واقع ہے۔

(۴) حضرت بابا غازی امام مشہدیؒ

آپؒ کی ولادت بھی موضع سید میں ہوئی۔ آپ نخی شاہ مزملؒ بادشاہ کے ہم عصر تھے۔ اور ان سے آپ نے کسب فیض حاصل کیا۔ آپ نے نخی شاہ پیارؒ کو بھی دیکھا تھا ممکن ہے شاہ پیارؒ نے ان سے کسب فیض حاصل کیا ہو۔ آپ کا اصل نام سید شاہ محمد درویش تھا والد کا نام سید میراں شاہ جو شاہ زینؒ سرکار کی ساتویں پشت میں تھے آپ موضع سید سے موضع نون (اسلام آباد) تشریف لے آئے اسی موضع میں آپ کا مزار ہے جس پر باولے کتے کے کاٹے اور چیچک کے امراض سے شفا حاصل کرنے کے لیے لوگ دور و نزدیک سے آتے ہیں۔ اس مزار پر ہر سال عرس اور میلہ بھی منعقد ہوتا ہے۔

(۵) حضرت سید شاہ عبداللطیفؒ کاظمی المشہدی النجفیؒ المعروف امام بریؒ سرکار

آپؒ کی ولادت ۱۰۲۶ھ بمطابق ۱۶۱۷ء کو موضع کرسال ضلع چکوال میں ہوئی۔ آپ کے والد محترم نخی سید محمود شاہ اور والدہ غلام فاطمہ تھیں۔ ایک روایت کے مطابق آپ کے والد نخی محمود شاہ (۹۹۵ھ تا ۱۰۸۲ھ) بھی حوزہ علمیہ نجف اشرف کے فارغ التحصیل تھے ان کا مزار آبپارہ مارکیٹ (اسلام آباد) میں ہے۔ بری شاہ لطیفؒ نے ابتدائی دینی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپؒ کے والد محترم نے آپ کو غور غشتی ضلع اٹک بھیج دیا جو اس زمانہ میں علوم دین کا مشہور مرکز تھا۔ تذکرہ مقیمی میں ہے کہ یہاں آپ نے حدیث، منطق، ریاضی، علم الکلام، علم ادب، علم معانی، علم طب اور علم روحانی حاصل کیے۔ یہاں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ دنیائے شیعیت کے عظیم مرکز حوزہ علمیہ نجف اشرف تشریف لے گئے اور کافی عرصہ علم حاصل کرنے کے بعد واپس وطن لوٹے۔ آپ کا حصول علم کے لیے نجف اشرف جانا اہل سنت تذکروں میں بھی موجود ہے۔ میاں محمد بخش آف کھڑی شریف نے تذکرہ مقیمی اور ارتضیٰ علی کرمانی حنفی نے سیرت بری امام سرکارؒ میں ذکر کیا ہے۔ نجف اشرف سے واپسی پر آپ موضع نور پور شاہاں آئے اور نور پور شاہاں کے نزدیک ندی نیلاں میں کھڑے ہو کر برسوں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اس کے بعد آپ موضع الماں بھوتو کے نزدیک ایک غار میں ریاضت کرنے چلے گئے وہاں کافی عرصہ یادِ الٰہی اور سلوک کی منازل طے کرنے میں معروف رہے۔

آپ کی حیات کا نصف اول زمانہ عالم ہوش میں گذرا۔ لیکن آخر عمر میں تارک الدنیا ہو کر مکمل طور پر یادِ الٰہی م یں مشغول ہو گئے آپ مادر زاد مجذوب نہ تھے جیسا کہ مشہور ہے۔ جذب آپ پر ریاضت اور چلہ کش کوٹھیوں سے گزرنے کے بعد ظاہر ہوا۔ آپ نے نور پور شاہاں میں ایک مسجد بھی تعمیر کروائی۔ اور آپ نے اس میں نماز با جماعت ادا کی۔ سلوک کی منازل طے کرنے کے بعد آپ موضع دعیر کوٹ تشریف لے گئے وہاں تعلیمات محمدؐ و آل محمدؐ کے مطابق تبلیغ اسلام میں سرگرداں رہنے کے علاوہ اپنے جد امام مظلومؑ کی عزاداری کا بھی باقاعدہ اہتمام کیا۔ کتب انساب میں ملتا ہے کہ آپؒ ایام محرم میں موضع سید کسراں تشریف لاتے اور عزاداری امام مظلومؑ میں شامل ہوتے اور خود بھی لوگوں میں ذکر محمدؐ و آل محمدؐ بیان فرماتے تھے۔ زندگی میں کئی دفعہ زیارات مقدسہ سے مشرف ہوئے۔ کربلا و نجف اشرف پا پیادہ جاتے تھے۔

(بقیہ...... صفحہ نمبر ۳۶ کالم نمبر ۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

قسط دوئم

بچوں کا انسائیکلوپیڈیا

از...... خواہر زہرا (اسلام آباد)

پیارے بچو! السلام علیکم! گزشتہ شمارے میں ہم نے آپ کو وجودِ خدا کے بارے میں بتایا تھا۔ اب اس شمارے میں ہم مذہب کے بارے میں جانیں گے۔

(ب) مذہب

مذہب کا تعارف آسان لفظوں میں اس طرح کروایا جا سکتا ہے کہ مذہب ایک عقیدہ ہے ایک نظریہ ہے۔ ایک ایسا عقیدہ، ایک ایسا نظریہ، ایک ایسا یقین کہ جو سچا ہو اور اچھا ہو، جس کی طرف دل و دماغ خود بخود جھکتا چلا جائے اور بغیر کسی سختی، بغیر کسی نصیحت یا سرزنش کے اس کو مان لینے کو دل چاہنے لگے۔ جس کی ہدائتوں اور اشاروں پر عمل کر کے انسان کی زندگی سدھرتی اور سنورتی چلی جائے، جس کی بدولت انسان کے کردار اور اخلاق کو اس کے اعمال کو اچھا اور پاکیزہ بنانے میں مدد ملتی رہے بہ الفاظ دیگر مذہب سچائی، رہنمائی اور حقیقت کا ایک سیدھا سا راستہ ہے اس پر پورے یقین اور مکمل اعتماد کے ساتھ چلتے رہیں تو کبھی ٹھوکر نہیں لگے گی۔

اس پوری دنیا میں جو بھی لوگ بستے ہیں ان میں سے کچھ تو مذہب کو مانتے ہیں اور کچھ نہیں مانتے۔ جو لوگ مذہب کو مانتے ہیں وہ بھی کئی طرح کے ہوتے ہیں اور جو لوگ مذہب کو نہیں مانتے ان کی بھی کئی اقسام ہیں...... جو لوگ مذہب کو مانتے ہیں ان میں سے مسلمان وہ لوگ ہیں جو توحید، رسالت اور قیامت پر یقین رکھتے ہیں...... مومن وہ لوگ ہیں جو توحید، عدل، رسالت، امامت اور قیامت پر یقین رکھتے ہیں...... کافر وہ لوگ ہیں جو اصول دین یعنی نماز، روزہ وغیرہ جیسے کسی دینی رکن کو نہیں مانتے...... منافق وہ لوگ ہیں جو زبان سے تو کلمہ پڑھتے ہیں لیکن میں کفر رکھتے ہیں۔

مشرک وہ لوگ ہیں جو کئی خداؤں کو مانتے ہیں...... مرتد وہ لوگ ہیں جو مسلمان ہو کر پھر کافر بن جاتے ہیں...... یہودی وہ لوگ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی کو نبی نہیں مانتے...... عیسائی وہ لوگ ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آخری نبی اور اللہ کا بیٹا سمجھتے ہیں...... مجوسی وہ لوگ ہیں جو آگ کی پوجا کرتے ہیں اور آگ کو خدا مانتے ہیں...... مسلمان وہ لوگ ہیں جو خدائے وحدہٗ لاشریک پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ کا آخری نبیؐ مانتے ہیں اور اپنے سارے دینی اور دنیاوی کاموں کو اللہ اور حضرت محمد مصطفیٰؐ کے دستور اور قانون کے مطابق سرانجام دیتے ہیں۔

مسلمانوں کے اسی عقیدے اور یقین کو دینِ اسلام کہتے ہیں دینِ اسلام ایک سچا مکمل اور بہترین دین ہے۔

اس لیے کہ اس دین کو خدا نے بنایا ہے اور اپنے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰؐ کے وسیلے سے یہ دینِ اسلام ہم لوگوں تک پہنچایا ہے۔ تا کہ ہم اپنے خدا کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کریں۔ صرف اُسی کی عبادت کریں۔ اس پوری کائنات کو دیکھیں بھالیں اور اپنے مقام کو بھی جانیں اور اس دین کے وسیلے سے اپنی زندگی کو بہتر طریقے سے گزارنے کے ڈھنگ سیکھیں۔

دینِ اسلام ہمیں سکھاتا ہے کہ کس طرح خدا کی عبادت کریں؟ کس طرح اپنے رب کو پہچانیں؟ کون سے کام انجام دیں؟ کہ دنیا اور آخرت میں سعادت مند ہو جائیں۔ ماں باپ، عزیزوں رشتے داروں سے کس طرح ملیں اچھے اور برے کاموں میں کس طرح تمیز کریں۔ اپنے ارد گرد کے معاشرے سے کس طرح رابطہ رکھیں وغیرہ وغیرہ۔ (باقی آئندہ شمارے میں)

(انشاءاللہ۔ آئندہ شمارے میں ہم قرآن کریم کے بارے آپ کو بتائیں گے)

☆☆......☆......☆☆

ماہ اپریل 2013ء۔ جمادی الاول/ جمادی الثانی 1434ھ، چیت/ بیساکھ 2069 بکرمی

ایام کے نام	جمادی الاول/ جمادی الثانی 1434ھ	اپریل 2013ء	چیت/ بیساکھ 2069ب	نیک/ نحس/ میانہ	اسلامی معلومات ویادداشت
سوموار	19	1	19	نیک	
منگل	20	2	20	میانہ	
بدھ	21	3	21	نحس	
جمعرات	22	4	22	نیک	
جمعہ	23	5	23	نیک	وفات علامہ حافظ کفایت حسینؒ ۱۹۶۸ء
ہفتہ	24	6	24	نحس	
اتوار	25	7	25	نحس	
سوموار	26	8	26	نیک	
منگل	27	9	27	نیک	وفات رانا محمد ارشاد ۲۰۱۲ء
بدھ	28	10	28	نحس اکبر	
جمعرات	29	11	29	نیک	
جمعہ	جمادی الثانی	12	30	نحس اکبر	بھکر کنونشن ۱۹۷۹ء
ہفتہ	2	13	31	نیک	
اتوار	3	14	بیساکھ	نحس	شہادت سیدۃ النساء العالمین فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا۔ ۱۱ھ
سوموار	4	15	2	نیک	
منگل	5	16	3	نحس	وفات علامہ سید محمد سبطین نقوی ۱۹۹۴ء
بدھ	6	17	4	نیک	
جمعرات	7	18	5	نیک	
جمعہ	8	19	6	نیک	
ہفتہ	9	20	7	نیک	
اتوار	10	21	8	نیک	وفات ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ ۱۹۳۸ء
سوموار	11	22	9	نحس اکبر	وفات استادالعلماء علامہ نصیر حسین نجفی سرگودھا ۱۹۹۹ء
منگل	12	23	10	نحس اکبر	
بدھ	13	24	11	نحس	وفات حضرت سیدہ اُم البنین سلام اللہ علیہا، والدہ ماجدہ حضرت عباسؑ
جمعرات	14	25	12	قمر در عقرب	
جمعہ	15	26	13		وفات استادالعلماء علامہ اختر عباس نجفی ۱۹۹۹ء۔ وفات مولانا راحت حسین گوپالپوری ۱۹۵۳
ہفتہ	16	27	14		
اتوار	17	28	15	میانہ	
سوموار	18	29	16	نیک	
منگل	19	30	17	نیک	

ابتداء:۔ قمر در عقرب 25 اپریل (جمعرات) دوپہر 3:25 پر

اختتام:۔ قمر در عقرب 27 اپریل (ہفتہ) سہ پہر 4:32 پر

ہم لوگ سوال کرنے والے کے سوال سے قبل ہی عطا کردیتے ہیں تاکہ بیچارے سائل کا چہرہ سوال کرتے وقت نہ اُتر جائے...... حضرت امام حسنؑ (بحار ج ۱۰ ص ۱۹۳)

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اپنے والدین، اولاد اور سارے انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (متفق علیہ)

پاکستان میں سب سے زیادہ شائع ہونے والا پندرہ روزہ (تصدیق شدہ اشاعت)

پندرہ روزہ

جہادِ کشمیر

مظفرآباد - راولپنڈی

یکم تا ۳۰ جون ۲۰۱۶ء

تحفظِ ناموسِ رسالت نمبر

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ بطحاؐ کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

شہید جس نے بدن کے بدلے حیاتِ دائم خرید کی

غازی علم دین سے غازی ممتاز قادری تک عشاقِ رسول ﷺ کی روح پرور کہانیاں

اللہ شہادت قبول فرمالے، تو اس سے بڑی خوشی کیا ہوسکتی ہے

غازی مولانا مطیع الرحمٰن نظامی شہید... رحم کی اپیل کے بجائے تختہ دار پسند کرلیا

گستاخان رسولؐ اور ناموسِ رسالتؐ

راج پال کی طرح رسول اکرمؐ کی دشمن... عاصمہ جہانگیر

قانون تحفظِ ناموس رسالتؐ کے خلاف طویل اور شرم ناک جدوجہد

کیا ممتاز قادری شہید کو پھانسی دینا جائز تھا؟

مولانا عبدالمالک نے اس فیصلے کے شرعی اور آئینی پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے

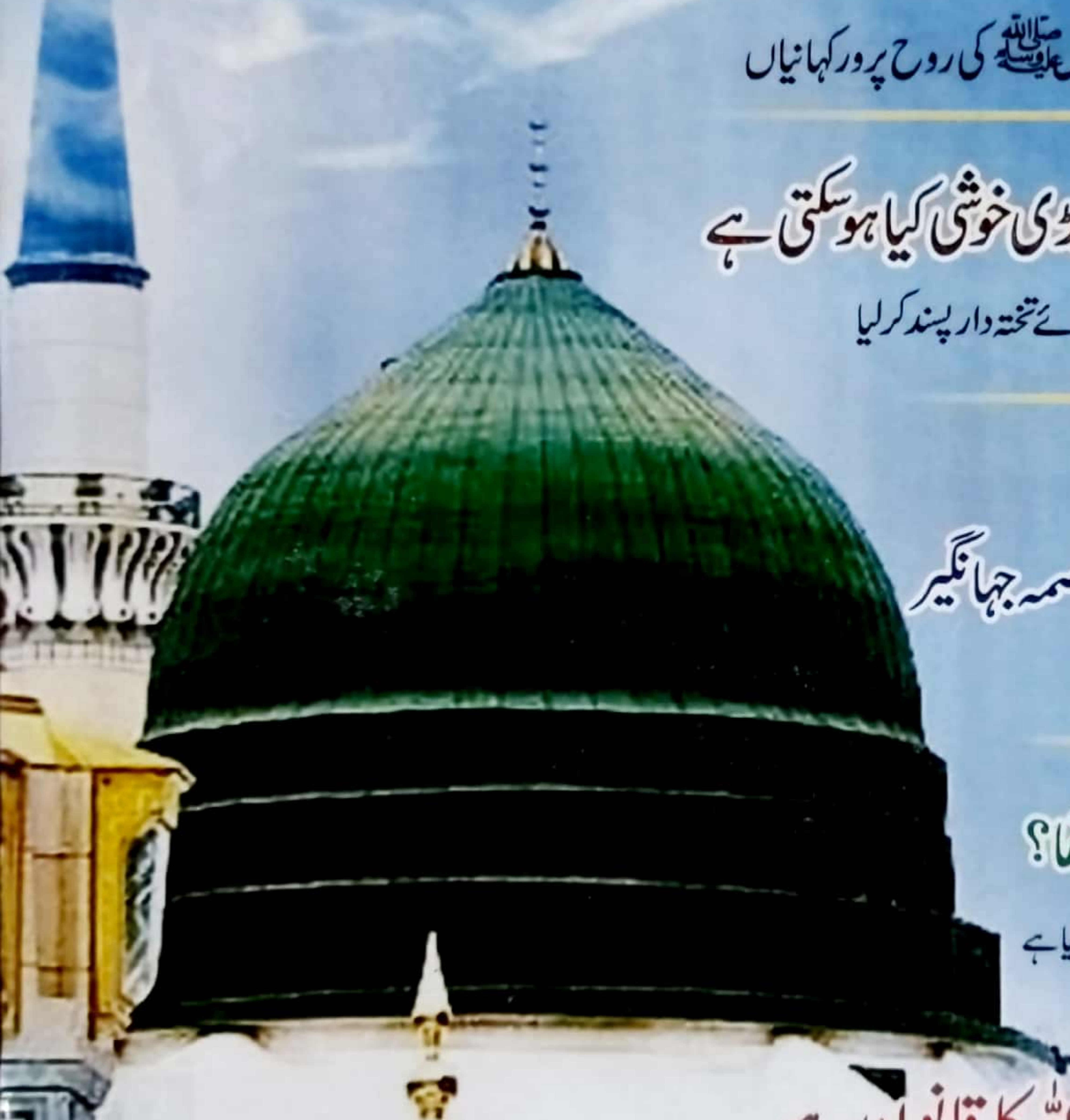

۲۹۵۔سی قرآن وسنت سے ثابت اللہ کا قانون ہے

پاکستان کے حکمران ۱۴سو برس سے رائج قانون کے دشمن کیوں بن گئے؟

علماء، قانون دانوں اور علم کے مختلف شعبوں سے وابستہ اصحاب کی تحریریں

مجاہد ملت اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ اور آپا نثار فاطمہؓ کی تاریخ ساز جدوجہد

رسول رحمتؐ کی توہین پر موت کی سزا کا قانون کیسے پاس ہوا... ایمان افروز کہانی

لکھنے والوں میں جناب اسماعیل قریشی، مولانا عبدالمالک، پروفیسر ساجد میر، ڈاکٹر حمیرہ طارق، جسٹس نذیر اختر، بلقیس سیف، متین خالد، محمود عالم صدیقی اور عبدالہادی احمد شامل ہیں

قیمت 100 روپے

پاکستان میں سب سے زیادہ شائع ہونے والا پندرہ روزہ (تصدیق شدہ اشاعت)

پندرہ روزہ

جہادِ کشمیر

مظفرآباد - راولپنڈی

یکم تا ۳۰ جون ۲۰۱۶ء

جلد 24 شمارہ 580-579

تحفظِ ناموس رسالتؐ نمبر

مجلس مشاورت

- سید علی گیلانی
- سراج الحق
- عبدالرشید ترابی
- سمیحہ راحیل قاضی

مدیر

عبدالہادی احمد

قیمت 100 روپے

اس شمارے میں

اداریہ	کیا فساق وفجار سے اقتدار چھین لینے کا وقت نہیں آگیا؟	۴
انٹرویو	قائداعظمؒ کو غیر مسلم ججوں کا سامنا تھا، میرے سامنے مسلمان جج بیٹھے تھے غازی ممتاز حسین قادری شہید کے وکیل جناب جسٹس نذیر اختر سے ایک ایمان افروز انٹرویو	۱۱
انٹرویو	شہدائے ناموس رسالت کی خوشبو رہتی دنیا تک زمین کو مہکائے گی جماعت اسلامی کی اہم رہنما اور قومی اسمبلی کی سابق رکن بلقیس سیف صاحبہ سے خصوصی انٹرویو	۱۵
شہادت اور قتل	کیا غازی ممتاز قادری شہید کو پھانسی دینا جائز تھا؟ مولانا عبدالمالک نے اس فیصلے کے شرعی، آئینی اور قانونی پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے	۱۹
۲۹۵ سی	توہین رسالت کا قانون 295-C اور اس کا پسِ منظر	۲۳
قانون ناموس	توہینِ رسالت کے خلاف قانون کیوں ضروری ہے؟	۲۷
قانون کا سفر	دفعہ ۲۹۵ سی... اسماعیل قریشی اور آپا نثار فاطمہ مرحومہ کی مشترکہ کاوشوں کا حاصل	۳۱
تحفظ ناموس رسالت	ناموس رسالت کا تحفظ ساری امت پر فرض ہے	۳۵
۲۹۵-سی	پاکستانی حکومتوں کا حرمتِ رسولؐ قانون پر شب خون	۴۳
ممتاز قادری	غازی ممتاز حسین قادری شہید۔۔۔جس نے بدن کے بدلے حیاتِ دائم خرید کی ہے ناموس رسولؐ پر قربان ہونے والے شہید کی کہانی.... بڑے بھائی کی زبانی (دوسرا اور آخری حصہ)	۴۷
شہداء ناموس رسالت	غازی عبدالقیوم خان شہید ۶۳ غازی میاں محمد شہید ۷۱ غازی محمد صدیق شہید ۷۳ غازی مرید حسین شہید ۷۶ غازی عبدالرشید شہید ۶۷ (تحریر: محمود عالم صدیقی)	
گستاخی نا قابل معافی	حضور اکرمؐ پر طعن کے لیے کھلنے والی زبان کا کٹ جانا ضروری ہے	۷۹
گستاخ رسول	عاصمہ جہانگیر.. جوراج پال کی طرح رسول اکرمؐ کی دشمن ہے توہین رسالت کی مجرمہ نے قانونِ تحفظِ رسالتؐ کے خلاف طویل اور شرمناک جدوجہد کی	۸۳
قانون ناموس رسالت	کیا یہ صدر ضیاء الحق کا بنایا ہوا قانون ہے؟	۹۷

معاونین خصوصی

- متین فکری
- عبدالسلام
- اویس احمد
- سیّد ابرار گردیزی

شعبہ کمپیوٹر

آرٹ ایڈیٹر ابو اسعد

اندرون ملک نمائندے

سری نگر علی محمد ہمدانی — جموں فردوس احمد
مظفرآباد رئیس الدّین خواجہ — کراچی ابو حمزہ
اسلام آباد راجہ عبدالوحید — پشاور حسن احمد

بیرون ملک نمائندے

برطانیہ ارشد خان — دہلی زبیر پیرزادہ
عرب امارات شوکت صدیقی — ناروے ملک محمّد منیر
نیویارک سردار امتیاز گڑالوی — ہانگ کانگ ابو عبداللہ ہاشمی
اسپین مُسلم عبداللہ — ہالینڈ راجہ محمّد عارف

زرتعاون

سعودی عرب 180 ریال — امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا 75 امریکی ڈالر
متحدہ عرب امارات 180 درہم — یورپ وافریقہ 55 امریکی ڈالر
بھارت، بنگلہ دیش، ترکی، ایران، اُردن 42 امریکی ڈالر
عمان 40 ریال — پاکستان 500 روپے — برطانیہ 42 پونڈ

شعبہ اشتہارات

پنجاب

احسان اللہ بٹ — فون 0537-515251 موبائل 0300-9620294

معاون امجد سعید اعوان

سعودی عرب میں تقسیم کنندگان

سعودی ڈسٹری بیوشن کمپنی

ہیڈ آفس (جدہ) 6530909 (13 لائنیں) ریاض 4779444
مدینہ 8229881-88228187
مکہ 5585078-5584720

جنرل ہیڈ کوارٹرز فیڈرل گورنمنٹ انسٹی ٹیوٹ سے تمام اداروں کے لیے زیر نمبر 409/6g/192 محکمہ تعلیم آزاد حکومت ریاست جموں وکشمیر سے زیر نمبر س ف 91/7049 مورخہ 6 جون 1991 تعلیمی اداروں کے لیے اور حکومت پنجاب کے محکمہ تعلیم کی طرف سے زیر نمبر SO(S-iv)4-23/97 تمام تعلیمی اداروں کے لیے منظور شدہ

خط وکتابت کا پتہ: عبدالہادی احمد (مدیر)

599 پارک روڈ، غوری ٹاؤن فیز III، اسلام آباد - رابطہ نمبرز: 0333-5291203, 0345-5221027

دفتر: الاکرام بلڈنگ مریڑ چوک مری روڈ راولپنڈی

فون: 051-4840537, 5829866 فیکس: 051-5962522

ای میل editorjk@gmail.com

ناشر وطابع: محمود احمد — مطبع: ایف آئی پرنٹرز راولپنڈی — مقام اشاعت: عیدگاہ روڈ مظفرآباد

شہدائے ناموسِ رسالت کی خوشبو رہتی دنیا تک زمین کو مہکائے گی

جماعت اسلامی کی اہم رہنما اور قومی اسمبلی کی سابق رکن بلقیس سیف صاحبہ سے خصوصی انٹرویو

محترمہ بلقیس سیف جماعت اسلامی پاکستان کے شعبہ خواتین کی اہم رہنما ہیں۔ معروف عالم دین اور جماعت اسلامی صوبہ بلوچستان کے سابق امیر مولانا عبدالعزیز مرحوم کی صاحب زادی ہیں۔ جماعت کے مختلف شعبوں میں خدمات انجام دیتی رہی ہیں، اس وقت بھی جماعت کے ایک تدریسی ادارے کی سربراہ ہیں۔ ۲۰۰۲ء سے ۲۰۰۷ء تک قومی اسمبلی کی رکن رہ چکی ہیں، تحفظِ ناموسِ رسالت کے موضوع پر ان سے لیا گیا ذیل کا انٹرویو بہت اہم اور خاص ہے۔ ان کی اس گفتگو سے جہاں ناموس رسالت کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ کی ذات کے حوالے سے ایک صداقت شعار مسلمان خاتون کیا جذبات رکھتی ہے۔

ساجدہ ابصار: محترمہ خالہ جان! جیسا کہ آپ کے علم میں ہے، اس سال کے شروع میں پنجاب کے سابق گورنر سلمان تاثیر کے قتل کے مقدمے میں عدالتوں نے ممتاز حسین قادری کو جو سزائے موت دی تھی، حکومت نے خلاف توقع اس پر عمل درآمد کر دیا، ممتاز قادری کو پھانسی دے دی گئی، علماء اور قانون دانوں کی بڑی تعداد نے اسے عدالتی قتل قرار دیا ہے، اس پر آپ کی رائے کیا ہے؟

بلقیس سیف: جی بالکل، یہ ایک المناک سانحہ تھا اور پوری قوم پر لرزہ طاری کر دینے والا غم تھا جو بحرانوں کا شکار قوم پر گزرا۔ اس واقعے نے پاکستان کے عوام کو دو طبقوں میں بانٹ دیا ہے، حسب روایت لبرل طبقے پر اس واقعے کا کوئی اثر نہیں ہوا، تاہم ملک کی غالب اکثریت ریاست، عدلیہ اور حکمرانوں کے اتنے بڑے فیصلے پر ہکا بکا رہ گئی، اس میں پڑھے لکھے دین پسند لوگ بھی آتے ہیں اور کم پڑھے لکھے عام افراد بھی، جو ریاست، عدلیہ اور حکمرانوں کے اس بدترین فیصلے پر حیران بھی ہیں اور پریشان بھی۔ میں حیران ہوں کہ یہ فیصلہ کرنے والے کیسے مسلمان ہیں کہ ان کو ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا کہ قیامت کے روز اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی جانا ہے یا ان کا اس پر ایمان ہی نہیں ہے کہ اللہ کے ہاں جواب دہی کا بھی کوئی موقع آئے گا۔ ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ عوام کو صحیح اور

ساجدہ ابصار

غلط کی پہچان کروائے، لیکن اس فیصلے سے ریاست نے لوگوں کو حیران و پریشان ایک دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے۔ وہ لوگ جن کو ملک کے آئین کی پاسداری اور حفاظت کرنی تھی، وہی آئین شکنی پر تل گئے ہیں، جب باڑ ہی فصل کو کھانے لگے، تو عوام کہاں جائیں، کس سے داد چاہیں۔ عوام کو سمجھ ہی نہیں آرہی کہ وہ کس طرف جائیں۔ حکمرانوں نے اس معاملے میں جتنی جلد بازی دکھائی ہے وہ اور بھی زیادہ حیران کن ہے۔ انہوں نے یہ سب اپنے بیرونی آقاؤں اور اسلام دشمن طاقتوں کی پروردہ این جی اوز کے کہنے پر کیا ہے۔ ان کی اپنی نہ تو کوئی خارجہ پالیسی ہے نہ داخلی پالیسی ہے۔ ان بدبخت حکمرانوں کی وجہ سے پوری مسلم امہ اس وقت کفر کے زیر عتاب ہے۔ عدالت کے اس فیصلے نے انصاف کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں کو دیوار سے لگایا جا رہا ہے۔ اس فیصلے سے لوگوں کو تقسیم کیا گیا ہے، نظریاتی تقسیم کی شروعات تو پہلے سے ہو چکی تھی جو اس فیصلے سے مزید گہری ہو گئی ہے، لیکن یہ اس عالمی سازش کی سب سے اہم کڑی ہے، پاکستان اور اسلام کے دشمن چاہتے ہیں کہ اس ملک کے لوگ آپس میں لڑیں بھڑیں۔ یہ ہمیں ایمان سے محروم کرنا چاہتے ہیں، حب رسول ﷺ اور اطاعت رسول ﷺ کے بغیر تو ایمان مکمل ہی نہیں ہوتا۔

غازی ممتاز حسین قادری کو پھانسی دے کر ان لوگوں نے کیا ثابت کیا؟ یہی کہ ان کے دلوں میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں، وہ اس پر کھڑے نہیں ہو سکتے، اگر ہم احتجاج کرتے ہیں اور ریاست ہمارا ساتھ نہیں دیتی تو یہ لمحہ فکریہ ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ریاست ان بدبخت لوگوں کے ساتھ ہے جو اپنے آپ کو لادین کہتے ہیں، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا ارتکاب کیا۔ ان حکمران نے یہ ثابت کیا کہ یہ رسولؐ کے غلام نہیں، بلکہ یہ تو غلاموں کے غلام ہیں۔ حکمران اگر اس ملک میں امن امان چاہتے، صبر و برداشت اور تحمل کی سیاست چاہتے، تو ان کو ہماری حوصلہ افزائی کرنی چاہیے تھی۔ حکومت قوم کی رہنما

ہوتی ہے ،حکومتیں عوام کے لیے ایثار اور قربانی کرتی ہیں،ان کو لوٹ کر ان کی دولت سمیٹ کر باہر نہیں لے جاتیں۔اس وقت ملک کے جو حالات ہیں جہالت ، غربت ،بد دیانتی اور بدامنی ہے،یہ سب حکومت کے غلط فیصلوں کا نتیجہ ہے۔سارے کام زبانی کلامی ہوتے ہیں عمل درآمد کہیں نظر نہیں آتا۔ان کی بے راہ روی کے نتیجے میں جو عمومی رویہ سامنے آرہا ہے،وہ بیگانگی اور اجنبیت کا ہے،یہ کسی معاملے میں بھی ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔ان کو نہ تو نظریے سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ ہی یہ محبّ وطن ہیں۔اپنے لوگوں کو پھانسی دینے کا فیصلہ تو راتوں رات کر لیا گیا ،لیکن شکیل آفریدی جو غدار ملت اور غدار قوم ہے،اس کا ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا۔ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس کو لٹکا دیا جاتا،تاکہ وہ وطن سے غداری کرنے والوں کے لیے نشان عبرت بن جاتا۔مگر ان کے اندر تو اپنے ملک کے لیے بھی غیرت نہیں ہے۔

☆ آپ جماعت اسلامی کے شعبہ خواتین کی ذمے دار اور اہم رہنما ہیں، جناب ممتاز قادری کو پھانسی دینے پر جماعت کی خواتین کا ردعمل کیا رہا،آپ کے خیال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عزت و ناموس کے حوالے سے ہمارے جذبات کیا ہونے چاہئیں؟

☆☆ یقیناً یہ ایک حوصلہ شکن اور اعصاب شکن موقع تھا،اللہ کے رسول ﷺ کی محبت اور آپ کی عزت و حرمت پر مرمٹنا ہر مسلمان کی آرزو ہوتی ہے،لیکن اگر آپ کی نظروں کے سامنے ایک ایسے شخص کو عدالتی اور حکومتی وسائل اور طاقت کے بل پر قتل کر دیا جائے اور آپ کچھ نہ کر سکیں،بے بسی سے دیکھتے رہیں،تو دل سے خون تو ٹپکتا ہے۔ہم اپنے شہید بیٹے کے ایصال ثواب کے لیے دعائیں مانگتے رہے اور ان بدنصیب ظالموں کے حق میں مسنون دعا کی کہ اللہ ان سے چن چن کر بدلہ لے۔اَللّٰهُمَّ لَا تُسَلِّطْ عَلَیْنَا مَنْ لَا یَرْحَمُنَا بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۔جہاں تک آپ کے اس سوال کا تعلق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت و ناموس کے معاملے میں خواتین کا رویہ کیا ہونا چاہیے تو اس سلسلے میں یہ حدیث ہماری رہنمائی کرتی ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :لا یؤمن احدکم حتی اکون احبّ إلیه من ولده ووالده والناس اجمعین (تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اپنی اولاد، ماں باپ اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں) اس میں خواتین کے لیے بھی خاص پیغام ہے۔

خواتین پر لازم ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے بچوں کے اندر کوٹ کوٹ کر بھر دیں۔اس لیے کہ محبت کے بغیر اطاعت کا جذبہ پروان چڑھ ہی نہیں سکتا اور محبت کے بغیر آپؐ کے ناموس اور حرمت کے لیے ڈٹ جانا بھی ممکن نہیں۔سورۃ احزاب کی آیت نمبر ۵۷ ہمیں بتاتی ہے کہ اطاعت ترک کرنے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے بجائے نفرت کرنے اور اللہ کے رسول کو ایذا دینے کا کیا خمیازہ بھگتنا پڑ سکتا ہے:اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا (جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ نے لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب مہیا کر دیا ہے) حب رسول ﷺ اور اطاعت رسول ﷺ کے پہلو سے دیکھیں،تو خواتین کی ذمے داریاں بہت زیادہ ہیں۔خاتون پر گھر داری کے ساتھ ساتھ بچوں کی تربیت کی ذمے داری بھی ہوتی ہے،شوہر کا ساتھ دینا،بہن بھائیوں کے ساتھ تعلق رکھنا،اپنے خاندان کی اجتماعیت میں مثبت کردار ادا کرنا، اس کے علاوہ اپنے ماحول میں،جہاں ہمارا میل جول ہوتا ہے، بات چیت ہوتی ہے.....یہ وسیع حلقہ ہمارے کام کا میدان ہے،ان سب لوگوں کے اندر حبّ رسول ﷺ اور اطاعت رسول ﷺ کے جذبے کو ابھارنا ہم پر فرض ہے۔ہمارے معاشرے میں اس وقت تک امن نہیں آسکتا ،ہمارے گھر کی فضا پرسکون نہیں ہو سکتی ،ہمارے بچے فرمانبردار نہیں ہو سکتے جب تک ہم انہیں اللہ کی محبت کے ساتھ ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اطاعت نہ سکھائیں۔میں سمجھتی ہوں خواتین کو فکر معاش سے آزاد رکھا گیا ہے،ان کے پاس اللہ کے دین کو سیکھنے ،احادیث کو سمجھنے کا خاصا وقت ہوتا ہے۔وہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کی پوری کوشش کریں۔ان کا عمل ان کے بچوں، سسرال، اہل محلہ اور خاندان کے لیے نمونہ ہو،یعنی رول ماڈل بننا ہی اصل میں مطلوب ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ ازواج مطہرات اور صحابیات ہر قدم پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں، دین کو سیکھنے اور سکھانے میں سرگرم عمل رہتی تھیں،اس کی وجہ ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت تھی۔خواتین کی ذمہ داری اس لیے بھی بہت زیادہ ہے کہ ماں کی گود کو بچے کی پہلی درس گاہ کہا گیا ہے۔بچے کی یہی عمر ہوتی ہے جب اس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کو راسخ کیا جاتا ہے۔بغیر کسی علم ،دلیل اور محبت کے نہ تو ہم خود دوسروں سے جڑ سکتے ہیں، نہ اپنے بچوں کو جوڑ سکتے ہیں۔اس کے لیے خواتین کو دین کا علم بھی ہونا چاہیے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے تقاضوں کا علم بھی ہونا چاہیے اور سب سے بڑھ کر ان کا اپنا عمل رول ماڈل بھی ہونا چاہیے۔ہمارے سامنے یہ مثال ہونی چاہیے کہ جب عاصمہ جہانگیر نے کسی تقریب میں آپؐ کی شان میں نازیبا الفاظ کہے تو جماعت اسلامی کی رکن قومی اسمبلی آپا نثار فاطمہ خاموش بیٹھی نہیں رہیں۔انہوں نے اسماعیل قریشی صاحب کی معاونت سے قانون توہین رسالت کے خلاف بل تیار کر کے اسمبلی میں پیش کر دیا اور اس وقت تک اپنی کوششیں جاری رکھیں جب تک یہ بل منظور ہو کر آئین کا حصہ نہیں بن گیا۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ خواتین علم و فہم میں،آپؐ سے محبت میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔لہٰذا خواتین جہاں بھی ہوں ان کو آپؐ کی عزت و ناموس کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کرنا چاہیے۔خوشی اور غمی کے موقعے پر ہونے والی تقریبات میں جہاں کہیں بھی وہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی دیکھیں، منع کریں اور اچھے کاموں کی طرف لوگوں کو ترغیب دلائیں۔

☆ یہ بات بھی آپ کے علم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی تحریک دنیا بھر میں ایک منظم سازش کے طور پر چل رہی ہے، ڈنمارک سے فرانس تک اور یورپ سے امریکہ تک خاکوں اور کارٹونوں کی شکل میں آپؐ کی توہین کے لیے اخبارات و جرائد اور دیگر ذرائع ابلاغ وقف ہو کر رہ گئے ہیں۔فرانس کے ایک جریدے ''Charlie Hebdo''(چارلی ہیبڈو) کی طرف سے توہین رسالت پر مبنی خاکے چھاپنے پر چند مسلمانوں نے اس دریدہ دہن جریدے کے سٹاف پر حملہ کیا،تو اس کے ردعمل میں پیرس میں قومی سطح پر گستاخ جریدے کی حمایت اور اس سے اظہار یک جہتی کے طور پر ملین مارچ کیا گیا۔اس میں چالیس ممالک کے حکمرانوں نے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر اعلان کیا ''ہم سب چارلی ہیبڈو ہیں''...یعنی ہم سب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین پر ہم سب کا اتفاق ہے،ان حکمرانوں میں متعدد اسلامی ممالک کے نام نہاد مسلمان لیڈر بھی شامل تھے۔کفر کے یوں متحد و متفق ہونے پر اور مسلم امت کے فکری اور عملی انتشار پر آپ کیا کہیں گی؟

☆☆ نعوذ باللہ،اس کی وجہ مسلمانوں کی کمزوری ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کا مفہوم کچھ اس طرح ہے:''حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،قریب ہے قومیں تم پر (دوسری اقوام کو) یوں دعوت دیں جیسے کہ دستر خان پر کھانے کی دعوت دی جاتی ہے، پوچھنے والے نے پوچھا ،کیا قلت تعداد اس کی وجہ ہوگی؟فرمایا: بلکہ تم اس وقت تعداد میں بہت زیادہ ہو گے،لیکن تم سیلاب پر

جھاگ کی طرح بے حقیقت ہو کر رہ جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں وہن ڈال دے گا۔ پوچھنے والے نے پوچھا، یارسول اللہؐ یہ وہن کیا ہے؟ فرمایا: ''دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔''

پوری دنیا نے جب دیکھ لیا کہ مسلمانوں کے اندر اپنے دین کی غیرت باقی نہیں رہی، تو امت کے خلاف سازشیں شروع کر دی گئیں۔ پاکستان میں انڈین فلموں اور مغربی تہذیب کو رائج کیا گیا، شکوک وشبہات پیدا کیے گئے، تعلیمی نصاب میں ایسی چیزیں شامل کی گئیں جس سے مسلمان مرتد بھی نہ ہوں لیکن مسلمان بھی نہ رہیں۔ پہلے ان کو عیش وآرام، کھانے پینے اور فضول مشاغل میں لگا دیا گیا، اس کے بعد ان کے ایمان کا جائزہ لینے کے لیے ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی جا رہی ہے۔ یہ آج کی بات نہیں، اس سے پہلے کے ہر دور میں ایسی سازشیں کی جاتی رہی ہیں۔ جب آپؐ کے دور میں ابی بن خلف کے اکسانے پر عقبہ بن معیط نے آپؐ کی شان میں گستاخی کی۔ نضر بن حارث، ولید بن مغیرہ اور کعب بن اشرف وغیرہ نے جو کیا یہ سب ایک سازش تھی۔ ابورافع یہودی بڑا مشہور سازشی تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جنگ بدر اور جنگ احد میں اس نے بہت آگ بھڑکائی تھی، یہ سب گستاخ رسول بھی تھے۔ چارلی ہیبڈو نے جو کچھ کیا، یا جو ڈنمارک، جرمنی اور فرانس وغیرہ میں تسلسل سے ہو رہا ہے یہ سب کچھ بھی ایک منظم سازش ہے۔ یہ ہماری ملی حمیت کا ٹیسٹ ہے، یہ وہی بات ہے کہ منہ کے آگے آئینہ رکھ کر دیکھو کہ ابھی سانس باقی ہے یا جان نکل گئی ہے۔ ایمان کی رمق بھی باقی ہو تو حضورؐ کی توہین پر خاموش بیٹھا نہیں جا سکتا۔ یہ لوگ جو اس عالم گیر جرم پر خاموش اور مطمئن بیٹھے ہیں، بلکہ جو ہمیں بھی کہتے ہیں کہ صبر کریں، برداشت اور تحمل سے کام لیں، وہ اپنے ایمان کی خیر منائیں۔ اس لیے کہ جو قومیں اپنی بنیادیں چھوڑ دیتی ہیں، وہ ہلکی ہو جاتی ہیں، ان کے ساتھ وہی ہوتا ہے جو ہمارے ساتھ ہو رہا ہے۔ یہ سب کچھ وہ رائے کی آزادی کے نام پر کرتے ہیں، اگر آزادی رائے کی بات کرتے ہیں تو دوسروں کو ہولوکاسٹ کے خلاف بات کرنے کی آزادی کیوں نہیں دیتے، کسی کو سچ بولنے کی اجازت کیوں نہیں۔ ہولوکاسٹ کا یہودی نظریہ صہیونی یہودیوں کے اس بالکل جھوٹے دعوے پر مبنی ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران ساٹھ لاکھ یہودیوں کو ہٹلر نے گیس چیمبرز میں ڈال کر ہلاک کر دیا تھا۔ ہولوکاسٹ (یہودیوں کے قتل کے اعداد وشمار) محققین کے نزدیک جعلی وفراڈ ہے، ان کے مطابق مرنے والوں کی تعداد چند ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ لیکن جنھوں نے زبان یا قلم سے نکالا کہ مرنے والوں کی تعداد زیادہ نہیں، بعض نے صرف اس طرف اشارہ ہی کیا تھا، ان سب کو نفرت پھیلانے کے جرم میں سزائیں بھگتنا پڑیں۔ جس نے کہا ہولوکاسٹ جھوٹ ہے، اسے ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑا، ان لوگوں کو عدالتوں میں گھسیٹا گیا، ان کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ اسرائیل کی پارلیمنٹ نے حکومت کو یہ اختیار دے دیا ہے کہ دنیا میں کسی بھی جگہ کوئی شخص اگر مقتول یہودیوں کی تعداد ۶۰ لاکھ سے کم بتانے کی کوشش کرے، اس پر مقدمہ چلا کر جیل بھجوا سکتی ہے۔ یورپ کے ۳۴ ممالک میں ہولوکاسٹ کی توہین قابل تعزیر جرم ہے۔ جرمنی میں یہودی صرف ایک لاکھ انیس ہزار ہیں جبکہ مسلمانوں کی تعداد پچاس لاکھ ہے، مگر جرمنی میں ہولوکاسٹ کی نفی کرنا جرم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی عام اجازت ہے۔

☆ آپ نے تحفظ ناموس رسالت کے قانون ۲۹۵۔سی کے بارے میں بتایا کہ جناب اسماعیل قریشی صاحب اور جماعت اسلامی کی رکن پارلیمنٹ محترمہ آپا نثار فاطمہ نے اسے بنانے اور پاس کرانے میں اہم کردار انجام دیا تھا، اب اس قانون کو ختم کرانے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ گورنر تاثیر کی ہلاکت کا اہم سبب بھی اس قانون کو کالا قانون کہنا تھا۔ آپ اس قانون کے باقی رہنے کو کتنا اہم سمجھتی ہیں؟

☆☆ پوری دنیا میں یہ مسلمہ اصول ہے کہ کسی بھی نبی کی یا مذہب کی توہین نہیں کی جاسکتی، پاکستان کے آئین میں بھی شق ۲۹۵ بی موجود ہے جس میں قرآن پاک کی توہین کی سزا عمر قید ہے اور ۲۹۵ سی ہے جس کی سزا حضور اقدس علیہ السلام کی توہین پر سزائے موت رکھی گئی ہے۔ اب ۲۹۵ سی کے خلاف دلائل دیے جا رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معاف تو فرما دیا کرتے تھے، لیکن ایسا نہیں، متعدد واقعات ایسے ہوئے ہیں کہ آپؐ نے گستاخی کرنے والوں پر سزا کا قانون خود نافذ فرمایا۔ ہم عقبہ بن معیط کا واقعہ دیکھتے ہیں، اس نے جب آپؐ کی شان میں گستاخی کی، تو آپؐ نے اس سے کہا تھا، اگر تو مجھے مکہ کے باہر ملا تو میں تجھے قتل کر دوں گا؛ چنانچہ اس کو گرفتار کر کے قتل کیا گیا۔ کعب بن اشرف کے بارے میں فرمایا کہ کعب بن اشرف نے اللہ اور رسول ﷺ کو اذیت دی ہے، کون کعب بن اشرف کے پیچھے جائے گا؟ مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ فَإِنَّهُ قَدْ آذَى اللّٰهَ وَرَسُولَهُ، یعنی کون ہے جو مجھے اس اذیت سے نجات دلائے۔ محمد بن مسلمہ نے اپنے آپ کو پیش کیا اور اس موذی کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ آپؐ نے اس پر فرمایا! ''افلحت الوجوہ'' ''وہ چہرے کامیاب ہوئے جنھوں نے یہ کام کیا۔ رہا معاف کرنے کا معاملہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم کے مطابق معاف بھی کیا اور سزا بھی دی، لیکن اب تو وحی کے ذریعے رہنمائی کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے موقوف ہو چکا ہے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وناموس کی حفاظت دراصل منصب رسالت کی حفاظت ہے، اس منصب کی توہین پر سزائے موت اللہ کے حکم سے ہے۔ کسی مسلم معاشرے میں اس سزا کا لاگو نہ ہونا معاشرے میں فساد کا باعث بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شاتم رسول کو خود بھی سزا دی ہے۔ آپؐ کے دور میں غالباً نضر بن حارث تھا جس نے آپ کی توہین کی، یہ بات کرتا تھا تو اس کے منہ سے غلاظت ٹپکتی تھی۔ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کر دیا سوائے اس سیاہ بخت کے، اسے رسول اللہ کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

پاکستان میں پہلی مرتبہ اس معاملے پر اسماعیل قریشی صاحب نے فیڈرل شریعت کورٹ میں آواز اٹھائی، اس پر تمام ایڈووکیٹ جنرلز، علمائے کرام اور حکومتی عہدداروں میں سے کسی کو برملا اختلاف کی جرات نہیں ہوئی۔ جسٹس اجمل میاں، جسٹس خلیل الرحمان رمدے، جسٹس فدا محمد خان، مولانا متین ہاشمی، عبدالکریم کنڈی، جسٹس گل محمد خان اور سینیٹر عبدالرزاق یہ سب ان بڑی شخصیات کے نام ہیں جنھوں نے اتفاق رائے سے اس معاملے کو اٹھایا۔ اسی عرصے میں ایک خاتون نے یمی نار سے خطاب کرتے ہوئے آپؐ کی شان میں نازیبا الفاظ کہے، تو آپا نثار فاطمہ نے اسمبلی میں اس کے خلاف آواز اٹھائی۔ انہوں نے اسماعیل قریشی صاحب کی معاونت سے اسمبلی میں بل پیش کیا جس میں شاتم رسول کے لیے سزائے موت بطور حد کا مطالبہ کیا گیا۔ اس میں رکاوٹیں ڈالی گئیں، مگر بالآخر ۱۹۹۱ء میں نواز شریف کے دور حکومت میں یہ بل منظور ہو کر پاکستان کے قانون کا حصہ بن گیا۔ انگریز دور کا ایک واقعہ ہے۔ جس میں کسی انگریز میجر کی بیوی نے آپؐ کی شان میں گستاخی کی اور ماری گئی۔ سر محمد شفیع اس مقدمے میں انگریز جج کے سامنے رو پڑے، جج نے ان سے پوچھا کہ آپ تو بڑے ٹھنڈے دل ودماغ کے آدمی ہیں آپ کیوں جذباتی ہو گئے؟ تو کہنے لگے، کسی کے باپ کی شان میں گستاخی ہو تو وہ بھی گستاخ کو نہ چھوڑے اور جس نبی کی امت اتنی کثیر تعداد میں ہو اور محبت کے دعوے دار بھی ہوں، اس کی شان میں گستاخی کی جرات کرنا بہت بڑی بات ہے۔

آج یہ نوبت آگئی ہے کہ امت کے ہوتے ہوئے

نبی کی شان میں گستاخی ہو رہی ہے۔ کیسی بدقسمتی ہے کہ اس قانون کے مطابق اب تک کسی غیر مسلم کو سزا نہیں دی گئی، آسیہ ہی واحد خاتون ہے جس کو سزا سنائی گئی لیکن اس پر بھی عمل درآمد ابھی تک نہیں ہوا۔ اس قانون کے تحت زیادہ گرفتاریاں مسلمانوں کی ہوئی ہیں۔ قانون کا ہونا اس لیے بھی ضروری ہے کہ آپؐ کے ناموس کے بارے میں لوگ جذباتی ہوجاتے ہیں۔ قانون پر عمل کی صورت میں لوگ اس معاملے کو ہاتھ میں نہیں لیتے۔ عدالتیں اس معاملے پر تمام ثبوت وشواہد سامنے رکھ کر فیصلہ کرتی ہیں اور مجرم کو شک کا فائدہ بھی دیا جاتا ہے، اس لیے قانون کا صرف ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ عملاً نافذ ہونا بھی ضروری ہے۔ اس وقت جو لوگ اس قانون سے ڈرتے ہیں کیا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ قتل بہت زیادہ ہو رہے اس لیے دفعہ ۳۰۲ کو ختم کر دیا جائے۔

☆ انگریزی دور میں غازی علم دین شہید اور غازی عبدالقیوم شہید وغیرہ کو سزائے موت دینا تو قابل فہم تھا لیکن موجودہ دور میں ممتاز قادری کو سزائے موت دے کر اس پر فی الفور عمل کرنے کے بارے میں آپ کیا کہیں گی؟

☆☆ بہت غلط ہوا ہے، ساری قوم اس پر شرمندہ ہے اور نہیں معلوم کہ اس فیصلے کا خمیازہ قوم کو کس طرح بھگتنا پڑے گا۔ ریمنڈ ڈیوس کا معاملہ دیکھ لیں، اس کا فیصلہ دنوں میں کر کے اس کو رہا کر دیا گیا۔ اس کا معاملہ دیت کا تو نہیں تھا، وہ تو فساد فی الارض کا مرتکب ہوا تھا۔ حکمران اس کے ذمہ دار ہیں۔ انھیں جلد یا بدیر اس کا حساب ضرور دینا ہوگا۔ جہاں تک غازی علم دین شہید اور غازی عبدالقیوم شہید کی بات ہے تو ان کے خون کی خوشبو رہتی دنیا تک زمین کو مہکائے رکھے گی، ان کو شہید کرنے والے کسی خدا اور رسول کو ماننے والے نہیں تھے۔ یہ کیا منہ لے کر اللہ اور اس کے رسولؐ کے سامنے جائیں گے کہ جب کوئی میری توہین کرتا تھا تو تمہاری غیرت کہاں مر گئی تھی۔ جب بھی پوری دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی گئی، تو ان کی آوازیں بند ہو جاتی ہیں اور جہاں پر گستاخ رسول کو سزا دینے کا وقت آتا ہے تو یہ گنگ ہو جاتے ہیں، یہ اللہ سے نہیں ڈرتے۔ ان کو اپنے اقتدار، دنیا کی لالچ و ہوس نے اندھا کر رکھا ہے۔ انہوں نے خود تو دنیا اور آخرت کی رسوائی مول لے لی ہے، ساتھ میں اپنی قوم کو بھی پوری دنیا کے سامنے رسوا کیا ہے۔

☆☆☆

شانِ رسالت میں گستاخی اور تحفظِ ناموس کی تاریخ

۱۔ گستاخ رسول "ابی بن خلف" خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں جہنم رسید ہوا۔

۲۔ رسول اللہ کے فیصلے سے اختلاف پر منافق بشر کو حضرت عمرؓ نے قتل کیا۔

۳۔ ابوجہل بدر میں دو ننھے مجاہدوں معاذ و معوذ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

۴۔ امیہ بن خلف حضرت بلالؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

۵۔ نضر بن حارث حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

۶۔ عصما (یہودی عورت) نابینا صحابی حضرت عمیرؓ بن عدی کے ہاتھوں قتل ہوئی۔

۷۔ ابوعفک حضرت سالمؓ بن عمر کے ہاتھوں قتل ہوا۔

۸۔ کعب بن اشرف حضرت ابونائلہؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

۹۔ ابورافع حضرت عبداللہؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

۱۰۔ ابوعزہ جمع حضرت عاصمؓ بن ثابت کے ہاتھوں قتل ہوا۔

۱۱۔ حارث بن طلال حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

۱۲۔ عقبہ بن ابی معیط حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

۱۳۔ ابن خطل حضرت ابوبرزہؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔

۱۴۔ حارث نقید حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

۱۵۔ قریبہ (گستاخ باندی) فتح مکہ کے موقع پر قتل ہوئی۔

۱۶۔ ایک گستاخ شخص کو (نام معلوم نہیں) خلیفہ ہادی نے قتل کروادیا۔

۱۷۔ ریجی فالڈ (عیسائی گورنر) سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

۱۸۔ یولوجیس پادری فرزند ابوعبدالرحمٰن اندلس کے ہاتھوں قتل ہوا۔

۱۹۔ راجپال غازی علم دینؒ شہید کے ہاتھوں قتل ہوا۔

۲۰۔ نتھورام غازی عبدالقیومؒ شہید کے ہاتھوں قتل ہوا۔

۲۱۔ ڈاکٹر رام گوپال غازی مرید حسینؒ شہید کے ہاتھوں میں قتل ہوا۔

۲۲۔ چرن داس میاں محمدؒ شہید کے ہاتھوں قتل ہوا۔

۲۳۔ شردھانند غازی قاضی عبدالرشیدؒ کے ہاتھوں میں قتل ہوا۔

۲۴۔ چنچل سنگھ صوفی عبداللہ شہید کے ہاتھوں میں قتل ہوا۔

۲۵۔ میجر ہردیال سنگھ بابو معراج دین شہید کے ہاتھوں میں قتل ہوا۔

۲۶۔ عبدالحق قادیانی حاجی محمد مانک کے ہاتھوں میں قتل ہوا۔

۲۷۔ بھوشن عرف بھوشو بابا عبدالمنان کے ہاتھوں میں قتل ہوا۔

۲۸۔ چوہدری کھیم چند منظور حسین شہید کے ہاتھوں میں قتل ہوا۔

۲۹۔ نیتو مہاراج عبدالخالق قریشی کے ہاتھوں میں ہاتھوں قتل ہوا۔

۳۰۔ لیک ھرام آریہ سماجی کسی نامعلوم مسلمان کے ہاتھوں قتل ہوا۔

۳۱۔ ویربھان بھی کسی نامعلوم مسلمان کے ہاتھوں میں قتل ہوا۔

۳۲۔ دو گستاخ نصرانی سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں مدینہ شریف میں قتل ہوئے۔

۳۳۔ مارچ ۲۰۰۶ میں جرمنی کے شہر برلن میں گستاخانہ خاکے شائع کرنے والے ڈائی ویلٹ اخبار کے چیف ایڈیٹر کو عامر چیمہ شہید نے واصل جہنم کیا۔

۳۴۔ ۴ جنوری ۲۰۱۱ کو سلمان تاثیر گورنر آف پنجاب کو غازی ممتاز قادری نے ۲۷ گولیاں داغ کر ہلاک کیا۔

۳۵۔ فرانس، میں چارلی ہیبڈو کے گستاخانہ خاکے بنانے والوں کو کوشی برادران، ایمیڈی کالی بیلی اور حیات باؤمیڈینی نے جہنم رسید کیا۔

کیا غازی ممتاز قادری شہید کو پھانسی دینا جائز تھا؟

مولانا عبدالمالک نے اس فیصلے کے شرعی، آئینی اور قانونی پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے

ممتاز حسین قادری شہید کی پھانسی کے بعد اس اہم موضوع پر بہت سی بحثیں الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا میں جاری ہیں۔ ہر شخص اپنی اپنی رائے کا اظہار کر رہا ہے۔ ہم اس موضوع پر قرآن وسنت اور مستند اسلامی مآخذ کی روشنی میں چند گزارشات پیش کر رہے ہیں۔ اس وقت یہ بحث عام ہے کہ شاتم رسول کو قتل کرنا جائز ہے یا نہیں۔ یہ بات درست ہے کہ قانون کو ہاتھ میں لینا درست نہیں، مگر جب حکومت اور عدالت قوانین کے ہوتے ہوئے شاتم رسول کو سزا نہ دے اور کوئی فرد ایک شاتم کو از خود قتل کر دے، تو اس کو سزائے موت نہیں دی جا سکتی۔ اس کی کئی مثالیں روایات میں موجود ہیں۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بھی نبی کی گستاخی کی سزا قتل ہے اور جس مسلمان کے سامنے گستاخی ہوئی ہو وہ ایسے شخص کو گستاخی کی سزا دے سکتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بعض گستاخوں کو قتل کرایا ہے۔ بعضوں کو از خود بعض صحابہؓ نے قتل کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سند جواز عطا فرما دی ہے۔

۱۔ **حدثنا جابرؓ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لکعب بن الاشرف فانہ قد اذی اللہ ورسولہ قال محمد بن مسلمۃ انا یا رسول اللہ اتحب ان اقتلہ؟ قال نعم.** (مسلم شریف۔ حدیث ۴۶۴۰، سنن ابی داؤد ۲۴۰۶، بخاری ۴۰۳۷)

محمد بن مسلمہ اور ابو نائلہ اور دوسرے صحابہؓ نے کعب بن اشرف کو قتل کیا اور آپ ؐ کو خبر دی۔

۲۔ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتی تھی، اسے خالد بن ولیدؓ نے قتل کر دیا۔ (سنن بیہقی ج ۸، ص ۲۰۳)

۳۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے ایک یہودیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتی تھی تو ایک مسلمان نے اس کا گلا گھونٹ کر اسے مار دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خون کو باطل قرار دیا یعنی اس کو قابل قصاص قرار نہ دیا۔ (بیہقی ج ۷، ص ۶۰)

۴۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جو کسی نبی کو گالی دے، اس کو قتل کیا جائے اور جو صحابی کو گالی دے اسے کوڑے مارے جائیں۔ (الصارم المسلول ص ۹۲)

۵۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان اللہ اور اس کے رسول کو گالی دے یا نبیوں میں سے کسی نبی کو گالی دے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی اور ایسا کرنا ارتداد ہے۔ اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا، اگر رجوع کر لے تو فبہا، ورنہ قتل کر دیا جائے گا اور اگر کسی معاہد نے ایسا کیا تو اس کا عہد ختم ہو جائے گا، اسے قتل کر دو۔ (زاد المعاد ۵/۶۰)

۶۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے، ایک نابینا مسلمان تھا، اس کی ایک لونڈی تھی، اس سے اس کے دو بیٹے بھی تھے۔ وہ لونڈی اس کے حق میں تو اچھی تھی لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتاً فوقتاً گالیاں دیتی رہتی تھی۔ وہ ہر مرتبہ روکتا لیکن رکتی نہ تھی۔ ایک دفعہ رات کو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی، تو اس نے اس کے پیٹ میں چھرا گھونپ کر قتل کر دیا۔ صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو آپؐ نے پوچھا: کون ہے جس نے رات کو یہ کام کیا ہے؟ تو وہ نابینا آگے آیا اور کہا، یا رسول اللہ! میں نے یہ کام کیا ہے، صورت حال بیان کی تو آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا: "**اشھدوا ان دمھا ھدر**" "تم گواہ رہو، اس لونڈی کا خون رائیگاں ہے۔ (سنن نسائی حدیث ۴۷۹۴)

۷۔ عمیر بن امیہ نے اپنی مشرک بہن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے کے سبب رات کے وقت قتل کیا۔ صبح کے وقت عمیر بن امیہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جا کر خبر دی، تو آپ ﷺ نے فرمایا تو نے اپنی بہن کو قتل کر دیا؟ تو اس نے عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ اور صورت حال واضح فرما دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹوں کو فرمایا کہ اس کا خون رائیگاں ہے۔ (مجمع الزوائد ۶/۲۶۰)

۸۔ عکرمہ ابن عباسؓ کے مولیٰ روایت کرتے ہیں کہ ایک مشرک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی، تو آپؐ نے فرمایا: کون ہے جو میرے دشمن کو ٹھکانے لگائے گا؟ تو حضرت زبیر نے کہا، میں؛ چنانچہ حضرت زبیرؓ نے اسے للکارا اور قتل کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سامان حضرت زبیرؓ کو دے دیا۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۵/۳۰۷)

۹۔ عصماء یہودیہ کا قتل (۲۶ رمضان المبارک ۲ھ) سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱، ص ۶۳۲ میں شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے مستند کتب حدیث و تاریخ کے حوالے سے ایک یہودی عورت کے قتل کا قصہ نقل کیا ہے جسے ان ہی کے الفاظ میں تفصیلاً درج کیا جا رہا ہے۔ جو

درج ذیل ہے:

"عصماء ایک یہودی عورت تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہتی تھی، طرح طرح سے آپؐ کو ایذا پہنچاتی تھی، لوگوں کو آپؐ سے اور اسلام سے برگشتہ کرتی تھی۔ ہنوز آپؐ بدر سے واپس نہ ہوئے تھے کہ پھر اسی قسم کے اشعار کہے۔ عمیر بن عدیؓ کو سنتے ہی جوش آ گیا اور یہ منت مانی کہ اگر اللہ کے فضل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے صحیح سالم واپس آگئے تو اس کو ضرور قتل کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے مظفر و منصور صحیح و سالم تشریف لائے تو عمیر شب کے وقت تلوار لے کر روانہ ہوئے اور اس کے گھر میں داخل ہوئے۔ چونکہ نابینا تھے، اس لیے عصماء کو ہاتھ سے ٹٹولا، بچے جو اس کے اردگرد تھے انہیں ہٹایا اور تلوار کو سینہ پر رکھ کر اس زور سے دبایا کہ پشت سے پار ہو گئی۔ نذر پوری کر کے واپس ہوئے اور صبح کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا فرمائی۔ پھر اس واقعے کی اطلاع دی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھ پر اس بارے میں کچھ مؤاخذہ تو نہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں "لا ینتطح فیھا عنزان" اس بارے میں دو بھیڑیں بھی سر نہ ٹکرائیں گی"، یعنی ایسا فعل ہی نہیں کہ جس میں کوئی کسی قسم کا اختلاف اور نزاع کر سکے۔ انسان تو درکنار بھیڑ اور بکریاں بھی اس سے اپنے سینگ نہ ٹکرائیں گی۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی گستاخی کرنے والے کا قتل کہیں قابل مؤاخذہ ہو سکتا ہے بلکہ اعظم قربات اور افضل عبادات میں سے ہے، جس میں کوئی نزاع ہی نہیں کر سکتا۔ جانور بھی اس کو حق سمجھتے ہیں۔ مصنف حماد بن سلمہ میں ہے کہ یہ عورت ایام ماہواری کے خون آلود کپڑے مسجد میں لا کر ڈالا کرتی تھی۔ الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمیر کے اس فعل سے بے حد مسرور ہوئے اور صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا "ان احببتم ان تنظروا الی رجل نصر اللہ ورسولہ بالغیب فانظروا الی عمیر بن عدی" اگر ایسے شخص کو دیکھنا چاہو جس نے اللہ اور اس کے رسول کی غائبانہ مدد کی تو عمیر بن عدیؓ کو دیکھو۔ اور حضرت عمرؓ نے فرمایا اس اعمیٰ (نابینا) کو دیکھو تو سہی کہ کس طرح چھپ کر اللہ کی اطاعت کے لیے روانہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان کو اعمیٰ (نابینا) نہ کہو، یہ تو بصیر (بینا) ہیں۔ یعنی اگرچہ ظاہراً اعمیٰ (نابینا) ہیں مگر دل کے بصیر اور بینا ہیں۔ رمضان المبارک کی پانچ راتیں رہتی تھیں، جس وقت یہ عورت قتل کی گئی۔ (زرقانی شرح مواہب ج ۱، ص ۴۵۳)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ عمیرؓ بیمار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انطلقوا بنا الی البصیر الذی فی بنی واقف" ہم کو اس بینا کے پاس لے چلو جو بنی واقف میں رہتا ہے۔ اس کی عیادت کریں گے۔ (الصارم المسلول علی شاتم الرسول ج ۱، ص ۹۴ تا ۱۰۳، ابن سعد الطبقات الکبری ج ۲، ص ۲۸، ابن سید الناس، یعون الاثر ج ۲، ص ۲۹۳)

قرآن پاک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا سدباب کرنے کے لیے "راعنا" کہنے کی مخالفت کی گئی اور انظرنا کہنے کا حکم دیا گیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ (البقرۃ: ۱۰۴)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو راعنا نہ کہا کرو، بلکہ انظرنا کہو اور توجہ سے بات کو سنو، یہ کافر تو عذاب الیم کے مستحق ہیں۔"

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راعنا کہتے تھے یعنی ہماری رعایت فرمایئے اور ہماری طرف التفات اور توجہ فرمایئے۔ جب کوئی بات سمجھ نہ آتی تو وہ اس موقعے پر کہتے تھے: راعنا..." ہماری رعایت فرمائیں"۔ یہودی لغت میں یہ لفظ بددعا کے لیے تھا اور اسی کے معنی تھے: "سنو، تمہاری بات نہ سنی جائے۔" انہوں نے اس موقعے کو غنیمت جانا اور کہنے لگے: پہلے تو ہم ان کو تنہائی میں بددعا دیتے تھے اور اب لوگوں میں اور برسر مجلس ان کو بددعا دینے کا موقع ہاتھ آ گیا ہے، تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے راعنا کہتے اور آپس میں ہنستے تھے۔

حضرت سعد بن معاذ کو یہود کی لغت کا پتہ تھا۔ انہوں نے جب ان سے یہ لفظ سنا تو انہوں نے کہا: تم پر اللہ کی لعنت ہو، اگر میں نے تم کو آئندہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ لفظ کہتے ہوئے سنا، تو میں تمہاری گردن اڑا دوں گا۔ یہود نے کہا: کیا تم لوگ یہ لفظ نہیں کہتے؟ اس موقعے پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں سے کہا گیا (جب کوئی بات سمجھ نہ آئے) تو راعنا نہ کہو بلکہ انظرنا کہو (ہم پر نظر رحمت اور مہربانی فرمائیں) تاکہ یہود کو یہ موقع نہ ملے کہ وہ صحیح لفظ کو غلط معنی میں استعمال کریں اور پہلے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو غور سے سن لیا کرو، تاکہ یہ نوبت ہی نہ آئے۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۲، ص ۵۷ طبع ایران)

قرآن کریم میں کفار اور منافقین کی یہ عادت بیان ہوئی ہے کہ وہ اللہ کی آیات اور اس کے رسولوں کا مذاق اڑاتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے شدید عذاب کی وعید کا ذکر ہوا ہے اور مسلمانوں کو اس روش سے منع کیا گیا ہے۔ اس مضمون کی آیات کی تفصیل یہ ہے:

البقرہ آیت ۱۳۱، التوبہ ۶۱، ۶۵، ۶۶، المائدہ ۵۸، الکہف ۵۶، ۱۰۶، الاحزاب ۵۳، ۵۷، ۶۹، الروم، ۸۰، الحجرات ۲، الجاثیہ ۹، ۳۵، الصف ۵۔

منافقین مدینہ اپنی مجالس میں اللہ کے احکام و آیات اور اللہ کے رسول کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور جب ان سے باز پرس ہوتی تو کہہ دیتے کہ ہم خوش طبعی کرتے تھے، گستاخی اور توہین ہمارا مقصد نہیں تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ (کیا تمہاری ہنسی دل لگی اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول ہی کے ساتھ تھی؟) لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ (اب عذرات نہ تراشو، تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے) (احکام القرآن تفسیر سورۃ توبہ آیات ۶۵، ۶۶) اس قسم کے بہانے آج بھی مروج ہیں، جب شعر و ادب کے پردے میں شریعت کے احکام اور اسلام کے عقائد مثلاً جنت، دوزخ اور فرشتوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور کوئی اعتراض کرتا ہے تو جواب یہی ملتا ہے کہ یہ تو صرف ادبی دلچسپی اور خوش طبعی تھی، مذہب کی توہین و تحقیر تو مقصد نہیں تھا۔ امام ابوبکر جصاصؒ نے لکھا ہے: "دل علی ان الاستھزاء بآیات اللہ ورسولہ وبشیء من شرائع دینہ کفر فاعلہ... اور دلیل میں ذیل کی آیت کا حوالہ دیا ہے: "وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ... الجاثیہ آیت ۹)" اور جب وہ ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پاتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے ان ہی لوگوں کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔"

مزید ارشاد ربانی ہے "إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا" (الاحزاب آیت ۵۷) "جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ نے لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب مہیا کر دیا ہے"۔

ان آیات اور اسی مضمون کی دوسری آیات و احادیث کی رو سے اسلامی احکام، اسلامی شعائر اور انبیاء کی توہین و استہزاء پر مشتمل کتاب، مضمون، خبر، کارٹون، ڈرامہ اور کسی قسم کی تحریر کی طباعت و اشاعت کفر و ارتداد ہے۔ توہین رسالت کرنے والا تو بالاجماع مرتد ہے اور اس کی سزا بھی بالاجماع قتل ہے۔ قاضی عیاض نے الشفاء میں اور امام تقی الدین سبکی نے "السیف المسلول علی من سب الرسول" میں ابوبکر بن المنذر سے نقل کیا ہے کہ اس بات پر اہل علم کا اجماع ہے کہ رسول اللہ کو گالی دینے والے کی سزا قتل ہے۔

قرآن پاک کی آیات اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی تاریخ کے فیصلوں کی روشنی ہی میں پاکستان کے آئین اور قانون میں توہین رسالت ناقابل معافی جرم قرار دیا گیا ہے اور اس کی سزا قتل ہے۔ حکومت پاکستان قرآن وسنت اور احکام شرعیہ اور آئین پاکستان اور تعزیرات پاکستان کی رو سے توہین رسالت کے مرتکب کو بطور حد قتل کرنے کی پابند ہے۔ وہ اگر اس کی خلاف ورزی کرتی ہے، کسی کو استثنا دیتی ہے، اس قانون کی توہین کرنے والوں کو رائے کی آزادی کے نام پر آزادی دیتی ہے تو وہ شریعت اور قانون کی رو سے مجرم بنتی ہے۔ قرآن کریم اور احادیث کی رو سے اسلامی حکومت کا منشور اور دستور العمل معروفات کو قائم کرنا اور منکرات کو مٹانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ۔ (الحج آیت:۴۱)

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار دے دیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے اور اللہ ہی کے اختیار میں ہے، آخری فیصلہ تمام کاموں کا۔"

اس آیت میں بغیر کسی ابہام کے اسلامی حکومت کا یہ فرض منصبی قرار دیا گیا ہے کہ وہ بھلائیوں کو فروغ دے گی اور برائیوں کو مٹائے گی۔ لہٰذا یہ ریڈیو، ٹی وی، اخبارات اور میڈیا کے ذریعے برائیوں کو فروغ دینا اسلامی احکام کا مذاق اڑانا اور توہین رسالتؐ کے قانون کی توہین وتحقیر کرنا قابل تعزیر جرم ہے۔ میڈیا کو اس کام کی آزادی نہیں دی جاسکتی۔ اگر حکومت میڈیا کو نہیں روکے گی، میڈیا والے خود نہیں رکیں گے تو مسلمان کب تک اس جرم کو اور اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کی حرمت کو پامال ہوتا ہوا دیکھتے رہیں گے اور برداشت کریں گے۔ تمام دینی و مذہبی جماعتوں کے قائدین اور منبر ومحراب کے وارثوں میں سے کسی نے بھی لوگوں کو میڈیا اور صحافیوں پر حملے پر نہیں اکسایا بلکہ میڈیا نے خود لوگوں کو مشتعل کر کے اپنے اوپر حملے کی دعوت دی ہے۔

اگر کوئی کسی کے ماں باپ کو گالی دے گا تو اولاد برداشت نہیں کرے گی اور جو کارروائی اس سے ممکن ہوگی کرے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تو ہمیں ہمارے ماں باپ اور پوری کائنات سے زیادہ عزیز ہے۔ آپ ﷺ کو گالی دینے والا یہ کیسے تصور کرسکتا ہے کہ اسے مسلمان کچھ بھی نہ کہیں اور اس کے خلاف کارروائی کرنے کے بجائے اس حکومت اور عدالت کا انتظار کریں جس نے کچھ بھی نہیں کرنا ہے۔ اگر حکومت اپنا فرض ادا کرے تو یقیناً کوئی فرد قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لے گا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ گورنر جو دستور و قانون کا پابند و وفادار اور اپنے حلف کے مطابق اس کا محافظ ہے، وہ خود اس کی دھجیاں سرعام بکھیرے تو کوئی کس سے دادرسی چاہے۔ آپ اس کے خلاف ایف آئی آر بھی درج نہیں کرا سکتے۔ توہین رسالت کے مرتکبین بڑی تعداد میں جیلوں میں بند ہیں، ان کے خلاف پھانسی کی سزاؤں کا فیصلہ بھی ہو چکا ہے، لیکن عمل درآمد کسی ایک پر بھی نہیں ہوا، بلکہ بعض کو فیصلے کے بعد خفیہ طریقے سے حکومتی اختیارات استعمال کر کے مغربی ممالک میں بھیج دیا گیا تاکہ توہین رسالت کے جرم کا مذاق اڑائیں اور وہاں پہنچ کر اس قانون کی توہین وتحقیر اور تضحیک کریں۔

ممتاز قادری شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جب دیکھا کہ گورنر سلمان تاثیر عہدے کے سہارے کھلم کھلا دفعہ ۲۹۵ سی کو کالا قانون کہہ رہا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے کوئی خوف نہیں، میں اس قانون کی مذمت کرتا رہوں گا اور اس نے یقین کرلیا جو حقیقت کے عین مطابق تھا کہ اس کے خلاف کوئی بھی ایکشن نہیں لیا جا رہا، بلکہ اسے اس عہدے نے قانوناً تحفظ دیا ہوا ہے، تو پھر اس نے خود اس سے سوال کیا کہ "سر! آپ اس قانون کو "کالا قانون" کہتے ہیں؟" تو جواب میں گورنر موصوف نے کہا "ہاں، بالکل کہتا ہوں"۔ اس نے اس کے بعد مجبوراً یہ انتہائی قدم اٹھایا۔

ممتاز قادری کی سزا

ممتاز حسین قادری شہید اس پر کسی سزا کا مستحق نہیں تھا، کیونکہ ملک کے ہر خاص و عام مسلمان کے نزدیک سلمان تاثیر توہین رسالت کا مرتکب تھا اور واجب القتل تھا۔ ایسے واجب القتل کو اگر کوئی مسلمان قتل کر دیتا ہے تو وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں از خود نہیں لیتا، بلکہ حکومت اسے قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے پر مجبور کرتی ہے اور عدالتیں بھی اپنا فرض ادا نہیں کرتیں۔ سابق جسٹس ریٹائرڈ محمد شریف صاحب اور سابق جسٹس نذیر احمد غازی صاحب نے عدالت کے سامنے یہ نکتہ اٹھایا، لیکن عدالت اس نکتے کو زیر بحث لائی ہی نہیں۔ پھر دونوں نے علماء کی نمائندگی کرتے ہوئے تحریری اور زبانی صدر ممنون حسین سے کہا کہ عدالت کو یہ فیصلہ واپس بھیجا جائے تاکہ وہ اس نکتے کی بھی سماعت کرے کیونکہ اس نکتے کی رو سے جناب ممتاز حسین قادری نے از خود قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لیا، بلکہ سلمان تاثیر اور حکومت نے انہیں اسی اقدام پر مجبور کیا ہے اور ایسے مجبور شخص کا حکم وہ نہیں ہوتا جو عام حالات میں جرم کے مرتکب کا ہوتا ہے۔ لیکن حکومت نے اس درخواست کو پذیرائی نہیں بخشی، ظاہر ہے اس کا اصل ذمہ دار وزیر اعظم ہے کیونکہ صدر نے تو وزیر اعظم کی ایڈوائس پر دستخط کرنے ہوتے ہیں۔ اس لیے میاں نواز شریف اس قتل کے ذمہ دار ہیں اور ان ہی کو دنیا و آخرت دونوں میں اس کا جواب دینا پڑے گا۔

علماء شروع دن سے اس مسئلہ سے متعلق وضاحت کرتے رہے ہیں۔ اجتماعات کے ذریعے، علماء کنونشنز کے ذریعے اور حکومتی حلقوں سے ملاقاتوں کے ذریعے مسئلے کی نزاکت اور اہمیت محسوس کراتے رہے ہیں۔ متجدد دین اور لادین دانش ور دینی جماعتوں اور علماء کو مورد الزام ٹھہرانے کی بجائے حکومت، عدالت اور میڈیا پر غم وغصہ نکالیں تو یہ زیادہ موزوں ہوگا۔ اور جہاں تک شرعی حکم کا تعلق ہے تو اس کا بھی تقاضا یہی ہے آپ کو ان آیات واحادیث اور فیصلوں کا جواب بھی دینا ہوگا، جن کے حوالے اختصار سے دیے گئے ہیں اور یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہ قانون کسی شخص کا وضع کردہ نہیں، بلکہ سپریم کورٹ آف پاکستان کا فیصلہ ہے۔ عدالت کے فیصلے کی رو سے پارلیمنٹ نے یہ قانون منظور کیا ہے۔ لہٰذا یہ ہمارے ملک کا قانون ہے جس کا حکومت اور عدلیہ نے حلف اٹھایا ہوا ہے۔ یہ تمام ادارے اس آئین اور قانون کے پابند ہیں اور اس کی خلاف ورزی پر جواب دہ ہیں۔ یہ بات بھی زیر بحث لائی جارہی ہے کہ ایک جج، شوکت صدیقی صاحب، جماعت اسلامی میں رہے اور وہ جناب نعیم صدیقی صاحب کے نواسے ہیں تو اس میں جماعت اسلامی کا کوئی قصور نہیں۔ اگر ایک آدمی راہ راست سے ہٹ جائے، حدیث رسول کا احترام نہ کرے اور عدالتی فیصلے میں جمہوریت اور بنیادی حقوق کو آئین کا ستون قرار دے کر ایسا فیصلہ دے تو اسی کو کہتے ہیں کہ چور دروازے سے آئین پاکستان میں ایک طرح سے ترمیم کی گئی ہے۔ پارلیمنٹ تو اس کے نزدیک پاکستان کی حکومت کا بنیادی ستون ہو لیکن اسلام جس کے لیے پاکستان بنایا گیا، وہ بنیادی ستون نہ رہے۔ آئین پاکستان میں ترمیم کرنے کا اختیار عدلیہ کے ان ججوں کو کس نے دیا ہے؟ عدلیہ کو اس کا جواب دینا ہوگا۔ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ زبردستی اور طاقت کے ذریعے اسلام کو نافذ کرنے کا نظریہ درست نہیں، بلکہ اسلامی حکومت قائم کرکے یہ خدمت سرانجام دینا ضروری ہے۔ اسی لیے دعوت وتبلیغ اور رائے عامہ کو ہم نوا بنا کر اس مقصد تک پہنچنا مسلسل جدوجہد کا حصہ ہے۔

☆☆☆

آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰؐ است

قرآن وحدیث کے تحت شاتمِ رسولؐ کی سزا

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے فضائل ومحاسن اور مناقب عالیہ سے سرفراز فرمایا ہے اور آپؐ کے مرتبہ جلیلہ کو اتنا بڑھایا ہے کہ قلم وزبان اُن کو حیطۂ تحریر میں لانے سے قاصر ہیں۔ اِن اوصاف میں سے بعض وہ ہیں جن کی تصریح اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید فرقانِ حمید میں فرمادی اور ان کو بیان کرکے آپؐ کے مراتب عالیہ سے لوگوں کو آگاہ کردیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وآداب کو ماڈل کے طور پر پیش کرکے لوگوں کو اس نمونے پر چلنے کی تعلیم دی۔ اللہ نے آپؐ پر بے حدوحساب فضل وکرم فرمایا، خود آپؐ کی تعریف کی، آپؐ کی امت کو آپؐ پر درود وسلام بھیجنے کا حکم دیا اور بتایا کہ اللہ اور اس کے فرشتے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ قرآن پاک میں بیان کی گئی صفات کریمہ و جلیلہ میں سے بعض وہ ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مخلوق میں جاہ و جلال عطا فرمایا اور آپؐ کو محاسنِ جمیلہ، اخلاق حمیدہ اور مناصب کریمہ سے ممتاز فرمایا اور بینات، معجزات اور براہین سے آپؐ کی تائید کی جن کو معاصرین وزائرین نے دیکھا اور متاخرین تک اُن کا علم بالثبوت پہنچا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔ مَنْ یُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (جس نے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی بے شک اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔ (النساء۸۰) اللہ تعالیٰ نے اپنے دونام 'رؤف' اور 'رحیم' خاص طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت فرمائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ مسعود کو تمام عالمین کے لیے ذریعہ رحمت قرار دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام خصائل و

پروفیسر دل نواز عارف

صفات مخلوق کے لیے رحمت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْن

(الانبیاء۱۰۷)

(اے محمد) ہم نے جو تم کو بھیجا ہے تو یہ دراصل دنیا والوں کے حق میں ہماری رحمت ہے۔

> میں ایک رات مناجات میں بارگاہ الٰہی میں زاروقطار رویا اور سوال کیا، مسلمان اتنے زارونزار اور عاجز وخوار کیوں ہیں...؟ جواب آیا کہ یہ قوم دل تو رکھتی ہے مگر دل بر نہیں رکھتی؛ یعنی ان لوگوں کے پاس دل تو ہے مگر اس دل میں بسنے والا کوئی محبوب نہیں۔ اس امت کے محبوب حضور رسالت پناہ علیہ السلام کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری انسانیت کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ آپ کی ذات ساری انسانیت کے لیے یوں ہے، جیسے کسی تپتے ہوئے صحرا میں ایک ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ، جس سے ہر کوئی اپنی پیاس کے مطابق سیراب ہوسکتا ہے اور اپنے ظاہر وباطن کو ہر قسم کی آلائشوں سے پاک کرسکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کو ایک ایسے دین کی صورت میں پیش کیا، جس کے دائرۂ رحمت میں پوری کائنات سمٹی ہوئی ہے۔ رحمت کا ایک مظہر یہ ہے کہ جیسے ایک بچہ دم توڑ رہا ہے، ماں رو رہی ہے، اچانک ایک طبیب حاذق پہنچتا ہے اور دوا کا ایک قطرہ بچے حلق میں ٹپکاتا ہے، وہ آنکھیں کھول دیتا ہے۔ مگر رحمت اللعالمین وہ ہیں کہ جو پوری انسانیت کو ہلاکت سے بچالیں، فرق اتنا ہی نہیں، ایک عارضی ہلاکت ہے اور دوسری ابدی ہلاکت۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کے ذریعے جس رحمت کا معاملہ فرمایا، اسے دوسری رحمتوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ حضور سے پہلے پوری نوع انسانی خودکشی پر آمادہ و کمربستہ تھی، قرآن میں اس منظر کو یوں بیان کیا گیا ہے:

وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْهَا.... آل عمران: ۱۰۳)

''اور خدا کی مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک

دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے، تو خدا نے تم کو اس سے بچالیا۔"

حضرت فقیہہ ابواللیث سمرقندی کہتے ہیں کہ رحمۃ اللعالمین سے جن و انس پر رحمت کرنا مراد ہے۔ ایک روایت میں اس سے تمام کائنات ومخلوقات پر رحمت فرمانا مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتے ہیں: وَ رَفَعنَا لَکَ ذِکرَک (اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا۔) قرآن پاک کی مختلف آیات سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کا حصہ بنادیا: قُل اِن کُنتُم تُحِبُّونَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُونِی یُحبِبکُمُ اللّٰہُ وَیَغفِر لَکُم ذُنُوبَکُم

(اے نبی! لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں کو درگزر فرمائے گا... آل عمران: ۳۱) اس آیت میں تمام انسانوں کے لیے اللہ نے اپنی محبت کا چینل بتادیا ہے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنا ہوگا، بصورت دیگر یہ محبت کارگر ثابت نہیں ہوگی، بلکہ منہ پر ماری جائے گی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بائی پاس کر کے اللہ اور اس کی محبت کا حصول ممکن ہی نہیں۔ ہاں اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو، اللہ خود تم سے محبت کرنے لگے گا۔ شاعر قرآن حضرت علامہ اقبال نے اس آیت قرآنی کے خلاصے کو اُردو اور فارسی میں شاعری میں شعری قالب میں ڈھالا ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

یہ جواب شکوہ کا آخری شعر ہے، جس میں علامہ اقبال کی زبان حق ترجمان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتی ہے، اے مسلمانو! اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وفا (یعنی اُن کی اتباع) کرو، تو اللہ تمہارا ہو جائے گا، پھر یہ عالم رنگ و بو تو کیا لوح و قلم سب تمہارے ہو جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو دل میں نہ بسانے کا یہ نتیجہ ہے کہ یہ امت اپنی قوت وشکوہ سے محروم ہو گئی ہے۔ اقبال ملت کے تمام مسائل کا حل رسول اللہ کی محبت کو عام کرنے میں بتاتے ہیں، ان کے خیال میں امت کی زبوں حالی اور کمزوری کا سبب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت میں کمی ہے:

شب پیش خدا بگریستم زار

اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت وتکلیف پہنچانا
حرام قرار دیا ہے اور
امت کا اس پر اجماع ہے کہ مسلمانوں میں
بھی جو شخص بھی آپ کی تنقیص شان کرے
یا آپؐ پر سب وشتم کرے،
وہ مرتد اور ملعون ہے۔

مسلماناں چرا زارند و خوارند
ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم
دلے دارند و محبوبے نہ دارند

میں ایک رات مناجات میں بارگاہ الٰہی میں زار و قطار رویا اور سوال کیا، مسلمان اتنے زار و نزار اور عاجز و خوار کیوں ہیں...؟ جواب آیا کہ یہ قوم دل تو رکھتی ہے مگر دل بر نہیں رکھتی؛ یعنی ان لوگوں کے پاس دل تو ہے مگر اس دل میں بسنے والا کوئی محبوب نہیں۔ اس امت کے محبوب حضور رسالت پناہ علیہ السلام کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا:

بہ مصطفیٰ برساں خویش را، کہ دیں ہمہ اوستؐ
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

یعنی کسی طرح محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی حاصل کرو کہ دین سارے کا سارا وہی ہیں ہے۔ اگر ان تک نہ پہنچ سکے تو باقی سب بولہبی ہے۔ آپ کی پوری زندگی پورا اسلام ہے۔ قرآن نظریہ ہے اور آپ کی زندگی اُس کا عملی نمونہ ہے، ایک صحابی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے سیدہ عائشہ صدیقہ نے کہا تھا "کان خلقه القرآن" ان کا اخلاق سراپا قرآن تھا۔ رسول اللہ کو بائی پاس کر کے ہم اللہ کا ادراک بھی نہیں کر سکتے اُسے پانا تو در کنار۔

پھر یہ بھی دیکھیں کوئی مسلمان ہو نہیں سکتا جب تک لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کا اقرار نہ کرے۔ اذان ادھوری رہے گی جب تک ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہو۔

حضرت قتادہؓ کا کہنا ہے: رفع الله ذكره في الدنيا والآخرة فليس خطيب ولا متشهد ولا صاحب صلاة إلا ينادي بها أشهد ألا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله

"حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ نے حضورؐ کے ذکر کو دنیا وآخرت میں اتنا بلند کیا کہ کوئی خطیب یا کلمہ شہادت کہنے والا یا نماز پڑھنے والا ایسا نہیں جو اَشهد اَن لا اِله اِلّا الله وَ اَشهد اَنّ محمد رسول الله نہ کہے۔ اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو اہل ایمان کے لیے واجب کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ اور اس کے فرشتے رسولؐ پر درود بھیجتے ہیں۔

(اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا...الاحزاب ۵۶)

(اللہ اور اس کے ملائکہ نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود وسلام بھیجو) اس سے بڑھ کر اور رفعت کیا ہو سکتی ہے کہ خود مالک ارض وسما حضور ختم المرسلین ﷺ پر درود بھیجے (رحمتیں نچھاور کرے) اور اپنے بندوں کو بھی اپنے رسولؐ کے حق میں درود وسلام بھیجنے کا حکم فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی کے وجود کو اہل ایمان کے لیے احسان عظیم قرار دیا۔

(لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ .

(درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود ان ہی میں سے ایک پیغمبر اٹھایا... آل عمران: ۱۶۴)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپؐ کو شافع محشر بنا کر اولین وآخرین میں آپؐ کو تکریم بخشی۔ اللہ نے اپنی مخلوق میں جو مقام و مرتبہ آپؐ کو بخشا وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آیا۔ خیر البشر کا افضل ترین اور اکمل ترین منصب آپؐ ہی کے لائق ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے: "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

شاتم رسولؐ کی سزا

اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت وتکلیف پہنچانا حرام قرار دیا ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ مسلمانوں میں بھی جو شخص بھی آپؐ کی تنقیص شان کرے یا آپؐ پر سب وشتم کرے، وہ مرتد اور ملعون ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ...

(بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل کیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے لوگ ذلیل کیے گئے تھے...) اسی طرح فرمایا گیا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ

اللّٰہ فِی الدُّنیاَ وَالاٰخرِۃِ وَاَعَدَّلَھُم عَذَاباً مُّھِیناً . .الاحزاب ۵۷

(بے شک جو اللہ اور اُس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اُن پر اللہ کی لعنت ہے۔ دنیا و آخرت میں اللہ نے اُن کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔)

صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریمؐ نے کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم فرمایا اور اُس کی نسبت آپؐ نے فرمایا: وہ اللہ عزوجل اور اُس کے رسول کو ایذا دیتا ہے۔ (کتاب البخاری جلد ۵، ص ۸۶) اس سے ثابت ہوا کہ اُس بدنصیب کا قتل شرک کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ اللہ کے رسولؐ کو اذیت دینے کی بنا پر تھا۔ یہی سبب ابورافع کے قتل کا تھا۔ براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ رسول اللہؐ کو ایذا دیتا تھا اور دشمنوں کو آپؐ کے خلاف اُبھارتا تھا۔ اسی طرح آپؐ نے فتح مکہ کے روز ابن خطل اور اُس کی دو باندیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، جو آپؐ کو گانے میں گالیاں دیا کرتی تھیں۔ (صحیح بخاری جلد ۳ ص ۱۱۵، صحیح مسلم ،کتاب الحج جلد ۲، ص ۹)۔ ابتدائے اسلام میں جب تالیف قلوب کی ابتدا ہو رہی تھی، تزکیہ کا عمل جاری تھا، اس وقت آپؐ نے تنقیص کرنے والوں اور ستانے والوں کو سزائیں نہیں دیں، لیکن جب اسلام مستحکم ہو گیا اور اللہ نے اُسے تمام دینوں پر غالب کر دیا، تب آپؐ نے اللہ کے حکم کے مطابق گستاخوں اور شاتمین کو عبرت ناک سزائیں دیں۔

صرف رسول ﷺ کی توہین کی سزا موت

حضرت ابوبرزہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، آپؓ کسی شخص سے ناراض ہوئے تو وہ بھی جواباً بدکلامی کرنے لگا۔ میں نے عرض کیا ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ! مجھے اجازت دیں، میں اس کی گردن اڑا دوں۔''

میرے ان الفاظ کو سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سارا غصہ ختم ہو گیا۔ آپؓ وہاں سے کھڑے ہوئے اور گھر چلے گئے۔ گھر جا کر مجھے بلوایا اور فرمانے لگے ''ابھی تھوڑی دیر پہلے تم نے مجھے کیا کہا تھا؟'' میں نے کہا کہ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اس گستاخ کی گردن اڑا دوں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے، اگر میں تم کو حکم دے دیتا، تو تم یہ کام کرتے؟ میں نے عرض کیا، اگر آپ حکم فرماتے تو میں ضرور اس کی گردن اڑا دیتا۔ آپؓ نے فرمایا، نہیں، اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ کسی کے لیے نہیں کہ اس سے بدکلامی کرنے والے کی گردن اڑائی جائے یعنی صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والے کی ہی گردن اڑائی جائے گی۔

والی کوفہ نے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ سے اُس شخص کے بارے میں رائے مانگی تھی، جس نے سیدنا عمر فاروقؓ کو گالی دی تھی، تو حضرت عمرؒ ثانی نے اُس کے جواب میں لکھا ''لوگوں میں سے کسی کو گالی دینے کے سبب کسی مردِ مسلم کا قتل حلال نہیں، بجز اُس شخص کے، جو رسول اللہؐ کو گالی دے....''

بات دراصل یہ ہے کہ مسلمان خواہ مومن صادق ہو یا گنہگار فاسق، وہ سب کچھ برداشت کر سکتا ہے، مگر آپ کی شان میں ذرہ برابر گستاخی برداشت نہیں کر سکتا۔ خواہ اُسے اِس کے لیے جان ہی کی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔ بلکہ وہ ہر زماں اس تلاش میں رہتا ہے کہ کوئی ایسا موقع آئے کہ متاعِ جاں آپ کی ذات والا صفات پر نچھاور کر دی جائے۔ یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔ اِس دنیا میں بھی اور عالم آخرت میں بھی۔ اس کی تازہ ترین سعادت غازی ممتاز حسین قادریؒ کے حصے میں آئی ہے۔ عالمِ آخرت میں اُنہیں کیا مقام ملے گا، اللہ کے علم میں ہے مگر اس عالم فانی میں اُنہوں نے لافانی عزت و مرتبہ حاصل کر لیا ہے اور اُن کا نام قیامت تک زندہ رہے گا۔ ہر مسلمان اُن کا نام اب عزت و احترام سے لینے لگا ہے۔ اُس کی نماز جنازہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ملکی تاریخ کا عظیم ترین اجتماع تھا۔

غازی ممتاز حسین قادری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا حق ادا کر دیا۔ اپنی جان دے کر اس عظیم انسان نے پوری دنیا کو اپنی دینی غیرت سے یہ پیغام دیا کہ جان تو قربان کی جا سکتی ہے مگر حضور رسالت مآبؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کسی مسلمان کے لیے قابل برداشت نہیں خواہ یہ جسارت ریاست کا بڑے سے بڑا عہدیدار ہی کیوں نہ کرے۔ اگر ریاست اور قانون مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُس کی گرفت نہ کریں تو کوئی غازی علم الدین، کوئی غازی عبدالقیوم ہزاروی، کوئی غازی عامر چیمہ اور کوئی ممتاز قادری اٹھتا ہے اور اُس کا کام تمام کر دیتا ہے اور ہنستا مسکراتا ہو تختہ دار پر چڑھ جاتا ہے۔ ان لوگوں نے گستاخانِ رسولؐ پر واضح کر دیا ہے کہ اس جرم پر انھیں کوئی ملک، کوئی ادارہ اور کوئی قانون بچا نہیں سکتا۔ سلمان تاثیر کی ہلاکت سے پہلے ہم آئے دن سنتے تھے کہ فلاں بدنصیب مرد یا عورت نے شان رسالت میں دریدہ دہنی کی ہے۔ تاثیر کے بعد چھ برس گزر گئے ہیں پاکستان میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے دشمن سہمے ہوئے ہیں، اس سے پہلے پیپلز پارٹی کی شیری رحمان نے قومی اسمبلی میں ذاتی بل پیش کر کے توہین کے قوانین میں تخفیف کرنے کی کوشش کی تھی: چنانچہ دفعہ ۲۹۵۔الف میں لفظ 'دو' کو 'دس' کی جگہ لانے کی سفارش کی گئی... یعنی کسی کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے کی سزا دس سال سے کم کر کے دو سال کرنے کی سفارش کی گئی۔ دفعہ ۲۹۵ ب، یعنی قرآنِ پاک کی بے حرمتی میں عمر قید کی جگہ صرف پانچ سال قید کی سفارش کی گئی اور دفعہ ۲۹۵ سی، یعنی رسول اللہ علیہ وسلم کی توہین کی سزا، سزائے موت کے بجائے دس سال کرنے کی سفارش کی گئی۔ تاہم جنوری ۲۰۱۱ء میں سلمان تاثیر کی ہلاکت اور دو مارچ ۲۰۱۱ء کو اقلیتی امور کے وزیر شہباز بھٹی کے قتل کے بعد (۲ مارچ ۲۰۱۱ء کو) ہی شیری رحمان نے قومی اسمبلی سے بل واپس لے لیا۔

مسلماں گر عاشق نباشد کافر است

کہ مسلمان جو عاشقِ رسولؐ نہیں ہے تو بقول شاعر ایسا مسلمان بھی کافر ہے کہ آپ کا مقام مسلمان کے دل میں ہے۔ ہماری عزت، نام اور مقام اسی نام سے ہے۔

در دل مسلم مقام مصطفےٰ است
آبروئے ما ز نام مصطفےٰ است

توہین رسالت کی سزا قتل... سید مودودیؒ

۱۹۲۷ء میں سید مودودیؒ نے اپنے ایک ایک مضمون میں جو ''الجمعیۃ دہلی'' میں شائع ہوا تھا، اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقدیس کے متعلق مسلمانوں کے جذبات کا صحیح اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کے لیے اسلام میں قتل کی سزا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کا خون مباح قرار دیا گیا ہے... پس جزئیات میں فقہاء کے درمیان خواہ کتنا ہی اختلاف ہو مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عظمت میں حنفی، مالکی، حنبلی اور شافعی سب کا اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا واجب القتل ہے۔ اس سے صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام میں داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حرمت و عزت کے متعلق کیا احکام ہیں اور اس بارے میں مسلمانوں کا مذہب ان کو کیا تعلیم دیتا ہے۔''

ناموسِ رسالتؐ کی حفاظت بقائے امت

مولانا محمد سلیم

بنی آدم کی زندگی جس طرح سانس کے چلنے سے ہے،اسی طرح ایک مسلمان کی زندگی ناموس رسالت سے ہے

سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

قرآن مجید ،احادیث صحیحہ ،آثار صحابہ،خلفائے راشدین،ائمہ اہل بیت،تابعین، فقہائے کرام اور آج تک کے تمام علمائے امت اس بات پر مجتمع ہیں کہ توہین رسالت کا مرتکب واجب القتل ہے ؛نیز اہل سنت و الجماعت کے اہل علم اور فقیہان کرام اس پر متفق ہیں کہ امہات المؤمنین (ازواج مطہرات) رضون اللہ علیھن کی توہین رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی توہین سمجھی جائے گی۔حضرت علی کرم اللہ وجھہ نے فرمایا۔مَنْ سَبَّ نَبِيًا قُتِلَ وَمَنْ سَبَّ أَصْحَابَه جُلِدَ...(جس کسی نے کسی بھی نبی کو برا کہا وہ قتل کیا گیا اور جس نے آپؐ کے صحابہ کو بُرا کہا اس کو کوڑے مارے گئے)یعنی اسلام میں یہی قانون ہے۔(الصارم المسلول) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت ہے:قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَن سَبَّنِي فَاقْتُلُوْهُ(جس کسی نے مجھے برا کہا،پس اسے قتل کر دو) اگر کوئی شخص اس موضوع کو بالتفصیل پڑھنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ محمد اسماعیل قریشی سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ کی کتاب ناموس رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قانون توہین رسالت قرآن وسنت ،تاریخ ،قانون اور عدالتی فیصلوں کے آئینے میں" پڑھ لے اسے الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور نے شائع کیا ہے۔اس عنوان پر اگر چہ بہت علماء نے لکھا ہے،لیکن حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی "الشفا" اور "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہنے والے پر سونتی ہوئی ننگی تلوار) بہت عمدہ اور مستند کتب ہیں۔سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۶ میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ(نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں کے لیے ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق دار ہیں اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔) یعنی جس طرح انسان اپنی عزت کی خاطر اپنا مال حتی کہ اپنی جان بھی قربان کرتا ہے، اس طرح ایمان والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وناموس کی خاطر اپنی جانیں قربان کرتے ہیں اور آپ کی ازواج تو ان کی مائیں ہیں۔

سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۵۷ میں ہے۔اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّلَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا(یقیناً جو لوگ اللہ اور اسکے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ نے دنیا وآخرت میں لعنت برسائی ہے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔) است سورۃ احزاب کی آیت ۶۱ میں منافقین کی ان ہی بے ہودگیوں کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالٰی نے ان پر لعنت فرمائی: مَلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا(وہ لعنت کیے گئے ہیں جہاں کہیں پائے جائیں پکڑے جائیں اور خوب خوب قتل کیے جائیں۔) اسی طرح سورۃ التوبہ آیت نمبر ۶۱ میں ہے: وَ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (اور وہ لوگ جو اللہ کے رسولؐ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔) قرآن مجید کی دیگر آیات مبارکہ سے بھی ثابت ہوتا ہے اللہ کے رسول کو ایذا دینا اور طعن و تشنیع کرنا کفر کرنے سے بڑا جرم ہے اور اس کے مرتکب کے ساتھ ایک حربی کافر سے بھی زیادہ سختی برتی جائے گی۔بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین تھے،وہ اپنے دشمنوں اور کافروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے والے تھے ،جس کی مثالیں حدیث اور سیرت کی کتابوں میں بھری پڑی ہیں ؛تاہم اپنے ایذا دینے والوں کو اللہ کے حکم سے خود قتل کردینے کا حکم فرماتے ہیں۔آپؐ نے کعب بن اشرف ابن الزبعی، کعب بن زہیر،حویرث بن نقید اور ابن اخطل کو خود قتل کرنے کا حکم دیا۔یہ سب لوگ توہین رسالت کے مرتکب تھے۔ابوسفیان بن حارث جو توہین رسالت کا مرتکب تھا،اس کے قتل کو "ھدر" (رایگاں) قرار دیا، یعنی مقتول کے ورثا کے لیے کوئی بدلہ نہیں ۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں شریک عورتوں کے قتل سے منع فرماتے تھے،لیکن شاتمہ عورت کے قتل کو "ھدر" قرار دیا۔(ابوداؤد)

مسلمانوں کی پندرہ سوسالہ تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ شاتم رسولؐ کو کبھی زندہ نہیں رہنے دیا گیا،سوائے ہمارے اس عہد کم نصیب کے،جب سلمان رشدی ،تسلیمہ نسرین اور لاکھوں کروڑوں مغرب کے ملعون جو براہ راست اور بالواسطہ اس جرم شنیعہ کے مرتکب ہیں،مگر اس صفحہ کائنات پر دندناتے پھرتے ہیں۔اللہ ہمیں اس ذلت کی آزمائش سے محفوظ رکھے کہ ہمارے سامنے کوئی نعوذ باللہ ناموس رسالت کو نقصان پہنچائے اور پھر وہ ہمارے ہاتھوں جہنم رسید نہ ہو۔اللہ ہمیں توفیق بخشے کہ ایسا کرنے والون کو ان کے بلوں سے نکال نکال کر جہنم واصل کر دیں۔اسی طرح جیسے غازی علم دین شہید نے

شاتم رسول راج پال کو اس کی پناہ گاہ میں گھس کر عبرت ناک انجام سے دوچار کیا، غازی عبداللہؒ نے ۱۹۴۳ء میں بد بخت چچل سنگھ کو اس کی ناپاک معشوقہ سمیت سینکڑوں سکھوں کے سامنے ذبح کیا۔ غازی میاں محمدؒ نے ۱۹۳۷ء میں چرن داس کو واصل جہنم کیا۔ عبداللہ اور امیر احمد دونوں دوستوں نے پشاور سے کلکتہ کا سفر صرف اس لیے کیا کہ نبی علیہ السلام کا کارٹون بنانے والا زندہ نہ بچے، انہوں نے ملعون کارٹونسٹ کو اس کی دکان پر جا کر جہنم رسید کیا۔ غازی عبدالرشیدؒ نے آریہ سماج کے بانی کے چیلے سوامی شردھانند جیسے خبیث شاتم رسول کو دہلی میں موت کے گھاٹ اتارا، اس کے علاوہ مانسہرہ کے غازی عبدالرحمٰنؒ، تلہ گنگ کے غازی محمد شہید، چکوال کے غازی مرید حسین اور محمد منیر شہیدؒ، ضلع ہزارہ کے غازی عبدالقیوم، قصور کے غازی محمد صدیق، راولپنڈی کے عامر چیمہ شہید اور غازی ممتاز قادری جیسے عاشقان رسول بروئے کار آئے... ان سب نے "سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب وعجم" کے عنوان سے اپنے پاک لہو سے عشق مصطفیٰ کی رنگا رنگ تحریریں قلم بند کیں۔ مسلمان بھائیو! رسول اللہ کی حرمت اور ناموس کا تحفظ دین کا ستون ہے، اپنی جان دے کر بھی اس ستون کو گرنے سے بچانا ہے۔ دل میں برا سمجھنا کافی نہیں، یہ کمزور ترین ایمان ہے! اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کے لیے ایمان کا اظہار نہ کرنا... ان بد بختوں کے معاشی بائیکاٹ کو ہی ناموس رسول کی قیمت نہ سمجھ بیٹھنا۔ کہیں نبی علیہ السلام کے ان دشمنوں کی چند چیزوں کا استعمال چھوڑ کر نہ سمجھنے لگنا کہ تم نے حضور والا صفات کی گستاخی کا بدلہ لے لیا کا مداوا نہیں، یہ گستاخی سے بڑھ کر گستاخی ہو جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کے چھ سو یہودیوں کو قتل کیا تھا، معاشی مقاطعے کی بات نہیں کی تھی۔

کیا آپ نے اس نکتے پر بھی غور کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم الٰہی کے موافق صحابہ کو کعب بن اشرف اور اس جیسے گستاخوں کو قتل کر کے آنے کا حکم دیا گرفتار کر کے لانے اور مقدمہ چلا کر پھانسی دینے کی بات نہیں کی۔ جن گستاخان رسالت مآب کو صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں لائے بغیر قتل کر دیا، ان کے خون کو "ھدر" (رائیگاں) قرار دے دیا۔ یہ نہیں کہا کہ تم نے پہلے سے عدالت میں کیوں پیش نہیں کیا۔

سورۃ النساء آیت نمبر ۶۰ میں ارشاد ہوا ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِیْدًا (کیا تم نے ان کے حال پر غور کیا ہے جو زعم رکھتے ہیں کہ وہ اس پر بھی ایمان لائے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا ہے اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا، جبکہ وہ چاہتے یہ ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت سے کروائیں، حالانکہ انہیں تو اس کے انکار کا حکم دیا گیا ہے... اور شیطان تو چاہتا ہی یہ ہے کہ انہیں دور تک بھٹکا کر لے جائے (کہ واپسی ممکن نہ ہو) اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ:

۱۔ جس منافق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو قبول نہ کیا تھا، اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کو ھدر قرار دیا، یعنی حضرت عمر کے فعل کی تصدیق کی کہ انہوں نے درست اقدام کیا۔

۲۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ طاغوت کا انکار کریں۔

۳۔ جو طاغوت سے فیصلے کروانا چاہتے ہیں، ان کے بارے میں یہ آیت بتاتی ہے کہ وہ ایمان کے دعوے میں جھوٹے ہیں۔

۴۔ کافر اور غیر اسلامی حکومتوں سے مطالبات کرنا.... سوچ لیا جائے، کہیں ایسا کرنے والے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کے تحفظ کی خاطر طواغیت سے التجا تو نہیں کرتے۔ اگر ایسا ہے تو شرم آنی چاہیے ایمان کے ایسے دعوے داروں کو... امام مالک رحمہ اللہ سے خلیفہ ھارون الرشید نے گستاخ رسولؐ کا حکم دریافت کیا تھا، تو اس کو جواب دیتے ہوئے آپ نے کہا تھا۔ "مَابَقَاءُ لِاُمَّةٍ بَعْدَ شَتْمِ نَبِیِّهَا؟" اس امت کا کیا باقی رہنا جس کے نبی کو گالیاں دی جائیں؟

اللہ کی کتاب اور سنت رسولؐ نے یہ بات ہمیشہ کے لیے طے کر دی ہے کہ قانون ساز اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ کا رسولؐ ہے، باقی تمام انسان محکوم ہیں، مسلمانوں کا کام بلا چون و چرا اللہ اور رسول کی اطاعت کرنا ہے، احکامات کی تنفیذ ہے، اپنے اوپر اور دوسروں پر۔ کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ قرآن وسنت سے سے باہر اور مغائر کسی اور سے اپنے لیے قانون بنانے کا مطالبہ کرے یا طواغیت کے بنے ہوئے قوانین کو اپنائے۔ اسے تو اللہ اور رسولؐ کے بتائے ہوئے راستے پر، ان ہی کے بنائے ہوئے قوانین کا نفاذ کرنا اور کروانا ہے۔ اگر مسلمان کہلانے والے حکمران اور ان کی حکومتوں کی حفاظت کرنے والی ایجنسیاں، ملکی سرحدوں اور حکومتی افراد کی خاطر بے دریغ اندھے قتل کرنے والی ایجنسیاں یا ان کے تربیت یافتہ افراد ناموس رسالت کی حفاظت میں اپنی صلاحیتیں نہیں لگاتے تو ان کے پاس اپنے مسلمان ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اور قیامت کے دن وہ کس طرح اپنی برات اور عذر پیش کر سکیں گے۔

اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے کوشاں جماعتیں اگر آئندہ الیکشن پر آنے والے اخراجات کو الیکشن کی بجائے ناموس رسالت کی حفاظت اور شاتمین رسول کی سرکوبی کے لیے وقف کریں اور باصلاحیت افراد کو اس کام کے لیے مقرر کریں۔ اس کے برعکس ناموس رسالت کے معاملے پر اگر کسی کو اپنی Show of power کی فکر ہو اور تعداد و بڑھانے کی خاطر مداہنت سے کام لیتا ہو، تو یہ بہت بڑی بدبختی ہے۔ اس وقت تو تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہونا چاہیے۔ "انما المومنون کجسد واحد" کی تصویر اگر اب نہیں تو پھر کب؟ دنیا میں امامت وسیادت اللہ تعالیٰ نے مسلم امت کو سونپی ہے، فیصلے کرنے کا اختیار اللہ نے حضور رسول رحمتؐ کو اور امت مرحومہ کو بخشا ہے نہ کہ یہودیوں، نصرانیوں اور پولوسیوں کو۔ سورۃ المومنون کی ابتدا میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ... الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ...وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (ایمان والے فلاح پا چکے ہیں کہ وہ اپنی نمازوں میں خشوع رکھتے ہیں اور بے فائدہ کاموں سے وہ پہلو تہی کرنے والے ہیں۔ اردو میں محاورہ ہے جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں، اس کو انگریزی میں کہتے ہیں: "Barking dog seldom bite"۔ وہ تو یہی تو چاہتے ہیں کہ ہم اپنے گلے پھاڑیں، اپنے گریبان پھاڑیں، اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں رسوا کریں اور وہ ہمارا تماشا دیکھا کریں۔ ہم ان سے اپنی زندگی، اپنی عزت، حتیٰ کہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کی بھیک مانگا کریں۔ ہمیں ہانکے پکارے ساری دنیا کو بتا دینا چاہیے کہ ہمارے لیے ناموس رسالت پسند وناپسند کا معاملہ نہیں، یہ ہمارے عقیدے اور ایمان کا مسئلہ ہے، یعنی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے: عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ "تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے والد اور اس کی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں" (متفق علیہ)

اک عشق مصطفیٰ ہے اگر ہو سکے نصیب
ورنہ دھرا ہی کیا ہے جہانِ خراب میں

☆☆☆

ناموس رسالت کا تحفّظ ساری امت پر فرض ہے

صرف جہاد ہی سے گستاخوں اور شاتمین کا منہ بند کیا جا سکتا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو اسلام کی دعوت دی تو شروع میں کفار قریش نے شدید دشمنی کا رویہ نہیں اپنایا، مگر جب مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی اور ائمہ کفر کے بیٹے انہیں چھوڑ کر جانے لگے، تو انہوں نے نبی علیہ السلام کے خلاف لوگوں کو بھڑکانا شروع کر دیا۔ کبھی ان کو مجنوں کہہ کر اذیت پہنچائی جاتی، کبھی کہا جاتا یہ شاعر ہیں اور کبھی یہ جھوٹ پھیلایا جاتا کہ یہ جادوگر ہیں، جو اُن سے بات کرتا ہے وہ ان کے جادو کا شکار ہو کر کہیں کا نہیں رہتا، لیکن کفار کی کوئی بھی تدبیر اور چال نہ چل سکی، اللہ کی تدبیر فتح یاب ہوئی اور دینِ اسلام غالب ہو کر رہا۔ طفیل بن عمرو دوسا قبیلے کے سردار اور قادر الکلام شاعر تھے۔ مکہ آئے تو انہیں دیکھتے ہی کفار کے سربر آوردہ لوگ ان کی طرف لپکے اور ان کے گرد جمع ہو کر کہنے لگے ''طفیل! تم ہمارے شہر میں آئے ہو اور یہ شخص جو اپنے آپ کو نبی کہتا ہے، اس نے ہمارا سارا معاملہ خراب کر کے رکھ دیا ہے۔ اس نے ہماری جمعیت کو منتشر اور ہماری جماعت کو پراگندہ کر دیا ہے۔ ہمیں اس بات کا اندیشہ ہے، کہیں تم کو اور تمہاری سرداری کو بھی وہی خطرہ نہ لاحق ہو جائے جس سے ہم دوچار ہیں۔ اس لیے تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ تم نہ تو اس شخص سے کوئی بات کرنا نہ اس کی کوئی بات سننا؛ کیونکہ اس کی باتیں بڑی جادو اثر ہیں، اس کی زبان میں بلا کی تاثیر ہے۔ یہ شخص اپنی ان باتوں کے ذریعے باپ بیٹے اور شوہر بیوی میں تفریق کرا دیتا ہے۔'' طفیل نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی، تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کانوں میں نہ پڑے، لیکن اللہ کی مشیت کچھ اور تھی، مسجد میں داخل ہوئے تو حضورؐ کی زبان سے نکلنے والے کچھ الفاظ ان کے کانوں تک پہنچ ہی گئے۔ ان کا دل اور دماغ اس کلام کی طرف متوجہ ہو کر رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر اپنے گھر کی طرف لوٹے تو طفیل بھی ان کے

عبدالہادی احمد

پیچھے پیچھے ہو لیے اور حضورؐ سے درخواست کہ وہ اپنا دین ان کو بتائیں۔ حضرت طفیل دوسی کہتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دو سورتیں، سورہ اخلاص اور سورۃ فلق پڑھ کر سنائیں۔ خدا کی قسم اس سے پہلے میں نے اس کلام سے بہتر کوئی کلام نہیں سنا تھا، نہ ان کی باتوں سے بہتر کوئی بات سنی تھی۔ میں نے اس وقت اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا اور کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام میں داخل ہو گیا۔ اس طرح کفار قریش کی چال اُلٹی پڑی۔

یہود کی چال اُلٹی پڑی

> امت مسلمہ کی حمیت مر نہ گئی ہوتی تو اسلامی ممالک کے اجلاس میں یہ اہم مسئلہ اٹھایا جاتا اور یہ اجتماعی اعلان سامنے آتا کہ حضور رسالت مآبؐ پر سب و شتم کرنے والے بدزبانوں کی زبانیں کاٹ دی جائیں گی۔

دور حاضر میں نائن الیون کا واقعہ بھی اسلام کے فروغ کو روکنے اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا، دنیا بھر میں یہود نژاد ذرائع ابلاغ اسلام پر منفی باتیں تھوپ کر برانگیختہ کرنے لگے۔ تاہم اس کا حیرت انگیز نتیجہ برآمد ہوا، اسلام کے بارے میں کچھ نہ جاننے والوں نے قرآن اور دیگر اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ یہود نے جو چال اسلام کی ترقی کو روکنے اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے چلائی تھی، اللہ کی حکمت بالغہ سے یہ چال الٹی پڑ گئی۔ وہ ڈرامہ جو اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے سٹیج کیا گیا تھا اور جس کا بہانہ بنا کر افغانستان اور عراق میں تیس لاکھ مسلمان قتل کر دیے گئے اور جس کی آڑ میں عالمی میڈیا آج بھی اسلام کو وحشت اور دہشت کا مذہب ثابت کرنے میں لگا ہوا ہے، اس سے اسلام اور بھی تیزی سے پھیلنے والا دین بن گیا ہے۔ مسلمانوں کے خلاف زہریلے پروپیگنڈے کے اس دور میں برطانوی خاتون صحافی ریڈلی کے قبول اسلام کا واقعہ پورے یورپ کے لیے سوہانِ روح بن گیا ہے۔ ریڈلی نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا: ''اگر کسی اور قوم کی قید میں ہوتی، تو میرا حال گوانٹانا موبے اور ابو غریب جیل کے قیدیوں جیسا ہوتا، مجھے اسلام کی دشمنی افغانستان لے گئی اور اسلام میری آخری تمنا بن گیا، اسی قید نے مجھے کفر کی زندگی سے آزادی دلائی۔ اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ میں طالبان کی قید میں تھی''۔ خود امریکہ میں بھی ایسے بہت سے لوگ جو حق کے جویا تھے، ان کو تجسس ہوا کہ دین

اسلام کے خلاف آخر اتنا کچھ کیوں کیا جارہا ہے، دیکھیں تو سہی اسلام کی تعلیمات کیسی ہیں۔ انہوں نے اس دین کو سمجھنے کے لیے اس کا مطالعہ کرنا شروع کیا اور ان تعلیمات سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ جدہ سے شائع ہونے والے جریدے حج وعمرہ کی رپورٹ کے مطابق اسلامک فاؤنڈیشن برطانیہ کے ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر محمد مناظر احسن نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ نائن الیون کے بعد برطانیہ میں قرآن مجید کی فروخت سات گنا بڑھ گئی اور قبول اسلام کی شرح میں دس سے پندرہ فی صد اضافہ ہو گیا۔ نائن الیون کے بعد اب تک نومسلموں کی تعداد ہزاروں میں ہے، جن میں بڑی تعداد کا تعلق اعلیٰ اور بااثر گھرانوں سے ہے۔ مغرب میں اسلام قبول کرنے والوں میں خواتین کی شرح مردوں سے دگنی ہے، جبکہ امریکہ میں یہ شرح ایک اور چار ہے۔ دوماہی برطانوی جریدے ایمل کی مدیرہ سارہ جوزف کے مطابق صرف چار برس کے بعد برطانیہ کا سب سے بڑا دین اسلام ہوگا۔ ممتاز امریکی جریدے کرسچن سائنس مانیٹر کی رپورٹ کے مطابق گیارہ ستمبر کے حادثے کے بعد اسلام کے بارے میں ابھرنے والے تجسس کی بنا پر اسلام کا پیغام زیادہ سے زیادہ یورپی باشندوں کو اپیل کرنے کا باعث بن گیا ہے۔ ہر سال کئی ہزار مرد وخواتین اسلام قبول کرتے ہیں۔ امریکہ میں اس وقت مسلمانوں کی تعداد ایک کروڑ ہے جن میں ہر سال بیس ہزار نومسلموں کا اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کے بعد کفار کے پاس اسلام سے نفرت کے اظہار کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاکے اور کارٹون بنانے جیسے گھٹیا ہتھکنڈے ہی رہ گئے ہیں، جو ان کے آباؤ اجداد اس سے پہلے استعمال کرتے آئے ہیں۔ مقصد اس کا بھی وہی ہے جو کفار قریش کا تھا، یعنی مسلمانوں کے دین اور ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لوگوں میں نفرت پیدا کی جائے، تاکہ لوگ ان کے قریب ہی نہ جائیں۔ یقیناً اللہ ان ظالموں کی اس چال کو بھی اسی طرح خاک میں ملا دے گا جس طرح وہ پہلی بہت سی چالوں کو خاک میں ملا چکا ہے، ان شاءاللہ۔

گالیاں سن کر دعائیں دیں

پہلی وحی کے بعد جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوف کی حالت میں گھر تشریف لائے تو ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا، اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، مصیبت زدہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں، بے سہاروں کا سہارا بنتے ہیں، مہمانوں کی میزبانی

> جرم ضعیفی نے ہمیں بے کس و بے سہارا اور مظلوم و مجبور بنا ڈالا ہے، اس لیے کہ اس وقت جن لوگوں کے ہاتھوں میں اسلامی ممالک کا اقتدار ہے، ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہونے کے بجائے یہود ونصاریٰ کا ایجنٹ ہونے پر فخر ہے۔

کرتے اور حق والوں کو حق دلاتے ہیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یہ گواہی اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ نبوت سے پہلے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے لیے سرتاسر رحمت تھے۔ عوام الناس میں آپؐ کو خاص مقام حاصل تھا، جب کہ منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سراپا رحمت اور پیکر صدق وصفا ہونے کے باوجود شدید مخالفت اور نفرت کی مہم کا سامنا کرنا پڑا۔ چالیس سال تک صادق اور امین کہلانے کے بعد جب لوگ آپ کو جھوٹا، مجنوں، شاعر، کاہن اور جادوگر کہتے ہوں گے تو آپؐ کے دل پر کیا گزرتی ہو گی؟ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ سلم نے ان گالیوں اور طعنوں کے جواب میں کبھی بھی ایک سخت لفظ تک زبان سے نہیں نکالا۔ بلکہ کفار کی نشتر زنیوں پر آپؐ نے جس صبر وتحمل اور شفقت ورحمت کا طرز عمل اختیار فرمایا، اس کی مثال ملنا محال ہے۔ آپ گالیاں سن کر دعائیں دیتے رہے، یہ آپؐ کی سیرت طیبہ کا وہ عظیم الشان پہلو ہے جس کی بنا پر اللہ رب العالمین نے آپؐ کے بارے میں فرمایا: وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (اور بے شک آپ اعلیٰ ترین اخلاق کے مالک ہیں) اپنے قبیلے کو آپؐ نے دین کی دعوت دی، تو حقیقی چچا ابولہب نے آپؐ کی سخت توہین کی اور بد دعا دیتے ہوئے کہا: ”تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں، کیا تو نے ہم کو اس بات کے لیے جمع کیا تھا۔“ آپؐ نے چچا کے اس ہتک آمیز رویے پر صبر اختیار فرمایا، لیکن قرآن میں اللہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ (ابو لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ (خود) ہلاک ہو گیا)۔ امیہ بن خلف آپ کو دیکھتے ہی گالیاں بکنا شروع کر دیتا اور لعن طعن کرتا تھا، لیکن آپؐ نے اس کے جوب میں ہمیشہ خاموشی اختیار کی، حتیٰ کہ اللہ نے قرآن مجید میں اس کا جواب دیا: وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِ (بڑی ہلاکت ہے ہر ایسے شخص کے لیے جو خوگر (وعادی) ہو منہ در منہ طعن (وتشنیع) کا اور پیٹھ پیچھے عیب لگانے کا)۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے عبداللہ فوت ہوئے تو ابولہب، عاص بن وائل، ابوجہل وغیرہ نے آپ کو ”جڑ کٹا“ ہونے کا طعنہ دیا، آپؐ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا، اللہ نے قرآن میں اس کا جواب دیا: اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ: (یقیناً تیرا دشمن ہی جڑ کٹا اور بے نام ہے) مکی زندگی کے تیرہ سال اسی طرح کی مشکلات میں گزرے، کفار اہل اسلام، خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ مکی زندگی میں نبی علیہ السلام کو تنگ کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا گیا۔ ان ظالمانہ ہتھکنڈوں سے تنگ آ کر تیرہ برس میں چند ایک موقعوں پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کریمانہ اور شریفانہ انداز میں اپنی ناراضی کا اظہار فرماتے نظر آتے ہیں۔

☆ ابولہب، عقبہ بن ابی معیط وغیرہ شب وروز آپ کے گھر غلاظت اور گندگی پھینک کر آپ کو اذیت پہنچاتے، آپ زیادہ پریشان ہوتے تو بطور احتجاج فرماتے: ”اے بنو عبد مناف! یہ کیسی ہمسائیگی ہے؟“

☆ دوسرا موقع وہ تھا کہ جب مسجد حرام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، ائمہ کفر نے مشاورت سے عین سجدے کی حالت میں اونٹ کی اوجھڑی حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر پر رکھ دی اور خود کھڑے ہو کر قہقہے لگانے لگے؛ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع ملی اور انہوں نے آ کر اوجھڑی ہٹائی۔ اس وقت آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا: ”اللھم علیک بقریش“ (یا اللہ تو قریش سے نمٹ لے)

☆ ایک بار مشرکین نے دوران طواف آپ کو لعن طعن کی تو آپؐ نے فرمایا: ”میں تمہارے پاس ذبح کا حکم لے کر آیا ہوں۔“ اس پر مشرکین ساکت ہو کر رہ گئے۔

یہ دین کی حکمت تھی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیرہ سالہ طویل مکی زندگی میں زبان مبارک سے یہی وہ سخت سے سخت الفاظ ہیں جو ہمیں احادیث میں ملتے ہیں، یعنی شدید اشتعال دلانے پر بھی نہایت شائستہ اور مہذب الفاظ میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد فرمایا۔ یہ مکی دور کے حالات تھے جب مسلمانوں کو کُفُّوْآ اَیْدِیَکُمْ ”ہاتھ روکے رکھو“ کا حکم دیا گیا تھا۔ یہ دین کی حکمت تھی کہ ابتدائے اسلام میں مسلمان مکہ میں کمزور تھے، کفار کا غلبہ اور کثرت تھی، اس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد وقتال کا حکم نہیں دیا۔ دوسری حکمت یہ تھی کہ ہر گھر میں اسلام اور کفر کے مابین جھگڑا شروع ہو چکا تھا، اذن جہاد ہوتا تو باپ بیٹا اور ماں بیٹی میں تصادم کی نوبت آ جاتی۔ یہ بھی مکی دور تھا، جب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا: وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُمْ نَصْرُنَا (تم سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں، مگر اس تکذیب پر اور ان اذیتوں پر جو انہیں پہنچائی گئیں، انہوں نے صبر کیا، یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد پہنچ گئی۔ الانعام: ۳۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتوں پر صبر کی تلقین کی گئی، فرمایا گیا: "تم ان لوگوں سے جو مشرک ہیں بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے، اس موقعے پر اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔" مدینہ آنے کے بعد ہاتھ روک کے رکھنے کی پابندی اٹھالی گئی۔ ہجرت کے بعد مدینہ دارالاسلام بن گیا، تو اللہ نے جہاد اور قتال کا حکم نازل فرمانے میں دیر نہیں لگائی۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے سورۂ حج کی یہ آیت نازل ہوئی: أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ (اجازت دے دی گئی اُن لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جارہی ہے، کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔)

شروع میں اُن سے جنگ کی اجازت دی گئی جو جنگ آمادہ تھے۔ جو الگ تھلگ رہے، ان سے آپؐ جنگ کے لیے نہیں نکلے۔ اگلے مرحلے پر حکم دیا گیا کہ مشرکین سے جنگ کریں، یہاں تک کہ دین پُورے کا پورا اللہ کے لیے ہوجائے۔ سورۂ توبہ میں واضح کردیا گیا کہ مشرکین کو دسویں ہجری میں صرف چار مہینے کی مہلت دی جائے گی، اس دوران یہ لوگ اپنی پوزیشن پر اچھی طرح غور کرلیں، لڑنا ہو تو لڑائی کے لیے تیار ہوجائیں، ملک چھوڑنا ہو تو جائے پناہ تلاش کرلیں اور اسلام قبول کرنا ہو تو سوچ سمجھ کر قبول کرلیں۔ اس کے بعد یہ جزیرہ نمائے عرب میں نہیں رہ سکیں گے؛ بلکہ جہاں پائے جائیں گے مارے جائیں گے۔" اسی طرح اہل کتاب میں سے جو لوگ خدا اور رسول ﷺ کے دشمن ہیں اُن سے جنگ کا حکم دیا گیا، یہاں تک کہ وہ جزیہ دینا قبول کرلیں یا اسلام میں داخل ہوجائیں: "جنگ کرو اہل کتاب میں سے اُن لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روز آخر پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دینِ حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔ ان سے لڑو یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔" (التوبہ: ۲۹)

مکہ میں جہاد و قتال کے لیے وسائل میسر نہ تھے، خصوصاً کسی ریاست کے بغیر قتال دین کی حکمت کے منافی ہوتا، اس لیے کفار کی آئے دن کی گستاخیوں، جبر وتشدد اور سب وشتم پر صبر کا حکم دیا گیا، لیکن مدینہ میں ریاست کے قیام کے ساتھ ہی جہاد (قتال) کی اجازت دے دی گئی۔ جہاد سے مسلمانوں کو وہ قوت حاصل ہوگئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت اور ناموس کے تحفظ کے لیے ضروری تھی؛ چنانچہ وہ ائمہ کفر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی اور سب وشتم کو معمول بنائے ہوئے تھے، ان کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واجب القتل قرار دے کر ان کے قتل کا حکم فرمایا۔ کعب بن اشرف یہودی اپنے اشعار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذمت کیا کرتا تھا، جب وہ باز نہ آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعدؓ بن معاذ کو حکم فرمایا کہ وہ اس کو قتل کرنے کے لیے کچھ لوگوں کو بھیجیں؛ انہوں نے محمد بن مسلمہ کو بھیجا۔ انہوں نے کعب بن اشرف کو قتل کرڈالا۔ اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے گستاخ رسول ابورافع کے قتل کے لیے عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ تعالی عنہ کو ایک دستے کے ساتھ روانہ فرمایا۔ صحیح بخاری میں تفصیل سے پورا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ابن عتیکؓ نے کس طرح اس ملعون کو جہنم رسید کیا۔ اس کے بعد کسی کی ہمت نہ تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کر سکتا۔ جہاد سے اللہ نے اہل ایمان کو جو قوت بخشی تھی، ترک جہاد سے اس قوت سے محروم ہوگئے۔ یہ امت جہاد کرتی تھی تو دنیا کی امام تھی، آدھی دنیا اس کی عظمت کو سلام کرتی اور اسے جزیہ دیتی تھی، آج یہ دنیا کے جابروں کے سامنے جھکتی اور ان کی خاطر جان و مال کی قربانیاں پیش کرتی ہے۔ کفار کی جانب سے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے پر دلیر ہونا اب ہماری غیرت کو نہیں جگاتا۔ عالم کفر سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین جیسے دریدہ دہن قلم کاروں کو پناہ دیتا اور انعام واکرام سے نوازتا ہے۔ عالم کفر میں دریدہ دہن آزادیٔ اظہار کے نام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہرات اور مقدسات اسلام پر زہریلے حملے کرکے آزاد پھر رہے۔ یقین نہیں آتا کہ دنیا میں ڈیڑھ ارب زندہ مسلمان بستے ہیں، ناموس رسالت ﷺ کے ایک کروڑ کے قریب مسلح محافظ موجود ہیں، مگر اپنے پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حرمتی کا بدلہ لینے سے قاصر ہیں۔

> عالم کفر ہماری آنکھوں کے سامنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتا اور ہمیں چڑاتے ہوئے کہتا ہے کہ "ہم سب چارلی ہیبڈو ہیں" یعنی ہم سب جان بوجھ کر تمہارے نبی کی توہین کریں گے۔

ترک جہاد ذلت کا موجب ہے

قرآن پاک میں صاف لفظوں میں کہہ دیا گیا تھا کہ اگر تم جہاد کرنے کے لیے نہ اٹھے تو عذاب الیم سے دوچار ہوجاؤ گے: إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ط وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ط وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (تم نہ اٹھو گے تو خدا تمہیں دردناک سزا دے گا، تمہاری جگہ کسی اور گروہ کو اٹھائے گا، اور تم خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے، وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے) کیا یہ وہی دور نہیں کہ جب ہم نے جہاد ترک کر دیا اور "ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا"۔ اس آیت کریم کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتَّىٰ تَرْجِعُوا إِلَىٰ دِينِكُمْ (حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے ارشاد فرمایا: جب تم عینہ کی تجارت کرنے لگو اور گائے (بیل) کی دمیں پکڑ لو اور زراعت پر خوش ہوجاؤ اور جہاد کو چھوڑ دو گے، تو اللہ تم پر ایسی ذلت مسلط کردے گا جو اس وقت تک نہیں اتارے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف واپس نہ لوٹ آؤ گے۔ آج کا منظر یہی ہے کہ دنیا کی عارضی منفعت کی خاطر جہاد ترک کردیا گیا ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ ہم پر ذلت مسلط ہوگئی اور ہم اس قدر کمزور ہوگئے ہیں کہ امریکہ اور یورپ کے گھٹیا یہود ونصاریٰ بڑی دیدہ دلیری سے نبی علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، مگر ہم ان کو روک نہیں سکتے، احتجاج بھی نہیں کرپاتے۔ حالانکہ احتجاج سے اسلام کے دشمنوں اور ان کی سازشوں کو ختم نہیں کیا جا سکتا تھا، لیکن اتنا پتہ تو چلتا کہ مسلمان ابھی راکھ کا ڈھیر نہیں بنا۔ اس وقت جن لوگوں کے ہاتھوں میں اسلامی ممالک کا اقتدار ہے، ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہونے کے بجائے یہود ونصاریٰ کا ایجنٹ ہونے پر فخر ہے۔ اس سے بڑھ کر ذلت کیا ہوگی کہ رسول اللہ کی شان میں گستاخی ہوتی رہے اور ہم لفظی احتجاج تک نہ کرپائیں۔ حالانکہ امت مسلمہ کی حمیت مر نہ گئی ہوتی تو سارے اسلامی ممالک کے اجلاس میں یہ اجتماعی اعلان سامنے آتا کہ حضور رسالت مآب پر سب وشتم کرنے والے بدزبانوں کی زبانیں کاٹ دی جائیں

گی۔آج تو امت میں اتنی دینی غیرت بھی نہیں کہ جن ملکوں میں حکومتی امداد و تعاون سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاکے اور کارٹون بنائے جاتے ہیں،ان کا اقتصادی بائیکاٹ ہی کر دیں۔حالانکہ دشمنان اسلام کا معاشی مقاطعے سے بھی ہمارے ماتھے سے ناموس نبوت پر حملوں پر خاموشی کی ذلت کا داغ مٹنے والا نہیں ہے جو ذلت ترک جہاد سے ہم پر مسلط ہوئی ہے،یہی وہ جرم ضعیفی ہے جس نے ہمیں بے کس و بے سہارا اور مظلوم و مجبور بنا ڈالا ہے۔

دنیا میں جہاں مسلمانوں کی حکومتیں ہیں وہاں بھی ہماری تلوار کفار کے حکم پر مسلمانوں کی گردنیں مارنے کے لیے وقف ہو کر رہ گئی ہے،مسلمان ہی اپنے مسلمان بھائیوں پر دردناک مظالم ڈھا رہے ہیں اور نام کے مسلمان حکمرانوں نے منافقین سے بدتر کردار اپنا رکھا ہے۔مکہ،مدینہ اور حجاز کی دولت یہود و نصاریٰ کی چاپلوسی میں لٹائی جا رہی ہے،مقدس مقامات کو کافروں کے ہاتھوں میں یرغمال بنا دیا گیا ہے۔اس امت پر کفر کے غلبے کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ مسلم ممالک میں مسلمانوں کی بیٹی کے سر سے دوپٹہ تک چھینا جا رہا ہے،سرزمین اسلام کو یورپ جیسا بیت الخلا بنانے کے مطالبے ہو رہے ہیں۔جہاد ترک کر کے ہم اپنی اصل طاقت کھو بیٹھے ہیں،تو کسی کو اس پر حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ فحاشی اور عریانی کا سیلاب ہمیں بہا لے جائے۔مغرب فحاشی و عریانی اور جنسی اباحیت کے سیلاب کا رخ ہماری طرف موڑ چکا ہے۔ہم بے بسی سے اس میں بہہ رہے ہیں۔اس سے بڑھ کر بے بسی اور بے کسی کیا ہو گی کہ مسلمانوں کے سر ان کی گردنوں پر سلامت رہے،مگر مسجد اقصیٰ نصف صدی سے ان کی آنکھوں کے سامنے خون کے آنسو روتی رہی،مگر کہیں سے کوئی اس کی پکار پر لبیک کہنے والا دکھائی اور سنائی نہیں دیتا۔کیا سرزمین اسلام افغانستان،عراق،شام اور فلسطین میں ایسی لاشوں کو گنا جا سکتا ہے جو امت مسلمہ کی غفلت کی وجہ سے کفن اور نماز جنازہ کو ترس رہی ہیں۔لاکھوں مسلمان پکار پکار کر اپنے لہو کا حساب مانگ رہے ہیں۔کیا یہ ترک جہاد سے مسلط ہونے والی ذلت نہیں کہ اپنے ملکوں میں بھی کافروں کی غلامی کرنے اور ان کے بوٹ صاف کرنے پر مجبور ہیں۔شام،فلسطین اور کشمیر میں اسلام کی بیٹیوں کو سر عام بے آبرو کیا جاتا ہے اور اسلام کی محافظ ستر لاکھ افواج بے بسی کے ساتھ یہ منظر دیکھتی رہ جاتی ہیں۔

ہمارا رب آج بھی تنہا کفر کے سارے لشکروں کو شکست دے سکتا ہے،لیکن شرط یہ ہے کہ امت مسلمہ پہلے خود حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر قربان ہونے کے جذبے سے میدان میں نکلے۔

اس صورت حال کا علاج وہی شرط پوری کرنا ہے جو شرط حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے "حَتّٰی تَرْجِعُوْا اِلیٰ دِیْنِکُمْ" (یہاں تک کہ تم اپنے دین کی طرف لوٹ آؤ) کے الفاظ کہہ کر عاید فرمائی تھی،یعنی جہاد فی سبیل اللہ جو ہم نے چھوڑ رکھا ہے،اسے دوبارہ اختیار کر لیں۔اس کے بغیر نہ تو اس ذلت سے چھٹکارا مل سکے گا جو جہاد ترک کرنے کی وجہ سے ہم پر مسلط ہو چکی ہے،نہ ہی دین میں دوبار داخل ہونے کی نوبت آئے گی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو دل کی آنکھوں سے دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ترک جہاد سے ہی عرب و عجم کے مسلمان ناپاک استعمار کی غلامی میں گرفتار ہوئے ہیں،اس سے آزادی کا واحد راستہ جہاد ہے،قبلہ اول پنجہ یہود میں ہے،اس کی خلاصی کا راستہ بھی جہاد ہے۔عالم کفر ہماری آنکھوں کے سامنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین جیسے جرم کے مرتکب ہو رہا ہے اور ہمیں چڑاتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ"ہم سب چارلی ہیبڈو ہیں"،یعنی ہم سب مل کر اور جان بوجھ کر تمہارے نبی کی توہین کرتے ہیں،تم ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔لہٰذا اسلام اور مقدسات اسلام کو کفر کے ناپاک حملوں سے بچانے کا واحد راستہ بھی جہاد ہے۔

جہاد،ہجرت اور شہادت کے دروازے کل تک ہمارے لیے بند تھے،اس لیے ہم اپنی چھنی ہوئی عزت و عظمت کو کسی طرح واپس لینے کا سوچ بھی نہ سکتے تھے،مگر صد شکر کہ آج لاکھوں شہداء نے اطراف عالم میں اپنی گردنیں راہ حق میں کٹا کر مسلمانوں کے لیے جہاد کے بند راستے کھول دیے ہیں۔کاش!اس امت کے سارے علماء کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہو جائے کہ جہاد ہی ہمارے تمام مسائل کا حل،ذلت سے نجات کی راہ اور بخشش کا ذریعہ ہے۔سلام افغانستان اور دنیائے اسلام میں مجاہدین کے ان نورانی دستوں پر کہ جنہوں نے اپنے سر اپنی ہتھیلیوں پر اٹھا لیے،اللہ کے راستے میں گردنیں کٹوانے کی نذر مان لی،کفر کے نظام کو مسترد کر دیا اور اسلام کا پرچم بلند کر کے امت کو بھولی ہوئی راہ دکھا دی۔روس کے خلاف جہاد ادھورا رہا،مجاہدین کے سردار منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی مال غنیمت پر لڑ پڑے،پھر بھی جہاد کے معجزے نے دنیا کے سب سے طاقت ور ملک روس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا،ساری دنیا میں شیطان کی عمل داری اتھل پتھل ہو گئی۔اگرچہ جہاد کے اثرات کی نفی کرنے والوں نے کہا،روس اس لیے شکست کھا گیا کہ مجاہدین کو درجنوں ممالک کی حمایت،افواج اور اسلحے کی امداد حاصل تھی...لیکن امریکہ کے خلاف جہاد نے یہ الزام بھی ختم کر دیا۔طالبان تنہا اور نہتے تھے،جب کہ امریکہ کو دنیا کے چالیس سے زیادہ ممالک کی مدد حاصل تھی،یہاں تک کہ تمام اسلامی ممالک بشمول افغانستان،پاکستان اور سعودی عرب وغیرہ بھی امریکہ کے ساتھ تھے،لیکن اللہ تعالیٰ نے جہاد کے معجزے سے کفر کی متحدہ قوت کو تنکوں کی طرح بکھیر دیا۔اس طرح رب العالمین نے اس امت کے سامنے عزت و سرفرازی کی راہ روشن کر دی۔جیسا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ،اَنْجَزَ وَعْدَہٗ،وَنَصَرَ عَبْدَہٗ،وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ.... مسلم)"کوئی معبود نہیں،تنہا اللہ ہی عبادت کے لائق ہے،اس نے اپنا وعدہ پورا کیا،اور اپنے بندے کی نصرت فرمائی اور تنہا سارے لشکروں کو شکست دے دی"۔ہمارا رب آج بھی تنہا کفر کے سارے لشکروں کو شکست دے سکتا ہے،لیکن شرط یہ ہے کہ امت مسلمہ پہلے خود حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر قربان ہونے کے جذبے سے میدان میں نکلے۔

اے ہمارے رب!تو ہمارے لیے جہاد کے راستوں کو روشن فرما اور تنہا کفر کے سارے لشکروں کو شکست دے کر اپنے مسکین و مستضعفین بندوں کی نصرت فرما۔آمین یارب العالمین۔

جہاد،ہجرت اور شہادت کے دروازے کل تک ہمارے لیے بند تھے،اس لیے ہم اپنی چھنی ہوئی عزت و عظمت کو کسی طرح واپس لینے کا سوچ بھی نہ سکتے تھے،مگر صد شکر کہ آج لاکھوں شہداء نے اطراف عالم میں اپنی گردنیں راہ حق میں کٹا کر مسلمانوں کے لیے جہاد کے بند راستے کھول دیے ہیں۔کاش!اس امت کے سارے علماء کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہو جائے کہ جہاد ہی ہمارے تمام مسائل کا حل،ذلت سے نجات کی راہ اور بخشش کا ذریعہ ہے۔

غازی ممتاز حسین قادری شہید... جس نے بدن کے بدلے حیاتِ دائم خرید کی ہے

ناموس رسولؐ پر قربان ہونے والے شہید کی کہانی.... بڑے بھائی کی زبانی (دوسرا اور آخری حصہ)

۲۹ فروری ۲۰۱۶ء صبح چار بجے نواز شریف حکومت نے خاموشی سے غازی ملک ممتاز حسین قادری کو تختہ دار پر لٹکا دیا۔ یہ حکومتی جلد بازی اپنے اندر ہزار داستانیں رکھتی ہے۔ ناموس رسالت ﷺ کے ایک محافظ کو پھانسی دینے اور فوراً ہی عمل درآمد میں حکام اور مختلف عدالتوں کا اتفاق اور تعاون حیرت انگیز تھا۔ اس کے بعد آزاد ہونے کا دعوٰی کرنے والے میڈیا نے جس طرح پاکستان کی تاریخ کے اس عظیم اجتماع کا مکمل بائیکاٹ کیا، اب اس راز سے بھی پردہ اٹھ چکا ہے کہ معمولی خبروں کو بریکنگ نیوز بنانے والوں کے لیے لاکھوں کا عظیم الشان اجتماع کیوں خبر نہ بن سکا۔ بہر حال غازی ممتاز حسین کامیاب ہوئے، اس لیے کہ وہ تو شروع دن سے یہی چاہتے تھے کہ اپنے آقا علیہ السلام کے ناموس پر قربان ہو جائیں۔ پھانسی کی رات بھی ان کی خوشی چھپائے نہیں چھپتی تھی۔ اس رات غازی ممتاز قادری جتنے لوگوں سے ملے، ان سب نے کہا، وہ غیر معمولی طور پر پُر اعتماد اور مطمئن تھے۔ ملاقات کے لیے آنے والے اہل خانہ سے کہا، آپ مٹھائی لے کر کیوں نہیں آئے۔ جیل حکام کے مطابق غازی ممتاز قادری نے رات کا بیشتر وقت عبادت کرنے میں گزارا، تختہ دار پر جانے سے پہلے غسل کیا، نماز پڑھی اور خصوصی دعائیں کیں، پریشانی کے اثرات ممتاز قادری کے قریب سے بھی نہیں گزرے۔ صبح سویرے نفل ادا کرنے کے بعد ممتاز قادری کو تختہ دار پر لٹکانے کے لیے لایا گیا، تو جیل کے سارے عملے کو اچھے الفاظ میں دعائیں دیں۔ دم آخر زبان پر دُرود تھا۔ غازی ممتاز حسین قادری کے آخری دنوں کی روح پرور داستان کا پہلا حصہ شہید کے بڑے بھائی جناب دل پذیر اعوان کی زبانی آپ گزشتہ شمارے میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اس داستان ایمان وحمیت کا بقیہ حصہ خصوصی شمارے میں پیش کیا جا رہا ہے۔

غازی ممتاز حسین قادری پر کسی قسم کا تشدد اثر انداز نہ ہوا تو باہر سے ایک ٹیم بلائی گئی، جو چھ سات افراد پر مشتمل تھی۔ انہوں نے غازی صاحب پر تشدد کی انتہا کر دی۔ میرے بھائی نے مجھے بتایا: ''مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ انگوٹھے کے ذریعے میرے حلق سے جان نکال رہے ہیں، میں نے اپنے رب سے ضبط اور حوصلہ مانگا، اس کے ساتھ ہی اپنے آپ کو بیت اللہ شریف کا طواف کرتے پایا۔ اب مجھے درد نہیں ہوتا تھا، وہ مجھے بار بار ٹارچر کرتے تھے، مگر مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے کوئی چیونٹی یا مکھی میرے جسم پر چل رہی ہے۔ تفتیشی ٹیم کے ارکان نہایت حیرت سے آپس میں باتیں کرتے رہے

دل پذیر اعوان

اور میں مسکراتا رہا۔ یقیناً مجھے کوئی سدھ بدھ نہیں تھی، میرا بدن تو یہاں تھا، مگر میں خود وہاں تھا جہاں جانے کے لیے ہر عاشق رسول ﷺ تڑپتا ہے''۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹروں کی ایک ٹیم آئی، انہوں نے غازی صاحب کا معائنہ کیا۔ تشدد کرنے والوں نے پولیس افسروں اور ڈاکٹروں سے کہا، یہ آدمی تشدد کی وجہ سے اپنا دماغی توازن کھو چکا ہے۔ ڈاکٹروں نے تفصیلی معائنے کے بعد یہ ماننے سے انکار کر دیا کہ غازی ممتاز قادری کے دل یا دماغ پر کوئی اثر ہوا ہے، ان کا تاثر یہ تھا کہ انہوں نے برس ہا برس تک لوگوں کے دل و دماغ کے معائنے کیے ہیں، آج تک اتنے تشدد کے بعد کسی شخص کے دل کی دھڑکن اس قدر پر سکون نہیں دیکھی، جتنی ممتاز قادری کی دیکھی ہے۔ انہوں نے کہا، اگر کوئی کہتا ہے کہ وہ ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں، تو اس کا اپنا ذہنی توازن درست نہیں، یہ دلی اور دماغی طور پر بالکل ٹھیک اور نارمل ہیں۔ ڈاکٹر سے یہ سن کر کہ انہوں نے اپنی زندگی میں

بڑے بڑے مضبوط اعصاب کے ملزموں کا معائنہ کیا ہے، تشدد کے بعد وہ اندر سے ہل جاتے ہیں، مگر ممتاز قادری بالکل نارمل ہیں، ہم نے کسی کو اتنا پرسکون نہیں پایا۔ یہ بات سن کر تفتیشی افسر اور آئی جی اسلام آباد سمیت تمام اہل کار حیرت زدہ رہ گئے۔

میں بھائی سے ملنے جیل گیا، تو قیدیوں نے مجھے بتایا کہ غازی صاحب کو بکتر بند گاڑی میں اڈیالہ جیل لایا گیا تھا۔ وہ گاڑی سے یوں اترے جیسے کوئی بادشاہ اترتا ہے۔ انتظامیہ کی طرف سے پولیس کو ہائی الرٹ کا حکم ملا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنی بندوقیں سیدھی کر رکھی تھیں، لیکن غازی صاحب کو دیکھتے ہی پولیس اہل کاروں نے اپنی بندوقیں نیچی کر لیں اور ان کی گردنیں جھک گئیں اور کئی ایک بے اختیار دوڑ کر غازی صاحب کے پاس آئے اور ان کے ہاتھ چوم لیے۔ جن قیدیوں کو پتہ چلا کہ غازی صاحب بھی اڈیالہ جیل میں آگئے ہیں، تو وہ ان کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے مضطرب ہو گئے۔ اڈیالہ جیل کی دیواریں تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھیں اور جیل کی مختلف بیرکوں سے "ہمارا سردار آ گیا... آقا ﷺ کا جاں نثار آ گیا" کی گونج سنائی دینے لگی۔ سخت سکیورٹی میں غازی صاحب کو ایک کمرے میں لے جایا گیا، تو انہوں نے کہا، میری ہتھکڑی کھولو، مجھے نماز عصر ادا کرنی ہے۔ ایک اہل کار نے آگے بڑھ کر ہتھکڑی کھول دی۔ سینئر افسر نے اس کو ڈانٹا بھی کہ ہتھکڑی کیوں کھولی، مگر اس نے سنی ان سنی کر دی۔ نماز عصر کی امامت غازی صاحب نے کروائی اور قیدیوں سمیت پولیس اہل کاروں نے ان کے پیچھے نماز ادا کی۔ ملازمین انہیں دوبارہ ہتھکڑی لگانے سے گریز کر رہے تھے۔ مگر ڈپٹی جیلر نے زبردستی انہیں ہتھکڑی اور بیڑی پہنائی، جنہیں بعد میں عدالت کے حکم پر اتارا گیا۔ غازی صاحب کو پہلی مرتبہ عدالت میں پیش کیا گیا تو سخت ترین سکیورٹی کے انتظامات کیے گئے تھے، حالانکہ جیل کی دیواریں پندرہ فٹ اونچی تھیں اور یہ سب کچھ اس شخص کو فرار ہونے سے روکنے کے لیے کیا جا رہا تھا جس نے رضا کارانہ طور پر گرفتاری پیش کی تھی اور جو خود اپنے آقا ﷺ کی خاطر خوشی خوشی تختہ دار پر چڑھنا چاہتا تھا۔

عدالت کے باہر راولپنڈی اور اسلام آباد کے تمام وکلاء اپنے وکالت نامے ہاتھوں میں لیے کھڑے تھے۔ یہ منظر جج صاحب نے دیکھا تو وہ بھی حیران رہ گئے۔ ہر وکیل کی خواہش تھی کہ غازی صاحب اس کے وکالت نامے پر دستخط کریں۔ ان کا کہنا تھا ہم چاہتے ہیں کہ قیامت کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ کہہ سکیں کہ ہم نے آپؐ کے غلام کی وکالت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ سب کو وکیل بنانا ممکن نہ تھا، پھر بھی غازی صاحب نے اڑھائی سے تین سو وکلاء کے وکالت ناموں پر دستخط کیے۔ وہ وکلاء جو پیروی نہ کر سکے، انہوں نے بھی یہ کاغذات بطور اعزاز اپنے پاس رکھ لیے۔ غازی صاحب کو کمرۂ عدالت میں جج کے سامنے لایا گیا، تو ان کی گردن پر تشدد کے نشان واضح تھے۔ وکلاء نے جج صاحب سے کہا کہ ہم طبی معائنہ کرانا چاہتے ہیں۔ عدالت کی طرف سے کہا گیا کہ اب ان کا ریمانڈ نہیں لیا جائے گا، انہیں جیل بھیجا جائے گا۔ تاہم وکلاء کے اصرار پر ڈاکٹروں کی ایک ٹیم طلب کر لی گئی جس نے ان کا تفصیلی معائنہ کیا۔ ڈاکٹروں کے حوالے سے اخبارات میں یہ رپورٹ شائع ہوگئی کہ غازی صاحب پر بہت تشدد کیا گیا ہے۔ تاہم یہ رپورٹ یہ بتانے میں ناکام رہی کہ تشدد کے اصل محرکات کیا تھے۔ ڈاکٹروں کی ٹیم کا مطالبہ تھا کہ غازی صاحب کو ان کے حوالے کیا جائے تاکہ وہ لیبارٹری اور جدید ٹیکنالوجی سے تشدد کی نوعیت جان سکیں اور یہ بھی کہ آیا ان زخموں سے ان کے بدن اور دماغ پر مہلک اثرات تو نہیں ہوئے۔ عدالت کے باہر لوگوں کا جم غفیر غازی صاحب کی ایک جھلک دیکھنے کو بیتاب تھا۔ سیکورٹی کے پیش نظر جج صاحب نے انہیں ہسپتال جانے کی اجازت نہ دی اور بکتر بند گاڑی میں اڈیالہ جیل روانہ کر دیا۔ تشدد اس کے بعد بھی جاری رہا، لیکن ہر بار غازی ممتاز قادری کا عشق رسولؐ سے لبریز بیان سامنے آتا تھا کہ گستاخ رسولؐ کو قتل کرنا ان کا ذاتی فعل تھا، کسی دوسرے کا اس میں دخل نہ تھا۔

قیدِ تنہائی کی فرمائش

اڈیالہ جیل راولپنڈی پہنچ کر غازی ممتاز قادری نے واحد فرمائش یہ کی کہ انہیں تنہا رہنے کی اجازت دی جائے، حالانکہ ہر قیدی کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے قید تنہائی کے بجائے ایسی جگہ رکھا جائے جہاں کچھ رونق ہو اور دوسرے کچھ قیدی بھی ہوں جن سے گپ شپ میں وقت گزارا جا سکے۔ لوگ ایسے ماحول کی خاطر سفارش اور رشوت سمیت غیر قانونی ذرائع کا سہارا بھی لیتے ہیں، لیکن بھائی صاحب نے اپنے لیے ایک الگ سیل کا مطالبہ کر کے جیل انتظامیہ کو حیران کر دیا۔ ہم غازی صاحب سے ملاقات کے لیے گئے تو ان سے پوچھا کہ آپ نے اتنا تکلیف دہ فیصلہ کیوں کیا، حالانکہ قید تنہائی تو بجائے خود ایک سزا ہے۔ اس پر انہوں نے کہا، الحمدللہ، مجھے کوئی مشکل نہیں، تنہائی تو اسے محسوس ہوتی ہے جسے دنیا سے رغبت ہوتی ہے۔ مجھے دنیا کی کوئی چیز تسکین نہیں دیتی، میری راحت سرکار دو عالمؐ کی محبت میں ہے اور ان کی چاہت اور محبت اگر جیل کی کوٹھڑی اور قبر میں بھی مہیا ہو جائے تو پھر قید تنہائی کیا معنی رکھتی ہے۔ یہ بات سن کر ہمارے دل مطمئن ہو گئے اور ہماری سفارش پر جیل انتظامیہ نے غازی صاحب کو الگ سیل مہیا کر دیا۔ بعد میں ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ غازی صاحب رات بھر تلاوت قرآن اور نوافل میں مصروف رہتے ہیں، دن بھر وظائف پڑھتے اور درود پاک کا ورد کرتے ہیں۔ قید تنہائی میں آپ کا ماحول ذکر الٰہی سے سج جائے تو اور کیا چاہیے۔ الحمدللہ، آپ نے جیل میں پانچ وقت نماز باجماعت کا اہتمام کیا۔ اس سے پہلے جو کمی آپ کو اپنی عبادت میں محسوس ہوتی تھی، اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر وہ کمی دور کر لی، عبادت خصوصاً نوافل کا آپ نے خوب اہتمام کیا۔ آپ کا ذوق عبادت دیکھ کر دوسرے ملازمین اور قیدیوں میں بھی عبادت کا شوق پیدا ہوا۔ غازی ممتاز حسین قادری اپنی ابتدائی زندگی میں بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت معلوم کر کے اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ ذوق عبادت اور ذکر وفکر ان کو عشق رسول ﷺ سے ملا

تھا۔ فارغ اوقات میں عشق رسول ﷺ ان کو بے قرار رکھتا تھا اور وہ نعتیں گنگناتے رہتے تھے، وہ اکثر بچوں کو بھی نعتیں سکھاتے اور پھر ان سے سنا کرتے تھے۔ خود اختیار کردہ قید تنہائی میں بھی انہوں نے یہ مشغلہ جاری رکھا۔ ڈیوٹی پر موجود سپاہی نے انہیں ہمہ وقت عبادت میں مصروف دیکھا اور نعتیں گنگناتے سنا، تو اس نے ڈاڑھی رکھ لی۔ اکثر سپاہی وہاں ایک ہی ہفتے کی ڈیوٹی دیتے تھے۔ وہ گھر واپس جاتے تو ان کے گھر والے بھی ان کے چہروں پر سجی ہوئی ڈاڑھی اور نمازوں کی پابندی سے بہت متاثر ہوتے تھے۔ اکثر سپاہیوں نے غازی صاحب کے کہنے پر قرآن پاک کی تلاوت کو معمول بنا لیا۔ کئی ایک تو حفظ بھی کرنے لگے۔ مجھے کئی سپاہیوں نے کہا، ہم غازی صاحب کے چہرے کی طرف دیکھ نہیں سکتے۔ جیل انتظامیہ نے غازی صاحب کی محبت کا گہرا اثر اہل کاروں پر دیکھا تو ہر سپاہی کی ڈیوٹی ایک ہفتے سے کم کر کے ایک دن تک محدود کر دی، تاکہ انہیں غازی صاحب کی زیادہ صحبت میسر نہ آئے۔ اللہ کی عبادت کے ساتھ ساتھ وہ خلق خدا کی محبت سے بھی سرشار تھے۔ جب انہیں پتہ چلتا کہ فلاں قیدی ضمانت کی فیس نہ ہونے کی وجہ سے چھوٹے جرم کی بڑی سزا کاٹ رہا ہے، تو وہ ہم سے کہتے تھے کہ اس کی فیس کا بندوبست کریں۔ الحمدللہ ان کی کاوش سے کئی قیدیوں کو رہائی ملی، مگر ہمارے میڈیا پر یہ سب کچھ نہ دکھایا جا سکا۔

جیل کے اندر عدالت

غازی صاحب کے جیل جانے کے بعد عوام الناس نے جس طرح ان کی پزیرائی کی، جگہ جگہ جلسوں، جلوسوں اور ریلیوں میں ان کے اس عمل کو سراہا، مساجد، مدارس، کالجوں، سکولوں اور یونی ورسٹیوں میں ان کی تائید ہونے لگی، لوگ ان کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے چین رہتے تھے۔ بہت سے لوگ ان کی فوٹو مانگنے ہمارے گھر آتے تھے۔ ان کی بڑھتی ہوئی شہرت اور عقیدت نے حکومت وقت کو اس خوف سے دوچار کر دیا کہ لوگ عدالت میں ان کی پیشی کے موقعے پر امن امان کا مسئلہ نہ پیدا کر دیں۔ چنانچہ اس کے بعد جیل کے اندر ہی دہشت گردی کی عدالت لگائی گئی، اس نے جیل کے محفوظ علاقے میں غازی صاحب کا کیس سنا۔ ہم لوگ صبح آٹھ بجے پہنچ جاتے تھے۔ ساڑھے آٹھ بجے غازی صاحب کو بیڑیوں اور ہتھکڑیوں سے سجایا ہوا وہاں لایا جاتا۔ تاہم کیس کی سماعت کرنے والے جج صاحب کسی وقت کے پابند نہ تھے۔ رفتہ رفتہ عدالت میں مقدمے کی کارروائی سننے والے لوگوں کی اجازت محدود کر دی گئی۔ ہمارے گھر سے بھی صرف دو افراد عدالت میں جا سکتے تھے۔ ایک تو ہمارے والد بشیر احمد صاحب کو اجازت ملی اور ایک مجھے، یعنی غازی صاحب کے بھائی دلپذیر اعوان کو۔ جج صاحب اکثر گیارہ بجے آتے، اس دوران ہمارا وقت اچھا گزرتا، تقریباً اڑھائی گھنٹے تک ہم اس عاشق رسولؐ سے دل میں اترنے والی آواز میں نعتیں سنتے تھے۔ ان کے ہتھکڑیوں میں جکڑے ہوئے ہاتھ خوب چومتے اور ان کی مخصوص موہنی مسکراہٹ دیکھ کر نہال ہوتے۔ ان کی ایمان افروز باتیں سن کر اپنے دل کو گرماتے، ان کے اندر عشق مصطفیٰ ﷺ کی جو مشعل روشن ہو گئی تھی وہ ہمارے اندر ٹمٹمانے والے دیئوں کی لو بڑھانے کا باعث بن رہی تھی۔

یوں تو سلمان تاثیر کو کیفر کردار تک پہنچانے سے بہت پہلے ہی غازی ممتاز حسین قادری میں تبدیلی آ چکی تھی، لیکن اس کے بعد خصوصاً جیل میں وہ بہت بدلے ہوئے لگتے تھے۔ پہلی بار ہم تقریباً تین ماہ بعد غازی صاحب سے ملاقات کے لیے گئے تو خیال تھا کہ وہ ہمیں خوب گلے لگائیں گے اور جدائی کے دنوں کی حسرت نکالیں گے، ہم بھی لپٹ لپٹ کر ان سے گلے ملیں گے اور جیل سے باہر کے واقعات انہیں سنائیں گے۔ ان سے پوچھیں گے کہ آپ کو یہاں کیا کچھ تکلیف ہے۔ کھانے کو کیا ملتا ہے، کسی چیز کی ضرورت تو نہیں، لیکن جیسے ہی ہم ان کے چھ ضرب آٹھ فٹ کے سیل میں داخل ہوئے، جس کے اندر ہی باتھ روم بھی تھا، غازی صاحب نے کسی خاص جذباتیت کا اظہار نہیں کیا۔ ہمارا استقبال مسکراہٹ سے ضرور کیا، مگر بس...ایک روا روی کے انداز سے ملے اور والد صاحب اور سب بھائیوں کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ ہماری ضیافت طبع کا انتظام بھی انہوں نے پہلے سے کیا ہوا تھا۔ مختلف خشک میوے اور دیگر لوازمات پیش کیے۔ اس کے بعد بڑی پرسوز اور خوب صورت آواز میں قرآن پاک کی تلاوت کی۔ اس کے بعد حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبولؐ پیش کی۔ اس کے بعد ہم سے کہا، اگر آپ میں سے کسی کی خواہش ہو تو میں مزید بھی نعت سنانے کے لیے حاضر ہوں۔ ہم جو کچھ سوچ کر آئے تھے وہ بتانے کی نوبت ہی نہ آئی، نہ ہی اس بات کا موقع ہمیں مل سکا کہ ان سے کچھ روداد غم سنیں: چنانچہ ہم نے باری باری ان سے فرمائشیں کیں اور وہ اپنی پسندیدہ نعتیں سناتے رہے۔ ہمارے ساتھ چند بچے بھی تھے۔ غازی صاحب نے ان سے باری باری پیار کیا اور معمول کے مطابق ان سب سے نعت سنانے کے لیے کہا اور ان کو شاباش دی۔

غازی صاحب کے تختہ دار پر جانے سے دو دن پہلے ہماری ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات تک جو چھ برس گزرے، ان میں ان گنت ملاقاتیں ہوئیں، ان کا یہی معمول رہا، وہ عملاً دنیا اور اس کے علائق سے کٹ گئے تھے۔ ہم سے گھر کی باتیں نہیں پوچھتے تھے۔ نہ ہی اپنے دوستوں اور احباب، رشتے داروں، یہاں تک کہ اپنے اکلوتے بیٹے کا حال احوال بھی نہ پوچھتے، ہاں ہم میں سے کوئی باہر کی بات از خود کوئی موقع ملنے پر انہیں بتا دے۔ نہ ہی انہوں نے اپنے کیس کے بارے میں کبھی کوئی ایک لفظ کہا کہ سناؤ کیس کا کیا بنا، کون سی کورٹ میں چل رہا ہے اور کس سطح پر پہنچ چکا ہے۔ غرضیکہ وہ جس راستے کے مسافر تھے، بس اسی کا خیال ان کے دل میں تھا، اپنے مشن، مقصد اور منزل کا گہرا شعور ان کے اندر موجود تھا۔ ہم نے پہلی بار غازی صاحب کے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور دونوں پاؤں میں بیڑیاں دیکھیں تو تمام اہل خانہ اور وکلاء نے اس پر شدید احتجاج کیا۔ ہم نے اس موقعے پر انتظامیہ سے کہا کہ ہمارے بھائی نے جب اس گستاخ رسول کو مارا تھا، تو اگر اس وقت بھاگنا چاہتا تو اس کے لیے ممکن بھی تھا، مگر جب

اس نے خود گرفتاری دی تو جیل کی ان دیواروں سے کیوں اور کیسے بھاگے گا، پھر اسے ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں کیوں جکڑا جا رہا ہے۔ یہ ایک المناک حقیقت ہے کہ ان ہی عدالتوں میں ملک لوٹنے والے کرپٹ سیاست دان اور چور ڈاکو پورے احترام سے لائے جاتے ہیں۔ ہمیں یہ بات بہت دکھ دیتی تھی کہ ایک عاشق رسولؐ کے ساتھ ایسا سلوک ہو رہا ہے۔ ہم نے جیل انتظامیہ اور ججوں سے احتجاج کیا، مگر انہوں نے کوئی توجہ نہ دی تو ہائی کورٹ سے رجوع کیا۔ وہاں سے فیصلہ ہمارے حق میں آیا۔ اب ان کو پیشی کے لیے تو ہتھکڑی اور بیڑی میں لاتے تھے، مگر عدالت میں پیش کرنے سے پہلے بیڑیاں کھول دی جاتیں۔ جج کا رویہ انتہائی متکبرانہ تھا۔ وہ ہمارے وکلاء کے دلائل پر توجہ دینے کے بجائے ادھر ادھر دیکھتا رہتا تھا۔ اس سے قبل دو اور ججوں نے اس

کیس کی سماعت کی مگر دہشت گردی کورٹ نمبر ایک کے جج نے یہ کہہ کر کیس سننے سے ہی انکار کر دیا کہ ایک عاشق رسولؐ نے حب رسول ﷺ میں یہ کام کیا ہے، میرے حساب میں اس کی کوئی سزا ہی نہیں بنتی۔ میں ایک عاشق رسول ﷺ کو مجرموں کی طرح اپنے سامنے کھڑا کر کے ان کا کیس نہیں سن سکتا۔ اس کے بعد غازی صاحب کا کیس عدالت نمبر دو میں منتقل کر دیا گیا۔ دوسرے جج نے بھی چند سماعتوں کے بعد یہ کہہ کر کیس سے علاحدگی اختیار کر لی کہ قانون جو کہتا ہے کہے، مگر میرا وجدان ایک لمحے کے لیے بھی ممتاز حسین قادری کو مجرم نہیں سمجھ سکا۔ لوگوں نے یہ منظر بھی دیکھا کہ جج صاحب کی آنکھوں میں آنسو نمایاں ہو گئے۔ انہوں نے کہا، میری ملازمت جاتی ہے تو جائے، میں اس عاشق رسول ﷺ کا کیس نہیں سنوں گا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد پرویز نامی ایک جج کو لالچ دے کر لایا گیا۔ آنسو اس نے بھی بہت بہائے، مگر بعد میں پتہ چلا کہ یہ مگرمچھ کے آنسو تھے، اسی پرویز نے غازی صاحب کو سزائے موت کا فیصلہ سنایا۔

سیف الملوک... سلمان تاثیر کا وکیل

سلمان تاثیر کی نماز جنازہ پڑھانے سے جس طرح علماء نے انکار کیا، وہ اب تاریخ کا حصہ ہے۔ اسی طرح کوئی مقتول گورنر کا کیس لڑنے کے لیے کوئی وکیل بھی آمادہ نہ تھا۔ ایک سرکاری ادارے کے ریٹائرڈ افسر سیف الملوک کو بمشکل تیار کیا گیا، اسے بھی پورے خاندان کا تحفظ اور امریکی ویزے کا لالچ دیا گیا۔ اس کے باوجود وہ پورا وقت گھبراہٹ اور پریشانی میں مبتلا رہا۔ تین چار سماعتوں کے بعد ایک دن ایک شخص بدحواسی کے عالم میں تیزی سے کمرۂ عدالت میں داخل ہوا۔ سب کو حیرت ہوئی کہ اتنی سکیورٹی میں سے گزر کر وہ کس طرح آ گیا۔ سکیورٹی گارڈز نے اسے پکڑا تو اس نے کہا، میں سیف الملوک ہوں۔ کیا آپ نے مجھے پہچانا نہیں؟ میں اس کیس میں سرکاری وکیل ہوں۔ اس کی ہیئت کذائی یہ تھی کہ بال بکھرے ہوئے اور شرٹ کے بٹن کھلے ہوئے تھے اور پاؤں میں گھر میں پہنے جانے والے سلیپر تھے۔ اس کا چہرہ لال دانوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ ٹانگوں اور پورے جسم پر مسلسل خارش کر رہا تھا اور جج صاحب سے کہہ رہا تھا، جناب میری طبیعت سخت خراب ہے، میرے جسم پر دانے نکل آئے ہیں، لہٰذا آج کی سماعت ملتوی کر دیں۔ اسے دیکھ کر جج تو حیران تھا ہی، ہم سب اور ہمارے وکلاء بھی سخت حیران ہوئے۔ ہمارا اصرار تھا کہ کیس کو ہفتہ وار ہی چلنے دیا جائے، مگر جج نے کہا، پندرہ دن بعد سماعت کا وقت مقرر کریں، لیکن سیف الملوک چیخنے لگا، مجھے کم از کم تین ماہ دیے جائیں۔ اس لیے کہ میری حالت بہت زیادہ خراب ہے اور میرے جسم سے پیپ نکل رہی ہے۔ پندرہ دن بعد سماعت کا فیصلہ ہوا، لیکن سیف الملوک اس موقعے پر موجود نہیں تھا۔

ہمیں جب معلوم ہوا کہ اگلی سماعت پر ممتاز قادری صاحب کے مقدمے کا فیصلہ سنا دیا جائے گا تو ہم تقریباً تیس کے قریب وکلاء کے ساتھ ٹرائل کورٹ کے جج پرویز سے ملنے گئے اور اس سے پوچھا کہ آیا یہ درست ہے کہ وہ اگلی سماعت پر فیصلہ سنا رہے ہیں؟ تو جج نے شدت سے انکار کیا اور کہا، ایسی بات نہیں، ابھی تو ممتاز قادری کے وکلاء نے دلائل دینے ہیں، پھر گورنر کے وکیل سیف الملوک کو جرح کرنی ہے۔ ابھی تو کیس کافی عرصے تک چلے گا۔ فیصلے کا وقت قریب آیا تو میں آپ کو سماعت کے وقت موجود رہنے کی اجازت دوں گا۔ مگر جج نے ہمیں وکلاء اور عوام الناس کو دھوکہ دیا اور تین دن بعد ہونے والی سماعت پر بغیر دلائل سنے یا جرح کا وقت دیے فیصلہ سنا دیا۔ فیصلہ یوں سنایا گیا جیسے کوئی جرم کیا جا رہا ہو، عدالت کا وقت شروع ہونے سے کئی گھنٹے پہلے فیصلہ سنایا گیا۔ ہمیں تو سماعت کے لیے کیا بلایا جاتا، ہمارے وکلاء کو بھی اطلاع نہیں دی گئی۔ پس جج پرویز صبح چھ بجے غازی صاحب کو سزائے موت کا فیصلہ سنا کر پچھلے راستے سے باہر نکل گیا۔

اگلی سماعت کے روز ابھی صبح چھ ساڑھے چھ بجے تھے کہ مجھے اڈیالہ جیل سے نوائے وقت کے نمائندے سلطان سکندر صاحب کا فون آیا۔ فون اٹھایا، تو وہ رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے، بہت ظلم ہو گیا، بہت بڑا ظلم ہو گیا۔ میں نے سمجھا شاید ان کے گھر کوئی حادثہ ہو گیا ہے۔ میرے پوچھنے پر کہنے لگے، آپ کے بھائی کو جج نے دو بار سزائے موت سنا دی ہے اور عدالت سے چلا گیا ہے۔ میں نے حیرانی سے کہا، جناب کیا بات کر رہے ہیں، ابھی تو ساڑھے چھ بجے ہیں اور عدالت دس بجے کے بعد شروع ہوتی ہے۔ کہنے لگے نہیں... نہیں... میں آپ سے سچ کہہ رہا ہوں۔ میں اس وقت اڈیالہ جیل کے دروازے کے باہر کھڑا ہوں اور جج بکتر بند گاڑی میں بیٹھ کر سکیورٹی کے حصار میں روانہ ہو گیا ہے۔ میں نے دل میں کہا، شاید سلطان سکندر صاحب نے کوئی خواب دیکھا ہو، یہ کیسے ممکن ہے ساڑھے چھ بجے پاکستان میں کیا، دنیا میں کوئی عدالت نہیں لگتی، لیکن وہ مسلسل رو رہے تھے۔ میں ٹیلی فون بند کر کے دوبارہ لیٹ گیا۔ تقریباً دس منٹ بعد دوبارہ ایک صحافی کا فون آیا، اس نے بھی وہی بات کی۔ اس پر میں نے اس خبر کا سنجیدگی سے نوٹس لیا اور فوراً اٹھ کر کچھ دوستوں سے رابطہ کیا جو اڈیالہ جیل کے قریب رہتے تھے۔ انہوں نے دس پندرہ منٹ میں مجھے یہ مصدقہ خبر بتا دی کہ غازی صاحب فجر کی نماز پڑھ کر آرام کر رہے تھے کہ انہیں اٹھا کر جج کے سامنے پیش کیا گیا اور جج نے ایک لکھا لکھایا فیصلہ انہیں تھما دیا۔ وہ جج یہ فیصلہ پڑھ کر چلا

گیا۔ اس خبر کی تصدیق ہونے کے بعد ہم نے والد صاحب کو اطلاع دی، جب ہم سب اڈیالہ جیل پہنچے تو وہاں ہزاروں لوگ سراپا احتجاج تھے۔ صحافیوں نے مجھے بتایا کہ بعض سرکاری افسروں کا کہنا ہے کہ جج نے یہ فیصلہ سنانے کے بعد ائرپورٹ کی راہ لی ہے جہاں اس کی فیملی پہلے سے موجود تھی۔ وہاں سے وہ اپنی منزل مقصود کی جانب روانہ ہوچکا ہے۔

پرویز کا پرویزی فیصلہ اور غازی کا عالم شوق

پرویز کے پرویزی فیصلے کے بعد میں والد محترم اور دیگر بھائیوں اور وکلاء کے ساتھ جیل پہنچا اور غازی صاحب کے سیل میں گیا۔ وہ غسل کر کے نئے کپڑے پہن چکے تھے، جو چند دن پہلے چھوٹی عید کے موقعے پر میں ان کے لیے لے گیا تھا۔ غازی صاحب وہی کپڑے پہنے ہوئے تھے، بالوں میں تیل اور آنکھوں میں سرمہ لگا کر وہ ایک دولہے کی طرح سجے بیٹھے تھے۔ ہم سے خفگی کا اظہار کیا کہ ہم خالی ہاتھ کیوں آئے ہیں۔ ہمارے پوچھنے پر کہنے لگے آپ کو پتہ نہیں جج نے مجھے دو بار سزائے موت کا حکم سنایا ہے۔ حالانکہ غازی علم دین شہیدؒ کو ناموس رسالت پر قربان ہونے کے لیے ایک مرتبہ شہید کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔ اللہ رب العزت نے مجھے دو مرتبہ شہادت کے مرتبے سے سرفراز فرمایا ہے۔ آپ کو تو یہاں بانٹنے کے لیے مٹھائیوں کے ساتھ آنا چاہیے تھا۔ ٹرائل کورٹ سے سزائے موت کا فیصلہ سننے کے بعد غازی صاحب کے چہرے کی رنگت ہی کچھ اور ہوگئی تھی، ایک عالم شوق تھا جسے وہ چھپا نہیں پا رہے تھے۔ ہم واپسی کے لیے اٹھے تو غازی صاحب میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے علاحدگی میں لے گئے اور انتہائی بے تابی کے ساتھ پوچھا ''دل پذیر بھائی! جج نے سزائے موت کا جو فیصلہ سنایا ہے، کیا اس پر شام تک عمل ہو جائے گا، دیر تو نہیں لگائیں گے؟'' یہ سن کر میرا ایک ایک رونگٹا کھڑا ہوگیا۔ اس سے پہلے صرف کتابوں میں ہی پڑھا تھا کہ رونگٹے بھی کھڑے ہوتے ہیں۔ آج میرے پاؤں کے ناخنوں سے سر کے بالوں تک رونگٹے کھڑے ہوئے، تو میں نے یہ جانا کہ رونگٹے کیسے کھڑے ہوتے ہیں۔ میرا دل اور دماغ سن ہو چکا تھا اور بات کرنے کی، جب کہ غازی صاحب خوشی اور مسرت سے ایسے مسرور و شادمان تھے کہ اس سے پہلے کبھی ان کا یہ روپ دیکھا ہی نہ تھا۔

یہ یکم اکتوبر ۲۰۱۱ء کی بات ہے۔ جج پرویز کے فیصلے نے پوری امت کو سوگ میں مبتلا کر دیا تھا۔ یکم سے پانچ اکتوبر تک ملک بھر میں احتجاج جاری رہا۔ علماء کرام نے سات اکتوبر کو ملک بھر میں ہڑتال کا اعلان کیا جس کے نتیجے میں ایک ملک گیر ہڑتال ہوئی۔ کاروباری زندگی موقوف ہوگئی، سڑکوں پر ٹریفک رک گئی اور بستی بستی اس عاشق رسول ﷺ کے ساتھ اظہار محبت کیا گیا۔ اس کے بعد علماء نے اس فیصلے کو خلاف شریعت قرار دیا۔ مفتی محمد خان قادری صاحب نے جنوری ۲۰۱۲ کو ایک فتویٰ جاری کیا جس میں سلمان تاثیر کو توہین رسالت کا مرتکب قرار دیتے ہوئے مرتد قرار دیا۔ متعدد دوسرے علماء نے اس فتوے کی تصدیق کی اور فیصلہ دیا کہ ایک مرتد اور ملعون کو قتل کرنے پر غازی ممتاز قادری کو سزا نہیں دی جا سکتی۔ اس فتوے کی تصدیق کرنے والوں میں جامعہ اشرفیہ لاہور کے مفتی شاہ عبید، تنظیم اسلامی کے حافظ عاکف سعید، مفتی زاہد الراشدی اور جامعہ منصورہ کے مولانا عبدالمالک شامل تھے۔ اس کے علاوہ سینکڑوں

پاکستانی اور بیرون ملک کے علماء، فقہاء اور مفتیان عظام نے سلمان تاثیر کے قتل کو مباح قرار دیا اور ممتاز قادری کی سزا کو خلاف اسلام ٹھہرایا۔

ٹرائل کورٹ کے ظالمانہ فیصلے کے بعد سابق چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ خواجہ محمد شریف صاحب سابق جسٹس نذیر صاحب، چودھری غلام مصطفی غازی صاحب کے پاس گئے اور کہا، ہم ہائی کورٹ میں اپیل کرنا چاہتے ہیں۔ غازی صاحب نے وکلاء سے درخواست کی کہ وہ کوئی اپیل نہ کریں۔ ہم ملنے گئے، تو مجھے بھی کہا، آپ جانتے ہیں کہ میں جلد سے جلد اپنے آقا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ مجھے میری منزل پر پہنچنے سے مت روکیں، جبکہ ہمارے سمیت کروڑوں مسلمان غازی صاحب کو جیل سے باہر دیکھنا چاہتے تھے؛ چنانچہ ہم کئی علماء سے ایک درخواست لکھوا کر غازی صاحب کے پاس لے گئے اور ان سے کہا: ''علماء سزائے موت کے فیصلے کے خلاف اپیل کرنا چاہتے ہیں۔'' غازی صاحب سخت پریشان ہوئے، مگر علماء کے احترام میں سر جھکا دیا۔ انہوں نے کہا ''میں علماء کے حکم سے انکار نہیں کر سکتا۔ میں عالم دین نہیں، اس گستاخ تاثیر کو بھی میں نے علماء کے حکم اور فتاویٰ پر عمل کرتے ہوئے مارا ہے۔ تاہم میری شرط یہ ہے کہ یہ اپیل میری طرف سے نہیں ہوگی، علماء اور وکلاء کی طرف سے ہوگی۔'' اسلام آباد ہائی کورٹ میں اپیل کے تین چار ماہ بعد کیس کی سماعت شروع ہوئی۔ سبھی وکلاء کو قوی امید تھی کہ ہائی کورٹ ٹرائل کورٹ والی غلطی نہیں دہرائے گی۔ اس لیے کہ ٹرائل کورٹ نے بغیر دلائل سنے ایک غیر شرعی فیصلہ صادر کیا تھا۔ ہائی کورٹ دونوں طرف کے دلائل کو سن کر فیصلہ کرے گی، جو یقیناً ہمارے حق میں آئے گا۔ مگر انتہائی دکھ اور کرب کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہائی کورٹ کے جج بھی دوران سماعت ایسے ریمارکس دیتے رہے، جن سے اس بات کا اندازہ ہوگیا کہ ان کی سوچ کیا ہے۔ بعد میں ہائی کورٹ نے بھی انصاف کا قتل کیا۔ ٹرائل کورٹ کی سزا باقی رکھی گئی، البتہ دہشت گردی کی دفعہ ختم کردی گئی۔

ہائی کورٹ کے فیصلے کے بعد اب سپریم کورٹ میں اپیل کرنے کا مرحلہ تھا۔ غازی صاحب ہائی کورٹ میں بھی اپیل کرنے سے انکار کر چکے تھے، جب سپریم کورٹ میں اپیل کرنے کی اجازت مانگنے گئے، تو انہوں نے اپنا چہرہ دوسری جانب پھیر لیا۔ دوسری مرتبہ وکلاء نے اپنا سوال دہرایا، تو غازی صاحب اٹھ کر باہر چلے گئے۔ اس پر بھی وکلاء دل برداشتہ نہ ہوئے۔ وکلاء نے کہا چلیں ایک دو دن بعد رابطہ کریں گے۔ ہم نے پھر علمائے کرام سے رابطہ کیا کہ غازی صاحب کو راضی کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ علمائے کرام نے ایک تحریر کی صورت میں مطالبہ کیا کہ اب یہ کیس غازی ممتاز قادری صاحب کا نہیں، تحفظ ناموس رسالت اور ۲۹۵-سی کا ہے اور ہمیں حرمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آخری سانس تک

لڑنا ہوگا۔ علماء نے غازی صاحب کو دلائل سے قائل کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہم نے یہ اپیل داخل نہ کی تو یہود ونصاریٰ کے ایجنٹوں کو دفعہ ۲۹۵۔ سی ختم کرنے کا بہانہ مل جائے گا۔ یہ دلائل سن کر غازی صاحب نے کہا اپیل بہر حال میری طرف سے نہیں ہوگی۔ اگر علماء اور وکلاء مناسب سمجھتے ہیں کہ ۲۹۵۔ سی کے تحفظ کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے تو وہ ایسا کر لیں۔ اپیل داخل کر دی گئی، تو اب ہمیں قوی امید تھی کہ عدالت عظمیٰ سے انصاف ہو گا۔ عام خیال یہ تھا کہ سپریم کورٹ کم از کم چھ ماہ یا سال بعد سماعت کی تاریخ رکھے گی۔ اس لیے کہ اس سے پہلے اپیل کے تیس ہزار کیس سماعت کے منتظر تھے۔ اگر باری باری ایک کیس ایک دن بعد بھی سنا جاتا تو ہماری باری تیس ہزار دن بعد آنی تھی، مگر انتہائی عجیب بات ہوئی کہ چار ہی روز بعد سپریم کورٹ نے نوٹس بھیج دیا کہ آپ کا کیس سماعت کے لیے منظور کر لیا گیا ہے۔ اس لیے آپ وکلاء کے ساتھ آ جائیں۔ یقیناً سپریم کورٹ ہائی پروفائل کیس پہلے سن سکتی ہے، مگر کیا آسیہ کا کیس ہائی پروفائل نہیں تھا۔ وہ عورت جس نے امت مسلمہ کے دل مجروح کیے۔ یہ فائل تو غازی صاحب کے کیس سے ایک برس پہلے سپریم کورٹ میں موجود تھی۔ اس کے بعد غازی ممتاز قادری کیس چلایا جاتا، لیکن آسیہ اور دوسرے سزا یافتہ مجرموں کے کیس پیچھے رکھ کر پانچ اپریل ۲۰۱۵ء کو غازی ممتاز قادری کیس کی سماعت کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ اس طرح ہمارے وکلاء کو تیاری کا مناسب وقت بھی نہ دیا گیا۔ اس کے بعد صرف دو دن کے اندر اندر یعنی سات اپریل ۲۰۱۵ء کو جلد از جلد اس کیس کا فیصلہ بھی سنا دیا گیا۔ وہی فیصلہ برقرار رکھا گیا جو ٹرائل کورٹ کے جج پرویز نے دیا تھا۔ بلکہ سپریم کورٹ نے نواز حکومت کے وزیر داخلہ کی درخواست پر یہ فیصلہ بھی دے دیا کہ ہائی کورٹ نے دہشت گردی کی جو دفعہ ختم کی تھی وہ بحال کی جاتی ہے۔

اس طرح نواز حکومت اور ان کے وزیر داخلہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عاشق زار کو دہشت گرد قرار دے کر خوشی محسوس کی۔

اس مرحلے پر کہ جب سپریم کورٹ سے بھی ٹرائل کورٹ کے فیصلے کی توثیق کر دی گئی۔ اچانک میڈیا پر شور مچایا گیا کہ غازی ممتاز قادری نے صدر پاکستان سے رحم کی اپیل کی ہے اور کہا ہے کہ میں گھر کا واحد کفیل ہوں مجھے معاف کر دیا جائے۔ ہم نے اس جھوٹ کی بھر پور مذمت کی اور عین اس وقت جب اسکرین پر یہ جھوٹا پروپیگنڈا جاری تھا، میں نے الیکٹرانک میڈیا بالخصوص جیو ٹی وی والوں سے کہا کہ میں آپ کو چیلنج کرتا ہوں، آپ اپنی اسکرین پر جہاں ممتاز قادری نے صدر سے رحم کی اپیل کی جھوٹی خبر سنا رہے ہیں، وہاں پر اپیل کی تحریر کی تصویر بھی ٹی وی اسکرین پر دکھا دیں۔ اگر آپ ٹی وی اسکرین پر ایسی کوئی اپیل دکھا دیں گے تو میں دس کروڑ روپے ہرجانہ دینے کو تیار ہوں۔ مگر آپ یہ غلط اور جھوٹا الزام لگا کر عاشقان رسول ﷺ کے دلوں کو تکلیف پہنچا رہے ہیں۔ کسی چینل نے میرا موقف کو سننے یا دکھانے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ بعد میں علمائے کرام اور وکلاء نے بھی بیانات جاری کیے کہ غازی ممتاز حسین قادری تو ہائی کورٹ میں بھی اپیل کرنے کو تیار نہیں تھے اور سپریم کورٹ میں بھی اپیل کرنے سے انکاری تھے، تو صدر سے رحم کی اپیل کیوں کریں گے۔ غازی صاحب نے اس موقعے پر صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا ''زندگی اللہ کی امانت ہے، صدر پاکستان یا وزیر اعظم کون ہوتے ہیں زندگی دینے والے۔'' اس وقت ہمیں معلوم نہیں تھا کہ جیل میں کسی عاشق رسول ﷺ نے غازی صاحب کی ایک وڈیو بنا کر رکھی ہوئی تھی جس میں انہوں نے اعلان کیا تھا کہ میں نے صدر مملکت یا کسی اور سے کوئی اپیل نہیں کی۔ یہ وڈیو آج بھی موجود ہے۔ جس میں غازی صاحب کا اپنی زبان سے یہ اعلان کیا گیا ہے، مگر میڈیا کا کردار انتہائی شرم ناک اور جعلی رہا اور اس نے اپنے جھوٹ کی تردید کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

شہادت کی شب اور جیل انتظامیہ کا سفید جھوٹ

اتوار کی شام ہم جلد سو گئے کہ اگلا دن پیر کا تھا۔ تقریباً ساڑھے دس بجے مجھے اڈیالہ جیل سے فون آیا کہ غازی صاحب کی طبیعت خراب ہے کہ آپ فوراً جیل پہنچیں۔ ہمیں یہ بات حیران کرتی تھی کہ ہم جمعرات کو ہی ان سے ملاقات کر کے آئے تھے اور غازی صاحب بالکل تندرست تھے۔ اگر بیماری کے آثار بھی ہوتے تو ہمیں پتہ چل جاتا۔ ابھی میں اٹھنے کی تیاری ہی کر رہا تھا کہ دوبارہ فون آیا کہ آپ اہل خانہ کو بھی ساتھ لے کر آئیں اور جلدی آئیں، اس لیے کہ ان کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔ میں نے گھر والوں کو اطلاع دی۔ ابھی ہم تیاری کر ہی رہے تھے کہ ایک اور فون آ گیا، آپ گھر پر ہی رکیں ہم آپ کو لینے گاڑی بھیج رہے ہیں۔ ٹھیک دس منٹ بعد گاڑی ہمیں لینے آ گئی۔ جس طرح سے پے در پے فون کیے گئے، ان سے یہ سوچ خود بخود پیدا ہوئی کہ حکومت نے کوئی ظالمانہ فیصلہ نہ کر دیا ہو۔ چنانچہ بڑی جلد بازی میں والد صاحب، غازی صاحب کے بیٹے، اہلیہ اور تمام اہل خانہ کو اٹھایا اور ہم سب لوگ ساڑھے گیارہ بجے اڈیالہ جیل پہنچے۔ جہاں پر انہوں نے ہمیں ایک گھنٹے تک ایک کمرے میں بند رکھا۔ ہم نے دروازے پر لاتیں مار کر اور شور مچا کر احتجاج کیا کہ ہمیں یہاں قید کیوں کیا گیا ہے، اس پر مزید انتظار کرنے کے لیے کہا گیا اور آدھے گھنٹے تک مزید انتظار کرنے کے بعد دروازہ کھولا گیا اور ہمیں رہائی ملی۔ اس موقعے پر ہمیں بتایا گیا کہ اوپر سے آرڈر آ گیا ہے کہ غازی ممتاز حسین قادری صاحب کو تختہ دار پر لٹکا دیا جائے۔ چونکہ ان کی شہادت کا وقت قریب ہے، اس لیے آپ کو بلایا گیا ہے۔ ہم نے انتظامیہ سے احتجاج کیا اور کہا کہ ہمیں اتنی بری خبر سنائی جا رہی تھی تو اتنا سفید جھوٹ کیوں بولا گیا اور ہمارے گھرانے کی عورتوں اور بچوں سمیت سب کو ڈیڑھ گھنٹے سے بند کیوں رکھا گیا؟ اس کے جواب میں جیل کے کارندے بالکل خاموش رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہمیں دوسرے کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ایک اور کمرہ تھا، جس کی کھڑکی میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ کچھ دیر بعد غازی صاحب کو ان سلاخوں کے پیچھے ہم سے ملنے کے لیے لایا گیا۔ انہیں دیکھ کر ہم سب رنجیدہ ہوئے۔ ہمیں ان سے جدا ہونے کا اتنا دکھ نہیں تھا، جتنا اس بات کا دکھ اور غصہ تھا کہ یہاں ڈاکوؤں اور ملک

توڑنے والوں کو دین بیچنے والوں کو اور غداروں کو تو اعزاز و اکرام کے ساتھ رکھا جاتا ہے، لیکن ایک عاشق رسول ﷺ، جس نے اسلام کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کے لیے جان کی بازی لگا دی اور ناموس رسالت ﷺ پر قربان ہونے کا حق ادا کر دیا، اس کے اہل خانہ سے کیا سلوک کیا جا رہا ہے۔

ہمارے دکھ اور غم کا مداوا غازی صاحب کی مسکراہٹ نے کر دیا۔ وہ ہمیں اپنی طرف موڑتے ہوئے کہہ رہے تھے، آپ مت پریشان ہوں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں میں کہاں جا رہا ہوں۔ کیا آپ اس لیے غم زدہ ہیں کہ میں موت سے ہم کنار ہو رہا ہوں، ارے میں تو حیات نو پانے جا رہا ہوں۔ میں اپنے اللہ اور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا رہا ہوں۔ آپ سب کو تو خوش ہونا چاہیے۔ اگر آپ پریشان ہوں گے تو میں آپ سے ناراض ہوں گا۔ اس ملاقات کے دوران بھی غازی صاحب اپنی پسندیدہ نعتیں پڑھتے رہے، اپنے بزرگوں اور اساتذہ کے نام لے لے کر دعائیں کرتے رہے اور کہتے رہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ایک عاشق رسول ﷺ کو جانتے ہیں۔ جس کسی نے تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے لیے اور میری رہائی کے لیے کوششیں کی ہیں وہ سب اللہ کی رحمت و نعمت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ پھر کہا، میرا شکریہ ان سب کو پہنچا دیجیے گا جس جس نے مجھ سے اور میرے مشن سے محبت کی اور اس میں اپنا حصہ ڈالا۔ میں ان سب کو سلام پیش کرتا ہوں اور ان سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضری ہو گی تو ان سب کا سلام عقیدت پیش کروں گا اور ان کی شفاعت کی استدعا بھی کروں گا۔ غازی صاحب کی یہ باتیں سن کر بہت حوصلہ ملا اور ہمارے دل مضبوط ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی اہلیہ، مجھے اور والد صاحب کو تاکید کی کہ میرے بیٹے کو باعمل عالم بنایا جائے اور میری خواہش ہے کہ یہ اپنی جان ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ کے لیے وقف رکھے۔ یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنے بیٹے کو اپنے گلے سے لگایا اور اس سے کہا "محمد علی رضا قادری! تم بابا کے نقش قدم پر چلو گے؟" تو محمد علی نے کہا "بابا! ضرور آپ کے نقش قدم پر چلوں گا۔" پھر اس سے کہا "محمد علی قادری! تم نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔" اس نے کہا "ہاں بابا! میں نے وعدہ کیا ہے۔" معصوم بچے نے کہا "بابا! آپ میرے ساتھ گھر چلیں۔" اس کے جواب میں غازی صاحب نے فرمایا "ضرور... ان شاء اللہ، فجر کی نماز کے وقت میں آپ کے پاس آ جاؤں گا۔" ان کی یہ بات سن کر ہم سب رنجیدہ ہوئے کیوں کہ اسی فجر سے پہلے ان کی پھانسی کا وقت مقرر تھا۔ انہیں گھر تو یقیناً پہنچنا تھا، لیکن پانچ برس کا بچہ کیا جانے کہ جب وہ گھر پہنچیں گے، تو کہیں اور پہنچ چکے ہوں گے اور ان کی باہم بات بھی نہیں ہو سکے گی۔ تاہم محمد علی اپنے والد کے وعدے پر خوش تھا اور پھولے نہیں سما رہا تھا۔ اپنی تربت کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ اتفاق رائے سے بنائی جائے اور یہ بھی کہا، مزار کے بجائے اس کے قریب مسجد اور ایک مستند عملی ادارہ بنایا جائے، تاکہ وہاں پڑھنے والے دینی اور دنیوی علوم سے آراستہ ہوں۔ وہ ایک بہترین معاشرے کے بہترین فرد ہونے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق بھی ہوں۔ بہت سی اور باتیں بھی کیں جن کو میں کسی فرصت کے وقت بیان کروں گا۔

شہادت سے تقریباً ایک ہفتے بعد میں اڈیالہ جیل گیا تاکہ غازی صاحب کا سامان لے کر آؤں۔ اس میں چند برتن، کپڑے اور ضروریات کی چیزیں تھیں۔ کمرے میں جانے سے پہلے میری ملاقات جیل انتظامیہ کے کچھ افسروں سے ہوئی۔ ہر ایک کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ سب نے بڑی محبت اور چاہت سے میرا استقبال کیا جو غازی صاحب کی شہادت کے وقت جیل میں موجود تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا، جب آپ ملاقات کے بعد رخصت ہو گئے تو پورا وقت غازی صاحب کے چہرے پر ایک مسکراہٹ طاری رہی۔ ان اہل کاروں کا کہنا تھا، یہ ہمارا پہلا تجربہ تھا، اس لیے کہ جس شخص کو تختہ دار پر چڑھایا جاتا ہے، اس کی آخری رات بہت مشکل گزرتی ہے۔ ان میں سے اکثر تو اپنے پاؤں پر چل کر نہیں جا سکتے۔ انہیں اٹھا کر تختہ دار پر لے جانا پڑتا ہے، مگر غازی ممتاز حسین قادری صاحب نے آخری وقت تک ہمیں حیران و پریشان رکھا۔ جب متعلقہ اہل کار انہیں تختہ دار کی جانب لے جا رہے تھے، تو غازی صاحب جیل افسران سے تین چار قدم آگے چل رہے تھے۔ تختہ دار کے قریب پہنچے تو ایک دو لوگوں نے غازی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر انہیں تختہ دار پر چڑھانے کی کوشش کی، اس پر غازی صاحب نے انہیں روک دیا اور کہا میں خود چل کر جا سکتا ہوں۔ تختہ دار پر کھڑے ہو کر غازی صاحب نے رسے کو چوما اور کہا، یہ رسہ مجھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی منزل سر کرنے کا وسیلہ ہے۔ اس کے بعد وہ پولیس افسروں اور جیل انتظامیہ کی طرف متوجہ ہوئے "کس کس کو مدینے جانا ہے، میں تو چلا مدینے"۔ ایک بار کہا تو کسی کا جواب نہ آیا، دوبارہ کہا تو سب لوگ بہت رنجیدہ تھے اور جیل انتظامیہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ ایک پھانسی کے مجرم کی خاطر رو رہے تھے۔ جیل انتظامیہ کے نوے فی صد لوگوں کو بالکل آخر میں بتایا گیا تھا۔

ادب سے اس نعش کو اتارو

سحر دم غازی صاحب نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ میرے پاس بہت سے ایسے مستند شواہد ہیں کہ حکومت وقت نے ممتاز حسین قادریؒ کی شہادت کے لیے کیسے کیسے بھیانک جرائم کا ارتکاب کیا۔ اسے ملک بھر کے قانون دانوں کی طرف سے عدالتی قتل اور ناحق قتل کہا گیا۔ اس طرح ایک پانچ سالہ بچے اور غازی صاحب کے اہل و عیال، بلکہ امت مسلمہ کو گہرا زخم دیا گیا۔ ہمارا دکھ کبھی نہیں مٹے گا، مگر میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ اس امت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کروڑوں جاں نثار بھی اپنے مجرموں کو بھولیں گے نہ معاف کریں گے۔ یہ کس قدر شرم ناک بات ہے کہ یہودی لابی، امریکی اور یورپی یونین کی چند این جی اوز نے فلاح و بہبود کے نام پر جو فحاشی اور بے حیائی کا بازار گرم کیا ہوا ہے، انہیں خوش کرنے کے لیے ان کی تجویز کے مطابق ہماری عدالتوں اور سرکاری ایوانوں کو استعمال کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی سنت ثابتہ ہے کہ

وہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو دنیا کی زندگی میں بھی عزت نہیں دیتا اور آخرت کا عذاب تو یقیناً رسوا کن ہوگا۔ صبح ساڑھے چار بجے کے قریب جیل انتظامیہ نے بڑے ادب و احترام سے شہید کا لاشہ میرے سپرد کیا۔ میں ایمبولینس میں بیٹھا تھا اور ایمبولینس ہمارے گھر کی طرف جا رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ غازی صاحب کے چہرے پر مسکراہٹ کھیلنے لگی ہے۔ ان کا جسم اتنا گرم تھا کہ جب میں ان کی مٹھی دبا کر بند کر رہا تھا، تو وہ خود بخود کھل جاتی تھی۔ ہم گھر پہنچے تو فجر کی اذانیں ہو رہی تھی۔ ہم جیسے ہی گھر میں داخل ہوئے، ننھا محمد علی قادری کہیں سے دوڑتا ہوا آ گیا۔ اسے خوشی تھی کہ اس کے بابا وعدے کے مطابق گھر آ گئے ہیں، پھر وہ اپنی والدہ سے پوچھنے لگا کہ بابا بولتے کیوں نہیں۔ اس وقت ہمارے پاس معصوم محمد علی کی معصوم بات کا کوئی جواب نہ تھا۔ ہم بار بار بات بدلنے کی کوشش کرتے رہے اور وہ بار بار پوچھتا رہا: ''بابا بولتے کیوں نہیں۔''

الحمدللہ غازی صاحب کی وصیت کے مطابق اور افراد خاندان کی مشاورت سے آبائی علاقے بھارا کہو میں سملی ڈیم روڈ پر واقع گاؤں اٹھال شریف کے پر فضا مقام پر غازی صاحب کی تدفین ہوئی۔ راولپنڈی سے مری جاتے ہوئے بھارا کہو چوک سے چار کلومیٹر مشرق کی جانب، یہ جگہ واقع ہے۔ اس چوک کا نام ممتاز قادری شہید چوک رکھا گیا ہے۔ نماز جنازہ کے لیے دوسرے دن بعد دوپہر کا وقت طے کیا گیا۔ افسوس اس ملک کے میڈیا نے معمول کے مطابق یہود و نصاریٰ کی خوشی کے لیے اس عظیم الشان اجتماع کا مکمل بائیکاٹ کیا۔ وہ ذرائع ابلاغ جو رائے ونڈ محل میں نواز شریف کے مور کی موت کی خبر بریکنگ نیوز کے طور پر دیتے ہیں اور آصفہ بھٹو کی بلیوں کی بیماری ان کی ہیڈ لائن بنتی ہے، میڈیا چینلز نے اس دن پاکستان کو دنیا بھر میں بدنام کرنے والی ایک عورت شرمین عبید کی فلم کی خبروں کو اہمیت دی گئی۔ کیا ان کو غازی ملک ممتاز حسین قادری کے جنازے میں لاکھوں افراد کی شرکت نہ دکھائی دی۔ اس موقعے پر ۹۲ نیوز کی بہادری کا دل سے اعتراف کرنا چاہیے، جنہوں نے غازی صاحب کے جنازے کا پروگرام نشر کر کے پانچ کروڑ روپے جرمانہ برداشت کیا۔ لیاقت باغ میں نماز ظہر کے بعد نماز جنازہ ادا کی گئی۔ امام احمدؒ بن حنبل نے فرمایا تھا ''ہمارے بعد ہمارے جنازے فیصلہ کریں گے کہ حق پر کون تھا'' غازی ممتاز حسین قادری کے جنازے نے برحق ثابت کیا۔ انسانوں کا ایک سمندر تھا، لیاقت باغ میں اتنی وسعت نہیں تھی کہ وہ انسانوں کے اس ٹھاٹھیں مارتے سمندر کو اپنے دامن میں سما سکے۔ مری روڈ پر سنٹرل ہسپتال سے صدر تک لوگ ہی لوگ تھے۔ میلوں لمبی صفیں تھیں جو جنازے میں شریک تھیں۔

اس اجتماع کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ یہ نظم و ضبط اور امن و امان کے حوالے سے بے مثال اور قابل تعریف تھا۔ یہ تفصیلات اخبارات میں آ چکی ہیں کہ نماز جنازہ میں لاکھوں کا ہجوم غم و غصے کے باوجود انتہائی پرامن رہا۔ غازی شہید کے احترام میں لوگوں نے کسی درخت کا ایک پتہ بھی نہ ٹوٹنے دیا، اس لیے کہ ان میں ایک بھی باغی نہ تھا، یہ سب اللہ کے رسول ﷺ کی محبت سے سرشار تھے۔ ان کی اکثریت پیدل چل رہی تھی۔ یہ پہلے لیاقت باغ تک سارے راستے پر درود و وظائف پڑھتے گئے، پھر لیاقت باغ سے اٹھال تک ۳۰ کلومیٹر کے راستے پر شہید کی نعش لے کر چلے۔ جس ادب سے گئے تھے، اسی احترام سے واپس پہنچے۔ اس محبت... اس احترام اور... اس دردمندی کی مثال کوئی پیش کر سکتا ہے؟

ادب سے اس نعش کو اتارو!
یہ نعش زندہ شہید کی ہے
شہید!۔۔ جس نے اذیتوں سے مئے تمنا کشید کی ہے
شہید!۔۔ جس نے بدن کے بدلے حیات دائم خرید کی ہے
یہ پاک میت ہے ایک سورج! ضیایہ صبحِ امید کی ہے

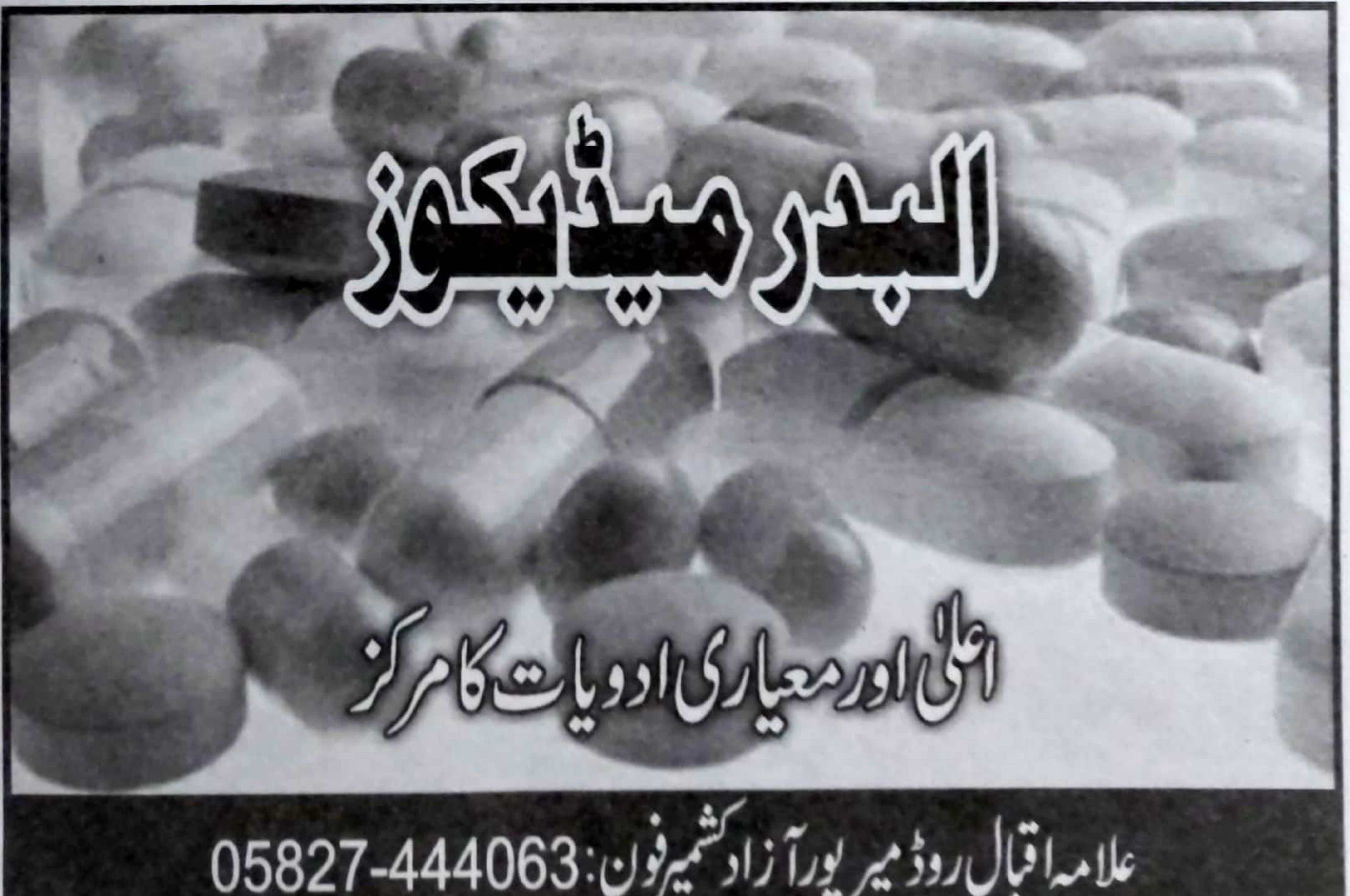

(۱۹۱۲ء تا ۱۹۳۵ء)

غازی عبدالقیوم خان شہید

توہین رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ علیہ والسلام کی روایت بھی مغرب میں صدیوں سے موجود ہے۔ مغربی مستشرقین نے پیغمبر اسلام اور قرآن مجید پر جھوٹے اہانت انگیز اور ناروا الزامات لگائے۔ مسلم دانش وروں، علمائے کرام اور مفکرین نے ہمیشہ شائستگی کے ساتھ علمی سطح پر دلیل اور محبت کے ساتھ ان کے جوابات دیے ہیں۔ برعظیم ہندوستان پر مسلمان حکمرانوں نے آٹھ سو سال سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی، اس پُورے عرصے میں ہندوؤں اور دیگر اقوام کو اہانت رسول اور اسلامی شعائر کی توہین کی جرات نہیں ہوئی۔ قرآن اور الہامی کتابیں شاہد ہیں کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے رسولوں سے انتہائی شرم ناک سلوک روا رکھا، ان کو ایذائیں دیں، قتل اور مصلوب کیا۔ مغلیہ دور میں متھرا کے راجے کا معروف واقعہ ہے جسے مغل شہنشاہ اکبر کے دور میں اس وقت کے قاضی القضاۃ (Chief Justice) نے توہین رسالت پر سزائے موت سنائی تھی۔ مغل شہنشاہ نے راجہ کی زندگی بچانے کی سر توڑ کوششیں کیں مگر عدلیہ نہیں مانی اور راجہ کو سزائے موت دے دی گئی۔ مغلیہ دور میں اس اہم واقعے کے سوا اور کوئی اہم قابل ذکر واقعہ نہیں ہوا جس میں شاتم رسولؐ نے دریدہ دہنی کی اور اس کو قرار واقعی سزا ملی ہو۔ البتہ برطانوی ہند میں انگریزوں کے سامراجی دور میں انگریز حکومت اور ان کے پادریوں کی شہ پر ہندوؤں نے مسلمان دشمنی کے سبب توہین رسالت اور شعائر اسلامی کی تضحیک و تحقیر کو اپنا شعار بنالیا جس کے سبب مسلمانانِ ہند میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی اور وہ سراپا احتجاج بنے رہے۔ سامراجی حکمرانوں نے ان دریدہ دہنوں کی نہ تو سرکوبی کی اور نہ ان کو قرار واقعی سزائیں دیں، لیکن عاشقان رسول ﷺ نے ہی حب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہوکر جوان کے ایمان کا لازمی جزو ہے، ان بدبختوں کو واصل جہنم کیا اور منصب شہادت پر فائز ہوگئے۔ اپنے آقا

محمود عالم صدیقی

و مولا صلی اللہ علیہ وسلم اور دین پر جان قربان کردینے والے اسلام کے ان ہی بہادر سپوتوں کے دم قدم سے شاتمین رسول اور اسلام دشمنوں پر موت کا لرزہ طاری ہوا اور اپنی جان کی حفاظت کے لیے وہ اور ان کے پشت پناہ عیسائی اور یہودی اور ہنود حکومتی اور انفرادی سطح پر غیر معمولی اقدامات پر مجبور ہوتے رہے یا تحفظ کے کثیر اخراجات کے باوجود ان میں کئی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ بیسویں اور اکیسویں صدی میں ملعون سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین، ٹیری جونز اور چارلی ایبڈو اور اس کے حواری اس کی مثالیں ہیں۔

شہدائے ناموس رسالت کی ایک رنگا رنگ دھنک ہے، مردانِ حق آشنا صدیوں سے اپنے پیارے نبی ﷺ کی شان و عظمت پر نثار ہوتے رہے ہیں۔ ان ہی شہداء کے قافلے کے ایک رکن غازی عبدالقیوم خان بھی تھے۔ غازی صاحب ۱۹۱۲ء میں ضلع ہزارہ کی تحصیل ہری پور کے گاؤں غازی میں ایک غیور پٹھان عبداللہ خان کے ہاں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے ان کے اندر حصول علم کا شوق بہت شدید تھا، مگر عصری تعلیم سے زیادہ دینی تعلیم حاصل کرنے کا شوق تھا، چھٹی جماعت پاس کرنے کے بعد گاؤں کے علمائے کرام سے دینی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے اور اکثر قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہتے تھے، آپ کی چھ بہنیں اور ایک بھائی تھا۔ بہنیں اچھے گھرانوں میں بیاہی گئی تھیں، والد ۱۹۳۲ء میں انتقال کرگئے۔ ۱۹۳۴ء میں جب ان کی عمر محض ۲۲ سال تھی ان کی شادی کردی گئی۔ شادی کے چند ماہ بعد ہی وہ کراچی آگئے۔ یہاں اُن کے چچا رحمت خان گھوڑا گاڑی چلاتے تھے۔ کراچی جاکر غازی صاحب نے چچا کے گھر ہی قیام کیا اور وکٹوریہ گاڑی چلانے لگے۔ کراچی میں بھی مذہبی رجحانات غالب رہے، کام سے جو وقت بچتا مسجد میں ہی گزرتا۔ ایک دن مسجد میں ہی آریہ سماج کے حیدرآباد (سندھ) کے سیکرٹری نتھو رام کے بارے میں ایک اشتہار پڑھا، اس اشتہار میں گستاخ رسول نتھو رام کے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی توہین کرنے کی تفصیلات درج تھیں۔ اس زمانے میں صوبہ سندھ بمبئی میں شامل تھا۔ یہ ہندوستان میں برطانوی سامراجی دور تھا اور اسلام دشمن ہندو لیڈر شردھانند کی شدھی تحریک زور و شور سے جاری تھی، کئی بدزبان اور گستاخ ہندو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر رکیک حملے کررہے تھے۔ ان ہی دنوں آریہ سماج حیدرآباد سندھ کے ہندو سیکریٹری نتھو رام نے ''ہسٹری آف اسلام'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں انتہائی دریدہ دہنی اور گستاخی کا مظاہرہ کیا۔ یہ کتابچہ شردھانند کے پمفلٹ اور اس جیسی دوسری دل آزار کتابوں سے ماخوذ مواد پر مشتمل تھا اور اس میں ناموس رسالت ﷺ پر ویسے ہی رکیک حملے کیے گئے تھے جس طرح گزشتہ ایک عشرے سے آریہ سماج کے پیروکار کررہے تھے۔

بمبئی میں ہندوؤں کی اکثریت تھی جبکہ سندھ میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور وہ اپنے مذہب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی نازیبا حملے کو برداشت کرنے کے روادار نہیں تھے۔ جیسے ہی یہ ناپاک کتابچہ بازار میں آیا تو سندھ کے ممتاز مسلمان رہنماؤں عبدالمجید سندھی، حاتم علوی اور دیگر نے اس کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ نتھو رام کے خلاف استغاثہ دائر کیا گیا۔ حیدرآباد کی عدالت نے کتابچہ ضبط کرلیا اور ملزم کو ایک سال قید سخت اور جرمانے کی سزا سنائی۔ عدل و انصاف کی اس نرمی نے گستاخ رسول نتھو رام کا حوصلہ بڑھا دیا اور اس نے اوپر والی عدالت میں ماتحت عدالت کے اس فیصلے کے خلاف اپیل دائر کردی۔ مذکورہ عدالت نے نتھو رام کی ضمانت منظور کرلی، جس سے مسلمانوں کے جذبات مزید مجروح ہوئے اور انہیں انگریز ہندو ملی بھگت کا بہت افسوس

ہوا۔ سارے صوبے بلکہ پورے برصغیر کے مسلمان سخت مضطرب اور فکر مند تھے، مگر کسی کو سمجھ نہیں آتی تھی کہ توہین رسالت ﷺ کے اس فتنے کا سدباب آخر کس طرح کیا جائے؟ لاکھ حکیم سر بجیب ایک کلیم سربکف.... گستاخ رسولؐ کے حالات و واقعات معلوم ہوتے ہی غازی عبدالقیوم کا خون کھولنے لگا اور غیرت ایمانی جوش میں آ گئی۔ وہ بازار گئے، چاقو خریدا اور اس عدالت میں جا پہنچے جہاں گستاخ رسولؐ نتھو رام کی پیشی تھی۔ وہ عدالت میں بیٹھ کر دریدہ دہن نتھو رام کا انتظار کرنے لگے۔

یہ دسمبر ۱۹۳۴ء کی کوئی تاریخ تھی، کراچی کی اس عدالت میں دو انگریز ججوں پر مشتمل بینچ میں نتھو رام کی اپیل سنی جا رہی تھی۔ عدالت کا کمرہ وکیلوں اور شہریوں سے بھرا ہوا تھا۔ غازی عبدالقیوم بھی نہایت اطمینان کے ساتھ دوسرے تماشائیوں کے ساتھ وکلاء کی قطار کے پیچھے نتھو رام کے برابر والی کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ عین اس وقت کہ جب مقدمے کی سماعت زوروں پر تھی، وہ بالکل اچانک اٹھے اور اس نابکار نتھو رام پر جھپٹے۔ غازی عبدالقیوم نے اپنا تیز دھار چاقو لے کر اتنی تیزی سے نتھو رام پر حملہ کیا کہ اسے کچھ سوچنے کا موقع ہی نہ ملا۔ غازی نے گستاخ رسول کی گردن پر دو ایسے بھرپور وار کیے کہ وہ زخم کھا کر زور سے چیخا اور لڑکھڑا کر گر پڑا۔ اس کے بعد غازی عبدالقیوم نے پولیس کی گرفت سے بچنے اور فرار ہونے کی ذرہ برابر کوشش نہیں کی۔ گستاخ رسول کو ٹھکانے لگانے کے بعد غازی عبدالقیوم نے نکل بھاگنے کے بجائے ہنسی خوشی خود کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ انگریز جج نے اپنی نشست سے اتر کر غازی عبدالقیوم کے قریب آیا اور ان سے پوچھا ''تم نے اس شخص کو کیوں قتل کیا؟'' غازی عبدالقیوم نے عدالت میں آویزاں جارج پنجم کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''جج صاحب! آپ کے پیچھے یہ تصویر آپ کے بادشاہ کی ہے، آپ اپنے بادشاہ کے وفادار ہو، اگر کوئی بادشاہ کی توہین کرے تو آپ اس کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟ اس نتھو رام ہندو نے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اور شہنشاہ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کی تھی، میری غیرت ایمانی اسے برداشت نہیں کر سکتی، اس لیے میں نے اسے واصل جہنم کر دیا ہے۔ اس کی یہی سزا تھی۔'' پھر بڑے اطمینان کے ساتھ وہ اپنی نشست پر بیٹھ گئے۔

غازی عبدالقیوم شہید نے جس وقت شاتم رسول نتھو رام کو دل آزار کتابچے ''ہسٹری آف اسلام'' لکھنے کے جرم میں عین برسرعدالت ججوں اور سب حاضرین کے سامنے قتل کیا، تو ایک معروف وکیل سید محمود اسلم بار ایٹ لا بھی عدالت کے احاطے میں موجود تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس وقت دن کے پونے بارہ بجے تھے، ٹھیک بارہ بجے نتھو رام کی اپیل کی سماعت شروع ہونے والی تھی، یہ اپیل اس نے اپنی سزا اور جرمانے کے خلاف کر رکھی تھی۔ سید محمود اسلم کا کہنا تھا کہ ۱۲ بجنے میں ابھی چند منٹ باقی تھے، میں عدالت کے برآمدے میں اپنے ایک دوست سے کھڑا باتیں کر رہا تھا کہ کمرۂ عدالت سے تیز تیز باتوں اور چیخ پکار کی آوازیں آنے لگیں۔ میں جب کمرے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ نتھو رام کی آنتیں نکلی پڑی ہیں اور وہ زمین پر پڑا موت و زندگی کی کشمکش میں ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ مجھے قریب ہی ایک نوجوان خون آلود خنجر لیے کھڑا نظر آیا۔ اسی اثنا میں ایک سب انسپکٹر ریوالور تان کر کمرۂ عدالت میں داخل ہوا۔ غازی عبدالقیوم چھری نیچے پھینک کر اپنی نشست سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جوش بھری آواز میں بولے ''انسپکٹر صاحب! ڈریے نہیں۔ ریوالور رکھ دیں، مجھے جو کچھ کرنا تھا الحمدللہ کر چکا ہوں۔'' انسپکٹر نے ریوالور والا ہاتھ نیچے کر لیا اور آگے بڑھ کر غازی عبدالقیوم کی کلائی پکڑ لی۔ ایک کانسٹیبل نے فوراً ہی ہتھکڑی لگا دی۔ سید محمود اسلم ایڈووکیٹ کا کہنا ہے کہ میرا دل جو نتھو رام کی غلیظ کتاب پڑھ کر مجروح ہوا تھا، اس منظر کو دیکھ کر باغ باغ ہو گیا کہ غازی نے اپنا فرض ادا کر دیا؛ چنانچہ میں نے بھی اپنا فرض ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے غازی کے چچا کو تلاش کیا اور مقدمے کی مفت پیروی کرنے کی پیشکش کی۔ انہوں نے شکریے کے ساتھ میری پیشکش قبول کر لی۔ دوسرے روز میں غازی کے قانونی مشیر کی حیثیت سے ان سے ملاقات کرنے جیل گیا۔ جب میں نے غازی عبدالقیوم کو بتایا کہ میں ان کا مقدمہ لڑوں گا، تو وہ فوراً با آواز بلند کہنے لگے، وکیل صاحب آپ جو جی چاہیں کریں لیکن خدارا مجھ سے انکار قتل نہ کرائیں، اس سے میرے جذبہ جہاد کو ٹھیس پہنچے گی۔ سید محمود اسلم ایڈووکیٹ نے غازی عبدالقیوم کو تسلی دی کہ وہ بے شک قتل کا انکار نہ کریں۔ میں اس اقبال کے ذریعے ہی ان شاءاللہ آپ کو پھانسی سے اتارلوں گا، لیکن غازی عبدالقیوم نے یہ سن کر بھی کسی خوشی کا اظہار نہیں کیا۔

میں نے جب گواہان صفائی کی فہرست پیش کی تو اسے پڑھ کر مجسٹریٹ بہادر چونک اٹھے۔ میں نے دوسرے گواہوں کے علاوہ مولانا ظفر علی خاں، خواجہ حسن نظامی، علامہ اقبال، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا شوکت علی، مفتی کفایت اللہ کے علاوہ دیوبند اور فرنگی محل کے متعدد مقتدر علماء کو طلب کیا تھا۔ عدالت نے اعتراض کیا، یہ گواہ مقدمے سے غیر متعلق ہیں، اس لیے نہیں بلائے جا سکتے۔ اس پر میں نے کہا کہ جس جذبے کے تحت استغاثہ عبدالقیوم کو قاتل قرار دیتا ہے، اس جذبے کی نفسیاتی ترجمانی یہی حضرات کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے، میری یہ دلیل جج کے فہم سے بالاتر تھی؛ چنانچہ اس نے میری درخواست خارج کر دی۔ میں نے فوراً جوڈیشل کمشنری کراچی میں اپیل دائر کر دی جس کے دو جج اوسالون اور فیرس وقوعہ کے چشم دید گواہ تھے۔ اپیل دائر کرنے کے ساتھ ساتھ میں نے ان ججوں کے اختیار سماعت پر قانونی اعتراض کر دیا۔ کراچی جوڈیشری میں اس وقت چار جج تھے۔ دو چھوٹے اور دو بڑے۔ ان میں سے تین اس درخواست کی سماعت کے اہل نہ تھے، چوتھے سیشن جج تھے۔ چنانچہ عدالت عالیہ کے ججوں نے ایک جج مسٹر لوبو (Lobo) کو طلب کر کے بینچ ترتیب دیا۔ اپیل کی سماعت شروع ہوئی اور بینچ نے بھی یہی فیصلہ دیا کہ ان غیر متعلق گواہوں کو بلانے کی کوئی گنجائش نہیں۔ گویا اپیل خارج ہو گئی۔ دو تین روز بعد مقدمہ سیشن جج کراچی کی عدالت میں آ گیا۔ مقدمے کی اہمیت کے پیش نظر عدالت نے اسے ''جیوری ٹرائل'' قرار دیا۔ جیوری ۹ افراد پر مشتمل تھی جن میں چھ انگریز ایک پارسی اور دو عیسائی تھے۔ یہ سب کے سب اچھی شہرت معقول سوجھ بوجھ کے مالک اور باعزت شہری تھے۔

قتل کے عام مقدموں کے برعکس اس مقدمے کا کام بہت سیدھا سادہ اور مختصر تھا۔ صفائی کا تو کوئی گواہ تھا ہی نہیں، جب کہ استغاثے کو تمام چشم دید گواہ میسر تھے، سارا دارومدار قانونی بحث پر تھا۔ قتل کی گواہی کے اول دو گواہ تو خود عدالت عالیہ کے دو انگریز جج تھے۔ اس سے بڑھ کر غازی عبدالقیوم کا اقبالی بیان تھا جس میں انہوں نے تسلیم کیا: ''میں نے جونا مارکیٹ کی مسجد میں پیش امام کی زبانی نتھو رام کے فحش پمفلٹ کے مندرجات سنے اور اشتہار بھی پڑھا، مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ کل اس کی اپیل کی سماعت کے لیے عدالت میں پیشی ہو رہی ہے؛ چنانچہ اگلے روز میں نے اپنا کاروبار چھوڑا بازار سے ایک خنجر خریدا، اسے تیز کرایا اور سماعت سے پہلے عدالت میں پہنچ گیا۔ ایک نامعلوم شخص کے ذریعے نتھو رام کو شناخت کیا اور پھر اس کے قریب ہی جا کر بیٹھ گیا۔ میں نے اسے دیکھا۔ یکا یک میرے سینے میں غیظ و غضب کا طوفان امڈ آیا۔ میں آپے سے باہر ہو کر اپنی نشست سے اٹھا۔ شلوار کے نیفے میں چھپایا ہوا خنجر نکالا اور چشم زدن میں نتھو رام کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ اس کی آنتیں نکل آئیں اور وہ منہ کے بل گر پڑا۔ دوسرا وار اس کی گدی پر کیا اور یہ ضرب پہلی سے زیادہ کاری ثابت ہوئی، خون کا فوارہ پھوٹ نکلا اور چند ہی منٹ میں اس کا قصہ تمام ہو گیا۔''

سید محمود اسلم کہتے ہیں ''اس اقبالی بیان کی تائید

میں ضابطے کے بیانات ہوئے اور استغاثے کے چشم دید گواہ (عدالت کے دو جج) پیش ہوئے۔ جہاں تک واقعاتی پہلو کا تعلق تھا، بچاؤ کی کوئی گنجائش نہ تھی، بس جذبے اور ارادے والی بات رہ جاتی تھی مگر غازی موصوف کے اقبالی بیان سے صاف ظاہر تھا کہ اس نے یہ اقدام ٹھنڈے دل و دماغ سے اور خوب سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ اس میں فوری اشتعال اور فوری ردعمل کا کوئی ہاتھ نہ تھا۔ میں نے کیس کو تقریباً ان ہی خطوط پر تیار کیا اور قانون سے زیادہ نفسیات انسانی اور تاریخ سے بحث کی۔ جیوری اور جج کے سامنے میں نے جو بحث کی وہ شاید برطانوی ہند میں اپنی نوعیت کی واحد اور منفرد بحث تھی۔ جس روز بحث ہونا تھی میں قانونی پلندوں کے بجائے قرآن کریم کا نسخہ لے کر عدالت میں پیش ہوا۔ جج اور جیوری میرے ہاتھ میں قرآن پاک کا نسخہ دیکھ کر متحیر رہ گئے۔ عام وکلاء سے ذرا پیچھے ہٹ کر میں بلند آواز میں بحث کا آغاز کیا اور کہا ”حضور والا و معزز صاحبان جیوری! مجھے مقدمے کے واقعے کے بارے میں کچھ نہیں کہنا، کیونکہ جہاں تک وقوعے کا تعلق ہے، وہ ثابت ہو چکا ہے۔ مجھے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ میرا یہ اقدام اس قانون پر مبنی تھا اور یہ آئین جو آج چین کی سرحد سے لے کر مراکش تک جاری و ساری ہے، جسے کئی حکومتیں اپنے پینل کوڈ کے طور پر استعمال کر رہی ہیں، ہماری تہذیب اور ہمارے کلچر کی بنیاد ہے۔ میں جانتا ہوں عدالت اس کوڈ سے انکار کر کے اس کے تقدس کو ٹھیس پہنچائے گی؛ لہٰذا میں اسے کھول کر نہیں دکھاؤں گا لیکن مجھے جو کچھ کہنا ہے اسی کے سہارے کہوں گا۔ اس میں بار بار مذہبی پیشواؤں کو برا کہنے کی سخت ممانعت کی گئی ہے، مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ یہ اپنی نوعیت کا پہلا حادثہ نہیں ہے۔ گذشتہ چند سال میں ایسی متعدد وارداتیں ہو چکی ہیں۔ خصوصاً دلی اور لاہور میں بالکل اسی نوعیت کے دو قتل ہو چکے ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ فطرت انسانی دوسرے کی بدزبانی برداشت نہیں کر سکتی۔ اس سے نفسیاتی طور پر جواب اور انتقام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان اپنی استطاعت کے مطابق زبان، قلم یا ڈنڈے سے کام لے کر اپنی انا کی تسکین کرتا ہے۔ اگر گزشتہ واقعات کے فوراً بعد اس قسم کی حرکتوں کے انسداد کے لیے قانون کوئی موثر کارروائی کرتا تو نتھو رام کی واردات قتل ہرگز ہونے نہ پاتی۔

”مسلمان ایک عرصے سے ہندو اکثریت اور برطانوی حکومت کو سمجھا رہا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے جذبات و حسیات اور حیات کی شہ رگ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں وہ اتنا ذکی الحس واقع ہوا ہے کہ معمولی سی گستاخی پر بھی اپنا دماغی توازن کھو بیٹھتا ہے۔ دوسرے کی جان تو ایک طرف وہ خود اپنی جان کی کوئی قیمت نہیں سمجھتا۔ جناب والا! ہر مسلمان اپنا فرض سمجھتا ہے کہ وہ اپنی جان اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور کر دے۔ مسلمانوں کو تختہ دار یا کسی موت کا کوئی خوف نہیں ہے۔ "My lord! we don't care who look for your gallows or your penal codes.

جج صاحب! منافرت کا مخرج اور سرچشمہ جہاں ہے، دراصل وہیں سے نفرت کے جذبات ابھر رہے ہیں۔ میں پھر عرض کرتا ہوں کہ اس ضمن میں مسلمان اپنے اعصاب میں توازن برقرار رکھنے سے قاصر ہیں، وہ نہ تو تعزیرات ہند سے گھبرائیں گے نہ پھانسی کے پھندے سے ڈریں گے؛ حتیٰ کہ چین سے مراکش تک پھیلے ہوئے مسلمانوں کا بچہ بچہ اس فتنے کا سر کچلنے کے لیے میدان میں آ جائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ ایسی صورت میں دوچار ہونے والے مسلمان کا سوچ سمجھ کر اٹھایا ہوا قدم بھی فوری اشتعال کی تعریف میں آنا چاہیے۔ یہ دیہاتی ان پڑھ ایک معصوم انسان ہے جو اپنی افتادِ طبع کے مطابق فوری اشتعال کے تحت اس فعل کا مرتکب ہوا ہے جس کو آج وہ اپنا فرض عین سمجھ رہا ہے۔ اگر عدالت یہ سمجھتی ہے کہ وہ اپنی حد سے تجاوز کر گیا ہے تو اسے کچھ قید بامشقت سے زیادہ سزا نہیں ہونی چاہیے۔ آپ کی عدالت رعایت کے معاملے میں رقیب کو دن دہاڑے قتل کرنے والے اقبالی مجرم کو بری کر سکتی ہے اور اراضی کے قبضے اور بے دخلی کے سلسلے میں مالک کو ہلاک کرنے والے مزارع کے لیے صرف چار چھ سال کی سزا کافی سمجھتی ہے، تو عبدالقیوم کے معاملے میں کیوں نرمی سے کام نہیں لے سکتی۔“

عدالت نے بحث سننے کے بعد اسی دن فیصلے کی تاریخ کا اعلان کر دیا۔ مقررہ تاریخ پر کثیر تعداد میں ہندو اور مسلمان رہنما، وکیل، صحافی اور کراچی کے علاوہ دوسرے شہروں حیدر آباد، نواب شاہ، بہاول پور اور پنجاب تک سے عام لوگ آئے تھے۔ بعض مسلم اصحاب کو خفیہ ذرائع سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جیوری کی اکثریت سزائے موت کے بجائے حبس دوام (کالے پانی) کی سزا کے حق میں ہے اور یہ جان کر قدرے مطمئن تھے، لیکن مسلمانوں کی توقع کے برخلاف جج نے غازی عبدالقیوم کو موت کی سزا سنا دی۔ غازی عبدالقیوم نے منہ سے بے ساختہ الحمدللہ نکالا اور وہ تن کر کھڑے ہو گئے، ان کے جذبے سے لبریز الفاظ لوگوں نے سنے۔ حاضرین نے انہیں یہ کہتے ہوئے سنا:

”جج صاحب! میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اس سزا کا مستحق سمجھا۔ یہ ایک جان کیا چیز ہے، میرے پاس لاکھ جانیں ہوتیں، تو وہ بھی ایک ایک کر کے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر قربان کر دیتا۔ اس کے بعد انہوں نے بر سر عدالت ”اللہ اکبر“ کا نعرہ اتنے زور سے لگایا کہ اس کی گونج عدالت، گیلری، برآمدے اور باہر والوں نے بھی سنی، جن تک جج کی آواز نہیں پہنچی تھی، وہ سمجھے غازی عبدالقیوم کو بری کر دیا گیا ہے۔ فروری ۱۹۳۵ء میں محمود اسلم شاہ ایڈووکیٹ نے لکھا اور ایک انٹرویو دیتے ہوئے بھی اس بات کا تذکرہ کیا: ”چند روز بعد میں نے اپنے تین رفقاء حاجی عبدالخالق، مولوی ثناء اللہ اور مولانا عبدالعزیز پر مشتمل ایک وفد علامہ اقبال کی خدمت میں بھیجا کہ سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کرانے کے لیے وائسرائے تک سفارش پہنچائیں۔ علامہ اقبال پہلے تو گہری سوچ میں ڈوب گئے پھر یہ سوال پوچھا ”کیا عبدالقیوم کمزور پڑ گیا ہے؟“ وفد نے جواب دیا: ”نہیں۔“

جب وفد نے ان کو بتایا کہ غازی تو سرعام کہتے ہیں کہ میں نے شہادت خریدی ہے، مجھے پھانسی کے پھندے سے بچانے کی کوشش نہ کرو۔ وفد کی یہ گفتگو سن کر علامہ اقبال کا چہرہ تمتما اٹھا۔ انھوں نے برہمی کے انداز میں فرمایا ”جب وہ خود کہہ رہا ہے کہ میں نے شہادت خریدی ہے تو میں اس کے اجر و ثواب کی راہ میں کیسے حائل ہو سکتا ہوں!!! کیا تم چاہتے ہو کہ میں ایسے مسلمان کے لیے وائسرائے ہند کی خوشامد کروں جو زندہ رہے تو غازی اور مر جائے تو شہید ہے۔“ پھر انھوں نے یہ اشعار سنائے۔

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور
موت کیا شے ہے، فقط عالم معنی کا سفر
ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ
قدر و قیمت میں ہے خوں جن کا حرم سے بڑھ کر
آہ اے مرد مسلماں تجھے کیا یاد نہیں
حرف لا تدع مع اللہ الٰھاً آخر
(اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو مدد اور عبادت کے لیے نہ پکار)“

سزا کے خلاف اپیل

بیرسٹر سید محمود اسلم لکھتے ہیں: ”ہم (کراچی کے مسلمانوں) نے ایک کمیٹی بنائی جس کا کام یہ تھا کہ جہاں تک ہو سکے اس معاملے میں کوشش کر کے غازی صاحب کو پھانسی کی سزا سے بچایا جائے۔ اس کمیٹی کی جانب سے اپیل داخل ہوئی جو ہائی کورٹ کے دوسرے ججوں

نے سنی۔ پٹنہ (بہار) سے ایک مسلمان وکیل صاحب اپنے خرچ پر کراچی تشریف لائے اور اپنی خدمات پیش کیں۔ یہ صاحب بعد میں مسلم لیگ کی طرف سے چیف منسٹر بھی بنے۔ انہوں نے اور میں نے مل کر اکٹھی اپیل کی پیروی بھی کی، مگر اپیل کہاں منظور ہونی تھی۔ پھر ہم نے پریوی کونسل میں بھی اپیل کی، مگر وہاں سے بھی منفی جواب آیا۔ اس طرح پانچ چھ مہینے گزر گئے۔ یہ ٹرائل (Trial) اکتوبر ۱۹۳۴ء کے پہلے ہفتے میں ہوا تھا۔ چھ ماہ بعد یعنی مارچ ۱۹۳۵ء کو میں نے ایک درخواست بمبئی کے گورنر کے نام بھیجی۔ ۱۸ مارچ ۱۹۳۵ء کو جواب ملا کہ آپ کی درخواست موصول ہوگئی ہے، اس پر غور ہو رہا ہے، چند روز تک آپ کو جواب مل جائے گا۔ ابھی ہم اس درخواست کے جواب کے انتظار میں تھے کہ دوسرے ہی روز یعنی ۱۹ مارچ کی صبح جب میں اپنے دفتر پہنچا تو ایک شخص بھاگا بھاگا میرے پاس آیا اور اس نے کہا" جناب! غازی عبدالقیوم کو تو آج صبح پانچ بجے کے قریب پھانسی دے دی گئی ہے۔" میں پریشانی کے عالم میں مولانا عبدالعزیز کو لے کر جیل پہنچا، تو پتہ چلا کہ صبح فجر کی اذان کے وقت غازی کے لواحقین کو بتایا گیا کہ عبدالقیوم کو پھانسی دے دی گئی ہے اور لاش کو پولیس سرکاری گاڑی میں میوہ شاہ قبرستان لے گئی ہے۔ جنازہ تیار کر کے انہوں نے لوگوں سے کہا کہ جلدی جلدی میت کا منہ دیکھ لیں۔ میں نے اپنے ساتھ جناب عبدالخالق کو لیا اور میوہ شاہ کے قبرستان پہنچا۔ اس وقت دن کے تقریباً دس گیارہ بجے کا وقت تھا، وہاں ہزاروں کے قریب مسلمان جمع تھے۔ معلوم ہوا کہ پولیس پہلے سے تیار شدہ قبر میں میت کو اتار چکی تھی کہ وہاں ہزاروں مسلمان پہنچ گئے اور پولیس کو لحد پر مٹی نہیں ڈالنے دی گئی۔ قلندر خان اور دیگر نے غازی کی میت کو قبر سے نکال کر چارپائی پر رکھ دیا تھا۔ لوگ نماز جنازہ کی ادائیگی کے لیے وہاں جمع ہو چکے تھے اور غازی شہید کا آخری دیدار کر رہے تھے۔ غازی عبدالقیوم کی پھانسی کی خبر چھپانے کی کوشش کے باوجود یہ خبر پورے شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور دفعہ ۱۴۴ کے باوجود صبح ہی صبح ہزاروں مسلمان میوہ شاہ قبرستان پہنچ گئے۔ مجسٹریٹ نے فوج طلب کر لی تھی۔ انگریز فوج اور پولیس چاکیواڑہ پر کھڑی تھی، جب جنازے کا جلوس ریکسر لائن ڈھیلی کے (خواجہ سراؤں کی بستی) مقام پر پہنچا تو انگریز فوج نے انہیں روک لیا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ جنازے کو اٹھا کر شہر کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔ مجھے اس پر سخت تشویش ہوئی کیونکہ مجھے اندازہ تھا کہ اس اقدام پر حکومت کا ردعمل کیا ہو سکتا ہے۔ انگریزوں پر ہندوؤں کا گہرا اثر تھا اور اگر یہ جلوس شہر گیا تو لازمی طور پر فساد برپا ہوگا۔ میں اور عبدالخالق صاحب موٹر میں بیٹھ کر فوراً روانہ ہوئے اور چاکیواڑہ کی طرف سے نکل آئے کہ جلوس کو آگے نہ جانے دیا جائے کیونکہ بڑے خون خرابے کا خدشہ پیدا ہو گیا تھا۔ موٹر کو ایک طرف کھڑا کر کے میں اور عبدالخالق صاحب جلوس کے آگے آگئے، اتنے میں جلوس آ پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ جنازے کو کاندھے پر رکھے ہوئے اس وقت میرے نہایت ہی عزیز دوست ماسٹر قلندر خاں اور دیگر تین دوسرے افراد آگے تھے۔ ہم نے ہاتھ اٹھا کر جنازے کو آگے جانے سے روکنے کی کوشش کی اور چلا کر کہا، جلوس کو آگے مت لے جاؤ، سخت خطرہ ہے۔ سامنے کے لوگ تو ہمیں دیکھ کر رک گئے، لیکن پیچھے آنے والا ایک بہت بڑا جم غفیر عقب سے امڈتا رہا اور ہمیں بھی دھکے لگنے لگے، آگے والے لوگ جو رک گئے تھے، گرنے لگے۔ عبدالخالق صاحب کو دھکا لگا اور وہ پیچھے گر گئے۔ میں نے دوڑ کر ان کا ہاتھ پکڑا اور اٹھا کر موٹر کی طرف لے گیا، مبادا وہ لوگوں کے پیروں تلے کچل نہ جائیں۔

جنازے کا جلوس پرامن طور پر آگے بڑھ رہا تھا کہ تڑا تڑ گولیاں چلنے کی آوازیں آنے لگیں، دیکھا تو لوگوں پر سامنے کی گلی سے گولیاں برسائی جا رہی تھیں۔ قلندر خان کی ٹانگوں پر تین گولیاں لگیں مگر انہوں نے جنازے کو گرنے نہیں دیا۔ ایک عینی شاہد کے مطابق ایک خواجہ سرا نے جو بہت مشتعل تھا اور غازی کی شہادت پر افسردہ تھا، ایک پتھر کھینچ کر انگریز فوج اور پولیس کو دے مارا جس سے ایک انگریز افسر زخمی ہو گیا جس کے بعد فوج اور پولیس نے براہ راست ہجوم پر فائرنگ شروع کر دی۔ قلندر خاں بڑا شیر دل جوان تھا، ساڑھے چھ فٹ کا لمبا تڑنگا بہادر شخص تھا۔ اس نے لوگوں کے تتر بتر ہونے پر میت کی چارپائی کو درمیان سے پکڑ کر اپنے سر پر اٹھا لیا اور پچھلی طرف کو بھاگا کیونکہ سامنے سے جنازے کے جلوس پر گولیاں چلائی جا رہی تھیں۔ تقریباً سو ڈیڑھ سو گز اکیلا جنازے کو لے کر بھاگا۔ آخر ٹانگوں سے بہت زیادہ خون بہہ جانے سے کمزوری سے وہ لڑکھڑانے لگا، تو لوگوں نے جنازے کو سنبھال لیا اور قلندر خاں کو گاڑی میں ڈال کر مرہم پٹی کے لیے لے گئے۔ یہاں سے غازی عبدالقیوم شہید کی میت کو واپس قبرستان لے جایا گیا۔ اندھا دھند فائرنگ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ دکانوں اور جھونپڑیوں میں بیٹھے ہوئے بچے، عورتیں اور مرد بھی اس کا نشانہ بنے۔

یہ ایک المناک دن تھا۔ اس سے پہلے ایسا کوئی واقعہ نہیں رونما ہوا تھا کہ جنازے کے جلوس پر فائرنگ کر کے سینکڑوں افراد کو بھون کر رکھ دیا گیا اور سینکڑوں زخمی ہوئے ہوں۔ پولیس کی فائرنگ سے ایک سو بیس سے زیادہ افراد شہید اور کئی سو زخمی ہوئے جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے۔ بیرسٹر اسلم شاہ نے بتایا کہ میں نے سو سے زیادہ لاشیں سول اسپتال میں گنی تھیں۔ وہ اس سانحے کے بعد مولانا عبدالخالق، مولانا عبدالعزیز اور حاتم علوی کو لے کر بمشکل سول اسپتال پہنچے۔ ہسپتال کے ارد گرد بھاری تعداد میں پولیس اور کچھ فوج موجود تھی، ہسپتال میں کہرام مچا ہوا تھا۔ بڑی تعداد ایسے زخمیوں کی تھی جن کے ہاتھ پاؤں کی ہڈیوں کے ٹکڑے اڑ گئے تھے، جب اگلے دن صبح جوانوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے ہاتھ پاؤں کی ہڈیوں کے ٹکڑوں سے بھری وین ہسپتال سے نکلی، تو بے اختیار لوگوں کی چیخیں بلند ہو گئیں۔ اس موقعے پر میری بھی چیخ نکل گئی اور کئی دن تک حواس بجا نہ ہوئے۔

شیخ عبدالمجید سندھی اور محمد ہاشم نے بمبئی کی صوبائی اسمبلی میں اس واقعے پر شدید احتجاج کیا کیونکہ سندھ اس وقت تک سندھ کے منتخب ارکان بھی بمبئی کی مجلس قانون ساز میں بیٹھا کرتے تھے۔ احتجاج میں شدت آئی تو انگریز حکومت نے جلوس پر فائرنگ سے جاں بحق ہونے اور زخمیوں کے لیے معاوضے کا اعلان کیا۔ ان دنوں اتفاق سے دہلی میں مرکزی اسمبلی کا بھی اجلاس ہو رہا تھا۔ وائسرائے کے نام ایک تار دیا گیا اور ایک قاصد قائداعظم محمد علی جناح کے پاس روانہ کیا گیا۔ کراچی کے مسلمانوں نے ایک ریلیف کمیٹی قائم کی جس کی امداد کے لیے دہلی، لاہور اور دیگر شہروں اور قصبوں سے چندے موصول ہوئے۔ قائداعظم نے اسمبلی میں اس ظلم کے خلاف آواز بلند کی۔ یہ آواز برطانوی پارلیمنٹ کے ایوانوں میں بھی گونجی اور برطانوی وزیر اعظم نے بھی اظہار افسوس کیا۔

☆☆☆

اس مضمون کی تیاری میں شہید ناموس رسالت غازی عبدالقیوم شہید کے وکیل بیرسٹر سید محمود اسلم شاہ مرحوم کے تحریر کردہ کتابچے عبدالقیوم، معروف لکھاری ابو الفضل صدیقی کے بیرسٹر اسلم شاہ کے ساتھ انٹرویو، نوائے وقت میں شائع شدہ مقدمے کی روداد اور غازی صدیق شہید کے یوم شہادت پر "روزنامہ امت" میں چھپنے والے شبیر سومرو اور عبید شاہ کی رپورٹ (۱۹ مارچ۔۲۲ مارچ ۲۰۰۶ء) مولانا نذیر احمد تونسوی، ڈاکٹر حافظ فیوض الحسن اور دیگر موقر مقالہ نگاروں کے مضامین اور یوم شہادت پر چھپنے والے اخباروں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

☆☆☆

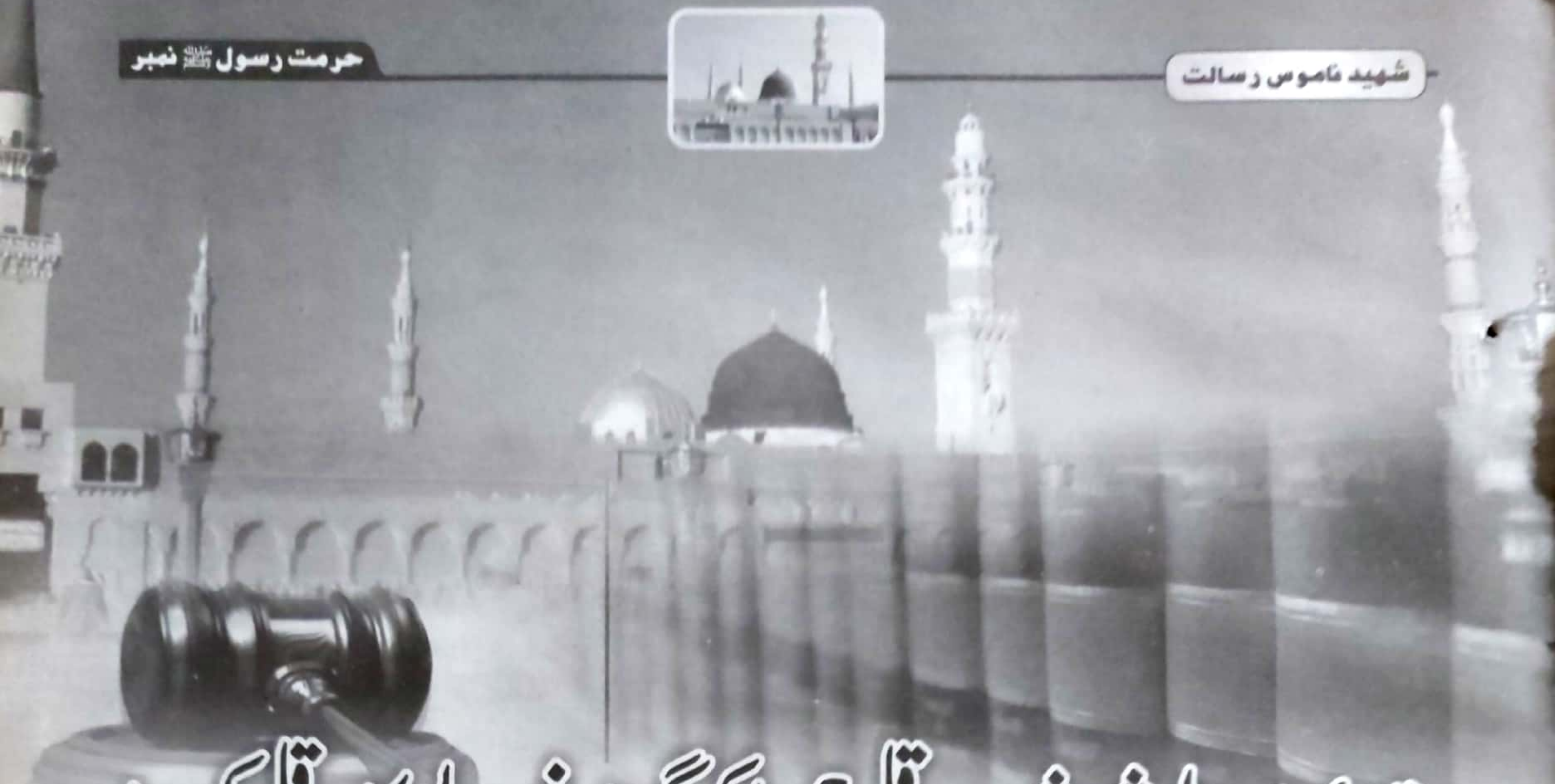

غازی عبدالرشید شہید... قلم چھوڑ کر گستاخ رسول کا سر قلم کر دیا

محمود عالم صدیقی

۲۳ دسمبر ۱۹۲۶ء کو شام چار پانچ بجے دریہ کے ہندو علاقے میں سنسنی پھیلی ہوئی تھی، لوگ سراسیمہ ہو کر ادھر ادھر آجا رہے تھے، شام چھ بجے روز نامہ ''تیج'' کا ضمیمہ آگیا، اس سے لوگوں کو پتہ چلا کہ کاتب غازی عبدالرشید نے پستول سے شردھانند کو گولی کا نشانہ بنادیا ہے۔ اخبار میں غازی عبدالرشید کی تصویر چھپی ہوئی تھی جس میں وہ ہتھکڑیاں پہنے پولیس کی حراست میں کھڑے تھے اور جسم پر چادر تھی۔ یہ وہی چادر تھی جس میں وہ پستول چھپا کر شردھانند کے دفتر لے گئے تھے اور اس شاتم رسول کو ختم کیا تھا۔ قاضی عبدالرشید دہلی میں اخبار ''ریاست'' میں خوش نویس کے طور پر ملازم تھے۔ ان کے اخبار کا دفتر کوچہ بلاقی بیگم میں تھا۔ دراز قد، چھریرے بدن اور گندمی رنگت والے قاضی عبدالرشید کی قسمت میں اللہ تعالیٰ نے ''غازی عبدالرشید'' ہونا لکھ دیا تھا۔ ان کا قیام اخبار کے دفتر میں ہی رہتا تھا، صوم وصلوٰۃ کے بے حد پابند تھے۔ کرتے پاجامے اور ترکی پھندنے والی سرخ ٹوپی سے ان کی مخصوص شخصیت کی پہچان ہوتی تھی۔ غازی عبدالرشید شہید نگراس ضلع بلند شہر (یوپی) کے رہنے والے تھے، ملازمت کے سلسلے میں دہلی میں رہائش پذیر تھے۔ ان کے دفتر میں ملک بھر سے اخبارات، رسائل و جرائد اور کتابچے اور پمفلٹ آتے تھے وہ انھیں ضرور پڑھتے تھے۔ ان دنوں آریہ سماجیوں کی مذموم حرکتوں سے عام مسلمانوں کی طرح ان کے بھی دینی جذبات مجروح ہوتے رہتے تھے۔ حالات کے اثر سے ان کا دل کام میں نہیں لگتا تھا اور وہ اکثر گم سم رہنے لگے تھے، اس سے ان کا کام متاثر ہوتا تھا اور اخبار کی انتظامیہ کو بھی ان سے شکایات پیدا ہوتی تھیں۔ کبھی کبھی کتابت کرتے اور کبھی کام چھوڑ کر غائب ہو جاتے تھے۔ ۲۳ دسمبر ۱۹۲۶ء کو بھی ایسا ہی ہوا۔ اخبار ریاست کی آخری کاپی پریس میں جانے کے لیے جوڑی جارہی تھی، مقررہ وقت صبح نو بجے تھا اور اس وقت دن کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے اور عبدالرشید کاتب کا کہیں پتہ نہ تھا۔ چند مسودے بھی ان ہی کے پاس تھے، جب وہ آئے تو ان کے اس قدر دیر سے آنے پر جواب طلب کیا گیا۔ انھوں نے خلاف معمول جھلا کر جواب دیا، چولہے میں گئی تمھاری کاپی اور یہ کہہ کر غصے سے اٹھ کھڑے ہوئے، پھر کہا ''مجھے نوکری کی پروا نہیں، میں آئندہ کام نہیں کروں گا'' یہ کہا اور باہر چل دیے۔ اخبار والوں کو ان کی دل کی لگی کی خبر نہ تھی۔ ان کے غم اور پریشانی کی وجہ ایک دریدہ دہن شردھانند تھا جس نے ان کے آقا و مولا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے کی ایک تحریک چلا رکھی تھی۔

> غازی عبدالرشید کے خنجر کے ایک ہی ایمان افروز وار سے کروڑوں ہندو نوے برس تک شدھی تحریک کا نام تک بھولے رہے۔ مگر اب نریندر مودی جیسے دہشت گرد ہندو کے برسر اقتدار آتے ہی مسلم دشمنی سے آلودہ ہندو خصلت میں پھر سے شدھی کے بدبودار کیڑے نمودار ہو رہے ہیں۔

شردھانند پولیس میں ایک اہل کار کے طور پر ملازم تھا، پولیس کی ملازمت چھوڑ کر آریہ سماج کا پرجوش کارکن بن گیا۔ وہ عرصہ دراز سے دہلی میں مقیم تھا۔ اپنے گھناؤنے اور اسلام دشمن روپ سے پہلے اس نے کئی سوانگ بدلے۔ تحریک خلافت سے پہلے وہ خو کو ایک قوم پرست قرار دیتا تھا۔ تحریک خلافت کے دوران ۱۹۱۹ء میں اس نے انتہائی منافق کا کردار ادا کرتے ہوئے مسلمانوں اور خلافت کے انتہائی ہمدرد اور بہی خواہ کی حیثیت سے خود کو پیش کیا، حتیٰ کہ جامع مسجد دہلی میں جمعہ کے دن نماز کے بعد اس نے مسلمانوں سے خطاب کیا مگر تحریک خلافت کے خاتمے کے چند ماہ بعد ہی اس کا اصل روپ یعنی اسلام اور مسلم دشمن روپ ظاہر ہو گیا۔ اس نے اسلام اور مسلم اکابرین اور شعائر اسلامی کے خلاف اپنی مذموم سرگرمیاں بڑی منصوبہ بندی اور شدومد سے شروع کر دیں۔ شردھانند دراصل آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند سرسوتی کا چیلہ اور متعصب ہندو تھا۔ ہندو راشٹر کا تصور بھی پہلی بار شردھانند نے اپنی کتاب میں

پیش کیا۔ غازی عبدالرشید کے خنجر کے ایک ہی ایمان افروز وار سے کروڑوں ہندو نوے برس تک شدھی تحریک کا نام تک بھولے رہے۔ مگر اب نریندر مودی جیسے دہشت گرد ہندو کے برسر اقتدار آتے ہی مسلم دشمنی سے آلودہ ہندو خصلت میں پھر سے شدھی کے بدبودار کیڑے نمودار ہو رہے ہیں۔ ماضی کی سوامی دیانند سرسوتی شدھی تحریک اور سوامی شردھانند کی مہا سبھا تنظیم کا مقصد بھی وہی تھا جو آج سنگھ پریوار اور بھارتیہ جنتا پارٹی کی ماڈرن شدھی تحریک کا ہے۔ شردھانند نے شدھی (مسلمانوں کو ہندو بنانے) کی آگ کو شدید کرنے کے لیے اردو میں روزنامہ "تیج" اور اس کے بیٹے نے ہندی زبان میں روزنامہ "ارجن" جاری کیا ہوا تھا۔ اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی اور دشنام طرازی اس کا اور اس جیسے دوسرے آریہ سماجیوں کا وطیرہ تھا۔ وہ اپنی ان مذموم حرکتوں کی وجہ سے ۱۹۲۳ء کے آغاز میں دفعہ ۱۲۴ الف کے تحت جیل کی ہوا کھا چکا تھا، مگر معافی مانگ کر رہا ہو گیا تھا، لیکن اپنی حرکتوں اور ہتھکنڈوں سے باز نہیں آیا اور انگریز حکمرانوں کی چاپلوسی اور متعصب اور کٹر ہندوؤں کی اسلام دشمنی کو مہمیز دینے کے لیے دین اسلام اور اکابرین اسلام کے خلاف زہر اگلنا اور اشتعال انگیز تحریروں اور تقریروں کے لامتناہی سلسلے کو جاری وساری کر دیا۔

یہ وہ دور تھا کہ جب گاندھی کی شروع کردہ تحریک ترک موالات دم توڑ رہی تھی۔ تحریک خلافت کے ہندوستان گیر اثرات اور مسلمانوں کے دن بدن بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ سے گاندھی جی خائف تھے اور مختلف بہانوں سے وہ کانگریس اور ہندوستان کو مسلمانوں کے غلبے اور اثرات سے نکالنے کی تگ ودو میں تھے۔ بڑے بڑے ہندو رہنماؤں کے عملی اشتراک سے مسلمان کش تحریکیں جاری وساری کی گئیں۔ شدھی کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو اسلام سے بیزار کر کے ہندومت کا پیروکار بنایا جائے۔ گاندھی سمیت متعصب ہندو لیڈر بڑے زور وشور سے اس خیال کے حامی تھے کہ مسلمان دراصل ہندو نسل سے ہیں جو مذہب بدل کر مسلمان ہو گئے تھے، لہٰذا انھیں دوبارہ ہندو بنایا جائے۔ سنگھٹن تحریک کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان سے مسلمانوں کا وجود ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے لیے نہ صرف مختلف فرقوں اور مکاتب فکر کے ہندوؤں کو، بلکہ سکھوں اور بدھوں کو بھی عظیم تر ہندو قومیت کے نام پر متحد کیا جائے اور مسلمانوں پر جارحانہ حملوں کو منظم کرنے کے لیے فوجی طرز کے مسلح دستے تیار کیے جائیں۔ یوپی کے اضلاع میں لاکھوں کم تعلیم یافتہ راجپوت مسلمان آباد تھے۔ مسلمانوں پر شدھی کا پہلا سخت حملہ ان ہی علاقوں میں ہوا۔ راجپوتوں کو دین اسلام سے

> ۱۷ دسمبر ۱۹۲۶ء کو شردھانند دہلی میں اپنے آشرم میں اپنی رہائش گاہ پر موجود تھا کہ غازی عبدالرشید ریوالور لے کر دن دہاڑے اس کے آشرم میں جا پہنچے۔ انہوں نے اس دشمن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالکل سامنے جا کر اسے للکارا اور اسے مہلت دیے بغیر پستول کی لبلبی دبا دی۔ چھ گولیاں اس کے سینے میں پیوست ہو گئیں اور یوں بیسویں صدی کے ایک بہت بڑے فتنے کی کہانی اپنے انجام کو پہنچ گئی۔

منحرف کرنے کے لیے لالچ، طمع، جبر وتشدد دھونس دھمکی غرضیکہ تمام حربے اور ہتھکنڈے استعمال کیے گئے۔

شدھی کے خطرناک فتنے کا مقابلہ کرنے کے لیے تمام قابل ذکر علماء ومشائخ اور اکابرین نے ایک مثالی اتحاد قائم کیا اور عزم واستقلال، حوصلے اور جرات سے اس فتنے کا سامنا کیا۔ بڑی پامردی سے اور یک جان ہو کر اس فتنے کا کامیابی سے مقابلہ کیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی سے نہ صرف مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا، انگریزوں نے بغاوت اور غداری کے سرسری مقدمات میں ہزاروں مسلمانوں کو تختہ دار پر چڑھایا، ان کی جائیدادیں اور وظیفے ضبط کر لیے گئے۔ کالے پانی کی سزائیں دی گئیں۔ ثقافتی محاذ پر اردو اور فارسی کو ختم کر دیا۔ انگریزی کو سرکاری اور عدالتی زبان قرار دیا۔ مسلمانوں پر تجارت اور معاش کے دروازے بند کر دیے۔ مسلمانوں کی صنعت وحرفت ختم کر کے انہیں

> برہمنوں اور انتہا پسند ہندوؤں کی شعوری کوشش تھی کہ سارا ہندوستان اکھنڈ بھارت بن جائے اور مسلمانوں کو بھی ہندو بنا لیں ورنہ مسلمان بھی نہ رہنے دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وارفتگی اور عشق ہی مسلمانوں کا سب سے بڑا سرمایہ تھا، اس کو کمزور کرنے کے لیے انھوں نے اہانت اور توہین رسالت کے مکروہ ہتھکنڈوں پر عمل درآمد شروع کر دیا۔

غربت وافلاس سے دوچار کر دیا۔ ہندوستان میں مسلم معاشرہ ایسے زوال اور عذاب سے کبھی دوچار نہیں ہوا تھا۔ ہندو قوم کی آبادی ہندوستان کی کل آبادی کے تین چوتھائی پر مشتمل تھی، ہندوستان کی آبادی اس وقت تقریباً چالیس کروڑ تھی، جس میں تیس کروڑ ہندو اور سکھ تھے، مسلمان تقریباً دس کروڑ تھے۔ برہمنوں اور انتہا پسند ہندوؤں کی شعوری کوشش تھی کہ سارا ہندوستان اکھنڈ بھارت بن جائے اور مسلمانوں کو بھی ہندو بنا لیں ورنہ مسلمان بھی نہ رہنے دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وارفتگی اور عشق ہی مسلمانوں کا سب سے بڑا سرمایہ تھا، اس کو کمزور کرنے کے لیے انھوں نے اہانت اور توہین رسالت کے مکروہ ہتھکنڈوں پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ مسلمانوں کو وہ شدھی اور سنگھٹن تحریکوں کا نشانہ بنائے ہوئے تھے۔ اپنے انگریز آقاؤں کی ملی بھگت سے وہ ان کو معاشی طور پر بہت پیچھے دھکیل ہی چکے تھے۔ اب انہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف ایک منظم مہم شروع کی اور مسلمانوں کے دین اور رسول اکرم ﷺ سے ان کے والہانہ عشق کو ختم کرنے کی غرض سے اسلامی شعائر اور اکابرین اور خصوصاً پیغمبر اسلام کے کردار پر رکیک حملے شروع کر دیے تھے۔

دہلی میں ان دنوں شردھانند کا بہت شہرہ تھا، اس نے اپنے آریہ سماج بھگتوں کے ساتھ مل کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف غلیظ گالیوں، بہتان تراشیوں اور اشتعال انگیز کارروائیوں کا طوفان اٹھا رکھا تھا۔ اس کا اصل نام منشی رام تھا اور وہ مسلمانوں کے خلاف فرنگی سازشوں کا آلۂ کار تھا۔ تحریک خلافت کے زمانے میں ہندو مسلم اتحاد کی جو فضا برسوں کے اندر پیدا ہوئی تھی، شردھانند اور اس کے چیلوں نے چند مہینوں میں اسے نفرت وانتشار میں بدل دیا۔ یہ لوگ گاؤں گاؤں پھیل گئے اور اسلام پر کیچڑ اچھالنے لگے۔ حد یہ کہ ان لوگوں نے براہ راست ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملے شروع کر دیے۔ روزنامہ "تیج" میں شردھانند کے قلم سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تحریر کے نام پر مغلظات پیش کی جاتی تھیں، آیات قرآنی کا تمسخر اڑایا جاتا تھا اور ان کا ذکر فحش الفاظ میں کیا جاتا تھا۔ اس کے ہندی اخبار "ارجن" میں سابق مسلم سلاطین کے عہد کے فرضی مظالم کی داستانیں انتہائی مبالغہ آرائی کے ساتھ شائع کی جاتیں اور ہندو عورتوں کے اغوا اور مسلمانوں کے ہاتھوں ان کی آبروریزی کے فرضی قصے لکھے جاتے تھے۔ ایک آریہ سماجی نے تو قرآن کریم کا جواب لکھنا شروع کر دیا۔ شردھانند کی آشیرباد سے ایک اور اخبار "گرو گھنٹال" جاری کیا گیا جس کے اجرا کا واحد مقصد

مسلمانوں‘ ان کے برگزیدہ اکابرین اور اولیاء کرام کی توہین اور ان کے خلاف ہرزہ سرائی تھا۔ شردھانند کے ایک چیلے نے تو حد کردی اس نے ”چڑپٹ“ کے نام سے ایک کتاب لکھ دی جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام اور خصوصاً حضرت ابراہیم، حضرت لوطؑ، حضرت ایوبؑ اور حضرت اسحاقؑ کی شان میں انتہائی دریدہ دہنی کا مظاہرہ کیا گیا اور ان کی شان اقدس میں سخت گستاخیاں کی گئیں تھیں۔ انتہا پسند آریہ سماجی ہندوؤں کی گستاخانہ سرگرمیاں بڑھتی گئیں اور مسلمانوں کے یکساں دشمن اور متعصب سامراجی حکمرانوں کی طرف سے ان سرگرمیوں کی پشت پناہی سے غیور اور غیرت مند مسلمانوں کے جذبات کا لاوا اندر ہی اندر پک رہا تھا۔ مسلمان دنیا کی ہر قوم اور مذہب سے زیادہ اپنے نبی، اپنی الہامی کتاب قرآن اور اپنے دین سے والہانہ لگاؤ رکھتے ہیں اور ان کی حرمت اور ناموس کی خاطر اپنا تن‘ من‘ دھن سب قربان کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جب غیر منصف سامراجی حکمرانوں نے مسلمانوں کے برانگیختہ جذبات کی کوئی پروا نہیں کی، تو شاتمین رسول کی ان مذموم حرکتوں نے جگہ جگہ مسلمانوں کو جگا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام شاتمین رسول سے اپنے آقا ﷺ کی توہین کا بدلہ لینے کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ غازی عبدالرشید بھی ان غازیوں میں سے ایک تھے۔ انہیں شردھانند کو مارنے کے لیے کسی مناسب ہتھیار کی تلاش تھی، اسی مقصد کے لیے دہلی سے افغانستان روانہ ہوئے اور وہاں سے ایک پستول خرید کر لوٹے۔ واپس پہنچے تو اس دشمن خدا کا قصہ پاک کرنے کی فکر میں لگ گئے، تاہم شردھانند کا ہاتھ آنا آسان نہ تھا، جتنا وقت گزرتا تھا، غازی عبدالرشید کی بے قراری بڑھ رہی تھی۔ اس زمانے میں جن لوگوں نے انہیں دیکھا انہوں نے بعد میں بتایا کہ جذبے کی حرارت جوں جوں بڑھتی گئی، اس عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ نکھرتا گیا۔ وہ مسلسل موقعے کی تلاش میں رہتے تھے، بالآخر قدرت نے یہ موقع انہیں جلد ہی فراہم کر دیا۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۲۶ء کو شردھانند دہلی میں اپنے آشرم میں اپنی رہائش گاہ پر موجود تھا کہ غازی عبدالرشید ریوالور لے کر دن دہاڑے اس کے آشرم میں جا پہنچے۔ انہوں نے اس دشمن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالکل سامنے جا کر اسے للکارا اور اسے مہلت دیے بغیر پستول کی لبلبی دبا دی۔ چھ گولیاں اس کے سینے میں پیوست ہو گئیں اور یوں بیسویں صدی کے ایک بہت بڑے فتنے کی کہانی اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ غازی عبدالرشید نے اسی مقصد کے لیے اخبار میں لکھنا اور قلم چھوڑا تھا تاکہ رسول اللہ علیہ وسلم کے دشمن کا سر قلم کرسکیں، اس مشن میں وہ کامیاب ہوئے۔ ہندوؤں میں صف ماتم بچھ گئی۔ گاندھی نے کانگرس کا اجلاس بلا کر ایک تعزیتی قرارداد کے ذریعے قوم سے سوگ منانے کی اپیل کر دی۔ پنڈت مدن موہن مالویہ نے اپنے اخبار میں لکھا کہ سوامی شردھانند مرا نہیں بلکہ آسمان پر مسلمانوں کی شدھ کرنے (ہندو بنانے) کے لیے چلا گیا ہے۔ مولانا ظفر علی خان نے اس کا سخت نوٹس لیا اور ”زمیندار“ میں ایک تہلکہ خیز نظم شائع کی۔ شدھی تحریک کے بانی سوامی شردھانند کا شمار آج بھارت کے عظیم قومی ہیروز میں ہوتا ہے اور اس مذہبی دہشت گرد کا مجسمہ بھارتی دارالحکومت نئی دہلی کے ٹاؤن ہال کے عین سامنے نصب کیا گیا ہے۔

مقدمہ اور شہادت

غازی عبدالرشید نے شردھانند کو قتل کرنے کے بعد بھاگنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ ان پر دفعہ ۳۰۲ کے تحت قتل کا مقدمہ چلایا گیا۔ معروف وکیل سیف الدین کچلو ایڈووکیٹ نے بلا معاوضہ مقدمے کی پیروی کی۔ ہر پیشی پر عدالت میں غازی عبدالرشید سے محبت کرنے والوں کا بے پناہ ہجوم امڈ آتا تھا۔ مقدمے کی ساری روداد مولانا محمد علی جوہر شائع کرتے تھے۔ وکلاء نے مقدمے کے دوران زوردار دلائل دیے گئے لیکن غازی عبدالرشید خود شردھانند کو کیفر کردار تک پہنچانے کا اعتراف کر چکے تھے، سیشن جج نے غازی عبدالرشید کے عدالت میں اقبال جرم کو بنیاد بنا کر ۱۵ مارچ ۱۹۲۷ء کو انہیں پھانسی کی سزا کا حکم سنا دیا۔ اس کے بعد وکلاء نے ہائی کورٹ میں اپیل بھی دائر کی، مگر وہ بھی مسترد ہو گئی۔ عدالت نے جیسے ہی غازی عبدالرشید کو پھانسی کی سزا دی، ملت اسلامیہ نے اپنے اس قابل فخر سپوت کو شہید اسلام اور عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب سے نوازا۔ جس روز غازی عبدالرشید کو پھانسی دی جانی تھی، اس روز صبح سویرے سے جیل کے سامنے مسلمانوں کا بے پناہ ہجوم جمع ہوگیا۔ ہزاروں برقع پوش خواتین ہزار ہا افراد اور بے شمار بچے اپنے گھروں سے نکل کر جیل کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ وہ نعرہ زن تھے، ادھر غازی عبدالرشید کو پھانسی دینے کے بعد جیل کے اندر ہی غسل اور کفن دے دیا گیا۔ جیل کے حکام غازی عبدالرشید کو جیل کے احاطے میں ہی دفن کرنا چاہتے تھے، لیکن مسلمانوں کے شدید احتجاج اور اصرار پر شہید کی میت مشروط طور پر مسلمانوں کے حوالے کی گئی۔ شرط یہ عاید کی گئی کہ جنازے کا جلوس نہیں نکالا جائے گا اور میت کو جیل کے سامنے والے قبرستان میں دفن کر دیا جائے گا۔ جیل کا پھاٹک کھلتے ہی مسلمانوں کا بے قابو جم غفیر نعرہ تکبیر لگاتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ ہزاروں لوگ دیوانہ وار نعرے لگا رہے تھے، انہوں نے جنازے پر قبضہ کر کے سامنے والے قبرستان میں تدفین کرنے کے بجائے جامع مسجد کی جانب روانہ ہو گئے۔ ایک بااثر مسلم رہنما غازی انوار الحسن مرحوم کی قیادت میں پرجوش مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ جنازے کو حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی کی درگاہ مبارک میں دفن کیا جائے گا۔ عوام میت کو لے کر درگاہ کی طرف بڑھ رہے تھے، یہ جامع مسجد سے تین میل دور تھی۔ تاہم مسلح فوج نے کئی گھنٹوں کی مسلسل تگ و دو کے بعد مغرب کی جانب سے قطب روڈ کے پل پر میت اپنی تحویل میں لے لی، جب کہ جنازے کا جلوس درگاہ کے قریب پہنچ چکا تھا۔ یہاں سے عاشق رسول کا جنازہ جامع مسجد دہلی لایا گیا اور تقریباً ساٹھ ہزار مسلمانوں نے نماز جنازہ ادا کی۔ کہا جاتا ہے، اس وقت دہلی کی کل آبادی تین لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ بعد میں میت کو غازی شہید کے ورثا کے حوالے کر دیا گیا، جنھوں نے فوج کی نگرانی میں انھیں جیل کے سامنے والے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا۔ یہ جولائی کے آخر یا اگست کے اوائل کے دن تھے، غازی عبدالرشید نے دہلی سینٹرل جیل میں پھانسی کے پھندے کو گلے میں ڈالا اور یوں ان کی ناموس رسولؐ پر فدا ہونے اور اس مرتبہ بلند پر فائز ہونے کی خواہش پوری ہوگئی۔ اس سچے عاشق رسول پر اللہ کی کروڑوں رحمتیں نازل ہوں۔ آمین۔

ہم نے ہر دور میں تقدیس رسالت کے لیے
وقت کی تیز ہواؤں سے بغاوت کی ہے
توڑ کر سلسلہ رسم سیاست کا فسوں
اک فقط نام محمدؐ سے محبت کی ہے
ہم نے بدلا ہے زمانے میں محبت کا مزاج
ہم نے ہر دل کو نئی راہ و نوا بخشی ہے
مرحلے بند و سلاسل کے کئی طے کر کے
چہرۂ دار و رسن کو بھی ضیاء بخشی ہے

یہ جولائی کے آخر یا اگست کے اوائل کے دن تھے، غازی عبدالرشید نے دہلی سینٹرل جیل میں پھانسی کے پھندے کو گلے میں ڈالا اور یوں ان کی ناموس رسولؐ پر فدا ہونے اور اس مرتبہ بلند پر فائز ہونے کی خواہش پوری ہوگئی۔

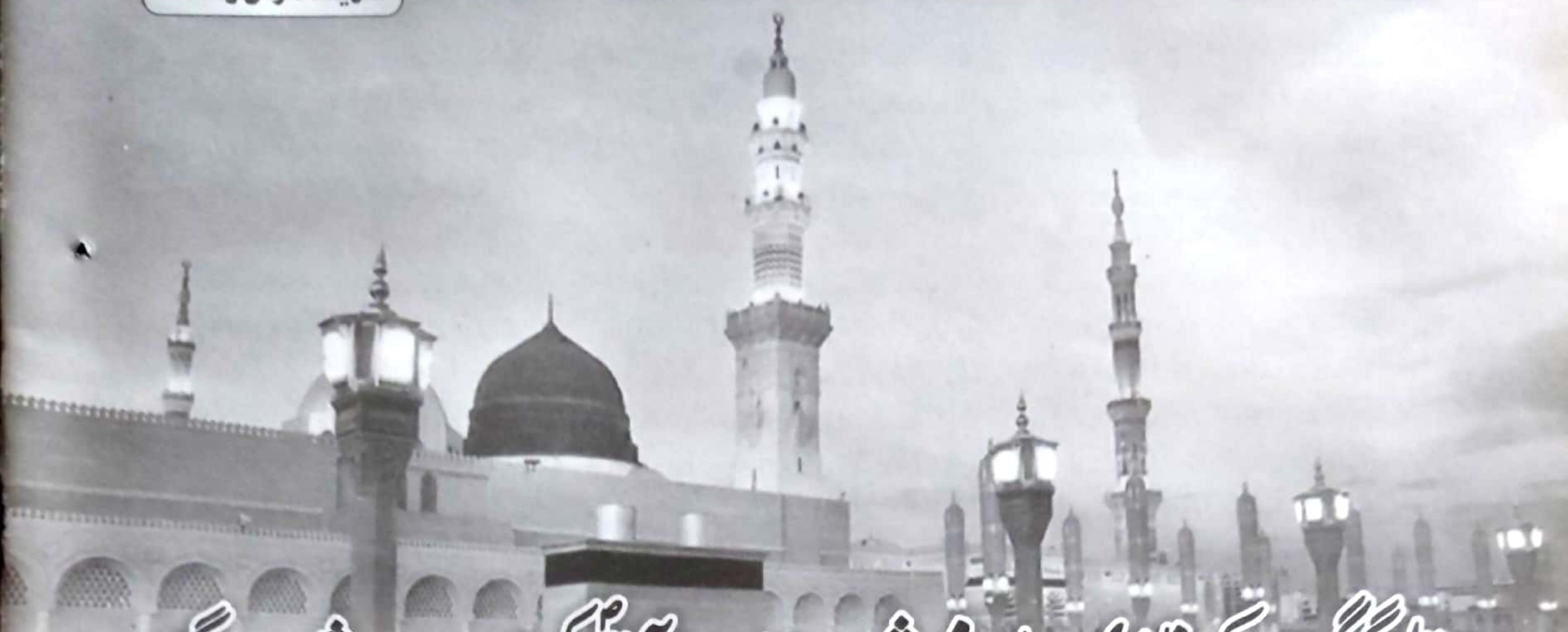

تلہ گنگ کے غازی میاں محمد شہید جو اپنے آقاؐ کی حرمت پر نثار ہو گئے

محمود عالم صدیقی

۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم چھڑی، تو ہندوستان پر برطانوی استعمار کا قبضہ تھا۔ انگریز ہندوستان سے فوجی نفری اور خام مال کی ضرورت پوری کرتے تھے۔ ایک طرف تو نیپال کے پستہ قد، محنتی اور سخت جان گورکھوں سے اور دوسری طرف پنجاب کے مردم خیز خطے سے لمبے تڑنگے اور دلیر مسلمانوں اور سکھ نوجوانوں سے فوجی ضرورت پوری کی جاتی تھی۔ قصبہ تلہ گنگ سے بھرتی ہونے والے کئی فوجیوں میں صوبیدار غلام محمد بھی تھے جن کو اپنی پلٹن کے ساتھ محاذ جنگ پر بیرون ملک بھی جانا پڑا۔ صوبیدار ملک غلام محمد کی شادی ۱۹۰۸ء میں ہوئی لیکن وہ سات سال تک اولاد کی نعمت سے محروم رہے۔ ۱۹۱۴ء میں جب وہ عالمی جنگ چھڑی تو ہندوستانی فوج کے ساتھ ملک سے باہر جانا پڑا۔ ۱۹۱۵ء میں بذریعہ خط انہیں محاذ جنگ پر اپنی پہلی اولاد... بیٹے کی پیدائش کی خوش خبری ملی۔ ان کا جی چاہتا تھا کہ اڑ کر تلہ گنگ پہنچ جائیں اور اپنے نومولود بیٹے کی شکل دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں، لیکن خدا کو یہ منظور نہ تھا۔ برسوں دعاؤں، امیدوں اور آرزوؤں کے بعد اللہ نے اولاد کی نعمت سے سرفراز کیا تھا، جوان کی آنکھوں سے دور تھا۔ ملک غلام محمد ۱۹۱۹ء میں جنگ کے خاتمے پر ہی وطن واپس آسکے۔ پہلی مرتبہ اپنے لخت جگر کو دیکھا تو ان کا بیٹا میاں محمد پانچ سال کا ہو چکا تھا۔ اپنے پلے پلائے بیٹے کو پا کر صوبیدار ملک غلام محمد کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

میاں محمد کو چند روز بعد ہی پرائمری سکول میں داخل کرا دیا۔ پانچویں جماعت کی کامیاب تکمیل کے بعد ثانوی تعلیم کے لیے ہائی سکول میں داخل ہوئے لیکن بے چین طبیعت کے سبب ساتویں جماعت کے بعد تعلیم کا سلسلہ ترک کر دیا۔ ڈرائیوری کا شوق ہوا لیکن جلد ہی اس سے بھی دل اکتا گیا۔ ۱۹۳۱ء میں کوئٹہ چلے گئے اور وہاں ایک ٹھیکے دار کے یہاں ملازمت اختیار کی لیکن ان کی بے چین طبیعت کو قرار نہ آیا۔ ۱۹۳۳ء میں میاں محمد کے والد ملک غلام محمد ریٹائرڈ ہو گئے تو والد نے اپنے بیٹے کو انڈین نیوی میں بھرتی کرا دیا۔ صرف سترہ سال کی عمر میں فوجی ملازمت ملتے ہی میاں محمد کی شادی ان کی پھوپھی زاد نیک اختر سے کر دی گئی۔ نیوی کی تربیتی ملازمت کے ڈیڑھ سال بعد ہی کھیل کے دوران ایک ساتھی سے جھگڑا ہو گیا، اس کی بدکلامی پر مار پیٹ ہو گئی اور ملازمت چھوٹ گئی۔

انڈین نیوی کی ملازمت چھوٹنے کے بعد میاں محمد نے کچھ عرصہ گھر پر گزارا، اس کے بعد اپنے والد کے مشورے اور کوشش سے ۲ جنوری ۱۹۳۵ء کو بلوچ رجمنٹ میں سپاہی کی حیثیت سے بھرتی ہو گئے۔ ابتدائی فوجی تربیت کراچی میں ہوئی، بعد ازاں انہیں مدراس کی مشہور چھاؤنی سینٹ تھامس ماؤنٹ کنٹونمنٹ بھیج دیا گیا، وہاں پہلے سے متعین ۳/۱۰ بلوچ رجمنٹ میں شامل ہو گئے۔ طبیعت میں اضطراب کے باوجود میاں محمد صوم و صلوٰۃ کے انتہائی پابند تھے۔ ان کو بچپن ہی سے آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس سے والہانہ لگاؤ اور عشق تھا۔ انہیں بہت سی نعتیں یاد تھیں وہ دوستوں کی محفلوں میں نعتیں سنتے بھی تھے اور سناتے بھی تھے۔ دراز قد، خوبصورت اور دلکش خدوخال کے مالک مردانہ وجاہت کے حامل سرخ وسفید رنگت والے باریش نوجوان تھے۔ وہ بہت خوش پوش انسان تھے جو بہت دیدہ زیب اور عمدہ لباس زیب تن کرتے تھے، سر پر خوبصورت پگڑی پہنتے تھے۔

۱۶ مئی ۱۹۳۷ء کا سورج اس دن بھی عام دنوں کی طرح طلوع اور غروب ہوا تھا۔ ڈیوٹی سے فارغ ہونے کے بعد مختلف عقائد و مذہب کے کچھ فوجی جوان مدراس چھاؤنی میں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ایک طرف چند مسلمان سپاہی نعت رسول مقبول ﷺ سننے کی سعادت حاصل کر رہے تھے۔ اس وقت وہ بھی ایک نعت رسول ﷺ سننے میں محو تھے۔ ایک ہندو فوجی خوب صورت ترنم اور عقیدت سے نعت پڑھ رہا تھا، ایک سماں بندھا ہوا تھا۔ میاں محمد بھی نعت سننے میں محو تھے۔ اسی وقت ایک ڈوگرہ ہندو فوجی جو بہت متعصب تھا یہ دیکھ کر مارے تعصب کے جل کر کباب ہو رہا تھا، اس نے نعت پڑھنے والے ہندو سے مخاطب ہو کر گستاخ لہجے میں اسے چپ ہونے کے لیے کہا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے ہوئے وہ ڈوگرہ سپاہی بے لگام ہو گیا۔ نعت پڑھنے والے ہندو سے کہنے لگا ''تم ہندو دھرم کے مجرم ہو اور تمہارا یہ پاپ ہرگز برداشت نہیں کیا جاسکتا''۔

مسلمان سپاہیوں نے ہندو ڈوگرہ سپاہی کی یہ بدزبانی سنی تو صبر کے گھونٹ پی کر رہ گئے، لیکن میاں محمد یہ گستاخانہ انداز اور بدزبانی سن کر تڑپ اٹھے اور ڈوگرہ سپاہی سے کہنے لگے ''اگر تیرے ایک ہم مذہب کو یہ سعادت نصیب ہوئی ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی نعت سنا

کراطمینان قلبی حاصل کرے، اور تجھے یہ بات پسند نہیں تو یہاں سے چلا جا، یہاں بیٹھ کر ایسی بکواس نہ کر۔‘‘ یہ سن کر ڈوگرہ فوجی کہنے لگا ’’میں تو بار بار ایسا ہی کہوں گا، تم سے جو ہو سکتا ہے کرلو۔‘‘ یہ بے ہودہ جواب سن کر میاں محمد کا خون کھول اٹھا، انہوں نے بڑی مشکل سے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے اس گستاخ رسول کو کہا ’’آئندہ اپنی ناپاک زبان سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کا جملہ کہنے کی جرأت نہ کرنا، ورنہ یہ بدتمیزی تجھے بہت جلد ذلت ناک موت سے دوچار کردے گی‘‘۔ اس پر ڈوگرہ سپاہی نے ہرزہ سرائی جاری رکھی اور ویسا ہی تکلیف دہ اور گستاخانہ جواب دیتے ہوئے بولا ’’مجھے ایسی گستاخی سے روکنے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔‘‘ یہ سن کر میاں محمد سیدھے اپنے حوالدار کے پاس گئے۔ وہ بھی ایک ہندو تھا، اس سے تمام واقعہ بیان کیا اور کہا ’’اگر چرن داس (ہندو ڈوگرہ) نے گستاخی کی سرعام معافی نہ مانگی تو اپنی زندگی سے کھیلنا مجھ پر فرض ہو جائے گا‘‘۔

ہندو حوالدار نے بھی اس نازک مسئلے پر کوئی خاص توجہ نہ دی، صرف یہی کہا ’’میں چرن داس کو سمجھادوں گا۔‘‘ میاں محمد حوالدار کی یہ سردمہری دیکھ کر سیدھے اپنی بیرک میں آئے۔ اس کے بعد عشاء کی نماز ادا کی اور اپنے دل میں زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کیا اور دعا مانگی ’’یا اللہ! میں نے تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کو ٹھکانے لگانے کا تہیہ کرلیا ہے، مجھے حوصلہ عطا فرما اور ثابت قدم رکھ۔ میرے پروردگار! مجھے بھی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں کی فہرست میں شامل فرما کر میری قربانی کو شرف قبولیت سے نواز دے۔‘‘ نماز ودعا سے فراغت کے بعد میاں محمد گارڈ روم میں گئے، اپنی رائفل نکالی، میگزین چڑھایا اور باہر نکل کر رسوائے زمانہ چرن داس کو للکارتے ہوئے کہا ’’کم بخت اب بتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے پر میں تجھ سے باز پرس کا حق رکھتا ہوں یا نہیں؟‘‘ یہ سن کر شاتم رسول چرن داس نے بھی جو رائفل اٹھائے ڈیوٹی دے رہا تھا، پوزیشن سنبھالتے ہوئے اپنی رائفل کا رخ میاں محمد کی طرف موڑا۔ لیکن اگلے ہی لمحے میں ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی کی گولی چرن داس کو ڈھیر کر چکی تھی، دس گولیاں اس کے جسم کے پار کرنے کے بعد غازی میاں محمد نے سنگین کی نوک سے اس کے منہ پر پے در پے وار کیے کہ اس ناپاک منہ سے تو نے میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی، جب یہ یقین کرلیا کہ مردود چرن داس جہنم واصل ہو چکا ہے، تو خود جا کر اپنے ہاتھ سے خطرے کی گھنٹی بجائی اور بعد میں بگلر سے کہا کہ وہ مسلسل بگل بجائے۔ بگل بجنے پر پلٹن جمع ہو گئی، تو غازی میاں محمد نے کمانڈنگ افسر سے کہا کہ کسی مسلمان افسر کو بھجواؤ، تا کہ میں رائفل پھینک کر خود کو گرفتاری کے لیے پیش کردوں۔ ایک مسلمان جمعدار عباس خان کو بھیجا گیا، جن کا آبائی تعلق بھی اتفاق سے آپ کے ہی علاقے سے تھا۔ گرفتاری کے بعد انگریز کمانڈنگ افسر نے ان سے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ چرن داس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور بدکلامی کی تھی، میں نے اس کو روکا، لیکن وہ باز نہ آیا تو میں نے اس کو اپنے منطقی انجام تک پہنچادیا ہے، اب آپ قانونی تقاضے پورے کریں۔‘‘

اگلے دن (۱۷ مئی ۱۹۳۷ء) کو غازی میاں محمد کو مقدمے کی تفتیش کے لیے پولیس کے حوالے کیا گیا۔ دس دن تک وہ پولیس کی زیر حراست رہے، اس دوران کمانڈر انچیف دہلی کا حکم آیا کہ میاں محمد پر فوجی قانون کے تحت مقدمہ چلایا جائے، شاید حکام کو یہ خدشہ تھا کہ سول عدالت میں مقدمے کا فیصلہ حکومت کی منشا کے خلاف ہوگا۔ فوجی حکام کی خواہش تھی کہ مقدمہ کے فیصلے تک غازی میاں محمد کے والدین کو کوئی اطلاع نہ دی جائے، لیکن صوبیدار ملک غلام محمد کو کسی طرح فوجی حکام کی اس سازش کا پتہ چل گیا اور وہ فوراً مدراس پہنچ گئے۔ ان کے والد صوبیدار غلام محمد اپنے عزیز بیٹے کے مقدمے کی پیروی کے لیے تلہ گنگ سے مدراس چھاؤنی جاتے رہے، وہ بتاتے ہیں کہ انگریز فوج میں شامل مسلمان فوجی جوانوں اور افسروں نے غازی میاں محمد کی بے پناہ خدمت کی اور انہیں رشک کی نگاہ سے دیکھتے۔ عدالتی چارہ جوئی اور مقدمے کی پیچیدگیوں سے نمٹنے کے لیے مدراس کے معروف مسلمان وکیل سید نور حسین شاہ کی خدمات حاصل کیں، انہوں نے بڑی دیانت داری اور فرض شناسی سے اس عظیم کام کا آغاز کیا، لیکن کیس ابھی تک ابتدائی مراحل میں تھا کہ کسی سنگ دل نے محافظ کی موجودگی میں موصوف پر چھرا گھونپ کر قاتلانہ حملہ کردیا۔ زخم کاری اور مہلک تھا، جس کی وجہ سے وہ رحلت کر گئے۔ ان کے بعد یہ مقدمہ اصغر علی ایڈووکیٹ نے اپنے ہاتھ میں لیا، انہوں نے بڑی جان فشانی اور لگن سے کیس کی تیاری میں حصہ لیا اور کبھی بھی فیس وغیرہ لینے کا مطالبہ نہ کیا۔ فوجی حکام چاہتے تھے کہ غازی میاں محمد کو ذہنی مریض قرار دے کر سزا دی جائے تا کہ کیس کو مذہبی رنگ بھی نہ ملے اور ہندو بھی خوش ہو جائیں، اس مقصد کے لیے انہوں نے بڑے حربے استعمال کیے، لیکن غازی میاں محمد کی جرات ایمانی اور ان کے استقلال نے ہر موقعے پر اپنے طرزِ عمل اور اقبالی بیان سے تمام حربوں اور منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔

۱۶ اگست کو غازی میاں محمد کا جنرل کورٹ مارشل شروع ہوا۔ پانچ دن کارروائی ہوتی رہی، کل اٹھارہ گواہوں کے بیانات قلم بند ہوئے، تین ڈاکٹروں کی شہادت بھی ریکارڈ پر آئی، جرح کے دوران انہوں نے متفقہ طور پر یہ موقف اختیار کیا کہ غازی میاں محمد نے جو کچھ کیا ہے، شدت جذبات سے بے قابو ہو کر کیا ہے، لیکن غازی صاحب ہر موقعے پر اپنے ابتدائی بیان پر ڈٹے رہے اور کہتے رہے کہ میں نے جو کچھ کیا ہے، خوب سوچ سمجھ کر کیا ہے، یہی میرا فرض تھا، چرن داس نے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی تھی، اس گستاخ رسول کو جہنم رسید کر کے میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ کورٹ مارشل کے دوران وکیل نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ صرف یہ کہہ دیں کہ میں نے گولی اپنی جان بچانے کی غرض سے چلائی تھی، کیونکہ چرن داس بھی مجھ پر حملہ کرنا چاہتا تھا، لیکن غازی میاں محمد نے سختی کے ساتھ وکیل صاحب کی اس تجویز کو مسترد کرتے ہوئے کہا ’’میری ایک جان تو کیا ایسی ہزاروں جانیں بھی ہوں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وحرمت پر نچھاور کردوں۔‘‘ فیصلہ کرنے سے پہلے فوجی عدالت نے آخر بار ان سے قتل کی وجہ معلوم کرنا چاہی، تو انہوں نے ایک بار پھر با آواز بلند کہا کہ میں اس کا اقرار کرتا ہوں اور میں نے ہی اس گستاخ رسول کو قتل کیا ہے۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۳۷ء کو غازی میاں محمد کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ سزا سن کر میاں محمد کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، تاہم ان کے والد کی طرف سے ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو وائسرائے ہند کے پاس اپیل کی گئی، جو مسترد ہو گئی، پھر پریوی کونسل لندن میں دائر اپیل بھی مختصر سماعت کے بعد رد کردی گئی۔ والد کی طرف سے رحم کی اپیل اس بنا پر نامنظور ہوئی کہ غازی میاں محمد تو خود بار بار اس قتل کا اعتراف کیے ہوئے ہیں۔ ایام اسیری میں غازی میاں محمد شہید کا معمول رہا کہ نماز کے علاوہ ہر وقت تلاوت قرآن کریم میں مشغول رہتے، اس دوران رمضان المبارک آیا، پورا مہینہ انہوں نے جاگ کر عبادت کرتے ہوئے گزارا، دن رات نوافل، تلاوت قرآن اور درود شریف پڑھتے رہے۔ عید آئی تو غازی صاحب نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ یہ نماز عید، عیدگاہ میں مسلمانوں کے ساتھ اجتماع عام میں پڑھنا چاہتے ہیں۔ بڑی رد وقدح کے بعد جیل کے چند غیرت مند مسلمان فوجی افسروں کی ضمانت پر حکام نے اس کی اجازت دے دی۔

فوجی دستے کی سخت سیکیورٹی میں انہیں جب باہر

لایا گیا، تو حکام نے بڑی کوشش کی کہ نماز عید کے موقعے پر مسلمانوں کو غازی صاحب کی آمد کا علم نہ ہو، لیکن عید گاہ میں موجود مسلمان نمازیوں کو چند لمحے کے اندر اندر علم ہو گیا، کہ اللہ کے رسول ﷺ پر جان وتن وارنے والا غازی ان کے درمیان موجود ہے۔ غازی صاحب کی آمد کا علم ہوتے ہی جس طرح لاکھوں فرزندان اسلام نے ان کا والہانہ استقبال کیا، اس کی انتظامیہ کو بالکل توقع نہ تھی۔ غازی میاں محمد سخت پہرے میں تھے، مگر عید گاہ میں موجود ہر شخص ان کی ایک جھلک دیکھنے کو بے قرار تھا۔ غازی صاحب کی سزائے موت کی خبر پورے ہندوستان میں مشہور ہو چکی تھی، نقص امن کا خطرہ پیدا ہونے لگا، تو غازی صاحب نے کھڑے ہو کر مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا ''میرے بھائیو، اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرو، آپس میں بھائیوں کی طرح پر امن رہو، میں پیارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ادنیٰ سا غلام ہوں، مجھ میں اس کے سوا کوئی خوبی نہیں کہ میرے ہاتھوں سے ناموس رسالت پر حملہ کرنے والا ایک گستاخ اپنے انجام کو پہنچا ہے، تاج دار مدینہ ﷺ کی شان اقدس میں ذرا سی توہین بھی ناقابل برداشت ہے، آئندہ بھی کوئی گستاخ یہ حرکت کرے گا تو ہزاروں عشاق اور جاں نثار اسے سبق سکھا کر بخوشی مقتل کی طرف بڑھیں گے، تمام مسلمان بھائی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری یہ قربانی قبول فرمائے، مجھ سے راضی ہو اور بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں مجھ ناچیز کی جان جیسا حقیر نذرانہ قبول ہو جائے۔''

آخری تحریر

جام شہادت نوش کرنے سے چار روز قبل سات اپریل ۱۹۳۸ء کو غازی میاں محمد نے اپنے برادر نسبتی ملک نور محمد کو ایک خط لکھا جس میں بعض وصیتیں لکھنے کے بعد تحریر کیا ''خدا تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا، ہر حال میں صبر کا دامن تھامے رکھنا، کسی پر اپنے غم کو ظاہر مت کرنا، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرا دل اس قدر خوش ہے کہ جس کا اندازہ کوئی دوسرا آدمی نہیں کر سکتا۔ میری دلی آرزو یہی تھی جو اللہ نے پوری کر دی ہے۔ میں گناہوں کے سمندر میں غرق تھا کہ میرے مالک نے اپنی رحمت کے دروازے مجھ پر کھول دیے، اس مالک کی مہربانی کا ہزار ہزار شکر ادا کرتا ہوں۔'' پھر اپنی اہلیہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ''میں اللہ کی اس نیک بندی سے بہت خوش اور راضی ہوں، اس نے کبھی کوئی ایسی غلطی نہیں کی جس کی خاطر اسے معافی کا خواستگار رہنا پڑے، میری شہادت پر رونے دھونے کے بجائے اپنے رب کو یاد کرے، نماز پڑھے، اپنے رب کی بندگی کرے اور میرے لیے بخشش کی دعا کرتی رہے۔''

وہ لوگ جنہوں نے آخری وقت غازی میاں محمد کی زیارت کی، ان کا کہنا ہے کہ چہرے پر سرور کی تازگی اور آنکھوں میں خمار کی چمک پہلے سے کہیں زیادہ تھی۔ ۱۲-۱۱ اپریل ۱۹۳۸ء کی صبح پانچ بجے یہ عاشق رسول ﷺ سفید اجلا لباس پہنے، فخر و انبساط کے ساتھ اپنی کوٹھڑی سے تختہ دار کی جانب ہنستے مسکراتے چلتے گئے۔ اسی کیفیت میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے پھانسی کے تختے پر کھڑے ہوئے۔ وقت مقررہ پر اللہ کا نام بلند کیا، مدینہ طیبہ کی طرف منہ کر کے درود شریف پڑھا، پھانسی کا پھندا چوما اور چند ثانیے پر جھول گئے۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر صرف اکیس سال کے قریب تھی۔ اس طرح ایک عاشق رسول صلی اللہ علیہ و سلم کی بے قرار روح کو قرار آ گیا۔ مدراس شہر اور مضافات کے لاکھوں مسلمانوں نے اس عاشق رسول ﷺ کی نماز جنازہ ادا کی اور انہیں لحد میں اتارا۔

پون صدی گزر گئی، مدراس کے ریلوے سٹیشن کے قریب غازی میاں محمد کی قبر موجود ہے۔

لوح مزار پر لکھا ہے: ''عاشق رسولؐ، سپاہی میاں محمد شہید، قوم اعوان، بلوچ رجمنٹ ولد صوبیدار غلام محمد اعوان سکنہ تلہ گنگ۔''

پندرہ برس پہلے ایئر مارشل ریٹائرڈ خداداد خان کی تجویز پر تلہ گنگ شہر کے معروف ترین چوک ٹریفک چوک تلہ گنگ کا نام غازی میاں محمد شہید چوک رکھا گیا تھا، لیکن اس شہر نا پرساں میں کتنے لوگ ہوں گے جو اس بستی کے بیٹے... اسلام کی غیرت وحمیت کے نشان میاں محمد کے بارے میں جانتے ہوں گے۔

☆☆☆

نظام تمدّن میں جہاد کا درجہ

''اگر دنیا میں کوئی ایسی قوت موجود ہو جو بدی کے خلاف پیہم جہاد کرتی رہے
اور تمام سرکش قوتوں کو اپنی اپنی حدود کی پابندی پر مجبور کر دے تو
نظامِ تمدن میں یہ بیاعتدالی ہرگز نظر نہ آئے کہ
آج سارا عالمِ انسانی ظالموں اور مظلوموں، آقاؤں اور غلاموں میں بٹا ہوا ہے،
اور تمام دنیا کی اخلاقی وروحانی زندگی کہیں غلامی ومظلومی کے باعث اور
کہیں غلام سازی وجفا پیشگی کے باعث تباہ وبرباد ہو رہی ہے۔''

(الجہاد فی الاسلام ۔۔۔ از: سیّد مودودی)

ایک جان تو کیا، ایسی ہزاروں جانیں میرے آقاؐ پر نثار

غازی محمد صدیق شہید (۱۹۱۴ء تا ۱۹۳۵ء) کی فداکاری کی لازوال داستان

شیخ کرم الٰہی قصور سے پندرہ میل کے فاصلے پر فیروزپور چھاؤنی کے علاقے میں رہائش پذیر تھے۔ وہ چمڑے کی رنگائی اور پکائی کا کام کرتے تھے جو ان کا آبائی پیشہ تھا۔ ۱۹۱۴ء میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد نرینہ سے نوازا، تو بیٹے کا نام انہوں نے محمد صدیق رکھا۔ پانچ سال کی عمر میں دینی تعلیم کے لیے مسجد کے مکتب میں داخل ہوئے۔ ۱۹۲۵ء میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ وہ سکول سے پانچویں جماعت بھی پاس کر چکے تھے۔ بعد میں چھاؤنی کے قریب ایک اور اسکول میں زیر تعلیم رہ کر انہوں نے آٹھویں جماعت کا امتحان پاس کر لیا۔ اسی دوران ان کے والد شیخ کرم الٰہی بیمار ہو کر چند روزہ علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ شوہر کے انتقال کے بعد محمد صدیق کی والدہ عائشہ بی بی نے جو بڑی نیک سیرت، حوصلہ مند اور صوم وصلوٰۃ کی پابند خاتون تھیں محمد صدیق کی تعلیم و تربیت کا خصوصی خیال رکھا۔ اول تو بچپن سے ہی والدین ان کی روحانی تربیت کرتے رہے۔ مزید روحانی ذوق اور سلیقہ پیدا کرنے کے لیے انہیں شیخ محمد صاحب نقشبندی کے زیر سایہ رکھا گیا، دوسرے قرآن کریم کا حفظ بھی شروع کرا دیا۔ والدہ نے چھوٹی عمر سے ہی انہیں صوم وصلوٰۃ کا پابند بنا دیا تھا۔ ایک دین دار ماں کی تربیت کی وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے محبت اور عقیدت ان کے اندر لہو بن کر دوڑتی تھی۔ ان کے طور طریقے، انداز گفتگو، یہاں تک کہ لباس بھی سنت کے موافق ہوتا تھا۔

قصور شہر کا گستاخ رسولؐ۔ پالامل

لڑکپن کی حدود میں داخل ہوتے ہی غازی محمد صدیق کی شخصیت میں اسلام اور پیغمبر اسلام سے محبت کے اوصاف شدید تر ہو چکے تھے۔ وہ ایک سچے مسلمان اور عاشق رسول ﷺ کے پیکر میں ڈھلتے جا رہے تھے، وہ اس دور میں شعور کی عمر کو پہنچے جب ان جیسے نوجوانوں کے جذبات میں طلاطم پیدا کرنے کے لیے متعصب ہندو ساہوکار اور ہندو بنیا ٹولے کی شرارتوں کا آغاز ہو گیا تھا اور انگریز حکمران ان گستاخان رسول کی پشت پناہی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے۔ قصور کی سرزمین پر ہندو انتہا پسندوں اور انگریز آقاؤں کی پشت پناہی کے سبب ایک ہندو گستاخ رسولؐ اور اکابرین اسلام کے خلاف دریدہ دہنی کرنے والے سنار پالامل کی دشنام ترازی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ یہ شخص جو ایک مال دار اور بااثر ہندو زرگر تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مستقل گستاخیاں کرتا اور گالیاں بکتا تھا، اس کی اسلام دشمن سرگرمیاں بڑھتی جا رہی تھیں اور علاقے کے مسلمانوں کے لیے یہ صورت حال برداشت کرنا مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ پالامل مسلمانوں کی کمزور معاشی حالت کا مضحکہ اڑاتا اور ارکان اسلام اور زکوٰۃ کا تمسخر اڑایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ تو اس نے یہاں تک بکواس کی ”مسلمانوں کا خدا اپنے بندوں سے زکوٰۃ کی (نعوذ باللہ) بھیک مانگتا ہے، جبکہ ان بے چاروں کو کھانے کے لیے دو وقت کی روٹی بھی میسر نہیں ہے“۔ ہندوؤں اور انگریزوں کی اسلام دشمنی، مسلمانوں کی غربت محتاجی اور مسلم معاشرے کی عمومی رواداری کے سبب پالامل جیسے شاتمین رسولؐ اور ان جیسے دوسرے دشمنان اسلام کا حوصلہ دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔ پالامل مسلمانوں کی موجودگی میں بزرگان دین اور اسلامی شعائر کے خلاف بکواس کرتا اور انہیں گالیاں دیتا تھا۔ وہ ہندوؤں کو اپنے گھر جمع کر کے نماز جیسی فرض اور مقدس عبادت کی نقلیں اتارتا اور عجیب و غریب توہین آمیز حرکتیں کر کے انہیں ہنساتا رہتا تھا، شعائر اسلامی کا مذاق اڑانا اس کا روز کا وطیرہ اور

محمود عالم صدیقی

مشغلہ تھا۔ اس کی فحش کلامی، بدگوئی اور بدزبانی حد سے زیادہ بڑھتی جا رہی تھی۔

لاہور کے اردو روزنامے ”انقلاب“ نے ۷ ستمبر ۱۹۳۴ء کی اشاعت میں اپنے اداریے میں لکھا ”مسمی پالامل ہندو نے دین اسلام کے خلاف اپنی بے ادبیوں اور بدزبانیوں کا یہ کھلم کھلا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ ۱۶ مارچ ۱۹۳۴ء کو جب لوگ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے تو اس مردود نے نہ صرف نماز کا مضحکہ اڑایا، بلکہ آقائے دوجہاں سرکار مدینہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر کیچڑ اچھالنے کی ناپاک جسارت بھی کی اور ان کی شان میں نازیبا کلمات کہے اور صریحاً گستاخی کی ہے۔“ قصور شہر اور ملحقہ علاقوں کے مسلمانوں کے علم میں جیسے جیسے اس ملعون کی ہرزہ سرائیاں آتی رہیں، عاشقان مصطفیٰ ﷺ اور اسلام کے سچے پیروکاروں میں غم وغصے کی لہر دوڑتی گئی اور پورے شہر کے مسلمانوں میں اضطراب پھیل گیا۔ مسلم معززین شہر کی باہمی مشاورت ہوئی اور محمد کلیم پیر صاحب ایڈووکیٹ نے عدالت میں استغاثہ دائر کر دیا۔ مجسٹریٹ درجہ اول لاہور مسٹر ٹیل نے مقدمے کی موشگافیوں کے پیش نظر استغاثہ منظور کرتے ہوئے مقدمے کی سماعت کی۔ فریقین کے دلائل سننے کے بعد مجسٹریٹ مسٹر ٹیل نے اپنے فیصلہ میں لکھا: ”دونوں طرف کے فریقین کے موقف اور دلائل کی سماعت کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ملزم پالامل سنار نے واقعی توہین رسالت کی ہے جس سے مسلمانوں کے مذہبی جذبات مشتعل ہوئے اور معاشرے میں سخت فساد کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ اس لیے پالامل کو چھ ماہ قید اور دو سو روپے جرمانے کی سزا دی جا رہی ہے۔“ (واضح رہے تعزیرات ہند میں مذہبی اکابرین کی اہانت کی زیادہ سے زیادہ سزا دو سال اور چند ماہ اور چند سو روپے جرمانے سے زیادہ نہیں تھی) پالامل سنار نے معمولی سزا کے اس فیصلے کو بھی تسلیم نہیں کیا اور اس کے خلاف مسٹر بھنڈاری سیشن جج لاہور کی عدالت میں اپیل دائر کر دی، جہاں سے اسے مقدمے کی سماعت کے بعد فیصلے تک ضمانت پر

رہا کر دیا گیا۔ مسلمان اس پر بے حد رنجیدہ ہوئے، بہت سے گھروں سے باقاعدہ آہ و بکا کی آوازیں آتی تھیں۔ مسلمان شدید کرب میں تڑپتے تھے، مگر کوئی نہیں تھا جو شاتم رسول کا منہ بند کرنے کے لیے بروئے کار آتا، جب کہ شاتم رسول پالال جیسا گستاخ رسول ملعون قصور کی سڑکوں پر دندناتا اور بھونکتا پھر رہا تھا۔

ان ہی دنوں کی بات ہے کہ ایک رات غازی محمد صدیق سوئے ہوئے تھے کہ انہوں نے ایک خواب دیکھا، خواب کیا تھا، اس خواب سے ان کا مقدر جاگ اٹھا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ ایک رات نیم شب کے بعد ان کو خواب میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گستاخ پالال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا" یہ گستاخ تسلسل ہماری شان میں گستاخیاں کرتا چلا جا رہا ہے، جاؤ اور اس دریدہ دہن کی زبان کو لگام دو۔" اس خواب کے بعد حضور اقدس علیہ السلام کا یہ عاشق زار دل و جان سے اس مشن کو پورا کرنے کے لیے تیار ہو گیا، مگر اس کام کو

> تختہ دار پہ اس پروانہ شمع رسالت کے آخری الفاظ یہ تھے:
> "میرے اللہ! تیرا ہزار شکر کہ تو نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے تحفظ کے لیے کروڑوں مسلمانوں میں سے مجھ ناچیز کو منتخب فرمایا۔"

انجام دینے کے لیے ایک منصوبے کی ضرورت تھی، اس لیے اسلام کا یہ جانباز سپاہی کئی روز تک جوش انتقام میں پیچ و تاب کھاتا رہا اور مختلف تدبیریں سوچتا رہا۔ غازی صدیق نے جتنے دن گھر میں گزارے، گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان غم و غصے کی شدت میں اضافہ ہوتا رہا، وہ ہمہ وقت بے حال رہنے لگے، گھر کے کام کرتے مگر کسی کام میں دل نہیں لگتا تھا۔ رات دن ان کے دل میں ایک ہی جذبہ موجزن رہنے لگا کہ وہ جلد سے جلد قصور پہنچ کر سرور کائنات ﷺ کے دشمن اور گستاخ کو جہنم رسید کر کے سعادت حاصل کریں اور چین و سکون ان کا مقدر ہو۔ بالآخر ۱۰ دسمبر ۱۹۳۴ء کو غازی محمد صدیق کا ارادہ فیصلہ کن موڑ پر آ پہنچا، انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ محترمہ عائشہ بی بی سے اس متبرک خواب کا ذکر کرتے ہوئے درخواست کی کہ وہ ان کو یہ مشن مکمل کرنے کی اجازت دیں، والدہ نے جتنی آسانی سے اجازت دے دی، شاید بہت سی مائیں اس کا تصور بھی نہ کر پائیں۔ اس لیے کہ آج کی مائیں اپنے جگر گوشوں کو اپنی جان خطرے میں ڈالنے سے روکتی ہیں، غازی محمد صدیق نے ماں سے کہا کہ وہ ان کو قصور میں اپنے ماموں کے پاس جانے کی اجازت دے دیں، تا کہ وہاں جا کر اس ملعون گستاخ رسول کو ٹھکانے لگا سکیں۔ قرن اول میں ایسی ہی مائیں تھیں جو اپنے بیٹوں کو اپنے ہاتھوں سے تیار کر کے میدانِ وغا میں اتارتی تھیں۔ غازی محمد صدیق کی والدہ اپنے بیٹے میں ایک مجاہد کا جذبہ دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھیں۔ وہ فصل جو انہوں نے اپنے خون جگر سے کاشت کی تھی آج ان کے سامنے لہلہا رہی تھی، اس کا بہترین مصرف یہی تھا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی راہ میں کٹ جائے، اللہ کے پاک دین اسلام اور رسول پاک ﷺ کے ناموس کے بارے میں فدائی جذبہ رکھنے والی مومن ماں نے اپنے لخت جگر کو شاتم رسول کو جہنم رسید کرنے کی بخوشی اجازت دے دی؛ ایک دین حق کی شیدائی مومنہ ماں کے لیے اس سے بڑھ کر مسرت اور سعادت کی بات اور نہ تھی کہ ان کا بیٹا دین حق اور ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ میں جہاد کر کے اپنا فرض ادا کر کے سرخرو ہو۔ رخصت ہوتے وقت اپنی والدہ سے کہا: "ماں دعا کرو، میں اس عظیم فرض کو بطریق احسن نبھا سکوں اور بارگاہ الٰہی میری یہ کوشش قبول ہو اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کی خاطر دی گئی میری یہ قربانی منظور ہو"۔ اس عظیم خاتون نے اپنے بیٹے کا ماتھا چوما اور شوق و مسرت سے اسے شہادت گاہ الفت کی طرف روانہ کیا۔

ایک دین حق کی شیدائی مومنہ ماں کے لیے اس سے بڑھ کر مسرت اور سعادت کی بات اور نہ تھی کہ ان کا بیٹا دین حق اور ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ میں جہاد کر کے اپنا فرض ادا کر کے سرخرو ہو۔ رخصت ہوتے وقت اپنی والدہ سے کہا: "ماں دعا کرو، میں اس عظیم فرض کو بطریق احسن نبھا سکوں اور بارگاہ الٰہی میری یہ کوشش قبول ہو اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کی خاطر دی گئی میری یہ قربانی منظور ہو"۔ اس عظیم خاتون نے اپنے بیٹے کا ماتھا چوما اور شوق و مسرت سے اسے شہادت گاہ الفت کی طرف روانہ کیا۔

گستاخ رسول کی زبان بند کر دی

گھر سے روانہ ہو کر غازی محمد صدیق قصور پہنچے، اب وہ اس نابکار پالال کی ٹوہ میں رہنے لگے۔ ایک روز وہ شام کے وقت بابا بلھے شاہ کے مزار کے قریب ایک درخت سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ انہیں معلوم ہوا تھا کہ پالال اس راستے سے گزرنے والا ہے۔ اتنے میں ایک ایسا شخص وہاں سے گزرنے لگا جو اپنا چہرہ چھپائے ہوئے تھا۔ غازی محمد صدیق نے اس کی راہ روک کر پوچھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے اور یہاں کیا کر رہا ہے؟ پہلے تو وہ خاموش رہا اور پھر اپنا نام بتانے میں تامل کیا، لیکن غازی محمد صدیق کو تنہا دیکھ کر حوصلہ ہوا اور کہنے لگا کہ مسلمانوں نے پہلے میرا کیا بگاڑ لیا ہے، اگر تو میرا نام جان گیا تو میرا کیا کر لے گا؟ اس نے جیسے ہی اپنا نام لیا، غازی محمد صدیق نے اس کو پہچان لیا، شدت جذبات سے ان کا چہرہ تمتما اٹھا، وہ آج اپنا مشن مکمل کر سکتے تھے۔ یہی وہ جہنمی گستاخ رسولؐ تھا جسے وہ ٹھکانے لگانے آئے تھے۔ غازی صدیق نے اس سے کہا: "ملعون! میں تو اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ادنیٰ غلام ہوں، کئی دنوں سے تیری تلاش میں تھا۔ تیری بدقسمتی ہے کہ تو خود چل کر میرے پاس آ گیا، تو آج تو کسی طرح بھی ذلت آمیز موت سے بچ کر نہیں جا سکتا" یہ کہہ کر انہوں نے اپنے تہ بند سے اپنی رمبی (چمڑا کاٹنے کا تیز دھار آلہ) نکالی اور للکارتے ہوئے اس پر حملہ آور ہو گئے اور اس پر اس وقت تک متواتر وار کرتے رہے جب تک کہ انہیں یہ یقین نہیں ہو گیا کہ گستاخ واصل جہنم ہو چکا ہے۔ اس طرح غازی محمد صدیق نے اپنے خواب کو شرمندۂ تعبیر کیا اور گستاخ رسول کی زبان ہمیشہ کے لیے بند کر دی۔

عینی شاہدوں کا کہنا ہے کہ غازی صاحب اس وقت تک اس کی چھاتی سے نہیں اترے جب تک وہ بے حس و حرکت نہیں ہو گیا۔ ملعون کا چہرہ نہ صرف مسخ ہو گیا بلکہ ہیبت ناک شکل اختیار کر گیا تھا۔ میڈیکل رپورٹ کے مطابق اس کے جسم پر چالیس مہلک زخموں کے واضح نشانات تھے۔ راہ گیروں نے آپ کو دیکھ لیا، مگر کسی کو آپ کے قریب آنے کی ہمت نہ تھی۔ اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد غازی محمد صدیق نے اس جگہ سے فرار ہونے کے بجائے سب سے پہلے اپنے لباس سے اس ملعون کا ناپاک لہو صاف کیا، اس کے بعد نہا دھو کر لباس بدلا اور قریبی مسجد میں جا کر دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی۔ اس کے بعد مسجد کی سیڑھیوں پر آ کر بیٹھ گئے اور

ایک دین حق کی شیدائی مومنہ ماں کے لیے اس سے بڑھ کر مسرت اور سعادت کی بات اور نہ تھی کہ ان کا بیٹا دین حق اور ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ میں جہاد کر کے اپنا فرض ادا کر کے سرخرو ہو۔ رخصت ہوتے وقت اپنی والدہ سے کہا: ''ماں دعا کرو، میں اس عظیم فرض کو بطریق احسن نبھا سکوں اور بارگاہ الٰہی میری یہ کوشش قبول ہو اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کی خاطر دی گئی میری یہ قربانی منظور ہو''۔ اس عظیم خاتون نے اپنے بیٹے کا ماتھا چوما اور شوق و مسرت سے اسے شہادت گاہ الفت کی طرف روانہ کیا۔

اطمینان سے اپنی گرفتاری کے لیے پولیس کا انتظار کرنے لگے۔ اس جگہ موجود افراد کا بیان ہے کہ اگر غازی صاحب فرار ہونا چاہتے تو آسانی سے ایسا کر سکتے تھے مگر انہوں نے اپنی خوشی سے گرفتار ہونا پسند کیا۔ گرفتاری کے بعد انہوں نے پالامل کے قتل کا برملا اعتراف کیا۔ وہ بلا خوف سب کو بتاتے رہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ پالامل ہندو کو میں نے قتل کیا ہے، کیونکہ اس ملعون نے میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی تھی اور ہمارے مذہب اسلام کے مطابق وہ شخص مسلمان نہیں، بلکہ منافق ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین سن کر خاموش بیٹھا رہے اور ناموس رسول ﷺ کی اہانت کا بدلہ لینے کے لیے اپنی جان کی بازی نہ لگا دے۔ ایسے گستاخ کو واصل جہنم کرنا عشق نبوی ﷺ کا تقاضا ہے، اس لیے میں نے جو کچھ کیا ہے خوب سوچ سمجھ کر کیا ہے اور مجھے قطعاً کوئی ندامت یا افسوس نہیں ہے، جب تک شاہ مدینہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت اور تقدس کی ضمانت فراہم نہیں کی جاتی یہ ہوتا رہے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ شاتمین رسول ہر دور میں اللہ کے سچے بندوں اور نبی خاتم علیہ السلام سے محبت رکھنے والوں کے ہاتھوں اسی طرح جہنم واصل ہوتے رہے ہیں، ایسے دریدہ دہنوں کو جینے کی زیادہ مہلت نہیں ملی، کوئی نہ کوئی سرفروش مجاہد عشق رسالت مآب ﷺ میں سرشار ہو کر اور دار و رسن کی پروا کیے بغیر ناموس مصطفےٰ ﷺ کے تحفظ کے لیے اپنی جان کی بازی لگاتا اور اپنے آقا ﷺ کی حرمت پر قربان ہوتا رہے گا۔ گرفتاری کے بعد آپ کا مقدمہ سیشن کورٹ کے سپرد ہوا۔ غازی صدیق کی جانب سے میاں عبدالعزیز مالوڈہ اور بیرسٹر خالد لطیف گابا نے پیروی کی۔

غازی صاحب کے خلاف مقدمے کی کارروائی

سیشن کورٹ میں مقدمے کی سماعت شروع ہوئی۔ استغاثہ کی طرف سے خان قلندر علی خان اور صفائی کے لیے میاں عبدالعزیز اور شیخ خالد لطیف پیش ہوئے۔ وکلائے صفائی نے بڑی تیاری کر کے مدلل اور قانونی جامع نکات فاضل جج کے سامنے پیش کیے۔ انہوں نے کہا، غازی محمد صدیق کی مقتول سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی، اس نے یہ فعل صرف اور صرف مذہبی جوش و جذبے اور عقیدت کے تحت کیا ہے، اس کا یہ بیان کہ میں بیس سال کے بعد بھی توہین رسالت کا بدلہ لیے بغیر نہیں رہتا۔ یہ بات ثابت کرتا ہے کہ اسلامی روایات اور قرآن سنت کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور حرمت اللہ کے بعد دوسرے درجے پر ہے اور کوئی سچا مسلمان اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کسی بھی قسم کی ادنیٰ سی گستاخی بھی برداشت نہیں کر سکتا، چاہے اس کے لیے اس کی جان بھی چلی جائے۔ غازی محمد صدیق کے دل میں بھی یہی جذبہ گزشتہ اٹھارہ ماہ سے موجزن تھا جس کی وجہ سے اس نے اتنا بڑا اقدام اٹھایا اور اپنی جان کی پروا نہیں کی۔ اس لیے کئی گزشتہ مقدمات کی مثالوں کے حوالے سے ملزم کو زیادہ سے زیادہ حبس دوام (کالے پانی) کی سزا دی جائے۔ تاہم انگریز عدالت نے اپنی روایت کے مطابق فیصلہ سنایا۔ اپنے اقبالی بیان میں غازی محمد صدیق نے کہا: ''میں نے جو کچھ کیا، خوب غور و فکر کے بعد غیرت دینی کے سبب اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو برقرار رکھنے کے لیے کیا ہے۔ اس پر مجھے قطعاً تاسف یا ندامت نہیں بلکہ میں اپنے اس اقدام پر بہت خوش اور نازاں ہوں۔ عدالت زیادہ سے زیادہ جو سزا دے سکتی ہے، جب چاہے دے دے، مجھے قطعاً حزن و ملال نہ ہوگا۔ مگر جب تک ہمیں شہنشاہ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت اور تقدس کے تحفظ کی ضمانت فراہم نہیں کی جاتی، کوئی نہ کوئی سرفروش نوجوان اپنے لہو سے چراغ محبت جلاتا رہے گا۔ یہ تو ایک جان ہے، اس کی بات ہی کیا ہے، میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاک قدم پر پوری کائنات بھی نچھاور کر ڈالوں تو میرا عقیدہ، ایمان اور عشق و وجدان یہی کہتا ہے کہ گویا ابھی حق غلامی ادا نہیں ہو سکا۔ یہ ایک جان کیا چیز ہے، ایسی ہزاروں جانیں میرے آقا صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم پر نثار ہیں۔''

آپ کی والدہ کو جب یہ علم ہوا کہ بیٹے کو سزائے موت سنائی گئی ہے تو انہوں نے فرمایا ''یہ ایک بیٹا تو کیا، ایسے بیس بیٹے بھی ہوتے میں سب کو اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر قربان کر دیتی۔''

سیشن کورٹ سے پھانسی کے فیصلے کے بعد غازی محمد صدیق شہیدؒ کی والدہ کو اپنے جواں سال بیٹے سے چند لمحے ملاقات کی اجازت ملی، تو ان کی پیشانی چومتے ہوئے نہایت حوصلے کے ساتھ فرمایا: ''بیٹا! میں تم سے بہت خوش ہوں، جس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے تحفظ کے لیے تم قربان گاہ پر جا رہے ہو، اس محبوب کردگار صلی اللہ علیہ وسلم کی شان قائم رکھنے کے لیے مجھے تم جیسے بیس بیٹوں کی قربانی بھی دینا پڑے تو رب کعبہ کی قسم، کبھی دریغ نہ کروں۔'' سیشن کورٹ کی سزا کے خلاف لاہور ہائی کورٹ میں اپیل کی گئی۔ ۳۱ جنوری ۱۹۳۵ کو اپیل کی سماعت شروع ہوئی لیکن ہائی کورٹ نے بھی سیشن کورٹ کا سزائے موت کا فیصلہ برقرار رکھا۔ سزائے موت پر عمل درآمد کر دیا گیا۔ شہادت کے وقت اس خوب رو مجاہد غازی محمد صدیق کی عمر صرف ۲۱ سال تھی۔ اس شہید ناموس رسالت کی نماز جنازہ پریڈ گراؤنڈ میں ادا کی گئی، ایک محتاط اندازے کے مطابق اس میں ایک لاکھ سے زیادہ افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ یوں غازی محمد صدیق نے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت و ناموس کی حفاظت کے لیے اپنی جان کا نذرانہ دے کر امت مسلمہ کو تا ابد سرخرو کر دیا۔ تختہ دار پہ اس پروانہ شمع رسالت کے آخری الفاظ یہ تھے:

''میرے اللہ! تیرا ہزار شکر کہ تو نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے تحفظ کے لیے کروڑوں مسلمانوں میں سے مجھ ناچیز کو منتخب فرمایا۔''

وہ بلا خوف سب کو بتاتے رہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ پالامل کو میں نے قتل کیا ہے، کیونکہ اس ملعون نے میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی تھی اور ہمارے مذہب اسلام کے مطابق وہ شخص مسلمان نہیں، بلکہ منافق ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین سن کر خاموش بیٹھا رہے اور ناموس رسول ﷺ کی اہانت کا بدلہ لینے کے لیے اپنی جان کی بازی نہ لگا دے۔

والدہ نے کہا "بیٹا! پھانسی کا پھندا خود اپنے گلے میں ڈالنا۔"

غازی مرید حسین شہید.... گستاخ رسول کو اس کے انجام سے دوچار کرنے کی روح پرور کہانی

محمود عالم صدیقی

یہ ۱۹۳۶ء کی بات ہے ،ایک دن روزنامہ "زمیندار" میں ایک افسوس ناک خبر "پلول کا گدھا" کے عنوان سے شائع ہوئی۔ یہ ضلع گوڑگانواں کے ایک قصبے پلول کے جانوروں کے شفاخانے کے ملعون اور دریدہ دہن ڈاکٹر کے بارے میں تھی۔ اس کا نام رام گوپال تھا۔خبر میں بتایا گیا کہ پلول کے ہسپتال کے ایک جانور (گدھے) کا نام (نعوذ باللہ) ....کے اسم مبارک پر رکھنے کی جسارت کی ہے۔اس شرم ناک گستاخی کی خبر سن کر برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں کا خون کھول اٹھا۔ احتجاجی جلسے جلوسوں اور بیانات کا سلسلہ شروع ہوگیا اور پورے ملک میں گستاخ رسول ﷺ کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہونا شروع ہوگئی۔ یہ وہ دور تھا کہ انگریز حکمرانوں کی شہ پر ہندوانتہا پسند اسلام اور مسلمانوں کو اپنی زہریلی ہفوات کا نشانہ بنائے ہوئے تھے،اسی زمانے میں راج پال، نتھو رام اور دیگر گستاخان رسول نے اپنی اسلام دشمن اوراکابرین اسلام کے خلاف سرگرمیوں سے مسلمانوں کے دل زخمی کرر کھے تھے،رام گوپال کی دریدہ دہنی سے مزید حزن و ملال کا شکار ہوگئے۔شاتم رسول کی اس اشتعال انگیز جسارت نے ہندوستان کے گوشے گوشے میں مسلمانوں کے قلوب اور اذہان میں جذبات کی ایک نہ بجھنے والی آگ بھڑکا دی۔وہ گستاخ رسول کی دریدہ دہنی پر ننگ آمد بجنگ آمد کے مترادف مرنے مارنے پر تیار ہوگئے۔نقص امن کا خطرہ بڑھا،تو فرنگی حکومت نے اس ڈنگر ڈاکٹر کا تبادلہ ضلع حصار کے ایک قصبے نارکونڈ میں کر دیا۔

غازی مرید حسین

غازی مرید حسین ۲۴ فروری ۱۹۱۴ء کو چکوال کے ایک چھوٹے سے گاؤں بھلہ تحصیل چکوال کے معزز قریش گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام عبداللہ خان اور والدہ ماجدہ کا نام غلام عائشہ تھا۔ چودھری عبداللہ بھلہ کے نمبردار اور باوقار بزرگ تھے۔ان کو اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں اکلوتے فرزند مرید حسین سے نوازا تھا، اس لیے اپنی آنکھوں کے نور اور دل کے سرور کی بڑی محبت اور شفقت سے پرورش کی۔ مرید حسین ابھی پانچ برس کے تھے کہ والد بزرگوار کے سائے سے محروم ہوگئے۔ والدہ بڑی نیک سیرت خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنے مرحوم سرتاج کی یادگار اکلوتے اور لاڈلے بیٹے کی تعلیم وتربیت پر پوری توجہ دی۔ ننھے مرید حسین نے قرآن حکیم اور دوسری دینی کتب کی تدریس کے لیے جامعہ بھلہ شریف کے خطیب وامام سید محمد شاہ صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے۔ عام تعلیم کے لیے آپ کو قریبی قصبہ کریالہ کے اینگلو سنسکرت مڈل اسکول میں داخل کرادیا گیا۔ شروع ہی سے ذہین اور محنتی تھے۔ مڈل اچھے نمبروں سے پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ ہائی اسکول چکوال میں زیر تعلیم رہے۔ ۳۱-۱۹۳۰ء میں میٹرک میں شاندار کامیابی حاصل کی۔ گو اعلیٰ تعلیم کا شوق تھا اور وسائل بھی رکھتے تھے، لیکن چھوٹی عمر میں ہی گھر کی ذمہ داری اور گاؤں کی نمبرداری کا بوجھ پڑ گیا، تو مجبور ہوکر سلسلہ تعلیم منقطع کرنا پڑا۔ تاہم تعلیم کی کمی اچھی تربیت نے پوری کر دی۔ خاندانی شرافت، دینی تعلیم اور نیک سیرت ماں کی تربیت نے آپ کو اسلام کا سچا شیدائی بنا دیا تھا۔ مذہب سے گہرے لگاؤ کا ہی اثر تھا کہ کسی انسان کو دکھی دیکھتے تو بے قرار ہوجاتے ،خصوصاً ہندوؤں کی ستم گری اور مسلمانوں کی زبوں حالی نے آپ کو خدمت خلق کے کاموں کی طرف مائل کر دیا۔تعلیم سے فارغ ہونے اور نمبرداری کی ذمے داری سنبھالنے کے بعد کم سنی میں ہی عوامی فلاح و بہبود اور خلق خدا کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔ یہ غلامی کا دور تھا، نمبرداروں سے حکومت برطانیہ کے کارندے جو سلوک روا رکھتے اور ان سے جو توقعات وابستہ کرتے تھے، مرید حسین جیسا غیور مرد مومن اسے زیادہ دیر برداشت نہ کرسکا۔ ویسے بھی آپ کی طبیعت دنیاوی نمود و نمائش سے گریزاں تھی؛ چنانچہ نمبردار سسٹم کی خرابیوں سے بے زار ہوکر اس سے گلوخلاصی کرالی۔ اس کے بعد یکسو ہوکر اصلاح و فلاح کی سرگرمیوں میں مصروف ہوگئے۔ آپ کے ماموں ماسٹر غلام سرور صاحب اور چچازاد بھائی چودھری خیر مہدی صاحب غازی صاحب کی طبعی شرافت اور فطری نیکی کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ لڑکپن ہی سے صوم وصلوٰۃ کے سخت پابند تھے اور ہمیشہ باوضو رہنے کے عادی تھے۔ نماز باجماعت کی پابندی کی یہ حالت تھی کہ اللہ اکبر کی آواز کان میں پڑتے ہی اٹھ کھڑے ہوتے اور خانہ خدا پہنچنے سے پہلے کہیں نہ رکتے۔ کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ کھانا کھا رہے ہیں اور اذان کی آواز سن کر کھانا چھوڑ دیا اور مسجد پہنچ گئے۔ بھلہ سے چکوال صرف پانچ میل دور ہے۔ آپ اکثر چکوال جاتے رہتے۔ وہیں علامہ عنایت اللہ خان المشرقی خاکسار تحریک کی عسکریت سے متاثر ہوئے اور خاکسار بن گئے، لیکن آپ کی عشق رسالت ﷺ میں ڈوبی ہوئی روح کو یہاں بھی کماحقہ سکون میسر نہ آیا۔ روحانیت کی پیاس آپ کو خواجہ عبدالعزیز صاحب چشتی کے پاس لے گئی، ان کے دست

حق پرست پر بیعت کرکے ان کے حلقہ مریداں میں شامل ہوگئے۔ غازی صاحب کے ہاں مولانا ظفر علی خان مرحوم کے اخبار ''زمیندار'' کا مطالعہ معمول تھا۔ آپ آریہ سماج اور دوسری ہندو تحریکوں، پارٹیوں اور انجمنوں کی اسلام دشمنی کی خبریں اکثر پڑھتے اور دل ہی دل میں کڑھتے رہتے تھے۔ بھلہ اور کریالہ کے متمول ہندوؤں کی چیرہ دستیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے ،آپ کی غیرت مند طبیعت، متعصب اور دریدہ دہن ہندو بنیوں سے سخت متنفر ہوگئی۔ان کی اشتعال دلانے والی سرگرمیوں سے متنفر ہوکر ہندوؤں سے ہر قسم کا تعلق منقطع کرلیا۔حتیٰ کے ان کی بسوں میں سفر کرنا بھی چھوڑ دیا، جہاں بھی جانا ہوتا، پیدل جاتے۔اس کے بعد اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر مسلمانوں کی دکانیں کھلوادیں اور مقامی مسلمانوں کی ایک انجمن بنا کر ہندوؤں کا معاشرتی بائیکاٹ کردیا۔ اس پر ہندوؤں نے جن میں بھائی پرمانند (کریالہ) جیسے بڑے بڑے سیاسی لیڈر بھی شامل تھے،سرکاری دباؤ ڈلوا کر غازی صاحب کو رام کرنے کی کوششیں کیں،لیکن غازی صاحب ذرا متاثر نہ ہوئے۔ تحریک کو جاری رکھا اور اس طرح قیام پاکستان سے بہت پہلے ہی بھلہ کریالہ میں پاکستان بنا دیا۔۱۹۳۵ء میں بیس سال کی عمر میں مرید حسین کی شادی چودھری خیر مہدی نمبردار بھلہ کی بہن محترمہ امیر بانو (متوفی ۱۹۴۳ء) سے انجام پائی۔ شادی کے چند روز بعد آپ کو خواب میں جناب سرور کونین ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی، جس کا ذکر آپ نے بعد میں اپنے پنجابی کلام میں بھی کیا ہے۔ اس دیدار نے پاک دل و پاکباز مرید حسین کی زندگی میں عظیم انقلاب برپا کردیا۔آپ حضور پاک ﷺ کے فراق میں ہر گھڑی بے چین و بے قرار رہنے لگے۔اسی زمانے میں قدرت خداوندی نے آپ کے عشق رسول ﷺ کی آزمائش کا سامان پیدا کردیا۔

ڈاکٹر رام گوپال کی ناپاک گستاخی کے بارے میں غازی مرید حسین نے بھی پڑھا اور سنا،اس سے ان کی تمام سوچیں اسی ایک نکتے پر مرکوز کرہو کر رہ گئیں کہ جانوروں کے اس بدبخت اور ملعون ڈاکٹر کو توہین رسالت پر کیسے سخت سے سخت سزادی جائے اور عبرت کا نشان بنایا جائے۔اپنے آقا اور مولا ﷺ کو خواب میں دیکھنے کے بعد غازی عبدالقیوم شہید، غازی علم الدین شہید اور غازی عبدالرشید شہید جیسے عشاق رسول غازی مرید حسین کے دل و دماغ میں بسنے لگے۔وہ شروع شروع میں تو یہ سوچتے کہ ان غازیوں جیسا کوئی مجاہد اور عاشق رسول ﷺ اٹھے گا اور اس ملعون گستاخ رسول کو جہنم رسید کرکے مسلمانوں کو تسکین بہم پہنچائے گا۔وہ خود اس گستاخ ڈاکٹر سے لگ بھگ ایک ہزار کلومیٹر دور چکوال کی اس بستی میں رہتے تھے،اس لیے فطری طور پر یہی چاہتے تھے کہ خطہ حصار سے ہی کوئی اللہ کا بندہ اٹھے اور ناموس رسالت ﷺ پر قربان ہوکر ان متعصب ہندوؤں اور ان کی پشت پناہی کرنے والی فرنگی حکومت کو سبق سکھائے۔یوں تو غازی مرید حسین ہندوؤں کی اسلام دشمنی اور مسلم دشمنی سے متنفر تو تھے ہی، لیکن رام گوپال کی تازہ دریدہ دہنی، اور شرم ناک حرکت پر ان کے دل میں نفرت کی آگ کچھ اور بھی تیزی سے بھڑک اٹھی۔اب ان کو کسی پل قرار نہ آرہا تھا۔

ایک روز اٹھے اور اپنی والدہ سے سفر کی اجازت طلب کی اور کہا ''اماں! ایک اہم اور ضروری کام پر جارہا ہوں، آپ کی اجازت اور دعا کی ضرورت ہے۔'' والدہ نے بخوشی اجازت دے کر دعاؤں کے ساتھ رخصت کردیا۔ بھیرہ پہنچ کر برادر نسبتی کو خط لکھا کہ میں انتہائی اہم کام کے سلسلے میں گھر سے دور جارہا ہوں، میری غیر موجودگی میں سب کچھ اللہ اور تمہارے سپرد کررہا ہوں۔

بھیرہ سے ہی ایک دو دھاری خنجر خریدا، یہاں سے چاچڑ اپنے مرشد کے ہاں گئے، مدعا عرض کیا، راز و نیاز کی باتیں ہوئیں، شیخ نے اپنے مرید کو گلے لگا کر رخصت کیا اور اس کے دل بسمل کی دھڑکنوں کو محسوس کیا اور دعا دیتے ہوئے کہا ''بسلامت روی وباز آئی''۔ چاچڑ سے واپس گھر پہنچے، پھر سیدھے چکوال گئے اور اپنی جمع شدہ رقم میں سے سات سو روپے نکلوائے۔ وہ عجیب مقام پر کھڑے تھے، ایک طرف بیوہ ماں کی شفقت، وفا شعار بیوی کی محبت، برادری کے بندھن، دنیاوی مصلحتیں، سیکڑوں کنال اراضی اور اس پر لہلہاتے کھیت اور تیار فصلیں تھیں اور دوسری طرف عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان تھا، عقل سوچتی رہ گئی، مگر عشق نے امتحان کے حق میں فیصلہ دے دیا، جب وہ ایک فیصلہ کر چکے تھے، تو اب پیچھے مڑ کر دیکھنا بھی گناہ سمجھتے تھے، چنانچہ کسی کو بتائے بغیر اپنے مشن پر روانہ ہوگئے۔ چکوال سے لاہور وہاں سے دہلی اور وہاں سے حصار گئے، وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ڈاکٹر رام گوپال ایک ماہ کی چھٹی پر پشاور چلا گیا ہے، مرید حسین پھرتے پھراتے واپس پشاور پہنچ گئے، یہاں آکر معلوم کیا، تو پتہ چلا کہ وہ بدبخت پشاور سے واپس نارنوند جا چکا ہے۔

رام گوپال کے تعاقب میں

۶ اگست ۱۹۳۶ء کو مرید حسین اس کا تعاقب کرتے ہوئے دوبارہ حصار پہنچ گئے۔ پوچھتے پوچھتے اس بستی پہنچے اور پھر اس ہسپتال میں پہنچ گئے جہاں یہ رسوائے زمانہ ڈاکٹر متعین تھا۔اسے بالکل پاس جا کر غور سے دیکھا،خواب میں رسول اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے حلیے کے ہو بہو مطابق پاکر دل خوشی سے جھوم اٹھا۔اس کے بعد ڈاکٹر کی رہائش گاہ دیکھی، حالات کا بغور جائزہ لیا، پھر کسی مسلمان کا گھر تلاش کیا۔گاؤں کی مسجد پہنچے،ایک مسافر کی حیثیت سے نماز ظہر ادا کی اور بارگاہ رب العزت میں دعا مانگی''یااللہ، میرے جیسے نحیف اور ناچیز بندے کو اپنے آبائی وطن سے سیکڑوں میل دور کافروں کی اس بستی نارنوند میں اپنی رحمت اور فضل سے نواز، تیرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جس مقصد کے لیے کھینچ لائی ہے، اس میں مجھے کامیابی و کامرانی عطا فرما کر سرخرو فرما......'' اگست کا مہینہ تھا، شدید گرمی پڑ رہی تھی، ڈاکٹر رام گوپال کی رہائش گاہ ہسپتال سے ملحق تھی، مرید حسین نے جیسے ہی صحن میں قدم رکھا تو دیکھا، رام گوپال درختوں کے گھنے سائے میں سو رہا ہے۔یہی موذی تھا جس نے توہین رسالت کا ارتکاب کرکے کروڑوں مسلمانوں کی نیندیں حرام کررکھی تھیں، قریب ہی دوسری چارپائی پر اس ملعون کی بیوی کشیدہ کاری میں مصروف تھی، بچے کچھ جاگ رہے تھے، کچھ سوئے ہوئے تھے،ہسپتال کا تمام عملہ ہندو تھا اور وہ بھی زیادہ دور نہ تھا۔

موذی کا خاتمہ

مرید حسین نے جان ہتھیلی پر رکھ کر بے خوف و خطر نعرہ تکبیر... اللہ اکبر بلند کیا، پھر اس گستاخ رسول ڈاکٹر کو مخاطب کرتے ہوئے پکارا: ''او گستاخ زمانہ کافر! اٹھ، آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پروانہ تیرا کام تمام کرنے آگیا ہے''۔ بیوی نے بھی شوہر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا'' رام گوپال، جلدی اٹھ کوئی مسلم آگیا ہے۔'' رام گوپال آنکھیں ملتا اور دھوتی سنبھالتا ہوا اٹھا۔ بیوی اور نوکر چاکر، دیگر افراد مرید حسین کو پکڑنے کے لیے لپکے، مگر اس نے پہلے ہی لمحے میں بڑی تیزی اور جرأت کے ساتھ خنجر اس دشمن اسلام کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ وہ دھڑام سے ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔ڈاکٹر رام گوپال مضبوط جسم کا مالک تھا،لیکن دبلے پتلے عاشق رسول ﷺ نے ایک ہی وار سے اس گستاخ کا تکبر مٹی میں ملا دیا۔اس طرح ثابت ہو گیا کہ جسمانی طاقت ہی سب کچھ نہیں ہوتی۔ مرید حسین نے گستاخ رسول کو ٹھکانے لگانے کے بعد خنجر قریبی تالاب میں پھینک دیا اور خود بھی اس میں چھلانگ لگادی۔ پولیس نے پہنچ کر تالاب کو گھیرے میں لے لیا، غازی مرید حسین نے پولیس والوں سے پوچھا'' تم میں کوئی مسلمان ہے؟'' اتفاق

سے مقامی تھانے دار مسٹر احمد شاہ کھوٹ تھا، اس نے کہا'' میں مسلمان ہوں۔'' غازی مرید حسین نے تالاب سے باہر آکر خود کو گرفتاری کے لیے پیش کرتے ہوئے کہا'' میرا نام مرید حسین ہے، میں نے ہی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار ہوکر اس ڈاکو کو قتل کیا ہے جس نے کروڑوں مسلمانوں کے دلوں پر ڈاکہ ڈال کر ان کا امن و سکون لوٹ لیا تھا۔'' غازی مرید حسین نے خود ہی گرفتاری پیش کی اور رام گوپال کے قتل کا اعتراف بھی کر لیا تھا، مگر پھر بھی پولیس کے تفتیشی اہل کار دوران تفتیش ان سے سوال جواب کرتے رہے۔ تفتیشی اہل کار نے جب یہ پوچھا کہ تمہیں مقتول کا حلیہ کیسے معلوم ہوا، کس نے تمہیں بتایا کہ یہی رام گوپال ہے۔ مرید حسین نے ایک سرشاری سے جواب دیا:

''جس عظیم ذات نے مجھے اس کی شناخت کروائی، ان کے حضور تم تو کیا تمہارے خیال کا بھی گزر نہیں ہوسکتا۔ رام گوپال نے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی اور میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کرم فرمایا کہ اسے کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے مجھے چن لیا۔ میری قسمت جاگ اٹھی اور خواب میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی اس گستاخ کی صورت مجھے دکھائی اور میں جاگا، تو اس کا حلیہ میرے دماغ میں محفوظ ہوچکا تھا۔ اب میں اسے ختم کر چکا ہوں۔ یہ میرے ہنسنے اور ہندوؤں کے رونے کا وقت ہے۔

ادھر اخبارات سے یہ خبر چکوال بھی پہنچ گئی، غازی مرید حسین کی گرفتاری کی اطلاع پاتے ہی مرید حسین کی والدہ، بھائی اور چودھری محمد بخش وغیرہ حصار پہنچے اور ۱۲ اگست ۱۹۳۶ء کو حصار ڈسٹرکٹ جیل میں جاکر غازی مرید حسین سے ملاقات کی۔ مرید حسین نے انہیں دیکھتے ہی کہا'' آپ کو مبارک ہو، وہ اہم کام جس کا میں ذکر کیا کرتا تھا، وہ خدا کے فضل و کرم سے ہوگیا ہے، اب مجھے کسی چیز کی فکر نہیں۔'' ان کے یہ رشتے دار لاہور'' زمیندار'' اخبار کے ایڈیٹر مولانا ظفر علی خان کے فرزند اختر علی خان سے ملے تھے اور حصار کے ایک مشہور وکیل جلال الدین قریشی کے نام ان کا ایک خط لے گئے تھے۔ تاہم غازی مرید حسین نے کہا'' مجھے وکیل کی کوئی ضرورت نہیں، میرا وکیل اللہ تعالیٰ ہے۔''

مقدمے کی کارروائی

غازی مرید حسین کے عزیز جلال الدین قریشی صاحب سے وکالت کے سلسلے میں گفتگو کی، مگر وہ اگر مگر کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اپنی انتہائی مصروفیات کی بنا پر میں اس مقدمے کی پیروی نہیں کر سکتا۔ اتنے میں ایک بزرگ صورت مولوی صاحب وہاں تشریف لائے۔ قریشی صاحب ان سے مرید حسین کے رشتے داروں کا ان سے تعارف کراتے ہوئے کہا، مولانا یہ لوگ چکوال سے آئے ہیں اور اس بدقسمت ملزم کے لواحقین ہیں، جس نے ڈاکٹر رام گوپال کو قتل کیا ہے۔ یہ سن کر مولوی صاحب سخت جلال میں آگئے اور فرمانے لگے'' جلال الدین! بدقسمت آپ ہیں، بدقسمت میں ہوں، بدقسمت ہمارا سارا علاقہ ہے، بدقسمت تو ہندوستان کے کروڑوں مسلمان ہیں، جن کی موجودگی میں گستاخ زمانہ رام گوپال دندناتا پھرتا رہا، بدقسمت تو ہم ہیں، رہے یہ لوگ تو ان کی خوش قسمتی میں کسے کلام ہوسکتا ہے جن کے نامور فرزند نے یہاں سے سیکڑوں میل دور چکوال کے علاقے سے آکر ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا حق ادا کردیا۔ کیا یہ ہر مسلمان کا فرض نہیں کہ وہ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والے کو حرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹا ڈالے؟'' مولانا نے تو یہ کہا اور چلے گئے، ان کے جانے کے بعد قریشی صاحب نے بتایا کہ وہ سرسہ کے ممتاز عالم دین تھے، جو انتخابی سلسلے میں ان سے بات چیت کرنے آئے تھے، مولانا کی اس سرزنش اور گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ قریشی صاحب بلا معاوضہ مقدمہ لڑنے کے لیے تیار ہوگئے۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ عدیم الفرصتی کا بہانہ کر رہے تھے، معاوضے کے بغیر اس کیس کی پیروی کو سعادت سمجھتے ہوئے تیار ہوگئے۔ ان کے علاوہ چند دوسرے وکلاء بھی ان کی رضاکارانہ معاونت کے لیے تیار ہوگئے۔ ان کے وکلاء کا کہنا تھا کہ مرید حسین وقت کے قانون اور اس کی روایتی خامیوں کا فائدہ اٹھا کر جان بچا سکتے ہیں۔ تاہم مرید حسین نے ایک جھوٹا بیان دے کر خود کو بچانے کی بجائے اللہ کی راہ میں جان دینے کو ترجیح دی۔

سزا کا اعلان اور اپیل

حصار کی ضلع کچہری میں مجسٹریٹ پنڈت لکشمی دت نامی ہندو کی عدالت میں اس مقدمے کی سماعت شروع ہوئی، ابتدائی سماعت کے بعد اس نے جلد ہی مقدمہ سیشن کے سپرد کردیا۔ پہلے دن مقدمے کی کارروائی جاری تھی کہ نماز کا وقت ہوگیا۔ غازی مرید حسین نے کہا:'' جج صاحب، مجھے خالق کائنات کی عدالت میں حاضری دینا ہے''؛ چنانچہ ان کی بات مان لی گئی اور برسر عدالت ہی بندوبست کردیا گیا اور عین عدالت کے کمرے میں انہوں نے نماز ادا کی۔ آئندہ جب بھی سماعت ہوتی بروقت نماز کا خود بخود انتظام کردیا جاتا رہا، غازی صاحب نماز سے فارغ ہوتے تو مقدمے کی کارروائی دوبارہ شروع کردی جاتی۔ چند روز کی مسلسل سماعت کے بعد مرید حسین نے جج کے سامنے اپنے عمل کا اعتراف کرکے جج کے لیے فیصلہ سنانا آسان کردیا، اس نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا:'' مرید حسین، میں تمہیں سزائے موت دیتا ہوں''۔ وکلاء کی جانب سے ایک درخواست دائر کرنے کے نتیجے میں مقدمے کی سماعت دوبارہ ہوئی، مگر سزائے موت برقرار رہی، اس پر ہائی کورٹ میں اپیل کی گئی اس عدالت نے بھی اپیل خارج کرتے ہوئے سزائے موت بحال رکھی۔

یوم شہادت

جیل کا زمانہ غازی مرید حسین نے نماز اور یاد الٰہی میں گزارا۔ مرید حسین جب سزائے موت کی کوٹھڑی میں تھے، ان کے سچے اور حقیقی جذبات سے متاثر ہوکر ایک غیر مسلم قیدی نے اسلام قبول کرلیا۔ غازی مرید حسین نے اس کا نام غلام رسول رکھا۔ آخری ملاقات کے موقعے پر والدہ نے مرید حسین سے کہا، بیٹا تم پھانسی کا پھندا خود اپنے گلے میں ڈالنا، تاکہ کوئی بھنگی وغیرہ ناپاک ہاتھوں سے نہ ڈالے۔ غازی صاحب نے کہا، ماں جی ٹھیک ہے۔ آخر کار ۲۴ ستمبر ۱۹۳۷ء جمعۃ المبارک کی وہ صبح آگئی، جس صبح کے غازی مرید حسین بڑی شدت سے منتظر تھے۔ اس دن جیل سے باہر مسلمانوں کا ایک جم غفیر جمع تھا اور جیل کے اندر پروانۂ شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم جام شہادت نوش کرنے کے لیے بے تاب تھا۔ شہادت کا وقت آیا تو غازی مرید حسین درود شریف پڑھ رہے تھے۔ ڈپٹی مجسٹریٹ نے کہا، زبان کو حرکت نہ دیں۔ انہوں نے کہا، میں اپنا کام کررہا ہوں، آپ اپنا کام کریں۔ ایک خفیف سے جھٹکے اور یادگار مسکراہٹ کے ساتھ آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ہی جست سے طویل سفر لمحوں میں طے ہوگیا۔ غازی مرید حسین شہید ہوکر آنے والی نسل کے لیے حقیقی عشق کی ایک لافانی مثال چھوڑ گئے۔ انگریز عدالت اور جیل انتظامیہ کے ہاتھ کچھ نہ آیا... کہ غازی مرید حسین تو شہید ہوکر اگلی دنیا میں شہداء کی صفوں میں کھڑے حیات جاودانی اور رضائے حق کی لذتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

☆☆☆

حضور اکرمؐ پر طعن کے لیے کھلنے والی زبان کا کٹ جانا ضروری ہے

گستاخ رسول کو قتل نہ کیا جائے تو اسلامی معاشرہ فساد کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و توقیر مسلمان کے ایمان کا بنیادی جزو ہے اور علمائے اسلام دور صحابہؓ سے لے کر آج تک اس بات پر متفق رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والا آخرت میں سخت عذاب کا سامنا کرنے کے علاوہ اس دنیا میں بھی قابل گردن زدنی ہے۔ خود نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقعے پر اپنے اور اسلام کے بے شمار دشمنوں کو معاف فرما دینے کے ساتھ ساتھ ان چند بدبختوں کے بارے میں جو نظم و نثر میں آپ کی ہجو اور گستاخی کیا کرتے تھے، فرمایا تھا: اگر وہ کعبہ کے پردوں سے چمٹے ہوئے بھی ملیں تو انہیں واصل جہنم کیا جائے۔ یہ حکم (نعوذ باللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی انتقام پسندی کی وجہ سے نہ تھا کہ آپؐ کے بارے میں تو حضرت عائشہؓ اور صحابہ کرامؓ کی شہادت موجود ہے کہ آپؐ نے کبھی بھی کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا، بلکہ یہ اس وجہ سے تھا کہ شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کے دلوں سے عظمت و توقیر رسولؐ گھٹانے کی کوشش کرتا اور ان میں کفر و نفاق کے بیج بوتا ہے، اس لیے توہین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تہذیب و شرافت سے برداشت کر لینا اپنے ایمان سے ہاتھ دھونا اور دوسروں کے ایمان چھن جانے کا راستہ ہموار کرنے کے مترادف ہے۔ نیز ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ہر زمانے کے مسلمان معاشرے کا مرکز و محور ہیں، اس لیے جو زبان آپؐ پر طعن کے لیے کھلتی ہے، اگر اسے کاٹا نہ جائے اور جو قلم آپ کی گستاخی کے لیے اٹھتا ہے اگر اسے توڑا نہ جائے تو اسلامی معاشرہ اعتقادی اور عملی فساد کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) نازیبا الفاظ کہنے والا امام ابن تیمیہ رحمتہ اللہ کے الفاظ میں ساری امت کو گالی دینے والا ہے اور وہ ہمارے ایمان کی جڑ کو کاٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے نہیں، بلکہ مسلمانوں کا ایمان اور غیرت بچانے کے لیے ہجو نگاروں کی گستاخیوں کی پاداش میں ان کا قتل روا رکھا۔ ان میں سے ایک ملعون کا نام ابن خطل تھا۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سینیٹر پروفیسر ساجد میر
(امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان)

کی شان کے خلاف شعر کہتا اور اس کی دو لونڈیاں یہ غلیظ شعر اس کو گا گا کے سناتی تھیں۔ فتح مکہ کے دن وہ حرم مکہ میں پناہ گزیں تھا۔ ابو برزہؓ صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اسے وہیں جہنم رسید کر دیا۔

عام طور پر غزوات اور جنگوں میں آپ کا حکم ہوتا تھا کہ عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے، لیکن توہین رسولؐ اسلامی شریعت میں اتنا سنگین جرم ہے کہ اس کی مرتکب عورت بھی قابل معافی نہیں۔ چنانچہ آپؐ نے ابن خطل کی مذکورہ دو لونڈیوں کے علاوہ دو اور عورتوں کے بارے میں بھی جو آپؐ کے حق میں بدزبانی کی مرتکب تھیں، قتل کا حکم جاری فرمایا تھا۔ اس طرح مدینہ میں ایک نابینا صحابی کی ایک چہیتی اور خدمت گزار لونڈی جس سے ان کے بقول ان کے موتیوں جیسے دو بیٹے بھی تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور بدزبانی کا ارتکاب کیا کرتی تھی۔ یہ نابینا صحابی اسے منع کرتے، مگر وہ باز نہ آتی۔ ایک شب وہ بدزبانی کر رہی تھی کہ انہوں نے اس کا پیٹ چاک کر دیا۔ جب یہ معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تو آپؐ نے فرمایا لوگو! گواہ رہو، اس خون کا کوئی تاوان یا بدلہ نہیں ہے۔ (ابوداؤد، نسائی)

جب حضرت عمرؓ نے گستاخ رسولؐ کے نابینا قاتل کے بارے میں پیار سے کہا، دیکھو اس نابینا نے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے، تو آپؐ نے فرمایا، اسے اعمٰی (نابینا) نہ کہو، بصیر و بینا کہو کہ اس کی بصیرت و غیرت ایمانی زندہ و تابندہ ہے۔ ایک اور گستاخ ملعونہ عصماء بنت مروان کو اس کے ایک اپنے رشتے دار غیرت مند صحابی نے قتل کیا، تو آپؐ نے فرمایا لوگو! اگر تم کسی ایسے شخص کی زیارت کرنا چاہتے ہو جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی نصرت و امداد کرنے والا ہے تو میرے اس جاں نثار کو دیکھ لو۔ یہ غیرت مند صحابی عمیر بن عدیؓ جب اس ملعونہ کے قتل سے فارغ ہوئے تو ان کے قبیلہ کے بعض سرکردہ افراد نے ان سے پوچھا تھا کہ تم نے یہ قتل کیا ہے؟ انہوں نے بلا تامل کہا، ہاں اور اگر تم سب گستاخی کا وہ جرم کرو جو اس نے کیا تھا تو تم سب کو بھی قتل کر دوں گا۔ (الصارم المسلول لابن تیمیہ)

ایک اور شاتم رسولؐ ملعون یہودی ابو رافع کو اس کی بدگوئی کی سزا دینے کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عتیکؓ کی سرکردگی میں ایک گروپ بھیجا۔ یہ ملعون ایک محفوظ قلعے میں رہتا تھا، مگر عبداللہ بن عتیکؓ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اس کے سر پر جا پہنچے اور اسے واصل جہنم کیا۔ جلدی میں واپسی کے لیے مڑے تو ایک سیڑھی سے گر کر ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اسے اپنے عمامے سے باندھا اور قلعے کے دروازے سے باہر نکل

آئے، مگر انتہائی تکلیف کے باوجود وہیں بیٹھ کر اپنے مشن کی تکمیل کی خوش خبری ملنے کا انتظار کرتے رہے۔ جب ابورافع کی موت کا اعلان سنا اور اطمینان ہوا، تو واپس خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری بات سن کر ٹوٹی ہوئی ٹانگ پر دست شفقت پھیرا تو وہ اس طرح درست ہوگئی جیسے کبھی ٹوٹی نہ تھی۔ (بخاری)

کعب بن اشرف بھی ایسا ہی ایک بدبخت یہودی تھا جو مسلسل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا، اس کو آپ کی اجازت اور حکم سے محمد بن مسلمہ نے قتل کیا۔ (بخاری و مسلم) جب یہودیوں نے کعب کے قتل کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا، اس نے جو تکلیف دہ گستاخیاں کی تھیں، اگر تم میں سے کوئی اور کرے گا تو اس کی بھی یہی سزا ہوگی۔ عہد نبوی میں شاتمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیانک انجام کی ان متعدد مثالوں کے پیش نظر ہر دور کے مسلمان علماء کا فتویٰ یہی رہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کی سزا قتل ہے۔ موجودہ حالات میں بھی عالم اسلام کے عالمی و روحانی مرکز سعودی عرب کے مفتی اعظم کے علاوہ متعدد مسلمان ملکوں کے عالی مرتبت علماء نے بھی شاتم رسولؐ کے قتل کا فتویٰ دیا ہے، حالانکہ صحیح یہ ہے کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شاتم معاشرے میں اپنی گندگی پھیلا چکے تو قتل کے سوا ان کا کوئی علاج نہیں ہے۔ سچی توبہ کرنے سے گستاخ رسول آخرت کی سزا سے بچ سکتا ہے، مگر دنیا میں بہرحال اسے اپنی جان سے ہاتھ دھونا ہی پڑیں گے۔

یہ کس قدر افسوس ناک، غم ناک اور شرم ناک بات ہے کہ پاکستان میں توہین رسالت کی مجرمہ سے صدر آصف علی زرداری کے کہنے پر گورنر پنجاب نے جیل میں ملاقات کی اور اس سے رحم کی اپیل پر انگوٹھا لگوایا، حالانکہ کہنے کو دونوں مسلمان ہیں اور صدر اور گورنر کسی کو بھی پاکستان کی بیٹی عافیہ صدیقی کی رہائی کے لیے کوشش کرنے کی جسارت نہ ہوئی، مگر وہ ایک گستاخ رسول کے لیے اتنے بے تاب کیوں ہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی سے مسلم امہ کی دل آزاری ہوتی ہے اور ان کے دل زخمی ہوتے ہیں، اس گستاخانہ اور ناپاک جسارت کی جتنی بھی مذمت کی جائے وہ کم ہیں۔ مسلمان جس کے پیروکار ہیں وہ امن کے داعی، عدل و انصاف کے پیام بر، اقلیتوں کے محافظ اور انسانیت کے محسن ہیں۔ آج امریکہ جو دنیا کا تھانے دار بنا ہوا اس کا حال یہ ہے کہ وہ رسول اکرمؐ کے گستاخ کو پناہ دینے کے لیے پیشکش کر رہا ہے۔ اگر برطانیہ اور امریکہ میں آزادی تحریر اور تقریر کے باوجود ملک اور اس کے آئین میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ملکہ کی توہین جرم ہے، روس میں لینن کو گالی دینا قابل تعزیر رہا ہے، تو ہمیں اپنے آقا علیہ السلام کی توہین کے جرم کی سزا کے ببانگ دہل اعلان سے کون روک سکتا ہے، ہماری متاع ایمان کی بقا کی ضمانت ہی نبی کریمؐ کی ذات والا سے محبت اور آپ ﷺ کی عظمت و توقیر ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ ہر مسلمان ناموس رسالت کے تحفظ کے لیے مر مٹنے کا جذبہ رکھتا ہے، بعض لوگوں کے لیے شاید یہ امر باعث حیرت ہو کہ اسلام نے بڑے بڑے گناہ گار کے لیے توبہ کا دروازہ بند نہیں کیا، پھر شاتم رسول توبہ کے باوجود کم از کم دنیاوی سزا سے کیوں نہیں بچ سکتا؟ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ نے اس موضوع پر اپنی کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" میں خوب روشنی ڈالی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاتم کی توبہ اسے قتل کی سزا سے نہیں بچا سکتی، جب کہ امام شافعیؒ سے اس سلسلے میں توبہ کے قبول و عدم قبول کے دونوں قول منقول ہیں۔ خود امام ابن تیمیہ اکثر محدثین و فقہاء کی طرح اس بات کے قائل ہیں کہ شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم توبہ کے باوجود قتل کی سزا کا مستحق ہے، انہوں نے اس سلسلے میں اپنی کتاب کے مختلف مقامات پر جو زوردار دلائل دیے ہیں، ان کا خلاصہ اور وضاحت حسب ذیل ہے:

۱۔ شاتم رسولؐ فساد فی الارض کا مرتکب ہوتا ہے اور اس کی توبہ سے اس بگاڑ اور فساد کی تلافی اور ازالہ نہیں ہوتا جو اس نے لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا ہے۔

۲۔ اگر توبہ کی وجہ سے سزا نہ دی جائے تو اسے اور دوسرے بدبختوں کو جرأت ہوگی کہ وہ جب چاہیں توہین رسولؐ کا ارتکاب کریں اور جب چاہیں توبہ کرکے اس کی سزا سے بچ جائیں۔ اس طرح غیروں کو موقع ملے گا کہ وہ مسلمانوں کی غیرت ایمان کو بازیچہ اطفال بنالیں۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کے جرم کا تعلق حقوق اللہ سے بھی ہے اور حقوق العباد سے بھی۔ حقوق اللہ کو اللہ چاہے تو خود معاف کر دیتا ہے، مگر حقوق العباد میں زیادتی اس وقت تک معاف نہیں ہوتی جب تک متعلقہ مظلوم اسے معاف نہ کرے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات مبارکہ میں اگر کسی کا یہ جرم معاف کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے، مگر اب اس کی کوئی صورت نہیں۔ امت مسلمہ یا مسلمان حاکم آپ کی طرف سے اس جرم کو معاف کرنے کا حق نہیں رکھتے۔

۴۔ قتل، زنا، سرقہ جیسے جرائم کے بارے میں بھی اصول یہی ہے کہ ان کا مجرم سچی توبہ کرنے سے آخرت کی سزا سے بچ سکتا ہے، مگر دنیاوی سزا سے نہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ قاتل، زانی یا چور گرفتار ہو جائے اور کہے کہ میں نے جرم تو کیا تھا، مگر اب توبہ کرلی ہے تو اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ اسی طرح شاتم رسول بھی ارتکاب جرم کے بعد توبہ کا اظہار کرے تو دنیاوی سزا سے نہیں بچ سکتا، اس کا جرم مذکورہ جرائم سے بدتر اور زیادہ سنگین ہے۔ ان دلائل کے پیش نظر درست یہی ہے کہ شاتم رسول کی سزا قتل ہے اور اس کی سچی یا جھوٹی توبہ اسے اس سزا سے نہیں بچا سکتی۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کو مغرب اور اس کی نام نہاد تہذیبی اقدار سے مرعوب ہو کر اپنے موقف میں کسی طرح کی لچک پیدا نہیں کرنی چاہیے۔

گستاخ رسولؐ ام ولد کا قتل

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک نابینا شخص کی ایک ام ولد لونڈی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتی تھی، وہ اسے منع کرتا تھا مگر وہ گالیاں دینے سے باز نہیں آتی تھی، وہ اسے جھڑکتا تھا مگر وہ نہ رکتی تھی۔ ایک رات اس عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینا شروع کیں، اس نے ایک بھالا لے کر اس کے پیٹ میں پیوست کر دیا اور اسے زور سے دبا دیا جس سے وہ مر گئی۔ صبح اس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا، میں اس آدمی کو قسم دیتا ہوں جس نے کیا، جو کچھ کیا، میرا اس پر حق ہے کہ وہ کھڑا ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سن کر ایک نابینا صحابی کھڑے ہوگئے۔ اضطراب کی کیفیت میں لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے، وہاں آ کر کہا "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں اسے منع کرتا تھا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے سے باز نہیں آتی تھی۔ میں اسے جھڑکتا تھا مگر وہ اس کی پروا نہیں کرتی تھی، اس کے بطن سے میرے دو ہیروں جیسے بیٹے ہیں اور وہ میری رفیقہ حیات تھی، گزشتہ رات جب وہ آپ کو گالیاں دینے لگی، تو میں نے بھالا لے کر اس کے پیٹ میں پیوست کر دیا، میں نے زور سے اسے دبایا، یہاں تک کہ وہ مر گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری گفتگو سننے کے بعد فرمایا "تم گواہ رہو، اس کا خون ہدر (یعنی رائیگاں) ہے۔" (ابوداود، الحدود، باب الحکم فیمن سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، نسائی، تحریم الدم، باب الحکم فیمن سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سب نبیا قتل، ومن سب اصحابہ جلد. (رواہ الطبرانی

الصغیر صفحہ ۲۳۹ جلد اول) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی، اسے قتل کیا جائے اور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو گالی دی اسے کوڑے مارے جائیں۔''

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: کنت عند ابی بکر رضی اللہ عنہ، فتغیظ علیٰ رجل، فاشتد علیہ، فقلت ائذن لی یا خلیفۃ رسول اللہ اضرب عنقہ قال :فاذھبت کلمتی غضبہ، فقام فدخل، فارسل الی فقال ما الذی قلت آنفا؟ قلت ائذن لی اضرب عنقہ، قال: اکنت فاعلا لو امرتک؟ قلت :نعم قال :لا واللہ ما کانت لبشر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رواہ ابوداود، کتاب الحدود باب الحکم فیمن سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

''میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، آپ کسی شخص سے ناراض ہوئے تو وہ بھی جواباً بدکلامی کرنے لگا۔ میں نے عرض کیا، اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ! مجھے اجازت دیں۔ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ میرے ان الفاظ کو سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سارا غصہ ختم ہو گیا۔ آپؓ وہاں سے کھڑے ہوئے اور گھر چلے گئے۔ گھر جا کر مجھے بلوایا اور فرمانے لگے، ابھی تھوڑی دیر پہلے تم نے مجھے کیا کہا تھا۔ میں نے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ مجھے اجازت دیں، میں اس گستاخ کی گردن اڑا دوں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے اگر میں تم کو حکم دے دیتا۔ تو تم یہ کام کرتے؟ میں نے عرض کیا، اگر آپ رضی اللہ عنہ حکم فرماتے تو میں ضرور اس کی گردن اڑا دیتا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ نہیں۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ کسی کے لیے نہیں کہ اس سے بدکلامی کرنے والے کی گردن اڑا دی جائے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والے کی ہی گردن اڑائی جائے گی۔

عصماء بنت مروان کا قتل:

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ھجت امراۃ من خطمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال :من لی بھا؟ فقال رجل من قومھا :انا یا رسول اللہ، فنھض فقتلھا فاخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فقال: (لا ینتطح فیھا عنزان) الصارم المسلول ۱۲۹)

خطمہ قبیلے کی ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس عورت سے کون نمٹے گا۔ اس کی قوم کے ایک آدمی نے کہا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کام میں سرانجام دوں گا، چنانچہ اس نے جا کر اسے قتل کر دیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو بکریاں اس میں سینگوں سے نہ ٹکرائیں؛ یعنی اس عورت کا خون رائیگاں ہے اور اس کے معاملے میں کوئی دو آپس میں نہ ٹکرائیں۔ بعض مورخین نے اس کی تفصیل یوں بیان کی ہے:

عصماء بنت مروان بنی امیہ بن زید کے خاندان سے تھی، وہ یزید بن زید بن حصن الخطمی کی بیوی تھی۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دیا کرتی۔ اسلام میں عیب نکالتی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لوگوں کو اکساتی تھی۔ عمیر بن عدی الخطمی کو جب اس عورت کی ان باتوں اور اشتعال انگیزی کا علم ہوا، تو کہنے لگا، اے اللہ میں تیری بارگاہ میں نذر مانتا ہوں، اگر تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بخیر و عافیت مدینہ منورہ لوٹا دیا تو میں اسے ضرور قتل کر دوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بدر میں تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر سے واپس تشریف لائے تو عمیر بن عدی آدھی رات کے وقت اس عورت کے گھر میں داخل ہوئے۔ تو اس کے بچے اردگرد سوئے ہوئے تھے۔ ایک بچہ اس کے سینے پر تھا جسے وہ دودھ پلا رہی تھی۔ عمیر نے اپنے ہاتھ سے عورت کو ٹٹولا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ عورت اپنے اس بچے کو دودھ پلا رہی ہے۔ عمیر نے بچے کو اس سے الگ کر دیا۔ پھر اپنی تلوار کو اس کے سینے پر رکھ کر اسے زور سے دبایا کہ وہ تلوار اس کی پشت سے پار ہو گئی۔ پھر نماز فجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کی، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو عمیر کی طرف دیکھ کر فرمایا ''کیا تم نے بنت مروان کو قتل کیا ہے؟'' کہنے لگے۔ جی ہاں، میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! عمیر کو اس بات سے ذرا ڈر سا لگا کہ کہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف تو قتل نہیں کیا۔ کہنے لگے ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اس معاملے کی وجہ سے مجھ پر کوئی چیز واجب ہے؟ فرمایا دو بکریاں اس میں سینگوں سے نہ ٹکرائیں۔ پس یہ کلمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی مرتبہ سنا گیا۔ عمیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اردگرد دیکھا، پھر فرمایا تم ایسے شخص کو دیکھنا پسند کرتے ہو جس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبی مدد کی ہے تو عمیر بن عدی کو دیکھ لو۔ (الصارم المسلول ۱۳۰)

ابوعفک یہودی کا قتل

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مورخین کے حوالے سے شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابوعفک یہودی کا قصہ بیان کرتے ہیں: (ان شیخا من بنی عمرو بن عوف یقال لہ ابو عفک و کان شیخاً کبیراً قد بلغ عشرین ومائۃ سنۃ حین قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ، کان یحرص علیٰ عداوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ولم یدخل فی الاسلام، فلما خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی بدر ظفرہ اللہ بما ظفرہ، فحسدہ وبغی فقال، وذکر قصیدۃ تتضمن ھجو النبی صلی اللہ علیہ وسلم وذم من اتبعہ (الصارم المسلول۔۱۳۸)

بنی عمرو بن عوف کا ایک شیخ جسے ابوعفک کہتے تھے، وہ نہایت بوڑھا آدمی تھا، اس کی عمر ۱۲۰ سال تھی۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے، تو یہ بوڑھا لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت پر بھڑکاتا تھا اور مسلمان نہیں ہوا تھا۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی طرف نکلے غزوہ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطاء فرمائی تو اس شخص نے حسد کرنا شروع کر دیا اور بغاوت و سرکشی پر اتر آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مذمت میں ہجو کرتے ہوئے ایک قصیدہ کہا۔ اس قصیدے کو سن کر سالم بن عمیر نے نذر مان لی کہ میں ابوعفک کو قتل کروں گا یا اسے قتل کرتے ہوئے خود مر جاؤں گا۔ سالم موقعے کی تلاش میں تھے۔ موسم گرما کی ایک رات ابوعفک قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے صحن میں سویا ہوا تھا، سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ اس کی طرف آئے اور اس کے جگر پر تلوار ماری جس سے وہ بستر پر پڑا چیخنے لگا۔ لوگ اس کی طرف آئے جو اس کے اس قول میں ہم خیال تھے، وہ اسے اس کے گھر لے گئے۔ اس کے بعد اسے قبر میں دفن کر دیا اور کہنے لگے اس کو کس نے قتل کیا ہے؟ اللہ کی قسم اگر ہم کو معلوم ہو جائے کہ اسے کس نے قتل کیا ہے تو ہم اس کو ضرور قتل کر دیں گے۔

انس بن زنیم الدیلمی کی گستاخی:

انس بن زنیم الدیلمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی، اس کو قبیلہ خزاعہ کے ایک بچے نے سن لیا۔ اس نے انس پر حملہ کر دیا۔ انس نے اپنا زخم اپنی قوم کو آ کر دکھایا۔ واقدی نے لکھا ہے کہ عمرو بن سالم خزاعی قبیلہ خزاعہ کے چالیس سواروں کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدد طلب کرنے کے لیے گیا، انہوں نے آ کر اس واقعے کا تذکرہ کیا جو انہیں پیش آیا تھا

،جب قافلہ والے فارغ ہوئے، تو انہوں نے کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم !انس بن زنیم الدیلمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی ہے،تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا۔(الصارم المسلول۔۱۳۹)

ایک عورت... گستاخ رسولؐ:

ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:من یکفینی عدوی؟ میری دشمن کی خبر کون لے گا؟ تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو قتل کر دیا۔(الصارم المسلول ۱۶۳)

گستاخِ رسولؐ..مشرک کا قتل

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :ان رجلا من المشرکین شتم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم (من یکفینی عدوی ؟) فقام الزبیر بن العوام فقال: انا فبارزه ، فاعطاه رسولُ اللّٰه صلی الله علیه وسلم سلبه (الصارم المسلول۱۷۷)

مشرکین میں سے ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ،میرے اس دشمن کی کون خبر لے گا؟ تو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں،حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا،تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سامان حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔

کعب بن اشرف یہودی کا قتل

کعب بن اشرف ایک متعصب یہودی سرمایہ دار تھا،اسے اسلام سے سخت عداوت اور نفرت تھی۔مدینہ منورہ میں بدر کی فتح کی خوش خبری پہنچی،تو کعب کو یہ سن کر بہت صدمہ ہوا اور کہنے لگا ''اگر یہ خبر درست ہے کہ مکہ کے سارے سردار اور اشراف مارے جا چکے ہیں تو پھر زندہ رہنے سے مرجانا بہتر ہے۔'' جب اس خبر کی تصدیق ہوگئی تو کعب بن اشرف مقتولین کی تعزیت کے لیے مکہ روانہ ہوا۔مقتولین پر مرثیے لکھے،جن کو پڑھ کر وہ خود بھی روتا اور دوسروں کو بھی رلاتا تھا۔وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قتال کے لیے لوگوں کو جوش دلاتا رہا۔مدینہ واپس آ کر اس نے مسلمان عورتوں کے خلاف فحش اشعار کہنے شروع کر دیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں بھی اشعار کہے۔کعب مسلمانوں کو مختلف طرح سے ایذائیں دیتا رہا۔اہل مکہ نے کعب سے پوچھا کہ ہمارا دین بہتر ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین؟ تو اس نے جواب دیا کہ تمہارا دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے بہتر ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حرکات کی وجہ سے اس کے قتل کا پروگرام بنایا اور قتل کے لیے روانہ ہونے والے افراد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع کی قبرستان تک چھوڑنے آئے۔چاندنی رات تھی پھر فرمایا جاؤ۔اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:(قال رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم ،من لکعب بن الاشرف ، فانه قد اذی الله ورسوله ؟ فقام محمد بن مسلمة فقال :انا یا رسول الله اتحب ان اقتله ؟ قال نعم قال :فاذن لی ان اقول شیا ، قال:قل...(رواہ البخاری کتاب المغازی باب قتل کعب بن الاشرف ، رواہ مسلم کتاب الجہاد والسیر باب قتل کعب بن الاشرف طاغوف الیھو د)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کعب بن اشرف کا کام کون تمام کرے گا؟اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دی ہے۔اس پر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم !کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسند کرتے ہیں کہ میں اسے قتل کر آؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''ہاں، مجھ کو یہ پسند ہے۔'' محمد بن مسلمہ نے عرض کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ کہنے کی اجازت دے دیں،(یعنی ایسے مبہم کلمات اور ذو معنیٰ الفاظ جنہیں میں کہوں اور وہ سن کر خوش ہو جائے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' اجازت ہے۔محمد بن مسلمہ کعب بن اشرف کے پاس آئے،آ کر اس سے کہا کہ یہ شخص(اشارہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھا)ہم سے صدقہ مانگتا ہے،اس نے ہمیں تھکا مارا ہے، اس لیے میں تم سے قرض لینے آیا ہوں۔جواباً کعب نے کہا''ابھی آگے دیکھنا، اللہ کی قسم! بالکل اکتا جاؤ گے۔'' محمد بن مسلمہ نے کہا'' چونکہ ہم نے اب ان کی اتباع کر لی ہے جب تک ہم اس کا انجام نہ دیکھ لیں اسے چھوڑنا مناسب نہیں۔میں تم سے ایک دو وسق غلہ قرض لینے آیا ہوں۔'' کعب نے کہا'' میرے پاس کوئی چیز گروی رکھ دو ۔'' محمد بن مسلمہ نے کہا'' تم کیا چیز چاہتے ہو کہ میں گروی رکھ دوں؟ کعب نے کہا'' اپنی عورتوں کو گروی رکھ دو۔'' محمد بن مسلمہ نے کہا'' تم عرب کے خوب صورت جوان ہو،تمہارے پاس ہم اپنی عورتیں کس طرح گروی رکھ سکتے ہیں؟'' کعب نے کہا'' پھر اپنے بیٹوں کو گروی رکھ دو۔''

محمد بن مسلمہ نے کہا'' ہم اپنے بیٹوں کو گروی کس طرح رکھ سکتے ہیں،کل انہیں اس پر ہر کوئی گالیاں دے گا کہ آپ کو ایک دو وسق غلے کے عوض گروی رکھا گیا تھا۔یہ ہمارے لیے بڑی عار ہوگی،البتہ ہم آپ کے پاس اپنے اسلحے کو گروی رکھ سکتے ہیں'' جس پر کعب راضی ہوگیا۔محمد بن مسلمہ نے کعب سے کہا'' میں دوبارہ آؤں گا ۔'' دوسری دفعہ محمد بن مسلمہ کعب کے پاس رات کے وقت آئے۔ان کے ہمراہ ابو نائلہ بھی تھے۔یہ کعب کے رضاعی بھائی تھے۔پھر انہوں نے اس کے قلعے کے پاس جا کر آواز دی۔وہ باہر آنے لگا۔تو اس کی بیوی نے کہا ''مجھے تو یہ آواز ایسی لگتی ہے جیسے اس سے خون ٹپک رہا ہے۔'' کعب نے جواب دیا کہ یہ تو محمد بن مسلمہ اور میرے رضاعی بھائی ابونائلہ ہیں،اگر شریف آدمی کو رات کے وقت بھی نیزہ بازی کے لیے بلایا جائے تو وہ نکل پڑتا ہے۔محمد بن مسلمہ اور ابونائلہ کے ہمراہ ابوعبس بن جبر، حارث بن اوس اور عباد بن بشر بھی تھے۔محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھیوں کو ہدایت کی تھی کہ جب کعب آئے تو میں اس کے سر کے بال ہاتھ میں لوں گا اور اسے سونگھنے لگوں گا، جب تمہیں اندازہ ہو جائے کہ میں نے اس کا سر مضبوطی سے پکڑ لیا ہے تو پھر تم اس کو قتل کر ڈالنا۔

کعب چادر لپٹے ہوئے باہر آیا۔اس کا جسم خوشبو سے معطر تھا۔محمد بن مسلمہ نے کہا'' میں نے آج سے زیادہ عمدہ خوشبو کبھی نہیں سونگھی۔'' کعب نے کہا'' میرے پاس عرب کی وہ عورت ہے جو عطر میں ہر وقت بسی رہتی ہے اور حسن و جمال میں بھی اس کی کوئی مثال نہیں۔'' محمد بن مسلمہ نے کہا'' کیا مجھے تمہارے سر کو سونگھنے کی اجازت ہے؟'' کعب نے کہا'' اجازت ہے۔'' محمد بن مسلمہ نے کعب کا سر سونگھا اس کے بعد اس کے ساتھیوں نے سونگھا، پھر انہوں نے کہا'' دوبارہ سونگھنے کی اجازت ہے ؟'' کعب نے کہا'' اجازت ہے۔'' پھر جب محمد بن مسلمہ نے پوری طرح سے اسے قابو کر لیا تو اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ تیار ہو جاؤ۔چنانچہ انہوں نے اسے قتل کر دیا ۔پھر رات کے آخری حصے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھتے ہی فرمایا :''افلحت الوجوہ'' یہ چہرے کامیاب ہوئے ۔ انہوں نے جواباً عرض کیا :''ووجھک یا رسول الله''۔سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم !اس کے بعد کعب بن اشرف کا قلم کیا ہوا، سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا،تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے الحمدللہ کہ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

☆☆☆

عاصمہ جہانگیر...جو راج پال کی طرح رسول اکرمؐ کی دشمن ہے

توہین رسالت کی مجرمہ نے قانونِ تحفظِ رسالتؐ کے خلاف طویل اور شرمناک جدوجہد کی

تحفظ ناموس رسالت سے کس کو تکلیف ہے، اس قانون کا پس منظر کیا ہے اور کون لوگ اس قانون کو ختم کرانا چاہتے ہیں؟ اس موضوع پر آج سے چند برس قبل لکھا جانے والا ایک ایمان افروز اور دینی غیرت وحمیت سے بھرپور مضمون ادارہ محدث نے پیش کیا۔ فاضل مضمون نگار نے اس موضوع پر متعدد مضامین لکھے، لیکن خرابی صحت کی بنا پر کسی ایک کو بھی مکمل نہ کر سکے۔ زیر نظر مضمون سپریم کورٹ بار کی موجودہ صدر عاصمہ جہانگیر کے مذموم کردار کے حوالے سے ہے، یہ مضمون اپنے موضوع پر نادر معلومات اور ایمان پرور جذبات کا بے مثال اظہار ہے۔

عطاء الحق صدیقی

تعزیرات ہند میں 'الف' کا اضافہ اگر راج پال کی گستاخانہ حرکت کا نتیجہ تھا، تو تعزیرات پاکستان میں 'سی' کا ظہور راج پال کی فکری اولاد عاصمہ جہانگیر کی حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں دریدہ دہنی کی وجہ سے ہوا۔ ان دونوں دفعات کے قانون کا حصہ بننے کے عمل میں کئی برس حائل ہیں، لیکن ان کے پسِ منظر میں حیران کن حد تک مماثلت ہے۔ تفصیل اس اجمال کی کچھ یوں ہے...

تعزیرات ہند ۱۸۶۰ء کی ''دفعہ ۲۹۵'' کی رو سے کسی بھی جماعت کی عبادت گاہ کی تذلیل کے مرتکب افراد کو دو سال تک قید کی سزا دی جا سکتی تھی۔ اس دفعہ میں کسی جماعت کے مذہبی جذبات واعتقادات اور بانیانِ مذہب کی توہین کے متعلق وضاحت کے ساتھ ذکر موجود نہیں تھا۔ اس اِبہام سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے والے اور بانیانِ مذاہب کی توہین کے مرتکب افراد قانونی موشگافیوں کی بنا پر عدالتوں سے بری ہو جاتے تھے۔ ۱۹۲۷ء میں بدبخت ہندو ناشر راج پال کی طرف سے نہایت گھٹیا، توہین آمیز اور بے حد دل آزار کتاب کی اشاعت پر برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں نے شدید احتجاج کیا، تو ملعون راج پال کی اس گستاخانہ جسارت کے خلاف ردّعمل کے نتیجے میں حکومت ہند نے تعزیرات ہند کی دفعہ ۲۹۵ میں 'الف' کا اضافہ کیا، جس کی رو سے کسی جماعت کے مذہب یا مذہبی جذبات کی بے حرمتی (تحریری یا زبانی) کے مرتکب مجرموں کے لیے دو سال تک کی سزا مقرر کی گئی۔

اس ترمیم یا اضافی دفعہ میں بھی پیغمبر اسلام کی توہین کے مرتکب افراد کے لیے سزائے موت کو قانون کا حصہ بنانے کے دیرینہ مطالبے کو منظور نہ کیا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد بھی یہی قانون برقرار رہا۔

راج پال سے عاصمہ جہانگیر تک

۱۷مئی ۱۹۸۶ء کو اسلام آباد میں خواتین محاذ عمل کا ایک سیمی نار منعقد ہوا۔ اس موقعے پر عاصمہ جہانگیر ایڈووکیٹ کی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مبارکہ میں نازیبا الفاظ کے استعمال نے مسلمانوں کے برانگیختہ جذبات کو شعلہ جوالہ بنا دیا۔ اس سے تحفظ ناموسِ رسالت کی تحریک نے ایک دفعہ پھر زور پکڑا۔ ۱۹۸۶ء میں تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ میں 'سی' کا اضافہ کیا گیا جس کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اقدس کی توہین کے مرتکب مجرموں کے لیے سزائے موت یا عمر قید کی سزا مقرر کی گئی۔ ۱۹۲۷ء میں دریدہ دہن، بدبخت اور متعصب ہندو راج پال نے حضور اکرم علیہ السلام کے متعلق بے حد اہانت آمیز کتاب شائع کی، تو اسے لاہور کے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کے جرم میں چھ ماہ قید کی سزا دی۔ اس کے خلاف لاہور ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی گئی۔ اس پر لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس کنور دلیپ سنگھ نے راج پال ملزم کو بری کرتے ہوئے تحریر کیا: ''کتاب کی عبارت کتنی ہی ناخوش گوار کیوں نہ ہو، اس سے بہرحال کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔''

اس فیصلے نے مسلمانوں کی آتشِ غضب کو اور بھڑکا دیا۔ مسلمانوں کے احتجاج نے تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ 'مسلم کرانیکل' نے اس فیصلے کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے لکھا: ''جج کنور دلیپ سنگھ نے قانون کی غلط تشریح کی ہے، ورنہ قانون میں اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ وہ راج پال جیسے دریدہ دہن، بے غیرت، گستاخ کا منہ بند کرے، کیونکہ اس سے بڑھ کر مذہبی دل آزاری کی اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ اس سے دنیا کا اور بالخصوص برصغیر کا ہر مسلمان دل گرفتہ اور اپنے رسولؐ کے ناموس پر کٹ مرنے کے لیے بے چین ہے۔ اگر عدالت نے اس فیصلے پر نظر ثانی نہ کی تو کوئی مجاہد اُٹھ کھڑا ہو گا جو اس گستاخ کا سر قلم کر دے گا۔'' یہ سعادت بالآخر غازی علم الدین شہید کے حصے میں آئی...

اس زمانے میں کہ جب مسلمانانِ برصغیر دشمنانِ اسلام کی گستاخانہ جسارتوں اور توہین رسالت کے واقعات کے خلاف سراپا احتجاج اور دل گرفتہ تھے۔ ان کی طرف سے پرزور مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ تعزیرات ہند میں 'توہین رسالت' کی سزا کی دفعہ بھی شامل کی جائے، ان ہی دنوں لاہور کی شاہی مسجد میں ایک عظیم اجتماع

ہوا، جس میں ایک مسلمان راہنما نے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"عزیزو! میرا مشورہ ہے کہ آئندہ ایسے فتنوں کے سدباب کے لیے اس قانون ہی کو بدلوا دیں اور تعزیرات ہند میں ایک مستقل دفعہ کا اضافہ کر کے توہین بانیانِ مذہب کو جرم قرار دیا جائے۔ اب تک کوئی ایسی مستقل سزا آپ کے ملک کے قانون میں موجود نہیں جو اس ملک کے باشندوں کے فرقوں کی دل آزاری پر دی جا سکے۔ اس قانون کا مسودہ میں تیار کیے دیتا ہوں۔ اسمبلی کے ممبر اس میں مناسب ترمیم کر کے ایوان میں پیش کریں اور منظور کرائیں۔ توہین کو قانون میں قطعی جرم قرار دے کر اس کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کرنا ہوگا۔"

یہ تجویز پیش کرنے والے محمد علی جوہرؒ تھے۔ مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے احتجاج کے پیش نظر برطانوی حکومت نے قانون سازی پر آمادگی ظاہر کردی۔ ۱۹۲۷ء میں مولانا محمد علی جوہر کی تحریک پر مسلمان اراکین مرکزی قانون ساز اسمبلی کی تائید سے تعزیرات ہند میں دفعہ۔ الف کا اضافہ کیا گیا، جس کی رو سے مذہب یا مذہبی عقائد کی توہین کی سزا دو سال مقرر کی گئی۔ اس دفعہ میں بھی واضح طور پر انبیاء کی توہین کی بات شامل نہیں تھی۔ مسلمانوں نے اس پر عدم اطمینان کا اظہار کیا، کیونکہ ان کے نزدیک توہین رسالت ناقابل معافی جرم ہے، جس کی سزا صرف موت ہے۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا، لیکن کتاب وسنت کی روشنی میں توہین رسالت کے متعلق کسی قسم کی قانون سازی نہ کی گئی، اسلامی مملکت پاکستان میں بھی اسلام دشمن عناصر کی ریشہ دوانیاں جاری رہیں۔ سیکولر اور مذہب بیزار حکمرانوں نے 'رواداری اور وسعتِ ظرفی' کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے خلاف ہرزہ سرائیوں پر مجرمانہ چشم پوشی کی۔

قیام پاکستان کے بعد مسلمانوں کی دل آزاری پر مبنی سرگرمیوں کا ارتکاب زیادہ تر قادیانی فرقے کی طرف سے کیا گیا۔ مسلمانوں نے شدید احتجاج کیا اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا مطالبہ کیا۔ قادیانیت کے خلاف تحریک میں حصہ لینے پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور مولانا عبدالستار نیازی کو وقت کے حکمرانوں نے سزائے موت دینے کا اعلان کیا۔ ایک اقلیتی فرقے کے خلاف 'منافرت' پھیلانے کے جرم میں مسلمانوں کے عظیم راہنماؤں کو تو موت کی سزا سنائی گئی، لیکن محسن انسانیت' کی توہین اور اُمت مسلمہ کی دل آزاری کے مجرم کو سزا دینے اور فرنگی قانون کو اسلامی شریعت کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔ اس طرح شرعی سزا نہ ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے شاتمانِ رسولؐ نے اپنی گستاخیوں کا سلسلہ جاری رکھا اور شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانوں نے بھی ان کی ناپاک زبانوں کو ہمیشہ کے لیے خاموش کرنے کی روایات کو زندہ رکھا۔ ایک عیسائی مبلغ پادری سموئیل نے ۱۹۶۱ء میں مغل پورہ ورکشاپ میں دورانِ تبلیغ آن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ نازیبا الفاظ استعمال کیے، جس پر مشتعل ہو کر زاہد حسین نامی نوجوان نے اس گستاخ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ۱۹۶۴ء میں عیسائی مشنری کی مشہور دکان 'پاکستان بائبل سوسائٹی' انارکلی نے 'اثمار شیریں' کے نام سے ایک کتاب شائع کی، جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں توہین آمیز مواد موجود تھا۔ مسلمان نوجوانوں کے ایک گروہ نے اس دکان کو آگ لگادی اور اس کے منیجر ہیکٹر کو ہرمسیح پر قاتلانہ حملہ کیا، لیکن وہ بال بال بچ گیا۔

۱۹۸۳ء میں مشتاق راج ایڈووکیٹ نامی ایک شخص، جس کے بارے میں مشہور تھا کہ قادیانی ہے، نے 'آفاقی اشتمالیت' کے نام سے کتاب تحریر کی۔ اس کتاب میں انبیائے کرام علیہم السلام کی ذوات مقدسہ کے خلاف ہرزہ سرائی کی گئی اور انتہا یہ کہ حضور رسالت مآبؐ کی شانِ اقدس میں بھی گستاخانہ جسارت کی گئی تھی۔ ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس اور لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کی قرارداد کے نتیجے میں حکومت نے اس کتاب کو ضبط کرنے کے احکامات جاری کیے۔ مشتاق راج کے خلاف توہین مذہب کے جرم میں زیر دفعہ ۲۹۵۔ الف تعزیرات پاکستان مقدمہ درج کر لیا گیا، کیونکہ تعزیرات پاکستان میں 'توہین رسالت' جیسے سنگین اور انتہائی دل آزار جرم کی کوئی سزا مقرر نہیں تھی۔ اسی لیے مشتاق راج کی گرفتاری عمل میں نہ آئی تاہم جب نوجوانوں کے گروہ نے اس کی تلاش و جستجو شروع کردی، تو اس کو محفوظ رکھنے کے لیے جیل بھیجنا پڑا۔ مشتاق راج کی گستاخی سے مسلمانوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ تمام اسلامی مکاتب فکر کے علماء اور ممتاز قانون دانوں نے کانفرنس منعقد کی جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ اسلام میں توہین رسالت کی سزا، سزائے موت مقرر کی جائے۔ مشتاق راج کی گستاخانہ جسارت کے خلاف مسلمانوں کے جذبات ابھی گرم ہی تھے کہ عاصمہ جہانگیر کی طرف سے مئی میں پیغمبر اسلام کی شان میں سخت بے ادبی کا مذموم واقعہ پیش آیا۔

اس حیاباختہ عورت نے معلم انسانیت علیہ السلام کو (اس کے منہ میں خاک)... 'تعلیم سے نابلد' اور 'ان پڑھ' ... کہا۔ یہ ہفوات بکواس عاصمہ نے افرنگ زدہ، آوارگی نسواں کی علم بردار عورتوں کے اسلام آباد میں منعقد کردہ سیمی نار سے خطاب کرتے ہوئے کی۔ اس پر سب سے پہلے ایک مقامی وکیل نے احتجاج کیا اور کہا، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے محتاط رہنا چاہیے، جس پر دونوں کے درمیان تلخی ہوگئی اور جلسے کی فضا کشیدہ ہوگئی۔ عاصمہ جہانگیر اس وقت عاصمہ جیلانی کہلاتی تھی۔ اس سیاہ بخت نے محسن انسانیتؐ کے لیے جان بوجھ کر وہی الفاظ استعمال کیے جو یورپی مستشرقین اسلام اور حضور رحمت کی تحقیر اور اہانت کی غرض سے کرتے ہیں۔ جس سیمی نار میں عاصمہ نے یہ الفاظ ادا کیے، وہ شریعت بل کی مخالفت میں ہو رہا تھا اور ظاہر ہے ایسی مخالفانہ فضا میں ان الفاظ کی کوئی دوسری تاویل یا تعبیر نہیں کی جا سکتی تھی۔ نہ ہی سیمی نار کے حاضرین کے مطابق عاصمہ کی تقریر کا سیاق وسباق ایسا تھا جس میں اس کا کوئی اور مفہوم لیا جا سکتا ہو۔ اس سیمی نار میں سب 'پڑھے لکھے' لوگ تھے افسوس کوئی ترکھان کا بیٹا غازی علم الدین نہ تھا جو اس گستاخ رسول زبان کو بند کرانے کے لیے عملی اقدام کر گزرتا۔ بہرحال عاصمہ کے الفاظ مسلمانوں کی سخت دل آزاری کا باعث بنے، جس پر سیمی نار میں شدید ہنگامہ برپا ہوگیا۔ جس طرح راج پال کے خلاف مسلمانوں کے جذبات کا لاوا بھڑک اُٹھا تھا، بالکل اسی طرح اس بدبخت عورت کی دریدہ دہنی سے پاکستان کے مسلمانوں میں اضطراب اور غم وغصے کی لہر دوڑ گئی۔ راج پال تو ایک متعصب ہندو تھا، لیکن اب کی بار گستاخانہ جسارت کا ارتکاب ایک ایسی عورت کی طرف سے کیا گیا، تھا جو ایک قادیانی ہونے کے باوجود اپنے 'مسلمان' کہلوانے پر مصر تھی۔

عاصمہ جہانگیر کی اس قابل اعتراض تقریر کا نوٹس قومی اسمبلی میں اسلامی جذبہ سے سرشار خاتون ایم این اے محترمہ آپا نثار فاطمہ نے لیا اور انہوں نے وہاں پوری قوت کے ساتھ آواز اٹھائی کہ عاصمہ جہانگیر کے ان توہین آمیز الفاظ کے خلاف حکومت فوری کارروائی کرے، لیکن چونکہ اس وقت قانون میں توہین رسالت کے جرم کی کوئی سزا مقرر نہیں تھی، اسی لیے اس کے خلاف کوئی موثر کارروائی نہ ہو سکی۔ فدایانِ رسول عربی علیہ السلام کی جدوجہد کے سامنے حکومت نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے ۱۹۸۶ء میں تعزیرات پاکستان میں ترمیم کی۔ فوجداری قوانین میں ترمیمی ایکٹ پاس کیا گیا اور دفعہ ۲۹۵۔سی کا اضافہ کیا گیا جو توہین رسالت کے جرم پر عمر قید یا موت کی سزا مقرر کرتا ہے۔ ۲۹۵۔سی کتاب وسنت پر مبنی مسلمانوں کے مطالبہ کی حرف بہ حرف تکمیل نہیں تھا، کیونکہ اس میں توہین رسالت کے جرم کی واحد سزا،

سزائے موت کے ساتھ ساتھ 'عمر قید' کو بھی بطور سزا شامل کیا گیا تھا، لہٰذا مسلمانوں کی طرف سے اس پر عدم اطمینان کا اظہار کیا گیا، لیکن دشمنانِ دین متین پر بالعموم اور عاصمہ جہانگیر پر بالخصوص حکومت کی طرف سے یہ نیم دلانہ قانون سازی بھی بے حد شاق گزری۔ قادیانی اُمت کے ذہین دماغوں نے اس قانون کے خلاف ملکی اور بین الاقوامی سطح پر مذموم پراپیگنڈے کے لیے جامع منصوبہ بندی کی اور قادیانی ذرائع ابلاغ نے اس کے 'آزادیٔ مذہب' اور 'آزادیٔ اظہار رائے' کے بنیادی حقوق کے منافی ہونے کا واویلا کیا۔ امریکہ اور یورپ میں متحرک قادیانی تنظیموں نے اپنے مربی و سرپرست مغرب کو متاثر کرنے کے لیے اسے اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے ڈکلریشن کی خلاف ورزی قرار دیا۔ مغرب کا مذہب بیزار طبقہ، جو 'انسانی حقوق' کے مغربی 'ورژن' کو گذشتہ چند عشروں سے اپنا 'دین ومذہب' سمجھے ہوئے ہے، پر اس بے بنیاد پراپیگنڈے کا فوری اثر ہوا۔ ویسے بھی مغربی صہیونی لابی اسلامی جمہوریہ پاکستان کو بدنام کرنے کے بہانوں کی تلاش میں رہتی ہے اور برطانوی استعمار کے 'کاشت کردہ' قادیانی پودے کی حفاظت کے لیے اپنے وسائل کا بے دریغ استعمال کرنا فرضِ عین سمجھتی ہے۔ مغرب کی پاکستان دشمنی عاصمہ جہانگیر جیسے اسلام دشمن افراد کے لیے اپنے فریب کا جال بچھانے میں بے حد حوصلہ افزا ثابت ہوئی۔

قانونِ توہین رسالت کی مخالفت

عاصمہ جہانگیر نے مغربی سرپرستوں کی آشیرباد کے ساتھ جسٹس دراب پٹیل کے ساتھ مل کر ۱۹۸۷ء میں 'پاکستان انسانی حقوق کمیشن' کی داغ بیل ڈالی۔ قادیانی حقوق کا تحفظ اس کمیشن کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ اپریل ۱۹۸۷ء میں عاصمہ جہانگیر نے نام نہاد انسانی حقوق کمیشن کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا: ''کمیشن کو نہ صرف ۱۹۷۳ء کے آئین میں مندرجہ انسانی حقوق کی بازیابی کی جدوجہد کرنی ہے، بلکہ پاکستان میں اقوام متحدہ کے چارٹر میں درج کیے گئے انسانی حقوق کا آئیڈیل حاصل کرنا ہے۔ کمیشن کو بہت سے ایسے قوانین کو منسوخ کرانے کی کوشش بھی کرنا ہوگی جو یک طرفہ ہیں۔ اُنھوں نے اس ضمن میں حدود آرڈیننس، قانونِ شہادت میں مرد وعورت کی حیثیت، غیر مسلموں کو مسلمانوں کی شہادت اور عورت کو مرد کی گواہی پر سزا، قادیانیوں اور احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے والا قانون، قانونِ توہین رسالت اور جداگانہ انتخابات جیسے قوانین کا ذکر کیا۔'' (نوائے وقت : ۲۵ اپریل ۱۹۸۷ء)

۱۹۸۶ء میں قانونِ توہین رسالت کے نفاذ کے بعد عاصمہ جہانگیر کی طرف سے شدید جذباتی ردِ عمل سامنے آیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس قانون کو ختم کرانا اس کی زندگی کا اہم ترین نصب العین ہے۔ اس نے انسانی حقوق کمیشن کے انسانی و مادی ذرائع کو اس مقصد کے حصول میں بھرپور استعمال کیا۔ کمیشن کی طرف سے جاری کی جانے والی سالانہ رپورٹوں کے علاوہ بی بی سی، انٹرویو اور جلسے جلوسوں کے ذریعے اس نے اس قانون کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ 'ایمنسٹی انٹرنیشنل' اور مغرب میں انسانی حقوق کی دیگر تنظیموں سے قریبی تعلقات استوار کرتے ہوئے ان اداروں کی طرف سے پاکستانی حکومت پر ۲۹۵۔سی کو واپس لینے کے لیے دباؤ ڈلوایا۔

۱۹۸۷ء سے لے کر آج تک 'ایمنسٹی انٹرنیشنل' کی ایک بھی سالانہ رپورٹ ایسی نہیں ہے جس میں پاکستانی قادیانیوں کے انسانی حقوق کی پامالی پر مبنی بے بنیاد، من گھڑت اور شر انگیز واقعات کی داستانوں کا طویل تذکرہ اور پاکستانی حکومت سے احمدیوں کے حقوق کے تحفظ کا مطالبہ شامل نہ ہو۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹوں کے گہرے مطالعے کے بعد یہ اندازہ کرنا زیادہ مشکل امر نہیں ہے کہ ان رپورٹوں کا اصل ماخذ ومصدر عاصمہ جہانگیر کی زیر سرکردگی کام کرنے والا ''انسانی حقوق کمیشن'' ہے۔ انسانی حقوق کمیشن اور ''ایمنسٹی انٹرنیشنل'' کی رپورٹوں میں حیران کن حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ ۱۹۹۴ء میں 'ایمنسٹی انٹرنیشنل' کی رپورٹ کا ایک مفصل باب قادیانیوں کے بارے میں تھا، جس کا ترجمہ قادیانی رسالہ 'الفضل' نے اپنی یکم جولائی ۱۹۹۴ء کی اشاعت میں 'پاکستان میں جماعت احمدیہ پر مظالم کے سلسلے میں ایمنسٹی انٹرنیشنل کی تازہ رپورٹ' کے عنوان سے شائع کیا۔ اس رپورٹ میں ۲۹۵۔سی، ۲۹۵۔بی اور ۲۹۵۔سی کا مفصل ناقدانہ جائزہ لینے کے بعد حکومت پاکستان سے سفارشات کی گئی ہیں کہ: ''ایمنسٹی انٹرنیشنل نے بارہا حکومتِ پاکستان سے احمدیوں کے انسانی حقوق کی پامالی کے بارے میں اپنی تشویش کا اظہار کیا ہے۔ ستمبر ۱۹۹۱ء میں ایمنسٹی نے ایک رپورٹ ''پاکستان میں احمدیوں کے انسانی حقوق کی پامالی'' شائع کی، جس میں جماعتِ احمدیہ کے افراد پر اپنے مذہبی حقوق کی پرامن طور پر ادائیگی کے نتیجے میں مقدمہ بازی کے جاری رہنے اور جیل کی سزائیں دینے پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ ہمیں اس بات پر تشویش ہے کہ پاکستان میں نت نئی کڑی قانون سازی کی وجہ سے جماعتِ احمدیہ کے افراد کو محض اظہار رائے کی آزادی اور مذہبی آزادی کے حق کو استعمال کرنے کی وجہ سے گرفتار کیا جاسکتا اور پھانسی کی سزا دی جاسکتی ہے۔''

اس رپورٹ کا یہ جملہ ملاحظہ کیجیے: ''توہین رسالت یا بعض گروہوں کے مذہبی جذبات کے مجروح کرنے کی مقرر کردہ سزا میں تبدیلی کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے، جس کے خلاف اس دفعہ کے تحت مقدمہ دائر کیا جاتا ہے۔ تاہم خاص طور پر جماعتِ احمدیہ کے افراد کئی سالوں سے اس قانون کی وجہ سے مصیبتیں سہہ رہے ہیں۔''

یہ طرفہ تماشا ہے کہ پاکستان میں انسانی حقوق کمیشن، جس کے اہم عہدیداروں کی اکثریت کا تعلق قادیانی فرقے سے ہے، کی طرف سے ایمنسٹی انٹرنیشنل کو یہ بنی بنائی رپورٹیں ارسال کی جاتی ہیں اور جب یہ رپورٹیں لندن سے شائع ہوتی ہیں تو پاکستان میں قادیانی لابی انسانی حقوق کے نام پر ان کی بھرپور تشہیر کرتی ہے۔ پاکستانی حکومت پر بے جا دباؤ کے قابل مذمت ہتھکنڈے شروع کر دیے جاتے ہیں۔ پاکستان انسانی حقوق کمیشن عملاً مغربی صہیونی لابی کی اسلام دشمن تنظیموں کے ذیلی ادارے کے طور پر کام کر رہا ہے۔

سلامت مسیح کیس اور عاصمہ جہانگیر

نومبر ۱۹۹۳ء میں سیکولر مزاج پیپلز پارٹی کے دوبارہ برسراقتدار آنے کے بعد عاصمہ جہانگیر کی توہین رسالت کے قانون کے خلاف سرگرمیوں میں یکدم شدت پیدا ہوگئی۔ وزیراعظم بے نظیر بھٹو سے ذاتی مراسم کو اُس نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کرنا شروع کیا۔ ۱۹۹۴ء میں جب سلامت مسیح اور رحمت مسیح پر توہین رسالت کا مقدمہ قائم ہوا تو عاصمہ جہانگیر اور حنا جیلانی اپنی روایت کے عین مطابق میدانِ عمل میں کود پڑیں اور بعض مسیحی راہنماؤں اور سیکولر صحافیوں کی جماعت کے تعاون سے اس مقدمے کو پاکستانی پریس میں تشہیر دی۔ یک طرفہ جارحانہ بیان بازی میں حقائق کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ بین الاقوامی ذرائع ابلاغ نے بھی اس معمولی مسئلے کو غیر معمولی طور پر اُچھالا، اور وہ ادھم مچایا کہ کانوں پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ عاصمہ جہانگیر اور حنا جیلانی مغربی ذرائع ابلاغ کی آنکھ کا تارا بنی ہوئی تھیں۔ آئے دن ان کے انٹرویو اور بیانات سی این این، بی بی سی اور مغربی اخبارات کی زینت بن رہے تھے۔

عاصمہ جہانگیر نے قانونِ توہین رسالت کو بار بار انسانی حقوق کے منافی اور فتنہ قرار دینے کا عمل جاری رکھا، لیکن اس کی اپنی اس فتنہ پردازی کا نوٹس کوئی نہیں لے رہا تھا۔ اس کی مسرت آسمان کی بلندیوں کو چھو رہی

تھی، جب ان ہی دنوں پاکستان کی خاتون وزیراعظم نے گوجرانوالہ میں ایک عوامی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے اس کے موقف کی تائید کرتے ہوئے قانونِ توہین رسالت کو انسانی حقوق سے متصادم قرار دیا۔ سلامت مسیح کو جرم ثابت ہونے پر ایڈیشنل سیشن جج گوجرانوالہ نے موت کی سزا سنائی، لیکن جلد ہی حکومت کی مداخلت پر اسے ضمانت پر رہائی مل گئی۔ برطانوی وزیراعظم جان میجر کے مشیر فلپ جے پارہم نے جان میجر کی طرف سے پاکستان یونائیٹڈ کرسچین کے سربراہ جارج فیلکس کے نام خط میں پاکستانی وزیراعظم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے تحریر کیا:

''اگرچہ سلامت مسیح پر مذہبی توہین کا الزام برقرار ہے، مگر یہ بات حوصلہ افزا ہے کہ وزیراعظم بے نظیر کی ذاتی مداخلت کی بنا پر سلامت مسیح کو ضمانت پر رہا کردیا گیا ہے۔'' (روزنامہ جنگ ۱۹ اگست ۱۹۹۴ء)

سلامت مسیح اور رحمت مسیح نے سزائے موت کے خلاف جب لاہور ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی تو عاصمہ جہانگیر اور مغرب زدہ لابی نے 'پریس ٹرائیل' کا ہنگامہ برپا کردیا۔ بقول مولانا زاہد الراشدی: ''ہائی کورٹ میں جس تیز رفتاری کے ساتھ اپیل کے مراحل طے کیے گئے اور جو طریق کار اختیار کیا گیا، اس کی روشنی میں ملزموں کی بریت، رہائی اور بیرونِ ملک روانگی پر کوئی تبصرہ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ سلامت مسیح کیس کے بعد پہلی مرتبہ عاصمہ جہانگیر کے مغربی مسیحی تنظیموں سے گہرے مراسم منظر عام پر آئے۔ اس مقدمے میں مغربی ذرائع ابلاغ کی غیر معمولی دلچسپی نے عاصمہ جہانگیر کے لیے پاکستان میں مسیحی تنظیموں کے ساتھ اشتراک عمل کا راستہ ہموار کیا۔ اس نے بعض مسیحی راہنماؤں کو قانونِ توہین رسالت کے خلاف تحریک چلانے پر آمادہ کیا۔ اب اس نے توہین رسالت کے مرتکب مسیحی نوجوانوں کے مقدمات میں غیر معمولی دلچسپی لینا شروع کی۔ آن جہانی بشپ جان جوزف کی مبینہ خودکشی کے بعد بعض مسیحی گروہوں کی طرف سے پرتشدد مظاہروں کے پس پشت دیگر عناصر کے ساتھ ساتھ عاصمہ جہانگیر کا کردار خاصا اہم رہا ہے۔ یہ کردار کس قدر منفی تھا، چیف بشپ کیتھ کے اخباری انٹرویو سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ۱۱ مئی ۱۹۹۸ء کو ایک انٹرویو میں چیف بشپ کیتھ عاصمہ جہانگیر کے منفی کردار پر یوں تبصرہ کیا: ''چیف بشپ کیتھ نے دکھ کا اظہار کیا کہ عاصمہ جہانگیر جیسے انسانی حقوق کے علم بردار پاکستان میں مسلمانوں اور عیسائیوں کو آپس میں لڑانا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگ مسیحی افراد سمیت دیگر بشپ حضرات کو بھی غلط گائیڈ کرتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ عاصمہ جہانگیر پاکستان میں عیسائیوں کے مقدمات تو مفت لڑتی ہیں اور کوئی فیس نہیں لیتیں، لیکن اُنہیں باہر سے 'لمبے پیسے' مل جاتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ فرانسس جوزف جیسے لوگ عاصمہ جہانگیر اور ہیومن رائٹس آرگنائزیشن کے پروردہ ہیں۔ فرانسس جوزف جو نہایت غریب آدمی تھا، ایم سی اے لاہور میں ایک چپڑاسی کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ الیگزینڈر جان ملک نے اسے گاڑی اور پیسوں کے ناجائز استعمال کے سلسلے میں وہاں سے نکال دیا تھا اور آج وہ عاصمہ جہانگیر کی بدولت کئی لاکھ کی گاڑی میں پھر رہا ہے، اس نے اپنے بچوں کی شادی پر رائے ونڈ میں لاکھوں روپے خرچ کیے۔ ایسے بہت سے لوگ عاصمہ جہانگیر اور دوسرے لوگوں کے آلہ کار ہیں اور پاکستان کو بدنام کرنے کے لیے سرگرم عمل ہیں۔''

روزنامہ 'خبریں' میں شائع ہونے والی خبر کے مطابق، انہوں نے کہا کہ ''وہ دفعہ ۲۹۵۔سی کے تحت دی جانے والی سزاؤں کے بارے میں پریشان ہیں اور جلد ہی عاصمہ جہانگیر کے ذریعے اس سلسلے میں اعلیٰ عدالتوں میں درخواستیں دائر کریں گے۔''

۱۳ مئی ۱۹۹۸ء کے 'نوائے وقت' میں چیف بشپ کیتھ لیزی کا یہ بیان شائع ہوا: ''بشپ جوزف کے قتل کے پیچھے امریکی ڈالر اور عاصمہ جہانگیر کے چہرے ہیں۔ اسی دن عاصمہ جہانگیر کے خواتین محاذ عمل کی طرف سے اخبارات میں یہ بیان شائع ہوا: ''خواتین محاذ عمل نے توہین رسالت کا قانون فوری طور پر ختم کرنے کا مطالبہ کیا ہے اور خاص طور پر اس کے آرٹیکل ۲۹۵۔اے سے ڈی تک کو ختم کرنے پر زور دیا ہے، کیونکہ یہ بنیادی انسانی حقوق کے خلاف ہے۔ انسانی حقوق کمیشن آف پاکستان کی چیئرپرسن عاصمہ جہانگیر نے کہا ہے کہ بشپ جان جوزف کی خودکشی سے پاکستان میں اقلیتوں میں پائی جانے والی بے چینی کی شدت کا اندازہ ہوتا ہے۔ انسانی حقوق کمیشن پاکستان میں بسنے والی غیر مسلم اقلیتوں کو اپنی حمایت کا یقین دلاتا ہے۔''

آنجہانی بشپ جان جوزف کی آخری رسوم میں شریک عیسائیوں سے خطاب کرتے ہوئے عاصمہ جہانگیر نے یہ اشتعال انگیز بیان داغا: ''۲۹۵۔سی اور کتنی جانیں لے گا۔ اقلیتوں کے خلاف اس امتیازی قانون کو ختم کیا جائے۔''

انسانی حقوق کمیشن کے ڈائریکٹر آئی اے رحمٰن (قادیانی) نے جائنٹ ایکشن کمیٹی فار پیپلز رائٹس کے سیمی نار میں تقریر کرتے ہوئے کہا: ''توہین رسالت سے متعلق قانون کی دفعہ۔سی مکمل طور پر غیر اسلامی ہے۔ صرف جاہل مولوی اس قانون کی حمایت کررہے ہیں، اکثریت توہین رسالت قانون کی حامی نہیں۔ قائداعظم محمد علی جناح کے نظریات مکمل طور پر سیکولر تھے۔''

کمیشن کا سربراہ آئی اے رحمٰن مسلمہ طور پر قادیانی ہے اور عاصمہ جہانگیر کے قادیانی ہونے میں بہت کم لوگوں کو شک ہے۔ اس کا ہر قول و فعل اسلام کی مخالفت پر مبنی ہے۔ وہ ایک قادیانی کے نکاح میں ہے، اس پر نہ تو اسے کوئی شرمندگی ہے اور نہ ہی ایک غیر مسلم کی منکوحہ ہونے سے اس کے اسلام پر فرق پڑتا ہے۔

عاصمہ جہانگیر اور اس کے ہم خیال بدبخت دانش وروں کا پورا زور اس بات پر ہے کہ ۲۹۵۔سی کو ختم کردیا جائے، حالانکہ یہ بات وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ امام الانبیا، علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حرمت و ناموس پر کٹ مرنا ہر مسلمان کی زندگی کی آرزو ہے۔ یہ محض بیس فی صد مولویوں کی بات نہیں، یہ مسلمانوں کے بچے بچے کے دل کی آواز ہے کہ توہین رسالت کے مرتکب خبیث مجرموں کی سزا صرف موت ہے۔ اب تحفظ ناموس رسالت کے قانون کو ختم کرنے کے لیے اشتراکی اور قادیانی ٹولے کا کوئی حربہ کارگر نہیں ہوگا، نہ پردوں میں چھپ کر وار کرنے سے ان کے مکروہ چہرے چھپ سکیں گے۔ یہ قائداعظم کو سیکولر کہتے ہیں، جبکہ قائداعظم سچے محبِ رسولؐ تھے۔ وہ اپنی تمام مصروفیات کو چھوڑ کر شاتم رسول کے خلاف مقدمے کی پیروی کرنے کے لیے بمبئی سے لاہور تشریف لائے تھے۔ یہ اللہ کے رسول کے دشمن قائداعظم پر الزام لگانے کی جسارت کیسے کرتے ہیں کہ قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے اُنہوں نے لنکنز اِن کا انتخاب محض اس لیے کیا تھا کہ اس کے دروازے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی بھی دیگر قانون دانوں کے درمیان لکھا گیا تھا۔

عاصمہ جہانگیر جیسی فتنہ پرور خاتون قانون توہین رسالت کو 'فتنہ' قرار دے رہی ہے، اس کے نزدیک دفعہ ۲۹۵۔سی قابل گرفت ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر کب تک اس مغربی صہیونی لابی کی ایجنٹ عورت کو مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے کا شغل جاری رکھنے کی کھلی چھوٹ ملی رہے گی؟ یہ سوال عاصمہ جہانگیر کے دل آزار بیانات سے زخم خوردہ و دل گرفتہ ہر مسلمان کی زبان پر ہے۔ مغرب کے ملحد و مرتد تنخواہ دار ایجنٹوں کی سرکوبی کے لیے تادیبی اقدامات کرنے کی سخت ضرورت ہے، تاکہ وہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرکے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو آئندہ مجروح نہ کرسکیں۔ نبی آخرالزمان کا ہر فدائی اور سچا پیروکار عاصمہ جہانگیر جیسی گستاخ رسول عورت کو پابند سلاسل دیکھنے کا متمنی ہے۔

کیا یہ صدر ضیاء الحق کا بنایا ہوا قانون ہے؟

محمد متین خالد

قانون توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کا کہنا ہے کہ یہ قانون صدر ضیاء الحق کا بنایا ہوا ہے، لہٰذا اسے ختم ہونا چاہیے۔ صدر ضیاء الحق کی دشمنی کی آڑ میں قانون توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت عجیب بات ہے۔ ہمیں سب سے پہلے اس قانون کے بننے کی وجہ معلوم کرنی چاہیے۔ ۷ مئی ۱۹۸۶ء کی شام اسلام آباد کے ہوٹل میں ایک سیمی نار کے دوران انسانی حقوق کمیشن کی چیئر پرسن (سپریم کورٹ بار کی سابق صدر) عاصمہ جہانگیر ایڈووکیٹ نے شریعت بل کے خلاف تقریر کرتے ہوئے حضور خاتم النبیین، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نہایت توہین آمیز اور گستاخانہ الفاظ استعمال کیے۔ میرا قلم اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ میں وہ ناپاک الفاظ یہاں رقم کروں۔ عاصمہ جہانگیر کی شانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں گستاخی کے ارتکاب پر راولپنڈی بار ایسوسی ایشن کے معزز اراکین جناب عبادالرحمٰن لودھی ایڈووکیٹ او رجناب ظہیر احمد قادری ایڈووکیٹ نے سخت احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ وہ اِن توہین آمیز الفاظ کو واپس لے کر اس گستاخی پر معافی مانگے۔ عاصمہ جہانگیر کے انکار اور اپنے الفاظ پر مسلسل اصرار پر سیمی نار میں ہنگامہ برپا ہوگیا۔ اگلے دن جب اس واقعے کی خبر اخبارات میں شائع ہوئی تو پورے ملک میں غم وغصے کی لہر دوڑ گئی۔ مسلمانوں کی طرف سے حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ فوری طور پر توہین رسالت کی سزا نافذ کی جائے اور اس جرم کا ارتکاب کرنے والے کو عبرت ناک سزا دی جائے۔ دریں اثنا ان ہی دنوں عاصمہ جہانگیر نے برملا اعلان کیا کہ میرے شوہر طاہر جہانگیر قادیانی ہیں۔ میں اس سلسلے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتی۔ وہ ہم سے بہت بہتر ہیں۔ (روزنامہ جنگ لاہور ۲۶ جون ۱۹۸۶ء)

عاصمہ جہانگیر کی اس قابل اعتراض تقریر کا نوٹس سب سے پہلے قومی اسمبلی میں، اسلامی جذبے سے سرشار خاتون ایم۔ این۔ اے محترمہ نثار فاطمہ نے لیا اور انہوں نے وہاں پوری قوت کے ساتھ آواز اٹھائی کہ عاصمہ جہانگیر کے ان توہین آمیز الفاظ کے خلاف حکومت فوری ایکشن لے، لیکن چوں کہ اس وقت تعزیرات پاکستان میں توہین رسالت کے جرم کی کوئی سزا مقرر نہیں تھی، اس لیے اس کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہ ہوسکی۔ بعد ازاں محترمہ آپا نثار فاطمہ نے قومی اسمبلی میں ایک بل پیش کیا جس میں توہین رسالت کی اسلامی سزا، سزائے موت تجویز کی گئی۔ اراکین قومی اسمبلی کی بھاری اکثریت نے اس بل کو منظور کیا، اس طرح تعزیرات پاکستان میں دفعہ ۲۹۵۔سی کا اضافہ کیا گیا، جس کی رُو سے اگر کوئی شخص زبانی یا تحریری الفاظ کے ذریعے یا واضح انداز میں یا بذریعہ بہتان طرازی یا بذریعہ طعن آمیز اشارے، کنائے، براہ راست یا بالواسطہ طور پر حضور نبی کریم، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کی بے حرمتی کرتا ہے، سزائے موت کا مستوجب ہوگا یا اسے تاحیات سزا دی جائے گی اور اسے جرمانہ بھی کیا جاسکے گا۔ اس قانون میں دو سزائیں تجویز کی گئیں، سزائے موت یا عمر قید کی سزا۔ حالانکہ محترمہ آپا نثار فاطمہ کی طرف سے پارلیمنٹ میں پیش کیے گئے بل میں توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا صرف سزائے موت تجویز کی گئی تھی، مگر وزارت قانون کی طرف سے اس بل میں یہ ترمیم کی گئی کہ شاتم رسول کی سزا، سزائے موت یا عمر قید ہوگی۔ اس طرح تعزیرات پاکستان میں ۲۹۵۔سی کا اضافہ کر دیا گیا۔ چوں کہ توہین رسالت کے مرتکب کی سزا عمر قید اسلامی قانون کے خلاف تھی۔ لہٰذا سپریم کورٹ کے سینئر ایڈووکیٹ، مجاہد تحفظ ناموس رسالت جناب محمد اسماعیل قریشی نے اس قانون کو وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کر دیا کہ توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا بطور حد سزائے موت ہے اور حد کی سزا میں حکومت ہی نہیں، بلکہ پوری امت مسلمہ کو بھی سوئی کی نوک کے برابر کمی یا اضافہ

۷ مئی ۱۹۸۶ء کی شام اسلام آباد کے ہوٹل میں ایک سیمی نار کے دوران انسانی حقوق کمیشن کی چیئر پرسن (سپریم کورٹ بار کی سابق صدر) عاصمہ جہانگیر ایڈووکیٹ نے شریعت بل کے خلاف تقریر کرتے ہوئے حضور خاتم النبیین، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نہایت توہین آمیز اور گستاخانہ الفاظ استعمال کیے۔ میرا قلم اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ میں وہ ناپاک الفاظ یہاں رقم کروں۔

کرنے کا اختیار نہیں اور یہ ناقابل معافی جرم ہے۔ اس مقدمے کی باقاعدہ سماعت نومبر ۱۹۸۹ء کو شروع ہوئی۔ وفاقی شرعی عدالت کا یہ فل بنچ جناب جسٹس گل محمد خان چیف جسٹس، جناب جسٹس عبدالکریم خان کندی، جناب جسٹس عبادت یار خاں، جناب جسٹس عبدالرزاق اے تھیم اور جناب جسٹس فدا محمد خان پر مشتمل تھا۔ عدالت نے خاصے عرصے تک اس درخواست کی سماعت کی اور متعدد اسکالروں، تمام مسالک کے جید علمائے کرام او راس موضوع پر دسترس رکھنے والے سینئر قانون دانوں کو بھی طلب کیا، تاکہ وہ اس موضوع پر اپنی آرا پیش کر کے عدالت کی قانونی معاونت کریں۔

۳۰ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو عدالت نے اس درخواست کا متفقہ فیصلہ سنایا۔ عدالت نے قرار دیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین یا ان کے اسم مبارک کی بے حرمتی کے جرم میں متبادل سزا تاحیات قید، اسلام کی واضح نصوص (قرآن و سنت کے احکام) کے منافی ہے۔ عدالت نے مزید کہا کہ دفعہ ۲۹۵سی میں تاعمر قید کا لفظ توہین رسالت کے حوالے سے شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے، اس لیے صدر پاکستان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ ۳۰ اپریل ۱۹۹۱ء تک اس قانون کی اصلاح کریں اور یا عمر قید کے الفاظ ختم کریں اور یہ کہ اگر تاریخ مقررہ تک ایسا نہ کیا گیا تو پھر اس کے بعد یہ الفاظ خود بخود کالعدم متصور کیے جائیں گے اور صرف سزائے موت، ملک کا قانون بن جائے گا؛ چناں چہ مقررہ تاریخ تک یہ کام نہ ہوسکا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے مطابق یہ الفاظ خود بخود کالعدم ہو گئے۔ وفاقی شرعی عدالت نے اپنے فیصلے میں توہین رسالت کی سزا، سزائے موت کو قرآن اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کردہ اور درست قرار دیا۔ (PLD-1991 FSC-10) یاد رہے کہ پاکستان کے آئین کی دفعہ ۲۰۳۔ڈی کے تحت وفاقی شرعی عدالت ہی اس امر کی مجاز ہے کہ وہ کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرے۔ آئین کی شق ۲۰۳۔ڈی کے مطالعہ کے بعد اس سلسلے میں شک وشبے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اس آئینی شق میں کہا گیا ہے: ''عدالت از خود نوٹس پر یا پاکستان کے کسی شہری کی پٹیشن پر یا وفاقی یا کسی صوبائی حکومت کی پٹیشن پر یہ اختیار رکھتی ہے کہ وہ قرآن اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اصولوں کی روشنی میں کسی بھی قانون یا اس کی شق کے اسلام کے مطابق یا اسلام سے متصادم ہونے کا فیصلہ کر سکے۔''

یہ بات ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ پاکستان کی پارلیمنٹ قوانین وضع کرنے، ان پر نظر ثانی

۳۰ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو عدالت نے اس درخواست کا متفقہ فیصلہ سنایا۔ عدالت نے قرار دیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین یا ان کے اسم مبارک کی بے حرمتی کے جرم میں متبادل سزا تاحیات قید، اسلام کی واضح نصوص (قرآن وسنت کے احکام) کے منافی ہے۔ عدالت نے مزید کہا کہ دفعہ ۲۹۵سی میں تاعمر قید کا لفظ توہین رسالت کے حوالے سے شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے، اس لیے صدر پاکستان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ ۳۰ اپریل ۱۹۹۱ء تک اس قانون کی اصلاح کریں اور یا عمر قید کے الفاظ ختم کریں اور یہ کہ اگر تاریخ مقررہ تک ایسا نہ کیا گیا تو پھر اس کے بعد یہ الفاظ خود بخود کالعدم متصور کیے جائیں گے اور صرف سزائے موت، ملک کا قانون بن جائے گا؛ چناں چہ مقررہ تاریخ تک یہ کام نہ ہو سکا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے مطابق یہ الفاظ خود بخود کالعدم ہو گئے۔

کرنے، ان میں ترمیم کرنے، ان کی تنسیخ کرنے کے وسیع تر اختیارات رکھتی ہے۔ پارلیمانی طریقہ کار اور قانون سازی کی روایات کے مطابق پارلیمنٹ کی طرف سے وضع کردہ قانون توہین رسالت کئی دہائیوں سے نافذ العمل ہے اور آئینی عدالت کے کڑے معیار پر پورا اتر چکا ہے۔ یہ کہنا کہ قرآن وسنت میں توہین رسالت کی سزا موت نہیں ہے، وفاقی شرعی عدالت اس اعتراض کا آئینی شق ۲۰۳۔ڈی کی ذیلی شق ۲ کے تحت پہلے ہی باریک بینی سے جائزہ لے چکی ہے اور اس کے فیصلے کی رو سے موجودہ قانون قرآن وسنت کے عین مطابق ہے اور قرار دیا گیا ہے کہ گستاخ رسول کے لیے موت کی سزا کے علاوہ کسی بھی قسم کی متبادل سزا اسلامی تعلیمات سے متصادم ہوگی۔ آئین کی شق ۲۰۳۔ڈی کی ذیلی شق ۲ کی شق (بی) کے تحت یہ فیصلہ فوری طور پر نافذ ہو چکا ہے۔

حکومت نے وفاقی شرعی عدالت کے اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کی، اس فیصلے کو چیلنج نہیں کیا گیا تھا، بلکہ اس کا مقصد فیصلے کے بعض پہلوؤں کی وضاحت حاصل کرنا تھا۔ بعد ازاں حکومت نے سپریم کورٹ سے یہ اپیل واپس لے لی۔ بعض سیکولر اور قادیانی حضرات نے حکومت کے اس اقدام کو تنقید کا نشانہ بنایا اور اس سنگین جرم کے لیے صرف موت کی سزا قائم رکھنے پر اپنے ذہنی تحفظات کا اظہار کیا، لیکن ان لوگوں کے یہ ذہنی تحفظات عوامی سطح پر کوئی پذیرائی حاصل نہ کر سکے۔ نہ صرف رائے عامہ کے راہنماؤں نے، بلکہ منتخب اداروں اور قانون ساز اسمبلیوں نے بھی عوامی جذبات کو زبان دی۔

۲ جون، کو پاکستان کی قومی اسمبلی نے ایک قرارداد متفقہ طور پر منظور کی، جس میں حکومت سے کہا گیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین پر صرف اور صرف سزائے موت ہی دی جانی چاہیے۔ سینٹ نے بھی یہی راہ عمل اختیار کی۔ ۸ جولائی ۱۹۹۲ء کو سینٹ میں ترمیمی قانون متفقہ طور پر منظور کیا گیا، جس میں اس جرم کے لیے صرف موت کی سزا دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر عوام کی مرضی پر عمل کرنے کے اصول کا کچھ مقصد ہے، اگر پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کا متفقہ فیصلہ پاکستان کے عوام کے اجتماعی ضمیر کا اظہار ہے تو یہ قانون ہماری قومی تاریخ میں ایک سب سے زیادہ عوامی قانون تسلیم کیا جانا چاہیے۔ افسوس ہے کہ اس قانون کے مخالفین (قادیانی اور سیکولر حضرات) پارلیمنٹ کے اس متفقہ فیصلے کو تسلیم کرنے سے یکسر انکاری ہیں، بلکہ وہ اس سلسلے میں وفاقی شرعی عدالت کے تاریخی فیصلے کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ وہ مسلمانوں کی اکثریت کے مذہبی جذبات کو رائی برابر بھی وقعت نہیں دیتے، بلکہ اس قانون پر تنقید کرتے ہوئے بعض دفعہ ایسی دل آزار اور اشتعال انگیز گفت گو کرتے ہیں جس سے لاء اینڈ آرڈر کی صورت حال پیدا ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ سابق وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ حالاں کہ قادیانیوں کو ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء (وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی موجودگی میں) ملک کی منتخب پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ اس طرح قانون توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم صدر ضیاء الحق نے نہیں، بلکہ ملک کی منتخب پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر بنایا۔ سیکولر اور بے دین عناصر اس قانون کی مخالفت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ایک آمر ضیاء الحق کے دور میں بنا، ان سے پوچھنا چاہیے کہ عائلی قوانین بھی تو ایک آمر صدر ایوب خاں کے دور میں بنائے گئے تھے، آپ اس کی مخالفت تو نہیں کرتے۔ مزید ان بزرجمہروں سے یہ بھی دریافت کرنا چاہیے کہ کیا صدر ضیاء الحق کے دور میں بنائے گئے دیگر تمام قوانین ختم ہو گئے ہیں یا ان پر اب بھی من وعن عمل ہو رہا ہے؟ آپ انہیں ختم کرانے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ آخر یہ تضاد بیانی او رمنافقت کیوں اور کب تک؟

ABC سے تصدیق شدہ اشاعت
ماھنامہ
مرآۃ العارفین لاھور
انٹرنیشنل
جلد نمبر 13 شمارہ نمبر 10
فروری 2013ء۔ ربیع الثانی 1434ھ
WWW.ALFAQR.NET

ب: بغداد شہر دی کیا نشانی اچیاں لمیاں چیراں ھو
تن من میرا پرزے پرزے جیوں درزی دیاں لیراں ھو
اینہاں لیراں دی گل کفنی پا کے رلساں سنگ فقیراں ھو
بغداد شہر دے ٹکڑے منگساں باھو کرساں میراں میراں ھو

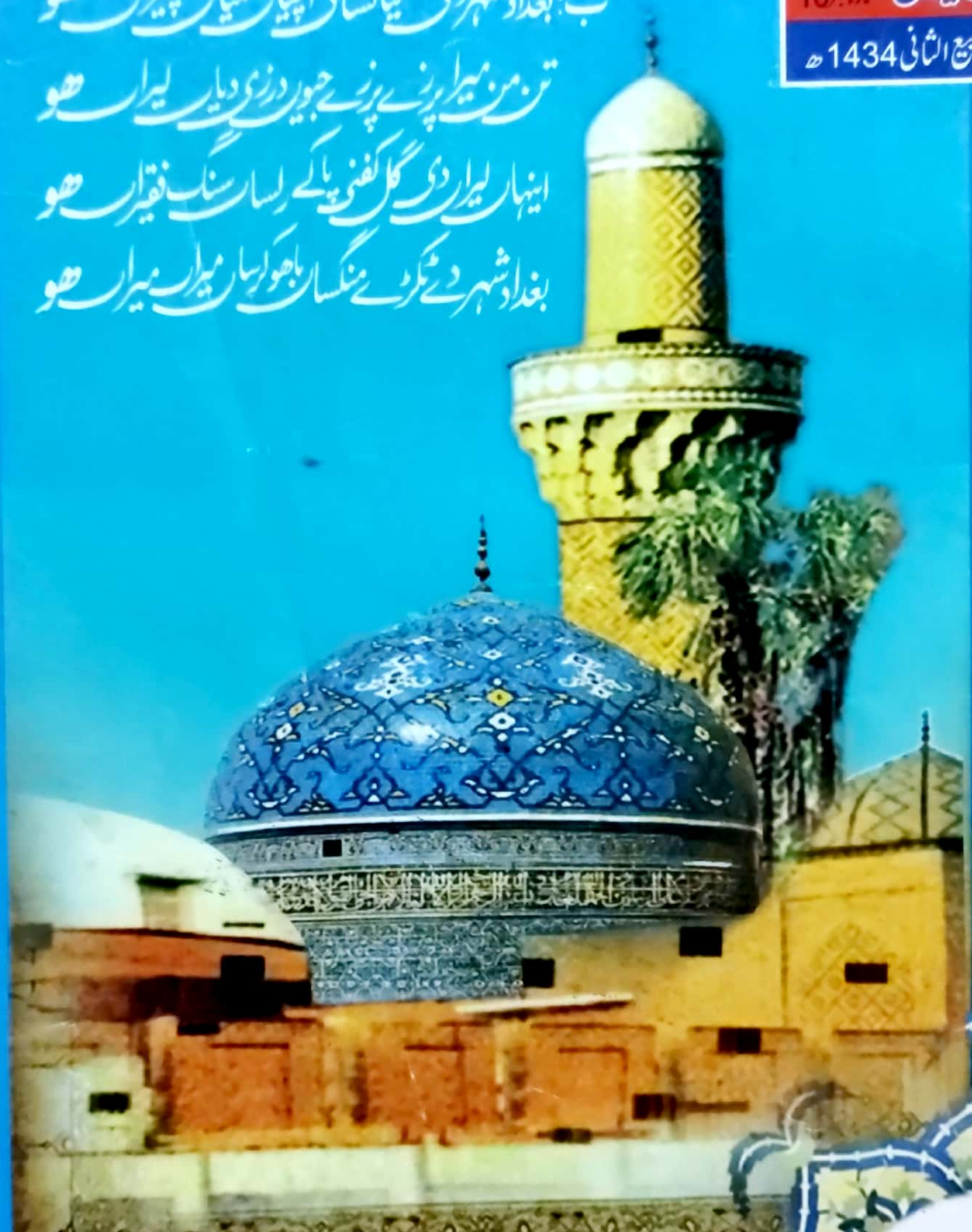

UNIQUE
A Top Selling Brand
پروپرائٹرز
اللہ بخش کورائی
New Model
Model With New Style
پیش ہے نئی UD-70
وہی طاقت وہی معیار
Pakistan Standards
(PSQCA)
QUALITY ASSURED
(ISO 9001) Certified
EDB
CRYSTAL HEAD LIGHT
MORE CAPACITY OF FUEL TANK
ECHO POWER ENGINE
NEW POWER FULL FRONT HUB
SHOCKS TO RULE ANY KIND OF TERRANIN POWER PACK
پنجاب بھر سے کاروباری حضرات یونیک موٹر سائیکل
کی ڈیلر شپ کے لئے رابطہ فرمائیں
ڈی ایس موٹرز حیدرآباد سندھ
کورائی یونیک سنٹر ڈیرہ غازی خان
064 2469166

دفتر اصلاحی جماعت وعالمی تنظیم
یونٹ عارف والا
301-4485782

مسلسل اشاعت کا تیرہواں سال

MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL

ماھنامہ
مرآۃ العارفین لاہور
انٹرنیشنل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — فیضانِ نظر

سلطان الفقر
حضرت سخی سلطان
محمد اصغر علی صاحب
سروری قادری

چیف ایڈیٹر
صاحبزادہ سلطان احمد علی

ایڈیٹر
طارق اسمٰعیل ساگر

ایڈیٹوریل بورڈ
- سجاد علی چوہدری
- محمد افضل عباس خان
- ایم۔ رحمت
- محمد سیف الرحمٰن
- سہیل شہزاد

آرٹ ایڈیٹر
محمد احمد رضا ( )

اندرون ملک نمائندے

اسلام آباد	مہتاب احمد
کراچی	ایس ایم حسین
فیصل آباد	ڈاکٹر غضنفر عباس
ملتان	شبیر حسین
لاہور	حافظ محمد ریحان
کوئٹہ	رسالت حسین
پشاور	سید حسین علی شاہ
آزاد جموں کشمیر	بی، جی، حنیف

بیرون ممالک نمائندے

ممالک	نمائندگان
اٹلی	چوہدری ناصر حسین
انگلینڈ	منظور احمد خان
جاپان	نعیم اللہ خان نیازی
جنوبی کوریا	ساجد عباس
ساؤتھ افریقہ	آصف ملک
سعودی عرب	مہر کریم بخش
سپین	محمد عقیل
فرانس	امجد علی
کینیڈا	ثقلین عباس
کویت	ہارون یوسف
متحدہ عرب امارات	کرامت حسین
ملائشیاء	محمد شفقت
یونان	محمد شکیل

فی شمارہ نیوز پیپر	فی شمارہ آرٹ پیپر
25 روپے	50 روپے
سالانہ (ممبرشپ) 300 روپے	سالانہ (ممبرشپ) 600 روپے

سعودی ریال	امریکی ڈالر	یورپین پونڈ
200	100	80

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری (اقبال)

سلطان العارفین حضرت سلطان باہو کی نسبت سے شائع ہونے والا فلسفۂ وحدانیت کا ترجمان۔
اصلاحِ انسانیت کا پیمبر اتحادِ ملتِ بیضا کے لئے کوشاں۔ نظریۂ پاکستان کی روشنی میں استحکام پاکستان کا داعی

اس شمارے میں

1	اقتباس		2
	اداریہ		
2	دستک		3
	محی الدین		
3	سرالاسرار۔ غوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ کی شاہکار تصنیف	مولانا مفتی منظور حسین	4
	باھُو شناسی		
4	تصوف اور علم تصوف حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں	صاحبزادہ میاں محمد ضیاء الدین	9
5	مجالسۃ النبی خورد	مترجم: سید امیر خان نیازی	12
6	Abyat e Bahoo	Translated by: M.A Khan	13
	سلطان سیّد محمد بہادر علی شاہ		
7	"کلیات عارفانہ کلام" از سید محمد بہادر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ پر ایک طائرانہ نظر	ڈاکٹر محمد ریاض شاہد	14
8	سلطان سید محمد بہادر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ انسانِ کامل	ایس ایچ قادری	20
	صلائے عام		
8	اتباع رسول ﷺ اور امر و نہی کا عملی اطلاق	صاحبزادہ سلطان احمد علی	24
	کشمیر ..... جنت نظیر		
9	مسئلہ کشمیر اور اقوام متحدہ کی قراردیں	پروفیسر الیف الدین ترابی	37
10	کشمیر، بھولی ہوئی ہے داستان	طارق اسمٰعیل ساگر	41
11	Kashmir: The Limit of Indian Democracy?	Caelainn Hogan	48

اپنی بہترین اور مؤثر کاروباری تشہیر کیلئے مرآۃ العارفین میں اشتہار دیجئے رابطہ کیلئے: 0300-8676572

برائے خط و کتابت
ماہنامہ مرآۃ العارفین انٹرنیشنل P.O.Box No.11 جی پی او، لاہور
Ph&Fax: +92-42-37509009
E-mail: miratularifeen@hotmail.com
www.alfaqr.net

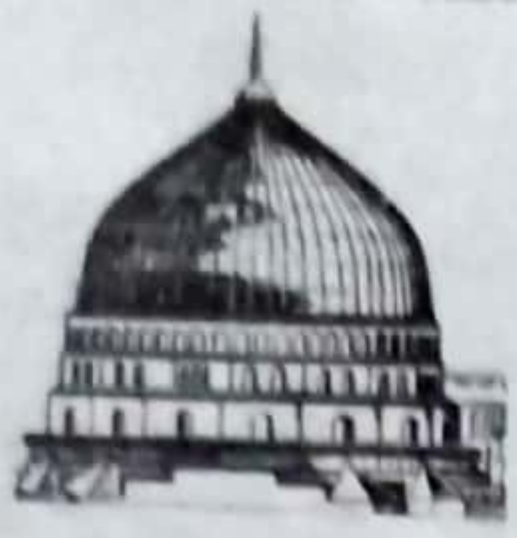

اللہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَ كُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِ ؕ

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنے باپ (دادا) اور بھائیوں کو بھی دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو محبوب رکھتے ہوں۔ (التوبہ:۲۳)

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّلَدِهٖ وَوَالِدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ○

ترجمہ: ”تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں جب تک کہ وہ مجھے اپنے والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ رکھے“۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

سرکارِ حقانی محبوبِ سبحانی غوث الاعظم محی الدین

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ
فرمان

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”جو شخص کسی مالدار (کی تعظیم) کے لئے اس مال کی خواہش میں جو اس کے ہاتھ میں ہے اپنی جگہ سے ہلا تو اس کا دو تہائی دین جاتا رہا۔“

سُن لو اے منافقو! یہ اُس شخص کے لیے جس نے مالداروں کے لیے حرکت کی، پھر کیا پوچھنا اس کا نماز، روزہ اور حج بھی انہیں کے لیے ہو اور ان کے چوکھٹوں کو چومتا رہے۔ اے شریک خدا قرار دینے والو (کہ مالداروں کو خدا کی طرح حاجت روا اور مستحق صوم وصلوٰۃ سمجھتے ہو) تمہیں حق تعالیٰ اور اس کے رسول کی مطلق خبر نہیں۔ مسلمان بنو اور توبہ کرو اور توجہ میں اخلاق کی شان حاصل کرو تا کہ تمہارا ایمان تندرست اور تمہارا ایقان قوی ہو جائے اور تمہاری توحید کو نشوونما حاصل ہو کہ اس کی شاخیں عرش تک جا چڑھیں۔

صاحبزادہ! جب تیرا ایمان پرورش پا جائے گا اور اس کا درخت اونچا چڑھ جائے گا تو حق تعالیٰ تجھ کو خود سے اور ساری مخلوق سے بے نیاز کر دے گا۔ (الفتح الربانی:۲۰۸)

سلطان العارفین

حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ
فرمان

دلے وِچ دل جو آکھیں سو دل دور دلیلوں ھو
دل دا دور اگوہاں کیجئے کثرت کنوں قلیلوں ھو
قلب کمال جمالوں جسموں جوہر جاہ جلیلوں ھو
قبلہ قلب منور ہویا باھو خلوت خاص خلیلوں ھو

فرمان قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ

اسلام سب انسانوں کے لیے انصاف، رواداری، شرافت، دیانت، اور عزت کے ساتھ اعلیٰ ترین اصولوں پر مبنی ہے۔ صرف ایک خدا کا تصور اسلام کے بنیادی اصولوں پر مبنی ہے۔ اسلام میں انسان انسان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مساوات، آزادی اور اخوت، اسلام کے اساسی اصول ہیں۔ (کراچی بار ایسوسی ایشن۔ 25 جنوری 1948ء)

فرمان علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

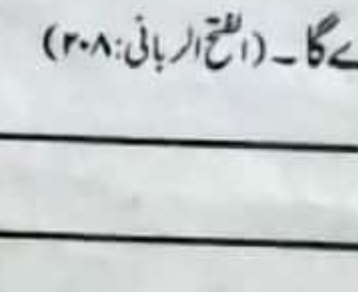

ردائے دین و ملت پارہ پارہ
قبائے ملک و دولت چاک در چاک
مرا ایماں تو ہے باقی و لیکن
نہ کھا جائے کہیں شعلے کو خاشاک

(بالِ جبریل)

(سرالاسرار فی ما یحتاج الیہ الابرار)

حضرت شیخ سیدنا

عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ

کی شاہکار تصنیف

پیرانِ پیر، دستگیر

غوث الاعظم

مولانا مفتی منظور حسین

آج کے اس پُرفتن معاشرے میں جب انسان مادیت کا شکار ہو چکا ہے "لادینی ولاطینی" نظریات کی بھرمار نے انسانی ذہنوں کو مفلوج بنا کر رکھ دیا ہے اور انگریزی، یورپی و بھارتی تہذیب وتمدن نے اسلامی تہذیب وتمدن کا حلیہ بھی تبدیل کر کے رکھ دیا ہے اور مسلمانوں کی بصارت وبصیرت کو اس قدر ماؤف کر دیا ہے کہ اللہ رب العزت کے کلام اور اللہ والوں کے کلام کو پڑھنے اور سننے کا نہ شوق باقی رہا ہے اور نہ ہی عمل کرنے کا جذبہ فکر۔ ایسے حالات اور ایسے معاشرے میں وقت کی اہم ضرورت ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ شخصیات کی تالیف وتصانیف کا بغور مطالعہ کریں اور اس پر عمل پیرا ہوں کیونکہ ان کی تصنیفات درحقیقت کلام الٰہی کی ترجمانی اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی تفسیر ہوتی ہے اور ان کا ہر قول، فعل عمل تحریر وتقریر دراصل خلقِ خدا کی بھلائی اور رہنمائی کیلئے عملی نمونہ ہوتا ہے جو حقیقت میں ﴿العلماء ورثۃ الانبیاء﴾ کے اصلی مصداق ہوتے ہیں جن کی طرف توجہ مبذول کرواتے ہوئے اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں عالم انسانیت کو آگاہی بخشی اور فرمایا ﴿فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون﴾ اور یہ اس لیے فرمایا کیونکہ حوادث کے تیز وتند جھونکے ان کے پائے ثبات کو کبھی متزلزل نہیں کر سکتے اور زمانہ کی خونخوار نگاہیں ان کو اظہار حق سے نہیں روک سکتیں وہ ہمیشہ نڈر ہو کر حق کہتے ہیں، حق بولتے ہیں اور حق لکھتے ہیں تبھی تو علامہ اقبال بال جبریل میں فرماتے ہیں۔

☆ ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیے ہیں اندازِ خسروانہ
☆ آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

☆ ہزار خوف ہوں لیکن ، زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

انہیں کی معیت کی دعوت قرآن کریم میں دی گئی ﴿و کونوا مع الصادقین﴾ ان کی معیت اور صحبت کا اس لیے حکم دیا گیا کیونکہ اُن کے قلوب منبع انوار الٰہی اور ان کی ذات مرجع خلائق ہر زمانہ میں بنی رہی یہ خود اسلام کے صحیح نمونہ اور حضور رسالت مآب ﷺ کی زندگی کا روشن آئینہ ہوتے ہیں۔

انہیں میں سے رشد و ہدایت کا سرچشمہ، دنیائے اسلام جن کے فیض سے آج بھی گل بدامن ہے۔ جن کی ذات گرامی تمام سلاسل کے اولیاء کرام کیلئے مینارۂ نور ہے پیرانِ پیر، دستگیر، قطبِ ربانی، محبوبِ صمدانی، سرِّ سُبحانی حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی ؓ ایک طرف آپ علم معنوی کے حامل جامع نور الھدیٰ تو دوسری طرف فقہ و حدیث کے معلم، شریعت حقہ کے مفتی و مصنف، مصلح اور مبلغ کی حیثیت سے بھی آپ نمایاں ہیں اور پھر بالخصوص اپنی نگاہِ فقر سے خزانہ فقر طالبوں میں بعض کو معرفت الٰہیہ اور بعض کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دائمی مجلس کی صورت میں عطا فرماتے آپ کا وہی فیضان سینہ بہ سینہ بھی اور تحریر و تصنیف کی صورت میں آج بھی موجود ہے۔

آپ نے نورِ ہدایت عامۃ النّاس میں مروّج فرمانے کیلئے متعدد کتب تصنیف فرمائیں جن کے مطالعہ سے پرکیف لطف و سرور اور اطمینانِ قلبی حاصل ہوتا ہے اور تعجب خیز دقائق، حقائق اور معارف کا انکشاف ہوتا ہے اِس جہان سرائے ہستی میں انسان کو اپنی ہستی کا پتہ چلتا ہے کہ میں کس گردوں کا ٹوٹا ہوا تارہ اور کس کی تلاش و جستجو کیلئے اپنے من یں بوئی ہوئی چنبے کی بوٹی کی نفی اثبات کے پانی سے آبیاری کرتا ہوں ہر انسان کو چاہیے کہ وہ آپ کی تصانیف کا مطالعہ کرے اور اس سے اپنی ہستی سے متعلق وہ اسرار و رموز حاصل کرے جو کہ انسان کی انسانیت کی تکمیل میں مُمد ہیں۔ آپ ؓ کی معروف کتب کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) سرالاسرار (۲) الفتح الربانی (۳) یواقیت الحکم (۴) غنیۃ الطالبین (۵) فتوح الغیب (۶) الفیوضات الربانیہ (۷) المواہب الرحمانیہ (۸) جلاء الخاطر فی الباطن والظاہر (۹) دیوان غوث الاعظم۔ (ان کتب کے اسماء الفتح الربانی اور سیرت غوث الثقلین سے لیے گئے ہیں)۔

آپ کی تصنیف لطیف ''سرالاسرار فی ما یحتاج الیہ الابرار'' جس کا معنی رازوں کا راز جس کی ابرار کو (نیک لوگوں کو) ضرورت ہے یعنی اس کتاب کے اندر ایک ایسا مخفی راز ہے۔ جس کو حاصل کیے بغیر ابرار اپنے اصل مقصد کو حاصل نہیں کر پاتے اور یقیناً اس کتاب کے ذریعے حضور غوث الاعظم سیّدنا شیخ عبد القادر الجیلانی ؓ کی بارگاہِ اقدس سے اس راز کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جس کو کتاب کے نام کی صورت میں پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ یہ مقدس کتاب تقریباً ۱۰۴ عربی صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا ترجمہ سلطان الفقر ششم حضرت سلطان محمد اصغر علی رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں سید امیر خان نیازی (مرحوم) نے کیا ہے جس کے کل صفحات ۲۱۷ ہیں جس میں فہرست انتساب اور تقریظ بھی شامل ہے اس کتاب کے متعلق حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر الجیلانی ؓ فرماتے ہیں:

> تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو ہر حال میں دونوں جہان کو پال رہا ہے۔ جس نے درجات کو عابدوں کے لیے اور مراتب قرب کو عارفوں کے لئے محفوظ فرمایا ہے۔ طالبوں میں سے بعض نے ہم سے التماس کی کہ ہم ان کی خاطر ایک ایسا نسخہ تیار کریں جو اس موضوع پر ان کی پوری پوری کفایت کرے لہٰذا ہم نے ان کی فرمائش کے مطابق یہ مختصر سا رسالہ جمع کیا ہے۔ ہم نے اس کا نام ''سرالاسرار فی ما یحتاج الیہ الابرار'' رکھا ہے کیونکہ ہم نے اس میں ان مسائل شریعت و طریقت و حقیقت کا ذکر کیا ہے۔ جن کی عموماً جستجو رہتی ہے یہ رسالہ کلمہ طیب لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے چوبیس ۲۴ حروف اور رات دن کے چوبیس ۲۴ گھنٹوں کی نسبت سے ایک مقدمہ اور چوبیس فصلوں پر مشتمل ہے۔ (سرالاسرار فی ما یحتاج الیہ الابرار ص ۱۵)

اس کتاب کے اندر جو قابل ذکر خصوصیات ہیں وہ یہ ہیں کہ حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر الجیلانی ؓ نے زندگی میں پیش آنے والے تمام احوال اور پھر ان میں کامیابی کے تمام راستے ذکر فرمائے اور خوش اسلوبی اور ذہن کو کسی بھی قسم کی اُکتاہٹ کو دور کرنے کیلئے ہر فصل میں ہر چیز کی دو اقسام بیان فرمائیں مثلاً مقدمہ میں ذکر فرمایا علم دو قسم کا ہے (۱) علم ظاہر (۲) علم معرفت پھر معرفت کی دو قسمیں بیان فرمائیں (۱) معرفت صفات الٰہی (۲) معرفت

ذاتِ الٰہی۔ اور فصلوں میں انسان کی دو حالتیں (۱) جسمانی (۲) رُوحانی۔ جسمانی حالت میں انسان کا درجہ عام ہے رُوحانی حالت میں انسان کا درجہ خاص ہے انسان کو ﴿فی احسن تقویم﴾ پر پیدا فرمایا اور پھر اسے اسفل السافلین میں منتقل فرمانے کی بڑی لطیف اور پُر کیف بحث فرمائی۔ رُوح کا جسم میں تصرف اور اس کے نتائج کو خوبصورت انداز سے واضح فرمایا، علم ظاہر کی بارہ اقسام اور علم باطن کی بارہ اقسام بیان فرمائیں، توبہ و تلقین کی احسن پیرایہ میں تصریح فرمائی، توبۂ ظاہر اور توبۂ باطن کا طریقہ ارشاد فرمایا تاکہ تزکیۂ نفس کے ساتھ تصفیۂ باطن بھی اور ساتھ صفائے قلب وصفائے سرّ کو بیان فرمایا، ظاہری و باطنی ذکر اور اس کے مراتب بیان فرمائے اور ساتھ ساتھ فرمایا کہ دل کی دو آنکھیں، لوگوں کی دو صفات، آئینہ دو قسم کا جلال و جمال۔ طہارت، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ان تمام کی دو دو قسمیں بیان فرمائیں پہلے اُن کے ظاہر کے پہلو کو نمایاں فرمایا پھر اُس کے باطن پر رہنمائی فرمائی کہ اس سے پڑھنے میں زیادہ دلچسپی ہو اور حقائق سے آگاہی بھی نصیب ہو اسی لیے تو بڑی وضاحت کے ساتھ اس کے حصول کا آسان انداز اختیار فرمایا۔ آپ اس کتاب کے اندر علم ظاہر اور علمِ باطن اور اسکے اسرار و رموز کی توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''پس ہمارے لئے دو قسم کا علم نازل کیا گیا ہے۔ ایک علمِ ظاہر ہے اور دوسرا علمِ معرفت۔ شریعت کا علم ہمارے ظاہر کو سنوارتا ہے اور معرفت کا علم ہمارے باطن کو۔ ان دونوں علوم کے اجتماع کا نتیجہ علمِ حقیقت ہے جیسا کہ درخت اور پتوں کے اجتماع کا نتیجہ پھل ہے۔ فرمانِ حق تعالیٰ ہے:- '' اُس نے دو سمندر اِس طرح بہائے کہ بظاہر دونوں باہم ایک نظر آتے ہیں لیکن اُن کے درمیان ایک حدِّ فاصل ہے جس سے وہ ایک دوسرے پر چڑھ نہیں سکتے۔'' محض علمِ ظاہر سے حقیقت حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی منزلِ مقصود پر پہنچا جا سکتا ہے۔ عبادتِ کامل کے لئے دونوں علوم کا جمع ہونا ضروری ہے، محض ایک علم سے کام نہیں چلتا۔ فرمانِ حق تعالیٰ ہے '' مَیں نے جنوں اور انسانوں کو محض اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔'' یعنی اپنی معرفت کے لئے پیدا کیا ہے۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتا وہ اُس کی عبادت کس طرح کر سکتا ہے؟۔ (سر الاسرار:۲۵)

آپ مزید فرماتے ہیں:

''علم دو قسم کا ہے، ایک کا تعلق زبان سے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت ہے اپنے بندوں پر۔ دوسرے کا تعلق دل سے ہے اور یہی علم حصولِ مقصد کے لئے کارگر ہے''۔ انسان کے لئے سب سے پہلے علمِ شریعت ضروری ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے عالمِ صفات میں اللہ تعالیٰ کی معرفتِ صفات حاصل کر سکے جس کے بے شمار درجے ہیں۔ اِس کے بعد ضرورت ہے علمِ باطن کی تاکہ اُس کے ذریعے روح عالمِ معرفت میں معرفتِ ذات حاصل کر سکے جو خلافِ شریعت وطریقت رسومات ترک کیے بغیر ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔ اِس کا حصول اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ محض رضائے الٰہی کی خاطر نمائش وریا سے پاک ریاضتیں اختیار نہ کی جائیں جیسا کہ فرمانِ حق تعالیٰ ہے:- '' جو لقائے الٰہی کا آرزومند ہے اُسے چاہیے کہ اعمالِ صالحہ اختیار کرے اور اپنے ربّ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے''۔ (سر الاسرار:۲۹)

یعنی ان علوم کے حصول کا مقصد صرف اور صرف اس کی ذات تک رسائی حاصل کرنا ہے اور اسی بات کا پرچار آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا جیسا کہ

﴿كَمَاقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ﴾ (یوسف:۱۰۸)

فرمانِ الٰہی ہے:- ''محبوب! آپ فرمادیں کہ میرا طریق یہ ہے کہ مَیں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ مَیں اور میرے پیروکار اہل بصیرت ہیں''۔

﴿قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ فَبِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ﴾ (فیض القدیر جلد ۶، ص ۳۸۶)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:- '' میرے اصحابؓ ستاروں کی مانند ہیں، اُن میں سے تم جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے''۔

اس کی ترجمانی کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

بصیرت اولیاء اللہ کے دل میں چشمِ روح کے کھلنے سے پیدا ہوتی ہے اور یہ علمِ ظاہر سے نہیں بلکہ باطن میں علمِ لدنی سے حاصل ہوتی ہے ﴿كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ جیسا کہ فرمانِ حق تعالیٰ ہے:- ''اور ہم نے اُسے علمِ لدنی عطا فرمایا''۔ پس انسان پر واجب ہے کہ وہ اہل بصیرت کی

راہنمائی حاصل کرے اور عالمِ لاہوت کے عارف ولیٔ مرشد کی تلقین سے چشمِ بصیرت وا کرے۔ اے بھائیو خبردار! توبہ کرو اور اپنے ربّ کی بخشش کی طرف دوڑو ﴿کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَسَارِعُوْآ اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ﴾ جیسا کہ فرمانِ حق تعالیٰ ہے:۔ ''اور دوڑو اپنے ربّ کی بخشش کی طرف''۔ (سر الاسرار:۴۳)

اس آیت مبارکہ کے عملی نفاذ کیلئے آپ نے فرمایا:

راہِ طریقت اختیار کرو اور اُن روحانی قافلوں میں شامل ہو کر اپنے ربّ کی طرف رجوع کرو کہ عنقریب اس جہان کا راستہ منقطع ہو جائے گا اور تمہیں کوئی ساتھی نہ ملے گا۔ ہم نہ تو اس خرابہ دنیا میں مستقل قیام کے لئے آئے ہیں اور نہ ہی محض کھانے پینے اور خبیث نفسانی مہمات سر کرنے آئے ہیں۔ تمہارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہارے منتظر ہیں اور تمہاری خاطر غمزدہ ہیں ﴿کَمَا قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ غَمِّیْ لِاَجَلِ اُمَّتِیَ الَّذِیْ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ﴾ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:۔ ''مَیں اپنے اُن امتیوں کے لئے غمزدہ ہوں جو آخری زمانہ میں آئیں گے''۔ (سر الاسرار:۴۵)

سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ ذہین و صاحبِ بصیرت ہو جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:۔

اِنَّ لِلّٰہِ عِبَادًا فُطَنَا
طَلَّقُوا الدُّنْیَا وَخَافُوا الْمِحَنَا
جَعَلُوْھَا لُجَّۃً فَاتَّخَذُوْا
صَالِحَ الْاَعْمَالِ فِیْھَا سُفُنَا

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کے ایسے ذہین بندے بھی ہیں جنھوں نے دنیا کی مشقتوں سے ڈر کر دنیا کو طلاق دے ڈالی اور دنیا کے بھنور میں اُترے بھی تو اعمالِ صالحہ کی کشتی میں بیٹھ کر ہی اُترے''۔

سیّدنا شیخ عبدالقادر الجیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

سالک کو چاہیے کہ وہ اپنی نظر امورِ دنیا کے انجام پر رکھے، دنیا کی زوال پذیری پر غور و فکر کرے اور احوالِ دنیا کی ظاہری زیب و زینت و حلاوت کے فریب میں نہ آئے۔ اہلِ تصوف کا کہنا ہے کہ احوال کی طرف جانے والی راہیں اُن کے ماحول کے مطابق بنتی چلی جاتی ہیں۔ فرمانِ حق تعالیٰ ہے:۔ ''اللہ تعالیٰ کے خفیہ منصوبوں سے صرف وہ لوگ نہیں ڈرتے جو خسارے میں ہیں''۔ ﴿قَالَ فِیْ حَدِیْثِ الْقُدْسِیِّ یَامُحَمَّدُ بَشِّرِ الْمُذْنِبِیْنَ بِاَنِّیْ غَفُوْرٌ وَّاَنْذِرِ الصِّدِّیْقِیْنَ بِاَنِّیْ غَیُوْرٌ﴾ حدیثِ قدسی میں فرمانِ حق تعالیٰ ہے:۔ ''اے محمد! گنہگاروں کو بشارت دیجئے کہ مَیں غفور ہوں اور صدیقوں کو ڈرائیے کہ مَیں غیور ہوں''۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ ''اولیا اللہ خوفِ الٰہی کے باعث مقامِ علیین تک پہنچ جاتے ہیں''۔ خوف کا اُمید پر غالب آنا ہی بہتر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بشریت کی بنا پر دھوکا کھا جائے اور کسی ایسی وجہ سے اُس کا راستہ منقطع ہو جائے۔ جب تک اُس کی صحت اچھی رہے خوف کو اُمید پر غالب رکھے اور جب بیمار ہو جائے تو اُمید کو خوف پر غالب رکھے۔ ﴿قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَوْوُزِنَ خَوْفُ الْمُؤْمِنِ وَرِجَآئُہٗ یَسْتَوِیَان﴾ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:۔ ''اگر مومن کے خوف اور اُس کی اُمید کو تولا جائے تو وزن میں برابر نکلیں گے لیکن بوقتِ نزع اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اُس کی اُمید خوف پر غالب آ جاتی ہے''۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مزید فرمان ہے:۔ ''تم میں سے جب کوئی مرے تو اِس حالت میں مرے کہ اُس کا گمان اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا ہو اور وہ اُس کی آیاتِ رحمت مثلاً: ﴿بِقَوْلِہٖ تَعَالٰی وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ وَّبِقَوْلِہٖ تَعَالٰی رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ﴾ ''اور میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے'' اور ''میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔'' اور ''بے شک اللہ تمام مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔'' ''میں غور و فکر کر رہا ہو''۔ پس سالک پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے فرار ہو کر اُس کے لطف و کرم کی طرف لپکے اور فرار پر فرار اختیار کر کے نہایت ہی عجز و انکساری کے ساتھ عرض و التماس کرتے ہوئے، عذر و معذوری کا اظہار کرتے ہوئے اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے اُس کے درِ رحمت پر سر رکھ دے۔ (سر الاسرار:۲۱۵)

یاد رکھیں اولیائے کاملین جب دُنیا میں ہوتے ہیں تو اپنی نگاہِ ولایت اور نگاہِ فراست اور اپنی تبلیغ کے ذریعے لوگوں کے دلوں کی کھیتی کو سرسبز و شاداب فرماتے ہیں اور بعد میں آنے والوں کے لیے تحریر و تصنیف کی صورت میں اُن کی ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت فرماتے ہیں تاکہ اُن کی تحریر اور اُن کی تصانیف کا مطالعہ کر کے آنے والی نسلیں اپنی زندگی کے مقصد کو کامل طور پر حاصل کر سکیں اسی طرح حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر الجیلانی رضی اللہ عنہ نے اپنی ظاہری زندگی میں لوگوں کو راہِ ہدایت پر گامزن کر کے اُن کو اُن کے اصل مقصد تک پہنچایا جیسا کہ سلطان العارفین حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب

شمس العارفین میں فرماتے ہیں۔

''الغرض! عارف باللہ، مظہرِ متبرکاتِ قدرتِ سبحانی، محبوب ربانی، پیر دستگیر حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی قدس سرّہٗ دورانِ حیات ہر روز پانچ ہزار مریدوں اور طالبوں کو اس شان سے بامراد فرماتے رہے کہ تین ہزار کو مشاہدہ نور وحدانیت اور معرفت ''اِلَّا اللّٰہُ'' میں غرق کر کے ''اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَھُوَ اللّٰہُ'' کے مرتبے پر پہنچاتے رہے اور دو ہزار کو مجلس محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حضوری سے مشرف فرماتے رہے۔ توجہ باطنی سے حضوری کا یہ سلک سلوک اور حاضراتِ اسم اللہ ذات و حاضراتِ کلمہ طیبات سے حاصل ہونے والے ذوق شوق اور سخاوت و تصور و تصرف کامل کا یہ سلسلہ طریقہ قادریہ میں ایک سے دوسرے تک منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے اور قیامت تک منتقل ہوتا چلا جائے گا کہ یہ طریقہ آفتاب کی طرح روشن ہے جس نے اپنے نورانی فیض سے ہر دو جہان کو روشن کر رکھا ہے۔''

المیہ یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ ہم اولیائے کاملین کی کتب کا مطالعہ کر کے رہنمائی حاصل کرتے لیکن ہم نے نہ صرف کتب سے اعراض کیا بلکہ ان کو سرے سے گنوا دیا اور ہماری وہ میراث غیروں کی لائبریریوں کی زینت بنی ہوئی ہے بقول اقبال

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

اُسی میراث کو پھر سے حاصل کرنے کیلئے دربارِ پُر انوار سلطان العارفین حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاحی جماعت کا قیام عمل میں لایا گیا کہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں اولیاءِ کاملین کی تعلیمات کو عوام الناس تک پہنچایا جائے۔ اور آج میرے مرشد کریم حضرت سلطان محمد علی صاحب مدظلہ العالی نے اس عالمگیر مشن کی تکمیل کیلئے اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین اور ماہنامہ مرآۃ العارفین کی صورت میں قریہ قریہ بستی بستی، نگر نگر (Door to Door) یہ علم بلند فرمایا ہے کہ مردہ دلوں کو زندگی، خفتہ ارواح کی بیداری، خزاں رسیدہ تنوں کی آبیاری، تزکیہ نفس، تصفیۂ قلب اور تجلیہ روح کی آشکاری کیلئے اولیائے کاملین کی تعلیمات کو عملی جامہ پہنا کر کھوئے ہوئے گوہر نایاب کو پھر سے حاصل کریں۔

صاحبزادہ میاں مُحمّد ضیأ الدّین

رُوحانیت، علومِ باطن، راہِ طریقت، راہِ معرفت اور تصوف یہ سب ایک ہی مضمون کے مختلف عُنوانات ہیں اِنہی عنوانات کی شہہ سُرخیوں میں خزائنِ الٰہی کے بحرِ بیکراں تک پہنچنے کے راستوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور جہاں اُن راستوں میں آنے والی مشکلات، خطرات، رہزنوں، بلاؤں اور راہ ہائے پُر خار کا ذکر ہے وہیں منزلِ مقصود پر پہنچ جانے کے بعد وصل کے نخلستانوں میں قربِ محبوب کی بہاروں میں آغوشِ محبت کے چمن زاروں میں رُخِ یار کے جمال سے ناز کی کِھلتی کلیوں پہ حُسن کی ٹپکتی شبنم اور سُخن ہائے راز و نیاز کی چلتی بادِ نسیم کے جھونکوں سے اُٹھنے والی عشق کی معطّر و مطہّر خُوشبو اور اِس سارے ماحول و موسم میں ملنے والی لذّتِ دیدارِ یار کا ذکر بھی ہے۔

دُنیا میں بے شمار اقسام کے عُلُوم ہیں ہر علم کی اپنی خاصیّت اور تاثیر ہے کسی بھی علم کے خواص کو جاننے کیلئے اُس پر گہرا مطالعہ اور وسیع تجربہ رکھنے والا ''ایکسپرٹ'' ہی صحیح سمت میں رہنمائی کر سکتا ہے۔ تصوُّف بھی ایک وسیع و عریض علم ہے جس کے خواص اور تاثیر سے آشنائی کوئی رہبرِ کامل ہی کر سکتا ہے اِس لئے سُلطان العارفین سلطان الفقر حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ روحانی تجربات اور وُسعتِ علم سے اِستفادہ کرتے ہیں۔ آپ نے اپنی تصانیفِ فارسی میں رموزِ تصوف اور ''اسرارِ دلبراں'' کو بڑے دلآویز اور دلنشین پیرائے میں بیان کیا ہے۔ تصوف کے خواص اور انفرادیت پر آپ فرماتے ہیں:

> ''علم تین قسم کا ہے اور تین طریق کا ہے ایک اعرابی شعرأ کا علم، دوسرا علماء کا علم اور تیسرا تصوّف فقرأ و اولیاء کا معرفتِ توحید کا علم۔ شعرأ کا علم بلاغت و فصاحت اور دانش و شعور کا علم ہے اور فقرائے اہلِ تصوف عارف اولیائے اللہ کا علم قرب اللہ حی قیوم کی حضوری کا علم ہے۔ جہاں علم حضور ہے وہاں سے رسمی رواجی علم علوم، مطالعہ، کتب، رقم مرقوم اور شعر و شعور کا علم بے خبر بہت دور ہے''۔ (عقل بیدار)

> ''تصوف توفیقِ حضور سے حروف و صورت پر مشتمل اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ اعلام و کلام ہے''۔ (نور الہدیٰ)

تصوف کی تاثیر کو بیان فرماتے ہوئے حضرت سلطان باھُو فرماتے ہیں:

> ''تصوف دل سے ماسویٰ اللہ کا زنگ اُتارنے کی راہ ہے جس میں تصورِ ربانی سے حضوری کا شرفِ لطیف، رُوحانیتِ قبور کا تصرف، توجہ قرب اللہ کی توفیق تفکر فنا فی اللہ کی تحقیق اور جامع الجمعیت رفاقتِ حق پائی جاتی ہے''۔ (عقل بیدار)

راہِ تصوف جہاں مشکلات اور امتحانات سے بھرپور ہے وہیں جب سالک اپنی منزلِ مراد کو پہنچ جاتا ہے تو یہی راستہ اختیارات اور تصرفات کی عطاً گاہ بن جاتا ہے۔ بقول حضرت سُلطان باھُو:

''اہلِ تصوف عارف باللہ عالم کی زبان اللہ کی تلوار ہوتی ہے''۔ (محک الفقر)

''اگر روئے زمین کے تمام زاہدوں کو جمع کر لیا جائے تو وہ عاشق عارف باللہ کی نیم نظر ہی سے راکھ ہو کر نیست و نابود ہو جائیں''۔ (محک الفقر)

''بھلا زاہد میں کہاں مجال کہ وہ عاشق عارف باللہ کے سامنے دم مارے کہ عارف باللہ صاحبِ تصوف ہوتا ہے اور تصوف ہر علم پر غالب ہے''۔ (محک الفقر)

تصوف کی تشریح کیلئے صُوفیأ نے ہزار ہا دفاتر رقم کئے ہیں آج کے جدید جامعات میں جستجوئے تصوف میں روز بروز اضافہ اور شدّت آتی جارہی ہے مگر مغزِ تصوف کو آسان ترین الفاظ اور مختصر ترین بیان میں لانا کسی کے بس میں نہیں دیکھا گیا لیکن حضرت سُلطان باھُو نے بڑی خُوبی سے اِس ذمّہ داری کو نبھایا ہے آپ فرماتے ہیں۔

''تصوف کے کیا معنی ہیں؟ تصوف دل کی کامل صفائی معرفت الٰہی اور استغراق توحید ربانی کا نام ہے''۔ (محک الفقر)

''تصوف کے کیا معنی ہیں؟ تصوف کے معنی ہیں توحید۔ توحید کے کیا معنی ہیں؟ اللہ ہی اللہ''۔ (محک الفقر)

تصوف ایسا علم ہے جس کی وُسعت کا اندازہ لگانا عقلِ جُزی یا عقلِ ناقص کے بس کی بات نہیں عقل فقط بظاہر نظر آنے والے انکشافات واظہارات کا تعیُّن کر سکتی ہے مگر جب بات ایک لامحدود ہستی کے انوار و جمال کے مُشاہدے کی ہو اور اُس مُشاہدے کا ذریعہ علمِ تصوف کو قرار دیا جائے تو یہ کہنا بے جا نہیں کہ علمِ تصوف کا احاطہ اور تعیُّن بھی عقلِ ناقص نہیں کر سکتی مگر فقر کا سُلطانِ پنجم جو نہ صرف عقلِ کامل رکھتا ہے بلکہ ناقص عقل کی کامل گری کے گُر بھی اپنی کُتبِ عالیہ میں بیان کرتا ہے۔ حضرت سُلطان باھُو نے تصوف کے بطور علم ہونے کے یوں گرہ کُشائی فرمائی:

''جان لے کہ نفس مسائل علمِ فقہ پڑھنے، علمِ عربی پڑھنے اور طاعتِ خداوندی میں ریاضتِ ظاہری کرنے سے بے حد موٹا ہوتا ہے، خَلقِ خدا میں نیک نامی و شہرت سے بہت خوش ہوتا ہے اور ہوائے خود پسندی میں مبتلا ہو کر خود کو لوگوں کی نظروں میں آراستہ و پیراستہ کیے رکھتا ہے لیکن علمِ تصوف یعنی علمِ وحدانیتِ توحید اور علمِ معرفتِ الٰہی پڑھ کر شرمندہ ہوتا ہے اور ذکرِ خفیہ میں مشغول ہو کر اپنی جان کا گوشت کھاتا ہے اور خوفِ خدا میں رورو کر اتنی آہ وزاری کرتا ہے کہ ہڈیوں سے مغز نکل آتا ہے۔ اِس پوشیدہ و بے ریا ریاضت سے خونِ جگر پیتا ہے اور لاغر ہو کر ہوا سے فارغ ہو جاتا ہے اور نیست و نابود ہو کر غرق فنا فی اللہ ہو جاتا ہے۔ یہ ہے وہ علمِ تصوف کہ جس کا پڑھنا فرضِ عین اور سنتِ انبیا علیہم السلام ہے، اِس کے پڑھنے سے مراتبِ اوْلیا تک رسائی اور مجلس محمدی ﷺ کی دائمی حضوری نصیب ہوتی ہے''۔ (کلید التوحید کلاں)

''باطن میں مجلس محمدیؐ میں داخل ہونے اور تمام انبیاء و اولیاء اللہ سے ملاقات کرنے کا نام علمِ تصوف ہے''۔ (نور الہدیٰ)

''علمِ تصوف کے چار طریقے ہیں، چار گواہ ہیں، چار مقام ہیں اور چار راستے ہیں تصوف کا پہلا خاص الخاص طریق شریعت ہے دوسرا طریقت ہے جو بال سے بھی زیادہ باریک ہے تیسرا حقیقت ہے جس سے ذاتِ حق کے مشکل و دقیق ترین نکات کی گرہ کشائی ہوتی ہے اور چوتھا معرفت ہے جس میں معرفت الٰہی کا بے پایاں و عمیق دریائے توحید موجزن ہے۔ جس کا تعلق علمِ فقہ سے ہے اور علمِ فقہ کا تعلق علمِ حیا سے ہے۔ علمِ حیا کا تعلق دل میں دَرد و داغِ محبتِ مولیٰ سے ہے۔ علمِ تصوف دیگر ہر علم سے برتر ہے۔ جو آدمی علمِ تصوف کے دائم مطالعہ میں نہیں رہتا وہ ہر وقت حرص و ہوا سے پریشان رہتا ہے علمِ تصوف علمِ رحمٰن ہے جس سے جمعیت حاصل ہوتی ہے اور علمِ دُنیا علمِ شیطان ہے جس سے پریشانی لاحق ہوتی ہے''۔ (محک الفقر)

''علمِ تصوف دراصل علمِ توحید ہے''۔ (محک الفقر)

''علمِ تصوف توحید پر نہایت قوی ایمان کو کہتے ہیں''۔ (محک الفقر)

حضرت سُلطان باھُو نے نکتہ ہائے تصوف کی تشریح علمی تدبُّر اور رُوحانی تجربے کی امتزاج سے کی ہے جس نے تصوف کی نئی جہات اور نئے

انکشافات کو علمی دلائل پر بھرپور انداز میں منطبق کیا ہے۔ آپ بعض مقامات پر اتنی گہرائی میں چلے جاتے ہیں کہ یوں احساس ہوتا ہے کہ آپ یہ لعل و صدف ساتویں سمندر کی آخری تہہ سے نکال کر لائے ہیں اور اُن لعل وصدف کی چمک اور اُس کی شُعاعوں کا انعکاس براہِ راست قلب و روح کے آئینہ پر جلوے بکھیرتا ہے۔ وہ شُعاعیں بارش کے بعد بادل کی زیرِ آسمان جا بجا پھیلی ہوئی ٹکڑیوں کے رقصاں ہونے کے منظر کو دہراتی ہیں جس سے صاحب حال کے رگ وپے میں جذب ومستی بھر جاتی ہے اور وجدان کی آخری سرحدیں عبور کرتے ہوئے بھی وہ بیک وقت وصلِ خالق اور ربطِ مخلوق دونوں کے اُمُور کو نبھاتا ہوا ''صُوفی'' ہو جاتا ہے۔ حضرت سُلطان باھُو کے نزدیک صُوفی ہے ہی وہی جو اِن دونوں تقاضوں اور اُمُور کو ایک ساتھ ادا کرتا رہے۔ اس کی وضاحت آپ لفظِ تصوف کی تشریح میں کرتے ہیں، مُلاحظہ فرمائیں:

''تصوف کے چار حروف ہیں ''ت ص و ف''۔ حرف ''ت'' سے تصرف کرتا ہے اپنی جان و مال کو اللہ کی راہ میں اور اُس کا ایصالِ ثواب کرتا ہے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رُوح مبارک کو، حرف ''ص'' سے صراطِ مستقیم پر گامزن رہتا ہے، حرف ''و'' سے وعدہ خلافی نہیں کرتا اور حرف ''ف'' سے فتح القلوب وفنائے نفس۔ جو آدمی اِن صفات سے متصف نہیں اُسے صاحبِ تصوف نہیں کہا جاسکتا''۔ (محک الفقر)

حضرت سُلطان باھُو دل کی زندگی اور بقاءٗ کا راستہ تصوف ہی کو قرار دیتے ہیں علم تصوف ہی کو انسان کو گناہوں سے بچانے کا علم قرار دیتے ہیں:

''علم تصوف اور تاثیر اسم اللہ ذات سے جس شخص کا نفس خصائلِ بد سے پاک ہو جاتا ہے اُس کا دل زندہ ہو جاتا ہے''۔ (نور الھدیٰ کلاں)

''علم تصوف کا عالم صاحبِ تقویٰ ہوتا ہے''۔ (امیر الکونین)

''جان لے کہ علم تصوف کی اس تصنیف کے کلماتِ ربانی کا مطالعہ کرنے والا بلا شک وشبہ رازِ کُن کی کنہہ تک پہنچ جائے گا''۔ (نور الھدیٰ)

اگر کسی کو تصوف کی جانب رُجوع نہیں تو حضرت سُلطان باھُو کے نزدیک اُس شخص پر شیطان اور نفس کے غالب آجانے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

''جو شخص مطالعۂ علمِ معرفت اور قرب اللہ حی وقیوم کو نظر انداز کرتا ہے وہ سیاہ دل اور شرمندہ احوال ہو کر حال وحالِ تصوف سے بے خبر رہتا ہے۔ (نور الھدیٰ)

اِسی طرح آپ تصوُّف کے حصُول کیلئے اور مراتبِ سلک سلوکِ تصوُّف کو طے کرنے کیلئے کسی کامل سے رہنمائی کو اوّلین ضرورت کے طور پر پیش کرتے ہیں جیسا کہ صحابہ کرام کو کامل رہنمائی ملی تو اُنہوں نے اصنام وتوہّمات کو توڑ کر مُعاشرہ میں عملی طور پہ نفاذِ توحید کیا گویا رہبر اور رہنماءٗ کی تلاش سُنّتِ صحابہ بھی ہے اور اِصلاحِ نفس کی ضرورت بھی۔ حضرت سُلطان باھُو کے فرامین ملاحظہ ہوں:

''ظاہر میں طریق شریعت کے دو گواہ ہیں ایک دیکھنا اور دوسرا سننا۔ باطن کے بھی دو گواہ ہیں ایک علمِ تصوف کا مطالعہ کرنا یعنی ایک دوسرے سے مسائل تصوف سننا اور دوسرے باعیان مشاہدہ کرنا۔ اس کے لئے مرشد کامل کی رفاقت کی ضرورت ہے''۔ (نور الھدیٰ)

''حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ تم اہلِ تصوف اور اہلِ کرامت درویشوں کے سامنے نخوت وغرور کا مظاہرہ نہ کیا کرو کہ یہ لوگ اخلاقِ انبیاء کے مالک ہوتے ہیں اور اُن کا لباس تقویٰ ہوتا ہے''۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہلِ تصوف کی دعا کے مشتاق رہو کیونکہ یہ بھوک اور پیاس کی حالت میں صابر ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کی خاص نظر ان پر ہوتی ہے جس کی وجہ سے اُن کی دعا قبول ہوتی ہے''۔ (کلید التوحید کلاں)

''علم تصوف اسم اللہ سے حاصل ہوتا ہے جس کے حرف (''ا'' یعنی الف) سے ہی ہزار ہا علوم منکشف ہوتے ہیں یہی وہ علم ہے جس کا اشارہ اس آیت کریمہ میں ہے ''اور آدم علیہ السلام کو تمام اسماء کا علم عطا کیا گیا'' کشف کی صحیح حقیقت علمِ تصوف سے معلوم ہوتی ہے جو آدمی علمِ تصوف نہیں پڑھتا وہ خراب ہوتا ہے اسم اللہ ذات کوئی مُرشدِ کامل ہی عطا کرتا ہے کہ یہ ناقص وخام لوگوں کے بس کی بات نہیں''۔ (محک الفقر)

☆☆☆

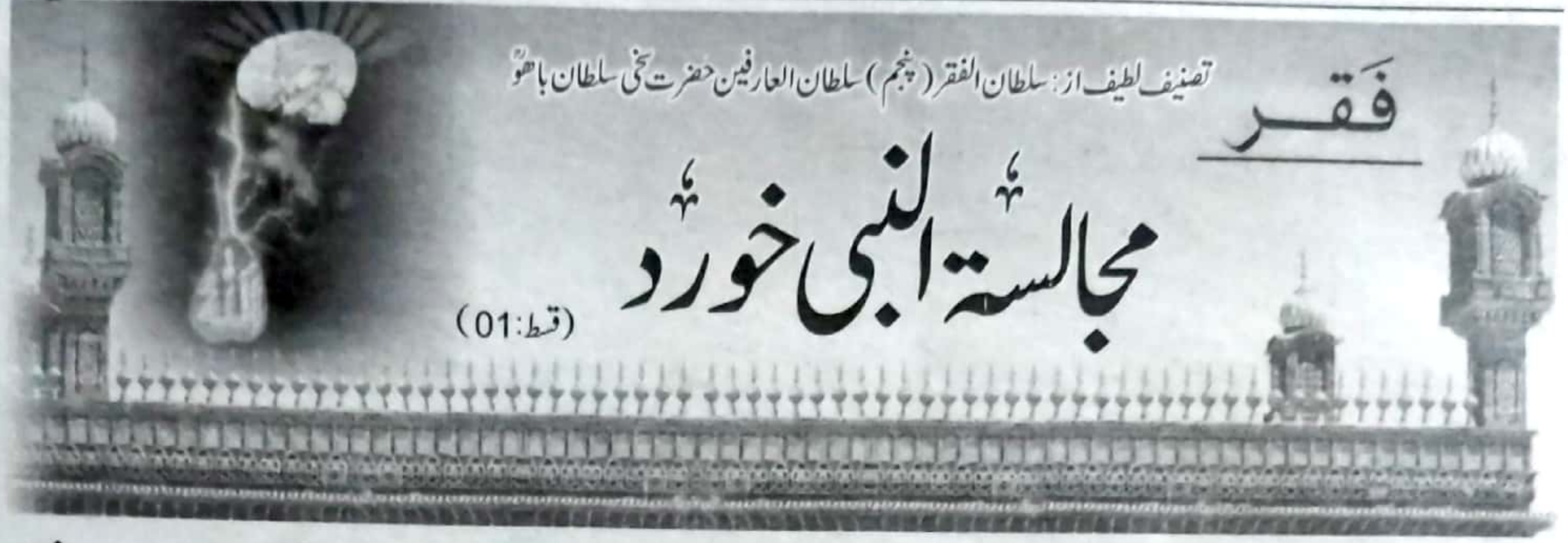

اَللّٰہُ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ اُس کے نور کی مثال اِس طرح ہے کہ اُس نور سے کل مخلوقات نے ظہور پایا اور یہی نور کل مخلوقات کا راز بنا اور نص وحدیث و آیاتِ مبارکہ کے مطابق جنوں، انسانوں، درندوں اور پرندوں کا ایسا رازق و خالق مطلق بنا کہ ہر ایک کو وعدہ کے مطابق رزق پہنچاتا ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:- '' زمین میں کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو''۔

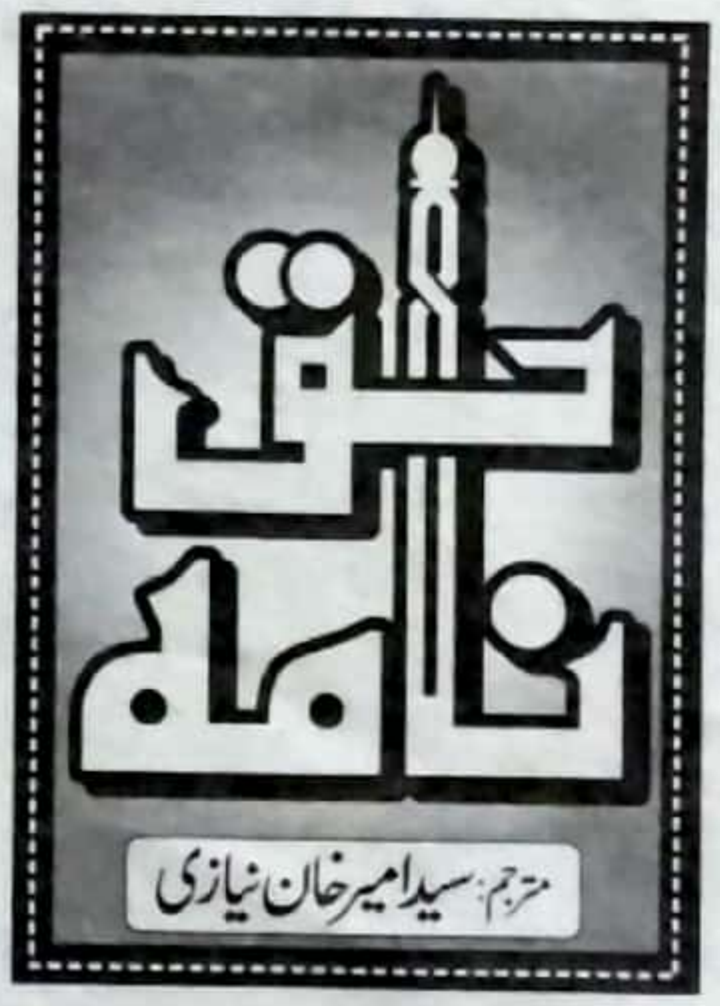

ہزارں ہزار بے شمار اور بے حد و حساب درود ہوں سیّد السّادات رسولِ ربّ العالمین خاتم النبیّین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کہ جن کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:- ''اللہ وہ ہے جس نے اپنا رسول ہدایت و دینِ حق کے ساتھ بھیجا''۔

اِس کے بعد مصنّف باھو ولد بازید رحمۃ اللہ علیہ عرف اعوان ساکن قلعۂ شور نص و حدیث اور آیاتِ تسبیح کے مطابق اسم اللہ ذات کا صحیح ذکر کرنے والے صاحبِ سلک سلوک کو تصورِ اسم اللہ ذات کی حاضرات سے آیاتِ مبارکہ کی جو مؤثر تفسیر حاصل ہوتی ہے اور معرفتِ الٰہی کا مشاہدہ، نورِ الٰہی کا لازوال وصال اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس کی حضوری کا جو شرف حاصل ہوتا ہے اُس کے متعلق چند کلمات بیان کرتا ہے۔ اللہ کے حکم اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اجازت سے اِس کتاب کا نام مجالسۃ النبی رکھا اور اِسے یہی خطاب دیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:- '' فقراً کی زبان رحمٰن کی تلوار ہے''۔ مراتبِ ''سَیْفُ الرَّحْمٰنِ '' کے لائق وہ شخص ہوتا ہے جو ہمیشہ نص وحدیث وعلمِ فقہ وتفسیر کے مطالعہ میں محو رہتا ہے اور دائم تلاوتِ قرآن کرتا ہے۔

جان لے کہ جو شخص اِس کتاب کی مکمل سیر کرے گا [2] اُس پر معرفتِ اسرارِ الٰہی کا کبھی نہ ختم ہونے والا کامل مشاہدہ کھل جائے گا بلکہ جو شخص اِس کتاب کو ہمیشہ اپنے مطالعہ میں رکھے گا اور دن رات اِسے پڑھتا رہے گا اُسے ظاہری مرشد کی حاجت نہیں رہے گی کیونکہ اِس تصنیف کے مطالعہ کی تاثیر سے مطالعہ کرنے والا صاحبِ تاثیر اور روشن ضمیر ہو جائے گا اور باطن میں وہ بلاشک وشبہ نظرِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں منظور ہو جائے گا اور پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ مبارک پر دست بیعت کر کے اُن کی بارگاہ سے تعلیم وتلقین حاصل کر لے گا جس سے اُس پر اسرارِ غیب کھل جائیں گے اور تمام طبقات کے حالات منکشف ہو کر اُس پر اتنے واضح ہو جائیں گے کہ کوئی پردہ باقی نہیں رہے گا[3]۔ اِس کتاب میں جو کچھ درج ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو قدرتِ الٰہی سے علمِ لدنی ہے اور پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے الہام ہے اور حضورِ حق سے نورِ معرفتِ اِلَّا اللّٰہُ کا مغفور کلام ہے جسے بذریعہ الہام سنا گیا ہے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ سے پیغام ہے جسے لکھ لیا گیا ہے۔ اِس کتاب کے پڑھنے سے علمِ عیانی حاصل ہوتا ہے اور اِس کتاب کے مطالعہ سے فضلِ رحمانی اور علمِ فیض حاصل ہوتا ہے بلکہ یہ کتاب فنائے نفس کا فتویٰ ہے جس کے مطالعہ سے معرفتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے جس کے فیض سے روح فرحت پاتی ہے، سانس ذکر اللہ میں لگتی ہے اور دل زندہ ہو کر ہمیشہ اسم اللہ ذات کا ذکر کرتا رہتا ہے۔ پس

صاحبِ مطالعہ میں نہ تو ہوا رہتی ہے اور نہ ہی ہوس- یہ کتاب طالبانِ حق کی امداد و ہدایت اور تعلیم و تلقین کے لئے نص و حدیث و قرآن مجید کے مطابق لکھی گئی ہے، یہ قلوب کو کھولنے والا کلام ہے، اس میں ظل اللہ کو جمعیت بخشنے کے تمام حال احوال پائے جاتے ہیں کیونکہ ظل اللہ خلق خدا کے لئے باعثِ خیر و برکت ہوتا ہے کہ وہ طالب اللہ ہوتا ہے -انہی وجوہات کی بنا پر مجلس محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دائمی حضوری اور معبودِ برحق کی معرفت کی ابتدا و انتہا کو پالینا ہی اس کتاب کی تحریر کا جاودانی مقصود ہے-

بیت :-" معرفت خدائی بھیدوں میں سے ایک بھید ہے جو عارفوں کو محمد مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ سے حاصل ہوتا ہے-"

جان لے کہ عارف باللہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتے- عارف باللہ جب بیدار ہوتے ہیں تو طاعت و بندگی میں ہوشیار ہوتے ہیں اور جب حالتِ خواب میں ہوتے ہیں تو مشاہدۂ حق میں غرق ہو کر باادب رہتے ہیں- یہ مرتبہ شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دولت و برکت سے حاصل ہوتا ہے جس سے انسان ظاہر و باطن میں منصف مزاج، حق شناس اور عادل بن کر خلق خدا میں امین ہوتا ہے اور اپنی جان و مال راہِ خدا میں دین محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر خرچ کرتا ہے-

ابیات :-(1)"دن رات مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حضوری کی طلب کر (لیکن یاد رکھ) اس خاص نور تک مرد مرشد ہی پہنچاتا ہے-" (2)"جو کوئی اس خاص راہ کا انکار کرتا ہے وہ کافر ہو کر روسیاہ ہو جاتا ہے-"(3)" مرشدِ کامل صاحبِ قلب ہوتا ہے جبکہ مرشدِ ناقص مثل کلب (کتے کی مثل) ہوتا ہے-"(4)" مرشدِ کامل دل خروشی کی وجہ سے کامل ہوتا ہے اور مرشدِ ناقص خود فروشی کی وجہ سے ناقص ہوتا ہے-"(5) "باھو ہر وقت فنائے نفس کے دَرپے رہتا ہے اور ذکر و فکر کے ذریعے غرق فنافی اللہ ہو کر امن میں رہتا ہے-"

(جاری ہے)

ABYAT-E-BAHOO

ابیاتِ باھو

ب: بے تے پڑھ کے فاضل ہوئے ہِک حرف نہ پڑھیا کسّے ھو

جیں پڑھیا تیں شوہ نہ لدھا جاں پڑھیا کجھ تسّے ھو

چوداں طبق کرن رُشنائی انّھیاں نوں کجھ نہ دِسّے ھو

باجھ وصال اللہ دے باھو سبھ کہانیاں قصّے ھو

TRANSLATION

With alphabetic study, many scholars never learned single word of reality, Hoo
With such study, one not obtained reality is as never learned exactly, Hoo
Fourteen realms are illuminated but blinds could not view, Hoo
Without unity (wisal) in Allah 'Bahoo' rest are tales and stories dew Hoo

ROMAN

Bay tay parh ke fazil hoey hik harf na parhiya kissay Hoo
JaiN parhiya taiN shoh na ladha jaaN parhiya kujh tassay Hoo
ChodaaN tabaq karin rushnaie anhiyaaN kujh na dissay Hoo
Bahjh wisal ALLAH day 'Bahoo' sabh kahaniyaaN qissay Hoo

Translated by; M. A. Khan

کلیاتِ عارفانہ کلام از سید محمد بہادر علی شاہؒ پر ایک طائرانہ نظر

ڈاکٹر محمد ریاض شاہد
صدر، شعبہ پنجابی۔ جی سی یونیورسٹی۔ فیصل آباد

سید محمد بہادر علی شاہؒ کاظمی کا سلسلہ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد حضرت امام موسیٰ کاظمی سے جا ملتا ہے۔ سید عبداللطیف شاہؒ المعروف امام بری سرکار بھی آپ سید محمد بہادر علی شاہؒ کے آباؤ اجداد میں سے ہیں۔ آپ کے اکابرین شورکوٹ کے شمال مغرب میں ایک گاؤں حسووالی میں آکر رہائش پذیر ہوگئے۔ اسی مقام پر سید بہادر علی شاہؒ کی ولادت ہوئی۔

حضرت سلطان باھُوؒ کی دھرتی میں تشریف فرما ہونے کی بنا پر آپ کو رُوحانی منازل کی تکمیل کے لیے ایک بہتر ماحول ملا۔ آپ اکثر اوقات دربار حضرت سلطان باھُوؒ اور دیگر بزرگانِ دین کی قبروں پر حاضری دیتے رہے۔

سلطان العارفین حضرت سلطان باھُوؒ کے مزار کی حاضری کے دوران ہی آپ پر انوار و تجلیات کی بارش ہوتی رہی۔

مذہبی حصولِ تعلیم کے لیے سلطان سید محمد بہادر علی شاہؒ، سید محمد عبیداللہ شاہؒ کے پاس ملتان شہر چلے گئے۔ آپ چونکہ پہلے ہی رُوحانی منازل طے کر چکے تھے چنانچہ سید محمد عبیداللہ شاہؒ نے آپ کو دربار عالیہ حضرت سلطان باھُوؒ پر مزید قیام کی تجویز دے دی اس طرح بہادر علی شاہؒ طویل عرصہ تک دربار پر ہی مُقیم رہے۔

ایک رُوحانی اشارہ پانے کے بعد آپ ظاہری بیعت کے لیے عبدالغفور شاہؒ (قریشی) مڈھ شریف نزد شورکوٹ کے پاس تشریف لے گئے، وہاں پر آپ کو بیعت تو کر لیا مگر شاہ صاحب کے حکم سے آپ کو دوبارہ دربار حضرت سلطان باھُو کی خدمت کے لیے واپس بھیج دیا۔

سلطان الاولیاء حضرت سلطان سید محمد بہادر علی شاہؒ ایک صاحبِ کامل بزرگ ہیں جنہوں نے فقر و تصوف کی وادیوں میں نہ صرف قدم رکھا، بلکہ ہزاروں بندگانِ خدا کی رُوحانی تربیت کا فریضہ بھی سرانجام دیا۔ آپ اخلاقی رواداری اور پیکرِ حق و صداقت تھے۔ اس حوالے سے آپ ہر قدم پر لوگوں کو سچائی اور پاکیزگی کا درس دیتے۔ درس و تدریس اور پند و نصائح کے حوالے سے آپ کے اقوال اور رُوحانی کلام پڑھنے سے آپ کی فیوض و برکات سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

آپ سلطان بہادر علی شاہؒ کا یہ مجموعہ کلام پہلی بار ۲۰۰۱ء میں ''مفتاح اللقاء'' کے نام سے شائع ہوا۔ اس کی اشاعت مرأۃ العارفین کے تعاون سے صوفی اللہ دتہ سروری قادری نے مرتب کی۔ اسی کلام کی دوسری اشاعت ۲۰۰۲ء میں العارفین پبلی کیشنز لاہور کے زیرِ اہتمام چھپ کر سامنے آئی۔

آپ کے ایک عقیدت مند جناب اے ایم شاکر آپ کے کلام پر اظہار رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''سید سلطان محمد بہادر علی شاہؒ کا کلام تصورِ اسم اللہ ذات کے بعد پڑھنے سے راہِ حق تعالیٰ سے طالبان کو آشنا کرتا ہے۔ آپ کا کلام سالکانِ راہِ حق کے لیے مینارِ نور ہے۔ آپ کی شاعری تخیل اور تصور کی بجائے حقیقتِ حق کے بھیدوں پر مشتمل ہے اور یہ ایک ایسی کسوٹی اور پارس بھی ہے جو اگر طالب ناقص پر اثر کر جائے تو اُسے خالص بنا دیتی ہے۔'' (۱)

سید محمد بہادر علی شاہؒ کا کلام مدح و مناقب پر مشتمل ہے۔ اِس کلام میں پیرانِ پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت سلطان باھُوؒ، مرشد کامل حضرت سید محمد عبداللہ شاہؒ اور سلطان محمد عبدالغفور شاہؒ کی شان میں عقیدت و محبت کے پھول نچھاور کیے گئے ہیں۔

پنجابی زبان میں مناقب کا بہت سا ذخیرہ موجود ہے۔ اکثر شعراء اپنے کلام کا آغاز حمد و نعت، سلام، بحضور حضرت امام حسینؓ اور پھر اپنے مرشد کی مدح سے کرتے ہیں۔ اُس کے بعد اصل داستان یا شاعری کا آغاز ہوتا ہے۔

منقبت پنجابی شاعری کی ایک ہر دلعزیز صنف ہے جس میں ہمارے شعراء نے بہت سا ادب تخلیق کیا ہے۔

ڈاکٹر احمد حسین قریشی منقبت کی ذیل میں لکھتے ہیں:

''جس نظم میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم یا اولیائے عظام کی تعریف کی گئی ہو۔'' (۲)

منقبت کے لیے کوئی خاصی ہیت بحر یا صنف کی پابندی نہیں کی جاتی۔ یہ شاعر کا اپنا مزاج ہے کہ وہ کس صنف اور کس انداز میں اپنے ممدوح کی تعریف کے لیے الفاظ کا چناؤ کرتا ہے اور کس خوبصورتی سے اسے گلدستہ کی شکل دیتا ہے۔

پنجابی زبان میں مدح لکھنے والے شعراء میں سلطان باھُو، سید بلھے شاہؒ، وارث شاہؒ، ہاشم شاہؒ، میاں محمد بخش، مقش خواہش علی، خواجہ سلیمان جھنگ اور صوفی عبدالرحمان جھنگ نے اپنے اپنے انداز میں خوب صورت شاعری کی ہے۔

مناقب کی اوّلین مثالیں حضرت سلطان باھُوؒ کے کلام میں ہی دیکھی گئی ہیں۔ حضرت سلطان باھُوؒ نے اپنے ابیات میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے دلی محبت و لگن کا اظہار کئی ایک مقام پر کیا ہے۔ جیسے:

طالب غوث الاعظم والے کدے نہ ہوون ماندے ھُو
جیں دے اندر عشق دی رتی رہن سدا کر لاندے ھُو
جیہنوں شوق مِلن دا ہووے لے خوشیاں نت آندے ھُو
دوہیں جہان نصیب تنھاں نوں جو ذاتی اسم کماندے ھُو
(۳)

سید بہادر علی شاہؒ ''کلیاتِ عارفانہ کلام'' میں پیرانِ پیر غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی شان میں لکھتے ہیں:

بنام اللہ سنو فریاد یا محبوب سبحانی
کرو ہر دم مہربانی محی الدین جیلانیؒ
توں ہیں مشہور و معروفی
دیہو مقصود موقوفی
کھلن احوال مکشوفی
وکھایو رمز نورانی
بنام اللہ سنو فریاد یا محبوب سبحانیؒ
(۴)

سید محمد بہادر علی شاہؒ غوث پاک کی شان میں اپنی اس طویل نظم میں آگے جا کر لکھتے ہیں:

تیرا شان ہے عالی
در آیاں دی لج پالی
تیرا سائل نہیں خالی
دے اسم اعظم توں قرآنی
بنام اللہ سنو فریاد یا محبوب سبحانی
(۵)

سید بہادر علی شاہؒ اپنے تمام دکھوں اور تکلیفوں کے مداوے کے لیے پیرانِ پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؓ کی بارگاہ میں عرض گزار ہیں:

کرو ہر وقت دلداری
دیو امداد تے یاری
رہاں منظور عمر ساری
نہ ہووے کجھ پریشانی
بنام اللہ سنو فریاد یا محبوب سبحانیؓ
(۶)

اِس کتاب میں دوسری منقبت حضرت سلطان باھُو کی شان میں لکھی گئی ہے۔ جیسا کہ پہلے بات ہو چکی ہے کہ سید بہادر علی شاہؒ صاحب کو حضرت سلطان العارفین حضرت سلطان باھُوؒ سے انتہائی گہری عقیدت تھی اور سلطان باھُو سرکار کا آپ پر خاص رُوحانی فیض تھا۔ اِس منقبت میں سید بہادر علی شاہؒ لکھتے ہیں:

باجھ تُساڈے مینوں سوہنیا ہرگز آس نہ کائی
خود دانا تے بینا ہوؔ ہے ایہہ تقلید نہ کائی
وانگ زلیخا ذوق تیرے وچ عمر تمام گنائی
عرض گزار ہویم اس ویلے جان لباں تے آئی
شالا آسی ترس تسانوں ہوسی فضل خدائی
استدعاء منظور ہو ویسی مسکین غریب گدا دی
سُن فریاد نمانے دی یا اکمل مرشد ہادی
(۷)

سید بہادر علی شاہؒ اپنی اس منقبت میں حضرت سلطان باھُو سے والہانہ عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

طوق غلامی دا گل تیرا روز ازل دا پایا
نام تیرے دا فخر کریندیاں گزر زمانہ آیا
فیض تے کرم حضور انور دا صدہا بار آزمایا
آخر وقت وفا فرماؤ جو وعدہ فرمایا
سید بہادر شاہؒ تے کریو مدِ نظر دا سایہ
خلعت خاص عطا ہووے ہر ویلے غور لقاء دی
سُن فریاد نمانے دی یا اکمل مرشد ہادی
(۸)

سید بہادر علی شاہؒ نے حضرت سلطان باھُوؒ کی شان میں ایک مکمل سی حرفی بھی لکھی ہے۔ اس سی حرفی میں انہوں نے حضرت سلطان باھُو کے رُوحانی

مقام اور اُن کے کردار و افعال پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ مناقب میں شاعر ہمیشہ اپنے مرشد کے قدموں میں رہنا پسند کرتا ہے اور اُس کے آستانے پر حاضری دینے کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دے لیتا ہے۔ سید بہادر علی شاہؒ سلطان باہو کے آستانے پر اکثر و بیشتر حاضری دیتے رہتے۔ جیسے:

آستان سلطان ہے باب امان یا مطلق ہے کوہ طور پیارے
آکھ رب ارنی سُن سوف ترانی یا صفت جمال اے نور پیارے
ہوا و ہوس ہے ڈھوڑ بھائی، جاروب ولا ضرور پیارے
طلسم دا قسم بہادر شاہؒ تاں نور دیکھیں مستور پیارے
(۹)

سید محمد بہادر علی شاہؒ اُن لوگوں کو بڑا خوش قسمت قرار دیتے ہیں جو حضرت سلطان باھُوؒ کے آستانے پر حاضر ہو کر فیوض و برکات کے طلب گار ہوتے ہیں۔ اِس سلسلے میں آپ لکھتے ہیں:

کرم ہویا اللہ پاک دا جی جیہوں نصیب در سلطانؒ ہویا
ایہہ دوا امراضاں ساریاں دا اتے خاص طبیب رُوحان ہویا
فیض فضل بقاء باللہ دا حق باہوؒ حبیب رحمان ہویا
بہادر شاہؒ مشاہدہ انوار اللہ ہے حق باہو ایہہ عجیب عرفان ہویا
(۱۰)

کلیاتِ عارفانہ کلام میں سید محمد بہادر علی شاہؒ نے حضرت سخی سلطان سید محمد عبداللہ شاہؒ کی شان میں بھی مدح سرائی کی ہے۔

حمد الٰہی ہر دم ہووے شامل جاودانی
لا محدود درود نبیؐ نوں ہر ویلے وِرد زبانی
آل اصحاب رسول اللہ تے ہے رحمت رحمانی
حضرت پیر پیارا رب دا مظہر فیض ربانی
روشن سارا عالم نوروں شمس صحیح فیضانی
سلطان الفقر فیاض دو عالم ہو محبوب سبحانیؒ
علم جمال اعلیٰ فرمایوس فیض باھو سلطانیؒ
تریاق مزار حضور انور دا زہر ونجے نفسانی
حمد الٰہی ہووے ہر دم شامل جاودانی
سلطان سخی عبداللہ شاہؒ دی واہ واہ فیض رسانی
(۱۱)

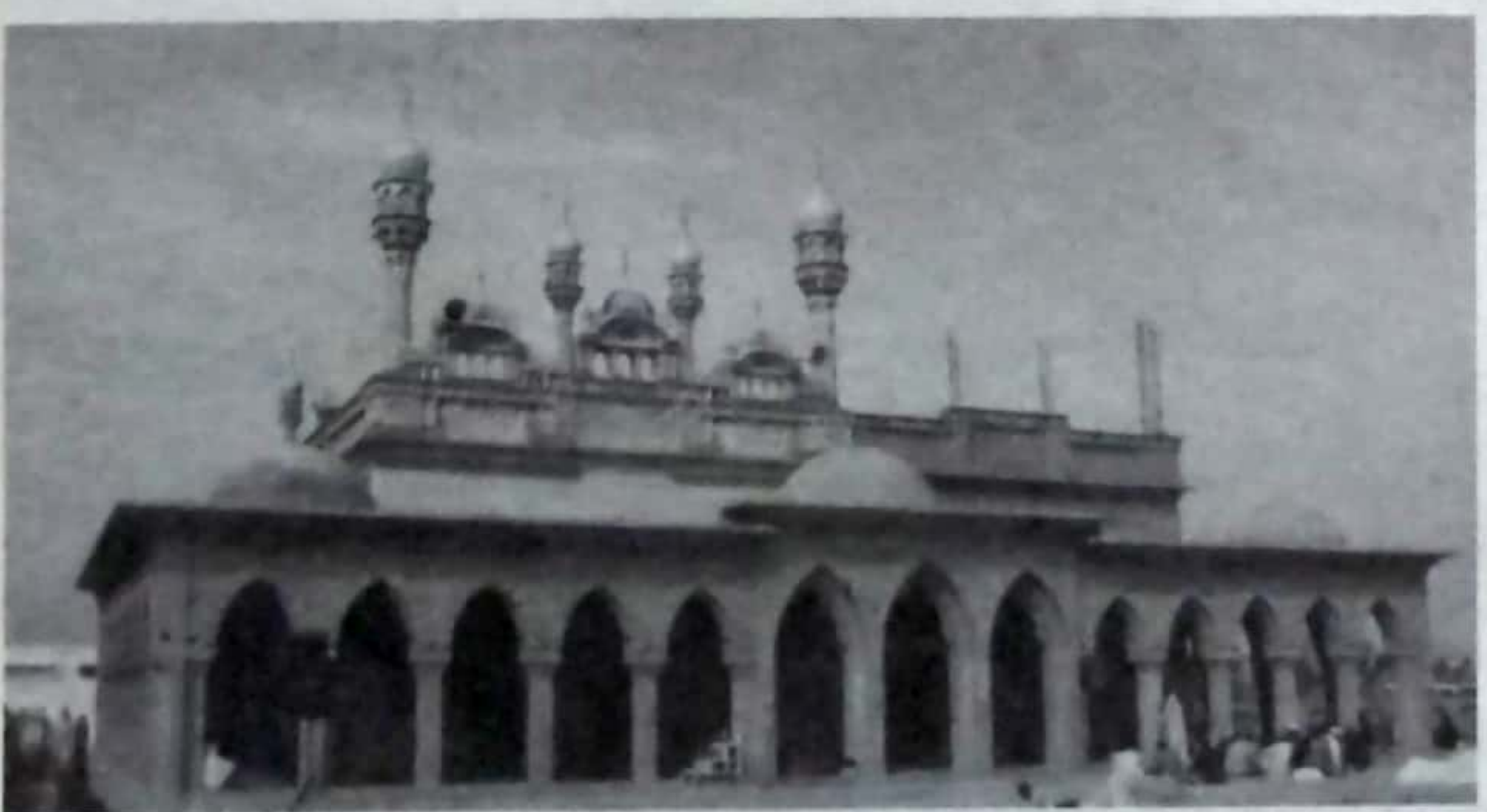

حضرت سلطان سخی عبداللہ شاہؒ نے اپنے رُوحانی فیض سے بہت سے لوگوں کی زندگی میں انقلاب برپا کیا۔ اللہ کے ولی دل سے جو بات نکالتے ہیں وہ پوری ہو کے رہتی ہے۔ اِس والہانہ محبت کا اقرار کرتے ہوئے سید محمد بہادر شاہؒ، حضرت سخی سلطان عبداللہ شاہؒ کی شان میں اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عطاء تاثیر تصرف بخشو جو ہے انداز خزانہ
دریا فضل دا جاری ہووے بے حد بیکرانہ
عام تے خاص اُٹھاون فائدہ عالم مرد زنانہ
دُنیا دے خطرے چھوڑ دیجن تے چھوڑے نفس اشیانہ
وقت مرن دے حاضر ہوویں رہے حیران زمانہ
زندہ قبر ایمان سلامت فیض کریں شاہانہ
یا حضرت اس عاجز دی آ آپ کریں قل خوانی
سلطان سخی عبداللہ شاہؒ دی واہ واہ فیض رسانی

(۱۲)

سید محمد عبداللہ شاہؒ کی شان میں آپ کے لکھے گئے اشعار ''چشمہ کھلیا نور حقانی''، علمی اور ادبی طور پر بہت اعلیٰ مقام پر نظر آتے ہیں۔شاعر نے چھوٹے چھوٹے مصرعوں میں بڑے خوبصورت انداز سے حضرت سید محمد عبداللہ شاہؒ کی مدح بیان کی ہے:

چشمہ کھلیا نور حقانی
شاہؒ عبداللہ فیض رسانی
احمد پور وچ نور برسدا
جتھے شاہؒ عبداللہ وسدا
واقف لوح قلم تے مسدا
ہے وچ ملک بہاول خانی
شاہؒ عبداللہ فیض رسانی

(۱۳)

اسی مدح کے ایک اور بند میں سید بہادر علی شاہؒ لکھتے ہیں۔

رمزاں مخفی جگ وچ ہُلیاں
ملک فلک تے مارن جھلیاں
دریاں نور کرم دیاں کھلیاں
تھئی سب حور پری مستانی
شاہؒ عبداللہ فیض رسانی

(۱۴)

اسی کتاب میں حضرت سید بہادر علی شاہؒ نے سلطان سخی محمد عبدالغفور شاہؒ کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے دو مناقب لکھیں۔پہلی منقبت میں کافی کے انداز میں شاعر نے قرآنی آیات کا حوالہ دیتے ہوئے بات کی ہے۔اس انداز میں حضرت سلطان باھُوؒ اور سید بلھے شاہؒ نے بھی کافی کلام تخلیق کیا ہے۔سید بہادر علی شاہؒ، سخی سلطان محمد عبدالغفور شاہؒ کی مدح کے پہلے بند میں لکھتے ہیں۔

واہ پیر محمد رمز بتائی
میں وچ میں نہ رہ گئی کائی
نحن اقرب دی سمجھ آئی
فی انفسکم تشریح سنائی

فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا ویکھ اس نوں ہرجائی
اسماء صفات انداحارا جائی
(۱۵)

دوسری منقبت سی حرفی کے انداز میں لکھی گئی ہے، اِس منقبت میں بھی اپنے مرشد سے پیار محبت اور چاہت کا نہ ختم ہونے والا اظہار کیا ہے، اِس نظم کے دو بند دیکھیں۔

ثابت صدق یقین سیتی جیہڑے پیر دے آ مرید ہوئے
انہاں نَحۡنُ اَقۡرَب پچھان لیا اوہ ماہر حَبۡلِ الۡوَرِید ہوئے
فِیۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡن اوہ صاحب شان مزید ہوئے
بہادر شاہؒ قدیر ہے پیر بیلی بے سمجھاں دے فکر بعید ہوئے
(۱۶)

مجرم نوں محرم پیر کرے بخشے جاہل نوں علم عیان بیلی
کافر فاسق تے جیکر نظر کرے ہووے کامل اہل عرفان بیلی
وسیلہ اہل ایمان تے فرض ہویا ثابت نال آیت قرآن بیلی
بہادر شاہؒ رموز تے راز کھلن جد مرشد کرے دھیان بیلی

قصہ مختصر یہ کہ سید محمد بہادر شاہؒ نے جتنے بھی مناقب لکھے ہیں۔اِن میں اپنے پیرومرشد سے انتہائی عقیدت اور محبت کا اظہار نمایاں ہے۔پیرؒ صاحب نے اپنے پیرومرشد کے لیے الفاظ بڑے خوب صورت استعمال کیے ہیں اور انہیں بڑے اچھے انداز میں اپنے محبوبین کی شان میں پیش کیا ہے۔اِس میں عقیدت کا رنگ بہت گہرا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ص ۱۰
۲۔ پنجابی ادبیات کی مختصر تاریخ ، ڈاکٹر احمد حسین قریشی، عزیز بک ڈپو لاہور، ایڈیشن ۲۰۰۲ء
۳۔ کلام سلطان باہو ، پیکجز لمیٹڈ لاہور، ۱۹۸۱ء، ص ۵۵
٤۔ کلیات عارفانہ کلام، سید بہادر علی شاہؒ ،مرتب: ایم اے شاکر ، العارفین پبلی کیشنز لاہور، باب چہارم ۲۰۰۷ء، ص ۱۲
۵۔ ص ۱۰
٦۔ ص ۲۰
۷۔ ص ٢٤
۸۔ ص ۲۸
۹۔ ص ۲۹
۱۰۔ ص ٣٦
۱۱۔ ص ٤٠
۱۲۔ ص ٤٢
۱۳۔ ص ٤٦
١٤۔ ص ٤٧
۱۵۔ ص ٤٩
١٦۔ ص ۵۵

سلطان سید محمد بہادر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نظریۂ انسانِ کامل

ایس ایچ قادری

نفاذِ دین، غلبۂ اسلام اور عالمگیر امن کی تحریک اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین کے فیضان کے سر چشموں کا اگر تذکرہ کیا جائے تو اس کا سلسلہ حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ سے ہوتا ہوا آقائے دو جہاں، سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک جا پہنچتا ہے آپ ﷺ کی مساعی جلیلہ کو دیکھیں تو وہ ''کلمۃ اللہ ھی العلیا'' کے گرد ہی گھومتی ہیں اور آپ ﷺ سے پہلے انبیاء و مرسلین کی تگ و دو بھی اسی فکر کے تحت تھی ان تمام کی زندگیاں اور ساری کوششیں ''اللہ اکبر'' اور ''لا الٰہ الا اللہ'' کی اشاعت و ترویج کے لیے ہی وقف تھیں کسی کو مکمل کامیابی ملی تو کسی کو جزوی غلبہ نصیب ہوا۔ یوں تو اللہ کے ہر رسول پر اللہ کا کلام ہی نازل ہوتا رہا لیکن اس کلام اللہ کی بدولت خاتم المرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو جو کامرانی نصیب ہوئی کسی اور پیغمبر یا رسول کو نہیں ہوئی اس میں کلام اللہ کے اعجاز کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی ذات مبارکہ کا بہت بڑا کردار ہے جسے ﴿نور من نور اللّٰہ﴾ کہا گیا، جو وحی کے نزول سے قبل بھی عرب جیسے پر تعفن معاشرے میں بے داغ تھی اور صادق اور امین کے القاب سے معروف تھی، جس کے فیصلے آئین نازل ہونے سے قبل بھی قبائل میں انصاف اور امن کے ضامن تھے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ کلام اللہ نے آپ ﷺ کے اخلاق و کردار کو ہی تحریری صورت میں پیش فرما دیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ہماری تائید کرتی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کا اخلاق قرآن ہی تو ہے۔ وحی کا نزول عوام الناس کی تعلیم و تربیت کے لیے تھا۔ نزولِ وحی سے قبل بھی عرب معاشرہ اللہ تعالیٰ سے ناواقف نہیں تھا مگر آپ ﷺ کے جن پیروکاروں نے صمیم قلب سے تسلیم کر لیا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور استقامت کا مظاہرہ کیا تو تائید ایزدی ملائکہ کی صورت میں ان پر نازل ہوتی رہی اور انہیں دنیا کے تمام مصائب و آلام برداشت کرنے کا حوصلہ فراہم کرتی رہی۔ تیرہ سالہ مکی دور، اور دس سالہ مدنی دوران مسلمانوں کی استقامت کا ہی تو امتحان تھا۔ مکہ کے سوشل بائیکاٹ میں صبر سے لیکر ہجرت اور ہجرت سے قتال تک کے معاملات تمام کے تمام طالبانِ مولیٰ کی استقامت کے ہی تو مظاہر تھے بلکہ نظام دنیا کی جو یہ بساط بچھائی گئی ہے یہ بھی تو انسان کی استقامت کا ہی امتحان ہے۔ عالم ارواح میں جب اللہ نے تمام روحوں سے سوال کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو اس وقت تمام نے بیک زبان ﴿قالوا بلیٰ﴾ پکارا تھا۔ اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ انسان عالم ناسوت میں آ گیا جب ایک انسان عالمِ ناسوت (دنیا) میں اپنی مقررہ زندگی بسر کر کے عالمِ برزخ (قبر) میں پہنچتا ہے تو یہی سوال اس کا استقبال کرتا ہے کہ ''تیرا رب کون ہے؟'' یہاں پر بھی انسان کی استقامت ہی اس سوال کا جواب دے سکتی ورنہ یہ جواب تو ہر مسلمان کو ازبر ہے مسلمان اللہ کو جانتے ہیں لیکن اگر کوئی کمی ہے تو انسانِ کامل کی صحبت کی جو انہیں استقامت کی راہوں پر چلا سکے۔ صراطِ مستقیم استقامت کا ہی تو راستہ ہے اسی لیے حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ استقامت کو کرامت پر فوقیت دیتے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں اسم اعظم، اسم اللہ ذات یعنی ''کلمۃ اللہ ھی العلیا'' کی سربلندی اور استقامت کی اس تحریک کا فکری اور عملی آغاز حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ مبارکہ سے ہوتا ہے پھر آپ ﷺ کے وصال کے تقریباً ایک سو دس سال بعد حضرت سید سلطان محمد بہادر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی 1801ء میں ولادت مبارکہ ایک نئی نوید سحر کا پیغام لاتی ہے جسے ہم سلسلۂ فقر کے تسلسل کا آغاز اور اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین کا مطلع بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے فقر کی جو امانت حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ کے پاس موجود تھی حضرت سلطان سید محمد بہادر علی شاہ کو اس شرط پر عطا کی گئی کہ یہ امانت حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادہ میں سلطان محمد عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو عطا کرنی ہے حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ نے اس امانت کی منتقلی کے وقت اس بات کی صراحت فرمائی کہ

> ''پیر صاحب جو فقر ہم نے آپ کو عطا کیا ہے یہ وہ فقر ہے جو آقا علیہ الصلوۃ والسلام کے سینہ مبارک سے چلا اور مجھ تک پہنچا تو حضور پیر صاحب نے عرض کی کہ حضور آپ کی ساری اولاد میرے لیے برابر ہے مَیں کیسے فرق اور اپنی مرضی سے چناؤ کر سکتا ہوں کہ یہ امانت کس کو دوں تو آپ نے فرمایا کہ میری اولاد میں ایک بچہ پیدا ہوگا اس کا نام محمد عبدالعزیز (رحمۃ اللہ علیہ) ہوگا اور اس کی نشانی یہ ہوگی کہ وہ پیدائشی طور پر ختنہ شدہ اور ناف بھی گری ہوئی ہوگی۔''

بالآخر سلطان محمد عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو بانی اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین کے والد مرشد ہیں کو فقر کا وہ خزانہ عطا ہوا۔ حضرت سلطان سید محمد بہادر علی شاہ صاحب پر اس مہربانی کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت سلطان باھُو کو آپ کی مبارک صورت پر پیار آ گیا تھا۔ جب سات سال کی عمر میں ملتان کے ایک مدرسے میں داخل کروانے سے پہلے آپ کو آپ کے والد محترم دربار حضرت سلطان باھُو پر حاضری کے لیے لائے تو سید محمد بہادر علی شاہ کو دیکھتے ہی آپ پر نگاہِ شفقت فرما کر باطنی خزائن سے مالا مال فرما دیا جس کی بدولت علم لدنی آپ پر کھل گیا اور آپ بچپن میں ہی تمام علوم سے آشنا ہو گئے جس کا ثبوت اس مدرسے کے مولانا کا وہ امتحان ہے جو اس نے اس بچے سے تمام درسی کتب سن کر لیا۔ تمام درسی علوم سے آشنائی کے باوجود آخر وہ کونسی وجہ تھی کہ آپ درس و تدریس کا شعبہ اختیار کرنے کی بجائے حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے دربار پر حاضر رہے اور بارہ سال تک زائرین دربار حضرت سلطان باھُو کے لیے پانی بھرنے کی ڈیوٹی سرانجام دیتے رہے۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے سلطان العارفین حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب عین الفقر صفحہ ۲۵۷ پر فرماتے ہیں:

> ''مرشد صاحب تحقیق ہوتا ہے اس لیے اہل صفات اور اہل ذات کو فوراً پہچان لیتا ہے جس طرح عالم کتاب میں سے غلط حروف کو نکال دیتا ہے تو نسخہ صحیح ہو جاتا ہے اسی طرح فقیر، طالب اللہ (اہل ذات) کو غیر ماسویٰ اللہ سے بیزار کر کے اس کے دل میں ذکر اللہ جاری کر دیتا ہے جس سے وہ صاحب تسبیح (اہل ذکر) ہو جاتا ہے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ آپ کو بچپن میں دیکھتے ہی پہچان گئے کہ آپ اہلِ صفات میں سے نہیں بلکہ اہلِ ذات میں سے ہیں یعنی طالبِ مولیٰ ہیں اور فقر کی امانت کے حامل ہونے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ دینی تعلیمات کا بھی تو حقیقی مقصد یہی ہوتا ہے کہ بندہ دیندار بن کر امانتِ الٰہیہ کو اپنے سینے میں سجا کر خلافتِ الٰہیہ کا اہل بن جائے۔ اصطلاحات کے استعمال میں ہمیں ان کے حقیقی مقاصد کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ چونکہ آپ کے دور میں مدارس

اپنے حقیقی مقاصد کو پورا کرنے سے قاصر تھے اس لیے حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اپنے در پر ہی رہنے کا حکم دیا۔علم تو آپ کو حاصل ہو گیا تھا اب اس علم پر استقامت کی ضرورت تھی کیونکہ جب تک عمل کی کسوٹی شامل نہ ہو محض علم ایمان نہیں بن سکتا اگر ایمان فقط علم کا نام ہے تو شیطان کو پہلا مومن ہونا چاہیے تھا جسے اللہ، رسول، تمام آسمانی کتب، قیامت، اور ملائکہ سب کا علم ہے اور ہم سے زیادہ اور مشاہداتی علم ہے۔ شیطان حقیقت کو جانتا ہے لیکن وہ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کرتا اس نے کس کے سامنے سر جھکانے سے انکار کیا تھا؟ حضرت انسان کے سامنے۔ اللہ نے کہا کہ یہ انسان کامل ہے اس کے سامنے جھک جاؤ۔ اس نے کہا کہ یہ انسان ناقص ہے میں اس کو کیوں مانوں؟ اس وقت سے لیکر رحمان اور شیطان کے دو گروہوں میں دُنیا تقسیم ہے ایک حزب الرحمان ہیں اور اُس کے متخالف حزب الشیطان ہے اللہ انسان کو کامل بناتا ہے اور فرشتوں کے سامنے پیش کرتا ہے اور کہتا ہے یہ ہے میری تخلیق جس پر تم نے اعتراض کیا تھا۔ شیطان انسان کو ناقص ثابت کرنے کی کوشش میں ہوتا ہے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کی صورت میں فرشتوں کو کہتا ہے اس وجہ سے میں نے اسے سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا کیا یہ سجدہ کے قابل ہے؟ رحمان کی چاہت صرف ماضی تک ہی محدود نہ تھی بلکہ ہر دور میں کوئی نہ کوئی انسان کمالیت کی انتہا کو حاصل کر لیتا ہے اس کی راہنمائی ہر دور میں جاری رہتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

تار توار ”الست“ والی سوہنے پیر دتی تعلیم مینوں
آیا کلمہ ”بلیٰ“ دا یاد بھائی تسلیم ہوئی تعظیم مینوں
صورت عبد آداب سکھا دتے ہادی ہو کے رب کریم مینوں
(سلطان سیّد محمد) بہادر شاہ ہوئے دکھ دور سارے جد پیر کیتی تفہیم مینوں

1934ء میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کی 133 سالہ زندگی ”اسم اللہ ذات“ پر استقامت کی گواہ ہے۔

سلطان سیّد محمد بہادر شاہ صاحب کا انسانِ کامل:

دُنیا کے تقریباً تمام مکاتبِ فکر میں انسانِ کامل کا تصور پایا جاتا ہے اور سب نے زمانہ قدیم سے لیکر آج تک اس موضوع کے بارے بحث کی ہے فلسفی مکاتب ہوں یا عرفانی، اجتماعی ہوں یا سیاسی، اقتصادی ہوں یا دیگر سب نے انسانِ کامل یعنی مثالی انسان کے بارے میں اپنا اپنا ایک خاص تصور پیش کیا ہے اس کی ضرورت اس لیے ہے کہ انسان ایک آئیڈیل کا محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ انسانِ کامل کے ذریعے ہی دیگر انسانوں کی راہنمائی فرماتا ہے۔ انسانِ کامل اس کے لیے ایک بہترین نمونہ اور مثال ہے جس کو سامنے رکھ کر زندگی کے مقاصد کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مختلف مکاتب فکر نے انسانِ کامل کے بارے مختلف نظریات پیش کیے ہیں۔ فلاسفہ کہتے ہیں کہ انسانِ کامل وہ ہے جس کی عقل کمال تک پہنچی ہو۔ مکتبِ عرفان سے منسوب کچھ عرفاء نے صرف ذاتِ حق تعالیٰ کے عاشق کو انسانِ کامل شمار کیا ہے۔ سوفسطائی کہتے ہیں جس کے پاس زیادہ طاقت ہو وہی انسانِ کامل ہے۔ ان پر غور کیا جائے تو ہر ایک نے انسان کے کسی ایک وصف کی تکمیل کو ہی انسانِ کامل کے لیے لازم قرار دیا ہے۔ آپ کی فکر کا اگر مطالعہ کریں تو آپ کے نزدیک انسانِ کامل ہر لحاظ سے ایک مکمل انسان ہے۔ اس کی عقل بھی کمال تک پہنچی ہو، وہ عاشق بھی ہو بلکہ معشوق کا درجہ حاصل کر لے اور وہ قدرت بھی رکھتا ہو۔ آپ کے نزدیک انسانِ کامل کن اوصاف کا حامل ہوتا ہے ملاحظہ فرمائیں:

پیرانِ پیر سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی بارگاہ میں مناجات پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

توں ساکن ملک عجم دا
توں رہبر سرّ قلم دا
شہنشاہ ہر علم دا
عجب نے گر مرا خوانی
بنام اللہ سنو فریاد یا محبوب سبحانی

آپ کا انسانِ کامل صرف ملکِ عرب تک ہی محدود نہیں وہ عجم کا ساکن بھی ہوسکتا ہے۔ وہ لوح وقلم کے اسرار ورموز سے واقفیت رکھتا ہے اور ہر علوم میں ماہر ہوتا ہے۔ اسے بارگاہِ الٰہی سے محبوبیت کا درجہ نصیب ہوتا ہے اسی وجہ سے وہ فریادرسی کرتا ہے۔ انسانِ کامل کی قدرت کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

خوف نہیں طالباں صادقاں نوں جیندا پیر اکمل دستگیر ہووے
چڑا پیر دا بدر منیر بھائی طالب دیکھ کے روشن ضمیر ہووے
پیر پورا کرے تروٹاں ساریاں نوں ہر امر تے اوہ قدیر ہووے
(سلطان سید محمد) بہادر شاہ ویکھے ہر حال تیرے اوہ علیم ، کلیم ، بصیر ہووے

یعنی جنہیں انسانِ کامل کی رفاقت نصیب ہوجاتی ہے وہ ﴿لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون﴾ کے زمرے میں شامل ہوجاتے ہیں۔ ایسی کامل ہستی کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ اسے دیکھتے ہی انسان کا ضمیر جاگ اٹھتا ہے۔ وہ انسانِ کامل ہر قسم کی ضروریات کو پورا کرتا ہے کیونکہ اسے ہر امر پر قدرت حاصل ہوتی ہے حضور پیر صاحب کے نزدیک وہ انسانِ کامل صرف قدرت ہی نہیں رکھتا بلکہ علیم، کلیم اور بصیر جیسے اوصاف کا بھی حامل ہوتا ہے۔

مرشد شاہ ہے کون و مکاں دا
آمر امر ہے کن فکاں دا
حافظ مالک سود زیاں دا
دم بدم میرے غم مٹائی
واہ پیر محمد رمز بتائی
میں وچ ''میں'' نہ رہ گئی کائی

انسانِ کامل اس کائنات کا بادشاہ ہوتا ہے جب وہ کسی امر کو ''کن'' کہہ دے تو وہ ہوجاتا ہے، وہ نفع ونقصان کا حافظ ومالک ہوتا ہے، ہر لمحہ غموں کا مداوا کرتا ہے۔ کیا خوب میرے مرشد نے مجھے راز بتایا کہ مجھ میں سے ''میں'' ختم ہوگئی۔ یہ صفات اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ہیں لیکن انسانِ کامل اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہونے کے ناطے ان اوصاف سے متصف ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت سلطان محمد عبدالغفور شاہ قریشی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں مناجات پیش کرتے ہوئے فرمایا:

فرمایوس رکھ نگاہ ادب نوں
میرے پایاں لبھسیں رب نوں
مدِ نظر رکھ حلم غضب نوں
میں موصوف صفات خدائی
واہ پیر محمد رمز بتائی
میں وچ ''میں'' نہ رہ گئی کائی

آپ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور سید عبدالغفور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میری بارگاہ میں نگاہِ ادب کو ملحوظِ خاطر رکھو کیونکہ مجھے پانے سے ہی تجھے رب مل سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ صفتِ حلم بھی رکھتا ہے اور غضب بھی اور میں اللہ تعالیٰ کی صفات سے موصوف ہوں۔ کیا خوب میرے مرشد نے مجھے راز بتایا کہ مجھ میں سے ''مَیں'' ختم ہوگئی۔ گویا انسانِ کامل اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا جامع اسمِ ذات ''اللہ'' ہے۔ اسم اللہ ذات انسان کو کامل بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ جس کی ترویج واشاعت میں سلطان سیّد محمد بہادر علی شاہ صاحبؒ نے پوری زندگی وقف فرمادی۔

اتباع رسول ﷺ اور امرو نہی کا عملی اطلاق

صاحبزادہ سُلطان احمد علی

سیکریٹری جنرل اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین

کے فکری خطاب کا متن (جوکہ 4 فروری 2012ء کو شیخوپورہ میں میلادِ مصطفےٰ ﷺ کے عظیم اجتماع میں کیا گیا)

تدوین: ابرِ رحمت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ وَمَا نَهٰىكُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ○﴾

میں سب سے پہلے آپ تمام مسلمان بھائیوں اور بزرگوں کو حضور رسالت مآب امام الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کے جشنِ ولادت کی مبارک باد پیش کرتا ہوں اور اس کے بعد آپ تمام بزرگوں کا اور بھائیوں کا مشکور ہوں کہ آپ اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین دربارِ عالیہ حضرت سلطان باھو برانچ شیخوپورہ کے کارکنوں اور مبلغین کی دعوت پر آج کی اس تقریب میں تشریف لائے۔ آپ جانتے ہیں کہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کے پیغام کو عملی طور پر اس معاشرۂ انسانی میں نافذ کرنے کیلئے حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ آستانے سے یہ جماعت اور یہ تحریک اپنی کاوشیں بروئے کار لا رہی ہے اور آج کی تقریب کے حوالے سے آپ دیکھیں تو وہی عملی قوت، وہی عزمِ عمل اور وہی تجدید عہد آج ہمیں اپنے دامن میں سمیٹ کر جانا ہے کہ اگر رسالت مآب ﷺ کے اسم گرامی سے موسوم اور منسوب محفل میں ہم جائیں اور وہاں حضور کے پیغام سے، حضور کے مقاصد سے تجدید عہد نہ کریں، عزمِ عمل نہ کریں اور اس محفل کو فقط ثواب کا آلہ سمجھ کر اس میں سے جتنا چاہیں ثواب نکال کر چلے جائیں اور معاشرے میں اس کا وہ بنیادی اثر نہ ہو جو حضور نورٌ علیٰ نور ﷺ کے مقاصد تھے، جو حضور ﷺ کا مشن تھا، جس کے لیے حضور ﷺ نے تکالیف اٹھائیں، مصائب برداشت کیے اس تمام کا مقصد فوت ہو جاتا ہے اگر ہم عزمِ عمل نہ باندھیں ہم اس کے لیے اپنی تیاری نہ کریں اور اس جدوجہد کا آغاز نہ کریں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن کریم میں اسی بات کی تلقین فرمائی کہ یہ نبی کریم ﷺ جو میں نے تم میں مبعوث فرمائے ہیں یہ اپنے ذہنوں میں رکھو کہ دُنیا میں تمہاری عزت و آبرو ہو گی تو حضور رسالت مآب ﷺ سے تعلق و محبت کی بدولت ہو گی اگر حضور ﷺ سے، حضور ﷺ کے مقاصد سے حضور ﷺ کے دین سے، حضور ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب سے تمہارا تعلق کمزور ہو جائے گا تو دُنیا میں تم سرفراز و کامیاب نہیں ہو سکتے اسی لیئے حکیم الامت علامہ محمد اقبال ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ

> در دل مسلم مقام مصطفیٰ است
> آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است

حضور رسالت مآب ﷺ کا مقام بندۂ مومن کے دل میں ہے اگر دُنیا میں ہماری شناخت، آبرو، سربلندی، سرفرازی، عروج، غلبہ اور سب کچھ جو بھی ہے تو وہ اسی نام مصطفےٰ ﷺ کی بدولت ہے، یہ نام ہے جو ہماری اس دُنیا میں اور آخرت میں عزت کی ضمانت دیتا ہے اگر ہم اپنے آپ کو اس نام کے ساتھ وابستہ کرلیں۔ جواب شکوہ میں جب اقبال کو الہام ہوتا ہے تو وہ ہمیں یہی بتاتا ہے کہ اللہ کی طرف سے مجھے کیا ارشاد ہوا کہ

> خیمہ افلاک کا ایستادہ اسی نام سے ہے
> نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

کہ یہ آسمان تم دیکھتے ہو جو ستونوں کے بغیر کھڑا ہے، یہ افلاک جو کسی پلر (Piller) کے بغیر کھڑے ہوئے قائم تمہیں نظر آتے ہیں۔ کیا تم جانتے ہو یہ

کس سہارے سے کھڑے ہیں۔ یہ آسمان ستونوں کے بغیر حضور رسالت مآب ﷺ کے اسم گرامی کی برکت سے کھڑا ہے اور دُنیا کے وجود کے اندر جو جان ہے، دُنیا کے وجود میں جو نبض پھڑکتی ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ دُنیا کی زندگی کی نبض حضور اکرم ﷺ کے نام کی بدولت پھڑکتی ہے، وہ حضور اکرم ﷺ کے نام کی بدولت تڑپتی ہے۔ اقبال کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے شکووں کا جواب الہام کی صورت میں ملا تو الہام میں تمام گفتگو کے بعد، تمام شکوں کا جواب آجانے بعد مسلمانانِ عالَم کے مصائب کا حل این نکاتی فارمولے میں یوں بیان کردیا کہ

> کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
> یہ جہاں چیز ہے کیا لوح قلم تیرے ہیں

کہ یہ جہاں تو ایک چھوٹی سی چیز رہ جاتا ہے اے بندہ مومن اگر محمد عربی ﷺ کے پیغام کے ساتھ تیرا رشتہ اور تعلق استوار و قائم ہوگیا تو مَیں لوح و قلم بھی تیرے سپرد کردوں گا، لوح و قلم کا وارث تجھے بنادوں گا لیکن اگر حضور ﷺ کی ذات سے تیرا تعلق کمزور ہوگیا تو یاد رکھو! ﴿إِنَّ اللہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ٥﴾ کہ اللہ کا عذاب، اللہ کی گرفت اور اللہ کی پکڑ بڑی سخت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ہمارے اوپر تین باتیں عائد کیں اور ہمیں بتایا کہ ﴿وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ﴾ حضور ﷺ کی بارگاہ سے تمہیں جو چیز عطا کی جائے اس چیز کو قبول کرلو اس چیز کو حاصل کرلو، اس چیز کو پکڑلو، اس چیز کے ساتھ مضبوطی سے کھڑے ہوجاؤ، اپنے دامن کو پوری قوت سے گانٹھ لگا دو اس چیز سے جو تمہیں حضور ﷺ کی بارگاہ سے عطا ہو، دوسری بات فرمائی ﴿وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا﴾ حضور ﷺ تمہیں جس چیز سے منع فرمادیں، جس چیز سے باز رہنے کا حکم کریں اُس چیز سے منع ہوجاؤ، اس سے باز آجاؤ، اس عمل کو نہ کرو ﴿وَاتَّقُوا اللّٰہ﴾ اور اللہ سے ڈرو۔ اگر یہ کام نہیں کرو گے تو فرمایا کہ اللہ کا عذاب، اللہ کی گرفت بڑی سخت ہے۔

اللہ کی گرفت یا اللہ کا عذاب کیا ہے؟

اس کی قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تین حالتیں بیان فرمائی ہیں کہ اگر تم میرے حضور ﷺ کے اُسوہ سے پھر جاؤ گے، حضور ﷺ کی عطا کی ہوئی چیز سے وابستہ نہیں ہوگے، حضور ﷺ کے منع کیے ہوئے عمل کو دوہراتے رہو گے، اللہ سے نہیں ڈرو گے تو فرمایا تمہارے اوپر عذاب طاری کردوں گا۔ اللہ کا عذاب کیسے طاری ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد حالتیں بیان کی ہیں ایک تو آخرت کا عذاب ہے۔ ایک اس دُنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آتا ہے، اس دُنیا میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے جرائم کے اوپر جو عذاب طاری کیا جاتا ہے اس کی اللہ نے تین حالتیں بیان فرمائیں حضور رسالت مآب ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مخاطب فرما کر فرمایا

﴿قُلْ ھُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِکُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَّیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ط﴾

اے حبیب مکرم ﷺ ! آپ جا کر لوگوں کو بتادیں کہ اللہ اس پر قادر ہے کہ عذاب کو طاری کرے، تمہارے سروں کے اوپر سے تم پر عذاب طاری

کرے ﴿ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ ﴾ وہ اس بات پہ بھی قادر ہے کہ تمہارے قدموں کے نیچے سے وہ عذاب کو جاری کردے اور ﴿ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَّیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ط ﴾ وہ اس بات پہ بھی قادر ہے کہ بعض گروہوں کو بعض کے ساتھ لڑا کر بعض کے غضب کا بعض کو نشانہ بنا کر انہیں ان کے غضب کی سزا چکھائے۔

آج ہمارے درمیان، ہمارے قدموں کے نیچے سے جو بارود پھٹتا ہے کیا ہم اسے خدا کا عذاب نہیں سمجھیں گے؟ کیا اس کو خدا کے اس عذاب سے تشبیہ نہیں دیں گے جس کی وعید اور جس کی تنبیہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کردی اور یہ کہ بعض گروہوں کو آپس میں ایک دوسرے کے غضب ان کو چکھاتا رہوں گا۔ آج لادینیت پر، فرقہ واریت میں بعض گروہ بعض گروہوں کو نہیں مار رہے؟ کیا کشت وخون نہیں ہورہا؟ کیا ہمیں یہ سبق نہیں لینا چاہیے کہ ہم آج ایک عذاب یافتہ قوم کی حالت میں کھڑے ہیں؟ آج اللہ کا عذاب ہمارے اوپر طاری ہے، ہم لوگ اللہ کے عذاب کی گرفت میں ہیں۔ کیا ہم پر یہ تمام نشانیاں واضح نہیں ہوجاتیں؟ ہم کیوں کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے بیٹھ جاتے ہیں؟ یہ تینوں حالتیں ہمارے اوپر طاری ہیں اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسکی تشریح میں کہا کہ

﴿ اَوْ مِنْ فَوْقِکُمْ ﴾ کہ تمہارے اوپر سے عذاب آئے اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ تم پر ظالم حکمران نافذ کردیئے جائیں۔

﴿ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ ﴾ تمہارے قدموں کے اندر سے عذاب پھوٹے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ مراد لیا جاسکتا ہے ’’نیچے کارندے سرکاری ہوں وہ بدنیت، کرپٹ، بدعنوان، رشوت خور اور حرام خور کارندے ہوجائیں گے۔

اس لیے آج آپ دیکھیں بطور اُمت ہمارے تمام انسٹھ (۵۹) ممالک کی آج کیا حالت ہے؟ ظالم حکمران ہمارے سروں پر بیٹھے ہیں راشی اور حرام خور کارندے ہمارے سر پہ عذاب کی صورت میں ہیں اسے ایک صحابیِ رسول کے قول کے مطابق خدا کے عذاب سے تعبیر کیا جانا چاہئے؟ بات یہ ہے اللہ تعالیٰ کے اِس عذاب سے باہر آنے کا ہمارے پاس راستہ اور حل کیا ہے؟ ہم نے دو حیثیتوں میں غلطیاں کیں اور ہمیں دونوں حیثیتوں میں حل چاہیے۔ ہم نے انفرادی سطح پر بھی کوتاہیاں کیں اور اجتماعی سطح پر بھی غلطیاں کیں۔ ہمیں انفرادی سطح پر اللہ کے حضور گڑگڑانے کی ضرورت ہے اُس کی بارگاہِ بے نیاز میں توبہ کرنے کی ضرورت ہے، اُس کی بارگاہِ صمدیت مآب میں استغفار کی ضرورت ہے، اُس کی بارگاہِ کریمی میں مغفرت طلب کرنے کی ضرورت ہے، اُس کی بارگاہِ لایحتاج سے معافی طلب کرنے کی ضرورت ہے، یہ انفرادی سطح پر ہماری انفرادی غلطیوں کے لیے ہے۔

لیکن!

ہم نے جو اجتماعی غلطیاں کی ہیں اور مسلسل کرتے چلے جارہے ہیں اُس کیلئے بھی ہمیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے معافی طلب کرنی ہے اور یاد رکھیے! فرد کا انفرادی معاملہ ہوتا ہے اس میں فرد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑاتا ہے، سچے دل سے تائب ہوتا ہے۔ لیکن اجتماعی معافی کیسے ملتی ہے؟ جب اجتماعی طور پر معاشرے کرپٹ ہوجائیں، جب اجتماعی طور پر معاشرے گناہگار ہوجائیں، جب اجتماعی طور پر معاشرے غلطیاں کرنے لگیں اس وقت ان معاشروں کیلئے معافی کا کیا راستہ ہے۔۔ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان ہمارے سامنے آجاتا ہے۔

﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ ﴾

کہ میں نے اپنے رسول ﷺ کو تم میں مبعوث فرمایا، کس شان کے ساتھ بھیجا ﴿ بِالْهُدٰی ﴾ ہدایت کے ساتھ انہیں بھیجا اور حضور ﷺ ہدایت کی کتاب لے کر آئے، حضور خود بھی الہام لے کر آئے وہ کتاب بھی کتاب ہدایت ہے۔ ہمیں اپنی ان اجتماعی غلطیوں کے ازالے کے لیے اس قرآن کریم سے، اس کتابِ ہدایت سے رہنمائی لینے کی ضرورت ہے اور اس کتاب ہدایت سے جب ہم رہنمائی لینے چلتے ہیں اور آج کے عنوان کے حوالے سے ہم دیکھیں تو حضور رسالت مآب ﷺ کی ذاتِ گرامی کے حوالے سے ہم پر جو ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے عائد کی ہم اس میں دیکھیں کہ ہمیں جو حضور ﷺ نے عطا کیا، کیا ہم نے اسے مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے؟ اور حضور ﷺ نے ہمیں جس چیز سے منع فرمایا، کیا حقیقتاً ہم نے اس چیز کو ترک کردیا ہے؟ حقیقتاً ہم

نے اس چیز کو چھوڑ دیا ہے؟ ہمیں صرف اتنا سا جائزہ لینے کی ضرورت ہے اور میں انتہائی اختصار سے چار چیزیں آپ کے گوش گزار کرنا چاہوں گا وہ چار چیزیں جن سے ہمیں رسول اللہ ﷺ نے متصل ہونے کے لیے کہا، اس کے دامن کو پکڑنے کے لیے کہا، ہم نے دیکھنا یہ ہے کہ کیا ان چار چیزوں سے ہم نے پوری طرح اپنے دامن کو وابستہ کرلیا ہے اور چار ایسی چیزیں حضور رسالت مآب ﷺ نے جن سے ہمیں منع کیا وہ حضور کے نواہی تھے، کیا ہم ان سے باز آگئے؟

وہ چار چیزیں جنہیں حضور ﷺ نے اخذ کرنے اور پکڑنے کا حکم دیا اُن میں اولین و بنیادی دو ہیں جن کے متعلق حضور رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ

''لوگو! میں تم میں دو چیزوں کو چھوڑے جا رہا ہوں جب تک ان دو چیزوں کو پکڑے رکھو گے ہرگز ہرگز تم گمراہ نہیں ہو سکتے۔''

یارسول اللہ ﷺ! وہ دو کونسی ایسی چیزیں ہیں جن کو تھامے رکھنے سے ہم کبھی گمراہ نہیں ہو سکتے اس کی ضمانت آپ فرما رہے ہیں، یارسول اللہ ﷺ! وہ کونسی دو چیزیں ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا:

''ایک اللہ کی کتاب اور ایک اللہ کے نبی آخر الزماں ﷺ کی سنت۔''

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ قرآن وسنت سے ہمارا رشتہ وناطہ کس حد تک قائم ہے؟ علامہ اقبال ہمارے اس سانحہ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

جن کی بہادری کے افسانے اور جن کی دلیری کی داستانیں تم اپنے بچوں کو سناتے ہو اور جن کا نام لے کر تم انہیں غلبے پر اکساتے ہو، انہیں جہاد پر اکساتے ہو، قوت پر اکساتے ہو، ان میں اور تم فرق یہ ہے کہ قرآنِ کریم سے ان کا جو رشتہ اور تعلق تھا تم نے اپنا وہ رشتہ قرآن سے منقطع کرلیا:

بآیاتش تراکارے جزایں نیست
کہ از یسین او آساں بمیری

کہ (اے مردِ مسلمان) تیرا قرآن سے تعلق اس بات سے آگے نہیں بڑھ سکا کہ تو یٰسین کی تلاوت کرے اور تیری موت کو تجھ پہ آسان کر دیا جائے، تیرا تعلق قرآن سے اس سے آگے کیوں نہیں بڑھ سکا؟ یہی تیرا سانحہ ہے، ہم نے قرآن کو ایک ثواب کمانے کے آلہ سے زیادہ اپنے گھروں میں، اپنے معاشرے میں اور اپنے دلوں میں وہ مقام نہیں دیا جو مقام ہمیں حضور ﷺ کے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بالخصوص ہمیں خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عملی زندگی میں ہمیں نظر آتا ہے کہ ان کا تعلق قرآن کریم سے کس قدر مضبوط تھا اور وہ قرآن کے معانی، مفاہیم ومطالب کو، عجائبات اور اسرار و رموز کو کتنی گہرائی اور عمیقیت سے دیکھتے تھے اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ امیر المومنین سیدنا حضرت عمرؓ فاروق نے حضور رسالتِ مآب ﷺ سے بارہ سال کے عرصہ میں سورۃ البقرہ کو اس کے جُملہ اسرار و رموز کے ساتھ پڑھا، بارہ سال میں سورۃ البقرہ ختم کی اور جس دن سورۃ البقرہ ختم ہوئی اس دن آپ نے اونٹ ذبح کیا اور اپنے ساتھیوں کی دعوت فرمائی آج ہم دیکھتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ دن میں ہم دس دس پارے تلاوت کرتے ہوں لیکن قرآن سے ہمارا وہ تعلق جو ہمیں سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قرآن کے مطالب، قرآن کے ترجے، قرآن کے مفہوم اور قرآن کے معنی کے ساتھ ملتا ہے کیا ہمارا وہ تعلق اس طرح قرآن کے ساتھ قائم ہوا؟ اور پھر حضور ﷺ کی سنت کو ذرا دیکھیے حضور رسالت مآب ﷺ کے نظریے کو ہم نے اس حد تک محدود کر دیا ہے، اسے اس حد تک سمیٹ دیا ہے کہ حضور ﷺ کی سنت کے، حضور ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کے چند جزویات سے آگے ہم نے حضور رسالت مآب ﷺ کی جتنی بھی سنتیں تھیں اُنہیں ترک کر دیا۔

مثلاً حضور ﷺ کی سب سے بڑی سنت جو ہمیں اخذ کرنی چاہیے تھی وہ حضور ﷺ کا سماجی رویہ تھا، وہ حضور ﷺ کا (Social Behavier) تھا جس کو بدقسمتی سے ہم نے اپنے اندر سے بالکل اکھیڑ دیا اور ہمارے اندر وہ کہیں قائم نظر نہیں آتا اور اس سماجی رویہ کی تاثیر دیکھیے کہ ہم تو اس لئے مسلمان

ہوئے کہ ہم مسلمان کے گھر پیدا ہوئے، اسی سماجی رویے کا اثر آپ دیکھیے کہ حضور رسالت مآب ﷺ پر جب پہلی وحی نازل ہوئی حضور ﷺ اپنے گھر تشریف لاتے ہیں اور خاندانِ قریش کی سردار و مالدار خواتین میں سے سیدہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے جب اپنی نبوت کا اعلان فرماتے ہیں، اللہ کی وحی کا ذکر فرماتے ہیں تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بغیر کسی تردّد کے، بغیر کسی تکرار کے، بغیر کسی بحث کے حضور ﷺ کی وحی پہ، حضور ﷺ کی نبوت پہ اور حضور ﷺ کی رسالت پہ ایمان لے آتی ہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کسی بحث میں نہ پڑنا، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کوئی تکرار اور تردّد نہ کرنا یہ کس رویہ کو ثابت کرتا ہے؟ مَیں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گا کہ حضور ﷺ نے نبوت کا اعلان شادی کے پندرہ برس بعد کیا تھا لیکن اصل حقیقت یہ ہے سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کی نبوت سے پندرہ برس قبل حضور ﷺ پر ایمان لا چکی تھیں جب انہوں نے حضور کو پیغامِ عقد بھیجا تھا یہ اس صداقت اور امانت کو ثابت کرتا ہے اور آج یہ رویہ ہمارے اندر سے مفقود ہو کر رہ گیا اور آج یہ رویہ ہمارے اندر سے اُٹھ گیا اور بد قسمتی سے یہ سنت کا وہ اہم ترین پہلو تھا جس نے پورے عرب کے پسے ہوئے طبقات کو آواز عطا کی، ان طبقات کو جرأت عطا کی، ان طبقات کو ہمت عطا کی اور یہی تو وہ عشق ہے جس کو اقبال ہمیں کہتا ہے:

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

یہی وہ بنیاد تھی جو آج ہمارے درمیان سے مفقود ہو گئی ہے۔ اقبال ہمیں یہ بتاتا ہے کہ حضور ﷺ کا یہ سماجی رویہ حضور ﷺ کی سنت کیسے تھی؟ کہ حضور ﷺ کی نگاہ میں چاہے کوئی بڑے طبقہ سے تعلق رکھتا ہے، چاہے کوئی چھوٹے طبقہ سے تعلق رکھتا ہے، چاہے کوئی اعلیٰ ذات سے تعلق رکھتا ہے، چاہے کوئی ادنیٰ ذات سے تعلق رکھتا ہے، چاہے کوئی اونچا ہے، چاہے کوئی نچلا ہے، چاہے کوئی نواب ہے، چاہے کوئی غریب ہے، چاہے کوئی یتیم ہے، چاہے کوئی مسکین ہے، چاہے کوئی غلام ہے، چاہے کوئی بادشاہ ہے اقبال بتاتا ہے

در نگاہِ او یکے بالا و پست
با غلامِ خویش بریک خوان نشست

حضور ﷺ کی نگاہ میں تمام اونچے اور نیچے برابر تھے، حضور ﷺ نے ان کو ایک ہی نگاہ سے دیکھا۔ یہ کمال انقلاب تھا کہ بنو ہاشم کا چشم و چراغ اپنے حبشی زاد غلاموں کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ جاتا ہے

ہم آج اپنا تجزیہ کر سکتے ہیں کہ سنت کے ساتھ حضور ﷺ نے ہمیں جو چیز عطا کی اس کے ساتھ ہمارا تعلق کتنا مضبوط ہے اور پھر آپ دیکھیے اقبال ہمیں یہ بتاتا ہے:

آنکہ بر اعدا درِ رحمت کشاد
مکہ را پیغام لا تثریب داد

حضور ﷺ نے اپنے دشمنوں پہ بھی رحمت کا دروازہ کھول دیا اور مکہ میں (فتحِ مکہ کے موقع پہ) جب یہ کہا گیا کہ آج انتقام کا دن ہوگا تو حضور ﷺ نے فرمایا آج انتقام کا دن نہیں آج معافی کا، رحم کا اور کرم کا دن ہوگا۔ کیا یہ سنت ہم اپنے آپ میں دیکھ سکتے ہیں؟ اپنی روز مرہ زندگی میں دیکھ سکتے ہیں؟ اپنے اردگرد کے ماحول میں دیکھ سکتے ہیں؟ کہاں تک ہم حضور ﷺ کی سنت سے وابستہ کھڑے ہیں؟ اور کہاں تک ہم حضور ﷺ کی سنت کو اپنائے کھڑے ہیں؟ کہ جس کے سبب ہم یہ دعویٰ کر سکیں کہ ہم خُدا کے عذاب کے مستحق نہیں ہیں، خُدا جانے یہ عذاب ہمارے اوپر کیوں آ گیا؟ جب ہم نے حضور ﷺ کی سنت کو چھوڑ دیا، خُدا کی کتاب کو چھوڑ دیا تو پھر اس کے سزاوار ہم نہیں تو دُنیا میں اور کس قوم کو ہونا چاہیے تھا؟

یہ دو (قرآن و سُنت) تو بنیادی چیزیں تھیں۔

تیسری اور چوتھی چیز جس طرح قرآن اور سنت آپس میں پیوست ہیں ایک دوسرے سے الگ کر کے ان کا مطالعہ نہیں کیا جا سکتا نہ قرآن کا، نہ سنت

کا۔ قرآن، سنت کو جواز فراہم کرتا ہے اور قرآن کی تشریح سنت سے ہوتی ہے اس لیے ان دونوں کو ہم سامنے رکھ کے دیکھتے ہیں اور ملا کر پڑھتے ہیں۔

اسی طرح وہ دوسری دو چیزیں جن سے ہمارا تعلق بڑا مضبوط، قوی، مستحکم اور بڑا استقامت والا ہونا چاہیے تھا اور وہ دو چیزیں فقر اور سلطنت تھیں۔ وہ دو چیزیں ہمیں رسالت مآب ﷺ کی بارگاہ ہی سے ملی ہیں اور عطا ہوئی ہیں جس طرح کہ حضور پاک ﷺ نے فرمایا:

﴿ اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَالْفَقْرُ مِنِّیْ ﴾

فقر میرا فخر ہے اور فقر مجھ سے ہے۔ سلطنت، تو سلطنت کی بنیاد بھی حضور رسالت مآب ﷺ نے رکھی تھی کہ جسے خدا کا وہ فرمان جواز فراہم کرتا ہے:

﴿ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴾

کہ میری زمین کے وارث میرے صالح بندے ہیں۔

میری یہ زمین میرے بندوں کی ملکیت میں چلی گئی ہے اور میرا حکم ہوگا میرے بندے اس کا نفاذ کریں گے، میری خلافت ہوگی، میرے بندے اس نظام کو آگے بڑھائیں گے، یہ فقر اور سلطنت باہم دیگر پیوست تھے کہ جس طرح حکیم الامت حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں کہا ہے:

در شبستانِ حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید

کہ حضور رسالت مآب ﷺ غارِ حرا میں خلوت اختیار فرماتے ہیں اور اس حرا میں خلوت اختیار فرمانے کا نتیجہ کسی رُہبانیت میں نہیں نکلتا بلکہ حضور ﷺ رُہبانیت کو ترک کر کے اور آپ ﷺ پر جو وحی نازل ہوئی، حضور ﷺ پہ جو الہام نازل ہوا، حضور ﷺ پر جو رسالت کا دروازہ بند بھی ہوا اور رسالت مکمل بھی ہوئی، حضور ﷺ نے رُہبانیت کو اختیار کرنے کی بجائے حضور ﷺ نے اس دُنیا میں اللہ تعالیٰ کے نظام کو نافذ کرنے کے لیے، اللہ کے دین کو نافذ کرنے کے لیے، مکہ کے اُن لوگوں کی ایک قوم تشکیل دی، حضور ﷺ نے حکومت قائم فرمائی۔ فقر و سلطنت دو ایسی چیزیں تھیں بد قسمتی سے ہمارے درمیان سے یہ دونوں چیزیں مفقود ہوگئیں، ہمارے درمیان نہ فقر رہا نہ وہ سلطنت رہی اسی لیے حضرت علامہ اقبال ہمیں یہ بتاتے ہیں:

فقر و شاہی وارداتِ مصطفی است
ایں تجلی ہائے ذاتِ مصطفی است

کہ فقر اور شاہی دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں اور یہ دونوں حضور ﷺ سے کٹ کر نہیں ہیں فقر بھی حضور ﷺ کی رُوحانی واردات میں سے ایک واردات ہے اور سلطنت بھی حضور ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔ بلکہ اگر آپ حقیقت میں جا کر دیکھیں تو فقر اور سلطنت یہ دونوں حضور رسالت مآب ﷺ کی تجلیات میں سے تجلیاں ہیں جس طرح حضور رسالت مآب ﷺ سے کسی نے اظہار کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے آپ سے محبت ہے حضور نے فرمایا سوچ لو اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے آپ سے محبت ہے حضور ﷺ نے پھر فرمایا سوچ لو اس نے جب تیسری مرتبہ کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے محبت ہے آپ ﷺ نے فرمایا اگر مجھ سے محبت ہے تو یاد رکھو!

''جو بھی شخص مجھ سے محبت کرتا ہے تو وہ اس بات کے لیے تیار ہو جائے کہ عنقریب فقر اس کے پاس آن پہنچے گا۔''

فقر کی ایک تشریح یہ ہے کہ فقر کو غریبی سے، مفلوک الحالی سے اور غربت سے تشبیہ دی گئی ہے لیکن جو فقر کی حقیقت ہے وہ اس سے کچھ مختلف ہے حضرت علامہ ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ فقر کیا ہے؟ فقر کی دو قسمیں ہیں ایک فقرِ رُہبانی ہے جو فقرِ عیسائیت ہے اور ایک فقرِ سلطانی ہے وہ فقرِ محمدی ﷺ ہے وہ فقرِ مصطفائی ہے ان دونوں کا فرق بیان کرتے ہوئے علامہ اقبال فرماتے ہیں:

اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری
اک فقر سے کھلتے ہیں اسرار جہاں گیری
اک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری
اک فقر سے مٹی میں خاصیت اکسیری

اک فقر ہے شبیری ، اس فقر میں ہے میری
میراث مسلمان ہے سب سرمایۂ شبیری

کہ فقر کی دو قسمیں ہیں اک فقر شکاری کو اس کے مقام سے اتنا نا آشنا کر دیتا ہے کہ شکاری خود شکار بن جاتا ہے یہ فقرِ رُہبانی ہے اور فقرِ سلطانی کیا ہے؟ اک فقر جہاں گیری کو، جہاں بانی کو، قوت کو اور سلطنت کو آشکارا کرتا ہے، جس طرح اقبال کہتے ہیں:

وہ نبوت ہے مسلماں کیلئے برگِ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام

فقر تو حقیقت میں ہے ہی وہ جو اپنے اندر قوت رکھتا تھا، جو اپنے اندر شوکت رکھتا ہے، جو اپنے اندر جرأت رکھتا ہے، جو اپنے اندر جلال رکھتا ہے، جو اپنے اندر حکم کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے کہ دریائے نیل نہیں بہتا تو نیل کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

﴿فان کنت تجری بنفسك فلاحاجة وان کنت تجری بالله فاجر علی اسم الله﴾

اے نیل اگر تو اپنی مرضی سے بہتا ہے پھر تیرے بہنے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں اگر تو اللہ کے حکم سے بہتا ہے تو تجھے حکم دیا جاتا ہے کہ تو بہہ اور نیل کی مجبوری بن جاتی ہے وہ بہنے لگا۔

اگر نہیں بہے گا تو قیامت کے دن اللہ کی عدالت میں جواب دہ ہوگا میں نے نیل کو تیرے نام سے بہنے کا حکم دیا تھا نیل نہیں بہا تھا یہ ہے فقرِ سلطانی جو حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کے اس حکم سے جھلکتا ہے۔

ایک فقر ہے، جس فقر کو اپنا کر قومیں مسکین ہو جاتیں ہیں، قومیں دلگیر ہو جاتیں ہیں، قومیں زمیں بوس ہو جاتیں ہیں، قومیں سرنگوں ہو جاتیں ہیں، دشمن طمانچہ مارتا ہے تو قومیں دوسرا گال آگے کر دیتی ہیں وہ کہتیں ہیں کہ اس منہ کے اوپر بھی طمانچہ مار لے جو فقر آج کل بد قسمتی سے مسلمانوں نے اپنا رکھا ہے وہ یہی فقر ہے کہ دشمن ایک مارتا ہے تو ہمارا دوسرا گال بھی حاضر ہے لیکن یہ وہ فقر ہے جو فقرِ رہبانی ہے جو فقرِ عیسائیت ہے یہ فقرِ محمدی صلی اللہ وعلیہ وسلم نہیں ہے فقرِ محمدی کیا ہے؟

اک فقر سے مٹی میں خاصیتِ اکسیری

ایک ایسا فقر بھی ہے جو زمین کو چھو لے تو زمین کو سونا بنا دیتا ہے اور پھر ہمیں یہ بتاتے ہیں فقر اور سلطنت کو تم جب جدا جدا سمجھتے ہو تو سلطنت میں ملوکیت اور لادینیت طاری ہو جاتی ہے اور فقر کے اندر رُہبانیت طاری ہو جاتی ہے فقر صرف خانقاہ تک محدود ہو جاتا ہے، فقر غار تک محدود ہو جاتا ہے، فقر صحرا تک محدود ہو جاتا ہے، فقر پہاڑوں تک محدود ہو جاتا ہے، فقر جنگلوں تک محدود ہو جاتا ہے اسی لیے وہ کہتا ہے:

بیا کہ غلغلہ در شہر دلبراں فگنیم
جنوں زندہ دلاں ہرزہ گرد صحرانیست

آ اور یہ غلغلہ ہم دلبروں کے شہر میں طاری کر دیں کہ زندہ دلوں کا جنون صحراؤں میں اذان نہیں دیتا، زندہ دلوں کا جنون شہروں اور آبادیوں میں اذانیں دیتا ہے جہاں مخلوقِ خُدا بستی ہے۔

گئے وہ ایام اب زمانہ نہیں ہے صحرا نوردیوں کا
جہاں میں مانندِ شمع سوزاں میانِ محفل گداز ہوجا

وہ وقت گزر گیا کہ جب رُہبانی تصوف صحراؤں میں خاک چھنتا پھرتا تھا۔ اب اُٹھ! اور بزمِ کائنات کی وجہِ رونق بن جا۔
اللہ نے یہ جہاں بانی، یہ قوت و شوکت، اللہ نے یہ سلطنت تیرے حوالے کر دی ہے "میانِ محفل گداز ہوجا" شمع بن کر اس جہان کے وسط میں آجا کہ تیری روشنی سے سارا عالم منور ہو جائے اور ظلم اور استبداد کے اندھیرے چھٹ جائیں۔ فقر و سلطنت پر میں آخری مثال عرض کروں گا کہ کلیمی حضرت موسیٰ

علیہ السلام کو عطا کی گئی کلیمی اکیلی عطا نہیں ہوئی کلیمی کے ساتھ ایک بڑا اہم جُز تھا جسے ہم سست رو عجمی، سست رو ہندی، ٹھنڈی میٹھی باتیں سننے والے بھول جاتے ہیں اور کلیمی کے ساتھ تھا وہ ﴿فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ﴾
وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا تھا اور اقبال نے کہا کہ

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

کلیمی کی قوت تو عصا میں تھی کیوں کہ کلیمی الہام ہے، الہامی نظام ہے اس الہامی نظام کو زمین پر نفاذ کیلئے چھڑی چاہیئے، قوت چاہیے، طاقت چاہیے، جرأت چاہیے، دلیری چاہیے، بہادری چاہیے یہ بہادری کہ دریا آ گیا ہے راستے میں دشمنوں نے پُل توڑ دیا ہے تو سالار حکم کرنے کی قوت رکھے کہ دجلہ میرے لشکر کے کسی گھوڑے کے سُم بھی گیلے ہوئے تو قیامت کے دن تجھے اللہ کی عدالت میں گھسیٹ کے لے جاؤں گا یہ تیرے سپاہیوں کے گھوڑے کو ڈبوتا تھا، یہ قوت چاہیے شیرِ خدا مولا علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ مولائے کائنات خیبر کا قلعہ آپ نے ہی فتح فرمایا، بظاہر تو آپ کو کچھ تکلیف بھی تھی، کیسے فتح فرمایا؟ مولائے کائنات فرماتے ہیں

''میں نے خیبر کے قلعے کو نہ اپنی غذائی قوت سے فتح کیا ہے نہ ہی جسمانی قوت سے فتح کیا ہے بلکہ مَیں نے خیبر کے قلعے کو اپنے ملکوتی قوت سے فتح کیا ہے''۔

جب ہم اس چیز کو اپنی نگاہوں سے دور کر دیتے ہیں، اس پر ہم سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں تو پھر ہمارے درمیاں فتنہ پھوٹتا ہے اور یہ چاروں چیزیں آپ دیکھتے۔ اللہ نے فرمایا کہ ''میرا محبوب جو چیز عطا کرے اُسے لے لو اُس سے وابستہ ہو جاؤ'' کیا ہم قرآن سے ان معنوں میں وابستہ ہیں؟ کیا سنّت سے ان معنوں میں وابستہ ہیں؟ کیا فقر سے ان معنوں میں وابستہ ہیں؟ اور کیا یہ سلطنت اسلامی جمہوریہ پاکستان نظریہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی بنیاد پر بننے والی سلطنت، کیا ہم اس سے وابستہ ہیں؟ کیا ہم اس کے نظریہ کے دفاع کیلئے، اس نظریے کے قاتلوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہیں؟ کیا اس نظریے کو حذف کر کے اس کی جگہ جو مغرب سے Import شدہ (جو مغرب میں ناکام ہو چکا، جس کے خلاف ۸۰ سے زیادہ ممالک میں تحریکیں کھڑی ہو گئیں اس نظام کو، اس نظریے کو یہاں لانے کی بات کر رہے ہیں جو خود ان کے ہاں ناکام ہو گیا) نظام مسلط رکھنا چاہتے ہیں اُن کو اس گناہ سے روکنے کیلئے عملی یا زبانی یا کم از کم دل ہی دل میں کوئی کاوش کرتے ہیں؟۔ ہم کیسے یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت سے پوری طرح وابستہ ہو گئے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیضان سے پوری طرح وابستہ ہو گئے؟ فتح یروشلیم کے موقع پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا اے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ﴿انا کنا اضل قوم فاعزنا اللّٰہ بالاسلام﴾ تم جانتے ہو بیشک ہم قیصر و کسریٰ کی طاقتوں کے سامنے ایک ذلیل اور رُسوا قوم تھے، ہمیں اللہ نے اسلام کی وجہ سے عزت عطا کی، برتری عطا کی اور ان پر قوت عطا کی۔ اے ابو عبیدہؓ یاد رکھو اگر ہم نے اسلام کے بغیر اللہ سے عزت طلب کی، ان پر حاوی ہونا چاہا جس اللہ نے ہمیں عزت عطا کر دی ہے وہی اللہ ہمیں ذلیل کر دے گا۔ ہمارے بزرگوں نے اسلام کے نام پر ﴿لاالٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ﴾ کے نظریے پہ مملکت حاصل کی تھی، یہ سرزمین حاصل کی تھی بدقسمتی ہے ہم نے ایسے لوگوں کو بالادست کر دیا جو اس نظریے کے امین نہ تھے جن کا ﴿لاالٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ﴾ سے کوئی تعلق نہیں تھا یہاں پہ کبھی کیمون ازم لانے کی کوشش کی گئی، کبھی سوشل ازم کے لانے کی کوشش کی گئی، اب سیکولر ازم لانے کی کوشش کی جا رہی ہے جب اللہ نے کہہ دیا

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾

مَیں نے دین کو مکمل کر دیا ہے۔ اسلام میں کسی ازم کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی اللہ کا دین جب مکمل ہو گیا کوئی ازم اس میں نہیں پنپ سکتا۔

﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾

اللہ کے نزدیک دین فقط اسلام ہے۔

کسی ازم کے آنے کی یہاں کوئی گنجائش نہیں یہ ہم نے کیمون ازم کے نام پر، سوشل ازم کے نام پر اور سیکولرازم کے نام پر ملک حاصل نہیں کیا تھا ہم نے اللہ کے دین کے نام پر حاصل کیا تھا میرے اور آپ کے بزرگوں نے کیا نعرہ لگایا تھا، ہم کیوں پاکستان لے رہے ہیں، کس نظریے کا نفاذ ہم یہاں پر چاہتے ہیں، پاکستان کا مطلب کیا ہوگا؟ ﴿لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ﴾ ہوگا۔ تب ہی ہمارے بزرگ یہ کہتے تھے

پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ

اس بنیاد پہ ہم نے یہ مملکت حاصل کی تھی اور ہم نے اللہ سے یہ وعدہ کیا، ہمیں دو سامراجوں کی غلامی سے نجات دے برطانوی استعمار سے نجات اور ہندو سامراج سے نجات دے، اللہ سے ہم نے کہا تیرے دین کا نفاذ کریں گے ان سامراجوں کی غلامی سے نجات عطا کردے، اللہ نے وہ قوت جو یہ دعویٰ کرتی تھی کہ اس دُنیا میں میرا سورج کبھی غروب نہیں ہوسکتا آج جا کے دیکھیں وہ اتنی سمٹ گئی ہے، وہاں ایسے بادل چھائے رہتے ہیں جہاں سورج طلوع ہی نہیں ہوتا، گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیا۔ ہندوٗ سامراج جو ہمارا استحصال کرتا تھا اس کی غلامی سے نجات عطا کی، اللہ نے کہا مجھ سے جو وعدہ کیا ہے انہوں نے کہ میرے دین کو نافذ کریں گے وہ اللہ سے کیے ہوئے وعدے سے مُکر گئے، اللہ سے کیے ہوئے وعدے سے منحرف ہوگئے، اللہ نے کہا دو استعماروں سے نجات چاہتے تھے وہ وعدہ نہیں نبھایا تم نے، جاؤ مَیں نے تمہیں کئی استعماروں کی غلامی میں مبتلا کردیا ہے۔ ہمارا حکیم، نبض شناس ہمیں یہ بتاتا ہے:

کیا گیا ہے غلامی میں مبتلا تجھ کو
کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی

آج ہمیں واپس اسی جگہ پر لوٹنا ہے جہاں سے ہم نے اپنا سفر چھوڑا تھا، جہاں سے ہمارا سفر ادھورا رہ گیا تھا اور۔

اب مَیں وہ آخری چار چیزیں عرض کروں گا کہ جن سے ہمیں رسالت مآب ﷺ نے منع کیا کہ ''ان کے قریب مت جانا'' اور اللہ نے ہمیں کہا ''میرا محبوب تمہیں جس بات سے روکے اس بات سے رک جاؤ'' کیونکہ مَیں نے اس کی زبان پہ اپنا کلام جاری کیا ہے یہ جو حکم دیتا ہے وہ میرا حکم ہوتا ہے، میری مرضی کے بغیر زبان بھی نہیں ہلاتا۔ حضور نے ہمیں جن چار چیزوں سے منع کیا اور بھی بے شمار چیزوں سے حضور نے منع کیا لیکن وہ چار چیزیں جو ہمیں اپنے معاشرے میں اندھا دھند نظر آتی ہیں جسے ہم پنجابی میں کہتے ہیں کہ ''اَنھے وا نظر اَوندیاں نیں'' اور حضور نے ان چار اعمال سے ہمیں منع کیا شرک، جھگڑے، فحاشی اور طلاق سے۔ آج آپ اپنے معاشرے میں دیکھتے ہیں، اپنے گرد و پیش میں نگاہ ڈال کے دیکھیں! حضور نے بے شمار چیزوں سے ہمیں منع فرمایا ہے وہ بہت ہی بنیادی ہیں، اور ہمارے اندر بہت زیادہ سرایت کرگئی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کو پسند فرماتا ہے وہ تین کام تم نہ کرو اللہ اس بات کو پسند فرماتا ہے فرمایا ایک عبادت میں کوتاہی نہ کرو، دوسرا اُس کی ذات کے ساتھ شرک نہ کرو۔

آج یہ اذان کہاں کھوگئی ؟ اللہ اکبر میرا دستور سب دستور سے بڑا ہے میرے دستور سے بڑا کسی دستور کو مت مانو۔ اللہ اکبر میرا عطا کردہ نظام زندگی ،نظامِ سیاست ،نظامِ معیشت ، ہرنظامِ زندگی ، ہر نظامِ سیاست اور ہر نظامِ معیشت سے بڑا ہے اس سے بڑا کسی کو مت مانو آج یہ اذان کہاں کھوگئی کہ اقبال کو نوحہ کرنا پڑا ، مرثیہ کرنا پڑا کہ

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برگ ِ طبعی نہ رہی شعلہ مکانی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی
رہ گئی رسمِ اذاں ، روح بلالی نہ رہی

روح بلالی کیا ہے اُمیہ بن خلف میرے سینے پہ جتنا بڑا مرضی پتھر رکھ لے ، مجھے گھسیٹ لے مکہ کی گلیوں میں ،سنگلاخ چٹانوں پہ گھسیٹ ، تپتی ریت پر لٹا ، میرے جسم پر کوڑے مر میرے پشت پر کوڑے مار میرے سینے پر کوڑے مار میرے پیچھرے پر کوڑے مار لیکن اس کی واحدانیت کی Commitment کر چکا ہوں ، اس کی واحدنیت پر کوئی Compromise نہیں کروں گا ، ہر نماز پر یہ کہتے ہیں اس کی پہلے تعریف کرتے ہیں کہ تو تعریف کے لائق ہے جو سب جہانوں کو پالنے والا ہے آخرت بھی تیرا ہی دن ہے تو ہی اس دن عادلِ اعظم ہوگا اور اسے یہ وعدہ بھی کرتے ہیں کہ تیری ہی عبادت کرتا ہوں ، تیرے علاوہ کسی کو خاطر میں نہیں لاؤں گا صرف تجھ ہی سے مانگوں گا۔ کیا آج ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر یہ سمجھتے نہیں

﴿اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ﴾

سے ہم منحرف ہوئے ، اس عہد میں ہم کمزور ہوئے ، اس عہد میں ناپختہ ہوئے اور توحید کو ، واحدنیت کو ہم نے انبیائے کرام علیہم السلام کے انقلابی نظریے کی بجائے ، نبی آخرالزمان کے انقلابی نظریے کی بجائے ، خلفائے راشدین کے انقلابی نظریہ کی بجائے ہم نے توحید کو علمِ کلام کے ایک مسئلے تک محدود کر دیا۔

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے فقط اِک مسئلۂ کلام

حضور نے کہا شرک کے پیچھے مت جانا ، شرک میں نہ پڑ جانا ، ہم نے شرک کو اپنا لیا ، اللہ نے کہا میرے محبوب کی عطا کی ہوئی چیز کو نہیں تھامو گے ، میرے محبوب نے جس چیز سے منع کیا اُس چیز سے منع نہیں ہو گے تو پھر

﴿اِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ﴾

''اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے'' وہ اپنا عذاب لے آتا ہے اور دوسری چیز جس سے حضور نے ہمیں منع کیا وہ جھگڑا تھی جھگڑے سے ہمیں رسالت مآب ﷺ نے منع فرمایا کہ آپس میں جھگڑنا مت اور اس حد تک حضور نے ہمیں محتاط رہنے کا حکم دیا

﴿لاترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعد﴾

میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم میں سے بعض لوگ ، بعض لوگوں کی گردنیں مارتے پھریں ، ایک دوسرے کو قتل کرتے پھرو ، میرے بعد کافر نہ ہو جانا ، حضور نے ہمیں اس بات سے منع کیا آج آپ دیکھیں کہ ہم ایک دوسرے کی گردنیں نہیں مارتے ، مذہب میں ، سیاست میں ، چوہدراہٹ میں ، نمبرداری میں ، پیرداری میں ، ملاداری میں ، ہر چیز میں پکھنڈ بازیاں بنائی ہوئیں ہیں اور ایک دوسرے کو قتل کرتے پھرتے ہیں ، ایک دوسرے کا خون کرتے پھرتے ہیں ؟ حضور نے اس قدر محتاط رہنے کا کہا حضور رسالت مآب کا فرمان ہے

''خبردار کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار کا اشارہ تک نہ کرے کیونکہ اسے معلوم نہیں شیطان وہ ہتھیار اس کے ہاتھ سے جاری کردے'' یہ جو ہمیں بزرگ کہتے ہیں پستول پڑا ہو تو بھائی کسی کی طرف اس کا منہ نہ کرو یہ احتیاط ہماری اپنائی ہوئی نہیں یہ رسالت مآب ﷺ کا حکم ہے اور آج ہم جھگڑتے پھرتے ہیں، لڑتے پھرتے ہیں، مارتے پھرتے ہیں ایک دوسرے کو، کس بات پر؟ مذہب کے نام پر، سیاست کے نام پر، کبھی غنڈہ گردی کے نام پر، کبھی چوہدراہٹ کے نام پر کس جگہ پر اس کی اجازت دی گئی اور میں تمام علماء کرام سے، تمام مشائخ عظام سے گزارش کروں گا کہ یہ اکیسویں صدی ہے اور جس نے اکیسویں صدی میں ان جھگڑوں کو نہ چھوڑا، ان جھگڑوں اور فسادات کو نہ چھوڑا، اس تحارب اور تصادم کو نہ چھوڑا تو یاد رکھیئے کہ آپ اللہ کی عدالت میں جواب دہ ہوں گے آج تک ہم نے کیا رویہ اپنائے رکھا ہم دین کو مسلک پر قربان کرتے رہے، دین کو سلاسل پر قربان کرتے رہے لیکن یہ وقت آن پہنچا ہے کہ اب مسالک کو دین پر قربان کرنا ہوگا اور سلاسل کو دین پر قربان کرنا ہوگا، ہمیں یہ اوّلیت مقرر کرنی ہوگی اور لوگوں کو بتانا ہوگا کہ میرے لیے اوّل حیثیت میرے مسلک کی ہے یا میرے لئے اوّل حیثیت میرے دین کی ہے؟ یہ ببانگِ دہل کہنا ہوگا کہ میرے لیئے اوّل حیثیت میرے سلسلے کی ہے، یا میرے لیے اوّل حثیت میرے دین کی ہے؟

اور آخری گزارش نواہی میں تیسری اور چوتھی چیز اور امر ونہی میں ساتویں اور آٹھویں چیز طلاق اور فحاشی ہیں جن سے حضور آقائے دو جہان ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

میرے بھائیو اور بزرگو! یہ ہمارے معاشرے کا انتہائی اندوہناک اور انتہائی دردناک پہلو ہے حضور رسالت مآب ﷺ نے بڑی وضاحت سے یہ فرمایا کہ

''وہ چیزیں جو حلال کی گئی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند طلاق ہے''۔

ایک دوسرے مقام پر حضور رسالت مآب نے فرمایا

''وہ عورت جو کسی بھی وجہ کے بغیر اپنے شوہر سے طلاق کو طلب کرے اس پر جنت کی بُو بھی حرام کردی جاتی ہے''۔

اور آج یہ تصادم، آج یہ فتنہ ہمارے معاشرے میں صرف ایک طرف سے نہیں دونوں طرف سے ہے زوج کی طرف سے بھی اور زوجہ کی طرف سے بھی۔ اور اس کی بنیادی وجہ وہ بڑھتی ہوئی فحاشی ہے، وہ بڑھتی ہوئی عریانی ہے، وہ بڑھتا ہوا ہمارا انٹی سوشل رویہ ہے کہ جس نے ہمیں کسی احتساب کے عمل میں لائے بغیر سوشل نیٹ ورکنگ ویب سائٹس کی سہولیات اور سستے ترین ایس ایم ایس فراہم کردیئے اور نتیجتاً ہمارے معصوم بچے، ہماری معصوم بچیاں، ہمارے معصوم بھائی، ہماری معصوم بہنیں، ہمارے معصوم بیٹے، ہماری معصوم بیٹیاں وہ آج ایک غلیظ، نجس، پلید اور شہوانی جذبے کی تکمیل پر، خواہش نفس کی تکمیل پر مبنی ایک جھوٹی محبت اور نجس محبت میں مبتلا ہو کے اپنے خاندان کے دامن کو تار تار کردیتے ہیں، اپنی دہلیز کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیتے ہیں اور حدود اللہ کو، حدود رسول اللہ کو قدموں کے تلے روندتے ہوئے آگے گزر جاتے ہیں۔ دوستو! یقین کریں کہ جن شرفاء پر یہ بیتتی ہے وہ دُنیا میں منہ اٹھا کے چل نہیں سکتے، شرفاء کو خودکشیاں کرتے دیکھا ہے فقط اس لیے کہ معاشرے میں کون سامنہ لے کر جائیں گے۔ آج یہ وہ فتنہ ہے جس سے رسول کریم ﷺ نے ہمیں متنبہ فرمایا تھا کہ طلاق حلال تو ہے لیکن یہ اگر فحاشی اور عریانی کے ضمن میں آگے بڑھے گی تو اللہ تعالیٰ نے اسے شدید ناپسند کیا ہے اس لئے آج آپ دیکھیں پاکستان میں سو شادیاں ہوئیں اور تینتیس کو طلاق ہوجاتی ہے یعنی تین میں سے ایک کو طلاق ہوجاتی ہے اور آج اگر ہمارا معاشرہ قائم ہے تو اس ہمارے فیملی یونٹ کے اوپر قائم ہے جتنی تباہی، جتنی غربت، افلاس، بھوک، دہشتگردی اور یہاں یہ فتنہ اور فساد جو پھوٹتے ہیں مَیں آپ تمام یہاں ذی شعور بیٹھے ہیں میں پوری ذمہ داری سے کہتا ہوں مغرب میں کسی ملک کے اندر، اگر ایک سال کیلیے بھی یہ غربت اور افلاس، ایک سال کیلیئے یہ بدترین فسادات کسی بھی ملک کے اندر ہوجائیں خدا کی قسم اس ملک کے ایک سال کے بعد پرزے پرزے ہوجائیں وہ بکھر جائے وہ منتشر ہوجائے وہ لوگ ہلاک ہوجائیں برباد ہوجائیں کیونکہ آج مغرب میں فیملی یونٹ بکھر چکا ہے مغرب میں ان کا خاندانی ڈھانچہ نہیں رہا اگر ہم اس بدترین افلاس کو

برداشت کر کے، بدترین فسادات کو برداشت کر کے، اس بدترین، بدانتظامی کو برداشت کر کے اگر بیٹھے ہیں تو اس کی وجہ ہمارا خاندانی یونٹ ہے، ہمارا خاندانی ڈھانچہ ہے ہمارا یہ خاندانی ڈھانچہ اگر اسی طرح بکھرتا رہا اس طرح ٹوٹتا رہا تو مغرب کی طرح یہاں پہ شرح فحاشی سو فیصد سے زیادہ ہو گئی اگر شرح طلاق نوے فیصد سے تجاوز کر گئی آپ کا معاشرہ قائم نہیں رہے گا یہاں پہ کوئی نہ دین ہو گا، نہ یہاں پہ کوئی دین کا نام لیوا ہو گا نہ کوئی دین کا علم بلند کرنے والا ہو گا اس لیے میرے بھائیو اور بزرگو یہ تلخ باتیں ضرور ہیں، یہ سخت باتیں ضرور ہیں، یہ کڑوی باتیں ضرور ہیں، یہ باتیں زہر لگتی ہیں، بری لگتی ہیں لیکن آپ یاد رکھیے اگر اس معاشرے میں آپ نے اس کے اوپر احتساب نہ رکھا، آپ نے جرأت کا مظاہرہ نہ کیا، ہم اُجڑ رہے ہیں ہم مزید اجڑ جائیں گے پورا معاشرہ بکھر جائے گا، گلیوں، بازاروں میں فحاشی عام ہو جائے گی۔ گلی کوچوں میں یہاں عریانی عام ہو جائے گی یہ وہی معاشرہ بن جائے گا کہ جس معاشرے کیلئے اقبال نے بتایا ہے کہ

گو فکرِ خداداد سے روشن ہے زمانہ
آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد

آزادی فکر، یہ مغرب کی بنائی ہوئی فکر، یہ ہمارے اوپر رائج عمل نہیں ہو سکتی یہ ہمارے امراض کی دوا نہیں ہے اور اس طرح اقبال ہمیں یہ بتاتا ہے کہ

ہو فکر اگر خام تو آزادی افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

کیا ہم اپنے معاشرے کو حیوانی معاشرہ بنانا چاہتے ہیں؟ کہ بیٹی کا، بہن کا، ماں کا اور بہو کا تقدس ختم ہو جائے جس کی مرضی آئے جس کی طرف چاہے میلی نظر اٹھا کے دیکھتا رہے۔ یہ معاشرہ ہم چاہتے ہیں؟ کونسا معاشرہ چاہتے ہیں؟ یہاں پھر ہم کہتے ہیں کہ خدا کا عذاب کیوں آیا یہ وہ برا بدترین نظام ہے مغرب کا، مجھے بتائیے کہ یہ بڑی بڑی موبائل کمپنیاں یہاں بیٹھی ہیں، یہ بڑے سستے سستے پیکیجز اور ایسی تمام چیزیں جو وہ اناؤنس کرتی ہیں اس میں ایک عام آدمی کا کتنا فائدہ ہے اور اس میں فحاشی کا فروغ کتنا ہے؟ آپ مجھے بتائیے کیوں ہم کبوتر کی طرح اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں؟ کیوں ہم حق بات کو نہیں کہتے؟ کیوں ہم سچ بات کو نہیں کہتے؟ یہ جی رات آٹھ بجے سے لیکر صبح چھ بجے تک Free ہو گا، یہ ہو گا وہ ہو گا۔ مجھے یہ باتیں زیب نہیں دیتی ممبر رسول پر کھڑے ہو کے لیکن وہ تلخ حقائق ہیں انہیں مانے بغیر چارا نہیں، ایڈریس کیے بغیر چارہ نہیں، کونسا کاروبار ہوتا ہے رات آٹھ سے صبح چھ بجے تک؟ کس کیلئے کیا جاتا ہے؟ کیوں ہم آواز نہیں اٹھاتے اس غلیظ، نجس اور پلید پالیسی کے خلاف؟ کیوں نہیں ہماری آوازیں بلند ہوتیں فحاشی کے اس فروغ کے خلاف؟ کیوں ہماری زبانیں گونگی ہو جاتیں ہیں سوشل نیٹ ورکنگ پر جو کچھ ہو رہا ہے؟ پاکستان بدقسمتی سے ایک اسلامی ملک ہونے کے باوجود دنیا میں تیسرے نمبر پر ہے جہاں فحش ویب سائٹس زیادہ دیکھی جاتی ہیں کیا اس پر ہمیں اپنے گھروں پہ، اپنے بچوں پہ، اپنے بچیوں پہ کسی نظامِ احتساب کی ضرورت نہیں؟ حضرت عمرؓ کا قول یاد رکھیے حضرت عمرؓ نے فرمایا

''اپنا احتساب کر لو کہ اس سے پہلے کہ تمہیں اللہ کی عدالت میں اپنا احتساب دینا پڑے، اپنے اعمال تول لو اس سے پہلے کہ اللہ کی بارگاہ میں تمہارے اعمال رکھ دیے جائیں؟ وہاں پہ تمہارے یہ ہاتھ، تمہارا یہ چہرا، تمہاری زبان، تمہارے پاؤں، تمہاری ہر چیز گواہی دے گی اور قرآن میں اللہ پاک فرماتا ہے کہ ''اس دن یہ زمیں سب کچھ اُگل دے گی، یہ زمیں سب کچھ بتا دے گی''

حضور نے مزید اس کی وضاحت میں ارشاد فرمایا کہ

''کب کس شخص نے، کس وقت، کس جگہ اور کیا کیا۔ زمین یہ سارا کچھ اُگل دے گی''

ہمیں کوئی خوف نہیں رہا خدا کا؟

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾

''ڈرو اللہ سے اللہ کا عذاب بہت سخت اور شدید ہے۔''

میرے بھائیو اور بزرگو! اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین یہی پیغام لے کے آپ کے پاس آئی ہیں کہ خدارا ہماری جو بنیاد ہے رسول اللہ سے محبت کی اس بنیاد پہ ہم نظر ثانی کریں میں آخر میں اپنی تمام بات کو تین چار جملوں میں عرض کروں اللہ نے کہا

''میرا محبوب جو کہے اسے مانو جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ مجھ سے ڈرو ورنہ میرے عذاب کیلئے منتظر رہو۔''

حضور نے کس چیز کا حکم دیا؟

''قرآن سے وابستہ ہو جاؤ اور سنت سے وابستہ ہو جاؤ اور فقر و سلطنت کا راستہ اختیار کرو''۔

کس چیز سے منع کیا؟

شرک سے منع کیا، جھگڑے سے، باہمی لڑائی سے منع کیا، فحاشی سے منع کیا اور طلاق سے منع کیا، ان سے باز آجاؤ، اللہ سے ڈرو ورنہ اس کا عذاب تمھارے اوپر طاری کر دیا جائے گا''

مَیں یہی دعوت آپ سب بھائیوں کو دوں گا کہ آئیں آج ہمیں اپنے آپ سے اس تبدیلی کا آغاز کرنا ہے اور اپنے گھروں میں جا کر حضور رسالت مآب ﷺ کی سنت کے مطابق کہ سب سے پہلے آپ ﷺ نے اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کو اسلام کی دعوت دی، اپنے گھر میں یہ اذان دیں، اپنے بچوں میں یہ اذان دیں، اپنے رشتہ داروں میں یہ اذان جا کے دیں، اپنی گلیوں میں جا کر یہ اذان دیں، اپنے محلوں میں جا کر یہ اذان دیں، اپنے قصبوں میں جا کر یہ اذان دیں، اپنے شہروں میں یہ اذان دیں، اور اپنے دفاتر میں، اپنی دکانوں میں، اپنے کالجز میں، اپنی یونیورسٹیز میں، اپنی لیبارٹریز میں، اپنی لائبریریز میں، آپ جا کر یہ اذان دیں۔ یہ اذان مجھ پر بھی فرض ہے، یہ اذان آپ پر بھی فرض ہے، یہ اذان آج اللہ کے ہر نام لیوا پر، آج مصطفٰی ﷺ کے ہر نام لیوا پر، آج ہر کلمہ گو پر یہ اذان فرض ہے اور آج یہ اذان بلند ہوگی جب یہ اذان آپ دیں گے تو یقین جانیں ظلم اور استبداد کی یہ کالی گھٹائیں چھٹ جائیں گی، ظلمت اور تاریکی کی یہ کالی گھٹائیں چھٹ جائیں گی، یہ تعصب کے، ظلمت کے، استبداد کے، سامراجیت کے، استعمار کے یہ اندھیرے جو ہمارے اوپر چھائے ہوئے ہیں یہ اندھیرے چھٹ جائیں گے کیونکہ ابلیس نے ہماری اس اذان کو دبا رکھا ہے یہ اذان بلند ہوئی مغرب کا استبداد مٹ جائے گا، یہ اذان بلند ہوئی یہ جاگیرداری استبداد مٹ جائے گا، یہ اذان بلند ہوئی یہ سامراجی استبداد مٹ جائیگا اور صرف اللہ کا نام قائم ہو جائے گا، رات ختم ہو جائے گی صبح طلوع ہوگی اُس کی کرنیں پھوٹیں گے اُس کی شبنم آئے گی، اُس کی روشنی سے زمانہ منور ہو جائے گا، اس دُنیا میں امن قائم ہو جائے گا کیوں؟ یہ اذان اُسی وقت آتی ہے اور مغرب کی رات اسی بات سے لرزتی ہے کہ کہیں مومن اُسی اذان کی طرف راغب نہ ہو جائے لیکن آج یہ مومن کا عہد ہے کہ ہم نے وہ اذان دینی ہے، وہ سحر طلوع کرنی ہے، وہ صبح طلوع کرنی ہے، وہ سورج طلوع کرنا ہے جو امن کا سورج ہوگا، جو آشتی کا سورج ہوگا، جو توحید کا سورج ہوگا، جو رسالت کا سورج ہوگا، جو مساوات کا سورج ہوگا، جو حریت کا سورج ہوگا اور جو اخوت کا سورج ہوگا۔ یہی بات ہمیں علامہ اقبال نے بتائی؛

وہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

آپ مومن بنیں اور دُنیا میں جا کہ یہ اذان دیں۔

DOCUMENTARY SERIES ON SULTAN UL FAQR (VOL-1)

شاندار ڈاکیومینٹری فلم

سلطان الفقر

خوشخبری

Also Available In Other Languages

cdp
Al-Arifeen Digital Production

حضرت سلطان محمد اصغر علی

خانوادۂ حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ

۱۴/اگست ۱۹۴۷ء تا ۲۶/دسمبر ۲۰۰۳ء

حضرت سُلطان محمد اصغر علی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے ہمہ جہت شخصیّت بنایا تھا جہاں آپ سُلطان الفقر اور ایک صاحبِ نگاہ مُرشد تھے وہیں آپ ایک ولولہ انگیز قائد اور صاحبِ بصیرت مفکّر بھی تھے جہاں آپ فنِ تعمیر کا ذوقِ جمال رکھتے تھے وہیں آپ فنِ شہسواری اور تازی داری کی بے مثال مہارت رکھتے تھے۔ جہاں آپ اپنے صُحبت نشینوں سے عجائباتِ قرآن کی تفسیر اور سُنّتِ رسول ﷺ کے احیاء کے عملی تقاضوں پر مبنی گفتگو فرماتے وہیں آپ طالبانِ مولیٰ کو تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب، تجلیءِ روح، حاضراتِ تصورِ اسم اللہ ذات اور تصوّف کے اَسرار و رموز سے آشنا فرماتے۔ آپ کی طبع اور اندازِ گفتگو خُلقِ محمدی ﷺ کی عملی تفسیر تھے۔

Produced & Released by:
AL-Arifeen Digital Production

Script & Direction:
Tariq Ismail Sagar

Voice Over:
Shujat Hashmi

Project Coordinator:
M. A. Khan (Luton - UK)

AL-ARIFEEN DIGITAL PRODUCTION Lahore Pakistan ®

Head Office: Darbar Hazrat Sultan Bahoo. (R.H.) Jhang (Punjab) Pakistan.

Office: Monthly Mirrat ul arifeen international P.O.Box 11 G.P.O Lahore
Ph & Fax:+ 92-42-37509009

www.alfaqr.net

پیامِ زینب سلام اللہ علیہا
جنوری۔ فروری 2010 محرم/صفر/ربیع الاول 1431 ہجری قمری
158-159
Registered # NPR-159
کل یوم عاشوراء کل ارض کربلاء
یا شہید کربلاء
جنتری نمبر
ولی العصر جنتری
2010
فرمان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
"حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں"
حسین منی وانا من حسین
بقیۃ اللہ

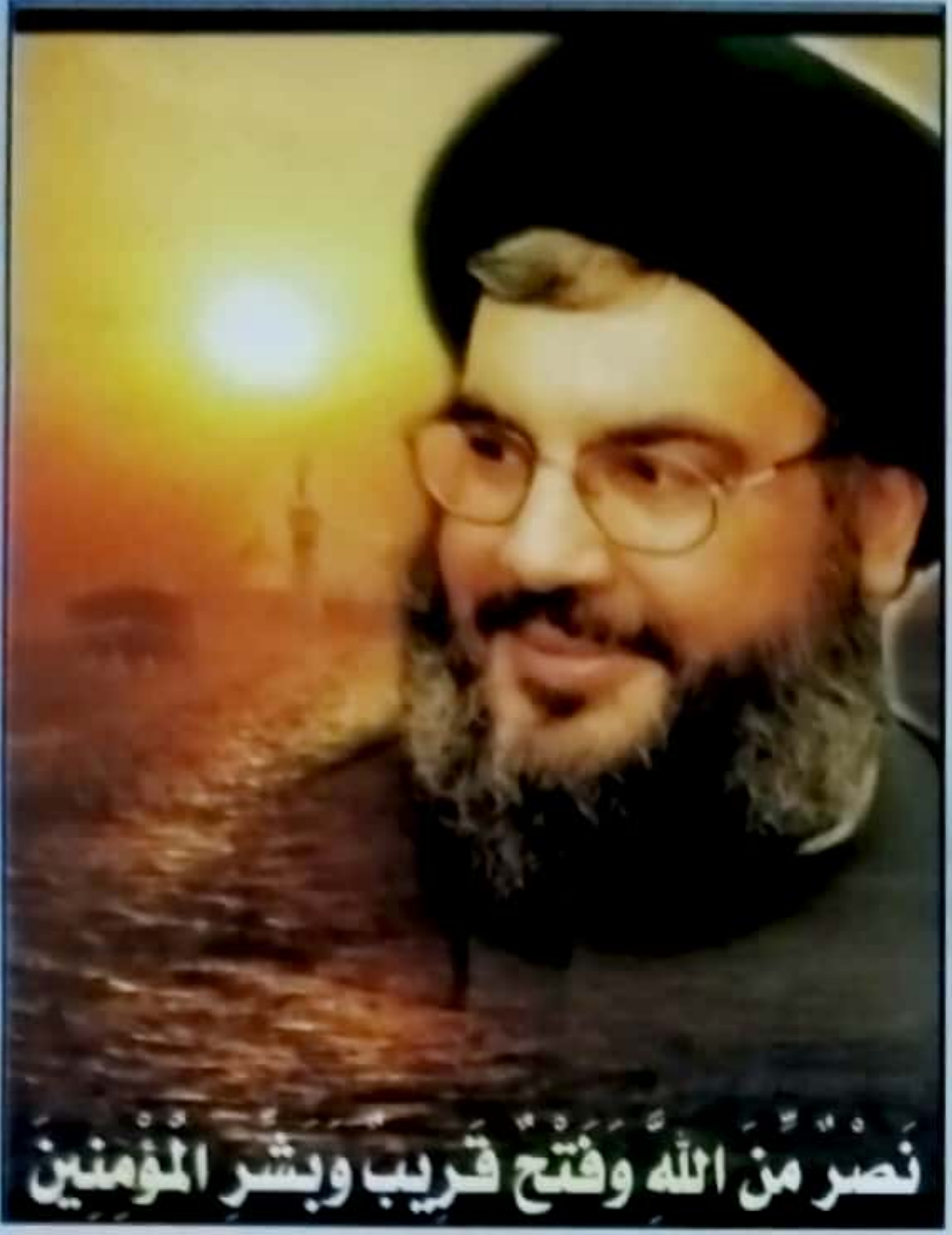

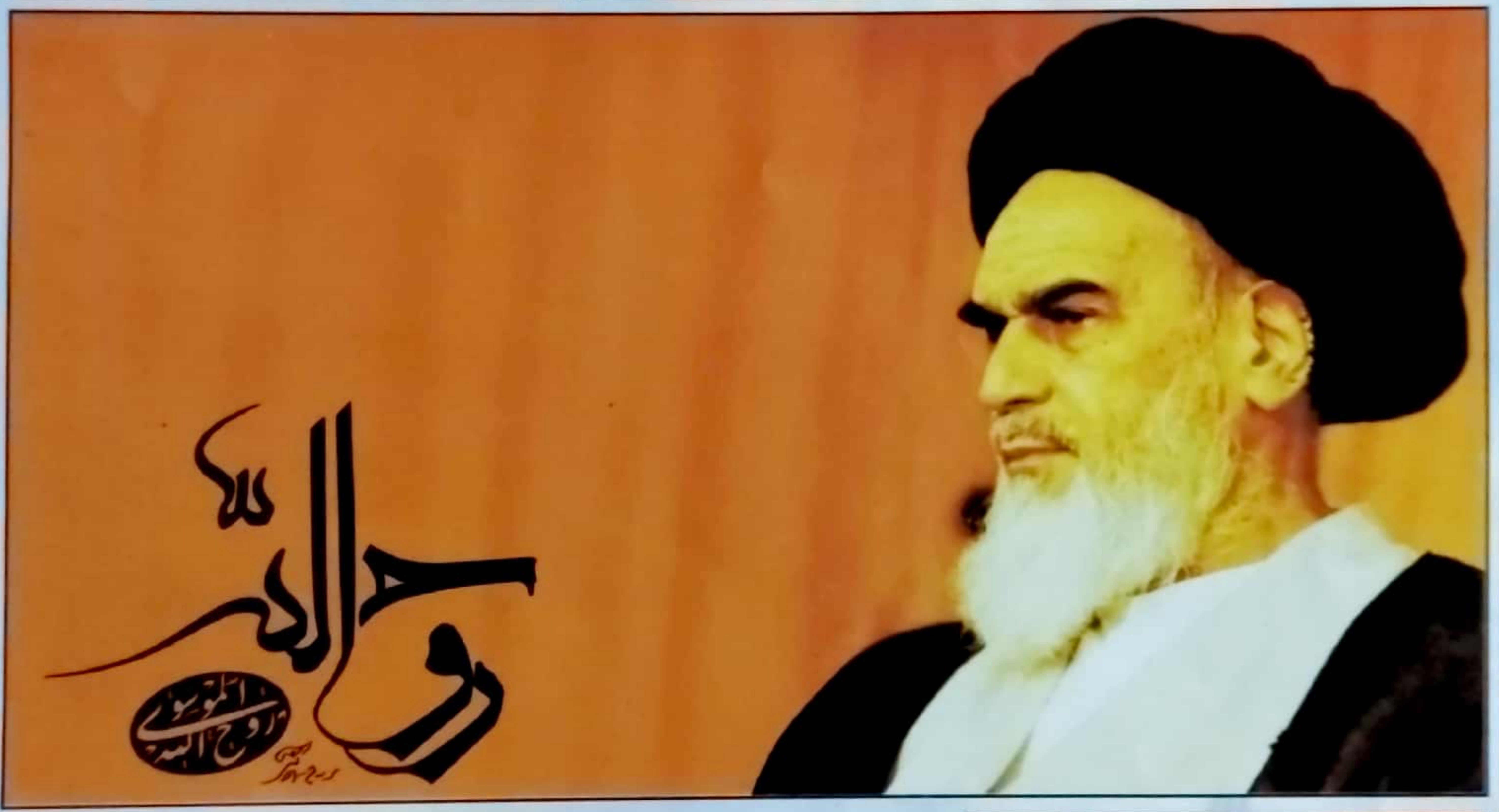

قائد شہید

السید عارف حسین الحسینی

شہید محمد عباس الموسوی

خواتین کا پہلا اسلامی، علمی، تبلیغی، تربیتی اور ادبی مجلہ

بانی وسربراہ: علامہ سید افتخار حسین نقوی

چیف ایڈیٹر: سیدہ وجیہہ زہرا نقوی ایڈیٹر: صفدر حسین ڈوگر کربلائی

ماہنامہ

پیامِ زینبؑ

ڈیکلریشن نمبر 5611/C/HC(G) رجسٹرڈ نمبر NPR-159

جلد نمبر 15 شمارہ نمبر 2-1 جنوری/فروری 2010ء محرم/صفر/ربیع الاول 1431ھ پوہ/ماگھ/پھاگن 2066 بکرمی

جنتری نمبر ولی العصرؑ جنتری 2010

فہرست مضامین

آغاز سال کی دعا 2

ہم عزاداری کیسے منائیں؟ 3

صلوات کاملہ 7

حضرت ولی عصر عج اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کیلئے دعا کرنے کے ظاہری اور روحانی فوائد 8

حضرت امام زمانہ علیہ السلام کی غیبت کے دور میں ہماری ذمہ داریاں 9

تسبیح حضرت سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا 10

اذکار و اوراد کرنے والوں کے لیے ہدایات 11

ایام کی سعادت اور نحوست 12

جنتری 15

اسم اعظم کے بارے میں معصومین علیہم السلام کے فرمودات 27

تعویز لکھنے اور دم کرنے کے بارے میں معصومین علیہم السلام کے ارشادات 29

حضرات معصومین علیہم السلام کے نگینوں کے بارے میں ارشادات اور انکے نقش ہائے خاتم 32

چالیس کے عدد کے بارے میں قرآن و معصومین علیہم السلام اور علماء کرام کے ارشادات 39

معصومین علیہم السلام کی دنیا و آخرت کیلئے تعلیم کردہ توبہ و استغفار کی دعائیں 43

جادو، آسیب، ٹونا، نظر بد کا اثر زائل کرنے کے لئے حضرات معصومین علیہم السلام کے فرمودات اور دیگر مجرب اعمال 47

نظر بد کے بارے میں معصومینؑ کے ارشادات اور اس کا علاج 49

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، سورہ الحمد، آیت الکرسی اور سورہ توحید کے اعمال 52

لا الہ الا اللہ کی فضیلت و اعمال 54

استاد الفقہاء آیت اللہ حبیب اللہ الشریف کاشانی رضوان کے مجرب تعویز 57

خواب دیکھنے کے بارے میں قرآن مجید اور معصومینؑ کے ارشادات 58

لاحول ولا قوۃ الا باللہ...... گراں قدر الٰہی عطیہ 63

ستاروں کے بارے اہم معلومات 66

اسلامی نقطہ نظر سے نیک و بدفال کی حیثیت 68

حروف ابجد کے اسرار و رموز 71

حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ واقعہ کربلا میں شہید ہونے والے اصحاب کی تعداد بارے 73

بقیۃ اللہ

تنویر زیدی، ساجدہ پروین، اقبال زہرا، امۃ المہدی

منتظم: ملک عبدالرؤف عابدی

نائب منتظم: سید مجاہد نقوی

ٹائٹل: مشتاق حسین حسینی

سب ایڈیٹر: انچارج ماہنامہ پیام زینبؑ و شریکۃ الحسین پبلی کیشنز: سید راشد صغیر رضوی

انچارج دفتر پیام: سید زاہد عباس

کمپوزنگ: وسیم عباس، تنویر حسین، سید فضل عباس

ضروری نوٹ: ماہنامہ پیام زینبؑ ملت شیعہ کا ترجمان مجلہ ہے، ہم نہایت احتیاط سے تحاریر کا انتخاب کرتے ہیں اگر کبھی کمپوزر کی غلطی سے کوئی لفظ یا کسی عبارت کا مفہوم بدل جائے تو برائے مہربانی اسکی نشاندہی کریں کسی بھی مکتب فکر کی دل آزاری ہمارا مقصد نہیں

ڈاکٹر قیصر مصطفےٰ نمائندہ خصوصی لاہور

ادارے کا مقالہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

بیرون ملک نمائندگان

سید انتصار مہدی، سید توقیر عباس، عارف حسین (قم ایران) مشہد مقدس

سید ضیاء الحسن نقوی (نجف اشرف عراق)، سید زوار حسین بخاری۔ سڈنی، غلام حسین عمانی (عمان)، ملازم حسین علوی (شام)

سید علی رضوی۔ جرمنی، بشیر حسین (برطانیہ)

گوجرانوالہ ڈویژن کے اضلاع: النور ویلفیئر سنٹر (وزیر آباد) 055-6410052

سیار مبلغ و نمائندہ خصوصی غلام عباس انقلابی 0346-7075448

پنڈی اسلام آباد و گرد و نواح: النور ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) 051-4318529، 051-4449342

مظفر آباد، آزاد کشمیر: النور ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) 05881047696

زر سالانہ 500.00 روپے

قیمت جنتری نمبر 100.00 روپے

اکاؤنٹ انفارمیشن: نام اکاؤنٹ پیام زینبؑ

Ac/no 08550201002591З بینک MCB گلن خیل میانوالی

اکاؤنٹ انفارمیشن یا سالانہ چندہ بذریعہ منی آرڈر کی معلومات حاصل کریں۔

0459-392264 0459-392484 0459-392753

برائے خط و کتابت: جامعہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ پکی شاہ مردان میانوالی پوسٹ کوڈ 42330

شریکۃ الحسین پبلی کیشنز پکی شاہ مردان، میانوالی، لاہور، پاکستان

زائر حسین پرنٹنگ پریس کے تعاون سے الاحمد پرنٹرز سے چھپوا کر پکی شاہ مردان سے جاری کیا

آغاز سال کی دعا

حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہر نئے سال کی پہلی شب کو دو رکعت نماز بجالاتے تھے اور جب نماز سے فارغ ہوتے تھے تو اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کر کے اس دعاء کو تین دفعہ پڑھتے تھے
نئے سال سے مراد قمری نیا سال ہے اور اس عمل کو عمومیت دیتے ہوئے شمسی سال کے آغاز میں اور میلادی سال کے آغاز میں بھی تقرب الی اللہ اور ثواب کے حصول کی نیت سے پڑھ لے

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْاِلٰہُ الْقَدِیْمُ وَھٰذِہٖ سَنَۃٌ جَدِیْدَۃٌ فَاَسْئَلُکَ فِیْھَا الْعِصْمَۃَ مِنَ الشَّیْطَانِ وَالْقُوَّۃَ عَلٰی ھٰذِہِ النَّفْسِ الْاَمَّارَۃِ بِالسُّوْءِ وَالْاِشْتِغَالَ بِمَایُقَرِّبُنِیْ اِلَیْکَ یَا کَرِیْمُ یَاذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَاعِمَادَ لَہٗ یَاذَخِیْرَۃَ مَنْ لَاذَخِیْرَۃَ لَہٗ یَاحِرْزَ مَنْ لَاحِرْزَلَہٗ یَاغِیَاثَ مَنْ لَاغِیَاثَ لَہٗ یَاسَنَدَ مَنْ لَاسَنَدَ لَہٗ یَاکَنْزَ مَنْ لَاکَنْزَلَہٗ یَاحَسَنَ الْبَلَاءِ یَاعَظِیْمَ الرَّجَاءِ یَاعِزَّ الضُّعَفَاءِ یَامُنْقِذَالْغَرْقٰی یَامُنْجِیَ الْھَلْکٰی یَامُنْعِمُ یَامُجْمِلُ یَامُفْضِلُ یَا مُحْسِنُ اَنْتَ الَّذِیْ سَجَدَ لَکَ سَوَادُاللَّیْلِ وَنُوْرُ النَّھَارِ وَضَوْءُ الْقَمَرِ وَشُعَاعُ الشَّمْسِ وَدَوِیُّ الْمَاءِ وَحَفِیْفُ الشَّجَرِ یَا اللّٰہُ لَا شَرِیْکَ لَکَ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا خَیْراً مِمَّایَظُنُّوْنَ وَاغْفِرْلَنَا مَالَا یَعْلَمُوْنَ وَلَا تُؤَاخِذْنَا بِمَا یَقُوْلُوْنَ حَسْبِیَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اٰمَنَّا بِہٖ کُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَایَذَّکَّرُ اِلَّا اُوْلُوالْاَلْبَابِ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ۔

☆☆......☆......☆☆

جدول ایام ہفتہ سعد و نحس

بروز جمعہ تمام دنوں کا سردار ہے مبارک ہے واسطے تزویج اور نکاح کے نماز جمعہ سے قبل سفر کرنا مکروہ ہے ساعت اول میں بعد نماز صبح ۲۵۶ مرتبہ "یَا نُوْرُ" پڑھے تو چشم خلائق میں عزیز ہوگا اگر کوئی چیز گم ہو جائے تو بوقت شب دو رکعت نماز پڑھ کر "یَا نُوْرُ" ۲۵۶ مرتبہ پڑھے تو ممکن ہے خواب میں معلوم ہو جائے کہ چور کون ہے۔

شنبہ (ہفتہ) سب کاموں کے واسطے خوب ہے خصوصاً سفر کیلئے بعد نماز صبح ۱۰۶۰ مرتبہ "یَا غَنِیُّ" پڑھے تو بارگاہ خداوندی سے بے حد مال مرحمت ہوگا۔

یکشنبہ (اتوار) عمارت بنانے اور شادی کرنے کیلئے خوب ہے اکثر کاموں کیلئے میانہ ہے بعد نماز صبح ساعت اول میں "یَا فَتَّاحُ" ۴۸۹ بار پڑھے تو فتح و نصرت حاصل ہو۔

دوشنبہ (پیر) نحس ترین یوم ہے کسی کام کیلئے مبارک نہیں ہے اگر ساعت اول میں نماز صبح کے بعد ۱۲۹ بار "یَا لَطِیْفُ" پڑھے تو باری تعالیٰ اپنی رحمت سے مال عطا فرمائے گا۔

سہ شنبہ (منگل) میانہ ہے اکثر کاموں کے واسطے سفر کیلئے خوب ہے اس روز نیا لباس پہننا خوب ہے حاجت طلب کرنے کیلئے خوب ہے اگر ساعت اول میں بعد نماز صبح ۹۰۳ بار "یَاقَابِضُ" پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عطا فرمائے گا جس کی خواہش ہوگی

چہارشنبہ (بدھ) اکثر کاموں کے واسطے شائستہ نہیں ہے تعمیر مکان کیلئے نیک ہے بعد نماز صبح ساعت اول میں اگر "یَامُتَعَالُ" ۵۴۱ بار پڑھے تو عزت دنیا و آخرت حاصل ہو۔

پنجشنبہ (جمعرات) مبارک ہے سب کاموں کیلئے خوب ہے خصوصاً طلب حاجت اور سفر کے واسطے اگر ساعت اول میں بعد نماز فجر "یَا رَزَّاقُ" ۳۰۸ مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ بے حد مال عطا فرمائے گا۔

☆☆......☆......☆☆

اذان کا سننا وسعت رزق کا سبب ہے

علل الشرائع میں شیخ صدوق لکھتے ہیں کہ حضرت امام علی رضا کا فرمان ہے کہ انسان موذن کی آواز سنتا ہے تو اس کو غور سے سننے سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے اور اگر وہ اذان ساتھ ساتھ دہراتا جائے تو قبر و حشر کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔

ہم عزاداری کیسے منائیں؟

تھکی ماندی صدیوں کے اداس ماہ وسال اور ان کے بوجھل لمحے آج تک ان مظلوموں پر گریہ کناں ہیں جنہیں اپنے بھی جی بھر کر رونے کے لئے ترستے رہے، صحرا کی جلتی ریت پہ ان شہداء کے ورثاء زخمی انگلیوں سے ان کے نام لکھ لکھ کر حسرت سے دیکھتے اور ان خون آلودہ ذرات پر جب صحرا کی ریت انہیں دبانے اور مٹانے کی کوشش کرتی تو وہ افسردہ، آزردہ کاررواں آگے جاچکا ہوتا۔ جسے اللہ تعالیٰ کی ذات عزت دے اس سے وہ عزت کوئی چھین نہیں سکتا اور جسے اللہ تعالیٰ رُسوا کردے تو اُسے درباروں کے سنہری قلم بھی باعزت لکھنے کے باوجود ان کے دلوں کی سیاہی ان کے چہروں سے نہیں ہٹا سکتا۔ کربلا تشبیہہ ہی نہیں استعارہ بن گیا جو وقت کی پیشانی پہ ثبت ہوگیا اور عاشورہ کے دن سے ایک زخمی زبان کی صدائے ''ھل من ناصر'' کی مسلسل بازگشت آج بھی انسانی مردہ ضمیروں کے گنبد میں گونج رہی ہے اور تا صورِ اسرافیل گونجتی رہے گی۔ مظلوم کربلا کے ''سید الشہداءؑ'' ہونے کا اعزاز کا اعلان پیشانی آدمؑ سے لے کر جبینِ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک رقم تھا۔ حضرت امیر المومنینؑ اپنے وقت کے سید الشہداءؑ حضرت حمزہ علیہ السلام سے لے کر تقسیم جنت ونار تک پکارے جانے والے سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کے اس الٰہی تمغے کا تذکرہ فرماتے رہے۔ یہ برملا اظہار حضرت امام حسین علیہ السلام کی زبان مبارک پہ بھی جاری رہا اور پھر زمین وآسمان کی غیر مرئی مخلوق نے دیکھا کہ ستاون سال تک اپنے اس اعزاز کا منتظر تربیت رسولؐ وبتولؑ وعلیؑ وحسنؑ کا مظہر بن کر افقِ شہادت پر اپنی استقامت کا نصف النہار بن کر آج تک چمکتا اور دمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ کی صداقت وشجاعت کی اکائی بن کر استبداد وجبر کے لشکروں کو رُسوا کن شکست دے کر فاتحانہ انداز میں اپنی مقتل سے لے کر طاغوت کے دار الامارہ تک نوکِ سناں پہ ''لاقوۃ الا باللہ'' کا نعرہ بلند کرتا نظر آیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت کے وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس مولود پہ ہونے والے ظلم وستم کا ذکر کیا تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گریہ فرمایا۔ اس راز سے آگاہی پر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اور سیدۃ نساء العالمین سلام اللہ علیہا نے بھی گریہ فرمایا اور پھر گاہے گاہے خاندان تطہیر میں اس کا تذکرہ ہوتا رہا۔ ایک اداریہ ان تفصیلات کا متحمل نہیں ہوسکتا......

پھر حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر تو کائنات کی ہر مخلوق نے گریہ کیا اور تا طلوع روزِ قیامت گریہ کرتی رہے گی۔

صحیح سند کے ساتھ حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہوئی ہے اس میں آپؑ اپنے جد کو اس طرح مخاطب ہیں ''میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں اے اباعبداللہؑ! آپ کے بہائے گئے خون کی وجہ سے عرش کے سایے کانپ اٹھے اور مخلوقات کے سارے ستون ہل گئے اور آپؑ پر آسمانوں اور زمین نے گریہ کیا جنت الفردوس کے مکینوں نے گریہ کیا، خشکی اور تری میں بسنے والی مخلوقات نے گریہ کیا، ایک اور زیارت میں اس طرح فرمایا: اے اباعبداللہؑ! آپ کا خون خلد بریں میں جاٹھہرا، آپؑ کے قتل پر عرش کے پائے کانپ اٹھے آپ کے لئے ساری مخلوقات نے گریہ کیا سات آسمانوں نے سات زمینوں نے آپؑ پر گریہ کیا اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں رہائش رکھنے والے ہیں اور جو ان کے درمیان ہیں ان سب نے گریہ کیا ہمارے رب کی مخلوقات جو جنت اور جہنم میں ہیں اور وہ مخلوقات جن کو دیکھا جاسکتا ہے اور جن کو دیکھا نہیں جاسکتا سب نے گریہ کیا۔

ہم زیرِ نظر اداریہ میں یہ تحریر کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا حضرات معصومین علیہم السلام نے کس طرح سوگ منایا۔ محرم الحرام کے ایام کیسے گزارے؟ ہمیں یہ ایام گزارنے کی کیسے تاکید فرمائی؟ نیز اس گریہ، ماتم، چہرہ پیٹنے، رنج و غم اور مجالس عزاء بپا کرنے کا اجر و ثواب کیا ہے؟

ہم نے یہ سب کچھ اپنی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے ثقہ اور مصدقہ کتب سے نقل کیا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس غم کو اپنی آئندہ نسلوں کو سپرد کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں غمِ حسین علیہ السلام کے سوا دنیا کا کوئی غم نہ دے۔ (آمین)

حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''بلا شک و شبہ میرے فرزند حسینؑ کے قتل ہونے کی وجہ سے مومنوں کے دلوں میں ایک غم واندوہ کی چنگاری سلگتی رہتی ہے جو کبھی ٹھنڈی نہ ہوگی''۔

حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدۃ نساء العالمین فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا سے ارشاد فرمایا: ''اے فاطمہؑ! قیامت کے دن ہر آنکھ روتی ہوئی ہوگی مگر جو آنکھ میرے بیٹے حسینؑ کے مصائب پر روتی رہی ہوگی تو وہ رونے والے ہنستے مسکراتے چہروں سے قیامت کے دن آئیں گے''

حضرت امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں: ''میں کشتہ اشک ہوں جو مومن بھی مجھے یاد کرے گا تو وہ مجھے یاد کرتے ہی رو دے گا''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''بہت زیادہ گریہ کرنے والے پانچ معصومینؑ ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام۔ حضرت یعقوب علیہ السلام۔ حضرت یوسف علیہ السلام۔ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا اور حضرت امام علی ابن الحسین علیہ السلام''

حضرت امام علی ابن الحسین علیہ السلام نے چالیس سال گریہ فرمایا۔ جب آپؑ کے سامنے پانی لایا جاتا تو آپؑ گریہ فرماتے یہاں تک کہ ایک دن آپؑ کے غلام نے عرض کیا: اے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں روتے روتے آپؑ کی جان نہ چلی جائے۔ آپؑ نے ارشاد فرمایا:

''میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور میری آنکھوں میں تو اولادِ فاطمہؑ کی مقتل گاہ ہے تو میرا گریہ کیوں کم ہو؟''

حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام دن کو روزہ اور رات کو عبادت میں ہوتے تھے جب غلام افطاری کے وقت کھانا اور پانی لاتا تو امام سید الساجدینؑ فرماتے ''حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے کو بھوکا پیاسا شہید کیا گیا''۔ الغرض آپؑ کی آنکھوں میں ہمیشہ اشک رواں رہتے اور آخر کار روتے روتے اس دارِ فنا سے دارِ بقاء کی طرف چلے گئے۔

حضرت امام سید الساجدین علیہ السلام کا ارشاد ہے: ''جس کی آنکھوں سے ہمارے مصائب پر ایک آنسو کا قطرہ نکل آئے تو اللہ تعالیٰ اسے ایک آنسو کے بدلے جنت عطا کرے گا اور جس کے آنسو مسلسل چھلک پڑیں تو حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ شہید ہونے والے اصحاب کے برابر ثواب ملے گا اور جس کے آنسو اس کے رخساروں پر بہہ نکلیں تو اس کا اجر جنت الفردوس کے علاوہ صرف ہمارے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے علم میں ہے اگر تمہیں ہم پہ رونے کے ثواب کا علم ہو جاتا تو تمہارے سینے خوشی سے پھٹ جاتے''۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: ''ہمارے مومن پر لازم ہے کہ وہ حضرت امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرے، ماتم کرے اور اپنے گھر والوں کو بھی حکم دے کہ وہ بھی اپنے امامؑ پر گریہ کریں، گھروں میں مجالس کا انعقاد کرے اور پھر جب روز عاشور ہو تو اپنے گھر سے نکل کر بازاروں میں جائیں اور لوگوں کے ساتھ مل کر حضرت امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کریں، عاشور کے دن یاد رکھو! حضرت امام حسین علیہ السلام کی مجلس کرنا، ماتم کرنا ہر مومن کی ذمہ داری ہے''۔

یاد رکھو! کوئی شخص بھی ایسا نہیں کہ جس کے پاس ہمارا ذکر کیا جائے اور اس کی آنکھوں سے آنسو نہ نکلیں اور جس آنکھ سے مچھر کے پر کے جتنا آنسو بھی نکل آئے تو اللہ تعالیٰ اس کے اس آنسو کے عوض اُسے جنت میں گھر عطا کرے گا اور اس کا یہی آنسو آتش جہنم سے اس کے لئے ڈھال کا کام دے گا۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے ہاں مجلس برپا تھی خود امام علیہ السلام بلند آواز سے گریہ کر رہے تھے آپؑ نے ساتھ بیٹھنے والے سے پوچھا تو گریہ کیوں نہیں کر رہا اس نے آنسوؤں سے تر رومال دکھا کر کہا فرزند رسولؐ میں گریہ کر رہا ہوں آپؑ نے ارشاد فرمایا ایسے بلند آواز سے گریہ کر جس طرح مجلس میں، میں اور جنت میں میری جدہ سیدہ زہراء سلام اللہ علیہا گریہ فرما رہی تھیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے فرمایا: ''اے جعفرؑ! میرے مال میں سے اتنی مقدار مخصوص کرنا کہ اس سے حج کے دنوں میں منیٰ کے مقام پر میرے اوپر رونے اور نوحہ کرنے والی عورتوں کو مقرر کرنا اور اس عمل کو میرے بعد آٹھ سال تک جاری رکھنا''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''واقعہ کربلا اور شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کے بعد ہمارے گھروں میں تین سال تک مسلسل سوگ منایا گیا، ہماری مخدرات عصمت نے نہ بالوں کو کنگھی دی اور نہ ہی نوحہ پڑھنے کے سوا کوئی کام رہا، یہاں تک کہ ہمارے قاتلوں کے سر ان گھروں میں پہنچائے گئے''

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاعر ابوہارون مکفوف سے روایت ہے کہ میں ابوعبداللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمتِ اطہر میں حاضر ہوا آپؑ نے فرمایا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب کے اشعار سناؤ میں نے تحت اللفظ اشعار پڑھے تو آپؑ نے ارشاد فرمایا:

''اے ابوہارون! اس طرح نہیں بلکہ اُسی لحن سے شعر پڑھو جس طرح تم حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مقدس پر پڑھا کرتے ہو''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس روز عاشور آپؑ کے اصحاب جمع تھے تو انہوں نے دیکھا کہ آپؑ کا رُوئے مبارک زرد ہو رہا تھا اور آپؑ پر رنج و غم کے آثار اتنے نمایاں تھے کہ ہمیں آپؑ کی جان جانے کا خطرہ لاحق ہوا۔ ہم نے عرض کیا کہ اے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آج آپؑ کی کیفیت ناگفتنی ہے۔ خدانخواستہ کہیں آپؑ ہمیں داغِ مفارقت تو نہیں دے رہے۔ آپؑ کے آنسو مسلسل رخساروں سے بہہ رہے تھے یہ سن کر آپؑ نے بلند آواز سے گریہ فرمانا شروع کیا اور ارشاد فرمایا کہ: ''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آج ہماری ہتک عزت کا دن ہے آج ہمارے جد امجد حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے خاندان و اصحاب کو بھوکا پیاسہ شہید کیا گیا۔ آج کے دن ہمارے ناموس کی توہین کی گئی۔ آج کے دن ہمیں اتنی اذیت دی گئی کہ اس کے بعد چالیس دنوں تک آسمان سے خون برستا رہا اور جس پتھر کو اٹھایا جاتا اس سے خون جاری ہو جاتا میرے جد امجد سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام پر جی بھر کر گریہ کرو، ماتم کرو اس کا اجر ہمارے اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: ''کسی نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب میں ایک شعر لکھا یا پڑھا اور اس پر خود رویا یا کسی دوسرے کو رُلایا تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کی بخشش و مغفرت فرمائے گا اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے گا''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حمد و توصیف ہے کہ جس نے ایسے لوگ قرار دیئے جو ہمارے پاس آتے ہیں اور ہماری شان بیان کرتے ہیں اور ہمارے مصائب پر آہ و زاری کرتے ہیں اور گریہ کر کے محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کی نصرت کر کے ان کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں ان لوگوں کا انتخاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مسمع نامی صحابی سے جو ایام عزا میں بے تحاشہ گریہ کر کے منہ پیٹ رہا تھا ارشاد فرمایا: ''اے مسمع! اللہ تعالیٰ تیرے آنسوؤں پر اپنی رحمت نازل فرمائے آگاہ رہو کہ تم ان لوگوں میں سے قرار پائے ہو جو ہماری خاطر عزاداری بپا کرتے ہیں۔ ہماری وجہ سے پریشان ہوتے ہیں، غم زدہ رہتے ہیں۔ تم ان لوگوں میں سے ہو جو ہماری خوشی میں خوش رہتے ہیں اور ہمارے غم میں غمگین رہتے ہیں آگاہ رہو! کہ تمہارے اس عمل کی وجہ سے تمہارے انتقال کے وقت میں اور میرے آباء و اجداد تمہارے پاس ہوں گے''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ایام عزا میں سجدہ کے دوران یہ دعا فرما رہے تھے کہ: ''اے اللہ عزوجل! ہمارے اوپر آنے والے مصائب کی وجہ سے جن کی آنکھوں میں آنسو چھلک جاتے ہیں ان پر اپنی رحمت نازل فرما! جو ہمارے مصائب پر غم سے نڈھال ہیں ان پر رحم فرما! جن کے جسم ہماری وجہ سے رنگ بدل جاتے ہیں، جن کے دل ہمارے غم میں گُھٹتے ہیں، جلتے ہیں، بے چین و بے تاب ہوتے ہیں۔ اے اللہ! ہم پر رونے والوں کی چیخوں، آہوں، سسکیوں پر رحم فرما۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے مصائب پر گریہ کرنے والوں کو فرما رہے تھے: ''یاد رکھو! ہم محمدؐ و آل محمد علیہم السلام پر ڈھائے جانے والے ظلم پر جو شخص غمزدہ رہتا ہے تو اس کی ہر سانس تسبیح شمار ہوتی ہے، ہمارے لئے فکرمند ہونا عبادت ہے اور ہمارے اسرار کو چھپانا اللہ کی راہ میں جہاد ہے، میری اس بات کو ''سونے'' سے تحریر کر لیا جائے''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''جو شخص ہمارے ناحق بہائے گئے خون پر رویا، جو ہمارے حق چھن جانے، ہماری ہتک عزت و آبرو پر گریہ کناں رہا، جو ہمارے کسی شیعہ کے خون بہنے، حق دبانے یا اس کی توہین کئے جانے پر رویا، تو ان حوالوں سے گریہ کرنے والے شخص کو اللہ تعالیٰ اپنی جنت کی نعمتوں سے مالا مال کر دے گا اور اسے مستقل سکون عطا کرے گا۔ یاد رکھو! ہر عمل کے لئے ثواب کی مقدار معین ہے مگر ہماری خاطر بہائے جانے والے آنسوؤں کا ثواب بے حساب و بے کراں ہے۔ ہم گریہ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کوثر سے سیراب کرے گا ہم پر گریہ کرنا، ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ عمل ہے''۔

جب محرم کا چاند طلوع ہوتا تھا تو حضرت امام علی رضا علیہ السلام اپنا عمامہ اور نعلین مبارک اتار دیتے تھے اور پا پیادہ رہتے تھے اور آپؑ کے ہاں دیگر مومنین کے ہاں مجالس کا اہتمام ہوتا تھا جس میں آپؑ شرکت فرماتے تھے۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا ارشاد ہے: ''جو شخص روز عاشور مصیبت، غم و حزن اور رونے پیٹنے میں گزارے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے لئے کامیابی و کامرانی کا دن قرار دے گا''۔ محرم الحرام میں آپؑ اپنے شاعر دعبل خزاعی سے فرماتے کہ ''اے دعبل! تم ہمارے مصائب میں کوئی شعر سناؤ کیونکہ یہ دن ہمارے لئے غم واندوہ کے ایام ہیں ان دنوں میں آنے والے مصائب پر ہم آج تک غمزدہ ہیں''

اے دعبل! جب تک زندہ رہو اپنے اشعار کے ذریعہ ہماری مدد کرنے میں کوتاہی نہ کرنا جس قدر ہو سکے ہمارے فضائل و مصائب بیان کرتے رہنا۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے ابن شبیب سے فرمایا: ''اگر تم کسی وجہ سے رونا چاہو تو پھر حضرت امام حسینؑ ابن علی علیہ السلام کے لئے گریہ کرو کیونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو اس طرح ذبح کیا گیا جس طرح گوسفند کو ذبح کیا جاتا ہے۔ اے ابن شبیب! اگر تم نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر اتنا گریہ کیا کہ تیرے آنسو تیرے رخساروں پر جاری ہو گئے تو اللہ تعالیٰ ہمارے اس مظلوم سید الشہداءؑ پر رونے کے عوض تیرے چھوٹے بڑے، تھوڑے یا زیادہ سب گناہوں کو بخش دے گا''

حضرت امام علی رضا علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: ''اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تم ہمارے بلند درجات میں جنت الفردوس میں ہمارے ساتھ رہو تو پھر ہمارے غم اور مصائب میں غمزدہ رہو اور ہماری خوشی میں خوش و خرم رہو اس طرح کے شخص کا دل قیامت کے دن مردہ نہیں ہوگا۔ ہم تم لوگوں کو محرم میں عزاداری کے لئے اس لئے تاکید کرتے ہیں کہ کہیں تم محرم کو بھی غدیر کی طرح بھول نہ جاؤ'' حضرت امام علی رضا علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: ''جب محرم کا چاند طلوع ہو جاتا تو میرے والد حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تبسم تک نہ فرماتے بلکہ پریشانی، غم و اندوہ، رنج والم اور سوگواری کی کیفیت آپؑ پر طاری رہتی، روز عاشور آپؑ رونے اور پیٹنے میں گزارتے''۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام ایام محرم میں گریہ فرماتے اور کہتے کہ ''اے اللہ! ان آوازوں پر رحم کر جو ہمارے مصائب میں بلند ہوتی ہیں''۔

حضرت امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کا ارشاد ہے کہ: ''مجالس حضرت امام حسین علیہ السلام میں گریہ کرتے وقت میرے ظہور کی دعا کرو تو اللہ تعالیٰ میرے ظہور کو قریب کر دے گا''۔

اللہ تعالیٰ حضرت امام حسین علیہ السلام کے اس سوگوار امامؑ کو جلد از جلد اذنِ ظہور عطا فرمائے اور انہیں اس خونِ ناحق کا مکمل انتقام لینے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں ان دشمنوں سے انتقام لیتے وقت اللہ تعالیٰ حضرت قائم آل محمد عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے انصار میں قرار دے اور ہماری کوتاہیوں، گناہوں کو معاف کرتے ہوئے غم حسین علیہ السلام میں دائمی گریہ کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمیں اپنے آپ کو حضرت حجت آل محمد (عج) کے ظہور کی دعا کو اپنی ترجیحی اور اولین دعاؤں میں شامل کرنا چاہیے اور ہمہ وقت اپنے آپ پر، خاندان پر، عزیز و اقارب پر حضرت امام زمانہ (عج) کی طاہر و اطہر ذات کو ترجیح دینا چاہیے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا صرف پابند ہی نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کی مکمل تبلیغ و ترویج کرنی چاہیے اللہ تعالیٰ ہمیں معصومین علیہم السلام کے حکم کے مطابق اپنی کردار سازی کرنا چاہیے تا کہ ہمارے وقت کا امامؑ ہم پر راضی ہو۔

معزز قارئین! اس طویل تحریر میں ہم نے حضرات معصومین علیہم السلام کے بیانات سے یہ باتیں آپ پر واضح کر دی ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام وہ مظلوم ہیں جن پر کائنات کی ہر شئی نے گریہ کیا ہے اور اب بھی گریہ کناں ہے۔ بس ہمیں بھی اختیاری طور پر اس مظلوم کو یاد کر کے اس طرح گریہ زاری کرنی چاہیے کہ معصومین علیہم السلام ہم سے راضی ہو جائیں اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی اماں پاک سلام اللہ علیہا اور آپؑ کی مظلومہ بہن سیدہ زینب سلام اللہ علیہا ہمارے لئے دعائیں دیں اور عزاداری کے حقیقی وارث حضرت صاحب العصر والزمان عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی خدمت اقدس میں ہمارا شمار تعزیت پیش کرنے والوں سے ہو جائے۔

صلوات کامله

یارَبَّ مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ
اے محمد و آل محمد کے ربِّ جلیل

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ
محمد اور آل محمد پر صلوات بھیج

وَعَجِّلْ فَرَجَ آلِ مَحَمَّدٍ
اور آل محمد کی کشائش (حکومت کے قیام) میں جلدی فرما۔

نوٹ: بعض عالمین کا تجربہ ہے کہ جو شخص اس صلوات کو روزانہ 313 مرتبہ پڑھے اسے امام زمانہ (عج) کی زیارت نصیب ہوگی۔

دعائے سلامتی امام زمانہ (علیہ السلام)

اَللّٰهُم کُنْ لِوَلِیکَ الحُجّۃِ بنِ الحَسَنِ
اے اللہ تو اپنے ولی حضرت حجت ابن حسن عسکری

صَلَوَاتُکَ عَلَیْهِ وَعَلٰی آبائِهِ
تیری صلوات ان پر اور ان کے آباء اجداد پر صبح و شام اور ہر آن ہو

فِیْ هٰذِهِ السّاعَةِ وَفِیْ کُلِّ ساعَةٍ
کا اس گھڑی میں اور ہر آن میں سر پرست و نگہبان

وَلِیاً وحَافِظً وقائِداً وناصِراً وَدَلیلاً وَعَیناً
حامی راہنما مددگار دیکھنے والی آنکھ اور سرپرست

حَتّٰی تُسْکِنَهُ اَرْضَکَ طَوْعاً وتُمَتِّعَهُ فِیها طَوِیْلاً
بنا رہے یہاں تک کہ تو اسے اپنی زمین میں اختیار کے ساتھ سکونت عطاء فرما اور یہ کہ تو اسے اپنی زمین میں لمبی مدت تک فائدہ پہنچا۔

سات سلام

- سَلامٌ عَلٰی نُوحٍ فِی الْعَالِمِینَ.
- سَلامٌ قَولاً مِن رَبٍ رَحِیم.
- سَلامٌ عَلٰی اِبرَاهِیمَ.
- سَلامٌ عَلٰی مُوسٰی وَهَارُونَ.
- سَلامٌ عَلٰی اٰلِ یٰسِینَ.
- سَلامٌ عَلَیکُم طِبتُم فَادخُلُوهَا خَالِدِینَ.
- سَلامٌ هِیَ حَتیٰ مَطلَعَ الفَجرِ٥

سات سلام پڑھنے کے فوائد ا۔ایسا پھوڑا پھنسی جو نہ پھٹ رہا ہو اس پر دم کرنے سے وہ پھٹ جائے گا اور درد سے افاقہ ہوگا۔۲۔بچھو ڈسنے کی جگہ دم کرنے سے زہر کا اثر ختم ہو جائے گا۔۳۔جو چھوٹا بچہ زیادہ روتا ہو یا بیمار ہو یا ماں کا دودھ نہ پیتا ہو لکھ کر اس کے گلے میں ڈال دیں۔۴۔جو بچہ ڈرتا ہو اس پر دم کریں وہ نہیں ڈرے گا۔۵۔جس کے دانت میں درد ہو اس کے دانت پر انگلی رکھ کر دم کر دیں درد ختم ہو جائے گا شرط یہ ہے کہ دم کرنے سے پہلے اس سے وعدہ لیں کہ وہ کوئی ایک چیز پوری زندگی نہیں کھائے گا

حضرت ولی عصر عج اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کیلئے دعاء کرنے

ظاہری اور روحانی فوائد

از...... سید انتصار مہدی

❁ عمر کی طولانی ہونے کا سبب ہے۔

❁ دعا مانگنا ایک قسم کا امام زمانہ علیہ السلام کا جو ہم پر حق بنتا ہے اسے ادا کرنا ہے۔

❁ آپؑ کیلئے دعا کرنے والے کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگی۔

❁ دُعا کرنے والے کی خدا مدد فرمائے گا۔

❁ دعا کرنے سے امام زمانہ علیہ السلام خوش ہوتے ہیں اور امامؑ کے دل کو خوش کرنا بہت ثواب ہے۔

❁ جو شخص امام علیہ السلام کے لیے دعا مانگتا ہے تو امامؑ اس کے لیے دعا مانگتے ہیں۔

❁ اس دعا کا ثواب اتنا ملے گا جس طرح کسی نے تمام مومنین و مومنات کے لیے دعا مانگی اور خدا کے فرشتے اس شخص کے لیے دعا مانگتے ہیں۔

❁ دُعا کرنا امام علیہ السلام سے محبت اور دوستی کا اظہار ہے اور یہ اجر رسالتؐ ہے۔

❁ غیبت کے زمانہ میں امام علیہ السلام کے لیے دعا کرنے سے مصائب دور ہوتے ہیں۔

❁ آپؑ کے ظہور کی تعجیل کے لیے دعا کرنا درحقیقت خدا کے لیے پیغمبر اکرمؐ کے لیے کتاب خدا کے لیے، دین خدا کے لیے اور مسلمانوں کے لیے خیر خواہی ہے کیونکہ اس دعا کا ثمر یہی بنتا ہے۔ حضرتؑ کے ظہور کی دعا کا مطلب خدا کے نام کی سربلندی، پیغمبر اکرمؐ کے مشن کے غالب آنے، دین کا غلبہ، مسلمانوں کی کفار سے نجات اور کتاب خدا کے نفاذ کی خواہش ہے جس کے اندر یہ پانچ وصف پائے جائیں۔ رسولؐ فرماتے ہیں میں اس کی بہشت کا ضامن ہوں۔

❁ آپؑ کے لیے دعاء کرنے والے کو مظلوم کی مدد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

❁ پیغمبر اکرمؐ اور حضرت امام علی علیہ السلام کی ہمراہی میں جہاد کرنے کا ثواب ہے۔

❁ آپؑ کے ظہور کی دعا سے آپ ایک ایسے عمل میں شریک ہو جاتے ہیں کہ جس عمل کا ثواب تمام اعمال سے زیادہ ہے اور وہ ہے امام حسین علیہ السلام کے خون کا بدلہ چکانا ہے۔

❁ دعا کے معنوی فوائد کے علاوہ بہت سارے ظاہری فائدے بھی ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ دعا کرنے والا اپنے اندر آمادگی محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ ایک بہت بڑے انقلاب کے لیے تیاری بھی کرتا ہے۔ خداوند ہم سب کو توفیق دے کہ ہم آپ علیہ السلام کی آمد اور آپ علیہ السلام کے ظہور کے لیے سچے دل سے دعا کرنے والے ہوں اور آپ کے ظہور کے مقدمات مہیا کرنے میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔ فقط دعاء کے کلمات کو زبان پر ادا کرنے کی حد تک نہ رکھیں۔

❁ آئمہ اطہار علیہم السلام سے جو دعائیں منقول ہیں ان کے مفاہیم پر توجہ دینے میں آپ علیہ السلام کی عالمی حکومت کا خاکہ، آپؑ کی پالیسیاں، آپؑ کے انصار اور معاونین کی ذمہ داریوں کا بھی ادراک ہوتا ہے اور یہ بہت بڑا فائدہ ہے۔ اس لیے روایات میں ہے کہ آئمہ اطہار علیہم السلام سے اس باب میں جو دعائیں منقول ہیں ان کو پڑھا جائے ویسے تو اپنی زبان میں بھی دعا مانگ سکتے ہیں لیکن جو انداز دعاء آئمہ اطہار علیہم السلام کا رہا ہے اس سے جو فوائد مقصود ہیں ان سے ہم بے بہرہ ہوں گے۔ (بحوالہ عصر ظہور)

☆☆......☆......☆☆

قرآن کے ذریعے مختلف بیماریوں کے علاج

بیمار کی صحت کے لیے پانی کے برتن پر چار (۴) بار سورہ حمد پڑھیں اس پانی میں سے کچھ اس مریض پر چھڑکو اور صدقہ دو جو شخص صدقہ کے بارے میں پوچھے کہو کہ فلاں مریض کی شفاء یابی کے لیے دعا کرو۔

درد کے لیے ۷۰ بار سورہ حمد کا پڑھنا ہر قسم کے درد کے لے شفا ہے۔

سورہ مدثر اس سورہ کو ہمیشہ پڑھتے رہنا حاجت کے پورا ہونے کا موجب ہے اگر حفظ قرآن کی نیت سے پڑھے تو حافظ قرآن بن جائے گا

حاجت کے پورا ہونے کے لیے اگر سورہ والضحیٰ کو ۴۰ بار بلا فاصلہ اور درمیان میں کوئی دوسری بات کئے بغیر اور رو بقبلہ بیٹھ کر باوضو ہو کر دن رات مثلاً شب جمعہ اور روز جمعہ کو یہ سورہ جس نیت سے پڑھی جائے اس کی حاجت پوری ہوگی۔ گمشدہ چیز ملے گی، نہ ملنے والا قرض واپس مل جائے گا۔

کسی کو اپنے سے دور کرنے کے لیے اگر کسی کو اپنے آپ سے دور کرنا مقصود ہے تو ۹ بار سورہ کوثر کو پڑھ کر اس کی طرف دم کرو۔ وہ اپنے اختیار سے آپ سے دور چلا جائے گا۔

☆☆☆☆☆

حضرت امام زمانہ علیہ السلام
کی غیبت کے دور میں ہماری ذمہ داریاں

"امام زمانہ اور ہماری ذمہ داریاں" سے حسین بانو کا انتخاب

- حضرت امام مہدی علیہ السلام کی مظلومیت اور اپنی رعیت سے دور ہونے پر غمگین اور افسردہ خاطر رہنا۔
- آپ علیہ السلام کے ظہور اور آپؑ کی فرج و فتح کی انتظار کرنا کیونکہ یہ افضل ترین اعمال سے ہے۔
- آپ علیہ السلام کے رعیت سے دور رہنے اور آپ کی مظلومیت کو یاد کر کے گریہ کرنا۔
- آپ علیہ السلام کے معاملہ میں تسلیم ہو ان کے بارے میں جلدی نہ کرے یعنی یہ نہ کہتا ہو کہ ان کا ظہور کیوں نہیں ہو رہا اب تو ظہور ہو جانا چاہیے تھا یہ تو زیادتی ہے، ظلم ہے، بلکہ خداوند کی حکمت اور مصلحت کے تحت وہ غائب ہیں اس پر رضایت اور سر تسلیم خم کرنا چاہیے، اعتراض کے طور پر زبان شکوہ نہ کھولی جائے۔
- مال کے ذریعہ حضرت علیہ السلام کے ساتھ اپنے تعلق کا اظہار کریں۔
- حضرتؑ کی سلامتی کی نیت سے صدقہ دینا۔
- اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا کہ آنحضرتؑ کی معرفت نصیب کرے۔
- آپ علیہ السلام کی صفات کو جاننا ہر حالت میں حضرت علیہ السلام کی نصرت اور مدد کرنے پر آمادہ رہنا آپ کے فراق پر گریہ کناں ہوں۔
- اگر استطاعت رکھتا ہو تو عید قربان کے موقع پر امام زمانہ علیہ السلام کی نیابت میں قربانی کرے۔
- حضرت علیہ السلام کا جو اصلی نام ہے وہ رسول اللہؐ والا نام ہے احترام کے لیے حضرتؑ کا نام نہ پکارے بلکہ آپؑ کے جو القاب ہیں ان میں سے کسی لقب کے ذریعے آپؑ کو پکارے۔
- جب حضرتؑ کا نام لیا جائے تو آپؑ کے احترام کے لیے کھڑا ہو جانا چاہیے خاص کر جب آپؑ کے القاب میں سے "قائم" کا لقب پکارا جائے تو استقبال کے لیے کھڑے ہو جائیں۔
- مشکلات میں حضرت علیہ السلام کو وسیلہ قرار دے کر آپؑ کی خدمت میں اپنی حاجات پر مشتمل عریضہ ارسال کرے۔ عریضہ یا تو آئمہ اطہار علیہم السلام اور حضرت پیغمبرؐ کی ضریحوں میں ڈالا جائے یا دریا، سمندر، کنوؤں میں ڈالا جائے۔ حضرت خضرؑ کو اس عریضہ کے پہنچانے کا وسیلہ بنایا جائے یا آپؑ کے نواب اربعہ سے کسی ایک کو وسیلہ قرار دیا جائے۔
- خدا سے سوال کرتے وقت خداوند کو امام زمانہ علیہ السلام کے حق کی قسم دی جائے اور حضرت علیہ السلام کو اپنا شفیع اور سفارشی بنائے۔
- دین پر مستحکم رہے اور مضبوطی سے دین کو تھامے رکھے۔ کافروں کے پروپیگنڈے کا اثر نہ لے۔ باطل کی رنگینیوں پر نہ جائے۔
- دنیاداروں کے ساتھ زیادہ میل جول اور آمد و رفت نہ رکھے۔
- آپ علیہ السلام پر درود و سلام زیادہ بھیجا جائے ہر نماز کے بعد آپؑ پر سلام پڑھا جائے۔
- آپ علیہ السلام کے فضائل و کمالات کو بہت بیان کیا جائے کیونکہ آپ اس دور میں ولی نعمت ہیں اور خداوند کی تمام ظاہری اور باطنی نعمتوں میں آپ ہی واسطہ ہیں۔
- آپ علیہ السلام کے جمال مبارک کی زیارت کا اشتیاق رکھنا اور اس شوق کا اظہار کرنا۔
- آپ علیہ السلام کی معرفت حاصل کرنے پر آمادہ کرنا کافی ہے۔
- دشمنوں کی طرف سے جو مصائب آئیں ان کو برداشت کیا جائے۔ مصائب اور مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔
- مومنین اپنے نیک اعمال کو امام زمانہ علیہ السلام کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کریں۔
- آپ علیہ السلام کی زیارت پڑھنا۔
- آپ علیہ السلام کے لیے آپؑ کے ظہور میں تعجیل کے لیے آپؑ کی سلامتی کیلئے آپؑ کے مصائب دُور ہونے کے لیے دعائیں مانگنا۔

☆☆......☆......☆☆

ایام ہفتہ کیلئے خصوصی اوراد

ہفتہ	ایک سو مرتبہ	یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ
اتوار	ایک سو مرتبہ	یَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ
سوموار	ایک سو مرتبہ	یَا قَاضِیَ الْحَاجَاتِ
منگل	ایک سو مرتبہ	یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ
بدھ	ایک سو مرتبہ	یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ
جمعرات	ایک سو مرتبہ	لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْمَلِکُ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ
جمعہ	ایک سو مرتبہ	اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّلْ فَرَجَهُمْ

۳۴ مرتبہ "اللہ اکبر" ۳۳ مرتبہ "الحمدللہ" اور ۳۳ مرتبہ "سبحان اللہ"

تسبیح حضرت سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا

مرتب: پروفیسر سیدہ تنویر فاطمہ

❁ کتب فریقین میں ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو کام کاج میں دقت محسوس ہوتی تھی تو آپؑ نے حضرت امیرالمومنینؑ کے ارشاد کے مطابق اپنے پدر بزرگوار سے ایک کنیز طلب کی جس پر حضرت نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا! میں تم کو ایسی چیز تعلیم کرتا ہوں جو کنیز سے بہتر ہے۔ وہ یہ ہے کہ ۳۴ مرتبہ "اللہ اکبر" ۳۳ مرتبہ "الحمدللہ" اور ۳۳ مرتبہ "سبحان اللہ" پڑھا کرو۔

❁ مولانا حکیم سید ذاکر حسین سیرت سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا میں ص ۱۸۲ پر لکھتے ہیں "بعض کتب مناقب میں تسبیح حضرت سیدہؑ کی یہ شان نزول اس طرح بیان ہوئی ہے کہ جب لوگوں نے جناب سیدہؑ کے عقد کی خواستگاری کی تو حضرت نبی کریمؐ نے یہ جواب دیا کہ آج کی شب جس کے گھر میں ستارہ اترے گا اس سے سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا عقد کیا جائے گا۔

یہ خبر مدینے میں پھیل گئی اور وہ رات عجب چہل پہل میں گزری تمام لوگ اپنے اپنے کوٹھوں پر جاگ رہے تھے قریب سحر ایک ستارہ آسمان سے زمین پر اترتا ہوا نظر آیا جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے جب ستارہ کو آسمان سے اترتے دیکھا تو آپ کی زبان اطہر سے نکلا...... اللہ اکبر...... اس کلمہ کی آپ تکرار فرماتی رہیں یہاں تک کہ ستارہ خانہ علیؑ پر نازل ہوا اور ساکن رہا۔

اس عرصے میں آپؑ کی زبان مبارک سے برابر کلمہ "الحمدللہ" جاری رہا پھر اس ستارہ نے جانب عرش رجوع کیا اس وقت آپؑ کی زبان مبارک سے...... سبحان اللہ...... جاری ہوا حالت نزول میں آپؑ نے ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر کہا اور حالت قیام و سکون میں ۳۳ مرتبہ "الحمدللہ" کہا اور حالت واپسی میں ۳۳ مرتبہ "سبحان اللہ" کہا آپ کا یہی عمل تسبیح سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے نام سے موسوم ہوا ہے اور اسی کے تعقیب کے طور پر پڑھنے کی معصومینؑ کی طرف سے تاکید کی گئی ہے"۔

❁ حضرت امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے کہ ہم اپنے چھوٹے بچوں کو حضرت سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی تسبیح کا امر اس طرح دیتے ہیں جیسا کہ ہم ان کو نماز کا حکم دیتے ہیں پس اس کو ترک نہ کرنا کیونکہ جو اسے ہمیشہ پڑھتا رہے گا وہ بد بخت اور شقی نہ ہوگا۔

❁ روایت معتبرہ میں ہے وہ ذکر کثیر جس کا خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں حکم دیا ہے وہ حضرت سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی تسبیح ہے جو شخص نماز کے بعد ہمیشہ اس تسبیح کو پڑھے اس نے اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کر لیا۔ اور اس نے ذکر کثیر کیا۔

❁ حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ جو شخص حضرت سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی تسبیح پڑھ کر اس کے بعد استغفار پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخش دے گا یہ تسبیح پڑھنے کے لحاظ سے تو "۱۰۰" ہے مگر عمل کے ترازو میں ہزار...... شیطان کو دور اور اللہ تعالیٰ کو خوش کرتی ہے۔

❁ حضرت امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے کہ جو شخص بعد نماز کے تسبیح حضرت سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا پڑھے تو اس کو وہاں سے اٹھنے سے پہلے بخش دیا جائے گا اور اس پر بہشت واجب ہو جائے گی۔

❁ حضرت امام جعفر صادقؑ سے ارشاد ہے کہ میرے نزدیک ہر نماز کے بعد سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی تسبیح ہر دن ہزار رکعت نماز مستحب پڑھنے سے بہتر ہے۔

❁ حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و تمجید تسبیح جناب سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا سے بہتر نہیں کی گئی اور اگر اس سے بہتر کوئی عبادت ہوتی تو حضرت رسول اللہؐ وہی حضرت سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو عنایت فرماتے۔

❁ سفر سے پہلے یہ تسبیح پڑھ لی جائے تو وہ سفر ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رہے گا۔

❁ رات کو سونے سے پہلے یہ تسبیح پڑھ لیں تو پوری رات عبادت میں شمار ہوگی۔

سورہ القدر کے فوائد

❁ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جو سورہ قدر کو با آواز بلند پڑھے گا گویا اس نے تلوار برہنہ کر کے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جس نے دل میں اس سورہ کو پڑھا تو وہ اس طرح ہے جیسے اللہ کی راہ میں ذبح ہو کر اپنے خون میں تڑپ رہا ہو اور جو شخص اسکو دس مرتبہ پڑھے اسکے ایک ہزار گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

❁ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ نئے گھڑے میں پانی ڈال کر شب قدر میں اس پانی پر سورہ قدر تیس دفعہ پڑھی جائے اور اس گھڑے کو لٹکا دیا جائے پس اس سے پانی پیا جائے اور وضو کیا جائے اور کم شدہ پانی کا اس میں اضافہ کیا جاتا رہے تو باعث برکت ہے۔

❁ نیز آپ علیہ السلام نے فرمایا جو شخص اس سورہ کو نماز فریضہ میں پڑھے اسے آواز دی جاتی ہے کہ تیرے سابقہ گناہ معاف ہو گئے ہیں۔

❁ حدیث نبویؐ میں ہے جو شخص اس سورہ کو پڑھے تو اسکو ایک دفعہ پڑھنے کا ثواب ماہ رمضان کے روزوں کے برابر ہے۔

از...... علامہ السید افتخار حسین نقوی النجفی

ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ کوئی ایسا ذریعہ اپنائے جس سے اسکے پاس سب کی سب خیر و برکات جمع ہو جائیں۔ اس لیے وہ ہمیشہ اذکار واوراد کی تلاش میں رہتا ہے اسی خواہش میں پیروں فقیروں اور درویشوں کے دروازوں کے چکر لگا تا رہتا ہے کہ اسے کہیں سے کچھ مل جائے یہی بات سبب بنتی ہے کہ وہ وظائف واوراد واذکار روحانی دنیا کے عنوان سے شائع ہونے والی کتابوں، رسالوں، پمفلٹوں سے بھی استفادہ کی کوشش کرتا ہے جہاں سے اسے کچھ ملتا ہے وہ اسے لے لیتا ہے اور عمل کا آغاز کر دیتا ہے۔ چلے کاٹنے میں مصروف ہو جاتا ہے لیکن عام طور پر اسے مطلوبہ نتائج نہیں ملتے اور وہ عمل کی دنیا سے مایوس ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ چلہ کشیوں کے ایسے چکر میں پھنستا ہے کہ اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے اور دنیا و آخرت سے فارغ ہو جاتا ہے مناسب ہے کہ اعمال کرنے والوں کے لیے آغاز میں کچھ ہدایات درج کر دیں تا کہ ہماری جنتری سے استفادہ کر کے اعمال کرنے والے مایوسی کا شکار نہ ہوں۔ اگر کسی عامل کو کسی مرحلہ پر پریشانی ہو تو وہ ہمارے ساتھ رابطہ کر لے ان کی صحیح راہنمائی کی جائے گی اور ہر قسم کی پریشانی سے "بِحَوْلِ اللہِ وَقُوَّتِہٖ" بچا لیا جائے گا۔ بہر حال درج ذیل ہدایات کو سامنے رکھ کر عمل کرنے والا مطلوبہ مقاصد کو جلد حاصل کر لے گا۔

عمل کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ درج ذیل باتوں کا لحاظ رکھے۔

۱۔ واجبات کا تارک نہ ہو اور محرمات کا ارتکاب نہ کرتا ہو۔ بالخصوص عمل کے دوران اس کا خاص خیال رکھے۔

۲۔ کسی ایک ذکر و ورد کا انتخاب کرے بیک وقت کئی اعمال شروع نہ کر دے۔

۳۔ عمل میں تسلسل و باقاعدگی ہو۔

۴۔ جن اوراد واذکار میں عدد کی شرط ہے اس کا خاص خیال رکھا جائے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ تعداد معین کا مطلب یہ ہے کہ یہ مخصوص عدد "کوڈ" ہوتا ہے اگر اس عدد سے بڑھا دیا گیا یا کم کر دیا گیا تو اس سے نتیجہ حاصل نہیں ہوگا جس طرح چار دندے والی چابی جس تالہ کے لیے ہے وہ اسی کو کھولے گی اگر ایک دندا چابی کا کم ہو گیا یا ایک دندا زائد ہو گیا تو اس چابی سے مطلوبہ تالہ نہ کھل سکے گا

۵۔ جن اوراد واذکار کے بارے ہے کہ کثرت سے پڑھو تو اس سے مراد ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد ہے سینکڑوں کی تعداد مراد نہیں۔

۶۔ عمل شروع کرنے کے فوراً بعد نتیجہ کی انتظار نہ کریں بلکہ کچھ وقت گذرنے کے بعد خود بخود نتیجہ سامنے آئے گا۔ مایوس نہ ہوں۔

۷۔ عمل کرنے میں پوری توجہ ہو۔ ادھر ادھر کے خیالات نہ ہوں مسلسل عمل کرنے کی تاکید اس لیے کی جاتی ہے تا کہ ارتکازی کیفیت حاصل ہو جائے۔

۸۔ کسی مومن کو نقصان دینے کی نیت سے ورد و وظیفہ نہ پڑھا جائے۔

۹۔ خدا کا پورا کلام، اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء، آئمہ معصومین علیہم السلام کی دعائیں، انبیاء کی مناجات سب مفید اور انسانی ضروریات کو پورا کرنے کا وسیلہ ہیں اور انسان کی اصلاح اور معنوی ترقی میں معاون ہیں۔ لیکن مختصر ذکر اور ورد کرنا آسان بھی ہوتا ہے اور اسے کثرت سے پڑھنے سے ارتکازی حالت جلدی پیدا ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں اور توجہ الی اللہ کی کیفیت تیزی سے حاصل ہو جاتی ہے جب کہ بڑی بڑی دعاؤں کے پڑھنے میں یہ حالت جلدی حاصل نہیں ہوتی۔ بہر حال ہر کلام کی اپنی افادیت ہے اور روحانی ترقی میں مددگار بھی...... بلکہ جو فوائد بڑی بڑی دعاؤں کے پڑھنے اور قرآنی سورتوں اور آیات کے تلاوت سے حاصل ہوتے ہیں وہ باقی اسماء واذکار سے حاصل نہیں ہوتے ہیں۔ لیکن عملی تجربہ اور مشاہدہ اس بات کا گواہ ہے کہ ایک عامل جتنا مختصر عمل کا آغاز کرے گا اس کے لیے کامیابی کے راستے کھلنے میں آسانی ہوگی اور جب روحانی سفر کا آغاز ہو جائے تو پھر اگلی منزلیں طے کرنا آسان ہوتا ہے۔

۱۰۔ مختلف اسماء واذکار وظائف کے اثرات درج کئے گئے ہیں۔ جو عمل دل پسند ہو اسے شروع کیا جائے اور اسی پر مداومت کی جائے بیک وقت دو تین اذکار سے زائد اذکار شروع نہ کئے جائیں بہتر ہے فقط ایک ورد سے آغاز کیا جائے۔

۱۱۔ اگر کوئی شخص روحانی میدان میں ترقی کی منزلیں طے کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی کامل عامل کو اپنے لیے مرشد اور راہنما مقرر کرے جو اسے ہر میدان میں خصوصی ہدایات کے ذریعہ ترقی کی منزلیں طے کرائے۔

۱۲۔ روحانی منازل میں کہیں بھی شریعت سے بغاوت کا تصور نہیں ہے۔ شریعت، طریقت، معرفت، حقیقت سب دین کے دائرہ میں رہنے کے عناوین ہیں روحانیت کا آغاز بھی شریعت سے ہے اور اس کی انتہاء بھی شریعت ہے اسکا وسط بھی شریعت ہے۔

متلاشیان راہ سعادت اور روحانی کمالات کی منازل کے راہی اگر منزل مراد کیلئے مرشد و راہنما کی تلاش میں ہوں تو ہمارے ادارے سے رابطہ کریں ان کی مناسب راہنمائی کی جائے گی۔

☆☆......☆......☆☆

ایام کی سعادت اور نحوست

آیت اللہ محمدی ری شہری
ترجمہ مولانا محمد علی فاضل

زمانہ کی سعادت یا نحوست کی دلیل قائم نہیں کر سکتے

کسی دن یا زمانہ کے کسی حصہ کی نحوست کا یہ مطلب ہے کہ "اس دوران شر اور بُرائی کے علاوہ کوئی بھی واقعہ رونما نہ ہو، اور انسان کے تمام اعمال یا کم از کم اعمال کا کوئی خاص حصہ اپنے بجا لانے والے کے لئے کسی قسم کی برکت اور اچھے نیک نتیجہ کا حامل نہ ہو" جب کہ ان کی سعادت کے معنی اس کے بالکل برعکس ہیں۔

ہم کسی بھی ذریعہ سے اس قسم کے ایام یا زمانہ کی سعادت یا نحوست کے بارے میں کوئی دلیل قائم نہیں کر سکتے کیونکہ مقدار کے لحاظ سے زمانہ کی فطرت یہ ہے کہ اس کے اجزا اور بعض حصے ایک ہی جیسے ہوتے ہیں۔ یا بالفاظ دیگر ایک ہی چیز ہوتے ہیں، لہٰذا خود زمانہ کے لحاظ سے کوئی بھی دن کسی دوسرے دن سے مختلف نہیں ہوتا جس کی بنا پر ہم یہ کہہ سکیں کہ فلاں دن سعد (نیک) ہے اور فلاں دن نحس (بد) ہے البتہ وہ اسباب و عوامل جو واقعات کے ظہور پذیر ہونے اور انہیں منطقی انجام تک پہنچانے کے لئے موثر ہوتے ہیں اس قدر زیادہ ہیں کہ ہماری معلومات کی ان تک رسائی ناممکن ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے یہ بات ناممکن ہے کہ ہم یہ بتا سکیں کہ کون سا زمانہ کن موثر عوامل سے وابستہ ہے؟ نہ ہی ہمارے پاس اس قسم کا کوئی پیمانہ ہے جس سے ہم زمانہ کے کسی حصہ کو اس کے عامل و سبب سے ماپ سکیں اور یہ بتا سکیں کہ کن عوامل نے زمانہ کے کس حصے پر اپنے اثرات قائم کئے ہیں؟ زمانہ کے کس حصہ کو نحس بنا دیا ہے اور کس کو سعد؟ یہی وجہ ہے کہ اس بارے میں کوئی تجربہ کافی حد تک یہ مشکل حل نہیں کر سکتا اس لئے کہ تجربہ بھی اس وقت ہی فائدہ دیتا ہے جب ہمارے پاس کوئی ایسا کلیہ ہو جس سے ہم کہہ سکیں کہ کسی زمانہ کا فلاں حصہ عوامل و اسباب سے خالی ہے، یا فلاں حصہ فلاں عامل سے وابستہ ہے، یا اس طرح سے ہم کہہ سکیں کہ فلاں اثر، فلاں عامل کا نتیجہ ہے۔ نیز کوئی زمانہ ایسا نہیں جو عوام و اسباب سے جدا ہو لیکن یہ عوام ہمارے لئے نامعلوم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسا طریقہ نہیں جس سے ہم کسی زمانہ کی سعادت یا نحوست سے انکار کر سکیں اس قسم کی کسی چیز کے نہ ہونے پر کوئی دلیل قائم کر سکیں جس طرح کہ کسی چیز کے ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں کر سکتے، ہر چند کہ ایسی چیز کا وجود بعید ہے، لیکن کسی چیز کے بعید ہونے کا مقصد یہ نہیں کہ وہ چیز بھی محال ہے۔

قرآن مجید میں ایام کی نحوست کا تذکرہ

یہ بات تو تھی عقلی نقطہ نظر سے......اب رہا شرعی نقطہ نظر، تو قرآن مجید میں ایام کی نحوست کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ "سورہ قمر" کی انیسویں آیت میں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "ہم نے ان پر سخت منحوس دن زبردست طوفانی ہوا چلائی"۔ دوسری جگہ سورہ فصلت حم سجدہ ۲۶ میں فرماتا ہے "ہم نے ان (قوم عاد) کی ہلاکت کے لئے منحوس دنوں میں زور کی آندھی چلائی"۔

نحوست کا تعلق صرف اسی زمانہ سے تھا

ہر چند کہ قوم عاد کی داستان سے، جن سے ان مذکورہ دونوں آیات کا تعلق ہے، معلوم ہوتا ہے کہ نحوست و بدبختی کا تعلق صرف اسی زمانہ سے تھا جس میں ہوا عذاب بن کر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک ان پر چلتی رہی اور اس عرصہ میں ان پر مسلسل عذاب نازل ہوتا رہا۔ لیکن اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ زمانہ کی یہ تاثیر اور مداخلت ہمیشہ کے لئے رہتی ہے، یا ہر سال اسی ہفتہ میں وہی نحوست واقع ہوتی ہے۔ یہی چیز آیات سے بخوبی معلوم ہوتی ہے، ورنہ سارے کا سارا زمانہ منحوس ہوتا اور ماہ و سال کی اس میں کوئی قید نہ ہوتی۔ نحس زمانہ کے مقابلہ میں سعد ایام کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ملتا ہے، ارشاد ہوتا ہے "قسم ہے کتاب مبین کی کہ ہم نے اسے بابرکت رات میں نازل فرمایا ہے" (سورہ دخان ۲) اس رات سے مراد لیلۃ القدر ہے جس کی تعریف اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کے ساتھ فرمائی ہے "شب قدر ہزار مہینہ سے بہتر ہے"۔ (سورہ قدر ۳)

واضح سی بات ہے کہ اس رات کا مبارک اور سعید ہونا اس وجہ سے ہے کہ اس کا تعلق نہایت ہی عظیم و اہم امور سے ہے، مثلاً باطنی فیوضات اور الٰہی بخشش سے، اس طرح معنوی اثرات مثلاً قضا کا حتمی کرنا اور اس رات میں ملائکہ، روح اور سلامتی کا نزول، جیسا کہ خود خداوند عالم فرماتا ہے "اس میں ہر محکم اور لپٹا ہوا امر کھولا جاتا ہے"۔ (دخان ۴) نیز فرماتا ہے "یعنی اس (رات) میں ملائکہ و روح اپنے پروردگار کے حکم سے ہر سالم امر کو لے کر طلوع فجر تک نازل ہوتے رہتے ہیں"۔ (قدر ۴۔۵) اس رات کے بابرکت و باسعادت ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس رات میں کی جانے والی عبادت کی بہت بڑی فضیلت ہے، یعنی اس رات میں کی جانے والی عبادت کے ثواب کا کوئی مقابلہ ہی نہیں، اس رات میں جو بندے اپنے رب کی بارگاہ میں پہنچ کر اس کی عظمت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اس کی عنایت و رحمت و مہربانی ان کے قریب ہو جاتی ہے۔

روایات کی نظر سے سعد و نحس کا بیان

یہ تو تھے سعادت و نحوست کے کسی حد تک وہ معنی جو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں رہا روایات کے نقطہ نظر سے سعد و نحس کا بیان تو اس بارے میں بہت سی روایات ہفتہ کے سعد و نحس ایام کے بارے میں موجود ہیں اور عربی فارسی، رومی مہینوں کے ایام کے نیک و نحس ہونے کے بارے میں بھی ہیں جو بڑی کثرت کے ساتھ وارد ہوئی ہیں، نیز جوامع الحدیث میں بھی منقول ہے چنانچہ کتاب بحار الانوار میں بہت سی احادیث اس سلسلہ میں موجود ہیں جن میں بیشتر ضعیف ہیں اس لئے کہ وہ یا تو مرسل ہیں بغیر سند کے بیان ہوئی ہیں یا پھر ان میں سے بعض کی سند موجود نہیں ہے۔ ہر چند کہ ان میں سے بعض کی معتبر سند ہے اس لحاظ سے کہ ان کے معنی و مطلب معتبر ہونے سے خالی نہیں ہے، جو روایتیں ایام کی نحوست کو بیان کرتی ہیں جن میں سے ہر ہفتہ میں بدھ کا دن اور ہر مہینے کا آخری بدھ، ہر عربی مہینے کے سات دن اور ہر رومی مہینے کے دو دن وغیرہ کا ذکر ہے جن میں سے کئی روایتوں میں ہفتہ کے ایام اور عربی مہینوں کے ایام کی نحوست کے اسباب کو بھی بیان کیا گیا ہے وہ یہ کہ ان نحس ایام میں ناگوار حادثات بار بار انجام پاتے رہے۔ ان حوادث کی ناگواری بھی دینی لحاظ سے تھی، مثلاً حضرت رسول اللہؐ کی رحلت، حضرت سید الشہداءؑ کی شہادت، حضرت ابراہیمؑ کا نار نمرود میں پھینکا جانا، فلاں امت پر عذاب کا نزول اور آتش جہنم کی تخلیق جیسی وجوہات وغیرہ۔ واضح سی بات ہے کہ اس قسم کے ایام کو منحوس جاننے کا مقصد تقویٰ کی حقیقت میں استحکام پیدا کرنا ہے۔ مثلاً جب انسان ان ایام میں صرف اس وجہ سے کوئی دنیوی کام نہیں کرتا کہ ان دنوں میں تاریخ کے عظیم بت شکن یعنی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے زمانہ کے بتوں (نمرود یا یزید) کے ہاتھوں مصیبتوں میں مبتلا ہوئے تو ان کی یاد میں کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتے اور اپنے مشاغل و لذات سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اس طرح اس قسم کے لوگوں کا دینی جذبہ قوی تر ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر لوگ اس قسم کے ایام کی حرمت کا خیال نہ کریں، آنکھیں بند کر کے ان سے گذر جائیں شتر بے مہار کی مانند اپنی ذاتی خواہشات و نفسانی لذات میں مگن رہیں، یہ نہ سوچیں کہ آج کون سا دن ہے؟ کل کیا دن تھا؟ بلکہ کسی بھی دن کی اہمیت ان کے پیش نظر نہ ہو، تو ایسے لوگ حق سے رُوگرداں ہو جائیں گے، بڑی آسانی کے ساتھ دین کی ہتکِ حرمت کے مرتکب ہوں گے اور اولیاء اللہ کو ہدایت کے سلسلہ میں ناامید بلکہ بے چین کر دیں گے۔ پس معلوم ہوا کہ ان ایام کی نحوست کا مکرر پیش آنا ایک لحاظ سے معنوی بدبختی کا سبب ہوتا ہے جس کا سرچشمہ اختیاری اسباب و علل ہوتے ہیں، جو کسی نہ کسی طرح ان ایام سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان اسباب و علل سے بے پرواہی اور عدم توجہ ایک قسم کی دینی بدبختی میں شمار ہوتی ہے۔

ایام کی نحوست سے اللہ کی پناہ طلب کرو

نیز بہت سی روایات میں آیا ہے کہ اس قسم کے ایام کی نحوست سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا چاہئے، یا ان دنوں میں روزہ رکھنا چاہئے یا دعا، یا قرآن مجید کی تلاوت کرنا چاہئے، یا صدقہ، یا اس قسم کے کوئی دوسرے نیک کام کرنا چاہیں، مثلاً ابن الشیخ نے کتاب "مجالس" میں اسناد کے ساتھ سہل بن یعقوب ملقب بہ "ابی نواس" سے روایت نقل کی ہے۔

حضرت امام حسین عسکری علیہ السلام کا فرمان مبارک

میں نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ "اے میرے سید و سردار! بہت سے ایام ایسے ہیں جن کی نحوست کی وجہ اور اس کے خوف سے انسان اپنے مقاصد تک پہنچنے سے عاجز ہوتے ہیں۔ اس وحشت کو دور کرنے کے لئے میری رہنمائی فرمائیں کہ کس طرح اس قسم کے خوف و وحشت سے چھٹکارا حاصل کیا سکتا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات ایسے ضروری کام بھی پیش آجاتے ہیں جنہیں فوراً انجام دینا لازم ہو جاتا ہے۔ لیکن نحوست ایام انسان کو خوف زدہ رکھتی اور اس کے ہاتھ پاؤں باندھے رکھتی ہے۔ لہٰذا مجھے ایسے میں کیا کرنا چاہئے؟

آنجنابؑ نے فرمایا: اے سہل! ہمارے شیعوں کے لئے ہماری ولایت، جو ان کے دل میں موجود ہے، حرزِ جان اور قلعہِ امان ہے۔ اگر وہ بحر بے پایاں یا لق و دق صحرا و بیابان میں درندوں، بھیڑیوں، جن و انس کے دشمنوں میں محصور ہو جائیں تو بھی دنیا کی کوئی طاقت انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی اس لئے کہ ہماری ولایت ان کے دل میں ہوتی ہے۔ لہٰذا خداوند عالم کی ذات پر مکمل بھروسہ کرو اور اپنے ائمہ طاہرین علیہم السلام کی ولایت کو خلوص کے ساتھ دل میں جگہ دو پھر جہاں چاہو چلے جاؤ اور جو چاہو کرتے رہو"۔ (تا آخر حدیث)

آخر میں آپؑ نے ان سے فرمایا "قرآن مجید کی بعض سورتوں کی تلاوت کریں، اللہ سے دعا مانگیں تا کہ اس طرح نحوست و بدبختی سے بچ جائیں اور جو کام کرنا چاہتے ہیں اسے سرانجام دیں"۔

خصال ہی میں اسناد کے ساتھ محمد بن احمد دقاق سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوالحسنؑ دوم کی خدمت میں خط لکھا جس میں ہر مہینے کے آخری بدھ کو سفر کرنے کے بارے میں آپؑ سے دریافت کیا کہ اس دن سفر کرنا کیسا ہے؟ امامؑ نے تحریر فرمایا "بدشگون لینے والوں (خرافات کے پجاریوں) کے برعکس جو شخص مہینہ کے آخری بدھ کے دن سفر کرے گا وہ ہر آفت اور ہر قسم کی گزند سے محفوظ رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی حاجات کو پورا فرمائے گا"۔

اسی طرح مذکورہ شخص نے ایک اور مرتبہ انہی امامؑ کی خدمت میں تحریر کیا کہ مہینہ کے آخری بدھ کے دن پچھنے لگوانا کیسا ہے؟"

امام علیہ السلام نے جواباً تحریر فرمایا "بدشگون لینے والوں کے برخلاف جو شخص اس دن پچھنے لگوائے اور فصد کھلوائے تو خداوند تبارک و تعالیٰ اسے ہر آفت سے محفوظ رکھے گا، وہ ہر قسم کے گزند سے بچا رہے گا اور اس کے فصد کا مقام بھی نیلا نہیں ہوگا"۔ (امامؑ کا یہ آخری جملہ ان بعض روایات کی تردید کرتا ہے جن میں مذکور ہے کہ جو شخص آخری بدھ کے دن یا کسی بھی بدھ کے دن فصد کھلوائے گا تو اس کے فصد کا مقام نیلا ہو جائے گا، یعنی اس میں پیپ بھر جائے گی اور عفونت پیدا ہو جائے گی، بعض دوسری روایات میں آیا ہے کہ اس بات کا اندیشہ بھی ہے کہ اس کے فصد کا مقام متعفن ہو جائے)

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کا ارشاد

اسی طرح کی ایک اور روایت "تحف العقول" میں بھی منقول ہے حسین بن مسعود کہتے ہیں کہ

میں نے ایک دن ارادہ کیا کہ حضرت امام ابوالحسن ہادی (علی نقی) علیہ السلام کی خدمت میں شرفِ حضور حاصل کروں۔ اس دن میری انگلی پر چوٹ لگ گئی پھر ایک سوار تیزی سے میرے پاس سے گذرا جس کا میرے شانے سے ٹکراؤ ہو گیا، میں نے امامؑ کی خدمت میں پہنچنا چاہا تو اس قدر اژدہام تھا کہ میرے کپڑے پھٹ گئے۔ میں نے دل میں کہا "کس قدر منحوس دن ہے" اللہ مجھے اس کے شر سے بچائے"۔

پس جونہی میں مولاؑ کی خدمت میں شرفیاب ہوا تو حضرت نے فرمایا "حسن! یہ کیسی سوچ ہے؟ تم تو ہمیشہ ہمارے آس پاس ہی رہتے ہو، اپنا گناہ کسی بے گناہ کی گردن پر نہیں ڈالنا چاہیے؟"

امامؑ نے اپنے اس فرمان کے ذریعہ میری خفتہ عقل کو بیدار فرما دیا اور میں نے سمجھ لیا کہ میں غلطی پر تھا عرض کیا: مولاؑ آپ میرے لئے اللہ سے مغفرت طلب فرمائیں"

امامؑ نے فرمایا "حسن! ایام نے کیا گناہ کیا ہے کہ جب بھی تمہیں اپنے کیے کی سزا ملتی ہے تو اس کا غصہ دنوں پر نکالتے ہو اور اس دن کو "روزِ منحوس" کہنا شروع کر دیتے ہو۔

میں نے عرض کیا: "میں اپنی اس غلطی و گناہ سے ہمیشہ کے لئے توبہ کرتا ہوں اور اللہ سے اس گناہ کی استغفار کرتا ہوں، فرزندِ رسولؐ! میں اپنے گناہ سے توبہ کرتا ہوں"۔

امامؑ نے فرمایا "صرف یہی کافی نہیں کہ تم ایام کی بدشگونی سے دست بردار ہو جاؤ یہ بات تمہارے لئے مفید نہیں ہے کیونکہ خداوند عالم تمہیں اس لئے بھی سزا دیتا ہے کہ تم ایسے جرم کی وجہ سے ایام کی مذمت کرتے ہو جس کے وہ مرتکب ہی نہیں ہوئے ہوتے۔ حسن! ابھی تک تم اس بات کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوئے کہ سزا و جزا اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہی تمہارے بعض کاموں کی سزا و جزا فوری طور پر اسی دنیا میں دے دیتا ہے اور بعض کی سزا و جزا آخرت میں دے گا"۔ میں نے عرض کیا "مولا! یقیناً ایسا ہی ہے" فرمایا "کبھی جلد بازی سے کام نہ لو اور حکمِ خداوندی میں مداخلتِ ایام کا عقیدہ دل سے نکال دو"۔

میں نے عرض کیا مولا "ضرور ایسا ہی کروں گا"۔ سابقہ روایات...... جن کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ سے واضح ہوتا ہے کہ ایام کی نحوست کا دارومدار خود لوگوں کا انہیں منحوس سمجھنے پر ہے۔ اس لئے کہ بدشگونی و نیک فال کا لوگوں کی اپنی طرف سے ایک نفسیاتی اثر ہوتا ہے۔ اس کا بیان بھی انشاء اللہ آگے آئے گا۔ یہ روایات لوگوں کو بدشگونی کے نفسیاتی شر سے نجات دلانے کے لئے بیان ہوئی ہیں جو یہ کہتی ہیں کہ اگر تمہارے اندر قلبی قوت اس قدر ہے کہ ایام کی نحوست کی کوئی پرواہ نہ کیا کرو تو کیا ہی بہتر ہے! پھر اگر اس قدر قوت نہیں ہے تو اللہ کی ذات پر بھروسہ کرو، قرآن پڑھا کرو اور دعا مانگا کرو!

خرافات عوام النّاس میں راسخ ہو چکی ہیں

بعض علماء نے ان روایات کو تقیہ پر محمول کیا ہے، جن میں ایام کی نحوست کو مسلّم گردانا گیا ہے یہ بات بعید بھی نہیں اس لئے کہ زمان و مکان یا احوال و کیفیات سے فال گیری اور انہیں منحوس جاننا عوام النّاس کی ایک خصوصیت ہے، اس لئے کہ مختلف اقوام و قبائل میں اس قسم کی خرافات پائی جاتی ہیں قدیم الایام سے اب تک یہ خرافات عوام النّاس میں راسخ ہو چکی ہیں اور رائج چلی آ رہی ہیں حتیٰ کہ اوائلِ اسلام میں بھی خواصِ اہلِ سنت میں اس قسم کی روایات ملتی ہیں جن کی نسبت حضرت رسولِ خداؐ کی طرف دی جاتی ہے۔ لہٰذا کسی کو ان کی تردید کی جرأت نہیں ہوئی، بطور مثال کتاب "مسلسلات" میں اسناد کے ساتھ فضل بن ربیع سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ ایک دن میں اپنے آقا مامون کے ساتھ تھا، ہم سفر کی تیاری کرنے لگے تو معلوم ہوا کہ آج بدھ کا دن ہے۔ مامون نے کہا: آج سفر کرنا مکروہ ہے، کیونکہ میں نے اپنے والد سے سنا ہے، انہوں نے کہا میں نے مہدی کو کہتے سنا، انہوں نے منصور سے سنا، انہوں نے اپنے والد محمد بن علی سے سنا، انہوں نے اپنے والد علی سے سنا ہے، انہوں نے اپنے والد علی سے سنا ہے، انہوں نے اپنے والد عبداللہؓ بن عباسؓ سے سنا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ میں نے حضرت رسولِ خداؐ سے سنا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "ہر مہینہ کا آخری بدھ ہمیشہ کے لئے نحس ہے"۔ رہیں وہ روایات جو ایام ہفتہ میں سے بعض دنوں کی سعادت پر دلالت کرتی ہیں ان کی توجیہ بھی سابقہ توجیہ کی مانند ہی ہے یعنی جس طرح ایام کی نحوست کے سلسلے میں بیان ہو چکا ہے ان کی سعادت کے بارے میں اسی طرح کی توجیہ پیش کی جاسکتی ہے۔ یعنی ان کی توجیہ یوں کی جائے گی چونکہ ان ایام میں بعض ایسے بابرکت واقعات رونما ہوئے ہیں جو دینی اعتبار سے نہایت ہی اہم اور بہت ہی عظیم ہیں۔

ایام کے بارے میں قطہ نظر، رونما ہونے والے واقعات کی وجہ سے ہے

جیسے حضرت رسولِ خداؐ کی ولادت باسعادت یا آنحضرتؐ کی بعثت، یا جس طرح روایات میں ہے کہ خود آنحضرتؐ نے دعا فرمائی ہے کہ خداوندا! ہفتہ اور جمعرات کے دنوں کو ان کے آغاز ہی سے میری امت کے لئے بابرکت قرار دے۔ نیز روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منگل کے دن حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم کیا یا یہ کہ حضرت رسولِ خداؐ جمعہ کے دن سفر کیا کرتے تھے، یا یہ کہ اتوار کو عربی میں "یوم الاحد" کہتے ہیں اور اَحَدْ خدا کے اسماء میں سے ایک نام ہے۔ لہٰذا اب تک جو کچھ بیان ہوا ہے اگرچہ کسی حد تک بات طویل ہو گئی ہے تاہم اس سے معلوم ہو گیا کہ ایام کی نحوست یا سعادت پر دلالت کرنے والی روایات اس سے زیادہ اور کچھ ظاہر نہیں ہوتا کہ ان کی نحوست یا سعادت دینی نقطہ نظر سے رونما ہونے والے واقعات کی وجہ سے ہے جو دینی ذوق، نفسیاتی اثرات یا کسی دن کوئی اچھی بات ظاہر ہوئی یا کسی دن میں کوئی ناگوار واقعہ رونما ہوا، جس کی بنا پر اسے سعد یا نحس کہا جانے لگا۔ اب رہی یہ بات کہ بذاتِ خود کوئی دن یا زمانہ کا کوئی حصہ کسی قسم کی برکت یا نحوست کا حامل ہو، یا تکوینی طور پر کسی قسم کی خصوصیت رکھتا ہو اور کوئی دوسرا دن یا کوئی دوسرا زمانہ اس سے خالی ہو، غرض طبعی و تکوینی اسباب و علل اس دن یا زمانہ کے حصہ کو دوسرے ایام یا زمانہ سے جدا کر رہے ہوں تو یہ بات کسی بھی روایت سے معلوم نہیں ہوتی، لہٰذا مذکورہ توجیہہ کے علاوہ اگر کوئی ایسی روایت مل جائے جو اس کے خلاف ہو تو اسے یا تو تقیہ پر محمول کیا جائے گا یا پھر اسے مکمل طور پر مسترد کر دیا جائے گا۔

☆☆☆☆☆

جنوری 2010 محرم/صفر 1431ھ پوہ/ماگھ 2066 بکری

ایام کے نام	محرم/صفر 1431ھ	جنوری 2010ء	پوہ/ماگھ 2066ب	نیک/نحس/میانہ	اسلامی معلومات و یادداشت
جمعہ	14	1	18	نحس اکبر	وفات علامہ سید حشمت علی نجفی۔ سن عیسوی کا آغاز
ہفتہ	15	2	19	نیک	قرض لینے دینے کے لئے بد
اتوار	16	3	20	نحس	
پیر	17	4	21	میانہ	قرض لینے دینے کے لئے بد
منگل	18	5	22	نیک	وفات علامہ غلام رضا ناصر نجفی بھلوال ۱۹۹۴ء
بدھ	19	6	23	نیک	
جمعرات	20	7	24	میانہ	
جمعہ	21	8	25	نحس	قمر
ہفتہ	22	9	26	نحس اکبر	در
اتوار	23	10	27	نیک	عقرب
پیر	24	11	28	نحس	سانحہ مومن پورہ لاہور
منگل	25	12	29	نحس اکبر	شہادت حضرت امام علی زین العابدینؑ ۹۵ ہجری۔ انتقال حضرت فضہؑ
بدھ	26	13	30	نیک	نکاح و سفر کے لئے بد
جمعرات	27	14	ماگھ	نیک	شہادت حضرت میثم تمار رضوان اللہ
جمعہ	28	15	2	نیک	وفات حافظ سید ذوالفقار علی شاہ 1982ء۔ نکاح کے لئے بد
ہفتہ	29	16	3	نیک	نکاح کے لئے بد
اتوار	صفر	17	4	نحس اکبر	شہادت سید محسن نقوی شہید ۱۹۹۶ء
پیر	2	18	5	نیک	شہادت حضرت زیدؑ شہید
منگل	3	19	6	نحس	وفات سید سبط حسن ترمذی جھنگ سٹی ۲۰۰۸ء
بدھ	4	20	7	نیک	سفر کے لئے بد
جمعرات	5	21	8	نحس	
جمعہ	6	22	9	نیک	وفات شیر افضل جعفری جھنگ ۱۹۸۹ء
ہفتہ	7	23	10	نیک	میلاد حضرت امام موسیٰ کاظمؑ ۱۲۸ھ ۔ وفات اختر چینوٹی ۱۹۵۹ء
اتوار	8	24	11	نیک	سفر کے لئے بد
پیر	9	25	12	نیک	جنگ صفین ۳۷ھ ۔ شہادت حضرت عمار یاسر رضوان اللہ
منگل	10	26	13	نحس اکبر	
بدھ	11	27	14	نیک	
جمعرات	12	28	15	نیک	شہادت علامہ اثیر جاڑوی مع فرزند کوثر ۱۹۹۲ء
جمعہ	13	29	16	نحس	شہادت حضرت سیدہ معصومہ سکینہؑ بنت الحسینؑ ۶۱ھ
ہفتہ	14	30	17	نیک	
اتوار	15	31	18	نیک	وفات علامہ عباس حیدر عابدی کراچی ۱۹۹۴ء۔ قرض لینے دینے کے لئے بد

نحس دنوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "ایک منحوس اور طویل دن ہم نے ان کی طرف سرد، تیز اور وحشت ناک آندھی بھیجی (سورہ قمر آیت ۱۹)

Altimad 1color 27x75x20.25

فروری 2010ء صفر/ربیع الاول 1431ھ ماگھ/پھاگن 2066 بکرمی

ایام کے نام	صفر/ربیع الاول 1431ھ	فروری 2010ء	ماگھ/پھاگن 2066ب	نیک/نحس/میانہ	اسلامی معلومات و یادداشت
پیر	16	1	19	نحس	
منگل	17	2	20	نحس اکبر	
بدھ	18	3	21	نیک	
جمعرات	19	4	22	نیک	
جمعہ	20	5	23	نحس اکبر	قمر در عقرب / چہلم سید الشہداء حضرت امام حسینؑ و شہدائے کربلا ۶۱ھ
ہفتہ	21	6	24	نحس	
اتوار	22	7	25	نیک	
پیر	23	8	26	نیک	
منگل	24	9	27	نحس	
بدھ	25	10	28	نحس	
جمعرات	26	11	29	نیک	نکاح و سفر کے لئے بد
جمعہ	27	12	پھاگن	نیک	
ہفتہ	28	13	2	نحس	رحلت حضرت پیغمبر اکرمؐ ۱۱ھ۔ شہادت حضرت امام حسنؑ ۵۰ھ
اتوار	29	14	3	نیک	نکاح کے لئے بد
پیر	30	15	4	نیک	بروایت شہادت حضرت امام علی رضا علیہ السلام ۲۰۳ھ نکاح کیلئے بد۔
منگل	ربیع الاول	16	5	نیک	
بدھ	2	17	6	نحس	شب ہجرت مطابق ستمبر ۶۲۲ء
جمعرات	3	18	7	نحس	
جمعہ	4	19	8	نحس اکبر	
ہفتہ	5	20	9	نحس	
اتوار	6	21	10	نیک	وفات ذاکر عاشق حسین بی اے ۱۹۹۹ء
پیر	7	22	11	نیک	
منگل	8	23	12	نحس	شہادت حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام ۲۶۰ ہجری
بدھ	9	24	13	نیک	عید شجاع۔ اہل بیتؑ نے سوگ بڑھایا
جمعرات	10	25	14	نحس اکبر	
جمعہ	11	26	15	نیک	
ہفتہ	12	27	16	نیک	حضرت رسول اللہؐ کا بوقت ہجرت مدینہ مقام قبا میں قیام ۱۳ سال بعثت
اتوار	13	28	17	نحس	

مارچ 2010ء ربیع الاول/ربیع الثانی 1431ھ پھاگن/چیت 2066 بکرمی

ایام کے نام	ربیع الاول/ربیع الثانی 1431ھ	مارچ 2010ء	پھاگن/چیت 2066ب	نیک/نحس/میانہ	اسلامی معلومات ویادداشت
پیر	14	1	18	نیک	روز مرگ یزید ملعون۔ وفات مولانا طالب حسین جعفری، پیر محل ۱۹۷۳ء
منگل	15	2	19	نیک	وفات ذاکر رحمت علی بوبکانوالہ (گوجرانوالہ) ۱۹۸۵ء۔ قرض لینے دینے کو بد
بدھ	16	3	20	نحس	وفات حاجی آغا سید ذوالفقار علی کرمانی چک نواب شاہ ۱۹۷۹ء
جمعرات	17	4	21	نیک	قمر در عقرب — میلادِ پیغمبر اکرمؐ۔ یکم عام الفیل و میلاد امام جعفر صادقؑ ۸۳ھ
جمعہ	18	5	22	نیک	ولادت حضرت سیدہ ام کلثوم سلام اللہ علیہا
ہفتہ	19	6	23	نیک	
اتوار	20	7	24	نحس اکبر	شہادت ڈاکٹر محمد علی نقوی ۱۹۹۳ء۔ تعمیر کے لئے نیک
پیر	21	8	25	نحس	
منگل	22	9	26	نیک	حضرت پیغمبر اکرم کا مدینہ میں ورود
بدھ	23	10	27	نیک	وفات شیخ حاجی ولایت علی عارف والا ۱۹۸۶ء، شہادت محمد فیاض حیدری لاہور
جمعرات	24	11	28	نحس	
جمعہ	25	12	29	نحس	
ہفتہ	26	13	30	نحس	رحلت ابوالآئمہ حضرت ابوطالب علیہ السلام
اتوار	27	14	چیت	نیک	نکاح کے لئے بد
پیر	28	15	2	نیک	نکاح کے لئے بد
منگل	29	16	3	نیک	نکاح کے لئے بد
بدھ	30	17	4	نیک	
جمعرات	ربیع الثانی	18	5	نحس اکبر	
جمعہ	2	19	6	نیک	
ہفتہ	3	20	7	نحس	نوروز عالم افروز۔ رات ۱۰ بجکر ۳۳ منٹ پر
اتوار	4	21	8	نیک	سفر کے لئے بد
پیر	5	22	9	نحس	
منگل	6	23	10	نیک	یوم پاکستان
بدھ	7	24	11	نیک	
جمعرات	8	25	12	نیک	سفر کے لئے بد
جمعہ	9	26	13	نیک	
ہفتہ	10	27	14	نیک	میلاد مسعود حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام ۲۳۲ھ
اتوار	11	28	15	نحس اکبر	
پیر	12	29	16	نیک	
منگل	13	30	17	نحس	
بدھ	14	31	18	نیک	

اپریل 2010ء ربیع الثانی / جمادی الاول 1431ھ، چیت بیساکھ 2066 بکرمی

ایام کے نام	ربیع الثانی / جمادی الاول 1431ھ	اپریل 2010ء	چیت / بیساکھ 2066ب	نیک / نحس / میانہ	اسلامی معلومات و یادداشت
جمعرات	15	1	19	نیک	قرض لینے دینے کے لئے بد
جمعہ	16	2	20	نحس	تعمیر کے لئے نیک
ہفتہ	17	3	21	میانہ	قرض لینے دینے کے لئے بد
اتوار	18	4	22	نیک	سفر کے لئے بد
پیر	19	5	23	نیک	
منگل	20	6	24	میانہ	تعمیر مکان کے لئے نیک
بدھ	21	7	25	نحس	
جمعرات	22	8	26	نیک	
جمعہ	23	9	27	نیک	
ہفتہ	24	10	28	نحس	
اتوار	25	11	29	نحس	
پیر	26	12	30	نیک	نکاح و سفر کے لئے بد
منگل	27	13	بیساکھ	نیک	
بدھ	28	14	2	نحس اکبر	
جمعرات	29	15	3	نیک	
جمعہ	جمادی الاول	16	4	نیک	
ہفتہ	2	17	5	نیک	
اتوار	3	18	6	نحس	
پیر	4	19	7	نیک	سفر کے لئے بد
منگل	5	20	8	نحس	
بدھ	6	21	9	نیک	وفات ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ ۱۹۳۸ء
جمعرات	7	22	10	نیک	وفات استاد العلماء علامہ نصیر حسین نجفی سرگودھا ۱۹۹۹ء
جمعہ	8	23	11	نیک	سفر کے لئے بد
ہفتہ	9	24	12	نیک	
اتوار	10	25	13	نحس اکبر	
پیر	11	26	14	نحس اکبر	
منگل	12	27	15	نیک	وفات استاد العلماء علامہ اختر عباس نجفی ۱۹۹۹ء۔ وفات مولانا راحت حسین گوپالپوری ۱۹۵۳ء
بدھ	13	28	16	نحس	قمر
جمعرات	14	29	17	نیک	در
جمعہ	15	30	18	نیک	عقرب — بقول علامہ علی نقی۔ ولادت امام علی زین العابدینؑ ۳۸ھ

مئی 2010ء، جمادی الاول/جمادی الثانی 1431ھ، بیساکھ/جیٹھ 2066ب

ایام کے نام	جمادی الاول/جمادی الثانی 1431ھ	مئی 2010ء	بیساکھ/جیٹھ 2066ب	نیک/نحس/میانہ	اسلامی معلومات ویادداشت
ہفتہ	16	1	19	نحس	تعمیر کے لئے نیک
اتوار	17	2	20	میانہ	
پیر	18	3	21	نیک	سفر کے لئے بد
منگل	19	4	22	نیک	
بدھ	20	5	23	میانہ	تعمیر مکان کے لئے نیک
جمعرات	21	6	24	نحس	
جمعہ	22	7	25	نیک	وفات مولانا حافظ فرمان علی ۱۹۶۱ء
ہفتہ	23	8	26	نیک	وفات علامہ سید ظفر حسن امروہوی ۱۹۸۹ء
اتوار	24	9	27	نحس	
پیر	25	10	28	نحس	
منگل	26	11	29	نیک	
بدھ	27	12	30	نیک	
جمعرات	28	13	31	نحس اکبر	
جمعہ	29	14	جیٹھ	نیک	
ہفتہ	30	15	2	نیک	
اتوار	جمادی الثانی	16	3	نحس اکبر	
پیر	2	17	4	نیک	
منگل	3	18	5	نحس	شہادت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا ۱۱ھ وفات سید العلماء علامہ سید علی نقی لکھنوی ۱۹۸۸ء
بدھ	4	19	6	نیک	سفر کے لئے بد
جمعرات	5	20	7	نحس	
جمعہ	6	21	8	نیک	
ہفتہ	7	22	9	نیک	
اتوار	8	23	10	نیک	سفر کے لئے بد
پیر	9	24	11	نیک	وفات مولانا سید زاہد باہروی لاہور ۱۹۷۴ء
منگل	10	25	12	نیک	وفات ذاکر غلام قنبر شیخوپورہ ۱۹۹۸ء — قمر در عقرب
بدھ	11	26	13	نحس اکبر	
جمعرات	12	27	14	نحس اکبر	
جمعہ	13	28	15	نحس	
ہفتہ	14	29	16	نیک	
اتوار	15	30	17	نیک	
پیر	16	31	18	نحس	وفات حضرت داؤد بندگی کرمانی مدفون شیر گڑھ ۱۵۶۲ء۔ تعمیر کیلئے نیک

جون 2010ء، جمادی الثانی / رجب 1431ھ، جیٹھ / ہاڑ 2066ب

ایام کے نام	جمادی الثانی / رجب 1431ھ	جون 2010ء	جیٹھ / ہاڑ 2066ب	نیک / نحس / میانہ	اسلامی معلومات و یادداشت
منگل	17	1	19	میانہ	قرض لینے دینے کے لئے بد
بدھ	18	2	20	نیک	شہادت شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری ۱۰۱۹ھ
جمعرات	19	3	21	نیک	
جمعہ	20	4	22	نیک	میلاد حضرت سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا (بعثت کے پانچ سال بعد) رحلت امام خمینی رضوان اللہ ۱۹۸۹ء
ہفتہ	21	5	23	نحس	
اتوار	22	6	24	نیک	
پیر	23	7	25	نیک	
منگل	24	8	26	نحس	وفات علامہ سید امداد حسین شیرازی ملتان ۲۰۰۱ء
بدھ	25	9	27	نحس	وفات استاد العلماء علامہ سید محمد باقر چکڑالوی ۱۹۶۲ء
جمعرات	26	10	28	نیک	عزاداری کانفرنس لاہور ۱۹۹۲ء
جمعہ	27	11	29	نیک	
ہفتہ	28	12	30	نیک	نکاح و سفر کے لئے بد
اتوار	29	13	31	نیک	نکاح و سفر کے لئے بد
پیر	رجب	14	ہاڑ	نیک	ولادت باسعادت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ۵۷ ہجری
منگل	2	15	2	نیک	
بدھ	3	16	3	نحس	شہادت حضرت امام علی نقی علیہ السلام ۲۵۴ ہجری
جمعرات	4	17	4	نیک	
جمعہ	5	18	5	نیک	ولادت باسعادت حضرت امام علی نقی علیہ السلام ۲۱۴ ہجری
ہفتہ	6	19	6	نیک	
اتوار	7	20	7	نیک	قمر
پیر	8	21	8	نیک	در — سفر کے لئے بد
منگل	9	22	9	نیک	عقرب — ولادت باسعادت حضرت شہزادہ علی اصغر علیہ السلام ۶۰ ہجری
بدھ	10	23	10	نیک	ولادت باسعادت حضرت امام محمد تقی علیہ السلام ۱۹۵ء
جمعرات	11	24	11	نحس اکبر	
جمعہ	12	25	12	نحس اکبر	
ہفتہ	13	26	13	نیک	ولادت باسعادت حضرت امیر المومنینؑ در کعبہ ۳۰
اتوار	14	27	14	نیک	
پیر	15	28	15	نحس	
منگل	16	29	16	نحس	تعمیر مکان کے لئے نیک۔ فتح جنگ جمل ۳۶ھ
بدھ	17	30	17	میانہ	قرض لینے دینے کے لئے بد

Altimad 1color 20.25x27.75

جولائی 2010ء، رجب/شعبان 1431ھ، ہاڑ/ساون 2066ب

ایام کے نام	رجب/شعبان 1431ھ	جولائی 2010ء	ہاڑ/ساون 2066ب	نیک/نحس/میانہ	اسلامی معلومات و یادداشت
جمعرات	18	1	18	نیک	فرزند حضرت پیغمبر اکرمؐ حضرت ابراہیمؑ کا انتقال ۸ھ وفات علامہ نجم الحسن کراروی ۱۹۸۲ء
جمعہ	19	2	19	نیک	
ہفتہ	20	3	20	درمیانہ	
اتوار	21	4	21	نحس	
پیر	22	5	22	نیک	نیاز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام
منگل	23	6	23	نحس	حضرت امام حسن علیہ السلام زخمی ہوئے
بدھ	24	7	24	نیک	روز فتح خیبر ۷ھ۔ شہادت مولانا طالب حسین کرپالوی ۱۹۹۷ء
جمعرات	25	8	25	نحس	شہادت حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ۱۸۳ھ
جمعہ	26	9	26	نیک	نکاح و سفر کے لئے بد
ہفتہ	27	10	27	نیک	عید بعثت حضرت پیغمبر اکرمؐ ۶۱۱ء و شب معراج
اتوار	28	11	28	نحس	حضرت امام حسینؑ کی مدینہ سے روانگی ۶۰ ہجری
پیر	29	12	29	نیک	نکاح کے لئے بد
منگل	30	13	30	نیک	نکاح کے لئے بد
بدھ	شعبان	14	31	نیک	ولادت حضرت سیدہ زینب سلام اللہ علیہا
جمعرات	2	15	32	نیک	وفات مولانا نذر حسین ظفر سرگودھا ۲۰۰۱ء
جمعہ	3	16	ساون	نیک	ولادت حضرت امام حسین علیہ السلام ۴ ہجری
ہفتہ	4	17	2	نیک	ولادت حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام ۲۶ ہجری
اتوار	5	18	3	نحس	قمر
پیر	6	19	4	نیک	در وفات مولانا آغا مہدی لکھنوی ۱۹۸۲ء
منگل	7	20	5	نیک	عقرب ولادت حضرت شہزادہ امیر قاسمؑ ابن حسنؑ وفات سرور کربلائی ڈی جی خان ۲۰۰۳ء
بدھ	8	21	6	نیک	سفر کے لئے بد
جمعرات	9	22	7	نیک	
جمعہ	10	23	8	نیک	
ہفتہ	11	24	9	نیک	ولادت باسعادت شہزادہ حضرت علی اکبر علیہ السلام
اتوار	12	25	10	نیک	
پیر	13	26	11	نحس	
منگل	14	27	12	نیک	شب برات۔ دن گزرنے کے بعد
بدھ	15	28	13	نیک	میلاد مسعود حضرت ولی العصر (عج) ۲۲۵ھ
جمعرات	16	29	14	نحس	تعمیر کے لئے نیک
جمعہ	17	30	15	میانہ	وفات مولانا عاشق حسین قیامت ۱۹۹۹ء، وفات مولا ذکی حیدر اسلام آباد
ہفتہ	18	31	16	نیک	وفات سائیں طالب حسین نقوی البخاری ۲۰۰۴ء

اگست 2010ء، شعبان/رمضان 1431ھ، ساون/بھادوں 2066ب

ایام کے نام	شعبان/رمضان 1431ھ	اگست 2010ء	ساون/بھادوں 2066ب	نیک/نحس/میانہ	اسلامی معلومات و یادداشت
اتوار	19	1	17	نیک	
پیر	20	2	18	نحس اکبر	تعمیر کے لئے نیک
منگل	21	3	19	نحس	
بدھ	22	4	20	نیک	
جمعرات	23	5	21	نیک	شہادت قائد ملت جعفریہ علامہ السید عارف حسین الحسینی ۱۹۸۸ء
جمعہ	24	6	22	نحس	شہادت مولانا عبدالکریم مشتاق لاہور
ہفتہ	25	7	23	نحس	
اتوار	26	8	24	نحس اکبر	
پیر	27	9	25	نیک	
منگل	28	10	26	نیک	
بدھ	29	11	27	نیک	
جمعرات	رمضان	12	28	نیک	نکاح کے لئے بد
جمعہ	2	13	29	نیک	
ہفتہ	3	14	30	نحس اکبر	
اتوار	4	15	31	نیک	قمر در عقرب — سفر کے لئے بد
پیر	5	16	بھادوں	نحس	
منگل	6	17	2	نیک	
بدھ	7	18	3	نیک	
جمعرات	8	19	4	نیک	سفر کے لئے بد
جمعہ	9	20	5	نیک	
ہفتہ	10	21	6	نحس	رحلت ام المومنین حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا، رحلت مخدوم عطاء الرحمٰن بلوٹ شریف ۲۰۰۵ء
اتوار	11	22	7	نیک	
پیر	12	23	8	نیک	وفات علامہ سید مرتضیٰ حسین لکھنوی ۱۹۸۷ء
منگل	13	24	9	نحس	
بدھ	14	25	10	نیک	
جمعرات	15	26	11	نیک	ولادت حضرت امام حسن علیہ السلام ۳ ہجری
جمعہ	16	27	12	نحس	شہادت حضرت امیر مختارؒ ۶۷ ہجری
ہفتہ	17	28	13	میانہ	
اتوار	18	29	14	نیک	شب قدر دن گزرنے کے بعد۔ وفات قائد ملت جعفریہ علامہ مفتی جعفر حسینؒ ۱۹۸۳ء
پیر	19	30	15	نحس اکبر	شب ضربت حضرت امیر المومنینؑ شہادت آیت اللہ باقر الصدر شہید ۲۰۰۳ء
منگل	20	31	16	نحس	شب قدر۔ دن گزرنے کے بعد

اللہ تعالیٰ کا ذکر عبادت ہے میرا ذکر عبادت ہے علیؑ کا ذکر عبادت ہے اور میری اولاد میں سے آئمہؑ کا ذکر عبادت ہے...... حضرت رسول اللہؐ (اختصاص شیخ مفیدؒ)

ستمبر 2010ء، رمضان/شوال 1431ھ، بھادوں/اسوج 2066ب

ایام کے نام	رمضان/شوال 1431ھ	ستمبر 2010ء	بھادوں/اسوج 2066ب	نیک/نحس/میانہ		اسلامی معلومات و یادداشت
بدھ	21	1	17	نحس اکبر		شہادت حضرت امیر المومنینؑ در مسجد ۴۰ھ ـ وفات استاد العلماء سید گلاب علی شاہ ۱۹۹۲ء
جمعرات	22	2	18	نیک		شب قدر، دن گزرنے کے بعد
جمعہ	23	3	19	نیک		نزول قرآن مجید
ہفتہ	24	4	20	نحس اکبر		وفات مولانا ناصر حسین فیض آبادی ۱۹۹۵ء
اتوار	25	5	21	نحس		
پیر	26	6	22	نیک		نکاح و سفر کے لئے بد
منگل	27	7	23	نیک		
بدھ	28	8	24	نیک		وفات مولانا ارشاد حسین نجفی ۱۹۸۷ء۔ نکاح کے لئے بد
جمعرات	29	9	25	نیک		نکاح کے لئے بد
جمعہ	30	10	26	نیک		جمعۃ الوداع۔ یوم القدس
ہفتہ	شوال	11	27	نیک	قمر	عیدالفطر۔ وفات قائداعظم محمد علی جناحؒ
اتوار	2	12	28	نحس اکبر	در	
پیر	3	13	29	نحس	عقرب	وفات مولانا سید ذوالفقار نقوی برادر علامہ سید افتخار حسین نقوی النجفی
منگل	4	14	30	نیک		
بدھ	5	15	31	نحس		
جمعرات	6	16	اسوج	نحس اکبر		
جمعہ	7	17	2	نیک		
ہفتہ	8	18	3	نحس اکبر		یوم غم انہدام جنت البقیع ۱۳۴۴ھ شہادت ذاکر علمدار حسین شاہ شورکوٹ ۱۹۹۴ء
اتوار	9	19	4	نیک		
پیر	10	20	5	نیک		آغاز غیبت کبریٰ حضرت امام زمانہ (عج) ۳۲۹ھ۔ جنگ حنین ۸ھ
منگل	11	21	6	نیک		
بدھ	12	22	7	نیک		
جمعرات	13	23	8	نحس		
جمعہ	14	24	9	نیک		
ہفتہ	15	25	10	نحس اکبر		بروایت شہادت امام جعفر صادقؑ ۱۴۸ھ، شہادت سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ ۳ھ
اتوار	16	26	11	نحس		تعمیر مکان کے لئے نیک
پیر	17	27	12	میانہ		
منگل	18	28	13	نیک		شہادت خورشید انور ایڈووکیٹ ۱۹۹۹ء
بدھ	19	29	14	نیک		
جمعرات	20	30	15	میانہ		یوم شہداء ڈیرہ اسماعیل خان۔ تعمیر مکان کے لئے نیک

اکتوبر 2010ء، شوال / ذیقعد، اسوج / کاتک 2066ب

ایام کے نام	شوال/ ذیقعد 1431ھ	اکتوبر 2010ء	اسوج/ کاتک 2066ب	نیک/ نحس/ میانہ	اسلامی معلومات و یادداشت
جمعہ	21	1	16	نحس	شہادت غضنفر علی کہاوڑ ۱۹۹۹ء سانحہ سیالکوٹ
ہفتہ	22	2	17	نیک	شہادت راجہ نصر اللہ بھلوال ۱۹۹۹ء
اتوار	23	3	18	نیک	
پیر	24	4	19	نحس	
منگل	25	5	20	نحس	شہادت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ۱۴۸ھ (بحوالہ اصول کافی، شیخ مفیدؒ)
بدھ	26	6	21	نیک	نکاح و سفر کے لئے بد
جمعرات	27	7	22	نیک	شہادت سید عون محمد رضوی راولپنڈی ۱۹۹۹ء
جمعہ	28	8	23	نیک	
ہفتہ	29	9	24	نیک	قمر در عقرب
اتوار	ذیقعدہ	10	25	نیک	ولادت باسعادت سیدہ معصومہ قم سلام اللہ علیہا ۱۷۹ھ
پیر	2	11	26	نیک	شہادت ذاکر سید ریاض حسین شاہ موچھ ۱۹۹۸ء
منگل	3	12	27	نحس	
بدھ	4	13	28	نیک	سفر کے لئے بد
جمعرات	5	14	29	نحس	
جمعہ	6	15	30	نحس اکبر	
ہفتہ	7	16	31	نیک	
اتوار	8	17	کاتک	نیک	سفر کے لئے بد
پیر	9	18	2	نیک	
منگل	10	19	3	نحس اکبر	وفات مولانا ریاض حسین شاہ کوٹ ۲۰۰۱ء
بدھ	11	20	4	نیک	ولادت باسعادت حضرت امام علی رضا علیہ السلام ۱۴۸ھ، وفات باوا ذاکر خادم حسین شاہ چک ۳۸ ـ ۲۰۰۱ء
جمعرات	12	21	5	نیک	
جمعہ	13	22	6	نحس	
ہفتہ	14	23	7	نیک	وفات حضرت پیر فضل حسین شاہ ۱۹۶۶ء
اتوار	15	24	8	نیک	وفات مولانا محمد مصطفیٰ جوہر کراچی ۱۹۸۳ء۔ قرض لینے دینے کے لئے بد
پیر	16	25	9	نحس	تعمیر مکان کے لئے نیک
منگل	17	26	10	میانہ	قرض لینے دینے کے لئے بد
بدھ	18	27	11	نیک	
جمعرات	19	28	12	نیک	
جمعہ	20	29	13	میانہ	تعمیر کے لئے نیک
ہفتہ	21	30	14	نحس	
اتوار	22	31	15	نیک	

نومبر 2010ء، ذیقعد/ذالحجہ 1431ھ، کاتک/مگھر 2066ب

ایام کے نام	ذیقعد/ذالحجہ 1431ھ	نومبر 2010ء	کاتک/مگھر 2066ب	نیک/نحس/میانہ	اسلامی معلومات و یادداشت
پیر	23	1	16	نحس اکبر	بروائت شہادت حضرت امام علی رضا علیہ السلام ۲۰۳ھ
منگل	24	2	17	نحس	
بدھ	25	3	18	نیک	ولادت باسعادت حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت عیسیٰ علیہ السلام
جمعرات	26	4	19	نیک	وفات حافظ سید فضل حسین کاظمی مدرس جامعہ امام خمینیؒ۔ نکاح و سفر کے لئے بد
جمعہ	27	5	20	نیک	
ہفتہ	28	6	21	نحس اکبر	
اتوار	29	7	22	نحس	شہادت حضرت امام محمد تقی علیہ السلام ۲۲۰ھ شہادت مولانا محمد جعفر زیدی لاہور ۱۹۸۰ء
پیر	ذوالحجہ	8	23	نیک	عقد حضرت امیر المومنین علیہ السلام بہ سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا ۲ھ
منگل	2	9	24	نیک	شہادت ذاکر صیغم عباس جنجوراہ
بدھ	3	10	25	نحس	
جمعرات	4	11	26	نیک	سفر کے لئے بد
جمعہ	5	12	27	نحس	قمر — رحلت حضرت ابوذر غفاری رضوان اللہ
ہفتہ	6	13	28	نیک	در
اتوار	7	14	29	نحس اکبر	عقرب — شہادت حضرت امام محمد باقرؑ ۱۱۴ھ
پیر	8	15	30	نحس	
منگل	9	16	مگھر	نحس اکبر	شہادت حضرت مسلم بن عقیلؑ ۶۰ھ، روز عرفہ حج بیت اللہ
بدھ	10	17	2	نیک	عیدالاضحیٰ
جمعرات	11	18	3	نیک	
جمعہ	12	19	4	نیک	
ہفتہ	13	20	5	نحس	
اتوار	14	21	6	نیک	
پیر	15	22	7	نیک	
منگل	16	23	8	نحس	شہادت انور علی اخونزدہ پشاور ۲۰۰۰ء
بدھ	17	24	9	میانہ	محفل مشاعرہ بسلسلہ جشن عید غدیر (بمقام مدرسہ امام خمینیؒ ماڑی انڈس میانوالی)
جمعرات	18	25	10	نیک	عید غدیر ۱۰ھ، جشن ولایت مدرسہ امام خمینیؒ ماڑی انڈس میانوالی
جمعہ	19	26	11	نیک	
ہفتہ	20	27	12	نحس اکبر	تعمیر مکان کے لئے نیک
اتوار	21	28	13	نحس	
پیر	22	29	14	نیک	
منگل	23	30	15	نیک	وفات مولانا سید ابرار حسین شیرازی لاہور

دسمبر 2010ء، ذوالحجہ/محرم 1431ھ، مگھر/پوہ 2066ب

ایام کے نام	ذوالحجہ/محرم 1431ھ	دسمبر 2010ء	مگھر/پوہ 2066ب	نیک/نحس/میانہ	اسلامی معلومات و یادداشت
بدھ	24	1	16	نیک	عید مباہلہ ۱۰ ہجری
جمعرات	25	2	17	نحس	قمر
جمعہ	26	3	18	نیک	در — وفات محسن الملت علامہ سید صفدر حسین نجفی لاہور ۱۹۸۹ء
ہفتہ	27	4	19	نیک	عقرب
اتوار	28	5	20	نحس اکبر	
پیر	29	6	21	نیک	
منگل	30	7	22	نیک	وفات ذاکر ملک علی جعفری علوی چونیاں
بدھ	محرم	8	23	نیک	سال نو ہجری ۱۴۳۲ھ وفات استاد العلماء سید محمد یار شاہ نجفی ۱۹۹۰ء
جمعرات	2	9	24	نیک	ورود سید الشہداء امام حسین علیہ السلام در کربلا ۶۱ ہجری
جمعہ	3	10	25	نحس	وفات مولانا سید اظہر حسن زیدی لاہور
ہفتہ	4	11	26	نیک	وفات مولانا سید کلب عابد اجتہادی ۱۹۸۶ء
اتوار	5	12	27	نحس	
پیر	6	13	28	نحس	
منگل	7	14	29	نیک	بندش آب در کربلا ۶۱ھ
بدھ	8	15	پوہ	نیک	
جمعرات	9	16	2	نیک	
جمعہ	10	17	3	نحس اکبر	یوم شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام و شہدائے کربلا ۶۱ ہجری
ہفتہ	11	18	4	نحس اکبر	روانگی اسیرانِ اہل بیتؑ بہ کوفہ ۶۱ ہجری
اتوار	12	19	5	نحس	
پیر	13	20	6	نحس	
منگل	14	21	7	نحس اکبر	وفات نذر حسین ارشاد جھنڈیر ۱۹۹۹ء
بدھ	15	22	8	نیک	شہادت سید صفدر علی نقوی راولپنڈی ۱۹۴۸ء
جمعرات	16	23	9	نحس	
جمعہ	17	24	10	میانہ	قرض لینے دینے کے لئے بد
ہفتہ	18	25	11	نیک	
اتوار	19	26	12	نیک	
پیر	20	27	13	میانہ	
منگل	21	28	14	نحس	شہادت سید ذوالفقار نقوی مع فرزند چندرائے لاہور ۱۹۹۹ء
بدھ	22	29	15	نحس اکبر	
جمعرات	23	30	16	نیک	
جمعہ	24	31	17	نحس	

مولانا سید محمد تقی سرسوی اعلی اللہ مقامہ
انتخاب و ترتیب: سید محسن رضوی (راولپنڈی)

(زاد الصالحین ج ششم طبع لکھنو سے ماخوذ)

الف: جس قدر اسماء اعظم باری تعالیٰ کے آئمہؑ سے منقول ہیں وہ سب صحیح اور پر اثر ہیں مگر شرط صدق مقال و جامہ و رزق حلال کی ہو علاوہ اس کے یہ بھی شرط ہو کہ جب تمام مخلوق کی جانب سے انسان اپنی امیدیں قطع کر کے جس اسم باری تعالیٰ یا جس دعائے آئمہؑ کے ساتھ دعا کرے ضرور مستجاب ہوتی ہے اس پر میرا تجربہ ہے اور حدیث بھی مؤید اس کی ہے چنانچہ جناب شہید ثانی علیہ الرحمہ اسرار الصلوۃ میں یہ حدیث تحریر فرماتے ہیں۔

حدیث: کسی شخص نے جناب رسولِ خداؐ سے اسماء اعظم باری تعالیٰ کا سوال کیا آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہر اسم باری تعالیٰ کا اسم اعظم ہے اپنے دل کو خدا کی جانب رجوع کر کے غیر جانب سے منقطع کر...... پس جس اسم باری تعالیٰ سے دعا کرے گا قبول ہوگی جو اسم اعظم کفعمی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمائے ہیں وہ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔

"اللہ" اسم اعظم باری تعالیٰ کا اللہ ہے یہ سب اسماء میں مشہور اور اعلیٰ ہے اور باعث استجابت دعا ہے اور جمیع اسماء کے قبل ہے اور اس کے ساتھ سورہ اخلاص خاص ہوا ہے اور اسی اسم کے ساتھ آیہ "شھد اللہ" واقع ہوا ہے اور سب اسموں میں ممتاز ہے چنانچہ کافی میں حدیث ہے کہ جو شخص دس مرتبہ "یا اللہ" کہہ کر جو دعا طلب کرے خدائے تعالیٰ مستجاب فرماتا ہے اور ابن فہد نے عدۃ الداعی میں بھی تحریر فرمایا ہے اور حدیث بھی حضرت رسولِ خداؐ سے ہے کہ اللہ اسم اعظم ہے۔

☆۲: اسم اعظم قرآن شریف میں ہے قطعاً۔

☆۳: اسم اعظم قطعی ننانوے اسماء باری تعالیٰ میں ہے۔

اسم اعظم باری تعالیٰ

☆۴: اسم اعظم "اللہ الرحمٰن" میں ہے۔

☆۵: "یاحی یاقیوم" ہے اور زبان عبرانی میں "اھیاً شراھیاً" ہے۔

☆۶: اسم اعظم "یا ذالجلال والاکرام" ہے۔

☆۷: "یا الھا والہ کل شیء الھا واحدا لا الہ الا انت" اسم اعظم ہے۔

☆۸: "اللہ والحي والقیوم" ہے۔

☆۹: فرمایا جناب امام جعفر صادقؑ نے کہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" اسم اعظم ہے۔

☆۱۰: "یابدیع السموات والارض یا ذالجلال والاکرام" ہے۔

☆۱۱: فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ تین آیات آخر سورہ حشر میں اسم اعظم ہے۔

☆۱۲: فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ آیہ "قل اللھم مالک الملک" میں اسم اعظم ہے۔

☆۱۳: فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ سورہ بقرہ میں آیۃ الکرسی ہے اور سورہ آل عمران میں "اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم" ہے اور سورہ طٰہٰ میں "وعنت الوجوہ للحی القیوم" اسم اعظم ہے۔

☆۱۴: محمد نجار نے اپنی کتاب تنزیل میں لکھا ہے کہ فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ یہ آیہ "والھکم الہ واحد لا الہ الا ھو الرحمن الرحیم" میں اسم اعظم ہے اور وارد ہے کہ جب آفتاب برج اسد میں ہو اس آیہ کو انگشتری نقرہ پر کندہ کرا کر ہاتھ میں پہنے اور بعد نماز کے بھی ہر روز کسی تعداد کے موافق اس آیہ پر مداومت کرے جمیع خلائق مسخر و مطیع اسکی ہووے اور کوئی شخص اس پر غالب نہ آوے۔

☆۱۵: حدیث ہے کہ یہ "اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم" میں اسم اعظم ہے۔

☆۱۶: اسم اعظم "انت اللہ لا الہ الا ھو الرحمن الرحیم" میں ہے۔

☆۱۷: فرمایا جناب امام جعفر صادقؑ نے کہ اسم اعظم "ربنا" ہے جو کوئی اس کو پڑھے باری تعالیٰ اس کو نجات دے اس چیز سے کہ جس سے خوف کرتا ہے اور اس کو عطا کرے وہ چیز کہ جس کا ارادہ رکھتا ہے اس کو پانچ مرتبہ پڑھ کر جو دعا کرے مستجاب ہے۔

☆۱۸: قضاعی نے اپنی دستور سالم الحکم میں جناب امیرؑ سے نقل کیا ہے کہ اسم اعظم اول سورہ حدید "علیم بذات الصدور" اور آخر سورہ حشر "لو انزلنا ھذا القرآن" تا آخر سورہ حشر میں ہے پس بعد پڑھے ان کے دونوں ہاتھ اُٹھا کر کہے "یا من ھو ھکذا اسئلک بحق ھذہ الاسماء ان تصلي علی محمد و آل محمد" پس حاجت طلب کرے کہ مستجاب ہے۔

☆۱۹: اسم اعظم "یا ارحم الراحمین" ہے حدیث ہے کہ فرمایا جناب امام جعفر صادقؑ نے کہ جو شخص سات مرتبہ کہے "یا ارحم الراحمین" پس ایک فرشتہ آسمان اول سے ندا کرتا ہے کہ "ارحم الراحمین" نے تیری آواز سنی جو حاجت رکھتا ہے طلب کر پس اول سات مرتبہ ان اسماء کو پڑھ کر حاجت طلب کرے مستجاب ہے۔

☆۲۰: اسم اعظم "لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین" ہے۔

☆۲۱: "خیر الوارثین" "اسم اعظم" ہے۔

☆۲۲: "حسبنا اللہ و نعم الوکیل" "اسم اعظم ہے اور مداومت کرنا اس آیہ پر اسے طلب نعمت مفید تر اور نہایت موثر ہے۔

☆۲۳: اسم اعظم "القریب" ہے وارد ہے کہ جو کوئی "القریب المھیمن" کو نگینہ کے عقیق سرخ یمنی پر کندہ کراوے اور گرد اس کے آیہ "بدیع السموات والارض یا لطیف الخبیر" سورہ انعام سے کندہ کراوے اور اپنے پاس رکھے اور ہمیشہ باوضو رہے اور طاعت و عبادت میں معروف رہے اور ان ہر دو اسماء کو حسب اعداد ان کے پڑھے جمیع حاجات بخیر وخوبی برآئے اور ابواب رزق وبرکت اس پر کشادہ ہوں اور چشم خلائق میں عزیز و مکرم ہووے۔

☆۲۴: اسم اعظم "الوھاب" ہے وارد ہے کہ جو کوئی حالت سجدہ میں چودہ مرتبہ "یا وھاب" کہے برائے ترقی رزق نہایت مجرب ہے چنانچہ سجدہ شکر میں بعد ہر نماز واجبہ کے بعد پڑھے۔

☆۲۵: "الغفار" "اسم اعظم" ہے۔

☆۲۶: "سمیع الدعاء" "اسم اعظم" ہے۔

☆۲۷: "سمیع العلیم" "اسم اعظم" ہے۔

☆۲۸: "الودود ذوالعرش العظیم المجید فعال لما یرید" "اسم اعظم" ہے۔

☆۲۹: "توکلت علی الحی الذی لا یموت" "اسم اعظم" ہے۔

☆۳۰: سورہ انعام میں مابین دو اسم "اللہ" کے اسم اعظم ہے پس جو دعا مابین ہر دو اسم جلالہ کے طلب کی جاوے مستجاب ہوتی ہے پس سورہ انعام کو واسطے جس حاجت کے ہر روز اس طرح پر پڑھے کہ مابین ہر دو "اللہ" کے اپنی حاجت طلب کرے مجربات سے ہے۔

☆۳۱: اسم اعظم "حوامیم" ہے۔

☆۳۲: اسم اعظم "یسین" ہے۔

☆۳۳: اسم اعظم "مابین حوامیم" اور "یسین" کے ہے یعنی ان سورہائے قرآنی میں ہے۔

☆۳۴: حروف مقطعات کہ جو اوائل سورہ ہائے قرآنی میں وارد ہیں اسم اعظم ہیں جب ان کو بعد حذف مکررات کے جمع کیا جاوے تو یہ عبارت پیدا ہوتی ہے "علی صراط حق نمسکہ" بعض تمسکہ میں بجائے حرف نون کے حرف تا تحریر کرتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے اس سبب سے کہ حروف مقطعات میں حرف تا کسی جگہ نہیں ہے حرف نون ہے چنانچہ جناب کفعمی علیہ الرحمہ نے بھی حرف نون ہی تحریر فرمایا ہے اور اعداد جمل اس کے چھ سو ترانوے (۶۹۳) ہیں کفعمی نے اسی طرح تحریر میں فرمایا ہے اور بعض نے "صراط علی حق نمسکہ" لکھا ہے فی زمانہ اسی کو عقیق سفید پر کندہ کرا کر پہنتے ہیں اور یہ حروف نورانی ہیں اور یہ کل چودہ حروف ہیں ان کے خواص علماء نے بہت تحریر فرمائے ہیں چنانچہ وارد ہے کہ جس وقت طالع ثور ہو اور قمر ثور میں ہو انگشتری نقرہ پر "صراط علی حق نمسکہ" کو کندہ کرا کر پہنے جمیع مرادات اس کے بخیر وخوبی بر آویں اور ہرگز وہ شخص محتاج نہ ہو۔

☆۳۵: "المتکبر" "اسم اعظم" ہے اس کے اعداد بھی چھ سو ترانوے (۶۹۳) حسب اعداد حروف مفردات کے ہیں۔

☆۳۶: فرمایا جناب امام جعفر صادقؑ نے اپنے بعض اصحاب سے کہ ہم تم کو اسم اعظم تعلیم کریں عرض کیا کہ ارشاد فرمائیے پس فرمایا حضرت نے کہ رو بقبلہ ہو کر "سورہ حمد اور سورہ توحید اور آیۃ الکرسی اور سورہ قدر" پڑھو پس اس کے بعد جو حاجت چاہو خدا سے طلب کرو اس کو شیخ محمد ابن الحسن ابن فروخ الصفار نے اپنی کتاب فضل الدعا میں تحریر کیا ہے۔

☆۳۷: اسم اعظم "لا الہ الا ھو" ہے اور یہ جمیع احادیث کے موافق ہے۔

☆۳۸: فرمایا جناب امام جعفر صادقؑ نے کہ سورہ فاتحہ میں اسم اعظم ہے اگر سورہ فاتحہ ستر مرتبہ پڑھے اور مردہ زندہ ہو جاوے اور یہ تعجب نہیں ہے جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب تبصرہ میں اس کو تحریر کیا ہے۔

☆۳۹: فرمایا جناب امام رضاؑ نے کہ بعد نماز صبح کے ایک سو مرتبہ کہنا "بسم اللہ الرحمن الرحیم ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم" نزدیک تر ہے اسم اعظم سے کہ جیسے سیاہی سفیدی چشم سے اور اس حدیث سے اسم اعظم ہے۔

☆۴۰: اسم اعظم اس دعا میں ہے "اللھم انت اللہ لا الہ الا انت ذاالمعارج والقوی اسئلک بسم اللہ الرحمن الرحیم وبما انزلتہ فی لیلۃ القدر ان تجعل لی من امری فرجا و مخرجا و اسئلک ان تصلی علی محمد و آل محمدؐ و ان تغفرلی خلیلتی و تقبل توبتی یا ارحم الراحمین" اس کو صاحب کتاب فوائد جلیلہ نے تحریر کیا ہے۔

: کتاب نہج میں کہ جو دعوات ہی میں ہے ابی محمد حری نے جناب پیغمبرؐ سے نقل کیا ہے کہ اس دعا میں اسم اعظم ہے "اللھم انی اسئلک بان لک الحمد لا الہ الا انت یا حنان یا منان یا بدیع السموات والارض یا ذالجلال والاکرام"۔

☆☆......☆☆......☆☆

تعویز لکھنے اور دم کرنے کے بارے میں معصومین علیہم السلام کے ارشادات

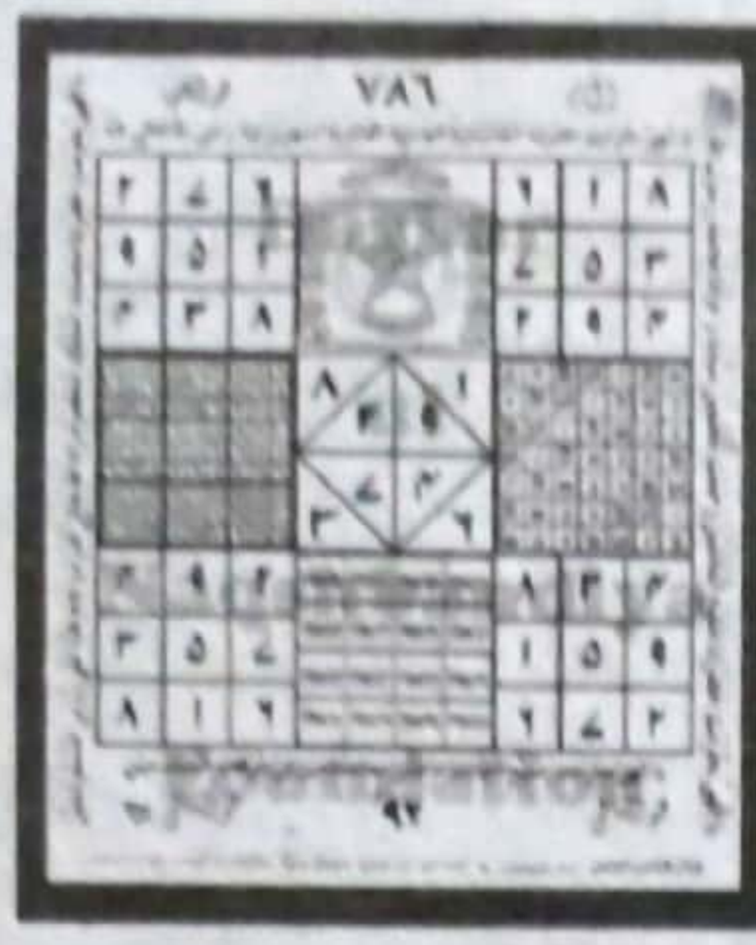

تحقیق وترتیب......ذاکرہ عاصمہ ڈوگر ایم اے انگلش (راولپنڈی)

نوٹ: معزز قارئین! عام شخص یا نقاد حضرات کے ذہن میں سوال اُبھرتا ہے کہ کیا خالی ہندسے لکھ دینے سے یا کسی آیت قرآنی لکھ کر گلے میں تعویذ باندھنے یا پانی یا انسانی جسم پر دَم کرنے کے کوئی اثرات ہوسکتے ہیں؟ ہم نے اس سلسلے میں محمدؐ وآل محمدؑ کے فرامین اور ان کے لکھے ہوئے تعویز اور دَم کردہ دعاؤں کو تفاسیر اہل بیتؑ سے تلاش کیا تو اس کا انتہائی مثبت جواب ملا۔ ہم اپنے معزز قارئین کی نذر ان روایات واوراد وتعویز کو نقل کر رہے ہیں جس سے ان کا نہ صرف ابہام جاتا رہے بلکہ انہیں وہ روزِ مرہ کی زندگی میں کام لاسکیں ہم تمام ثقہ کتب کے حوالے بھی نقل کر رہے ہیں......(مرتب)

حضرت رسول اللہؐ حسنینؑ کے لئے تعویز بناتے ہیں

الشافی ترجمہ اصول کافی ج ۵ مترجم ص ۲۲۰ پر علامہ کلینیؒ "باب حرز وتعویز" یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد کیا کہ حضرت رسول اللہؐ نے حسنؑ اور حسینؑ کے لئے تعویز بنایا آپؐ نے فرمایا "میں تم دونوں کو اللہ کے کلمات تامہ اور اس کے اسمائے حسنیٰ کی پناہ میں دیتا ہوں اور تمہارے لئے پناہ مانگتا ہوں فقر سے، ہر آزار دہندہ سے اور ہر حاسد کے شر سے پھر حضرت نبی اکرمؐ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا یہی وہ تعویز ہے، جو حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ و حضرت اسحاقؑ کیلئے تجویز فرمایا تھا۔

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ بحار الانوار ج ۱۰ مترجم کے ص ۹۰ پر ابن عباسؓ سے روایت لکھتے ہیں کہ ہم حضرت نبی اکرمؐ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ادھر سے امام حسنؑ اور امام حسینؑ گزرے جو ابھی بہت کم سن تھے آنحضرتؐ نے فرمایا میرے ان دونوں بچوں کو میرے پاس لاؤ میں ان دونوں پر وہی دعا پڑھ کر دم کروں گا جو حضرت ابراہیمؑ نے اپنے دونوں فرزندوں اسماعیلؑ۔ اسحاقؑ پر دَم کی تھی، پھر حضرت نبی اکرمؐ نے مندرجہ بالا دعا فرمائی جو الشافی کے حوالے سے نقل ہو چکی ہے۔

ام الصبیان کے تعویز

الشافی ج ۵ ص ۲۲۳ پر راوی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقرؑ سے بچوں کی مرگی (ام الصبیان) کیلئے ایک تعویز مانگا آپؑ نے اپنے دست مبارک سے دو تعویز لکھے (جو حوالہ بالا میں موجود ہیں)

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کا بخار کیلئے تعویز دینا

اصول کافی ج ۱ ص ۵۰۹، اعلام الوریٰ ص ۳۵۷، ارشاد ص ۳۲۳، مناقب ج ۴ ص ۴۳۱، بحار الانوار ج ۹ مترجم ص ۳۱۳ پر نقل ہے

حسن بن ظریف نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے بذریعہ خط حضرت امام زمانہ (عج) کے بارے میں سوالات لکھ بھیجے مگر باری کے ساتھ ہر چوتھے روز کے بخار کیلئے تعویز مانگنے کا بھول گیا۔ حضرت امام علی نقیؑ نے تمام سوالات کے جوابات لکھ کر تحریر فرمایا "نیز تمہارا ارادہ یہ تھا کہ چوتھیا بخار کیلئے کوئی تعویز مانگو مگر تم لکھنا بھول گئے خیر کوئی بات نہیں جس کو چوتھیا بخار آرہا ہو اس کے گلے میں ایک کاغذ پر یہ آیت لکھ کر ڈال دو

"یا نار کونی بردا وسلاماً علیٰ ابراھیمؑ"

حسن بن ظریف کہتا ہے کہ میں نے یہ آیت لکھ کر مریض کے گلے میں ڈال دی اور وہ اچھا ہو گیا

حضرت رسول اللہؐ کا حسنین علیہما السلام کو دَم کرنا

بحار الانوار ج ۱۰ مترجم ص ۹۰ پر علامہ مجلسی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اکثر تفاسیر میں آیا ہے کہ حضرت رسول اللہؐ، حضرات حسنین علیہما السلام کو معوذتین (سورہ الفلق۔ سورہ الناس) پڑھ کر دم کیا کرتے تھے اسی بنا پر ان سوروں کا نام "معوذتین" پڑ گیا۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا سورہ الحمد سے دَم کرنا

علامہ حسین بخش جاڑا تفسیر انوار النجف ج ۲ ص ۸ پر لکھتے ہیں علامہ علی اکبر نہاوندی نے کتاب خزینۃ الجواہر ص ۲۸۵۔۵۷۲ میں کتاب جامع النورین سے نقل فرمایا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کے کسی صحابی کا ہاتھ ایک جنگ میں کٹ گیا پس وہ حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں پہنچا تو آپؑ نے اس کا کٹا ہوا ہاتھ اپنے مقام پر جوڑ کر آہستہ سے کچھ پڑھا پس وہ تندرست ہو گیا اور خوشی سے چلا گیا پھر دوسرے دن حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کی کہ یا مولا! آپؑ نے میرے دست بریدہ پر کیا پڑھا تھا کہ وہ ٹھیک ہو گیا آپؑ نے فرمایا میں نے سورہ فاتحہ پڑھا تھا تو اس شخص نے حقارت آمیز لہجے میں کہا اچھا آپؑ نے سورہ فاتحہ پڑھا تھا بس یہ کہنا تھا کہ اس کا وہی ہاتھ اسی مقام سے دوبارہ جدا ہو کر گر گیا اور مرتے دم تک ویسے کا ویسا رہا۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا پانی پہ دم کر کے دینا

رجال کشی ص ۲۷۹ پر ابن بطائن نے اپنے باپ علی سے روایت کی ہے کہ میں اتنا بیمار ہو گیا کہ میں بیماری کی وجہ سے اتنا بدحواس ہو گیا کہ عیادت کو آنے والے احباب کو بھی نہ پہچانتا تھا جب مجھے کچھ آفاقہ ہوا تو میں نے اپنے احباب سے کہا کہ حضرت ابوالحسن موسیٰ بن جعفر علیہما السلام کے پاس ایک پیالہ پانی کا بھیجو تا کہ وہ دم کر کے دیں لے جانے والے نے کہا کہ حضرت ابوالحسن علیہ السلام نے پانی پر دَم کر کے فرمایا کہ اسے کہنا یہ پانی پی لو انشاء اللہ اسی سے تم کو شفا ہو جائے گی میں نے وہ پانی پی لیا تو میں رفع حاجت کیلئے اٹھا میرے پیٹ میں جو فاسد مادّے تھے وہ سب نکل گئے اور میں روبہ صحت ہو گیا اس کے بعد میں حضرت ابوالحسن علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؑ نے فرمایا اے علیؑ! تمہاری اجل مرتبہ آنے کے بعد پھر گئی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا دم کرنے اور تعویذ کے بارے میں ارشاد

طب الائمہ ص ۴۸، بحار الانوار ج ۹۵/۴، رسوم الشیعہ ص ۵۴ پر یہ روایت درج ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا "نظر بد، بخار، داڑھ کے درد، زہریلے یا ڈنگ مارنے والے کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کیا دَم کر رہا ہے؟ عبداللہ بن سنان کی روایت ہے کہ امامؑ نے فرمایا: "اے ابن سنان! دَم کرنے، تعویذ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ یہ قرآنی آیات پر مشتمل ہو جس کو قرآن شفا نہ دے اس کو اللہ تعالیٰ شفا نہ دے گا"۔

بچہ جو کلام نہ کر سکے

تفسیر البرہان کے حوالے سے تفسیر انوار النجف ج ۸ پر ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ارشاد ہے کہ جو چھوٹا بچہ کلام نہ کر سکتا ہو تو سورہ بنی اسرائیل کو زعفران سے لکھ کر دھو کر بچہ کو پلایا جائے تو بحکم خدا اسکی زبان کھل جائے گی اور بچہ بولنے لگے گا۔

دانتوں کے درد کا تعویذ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ درد والے دانت پر ہاتھ رکھ کر سورہ حمد، سورہ توحید اور سورہ قدر پڑھے (مفاتیح الجنان ص ۱۳۲۰)

بہرے پن اور بدن کے ورم وسوجن کیلئے دم

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بہرے پن کو دُور کرنے کیلئے ہاتھ کو کان پر رکھے اور سورہ حشر کی آیت "لو انزلنا هذا القرآن علی جبل ...... تا آخر دم کرے (ص ۱۳۱۹) اور یہی آیت جب بدن پر کہیں وَرم آ جائے فریضہ نماز کے لئے وضو کرنے کے بعد پڑھے اور پھر نماز کے بعد بھی پڑھے اور اس آیت پر غور وفکر کرے انشاء اللہ ورم جاتا رہے گا (۱۳۲۵)

مرگی کے مریض کو دم کرنے کا امام علی رضاؑ کا طریقہ

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے بارے میں مروی ہے کہ آپؑ نے مرگی کے ایک مریض کو دیکھا کہ جس پر دورہ پڑا ہوا تھا تب آپؑ نے پانی کا ایک جام طلب فرمایا اور اس پر سورہ حمد، سورہ فلق اور سورہ والناس پڑھ کر دَم کیا پھر حکم دیا کہ یہ پانی اس کے سر اور چہرے پر چھڑکا جائے اس طرح وہ شخص ہوش میں آ گیا آپؑ نے فرمایا اب یہ مرض نہیں ہوگا (ص ۱۳۴۲)

حضرت ابراہیمؑ نے آسمانی قمیض حضرت اسحاقؑ کے گلے میں بطورِ تعویذ باندھی

الشافی ترجمہ اصول کافی ج ۲ ص ۱۱۳ کے حوالے سے تفسیر انوار النجف ج ۱۵ میں علامہ حسین بخش جاڑا ص ۱۳ پر لکھتے ہیں

"حضرت ابراہیمؑ کو جب آتش نمرود میں ڈالا گیا تھا تو حضرت جبرئیلؑ نے جنت سے ایک قمیض لا کر حضرت ابراہیمؑ کو پہنا دی تھی اور وہی قمیض آپؑ نے بطور تعویذ حضرت اسحاقؑ کے گلے میں باندھ دی تھی اور انہوں نے حضرت یعقوبؑ کے گلے میں بطور تعویذ ڈالی تھی اور انہوں نے چاندی کی تختی میں بند کر کے حضرت یوسفؑ کے بازو میں تعویذ کے طور پر باندھ دی تھی چنانچہ زندان مصر میں وہی قمیض حضرت یوسفؑ نے باہر نکالی اور بشیر (قاصد) کے حوالہ کی تو اس کی خوشبو حضرت یعقوبؑ نے ملکِ شام میں محسوس فرمائی کیونکہ جنتی لباس کی خوشبو مومن کو ایک ہزار سال کی مسافت سے بھی محسوس ہو سکتی ہے اور وہی قمیض تبرکات انبیاءؑ میں حضرت پیغمبر اکرمؐ ختمی مرتبت تک پہنچی اور مروی ہے کہ جب قائم آل محمد (عج) خروج کریں گے تو وہ قمیض ان کے پاس ہوگی۔

امام حسن علیہ السلام کا شہزادہ قاسمؑ کو تعویز باندھنا

علامہ سید ہاشم بحرانی کا حوالہ

مدینۃ المعاجز ج ۲ مترجم کے ص ۹۴-۹۵ پر علامہ سید ہاشم بحرانی لکھتے ہیں

"امام حسینؑ نے اپنے بھائیوں کو جہاد پر روانہ کیا قاسمؑ سر جھکا کر حیران ہو کر یہ منظر دیکھنے لگے پھر اچانک انہیں یاد آیا کہ ان کے والد حضرت امام حسنؑ نے ان کے بازو پر ایک تعویز باندھا تھا اور فرمایا تھا کہ "جس دن تجھ پر سخت مصیبت آئے تو تم اس تعویز کو کھول کر پڑھنا اور میرے حکم پر عمل کرنا"۔

قاسمؑ نے اپنے دل میں کہا کہ آج کے دن کی مصیبت سے بڑھ کر اور کونسی مصیبت نازل ہوگی یہ سوچ کر انہوں نے اپنے بازو کے تعویذ کو کھول کر اور اس کو پڑھنے لگے تعویذ میں یہ عبارت تحریر تھی "اے میرے فرزند قاسمؑ! جب تم اپنے چچا حسینؑ کو کربلا میں دشمنوں کے نرغہ میں دیکھو تو میری وصیت یہ ہے کہ تم اپنے چچا پر اپنی جان قربان کر دینا اور خدا اور رسولؐ کے دشمنوں سے جنگ کرنا...... تا آخر۔

اس روایت کے دیگر حوالے

- آیت اللہ الشیخ جعفر الشوستری مجالس امام حسین طبع اسلام آباد ص ۸۴
- مجموعہ مصائب طبع لاہور ص ۸۰ تا ۸۱، مجالس الموعظۃ والعبر طبع ایران ص ۱۱۴ تا ۱۱۶، ص ۲۲۵، ۲۲۶۔ محاربہ کربلا ص ۶۷۔ ۶۸
- معیار مودت علامہ سید محمد یار شاہ نجفی ص ۲۳۱
- عرفان المجالس علامہ سید صفدر حسین نجفی ص ۱۱۴

نوٹ: اس عنوان پر بیسیوں حوالوں کے ساتھ صحیفہ حقائق ج دوم پر ص ۴۵۳ تا ۴۷۷ مکمل مدلل بحث کی گئی ہے محقق حضرات ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

مفاتیح الجنان میں تعویذ ودَم کا باب

- مفاتیح الجنان کلاں مترجم علامہ سید ریاض حسین نجفی نے تیسرا باب ص ۱۳۰۷ تا ۱۳۴۸ پر محدث الشیخ عباس قمیؒ کے نقل کردہ تعویذ، اوراد و وظائف اور دَم کرنے والی دعاؤں کا ترجمہ کیا ہے جسے ضرورت مند اور محقق حضرات ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

حرز ہائے معصومینؑ

مندرجہ بالا ترجمہ شدہ مفاتیح الجنان میں مندرجہ ذیل صفحات پر معصومین علیہم السلام کے لکھے ہوئے حرز درج ذیل ہیں جنہیں خواہش مند نقل کر کے اس سے فیض حاصل کر سکتے ہیں پانچواں باب ص ۱۴۳۸ تا ۱۴۴۶ حرز ہائے معصومینؑ ملاحظہ فرمائیں۔

- حرز حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا
- حرز امام زین العابدینؑ
- حرز امام جعفر صادقؑ
- حرز امام موسیٰ کاظمؑ
- حرز امام محمد تقیؑ
- حرز امام علی نقیؑ
- حرز امام حسن عسکریؑ
- حرز امام العصر (عج)۔
- مہج الدعوات ص ۱۳۔ ۱۴ طبع بیروت بحار ج ۹۴ ص ۲۲۸ طبع بیروت میں ''حرز حضرت امیر المومنینؑ علی ابن ابی طالبؑ بازو پر باندھنے کیلئے نقل ہے۔
- مہج الدعوات ص ۲۴ پر حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول حرز نقل ہے جسے بازو کے تعویذ کے طور پر باندھنے کیلئے کہا گیا ہے۔
- سید ابن طاوس نے حرز ہائے معصومینؑ کو نقل فرمایا ہے جن کے ثقہ ہونے میں کوئی شک نہیں
- آیت اللہ سید محمد تقی مقدم کی کتاب ''ختوم واذکار'' طبع ایران مکمل اوراد و وظائف کے ساتھ ساتھ تعویذ، حرز اور دَم کرنے کی دعائیں کثرت سے نقل ہیں۔

☆☆......☆......☆☆

بقیہ...... چالیس کے عدد بارے......

چالیس سال کے لئے عذاب کا اٹھ جانا

حذیفہ بن یمان رضوان اللہ سے منقول ہے کہ حضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ حتمی اور فیصلہ شدہ عذاب جب کسی قوم کیلئے بھیجتا ہے اور اس وقت اُن کے بچوں میں سے کوئی بچہ قرآن میں سے ''الحمد لله رب العالمین'' پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس آیت کی تلاوت کی وجہ سے چالیس سال کیلئے عذاب اٹھا لیتا ہے اور موخر کر دیتا ہے'' (تفسیر کبیر ج اص ۱۷۸، تفسیر انوار النجف ج ۱۴، ص ۱۱۳)

عرش کے گرد چالیس انوار

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حدیث معراج پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک طویل حدیث میں بیان فرمایا ''خدائے عزیز و جبار نے حضرت نبی اکرمؐ پر نُور کی ایک محمل نازل کی جس میں چالیس طرح کے انوار تھے جو عرش الٰہی کے اطراف میں اس طرح حلقہ کئے ہوئے تھے کہ ہر دیکھنے والے کی آنکھیں خیرہ ہو جاتیں تھیں''...... حدیث تا آخر (علل الشرائع ج ۲ ص ۳۱۲، باب عدل حدیث، آداب نماز ص ۱۹۱) امام خمینی رضوان اللہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''اس میں بڑے اسرار ہیں جن تک ہماری ذہنی اور روحانی رسائی نہیں''۔

- حضرت موسیٰؑ نے اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کو اپنا جانشین مقرر کیا اور قوم سے رخصت ہو کر پروردگار سے ملاقات کے مقام پر پہنچے وہاں بعض مصالح کی بناء پر خدا کی طرف سے دس راتیں بڑھا دی گئیں (پہلے حضرت موسیٰؑ کو وہاں تیس راتیں گزارنے کا حکم تھا) اور حضرت موسیٰؑ چالیس راتیں قوم کے درمیان سے غائب رہے (حکایات القرآن ص ۱۶۸، ناشر جامعہ تعلیمات اسلامی کراچی)
- تب خدا نے انہیں وحی بھیجی کہ فلسطین کی سرزمین ان لوگوں کے لئے حرام ہے اور یہ چالیس سال تک بیابانوں میں بھٹکتے پھریں گے......الخ (حکایات القرآن ص ۱۷۳)
چنانچہ وہ چالیس سال اسی بیابان میں گزار گئے اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ نے وہیں رحلت کی (حکایات القرآن ص ۱۷۳)
- حضرت یونسؑ مچھلی کے شکم میں چالیس روز رہے (حیات القلوب ج ا مترجم ص ۸۶۵)

حضرت عیسیٰؑ نے چالیس شب و روز کا روزہ رکھا

تفسیر نمونہ ج اص ا پر ہے کہ ''جیسا کہ انجیل سے ظاہر ہوتا ہے حضرت عیسیٰؑ نے بھی چالیس دن روزے رکھے اس وقت عیسیٰؑ قوت روح کے ساتھ بیابان میں لے جائے گئے تاکہ ابلیس انہیں آزمائے پس انہوں نے چالیس شب و روز، روزہ رکھا اور وہ بھوکے رہے''۔ (انجیل متی باب ۴ شمارہ ۱۔ ۲)

حضرات معصومین علیہم السلام کے نگینوں کے بارے میں ارشادات اور انکے نقش ہائے خاتم

ترتیب و پیشکش...... ڈاکٹر سیدہ فروہ ترمذی (اسلام آباد)

پہلے اس گزارش کو پڑھ لیں

ولی العصرؑ جنتری کیلئے یہ تحقیقی مضمون بیسیوں کتب سے لکھا گیا ہے آپ اسمیں ملاحظہ فرمائینگے کہ معصومین (علیہم السلام) کی انگوٹھیوں کے نقش ہائے خاتم مختلف رواتیوں کے لحاظ سے مختلف ہیں اسکی ایک وجہ تو یہ ہے کہ حضرات معصومین (علیہم السلام) کے پاس کئی کئی انگوٹھیاں ذکر ہوئی ہیں راویان حدیث نے جو جو لکھا ہے ہم نے اس میں سے مذہب حقہ کی باوقار کتب سے معتبر اسناد کے ساتھ روایت کی ہوئی احادیث کو لکھا ہے۔

انگوٹھی کس ہاتھ میں پہنی جائے

سیرت امیر المومنینؑ ج ا ص ۱۳۳ پر علامہ مفتی جعفر حسین حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ

۞ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا مسنون و مستحب ہے حضرت رسول اللہؐ داہنے ہاتھ ہی میں انگوٹھی پہنتے تھے چنانچہ ابن اثیر جزری نے تحریر کیا کہ آنحضرت دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

۞ مستطرف ج ۲ ص ۷۰ پر جناب عائشہ کی روایت ہے کہ "حضرت رسول اللہؐ داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے اور جب دنیا سے رحلت فرمائی تو اس وقت بھی آپؐ کے داہنے ہاتھ میں انگوٹھی تھی"۔

۞ حضرت رسول اللہؐ کے بعد خلفاء دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

۞ (سب سے پہلے) معاویہ بن ابوسفیان نے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا شروع کر دی جسے امویوں نے شعار بنا لیا۔

زیر نظر مقالے میں حضرات معصومینؑ کے نقش ہائے خاتم علیحدہ علیحدہ بھی باحوالہ تحریر کر دیئے ہیں اور اس سے قبل والی تحریر مولانا سید محمد تقی لکھنوی کی کتاب زاد الصالحین طبع دوم کے حصہ دوم کے ص ۱۲۱ تا ۱۲۶ سے لی گئی ہے (فروہ ترمذی)

۞ حدیث از حلیۃ المتقین...... خلاصہ اسکا یہ ہے کہ "فرمایا حضرت امام حسینؑ نے کہ حضرت موسیٰؑ آنکھیں نیچی کر کے مناجات کیا کرتے تھے خدائے تعالیٰ نے انکے چہرے کے نور سے عقیق کو پیدا کیا اور فرمایا کہ قسم ہے مجھ کو اپنی ذات اقدس کی کہ عذاب نہ کرونگا میں آتش جہنم سے اس ہاتھ کو کہ جس میں انگشتری عقیق کی ہو بشرطیکہ محبت علی ابن ابی طالبؑ کی رکھتا ہو"۔

۞ حضرت امیر المومنین (علیہ السلام) نے حضرت رسول خداؐ سے عرض کیا کہ عقیق کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ پہاڑ ہے یمن میں کہ اقرار کیا ہے اس نے خدا کی وحدانیت کا اور میری رسالت کا اور یا علیؑ تیری اور تیرے بیٹوں کے لئے امامت کا اور تیرے شیعوں کیلئے جنت کا اور تیرے دشمنوں کیلئے جہنم کا۔

۞ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ نماز اس شخص کی کہ جس کے ہاتھ میں انگوٹھی عقیق کی ہو چالیس درجہ زیادہ ہے اس شخص کی نماز سے کہ جس نے بلا عقیق کے پڑھی ہو۔

۞ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ دو رکعت نماز با انگشتر عقیق بجالائے بہتر ہے ہزار رکعت نماز سے کہ بلا انگشتری عقیق کے پڑھی ہو مردوں کو انگوٹھی سونے کی پہننا حرام ہے اور انگوٹھی لوہے اور پیتل کی مرد اور عورتوں کو پہننا مکروہ ہے۔

۞ ایک شخص نے جناب رسول اللہؐ سے عرض کیا کہ راہ میں مال میرا چور لے گیا فرمایا کہ انگشتری عقیق کی ہاتھ میں کیوں نہیں رکھتا تھا؟ کہ وہ ہر بدی سے محفوظ رکھتی ہے اور حاکم ظالم اور ہر بلا سے محفوظ رہتا ہے اور خیر اور فراغ روزی ہوتی ہے اور محفوظ رہتا ہے اس چیز سے کہ جس سے خوف کرتا ہے اور پریشانی و فقر و درویشی کو رفع کرتا ہے اور نفاق کو دور کرتا ہے اور خدائے تعالیٰ دوست رکھتا ہے اسکو کہ جس کے ہاتھ میں انگشتری عقیق کی ہو اور ہاتھ واسطے دعا کے بلند کرے اور وہ ہاتھ روپیہ سے خالی نہیں رہتا اور باعث رواں ہونے حاجات کا ہوتا ہے اور عقیق محفوظ رکھتا ہے ہاتھ کٹنے سے اور امان بخشتا ہے خوف سے من مولف میں نے جہاں تک امتحان کیا اور جس قدر مجھ کو تجربہ حاصل ہوا ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب خواص عقیق میں ضرور ہیں نہ دوسرے عقیق میں مثل کھماچی وغیرہ کے دو مرتبہ مجھ کو امتحان ہوا ہے اور ایک مرتبہ میں سخت علیل تھا جو انگشتری عقیق یمنی کی میرے ہاتھ میں تھی اسکا نگینہ ٹوٹ گیا اسکے بعد ہی مجھ کو افاقہ ہونا شروع ہوا یہاں تک کہ مجھ کو شفائے کاملہ حاصل ہوئی دوسری مرتبہ میں گھوڑے پر سوار تھا گھوڑا، ندی میں بیٹھ گیا میں اسکے نیچے دب گیا کہ خدائے تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اسکے نیچے سے نکالا جب میں باہر آیا تو میں نے عقیق یمنی کو جو انگشتری میں تھا ٹوٹا ہوا پایا اس تحریر سے میری غرض یہ ہے کہ جمیع سختی کو عقیق اپنے اوپر لے لیتا ہے اور اس سختی کی وجہ سے ٹوٹ جاتا ہے پس جب ٹوٹ جائے تو پھر اس عقیق یمنی کو نہ پہنے عقیق یمنی قیمتی چیز ہے اور یہ سب خواص جو

احادیث میں وارد ہیں عقیق یمنی سرخ میں ضرور ہیں اور جناب رسول خداؐ نے بھی عقیق یمنی کی نسبت ارشاد فرمایا ہے عقیق یمنی سرخ کے حکماء نے بھی بہت خواص لکھے ہیں (سید محمد تقی سرسوی

انگشتری کے نقوش کیا ہوں؟

حضرت امام محمد باقر (علیہ السلام) نے فرمایا کہ عقیق سرخ کا پہاڑ بہشت میں ہے اور وہ پہاڑ قریب ہے حضرت رسول خداؐ کے گھر سے، عقیق سرخ یمنی پر" محمد نبی الله علی ولی الله " کندہ کردے یا یہ کندہ کرادے "امن المتو کلون" کندہ کرانا اس کلمہ کا واسطے حفاظت اموال واولاد وغیرہ اور واسطے دفع دشمن ومحافظت از جن وانس وجمع مکارہ کی تاثیر عظیم رکھتا ہے اور کندہ کرانا "الله ولی عصمتی من خلقه" کا واسطے حفاظت کے مجربات سے ہے اور کندہ کرانا "حسبی الله حافظی" کا عقیق سرخ یمنی پر واسطے کفایت مہمات ودافع اعداء کے مجرب ہے یہ نقش نگین حضرت امام محمد تقیؑ کا ہے اور کندہ کرانا عقیق سرخ یمنی پر "الشکر بدوا النعیم" کا واسطے وسعت رزق ونعمت کے نہایت موثر ہے یہ نقش نگین بھی جناب امام محمد تقیؑ کا ہے اور "امن امنو کلون" جو اوپر تحریر ہو چکا یہ نقش نگین حضرت امیرؑ کا ہے اور "الله ولی عصمتی من خلقه" نقش نگین حضرت امام جعفر صادقؑ کا ہے اور "حسبی الله حافظی" نقش نگین حضرت امام رضاؑ کا ہے اور یہ سب آزمودہ ہیں اور اگر عقیق سرخ یمنی پر "الملک لله الواحد القهار" کندہ کرائے تو واسطے خلاصی حبس وشر ظالم کو نہایت موثر ہے اور یہ نقش نگین حضرت امام علی نقیؑ کا ہے۔

❁ مولف کا کہنا ہے ایک میرے دوست صلحاء میں سے تھے انہوں نے مجھ سے اس تذکرہ میں فرمایا کہ میں ایک مرتبہ بیمار ہوا حقہ پی رہا تھا اور ہاتھ میں انگشتری عقیق یمنی سرخ کی تھی کہ میرے کان میں آواز آہستہ چٹاخہ کی آئی اس طرح پر کہ کوئی چیز ٹوٹتی ہے اس وقت میں تنہا تھا میں نے اپنے نزدیک دیکھا تو کچھ معلوم نہ ہوا پھر میری نظر عقیق پر پڑی تو نگینہ عقیق یمنی کا ٹوٹا ہوا تھا اور اس سے قبل صبح کو میں دیکھ چکا تھا نگینہ ثابت تھا اس وقت مجھ کو یقین ہوا کہ جو مشہور ہے کہ بختی اپنے مالک کی عقیق یمنی اپنے اوپر لے لیتا ہے صحیح ہے اور مجھ کو اسی دن سے صحت ہونا شروع ہو گئی دوسرے دن وہ عارضہ بالکل رفع ہو گیا۔

عقیق زرد

حضرت امام محمد باقر (علیہ السلام) نے فرمایا کہ عقیق زرد کا پہاڑ بہشت میں قریب ہے جناب سیدہ فاطمہؑ کے گھر سے..... عقیق زرد یمنی پر یہ کندہ کرائے "ماشاء الله لاقوة الا بالله استغفر الله" اور نیچے نگینہ کے دوسری طرف "محمد وعلی" کندہ کرائے پس چور اور راہ زن سے محفوظ رہے گا کلمہ "ماشاء الله لاقوة الا بالله" نقش نگین حضرت امام رضاؑ کا ہے پس کندہ کرنا جمع کلمات مذکور کا عقیق زرد یمنی پر واسطے تونگری کے بہت مفید ہے اور فقر و درویشی رفع ہوتی ہے "ماشاء الله لا قوة الا بالله" سورہ کہف میں ہے۔

عقیق سفید

حضرت رسول اللہؐ نے فرمایا کہ عقیق سفید کا ایک پہاڑ بہشت میں قریب ہے حضرت امیرؑ کے گھر سے اس نگینہ پر یہ کندہ کرائے "صراط علی حق نمسکه" اور جناب کفعمیؒ نے ان کلمات کو اسم اعظم تحریر فرمایا ہے کہ حروف نجی جو اوائل قرآن میں وارد ہیں اسم اعظم ہیں جب ان کو بعد حذف مکررات کے جمع کیا جائے تو عبارت مذکور پیدا ہوتی ہے یہ حروف نورانی ہیں اور یہ کل چودہ حروف ہیں ان کے خواص علماء نے بہت تحریر فرمائے ہیں چنانچہ وارد ہے کہ جس وقت طالع ثوار ہو اور قمر برج ثور ہو نگین نقرہ پر "صراط علی حق نمسکه" کو کندہ کرائے اور اس کی انگشتری پہنے جمع مرادات اسکے بخیر وخوبی برآئیں اور ہرگز وہ شخص فقیر نہ ہوگا برائے ترقی رزق مثل انگشتری کا پہننا مجربات صحیحہ سے ہے۔

فصل دوسری فضیلت فیروزہ میں

❁ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ جو کوئی انگوٹھی فیروزہ کی ہاتھ میں رکھے ہاتھ اسکا فقیر نہ ہوگا۔

❁ حضرت رسول اللہؐ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں شرم کرتا ہوں اس ہاتھ سے کہ جو آسمان کی طرف دعا کیلئے بلند کرے اور اسمیں انگوٹھی فیروزے کی ہو کہ کیونکہ اس ہاتھ کو نا امید پھیروں۔

❁ خادم،، حضرت امام علی نقیؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؑ نے فرمایا کہ ایک طرف فیروزہ پر "الله الملک" کندہ کرے اور دوسری طرف "الملک لله الواحد القهار" کندہ کرے پس خواص اسکے یہ ہیں کہ ہر حیوان درندہ سے محفوظ رکھتا ہے اور باعث ظفر و غالب ہونے کا لشکر مخالف پر لڑائیوں میں ہوتا ہے اور یہ نقش نگین حضرت امیرؑ کا ہے کہ فیروزہ پر تھا اور حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی انگشتری فیروزہ کی تھی "الله الملک" کندہ تھا اور دوسری حدیث میں کہ انگشتری حضرت امام علی نقیؑ کی فیروزے کی تھی اس کے ایک طرف "الله الملک" کندہ تھا اور دوسری طرف "الملک لله الواحد القهار" کندہ تھا۔

❁ حضرت امام علی نقیؑ نے فرمایا کہ واسطے فرزند پیدا ہونے کے فیروزے پر اس آیت کو کندہ کرائے "رب لا تذرنی فرداً وانت خیر الوارثین" پہننا اس انگشتری اور نیز پڑھنا اس آیہ کا قنوت نماز واجبہ میں واسطے اولاد ہونے کے مجرب ہے۔

❁ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا "فیروہ آنکھوں کو قوت دیتا ہے اور سینہ کو کشادہ کرتا ہے اور قوت دل کو زیادہ کرتا ہے اور جب واسطے کسی کام کے جائے انگشتری فیروزے کی ہاتھ میں پہنے کہ حاجت اسکی برآئے گی"۔

فصل تیسری...... فضیلت در نجف میں

❁ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ "جو کوئی در نجف کو ہاتھ میں رکھے اور اس پر نظر کرے تو خدا تعالیٰ ہر نظر پر ثواب حج وعمرہ کا عطا فرماتا ہے کہ ثواب اسکا پیغمبروں اور صالحین کا ہے اور

خدا تعالیٰ اسکو ظاہر کرتا ہے جو کوئی کہ در نجف کو ہاتھ میں رکھے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ اے مفضل! یہ نگینہ سیرگاہ دیدہائے مردان مومن وزنان مومنہ کا ہے اور درد کو دور کرنیوالا ہے انکی آنکھوں سے اور در نجف صحرائے نجف میں ملتا ہے جو لوگ زیارت کو جاتے ہیں وہ لاتے ہیں اور اسکو ٹکڑا کر نگینے اس کے بنواتے ہیں۔

فصل چوتھی......فضیلت حدید میں

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ اسکو دوست نہیں رکھتا ہوں کہ جو انگشتری حدید کی ہمیشہ ہاتھ میں رکھے مگر اس وقت کہ جس حاکم سے خوف کرتا ہو اسکے پاس پہن کر جائے تا کہ اسکے شر سے محفوظ رہے اور حدید شیاطین کو دور کرتا ہے اس سبب سے کہ میں اسکو دوست رکھتا ہوں۔

سید ابن طاؤسؒ نے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے بخدمت حضرت امام جعفر صادقؑ میں عرض کیا کہ میرے دشمنوں نے حاکم جزیرہ کو مجھ پر غضبناک کر دیا ہے لہٰذا مجھ کو نہایت خوف ہے کہ وہ مجھ کو قتل کرے حضرتؑ نے فرمایا کہ انگشتری حدید چینی کی تیار کر اور نگینہ کے اوپر تین سطروں میں اس طرح پر کہ پہلی سطر میں ''اعوذ بجلال اللہ'' اور دوسری سطر میں 'اعوذ بکلمات اللہ' اور تیسری سطر میں ''وانی واثق باللہ ورسلہ'' اور گرد نگینہ کے'' اشھد ان لا الا الہ اللہ مخلصا''۔

پس اس انگوٹھی کو ہاتھ میں پہنے جس وقت کوئی حاجت دشوار ہو یا جس سے خوف کرے بہ تحقیق کہ حاجتیں تیری بر آئیں گی اور خوف تیرا ایمنی سے مبدل ہوگا اور جس عورت پر جننا دشوار ہو اس پر باندھ کہ بمشیت خدا جلد وضع حمل ہوتا ہے اور اسی طرح دور کرتا ہے اثر چشم بد کو اور پرہیز کر کہ کوئی نجاست یا چکنائی اس نگینہ کو نہ لگے اور حمام اور بیت الخلاء نہ لے جا اور بہت حفاظت سے رکھ کہ اسرار خدا سے ہے اور اگر حدید چینی پر ''لا الا الہ اللہ محمد رسول اللہ'' کندہ کرے تو باعث تسلط بر خلق و خرت بنظر مردم ہے حدید دو طرح کا ہے ایک بالکل سیاہ ہوتا ہے اس کے یہ خواص نہیں ہیں اور ایک حدید چینی ہوتا ہے ذرا سفیدی مائل ہوتا ہے اسی نگینہ کے یہ خواص ہیں کہ جو مذکور ہوئے اگر حدید چینی کو صرف پانی میں دھو کر اس پانی کو حاملہ کو پلائے وضع حمل با آسانی ہو آزمودہ ہے۔

فصل پانچویں......فضیلت یاقوت سرخ میں

حضرت علیؑ ابن موسیٰ الرضا (علیہ السلام) نے فرمایا کہ انگوٹھی یاقوت کی ہاتھ میں پہننا پریشانی کو دور کرتا ہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ انگشتری یاقوت سرخ کی پہننا مستحب ہے اور حضرت امیرؑ کی یاقوت سرخ کی انگشتری پر'' لا الا الہ اللہ الملک الحق المبین'' کندہ تھا یاقوت سرخ کا پہننا باعث شجاعت وعزیز و مکرم ہونے کا نظر خلائق میں ہوتا ہے اور واسطے قضائے حاجات کے مفید ہے۔

حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) نے فرمایا کہ میں دوست رکھتا ہوں واسطے ہر مومن کے کہ پانچ انگوٹھیاں ہاتھ میں رکھتا ہو یاقوت کی دوسری فیروزے کی تیسری در نجف کی چوتھی عقیق کی پانچویں حدید چینی کی مگر حدید چینی کی ہر وقت نہ پہنے مگر بوقت ضرورت۔

فصل چھٹی......فضیلت یاقوت زرد یعنی پکھراج

حضرت علیؑ بن موسیٰ الرضا (علیہم السلام) نے فرمایا کہ جو شخص انگوٹھی یاقوت زرد کی (یعنی پکھراج کی) پہنے فقیر و محتاج نہ ہو۔

فصل ساتویں......فضیلت زبرجد یعنی زمرد میں

حضرت امام علی بن موسیٰ الرضا (علیہم السلام) نے فرمایا کہ انگشتری زمرد کی ہاتھ میں رکھنا فقر کو ساتھ تو انگری کے مبدل کرتا ہے اور یہ آزمودہ ہے کہ زمرد خوابہائے متوحش و پریشانی سے محفوظ رکھتا ہے اور باعث نشاط و سرور کا ہوتا ہے اور حکماء نے اپنے اپنے تالیفات میں احادیث سے بھی زیادہ خواص و فوائد و جواہرات کے لکھے ہیں یعنی عقیق یمنی سرخ و فیروزہ، یاقوت سرخ و پکھراج و زمرد کے پس زمرد کئی طرح کا ہوتا ہے جو زمرد سبز ہوتا ہے وہ فائدہ بخشتا ہے اور جو زمرد زردی مائل ہوتا ہے وہ فائدہ نہیں دیتا اور نگینہ ہائے مذکور کا بے عیب ہونا چاہیے اگر نگینہ میں سقم یا کوئی عیب ہو تو وہ پورا فائدہ نہیں بخشتا۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی کا نقش

علامہ مجلسیؒ حیات القلوب ج ۲ چھٹا باب ص ۲۰۱ پر لکھتے ہیں کہ شیخ طوسیؒ نے بسند معتبر حضرت امام زین العابدین (علیہ السلام) سے روایت کی ہے کہ ایک روز حضرت رسول اللہؐ نے اپنی انگوٹھی حضرت امیر المومنین (علیہ السلام) کو دے کر فرمایا کہ اس پر کہ اس پر ''محمد بن عبداللہ'' نقش کرالاؤ حضرت امیر المومنین (علیہ السلام) نے کاریگر کو نقش کیلئے انگوٹھی دے دی اس نے اس پر ''محمدؐ بن عبداللہ'' نقش کر دیا۔

دوسرے روز حضرت امیر المومنینؑ نے کاریگر سے انگوٹھی واپس لی تو دیکھا کہ اس پر ''محمدؐ رسول اللہ'' کندہ تھا حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ نے فرمایا میں نے تجھے یہ کندہ کرنے کو تو نہیں کہا تھا اس نے کہا یا حضرتؑ! آپؑ بجا فرماتے ہیں مجھ سے غلطی ہوگئی میرے ہاتھوں سے ایسا ہو گیا حضرت امیر المومنین (علیہ السلام) وہ انگوٹھی لے کر حضرت نبی کریمؐ کے پاس آئے اور واقعہ بیان کیا آپؐ نے اسکو اپنی انگلی میں پہن لیا اور فرمایا میں محمدؐ بن عبداللہ بھی ہوں اور محمدؐ رسول اللہ بھی ہوں۔

دوسرے روز صبح کو حضرت نبی اکرمؐ نے دیکھا تو اس انگوٹھی کے نیچے ''علی ولی اللہ'' بھی نقش تھا حضرت نبی اکرم کو حیرت ہوئی اس وقت حضرت جبرائیلؑ نازل ہوئے اور کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے حبیبؐ! جو آپؐ نے چاہا نقش کرایا اور جو ہم نے چاہا ہم نے نقش کیا۔

ترجمہ: محمدؐ اللہ کے رسول ہیں علی اللہ کے ولی ہیں

حضرت امام محمد باقر (علیہ السلام) فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ چاندی کی انگوٹھی پہنتے تھے اور انگوٹھی آپؐ کے دائیں ہاتھ میں ہوتی تھی۔

1color 27.75x20.5

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی انگوٹھی کا نقش

سیرت امیرالمومنینؑ علامہ مفتی جعفر حسین ج ۱ ص ۱۳۳ پر کفایۃ الطالب ص ۲۵ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت امیرالمومنینؑ حضرت رسول اکرم کی طرح دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے انگوٹھی کا نگینہ کبھی یاقوت، کبھی فیروزہ، کبھی حدید چینی اور کبھی عقیق کا ہوتا تھا اور نقش خاتم "الملک للہ" تھا اور بعض روایات میں "للہ الملک" تھا

ترجمہ: مملکت و ملک اللہ ہی کیلئے مخصوص ہے۔

بعض تفاسیر میں ذکر ہوا ہے کہ جس انگوٹھی کو مولا علی (علیہ السلام) حالت رکوع میں صدقہ کے طور پر دیا تھا اسکے نگینہ پر یہ تحریر درج تھی "سبحان من فخری بانی عبدہ الملک لہ"

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو میرا فخر ہے کہ میں اسکا عبد و غلام ہوں مملکت و ملک اسی کے واسطے ہے

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کا نقش خاتم

بحار الانوار ج ۳ مترجم ص ۶ مصباح کفعمی میں مرقوم ہے کہ حضرت سیدہ زہراء (سلام اللہ علیہا) کا نقش خاتم "امن المتوکلون" تھا۔

ترجمہ: توکل کرنیوالے ہی محفوظ ہیں۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کا نقش خاتم

عیون الاخبار الرضا، امالی شیخ صدوقؒ کے حوالے سے، بحار الانوار ج ۱۰ مترجم ص ۲۵ پر مرقوم ہے کہ حضرت امام علی رضا فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسن (علیہ السلام) کا نقش خاتم یہ تھا "العزۃ للہ" (ترجمہ: عزت، شان، برتری اللہ کیلئے مخصوص ہے)

حضرت امام حسین علیہ السلام کی انگوٹھیاں اور نقش

امالی میں شیخ صدوقؒ ص ۱۴۳ پر روایت لکھتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے والد گرامی حضرت محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی دو انگوٹھیاں تھیں کہ ایک کا نقش "لا الہ الا اللہ عدۃ لقاء اللہ"

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی الہ و معبود نہیں ہے اللہ کی ملاقات کرنا ہی اصل سرمایہ اور سامان ہے۔

اور دوسری انگوٹھی کا نقش "ان اللہ بالغ امرہ"

ترجمہ: اللہ اپنے امر کو پورا کرنیوالا ہے۔

حضرت علیؑ ابن الحسینؑ علیہما السلام کی انگوٹھی کا نقش

امالی میں شیخ صدوقؒ لکھتے ہیں کہ حضرت علی ابن الحسینؑ کی انگوٹھی کا نقش یہ تھا "خزی وشقی قاتل الحسین بن علی"

ترجمہ: حسینؑ بن علیؑ کے قاتل بدبخت ہیں رسوا ہیں برباد ہیں۔

❁ امالی شیخ صدوقؒ، بحار الانوار ج ۴ مترجم ص ۱۳ پر حضرت امام علی رضا (علیہ السلام) سے روایت ہے کہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی انگوٹھی پر "ان اللہ بالغ امرہ" نقش تھا۔

❁ نیز امالی شیخ صدوقؒ ص ۴۵۸ بحار الانوار ج ۴ مترجم ص ۱۴ پر ہے کہ حضرت سید الشہداء امام حسینؑ کی جس انگوٹھی پر "ان اللہ بالغ امرہ"

ترجمہ بے شک اللہ اپنے امر کو پہچانے والا ہے۔

نقش تھا یہی انگوٹھی حضرت امام زین العابدینؑ بھی پہنتے تھے اور پھر حضرت امام محمد باقرؑ نے بھی اپنے جد بزرگوار حضرت امام حسینؑ کی انگوٹھی پہنی جس پر وہی نقش کندہ تھا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی انگوٹھی کا نقش

❁ حضرت امام محمد باقر (علیہ السلام) کی انگوٹھی کے بارے میں ایک روایت کشف الغمہ ج ۲ ص ۳۲۲، تفسیر ثعلبی، عیون الاخبار، بحار الانوار ج ۴ مترجم ص ۱۴ پر حضرت امام علی رضا (علیہ السلام) فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقرؑ کی انگوٹھی اور مہر پر یہ الفاظ کندہ تھے

ظنی باللہ حسن وبالنبی المؤتمن
وبالوصی ذی المنن وبالحسینؑ والحسنؑ

ترجمہ: میرا اللہ کے بارے گمان اچھا ہے اور اس نبیؐ کے بارے جو امین ہے اور اسکا وصی جن کی مہربانیاں بہت ہیں اور حسنؑ و حسینؑ (سب اچھے ہیں)

❁ حضرت امام جعفر صادقؒ سے مکارم الاخلاق ص ۱۲۰ بحار الانوار ج ۴ مترجم ص ۱۴ پر نفس المصدر ج ۶ ص ۴۷۳، تہذیب ج ۱ ص ۳۲ پر روایت ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ کی انگوٹھی کا نقش "العزۃ للہ جمعیا"

ترجمہ: عزت، شان سب کی سب اللہ کیلئے ہے۔

اصول کافی ج ۶ ص ۴۷۳ میں یہی روایت بیان کی گئی ہے جس میں لفظ "جمعیا" نہیں ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا نقش خاتم

اس سلسلے میں بحار الانوار ج ۸ مترجم ص ۳ پر کئی روایات اسناد کیساتھ درج ہیں ہم قارئین کی دلچسپی کے پیش نظر تمام درج کررہے ہیں۔

❁ امالی شیخ صدوقؒ ص ۴۵۸ پر مرقوم ہے کہ حسین بن خالد سے روایت ہے کہ حضرت امام علی رضا (علیہ السلام) نے مجھ سے فرمایا کہ حضرت جعفرؑ بن محمد الصادق (علیہ السلام) کی انگوٹھی (خاتم) پر یہ کندہ تھا" واللہ ولی وعصمتی من خلقہ"

ترجمہ: اللہ میرا ولی ہے اور اپنی مخلوق سے میری حفاظت ہے۔

❁ فصول المہمہ میں حضرت امام جعفر صادقؒ کا نقش خاتم یہ ہے "ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ استغفر اللہ"

ترجمہ: مشیت اللہ کی ہے طاقت اور قوت نہیں ہے مگر اللہ ہی ہے اللہ کی مغفرت کی طلب کرتا ہوگا

❁ مصباح کفعمی ص ۵۲۲ پر آپ کی انگوٹھی کا یہ نقش درج ہے "اللہ خالق کل شئی"

ترجمہ: اللہ ہر شئی کا خالق ہے۔

❁ مکارم الاخلاق ص ۹۵ پر محمد بن عیسیٰ نے صفوان سے روایت کی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) نے انگوٹھی نکالی تو میں نے دیکھا کہ اسکا نقش نگین یہ تھا "انــت ثـقـتـی فاعصمنی من خلقک "

ترجمہ: تو میرا بھروسہ ہے پس تو ہی اپنی مخلوق سے مجھے بچا۔

❁ حفص بن غیاث نے الکافی ج ۶ ص ۴۷۳ پر حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ میری انگوٹھی پر یہ نقش ہے

"یاثقتی قنی شر جمیع خلقک "

ترجمہ: اے میرے بھروسہ، مجھے اپنی مخلوق کے شر سے بچا۔

❁ الکافی ج ۶ ص ۴۷۳ پر حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) کا نقش خاتم یہ درج ہے

"اللهم انت ثقتی فقنی شر خلقک"

ترجمہ: اے اللہ تو میرا بھروسہ واعتماد ہے پس مجھے اپنی مخلوق کے شر سے بچا۔

❁ الکافی ج ۶ ص ۴۷۳ پر بزنطی سے روایت ہے کہ میں حضرت امام علی رضاؑ کی خدمت میں حاضر تھا آپؑ نے ابوعبداللہ حضرت امام جعفر صادقؑ کی انگوٹھی نکالی تو میں نے دیکھا کہ اس پر یہ نقش ہے "انت ثقتی فاعصمنی من الناس"

ترجمہ: اے اللہ تو میرا اعتماد ہے پس تو مجھے لوگوں سے بچا۔

❁ بحارالانوار میں اسی صفحہ پر یہ نقش خاتم بھی درج ہیں

الله عونی وعصمتی من الناس　انت ثقتی فاعصمنی من خلقک

ربی عصمنی من خلقه

ترجمہ: اللہ میری مدد ہے اور لوگوں سے میری حفاظت ہے۔

اے اللہ تو ہی میرا اعتماد ہے پس تو مجھے اپنی مخلوق سے بچا۔

میرے رب نے مجھے اپنی مخلوق سے محفوظ رکھا ہے۔

حضرت امام ابوالحسن موسیٰ بن جعفر علیہما السلام کا نقش خاتم

❁ امالی شیخ صدوقؒ ص ۴۵۱، بحارالانوار جلد ۷ مترجم ص ۲۰ پر حسین بن خالد سے روایت ہے کہ حضرت امام علی رضاؑ نے فرمایا کہ حضرت امام ابوالحسن موسیٰ بن جعفرؑ کا نقش خاتم "حسبی الله" تھا۔

ترجمہ: اللہ ہی کافی ہے۔

روای کا بیان ہے کہ حضرت امام علی رضاؑ نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو آپؑ کی انگشت مبارک میں آپؑ کے پدر بزرگوار کی انگوٹھی تھی اور آپؑ نے اس انگوٹھی کا نقش مجھے دکھایا۔

❁ حیات القلوب ج ۲ ص ۲۰۳ پر علی بن مہزیار سے منقول ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے ہاتھ میں فیروزہ کی انگوٹھی تھی جس پر "ان الله الملک " ترجمہ: اللہ ہی مالک ہے۔ نقش تھا حضرتؑ نے فرمایا یہ وہ پتھر ہے، جس کو حضرت جبرئیل، حضرت رسول اللہؐ کیلئے بہشت سے ہدیہ کے طور پر لائے تھے۔

❁ فصول مہمہ ص ۲۱۸، بحارالانوار ج ۷ مترجم ص ۲۰ پر درج ہے کہ آپؑ کا نقش خاتم "الملک لله وحده " تھا۔

ترجمہ: مملکت اللہ وحدہ کیلئے ہے اور بس۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا نقش نگین

الکافی ج ۶ ص ۴۷۳، بحارالانوار ج ۵ مترجم ص ۱ پر حسین بن خالد اور یونس کا بیان ہے کہ حضرت امام علی رضاؑ نے مجھ سے خود فرمایا کہ میری انگوٹھی کے نگینہ پر "ماشاء الله ولا قوة الا بالله " کندہ ہے۔

ترجمہ: "مشیت اللہ کی" جو اللہ نے چاہا اور طاقت وقدرت نہیں ہے مگر اللہ کے واسطے۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا نقش خاتم

فصول المہمہ بحارالانوار ج ۹ مترجم ص ۱۹ پر ہے کہ حضرت امام محمد تقی (علیہ السلام) کا نقش خاتم "نعم القادر الله " تھا۔

ترجمہ: بہترین قدرت والا اللہ ہے۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کا نقش خاتم

❁ بحارالانوار ج ۱۰ مترجم ص ۱۱۹، روضۃ الواعظین، فصول المہمہ میں مرقوم ہے کہ حضرت امام علی نقی (علیہ السلام) کا نقش خاتم یہ تھا "الله ربی وهو عصمتی من خلقه "

ترجمہ: اللہ میرا رب ہے اور وہی اپنی مخلوق سے میرا محافظ ہے۔

❁ مصباح کفعمی میں ہے کہ حضرت امام علی نقیؑ کا نقش خاتم یہ تھا "حـفـظ العهود من اخلاق المعبود"

ترجمہ: وعدوں کا پاس کرنا معبود کے اخلاق سے ہے۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا نقش خاتم

فصول المہمہ اور بحارالانوار ج ۹ مترجم ص ۲۳۲ پر مرقوم ہے کہ حضرت امام حسن عسکریؑ کا نقش خاتم یہ تھا "سبحان من له مقاليد السموات والارض "

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس کی ملک میں زمین اور آسمانوں کی چابیاں۔

حجت خدا حضرت ولی العصر (عج) کا نقش خاتم

احسن المقال ترجمہ منتہی الاعمال ج ۲ ص پر آقای شیخ عباس لکھتے ہیں کہ حضرت امام زمانہ (عج) کا نقش خاتم "انا حجة الله " ہے۔ ترجمہ: میں اللہ کی حجت ہوں۔

☆☆......☆☆......☆☆

جشن ولایت

ہر سال جامعہ امام خمینیؒ میں 18 ذوالحجہ روز عید غدیر کی مناسبت سے جشن ولایت منعقد ہوتا ہے۔ اس کی دو نشستیں ہوتی ہیں۔

پہلی نشست

17 اور 18 ذوالحجہ کی درمیانی رات شب شعر ہوتی ہے اس میں اہل سنت اور شیعہ کے نامور شعرائے کرام اپنا کلام پیش کرتے ہیں یہ بہت ہی روحانی اور دلوں کو سرور بخشنے والا پروگرام ہوتا ہے۔ بعد از مغرب شروع ہو کر سحری تک چلا جاتا ہے اس میں ضلع میانوالی کے سارے شعراء شریک ہوتے ہیں ان کے علاوہ لاہور، اسلام آباد، ڈیرہ غازی خان، تونسہ شریف اور سرائیکی پٹی کے علاوہ اور بھی ملک بھر سے شعراء شرکت کرتے ہیں جن کی تعداد 30 کے قریب ہوتی ہے اس میں ہم اپنے تمام معاونین اور چاہنے والوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اس پروگرام میں ضرور شرکت کیا کریں اس پروگرام کے دوران باقاعدہ رہائش اور طعام کا بہترین قسم کا انتظام ہوتا ہے اور اگر کوئی شعراء حضرات اس پروگرام میں آنا چاہیں تو ان کیلئے بھی دعوت عام ہے۔

دوسری نشست

18 ذوالحجہ کے دن کو پروگرام کو ہوتا ہے جو کہ صبح آٹھ بجے شروع ہوتا ہے اور شام مغربین تک رہتا ہے۔ اس پروگرام کی خصوصیت یہ ہے کہ پچھلے بارہ سال سے یہ پروگرام چل رہا ہے اس میں جہاں پر اپنے علماء کرام اور خطباء حضرات ہوتے ہیں وہاں ذاکرین اپنے مخصوص انداز میں ولایت علیؑ مولا بیان کرتے ہیں وہیں پر علمائے اہل سنت بھی ہوتے ہیں اور تقریباً ہر فرقہ کے لوگ ہوتے ہیں جن میں بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث وغیرہ شامل ہیں یہ جشن ولایت حقیقت میں وحدت امت مسلمہ کا مظہر بن جاتا ہے۔ اس میں تمام لوگوں کے لئے دعوت عام ہے جو ہمارے شعبہ جات سے متعلق لوگ ہیں اور جو ہمارے جاننے والے ہیں ان کے لئے اور جہاں تک یہ ہمارا پیغام پہنچے ان سب کے لئے ہماری طرف سے دعوت عام ہے کہ وہ اس پروگرام میں شرکت کریں اور ولایت اہل البیتؑ سے اپنے تعلق کا عملی مظاہرہ کریں اور واضح رہے کہ ضلع میانوالی میں یہ 18 ذوالحجہ کی مناسبت سے واحد پروگرام ہوتا ہے۔ اس دن پورے ضلع میں کسی اور جگہ پروگرام نہیں ہوتا اور یہی ہمارے جامعہ امام خمینیؒ کا جلسہ بھی ہے جس میں ہمارے معاونین خصوصی طور پر شرکت کرتے ہیں۔ اس پروگرام میں بعض اوقات سیاسی شخصیات بھی تشریف لے آتی ہیں یہ اپنی نوعیت کا منفرد پروگرام ہوتا ہے۔ آپ حضرات شریک ہو کر جہاں ہمیں شکریہ کا موقع دیں گے وہاں پر اہل البیت علیہم السلام کے حضور سے اجر عظیم پائیں گے اور حضرت ولی العصر امام زمانہ (عج) کے جد امجد کی تاج پوشی کی مبارک انہیں دیں گے۔

جہاں پر مولا کی ولایت کا اعلان غدیر خم میں ہوا وہاں پر ظاہری خلافت بھی آپؑ کو اسی دن نصیب ہوئی۔

18 ذوالحجہ

آپ کے تعاون کا منتظر
السید افتخار حسین نقوی النجفی
سربراہ امام خمینیؒ ٹرسٹ میانوالی پاکستان

جشن مسرت

ہر سال جامعہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا میں بمناسبت ۲۰ جمادی الثانیہ خواتین عالم کی سردار بی بی دختر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مادر حسنین علیہم السلام، زوجہ امیر المومنین علیہ السلام حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کی نورانی ولادت باسعادت کی خوشی میں خواتین کا بہت بڑا پروگرام منعقد ہوتا ہے اس دن اس پروگرام کی بھی دو نشستیں ہوتی ہیں۔

پہلی نشست

اس نشست میں مدرسہ کی طالبات تعلیمی حوالے سے مختلف خاکے پیش کرتی ہیں اس پر انہیں اسناد دی جاتی ہیں اور اس پروگرام میں کسی خاتون کو بطور مہمان خصوصی دعوت دی جاتی ہے اور پہلی نشست ظہر تک جاری رہتی ہے۔

دوسری نشست

یہ نشست بعد از نماز ظہر شروع ہوتی ہے۔ اس میں بی بی سیدہ زہراء سلام اللہ علیہا کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے اور بی بی کی مدح میں خصوصی قصائد پڑھے جاتے ہیں اور مدح اہل بیتؑ میں لکھنے والی خواتین تشریف لاتی ہیں۔ یہ بہت ہی پر مسرت پروگرام ہوتا ہے کیونکہ بی بی زہراء سلام اللہ علیہا تمام کائنات کی ماؤں کے لئے اسوہ اور ماڈل اس لئے یہ بجا طور پر اس دن کو یوم مادر کے طور پر منایا جانا چاہیے اور اس پہلو کو بھی خطابات میں اور بینرز کی صورت میں نمایاں کیا جاتا ہے اس پروگرام میں جو ہماری طالبات فارغ التحصیل ہو چکی ہیں وہ بھی اپنے اس مادر علمی سے تعلق برقرار رکھنے کے لئے تشریف لاتی ہیں جو طالبات موجود ہوتی ہیں ان کی رشتہ دار خواتین بالخصوص ان کی مائیں تشریف لاتی ہیں ضلع میانوالی کے تمام دیہاتوں سے بہت ساری خواتین وفود کی شکل میں شرکت کے لئے تشریف لاتی ہیں۔ اس اشتہار کے ذریعہ بھی تمام خواتین کو ہماری طرف سے دعوت عام ہے کہ اس پروگرام میں شرکت کریں۔ بلا مبالغہ اس پروگرام میں ہزاروں خواتین شریک ہوتی ہیں۔ اس پروگرام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مختلف عناوین پر بچیاں نمائش بھی لگاتی ہیں بالخصوص بی بی زہراؑ کا ایک حجرہ بنایا جاتا ہے اس میں بی بیؑ کے جہیز میں جو کچھ دیا گیا ہے اس کی نمائش ہوتی ہے اس کے علاوہ بی بی کے علم کے موضوع پر تبلیغ کے حوالے سے جدید ذرائع ابلاغ کے حوالے سے بہت سارے خاکے پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ بہت بڑا روحانی پروگرام ہوتا ہے جس سے بھرپور استفادہ کیا جاتا ہے۔

ماتم حسینؑ

عزاداری ہماری شہ رگ حیات ہے اور دینی مدارس ہی عزاداری امام حسین علیہ السلام کے محافظ و نگہبان ہیں اور علماء ہی نے عزاداری کا شعور اہل البیت علیہم السلام سے لے کر لوگوں کو دیا ہے اس وقت ہمارے پاکستان میں جو ذاکری ہے یا مرثیہ ہے یا دوہڑہ پڑھا جاتا ہے یا نثر ہے اگر اس کے ماضی کی طرف چلے جائیں تو یہ سب کچھ وہ ہے جو علماء سے لیا گیا ہے اور علماء ہی تھے جنہوں نے اس کی بنیاد رکھی کیونکہ آئمہ اطہار علیہم السلام نے عزاداری کے لئے اپنے شاگردوں کو خصوصی طور پر تاکید کی اور آپؑ کے شاگرد جو آپؑ کے حضور سے علم کی سوغات وصول کرتے تھے وہی علماء تھے ان کے ذریعہ یہ علم ان کے شاگردوں کو منتقل ہوا اور اس طرح نسلاً یہ علم ابھی ہمارے مراجع تقلید کے پاس آیا ان سے یہ شعائیں پھوٹی ہوئی ہیں جو مختلف دینی مدارس میں علمائے کرام موجود ہیں۔ تو اس طرح یہ عزاداری کا جتنا بھی سلسلہ ہے اس کی نگہبانی، اس کی حفاظت اور اس کی تبلیغ و ترویج ہمیشہ علماء نے کی ہے اور اب بھی حقیقی محافظ علماء کرام اور دینی مدارس ہی ہیں۔

اسی پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے جامعہ امام خمینیؒ میں ہر سال 10 صفر المظفر کو "ماتم حسینؑ" کی تقریب عزاداری کے حوالے سے ہوتی ہے اور اس کا فلسفہ یا آئیڈیا اس طرح ہے کہ دینی مدرسہ درحقیقت امام زمانہ (عج) سے مربوط جگہ ہے اور یہ ان کا مرکز ہے اور انہی کے مال سے مدرسہ قائم ہوتا ہے اور انہی کے خصوصی اموال سے مدرسہ کو چلایا جا رہا ہوتا ہے اور نہی کے پروگرام کو ان کے آباء و اجداد کے پروگرام کو طلباء پڑھ رہے ہوتے ہیں اور اس وقت وارث عزاداری حضرت ولی العصر امام زمانہ (عج) ہی ہیں تو جتنے بھی عزادار ہیں جو سارا سال عزاداری کرتے رہتے ہیں بالخصوص محرم اور صفر میں امام بارگاہوں، مساجد اور گھروں میں عزاداری کے خصوصی پروگرام منعقد ہوتے ہیں تو ان عزاداروں کو یہ موقع دیا جاتا ہے کہ وہ حضرت امام زمانہ (عج) کے گھر میں آکر ان کے ادارے میں آکر حضرت امام زمانہ (عج) کی خدمت میں ماتم حسینؑ کر کے عزاداری کریں اور انہیں تعزیت پیش کریں۔

جیسا کہ عام دنیا میں بھی یہی ہے کہ جس کے گھر کوئی فوتگی ہو جاتی ہے یا جس کے گھر کوئی سانحہ ہو جاتا ہے تو اس کے گھر جا کر تعزیت پیش کی جاتی ہے اس لحاظ سے کیونکہ اس وقت عزاداری کے وارث حضرت امام زمانہ (عج) ہیں اور مدرسہ انہی سے مربوط ہے تو یہ پروگرام جامعہ امام خمینیؒ میں اس حوالے سے باقاعدہ منعقد ہوتا ہے صبح 8 بجے سے ماتمی دستے آنا شروع ہو جاتے ہیں میانوالی کے ہر گاؤں سے اس پروگرام میں ماتمی دستے آتے ہیں اور باہر سے بھی ماتمی دستے تشریف لاتے ہیں اس کے لئے بھی دعوت عام ہے کہ جو اس ثواب میں شریک ہونا چاہتا ہے اور اس بڑی اندوہ اور غم کی مجلس میں آکر اور اس عزاداری میں اپنا حصہ ملانا چاہتا ہے وہ شریک ہوں ہماری طرف سے نوحہ خوانوں کو اور ماتم داروں کو باقاعدہ دعوت دی جاتی ہے۔ لنگر کا انتظام بھی ہوتا ہے اور علم کی شبیہ بھی برآمد ہوتی ہے۔ البتہ ایک ماتمی سنگت ماتم داری کرنے کے بعد جاتی ہے پھر اس کی جگہ دوسری سنگت آتی ہے اس طرح علماء کرام طلباء عزام ماتمیوں کی خدمت کے لئے موجود ہوتے ہیں اور اس میں جیسے ہی مدرسہ کے گیٹ سے داخل ہوتے ہیں تو ننگے پاؤں ماتم کرتے ہوئے آنا ہوتا ہے ہمیں توقع ہے کہ ہمارے اداروں سے مربوط اور دیگر مومنین کرام اس پروگرام میں شرکت فرما کر ہمیں شکریہ کا موقع دیں گے۔

چالیس کے عدد کے بارے میں قرآن و معصومین علیہم السلام اور علماء کرام کے ارشادات

مومن کی شان اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ چالیس دن گزر جائیں اور پھر بھی اللہ اسے گناہوں سے پاک نہ کرے

تحقیق و ترتیب...... سیدہ وجیہہ زہراء نقوی

چالیس کے عدد کے بارے میں زیرِ نظر مقالے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ عمل و اوراد و وظائف بجالانے والوں کیلئے یقیناً یہ ایک معلوماتی ذخیرہ اور تحفہ ہے اس کے بارے میں ایک مفصل کتاب لکھی جاسکتی ہے، بہر حال حسبِ ضرورت مختصراً ایک اجمالی طور پر استفادہ کرنے والوں کیلئے اس میں بہت کچھ ہے۔ قارئین کا بھر پور تقاضا رہا ہم نے اسے جنتری کی زینت بنادیا تا کہ سال بھر کیلئے یہ مقالہ محفوظ بھی ہو جائے۔

قرآن مجید میں چالیس کے عدد کا تذکرہ

- سورہ اعراف آیت ۱۴۲ میں ارشادِ خداوندی ہے "اور ہم نے موسیٰؑ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور اسے ہم نے (مزید) دس کے ساتھ پورا کیا اس طرح اسکے رب کی مقررہ مدت چالیس راتوں میں تمام ہوئی (ترجمہ ابو منصور)
- سورہ بقرہ آیت ۵۱ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور جب ہم نے موسیٰؑ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا"۔

چالیس کے عدد کے مطابق اوراد و وظائف

- یہ حدیث مبارک عیون اخبار الرضا شیخ صدوقؒ ج ۲ مترجم ص ۱۵۴، بحار الانوار ج ۶۷ ص ۲۴۲، کتاب الایمان والکفر باب اخلاص حدیث ۱۰، آدابِ نماز از امام خمینیؒ ص ۴۹۴ پر نقل ہے کہ: "حضرت رسول کریمؐ کا ارشاد ہے "جو شخص بھی چالیس صبح تک خدا کیلئے اخلاص برتے۔ اسکے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹ کر اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں"۔
- آدابِ نماز مترجم ص ۱۹۱ پر امام خمینی رضوان اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت رسول اللہؐ کا فرمان ہے کہ "چالیس کے عدد کا راز اور اسے نازل کرنے کا الٰہی راز بڑے اسرار میں سے ہے"

چالیس دن خلوص کے ساتھ عمل کرنے کے آثار

چالیس احادیث مترجم از امام خمینی رضوان اللہ ص ۴۹۴ پر لکھتے ہیں کہ "چالیس دن کے اخلاص کے یہ آثار و فوائد ہیں کہ بطور تجربہ اخلاص نیت کے ساتھ دل کو کدورت اور آلودگی سے پاک کرنے کی کوشش کیجئے اگر اس کا کچھ اثر دکھائی دیتا ہے تو پھر پابندی سے اس کی کوشش کریں یقیناً خلوص سے بند دروازے کھلنے کی امید لگ جاتی ہے"۔

چالیس دن کی دعا کا نتیجہ

ایک نوجوان نے ایک خوفناک اور گھناؤنے گناہ کا تذکرہ حضرت نبی اکرمؐ سے کیا تو آپؐ نے اسے اپنے پاس سے بھگا دیا جوان ایک پہاڑ پر جا کر چالیس شبانہ روز اللہ تعالیٰ سے گریہ کر کے معافی مانگتا رہا یہاں تک کہ آیت "والذین اذا فعلوا فاحشہ ......" نازل ہوئی تو حضرت رسول اللہؐ نے اسکے پاس جا کر خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے گناہ معاف کر دیئے ہیں (تفسیر معانی ذیل آیہ ۱۲۵ سورہ آل عمران۔ چہل احادیث از امام خمینیؒ ص ۳۶۷، کتاب العدل والمعاد حدیث ۲۶، بحار الانوار ج ۶ ص ۲۳)

- بحار الانوار ج ۸۱ ص ۱۹۱، میزان الحکمت ج ۱ ص ۱۴۷ پر ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے یونس بن یعقوب سے فرمایا "ملعون ہے ملعون ہے وہ بندہ جسے ہر چالیس دن کے بعد کوئی مصیبت نہ پہنچے" راوی نے پوچھا "ملعون ہے؟" آپؑ نے فرمایا "ہاں ملعون ہے" راوی کے تعجب پر امام جعفر صادقؑ نے فرمایا "اے یونس! جسم کی چوٹ، منہ پر طمانچہ، پاؤں پھسل جانا، دکھ، درد اور جوتے کے تسمہ کا ٹوٹنا بھی مصیبت میں شمار ہوتے ہیں۔ اے یونس! مومن کی شان اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ چالیس دن گزر جائیں اور پھر بھی اللہ اسے گناہوں سے پاک نہ کرے خواہ گناہوں سے یہ پاکیزگی نامعلوم وجوہات کی بناء پر حاصل ہونے والے غم کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہو روپیہ پیسہ یا کسی چیز کے وزن کرنے میں کمی بیشی آنے سے بھی جو اسے اضطراب اور دکھ ہوتا ہے اس صدمے کے آنے سے بھی گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں"۔

چالیس احادیث کا حامل

حضرت نبی اکرمؐ فرماتے ہیں جو شخص رضائے الٰہی اور آخرت میں گھر کے طلب کیلئے چالیس احادیث یاد کرے گا تو وہ بروزِ قیامت انبیاءؑ، صدیقین، شہداء، صالحین کے ساتھ محشور ہوگا"۔

(بحار الانوار ج ۲ ص ۱۵۴)

دعا کی قبولیت اور چالیس کا عدد

ابو خالد کابلی روایات کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ "کسی گروہ کے چالیس افراد مل کر دعا کریں تو اللہ تعالیٰ وہ دعا ضرور قبول فرماتا ہے اگر چالیس نہ ہو سکیں تو چار آدمی، دس، دس مرتبہ ایک دعا کو پڑھیں یا ایک ہی شخص چالیس مرتبہ پڑھے تو دعا قبول ہوتی ہے" (الشافی ترجمہ اصول کافی ج ۵ ص ۱۰۲)

خاکِ شفا کی تسبیح کا دانہ

شیخ طوسیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ "جو شخص تسبیح خاکِ شفا پر کچھ ذکر کرے تو اس کے لئے ہر دانہ پر چالیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں"۔ (زاد الصالحین ج ۴ ص ۱۷)

حروفِ مقطعات کا عمل

علامہ حسین بخش جاڑا تفسیر انوار النجف میں لکھتے ہیں کہ "جس شخص نے چالیس روز تک حروف مقطعات کو ان کی معین مقدار کے مطابق پڑھا تو اس کی ہر مشکل آسان ہوگی اور غم و پریشانی دور ہوگی"۔

آیت اللہ سید مہدی بحر العلوم لکھتے ہیں

رسالہ سیر و سلوک میں آیت اللہ سید مہدی بحر العلوم فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اکرمؐ جو رسولوں کے سردار اور ہادی برحق ہیں ان سے متعدد ذرائع سے یہ بات روایت ہوئی ہے کہ "جو شخص چالیس صبحیں اللہ تعالیٰ کیلئے خالص کردے تو اس کے دل سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے جاری ہوں گے" حدیث کی بعض عبارات بعض کتابوں میں مختلف ہیں اور بعض میں فرق ہے مگر مضمون سب کا ایک ہے۔

پھر آقای بحر العلوم فرماتے ہیں "میں نے یہ بات اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے اور اس بیان سے اسے سمجھا بھی ہے کہ جتنے بھی عدد اور تعداد کے مراحل ہیں ان سب میں چالیس کے عدد کا مرتبہ بہت ہی عمدہ، موزوں، باوقار اور شان والا ہے اور اس تعداد کی بڑی خاصیت ہے۔ سلوک کے مراحل اور منازل طے کرنے میں اور عبور کرنے میں جو انسان کے اندر صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں ان کو پورا کرنے اور طاقت و قوت کے ظہور میں اس چالیس کے عدد کا بڑا اثر ہے البتہ راستے کی منزلیں بہت زیادہ ہیں کیونکہ ہر منزل تک پہنچنے کا ایک ہدف ہوتا ہے اور جتنے بھی مراحل ہیں ایک مرحلہ دوسرے مرحلے کی رہنمائی کرتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ کریں

- اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی طینت کو چالیس صبح گوندھا، حدیث قدسی میں بھی یہی ارشاد ہے۔
- چالیس کے عدد میں اللہ تعالیٰ نے قابلیت اور صلاحیت کے جتنے جہان ہیں ان کو لپیٹ کر رکھ دیا ہے۔
- حضرت موسیٰؑ ابن عمرانؑ کی میقات اور ان کے جتنے امور تھے ان کی مدت چالیس راتوں میں پوری ہوئی۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو ویرانی اور ہلاکت سے چالیس سال بعد چھڑایا۔

چالیس کے عدد کے بارے میں روایات و واقعات

- حضرت نبی اکرمؐ فرماتے ہیں کہ "جس شخص نے میری امت میں سے چالیس احادیث حفظ کرلیں اس پر جنت میں داخل ہونا لازمی ہو جائے گا"۔
- حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ بعد وفات رسول اکرمؐ فرماتے ہیں اگر مجھے چالیس افراد مل جاتے تو میں اس گروہ کے خلاف انقلاب اور جنگ و جہاد کرتا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام پر چالیس دن گریہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے زرارہؒ سے فرمایا کہ "اے زرارہ! آسمان چالیس دن تک حضرت امام حسین علیہ السلام اور حضرت یحییٰؑ بن زکریاؑ پہ خون رویا اور زمین چالیس دن تک سیاہ اشکوں سے روئی اور آفتاب اس طرح رویا کہ اس کو چالیس دن گہن رہا اور اس کی رنگت سرخ ہوگئی اور دریا جوش میں آئے اور ملائکہ نے آپؑ پر چالیس دن تک گریہ کیا"۔ (بحار الانوار ج ۲ مترجم ص ۸۶۔۸۷)

- معصومین علیہم السلام سے مروی ہے کہ "رزق حرام کھانے والے کی چالیس دن تک دعا قبول نہیں ہوتی"۔
- جب حضرت امام مہدی (عج) ظہور فرمائیں گے تو آپؑ چالیس سال کے ہوں گے۔
- حضرت ولی العصر (عج) کے ہمراہ چالیس انبیاءؑ ماسلف موجود ہوں گے۔

سورج کا غروب، طلوعِ آفتاب کے وقت چالیس دن کا گریہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد بھی سورج چالیس دن رویا"۔ جب امام جعفر صادقؑ سے سوال کیا گیا کہ سورج کے رونے کا طریقہ کیا تھا؟ تو امام علیہ السلام نے فرمایا "طلوع و غروب کے وقت اس سورج کا رنگ سرخ ہو جایا کرتا"۔ لہٰذا بیان کیا گیا ہے کہ واقعہ کربلا سے پہلے اس طرح کی سرخی غروب و طلوع آفتاب سے پہلے نہ ہوتی تھی۔

حضرت نوحؑ کی قوم پر عذاب سے چالیس سال پہلے

حضرت امام علی رضا علیہ السلام عیون اخبار الرضا ج ۲ مترجم ۱۶۴ پر ہے کہ عبدالسلام بن صالح ہروی نے حضرت امام علی رضاؑ سے پوچھا کہ فرزند رسولؐ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے پوری روئے زمین کو غرق کیوں کیا؟ جب کہ غرق ہونے والوں میں بچے اور بے گناہ بھی تھے؟ آپؑ نے فرمایا "ان میں بچے سرے سے تھے ہی نہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے عذاب کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے مردوں اور عورتوں کو چالیس سال تک بانجھ بنا دیا اور یوں عذاب کے نزول سے چالیس برس قبل بچوں کی پیدائش بند ہو چکی تھی اور حضرت نوحؑ کی قوم غرق ہوئی تو ان میں کوئی بچہ نہ تھا"۔

قیامت سے چالیس سال پہلے

شیخ صدوقؒ اکمال الدین ج اول مترجم کے ص ۲۵۳ پر نقل کرتے ہیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "زمین پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ ایک حجت خدا رہا ہے جو حلال و حرام جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف دعوت دیتا ہے اور قیامت سے پہلے چالیس روز کے لئے اللہ تعالیٰ اس حجت خدا کو زمین سے اٹھائے گا تو، توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا اور جو لوگ حجت خدا کے چلے جانے کے بعد ایمان لائیں گے وہ بدترین خلق ہوں گے ان کو ایمان کوئی فائدہ نہ دے گا پھر ان کیلئے قیامت قائم ہوگی"۔

(بقیہ..... صفحہ نمبر ۱۳ کالم نمبر ۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

امام خمینیؒ ٹرسٹ کے شعبہ جات میں سے ایک اہم شعبہ فروغ عزاداری ہے۔ جن علاقوں میں عزاداری نہیں ہوتی ہماری کوشش ہوتی ہے کہ وہاں پر جا کر عزاداری حضرت امام حسین علیہ السلام کا بندوبست کیا جائے۔ مثلاً آزاد کشمیر میں بہت سارے گاؤں ایسے تھے جہاں پر مجلس امام حسین علیہ السلام کا انعقاد نہیں ہوتا تھا تو وہاں پر ہمارے ادارہ کی طرف سے افراد بھیجے گئے اور وہاں پر عزاداری کا سلسلہ شروع کرایا گیا الحمدللہ اب بہت ساری جگہوں پر عزاداری ہو رہی ہے اور جن جگہوں پر عزاداری کرنے والا کوئی نہیں ہے وہاں پر ہمارے نمائندے جاتے ہیں پہلے جگہوں کا تعین کیا جاتا ہے اور پھر وہاں پر عزاداری کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ادارے کی طرف سے ہی مجلس پڑھنے والے بھیجے جاتے ہیں نذر نیاز کا اہتمام ادارہ کی طرف سے کیا جاتا ہے۔

انہی جگہوں میں سے ایک جگہ تحصیل جام پور کی یونین کونسل مبی لنڈان جسکا علاقہ وسیع ہے اور یہ کوہ سلیمان کا دامن ہے جہاں پر دو تین سال پہلے جب ہم وارد ہوئے تو وہاں کی صورت حال یہ تھی کہ لوگ اہل البیت علیہم السلام سے محبت کرنے والے موجود تھے اور صدیوں سے وہاں آ کر آباد ہوئے ہیں بلوچ قبائل ہیں لیکن ان کے لئے سب سے مشکل بات پانی تھی پرانے کنوئیں تھے جن سے پانی بھرتے تھے تو پچیس منٹ کے بعد ایک ڈول پانی مہیا ہوتا تھا اور وہ بھی تین تین چار کلومیٹر اور بعض جگہ آٹھ کلومیٹر کی دوری پر تھے دوسرا طریقہ یہ تھا کہ جو پانی بارش کے بعد جوہڑوں میں جمع ہو جاتا تھا وہاں سے پانی بھرتے تھے۔ سڑکوں، بجلی، ہسپتال، مسجد، سکول، امام بارگاہ موجود نہیں تھے لیکن اہل البیت علیہم السلام سے ان کا تعلق تھا اور بقول ان کے کہ ہمارے چودہ گھرانے تھے جو حلب سے نکالے گئے کیوں کہ ہم حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے محبت کرتے تھے اور انہی خاندانوں میں سے یہاں آ کر آباد ہوئے ان کے کچھ خاندان ترکی میں آباد ہوئے اور ان کی ایک شاخ کویت میں بھی موجود ہے تو ہم نے وہاں پر ایک سلسلہ شروع کیا خدا نے توفیق دی اور امام خمینیؒ ٹرسٹ کی طرف سے اور لنور ویلفیئر ٹرسٹ کی طرف سے اور پاکستان کے اندر جو اہل خیر موجود ہے ان کے توسط سے اور بیرون ملک جو پاکستان اہل خیر موجود ہے ان کے تعاون سے کوشش کی گئی اور سترہ بستیوں میں پانی کا انتظام کیا گیا پانچ بستیوں میں باقاعدہ مساجد بنائی گئی ہیں اور بارہ بستیوں میں باقاعدہ علماء دیئے ہوئے ہیں جہاں وہ بچوں کو نماز قرآن اور دینی احکام کی تعلیم دیتے ہیں۔ ایک اہم کام جو ہم نے وہاں پر شروع کیا اور وہ ۱۴۳۰ ہجری کا محرم تھا وہ پہلا محرم تھا جو باقاعدہ ہمارے پیام زینبؑ کے منتظم اعلیٰ مولانا عبدالرؤف عابدی صاحب کی قیادت میں پندرہ جگہوں پر عزاداری کی مجالس منعقد کی گئیں اور وہاں کے لوگوں کو باقاعدہ ماتم کرنے کا طریقہ سکھایا گیا، درود پڑھنے کا طریقہ سکھایا گیا اور علم اٹھانے اور جلوس نکالنے کا طریقہ سکھایا گیا اس میں نذر نیاز کا انتظام بھی کیا گیا یہ سلسلہ اب جاری وساری ہے شہروں میں ہمارے لوگ بہت زیادہ نیاز دیتے ہیں بعض دفعہ یہ جو نیازیں پکائی جاتی ہیں وہ بے احتیاطی کی وجہ سے ضائع بھی ہو جاتی ہیں لیکن ایسے علاقے جہاں پر غربت وفقر ہے اور وہاں پر ولایت امام حسینؑ رکھنے والے عزاداران موجود ہیں لیکن ان کے پاس کوئی انتظام نہیں ہے تو وہاں پر اگر آپ یہ نذر نیاز جو شہروں میں تقسیم کرتے ہیں اور اپنے گھروں میں تقسیم کرتے ہیں اس میں سے آدھا بچا کر ان علاقوں کے لئے ہمارے ٹرسٹ کے ذریعہ بھیج دیں تو اس کا ثواب ہزار گنا زیادہ ہوگا اور حضرت امام زمانہ (عج) بہت ہی آپ سے خوش ہوں گے تو یہ سلسلہ ہماری طرف سے جاری وساری ہے امسال بھی یہ پروگرام ہے اور پچھلے سال خواتین کی مجالس کا انتظام بھی کیا گیا ظاہر ہے وہاں سڑکیں بھی نہیں ہیں اور یہ علاقے شہروں سے بہت دور ہیں وہاں بجلی کا انتظام بھی نہیں ہے۔ بہت مشکل ہے وہاں پر جا کر تبلیغ کرنا، عزاداری و ماتم داری کرنا تو اس سلسلے میں ہماری ان تمام لوگوں سے اپیل ہے کہ جو عزاداری کو عام کرنا چاہتے ہیں کیونکہ عزاداری کی بقاء سے اسلام کی بقاء ہے جو لوگ عزاداری کو فروغ دینا چاہتے ہیں ان سے اپیل ہے کہ وہ ہماری اس سلسلے میں مدد کریں اور جہاں پر پہلے سے عزاداری ہو رہی ہے اگر ان میں سے ایک شخص پیسے نہیں ڈالے گا تب بھی عزاداری میں فرق نہیں پڑے گا تو لوگوں کو چاہیے کہ ایسی جگہ پر خرچ کرنے کی بجائے جہاں پہلے سے انتظام موجود ہے ایسے علاقوں کے لئے پیسہ دیں کہ جن علاقوں میں عزاداری نہیں ہو رہی ہے اور وہاں پر وہ لوگ موجود ہیں جو حضرت امام حسین علیہ السلام سے عشق رکھتے ہیں اور اسی عزاداری کے ذریعہ مشن اہل البیتؑ کو عام کیا جا سکتا ہے۔

ہماری آپ سے خصوصی اپیل ہے کہ فروغ عزاداری کے لئے دامے، درمے، سخنے جتنا تعاون ہو سکتا ہے ہمارے ساتھ کیا جائے۔ بالخصوص یہ جو پہاڑی علاقے ہیں اور دور دراز علاقے ہیں جہاں کوئی عالم وذاکر نہیں جاتا۔ اور یقیناً وہاں کوئی نہیں جائے گا کیونکہ اس وقت ہر شخص مادی سوچ رکھتا ہے اور اس کے ذہن میں یہ ہے کہ میں اگر عزاداری کے لئے مجلس پڑھنے جاؤں تو وہاں سے مجھے کچھ ملے گا تو جاؤں گا۔

تو ایسے علاقے محروم رہ جاتے ہیں تو ان میں عزاداری قائم کرنے کے لئے آپ ہمارا ہاتھ بٹائیں ہمارے ساتھ تعاون کریں اور آپ دیا ہوا ایک روپیہ بھی بی بی زہراء سلام اللہ کی خوشنودی کا سبب بنے گا کیونکہ عزاداری حضرت امام حسین علیہ السلام پر جو بھی پیسہ خرچ ہوتا ہے وہ ضائع نہیں ہوتا اور پھر اہمیت کے حوالے سے بعض جگہوں پر اس وقت نام ونمود درمیان میں آ جاتا ہے لیکن گمنام جگہ پر اگر آپ بھیجیں گے جہاں بظاہر کوئی آپ کی تعریف کرنے والا نہیں ہوگا تو ظاہر ہے اس کا اجر بہت زیادہ ملے گا اور کیونکہ حضرت امام زمانہ (عج) کے ہاں تو آپ معروف ہوں گے۔

تو ہماری دردمندانہ اپیل ہے کہ آپ لوگ اہل خیر بلکہ یہ تو عام لوگ بھی کر سکتے ہیں ہماری خصوصی اپیل ہے کہ فروغ عزاداری کے لئے ہمارے ٹرسٹ کو مضبوط کریں تا کہ پاکستان میں کوئی بھی ایسی جگہ باقی نہ رہے مگر یہ کہ وہاں پر عزاداری قائم ہو یہ لوگوں کے ذہن میں ہے کہ عزاداری تو ہر جگہ ہو رہی ہے لیکن افسوس ہے کیونکہ میرا کام زیادہ تر دیہاتوں میں ہے میں بہت سارے دیہاتوں سے

واقف ہوں کہ وہاں کے لوگ چاہتے ہیں کہ وہ عزاداری امام حسین علیہ السلام قائم کریں لیکن ان کے پاس وسائل نہیں ہیں، پیسے نہیں ہیں اور پھر امام بارگاہ تو تصور ہی نہیں کہ وہ بچارے امام بارگاہ بنا سکیں بعض تو کھلے میدانوں میں بیٹھ کر مولاؑ کو یاد کر کے رو لیتے ہیں اب یہ آپ کا اور ہمارا فرض ہے کہ ان کے لئے امام بارگاہ بنائیں مساجد بنائیں۔ تو ایسی جگہوں پر ایسے افراد کو تقویت دینا اور عزاداری کے انعقاد کے لئے رقم فراہم کرنا اس کا بہت زیادہ اجر ہے کہ جسکا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ہم تمام قارئین سے توقع کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اس پیغام کو اہمیت دیں گے اور ہمارا ساتھ دیں گے بالخصوص تحصیل جام پور کا جو پہاڑی علاقہ ہے جہاں ہم نے پانی کا انتظام کیا ہے وہاں پر عزاداری کے انتظام کے لئے اور کشمیر میں جہاں پر سینکڑوں سادات کے گاؤں ہیں اور سادات ہی بھول گئے ہیں کہ انہوں نے اپنے جدامجدؑ کی عزاداری کیسے منانا ہے اور اسی طرح باقی اضلاع بھی ہیں مثلاً خود بڑے بڑے معروف اضلاع جو ہیں ان میں بھی ایسے دیہات موجود ہین کہ جہاں پر سادات و مومنین موجود ہیں لیکن وہاں عزاداری نہیں ہوتی تو اس عزاداری کے فروغ کے لئے ہماری خصوصی حمایت اور سپورٹ کی جائے۔

منجانب تعاون
السید افتخار حسین نقوی النجفی

☆☆☆☆☆

سبیل سقائے تشنگان کربلا حضرت عباسؑ علمدار

اس عنوان سے ہی اس کا معنی و مفہوم آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ ہمارے ٹرسٹ کی کوشش ہے کہ ایسی جگہیں جہاں پر لوگ پانی کے لئے ترستے ہیں اور پانی کسی کو پلانا گناہوں کو بخشش کا ذریعہ ہے جب تک پانی رہے گا اس وقت تک ثواب ملتا رہے گا۔ جس کسی نے پانی مہیا کیا ہے تو اس پانی سے اگر کوئی وضو کرے گا، غسل کرے گا، کوئی پانی پیئے گا، جانور پییں گے تو اس پانی فراہم کرنے والے شخص کو اس کا ثواب ملتا رہے گا اور یہ ایک بہت بڑا صدقہ جاریہ ہے۔

ہمارے آئمہ اطہار علیہم السلام سے کتنی حدیثیں وارد ہوئی ہیں کسی نے آکر پوچھا کہ کوئی ایسا عمل بتائیں کہ جس کا ثواب ہمیشہ جاری رہے تو معصومینؑ نے فرمایا کہ راستے میں ایک کنواں کھود دو اور اسے راہ خدا میں وقف کر دو۔

حضرت عباس علیہ السلام کا نام سقائے تشنگان کربلا کے نام سے مشہور ہے کہ آپؑ کربلا کے پیاسوں کو پانی پلانے والے تھے تو ان کے نام سے ہم نے یہ شعبہ قائم کر رکھا ہے اور ایسی جگہیں یا سادات و مومنین کے ایسے گھرانے جو خود اپنے لئے پانی کا انتظام نہیں کر سکتے بعض دفعہ سادات کی بچیاں دوسروں کے گھروں میں پانی لینے کے لئے جاتی ہیں انہیں پانی نہیں بھرنے دیتے اور اسی طرح ہم نے بہت ساری ایسی آبادیاں دیکھی ہیں کہ وہاں پر لوگوں کو گندے جوہڑوں سے پانی اس لئے نہیں بھرنے دیا جاتا ہے کہ ان کے گھروں پر حضرت عباس علیہ السلام کا علم لگا ہوا ہے......

تو ایسے بہت ساری جگہیں ہمارے سامنے ہیں اگر کوئی ان کی تفصیل جاننا چاہے تو وہ بھی ہم مہیا کر سکتے ہیں مختلف علاقوں میں یہ دیکھا گیا ہے بالخصوص آزاد کشمیر کے دیہاتوں میں کہ سادات و مومنین کی بچیاں دو دو کلو میٹر پیدل سفر کر کے چشموں سے پانی بھر کر گھر لے کر آتی ہیں ان کی بڑی دردناک کیفیت ہوتی ہے اسی طرح جام پور کی یونین کونسل ٹبی لنڈان وغیرہ میں تو بالکل بری حالت وہاں پر پانی نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں نے بغیر غسل کے اپنے جنازے دفن کئے، حیوانات پانی نہ ہونے کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ تو ہم نے ان علاقوں میں یہ سلسلہ شروع کیا ہے الحمدللہ اس وقت سترہ (۱۷) جگہوں پر پانی کا انتظام ہو چکا ہے لیکن ۳۰ آبادیاں ایسی ہیں جہاں پر ابھی پانی کا انتظام کرنا ہے۔ البتہ مختلف جگہوں پر مثلاً جب نرم زمین میں پانی مہیا کرنا ہوتا ہے تو 12000 روپے میں بھی ایک نلکا لگ جاتا ہے لیکن جو سخت جگہیں ہیں مثلاً جیسے ہمارے میانوالی کا علاقہ کیونکہ پہاڑی سائیڈ ہے تو وہاں پر تیس سے پینتیس ہزار روپے لگ جاتے ہیں اور اسی طرح جام پور اور ٹبی لنڈان وغیرہ کے علاقوں میں چھ لاکھ روپے سے بارہ لاکھ روپے تک ایک ٹربائن پر خرچ ہوتے ہیں۔ آزاد کشمیر میں کیونکہ قدرتی چشمے موجود ہیں اور ان چشموں سے نیچے آبادی کو پانی مہیا کرنے کے لئے پائپ درکار ہوتا ہے ٹینک بنانے ہوتے ہیں تو پہلے ہم نے وہاں پر یہ کام کیا بھی ہے کہ مثلاً آٹھ بستیوں میں پانی مہیا کرنے کے لئے ہم نے انتظامات کئے تو وہ بھی مختلف جگہوں کے حوالے سے مختلف خرچ ہوتا ہے مثلاً دو لاکھ سے لے کر پانچ چھ لاکھ روپے تک تو پانی کے حوالے سے بھی ہماری اپیل ہے کہ جو لوگ چاہتے ہیں کہ اس راہ میں ان کا پیسہ خرچ ہو تو وہ خود کوئی نلکا یا ٹربائن وغیرہ لگوا سکیں یا بعض مساجد ہیں جن کے لئے پانی کا انتظام نہیں ہے یا ایک نلکا لگا ہوا ہے تو اس پر موٹر لگائی جا سکتی ہے تو اس حوالے سے بھی ہماری اپیل ہے کہ ہمارے ٹرسٹ کی مدد کریں اور تفصیلات آپ ہم سے طلب کر سکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

معصومین علیہم السلام کی دنیا و آخرت کیلئے تعلیم کردہ توبہ و استغفار کی دعائیں

تحقیق و ترتیب: صفدر حسین ڈوگر کربلائی

اوراد کے بارے میں ایک مشاہدہ

راقم الحروف 21 اگست سے 3 ستمبر 2005ء تک زیارات ایران پر تھا حرم حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا وداعی سلام کرنے کے لئے کھڑا تھا کہ ضریح اقدس کی دہلیز پر آیت اللہ سید حسن ابطحی سے اچانک ملاقات ہوگئی یہ ملاقات کچھ عرصہ کے وقفہ کے بعد تھی لیکن دو طرفہ شناسائی نے جذبوں کے در کھول دیئے گریہ کی کیفیت تو طاری ہی تھی انہوں نے گلے لگا لیا اور خیریت و عافیت پوچھنے کے دوران بھی گریہ کی کیفیت طاری رہی ان کے فرزندار جمند بھی ہمراہ تھے انہوں نے ان سے میرا تعارف کرایا تو انہوں نے کہا کہ میں نے ان کی ماہنامہ القائم میں تصویریں دیکھی ہوئی ہیں...... تو میں نے "پرواز روح" کا حوالہ دیتے ہوئے گزارش کی کہ آپ نے ایک توبہ کا ذکر کیا ہے وہ لکھ دیں کاغذ قلم دیا تو انہوں نے وہ مطلوبہ توبہ لکھنے کی بجائے "استغفر اللہ ربی واتوب الیہ" لکھ دی اور روتے ہوئے تبسم بھی کیا اس واقعہ کے ذکر کا مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی اعلیٰ ترین صفات کا مخفی اسم بتانے کیلئے کسی شخصیت کی آمادگی آسان نہیں۔

کچھ حضرات دعا لینے سے واقف ہیں

قدیم علماء نے جو کچھ انہیں ملا یقیناً لکھ دیا ہے مگر انتہائی ماضی قریب سے جب سے ہر شخص کا اس طرف رجحان ہوا ہے عارف باللہ شخصیتیں سائل کو بڑے اعمال دینے سے گریزاں ہیں آیت اللہ عبدالکریم رضوی نجفیؒ لکھتے ہیں کہ جب بھی کوئی عامی شخص مجھ سے ایران میں اسم لینے آیا میں نے اسے آزمانے کیلئے تعداد بھی زیادہ بتائی اور بعض دفعہ اسے مزاح کے طور پر کہا "یا ماست یا چقندر" پڑھ تو مجھے اس کی صلاحیت کا اندازہ ہو جاتا۔

عرفاء کے حلقہ ارادت کے لوگ چونکہ ان کے پاس اکثر ہوتے ہیں اس لئے وہ اسماء دعائیں، اوراد، وظائف، دستور لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

شاید کسی کو توفیق حاصل ہو جائے

میں نے ایران سے ذاتی سطح پر عرفان پر شائع شدہ کتب خود خرید رکھی ہیں اور جب علامہ سید افتخار حسین نقوی مدظلہ العالی وہاں جاتے ہیں تو وہ بھی یہ کتب لانا فراموش نہیں کرتے بہر حال ان کتب کے دقیق مطالعہ سے جو ملتا ہے وہ اس لئے کتب یا پیام زینبؑ میں لکھ دیتے ہیں کہ شاید کسی کو توفیق حاصل ہو جائے۔

معزز قارئین کے خطوط ٹیلی فون اس امر کے شاہد ہیں کہ دعاؤں کے پڑھنے کا رجحان دن بدن بڑھتا جا رہا ہے اور مومنین ان دعاؤں سے استفادہ فرماتے ہیں۔

توبہ و استغفار کے بارے میں

پیام زینبؑ ایک کثیر الاشاعت جریدہ ہے اتنے سارے خاندانوں کے قارئین کی طرف سے توبہ و استغفار کی چار اقساط پر تصور سے بھی زیادہ پذیرائی فرمائی ان چار اقساط کے علاوہ مزید زیر نظر مقالے میں "توبہ و استغفار" کے بارے میں کافی ساری معلومات پیش کی جا رہی ہیں (توبہ و استغفار کیلئے ان چار اقساط کے مطالعے کی گزارش کی جاتی ہے) اور معصومینؑ کی تعلیم کردہ نایاب استغفار کی دعائیں بھی پیش ہیں امید ہے کہ ہمارے معزز قارئین ان سے بھرپور استفادہ کریں گے اب اصل موضوع کی طرف آتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

کیا توبہ کی دعائیں صرف آخرت کیلئے ہیں؟

اس مقالے میں ہم نے معصومین علیہم السلام کے حوالے سے یہ تحریر کیا ہے کہ توبہ و استغفار کا ورد، قبر و برزخ اور اُخروی نجات کیلئے ہونے کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی مفید ہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمائے گا تو دعائیں بھی قبول ہونگی معصومینؑ کے کتنی ساری دعاؤں میں استغفار کو رزق، عزت، وقار، درازی عمر کا ذریعہ قرار دیا ہے ہم نے معزز قارئین کیلئے ہر بات اپنی ثقہ کتب کے حوالوں سے نقل کی ہے تا کہ وہ کامل یقین کے ساتھ کسی بھی دعا کو پڑھ کر فیض یاب ہوں۔

حضرت رسول اللہؐ فرماتے ہیں

حضرت نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص مسلسل دو ماہ تک روزانہ چار سو (۴۰۰) مرتبہ یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے بہت زیادہ علم و دولت عنایت فرمائے گا (مفاتیح الجنان ص ۱۲۷ از اد الصالحین ج ۵ ص ۱۳۹)

نوٹ: مصباح کفعمی ہزار و یک نکتہ ص ۲۰۸، خزائن عراقی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی یہی دعا نقل ہے دعا یہ ہے

" اَسْتَغْفِرُ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ مِنْ جَمِیْعِ ظُلْمِیْ وَجُرْمِیْ وَاِسْرَافِیْ عَلٰی نَفْسِیْ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ "۔

1color 27.75x20.5

ایک معروف استغفار کی تعداد اور وقت

ہمارے ہاں مشہور توبہ کی دعا یہ ہے

"اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ"

اب ہم ذیل میں اس کی تعداد اور وقت کے بارے میں نقل کرتے ہیں۔

❁ حضرت نبی اکرمؐ فرماتے ہیں جو شخص نماز عصر کے بعد ایک سو (۱۰۰) مرتبہ یہ دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اسکے عوض تین انعام دے گا اس کے گناہ معاف کردے گا اس کا رزق کشادہ کردے گا اور اس کی دعا قبول فرمائے گا (ہدیۃ الشیعہ ص ۱۲۱)

❁ حضرت رسول اللہؐ نے فرمایا جو گناہ کرنے کے بعد یہ دعا مانگے تو اسکا خاتمہ بالخیر ہوگا (ہدیۃ الشیعہ ص ۱۸۲)

❁ حضرت پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں کہ جب گناہ ہوجائے تو "استغفر اللہ" کہو (یہاں صرف اتنا ہی درج ہے پورا جملہ نہیں) (ہدیۃ الشیعہ ص ۱۹۴)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا فرمان

ابن بابویہ نے معتبر سند کے ساتھ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے جو شخص نماز فجر کے بعد ستر (۷۰) مرتبہ "استغفر اللہ ربی واتوب الیہ" کہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سات سو گناہ معاف کردیتا ہے (مفاتیح الجنان ص ۱۲۰۳)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام استغفار تعلیم فرماتے ہیں

شیخ یعقوب کلینیؒ نے اصول کافی ج ۵ ص ۱۵۰ آقای شیخ عباس قمیؒ نے مفاتیح الجنان طبع مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور ص ۱۱۸۸، زاد الصالحین ج ۵ ص ۱۵۰ مولانا محمد تقی سرسوی، آیت اللہ سید عبدالکریم کشمیری رضوی النجفی نے روح و ریحان ص ۸۸ پر نقل کی ہے کہ

"حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز فریضہ کے بعد پاؤں کو پلٹانے سے پہلے تین مرتبہ یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف کردے گا خواہ وہ گناہ کثرت میں سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں وہ دعا یہ ہے: "اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں

شیخ صدوق علیہ الرحمہ ثواب الاعمال مترجم کے ص ۳۶۳ پر لکھتے ہیں

کہ گناہان کبیرہ کے مرتکب گناہگاروں کیلئے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام یہ دعا تعلیم فرماتے ہیں آپؑ نے ارشاد فرمایا جو شب و روز کے گناہان کبیرہ پر پشیمان و نادم ہو تو یہ دعا پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کردے گا دعا یہ ہے

"اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ وَاَسْئَلُهٗ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیَّ"۔

استغفار مغفرت کے ساتھ ہر مسئلے کا حل ہے

توبہ، آغوش رحمت تالیف استاد حسین انصاریان طبع قم ص ۱۳۱، تفسیر انوار النجف ج ۱۴ ص ۱۰۸ پر تفسیر مجمع البیان کے حوالے سے یہ بہترین روایت نقل کی گئی ہے

"ایک شخص حضرت امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں آکر قحط اور مہنگائی کی شکایت کرتا ہے حضرت امام حسن علیہ السلام نے اس سے فرمایا اے شخص! اپنے گناہوں سے استغفار کرو ایک دوسرے شخص نے غربت و ناداری کی شکایت کی اس سے بھی حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرو تیسرے شخص نے آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی مولا دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے اولاد عطا کرے تو امام حسن علیہ السلام نے اس سے بھی یہی فرمایا کہ اپنے گناہوں سے استغفار کرو اس وقت آپؑ کے اصحاب نے عرض کیا فرزند رسولؐ آنے والوں کی درخواستیں اور شکایات مختلف تھیں لیکن آپؑ نے سب کو توبہ و استغفار کا حکم دیا۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا میں نے یہ چیز اپنی طرف سے نہیں کہی ہے بلکہ سورہ نوح کی آیات سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"استغفروا ربکم ...... الخ" (اپنے رب کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کرو)

لہٰذا میں نے سبھی کو استغفار کیلئے کہہ دیا تاکہ ان کی مشکلات توبہ و استغفار کے ذریعہ حل ہوجائیں اور حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو استغفار کی تعلیم دی تھی۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے استغفار کا "حوالہ" ارشاد فرمایا

وسائل الشیعہ کے حوالے سے تفسیر انوار النجف ج ۱۴ ص ۱۰۸ پر درج ہے کہ معاویہ کے دربان کو حضرت امام حسن علیہ السلام نے طلب اولاد کیلئے استغفار کا ورد بتایا اور اس نے شروع کیا تو آخر میں دس اولادوں کا باپ ہوا معاویہ کے کہنے پر جب دربان نے استغفار کے وظیفے کا حوالہ پوچھا تو امام حسن علیہ السلام نے فرمایا کہ استغفار کرنے والے کیلئے سورہ ہود میں "یزدکم قوۃ الی قوتکم" اور سورہ نوح میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "یمددکم باموال وبنین ...... الخ"۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں

زاد الصالحین ج ۵ ص ۱۲۳ تالیف مولانا محمد تقی سرسویؒ لکھتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص ایک ہی نشست میں ایک ہزار (۱۰۰۰) مرتبہ روزانہ یہ استغفار پڑھے "استغفر اللہ ربی واتوب الیہ" ۴۰ دن پڑھنے تک اس کے اثرات شروع ہوجائیں گے تنگدستی اور قرض کی ادائیگی کیلئے یہ موثر ہے۔

زاد الصالحین کے مولف لکھتے ہیں کہ یہ میرا آزمودہ اور مجرب عمل ہے اگر ہوسکے تو بعد نماز عصر کے پڑھیں۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا ارشاد

شیخ احمد بن فہد اور دیگر علماء نے روایت کی ہے کہ ایک شخص حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ میرا کاروبار بند ہوچکا ہے جدھر کا رخ کرتا ہوں ناکام

رہتا ہوں اور جو حاجت پیش آتی ہے وہ پوری نہیں ہوتی حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا نماز فجر کے بعد دس مرتبہ یہ دعا پڑھو

"سبحان الله العظيم وبحمده استغفر الله واسئله من فضله"

راوی کہتا ہے کہ میں نے یہ دعا تھوڑا عرصہ ہی پابندی کے ساتھ پڑھی تھی کہ کچھ لوگ گاؤں سے آئے اور انہوں نے بتایا کہ تمہارا ایک رشتہ دار فوت ہو گیا ہے اور سوائے تمہارے اسکا کوئی وارث نہیں ہے پس اس طرح مجھ کو بہت سا مال وزر مل گیا

دنیا اور آخرت کیلئے یکساں دعا

کافی اور مکارم میں روایت نقل ہوئی ہے کہ ہلکام نامی ایک شخص حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا مجھے کوئی ایسی دعا تعلیم فرمائیں جو میری دنیا اور آخرت کیلئے جامع ویکساں مفید اور آسان ہو حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اسے یہی مندرجہ بالا دعا تعلیم فرمائی اور کہا کہ اسے نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک پڑھا کرو اس نے یہ دعا پابندی کے ساتھ پڑھنا شروع کر دی تو اس کے حالات بہتر ہو گئے ((مفاتیح الجنان ناشر مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور ص ۱۲۰۶، چشمہ رستگارے تالیف شہیب زادگان طبع قم ص ۴۴)

حضرت رسول اللہؐ کا ارشاد

مہج الدعوات میں عارف باللہ حضرت سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ جو کوئی رزق، روزی کی تنگی کی وجہ سے شدت سے پریشان ہو تو تیس ہزار (۳۰۰۰۰) مرتبہ یہ استغفار پڑھے تو اللہ تعالیٰ سے بہت جلد اس مصیبت سے نجات دے گا استغفار یہ ہے "استغفر الله واتوب اليه" (ہزار و یک ختم ص ۲۰۸)

وسعت رزق کیلئے حضرت امیر المومنینؑ کا ارشاد

حضرت امیر المومنین علیہ السلام دعا تعلیم فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین کلام یہ ہے کہ بندہ سجدے میں تین مرتبہ یہ کہے

"رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ"

سید الاستغفار......آیت کریمہ

قرآن حکیم میں یہ دعا سورہ الانبیاء آیت ۸۷ ہے یہ حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں ذکر فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں مچھلی کے پیٹ کی تاریک قید سے رہائی اور نجات عطا فرمائی اسے ہمارے مراجع عظام نے اس کا "ذکر یونسیہ" کے نام سے بھی ذکر فرمایا ہے

آیت میں دعا یہ ہے: "لا اله الا انت سبحنك انى كنت من الظالمين"

اس ذکر کی تعداد اور طریقہ

راقم الحروف نے کتب کے مطالعہ کے علاوہ جن عرفا سے رجوع کیا انہوں نے تعداد بتانے سے گریز کیا یقیناً وہ مخاطب کے ظرف کو متحمل نہیں پاتے یہی کہا گیا کہ کھلی تعداد کے ساتھ پڑھو دوبارہ کتب کی طرف رجوع کیا تو مجھے اس [illegible] ی تعداد مل گئی جس کے خاطر خواہ اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں اب ملاحظہ فرمائیں

آیت اللہ سید عبدالکریم رضوی النجفی

آیت اللہ سید عبدالکریم رضوی النجفیؒ "آفتاب خوباں" میں سوال و جواب کے ذیل میں اس بارے میں کہتے ہیں سوال و جواب ملاحظہ فرمائیں

س:۔ سالک کے لئے بہترین عباداتی اعمال میں سے کون سا عمل ہے؟

ج:۔ اس کا بہترین عمل سجدہ ہے اور سجدہ میں ذکر یونسیہ "لاالـه الا انت سبحانك انى كنت من الظلمين" کا پڑھنا ہے (آفتاب خوباں ص ۷۱)

س:۔ آثار ذکر یونسیہ کیا ہیں؟

ج:۔ اگر کوئی ذکر یونسیہ کو جاری رکھے تو اس کے باقاعدگی سے پڑھنے والوں سے اتصال ہو جاتا ہے اور انسان کی برزخی آنکھ کھل جاتی ہے۔

س: کیا آپ نے شیخ علی زاہد قمی شاگرد ملا حسین قلی ہمدانی کو دیکھا ہے اور ان سے کوئی سوال کیا ہے؟

ج: میں نے ان سے پوچھا تھا راہ بندگی کیلئے کچھ فرمائیں تو انہوں نے فرمایا تھا "ذکر یونسیہ" حالت سجدہ میں کیا جائے (آفتاب خوباں ص ۱۰۰)

روح وریحان کے حوالے

آیت اللہ سید عبدالکریم نجفی "ذکر یونسیہ" کا تذکرہ اپنی کتاب روح وریحان میں اس طرح فرماتے ہیں: آخری صدی کے عرفا کا سلسلہ جن میں آیت اللہ سید علی شوستری، آیت اللہ حسین قلی ہمدانی (جو سید علی شوستری اور شیخ مرتضیٰ انصاری ایسے جلیل القدر اساتذہ کے شاگرد تھے) آیت اللہ سید احمد کربلائی، عارف کامل آیت اللہ سید علی آقا قاضی تبریزی ان سب کا اس پر اتفاق تھا کہ اس کو سجدہ میں پڑھتے تھے اور اسی کی تاکید کرتے تھے (روح وریحان ص ۹۱)

تعداد کے بارے میں وضاحت

آیت اللہ سید عبدالکریم رضوی النجفیؒ اپنے ان اساتذہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تمام اساتذہ اپنے شاگردوں کے ذہنی، قلبی اور روحانی ظرف کو دیکھ کر اس ذکر کی تعداد بتاتے تھے فرماتے ہیں ذکر یونسیہ کا آغاز سجدہ میں چار صد مرتبہ (۴۰۰) سے کیا جائے پھر چھ صد مرتبہ اور پھر اپنی ذہنی استعداد کو بڑھاتے جائیں اور اس کو صرف استغفار کے نظریہ سے پڑھا جائے پھر روحانی استعداد پر اثرات مرتب ہوتے دیکھ کر کسی روحانی استاد کی طرف رجوع کریں (روح وریحان ص ۹۲)

آیت اللہ سید عبدالکریم مزید اثرات بتاتے ہیں

- ذکر یونسیہ کے اثرات اور مسلسل پڑھنے اور مکمل طور پر توبہ کرنے اور ترک گناہ کے بعد مشاہدات ایسے ہیں جو ایک سال کے بعد ظاہر ہونا شروع ہونگے۔
- معرفت نفس ومعرفت الٰہی کیلئے یہ بہترین دعا ہے جیسا کہ آقای سید ہاشم حداد نے ذکر کیا ہے۔

❁ نورانی حجابات کے مشاہدات اور روحانی ارتقاء کیلئے خوب ہے۔

❁ قبولیت دعا، نجات اخروی کیلئے بہترین استغفار ہے۔

❁ ذکر میں فنا ہونے کے بعد تجرد روح کا کمال حاصل ہوتا ہے جیسے مرحوم سید ہاشم حداد تین روز حالت تجرد برزخی میں رہے۔

❁ مکاشفہ کی حالت بھی، ذکر کے دائمی پڑھنے سے اثرات آجاتے ہیں

(روح و ریحان ص ۹۲،۹۳)

آیت اللہ جواد ملکی تبریزیؒ

آیت اللہ محمد تقی بہجت ''فریاد گر توحید'' کے ص ۹۲ پر......سالک ربانی آیت اللہ جواد ملکی تبریزی نے جو دستور پڑھنے کیلئے آیت اللہ شیخ محمد حسین کمپانی کو خط کے ذریعے تحریر کئے وہ تمام تحریر کرتے ہیں کتاب کے ص ۹۶ پر آقای جواد تبریزی ''ذکر یونسیہ'' کے بارے میں لکھتے ہیں

''ذکر یونسیہ کو مسلسل شب و روز سجدہ میں پڑھا جائے اور اس کو جاری رکھا جائے جو زیادہ پڑھ سکتا ہے وہ زیادہ پڑھے مگر چار صد (۴۰۰) مرتبہ پڑھ کے میں نے بڑے مشاہدے کئے ہیں کئی اور لوگوں نے بھی مجھ سے یہی ذکر کیا ہے''۔

❁ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''میں اس شخص پر حیران ہوں جو غمزدہ بھی ہے اور چاروں طرف سے اندوہ سے گھرا ہوا بھی اور وہ لا اِلٰہَ اِلاّ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنّی کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْن'' کا ذکر نہیں کرتا۔

(ہدیۃ الشیعہ ص ۲۲۲، ہزار و یک ختم تالیف محمد ابراہیم نصر اللہی بروجردی طبع قم ص ۱۵۴)

ذکر یونسیہ مہمات اور زندان سے رہائی کیلئے

آقای محمد ابراہیم ہزار و یک ختم کے ص ۱۵۴ پر لکھتے ہیں کہ ''ذکر یونسیہ'' کسی خاص مقصد کیلئے خصوصاً زندان سے رہائی کیلئے ستر (۷۰) ہزار مرتبہ سات روز یا دس روز یا چالیس روز میں ختم کرے مجرب ہے۔

ہر قسمی مصیبت، صحت بیماری، دفع دشمن کیلئے

ذکر یونسیہ کو ہر روز ۳۰۷ مرتبہ پڑھا جائے تو ہر قسم کا دکھ، غم و اندوہ دور ہوگا بیماری سے صحت ملے گی اور دشمن زیر ہوگا (ہزار و یک ختم ص ۱۵۴)

ہر حاجت کیلئے

کوئی حاجت درپیش ہوتی تو نماز عشاء کے بعد اس استغفار کو ستر (۷۰) مرتبہ یوں پڑھیں

(چشمہ رستگاری ص ۳۰)

''یا حی یاقیوم بحق لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین''۔

☆☆☆☆☆

بقیہ......جادو آسیب ٹونہ

اسم الٰہی کا ورد

❁ جس مرد و زن پر جادو کا اثر ہو وہ دن رات، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ''یامُھَیْمِنُ'' کا ورد کرے تو اللہ تعالیٰ اسے صحت کاملہ سے سرفراز فرمائے گا۔

سورہ رحمان کا عمل

❁ سورہ رحمان کا کیسٹ یا سی ڈی، ٹیپ ریکارڈر یا سی، ڈی پلیئر پر چلا کر سامنے پانی رکھیں اور آنکھیں بند کر کے سنیں جب تلاوت پاک ختم ہونے کو پہنچے تو اس پانی کو مریض کو پلائیں گھر میں چھڑکیں اللہ تعالیٰ اپنے مقدس کلام کے اعجاز سے صحت کاملہ عطا فرمائے گا۔

❁ سورہ یونس کی مندرجہ ذیل آیت مریض خود پڑھے، لکھ کر گلے میں ڈالے یا کسی پیالے میں لکھ کر پیے، سب سے بہتر ہے کہ خود پانی پر دم کر کے پی لے اور آیت کا باقاعدہ ورد کرتا رہے۔ آیت یہ ہے: ''علما القو قال موسیٰ ماجستم به السحر سے لے کر لو کرہ المجرمون تک''

اساتذہ کے مجربات

❁ سورہ یونس، سورہ طٰہٰ اور سورہ اعراف کا پہلا رکوع پڑھ کر اول و آخر ۹ مرتبہ درود پاک پڑھ کر پانی پر دم کریں اور متاثرہ مریض کو پلائیں۔ انشاء اللہ روز بروز مریض پر سے اثرات ختم ہونا شروع ہو جائیں گے۔

❁ چاروں قل اور سورہ یونس کی آیت ۸۰، ۸۱ سات سات مرتبہ اول و آخر نو مرتبہ درود پاک کے ساتھ پڑھیں پانی پر دم کر کے مریض کو پلائیں گھر میں بھی اس دم ہوئے پانی کو چھڑکیں۔

قارئین سے گزارش

معزز قارئین! جن حضرات کو شک یا یقین ہے ان اعمال پر عمل پیرا ہونے سے پہلے گزارش ہے کہ:

❁ رزق حلال کھائیں، اللہ تعالیٰ کے واجبات ادا کریں۔

❁ اسی (۸۰) روپے حضرت امام زمانہ ع (ج) کا صدقہ نکالیں۔

❁ ہر عمل کے اول و آخر میں نو مرتبہ درود پاک پڑھیں۔

❁ غیبت اور جھوٹ سے مکمل پرہیز واجب ہے۔ ایسے لوگوں کی دعا ہرگز قبول نہیں ہوتی۔

☆☆......☆......☆☆

جادو، آسیب، ٹونا، نظر بد کا اثر زائل کرنے کے لئے حضرات معصومین علیہم السلام کے فرمودات اور دیگر مجرب اعمال

تحقیق...... حسین سراج زادہ

کیا نظر بد کی کوئی حقیقت ہے؟

بہت سے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ بعض آنکھوں میں ایک خاص قسم کا اثر ہوتا ہے جب وہ کسی چیز کی طرف توجہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ اسے نابود کردیں یا درہم برہم کردیں اور اگر کوئی انسان ہے تو اسے بیمار یا دیوانہ کردیں۔

بعض آنکھوں میں مقناطیسی قوت ہوتی ہے

یہ مسئلہ عقلی لحاظ سے کوئی امر محال نہیں ہے کیونکہ موجودہ زمانہ کے بہت سے ماہرین کا نظریہ ہے کہ بعض آنکھوں میں ایک خاص قسم کی مقناطیسی قوت چھپی ہوئی ہوتی ہے جو بہت سارے کام کرتی ہے یہاں تک کہ مشق کے ذریعے اس کی پرورش ہوسکتی ہے آنکھوں کی اسی مقناطیسی قوت کے ذریعہ دوسرے آدمی پر مقناطیسی نیند طاری کی جاتی ہے۔ جس دنیا میں "لیزر شعاعیں" جو غیر مرئی ہیں ایسا کام کرسکتی ہیں جو کسی انتہائی خطرناک اور تباہ کن ہتھیار سے بھی نہیں ہوسکتا تو بعض آنکھوں میں ایسی قوت کے وجود کو تسلیم کرلینا جو مخصوص لہروں کے ذریعے طرف مقابل میں اثر انداز ہوسکے کوئی عجیب چیز نہیں ہوگی۔

بہت سے لوگ نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے ایسے افراد دیکھے ہیں جو آنکھ کی اس مرموز توانائی کے حامل تھے اور انہوں نے کچھ لوگوں جانوروں یا پھر دوسری چیزوں کو اپنی آنکھوں کی اس خفیہ طاقت سے بیکار کردیا تھا لہٰذا نہ صرف یہ کہ ان امور کے انکار پر اسرار نہیں کرنا چاہیے بلکہ ان کے وجود کے امکان کو عقل اور علم کے لحاظ سے قبول کرلینا چاہیے۔

ذاتی مشاہدہ

راقم الحروف کا ذاتی مشاہدہ ہے کہ جادو، ٹونا کرنے والے کو اس وقت تک موت نہیں آتی جب تک وہ خود جادو کے اثرات کے زیر اثر نہ آئے۔

کئی جادو، ٹونا کرنے والوں کو پاگل ہوتے دیکھا، کپڑے اتار کر سڑکوں پہ پڑے دیکھا، دماغ میں کیڑے پڑتے دیکھا۔ یعنی ایسے ملعونین، بدقسمت مخلوق خدا کے دشمن، عبرتناک زندگی اور موت سے دوچار ہوجاتے ہیں۔

جادو، ٹونا کا توڑ کرنے والے اعمال

ہم اپنے معزز قارئین کی خدمت میں ردِ سحر کے اعمال و اوراد لکھ رہے ہیں جو ہمارے مجربات کے ساتھ ساتھ محمدؐ و آل محمدؐ کے فرامین کے مطابق ہیں آپ کو تمام اعمال یا ایک عمل جس سے آپ کی تسلی ہو، بجالانے کی اجازت ہے اور آگے بتانے کی بھی اجازت ہے۔

حضرت سیدہ زہراء سلام اللہ علیہا کا فرمان

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کا ارشاد ہے کہ "جو کوئی کسی بھی چیز کے کھانے پینے سے پہلے "یَامَاشَاالِیُّ" پڑھ لے تو اس پر زہر بھی اثر نہ کرے گی"

کتنا آسان عمل ہے اور حضرت سیدۃ النساء العالمینؑ کا بتایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ عمل ہمیشہ بجالانے کی توفیق عطا فرمائے پانی یا کوئی مشروب پیتے وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کی پیاس کو یاد کریں ان کے قاتلوں پر لعنت کریں اللہ تعالیٰ گناہ بھی معاف کردے گا اور مشروب بھی نقصان نہ دے سکے گا۔

یہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے:

❁ نماز صبح کے بعد چالیس مرتبہ سورہ مبارک فاتحہ کی تلاوت کریں اور ہر ایک مرتبہ سورہ الحمد پڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھیں یعنی جب بھی سورہ الحمد ختم ہو یہ دعا پڑھیں:

"حسبنا الله ونعم الوکیل تبارک الله احسن الخالقین ولاحول ولاقوة الا بالله العلی العظیم"

اس دعا کو صحت مند ہونے کے بعد بھی جاری رکھیں یہ دعا مجح الدعوات (سید ابن طاؤس) ص ۷۷ اور باقیات الصالحات ص ۲۰۵ پر بھی نقل ہے اور ان کتب کے مولفین نے اسے اپنے مجربات میں لکھا ہے۔

❁ سورہ "القلم" کی آیت نمبر ۵۱ "وان یکاد الذین کفروا لیزلقونک بابصارھم لما سمعوا الذکر و یقولون انه لمجنون" وقت مقرر کرکے کسی بھی نماز کے بعد باون (۵۲) مرتبہ پڑھ کر حضرت امام زمانہ (عج) کی نذر کردیں تو اللہ تعالیٰ شفایاب فرمائے گا۔ (انشاء اللہ)

❁ حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص روزانہ ایک ہزار مرتبہ سور

توحید/ اخلاص "قل هو الله احد" پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس پر ہونے والے ہر وار، ہر جادو کا خود محافظ بن جائے گی اور شفا کے ساتھ ساتھ اس کے نامہ اعمال میں ایک ہزار انبیاءؑ اور ایک ہزار ملائکہ کے اعمال درج کرے گا۔

نوٹ:۔ سورہ توحید کو ایک سانس میں ختم کرنے سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے سختی سے منع فرمایا ہے۔ اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔

اسماء نے پیغمبر اکرمؐ سے تعویذ لینے کی اجازت لی

اسلامی روایات میں بھی ایسی بہت سی مختلف تعبیریں نظر آتی ہیں جو اس امر کی اجمالاً تائید کرتی ہیں ایک حدیث میں آیا ہے کہ اسماء بنت عمیس نے پیغمبر کی خدمت میں عرض کیا "بعض اوقات جعفر کے بیٹوں کو نظر لگ جاتی ہے کیا میں ان کیلئے "رقیہ" لے لوں؟ (رقیہ سے مراد وہ لکھی ہوئی دعائیں ہیں، جنہیں کچھ لوگ بُری نظر سے بچنے کیلئے اپنے پاس رکھتے ہیں اور اسے تعویز بھی کہتے ہیں)

پیغمبرؐ نے فرمایا: "نعم فلو كان شئي يستبي القدر لسبقة العين"

"ہاں! کوئی حرج نہیں ہے اگر کوئی چیز قضاء وقدر پر سبقت لے سکتی ہے تو وہ نظر بد کا لگنا ہے" (مجمع البیان ج ۱۰ ص ۳۴۱)

حضرت رسول اکرمؐ نے حسنینؑ کیلئے تعویذ بنایا

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا

حضرت پیغمبر اکرمؐ نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کیلئے ایک تعویذ بنایا اور آپؐ نے یہ دعا پڑھی: "میں تمہیں تمام کلمات اور خدا کے اسمائے حسنیٰ کے...... موت، موذی جانوروں کے شر اور ہر بُری آنکھ اور حسد کرنے والے کے شر سے جبکہ وہ حسد کرے سپرد کرتا ہوں"۔

نظر بد بھی حق اور تعویذ کا وسیلہ کرنا بھی برحق ہے

اس کے بعد پیغمبرؐ نے ہماری طرف دیکھا اور فرمایا حضرت ابراہیمؑ نے اسماعیلؑ و اسحٰقؑ کیلئے اسی طرح سے تعویذ بنایا تھا" (نورالثقلین ج ۵ ص ۴۰۰)

نہج البلاغہ میں بھی آیا ہے "العين حق والرقى حق" "نظر بد بھی حق ہے اور اس کے دفع کرنے کیلئے دعا و تعویذ سے متوسل ہونا بھی حق ہے" (نہج البلاغہ کلمات قصار جملہ ۴۰۰) اس نکتہ کا ذکر کرنا ضروری ہے اس میں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ یہ دعائیں اور وسیلے حکم خدا سے آنکھوں کی مرموز مقناطیسی قوت و توانائی کی تاثیر کو روک دیں جیسا کہ دعائیں بہت سے دوسرے مخرب عوامل پر اثر انداز ہوتی ہیں اور انہیں خدا کے حکم سے بے اثر کر دیتی ہیں۔

نظر بد سے بچنے کیلئے علامہ شیخ عباس قمی کی نقل کردہ دعائیں

❁ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب کسی کو یہ خوف ہو کہ کسی کو نظر بد لگ جائے گی تو تین مرتبہ یہ پڑھے

"ماشاء الله لاقوة الا بالله العلى العظيم"

❁ نیز روایات میں آیا ہے کہ جب کوئی اپنے آپ کو بن سنوار کر گھر سے نکلے تو سورہ فلق اور سورہ والناس پڑھ لے انشاءاللہ اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی

❁ نظر بد سے بچنے کیلئے دونوں ہاتھ چہرے کے سامنے بلند کر کے سورہ الحمد، سورہ توحید، سورہ فلق اور سورہ الناس کو پڑھ کر ہاتھوں کو سر کے اگلے حصہ پر دم کرے نظر بد سے محفوظ رہے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے "اگر قبروں کو کھود کر دیکھا جائے تو ان میں سے اکثر اموات نگاہ بد کے اثر سے واقع ہوئی ہوں گی"۔

(تفسیر القرآن ج ۵ ص ۳۰۷ علامہ ظفر حسن امروہوی)

باہمی رشتوں پر جادو کا علاج

اکثر شوہر اور بیوی کی ناچاکی میں جادو، سحر، ٹونے کا بہت ذکر کیا جاتا ہے، ساس، بہو، نند، بھابی اور دیگر رشتوں کا چاہے قصور ہو یا نہ ہو ان رشتوں میں سے کسی کو بیماری لاحق بھی ہو تو بھی جادو، ٹونے کا نام لیا جاتا ہے۔ جو کوئی چاہتا ہے کہ مجھ سے ناراض رشتہ دار کی صلح ہو جائے اور اس کے دل سے یہ وہم، خدشہ، شک، الزام اور بہتان دور ہو جائے کہ اس پر جادو فلاں نے کیا ہے۔ تو اگر کوئی مرد یا عورت صرف رضائے الٰہی کے لئے اور اس ماحول کو خوشگوار بنانے کے لئے مندرجہ ذیل اعمال کرے تو وہ گھر جنت بن سکتے ہیں یہ عمل متعلقہ، متاثرہ یا کوئی بھی گھر کا فرد پڑھ سکتا ہے۔

❁ کسی مٹھائی یا چینی پر سید الشہداءؑ حضرت امام حسینؑ کی نیاز دیں اور اس پر اول و آخر درود پاک پڑھ کر ایک ہزار مرتبہ اسم الٰہی "یـــا ودود" کا ذکر کر کے تمام متعلقہ افراد کو کھلائیں یا چائے، شربت میں چینی استعمال کریں۔

❁ اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک "یا جامعُ" روزانہ ایک سو چودہ (۱۱۴) مرتبہ پڑھ کر ناراض لوگوں کا تصور رکھیں تو اللہ تعالیٰ گھر اور خاندان کے ماحول کو انتہائی خوشگوار بنا دے گا

موثر اور مجرب عمل

ایک موثر اور مجرب عمل آپ کی نذر ہے کہ: اول و آخر گیارہ مرتبہ درود پاک پڑھیں پھر تین مرتبہ "اعوذ بالله من الشيطن الرجيم" پڑھیں پھر اکتالیس (۴۱) مرتبہ سورہ "والناس" پڑھ کر پانی پر دم کریں جس پر جادو، ٹونا ہوا ہے اس کو وہ پانی پلائیں بلکہ وہ دم کردہ پانی میں پیسے تو چند روز میں تمام منفی اور شیطانی انحرافات ختم ہو جائیں گے۔ اس کے اثرات تو پہلے دن سے شروع ہو جاتے ہیں اور یہ صرف دس منٹ کا عمل ہے اسے پڑھ کر ضرور آزمائیں۔ جو شخص ہر رات کو سوتے وقت یہی عمل پڑھ کر سوئے تو اس پر زندگی بھر کسی شیطانی عمل کا بد اثر نہیں ہو سکتا۔ انشاءاللہ

(بقیہ...... صفحہ نمبر ۴۶ کالم نمبر ۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

نظر بد انسان کو موت تک اور اونٹ کو "ہانڈی" تک پہنچا دیتی ہے (ہدیۃ الشیعہ ص ۳۰)

نظر بد

کے بارے میں معصومینؑ کے ارشادات اور اس کا علاج

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں
جو شخص سورہ یٰسین اپنے پاس لکھ کر رکھے وہ اپنے جسم میں حسد، نظر بد، جن وانس کی اذیتوں، جنون اور ہر قسم کے دردوں سے محفوظ رہے گا۔

پیشکش...... پروفیسر سید مزمل حسین نقوی راولپنڈی

حضرت رسول اکرمؐ ارشاد فرماتے ہیں

- نظر بد سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو چونکہ نظر بد کا لگنا حق ہے۔
- نظر بد کا لگنا انسانی حق ہے نظر بد انسان کو بلندی سے گرا سکتی ہے۔
- نظر بد انسان کو موت تک اور اونٹ کو "ہانڈی" تک پہنچا دیتی ہے (ہدیۃ الشیعہ ص ۳۰)
- اگر کوئی شے تقدیر سے بھی سبقت لے جانے والی ہوتی تو وہ نظر بد ہے۔
- اللہ کی تقدیر کے بعد میری امت میں سے سب سے زیادہ اموات بوجہ نظر بد ہونگی۔
- اسماء بنت عمس نے حضرت نبی اکرمؐ سے عرض کی کہ یا رسول اللہؐ! بنو جعفر کو نظر بد لگ جاتی ہے حضرت رسول اللہؐ نے ان پر دم کرنے کا حکم دیا۔
- نگاہ بد شیطان کا زہریلا تیر ہے (ہدیۃ الشیعہ ص ۱۱)

حضرت امیر المومنینؑ کا ارشاد

نہج البلاغہ حکمت ۴۰۰ میں حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ
"چشم بد۔ افسوں، سحر اور نیک فال ان سب میں واقعیت ہے"۔

سلمان محمدی کو خندق کھودتے ہوئے نظر بد لگی

تفسیر انوار النجف ج ۱۱ ص ۱۶۵ میں ہے کہ جنگِ خندق میں حضرت سلمان محمدی چونکہ خندق کھودنے میں ماہر تھے اور دس جوانوں کے برابر کام کرتے تھے اس لئے مہاجر اور انصار ہر دو گروہ انہیں اپنا بناتے تھے جب ان کا آپس میں جھگڑا طے نہ ہوا تو حضور نبی اکرمؐ نے فرمایا
"سلمان ہم اہل بیتؑ میں سے ہے"۔

معارج میں ہے کہ سلمان کو قیس بن صصعہ کی نظر بد لگی اور وہ بیمار ہو گئے جب حضرت نبی کریم کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے قیس کو حضرت سلمان کیلئے وضو کرنے کا حکم دیا اور اس کے اس پانی کو ایک برتن میں جمع کر کے حضرت سلمان کو اس سے نہلانے کا حکم دیا اور کہا کہ خالی برتن کو حضرت سلمان کی پشت کے پیچھے الٹا رکھ دیا جائے پس اس عمل سے نظر بد کا اثر جاتا رہا۔

صحیفہ کاملہ مترجم مولانا السید علی طبع لاہور کے دیباچہ میں علامہ سید نجم الحسن کراروی ص ۸۹ پر احمد بن حنبل کی روایت نقل کرتے ہیں کہ ان کا کہنا ہے کہ "حضرت زین العابدین علیہ السلام کی کربلا میں بیماری کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے ایک زرہ، جسم اطہر پر پہنی وہ بڑی تھی تو آپؑ نے اپنے ہاتھ سے اس کے فاضل حصہ کو چاک کر ڈالا تو آپؑ کو نظر بد کا اثر ہو گیا"۔

- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں جو شخص سورہ یٰسین اپنے پاس لکھ کر رکھے وہ اپنے جسم میں حسد، نظر بد، جن وانس کی اذیتوں، جنون اور ہر قسم کے دردوں سے محفوظ رہے گا۔ (تفسیر انوار النجف ج ۱۲ ص ۷)

- حضرت امام علی رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص تین مرتبہ اس آیت کی روزانہ تلاوت کرے وہ ہر قسم کی نظر بد سے محفوظ رہے گا۔

"مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه" (سورہ کہف آیت ۳۹)
یہ نعمت اللہ کی منشا سے ہے اور اس کے علاوہ کوئی قوت نہیں ہے۔

☆☆......☆......☆☆

بقیہ...... حروف ابجد کے اسرار و رموز

(کلمن) "کاف" سے مراد کلام اللہ ہے اللہ کے کلمات کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں اور تم اس کے علاوہ کوئی جائے پناہ ہرگز نہیں پاؤ گے۔ "لام" کا مطلب اہل جنت کا آپس میں زیارت، تحیہ وسلام کے لئے مجتمع ہونا ہے اور اہل جہنم کا ایک دوسرے کو ان کے معاملات میں ملامت کرنا ہے "میم" سے مراد اللہ کی سلطنت وحکومت ہے جو لایزال ہے اور اللہ کا دوام و ہمیشگی ہے جو فنا نہیں ہوگا اور "ن" سے مراد نون (دوات) قلم ہے اور وہ چیز جو لکھتے ہیں۔ قلم نور کا ہے اور کتاب نور کی ہے جو لوح محفوظ میں ہے اور مقربان بارگاہ الٰہی اس کی گواہی دیتے ہیں اور اللہ کے ساتھ گواہ کافی ہے۔ لیکن، سعفص، "ص" سے مراد پیمانہ کا پیمانہ ہے، نگینہ کا نگینہ ہے یعنی جزاء کے بدلہ میں جزاء ہے اور تم جس طرح نافرمانی کرتے ہو اسی طرح کا تم کو بدلہ دیا جائے گا۔ بے شک اللہ اپنے بندوں کے لئے ظلم نہیں چاہتا۔ "قرشت" سے مراد ہے کہ اللہ نے ان کو جمع کیا اور پھر ان کا قیامت کے دن حشر و نشر کرے گا فوراً ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

☆☆......☆......☆☆

شعبہ تبلیغات

ظاہری بات ہے کہ دین بغیر تبلیغ کے نہیں پھیلتا تبلیغ کرنا حضرات انبیاء علیہم السلام اور آئمہ معصومین علیہم السلام کی وراثت ہے اور یہ تبلیغ سے ہی دین مبین اسلام پھیلا ہے اور علماء کرام کی اور عوام کی مومنین سب کی ذمہ داری ہے کہ وہ دین کی تبلیغ وترویج کے لئے اقدامات کریں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو دو اہم فریضے ہیں یہ دونوں فریضے تبلیغ سے عبارت ہیں اور جو علیؑ مولا سے اپنے آپ کو وابستہ رکھتے ہیں اور شیعیان حیدرؑ کرار ہیں ان کی ذمہ داری باقی لوگوں سے زیادہ ہے کہ وہ لوگوں کے گھروں میں جا کر اہل بیت علیہم السلام کا پیغام پہنچائیں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے دعائیہ جملے ہیں کہ خدا اس شخص پر رحمت کرے جو شخص ہمارے امر کو زندہ رکھتا ہے۔ پوچھا گیا کہ آپؑ کے امر کو زندہ رکھنے کا طریقہ کیا ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا کہ ہمارے پیغام اور بیانات اور ہمارا جو سسٹم ہے اس کو پڑھو اور پھر دوسروں کو پڑھاؤ پھر فرمایا کہ اگر لوگوں کو پتہ چل جائے کہ ہماری کلام اور گفتگو میں ان کے لئے کتنی اچھی اچھی باتیں ہیں تو وہ سارے لوگ ہماری پیروی کریں اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر لوگ اہل البیت علیہم السلام کے قریب نہیں آتے تو یہ ہمارا تبلیغی نقص ہے۔

اس ضرورت کے مدنظر ہمارے ٹرسٹ کا ایک اہم شعبہ تبلیغات دین ہے اور اس کے لئے تین حوالوں سے کام ہو رہا ہے۔

اس سلسلے میں پہلا کام پیش نمازوں کا تقرر ہے، پیش نمازوں کی سرپرستی ہے وہ بھی ایسی جگہوں پر جہاں لوگ خود پیش نماز نہیں رکھ سکتے اور ہماری کوشش بھی یہی ہے کہ ایسی جگہوں پر جا کر کام کریں جہاں کوئی بھی کام کرنے والا نہیں ہے اور جو پیش نماز ہیں اور وہ کسمپرسی میں ہیں ان کو کوئی سہولیات میسر نہیں ہیں تو ان کی ہم سرپرستی کریں اور انہیں ہمت اور قوت دیں۔

دوسرا کام یہ ہے کہ پیش نمازوں کی تربیت کی جائے ان کے لئے ریفریشر کورس رکھے جائیں انہیں تبلیغ کے نئے انداز سے متعارف کرایا جائے اور تبلیغ دین میں ہمارا سب سے اہم شعبہ مسجد ومحراب ہے اور یہ انبیاءؑ اور آئمہؑ کی وراثت ہے اور اسی مسجد میں بیٹھ کر ایک شخص اس پورے علاقے میں ایک وحدت کا عنوان اور مرکز ہوتا ہے وہاں پر وہ بچوں کو قرآن اور دین کی تعلیم دے رہا ہوتا ہے یہی بچے کل اپنے آباء واجداد کے نقش قدم کو سمجھ کر اس پر چل سکتے ہیں یہ کام سب سے اہم کام ہے حتیٰ کہ جو مدارس دینیہ میں جو افراد خدمات انجام دے رہے ہیں ان سے بھی مشکل اور اہم کام مدرسوں سے تعلیم حاصل کر کے پیش نماز بن کر اور مشکل مراحل سے گزر کر اس کام کو سنبھالنا ہے۔ تو اس ضمن میں ہمارا ادارہ خصوصی کام کر رہا ہے اور اس وقت سینکڑوں پیش نماز ہمارے اس شعبہ سے استفادہ کر رہے ہیں۔

دوسرا پہلو سیار مبلغ کا ہے کہ چل پھر کر تبلیغ کرنا یعنی مختلف بستیوں میں جانا وہاں پر لوگوں کے پاس ٹھہرنا ان کے مسائل سننا، ان کو مجلس سنانا، ان کو احکام دین بتانا، اسلامی اخلاقیات کی تعلیم دینا اس سلسلے میں بھی ہمارا ادارہ کام کر رہا ہے۔

اس کے بعد اہم مرحلہ خواتین مبلغات کا ہے تو اس سلسلے میں ہمارا ادارہ جہاں پر جامعۃ السیدہ خدیجۃ الکبریٰؑ میں خواتین مبلغات کی تربیت کر رہا ہے وہاں پر اس مدرسہ کے پلیٹ فارم سے مبلغات کی تربیت کے لئے بھی سالانہ تربیتی پروگرام ہوتا ہے انہیں تبلیغ کے جدید طریقے سکھائے جاتے ہیں، مجلس ونوحہ وفضائل ومصائب اہل بیتؑ پڑھنے کے طریقے بتائے جاتے ہیں۔ وہاں پر ان کے لئے باقاعدہ جگہیں مقرر کی جاتی ہیں جہاں پر وہ جا کر تبلیغ کریں یہ بڑا موثر کام ہے ظاہر ہے تبلیغ کے لئے مرد حضرات کو بھیجنا یا خواتین کو بھیجنا تو اس پر کافی سارا خرچہ ہوتا ہے۔

ظاہر ہے اس تبلیغ کے ذریعہ اگر کسی ایک فرد کی بھی اصلاح ہو جاتی ہے تو جس نے اس تبلیغی عمل کو کیا ہے یا جس نے اس تبلیغی عمل کے لئے وسائل فراہم کیے ہیں تو اس

کا بہت زیادہ اجر اس شخص کو ملے گا۔

ہماری اپیل ہے کہ شعبہ تبلیغات میں ہمیں تقویت دی جائے ہماری مالی سپورٹ کی جائے اور اس سلسلے میں ہمارے باقاعدہ پروگرام ہوتے ہیں جامعہ السیدہ خدیجۃ الکبریٰؑ میں کیونکہ خواتین کی تبلیغی حوالے سے باقاعدہ ٹریننگ کی جاتی ہے ماہ محرم الحرام میں عشرہ مجالس کا انعقاد ہوتا ہے معصومینؑ کی ولادت وشہادت کے موقع پر مجالس و جشن کے پروگرام کا انعقاد ہوتا ہے۔ اسی طرح بی بی زہراء سلام اللہ علیہا کی شہادت کے حوالہ سے خمسہ مجالس ہوتی ہیں اس حوالے سے، ہماری اپیل ہے کہ اہل خیر حضرات ہمارے ساتھ تعاون کریں اور ان کا یہ تعاون وہ کہیں بھی ضائع نہیں جائے گا اور جتنا تبلیغی عمل مضبوط ہوگا اس سے مذہب حقہ مضبوط ہوگا خاص کر موجودہ دور میں مختلف مکاتب فکر اپنے نظریے کی تبلیغ وترویج کے لئے جہاں انہوں نے جماعتیں بنا رکھی ہیں وہ ان کے تبلیغی ٹریننگ سنٹر ہیں جب کہ ہمارا یہ سلسلہ بہت کمزور ہو چکا ہے اس کمزوری کو دیکھتے ہوئے ہم نے یہ باقاعدہ سلسلہ شروع کیا ہوا ہے اور اہل درد سے ہماری اپیل ہے کہ وہ تبلیغی شعبہ کو مضبوط کرنے کے لئے ہمارے ساتھ تعاون کریں اور جو حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ وہ تبلیغ دین کے عمل کو انجام دے سکتے ہیں تو وہ بھی اپنے نام ہمارے پاس بھیجیں تا کہ ہم تبلیغ دین کے لئے ان کے وجود سے فائدہ اٹھائیں اور انہیں ایسے مواقع مہیا کریں کہ جن میں وہ تبلیغ دین کے فریضہ کو انجام دے سکیں۔

یتیموں کی سرپرستی

حدیث میں ہے کہ جس کسی نے ایک یتیم کی سرپرستی کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے خوش ہوگا اور اسے اس کا بڑا اجر دیا جائے گا۔ بہت سارے یتامیٰ ہیں جن کا کوئی سرپرست نہیں ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ: ایسا نہ ہو کہ تم تو سیر ہو کر کھاتے رہو اور کسی یتیم کے منہ میں لقمہ دینے والا بھی موجود نہ ہو اور جن کی موجودگی میں یتیم ضائع ہوں ان کے عمل اور عبادت کا کوئی فائدہ نہیں ہے“

ہمارے ادارے میں یتیموں کی سرپرستی کا باقاعدہ شعبہ ہے آپ ایک یتیم کی سرپرستی لے سکتے ہیں دو کی لے سکتے ہیں اس سلسلے میں بھی آپ ہمارے ساتھ تعاون کریں اس وقت تقریباً ایک ہزار سے زائد یتامیٰ کی سرپرستی ہمارے ادارے کے ذریعے کی جارہی ہے اور ماہانہ بنیادوں پر ان کے ساتھ تعاون کیا جارہا ہے اور اس میں شہداء کے بچے بھی شامل ہیں۔ لیکن یتامیٰ کی تعداد بہت زیادہ ہے صرف میانوالی میں مثلاً اتنا زیادہ یتیم ہیں کہ پانچ سو سے زیادہ ان کی تعداد ہے۔ جن میں سب کی ہم سرپرستی نہیں کر رہے سو ڈیڑھ سو ایسے ہیں جو آپ کی امداد کے منتظر ہیں اور اسی طرح ضلع ٹانک، پارہ چنار، ڈیرہ اسماعیل خان، ہنگو، بالخصوص آزاد کشمیر کے بہت سارے لوگ ہیں جو ہمارے ساتھ رابطہ کرتے ہیں لیکن ہمارے پاس اتنے وسائل نہیں کہ ان کی سرپرستی کی جائے۔

تو اس شعبے کے سلسلے میں آپ سے خصوصی التماس ہے کہ یتامیٰ کی سرپرستی کے لئے ہمارا خصوصی ساتھ دیں تا کہ کوئی یتیم ایسا نہ رہے مگر یہ کہ اس کے لئے خوشحال زندگی مہیا ہو سکے۔

☆☆☆☆☆

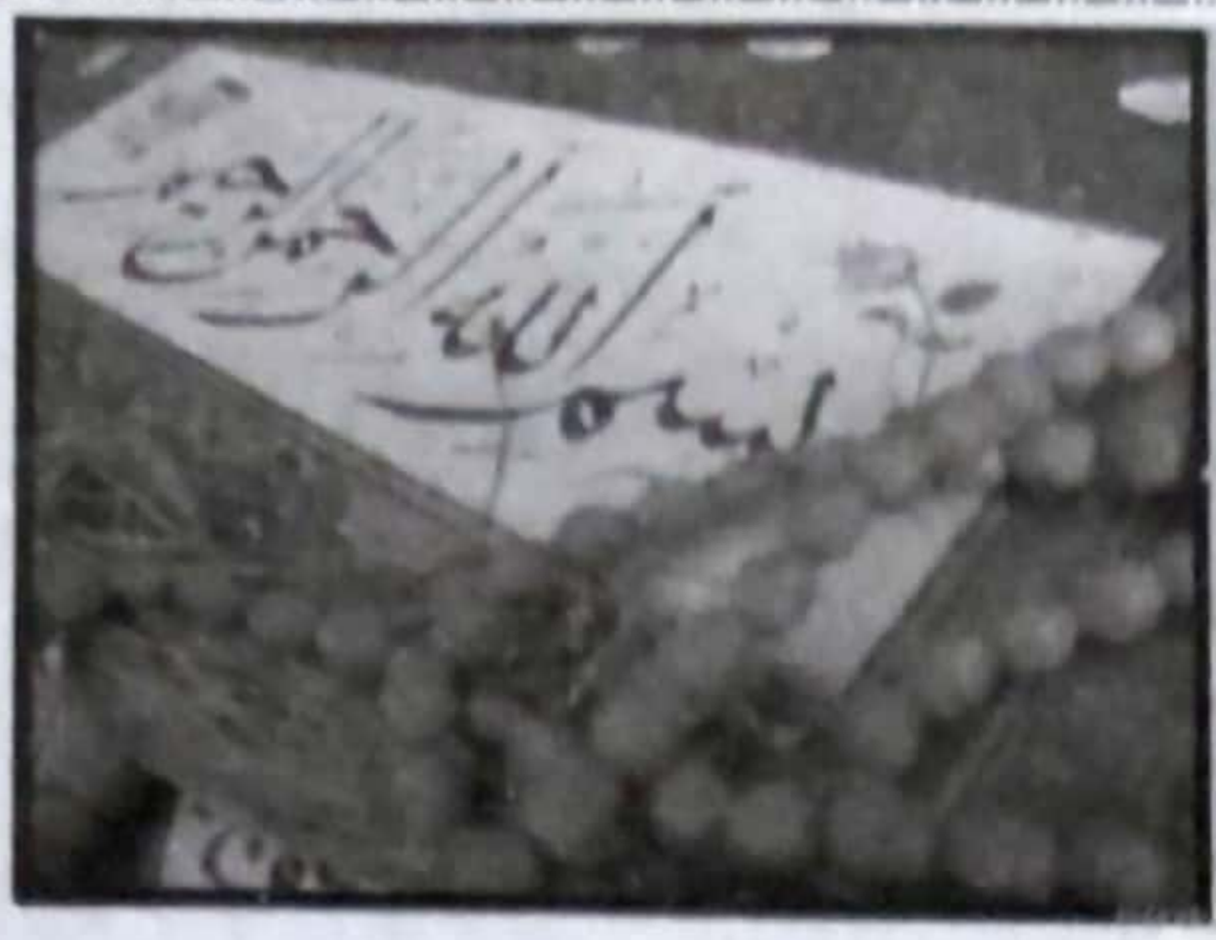

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ الحمد، آیت الکرسی اور سورہ توحید کے اعمال

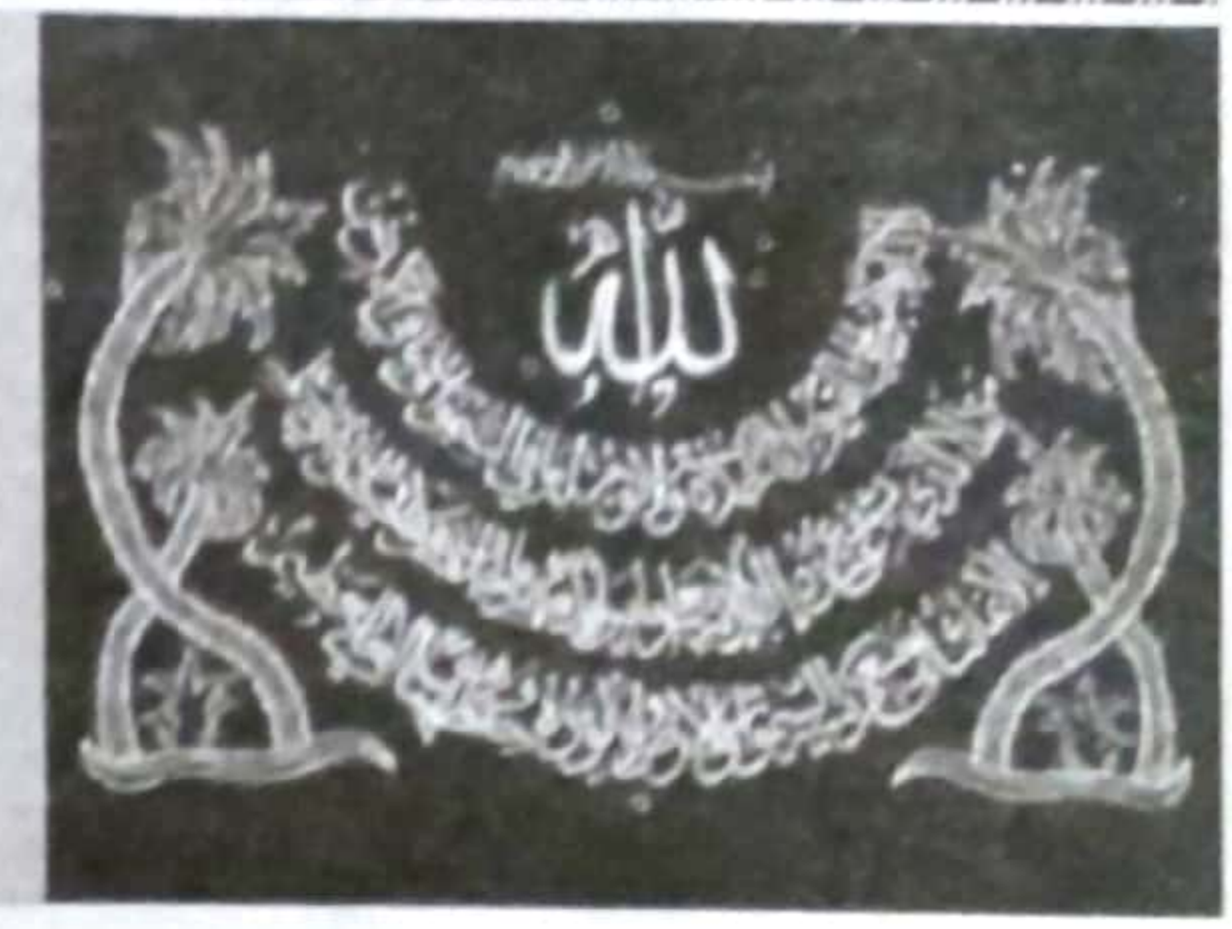

مرتب......امۃ الھدیٰ

بسم الله الرحمن الرحیم کے اعمال

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ مومن جب پل صراط سے عبور کرے گا اور "بسم الله الرحمن الرحیم" کو زبان پر جاری کرے گا تو جہنم کے شعلے خاموش ہو جائیں گے اور جہنم کہے گی گزر جائے مومن کیونکہ تیرا نور میرے شعلوں کو بجھا رہا ہے۔

ایک اور جگہ حضرت نبی اکبرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب معلم کسی بچے کو "بسم الله الرحمن الرحیم" کی تعلیم دیتا ہے تو خداوند کریم اس بچے اور اس کے والدین اور معلم کیلئے آتش جہنم سے آزادی فرض کر دیتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جس کو تفسیر عمدۃ البیان میں بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ایک قبر سے گزرے کہ قبر والے پر ملائکہ عذاب نازل کر رہے تھے آپؑ چپکے سے گزر گئے جب واپسی پر وہاں سے گزر ہوا تو اسی قبر پر ملائکہ رحمت کا نزول دیکھ کر متعجب ہوئے اور عرض کی یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے؟ تو وحی نازل ہوئی اے عیسیٰؑ یہ بندہ بہت گنہگار تھا لیکن جب مرا تو اس کی زوجہ حاملہ تھی اس کا بچہ پیدا ہوا تو اس کو تعلیم کے لیے معلم کے سپرد کیا گیا معلم نے اس کو "بسم الله الرحمن الرحیم" کا درس دیا پس مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس بندہ کی قبر میں عذاب کروں جس کا بچہ میرا نام لے رہا ہے۔ معصومین علیہم السلام کا ارشاد ہے کہ جب ہمارا شیعہ "بسم الله الرحمن الرحیم" کو ترک کرتا ہے تو خدا اس پر کوئی آزمائش نازل کر دیتا ہے اور اس کو اپنے شکر کی طرف متوجہ فرماتا ہے پھر اس کی وہ کوتاہی معاف کر دیتا ہے۔

کھانے کے وقت "بسم اللہ" کہنے کا ثواب

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آباء واجداد سے روایت کی ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا جو شخص کھانا کھاتے وقت "بسم الله الرحمن الرحیم" کہے گا تو اس سے کبھی (کھانے جیسی) اس نعمت کا سوال وجواب نہ ہوگا۔

سوار ہوتے وقت بسم اللہ کا ثواب

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہؐ نے فرمایا جو شخص سواری پر بیٹھتے وقت "بسم الله الرحمن الرحیم" پڑھتا ہے تو ایک فرشتہ اس کے پیچھے سوار ہو جاتا ہے اور سواری سے اترنے تک اس کی حفاظت کرتا رہتا ہے اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کے ساتھ شیطان سوار ہو جاتا ہے اور اسے لغویات میں الجھا دیتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے مفلسی دور کرنے کا عمل

ننگے سر آسمان کے نیچے بلا تعداد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ورد کریں تو اللہ کے فضل سے مفلسی چند دن میں دور ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ غیب سے وسائل پیدا کرے گا جو نا قابل یقین ہونگے۔

سورۃ الفاتحہ کے اعمال ووظائف

سورہ فاتحہ کی عظمت اور اہمیت

- سورہ فاتحہ کی اہمیت اور عظمت کا اس سے اندازہ کیجئے کہ وہ ہر نماز میں پڑھنی واجب ہے اور اگر اسکو نہ پڑھا جائے تو نماز باطل ہے۔ (تفسیر القرآن ج ۱ ص ۵۸)
- تفسیر مجمع البیان ابی بن کعب سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا جو مسلمان سورہ فاتحہ کو پڑھے اس کو دو تہائی قرآن پڑھنے کا ثواب ملے گا اور تمام مومنین ومومنات پر صدقہ کرنے کا اجر اسکو عطا ہوگا ایک دوسری روایت میں پورے قرآن پڑھنے کے اجر کا ذکر کیا گیا ہے۔ (تفسیر مجمع البیان ج ۱ ص ۱۷، بحار الانوار ج ۸۹ ص ۲۵۹)

یوم غدیر اور سورہ الحمد

- روز غدیر حضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ ہم اہل بیتؑ کی سورۃ ہے (انوار النجف)
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جس کو سورہ الحمد تندرست نہیں کر سکتی تو اسکو کوئی دوا تندرست نہیں کر سکتی (انوار النجف ج ۲ ص ۸)

سورہ فاتحہ موت کے علاوہ ہر مرض کیلئے شفا ہے

- حضرت نبی اکرمؐ نے جابر ابن عبداللہ انصاریؓ کو فرمایا کہ کیا میں تجھے ایک ایسی سورۃ کی تعلیم دوں جس سے بہتر اللہ تعالیٰ نے کوئی سورۃ قرآن میں نازل نہ فرمائی ہو جابرؓ نے عرض کی جی ہاں! میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں یا رسول اللہؐ پس آپؐ نے اس کو سورہ حمد تعلیم فرمائی پھر آپؐ نے فرمایا اے جابر! اس کے متعلق تجھے کچھ بتا دوں جابرؓ نے عرض کی جی ہاں یا رسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں، آپؐ نے فرمایا یہ سورہ موت کے سوا ہر مرض کیلئے شفا ہے (انوار النجف ج ۲ ص ۷)

سورہ فاتحہ کے اعمال از ملا محسن کاشانیؒ

ہر حاجت کیلئے سورہ فاتحہ کا عمل

ہر روز ۱۰۰ مرتبہ سورہ الحمد مندرجہ ذیل ترتیب سے پڑھے اس عمل کی ابتدا جمعرات کے روز کرے نماز اول وقت میں ادا کرے الرحمن الرحیم اور ایاک نعبد وایاک

نستعین کے درمیان حاجت کا تصور کرے ترتیب درج ذیل ہے۔

✿ بعد نماز فجر ۲۱ مرتبہ ✿ بعد نماز ظہر ۲۲ مرتبہ ✿ بعد نماز عصر ۲۳ مرتبہ

✿ بعد نماز مغرب ۲۴ مرتبہ ✿ بعد نماز عشاء ۱۰ مرتبہ

مولانا محمد تقی لکھنویؒ لکھتے ہیں کہ یہ عمل میرا آزمودہ ہے اگر ایک ہفتہ میں حاجت پوری نہ ہو تو دوسرا ہفتہ میں عمل جاری رکھے۔

گھر چوری سے محفوظ رہے گا

تفسیر القرآن ص ۵۹ جلد اول پر علامہ ظفر حسن امروہوی لکھتے ہیں کہ اگر گھر کا دروازہ بند کرتے وقت سات مرتبہ سورہ الحمد قفل پر دم کیا جائے تو گھر چوری سے محفوظ رہے گا۔

"الحمد" کی تلاوت سے عذاب ٹل جاتا ہے

حذیفہ بن یمانؓ سے منقول ہے کہ حضرت رسول اللہؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حتمی اور طے شدہ عذاب کسی قوم کیلئے بھیجتا ہے اور اس وقت ان کے بچوں میں سے کوئی بچہ قرآن میں سے "الحمد للہ رب العالمین" پڑھتا ہے جب خدائے تعالیٰ سنتا ہے تو چالیس سال تک کیلئے عذاب اٹھا لیتا ہے (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۷۸، آداب نماز ص ۴۰۱)

دو رکعت نماز حاجت

دو رکعت نماز حاجت کیلئے سورہ الحمد کے بعد ہر دو رکعت میں تین دفعہ سورہ توحید اور بعد از نماز سات دفعہ سورہ الحمد پڑھ کر دعا مانگے جو حاجت بھی ہے پوری ہوگی اگر دن ہے تو شام سے پہلے اور رات ہے تو طلوع شمس سے پہلے حاجت پوری ہوگی۔ (تفسیر انوار النجف ج ۱۵ ص ۳۵)

آیت الکرسی کے اعمال ووظائف

✿ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "دو بھائی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں شرفیاب ہوئے اور عرض کیا ہم تجارت کیلئے شام کی طرف سفر کا عزم رکھتے ہیں ہمیں ہماری حفاظت کیلئے تعلیم فرمائیں کہ ہم کیا پڑھیں؟ آنحضرت نے جواب میں ارشاد فرمایا" جب بھی کسی منزل میں وارد ہو گے تو نماز عشاء کے فریضے سے فارغ ہونے کے بعد جب بستر پر جا کر لیٹو تو ابتداء میں حضرت فاطمہ الزہرہ سلام اللہ علیہا کی تسبیح پڑھو اس کے بعد آیت الکرسی کی تلاوت کرو تو صبح تک ہر حادثہ وبلا سے محفوظ رہو گے (آیت الکرسی محمد تقی فلسفی ص ۳۱۳)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں

✿ جب تم کسی چیز سے خوف محسوس کرو تو آیت الکرسی کی تلاوت کرو (آیت الکرسی محمد تقی فلسفی ص ۳۱۳)

✿ شیخ صدوقؒ امالی مترجم کے ص ۱۰۹ پر یہ روایت درج کرتے ہیں کہ عمرو بن ابو مقدام کہتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو کوئی ایک مرتبہ آیت الکرسی پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ہزار مصیبتیں دنیا میں ختم کردے گا جس سے چھوٹی سے چھوٹی مصیبت غربت ہے اور آخرت میں ہر مصائب ختم کردے گا جس سے کم از کم مصیبت "عذاب [illegible]" ہے

✿ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص بعد نماز فریضہ کے بعد آیت الکرسی کی تلاوت کرتا رہے تو اس کے اور جنت کے درمیان صرف موت ہی کا فاصلہ رہ جاتا ہے موت کے وقت اس کی روح خود اللہ تعالیٰ اپنے ید قدرت سے قبض فرمائے گا اس کا ثواب انبیاء کے ہمراہ جہاد کر کے شہید ہونے والوں کے برابر ہوگا۔

✿ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ۱۰۰ مرتبہ آیت الکرسی پڑھنے والا ایسے ہے جیسے اس نے اپنی پوری زندگی عبادت خدا میں گزاری ہو (زاد الصالحین ج ۵ ص ۱۵۵)

سورہ توحید کے اعمال

✿ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو کوئی ہر نماز واجب کے بعد ۱۲ مرتبہ سورہ توحید پڑھے اس پر کوئی گناہ نہ رہے۔

✿ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو کوئی ایک بار سورہ توحید پڑھے تو ایسا ہے کہ ایک ثلث قرآن...... توریت...... انجیل اور زبور کو پڑھا ہے۔

✿ نیز فرمایا کہ جو کوئی ہر نماز فریضہ کے بعد سورہ توحید کر پڑھے خدا تعالیٰ اسکو خیر دارین نصیب کرے اور گناہ اس کے اور اس کے والدین اور بھائی اور بہنوں کے بخش دے اس حدیث میں تعداد درج نہیں پس جس قدر چاہے پڑھے۔

✿ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو کوئی ایک مرتبہ سورہ توحید پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس پر برکت بھیجے اور اگر کوئی تین مرتبہ بھیجے تو اسکے اہل اور ہمسایوں پر برکت بھیجے اور اگر کوئی بارہ مرتبہ پڑھے اللہ تعالیٰ بہشت میں اس کے لیے بارہ قصر بنائے اور جو کوئی سو مرتبہ پڑھے اللہ تعالیٰ اسکے پچیس سال کے گناہ بخش دے سوائے خون ناحق اور مال مردم کے...... اور جو کوئی چار سو مرتبہ پڑھے چار سو شہداء کا ثواب پائے...... اور جو کوئی ایک ہزار مرتبہ ایک دن یا رات میں پڑھے اس وقت تک نہ مرے جب تک کہ بہشت میں اپنی جگہ نہ دیکھ لے۔

✿ حدیث میں وارد ہے کہ سورہ توحید کے لیے لوگوں کے شر سے اپنی محافظت کرو طریقہ یہ ہے کہ اپنے سیدھے اور بائیں جانب سامنے اور پیچھے اور سر کے جانب اور پاؤں کے جانب نظر کر کے ایک ایک بار اس سورہ کو پڑھے اس طرح خود کو سورہ توحید کے حصار میں دے دے۔

✿ حدیث میں ہے کہ سفر پر جاتے ہوئے جو دس مرتبہ اس سورہ کو پڑھے تو بخیریت واپس آئے۔

✿ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو کوئی سونے کے وقت سو مرتبہ یہ سورہ پڑھے تو پچاس ہزار ملائکہ اس کی حفاظت پر مامور ہوں۔

✿ لا علاج مریض ایک ہزار مرتبہ سورہ توحید پڑھ کر دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ بحق حضرت سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا تپ کو دور فرما بحکم خدا مرض زائل ہو۔ یہ مجربات میں سے بیان کیا گیا ہے۔

✿ حضرت رسول اللہؐ کا ارشاد ہے کہ جو کوئی اس سورہ توحید کو بعد ہر نماز واجبہ کے پڑھے اللہ تعالیٰ اسکو اپنی حفاظت میں رکھے اور اس کو پڑھنے کے دن سے لیکر تا روز قیامت دنیا و آخرت کی خیر عطا فرمائے بلند درجہ عطا ہو اور رزق میں وسعت ہو اللہ تعالیٰ اس کے امور کی کفایت فرمائے عذاب قبر سے پناہ ملے اور فقر و فاقہ دور ہو۔

✿ بعد نماز صبح کے کسی سے کلام کئے بغیر ایک سو مرتبہ سورہ توحید پڑھے تو حاجت طلب کرے پوری ہو، اور اسے علماء نے مجرب عمل قرار دیا ہے۔

لا الہ الا اللہ کی فضیلت و اعمال

مرتب...... پروفیسر سید نجم الحسن بخاری

ہم "لا الـه الا اللـه" کے فضائل و اعمال لکھنے سے قبل حضرت پیغمبر اکرمؐ کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے اصحاب سے فرمایا کہ جو "لا اله الا الله" کہے گا وہ جنت میں داخل ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ آپؐ نے دو مرتبہ فرمایا۔ وہاں بیٹھے ہوئے دو صحابیوں نے کہا کہ ہم بھی "لا الـه الا الله" کہتے ہیں حضرت پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "لا الـه الا الله" کی گواہی تو صرف علیؑ اور اس کے شیعوں کی قبول ہوگی ان سے اللہ تعالیٰ نے عہد و پیمان لے رکھا ہے۔

نیشاپور میں جب حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے خطبہ ارشاد فرمایا تو کہا کہ میں نے اپنے آباء و اجداد سے حضرت رسول اللہؐ کی یہ حدیث سنی ہے کہ جو "لا الـه الا الـلـه" کہے گا وہ عذاب سے محفوظ رہے گا اور جنت میں جائے گا۔ اسے حدیث سلسلۃ الذہب کہتے ہیں اس کے بعد حضرت امام علی رضاؑ نے ارشاد کیا کہ "لا اله الا الله" کہنے کی چند شرائط ہیں اور میں بھی اس کی شرائط میں سے ایک شرط ہوں"۔ (عیون اخبار الرضاؑ)

معزز قارئین! آپ نے ہر دو احادیث ملاحظہ فرمائیں اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ (نوٹ: ثواب الاعمال کے پہلے باب میں درج شدہ درج ذیل اعمال درج ہیں)

حضرت پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم نبی حضرت موسیٰ بن عمرانؑ سے فرمایا کہ اے موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں اور ان کے درمیان موجود تمام چیزوں کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور "لا الـه الا الـلـه" کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو "لا اله الا الله" والا پلڑا بھاری ہوگا۔

رحمت اللعالمین حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو مرتے وقت "لا الـه الا الـلـه" پڑھے گا بشرطیکہ وہ اہل بیتؑ کی محبت رکھتا ہو تو وہ بغیر حساب جنت میں داخل ہوگا، نیز آپؐ نے تاکید فرمائی ہے کہ اپنے مرنے والوں کو "لا اله الا الله" کی تلقین کرو۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو کوئی شخص اپنی زندگی میں "لا اله الا الله" کا ورد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے "لا اله الا الله" تو زندگی، موت اور قبروں سے اٹھائے جانے کے وقت انسان کا مونس و مددگار ہے۔ اس کو ذکر کرنے والے کا چہرہ قیامت کے روز نورانی ہوگا۔

حضرت خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک ہے کہ "جنت کی قیمت "لا اله الا الله" ہے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص "لا الـه الا الـلـه" کہتا ہے جنت میں اس کے لئے خوشبودار و معطر سفید زمین، سرخ رنگ کا یاقوت کا درخت لگایا جاتا ہے جو شہد سے زیادہ شیریں، برف سے زیادہ سفید اور مُشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔

حضرت باقر العلوم علیہ السلام اپنے جد امجد حضرت رسول کریمؐ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "لا اله الا الله" کے مقابل میزان میں بھاری اور کوئی عمل نہیں سوائے اس آنسو کے جو اللہ کے خوف سے آنکھ سے بہہ کر چہرے پر رواں ہو جائے خوف خدا سے رونے والا شخص کبھی نہ تو مفلس ہوگا اور نہ ہی ذلیل و خوار ہوگا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص "لا الـه الا الـلـه" کا ذکر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو مٹا کر اسی تعداد میں نیکیاں عطا کرتا ہے جس سے ذکر کرنے والا خوش ہو جائے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہمارے جد حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آج تک مجھے اور مجھ سے پہلے والے لوگوں کو "لا الـه الا الـلـه" کی مثل اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اور چیز نہیں ملی اور بہترین عبادت "لا اله الا الله" ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص سوتے وقت سو (۱۰۰) مرتبہ "لا اله الا الـلـه" کہے تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لئے گھر بنائے گا اور جو ساتھ سو (۱۰۰) مرتبہ "استغفر الله" کہے تو اس کے گناہ اس طرح ختم ہوں گے جیسے درختوں کے سوکھے پتے گر جاتے ہیں۔

"لا اله الا الله" مغفرت کی عظیم دعا

بحار الانوار ج ۹۳ ص ۲۰۳، وسائل الشیعہ ج ۲ ص ۸۷۹، میزان الحکمت ج ۴ ص ۵۵۴ پر یہ روایت درج ہے کہ: اصبغ بن نباتہ کہتے ہیں کہ میں حضرت امام علیؑ کے ہمراہ تھا کہ آپؑ کا گزر ایک قبرستان کے پاس سے ہوا وہاں حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا: ""لا الـه الا الـلـه" والوں پر "لا اله الا الله" کہنے والوں کی طرف سے سلام ہو۔ اے "لا اله الا الله" والو! تم نے "لا اله الا الله" (کے انجام) کو کیسا پایا ہے؟

(بقیہ...... صفحہ نمبر 59 کالم نمبر ۲ پر)

ہفت روزہ ایوان صداقت (اسلام آباد)

یہ دور میڈیا کا دور ہے اور ایک دوسرے کی خبروں بارے آگاہی اس دور میں انتہائی ضروری ہے۔ جب اسلام یہ کہتا ہے کہ مسلمان وہ ہے جو دوسرے مسلمانوں کے معاملات اور مسائل کو اہمیت دے اس کے بارے میں غور وفکر کرے تو یہ تب ہی ہوسکتا ہے کہ ہم دوسروں کے بارے جانتے ہیں کہ ان پر کیا گزر رہی ہے اسی جذبے کے تحت ہم نے ہفت روزہ ایوان صداقت شروع کیا ہے ہفت روزہ ایوان صداقت اسلام آباد سے شائع ہورہا ہے جو اس وقت دس ہزار کی تعداد میں شائع ہورہا ہے۔ یہ ہفت روزہ گلگت بلتستان، آزاد کشمیر، صوبہ سرحد اور پنجاب کے بعض اضلاع میں بھیجا جارہا ہے۔ اس کا ہدف یہ تھا کہ ایک زمانہ تھا جو ہفت روزہ رضا کار تھا جو ہر شیعہ کے گھر میں پہنچتا تھا اور تمام مومنین ایک دوسرے کی خبروں کے بارے آگاہ رہتے تھے اور پورے ملک میں اگر کسی دیہات میں کوئی واقعہ ہوتا تھا تو وہ رضا کار کے آفس میں پہنچتا تھا اور وہ شائع ہوتا تھا کوئی انجمن کا اجلاس ہوا، کوئی انتخاب ہوا، کسی مومن کے لئے مسئلہ بنا۔

جب سے وہ ہفت روزہ ختم ہوا تو دوسرے ہفت روزے بھی تھے اب بھی چھپ رہے ہیں لیکن وہ زیادہ تعداد میں نہیں چھپتے بس یہی کوئی پانچ سو ہزار تک چھپتے تھے تو وہ ضروریات کو پورا نہیں کررہے تھے تو اس جذبے کے تحت ہم ایوان صداقت کو پچھلے دو سال سے شائع کررہے ہیں۔ اس کے پرچے کی قیمت پانچ روپے ہے اور مہینے کے بیس روپے بنتے ہیں اس میں ایک تو آپ اپنے علاقے کی خبریں بھیجیں دوسرا یہ ہے کہ اس اخبار کے لئے ہمیں نمائندگی بھی چاہیے آپ ہمارے نمائندہ بنیں اور یہ ABC سے تصدیق شدہ پرچہ ہے اور اس کے سلسلے میں آپ سے التماس ہے کہ اس ہفت روزہ کے لئے اپنی خبریں ہمیں ضرور بھیجیں کیونکہ وہ جو ہمارا ہدف اور مقصد ہے کہ مومنین ایک دوسرے کے حالات سے آگاہ رہیں تو وہ تب ہی پورا ہوسکتا ہے کہ سب حضرات خبریں بھیجیں۔ اس کے علاوہ اپنی مجالس اور دیگر اسلامی تقریبات کے اشتہارات ہمیں روانہ فرمائیں ہم مناسب قیمت پر آپ کے اشتہارات کو اخبار میں مناسب جگہ دیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں اخبار بیچنے کے لئے نمائندوں کی بھی ضرورت ہے کیونکہ ہر ہفتے اگر جس طرح ہاکر ہوتے ہیں اور باقی اخبارات فروخت ہوتے ہیں تو اسی طرح چالیس فیصد کمیشن پر ہم اپنا اخبار بیچ سکتے ہیں اور اسے پھر باقاعدہ فروخت کیا جاسکتا ہے تو ہماری یہ اپیل ہے کہ جہاں تک ہمارا پیغام پہنچے آپ خود بھی اس کے خریدار بنیں اور دوسرے احباب کو بھی اس طرف متوجہ کریں۔

ہفت روزہ بیان صداقت (لاہور)

یہ دوسرا ہفت روزہ بیان صداقت ہم نے لاہور سے شروع کیا ہے اس کو شروع ہوئے ایک سال ہونے کو ہے اس کا ڈیکلریشن بھی لاہور سے ہے یہ پرچہ بنیادی طور پر ہمارے اداروں کی کارکردگی کو بیان کرتا ہے اور ہماری کوشش ہے کہ اسے بھی وسعت دی جائے اور مومنین کی جو خبریں ہیں انہیں بھی نمایاں طور پر اس میں شائع کیا جاتا ہے اور جو خاص ایام ہیں ان میں خصوصی رنگین نمبر بھی چھپتے ہیں۔ آپ بیان صداقت کے خریدار بھی بن سکتے ہیں۔

اس کے لئے بھی ہمیں نمائندگی کی ضرورت ہے اور یہ اخبار ہماری ویب سائیٹ www.iktrust.org پر بھی دیکھ سکتے ہیں۔

ماہنامہ پیام زینبؑ

یہ ایک تبلیغی مجلہ ہے جو 30000 کے قریب ماہانہ شائع ہوتا ہے اور کمرشلزم ہماری نگاہوں میں نہیں ہے جتنا اس پرچے پر خرچ ہوتا ہے اس سے کم ہمیں وصول ہوتا ہے اور ہم اخراجات کے ذریعہ اس کے اخراجات کو پورا کررہے ہیں۔

یہ پرچہ بہت دور تک جاتا ہے اور اس کا ذر سالانہ جو خریدار کا ہے وہ 300 روپیہ تھا لیکن اس وقت مہنگائی کی وجہ سے اس کا سالانہ 500 روپے کردیا گیا ہے اور یہ موجودہ خصوصی نمبر ہے جسے ہم نے ولی العصرؑ جنتری نمبر قرار دیا ہے اور اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ ہم پچھلے پانچ سال سے ولی العصرؑ جنتری شائع کررہے ہیں جس میں بعض ایسی خصوصیات ہیں جو دوسری جنتریوں میں نہیں ہیں لیکن ہم جنتری محدود تعداد میں چھاپتے تھے زیادہ تر پانچ ہزار تک۔ جب کہ ہمارے پیام زینبؑ کے خریداروں کی تعداد 30000 کے قریب ہے سب کی خواہش تھی کہ آپ سال میں ایک مرتبہ جنتری نمبر چھاپ دیں تاکہ سب کے گھروں میں جنتری خود بخود پہنچ جائے تو اس ضرورت کے پیش نظر منتظمین نے یہ فیصلہ کیا کہ اس دفعہ محرم اور صفران دو پرچوں کو ملاکر پیام زینبؑ ولی العصرؑ جنتری نمبر چھاپ دیا جائے یہ بھی اس لئے کہ ایک تو صفحات ڈبل ہوگئے ہیں اور دوسرا یہ ہے کہ جب ایک پرچہ بھیجا جاتا ہے روٹین کا تو اس پر ایک روپے کا ٹکٹ لگتا تھا لیکن اب وہ ٹکٹ دو روپے کا لگانا پڑتا ہے اور اب جب کہ اس کے ڈبل صفحے ہیں تو وزن بڑھ گیا تو وزن بڑھنے کی وجہ سے ٹکٹ چار روپے کا لگے گا اس کے علاوہ دوسرے اخراجات بھی بہت زیادہ ہوگئے ہیں مثلاً کاغذ بھی مہنگا ہوگیا ہے اور آمد کے ذرائع بڑے محدود ہیں اس لئے ہم نے یہ قارئین کو سہولت بھی پہنچائی ہے اور اپنے وسعت دامن کو بھی دیکھا ہے تاکہ پرچے کا تسلسل بعد میں ختم نہ ہو اور ادارے پر زیادہ بوجھ بھی نہ پڑے۔

انشاءاللہ ہمارے قارئین ہماری اس پیشکش کو پسند فرمائیں گے۔ البتہ اس ولی العصرؑ نمبر کو اگر کوئی خصوصی طور پر خریدنا چاہے تو اس کی قیمت ہم نے 100 روپے رکھی ہے اور پچاس فیصد کمیشن پر ہم بیچ سکتے ہیں اور جو براہ راست خریدنا چاہیں ہم سے بائی ڈاک نہ لیں تو ان کو پچاس روپے میں دیں گے۔

لیکن کتب خانوں کے لئے سو روپے کا پرچہ ہے اور جو بائی ڈاک منگوائے گا اسے بھی سو روپے کا بھیجا جائے گا۔

شادی بیاہ کے لئے امداد

حدیث میں ہے کہ جو کوئی شخص دنیا میں کسی کی حاجت کو پورا کرے اور اس کی مشکل کو حل کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مشکلات حل کرے گا اور اس کی حاجات کو پورا کرے گا۔ آج کل مہنگائی کا دور ہے انسان کے لئے اپنا پیٹ پالنا بھی مشکل ہورہا ہے بے روزگاری عام ہے مہنگائی روز بروز بڑھتی جارہی ہے تو ان حالات میں بچیوں کی شادی کا انتظام کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے اور بہت سارے گھرانے پریشانی میں مبتلا ہیں بالخصوص جن کی تنخواہ بہت ہی معمولی ہے جو بمشکل اپنا پیٹ پالتے ہیں ان میں اپنے بچوں کے کپڑے خریدنے کی سکت بھی نہیں ہوتی کیونکہ ہمارا معاشرہ طبقاتی سسٹم میں بری طرح گھرا ہوا ہے امیر امیر تر ہے اور غریب غریب تر ہوتا جارہا ہے اور ہر آنے والا دن غریب کے لئے ایک نئی مشکل کھڑی کرتا ہے اور سب سے زیادہ پریشانی والدین کے لئے اپنی اولاد کی شادی کا مسئلہ ہوتا ہے۔ تو اس کے لئے جب سے ہم نے جامعہ امام خمینیؒ قائم کیا اس وقت سے یہ سلسلہ جاری رکھا لیکن پچھلے پندرہ سال سے باقاعدہ بچیوں کی شادی کے لئے بچیوں کے والدین کو بالخصوص سامان کی شکل میں امداد فراہم کی جاتی ہے پہلے پہل دس ہزار روپے کا سامان دیتے تھے کبھی بیس ہزار کا سامان دیتے تھے اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اس سے کئی ہزار گھرانے فائدہ اٹھا چکے ہیں اور اسی کے ساتھ اجتماعی ولیمہ جسے ہم اجتماعی شادی کا عنوان دیتے ہیں اس کی بنیاد بھی ہمارے ادارے میں 2002 سے رکھی گئی ایک تصور دیا گیا کہ ایک دینی مرکز امام کا گھر ہے اور یہ سب کا گھر ہے لہٰذا لڑکے والے اور لڑکی والے وہ اس ادارے میں اکٹھے آجائیں اور تمام جوڑوں کی شادی بیک وقت ہو اور ان کا اجتماعی دعوت ولیمہ بھی یکجا ہو تو اس میں یہ ہوتا ہے کہ مکمل جہیز یعنی ایک متوسط گھر کی جتنی بھی ضروریات کی چیزیں ہوتی ہیں مثلاً فرنیچر، برتن، پنکھا، استری، کپڑے یعنی ضروریات زندگی کی تمام اہم چیزیں فراہم کی جاتی ہیں اور فی کس شادی کے لئے تقریباً پچاس ہزار سے ستر ہزار روپے تک کا سامان مہیا کیا جاتا ہے۔

اس حوالے سے اب تک آزاد کشمیر کے ضلع مظفر آباد، ضلع باغ، ڈیرہ اسماعیل خان، ڈیرہ غازی خان کی تحصیل تونسہ، جنگ، اڈہ شیخن، بھکر، کاٹھ گڑھ، پارہ چنار، ہنگو اور میانوالی میں ہمارے ادارے کے اندر اس حوالے سے پروگرام کیے گئے ہیں ہماری اہل خیر سے جو اہل درد ہیں جن کو دوسروں کی مشکلات کا احساس ہے ان سے ہماری اپیل ہے کہ وہ شادی فنڈ میں نقدی کی شکل میں یا جنس کی شکل میں ہماری مدد کریں۔ مثلاً کپڑے، فرنیچر کسی بھی شکل میں ہمارے ذریعے ان بے سہارا لوگوں کی مدد کریں۔ جب ایک رشتہ قائم ہوجاتا ہے تو گویا کہ انسانیت کا ایک یونٹ قائم ہوجاتا ہے ان کی پھر آگے اولاد ہوگی جب تک یہ گھرانا پھلے گا، بڑھے گا ان کے جتنے اچھے اعمال ہوں گے اس کا ثواب انہی لوگوں کو ملے گا جو ان کی شادی کرانے میں مددگار ثابت ہوئے تھے۔

احادیث میں اس بارے بہت زیادہ تاکید ہوئی ہے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ معصومین علیہم السلام کی زندگی کا اگر مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے غرباء، مساکین کی ہمیشہ اس حوالے سے مدد فرمائی ہے۔

☆☆☆☆☆

AlTimad 1color 27.75x20.5

استاد الفقہاء آیت اللہ حبیب اللہ الشریف کاشانی رضوان کے مجرب تعویز

تسخیر کا تعویز | رزق کی زیادتی کے لئے | وسعت رزق | جادو، ٹونا، نظر بد کے لئے | جن وانس کے شر سے بچاؤ کے لئے

انتخاب...... مستجاب زہراء (ملتان)

مندرجہ ذیل تعویزات کو آیت اللہ کاشانی نے اسماء الحسنیٰ طبع تہران میں تحریر کیا ہے کسی بھی نماز کے بعد نیک ساعت میں انہیں لکھ کر ضرورت مند صدقہ دے کر درود پاک کی تلاوت کرتے ہوئے حضرات معصومین علیہم السلام کے اسماء مبارک تلاوت کر کے تعویز لکھ کر گلے میں پہنے۔ حسین سراج زادہ

تسخیر کا تعویز

۹	۲۲	۱۹	۱۶
۲۰	۱۵	۱۰	۲۱
۱۴	۱۷	۲۴	۱۱
۲۳	۱۲	۱۳	۱۸

رزق کی زیادتی کے لئے

یا	ص	م	د
م	د	یا	ص
د	م	ص	یا
ص	یا	د	م

ظالم پر غلبہ پانے کے لئے تعویز

س	م ي	ع
م ي	ع	س
ع	س	م ي

حسد کے بارے تعویز

۶۹	۸۲	۷۹	۷۶
۸۰	۷۵	۷۰	۸۱
۷۴	۷۷	۸۴	۷۱
۸۳	۷۲	۷۳	۷۸

وسعت رزق

ک	ر	ی	م
ی	م	ک	ر
م	ی	ر	ک
ر	ک	م	ی

جادو، ٹونا، نظر بد کے لئے

ر	ق	ی	ب
ب	ر	ی	ق
ق	ب	ی	ر

جن وانس کے شر سے بچاؤ کے لئے

۵۲	۴۹	۶۴	۵۹
۴۷	۵۸	۵۳	۴۸
۵۷	۶۶	۵۱	۵۴
۵۰	۵۵	۵۶	۴۵

ہر قسم کے سفلی عمل اور جادو سے بچنے کے لئے

۳۱۲	۳۲۴	۳۲۳	۳۲۰
۳۲۴	۳۱۹	۳۱۳	۳۲۵
۳۱۸	۳۲۱	۳۲۸	۳۱۴
۳۲۹	۳۱۵	۳۱۷	۳۲۲

ہر قسمی جسم کی حفاظت کے لئے حصار

م	ج	ی	د
د	م	ی	ج
ج	د	ی	م

جنات کے شر، جادو، آفات سے بچنے کے لئے

۱۱۱۷	۱۱۳۱	۱۱۲۷	۱۱۲۴
۱۱۲۸	۱۱۲۳	۱۱۱۸	۱۱۳۰
۱۱۲۲	۱۱۲۵	۱۱۳۳	۱۱۱۹
۱۱۳۲	۱۱۲۰	۱۱۲۱	۱۱۲۶

خواب دیکھنے کے بارے میں قرآن مجید اور معصومینؑ کے ارشادات

انتخاب و پیشکش...... سیدہ روبینہ مہدی نقوی

❁ "جب یوسفؑ نے اپنے باپ سے کہا، اے بابا! میں نے (خواب میں) دیکھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں" (یوسف ۴)

❁ "اور غرض یہ تھی کہ ہم اسے خواب کی باتوں کی تعبیر سکھلائیں" (یوسف ۲۱)

❁ "اس نے (یوسفؑ نے) کہا جو کھانا تمہیں دیا جاتا ہے وہ تم تک نہیں آ، پائے گا کہ اس سے پہلے ہی میں تمہیں اس (خواب) کی تعبیر بتلا دوں گا یہ بھی منجملہ ان باتوں کے ہے جن کی میرے رب نے تعلیم دی ہے" (یوسف ۳۷)

❁ (سورہ یوسف کی مزید آیات نمبر ۴۴ تا ۴۹ ملاحظہ کی جا سکتی ہیں)

❁ "اور جب ہم نے تجھ سے کہا کہ بے شک تیرا رب لوگوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ہم نے اس خواب کو کہ جو ہم نے تجھے دکھلایا، لوگوں کیلئے ایک آزمائش اور قرآن میں لعنت کیا ہوا شجرہ (نسل) قرار دیا" (بنی اسرائیل ۶۰)

❁ "پس جب وہ (بُردبار، فرمانبردار فرزند اسماعیلؑ) اس کے ہمراہ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر میں پہنچا تو اس نے کہا اے میرے بیٹے! میں خواب دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں" (صافات ۱۰۲)

❁ "بے شک تو نے خواب کو سچ کر دکھایا ہم احسان کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیا کرتے ہیں" (صافات ۱۰۵) ❁ "بے شک اللہ نے اپنے رسولؐ کے خواب کو سچ کر دکھایا" (الفتح ۲۷)

❁ "انہی لوگوں کے واسطے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوشخبری ہے" (یونس ۶۴)

حضرت نبی اکرمؐ کے فرمودات

❁ تفسیر در منثور ج ۳ ص ۳۱۳ میں سورہ یونس کی آیت "انہی لوگوں کے واسطے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوشخبری ہے" کی تفسیر میں جابرؓ بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا "اس سے مراد اچھے خواب ہیں کہ جو مومن دیکھتا ہے یا اسے دکھائے جاتے ہیں اور آخرت میں اسکے لئے جنت ہے"۔

❁ بحارالانوار ج ۱۸ ص ۱۹۵ میں ہے کہ سچے خواب ہی سے حضرت پیغمبر اکرمؐ پر وحی کا آغاز ہوا، آپؐ جو خواب بھی دیکھتے اسکی تعبیر صبح صادق کی مانند واضح ہو کر سامنے آ جاتی۔

❁ بحارالانوار ج ۶۱ ص ۱۷۷ میں امام علی رضاؑ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صبح کرتے تو اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے کیا کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟

❁ بحارالانوار ج ۶۱ ص ۱۹۱ میں حضرت پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں کہ "اچھے خواب جن سے مومن کو خوشخبری دی جاتی ہے نبوت کے چھیالیس اجزا میں سے ایک ہے ایک دوسری روایت اس حوالے میں نقل ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ "اچھا خواب نبوت کے ستر اجزاء میں سے ایک ہے"۔

❁ تفسیر در منثور اور بحارالانوار ج ۶۱ ص ۱۹۱، تفسیر نمونہ ج ۹ ص ۲۸۶ پر حضرت رسول اللہؐ فرماتے ہیں کہ خواب تین طرح کے ہوتے ہیں۔

❁ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومن کیلئے خوشخبری ❁ شیطان کی طرف سے خوفزدہ کرنا تا کہ مومن غمزدہ ہو ❁ خواب پریشان جو بات انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے وہ اسے خواب میں دیکھتا ہے

آخری زمانے کے مومنین کے خواب

بحارالانوار ج ۶۱ ص ۱۷۲ پر حضرت پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں کہ "قیامت کے قرب کے زمانہ کے مومنین کا خواب جھوٹا نہ ہوگا اور ان کی باتیں زیادہ سچی ہونگی اور انکے خواب سچے ہونگے"۔

خواب کو بیان کرنا کیسا ہے؟

کنز العمال حدیث ۴۱۳۹۲ میں حضرت پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں کہ "جب تم میں سے کوئی شخص اچھا خواب دیکھے تو اسکی تعبیر بھی بیان کرے اور اسے دوسروں کو بھی بتائے اور جب کوئی بُرا خواب دیکھے تو نہ تو اسکی تعبیر بیان کرے اور نہ ہی دوسروں کو بتائے"۔

کن لوگوں کو خواب بتایا جائے؟

حضرت نبی اکرمؐ فرماتے ہیں کہ "جب بھی کوئی خواب بیان کرنا چاہو تو ایسے دوست یا صاحب رائے شخص سے بیان کرو جو حسد اور بُرائی سے پاک ہو اپنے کسی خیر خواہ دوست کے علاوہ کسی سے بیان نہیں کرنا چاہیے"۔

حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں

❁ بحارالانوار ج ۴۰ ص ۲۲۲ پر فرماتے ہیں کہ "سچے خواب ملائکہ کی طرف سے ہوتے ہیں اور جھوٹے خواب جنات کی طرف سے ہوتے ہیں"۔

❁ "اچھے خواب دو خوشخبریوں میں سے ایک ہیں" (غرر الحکم)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے ارشادات

بحار الانوار ج ۶۱ ص ۳۱۔۴۳۔۱۹۳ پر نقل ہے کہ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں "بندے جب سوتے ہیں تو انکی روحیں آسمان کی طرف نکل جاتی ہیں روحیں آسمان میں جو کچھ دیکھتی ہیں وہ حق ہوتا ہے اور جو فضا میں دیکھتی ہیں وہ پریشان اور خوفزدہ کرنے والے خواب ہوتے ہیں"۔

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں

❁ بحار الانوار ج ۶۱ ص ۱۷۷ پر ہے کہ "آخری زمانہ میں مومن کی رائے اور اسکا خواب نبوت کے ستر اجزا میں سے ایک ہے"۔

❁ بحار الانوار ج ۶۷ ص ۶۶ پر ہے کہ "مومن کی رائے اور اسکا خواب ستر اجزا میں سے ایک ہے اور کچھ مومن وہ ہیں جنھیں ایک تہائی عطا ہوتا ہے"۔

نافرمانی سے باز رکھنے کیلئے بُرے خواب

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "جب انسان نافرمان ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کو اسکی بھلائی مقصود ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو ایسے خواب دکھاتا ہے جس سے وہ دبلا اور کمزور ہو جاتا ہے خوفزدہ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آجاتا ہے" (بحار ج ۶۱ ص ۱۶۷)

سچے اور جھوٹے خواب

بحار الانوار ج ۶۱ ص ۱۹۳ پر روایت نقل ہے کہ ابو بصیر نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کے قربان جاؤں سچے اور جھوٹے خواب ایک ہی مقام سے آتے ہیں تو انکا فرق کیا ہے؟ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ "تم سچ کہتے ہو کہ خواب کا مخرج تو ایک ہی ہوتا ہے لیکن رات کے پہلے حصے میں دیکھے ہوئے پریشان اور غمزدہ کرنے والے خواب جھوٹے ہوتے ہیں اور اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ انسان یہ خواب رات کے اس حصے میں دیکھتا ہے کہ جب فاسق و فاجر اور سرکش شیطانوں کی حکومت ہوتی ہے یہ انسانی خیالات ہوتے ہیں جو جھوٹے اور پریشان قسم کے ہوتے ہیں ان میں کسی قسم کی بھلائی نہیں ہوتی اور جب رات کا دو تہائی حصہ گزر جاتا ہے یہ وقت سحر سے پہلے کا ہوتا ہے جب آسمان سے ملائکہ اُترے ہوئے ہوتے ہیں ایسے خواب سچے ہوتے ہیں"۔

جھوٹے اور ڈراؤنے خوابوں کی وجہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "جھوٹے، پریشان اور ڈراؤنے خوابوں کی چند وجوہات یہ بھی ہیں کہ انسان ناپاک حالت میں سوئے یا بغیر وضو اور یادِ الٰہی کے سوئے تو اس حالت میں ڈراؤنے خواب بھی آتے ہیں"۔

حضرت امام حسن عسکریؑ فرماتے ہیں

بحار الانوار ج ۶۱ ص ۱۹۰ پر آپ کا یہ ارشاد نقل ہے کہ "جو زیادہ سوئے گا وہ بُرے خواب دیکھے گا"۔

بقیہ...... لا الہ الا اللہ کی فضیلت

"لا الہ الا اللہ" اے ذات تجھے "لا الہ الا اللہ" کا واسطہ "لا الہ الا اللہ" کہنے والوں کی مغفرت فرما اور ہمیں "لا الہ الا اللہ" کہنے والوں میں محشور فرما"۔

حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا: "میں نے حضرت رسول اکرم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص قبرستان سے گزرتے وقت یہی کچھ کہے تو اس کے پچاس سال کے گناہ بخش دیئے جائیں گے"۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہؐ جس کے پچاس سال کے گناہ نہ ہوں تو پھر؟ حضرتؐ نے فرمایا کہ "اس کے والدین کے، اس کے بھائیوں کے اور عام مسلمانوں کے"۔

"لا الہ الا اللہ" کی گواہی کا ثواب اور قبولیت کی شرط

حضرت رسول اکرمؐ اپنے اصحاب میں تشریف فرما تھے اور ان میں حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ بھی موجود تھے آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"جو "لا الہ الا اللہ" کہے گا تو وہ جنت میں داخل ہو گا"۔

وہاں بیٹھے ہوئے دو صحابیوں نے کہا کہ ہم بھی "لا الہ الا اللہ" کہتے ہیں۔

حضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ "لا الہ الا اللہ" کی گواہی تو صرف علیؑ ابن ابی طالبؑ اور اس کے شیعوں کی قبول ہے ان سے ہی اللہ تعالیٰ نے عہد و پیمان کر رکھا ہے"۔

ان دو صحابیوں نے دوبارہ کہا کہ ہم بھی "لا الہ الا اللہ" کہتے ہیں۔ اس وقت حضرت رسول اللہؐ نے اپنا ہاتھ حضرت علیؑ کے سر پر رکھ کر فرمایا:

"لا الہ الا اللہ" کی قبولیت کی شرط یہ ہے کہ علیؑ سے کئے ہوئے عہد و پیمان نہ توڑنا، اس کی جگہ پر نہ بیٹھنا اور اس کی بات کو نہ جھٹلانا"۔ (ثواب الاعمال ص ۱۷، ۱۹)

ہماری امامت کے بغیر یہ کلمہ فائدہ نہ دے گا

الشافی ترجمہ اصول کافی ج ۵ ص ۱۴۹ پر یہ حدیث نقل ہے کہ:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے 'ابان' سے فرمایا کہ:

اے ابان! جب تم کوفہ جاؤ تو یہ حدیث بیان کرنا کہ جس نے خلوص دل سے "لا الہ الا اللہ" کہا اس پر جنت واجب ہے"۔ میں نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! میرے پاس ہر قسم کے لوگ آتے ہیں تو کیا میں سب سے یہ بیان کروں؟۔ آپؑ نے فرمایا: "ہاں اے ابان! روز قیامت جب اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو جمع کر دے گا تو ان لوگوں کے سوا جو ہماری امامت کو ماننے والے ہیں "لا الہ الا اللہ" کا ذکر سلب کر لے گا"۔

☆☆......☆......☆☆......☆☆

آج کل علاج کی سہولت غریبوں کے واسطے آسان نہیں ہے۔ آج کل علاج کی سہولت غریبوں کے واسطے آسان نہیں ہے۔

آج کل علاج کی سہولت غریبوں کے واسطے آسان نہیں ہے۔ جو سرکاری ہسپتال ہیں ان ہسپتالوں میں اس طرح علاج غریبوں کا نہیں ہوسکتا جس طرح ان کی ضرورت ہے۔ اور ادویات اتنی مہنگی ہیں کہ غریب مریض دوائی نہ ملنے کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتا ہے۔

اس ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے انجمن بہبود آبادی پکی شاہ مردان کے زیر انتظام ایک المہدیؑ ہسپتال قائم کیا شروع میں یہ صرف ایک ڈسپنسری تھی لیکن الحمدللہ اسوقت یہ ایک مکمل ہسپتال ہے۔ ان ڈور، آؤٹ دور سروس ہے، زچہ بچہ کے لئے المہدیؑ سنٹر ہے، ڈینٹل یونٹ موجود ہے، آنکھوں کیلیے عین اللہ آئی کلینک ہے، ای سی جی، الٹراساؤنڈ، ایکسرے، ایمبولینس کی سہولت ہے لیڈی ڈاکٹر کی سہولت موجود ہے بہترین میڈیکل سٹور موجود ہے، اعلیٰ معیار کی لیبارٹری موجود ہے، شہید باقر الصدر کے نام سے بیس بستروں کا ایک وارڈ قائم کیا گیا ہے۔ یعنی بڑے شہروں میں ایک ہسپتال کے پاس جو سہولیات موجود ہوتی ہیں وہ اس پسماندہ علاقہ میں المہدی ہسپتال میں مہیا کی گئی ہیں۔

اسپیشلسٹ ڈاکٹروں کی خدمات ہم نے حاصل کی ہوئی ہیں آنکھوں کے آپریشن کے لئے سرجن آتا ہے، شعبہ امراض کلب موجود ہے جس کے لئے باقاعدہ سرجن ہفتے میں ایک بار آتا ہے، جنرل آپریشن کیئے جاتے ہیں، آئی آپریشن کیئے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ ایک MBBS ڈاکٹر چوبیس گھنٹے اپنی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ اس میں جو لوگ علاج کے لئے پریشان رہتے ہیں ان کو کافی حد تک اس ہسپتال سے سہولیات میسر آئی ہیں اسی ہسپتال کے زیر نگرانی سال میں دو تین مرتبہ باقاعدہ جنرل اور آئی میڈیکل کیمپوں کا انعقاد ہوتا ہے جس سے ہزاروں مریض استفادہ کرتے ہیں اور انہیں مفت ادویات فراہم کی جاتی ہیں۔

جو اہل خیر اہل درد جو خدمت خلق کا جذبہ رکھتے ہیں کیونکہ خدمت خلق سب سے بڑی عبادت ہے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ان سب سے بڑی عبادت یہ ہے اللہ کی مخلوقات کی ضروریات کی خیال رکھنا اور یہ ایک کتب اہل البیت علیہم السلام کی نمایاں حیثیت ہے کہ اس کتب کے پیروکار ہر دکھی انسان کے لئے اپنی خدمات مہیا کرتے ہیں جس طرح ہمارے آئمہ اطہار علیہم السلام نے اپنی زندگی میں کیا کہ وہ اپنے دشمن اور دوست دونوں کو فائدہ پہنچاتے تھے حتیٰ کہ لوگوں کے گھروں میں خود جا کر ان کی ضروریات کو پورا کرتے تھے تو ہماری یہ اپیل ہے کہ اس ہسپتال کو مزید مفید بنانا اور غریبوں کے لئے فری دوائی دینے کا جو اہتمام ہے اس میں ہماری مدد کریں اور بالخصوص جب مختلف کیمپوں کا انعقاد ہوتا ہے تو اس وقت ہماری مدد کریں اور جو شخص جس عنوان سے ہماری مدد کرنا چاہتا ہے وہ ہمیں اطلاع کرے انشاء اللہ اسی عنوان سے اس کی مدد خرچ ہوگی۔

تعلیمی وظائف

ایک اہم شعبہ جو ہمارے ٹرسٹ کا ہے وہ تعلیم عام کرنا ہے۔ ہمارا ماٹو ہے ''علم اور عمل''، عمل بغیر علم کے بے فائدہ ہوتا ہے اور اگر علم ہو اور عمل نہ ہو تو وہ عمل بھی وبال جان بنتا ہے۔ تعلیم انسان کے لئے عزت وشرف کا باعث ہے اور تعلیم ہی سے انسان حق وباطل کی پہچان کرسکتا ہے اور سچ اور جھوٹ میں فرق کرسکتا ہے۔ جو معاشرہ تعلیم یافتہ ہے وہی ترقی یافتہ ہے۔ جو قومیں علم کو اہمیت دیتی ہیں وہی قومیں باوقار بنتی ہیں اور ان کا مقام اور عزت ہوتی ہے۔ اسلام میں تعلیم کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ علم کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص علم حاصل نہیں کرتا تو وہ مجرم ہے گناہ گار ہے اور واجب کا تارک ہے۔ اسلام میں ان پڑھ کا کوئی تصور نہیں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ بدر میں جو مشرکین قیدی ہوئی تھے ان مشرکین کے قید کی رہائی کے لئے یہ شرط رکھی تھی کہ اگر وہ دس مسلمانوں کو تعلیم دے دیں تو ان کو رہا کر دیا جائے گا یہ بہت بڑی بات ہے کہ مشرکوں سے اپنے مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھایا گیا۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ علم کا حصول فریضہ ہے تو بعض سمجھتے ہیں کہ علم دین، علم قانون اور حلال حرام کا علم اس سے مراد ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ ہر وہ چیز جو انسان کے لئے مفید ہے اس کا علم حاصل ہونا چاہیے۔ آج کے دور کی زندگی بہت پیچیدہ اور وسیع ہوگئی ہے اور اس پیچیدہ زندگی اور اس کی وسعت میں ہر شعبہ میں مسلمانوں کو دوسروں سے آگے ہونا چاہیے لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں نے تعلیم کا سلسلہ چھوڑ دیا اور پسماندگی کا شکار ہوئے اور تعلیم کے حوالے سے شیعیان علیؑ اور مکتب اہل البیت علیہم السلام سے وابستہ افراد جو ہیں دوسروں سے زیادہ ان کا حق ہے کہ وہ تعلیم کے میدان میں توجہ دیں کیونکہ ہمارے آئمہ معصومین علیہم السلام نے بڑی سختی کی ہے اپنے پیروکاروں پر جیسے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر مجھے پتہ چلے کہ ہمارا ایک نوجوان ہے جو نہیں پڑھتا اور آوارہ ہے تو میں اسے ڈنڈے مار کر بھی پڑھاؤں یا پھر حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی طرف حدیث منسوب ہے کہ آپؑ فرماتے ہیں کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ یعنی اس قدر سختی کرتے ہیں۔

اسی چیز کے پیش نظر ہمارے ٹرسٹ نے یہ کوشش کی کہ لوگوں کو متوجہ کیا جائے کہ وہ اپنے بچوں کو پڑھائیں اور اس میدان میں ہم دو حوالوں سے کام کر رہے ہیں ایک تو سکولوں کا قیام ہے، ٹیوشن سنٹر ہیں اور جو لوگ اپنے بچوں اور بچیوں کو تعلیم لینے کے لئے نہیں بھیجتے انہیں آمادہ کرنا کہ اپنے بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کے لئے بھیجیں۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ وطن عزیز کی زیادہ تر آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے اور دیہاتوں میں تعلیمی ادارے نہ ہونے کے برابر ہیں اگر پرائمری تک ہیں تو بلڈنگ نہیں ہے، بلڈنگ ہے تو استاد نہیں ہے، تعداد زیادہ ہے اور استاد کم ہیں یعنی دیہاتوں میں جہاں آبادی بھی زیادہ ہے اور مکتب اہل البیت علیہم السلام سے وابستہ لوگ بھی زیادہ تر دیہاتوں میں رہتے ہیں۔ وہاں پر سکول کی سہولت ہے نہیں اور کچھ لوگ بچوں کو پڑھاتے بھی ہیں تو بمشکل میٹرک تک پڑھاتے ہیں بعض لوگ تو پرائمری سے آگے نہیں جا سکتے کہتے ہیں ہم اپنا پیٹ پالیں یا بچوں کو تعلیم دیں۔ گورنمنٹ کی طرف سے اعلانات تو بہت ہوتے ہیں مفت تعلیم ہے لیکن تعلیمی میدان میں تفاوتی سسٹم ہے امیروں کے بچوں کے لئے اور قسم کے تعلیمی ادارے ہیں اور غریبوں کے بچوں کے لئے اور قسم کے ادارے ہیں پھر یہ جو پرائیویٹ تعلیمی ادارے ہیں اور کمرشلائزیشن تعلیم کے میدان میں جو آئی ہے اس نے ہمارے پورے معاشرے اور سوسائٹی کو تباہ وبرباد کر کے رکھ دیا ہے۔

بہر حال جب انسان پورا مقصد حاصل نہیں کرسکتا تو اسے چاہیے کہ جو مقصد حاصل کرسکتا ہے اس کو تو حاصل کرلے۔

ہم نے جب سے یہ ٹرسٹ قائم کیا ہم نے اس طرف خصوصی توجہ دی کہ دیہاتی علاقوں میں لوگوں کو آمادہ کریں کہ وہ بچوں کو پڑھائیں ہم نے اپنے پیش نمازوں سے یہ بات تاکیداً کہی کہ وہ اپنے مامومین کو سختی سے کہیں کہ وہ اپنے بچوں کو سکول بھیجیں اور اس کے لئے ہم نے اعلان کیا کہ جو اپنے بچوں کے لئے یونیفارم، کاپیاں، کتابیں اور فیس نہیں دے سکتے وہ ہم دیں گے یہ سلسلہ پہلے تو محدود پیمانے پر میانوالی کے اندر ہی تھا لیکن پھر اسے مزید وسعت دے دی گئی اور مختلف شہروں کے بچے جو ہیں ان کو تعلیمی وظائف دیئے جاتے ہیں۔ خاص کر جو میٹرک سے اوپر تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے خصوصی انتظام ہوتا ہے کہ ان کے لئے تعلیمی وظائف دیئے جاتے ہیں۔ البتہ ہمارے پاس درخواستیں تو بہت آتی ہیں لیکن ہمارے جتنے وسائل ہیں ان کے مطابق ہم طالب علموں کی سرپرستی کر رہے ہیں۔

اس بارے میں بھی ہماری اہل خیر سے اپیل ہے اہل درد سے جو ملت کو باشعور دیکھنا چاہتے ہیں ملت کو علمی میدانوں میں ترقی کے مراحل طے کرتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں تو ان سے ہماری اپیل ہے کہ وہ اس میدان میں ہمارے ساتھ تعاون کریں ہم انہیں جگہیں بتا سکتے ہیں جہاں پر سکول کی ضرورت ہے۔ ٹیوشن سنٹروں کے لئے جو مراکز ہمیں درکار ہیں وہ ہم انہیں بتا سکتے ہیں اور ہمارے پاس جو درخواستیں آئی ہوئی ہیں ایسے بچے بھی ہیں جو اپنی کلاس میں فرسٹ پوزیشن لیتے ہیں لیکن ان کے پاس وسائل نہیں ہوتے کہ وہ آگے کالجوں میں پڑھ سکیں اور وہ اسی طرح رہ جاتے ہیں۔

ہمارے ٹرسٹ کے وسائل بہت کم ہیں ہماری ساری معاونت اپنے مومنین ہی کرتے ہیں اور اس وقت مومنین کے کاروبار کمزور پڑتے جا رہے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ قابل تعریف لوگ ہیں جو ان مشکل حالات میں بھی غریبوں کے بچوں کا خیال رکھتے ہیں اور تعلیمی وظائف کے لئے ہماری مدد کرتے ہیں۔

تعلیمی وظائف لینے کا طریقہ یہ ہے کہ باقاعدہ درخواست بھیجی جاتی ہے جس ادارے میں انسان پڑھ رہا ہوتا ہے اس ادارے کے ہیڈ کی تصدیق کی ضرورت ہوتی ہے پھر ہم کوشش کرتے ہیں کہ کسی ایک شخص کے ذمے لگائیں کہ وہ اس کے تعلیمی اخراجات دے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی ایک شخص کسی طالب علم کے لئے معاونت کرے گا تو وہ طالب علم جب کسی مقام پر پہنچے گا تو وہ جو نیک اعمال کرے گا اس کا ثواب اس سرپرستی کرنے والے کو دوگنا ملے گا۔ اور پھر جو تعلیمی وظائف لے کر کسی مقام پر پہنچ جاتے ہیں ترقی کر جاتے ہیں تو ان سے بھی ہماری پھر درخواست ہوتی ہے کہ جس طرح ان کے لئے کسی نے سرپرستی کی ہے اسی طرح وہ بھی کسی ایک طالب علم کی سرپرستی کر کے اسے ترقی کرنے کا موقع عنایت کرے۔

اس میں سادات کے بچے غیر سادات کے بچے سب شامل ہیں اس وقت بھی کافی ساری ہمارے پاس درخواستیں موجود ہیں جن کے ساتھ ہم تعاون نہیں کر پا رہے تقریباً 200 بچے ہیں جن کو تعلیمی وظائف دیئے جا رہے ہیں ہماری تمام اہل خیر باشعور حضرات سے گزارش ہے کہ ہمارے ساتھ اس سلسلہ میں تعاون کریں۔

اس میں طالبات بھی ہیں اور طلباء بھی ہیں۔

دینی طلباء بھی ظاہر ہے لوگوں کی مدد سے ہی چلتے ہیں کیونکہ دینی مدارس میں طلباء کے لئے قیام وطعام کا انتظام کرنا ہوتا ہے کتابوں کا کاپیوں کا ساری سہولیات ہوتی ہیں اس کے لئے سہم امامؑ اور باقی جوز کوۃ ہے عطیات ہیں جیسا کہ ہم آپ کو اسی مجلے کو پڑھنے میں ملے تا کہ ہمارے زیر اہتمام جتنے دینی ادارے ہیں ان کے قیام وترقی کے لئے ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے بھی اہل خیر مسلسل تعاون کی ضرورت ہے۔

تعلیمی وظائف کے حوالے سے یہ بھی ہم پوائنٹ بتا دیں کہ اگر کوئی شخص براہ راست کسی کے لئے مدد بھیجنا چاہتا ہے تو اس کو ہم اس سے براہ راست بھی مربوط کر سکتے ہیں ضروری نہیں ہے کہ وہ ہمارے ذریعے ہی اس تک امداد پہنچائے۔

☆☆☆☆☆

تصنیف وتالیف کا شعبہ

کسی بھی مکتب کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے لئے تالیف وتصنیف کا کردار بنیادی کردار ہے اور اس کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی ہے اور آپ حضرات آگاہ ہیں کہ ہمارا علمی سرمایہ جو ہے وہ عربی زبان میں ہے اور پھر دوسری زبان جو ہے وہ فارسی ہے۔ اس کو عربی اور فارسی سے اردو زبان میں منتقل کرنا یا انگلش میں منتقل کرنا اس کے لئے ظاہر ہے کافی محنت ومشقت کی ضرورت ہے اور اس کیلئے باقاعدہ فنڈ کی بھی ضرورت ہے۔

یہ سلسلہ بھی الحمدللہ ہمارے ٹرسٹ کی طرف سے جاری وساری ہے اور یہ ایک منظم شعبہ ہے شریکۃ الحسینؑ پبلی کیشنز، المصطفیٰؐ پبلی کیشنز، ایلیاء پبلی کیشنز کے تحت ہم مفید کتابیں شائع کر رہے ہیں اور تحقیقی کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے اور اس کے لئے باقاعدہ ایک ٹیم ہے جو کام کر رہی ہے۔ جو لوگ اپنے مرحومین کے ایصال ثواب کے لئے کسی موضوع پر کوئی کتاب چھاپنا چاہیں تو ہم اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔

اس شعبے کو مضبوط کرنے کے لئے بھی آپ کے تعاون کی اشد ضرورت ہے۔ اب تک ہم بیسیوں کتابیں شائع کر چکے ہیں جن میں تقریباً ہر موضوع پر کتب موجود ہیں اور اسی شعبے کے تحت مترجم قرآن کی اشاعت بھی کی گئی ہے اور ہماری کوشش ہے کہ جتنے بھی دینی مدارس ہیں اور مساجد ہیں طلباء کو اور آئمہ جمعہ وجماعت کو مترجم قرآن بطور ہدیہ مہیا کیا جائے تو کوئی بھی اہل خیر اپنے مرحومین کے ثواب کے لئے مترجم قرآن خرید کر یا قرآن کریم کی اشاعت کے سلسلے میں تعاون کر کے کر سکتا ہے۔ ہمارے پاس مترجم قرآن کی قیمت پانچ سو روپے ہے اس کے علاوہ کوئی بھی مترجم قرآن خرید کر ہمیں پہنچایا جا سکتا ہے تا کہ اس کو ضرورت کی جگہوں پر بھیجا جا سکے۔

Altimad 1color 20.25x27.75

"سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ"

اس ذکر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تم کو پیری کی ناتوانی، نظر کی کمزوری، دیوانگی، جذام، غربت اور پیری کی ناتوانی سے محفوظ رکھے گا انشاء اللہ۔

لاحول ولاقوۃ الا باللہ...... گراں قدر الٰہی عطیہ

تحقیق...... ابن نواب کاشانی

حاملان عرش ملائکہ کی دعا

منہاج البراعہ فی شرح نہج البلاغہ ج ۱۔۲ ص ۳۳۲ پر آیت اللہ سید حبیب اللہ خوئی قدس سرہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کے قوی ترین چار ملائکہ جو حاملان عرش ہیں وہ ہر وقت اس دعا کو پڑھتے ہیں "بسم الله الرحمن الرحیم لاحول ولا قوة الا بالله العلی العظیم وصلی الله علی محمد وآله الطاهرین"

اللہ تعالیٰ کی پناہ نصیب ہو جاتی ہے

شیخ صدوق علیہ الرحمہ اپنی اسناد سے ثواب الاعمال مترجم ص ۳۳۹ پر لکھتے ہیں کہ حضرت پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ "جو شخص گھر سے نکلتے وقت "بسم الله" کہے گا تو دو فرشتے کہیں گے تجھے ہدایت نصیب ہوئی اگر وہ کہے "لاحول ولا قوة الا بالله" تو ملائکہ کہتے ہیں کہ تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے"۔

اس کے پڑھنے سے انسان کا کلام قابل قدر ہو جاتا ہے

شیخ صدوق معانی الاخبار مترجم طبع کراچی کے ص ۱۸۳ پر اپنی اسناد کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ "جو کنز الحدیث یعنی "اپنی باتوں کو قابل بنانا" چاہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ کہے "لاحول ولاقوة الا بالله" (اللہ کے سوا کوئی طاقت اور قوت نہیں)

رزق کی وسعت کے لئے

حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جو کوئی "لاحول ولا قوة الا بالله العلی العظیم" کا بہت زیادہ ذکر کرے گا تو اس کو اللہ تعالیٰ بہت زیادہ رزق عطا فرمائے گا"۔ (چشمہ رستگارے طبع قم ص ۴۱)

حضرت پیغمبر اکرمؐ کی حضرت ابوذرؓ کو وصیت

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت رسول اللہؐ نے وصیت فرمائی کہ "اپنے سے پست پر نگاہ ڈالو اپنے سے بلند پر نگاہ نہ ڈالو اور مساکین کے ساتھ محبت کرو سچ بولو اگر تلخ ہی کیوں نہ ہو اور "لاحول ولاقوة الا بالله العلی العظیم" زیادہ پڑھنے کی تاکید کی اور فرمایا کہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ (ہدیۃ الشیعہ ص ۳۱۲)

حضرت رسول اللہؐ دعا تعلیم فرماتے ہیں

سید الانبیاؐ کا ارشاد ہے کہ "جو شخص نماز عشاء کے بعد ایک سو (۱۰۰) مرتبہ مندرجہ ذیل دعا پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اسے تین چیزیں عطا فرمائے گا۔

۱۔ اس کے نامہ اعمال میں دس ہزار نیکی لکھے گا۔

۲۔ اس کے دس ہزار گناہ مٹا دے گا۔

۳۔ جنت میں اس کے لئے لولو اور زبرجد کے پانچ لاکھ محلات بنائے گا۔

دعا یہ ہے "سبحان الله والحمدلله ولا اله الا الله والله اکبر، ولاحول ولا قوة الا بالله العلی العظیم"

ہر قسم کا رنج والم دور کرنے کے لئے

عیون اخبار الرضا ج ۲ ص ۱۱۱ میں شیخ صدوقؒ اپنی اسناد سے حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "جس پر اللہ تعالیٰ کوئی نعمت نازل کرے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی چاہیے اور جس کے رزق میں تاخیر ہو تو اسے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنی چاہیے اور جو کوئی کسی معاملے کی وجہ سے غمگین ہو تو اسے "لاحول ولا قوة الا بالله" پڑھنا چاہیے"۔

حضرت امیر المومنینؑ "لاحول ولا" کے معنی بیان فرماتے ہیں

نہج البلاغہ حکمت ۴۰۴ میں حضرت علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام سے "لاحول ولا قوة الا بالله" کے معنی پوچھے گئے تو آپؑ نے فرمایا کہ "ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کے مالک نہیں اس نے جن چیزوں کا ہمیں مالک بنایا ہے پس ہم انہیں پر اختیار رکھتے ہیں تو جب اس نے ہمیں ایسی چیز کا مالک بنایا جس پر وہ ہم سے زیادہ اختیار رکھتا ہے تو ہم پر شرعی ذمہ داریاں عائد کیں اور جب اس چیز کو واپس لے لے گا تو ہم سے اس ذمہ داری کو بھی برطرف کر دے گا"۔

روزِ عاشور حضرت امام حسینؑ کا "لاحول ولا" بار بار فرمانا

بحار الانوار ج ۲ مترجم ص ۲۷۳ پر علامہ مجلسیؒ سید ابن طاؤس کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ راوی نے لکھا ہے اللہ کی قسم! ہم نے امام حسینؑ سے زیادہ کسی کو شجاع اور دلیر نہیں پایا کہ باوجود ایسے

عظیم صدمات اور اصحاب و انصار وفادار اور اولاد و اقرباء کی قربانیوں کے کمال مطمئن تھے جب اشقیاء پر یک دم حملہ کرتے تھے تو وہ نامراد اس طرح بھاگتے تھے جیسے شیر سے بکریاں بھاگتی ہیں ہر حملے کے بعد امام حسینؑ ایک لمحہ توقف کرتے تھے اور فرماتے تھے "لاحول ولا قوۃ الا باللہ"

حضرت سید الشہداءؑ کے سر اطہر کا خطاب فرمانا

بحار الانوار ج ۲ مترجم ص ۲۳۱ پر علامہ باقر مجلسیؒ لکھتے ہیں دمشق میں یہ قول مبارک امام حسینؑ کے سر اطہر سے سنا گیا "لا قوۃ الا باللہ"

حضرت امام سید الساجدینؑ، تدفین شہداء کے وقت فرماتے ہیں

عبدالرزاق المقرم مقتل الحسین میں لکھتے ہیں کہ قبیلہ بنی اسد کے لوگ شہدائے کربلا کو دفن کرنے میں حیران و پریشان تھے کہ حضرت علی ابن الحسینؑ باعجاز امامت مقتل گاہ میں تشریف لائے امام سید الساجدین علیہ السلام نے شہداء کی لاشوں کی شناخت کرائی اس کے بعد اپنے پدر گرامی حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی لاش اطہر پر پہنچے لاش کو گلے لگایا پھر قبر کے مقام سے تھوڑی سی خاک ہٹائی تو وہاں ایک تیار کھدی کھدائی قبر تیار تھی امام سید الساجدینؑ نے نماز جنازہ پڑھنے کے بعد تنہا والد ماجد سید الشہداءؑ کو قبر میں اتارا اور ساتھ آپؑ اپنی زبان طاہر سے یہ مبارک و مقدس کلمات ادا فرما رہے تھے۔ "بسم اللہ و فی سبیل اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ صدق اللہ و رسولہ ماشاء اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اسم اعظم بیان فرماتے ہیں

بصائر الدرجات کے حوالے سے "اسماء الحسنیٰ" طبع قم ص ۱۵۱ پر نقل ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کے تہتر اسم اعظم ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہتر اسم اعظم عطا کر رکھے ہیں ان میں سے ایک اسم اعظم یہ ہے "لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم"

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں

علامہ حلی نے عدۃ الداعی ص ۲۲۲۔۲۲۳ پر یہ دعا نقل کی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"شیبہ ہذلیؓ حضرت پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں پہنچے اور عرض گزار ہوئے کہ میں حد سے زیادہ بوڑھا ہو چکا ہوں اب کسی کام کی طاقت نہیں رہی اب تک واجبات بجالاتا رہا آپؐ مجھے کوئی ایسا ذکر تعلیم فرمائیں جو آسان بھی ہو اور مجھے ثواب بھی ملتا رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکے سوال کو اس سے تین مرتبہ دہرایا تو آپؐ نے فرمایا کہ ارد گرد کا ہر درخت اور پتھر تمہاری بے چارگی پر ترس کھا کر رو رہا ہے شیبہ ہذلی! نماز فجر پڑھ لیا کرو اور کہا کرو

"سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ"

اس ذکر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تم کو بیری کی ناتوانی، نظر کی کمزوری، دیوانگی، جذام، غربت اور پیری کی ناتوانی سے محفوظ رکھے گا انشاء اللہ۔

انگوٹھی پر ماشاء اللہ لکھنے کا ثواب

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "جو شخص اپنی انگوٹھی پر "ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ استغفر اللہ" لکھے تو وہ برباد کرنے والے فقر و فاقہ سے محفوظ رہے گا"۔ (ثواب الاعمال شیخ صدوق ص ۳۸۷)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں

مندرجہ بالا حوالے سے ہی امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "جو شخص مندرجہ ذیل دعا پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اسے ستر (۷۰) بلاؤں سے دور رکھے گا ان میں سب سے کم ترین گھٹ کر مرنا ہے دعا یہ ہے "لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"

دعا کی قبولیت کی سند

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "دعا کرنے کے بعد کہا کرو "ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"

جس وقت بندہ اپنی دعا کو اس طرح تمام کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ ملائکہ سے یوں فرماتا ہے "اے ملائکہ! میرے بندے نے دنیا سے رشتہ توڑ کر اپنے آپ کو میرے حوالے کر دیا ہے لہٰذا اس کی ہر بات کو پورا کرو"۔

رزق کے بند دروازے کھل جاتے ہیں

یہ عمل محسن کاشانی کا ہے وہ اپنی اسناد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص چالیس یوم تک ایک وقت مقرر کر کے روزانہ ایک ہی نشست میں ایک ہزار چھیالیس (۱۰۴۶) مرتبہ یہ پڑھے تو اس کو رزق کی تنگی نہ آئے گی اور اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دے گا عمل یہ ہے "ماشاء اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ" (زاد الصالحین ج ۵ ص ۲۱۶)

ستر مصیبتیں دور ہوتی ہیں

نسیم بہشت ترجمہ ثواب الاعمال از شیخ صدوقؒ کے ص ۳۴۹ پر نقل ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ جو شخص ہر روز "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کہے گا تو اس سے اللہ تعالیٰ ستر (۷۰) مصیبتیں دور کرے گا کہ جن میں سب سے چھوٹی مصیبت پڑھنے والے سے غم و حزن کا دور ہونا ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی انگوٹھی کا نقش مبارک

الکافی ج ۶ ص ۴۷۳ پر یہ روایت نقل ہے کہ یونس کا بیان ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے خود مجھ سے فرمایا کہ میری انگوٹھی کے نگینہ پر "ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ" کندہ ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام عمل تعلیم فرماتے ہیں

ایک عمل امام علی رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ "یہ عمل نماز فجر اور نماز مغرب کے بعد ۱۰۰، ۱۰۰ مرتبہ ہر نماز کے بعد بغیر کسی سے کلام کئے اور بغیر زانو بدلے پڑھیں تو فقر و تنگدستی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے اور گناہ بھی معاف ہوں ہم خرمہ و ہم ثواب والی بات ہے عمل درج ذیل ہے۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم و لاحول و لاقوۃ الا باللہ العلی العظیم"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"مندرجہ ذیل اسم مبارک کو ایک وقت مقرر کر کے چالیس دن تک پڑھیں جس وقت سے پہلے دن شروع چالیس دن وہی وقت ہو اس عمل میں ایک وقت کی پابندی لازمی ہے لیکن ایک جگہ کی پابندی لازمی نہیں ہے یہ عمل محسن کاشانی نے تحریر کیا ہے اول و آخر درود پاک سو (۱۰۰) مرتبہ پڑھیں ناغہ نہ ہو چالیس دن کے بعد اسے ایک سو دس (۱۱۰) مرتبہ پڑھیں ناغہ نہ ہو چالیس دن کے بعد اسے ایک سو دس (۱۱۰) مرتبہ روزانہ نماز فجر کے بعد پڑھیں اس دعا کی تعداد ایک ہزار چھیالیس (۱۰۴۶) مرتبہ ہے اور اسے ایک ہی نشست میں پڑھنا ضروری ہے اللہ تعالیٰ معصومینؑ کے صدقے میں غیب سے رزق عطا فرمائے گا عمل مبارک یہ ہے "ماشاء اللہ لاحول و لاقوۃ الا باللہ"

یہ پڑھنے سے انسان کے معاملات اللہ کے سپرد ہوتے ہیں

حضرت امام علی رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"جو شخص ہر روز نماز فجر کے بعد سو مرتبہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم لاحول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم" کو پڑھے گا اس کے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوتے ہیں اور اسے کسی قسم کا دنیاوی نقصان نہیں پہنچتا نیز اللہ تعالیٰ اس کی آخرت بخیر فرماتا ہے۔ (زاد الصالحین)

حضرت صاحب الزمان علیہ السلام کا توقیع مبارک میں "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" تحریر کرنا

اکمال الدین ج ۲ باب ۴۵ میں شیخ صدوقؒ امام زمانہ (عج) کی ایک توقیع مبارک کو اپنی اسناد سے تحریر کرتے ہیں کہ حضرت صاحب الزمان (عج) نے اپنے وکیل علی بن محمد سمری کو ان کے انتقال سے چند روز پہلے توقیع مبارک روانہ کی جس میں تحریر تھا:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم"

اے علی بن محمد سمری! اللہ تعالیٰ تمہارے انتقال پر تمہارے بھائیوں کو صبر کرنے پر اجر عظیم عطا کرے اب سے چھ دن بعد تمہارا انتقال ہو جائے گا لہٰذا اپنے امور کو مکمل کر لو اور آئندہ کے لئے اپنا وصی کسی کو مقرر نہ کرنا جو تمہاری وفات کے بعد تمہارا قائم مقام ہو اس لئے کہ میری غیبت تامہ واقع ہو چکی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گا تو اسی وقت میرا ظہور ہو گا اور یہ ایک طویل مدت کے بعد ہو گا اس عرصے میں لوگوں کے دل سخت ہو جائیں گے زمین ظلم و جور سے بھر جائے گی ہمارے شیعوں میں سے کچھ ایسے ہوں گے جو مجھے دیکھنے کا دعویٰ کریں گے مگر جو خروج سفیانی اور صدائے آسمانی کے پیدا ہونے سے قبل مجھے دیکھنے کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا اور مفتری ہے۔

"ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم"

استاد آیت اللہ عبدالکریم رضوی کشمیری کے مجربات

ہزار و یک ختم طبع قم ص ۱۱۹ پر آیت اللہ عبدالکریم رضوی کشمیری نے دو مندرجہ ذیل اعمال تعلیم دیئے ہیں۔

☆ انسان اپنی خیر و عافیت صحت و سلامتی اور ستر (۷۰) مصائب کے دور کرنے کے لئے "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" روزانہ سو (۱۰۰) مرتبہ پڑھے۔

☆ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس عمل کو رائج فرمایا ہے جو کوئی غربت و تنگدستی کا شکار ہو وہ روزانہ تیس (۳۰) مرتبہ "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" پڑھے اللہ تعالیٰ اسے بے بہا مال عطا فرمائے گا۔

☆☆......☆......☆☆

جدول ایام هفته سعد ونحس

بروز جمعہ تمام دنوں کا سردار ہے مبارک ہے واسطے تزویج اور نکاح کے نماز جمعہ سے قبل سفر کرنا مکروہ ہے ساعت اول میں بعد نماز صبح ۲۵۶ مرتبہ "یا نُوْرُ" پڑھے تو چشم خلائق میں عزیز ہو گا اگر کوئی چیز گم ہو جائے تو بوقت شب دو رکعت نماز پڑھ کر "یا نُوْرُ" ۲۵۶ مرتبہ پڑھے تو ممکن ہے خواب میں معلوم ہو جائے کہ چور کون ہے۔

شنبہ (ہفتہ) سب کاموں کے واسطے خوب ہے خصوصاً سفر کیلئے بعد نماز صبح ۱۰۶۰ مرتبہ "یا غَنِیُّ" پڑھے تو بارگاہ خداوندی سے بے حد مال مرحمت ہو گا۔

یکشنبہ (اتوار) عمارت بنانے اور شادی کرنے کیلئے خوب ہے اکثر کاموں کیلئے میانہ ہے بعد نماز صبح ساعت اول میں "یا فَتَّاحُ" ۴۸۹ بار پڑھے تو فتح و نصرت حاصل ہو۔

دوشنبہ (پیر) نحس ترین یوم ہے کسی کام کیلئے مبارک نہیں ہے اگر ساعت اول میں نماز صبح کے بعد ۱۲۹ بار "یا لَطِیْفُ" پڑھے تو باری تعالیٰ اپنی رحمت سے مال عطا فرمائے گا۔

سہ شنبہ (منگل) میانہ ہے اکثر کاموں کے واسطے سفر کیلئے خوب ہے اس روز نیا لباس پہننا خوب ہے حاجت طلب کرنے کیلئے خوب ہے اگر ساعت اول میں بعد نماز صبح ۹۰۳ بار "یا قَادِرُ" پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عطا فرمائے گا جس کی خواہش ہو گی۔

چہار شنبہ (بدھ) اکثر کاموں کے واسطے شائستہ نہیں ہے تعمیر مکان کے لئے نیک ہے بعد نماز صبح ساعت اول میں اگر "یا مُتَعَالُ" ۵۴۱ بار پڑھے تو عزت دنیا و آخرت حاصل ہو۔

پنجشنبہ (جمعرات) مبارک ہے سب کاموں کیلئے خوب ہے خصوصاً طلب حاجت اور سفر کے واسطے گر ساعت اول میں بعد نماز فجر "یا رَزَّاقُ" ۳۰۸ مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ بے حد مال عطا فرمائے گا۔

پیشکش و انتخاب...... سیدہ ذریت بتول نقوی ایم اے

جابر نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا یہ روشن ستارے جو مسلسل متحرک ہیں اور ان میں بعض کو ہم معین فاصلوں تک دیکھتے ہیں یہ کیا ہیں اور کیوں؟ حتیٰ کہ ایک دن کیلئے ہی سہی، رکتے نہیں؟ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا آسمان کا ہر ستارہ ایک دنیا ہے اور ان سب ستاروں کے مجموعے سے ایک بڑا جہان تشکیل پاتا ہے۔

ستاروں کی دائمی حرکت اس لئے ہے تاکہ یہ سقوط نہ کریں اور گر نہ پڑیں اور دنیا کا ڈسپلن ختم نہ ہو جائے اور یہ حرکت وہی حرکت ہے، جس سے زندگی وجود میں آتی ہے یا یہ کہ خود حرکت زندگی ہے اور جب حرکت رک جاتی ہے تو زندگی ختم ہو جاتی ہے لیکن خداوند تعالیٰ نے اس طرح ترتیب دیا ہے کہ حرکت کسی وقت بھی نہیں رکتی یہ ہمیشہ زندہ رہتی ہے اور زندگی کی بقاء بھی مخلوقات کے فائدے میں ہے جو خداوند تعالیٰ کے کرم ہی سے جاری و ساری رہتی ہے۔

خداوند تعالیٰ بے نیاز ہے اسے اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ کائنات میں مسلسل حرکت ہوتی رہے اور اس کے نتیجے میں زندگی موجود رہے حرکت اور اس کے نتیجے میں زندگی ایک نعمت ہے جو خداوند تعالیٰ کی طرف سے مخلوقات کو عطاء کی گئی ہے اور جب تک خداوند تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے حرکت اور زندگی جاری رہے گی جابرؓ نے پوچھا خلا میں ستاروں کی شکل کیسی ہے؟ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے جواب دیا آسمان کے بعض ستارے جامد اجرام ہیں اور بعض دوسرے مائع اجرام ہیں اور آسمانی ستاروں کا ایک حصہ بخارات سے وجود میں آیا ہے۔

جابرؓ بن حیان نے تعجب سے پوچھا یہ بات کس طرح قبول کی جا سکتی ہے کہ آسمان کے ستارے بخارات سے وجود میں آئے ہوں؟ کیا یہ بات ممکن ہے کہ بخارات اس قدر چمکیلے ہوں جس طرح رات کو یہ ستارے چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں؟ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تمام ستارے بخارات سے تشکیل نہیں پاتے لیکن وہ ستارے جو بخارات سے تشکیل پاتے ہیں گرم ہیں اور ان کی زیادہ گرمی ان کی چمک کا سبب ہے اور میرا خیال ہے کہ سورج بھی بخارات سے بنا ہے۔ جابرؓ نے پوچھا ستاروں کی حرکت کیسے ان کے سکون میں مانع ہے؟ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے جواب دیا تم نے ایک چرخی کو جس میں پتھر ہو کبھی گھمایا ہے؟ جابرؓ نے مثبت جواب دیا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اظہار خیال کیا کیا چرخی کو گھمانے کے دوران اچانک ساکن کیا ہے؟

جابرؓ نے جواب دیا میں نے ساکن نہیں کیا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر پھر کبھی چرخی کو گھماؤ تو ایک مرتبہ اسے روکنا تاکہ پتہ چل سکے کہ کیا ہوتا ہے اور چرخی کے رکنے کے بعد وہ گر پڑتی ہے جو پتھر اس میں لگا ہوتا ہے وہ زمین پر گر پڑتا ہے اور یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ اگر ستارے مسلسل حرکت نہ کر رہے ہوں تو سقوط کر جائیں۔

جابرؓ نے کہا آپ نے فرمایا ہے کہ ستاروں میں سے ہر ایک ایک دنیا ہے؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے تصدیق فرمائی جابرؓ نے پوچھا کیا انسان ان جہانوں میں ہمارے جہان کی مانند موجود ہے؟ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا انسان کے بارے میں، میں تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس دنیا کے علاوہ دوسرے جہانوں میں بھی موجود ہے یا نہیں؟ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ دوسرے ستاروں میں مخلوقات موجود ہیں اور ان ستاروں کے دور ہونے کی بنا پر ہم ان مخلوقات کو نہیں دیکھ پا رہے۔

جابرؓ نے پوچھا آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ دوسرے ستاروں میں مخلوق موجود ہے؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے بقول کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں انسان کے ذکر کے ساتھ جن کا ذکر بھی کیا ہے اور جن ایسی مخلوق ہے جو دیکھی نہیں جا سکتی یعنی ہم انہیں نہیں دیکھ پاتے وگرنہ خداوند تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں وہ تمام مخلوقات کو دیکھتا ہے اور جن جو شاید دوسرے جہانوں میں رہ رہے ہوں وہ ہم انسانوں کی مانند ہوں یا برتر۔ جابرؓ نے پوچھا ہم سے برتر انسانوں سے آپ کی کیا مراد ہے؟ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا شاید وہ ایسے انسان ہیں جو ہماری جیسی دنیا میں زندگی گزارنے کے بعد بہتر دنیا میں منتقل ہو گئے ہیں اسی طرح جیسے اگر ہم نیکوکار ہوئے تو موت کے بعد اس دنیا سے اچھی دنیا میں منتقل ہوں گے۔

جابرؓ نے پوچھا اس طرح تو ہم موت کے بعد زندہ ہونے کے بعد ان ستاروں میں سے کسی ایک میں زندگی گزاریں گے جنہیں ہم راتوں کو دیکھتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا میں تمہیں نہیں بتا سکتا کہ موت کی نیند سے بیدار ہونے کے بعد ہماری جگہ کہاں ہوگی؟ اور شاید ہماری جگہ اس دنیا میں ہو جس میں ہم رہ رہے ہیں اور خدا کیلئے کچھ مشکل نہیں کہ وہ اسی دنیا میں نیکوکاروں کیلئے جنت اور گنہگاروں کیلئے دوزخ وجود میں لائے یا یہ کہ انسان کے موت سے بیدار ہونے کے بعد اسے دوسرے جہان میں جگہ دے۔

جابرؓ نے کہا کیا خداوند تعالیٰ کو علم ہے کہ موت سے بیدار ہونے کے بعد آئندہ ہمارا ٹھکانہ کہاں ہے؟ آیا یہ کہ ہمیں زندہ کرنے کے بعد فیصلہ کرے گا کہ کونسی جگہ میں نیکوکاروں کو اور کونسی جگہ گنہگاروں کیلئے مخصوص کرے؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے جواب دیا خداوند تعالیٰ ازلی اور ابدی ہے (یعنی نہ تو وجود میں آیا اور نہ اسکی انتہا ہے) وہ دانا اور توانائے مطلق ہے اس کیلئے ماضی اور مستقبل نہیں ہے جو کچھ گزر چکا ہے اور جو کچھ ہونا ہے اس پر واضح ہے (سپر برین آف اسلام سے ماخوذ)

اسلامی نقطہ نظر سے نیک و بد فال کی حیثیت

مرتب...... پروفیسر سیدہ انوار فاطمہ

تفسیر نمونہ ج ۶ ص ۴۲۷ تا ۴۲۷ پر یہ روایات درج ہیں۔

مختلف موقعوں میں فال نیک و بد کا رواج شاید پہلے سے چلا آ رہا ہے لوگ کچھ چیزوں سے "فال نیک" لیا کرتے تھے اور ان کو اپنی فتحیابی اور کامیابی کی دلیل خیال کرتے تھے اور کچھ چیزوں کو "فال بد" سمجھتے تھے اور ان کو اپنی شکست کی دلیل سمجھتے تھے حالانکہ کامیابی یا ناکامی کو ان چیزوں سے دور کا لگاؤ بھی نہ تھا خصوصاً فال بد میں تو سراسر خرافاتی پہلو اور حد درجہ کی نامعقولیت تھی اور اب بھی ہے۔

ان دونوں طرح کی فالوں کا اگرچہ کوئی اثر طبیعی (Natural Result) حقیقت میں نہیں ہوتا لیکن بلاشبہ ان کا نفسیاتی اثر مرتب ہو سکتا ہے فال نیک بالعموم پرامید بناتی ہے اور سرگرم عمل ہونے کا سبب بنتی ہے جبکہ "فال بد" ناامیدی، سستی اور توانائی پیدا کر سکتی ہے۔

حضرت نبی اکرمؐ نے فال نیک سے کام کرنے کا کہا ہے

شاید یہی وجہ ہے کہ روایات اسلامی میں فال نیک سے نہیں روکا گیا ہے لیکن "فال بد" سے شدت سے منع کیا گیا ہے پیغمبر اکرم کی ایک مشہور حدیث ہے جس میں آپؐ نے فرمایا: "تفالوا بالخیر تجدوہ" کاموں میں فال نیک سے کام لیا کرو (اور پُر امید رہو) تاکہ مقصد تک پہنچ جاؤ۔

صلح حدیبیہ میں نیک فال لینا

اس میں اس کا اثباتی پہلو نمایاں ہے بلکہ خود پیغمبر اسلامؐ اور پیشوایان عالی مقام علیہم السلام کے واقعات میں ہے کہ وہ بعض اوقات مسائل میں فال نیک سے کام لیا کرتے تھے مثلاً جب مسلمان واقعہ حدیبیہ میں کفارِ مکہ کے سامنے آئے تو اس میں سہیل بن عمرو کفار کا نمائندہ بن کر پیغمبر اسلامؐ کے پاس آیا اور حضرتؐ سے کسی نے کہا کہ سہیل آیا ہے تو آپؐ نے فوراً فرمایا: "قد سھل علیکم وامرکم" یعنی اس کا نام "سہیل" سے میں یہ فال لیتا ہوں کہ تمہارے اوپر یہ کام سہل و آسان ہو جائے گا" (المیزان ج ۱۹ ص ۸۶)

مشہور تاریخ نویس "دمیری" جو آٹھویں صدی کا مورخ ہے وہ بھی اپنی ایک کتاب میں اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتا ہے: پیغمبر اسلامؐ فال نیک کو اس لئے پسند فرماتے تھے کہ انسان جب بھی فضل الٰہی کا امیدوار ہوگا تو نیکی کی راہ میں اپنے قدم آگے بڑھائے گا اور جب اس سے اپنی امید کو توڑ لے گا تو شر کے راستے پر چل پڑے گا فال بد لینا سبب ہے سوئے ظن، انتظار بلا اور امید بدبختی کا (سفینۃ البحار ج ۲ ص ۱۰۲) بہرحال ان وجوہ کی بنا پر "فال بد" جس کو عرب "تطیّر" اور "طیرۃ" کہتے تھے جیسا کہ سابقاً اشارہ ہوا ہے روایات اسلامی میں انکی شدید مذمت کی گئی ہے قرآن مجید میں بھی بہ تکرار اس مطلب کا ذکر آیا ہے اور اس کی مذمت کی گئی ہے (سورہ یٰسین ۱۹، نمل ۴۷، اعتراف)

فال بد نکالنا شرک ہے

ایک حدیث پیغمبر اسلام کی یہ ہے آپؐ نے فرمایا: "الطیرۃ شرک" فال بد نکالنا (اور اس کو انسانی تقدیر میں موثر جاننا) ایک طرح کا شرک ہے (المیزان)

فال بد سے اثر نہ ہو تو کچھ اثر مرتب نہ ہوگا

یہ بھی ہے کہ اگر فال بد کا بُرا اثر مرتب ہو بھی، تو یہ اسی نفسیاتی کشمکش کا نتیجہ ہے جو فال لیتے وقت پیدا ہوئی ہے امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔ فال بد کا اثر اسی قدر ہے جتنا تم قبول کرو اگر اس کو سبک سمجھو تو اس کا اثر بھی سبک و آسان ہوگا اور اگر اس کو سخت سمجھو تو نتیجہ بھی سخت نکلے گا اور اگر اس کی طرف اعتنا نہ کرو اور اس کی پرواہ نہ کرو تو اس کا کوئی اثر برآمد نہ ہوگا (المیزان)

فال بد کی پرواہ نہ کی جائے

اسلامی روایات میں رسول اللہؐ سے نقل ہوا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "فال بد" سے مقابلے کا طریقہ ہے کہ اس کی پرواہ نہ کی جائے۔ نیز آنحضرتؐ سے منقول ہے کہ فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے کوئی شخص محفوظ نہیں ہے (ان تین چیزوں کی وجہ سے عام لوگوں کے دلوں میں یہ وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے) فال بد، حسد اور بدگمانی، لوگوں نے پوچھا تو پھر ہم کیا کریں؟ فرمایا جب فال بد کا سامنا ہو تو اس کی پرواہ نہ کرو اور اپنا کام کر گزرو اور جب دل میں حسد پیدا ہو تو اس کو عملی طور سے بجا نہ لاؤ اور جب کسی سے بدگمانی ہو تو تحقیق نہ کرو۔ عجیب بات یہ ہے کہ فال بد اور فال نیک کا رواج ترقی یافتہ اور صنعتی ملکوں میں بھی پایا جاتا ہے اور مشہور و معروف تاریخی شخصیتوں میں یہ بھی عادت موجود تھی جیسے مغربی ممالک میں ان چیزوں سے فال بد لی جاتی ہے کسی سیڑھی کے نیچے سے گزرنا، نمکدان گر جانا، چاقو کا ہدیہ دینا۔ البتہ فال نیک کا مسئلہ کوئی اتنا اہم مسئلہ نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ ہم نے کہا اکثر اس کا اثر مثبت نکلتا ہے لیکن فال بد کے رسم و رواج سے ہمیشہ مقابلہ کرنا چاہیے اور اس بُری رسم کو لوگوں کے ذہنوں سے خارج کرنا چاہیے اس مقابلے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ روح ایمان کی تقویت کی جائے دلوں میں خدا پر توکل و اعتماد پیدا کی جائے یہی روایات اسلامی میں بھی وارد ہوا ہے۔

حروف ابجد

کے اسرار و رموز

الف سے مراد اللہ کی نعمتیں ہیں

ب سے مراد بھجة اللــہ (اللہ کی خوشی و سرور)

جیم سے جمال اللہ مراد ہے

انتخاب و ترتیب...... سید اقبال زہرہ نقوی (پکی شاہ مردان)

شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے "التوحید" حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے حروفِ ابجد کی تفسیر نقل کی ہے وہ آپ کی نذر کر رہے ہیں۔

چونکہ روزمرہ زندگی میں جدول اعداد قمری اور شمسی سے ہمارا واسطہ رہتا ہے اور اس سے ہم بروج نکالنے کے لئے حساب کرتے ہیں تو اعداد کے انہی جدول سے کرتے ہیں۔ علم الاعداد کے اساتذہ میں سے ابراہیم کفعمی نے تقریباً چوبیس کے لگ بھگ جدول کی اقسال لکھی ہیں اللہ نے توفیق و سلامت رکھی تو انشاءاللہ ہم ایسے ہی تحقیقی مقالے آپ کی خدمت میں پیش کرتے رہیں گے۔ (انشاءاللہ)

شیخ صدوق علیہ الرحمہ اپنی اسناد سے لکھتے ہیں

جدول اعداد قمری

ا	ب	ج	د	ه	و	ز
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
ح	ط	ی	ک	ل	م	ن
۸	۹	۱۰	۲۰	۳۰	۴۰	۵۰
س	ع	ف	ص	ق	ر	ش
۶۰	۷۰	۸۰	۹۰	۱۰۰	۲۰۰	۳۰۰
ت	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
۴۰۰	۵۰۰	۶۰۰	۷۰۰	۸۰۰	۹۰۰	۱۰۰۰

ابوالجارود زیاد بن منذر نے، اس نے ابوجعفر محمد بن علی الباقر (امام محمد باقر) علیہم السلام سے بیان کیا، انہوں نے فرمایا کہ جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پیدا ہوئے تو وہ ایک دن کے ایسے معلوم ہوتے تھے کہ دو مہینوں کے ہوں، جب وہ سات مہینے کے ہوئے تو ان کی والدہ ان کا ہاتھ پکڑ کر مکتب میں لائیں اور ان کو استاد مکتب کے سامنے بٹھا دیا۔ استاد نے ان سے کہا کہ "بسم الله الرحمن الرحيم" پڑھو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بسم اللہ پڑھی پھر استاد نے ان سے ابجد کہنے کے لئے کہا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سر اٹھا کر استاد سے کہا کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ ابجد کیا ہے؟ تو اس نے اپنا درہ (ڈنڈا) بلند کیا کہ ان کو مارے۔ حضرت عیسیٰ کہنے لگے کہ اے استاد تم مجھ کو سزا نہ دو اگر تم کو ابجد کا علم ہو ورنہ تم مجھ سے دریافت کرو میں اس کی وضاحت کردوں گا وہ کہنے لگا کہ اچھا تم اس کی تشریح کرو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ "الف" سے مراد اللہ کی نعمتیں ہیں "ب" سے مراد بھجة اللــہ (اللہ کی خوشی و سرور) ہے "جیم" سے جمال اللہ مراد ہے۔ "دال" سے دین اللہ ہے۔

(ھوز) ھا سے جہنم کا خوف، "واؤ" سے اہل جہنم کی ہلاکت اور "ز" سے جہنم کی بے ہنگم آواز ہے۔

(حطی) استغفار کرنے والوں کی خطاؤں کو معاف کر دینا۔

(کلمن) اللہ کا کلام جس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں۔

(سعفص) پیمانہ کے بدلہ میں پیمانہ اور جزاء کے بدلہ میں جزاء۔

(قرشت) لوگوں کو مختلف سمتوں سے جمع کیا اور محشور کیا۔ تو استاد نے کہا کہ اے خاتون! تم اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑو اور اس کو علم ہے اس کو کسی استاد کی ضرورت نہیں۔

اصبغ بن نباتہ سے بیان ہے کہ اس نے کہا کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک صحابی نے رسول اللہؐ سے ابجد کی تفسیر کے بارے میں دریافت کیا، آپؐ نے فرمایا کہ ابجد کی تفسیر کا علم حاصل کرو کیونکہ اس میں تمام حیرت انگیز باتیں موجود ہیں۔ اس عالم کی ہلاکت کا سبب ہے۔ جو اس کی تفسیر سے بے خبر اور جاہل رہا۔ تو رسول اللہؐ سے عرض کیا گیا کہ ابجد کی تفسیر کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ "الف" سے اللہ کی نعمتیں مراد ہیں اور اس کے اسماء کے حروف میں سے ایک حرف "باء" سے بھجة الله (اللہ کی خوشی) مراد ہے "جیم" سے اللہ کی جنت اور جلال و جمال الٰہی مراد ہے "دال" سے اللہ کا دین مقصود ہے۔ (ھوز) ھا، ھاویہ (جہنم) کی ھاء ہے تو ہلاکت دیتا ہی ہے اس شخص کے لئے جو جہنم کی آگ میں گرے الواؤ، اہل جہنم کے لئے ہلاکت ہے۔ "ز" سے گوشہ جہنم مراد ہے پس ہم اللہ سے اس گوشہ یعنی جہنم کے گوشوں سے پناہ مانگتے ہیں لیکن (حطی) کی حاء سے مراد شب قدر میں استغفار کرنے والوں کی خطاؤں کو معاف کرنا ہے اور جو کچھ جبرئیل ملائکہ کے ساتھ طلوع فجر تک لے کر نازل ہوئے "ط" سے ان کے لئے خیر و سعادت ہے اور وہ اچھا مرجع ہے۔ اور طوبیٰ ایک درخت ہے جس کو اللہ نے لگایا اور اپنی روح میں سے اس کے اندر پھونکا اور اس کی شاخیں جنت کی فصیل سے دیکھی جا سکتی ہیں۔ اس میں سنہرے، سفید و شفاف پھل اگتے ہیں جوان کے منہ سے قریب ہوتے ہیں۔ "یاء" سے مراد خدا کا ہاتھ اپنی مخلوق کے اوپر ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات اس سے بلند و بالا ہے جس سے وہ شرک کرتے ہیں۔

(بقیہ...... صفحہ نمبر 49 کالم نمبر ۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

کپڑوں کی تقسیم

اپنے بچوں کے لئے انسان پانچ پانچ دس دس جوڑے تیار کرواتا ہے اور ہر عید پر بھی نئے کپڑے خریدتا ہے لیکن غریبوں کے لئے پرانے کپڑے بھی دھو کر پہننا مشکل ہو جاتا ہے اور ایک ہی لباس ہوتا ہے عید کی خوشیوں میں ان کو بھی شریک کرنے کے لئے اپنے بچوں کے لئے کم لے لیں اور ایک جوڑا غریب کے بچوں کے لئے دے دیں تو اس کا اتنا بڑا اجر و ثواب ہے کہ یہ ہر دوسرے عمل سے زیادہ اجر رکھتا ہے اور خداوند تبارک و تعالیٰ اس کا بدلہ اس دنیا میں بھی دے گا اور آخرت میں بھی دے گا جب خدا فرماتا ہے کون ہے جو اللہ کو قرض دے۔ یہ اس کی کریمی ہے کہ خود ہی سب کچھ دیا ہے اور پھر فرماتا ہے کہ مجھے قرض دو یعنی قرض وہ جو مانگ رہا ہوتا ہے وہ انہی اپنے غریبوں، فقیروں اور مسکینوں کے لئے مانگ رہا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر غریب اور مسکین کا حق امیر کے مال میں رکھ دیا ہے۔

حدیث قدسی ہے کہ "مال تو میرا مال ہے، جس کو بھی میں نے دیا ہے، جن کے قبضے میں یہ میرا مال ہے یہ اس مال پر امین ہیں اور یہ جو تنگ دست فقراء ہیں اپنا خرچہ پورا نہیں کر سکتے یہ میرے عیال ہیں جو میرے دیئے ہوئے مال سے میرے عیال پر (یعنی غور کریں خداوند کریم غرباء اور فقراء کو اپنے عیال قرار دے رہا ہے) خرچ کرے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس مال میں سے غریبوں کا حق رکھا ہوا ہے ایک قسم کا حق فرض ہے جیسے خمس اور زکوٰۃ کی شکل میں اور دوسری صورت یہ ہے کہ جب انسان خود نذر نیاز اور منت وغیرہ مان کر خرچ کرتا ہے۔ ردمظالم یعنی جو کسی کے ساتھ زیادتیاں کی ہیں ان کا ازالہ کرنے کے لئے مال خرچ کرنا۔

دوسرا یہ ہے کہ جب آپ واجبات ادا کر دیتے ہیں اور باقی جو آپ کا اپنا ذاتی مال بچتا ہے تو اس میں سے بھی خدا چاہتا ہے کہ تم اپنے مال سے بھی خرچ کرو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب تم میرے نام پر خرچ کرو گے تو میں تمہیں اس کا دس گنا دوں گا ویسے بھی سب کچھ تو خدا کا ہی دیا ہوا ہے اب اگر تم اللہ کے غریب بندوں کے لئے خرچ نہیں کرو گے اپنے لئے تو تم دس دس جوڑے بناؤ اور غریبوں کے لئے ایک جوڑا بھی نہ دو تو اللہ فرماتا ہے کہ مجھے تمہاری یہ نمازیں اور روزے قبول نہیں ہیں مجھے تو وہ بندہ زیادہ پسند ہے جو میرے بندوں سے محبت کرتا ہے اور ایثار اور قربانی کا جذبہ اس میں ہے وہ مجھے پسند ہے۔

تو لہٰذا اللہ فرماتا ہے کہ میرے عیال پر خرچ کرو اگر نہیں کرو گے تو خدا فرماتا ہے کہ میں تمہیں آتش جہنم میں ڈالوں گا یہ تو آخرت کا عذاب ہے اس کے علاوہ دنیا میں بھی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے طے شدہ اصولوں کے مطابق اللہ کے دیئے ہوئے مال کو خرچ نہیں کرتے تو اسی دنیا میں وہ بھی تنگ دست ہو جاتے جب ان کی ایک نسل کے بعد دوسری تیسری نسل آتی ہے تو وہ بھی انہی فقراء میں کھڑے ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ انہوں نے مال کو اس طرح خرچ نہیں کیا ہوتا جس طرح خداوند تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہوتا ہے۔

تو یہ ہمارے کاموں میں ایک اہم کام ہے جو ہم غریبوں، بیوگان، یتیموں، مساکین اور ضرورت مندوں کے لئے ہزاروں میٹر کپڑا تقسیم کرتے ہیں اس میں آپ بھی حصہ ملائیں جتنا بھی آپ سے ہو سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

قربانی کے جانور

بہت سارے لوگ ہیں جو قربانی نہیں کر سکتے اور شہروں میں لوگ قربانی کرتے ہیں اور گوشت کو خشک کر کے بچا بچا کر اور فریجوں میں بھر بھر کر رکھتے ہیں لیکن خاص کر دیہاتوں میں جو بیچارے غریب لوگ رہتے ہیں ان کے عید قربان کے روز بھی گوشت نصیب نہیں ہوتا۔

اس کے لئے ہمارے ٹرسٹ نے اہل خیر کے تعاون سے ہر سال عید قربان پر انتہائی غریب لوگوں کے علاقوں میں باقاعدہ قربانی کے جانور ذبح کئے جاتے ہیں اس حوالے سے بھی جو باشعور لوگ ہیں جو خدمت خلق کا جذبہ رکھتے ہیں جو اپنے اللہ کے دیئے ہوئے مال سے اللہ کے بندگان پر خرچ کرنا چاہتے ہیں تو وہ اس سلسلے میں بھی ہم سے رابطہ کریں اور ہمارے ساتھ تعاون کریں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام

کے ساتھ واقعہ کربلا میں شہید ہونے والے اصحاب کی تعداد بارے

تالیف......ڈاکٹر لبیب بیضون

ترجمہ......السید افتخار حسین نقوی النجفی

اسے ہم چند عناوین کے تحت اپنے قارئین کے لئے بیان کرنا چاہتے ہیں اور مختلف پہلوؤں کے حوالے سے اس پر نظر کریں گے۔

پہلی قسم: ایسے افراد جو معرکہ کربلا سے پہلے شہید ہوئے

وہ افراد جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ معرکہ کربلا سے پہلے شہید ہوئے ان میں حضرت مسلم بن عقیلؑ، حضرت ہانی بن عروہؒ اور کچھ قاصد و نمائندے ہیں جو آپؑ کے خطوط لے کر کوفہ و بصرہ والوں کی طرف گئے تھے۔ بصرہ میں سلیمان بن رزینؒ یا ابورزین شہید ہوئے عبداللہ بن یقطرؒ اور قیس بن مسہر صیداویؒ کوفہ میں شہید ہوئے اور کچھ نوجوان بھی شہید ہوئے جو کوفہ میں حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام کی نصرت کے لئے ان کے ہمراہ تھے۔ ان افراد کے ناموں کا تذکرہ تو تاریخ میں نہیں ہے بہرحال ان شہید ہونے والے افراد کی تعداد یقیناً کافی زیادہ ہوگی۔ حضرت مسلم بن عقیلؑ سے متعلقہ واقعات کو شیخ حسین کورانی کی کتاب میں جس کا ہم نے اردو میں ترجمہ کیا ہے اور اس کا نام ''محراب کربلا'' ہے اس میں دیکھا جا سکتا ہے۔ دو شخصیات بہت مشہور ہیں جن کے نام عبدالاعلی بن یزید الکلبی اور عمارہ بن صلخب الازدی ہیں۔

دوسری قسم: وہ افراد جو واقعہ کربلا کے بعد شہید ہوئے

دوسرے نمبر پر وہ اشخاص ہیں جو معرکہ کربلا کے بعد شہید ہوئے ہیں۔ ان کی تعداد بارہ ذکر کی گئی ہے چار تو وہ ہیں جو کربلا ہی میں شہید ہوئے ہیں ان میں سوید بن عمرو بن ابی المطاع ہیں یہ جنگ کے دوران زخمی ہو کر زمین پر گر گئے تھے لیکن شہید نہیں ہوئے تھے اور وہ لاشوں کے درمیان پڑے رہے یہاں تک کہ ان کے کانوں تک یہ آواز پہنچی کہ ''قتل الحسین علیہ السلام'' اس آواز کو سن کر انہوں نے اپنا خنجر نکالا اور دوبارہ جنگ شروع کر دی اگر چہ وہ زخموں سے چور چور تھا تو اس کو دشمنوں نے اپنے گھیرے میں لے لیا اور شہید کر دیا۔

معرکہ کربلا کے بعد شہید ہونے والوں میں سے محمد بن ابی سعید بن عقیل بھی ہیں۔ ان کی شہادت کا واقعہ کچھ یوں ہیں کہ جب قاتلان امام حسین علیہ السلام خیموں کو لوٹنے کے لئے خیام کی طرف بڑھتے ہیں تو یہ بچہ خیموں سے باہر آ کر ان حملہ آوروں کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے تو اس چھوٹے بچے کو بھی لقیط ملعون نے یا ہانی بن ثبیت الحضرمی نے شہید کیا۔

ان میں سے تیسرے سعد بن الحرث اور ان کے بھائی ابوالحتوف الانصاری ہیں یہ دونوں حضرت امام حسین علیہ السلام کے مخالف تھے جب حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت ہو گئی اور آپؑ کے پردہ داروں کے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں اس وقت ان دونوں نے تلوار نکالی اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں پر حملہ کر دیا اور کافی دیر جنگ کرنے کے بعد جام شہادت نوش کیا۔

کچھ افراد وہ ہیں جو معرکہ کربلا میں زخمی ہوئے لیکن دس محرم کے روز انہیں موت نہیں آئی بلکہ دسویں محرم کے بعد زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہوئے ان میں سوار بن منعم النھمی ہیں انہیں قیدی بنایا گیا اور چھ مہینے بعد انہی زخموں کی وجہ سے وہ شہید ہوئے۔ دوسرے الموقع بن ثمامۃ الصائدی ہیں انہوں نے جنگ کی حتیٰ کہ دوران جنگ ان کے پاس تیر ختم ہو گئے قوم اشقیاء کے ایک گروہ نے ان کو امان دی اور انہیں کوفہ لے گئے جب ابن زیاد کے پاس اسے لے جایا گیا تو ابن زیاد نے اسے الزارہ (عمان میں ایک جگہ) کی طرف شہر بدر کر دیا وہ انہی زخموں کی وجہ سے مریض ہو گئے اور وہیں پر ایک سال بعد انہوں نے وفات پائی۔

بہرحال بارہ افراد ایسے ہیں جنہوں نے جنگ کے بعد درجہ شہادت پایا ہے۔

تیسری قسم: وہ افراد جو قتل ہونے سے بچ گئے

ان میں سے تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو معرکہ کربلا میں قتل ہونے سے بچ گئے لیکن وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ناصران میں سے تھے۔

انصار میں سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ میں جو بھی شریک ہوا وہ شہید ہوا لیکن بہت کم تعداد ان لوگوں کی ہے جو کچھ وجوہات کی بناء پر شہادت کا شرف حاصل نہ کر سکے۔

1۔ اہل البیتؑ سے حضرت امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں سے تین افراد ہیں جو شہید نہیں ہوئے ان میں زید، عمرو اور حسن مثنیٰ ہیں۔ حسن مثنیٰ جو کہ جنگ کے دوران شدید زخمی ہو گئے ان کو ان کی ماں کے قریبی رشتہ دار فاخذہ اسماء بن خارجہ الفزاری اپنے ساتھ لے گیا اور ان کا علاج کروایا جس سے وہ شفایاب ہو گئے اور حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام بھی زندہ رہے کیونکہ وہ اس وقت مریض تھے اور نسل امامت بھی انہی سے چلنی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک بیماری طاری کی اس طرح وہ بھی شہید ہونے سے بچ گئے۔

2۔ تین افراد اصحاب سے ہیں جو قتل نہیں ہوئے۔

(۱) ان میں ایک الضحاک بن عبداللہ المشرقی ہیں یہ عیال دار آدمی تھا اور اس کے اوپر قرض تھا یہ حضرت امام حسینؑ کے ہمراہ اس شرط کے ساتھ رہا کہ وہ امام حسین علیہ السلام کا دفاع کرتا رہے گا لیکن جب حضرت امام حسین علیہ السلام تنہا رہ جائیں گے تو امامؑ اسے اجازت دیں گے کہ وہ اپنے اہل وعیال کے پاس چلا جائے اور اپنا قرض جا کر ادا کرے تو ایسے ہی ہوا اس نے اپنا گھوڑا ایک جگہ چھپا رکھا تھا اس نے وقت آخر امامؑ سے عرض کی کہ آپؑ نے وعدہ فرمایا تھا اب مجھے اجازت دیں میں چلا جاؤں تو امامؑ نے اسے دعا دی اور فرمایا کہ ہاں آپ چلے جائیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس میں یہ مصلحت بھی ہوگی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے چاہا ہوگا کہ کچھ ایسے افراد زندہ بھی رہیں جنہوں نے یہ پوری جنگ دیکھی ہو اور وہ اہل البیتؑ کے علاوہ ہوں تا کہ وہ ان واقعات کو لوگوں تک پہنچا سکیں۔

(۲) دوسرا شخص عقبہ بن سمعان ہے حضرت امام حسین علیہ السلام کی زوجہ سیدہ رباب سلام اللہ علیہا کا غلام تھا یہ امامؑ کی خدمت میں جنگ کے دوران بھی موجود تھا یہ آپؑ کا موذن بھی تھا اسے قیدی بنا کر عبیداللہ ابن زیاد کے پاس لایا گیا جب ابن زیاد کو پتہ چلا کہ یہ بی بی سیدہ رباب سلام اللہ علیہا کا غلام ہے تو اس نے اس کو چھوڑ دیا اور یہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی جانب سے کاتب بھی تھا یعنی واقعات لکھنے والا رپورٹر تھا کیونکہ حمید ابن مسلم دشمن کی طرف سے تھا اور آپؑ کی طرف سے حالات وواقعات لکھنے والا یہی عقبہ بن سمعان تھا۔

(۳) تیسرا آدمی علی بن عثمان بن الخطاب المغربی ہے یہ مولا علی علیہ السلام کے موالیوں میں سے تھا یہ بھی کسی وجہ سے درجہ شہادت پر فیض نہیں ہوا جیسا کہ شیخ صدوقؒ نے اپنی کتاب اکمال میں لکھا ہے۔

چوتھی قسم: وہ لوگ جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مکہ سے آئے

اخطب خوارزم نے مکہ سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ آنے والے لوگوں کی تعداد کے بارے میں لکھا ہے کہ: "منگل کا دن تھا اور ۸ ذوالحجہ تھی آپؑ کے ساتھ ۸۲ مرد تھے جو آپؑ کے شیعوں میں سے تھے اور آپؑ کے موالی تھے یعنی آپؑ کے غلام اور آپؑ کے اہل بیتؑ تھے لیکن راستہ میں بہت سارے لوگ آپؑ کے ساتھ مل گئے یہاں تک کہ آپؑ منزل زبالہ پر جب پہنچے تو حضرت مسلم بن عقیلؑ حضرت حانی بن عروہ اور حضرت عبداللہ بن یقطرؒ کی شہادت کی خبر آپؑ نے لوگوں کو سنائی اور اپنے اس قیام کے اہداف بھی بتائے اور بتایا کہ میں شہید ہونے کے لئے جا رہا ہوں جو بھی میرے ساتھ آئے گا وہ شہادت کو پہنچے گا اور میں اقتدار کے لئے نہیں جا رہا اور جب امامؑ نے حقائق سے پردہ اٹھا دیا اور وہیں پر ہی کہہ دیا کہ جو جانا چاہے وہ چلا جائے اور جو میرے ساتھ آنا چاہے وہ بصیرت کے ساتھ آئے اور جو اپنے آپ کو اس راہ میں قربانی کے لئے آمادہ رکھتا ہو وہ میرے ساتھ آئے۔ یہاں پر گویا کہ آپؑ نے اپنے ساتھ آنے والے لوگوں کا امتحان لیا اور جو ادھر اُدھر سے آپؑ کے ساتھ مل گئے تھے اور یہ سوچ کر آپؑ کے ساتھ آئے تھے کہ آپؑ کوفہ جائیں گے وہاں پر آپؑ کے بڑے چاہنے والے اور حامی ہیں اس طرح اقتدار آپؑ کے ہاتھ میں آجائے گا تو یہ بھی اس سے فیضاب ہوں گے۔ بہر کیف امامؑ نے جب ان سارے حقائق سے پردہ اٹھا کر انہیں اصل بات سے آگاہ کر دیا تو آپؑ کے ساتھ فقط آپؑ کے اہل بیتؑ، اصحاب باوفا اور غلام رہ گئے جو مکہ سے چلے تھے۔ دوسرا امتحان آپؑ نے شب عاشور لیا لیکن اس وقت کوئی ایک بھی آپؑ کو چھوڑ کر نہیں گیا بلکہ جیسا کہ شب عاشور کے حالات میں ہے اور ہماری کتاب کلام امام حسینؑ میں تفصیل سے درج ہے یہاں تک کہ ہر ایک نے کھڑے ہو کر اپنی جان فدا کرنے کے لئے ایسے جملے ادا کئے جو تاریخ کے اوراق میں سنہری حروف کے ساتھ درج ہیں۔

پانچویں قسم: وہ افراد جو کوفہ سے آ کر حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ملحق ہوئے

کوفہ میں مولا علی علیہ السلام کے شیعہ موجود تھے بلکہ کوفہ شیعوں کا مرکز شمار ہوتا تھا اگرچہ کوفہ کی آبادی لاکھوں میں تھی یعنی بارہ چودہ لاکھ سے اوپر آبادی تھی اس کی تفصیل آپ کتاب "محراب کربلا" میں دیکھ سکتے ہیں لیکن انہی کوفہ کے لوگوں میں کچھ نامور افراد تھے جو علیؑ مولا کے شیعہ تھے انہی نامور افراد کی وجہ سے جو سیاسی، علمی اور اپنی سابقہ اسلامی خدمات کے حوالے سے اور اہل البیتؑ سے تعلق کے حوالے سے اور اپنے جہادی کارناموں کی وجہ سے معروف ومشہور تھے اس حوالے سے یہ تاثر عام تھا کہ کوفہ خالص شیعوں کا گڑھ ہے یہ جو خالص شیعوں کا گڑھ کہا جاتا ہے اس سے مراد یہ نہیں لیا جائے کہ کوفہ میں شیعوں کی اکثریت تھی بلکہ کوفہ میں شیعوں کی عددی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی لیکن جو بڑی بڑی نامور شخصیات تھیں جیسے حانی بن عروہ، میثم تمارؒ، حبیب ابن مظاہرؒ، کمیلؒ اسدی اور قنبرؒ وغیرہ بڑی بڑی شخصیات تھیں جو کوفہ میں رہتے تھے یعنی اتنی بڑی شخصیات کسی اور شہر میں نہیں رہتی تھیں اس حوالے سے کہا جاتا تھا کہ یہ شیعوں کا بڑا مرکز ہے۔

ان بڑی شخصیات میں سے ہر ایک شخص جو ہے اس کی سابقہ زندگی روشن باب ہے اور ان کے علمی کارنامے ہیں، قاری قرآن ہیں بعض اصحاب پیغمبرؐ ہیں ان میں سے بعض حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کفار کے خلاف جہاد میں شریک رہے ہیں اور بعد میں مولا علی علیہ السلام کے ساتھ بھی جنگوں میں شریک ہوتے رہے بعض مولا علی علیہ السلام کے اسرار ورموز سے آگاہ تھے ان میں سے کچھ وہ تھے کہ جن کا انتخاب کربلا کے لئے تھا وہ وہاں آگئے کچھ حضرت مسلم علیہ السلام کے ساتھ شہید ہو گئے کچھ قید ہوئے اور کچھ بعد میں شہید ہوئے بہر حال ہم نے ان کے ناموں کی یہاں تفصیل نہیں دینی بلکہ ہم یہاں صرف ان لوگوں کا تذکرہ کریں گے جو کوفہ سے کربلا آکر حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ منسلک ہوئے ہیں وہ درج ذیل اکیس افراد ہیں۔

امیہ بن سعد الطائی. زهیر بن القین البجلی الجملی المرادی. عابس بن شبیب الشاکری. عبداللہ بن عمیر الکلبی. حبیب بن مظاهر الاسدی اور اسکا **بھائی علی بن مظاهر. عمر بن جندب الحضرمی. عمر بن خالد الصیداوی الکوفی** اسکا بیٹا **عائذ** اور اس کا ساتھی **سعد مولاہ ۔جنادۃ بن الحرث. مجمع العائذی.** (یہ العذیب کے مقام پر آکر مولاؑ کے ساتھ ملے) **الحرۃ بن ابی قرۃ الغفاری. مالک بن سریع الجابری. مسعود بن الحجاج التمیمی الکوفی. مسقط** (یا قاسط) **بن زهیر التغلبی الکوفی. مسلم بن عوسجة الاسدی. مسلم**

بن كثير الازدي. نعيم ابن عجلان الانصاري. الهفهاف بن المهند الراسبي (جو کہ بصرہ سے آئے تھے) یحیی بن هانی بن عروة (ہانی بن عروہ کے بیٹے تھے) اسی طرح امام حسین علیہ السلام کے لشکر میں آکر شامل ہوئے ہیں وهب بن عبداللہ (حباب) الکلبی جو کہ نصرانی تھا اور بعد میں مسلمان ہو گیا اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی مسلمان ہوئی اور یہ دونوں میاں بیوی میدان کربلا میں شہید ہوئے۔

چھٹی قسم: وہ لوگ جو عمر ابن سعد ملعون کے ساتھیوں میں سے روز عاشور حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ آکر ملحق ہوئے

مختلف اوقات میں یہ لوگ حضرت امام حسین علیہ السلام کی جانب آتے رہے جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے عمر ابن سعد پر بعض تجاویز پیش کیں تو اس نے آپؑ کی تجاویز ٹھکرا دیں تو اسی ایک ہی مرحلے میں تیس افراد عمر ابن سعد کو چھوڑ کر حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ملحق ہوئے اور یہ تیس کے تیس قبیلہ قریش سے تھے اور انہی میں ابو الشعثاء الکندی تھا۔

پھر کچھ لوگ وہ تھے کہ جو شب عاشور، جس میں حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب باوفا قرآن، نماز و مناجات پڑھ رہے تھے تو اس منظر کو دیکھ کر رات کے وقت عمر ابن سعد کے لشکر کو چھوڑ کر حضرت امام حسین علیہ السلام کے لشکر کے ساتھ آکر ملحق ہوئے۔ ابن طاوسؒ نے اپنی کتاب اللهوف میں لکھا ہے کہ حضرت امام حسینؑ اور آپؑ کے اصحاب اس طرح رکوع و سجود اور عبادت الٰہی میں معروف تھے کہ ایسے لگ رہا تھا جیسے شہد کی مکھیوں کے چھتے سے بھنبھناہٹ کی آواز آتی ہے اور اس رات عمر ابن سعد کی فوج سے بتیس (۳۲) افراد حضرت امام حسین علیہ السلام کے لشکر میں شامل ہوئے۔

کچھ اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ آکر ملحق ہوئے جب حضرت امام حسین علیہ السلام کو انتہائی وحشیانہ انداز سے شہید کیا گیا اور وہ اس منظر کو دیکھ کر انتہائی متاثر ہوئے تو وہ پھر حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف آئے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے راستے میں اپنے آپ کو قربان کیا۔ ان میں ابی الحتوف الانصاری اور اس کا بھائی سعد بن الحارث شامل ہیں۔

حق کی طرف پلٹ کر آنے والوں میں عمر بن سعد کی فوج کے ایک دستے کا کمانڈر حرؑ بن یزید التمیمی الریاحی بھی شامل ہے جو پہلا شخص تھا جس نے حضرت امام حسینؑ کو مجبور کیا کہ وہ اپنا سفر کوفہ کی جانب جاری رکھیں اور پھر کربلا لایا اس وقت حرؑ کا لشکر پیاسا تھا انہیں حضرت امام حسین علیہ السلام نے پانی بھی پلایا۔ حرؑ عاشورا کی صبح تک عمر ابن سعد کے ساتھ رہا اور پھر یہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ آکر ملحق ہو گیا اس نے عمر ابن سعد سے یہ سوال کیا کہ کیا تم حضرت امام حسین علیہ السلام سے جنگ کرنے کا فیصلہ کر چکے ہو؟ عمر ابن سعد نے جواب دیا ہاں، ہم فیصلہ کر چکے ہیں اور یہاں تک کہ ان کا سر کاٹ کر زمین پر گرائیں اور ان کے ہاتھ خون سے تر ہوں۔ اس وقت یہ سن کر حرؑ نے اس کے لشکر کو چھوڑا اور اس نے جس گناہ کا ارتکاب کیا تھا اس پر توبہ کی اور خود کو اس راہ میں شہادت کے لئے پیش کیا۔ ہم ان کو شمار کر سکتے ہیں کہ جنہوں نے باطل سے حق کی طرف رجوع کیا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ آگئے اور آپؑ کے ہمراہ شہادت کے درجے پر فائز ہوئے ان کے ترتیب وار نام اس طرح ہیں۔

ابو الحتوف الانصاري الكوفي اور اس کا بھائی سعد بن الحرث. بكر بن حي التيمي الكوفي. جنادة بن الحارث السلماني الكوفي. ابن زهير بن سليم الازدی (شاید ان کا نام زهير بن بشر الخثعمي ہے)۔ عبدالرحمن بن مسعود التيمي الكوفي. القاسم بن حبيب الازدي. النعمان بن عمرو الراسبي اور اس کا بھائی الحلاس بن عمرو. يزيد بن زياد ابو الشعثاء الكندي

یہ معروف افراد کے نام تھے ان کے علاوہ کچھ اختلافی نام ہیں بہر حال یہ وہ تعداد ہے جو کتب میں درج ہے لیکن لگتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ لوگ حضرت امام حسینؑ کی طرف آئے ہوں گے خود جب حرؑ آئے ہیں تو ان کے ساتھ بھی ان کا بیٹا اور غلام آیا تھا اسی طرح اور بھی بہت سارے ہیں بہر حال یہ بڑی شخصیات تھیں جن کا نام ہم نے یہاں پر ذکر کیا ہے۔

ساتویں قسم: عاشورہ کے دن حضرت امام حسین علیہ السلام کے انصار کی تعداد

مکہ سے جو مرد آپؑ کے اہل بیتؑ، غلاموں اور شیعوں میں سے آپؑ کے ساتھ چلے تھے ان کی تعداد ۸۲ تھی یا اس سے تھوڑی کم تھی پھر یہ تعداد جنگ شروع ہونے سے پہلے بڑھ گئی کیونکہ آپؑ کے انصار کوفہ سے آکر آپؑ کے ساتھ ملے جن میں مثلاً حبیب ابن مظاہرؑ بھی شامل تھے جو کہ بہت معروف شخصیت ہیں اور هلال بن نافع ہیں اور جن کے نام پہلے بتائے گئے ہیں اور بہت سارے وہ بھی تھے جو اموی لشکر میں تھے اور پھر وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے لشکر میں آئے۔

اسی طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ جو اختلاف ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ کتنے لوگ شہید ہوئے تو ان شہداء کے حوالے سے تین روایات ہم یہاں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں کیونکہ بہت سارے حقائق ہیں جن پر پردہ ڈال دیا گیا ہے اور تاریخ نے انصاف نہیں کیا لیکن جو کچھ اس وقت ہمارے پاس موجود ہے اور صدیوں سے محفوظ چلا آرہا ہے اور کتب تاریخ میں بکھرا ہوا ہے تو ان میں یہ تین روایتیں قابل ملاحظہ ہیں اس سے ایک اندازہ ہو سکتا ہے کہ کربلا میں حضرت امام حسینؑ کے انصار کتنے تھے۔

1۔ عمار الدهنی کی روایت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ہے کہ: جب حضرت امام حسین علیہ السلام کربلا کی طرف مڑے اور وہاں پر اپنے خیمے نصب کئے تو اس وقت آپؑ کے ہمراہ ۴۵ فارس تھے (یعنی سوار) اور ۱۰۰ پیدل تھے یعنی کل ایک سو پینتالیس (۱۴۵) افراد تھے اور یہ موثق ترین روایت ہے جو ہمارے پاس موجود ہے جس کو ابن نماء اور ابن طاوسؒ نے روایت کیا ہے اور اسی تعداد کو ابن اعثم کوفی نے اور جلال الدین السیوطی اور سبط ابن الجوزی نے بھی لکھا ہے۔

2۔ دوسری روایت ابی مخنف کی ہے اور اس نے یہ روایت الضحاک بن عبداللہ المشرقی سے کی ہے کہ جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ تھا یہ وہاں سے چپکے سے امامؑ کی اجازت سے باہر آ گیا۔ ایسے لگتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ یہ رپورٹر کی حیثیت سے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے روز عاشور نماز پڑھی جب آپؑ نے نماز ادا کی تو اس وقت آپؑ کے ساتھ ۳۲ فارس (سوار) اور ۴۰ پیادہ تھے اور دینوری کی روایت جو کہ

ایک مورخ ہے وہ اسی عدد کے مطابق ہے اور یعقوبی نے جو روایت کی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ اپنے اہل البیتؑ اور اپنے اصحاب سے بہتر افراد آپؑ کے ہمراہ تھے اور یہ وہی روایت ہے جس کو شیخ مفیدؒ نے نقل کیا ہے اور الخوارزمی نے بھی اس کو اسی طرح بیان کیا ہے اور اسی بیان پر ۷۲ شہداء کا عنوان کربلا کے حوالے سے معروف ومشہور ہے۔

3۔ تیسری روایت الحسین بن عبدالرحمٰن کی ہے یہ دشمن کا رپورٹر ہے وہ یزید کے لئے بیان کرتا ہے کہ کربلا میں کیا ہوا وہ یزید کو کہتا ہے کہ امامؑ کے ساتھ ۱۰۰ مرد تھے ان میں سے ۲۱ بنی ہاشم میں سے تھے اور یہ وہی تعداد ہے جس کو مازندرانی نے معالی السبطین ج ۲ ص ۱۴۶ میں درج کیا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے انصار ۱۲۸ اہل البیتؑ سے تھے اور ۲۷ آپؑ کے شیعہ تھے اس طرح ۱۲۸ اور ۲۷ یہ سو افراد بن جاتے ہیں۔ ان روایات میں جو ٹکراؤ آتا ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ۱۴۵ بیان کرتے ہیں اور دوسری روایت میں بہتر ہے تو اس میں ہم کچھ تجزیہ بعض شخصیات کا پیش کرتے ہیں۔

پہلا تجزیہ

علامہ مجتہد سید محسن الامینؒ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے جو انصار تھے اور انکے ساتھ جو غلام تھے ان سب کو شمار کیا ہے وہ تقریباً سو بنتے ہیں اور محدث فضیل بن الزبیر بن عمر بن درھم الکوفی الاسدی نے اپنی کتاب "تسمیۃ من قتل مع الحسینؑ" جو مجلہ "تراثنا" کے شمارہ نمبر ۲ کے ص ۱۴۹ پر آیا ہے اور اسی کو شیخ محمد مہدی شمس الدین نے اپنی کتاب انصار الحسینؑ میں بھی لکھا ہے۔ تو اگر ہم یہ کہیں کہ ۱۸۲ افراد تھے جو آپؑ کے انصار تھے اور یہ تعداد آپؑ کے اصحاب کی قرار دی جائے نہ کہ آپؑ کے اہل بیتؑ کی تو پھر اس طرح بن جاتا کہ اٹھارہ آپؑ کے اہل بیتؑ سے اور ۸۲ آپؑ کے اصحابؑ سے تو یہ تعداد ۱۰۰ بن جاتی ہے پھر آپؑ کے موالی جو ہیں عام طور پر یہ تھا کہ غلاموں کو لوگ شمار نہیں کرتے تھے ان کو بھی شمار کرلیں تو وہ ان کے علاوہ ہو جاتے ہیں۔

اکثر راوی غلاموں کے شہید ہونے کے تذکرہ کو بیان نہیں کرتے کیونکہ غلام اور آقا کا ایک تفاوت تھا اور معاشرہ کے اندر جو ان کا سلسلہ تھا کہ ان کو کم اہمیت دی جاتی بلکہ ان کے کارناموں کا تذکرہ کرنے کو دوسروں کی توہین شمار کرتے تھے تو اس لئے ان کے نام درج نہیں ہوتے تھے جن کے نام ہمیں پہنچے ہیں ان کی تعداد تقریباً ۱۶ بنتی ہے جو اہل بیتؑ کے غلام تھے لیکن حقیقت میں غلاموں کی تعداد کئی گنا زیادہ تھی یہ وہ معروف نام ہیں جو تاریخ میں پہنچے ہیں تو اس طرح ہم دیکھ سکتے ہیں کہ روایات جو کہتی ہیں کہ ۱۷ اہل بیتؑ سے تھے یا کوئی روایت کہتی ہے کہ ۱۲۸ اہل بیتؑ سے تھے تو پھر وہ جو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی روایت ہے اگر اس حساب سے دیکھیں تو وہ اس طرح بنتا ہے کہ ۱۲۸ اہل بیتؑ سے ۱۸۲ اصحابؑ سے اور ۳۵ غلاموں سے ان کو اگر شمار کریں تو یہ ۱۴۵ بنتے ہیں۔

دوسرا تجزیہ

ایک اور نگاہ سے بھی ہم حضرت امام حسین علیہ السلام کے انصار کی تعداد کے بارے میں جائزہ لے سکتے ہیں کہ جب جنگ کا آغاز ہوتا ہے تو اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کے انصار پہلے حملے میں پچاس شہید ہوئے اور بعض روایت میں چالیس شہید ہوئے تو اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ جو بیاسی (۸۲) شہید ہوئے ہیں یہ وہ ہیں جو مقابلے میں شہید ہوتے رہے ہیں ایک ایک کا مقابلہ یا دو دو کا مقابلہ تو اس لحاظ سے اگر دیکھیں تو ۴۶ پہلے حملے میں شہید ہوگئے ۸۲ اصحاب تھے جو مقابلے میں باقاعدہ ایک ایک جا کر شہید ہوئے ہیں اور ۱۷ اہل بیتؑ سے شہید ہوئے ہیں امامؑ کے علاوہ تو پھر یہ ۱۴۵ شہداء بن جاتے ہیں۔

اسی چیز کو مراۃ الجنان کے ج ا ص ۱۳۳ میں الیافعی نے کہا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ۸۲ اصحاب باقاعدہ مبارزہ طلبی کر کے میدان میں جا کر شہید ہوئے ہیں۔ آپؑ کی ساری اولاد بھی شہید ہوگئی فقط حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام محفوظ رہے۔

تیسرا تجزیہ

یہاں ایک اور نظر سے بھی اس تعداد کے حوالے میں بات کر سکتے ہیں کہ جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ مکہ سے چلے تھے وہ ۸۲ افراد تھے پھر جو کوفہ سے آپؑ کے ساتھ ملحق ہوئے ان کی تعداد ۳۰ ہے اور پھر کربلا میں عمر ابن سعد ملعون کی جماعت سے آکر آپؑ کے ساتھ ملحق ہوئے ان کی تعداد ۳۲ ہے۔ اس کو اگر اس طرح شمار کریں کہ ۸۲ جو مکہ سے چلے ۳۱ جو راستے میں ملے یا کربلا میں آکر کوفہ سے ملے اور ایک دو بصرہ سے بھی تھے اور ۳۲ جو تھے وہ میدان کربلا میں عمر ابن سعد کے لشکر سے جدا ہو کر آپؑ سے ملے تو اس طرح ان کی تعداد ۱۴۵ بنتی ہے۔

تو ہم خلاصہ یہ نکال سکتے ہیں کہ مجموعی طور پر جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے انصار تھے وہ ۱۴۵ تھے ۱۲۸ اہل البیتؑ میں سے تھے البتہ ان ۲۸ میں ۱۷ بالغ اور کامل مرد تھے اور باقی کم سن تھے۔ تو مجموعی طور پر جو آپؑ کے انصار کی تعداد ہے وہ ۱۴۵ مرد ہیں ان میں سے ۱۲۸ اہل البیتؑ ہیں ۸۲ آپؑ کے اصحاب ہیں اور ۳۵ غلاموں سے ہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے اصحاب جو شہید ہوئے ان کی تقسیم قبائل کے حوالے سے

حضرت امام حسین علیہ السلام کے اصحاب کا تعلق کیونکہ مختلف قبائل سے تھا تو ہم ان قبائل کے عنوان سے یہاں پر ان اصحابؑ کو بیان کرتے ہیں کیونکہ یہ ان میں سے بعض قبائل ایسے تھے جو اہل البیتؑ سے ان کا تعلق شمار ہوتا تھا ان میں مثلاً قبیلہ بنی اسد ہے، قبیلہ ہمدان ہے۔

بنی اسد قبیلہ سے اصحاب حضرت امام حسین علیہ السلام

حبیبؓ ابن مظاهر. مسلم بن عوسجۃؓ. قیس بن مسهر الصیداویؒ. عمرو بن خالد الصیداویؒ. سعد مولاہؒ اور الموقع بن ثمامہؒ شامل ہیں۔

آل ہمدان سے

آل ہمدان کی بہت ساری ذیلی شاخیں ہیں ان میں بنو مشرق ہے بنو شاکر ہے بنو شبام ہے بنو ارحب اور بنو جابر ہے۔ تو ان میں اس طرح افراد ہیں یہ ان کی تعداد ہے :ابو ثمامہ عمرو الصائدی. بریر بن خضیر المشرقی. عابس بن شبیب الشاکری. شوذب مولی بنی

شاکر. حنظله بن اسعد الشبامی. عبدالرحمن الارحبی. سیف بن الحرث بن سریع بن جابر الهمدانی الجابری. مالک بن عبدالله بن سریع. شبیب مولی الحرث بن سریع الهمدانی الجابری (ابن شہرآشوب نے کہا ہے کہ یہ پہلے حملہ میں شہید ہوئے) عمار الدالانی. حبشی بن قیس النهمی. زیاد ابوعمرة الهمدانی. سوار بن منعم بن حابس بن ابی عمیر بن نهم الهمدانی النهمی. عمروبن عبدالله الهمدانی الجندعی

قبیلہ مذحج سے

هانی بن عروة المرادی. جناده بن الحرث المذحجی المرادی السلمانی. واضح الترکی (جوکہ الحرث المذحجی السلمانی کا غلام تھا) مجمع بن عبدالله العائذی اور اس کا بیٹا عائذ. نافع بن هلال الجملی. الحجاج بن مسروق المذحجی الجعفی. یزید بن مغفل المذحجی الجعفی

انصار سے (جن کا تعلق مدینہ سے تھا)

عمرو بن قرظة بن کعب الانصاری. عبدالرحمن بن عبد ربه الانصاری الخزرجی. نعیم بن العجلان الانصاری الخزرجی. جنادة بن کعب بن الحرث الانصاری الخزرجی اور اس کا بیٹا عمرو بن جناده. سعد بن الحرث الانصاری العجلانی اور اس کا بھائی ابوالحتوف بن الحرث الانصاری.

بجلیین اور خشعمیین سے

زهیر بن القین الجبلی. سلمان بن مضارب البجلی. سوید بن عمرو ابن ابی المطاع الخثعمی. عبدالله بن بشر الخثعمی

کندیوں سے اصحاب حضرت امام حسین علیہ السلام

یزید بن زیاد بن مهاصر ابوالشعثاء. الحرث بن امری القیس. زاهر بن عمرو الکندی. بشر بن عمرو بن الاحدوث الحضرمی الکندی. جندب بن حجیر الکندی الخولانی

غفاریوں سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے اصحاب

عبدالله بن عروة بن حراق الغفاری اور اس کا بھائی عبدالرحمن. جون بن حوی (ابوذر غفاری کا غلام)

بنی کلب سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے اصحاب

عبدالله بن عمیر بن عباس بن قیس بن علیم بن جناب ابووهب اور اس کی زوجه ام وهب. اور بعض کتابوں میں حباب لکھا ھے جو که غلط ھے. عبدالاعلی ابن یزید الکلبی الاعلمی. سالم بن عمرو جو بنی المدینه الکلبی کا غلام تھا۔

ازدیوں سے حضرت امام حسینؑ کے اصحاب

مسلم بن کثیر الاعرج الازدی. رافع بن عبدالله (مسلم الازدی کا غلام)۔ القاسم بن حبیب بن ابی بشر الازدی. زهیر بن سلیم الازدی. النعمان بن عمرو الراسبی اور اس کا بھائی الحلاس. عمارة بن صلخب

عبدیین سے اصحاب حضرت امام حسین علیہ السلام

یزید بن ثبیط العبدی۔ اور اس کے فرزندان عبداللہ اور عبیداللہ۔ عامر بن مسلم العبدی اور اس کا غلام سالم۔ سیف بن مالک العبدی۔ الادهم بن امیۃ العبدی

تیمیوں سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے اصحاب

جابر بن الحجاج جو عامر بن نهشل التیمی کا غلام تھا۔ مسعود بن الحجاج التیمی اور ان کا بیٹا عبدالرحمن. بکر بن حی التیمی. جوین بن مالک. عمر بن ضبیعة بن قیس. الحباب بن عامر بن کعب

طائی قبیلہ سے

عمار بن حسان الطائی. امیه بن سعد الطائی.

تغلبیوں سے

الضرغامة بن مالک. کنانة بن عتیق. قاسط بن زهیر اور اس کے دو بھائی کردوس ابن زهیر اور مقسط بن زهیر بن الحرث التغلبی

جهنیین سے

مجمع بن زیاد بن عمرو. عباد بن المهاجر. عقبة بن الصلت الجهنی.

التمیمیین سے

الحر بن یزید الریاحی. الحجاج بن بدر التمیمی السعدی

مختلف قبیلوں کے افراد

جبلة بن علی الشیبانی. قعنب بن عمر النمری. سعید بن عبدالله الحنفی

نویں قسم: حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہونے والے غلام

اسلم (حضرت امام حسین علیہ السلام کا غلام)۔ جون (ابوذر غفاری کا غلام) الحرث (حمزہ کا غلام)۔ الحباب (عامر التیمی کا غلام) رافع (مسلم الازدی کا غلام) سالم (عامر العبدی کا غلام) سالم (بنی المدینه الکلبی کا غلام) سعد (حضرت امام علی علیہ السلام کا غلام) سعد (عمرو بن خالد الصید اوی کا غلام) سلیمان بن رزین (حضرت امام حسین علیہ السلام کا غلام) شبیب (الحرث الجابری کا غلام) شوذب (عباس الشاکری کا غلام) قارب

و منجح (حضرت امام حسین علیہ السلام کے غلام) نصر (حضرت علی علیہ السلام کا غلام) واضح (الحوث السلمانی المذحجی کا غلام)

حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقابلے کے لئے عمر بن سعد کے ساتھ تیس ہزار کا لشکر تھا ویسے بھی پورے کوفے کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے باہر نکلے اگر کوفہ کی آبادی کا اندازہ پندرہ سولہ لاکھ لگایا جائے تو ہر مرد بالغ کو کوفہ چھوڑنے کے لئے کہا گیا تھا تو اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ کربلا سے کوفہ تک کیونکہ نخیلہ کے مقام پر خود ابن زیاد ملعون موجود تھا نخیلہ پندرہ یا پچیس کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اور کوفہ کا کل فاصلہ ۷۵ کلومیٹر بنتا ہے تو وہاں پر وہ خود موجود تھا اس طرح اس پورے راستے میں جو افراد تھے وہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے جنگ کے لئے آمادہ تھے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ ۹ لاکھ فوج تھی تو یہ اس حوالے سے غلط نہیں ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے بڑا حملہ کیا ہے تو کوفہ کے ساتھ جو لوگ جا ٹکرائے ہیں تو وہ بھی اسی ترتیب سے بنتا ہے لیکن جو میدان میں باقاعدہ تربیت یافتہ فوج موجود تھی ان کی تعداد تیس ہزار سے کچھ اوپر تھی اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ آپؑ کے اہل البیتؑ، آپؑ کے اصحابؓ اور غلام سارے ملا کر ۱۴۵ یا ۱۵۰ تک بنتے تھے۔ پہلا تیر عمر ابن سعد ملعون نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی سپاہ کی طرف روانہ کیا اور اس کے پیچھے اس کے باقی سپاہیوں نے تیر چلائے جس کے نتیجے میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے پچاس کے قریب افراد درجہ شہادت کو پہنچے اور یہ پہلا حملہ ہے اس حملہ کے بعد باقاعدہ مبارزہ طلبی ہوئی جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ ۸۲ (بیاسی) افراد اس مبارزہ طلبی میں شہید ہوئے ہیں۔ البتہ ان میں غلام اور غیر غلام سارے شامل ہیں اور اسی طرح اہل البیت علیہم السلام سے اٹھارہ یا اٹھائیس افراد کی شہادت بھی مبارزہ طلبی سے ہوئی ہے اور آخر میں سیدالشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت ہے۔

پہلے حملے میں جو افراد شہید ہوتے ہیں ان میں کچھ نام ابن شہر آشوب نے لکھے ہیں وہ یہ ہیں۔

نعیم بن عجلان. عمران بن کعب بن حارث الاشجعی. حنظله بن عمرو الشیبانی. قاسط بن زهیر، کنانة بن عتیق. عمرو بن مشیعة. ضرغامة بن مالک. عامر بن مسلم العبدی. سیف بن مالک النمری العبدی. عبدالرحمن بن عبدالله الارجبی. مجمع العائذی. حباب بن الحارث. عمرو بن عبدالله الجندعی. الحلاس بن عمرو الراسبی. سوار ابن ابی عمیر الفهمی. عمار بن ابی سلامة الدالانی. النعمان بن عمرو الراسبی. زاهر بن عمرو ابن الحمق کا غلام. جبلة بن علی الشیبانی. مسعود بن الحاج التمیمی. عبدالله بن عروة الغفاری. زهیر بن بشر الخثعمی. عمار بن حسان. عبدالله بن عمیر. مسلم بن کثیر الازدی. زهیر بن سلیم العبدی. عبدالله و عبیدالله ابنا زید البصری۔ اور حضرت امام حسینؑ کے دس غلام اور امیرالمومنینؑ کے غلاموں میں سے دو غلام سعد اور ناصر اور مولا امام حسینؑ کے غلاموں میں سے اسلم اور قارب و منجح۔

مبارزہ طلبی میں شہید ہونے والے شہداء کے نام

باقاعدہ طور پر مبارزہ طلبی میں شہید ہونے والے شہداء کے ناموں کی ترتیب کو مندرجہ ذیل تاریخی کتب میں سے لیا گیا ہے۔

تاریخ طبری۔ الفتوح ابن اعثم کی۔ مقتل الخوارزمی۔ مناقب ابن شہر آشوب۔ الکامل فی التاریخ ابن اثیر کی۔ مثیر الاحزان ابن نما کی۔ الملہوف ابن طاؤس کی۔ مقتل الحسینؑ آل بحرالعلوم کی۔ لواعج الاشجان سیدالامین کی۔ مقتل الحسینؑ مقرم کی۔ العیون العبری میانی کی۔ مقدمہ مقرآۃ العقول ج ۲ سید مرتضیٰ عسکری کا۔

البتہ جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ پہلے حملے میں جو افراد شہید ہوئے جن کی تعداد ۴۵ یا ۵۰ بتائی جاتی ہے ان میں کچھ کے نام ہم نے یہاں پر دیئے ہیں تو ان میں سے کچھ ہیں جن کے بارے میں ہے کہ پہلے حملے میں شہید ہوئے انہی میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جن کے بارے اختلاف ہے یعنی پہلے حملے میں شہید ہونے والوں میں بھی ان کا نام ہے اور پھر مبارزہ طلبی کے شہداء میں بھی ان کا نام ہے لہٰذا یہ تکرار ہوگا۔ اصل بات یہ ہے کہ ہماری کوشش ہے کہ کچھ حقائق کے قریب ہم پہنچ جائیں۔ یہ ترتیب ہے جنہوں نے باقاعدہ مبارزہ طلب کیا اور ایک ایک کر کے یا دو دو کر کے میدان میں آئے۔

مسلم بن عوسجه الاسدی. عبدالله بن عمیر الکلبی. ابو الشعثاء الکندی. بریر بن خضیر همدانی. الحر بن یزید الریاحی. وهب بن حباب الکلبی عمرو بن خالد الازدی اور اس کا بیٹا خالد اور کچھ جماعت اکٹھی بھی شہید ہوئی جن میں عمرو بن خالد الصیداوی اور اس کا غلام سعد۔ جابر بن الحارث السلمانی۔ مجمع بن عبداللہ العائذی۔ یہ ایک ہی جگہ اکٹھے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ حبیب ابن مظاہر الاسدیؓ اور راوی کہتا ہے کہ اصحاب امام حسین علیہ السلام سے ایک یا دو آدمی آتے تھے جب کہ ان کے مقابلے میں دو سے لے کر بیس افراد تک بھی ان کے مقابلے میں آتے رہے اور پھر ایسا بھی ہوا کہ جب وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ایک کو دو صحابی کو شکست نہ دے سکتے تھے تو وہ اجتماعی حملہ کر دیتے تھے اور اس طرح انہیں شہید کیا گیا۔

نماز کے دوران شہید ہونے والے

سعید بن عبدالله الحنفی. ابو ثمامه الصائدی. زهیر بن القین البجلی. عمرو بن قرظة الانصاری. نافع بن هلال الجملی. جون، ابوذر غفاری کا غلام

"ابو مخنف نے لکھا ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے اصحاب نے دیکھا کہ ان کے دشمنوں کی تعداد ان سے ہزار گنا زیادہ ہے اور انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ نہ تو حضرت امام حسین علیہ السلام کو بچا سکتے ہیں اور نہ ہی اپنا دفاع کر سکتے ہیں تو ہر ایک کی کوشش تھی کہ وہ دوسرے سے پہلے حضرت امام حسین علیہ السلام کے سامنے اپنی شہادت پیش کرے اور یہ تقریباً ظہر کی نماز کے بعد ایسا ہوا تو ہر شخص کی کوشش تھی کہ وہ دوسرے سے پہلے جا کر شہید ہو اور حضرت

امام حسین علیہ السلام سے اجازت لے کر شہادت کے لئے آگے بڑھتے تھے۔

ان میں حنظلة بن اسعد الشبامی، شوذب بنی شاکر کا غلام عابس بن ابی شبیب الشاکری، سعد بن حنظلة التمیمی، عمیر بن عبداللہ المذحجی، عبدالرحمن بن عبداللہ الیزنی، یحیی بن سلیم المازنی، قرة بن ابی قرة الغفاری، مالک بن انس الکاھلی (یہ وہی ہیں جن کو انس بن الحارث الکاہلی کا نام دیا گیا ہے)۔ عمرو بن مطاع الجعفی، انس بن معقل الاصبحی، یزید بن معقل الجعفی، الحجاج بن مسروق الجعفی، عبداللہ بن عروة اور اس کا بھائی عبدالرحمن بن عروة الغفاریان ۔دونو جوان ہیں سیف بن حارث بن سریع اور اس کا چچازاد بھائی مالک بن عبد بن سریع الجابریان، جنادہ بن الحارث الانصاری اور اس کا غلام عمرو بن جنادہ، واضح الترکی (الحرث المذحجی کا غلام)۔ ابو عمر النھشلی ۔ایک نوجوان جس کا باپ پہلے معرکہ میں شہید ہوا۔ اسلم (حضرت امام حسین علیہ السلام کا غلام تھا اور ترکی کے نام سے مشہور تھا) مالک بن ذودان۔ ابراھیم بن الحصین الاسدی، سوار بن منعم بن حابس بن ابی عمیر بن فھم الھمدانی، سعد بن الحارث الانصاری اور اس کا بھائی ابو الحتوف (یہ دونوں عمر ابن سعد کے ساتھ تھے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس آ گئے انہوں نے مقابلہ کیا اور دونوں شہید ہوئے) سوید بن عمرو بن ابی المطاع الخثعمی شامل ہیں۔

وہ شہداء جن کا تعلق آل ابوطالبؑ سے ہے

روایات اس پر متفق ہیں کہ حضرات اہل البیت علیہم السلام سے جو افراد کربلا میں شہید ہوئے ہیں وہ کم سے کم ۱۷ ہیں اور زیادہ سے زیادہ ۲۷ ہیں ۔اٹھارہویں یا اٹھائیسویں خود حضرت امام حسین علیہ السلام بنتے ہیں یعنی زیادہ تعداد ۲۷ لکھی گئی ہے اور کم سے کم تعداد ۱۷ لکھی گئی ہے یہ سب کے سب آل ابوطالب علیہ السلام سے تھے یعنی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو اور چچے تھے ان کی اولاد سے کوئی نہیں تھے۔ یعنی آپؑ کی اولاد تھی اور آپؑ کی اولاد سے تھے مثلاً عقیلؑ کے پوتے تھے جعفرؑ کے پوتے تھے علیؑ کے فرزند اور پوتے تھے جو نام مشہور کتب مقاتل میں آئے ہیں ہم اس طرح انہیں بتا سکتے ہیں۔ شیخ محمد مہدی شمس الدین کی کتاب انصار الحسین ص ۱۲۶ پر لکھا ہے اور اسی طرح شیخ مفید کی کتاب الارشاد کے ص ۲۴۸ پر بھی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام ۱۸ ویں بنتے ہیں طبری اور خوارزمی نے بھی حسن بصری کی روایت سے اپنی مقتل میں یہی لکھا ہے اور باقی روایات جن میں مختلف تعداد بتائی گئی ہے ۱۶ اور ۲۵ تک ابن جوزی نے تذکرۃ الخواص ص ۲۶۶ پر لکھا ہے محمد بن سعد نے محمد حنفیہ سے نقل کیا ہے کہ انیس جوان مارے گئے ان سب کا تعلق بی بی زہراء سلام اللہ علیہا کے خاندان سے تھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ آپؑ کے خاندان سے بہت سارے مارے گئے جن میں آپؑ کی اولاد اور حضرت امام حسن علیہ السلام کی اولاد تھی۔ لیکن اگر اس سے مراد جناب فاطمہ بنت اسدؑ لیں جو کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ تھیں تو پھر اس کی صورتحال تبدیل ہو جاتی ہے بظاہر محمد حنفیہؑ کی مراد بھی یہی ہے یعنی ان کی اپنی دادی مراد ہے اس سے نہ کہ حسنینؑ شریفین کی اماں پاکؑ مراد ہیں۔

بہت سے راویوں نے یہ بات بیان کی ہے کہ ہم نے جب بھی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا تذکرہ کیا تو آپؑ نے فرمایا ہاں سترہ جوان شخصیات ماری گئیں سب کے سب ایسے تھے جنہوں نے جناب فاطمہؑ بنت اسدؑ کے بطن مبارک میں پرورش پائی یعنی ان سے منتقل ہوئے۔

سبط ابن الجوزی نے بھی کہا ہے کہ آل ابوطالبؑ سے انیس افراد مارے گئے سات علیؑ کی اولاد سے اور انہی میں سے حضرت امام حسین علیہ السلام ہیں اور دو امام حسینؑ کی اولاد سے تین امام حسنؑ کی اولاد سے دو عبداللہ بن جعفرؑ کی اولاد سے اور پانچ عقیلؑ کی اولاد سے۔

سراقة الباھلی کہتا ہے کہ یا مسلم بن قتیبہ جو بنی ہاشم کا غلام تھا اس کا یہ قول ہے اور یہ قول **فضة القرشی العدوی** کا بھی ہے جو اشعار کی صورت میں ہے۔

عین جودی بعبرة و عویل   **واندبی ان ندبت آل الرسول**
سبعة منھم لصلب علی   **قد ابیدوا وخمسة لعقیل**
وابن عم النبی عونا اخاھم   **لیس فیما ینوبھم بخذول**
وسمی النبی غودر فیھم   **قد علوه بصارم مسلول**
واندبی کھلھم فلیس اذا ما   **عُدَّ فی الخیر کھلھم کالکھول**
لعن اللہ حیث حل زیاد   **وابنه والعجوز ذات البعول**

تیسرے اور چوتھے شعر میں عبداللہؑ بن جعفرؑ کے دو بیٹے عونؑ و محمدؑ کا نام ہے۔ اس طرح سترہ شہید تھے جنہوں نے پچیس کہے ہیں حضرت امام حسین علیہ السلام اور حضرت امیر مسلم علیہ السلام کے علاوہ اس طرح مولا علی علیہ السلام کی اولاد سے کمترین ۶ ہیں اور زیادہ تعداد ۸ کی ہے حضرت امام حسن علیہ السلام کی اولاد سے کمترین ۳ اور زیادہ ۴ حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے دو ہیں اور جعفر طیارؑ کی اولاد سے کم ۲ اور زیاد ۳ اور عقیلؑ کی اولاد اور ان کے پوتے کم ترین ۴ اور زیادہ تر ۸ اور یہ پچیس بنتے ہیں اور ان پچیس میں حضرت امام حسین علیہ السلام اور حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام کو شامل کریں تو ستائیس بن جائیں گے اور اگر ۱۵ میں انہیں شامل کریں تو ۱۷ بن جائیں گے۔ جنہوں نے اٹھائیس تعداد لکھی ہے تو انہوں نے اس طرح لکھا ہے کہ عقیلؑ کی اولاد جو شہید ہوئی ابو سعید کا ایک بیٹا تھا محمد، ابو سعید عقیل کے بیٹے تھے اور عقیلؑ کے بیٹے عبدالرحمٰن، جعفر عقیلؑ کا بیٹا عونؑ، عقیلؑ کا بیٹا عبداللہؑ، عقیل کا بیٹا موسیٰ اور عقیلؑ کا بیٹا محمد تھا جس کے دو بیٹے تھے جعفر اور احمد اور عقیلؑ کا بیٹا مسلمؑ اور مسلمؑ کے تین بیٹے عبداللہؑ محمدؑ عونؑ یہ کربلا کے شہداء ہیں اور ابوطالبؑ کے بیٹے ہیں عقیلؑ اور ابوطالبؑ کے فرزند ہیں جعفر طیارؑ اور جعفر طیارؑ کے فرزند ہیں عبداللہ اور عبداللہؑ کے دو بیٹے عونؑ و محمدؑ شہید ہوئے جو بی بی زینب سلام اللہ علیہا کے فرزند تھے۔

ابوطالبؑ کے بیٹے ہیں امام علیؑ اور امام علیؑ کے بیٹے امام حسینؑ کے دو بیٹے حضرت علی اکبرؑ اور عبداللہ الرضیع جنہیں علی اصغرؑ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے وہ شہید ہوئے اور امام حسن علیہ السلام کے بیٹے عبداللہؑ جن کی کنیت ابوبکر بتائی گئی ہے اور عبداللہ کا ایک چھوٹا بچہ تھا اور جناب قاسمؑ اور

بعضوں نے احمد کا نام دیا ہے اور حضرت علیؑ کے بیٹے ہیں حضرت عباسؑ اور محمدؑ ہیں اور عمر اطلافؑ ہیں عبداللہؑ ہیں پھر عبداللہؑ ہیں عبداللہ اصغرؑ ہیں جعفرؑ ہیں عثمانؑ ہیں محمد الاصغرؑ ہیں۔

بعض نام مشترک نام ہیں ان مشترکہ ناموں کی وجہ سے بھی شہداء کی تعداد میں اشتباہ ہوسکتا ہے۔

حضرت امام زمانہ (عج) نے زیارت ناحیہ مقدسہ میں شہداء کے باقاعدہ اسماء کا تذکرہ فرمایا ہے اس زیارت کو سید ابن طاؤس نے لکھا ہے اور اس میں شک کا اظہار بھی کیا ہے کیونکہ یہ کہتے ہیں کہ یہ ۲۵۲ ہجری میں صادر ہوئی ہے اور ۲۵۲ ہجری میں ابھی حضرت امام مہدی علیہ السلام کی ولادت نہیں ہوئی تھی لیکن ایک بات طے شدہ ہے کہ یہ ایک ایسی زیارت ہے جو کہ قدیم ترین ہے اور اگر ۲۵۲ ہجری سے بھی ہو تو یہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانے سے ہے یا تو خود حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام یا حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے یا انہی کے کسی معتبر شاگرد نے یا پھر حضرت امام زمانہ (عج) نے پڑھی ہے اور اس میں ہوسکتا ہے کچھ کمی اور زیادتی ہو لیکن یہ طے شدہ بات ہے کہ یہ زیارت قدیم ترین زیارت ہے اور قدیم ترین منبع، مصدر اور سند ہے جس میں شہداء کے باقاعدہ اسماء موجود ہیں اس کی بنیاد پر شہداء کے ناموں کے بارے میں فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

شیخ محمد مہدی شمس الدین نے اپنی کتاب انصار الحسینؑ میں اس زیارت کو حضرت امام زمانہ (عج) کی طرف نسبت دی ہے اور اس میں شہداء کی اکثریت کے نام موجود ہیں اور بعض کے کچھ مختصر حالات ہیں اور بعض کے قاتلوں کے نام ہیں اور علامہ مجلسیؒ نے اس زیارت کو البحار کی جلد ۴۵ میں لکھا ہے اس زیارت میں حضرت امام حسینؑ کے ساتھ جو افراد شہید ہوئے یا اصحاب کی تعداد ۸۲ یا ۸۳ تھی تو ان میں سے چونسٹھ کے نام موجود ہیں اس زیارت کے متن کو علیحدہ ہمارے ادارے کی طرف سے شائع کیا گیا ہے اسے وہاں سے منگوایا جاسکتا ہے اور اس میں آل ابوطالبؑ کے اسماء بھی موجود ہیں جن پر امام علیہ السلام نے سلام بھیجا ہے تو پہلا سلام حضرت علی اکبرؑ پر بھیجا ہے دوسرا عبداللہ بن الحسینؑ یعنی شیر خوار بچے پر بھیجا ہے تیسرا عبداللہ بن علیؑ پر بھیجا ہے چوتھا سلام عباسؑ بن علیؑ پر بھیجا ہے پھر جعفرؑ بن امیر المومنینؑ، عثمانؑ بن امیر المومنینؑ، عثمان بن مظعون کے ہم نام تھے اور پھر محمدؑ بن امیر المومنینؑ پر پھر امام حسنؑ کی اولاد پر سلام شروع کیا ہے ابوبکرؑ بن حسن الزکی جن کا نام کتابوں میں ہے، عبداللہ بن حسنؑ ابن علیؑ الزکی اور قاسمؑ بن حسنؑ بن علیؑ اور عبداللہؑ بن جعفرؑ کی اولاد ہیں عونؑ بن عبداللہؑ بن جعفرؑ طیار اور محمدؑ بن عبداللہؑ بن جعفرؑ یہ دونوں بی بی زینب سلام اللہ علیہا کے فرزندان ہیں پھر جناب عقیلؑ کی اولاد جعفرؑ بن عقیلؑ، عبدالرحمٰنؑ بن عقیلؑ، عبداللہؑ بن مسلمؑ بن عقیلؑ، ابوعبداللہؑ بن مسلمؑ بن عقیلؑ پھر محمدؑ بن ابی سعیدؑ بن عقیلؑ پھر حضرت امام حسین علیہ السلام کے غلاموں کا تذکرہ ہے سلیمان، حسینؑ ابن امیر المومنینؑ کے غلام، قاربؑ حسینؑ ابن علیؑ کے غلام، مجمع حسینؑ ابن علیؑ کے غلام۔ پھر صحابہ پر جو سلام بھیجا گیا ان میں مسلمؑ بن عوسجہ، سعید بن عبداللہ الحنفیؒ، بشر بن عمرو الحضرمیؒ۔ یزید بن حصین الہمدانی المشرقیؒ۔ عمرانؒ بن کعب الانصاری۔ نعیم بن عجلانؒ۔ زہیر بن القین البجلیؒ۔ عمرو بن قرظۃ الانصاریؒ۔ حبیبؑ ابن مظاہر الاسدی۔ حرؑ بن یزید الریاحی۔ عبداللہ بن عمیر الکلبی۔ نافع بن ہلال الجملی المرادی۔ انس بن کاہل الاسدیؒ۔ قیس بن مسہر الصیداویؒ۔ عبداللہؑ اور عبدالرحمٰنؑ۔ عروۃ بن حراق الغفاریین۔ جونؑ ابوذرؓ کے غلام۔ شبیبؑ بن عبداللہ النہشلی۔ حجاج بن یزید السعدیؒ۔ قاسط اور کردوس عبداللہؑ بن زہیر تغلبی کے بیٹے۔ کنانہ بن عتیقؒ۔ ضرغامہ بن مالکؑ۔ جوین بن مالک الضبعی۔ عمرو بن ضبیعۃ الضبعی۔ یزید بن ثبیت القیسی۔ عبداللہؑ اور عبیداللہؑ یزید بن ثبیت القیسی کے بیٹے۔ عامر بن مسلمؑ، قعنب بن عمرو النمریؒ۔ سالمؑ عامر بن مسلمؑ کا غلام۔ سیفؑ بن مالک۔ زہیر بن بشر الخثعمیؒ۔ زید بن معقل۔ حجاج بن مسروقؒ۔ مسعود بن حجاج اور اس کا بیٹا مجمع بن عبداللہ العائذی۔ عمار بن حسانؒ بن شریح الطائی۔ حیان یا جنادہ بن حارث سلمانی الازدیؒ۔ جندبؑ ابن حجیر الخولانی۔ عمرو ابن خالد الصیداویؒ۔ اور اس کا غلام سعید۔ یزید بن زیاد بن المہاصر الکندی۔ زاہر، عمرو بن الحمق کا غلام۔ جبلۃ بن علی الشیبانی۔ سالم بنی المدینۃ الکلبی کا غلام۔ اسلم بن کثیر الازدیؒ۔ زہیر بن سلیم الازدیؒ۔ قاسمؑ بن حبیب الازدی۔ عمر بن الاحدوث الحضرمی۔ ابی ثمامۃ عمرو بن عبداللہ الصائدی۔ حنظلۃ بن اسعد الشبامیؒ۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن الکدن الارحبی۔ عمارۃ ابن ابی سلامۃ الہمدانیؒ۔ عابس بن شبیب الشاکریؒ۔ شوذب شاکر کا غلام۔ سیف بن الحارث بن سریع۔ مالک بن عبد بن سریع۔ جریح الماسور، سوار بن ابی حمیر یا عمیر الفہمی یا النہمی الہمدانی۔ المرتثؑ اور ان کے ساتھ عمرو بن عبداللہ الجندعیؒ۔

اور آخر میں امام علیہ السلام نے اس زیارت میں فرمایا السلام علیکم یا خیر انصار السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار بواکم اللہ مبوا الابرار اشهد لقد کشف اللہ لکم الغطاء ومهد لکم الوطاء واجزل لکم العطاء و کنتم عن الحق غیر بطاء وانتم لنا فرطاء و نحن لکم خلطاء فی دار البقاء والسلام علیکم ورحمة الله وبرکاته.

یہ مضمون شہداء کربلا کے بارے میں ہے اور اس میں یہ تحقیق جو ہے کتاب موسوعۃ کربلاء جو کہ ڈاکٹر لبیب بیضون کی تالیف ہے یہ اس کتاب کی دوسری جلد کی ابتداء سے اسے ہم نے لیا ہے اور اس میں کچھ مطالب کو ہم نے چھوڑ دیا ہے یہ صفحہ ۱۸ سے صفحہ ۴۷ تک کا بیان ہے اور کیونکہ شہداء کربلاؑ کے حوالے سے واضح نہیں ہوتا اور ان کے اسماء کے حوالے سے بھی بہت سارے افراد کو پتہ نہیں ہوتا لہٰذا اس مضمون میں ہم نے کوشش کی ہے اور اس محقق نے بھی امکانی حد تک شہداء کے اسماء جو ہیں وہ عزاداروں کے لئے پہنچائے جائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے ولی منتقم آل محمد علیہم السلام، مہدی امم (عج) وارث کربلاؑ کے ظہور کے ایام کو قریب سے قریب تر لائے تا کہ وہ آئیں اور ان سب کے قاتلوں سے انتقام لیں اور ان کے قاتلوں کے نقش قدم پر جو چلنے والے ہیں اور جو اس دور سے لے کر آج تک قاتلان حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ اپنا تعلق رکھے ہوئے ہیں اور جنہوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل کے لئے مقدمات فراہم کئے اور کربلا کے واقعہ کے رونما ہونے میں ان کا کسی بھی حوالہ سے کردار ہے اور جنہوں نے ان سے اپنا تعلق جوڑا ہوا ہے ان سب سے آ کر انتقام لیں اور ہمیں بھی اپنی فوج میں شامل کریں۔ (آمین)

مراجع تقلید

آیت اللہ السید علی سیستانی

آیت اللہ السید سعید الحکیم

آیت اللہ آغا موسوی اردبیلی

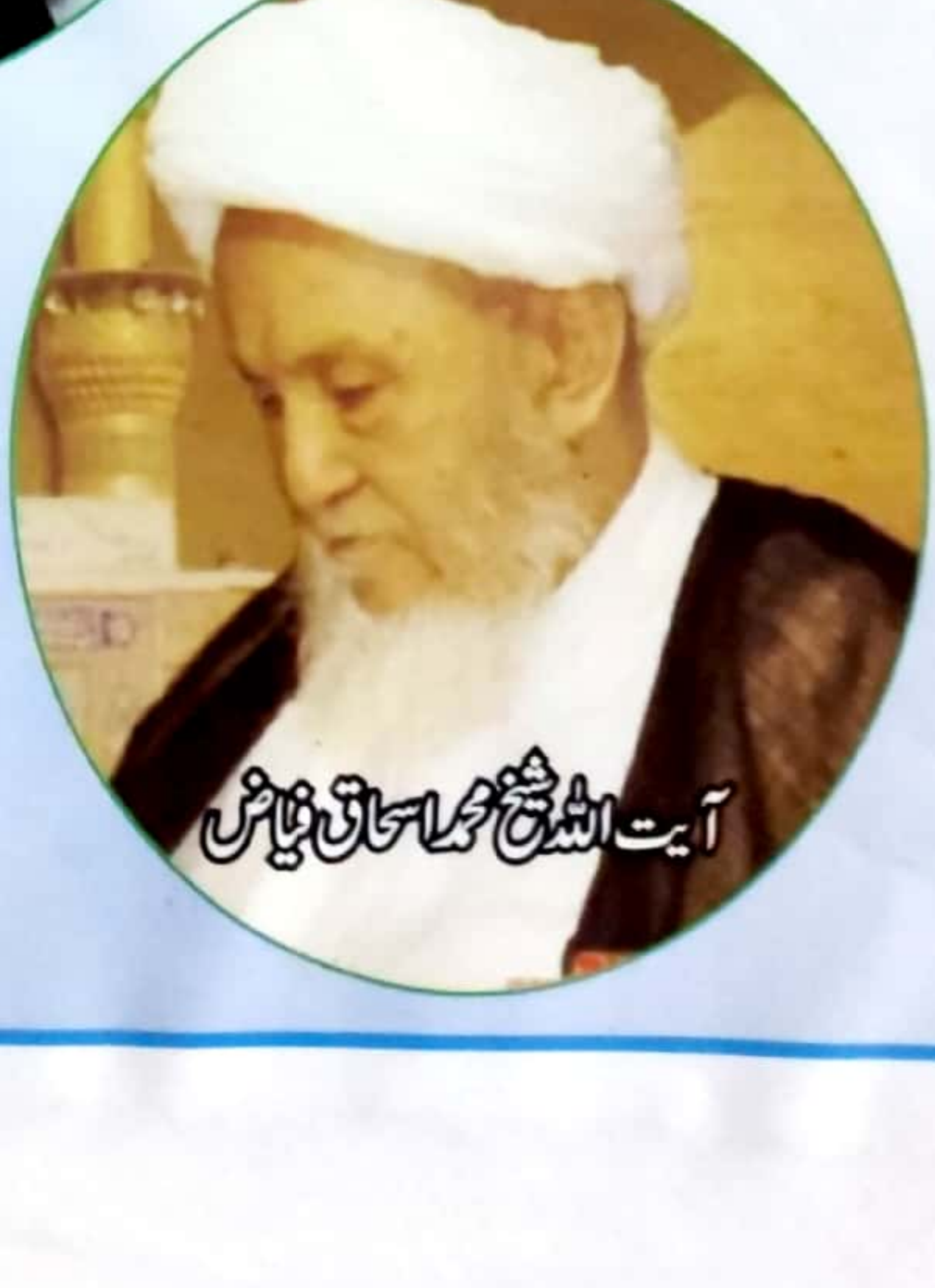
آیت اللہ شیخ محمد اسحاق فیاض

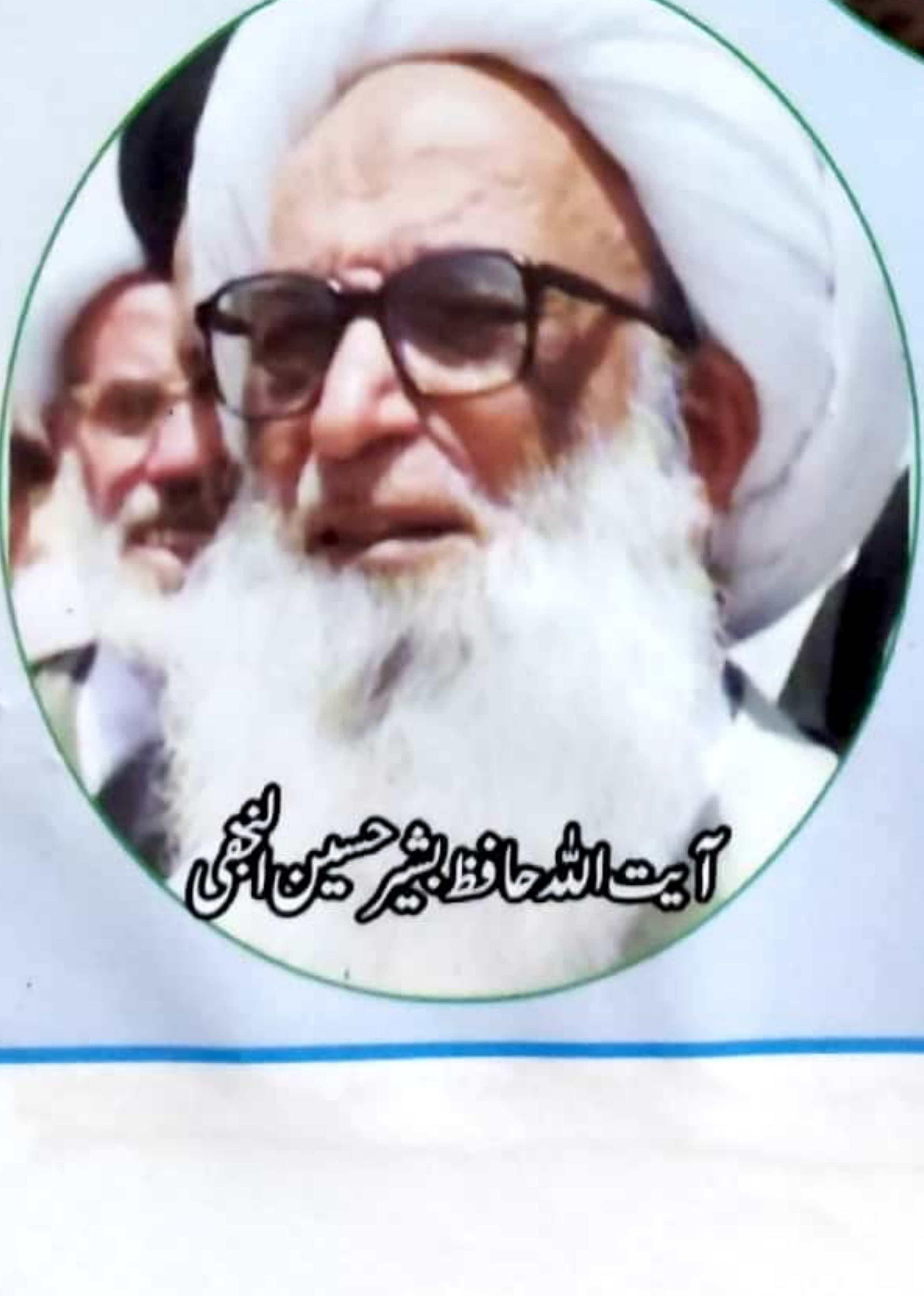
آیت اللہ حافظ بشیر حسین النجفی

پیامِ زینب سلام اللہ علیہا
January/Feburary2010
ابوالفضل العباس
Website for Piyyam-e-Zainab(s.a) www.piyyam-e-zainab.com
Website for Imam Khomeini Welfare Trust Regd. www.iktrust.org

اللہ
ماہنامہ
مومن
لاہور
مئی 2004ء

ربیع الاوّل

محترمہ اُمِّ کلثوم خان

ربیع الاوّل اسلامی کیلنڈر کا تیسرا مہینہ ہے۔ اس کے لغوی معنی ''پہلی بہار'' کے ہیں۔ گلشن کائنات میں اصل فصل بہار حضور سرور کائنات ﷺ ہی کے دم قدم سے آئی۔ آپ ﷺ اس ماہ مبارک کے نویں روز اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئے جو تاریخ عالم کا اہم ترین واقعہ ہے۔ کائنات پر اللہ رب العزت کی یہ رحمت و احسان سنہ ۱ عام الفیل بمطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء بروز پیر صبح صادق کے وقت ہوا۔

آفتاب رسالت کا طلوع اور بشارت وحی بھی ۹ ربیع الاوّل سنہ ۴۱ عام الفیل بمطابق ۹ فروری ۶۱۰ء کو ہوئی۔ آپؐ نے مدینہ المنورہ میں مسجد قبا کی بنیاد اسی ماہ کی آٹھ تاریخ ۱ھ بمطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء کو اپنے دست مبارک سے رکھی۔ مسجد نبوی شریف کی تاسیس مسجد قبا کا سنگ بنیاد رکھے جانے کے گیارہ روز بعد اس ماہ عظیم کی ۱۹ تاریخ یعنی اکتوبر ۶۲۲ء میں ہوئی اور اذان کی باقاعدہ ابتدا بھی اس روز سے ہوگئی۔ حضور سرور کائنات نے اس ماہ بابرکت میں داعی اجل کو لبیک کہا اور یوں حضرت صدیق اکبرؓ اسی ماہ کی ۱۲ تاریخ کو مسند خلافت رسولؐ پر تشریف فرما ہوئے۔ حضرت سلمانؓ فارسی، حضرت امام حسنؓ بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ' سمیت کئی ایک مکرم صحابہ اور بہت سی بزرگ ہستیاں اسی ماہ مبارک میں دنیا سے رخصت ہوئیں۔

تاہم اس ماہ بہاراں کی سب سے بڑی شان بہارِ دوجہاں، سرور کونین، تاجدار مدینہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آمد مبارک ہے۔ اس لئے ہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ اللہ کے حضور آپ ﷺ کی آمد مبارک کے حوالے سے سجدۂ شکر ادا کریں۔ اپنے پیارے نبی کریم ﷺ کے درجات کی بلندی کے لئے خوب صدقہ خیرات دیں اور غریب بہن بھائیوں کو عید میلاد کی خوشیوں میں شامل کریں۔

تلاوت کلام پاک کثرت سے کریں اور اس کا ایصال ثواب حضور سرور کائنات ﷺ، آپ ﷺ کے اہل ایمان آباؤ اجداد، آپ ﷺ کے اہل بیت، ازواج مطہرات، آپ ﷺ کے صحابہ کبار، شہداء اسلام اور آپ ﷺ کا اتباع کرنے والے اولیائے اکرام، صوفیائے عظام، صدیقین، صالحین اور مبلغین اسلام کی ارواح مقدسہ کو پہنچائیں۔

توبہ استغفار کثرت سے پڑھیں کہ دعائے مغفرت اللہ کی رحمتوں کے حصول کی کنجی ہے۔ حضور سرور کائنات ﷺ پر کثرت سے درود شریف بھیجیں۔ سلام بھیجنے والوں پر ہی سلامتی لوٹائی جاتی ہے۔ سورۂ کوثر تواتر سے پڑھیں۔ تہجد اور قیام الیل کے نوافل ادا کریں اور حضور اقدس ﷺ کی روح مبارکہ کو ایصال ثواب پہنچائیں درود شریف میں سب سے اچھا اور جامع درود شریف درود ابراہیمی یعنی نماز میں پڑھا جانے والا درود شریف ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ؕ ﴿۱﴾
فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ؕ ﴿۲﴾
اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴿۳﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱﴾ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِیْمِ ﴿۲﴾ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۳﴾ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ
اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ﴿۴﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِیْمَ ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ﴿۶﴾ غَیْرِ
الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ﴿۷﴾

سیرت طیبہ ﷺ کا پیغام

حکیم محمد سعید

☆ حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ انسان کی زندگی کے تمام شعبوں کے لئے دائمی مشعل راہ اور کامل ترین نمونہ عمل ہے۔ اگر حضورؐ کے اسوہ حسنہ کا مینار نور سامنے نہ ہوتا تو انسان کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کا سلیقہ اور قرینہ اور راہ حق کا ادراک کبھی نہ ہوتا۔ توحید کی وہ حقیقت بھی عیاں نہ ہوتی جس نے عالم انسانی کو وحدت، اخوت اور محبت کا جذبہ بے مثال عطا کیا اور عداوت ونفرت کے شعلہ زاروں میں مہر والفت کا چمن کھلا دیا۔

یہ خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ ہی کی سیرت طیبہ کا فیضان ہے کہ افراد کی ساری قوتیں ایمان کے نقطہ پرکار پر جمع ہو کر تخریب کے بجائے تعمیر کی راہ پر لگ گئیں۔ اور وہ لوگ جو بغض وعناد کی آگ بھڑکاتے تھے۔ اور اسی سہارے زندگی گزارتے تھے۔ وہ امن وآشتی کے نقیب اور سارے عالم کے لئے سکون وسلامتی، کے داعی بن گئے۔

انبیائے کرامؑ، حضور اکرمؐ سے پہلے بھی آتے رہے تھے اور اس طرح بندگی رب کا پیغام انسانوں کو ہمیشہ پہنچتا رہا۔ مگر دنیا کے لئے تمام شعبہ ہائے زندگی کو محیط عالم گیر اور دائمی نمونہ عمل آپؐ ہی کی سیرت طیبہ کو کہا گیا۔ اس لئے کہ نبوت اور رسالت کا سلسلہ آپ کی ذات اقدس پر تمام ہوا اور احکام الٰہی کی عملی تصویر نقوش سیرت کے ذریعے سے منزل تکمیل تک پہنچا دی گئی۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت پیغمبرانہ صفات کی جامعیت اور محاسن اخلاق کے سارے دل کش نمونے سیرت طیبہ میں شان انفرادیت کے ساتھ موجود ہیں۔ مگر جو چیز مرکزی نکتے اور عطر سیرت کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ اللہ کے بندوں پر آپ کی شفقت ورحمت انسانوں سے آپؐ کی محبت اور آپ کا وہ خلق عظیم ہے۔ جو مہر عالم تاب بن کر سب کے سروں پر ضوفشاں نظر آتا ہے۔ آپؐ نے پتھر جیسے دلوں کو اپنی شفقت ومحبت ہی سے ایسا گداز عطا کیا کہ وہ ساری انسانیت کے غم خوار بن گئے۔ اگر آپ کا رحم وکرم تمام عالم کے لئے عام نہ ہوتا تو آپؐ ہر کس وناکس کے مرکز دل ونگاہ نہ ہوتے۔ قرآن مجید میں ہے۔

ترجمہ: (''اے نبیؐ! یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم لوگوں کے لئے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ اگر کہیں تم تندخو اور تنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گردوپیش سے چھٹ جاتے۔ ان کے قصور معاف کردو اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو'')

کاشانہ اقدس میں مہینوں چولہا نہ جلتا، مگر اللہ کے بندوں کی لاچاری اور فاقہ کشی آپؐ کو گوارا نہ تھی۔ بخاری کی روایت ہے کہ ایک بھوکا شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وقت خانہ نبویؐ میں پانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: جو شخص آج کی رات اس شخص کو اپنا مہمان بنائے گا اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا''۔ ایک انصاری بہ صد شوق اس کو اپنے گھر لے گئے اور بیوی سے پوچھا'' کچھ گھر میں ہے''؟ بیوی نے کہا۔ ''صرف بچوں کا کھانا ہے''۔ انہوں نے کہا۔ '' بچوں کو سلا دو اور چراغ بجھا دو۔ ہم دونوں رات کو بھوکے رہیں گے۔ ہم مہمان پر یہ ظاہر کریں گے کہ ہم بھی اس کے ساتھ کھا رہے ہیں''۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ صبح کو جب وہ بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا۔'' اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے ایثار اور تمہاری مہمان نوازی اور حسن سلوک کی خبر دی اور تم سے اپنی خوشنودی کا اظہار قرآن میں فرمایا''۔

کسی کو رفتار مصیبت دیکھ کر آپ کا دریائے رحمت جوش میں آجاتا۔ آپ فوراً آگے بڑھتے اور اللہ کے بندے کو جب تک اس مصیبت سے نجات نہ دلا دیتے آپ کو سکون نہ آتا۔ ہر مصیبت زدہ اور مظلوم انسان اپنے لئے چارہ سازی کی درخواست اس یقین کے ساتھ کرتا تھا کہ آپؐ اس پر ضرور کرم فرمائیں گے۔

ایک صحابیؓ نے جنگ سے واپس آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں نہایت ہمت وشجاعت کے ساتھ لڑ رہا تھا کہ اچانک میرے سامنے ایک کافر آیا اور اس نے لاالٰہ الا اللہ کہا، مگر میں نے اسے مار ڈالا۔ آپؐ نے فرمایا۔'' جب اس نے کلمہ پڑھ لیا تو پھر کیوں مارا؟'' انہوں نے عرض کیا۔'' حضورؐ! مجھ کو یہ خیال ہوا کہ شاید جان کے ڈر سے اس نے کلمہ پڑھا''۔ آپؐ نے سخت برہمی کے عالم میں فرمایا کہ کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟ وہ صحابیؓ کہتے ہیں کہ جب بھی آپ کی اس برہمی کا تصور کرتا ہوں میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

انسان تو بہرحال اللہ کا خلیفہ ہونیکی وجہ سے موجودات میں ایک قیمتی سرمائے کی حیثیت رکھتا ہے لیکن انسان کی فلاح وبہبود اور اس کی حرمت وکرامت کا جو شعور آپؐ نے عطا کیا وہ آپ کی سیرت طیبہ کا گراں قدر عطیہ ہے۔ آپ ﷺ کی شفقت ورحمت کا امتیاز تو یہ ہے کہ حیوانوں پر بھی رحم کی تلقین فرمائی۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص سفر پر تھا۔ راستے میں اس کو سخت پیاس لگی۔ سامنے کنواں تھا۔ وہ اس میں اتر گیا۔ جب باہر آیا تو دیکھا کہ کتا پیاس کی شدت سے گیلی مٹی چاٹ رہا ہے۔ اس نے خیال کیا کہ پیاس سے جو میرا حال ہو رہا ہے۔ وہ اس کا بھی ہے۔ وہ پھر کنویں میں اترا۔ اپنے چمڑے کے موزے پانی سے بھر کر اس کو دانتوں سے دبایا اور کنویں سے نکل کر اس کتے کو پانی پلایا۔ اللہ

تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو قبول فرمایا اور اس کی مغفرت فرمادی۔ لوگوں نے دریافت کیا۔ ''یارسول ﷺ کیا جانوروں کے معاملے میں اللہ نے اجر رکھا ہے''؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''ہر اس مخلوق کے ساتھ سلوک کرنے میں اجر ہے جو جان رکھتی ہے۔

جس ذات اقدس کی طرف سے جانداروں پر رحم کی ایسی تاکید کی گئی ہو اس کی طرف سے انسان اور اس کے سارے طبقات کے لئے لطف وکرم اور احسان وعنایت کا کیسا اہتمام کیا گیا ہو گا اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی شفقت ومحبت کے یہی ابدی نقوش اسلامی معاشرے کے افراد کے مابین اخوت اور دائمی محبت کے لئے چراغ راہ بنے۔ آپ ﷺ نے جس معاشرے کی تشکیل فرمائی اس کی اساسی قدر محبت اور اخوت ہی ہے۔ دلوں کی نرمی، اخلاق کی پاکیزگی، دوسروں کے کام آنے کا جذبہ، مصیبت، غربت، جہالت اور باہمی ربط واتحاد، یہ سب اسلامی معاشرے کے وہ خدوخال ہیں جو اس کے لئے مایہ افتخار وامتیاز ہیں۔ اور نجات کا ذریعہ ہیں۔

اس محبت واخوت کی حقیقت آپ ﷺ نے اس طرح ذہن نشین کرائی کہ یہ صفات کمال ایمان کی علامت بن گئیں۔ بخاری کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

'' کامل ترین ایمان یہ ہے کہ تم دوسرے لوگوں کے لئے بھی وہی پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو''۔

یہ صرف ایک اخلاقی نکتہ نہیں ہے بلکہ اجتماعی زندگی کی فلاح وسعادت کے تمام رموز اس میں پنہاں ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک انسان کے لئے اپنی خوش حالی، کامیابی، فلاح وترقی، عزت ومحبت اور راحت وعافیت کی تمنا کرنا اس کی سرشت میں داخل ہے۔ نبی رحمت ﷺ نے باہمی محبت کو شرط ایمان قرار دیا۔ اس طرح آپ ﷺ نے اس فطری تقاضے کو ساری مخلوق تک پھیلا کر اسے اسلام کے نظام اخلاق کا ایک اصول قرار دیا۔ وہ اصول یہ ہے کہ آدمی جو کچھ اپنے لئے پسند کرے اسے دوسروں کے لئے بھی ایسا ہی کرنا چاہئے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ: '' تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے جب تک ایمان نہ لاؤ اور جب تک تمہارے دلوں میں باہمی محبت نہ ہو گی اس وقت تک تمہارا ایمان کامل نہیں ہو سکتا''۔

حضور ﷺ نے مسلمانوں کی باہمی محبت کو معاشرے کی اساسی قدر بنا کر ان تمام چیزوں سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی جن سے ربط واتحاد میں کمی آتی ہے۔ اور اخوت کا رشتہ کمزور ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کسی مسلمان کے لئے یہ روا نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ کسی قسم کی کوئی زیادتی کرے یا اس کو برا کہے''۔ آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کو قتل کرنا کفر کے برابر ہے''۔

انفرادی اور اجتماعی عزت ووقار کے تحفظ کے لئے آپ ﷺ نے اتہام سازی اور بہتان طرازی کا دروازہ بند فرمایا۔ دوسرے کی خامیوں کے تجسس اور عیب جوئی کی ممانعت فرمائی۔ غیبت کو گناہ عظیم قرار دیا۔ بدگمانی کرنے کی مذمت فرمائی۔ ایک دوسرے کے ساتھ بغض وحسد اور کینہ وعداوت رکھنے سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی۔ انسانوں کے نام آپ ﷺ کا اہم پیغام یہ تھا:

''اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ''۔

آپ ﷺ نے ایک ایک کر کے وہ تمام دروازے بند کر دیئے جن سے باہمی محبت کی دیواروں میں رخنے پڑتے ہیں۔ آپ ﷺ کی نگاہ معجزہ نما سے انسانوں کی وہ کمزوریاں پوشیدہ نہ تھیں جن سے دلوں میں فاصلے بڑھتے۔ اور نفرت کے شعلے بھڑکتے ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ نے غرور وتکبر، نفاق، فریب اور کسی کو حقیر سمجھنے کی سخت ممانعت فرمائی۔ آپ ﷺ نے ہر طرح کی عصبیت سے بچنے کی تاکید فرمائی اور آپ ﷺ نے بتایا کہ ظلم وزیادتی کے کاموں میں اپنی قوم کی اعانت کرنا بھی عصبیت میں داخل ہے۔ باہمی محبت کے جذبے کو محرک عامل بنانے کے لئے غصے کو پی جانے اور لوگوں کے ساتھ عفوو درگزر سے کام لینے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

'' جو تمہارے ساتھ جہالت سے پیش آئے اس کے ساتھ حلم سے پیش آؤ، جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کر دو۔ جو تمہیں محروم کرنیکی کوشش کرے اسے دو، جو تم سے قطع تعلق کرے تم اس کے ساتھ تعلق قائم رکھو''۔ انھی اصولوں کی بنا پر تعاون، محبت اور یکجہتی کی فضا قائم ہوتی ہے۔

اور ان سے ایسی اخوت فروغ پاتی ہے، جس میں ہر دل ایک دوسرے کے لئے بےقرار، ایک دوسرے کی حاجت روائی کے لئے مستعد، ایک دوسرے کے رنج وغم میں برابر کا شریک اور ہر دل ایک دوسرے کے لئے ہمدردی اور دل سوزی سے پُر ہوتا ہے۔ اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہو کر تمام مسلمان جسدِ واحد بن جاتے ہیں اور کسی ایک کی تکلیف پورے معاشرے کی تکلیف بن جاتی ہے۔ ہر شخص ایک دوسرے کی اعانت کو اپنے ایمان کا تقاضا سمجھتا ہے۔

اخوت اور محبت کا یہی بے مثل جذبہ تھا جو نبی اکرم ﷺ نے اپنے عمل اور تربیت سے لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا تھا۔ کوئی کسی کی محرومی دیکھ سکتا تھا نہ کسی کی تکلیف گوارا کر سکتا تھا۔ ہر شخص ایک دوسرے کے لئے سینہ سپر ہو جاتا تھا۔ یہ نبی رحمت ﷺ کی تربیت کا اعجاز تھا۔

آپ ﷺ ہر موقع پر اس بات کی اہمیت کا احساس دلاتے تھے کہ جب تک اخلاق ومعاملات کی یہ خوبی پیدا نہ ہو جائے۔ بندگی منزل کمال تک نہیں پہنچ سکتی۔

حضرت اسامہ بن شریک سے روایت ہے۔ کہ

ہم لوگ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ حج کیلئے آئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں۔ کوئی پوچھ رہا ہے کہ میں نے طواف سے پہلے سعی کر لی ہے یا فلاں کام پہلے کر لیا اور فلاں بعد میں۔ آپ ﷺ نے سب کے جواب میں یہی فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ حرج تو اس بات میں ہے کہ کسی مسلمان بھائی پر ظلم کیا جائے اور اس کی آبرو پر حملہ کیا جائے۔ ایسا شخص یقیناً ہلاک و برباد ہوگا۔

اس تعلیم کی وجہ سے صحابہ کرامؓ نے محبت اور اخوت کو اپنا شعار۔ بنالیا تھا اور وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے نام پر کسی طرح کی قربانی سے کبھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ لوگوں کے حقوق کے سلسلے میں ہمیشہ اپنا احتساب کرتے رہتے تھے۔

ان گزارشات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے شفقت و محبت نے انسانی معاشرے کو باہمی محبت اور اخوت کے جذبے کی کیسی سرشاری عطا کی تھی۔ انسانوں کو باہم لطف، نرمی اور الفت وایثار کے ساتھ پیش آنے کی کیسی مکمل تعلیم دی تھی، اور اپنی سیرت طیبہ کی عملی مثالوں سے باہمی ترحم اور ایثار کی اعلیٰ اجتماعی قدروں کو کیسا فروغ عطا کیا تھا۔ میں ہمدردی وایثار کو سیرت نبوی ﷺ کا سب سے بڑا عطیہ اور سب سے بڑا پیغام سمجھتا ہوں۔ آج دنیا میں اگر یہی قدریں ہماری زندگی اور ہمارے فکر وعمل میں اپنا مقام حاصل کرلیں تو ہمارے معاشرے سے ظلم وزیادتی، نفرت وعداوت، بے رحمی اور سنگدلی کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ ہماری صفوں کا انتشار اتحاد سے بدل سکتا ہے۔ اور سارا معاشرہ امن کا گہوارا بن سکتا ہے۔ ❀

تحویل قبلہ

رجب (بروایت دیگر شعبان) ۲ ہجری میں تحویل قبلہ یعنی قبلے کی تبدیلی کا حکم نازل ہوا۔ اس سے پہلے مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ بیت المقدس یہودیوں کا بھی قبلہ تھا اس لیے انہیں مسلمانوں کا بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا بہت اچھا معلوم ہوتا تھا۔ چونکہ یہ لوگ اہل علم، متمدن اور دولت مند تھے اس لیے خدشہ تھا کہ کہیں اہل ایمان احساس کمتری میں نہ مبتلا ہو جائیں اور وہ بیت المقدس کو کعبہ یا مسجد حرام سے افضل نہ سمجھنے لگیں۔ اسی لیے رسول اکرم ﷺ کی خواہش تھی کہ مسلمان کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کریں چنانچہ آپ بار بار اپنے چہرہ مبارک کو آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اس انتظار اور خواہش میں کہ کب اللہ تعالیٰ تحویل قبلہ کا حکم نازل کرتا ہے۔ آخر رجب یا شعبان ۲ھ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی خواہش پوری کر دی اور یہ حکم نازل فرمایا:

ترجمہ: ''(اے رسول) یہ تمہارے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں، لو ہم اسی قبلے کی طرف تمہیں پھیرے دیتے ہیں، جسے تم پسند کرتے ہو۔ مسجد حرام کی طرف رخ پھیر دو۔ اب جہاں کہیں تم ہو، اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو اور بے شک اہل کتاب اچھی طرح جانتے ہیں کہ (قبلے کی تبدیلی کا) یہ حکم ان کے رب ہی کی طرف سے ہے اور برحق ہے مگر اس کے باوجود جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس سے غافل نہیں ہے''۔

تحویل قبلہ کا حکم نازل ہونے کے فوراً بعد اہل ایمان نے بیت المقدس کے بجائے مسجد حرام (کعبہ شریف) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا شروع کر دیا۔ مسجد نبویؐ اور مسجد قباء کو کعبہ کے رخ کی جانب بدل دیا گیا یعنی ان کی محراب دوسری جانب کر دی گئی۔ دوسرے مقامات تک یہ حکم پہنچا تو وہاں کے لوگوں نے بھی اپنی مسجدوں کے رخ کعبہ کی جانب کر لیے۔

قبلہ کی تبدیلی سے یہودیوں کے احساس برتری پر کاری ضرب لگی جس سے وہ بلبلا اٹھے اور مسلمانوں کے خلاف الٹی سیدھی باتیں کرنے لگے۔ اس طرح منافقین کا نفاق بھی آشکارا ہو گیا کیونکہ وہ بھی یہودیوں کی طرح تحویل قبلہ کے بارے میں اوٹ پٹانگ باتیں کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر ان سب کا منہ بند کر دیا:۔

ترجمہ: ''نادان لوگ ضرور کہیں گے: انہیں کیا ہوا کہ یہ پہلے جس قبلے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اس سے یکا یک پھر گئے (اے نبی) ان سے کہو: مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے''۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات بھی واضح فرما دی کہ قبل ازیں مسلمانوں کے لیے بیت المقدس کو یہ دیکھنے کے لیے قبلہ مقرر کیا گیا تھا کہ کون رسولؐ کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹا پھر جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ عربوں کے لیے کعبہ کے علاوہ کسی دوسرے شہر کو قبلہ بنانا ان کی قوم پرستی اور وطنی ونسلی تفاخر پر ناقابل برداشت ضرب تھی اس کو صرف وہ لوگ تسلیم کر سکتے تھے جو سچے مسلمان ہوں اور اللہ کے رسول کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کر دینے والے ہوں۔ (البقرہ آیۃ ۱۴۳)

عبادتِ نبوی ﷺ

طالب الہاشمی

☆ عبادت کا اصل مادہ ''عبد'' (ع ب د) ہے اور عربی میں اس کے معنی انقیاد واطاعت کے ہیں۔ فی الحقیقت عبد کا لفظ ''آزاد'' کے مقابلے میں غلام اور مملوک کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عربی زبان کی نہایت مستند لغت ''لسان العرب'' کی تشریحات کے مطابق عبادت کے ایک معنی تو پرستش کے ہیں اور دوسرے معنی عاجزانہ اطاعت اور برضاو رغبت فرمانبرداری۔

عبادت غیر اللہ کی ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی صریحاً نافرمانی ہے۔ اسے بلا تامل شرک اور کفر کہا جا سکتا ہے۔ قرآن حکیم کی رو سے معبود حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہی ذات واحد عبادت کے لائق ہے۔ اس نے جن وانس کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں جیسا کہ سورۃ ''الذریت'' میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

ترجمہ: اور میں نے جن وانس کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

لغوی تشریحات کے مطابق عبادت کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی صرف پرستش ہی نہیں بلکہ اس کے تمام احکام کی بے چون وچرا اطاعت، اس کے قانون شریعت کی برضا ورغبت پیروی اور اس کے امر ونہی کی دل وجان سے پیروی بھی شامل ہے۔ گویا ایک سچے مسلمان یا مرد مومن کی ساری زندگی عبادت میں گزرتی ہے۔ یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے علاوہ اس کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، رزق حلال کے لیے بھاگنا دوڑنا، حقوق العباد پورے کرنا، جہاد فی سبیل اللہ، دعوت وتبلیغ، غرض اس کا ہر قول وفعل (جو احکام الٰہی کے مطابق ہوگا) عبادت ہی میں داخل ہے۔ لیکن جو ''عبادت'' دین کی خاص اصطلاح ہے اس سے مراد وہ مخصوص تعظیمی اور تعبدی اعمال ہیں جو کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے جذبہ عبدیت اور عجز وتذلل کے اظہار کے لیے کرتا ہے اور جن کی شریعت میں تفصیل کے ساتھ وضاحت کر دی گئی ہے یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ذکر الٰہی ...... یہاں ہم رسول اکرم ﷺ کی اسی عبادت کا ذکر کریں گے۔

نماز

حضور ﷺ کی سیرت طیبہ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ آپ کو جتنا شغف عبادت الٰہی سے تھا اور کسی چیز سے نہیں تھا۔ اس عبادت میں سرفہرست نماز تھی۔ صحیحین میں بروایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آپ کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ دینی اعمال میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب عمل وقت پر نماز پڑھنا ہے۔ حضور ﷺ کو جس طرح بارگاہ صمدیت میں درجہ محبوبیت حاصل تھا اسی طرح آپؐ کی حق تعالیٰ سے محبت کی کوئی حد ونہایت نہیں تھی چنانچہ آپؐ سب لوگوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے اور اس کا ذکر وشکر کرنے والے تھے۔ نماز چونکہ تمام عبادات میں اظہار عبدیت کے اعتبار سے خاص امتیاز رکھتی ہے۔ اس لیے آپؐ کو اس سے قلبی لگاؤ تھا اور آپؐ اس میں آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا چین پاتے تھے (حدیث نبوی) وقتاً فوقتاً نماز کا وقت آنے پر آپ حضرت بلالؓ سے فرمایا کرتے تھے:

''اے بلال! اٹھو اور نماز شروع کر کے میرے دل کو راحت پہنچاؤ''۔

حضور ﷺ نے کفار کی سختیوں اور جفا کاریوں کے مقابلے میں ہمیشہ صبر وتحمل سے کام لیا اور ان کو کبھی بددعا نہ دی لیکن غزوہ خندق میں ایک دن جب دشمنوں نے آپؐ کو نماز عصر پڑھنے کی مہلت نہ دی اور یوں یہ نماز قضا ہوگئی ...... تو آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ آ گئے۔

''ان لوگوں نے ہمیں عصر کی نماز پڑھنے دی اللہ ان کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے''۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

آنحضور ﷺ معمولاً (اہتمام اور پابندی سے ساتھ) دن رات میں چالیس رکعت نماز پڑھتے تھے۔ ان میں سترہ رکعت فرائض پنجگانہ کے علاوہ دس یا بارہ رواتب (یعنی موکدہ سنتیں) اور تہجد مع وتر کی گیارہ یا تیرہ رکعت شامل ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

فجر سے پہلے دو رکعت، ظہر سے پہلے چار رکعت اور فرضوں کے بعد دو رکعت۔ مغرب کے بعد دو رکعت عشاء کے بعد دو رکعت اور تہجد مع وتر گیارہ یا تیرہ رکعت (دونوں ثابت ہیں)۔ ان کے علاوہ صلوٰۃ الاوابین (مغرب کے فرض اور سنتوں کے بعد کم از کم چھ اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعتیں)۔ اشراق (سورج نکلنے کے فوراً بعد دو رکعت) چاشت (سورج کے خوب بلند ہو جانے کے بعد چار، آٹھ یا بارہ رکعتیں) تحیۃ المسجد (مسجد میں داخل ہو کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھنا بھی متعدد احادیث سے ثابت ہے)۔

دن کے اوقات میں حضور ﷺ نفل نمازیں زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ اس کے دو سبب تھے، ایک تو یہ کہ منصب رسالت اور سربراہ مملکت کے فرائض کی ادائیگی میں آپ کا کافی وقت صرف ہو جاتا تھا۔ ذرا ان فرائض کا اندازہ کیجئے کہ آپؐ دعوت وتبلیغ اور ارشاد وہدایت میں مشغول ہیں، ملک کے داخلی اور خارجی معاملات سے عہدہ برآ ہو رہے ہیں۔ مقدمات سن رہے ہیں، مجرموں اور خطا کاروں پر حد جاری فرما رہے ہیں، بادشاہوں اور حکمرانوں کو دعوت حق کے خطوط بھیج رہے ہیں اور باہر سے آنے والے وفود سے ملاقاتیں کر رہے ہیں اور ان کی مہمانداری کر رہے ہیں، میدان جہاد میں فوجوں کی قیادت فرما رہے ہیں یا مجاہدین کی کسی جماعت کو اپنے کسی

جاں نثار کی قیادت میں مناسب ہدایات دے کر کسی مہم (سریہ) پر روانہ فرما رہے ہیں ۔ مریضوں کی عیادت کر رہے ہیں ۔ اپنے وفات پا جانے والے صحابہؓ (اور صحابیاتؓ) کے جنازوں میں شریک ہو رہے ہیں اور ان کے پسماندگان کے ساتھ تعزیت کر رہے ہیں ، بازار میں یہ دیکھنے کے لیے گشت کر رہے ہیں کہ کوئی دکاندار ناپ تول میں کمی تو نہیں کر رہا یا کوئی ناقص چیز اس کا عیب ظاہر کیے بغیر تو نہیں بیچ رہا وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ اتنی مصروفیات سے فرض نمازوں کے علاوہ دوسری نمازوں (نوافل) کے لیے بہت کم وقت بچتا ہوگا۔

دوسرا سبب بظاہر یہ تھا کہ اگر آپؐ دن کے اوقات کا بڑا حصہ نوافل پڑھنے میں صرف کرتے تو آپؐ کی محبت اور تقلید میں صحابہ کرام بھی ایسا ہی کرتے لیکن آپؐ نہیں چاہتے تھے کہ امت پر زیادہ بوجھ پڑ جائے یا ان نوافل کا پڑھنا امت پر فرض کر دیا جائے۔

حضورﷺ کی رات کی نماز اکثر بہت طویل ہوتی تھی۔ عام طور پر نماز عشاء سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ سو جاتے تھے۔ کبھی آپ کافی آرام فرما کر تہجد کے لیے اٹھتے ، کبھی آدھی رات کے بعد اٹھتے ، کبھی صرف آخری تہائی رات ہی میں تہجد پڑھتے ، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپؐ رات بھر نماز میں کھڑے رہتے اور کبھی کبھی ایسا بھی کرتے کہ اٹھے ، دو رکعتیں پڑھیں پھر کچھ دیر کے لیے سو گئے پھر اٹھ کر دو رکعتیں پڑھیں ، اسی طرح بار بار سوئے اور بار بار اٹھ کر نماز پڑھی یہاں تک کہ صبح ہو گئی ۔ یہ حضور کی نماز شب کے بارے میں مختلف روایتوں کا خلاصہ ہے۔ محدثین نے ان روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ حضور نے مختلف اوقات میں ان طریقوں میں سے ہر ایک طریقہ سے نماز پڑھی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۔ زاد المعاد۔ شرح مواہب زرقانی ، سیرۃ النبیؐ)

آنحضورﷺ کی نماز تہجد بالعموم بہت طویل ہوا کرتی تھی ۔ بعض اوقات حضور حق میں مسلسل اور طویل قیام سے آپؐ کے دونوں پائے مبارک پر ورم آ جاتا تھا۔ یہ دیکھ کر بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ ''رسول اللہ! آپؐ کی مغفرت تو اللہ کر چکا ہے۔ آپ یہ مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟''

آپؐ نے فرمایا:

ترجمہ: یعنی کیا میں عبد شکور نہ بنوں (بالفاظ دیگر کیا میں اپنے پروردگار کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟) (مشکوٰۃ المصابیح، جمع الفوائد)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک رات کو میں رسول اللہﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے لگا۔ آپؐ نے اتنا طویل قیام کیا کہ میرے لیے آپ کا ساتھ دینا مشکل ہو گیا اور میرے دل میں ایک قبیح خیال آنے لگا۔ راوی سے کسی نے پوچھا ، وہ قبیح خیال کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے جواب دیا ، خیال یہ تھا کہ میں بیٹھ جاؤں اور رسول اللہﷺ کو کھڑا چھوڑ دوں۔ (صحیحین)

حضرت زید بن خالدؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ ارادہ کیا کہ آج رات کو میں رسول اللہﷺ کو نماز پڑھتے دیکھوں گا۔ (علامہ شبلی نعمانی نے سیرۃ النبیؐ میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ غالباً یہ کسی سفر کا واقعہ ہے) نماز کا وقت آیا تو رسول اللہﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے ۔ پہلے دو رکعتیں ہلکی ادا کیں اور پھر دو رکعتیں بہت ہی طویل اور بہت دیر تک پڑھیں پھر دو دو رکعتیں کر کے آٹھ رکعتیں بتدریج چھوٹی پڑھیں اور سب کے آخر میں نماز وتر پڑھی ۔ (سیرۃ النبیؐ بحوالہ صحیح مسلم ، موطا ، ابوداؤد)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ کبھی پوری پوری رات نماز پڑھتے رہتے ۔ نماز کی رکعتیں اتنی طویل ہوتیں کہ آپؐ ان میں سورۃ بقرہ ، سورۃ آل عمران اور سورۃ النساء ، پوری پوری پڑھتے ۔ دوران قرات خوف اور خشیت کی آیت آتی تو اللہ سے دعا مانگتے اور پناہ طلب کرتے ، کوئی رحمت اور بشارت کی آیت آتی تو اس کے حصول کی دعا مانگتے ۔ قرات کرتے ہوئے آپؐ کی آواز اتنی بلند ہوتی کہ دور دور تک لوگ اپنے بستروں میں پڑے ہوئے اسے سن لیتے ۔ (سیرۃ النبیؐ بحوالہ مسند احمد وابن ماجہ)

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شب مجھ کو رسول اللہﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا ۔ آپؐ نے چار رکعتوں میں سورۃ بقرہ ، سورۃ آل عمران ، سورۃ النساء ، اور سورۃ المائدہ (یا سورۃ الانعام) پڑھیں گویا تقریباً چھ سیپارے پڑھے ۔ (ابوداؤد)

کبھی جب گھر کے لوگ سو جاتے ، آپؐ خاموشی کے ساتھ بستر سے اٹھتے اور عبادت میں مصروف ہو جاتے ۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات میری آنکھ کھلی تو میں نے رسول اللہﷺ کو بستر پر نہ پایا ، میں نے خیال کیا شاید آپؐ کسی اور بیوی کے حجرے میں تشریف لے گئے ہیں ۔ اندھیرے میں ادھر ادھر ٹٹولا تو اچانک میرے ہاتھ آپؐ کے قدموں پر پڑے ۔ آپ سجدے میں تھے اور دونوں پاؤں کھڑے تھے ۔ اس وقت آپؐ یہ دعا مانگ رہے تھے کہ ''اے اللہ! میں تیری رضامندی کے واسطہ سے ، تیری ناراضی سے اور تیرے عفو و درگزر کے واسطہ سے تیرے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں اور تیری رحمت کے واسطہ سے تیرے غضب سے پناہ مانگتا ہوں ، میں تیری تعریف کرنے سے عاجز ہوں تو ایسی عظیم ذات ہے جیسا کہ تو نے خود ہی ثنابیان کی ہے''۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ دیکھ کر مجھ کو اپنے گمان پر ندامت ہوئی اور دل میں کہا ، سبحان اللہ! ہم کس گمان میں ہیں اور آپؐ کس حال میں ہیں ۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

خود اللہ نے آنحضورﷺ کی رات کی عبادت کا ذکر قرآن حکیم میں یوں فرمایا ہے۔

ترجمہ: (اے نبی) تمہارا رب جانتا ہے کہ تم کبھی دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات اور

کبھی ایک تہائی رات عبادت میں کھڑے رہتے ہو۔

حضور ﷺ نے تہجد کی نماز اپنے اوپر فرض کر لی تھی اور اس کا کبھی ناغہ نہ کرتے تھے لیکن امت کے لیے آپ کا اتباع کرنا بہت مشکل تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی اور اس نماز کو نفل قرار دیا، ساتھ ہی مسلمانوں کو یہ سہولت دی کہ جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہیں پڑھ لیا کریں۔ جیسا کہ آگے چل کر ارشاد ہوا ہے:

ترجمہ: (اے نبی) تمہارے ساتھیوں میں سے بھی ایک گروہ یہ عمل کرتا ہے۔ اللہ ہی رات اور دن کے اوقات کا حساب رکھتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ تم لوگ اوقات کا ٹھیک شمار نہیں کر سکتے لہٰذا اس نے تم پر مہربانی فرمائی، اب جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو۔ اسے معلوم ہے کہ تم میں کچھ مریض ہوں گے، کچھ دوسرے لوگ اللہ کے فضل کی تلاش میں سفر کرتے ہیں اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پس جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو۔

اس حکم کے نزول کے بعد تہجد کی نماز میں تلاوت اور قیام میں تخفیف ہوگئی تاہم حبیب کبریا ﷺ کا معمول قدرے تخفیف کے ساتھ پہلے جیسا ہی رہا کیونکہ اپنے رب سے آپ کی محبت اور آپ کا تعلق غیر معمولی نوعیت کا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سے کوئی جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔ تو اس وقت وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے دل کی باتیں کرتا ہے۔ (صحیحین) ظاہر ہے۔ کہ جب حضور نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے پیارے رب سے اپنے دل کی باتیں کرنے میں آپ کو جو لذت اور حلاوت ملتی اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ اسی لیے آپ کے معمول میں بہت کم فرق پڑا۔

نماز میں حضور ﷺ کے خشوع وخضوع اور خشیت کی یہ کیفیت ہوتی کہ آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور آپ کے سینہ مبارک سے ہانڈی کے ابلنے یا چکی کے چلنے کی سی آواز نکلتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن الشخیرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا۔ اس وقت آپ کے سینہ مبارک سے چکی چلنے یا ہانڈی کے ابلنے کی سی آواز نکل رہی تھی اور یہ آپ کے گریہ (رونے) کی آواز تھی۔ (جامع ترمذی وسنن ابی داؤد)

نماز میں اکثر آپ پر رقت طاری ہو جاتی اور آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو جاتا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ رات کی نماز میں کسی آیت پر پہنچ کر آپ پر ایسا اثر ہوتا کہ ساری رات (نماز فجر تک) وہی آیت بار بار پڑھتے گزار دی۔ حضرت غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات کی نماز میں یہ آیت پڑھی:

ترجمہ: (اگر تو انہیں سزا دے تو تیرے بندے ہیں اور اگر معاف فرما دے تو تو غالب اور دانا ہے)۔

یہ آیت پڑھتے ہی آپ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی اور آپ صبح تک نماز میں یہی آیت پڑھتے رہے۔ (مسند احمد، مسند بزار، ابن ماجہ)

رمضان المبارک کے مہینے میں حضور کی عبادت کی کوئی حد ونہایت نہ رہتی۔ آپ معمول سے زیادہ وقت نماز اور ذکر الٰہی گزارتے۔ رمضان کے آخری عشرے میں عموماً اعتکاف میں بیٹھ جاتے اور رات بھر عبادت کرتے رہتے۔

روزہ

انبیاء علیہم السلام اور دوسرے صالحین امت نے تقلیل غذا اور ترک غذا (روزہ) کو روحانیت کی تکمیل کے لیے لازم وملزوم قرار دیا ہے۔ رحمت عالم ﷺ غذا کے معاملے میں ہمیشہ اعتدال سے کام لیتے تھے اور لوگوں کو بھی رکھ کر کھانے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ روزے آپ کثرت سے رکھا کرتے تھے۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ مکی زندگی میں آپ متواتر کئی کئی مہینوں تک روزہ رکھتے تھے لیکن مدینہ آ کر روزوں کے معاملے میں آپ کا طریقہ بدل گیا۔ ماہ رمضان کے روزے ۲ ہجری میں مسلمانوں پر فرض ہوئے۔ حضور ﷺ رمضان المبارک کے فرض روزوں کے بعد دوسرے مہینوں میں بکثرت نفلی روزے رکھتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ کسی مہینے میں اتنے لگاتار روزے رکھتے کہ ہمارا خیال ہوتا کہ اب آپ روزہ نہیں چھوڑیں گے اور کسی مہینے میں آپ روزے چھوڑ دیتے۔ رمضان المبارک کے سوا آپ کو رمضان کے سوا ماہ شعبان سے زیادہ کسی مہینے میں روزے رکھتے نہیں دیکھا۔ شعبان کے زیادہ دنوں میں آپ روزہ سے ہوتے تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

ہر مہینے کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کو آپ اکثر روزہ رکھتے تھے۔ ان دنوں کو ایام بیض کہا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایام بیض کے روزے سفر وحضر میں بھی نہیں چھوڑے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پیر اور جمعرات کے دن اکثر روزہ رکھتے تھے۔

ایک روایت کے مطابق حضور ﷺ ہر مہینے میں تین دن، دو پیر اور ایک جمعرات کو معمولاً روزہ رکھتے تھے۔ (سیرۃ النبیؐ)

بعض روایتوں میں ہے کہ آپ ہر جمعہ کو بھی روزہ رکھتے تھے لیکن آپ فرماتے تھے کہ جو شخص جمعہ کے دن روزہ رکھے اسے چاہیے کہ وہ ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا بھی روزہ رکھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

آنحضور ﷺ معمولاً عاشورہ یعنی محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ رکھا کرتے تھے اور صحابہؓ کو بھی اس کا حکم دیتے تھے۔ حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو عاشورہ کا روزہ رکھنے کا حکم دیتے اور اس روزہ کے رکھنے کا لوگوں سے عہد لیتے مگر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپ نے ہم کو نہ اس کا حکم دیا اور نہ اس روزہ کے رکھنے سے ہمیں روکا اور نہ اس کے بارے میں ہم سے کوئی عہد

لیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ مسلم)

سرور عالم ﷺ عید الفطر کے بعد شوال کی دوسری تاریخ تک چھ روزے بالالتزام رکھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے اس نے گویا تمام عمر کے روزے رکھے۔ (صحیح مسلم)

اتفاقی روزے ان روزوں کے علاوہ تھے یعنی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ آپ گھر تشریف لاتے تو کھانے کی کوئی چیز موجود نہ ہوتی تھی۔ اس پر آپؐ روزہ کی نیت فرما لیتے۔ (سنن ابی داؤد)

حج

قیام مکہ کے زمانے میں آنحضور ﷺ نے جو حج کیے ان کی صحیح تعداد محقق نہیں ہے۔ بعض قیاس ہے کہ قریش معمولاً ہر سال حج کرتے تھے اس لیے آپؐ بھی ہر سال حج کرتے ہوں گے۔ جامع ترمذی میں ہے کہ قیام مکہ کے زمانے میں آپؐ نے دو حج کیے تھے۔ ابن ماجہؒ اور امام حاکمؒ نے کہا ہے کہ آپؐ نے قیام مکہ کے دوران میں تین حج کیے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ہجرت کے بعد مدنی زندگی میں آپؐ نے ۱۰ ہجری میں صرف ایک حج کیا جو حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔

حج کے علاوہ آپؐ نے ہجرت کے بعد چار عمرے بھی ادا کیے۔ (سیرۃ النبیؐ)

زکوٰۃ

رحمت عالم ﷺ جود وسخا اور ایثار وکرم کے بحر بے کنار تھے جس سے ہر حاجت مند بقدر ظرف سیراب ہوتا تھا۔ بعثت سے پہلے بھی آپ کی ذات گرامی یتیموں، بیواؤں، مسکینوں اور حاجت مندوں کے لیے ایسا چشمہ فیض تھی جس سے وہ خوب خوب سیراب ہوتے رہتے تھے اور بعثت کے بعد تو آپؐ کے ایثار وکرم اور فیاضی کی کوئی حد ہی نہ رہی۔ آپ زر ومال یا کوئی دوسری شے اتنی مقدار میں اپنے پاس رہنے ہی نہ دیتے تھے جس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی۔ جو کچھ آتا آپؐ مستحقین میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ اس کی تفصیل اسی کتاب میں مختلف عنوانات (حضورؐ کی شان جود وسخا، حضورؐ کی شان ایثار، حضورؐ کی کفالت عامہ وغیرہ) کے تحت دیکھی جا سکتی ہے۔

ذکر الٰہی

قرآن حکیم اور احادیث نبویؐ میں مومن کے جو اوصاف بیان ہوئے ہیں ان میں سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ وہ دکھ اور سکھ، تنگدستی اور فارغ البالی، بیماری اور تندرستی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضا پر شاکر رہتا ہے اور اس کی حمد وثناء اور تسبیح وتقدیس میں مشغول رہتا ہے۔ سورۃ آل عمران میں فرمایا گیا ہے۔ ہوشمند لوگ (اللہ کے بندے) اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ سورۃ نور میں ارشاد ہوا ہے کہ ان نیک بندوں کو اشغال دنیوی اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتے۔ سورۃ عنکبوت میں فرمایا گیا ہے ولذکر اللّٰہ اکبر یعنی یقین کرو کہ اللہ کا ذکر ہر چیز سے بزرگ تر ہے۔ اسی طرح متعدد احادیث نبوی سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز سے لے کر جہاد تک تمام اعمال صالحہ کی روح اور جان اللہ کا ذکر ہے۔ رحمت عالم ﷺ کی ذات گرامی کو اللہ تعالیٰ نے تمام امت کے لیے قیامت تک نمونہ بنایا اس لیے آپؐ ہر لحظہ اور ہر لمحہ اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔

سنن ابی داؤد میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمہ وقت ہر حال میں اللہ کی یاد میں مشغول رہتے تھے۔ اس کے علاوہ اور بے شمار احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اٹھتے بیٹھتے یا کھاتے پیتے وقت، گھر یا مسجد میں داخل ہوتے وقت، سفر شروع کرتے وقت یا سفر سے واپس آتے وقت، نیا چاند دیکھ کر یا نئے کپڑے پہنتے وقت۔ اسی طرح سورج گرہن ہو یا چاند گرہن ہو، کوئی خوشی ہو یا غمی، کوئی آزمائش ہو یا دشمنوں پر فتح حاصل ہو غرض ہر موقع پر آپؐ کی زبان مبارک پر اللہ کا ذکر ہوتا تھا۔ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمیؓ رات کو کاشانہ اقدس پر پہرہ دیا کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی تسبیح وتہلیل کی آواز سنتے سنتے تھک جاتا تھا اور مجھے نیند آ جاتی تھی (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دعا تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ

ترجمہ: ہم نے گنا تو ایک نشست میں سو سو دفعہ یہ الفاظ آپؐ کی زبان سے ادا ہوئے۔ (سیرۃ النبیؐ بحوالہ ترمذی، ابن ماجہ ودارمی)

کتب حدیث میں کثرت سے ادعیہ ماثورہ منقول ہیں جو حضور مختلف مواقع پر پڑھا کرتے تھے۔ میدان جہاد میں بھی آپؐ کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے تھے اور مجاہدین کو بھی ایسا کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔ مختصر یہ کہ ذکر الٰہی آپؐ کی حیات طیبہ کا جزو لاینفک تھا۔ ۞

رحمت عالم ﷺ کے معمولات عیادت

رحمت عالم ﷺ کو بیماروں کی عیادت کا بہت التزام تھا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آپؐ اسے مسلمانوں کے لیے فرض قرار دیتے تھے۔ حضور ﷺ کسی بیمار کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو اس کو تسلی دیتے۔ اس کی پیشانی اور نبض پر ہاتھ رکھتے اور اس کی صحت کے لیے دعا فرماتے۔ بیمار پرسی کے وقت کسی کے منہ سے بدفالی کا کلمہ سننا آپ کو سخت ناپسند تھا۔

معمولات تعزیت

حضور ﷺ کو اپنے کسی صحابی کی وفات کی اطلاع ملتی تو آپؐ ان کے مکان پر تشریف لے جاتے۔ ان کے لیے استغفار فرماتے، جنازہ کی نماز پڑھاتے اس کے بعد اگر مٹی دینا چاہتے تو ٹھہر جاتے ورنہ واپس تشریف لے آتے۔ عرصہ تک یہی دستور رہا بعد میں حضور ﷺ کی سہولت کے لیے صحابہ کرام خود جنازہ آپؐ کے خانہ اقدس تک لانے لگے۔

خطبہ حجۃ الوداع

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی

☆ رحمت عالم محسن انسانیت، خاتم الانبیاء، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے آخری حج (حجۃ الوادع) کے موقع پر، میدان عرفات میں ایک لاکھ تیس ہزار جانثاروں اور اپنے سچے جانشینوںؓ کے سامنے جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے موسوم ہے جسے اس کی اہمیت اور اہتمام شان کے باعث حجۃ الاسلام، حجۃ البلاغ، حجۃ التمام اور حجۃ الکمال کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔(۲)

اس خطبہ عظیم کو مقاصد اسلام وشریعت اور آپ ﷺ کی تعلیم وتبلیغ کے سلسلہ میں نہایت ممتاز مقام حاصل ہے، جوامت مسلمہ اور عالم انسانیت کے لئے ابد تک ایک مینار نور، امن، سلامتی، اور عدل ومساوات کے ابدی اصولوں پر مبنی ایک عظیم دستور حیات ہے۔

اس میں آپ ﷺ نے اسلام کی بنیادی تعلیمات کو مستحکم فرمایا اور روایات جاہلیت کی مشرکانہ رسوم کے خاتمہ کا اعلان فرمایا۔ ان تمام محرمات کی حرمت کی توثیق فرمائی جو تمام ادیان میں حرام ہیں، یعنی دوسروں کا خون، مال، عزت کا احترام، عورتوں کے ساتھ حسن سلوک، باہمی حقوق کی وصیت اور ''وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ'' کی تاکید فرمائی۔

جسے پڑھ کر اور سن کر یہ یقین تازہ ہوتا ہے کہ واقعی آپ ﷺ رحمۃ اللعالمین اور کافۃ للناس بشیر اونذیرا ہیں۔

یہ ذی الحجہ ۱۰ ہجری کا واقعہ ہے کہ حضرت رسول امین ﷺ اپنے آخری حج کے موقع پر، حجاج کرام کے ہمراہ، میدان عرفات کے قریب مقام ''نمرہ'' پر پہنچے، اور خیمہ زن ہوئے، پھر جب دھوپ ڈھل گئی تو آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی ''قصوا'' طلب فرمائی، اور کجاوہ نشین ہو کر میدان عرفات کے متصل مقام ''عرفہ'' میں تشریف لائے، اور ناقہ قصواء پر ہی حاضرین سے خطاب فرمایا۔

کنز العمال میں بروایت ام حصینؓ منقول ہے کہ ''میں جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک تھی، میں نے دیکھا کہ حضرت اسامہؓ اور حضرت بلالؓ نبی کریم ﷺ کی اونٹنی کی نکیل پکڑے ہوئے ہیں، نیز حضرت بلالؓ اور حضرت رسول اللہ ﷺ کو دھوپ سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنا کپڑا تانے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ نے ''جمرۃ العقبہ'' میں رمی فرمائی پھر آپ ﷺ اپنی چادر مبارک اپنی بغل کی جانب سے بائیں کاندھے پر ڈالے ہوئے تھے، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے کجاوہ کے دائیں جانب ایک بہت بڑا مجمع ہے، حضرت ام حصینؓ فرماتی ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے ایک طویل خطاب فرمایا، آخر میں فرمایا، اللھم اشھد (اے اللہ تو گواہ رہ) ھل بلغت (کیا میں نے حق رسالت ادا کر دیا؟)

زاد المعاد میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر سورۃ (النصر)، ایام تشریق کے وسط میں نازل ہوئی، اور آپ ﷺ نے جان لیا کہ اب دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آگیا، پس آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی قصواء کو طلب فرمایا، چنانچہ اس کو سواری کے لئے تیار کیا گیا، (آپ ﷺ اس پر سوار ہو کر مقام عرفہ میں تشریف لائے) جب لوگوں کا اجتماع ہو گیا تو آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا!

کنز العمال میں حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے دوران ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تھے اس حال میں کہ آپ ﷺ اپنی اونٹنی جدعاء (مقطوع الاذن) پر سوار تھے، پس آپ ﷺ نے دونوں پاؤں رکاب میں داخل فرمائے، تاکہ آپ ﷺ اونچے ہو جائیں اور لوگ بات سن سکیں، پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، الاتسمعون؟ کیا آپ تمام لوگ سن رہے ہو؟ ذرا اپنی آواز کو بلند فرمایا اور ارشاد فرمایا!

ترجمہ: تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، ہم اس کی حمد وثناء کرتے ہیں، اور اسی سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور اسی کی جناب میں ہم توبہ کرتے ہیں، اور ہم اپنے نفس کی شرارتوں اور اعمال کی برائیوں سے اللہ جل شانہ، کی پناہ چاہتے ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا کرے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، اور جس کو وہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اللہ کے بندو! میں تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی اور تمہیں آمادہ کرتا ہوں کہ اس کی اطاعت پر اور میں بہتر بات (حمد وثناء) سے اپنے کلام کا افتتاح کرتا ہوں۔

(حمد وستائش کے بعد) لوگو! میری بات سنو تمہیں زندگی ملےگی، میں (آج) تم لوگوں سے صاف صاف باتیں کروں گا، اس لئے کہ میں سمجھتا ہوں کہ میں اور آپ لوگ میرے اس سال کے بعد میرے اس مقام پر آئندہ کبھی باہم جمع نہ ہو سکیں گے (یعنی میرا وصال ہو جائے گا)۔

لوگو! آج کونسا دن ہے؟ تمام حاضرین نے جواب دیا یوم محترم، پھر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کونسا شہر ہے؟ سب نے کہا بلد محترم، اس کے بعد آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کونسا مہینہ ہے؟ سب نے کہا کہ یہ ماہ محترم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ تمہارے خون اور تمہارے مال، تمہاری عزتیں، تمہارے ابدان اور تمہاری اولاد باہم ایک دوسرے کے لئے محترم ہیں یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جاملو

اسی طرح جیسے تمہارا آج کا دن تمہارے اس مہینہ میں تمہارے اس شہر میں واجب الاحترام ہے۔ بلاشبہ تم عنقریب اپنے رب سے جاملو گے پھر وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں باز پرس کرے گا سنو! میں نے اللہ کا پیغام پہنچادیا (راوی کہتے ہیں کہ) ہم نے جواباً عرض کیا، ہاں پہنچادیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ گواہ رہ۔

جس شخص کے پاس کسی کی کوئی امانت ہو اسے چاہیے کہ اس کی امانت ادا کرے، قرض ادا کیا جائے، عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کی جائے، دودھ کے لئے ہدیہ کی ہوئی اونٹنی دودھ سے استفادہ کے بعد واپس لوٹائی جائے، اور ضامن ضمانت کا ذمہ دار ہے۔

خبردار! تمام امور جاہلیت میرے ان قدموں کے نیچے پامال ہیں، اور ہر سودی معاملہ کالعدم ہے، اور تمہیں اپنی اصل پونجی لینے کا حق ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ سودی معاملہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اور جو سود میرے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا وصول طلب ہے سب سے پہلے میں وہ تمام کا تمام ختم کرتا ہوں اور عہد جاہلیت کے خون بہا ساقط ہیں اور جو قصاص جاہلیت اپنے خاندان کا وصول طلب ہے، یعنی ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون بہاء سب سے پہلے ان سے دستبردار ہوتا ہوں (ان کے خون کا انتقام نہیں لیا جائے گا) جو کہ قبیلہ بنولیث میں زیر پرورش تھے، کہ قبیلہ حذیل کے آدمیوں نے ان کو قتل کردیا۔

اور تمام آثار جاہلیت، خوں بہا، پانی اور کسی کی طرف مال کا جھوٹا دعویٰ سب میرے ان دونوں قدموں کے نیچے پامال ہیں۔ البتہ بیت اللہ شریف کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت کا منصب برقرار رہے گا، اور قتل عمد پر قصاص ہے اور شبہ عمد جو لاٹھی یا پتھر سے قتل کیا جائے، اس میں سو اونٹ کی دیت ہے پس جس نے تعدی کی وہ اہل جاہلیت میں سے ہے، سنو کیا میں نے پیغام الٰہی پہنچادیا؟ اے اللہ گواہ رہ۔

یہ نہ ہو کہ (قیامت میں) تم دنیا کا بوجھ اپنی گردنوں پر اٹھا کر لاؤ اور لوگ (سامان) آخرت لے کر آئیں میں اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے تم کو جاہلیت کی نخوت اور غرور نسب سے پاک کردیا ہے۔

لوگو! رب ایک ہے اور تمارا باپ ایک ہے سب کے سب آدمؑ (کی اولاد ہو) اور آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت (آدمؑ وحواؑ) سے پیدا کیا ہے اور تمہیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کردیا ہے۔ تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ خداترس ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا دانا اور بڑا باخبر ہے، نہ کسی عربی کو عجمی پر برتری حاصل ہے اور نہ کوئی عجمی کسی عربی پر فضیلت رکھتا ہے، نہ سیاہ فام سرخ فام پر فوقیت رکھتا ہے نہ سرخ فام سیاہ فام پر، فضیلت و برتری کا معیار صرف تقویٰ پر ہے، کیا میں نے پیغام الٰہی پہنچادیا؟ اے اللہ تو گواہ رہ، حاضرین نے جواب دیا! ہاں۔

لوگو! امن کے مہینہ کو ہٹا کر آگے پیچھے کردینا کفر میں اضافہ کرتا ہے اس سے کافر گمراہی میں پڑے رہتے ہیں کہ ایک سال تو اس (مہینے) کو حلال سمجھ لیتے ہیں اور دوسرے سال حرام، تاکہ ادب کے مہینوں کی جو خدا نے مقرر کئے ہیں گنتی پوری کرلیں، پس اس طرح جسے اللہ نے حرام کیا ہے اس کو حلال کرتے ہیں اور جسے اللہ نے حلال کیا ہے اسے حرام کرلیتے ہیں (چنانچہ) وہ ایک سال ماہ صفر کو حلال کرلیتے ہیں (اور دوسرے سال حرام) اور ماہ محرم کو ایک سال حرام سمجھتے ہیں (اور دوسرے سال حلال)۔

زمانہ چکر کاٹ کر اسی ہیت پر آگیا ہے۔ جس ہیت پر کہ اسے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی تخلیق کے دن بنایا تھا، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے (جن کا ذکر) کتاب اللہ میں ہے، آسمان وزمین کی پیدائش کے وقت سے، ان میں سے چار مہینہ محترم ہیں تین یکے بعد دیگرے ذیقعد، ذی الحج اور محرم ہیں، اور ایک الگ رجب ہے جو جمادی اور شعبان کے درمیان میں ہے، یعنی دین قیم ہے، پس آپس میں ایک دوسرے پر ظلم مت کرو، سنو کیا میں نے پیغام پہنچادیا؟ اے اللہ گواہ رہ۔

اے لوگو! تمہاری بیویوں کا تمہارے ذمہ حق ہے اور تمہارا ان پر حق ہے، تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ وہ تمہارا فرش تمہارے غیر سے نہ رندوائیں (بالخصوص جن کو تم برا سمجھتے ہو یہ قید اضافی ہے) اور کسی ایسے شخص کو تمہارے گھر میں داخل نہ ہونے دیں، جس کو تم ناگوار سمجھتے ہو، اِلّا یہ کہ تمہاری اجازت ہو، اور وہ کوئی کھلی بے حیائی کی بات نہ کریں اور کسی امر خیر میں نافرمانی نہ کریں، پس اگر تمہیں ان کی طرف سے سرکشی کا خوف ہو تو اللہ رب العزت کی طرف سے تمہیں اجازت ہے کہ ان کو نصیحت کرو، اور مجبور کرو، اور ان کی خوابگاہوں سے علیحدگی اختیار کرلو، اور انہیں مارو، ایسی مار جو شدید نہ ہو، کہ جس سے نشان پڑ جائے، پھر اگر وہ (کسی مرحلہ میں) باز آجائیں اور تمہاری اطاعت کرنے لگیں، تو وہ شرعی قاعدہ کے مطابق نان ونفقہ کی حقدار ہیں۔

بلاشبہ عورتیں تمہارے پاس مقید ہیں کہ وہ اپنی ذات کے لئے کسی چیز پر قادر نہیں، (یعنی محکوم ہیں) اور بلاشبہ تم نے ان کو بامان اللہ حاصل کیا ہے (یعنی حق تعالیٰ کا ان سے عہد امان ہے) اور ان کو اپنے اوپر اللہ کے کلمات (احکام) کے ساتھ حلال کیا ہے۔ لہٰذا خواتین کے باب میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور ان کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو (یعنی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو)۔

آپ ﷺ نے (دومرتبہ تاکیداً ارشاد فرمایا) اپنے غلاموں سے اچھا سلوک کرو، ان کو وہی کھلاؤ جو

تم کھاتے ہو، اور وہی پہناؤ جو تم پہنتے ہو، اگر وہ ایسا گناہ کر بیٹھیں، جسے تم معاف کرنا نہیں چاہتے تو اللہ کے بندو! انہیں فروخت کر دو اور ان کو عذاب نہ دو، سنو کیا میں نے پیغام الٰہی پہنچا دیا؟ اے اللہ گواہ رہ۔

لوگو! اپنے امیر کی بات سنو، اور اس کی اطاعت کرو، اگر چہ تم پر کسی حبشی غلام کو جو مقطوع الانف ہو امیر بنا دیا جائے، جبکہ وہ تمہارے معاملات میں کتاب اللہ کو نافذ کرے۔

سمجھ سے کام لو، لوگو! اور میری بات سنو میں نے تم لوگوں تک حق تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا، اور میں تمہارے درمیان روشن چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم نے اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، یعنی کتاب اللہ اور اس کے نبی ﷺ کی سنت پس تم اس پر عمل پیرا رہو۔

لوگو! بات سنو بلاشبہ میں نے پیغام رسانی کا فرض ادا کر دیا۔ اسے سمجھو تاکہ تم جان لو، کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں، کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا مال حلال نہیں ہے الا یہ کہ وہ خوش دلی سے اس کو کچھ دیدے، خبردار! کسی عورت کے لئے یہ روا نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ دیدے، سنو! کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟ اے اللہ گواہ راہ۔

خبردار! میرے بعد کفر کی طرف نہ پلٹ جانا، اس طرح کہ تم میں سے بعض مسلمان بعض دوسرے مسلمانوں کی گردن کاٹنے لگیں، سنو کیا میں نے لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا نہیں دیا؟ اے اللہ گواہ رہ۔

اے بنی آدم! اللہ جل شانہ نے ہر حقدار کا حق رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کے لئے میراث کا حصہ مقرر فرمایا ہے اب کسی وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں (یعنی اب کوئی شخص اپنے وارث کے لئے میراث کے معاملہ میں کوئی وصیت نہ کرے، ورثاء کو ان کے مقررہ حصہ شرعی کے مطابق حصہ ملے گا۔ اور کسی شخص کے لئے کسی غیر وارث کے حق میں اپنے تہائی مال کی مقدار سے زائد کی وصیت جائز نہیں۔

سنو! جس نے نفرت کے باعث اپنے باپ کے علاوہ کسی اور شخص کی جانب خود کو منسوب کیا (یعنی قوم نسبت تبدیل کی) یا کسی غلام نے اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کو اپنا آقا بنایا، اس پر خدائے تعالیٰ فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے کوئی فدیہ قبول نہیں فرمائیں گے۔

غور سے سنو! کوئی مجرم جرم نہیں کرتا مگر اس کی اپنی ذات پر ہے، خبردار! مجرم جرم نہیں کرتا ہے کہ جس کی ذمہ داری اس کے بیٹے پر ہو اور نہ کوئی بیٹا جرم کرتا ہے جس کی ذمہ داری اس کے والد پر ہو۔

لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اور نہ تمہارے بعد کوئی امت وجود میں آئے گی، سنو! بلاشبہ میری دعوت کے سوا ہر نبی کی دعوت ختم ہو چکی کہ میں نے اس کو اپنے پروردگار کے پاس قیامت تک کے لئے جمع فرما دیا ہے۔ (یعنی اب کسی اور کو عطا نہ ہو گی) یہ حقیقت ہے کہ انبیاءؑ قیامت کے دن کثرت تعداد پر فخر کریں گے، پس تم مجھ کو اپنی بداعمالی سے رسوا مت کرنا، میں حوض کوثر کے دروازے پر تمہارے انتظار میں رہوں گا۔

سنو! اپنے رب کی عبادت کرو، نماز پنجگانہ ادا کرو، ماہ رمضان کے روزے رکھو، اپنے اموال کی زکوٰۃ خوش دلی کے ساتھ ادا کرو، اور ایک روایت میں ہے اور اپنے پروردگار کے گھر کا حج کرو، اور سربراہوں کی اطاعت کرو، اور اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔

راوی نے فرمایا کہ (اسی خطبہ میں) آپ ﷺ نے ہم کو صدقہ کا حکم فرمایا، پس آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا صدقہ کرو اس لئے کہ شاید تم مجھ کو میرے اس سال کے بعد نہ دیکھ سکو۔ (میرے ہی سامنے صدقہ کر دو تا کہ میں تمہارا گواہ بن جاؤں)۔

اور آپ ﷺ نے اہل یمن کے لئے یلملم کو میقات مقرر فرمایا، کہ وہ: اس مقام سے احرام باندھ کر تلبیہ پڑھ کر چلیں، اور اہل عراق کے لئے ذات عرق کو میقات قرار دیا، یا اہل مشرق کے لئے (راوی کو اچھی طرح یاد نہیں رہا کہ آپ ﷺ نے اہل عراق فرمایا یا اہل مشرق)۔

میں تم کو آگاہ کرتا ہوں، مسلمان کون ہے؟ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، میں تم کو خبر دیتا ہوں مومن کون ہے؟ مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان و مال کے باب میں مامون رہیں اور میں تم کو بتاتا ہوں مہاجر کون ہے؟ مہاجر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ برائیوں کو ترک کر دے، اور مجاہد وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی راہ میں اپنے نفس سے جہاد کیا۔

اور مومن کی ذات (جان و مال) مومن پر حرام ہے جیسے اس دن کی حرمت، اس پر اس کا گوشت حرام ہے کہ وہ جسے غیبت کے ذریعہ کھاتا ہے، اور مومن کی عزت اس پر حرام ہے کہ وہ اس کو خراب کرے، اور مومن کا چہرہ اس پر حرام ہے کہ وہ اس کو طمانچہ مارے اور مومن کی ایذا، اس پر حرام ہے کہ وہ اس کو ایذا دے۔ اور حرام ہے اس پر کہ وہ مومن کو تکلیف رسانی کے لئے اس کو دھکا دے۔

اللہ تعالیٰ کے ذمہ ڈال کر قسمیں نہ کھاؤ (مثلاً یہ کہ قسم ہے اللہ وہ ضرور فلاں کام کرے گا) اس لئے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ذمہ قسم کھائی اللہ تعالیٰ اس کا جھوٹ ظاہر کر دے گا۔

اور حق تعالیٰ کے حضور مجھ سے بھی باز پرس ہو گی اور تم سے بھی اور تم سے میرے (پیغام رسانی کے) بارے میں سوال کیا جائے گا، بتاؤ کیا جواب دو گے؟ سامعین نے عرض کیا ہم گواہی دیں گے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اس کے احکام پہنچا دیئے، اور تبلیغ کا (رسالت کا) حق ادا کر دیا۔ اور نصیحت و خیر خواہی کی تکمیل فرما دی، پس آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے۔ (پھر) سوال فرمایا: کیا تم اس

بات کے گواہ نہیں ہو؟ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور یہ کہ جنت برحق ہے اور جہنم برحق ہے اور موت برحق ہے اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اہل قبور کو زندہ کرے گا، حاضرین نے جواب دیا کہ ہاں ہم ان باتوں کے گواہ ہیں اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے اور لوگوں کے مجمع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ ارشاد فرمایا، اے اللہ تو گواہ رہ، اے اللہ تو گواہ رہ، اے اللہ تو گواہ رہ۔

بعد ازاں ارشاد فرمایا: اے لوگو! میں حوض کوثر پر تم سے پہلے پہنچنے والا ہوں اور تم بھی اس حوض پر پہنچو گے، وہ ایسا حوض ہے کہ اس کی وسعت بصرہ سے مقام صنعاء کے مابین مسافت کے برابر ہے، اس پر ستاروں کی مقدار کے برابر چاندی کے گلاس ہیں اور جس وقت تم حوض کوثر پر آؤ گے تو میں ثقلین (کتاب وسنت) کے متعلق تم سے سوال کروں گا، پس سوچ لو کہ تم ان دونوں کے باب میں کیسی جانشینی کرو گے، ثقل اکبر، کتاب اللہ ہے اور اس کے ایک کنارہ کا سرشتہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور ایک کنارہ تمہارے ہاتھ میں ہے پس اس کو مضبوطی سے تھامے رکھو، راہ راست سے نہ ہٹو، اور نہ اس کو تبدیل کرو، اور میرے عترت میرے اہل بیت ہیں اور خدائے لطیف وخبیر نے مجھے آگاہ فرمادیا ہے کہ وہ دونوں (کتاب وعترت) کبھی جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ ہو حوض کوثر پر وارد ہوں۔

بلاشبہ صدقہ زکوٰۃ نہ میرے لئے حلال اور نہ میرے اہل بیت کے لئے اور بطور مثال وتاکید آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی کی گردن کے متصل پیٹھ سے ایک بال پکڑا اور فرمایا کہ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کہ اس بال کے برابر ہم وزن زکوٰۃ بھی ان کے لیے جائز نہیں۔

اور ارشاد فرمایا! کہ جو اس وقت موجود ہے وہ میرا پیغام ان تک پہنچادے جو موجود نہیں ہے ممکن ہے وہ شخص جسے بات پہنچائی جائے وہ بات کو سننے والے سے زیادہ محفوظ رکھنے والا ہو، سنو! کیا میں نے خدائے تعالیٰ کا پیغام پہنچا نہیں دیا؟

تم پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔

حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ پر اسی قیام عرفہ کے دوران یہ آیت نازل ہوئی۔

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا"

(آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کردیا اور تمہارے لئے بطور طریق زندگی اسلام سے راضی ہوگیا) اس وقت عالم یہ تھا کہ شرک مضمحل ہوچکا تھا، اور کسی شخص نے (زمانہ جاہلیت کی روش پر) کعبۃ اللہ کا برہنہ ہوکر طواف نہیں کیا۔ ❁

بیعتِ رضوان

حضرت عثمانؓ کے "قتل ناحق" کی خبر سن کر مسلمان قریش سے مرعوب کیا ہوتے، ان میں سخت بے چینی پھیل گئی اور غم وغصہ نے ان کو خون عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لیے بے تاب کردیا۔ رسول اکرم ﷺ مکہ میں داخل ہونے کے لیے قریش سے جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن اپنے سفیر کا قتل ایسا واقعہ نہیں تھا جس کو آپ نظر انداز کردیتے یا برداشت کرلیتے۔ آپؐ نے اپنے ساتھ آنے والے تمام صحابہ کو جمع کیا اور کیکر کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر ان سے اس بات پر بیعت لی کہ جب تک ہمارے دم میں دم ہے ہم مشرکین قریش سے خون عثمانؓ کا بدلہ لیے بغیر پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

تمام صحابہ کرامؓ نے اس ذوق وشوق اور جوش وخروش سے حضور ﷺ کی بیعت کی گویا ان کے سینوں میں شوق شہادت کے شعلے بھڑک رہے ہوں یا وہ راہ حق میں سر کٹانے کے لیے تڑپ رہے ہوں کیونکہ بظاہر جو صورت حال تھی اس میں سرفروشی اور جاں نثاری کے جذبہ سے سرشار ہوئے بغیر یہ بیعت نہیں کی جاسکتی تھی۔ ذرا اندازہ کیجیے کہ مسلمانوں کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے بھی کم ہے تلواروں کے سوا ان کے پاس کوئی دوسرا ہتھیار بھی نہیں۔ یہاں تک کہ اپنے بچاؤ کے لیے کسی کے پاس زرہ بھی نہیں وہ اپنے مرکز سے تقریباً تین سو میل دور ہیں۔ ان کے مقابلے میں دشمن کئی ہزار مسلح جنگجو میدان میں لاسکتا ہے اپنی مدد کے لیے نواحی علاقوں سے اپنے حلیف یا دوست قبائل کو بھی بلاسکتا ہے۔ اس کے باوجود مسلمانوں کی قوت ایمان کا یہ عالم ہے کہ سوائے ایک منافق کے کوئی دوسرا آدمی راہ حق میں مرنے مارنے کی بیعت کرنے سے نہیں ہچکچاتا۔ بیعت کے آخر میں حضور ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا پھر اس کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا۔ "یہ عثمانؓ کی بیعت ہے"۔

یہی وہ بیعت ہے جو تاریخ اسلام میں "بیعت رضوان" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بیعت کرنے والوں کو بارگاہ الٰہی سے خوشنودی لازوال سند عطا ہوئی۔ خوشنودی کا یہ مژدہ جانفزا ان الفاظ میں سنایا گیا:

ترجمہ: "بے شک اللہ مومنوں سے خوش (راضی) ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے (اے نبیؐ) تم سے بیعت کررہے تھے"

اس بیعت کی فضیلت کے پیش نظر ہی آنحضور ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو اس میں شریک کیا تھا حالانکہ وہ خود اس موقع پر موجود نہیں تھے۔ جن صحابہ کو یہ بیعت کرنے کا شرف حاصل ہوا، جماعت صحابہ میں انہیں ایک خاص مقام حاصل ہے۔

حضور ﷺ بحیثیت پیغمبر انقلاب

پروفیسر عبدالجبار شاکر

☆ اس دنیا کی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو بہت سے انقلابات کا تذکرہ ملتا ہے ۔ ان انقلابات کی نوعیت مختلف اور متنوع رہی ہے مگر ان تمام انقلابات میں سے حضور ﷺ کے برپا کردہ انقلاب کے علاوہ کوئی ایک ایسا نہیں ہے جس کا صحت مند اور مثبت اثر آج زمانے میں باقی ہو ۔ انقلابات آئے مگر ان کی نوعیت خردی ، عارضی ، یا مقامی نوعیت کی تھی ۔ ایک نظام اقتدار کی بساط الٹی تو اس کی جگہ ایسا ہی ایک دوسرا نظام اقتدار مسلط ہوگیا ۔ ایک سلطنت کا خاتمہ ہوا تو اسی نوعیت کی کوئی دوسری سلطنت قائم ہوگئی ۔ کئی ایک پیغمبران انقلاب آئے مگر دنیا کے نقشے پر کوئی پائیدار ، مستقل اور مستحکم اخلاقی روحانی نقش قائم نہ کر سکے ۔ ان انقلابات میں سے کسی کی حیثیت روحانی تھی تو کسی کی اخلاقی کوئی معاشی تو کوئی معاشرتی ، کسی میں سیاسی پہلو غالب تھا تو کسی میں تمدنی ، الغرض انقلابات عالم میں سے بجز ایک محمدی انقلاب کے کوئی ایسا نہیں ہے ۔ جسے ہم ایک ہمہ گیر ، جامع اور مستقل انقلاب قرار دے سکیں ۔

حضور نبی کریم ﷺ جس انقلاب کی نوید کر دنیا میں معبوث ہوئے وہ ہے اعتقادی ، فکری ، اخلاقی ، روحانی ، تعلیمی ، تہذیبی ، تمدنی ، معاشرتی ، معاشی ، سیاسی ، قانونی ، ہر اعتبار سے اور ہر پہلو سے مکمل تھا ۔ اس انقلاب نے گزشتہ انقلابات عالم کی روایات سے مفاہمت اختیار کرنے کی بجائے ان کے برعکس ایک نئے اور صالح انقلاب کی بنیاد رکھی ۔ یہ انقلاب انسانی عقل کی رہنمائی کی بجائے ایک نظام وحی پر مبنی اور ایک سچی پیغمبرانہ سیرت کا آئینہ دار ہے ۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے ۔

ترجمہ: ''وہ ذات جس نے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ معبوث کیا تا کہ وہ اس (دین) کو دوسرے تمام نظام ہائے زندگی پر غالب کر سکے خواہ یہ بات مشرکین کو کتنی اور کیسی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے ۔''

اس جامع اور ہمہ گیر انقلاب کے لئے حضور ﷺ نے تیرہ سال تک مکہ اور دس سال تک مدینہ میں شدید محنت کی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے قلیل ترین مدت میں ، محدود ذرائع و وسائل کے ساتھ ، تاریخ کا حیرت انگیز انقلاب برپا ہوگیا جو حیات نبوی میں چار کلومیٹر رقبہ کی ریاست سے شروع ہو کر بارہ لاکھ مربع میل تک پھیل گیا ۔ یوں تو اس انقلاب کا ہر پہلو لائق توجہ اور تاریخی نتائج اور اثرات کا حامل ہے ۔ مگر اس کا معاشرتی پہلو تاریخ انسانیت میں اپنے اثرات کے لحاظ سے آج بھی مثبت اقدار و روایات کا حامل ہے ۔

حضور ﷺ کا معاشرتی انقلاب ، اسلام کے نظام عقائد کا پرتو لئے ہوئے ہے ۔ اسلام کی اساس عقیدۂ توحید پر ہے ۔ اور اس کے اثرات معاشرتی نظام میں وحدت کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں ۔ اسلامی معاشرت میں مساوات ، اخوت ، رواداری ہمدردی اور ایثار کی صفات پیغمبر اسلام کی سیرت کا براہ راست اظہار ہیں ۔ اس معاشرت کی تعمیر میں عبادات نے بھی خصوصیت سے اپنے اثرات پیدا کئے ہیں ۔ نماز میں اس کی حیثیت و ترکیب کے اثرات معاشرتی تشکیل پر مرتب ہوئے ہیں ۔ جو صف بندی نماز میں ضروری ہے ۔ وہی ارتباط و اختلاط ہمیں مسلمانوں کی عملی زندگی میں بھی نظر آتا ہے ۔ روزے میں ہمدردی و غمخواری کے پہلو کو تقویٰ کا ایک حصہ قرار دیا گیا ہے ۔ زکوٰۃ کا پورا عمل ہی اسلامی معاشرت کی معاشی ناہمواریوں کو دور کرتا ہے ۔ عورتوں اور مردوں کے حقوق اور مساوات کے ضمن میں تو پیغمبر انسانیت کا اسوہ بہت تابناک مثال پیش کرتا ہے ۔

اسلامی معاشرت کے حسن اور اس کی صفات کو جاننے کے لئے اسلام کے عطا کئے ہوئے ان بنیادی حقوق پر نگاہ ڈالنا چاہیے جس میں حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا ایک مستقل ضابطہ عطا کیا گیا ہے ۔ کتاب و سنت میں ان حقوق کے احترام اور ان کی ادائیگی کی مستقل تعلیمات دی گئی ہیں ۔ ان میں سے بعض ضوابط کی ادائیگی تو اخلاقیات کے دائرے میں آتی ہیں مگر ان کا ایک بہت بڑا حصہ ایسا ہے ۔ جن کی ادائیگی کا ایک قانونی اور شرعی پہلو ہے ۔ جس کے نفاذ کی ذمہ داری اسلامی ریاست اور اس کے متعلقہ اداروں پر عائد ہوتی ہے ۔ یوں حضور ﷺ نے معاشرت کے میدان میں جو انقلاب برپا کیا وہ اپنی عملی ترکیب کے اعتبار سے اس کائنات کا سب سے پہلا اور سب سے آخری عملی انقلاب ہے ۔

ذرا عرب کی سرزمین کو آج سے چودہ سو سال پیشتر کی فضا میں دیکھئے ایک صحرائی قوم جو مختلف قبائل اور نسلی تفاخر کی زنجیروں میں جکڑی دکھائی دیتی ہے ۔ غلامی کا ایک بدترین ادارہ اپنی پوری حیثیت کے ساتھ قائم ہے ۔ حکمرانوں اور رعایا کے درمیان حقوق کی مساوات کا کوئی تصور نہیں ملتا ۔ بعض تہذیبیں ذات پات کے بدترین نظام کو اپنائے ہوئے ہیں ۔ آقائیت اور غلامی کے مظاہر ان کی تذلیل کے نقشے پیش کر رہے ہیں ۔ ایرانی تہذیب میں بہن اور بیٹی سے بھی ازدواجی تعلق کو بادشاہوں تک کے درجے میں روا رکھا جاتا تھا ۔ یوں معاشرتی اصلاح کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی ۔ حضور سرور کائنات ﷺ

نے اس معاشرتی صورت حال میں قرآن مجید کی تعلیمات کو دعوت کے بطور عرب کے لوگوں کے سامنے پیش کیا اور بتایا کہ اے افراد نسل انسانی تم سب ایک ماں اور ایک باپ کی اولاد سے ہو۔ ہم سب آدم کے بیٹے ہیں اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔ پھر ساری نسل انسانی انہی کے توسط سے آگے بڑھتی ہے۔ سورہ الحجرات میں یہ تعلیم دی گئی کہ یہ قبائل اور برادری تو محض تعارف کے لئے بنائی گئی ہیں۔ وگرنہ عزت وتکریم کا معیار نام ونسب یا کوئی اور دوسری معاشرتی نسبت نہیں بلکہ تقویٰ واخلاق ہے۔ تاریخ معاشرت میں تکریم آدمیت کے اس نظریے نے اس تہذیب کو حجازی اور عرب سرزمین سے نکال کر چاردانگ عالم میں پھیلا دیا۔ اسلامی معاشرت میں حسن سلوک اور حق ہمسائیگی کے جو تصورات دے گئے ہیں۔ والدین اور اولاد کے جن حقوق کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ زوجین کے درمیان جس معاشرتی رشتے کو اخلاقی تعلیم کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ معاشرتی انقلاب سامنے آتا ہے کہ جس میں غلام آزاد قوموں کی سربراہی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جنگ وجدل میں بھی اخلاقی اقدار کے تحفظ کا سامان کیا جاتا ہے۔ انصار ومہاجرین کے درمیان آخرت پیدا ہوتی ہے۔ پھر یہ آخرت معاشرتی سطح پر ایک عالمگیر دائرہ بنالیتی ہے۔ جس کا ایک مظاہرہ حج بیت اللہ کے موقع پر ہوتا ہے۔ کہ مشرق ومغرب کے تمام کالے گورے انسان، مختلف علاقوں، نسلوں، زبانوں اور ثقافتوں سے تعلق رکھنے کے باوجود وحدت انسانیت کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ پیغمبر اسلام حضور ﷺ کا معاشرتی انقلاب تا ابد انسانوں کو اس کے مثبت اثرات سے مستفید کرتا رہے گا۔ ❁

بیعت عامہ

فتح مکہ کے دوسرے دن لوگوں کا ایک بڑا ہجوم رسول اکرم ﷺ سے اسلام پر بیعت کرنے کے لیے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ آپ ان سے بیعت لینے کے لیے کوہ صفا پر تشریف لائے اور وہاں بیٹھ کر پہلے وہاں پر موجود تمام مردوں سے اللہ اور رسول کی سمع وطاعت پر بیعت لی۔

حضور ﷺ مردوں کو بیعت کر کے فارغ ہو گئے تو آپؐ نے عورتوں سے بیعت لی۔ چونکہ آپ محرم عورتوں کے سوا کسی غیر عورت سے مصافحہ نہیں کرتے تھے اور نہ اسے ہاتھ لگاتے تھے۔ اس لیے ان سے بیعت لینے کا یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ پانی سے بھرا ہوا ایک برتن اپنے سامنے رکھوا لیتے تھے پھر بیعت کرنے والی عورتوں سے یہ اقرار لیتے تھے کہ وہ

۱۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی۔

۲۔ چوری نہ کریں گی۔

۳۔ زنا نہ کریں گی۔

۴۔ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔

۵۔ کسی پر بہتان نہ باندھیں گی۔

اس کے بعد آپؐ اپنا دست مبارک پانی میں ڈالتے اور نکال لیتے پھر عورتیں اس پانی میں اپنا ہاتھ ڈالتیں اور نکال لیتیں۔

بعد میں بیعت لینے کا طریقہ یہ ہو گیا کہ آپؐ عورتوں سے مذکورہ بالا باتوں کا اقرار لے کر ان سے فرماتے، جاؤ بیعت ہو گئی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس موقع پر حضور ﷺ نے حضرت عمر بن خطابؓ کے ذریعے عورتوں سے بیعت لی وہ یوں کہ حضرت عمرؓ رسول اکرم ﷺ کے وہ الفاظ دہراتے جاتے تھے جو آپؐ عورتوں سے بیعت لیتے وقت فرماتے تھے مثلاً یہ کہ "میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گی، چوری نہ کرو گی وغیرہ۔ (روض الانف ج ۲ ص ۲۷۷)

عورتیں ان باتوں کا اقرار کرتی تھیں اور بیعت ہو جاتی تھی۔ ان عورتوں میں ہندہ بنت عتبہ (زوجہ ابی سفیانؓ) بھی تھیں انہوں نے بیعت کرتے وقت گستاخی کو چھوتی ہوئی بے باکی کا مظاہرہ کیا لیکن حضور ﷺ نے ان کی بیعت قبول فرما اور ان کی خطائیں معاف فرما دیں۔

سیرت رسول ﷺ اور اتحاد اُمت

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

☆ ربیع الاول کا مہینہ اسلامی تاریخ میں بطور خاص اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ اس مبارک ماہ میں وہ مقدس ہستی اور دنیا کے سب سے بڑی انقلابی شخصیت پردہ کائنات پر جلوہ گر ہوئی جس نے ملکوں، انسانوں ور تاریخ کو شناخت عطا فرمائی، ہم مسلمان خصوصی طور پر اس عظیم الشان ذات کے ممنون کرم ہیں کہ ان کے توسل اور ان کی نسبت کے بغیر نہ ہمارا ایمان معتبر ہے اور نہ ہماری حیثیت قابل ذکر..........

اگر سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا واسطہ درمیان میں نہ ہو تو ایمان کا بھی کوئی مفہوم نہیں بنتا اور خدا کی پہچان بھی نہیں ہو پاتی، نماز روزہ، قربانی، حج، زکوٰۃ، قرآن، کعبہ، کلمہ، اسلام، رمضان، عیدالفطر اور عیدالبقر یہ سب کچھ اس لئے ہیں کہ ان کی تصدیق جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمائی۔

آپ دنیا میں تشریف لائے اور دنیا کے ہر پہلو کو اپنے روحانی اور عملی انقلاب سے متاثر کیا، دل بھی بدلے اور ذہن کی سمت بھی بدلی، اخلاق بھی بدلا اور زاویہ نظر کو بھی تبدیل کیا، ظاہری اطوار بھی تبدیل کئے اور باطنی واردات میں بھی انقلاب برپا کر ڈالا۔

معجزات میں صرف یہی باتیں قابل ذکر نہیں کہ چاند دو ٹکڑے کر ڈالا اور ڈوبا ہوا سورج اشارے سے دوبارہ نکال دیا، بھیڑیے کو کلمہ پڑھا دیا اور ہرنی کی رہائی کرادی، اور ایک پیالہ دودھ ستر آدمیوں میں بانٹ دیا اور پھر بھی بچ رہا، حضور ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ حضرت انسان کو اندر اور باہر سے بدل ڈالا، وحشیوں کو متمدن، جاہلوں کو معلم، گمراہوں کو راہبر، راہزنوں کو راہ نما، چرواہوں کو حکمران، عیاشوں کو پاکبازی، کے آداب سکھا دیئے۔ اس سے بھی بڑا معجزہ یہ ہے کہ براعظموں، رنگوں، نسلوں، خطوں، قوموں، پہاڑوں، صحراؤں، دریاؤں اور میدانوں کے ہزاروں میل کے فاصلے سمیٹ کر لاکھوں کروڑوں انسانوں کو ایک امت میں سمو دیا۔

اسلام کے حوالے سے ایک ملت محض روحانی، اخلاقی، نظریاتی اور دینی بنیادوں پر متشکل ہوگئی تو ایک نئی برادری دنیا کے سامنے آئی۔

۱۔ مکہ کے قریشی مہاجر۔

۲۔ مدینہ کے اوس اور خزرجی انصار۔

۳۔ حبش کے بلال بن رباحؓ (جو بعد میں مصر کے گورنر بنے)

۴۔ بازنطین کے زید بن حارثہؓ (پہلے غلام اور پھر رسول اکرم ﷺ کے منہ بولے بیٹے بنے)

۵۔ روم کے صہیبؓ (جو حضرت عمرؓ فاروق کی شہادت کے بعد کئی دن تک مسجد نبوی کے امام رہے)

۶۔ فارس کے سلمانؓ (ایک زمانے میں مدائن کے گورنر مقرر ہوئے)

۷۔ (سابقہ یہودی عالم) عبداللہ بن سلام۔

۸۔ اور خالدہ بنت الحارث (مذہب یہود کی عالمہ فاضلہ خاتون)

ان سب میں یا ایک دوسرے کے ساتھ ایک بھی مادی قدر مشترک نہیں، لسانی، نسلی، علاقائی، وطنی، جغرافیائی، صوبائی، ملکی، تہذیبی، ثقافتی، تاریخی اور براعظمی اعتبار سے کوئی قدر مشترک نہیں مگر لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللہ نے ان سب کو یکجا کر دیا، یہ سب آناً فاناً ایک دوسرے کے کیسے بھائی بن گئے؟ آن واحد میں کون سی قدر مشترک پیدا ہوگئی؟ یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر واضح ہوتا ہے کہ انقلاب محمدیؐ نے صدیوں اور زمانوں کے فاصلے پل بھر میں طے کر ڈالے یہ بلالؓ کون ہیں؟ حبشی، چپٹی ناک والے، سیاہ نسل، اجنبی براعظم کے باشندے، اوپری زبان بولنے والے اور غلامی کے گرفتار کب اور کیوں جوانان عرب کے بھائی بن گئے؟

یہ زید بن حارثہؓ کون ہیں؟ بازنطینی علاقے کے قبیلہ بنی کلب سے تعلق رکھنے والے، کل تک ایک نصرانی تھے ان کے اور انصار و مہاجرین کے درمیان رشتہ محبت کیسے استوار ہوگیا؟

سلمان فارسیؓ کون تھے؟ اصفہان کے باسی، زرتشتی خاندان کے فرد، پیدائشی عجمی، آتش پرست یہ صاحب سلطنت مدینہ کے معزز شہری کیسے بن گئے؟

یہ عبداللہ بن سلامؓ اور خالدہ بنت الحارث خاندان یہود کے معزز فرد باقاعدہ مناظر اور مفتی یہ سب کیسے ایک ملت میں سمو گئے؟

ان سب میں کوئی بھی ہم شہری، ہم ملکی، ہم قومی، ہم وطنی، ہم قبیلہ، ہم قومیتی، ہم لسانی، اور ہم براعظمی نہیں تھا۔ یہ سب ملت اسلامیہ کے اجزاء بنے تو ان میں کوئی مشترک مادی قدر، مشترکہ تعصب اور مشترکہ ذاتی مفاد نہ تھا بلکہ یہ سب عجمی اور عربی، کالے اور گورے، آزاد اور غلام، مہاجر اور انصار، مکی اور مدنی، رومی اور ایرانی محض ہم عقیدہ اور ہم مذہب بن کر شجر ملت سے پیوستہ ہوگئے اور دنیا کو بہار آشنا کر دیا۔

اہل فرانس عموماً برطانیہ کے دشمن رہے، اٹالین (اٹلی والے) جرمنوں اور انگریزوں کے بھائی نہ بن سکے، جرمن نپولین کو اور فرانسیسی بسمارک کو اپنا محبوب نہ بنا سکے کوئی سیزر انگریزوں کا ہیرو نہ بن سکا مگر اس کے برعکس عرب کا محمد بن قاسم ہندی مسلمانوں کا بھی ہیرو ہے، جمال الدین افغانی ایران، پاکستان اور افغانستان کا بیک وقت محبوب رہنما ہے، اقبال'' عرب و عجم کے مسلمانوں کی آنکھ کا تارا ہے باوجود اس کے کہ وہ برصغیر ہندو پاک کے ہیں، یہ ہے انقلاب محمدی ﷺ کی روشن جھلک جس سے صفحہ ہستی اور سینہ کائنات تابناک ہے ہمارے ہاں حضور ﷺ کو عظیم عالمی رہنما، سب سے بڑے انقلابی قائد، عرب و عجم

کے نجات دہندہ، شرف انسانی کے ضامن، روحانیت کے پیکر اتم اور کائنات انسانی کی روح رواں کے طور پر دیکھنے کی عادت نہیں بلکہ انہیں پرکھنے اور سمجھنے کے لئے ہم نے نور، بشر، کے پیمانے بنا رکھے ہیں۔

آفاقی پیغام دینے والے، عالمی ریاست قائم کرنے والے، اور کائناتی فکر رکھنے والے پیغمبر کی امت بہتر (72) فرقوں میں بٹ جائے تو اس سے زیادہ مہلک اور افسوسناک بات کیا ہوسکتی ہے؟

جس دین نے رنگ اور نسل، وطن اور زبان کے گہرے اختلافات کو چشم زدن میں ملیامیٹ کر کے رکھ دیا اس دین کے نام لیوا ابھی تک رفع یدین۔ آمین بالجہر، نور بشر، حاضر ناظر گیارہویں اور علم تعزیے پر لڑ رہے اور جگ ہنسائی کا سامان کر رہے ہیں۔

تمام کلمہ گو سنی، شیعہ، مقلد غیر مقلد مسلمانوں کا خدا ایک، رسول ایک، قرآن ایک، کعبہ ایک اور کلمہ ایک ہے تو امت ایک کیوں نہیں بن سکی؟ سنی اور شیعہ رہیں مگر اپنی بنیاد اور نسبت کو نہ بھلائیں حد سے تجاوز کر کے ایک دوسرے کو اسلام سے خارج کرنے کا جہاد نہ فرمائیں، زخموں سے چور اور چرکوں سے نڈھال امت کو مزید دکھ نہ دیں بلکہ مرہم اور پھاہا رکھنے کا اہتمام کریں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ خدا ایک ہے مگر امت ایک دوسرے کی نظر میں کافر و مشرک، رسول سراپا رحمت ہیں مگر امتی آپس میں لڑنے مرنے کو آمادہ و مستعد، قرآن ایک ہے مگر ماننے والے الجھے ہوئے، کعبہ ایک ہے مگر مسجدیں محاذ جنگ بنی ہوئی ہیں، کلمہ ایک ہے مگر کلمہ گو باہم دست و گریبان ہیں، حالانکہ ہم غور و فکر سے کام لیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ عقیدہ توحید بنائے وحدت ہے نظریہ رسالت پیغام رحمت ہے۔ قرآن حکیم سرچشمہ ہدایت ہے، حرم کعبہ مرکز ملت ہے کلمہ طیبہ نشان عظمت ہے اور ملت اسلامیہ خیر امت ہے۔

دنیا امت محمدی کو مسلمان کے طور پر دیکھتی ہے۔ خواہ وہ مسلمان ایران کا شیعہ ہو، پاکستان کا سنی ہو، ہندوستان کا دیوبندی ہو، اور سعودی عرب کا اہلحدیث ہو، دنیا کے نقشے اور اقوام متحدہ کے دفتر میں یہ ممالک مسلمان سمجھے جاتے ہیں، کوئی انہیں مشرک اور کافر، یہودی اور عیسائی ملک نہیں قرار دیتا، حج بیت اللہ مسلمان کرتے ہیں کوئی سکھ ہندو حج کو نہیں جاتا، قبلہ رخ نماز مسلمان پڑھتے ہیں کوئی یہودی اور بدھ نہیں پڑھتا مگر ہم ہیں کہ ابھی ہمارے اندر کفر و اسلام کا معرکہ برپا ہے اگر ہم ایک دوسرے کے فتوؤں کے مطابق کافر ہیں اور گمراہ، مرتد اور بدعتی، مشرک اور گستاخ رسول ہیں تو اس جزیرے کی ضرور نشاندہی کی جائے جہاں مسلمان بستے اور سانس لیتے ہیں۔

اندرونی تضادات میں الجھی ہوئی، اقتصادی مشکلات میں پھنسی ہوئی، جنگی جنون میں مبتلا، آمادہ فساد و جنگ، کالوں اور گوروں میں بٹی ہوئی، مشرق اور مغرب میں منقسم، دو عالمی جنگوں کی ماری ہوئی اور تیسری ایٹمی جنگ کے خوف میں گرفتار دنیا کو حضور رسالت مآب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے اس عظیم الشان انقلاب کے ذریعے سہارا دینے کی ضرورت ہے جس نے آدمی کو جوہر آدمیت اور انسان کو شرف انسانیت سے نواز کر ہر قسم کے خوف، حزن، ابتلاء، استحصال اور افتراق سے آزاد کر دیا۔

یہ کام پیشہ ور ملائیت، اور دم کٹی فرقہ واریت کے نہ کرنے کا ہے نہ کرسکتی ہے۔ یہ کام ان شاہین صفت اور خود آشنا نوجوانوں کا ہے۔ جو فولاد کے اعصاب اور چیتے کا جگر رکھتے اور طوفانوں سے ٹکر لے سکتے ہوں جن کا سرمایہ حیات کل کا کل عشق رسول ﷺ ہو اور جن کا مقصد زیست فقط انقلاب محمدی ﷺ کا فروغ ہو!

وہ آئے اور آئے بھی قرآں لئے ہوئے
تنظیم کائنات کا ساماں لئے ہوئے
اترا حرا کے غار سے وہ نازش مسیح
سارے جہاں کے درد کا درماں لئے ہوئے

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

لبوں پہ ہے میرے ثنائے محمدؐ
نہیں کوئی دل میں سوائے محمدؐ

وہی بس وہی میرے پیش نظر ہیں
نگاہوں میں میری سمائے محمدؐ

نہ کیونکر کہیں ان کو شہ دو عالم
کہ دونوں جہاں ہیں برائے محمدؐ

نہیں اس کو آفات عالم کا خطرہ
جسے مل گئی ہے ردائے محمدؐ

کتب میں ہے یہ ہوتا ہے ثابت
رضائے خدا ہے رضائے محمدؐ

ہوا ان کی آمد سے ہر سو اجالا
جب عالم میں تشریف لائے محمدؐ

مبارک تجھے یہ شرف نجم ثاقب
کہ ہے تو بھی ادنٰے گدائے محمدؐ

(سید نجم نعمانی سبزواری)

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا
اس کی دولت ہے فقط نقش کف پا تیرا

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ تیرے پیکر کا نہ تھا
میں تو کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایہ تیرا

ایک بار اور بھی طیبہ سے فلسطین میں آ
راستہ دیکھتی ہے مسجد اقصیٰ تیرا

اب بھی ظلمات فروشوں کو گلہ ہے تجھ سے
رات باقی تھی کہ سورج نکل آیا تیرا

پورے قد سے جو کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

(احمد ندیم قاسمی)

درود شریف کی اہمیت

محمد اسلم جاوید

1۔ صلوٰۃ وسلام اور برکت کے معانی

☆ لفظ صلوٰۃ عربی زبان میں چند معانی کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ 1۔ رحمت۔ 2۔ دعا۔ 3۔ مدح وثناء۔ جب اسکی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے۔ تو اسکا مطلب ہوتا ہے۔ ''رحمت نازل کرنا''۔

جب اسکی نسبت فرشتوں کی طرف کی جاتی ہے۔ تو اسکا مطلب ہوتا ہے۔ ''دعا واستغفار کرنا''۔

جب اسکی نسبت مومنین کی طرف کی جاتی ہے۔ تو اسکا مطلب ہوتا ہے۔ ''دعا۔ مدح ثناء و تعظیم کا مجموعہ''۔

لفظ سلام مصدر بمعنی السلامۃ ہے اور مراد اس سے نقائص وعیوب اور آفتوں سے سالم (محفوظ) رہنا۔ اسلام علیک کے معنی یہ ہیں کہ نقائص اور آفات سے سلامتی آپکے ساتھ رہے۔

اسی طرح لفظ برکت ہے جو درود ابراہیمی میں استعمال ہوا ہے۔ امام رازیؒ نے فرمایا ہے کہ برکت کا لفظ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (1) کبھی تو خیر باقی ودائم کو برکت سے تعبیر کرتے ہیں۔ (2) اور کبھی کثرت آثار فاضلہ پر یہ لفظ اطلاق کیا جاتا ہے۔

2۔ درود پاک بھیجنا کیوں لازم ہے؟

الصلوٰۃ علی النبیؐ۔ دراصل اللہ تعالیٰ کے حضور کی جانے والی ایک دعا ہے۔ جسمیں ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنی پسندیدہ ترین مہربانیاں اور رحمتیں نبی کریم ﷺ کو عطا فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد جس کا ہم پر سب سے بڑا احسان ہے۔ وہ رسول کریم ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ انہوں نے انتہائی مشکل حالات میں تلخ سے تلخ جور وستم برداشت کر کے اللہ کا پیغام ہم تک پہنچایا۔ اگر وہ ان آزمائشوں میں پورے نہ اترتے اور تکالیف برداشت نہ کرتے تو یہ ایمان کی روشنی ہم تک کبھی نہ پہنچ پاتی۔ اور ہم گمراہی کے اندھیرے میں گھرے رہتے اور مرنے کے بعد دوزخ ہمارا ٹھکانہ ہوتا۔

چونکہ اس زمین پر ایمان سب سے بڑی نعمت ہے جو ہم کو حضور ﷺ کی رحیم وکریم ذات کی وساطت سے ملی اسلیئے اللہ تعالیٰ کے بعد ہمارے سب سے بڑے محسن رسول کریم ﷺ ہی ہیں۔

حضور ﷺ کے اس بہت بڑے احسان کے بدلے اور اپنی ایمانی وابستگی اور وفاکشی کے اظہار کے لئے اس کے سوا کیا کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ اپنی رحمتوں کا نزول حضور کی ذات اقدس پر فرمائے۔ یہی دعا درود کہلاتی ہے۔

حضور ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کی دوسری وجہ اللہ تعالیٰ کا وہ حکم ہے جو سورہ احزاب کی آیت نمبر ۵۶ میں وارد ہوا ہے۔ فرمایا ''بے شک اللہ اور اسکے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی آپؐ پر درود اور خوب سلام بھیجا کرو''۔

حکم اور خطاب کا یہ انداز قرآن پاک میں صرف صلوٰۃ وسلام کے اس حکم ہی کیلئے اختیار کیا گیا ہے۔ جس میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود حضور ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اور اسکی شدید محبت کا اظہار اس سے بھی ہوتا ہے کہ اسکے فرشتے بھی اسی طرح کرتے ہوئے آپکی تعظیم وکریم بجالاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کو اپنی بے پایاں رحمتوں سے نوازے۔ چونکہ یہ عمل اللہ کو خوش کرنے والا اور فرشتوں کا پسندیدہ عمل ہے اس لئے ہم مومنوں کو بھی ایسا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ جاننے کے بعد کون مسلمان ہوگا جو حضور ﷺ پر درود بھیجنا اپنا فرض نہ سمجھے۔

3۔ درود پاک پڑھنے کا صحیح طریقہ

میرے پیارے ہادی ومرشد جناب غلام رسول شاہد صاحب نے درود پاک پڑھنے کے دو طریقے تعلیم فرمائے ہیں۔ ایک طریقہ تو ان خوش نصیبوں کیلئے ہے جنکو حج یا عمرہ کے دوران روضہ رسول ﷺ پر حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ جب آپ درود پاک پڑھیں تو باوضو حالت میں پڑھیں۔ اور یہ تصور باندھیں کہ آپ روضہ رسول ﷺ کے سامنے مؤدبانہ کھڑے ہو کر حضور کی خدمت میں نہایت محبت اور عقیدت کے ساتھ درود پاک کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ درود پاک پڑھتے ہوئے جب حضور ﷺ کا نام مبارک زبان سے ادا کریں تو حضور کو یاد کرتے ہوئے حاضر دماغی کی حالت میں کریں۔ یعنی غفلت کی کیفیت طاری نہ ہو۔ اسی سلسلہ میں مجھے یاد ہے کہ جب میں میٹرک کا طالب علم تھا میرے سکول میں ایک استاد صاحب تھے جو اردو اور عربی پڑھاتے تھے۔ وہ وہاں کی ایک مسجد کے خطیب بھی تھے۔ ایک دفعہ ہمارے گاؤں کے قریب دوسرے گاؤں میں ایک عرس کے موقع پر انکو خطاب کیلئے مدعو کیا گیا۔ دوران خطاب انہوں نے فرمایا کہ تین یا چار رکعت والی نماز ادا کرتے ہوئے پہلے قعدہ میں تشہد پڑھنے کے بعد اگر اَللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ مُحَمَّدٍ پڑھ لیا جائے تو سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ عام نماز کی کتابوں میں اسکی وجہ فرض میں تاخیر لکھی ہے لیکن جو نقطہ انہوں نے بیان کیا وہ یہ ہے کہ نمازی نے حضور کا نام غفلت میں لیا۔

کونسا درود پاک پڑھا جائے

درود شریف اپنی ترتیب اور الفاظ کے لحاظ سے ان گنت ہیں۔ بعض درود شریف اپنی اپنی فضیلت اور خصوصیات کے اعتبار سے بہت موثر اور اہم ہیں۔ مثلاً درود تاج۔ درود لکھی درود ماہی۔ درود ناریہ۔ درود تنجینا۔ درود ابراہیمی وغیرہ۔ لیکن

افادیت کے لحاظ سے اور روزانہ ایک وظیفہ کے طور پر پڑھنے کے لئے درود شریف وہی کار آمد ہے جو زبانی یاد ہو۔ اسکے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ زیادہ تعداد میں پڑھنے کے لئے درود شریف مختصر ہو۔ یہاں ہم چند درود شریف کا ذکر کریں گے جو آسانی سے یاد ہو سکتے ہیں اور پڑھنے میں بھی بہت موثر ہیں۔

(1) درود ابراہیمی

صحیح بخاری و مسلم میں یہ حدیث آئی ہے کہ حضرت کعب بن عجرہؓ نے فرمایا کہ (جب یہ آیت جس میں درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے نازل ہوئی تو) ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ (آیت میں ہمیں دو چیزوں کا حکم ہے یعنی صلوٰۃ و سلام) سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ (التحیات میں میں السَّلامُ عَلَیکَ اَیُّھَا النَّبیُّ کہتے ہیں) صلوٰۃ کا طریقہ بھی بتا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ الفاظ کہا کرو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ o اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ o

ترجمہ: اے اللہ حضرت محمد ﷺ پر اور حضرت محمد ﷺ کی آل پر صلوٰۃ (رحمت) بھیج۔ جس طرح تو نے حضرت ابراہیمؑ پر اور حضرت ابراہیمؑ کی آل پر صلوٰۃ (رحمت) بھیجی۔ یقیناً تُو تعریف کیا گیا بزرگ ہے۔ اے اللہ حضرت محمد ﷺ اور حضرت محمد ﷺ کی آل پر برکت بھیج جس طرح تُو نے حضرت ابراہیمؑ پر اور حضرت ابراہیمؑ کی آل پر برکت بھیجی یقیناً تو تعریف کیا گیا بزرگ ہے۔

یہ درود شریف نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ اسمیں حضرت ابراہیمؑ کا نام آتا ہے اس لئے اسے درود ابراہیمی کہتے ہیں۔ یہ درود تمام درود کے صیغوں سے افضل ہے کیونکہ اس درود کے الفاظ حضور ﷺ کے فرمودہ ہیں۔ اس لئے اس درود پاک کو نماز کے علاوہ کثرت سے پڑھنا دینی و دنیاوی فیوض و برکات حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے اور اللہ کی رحمت اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ دنیا کے تمام کاموں میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے اور قدم قدم پر اللہ کی مدد شامل حال رہتی ہے۔ حاجات پوری ہو جاتی ہے۔ حضور ﷺ کی شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔ رزق کی تنگی دُور ہو جاتی ہے۔ مال و اسباب میں برکت پیدا ہوتی ہے۔ خاتمہ بالا یمان ہوتا ہے۔ اسکے علاوہ آخرت کی زندگی سے متعلقہ تمام منازل آسان ہو جاتی ہیں اور اس درود پاک کو معمول سے پڑھنے والا جنت میں جائے گا۔

میرے ہادیٔ و مرشد جناب غلام رسول شاہد صاحب مندرجہ بالا تمام فوائد کے حصول کے لئے روزانہ دو (۲) تسبیح پڑھنے کی تعلیم دیتے ہیں۔

درود سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

ترجمہ: اے اللہ درود (رحمت) بھیج ہمارے سردار محمد ﷺ پر اور ہمارے سردار اور آقا محمد ﷺ کی آل پر اور دے برکت اور بھیج سلام۔

یہ درود پاک سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا خصوصی درود ہے جو عام پڑھنے کے علاوہ حلقہ ذکر نفی اثبات اور فاتحہ شریف کے آغاز اور اختتام پر خصوصی طور پر پڑھا جاتا ہے۔

اس درود پاک میں جب پڑھنے والا اَللّٰھُمَّ صَلِّ کہتا ہے تو اللہ کے فضل و کرم کے سمندر میں قدم رکھ دیتا ہے اور جب وہ نبی اکرم ﷺ کا نام لیتا ہے تو وہ دریائے رسالت کی موجوں میں آجاتا ہے اور جس وقت وہ علٰی آل کہتا ہے تو اس پر اہل بیت جیسی عنایات ہونے لگتی ہیں۔

اس درود پاک میں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حروف سیدنا اور مولنا شامل ہیں جو درود کی عظمت کو بڑھاتے ہیں اس کے علاوہ اس میں صلوٰۃ و سلام اور برکت مجموعی طور پر شامل ہونے کے ساتھ ساتھ مختصر بھی ہے جسکی وجہ سے آسانی سے اسکا ورد کیا جا سکتا ہے۔

اس درود پاک کے پڑھنے سے گناہ مٹ جاتے ہیں اور دل کی تمنائیں پوری ہوتی ہیں۔ روح اور دل کو تازگی ملتی ہے۔ دلی مرادیں اللہ تعالیٰ پوری کرتا ہے۔ حضور کی محبت، شفقت اور شفاعت میسر آتی ہے۔

(3) درود خضری

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَسَلَّمْ

ترجمہ: اے اللہ اپنے محبوب محمد ﷺ اور انکی آل پر درود اور سلام بھیج یہ درود اکثر اولیاء کرام کے معمولات میں رہا ہے۔ اور وہ اپنے مریدین کو بھی یہ درود پڑھنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ درود الفاظ کے لحاظ سے مختصر ہے۔ مگر معنی کے لحاظ سے جامع ہے۔ اس درود کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس درود کو پڑھنے والا حضور ﷺ کا محبوب غلام بن جاتا ہے اور دین و دنیا میں اسے کسی چیز کی کمی نہیں رہتی اور سکون قلب کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ میں نے قبلہ عبدالستار خانصاحب کی محفل پاک میں ان کو بتایا کہ مجھ کو میرے پہلے مرشد نے یہ درود پاک پڑھنے کا بتایا تو قبلہ خانصاحب نے فرمایا کہ "میں بھی روزانہ اسکی تین تسبیحات پڑھتا ہوں۔"

(4) درود قادریہ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

ترجمہ: "اے اللہ درود بھیج ہمارے سردار محمد ﷺ پر جو اُمّی نبی ہیں اور انکی آل پر اور برکت دے اور سلام بھیج"۔

حضرت شاہ ولی اللہ "دُرِّثمین" ص 16 پر تحریر فرماتے ہیں کہ: "مجھے میرے والد نے ان الفاظ کے ساتھ درود پڑھنے کا حکم فرمایا تھا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

میں نے خواب میں اس درود شریف کو حضور اقدس ﷺ کے سامنے پڑھا تو آپ ﷺ نے پسند فرمایا۔

یہ قادریہ سلسلہ کا خصوصی درود ہے اس لئے اسکو درود قادریہ سے موسوم کیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ جس شخص نے جمعہ کے دن عصر کی نماز پڑھ کر اسی جگہ بیٹھے ہوئے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَ اٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ اسّی (۸۰) دفعہ پڑھا اسکے اسّی (۸۰) سال کے گناہ معاف کردیئے جائیں گے اور اسکے نامہ اعمال میں اسّی (۸۰) سال کی عبادت کو ثواب لکھا جاتا ہے۔

(5) درود حبیب

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَ عَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَاحَبِیْبَ اللّٰہِ

''اے اللہ کے رسول تجھ پر درود اور سلام ہو اور اے اللہ کے حبیب تمھاری آل اور تمھارے صحابہ پر بھی درود او۔ سلام ہو۔''

درود حاضر صیغہ کی صورت میں ہے۔ یہ بھی بڑی فضیلت رکھتا ہے۔ عام مجالس میں یہ پڑھا جاتا ہے۔ خصوصی طور پر جب کوئی خوش نصیب روضہ رسول ﷺ پر حاضر ہوتو وہ وہاں اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ کے الفاظ کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں اپنا نذرانہ عقیدت پیش کرتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ روضہ رسول ﷺ کے سامنے جب درود شریف پڑھا جائے تو بڑے مؤدبانہ انداز میں کھڑے ہوکر دھیمی آواز میں پڑھے۔ جس طرح حضور ﷺ کی زندگی میں انکی مجلس میں اونچی آواز سے بولنے کی ممانعت تھی (دیکھئے سورۃ حجرات) اسی طرح انکی وفات کے بعد انکے روضہ اقدس پر بھی اونچی آواز سے بولنے اور درود و سلام پڑھنے کی ممانعت ہے۔ یہی رسول کریم ﷺ کے ادب کا تقاضا ہے۔

(6) کتاب ''درود شریف سے مشکلات کا حل'' جو ابو خرم رزاقی کی تصنیف ہے۔ میں فضائل درود کے باب میں ایک واقعہ درج ہے جو حسب ذیل ہے۔

ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرامؓ بھی پاس ہی تشریف رکھتے تھے۔ اسی اثنا میں ایک اعرابی آیا اور اُس نے آتے ہی حضور نبی کریم ﷺ کو سلام کرتے ہوئے کہا۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَھْلُ الْقُوٰی وَ الْمَشَائِخ وَالْکِرَام السَّادِخ

حضور نبی کریم ﷺ نے اس اعرابی کو اپنے انتہائی قریب بٹھایا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ کیا وجہ ہے کہ آپ نے اس شخص کو اپنے انتہائی نزدیک بٹھالیا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا! اے ابوبکرؓ۔ جبرائیلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ اعرابی مجھ پر درود و سلام بھیجتا رہتا ہے اور ان الفاظ میں درود پاک پڑھتا ہے کہ آج تک کسی دوسرے نے یہ الفاظ استعمال نہیں کیے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا۔ یا رسول اللہ ﷺ! وہ درود پاک کونسا ہے؟ ارشاد فرمایا:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ

(7) ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ وہ جب درود پاک پڑھے۔ ہمارے گھرانے پر تو اس درود پاک کا ثواب بہت بڑی تعداد میں دیا جائے تو وہ ان الفاظ سے درود پاک پڑھا کرے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّتِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ o

میرے ہادی و مرشد اپنے مریدین کو ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ درود شریف پڑھنا ہم پر حضور ﷺ کا حق ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جو کوئی مجھ پر ایک ہزار مرتبہ درود پڑھے گا۔ تاوقتیکہ وہ جنت میں اپنا مقام نہ دیکھ لے اس وقت تک انتقال نہیں کرے گا۔

عام طور پر زیادہ مقدار میں درود شریف پڑھنے کے لئے مختصر الفاظ والے درود کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اس کے لیے ہمارے سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بَارِکْ وَسَلِّمْ یا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ پڑھنا بتایا جاتا ہے۔ بعض اوقات بھائیوں کو درود شریف کا پاس انفاس کرنا بھی بتایا جاتا ہے۔ اسکے علاوہ وہ بھائی جو زیادہ دیر کسی عارضہ کی وجہ سے باوضو حالت میں نہیں رہ سکتے اُنکو بھی درود پاک کے پاس انفاس کے ذریعے مطلوبہ تعداد پوری کرنے کو کہا جاتا ہے۔ اسکا طریقہ یہ ہے کہ جب سانس اندر جائے تو صَلِّ عَلٰی اور جب سانس باہر نکلے تو سانس لفظ مُحَمَّد ادا کرے۔

یہ نقطہ قابل توجہ ہے کہ سورۃ احزاب کی آیت نمبر 56 میں صلوٰۃ و سلام کے بارے میں اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے رحمت و سلامتی کی دعا کریں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مقصود آیت کا تو یہ تھا کہ ہم آپکی تعظیم و تکریم کا حق خود ادا کریں۔ مگر سوائے درود حبیب کے تمام درود شریف میں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری طرف سے صلوٰۃ و سلام حضور ﷺ تک پہنچادے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی شان کتنی اونچی ہے۔ اُنکا مرتبہ کتنا بلند و ارفع ہے یہ ہماری سوچ اور گمان سے ماوریٰ ہے جیسے فارسی کے شعر ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی ذات کے بعد سب سے بزرگ ہستی نبی کریم ﷺ کی ذات ہے۔ اس لئے ہم اللہ تعالیٰ کے حضور یہ استدعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! تو حضور نبی کریم ﷺ کو ہماری طرف سے درود و سلام کا نذرانہ (یعنی اپنی رحمتیں) اس طرح پہنچا جیسا اُنکے شایانِ شان ہے کیونکہ ہم انکی شان کی بلندی کی حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ جنکی خاطر تو نے یہ زمین و آسمان تخلیق فرمائے۔

درود ابراہیمی میں ہم اللہ تعالیٰ سے استدعا کرتے وقت حضرت ابراہیمؑ اور انکی آل کی مثال نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ کہ انکی اور انکی آل پر نازل کی ہوئی رحمتوں اور سلامتی کا جو معیار ہے اس معیار کی سلامتی اور رحمتیں حضور نبی کریم ﷺ اور انکی آل پر نازل فرما۔ اُنکی سلامتی کا معیار یہ ہے کہ نارِ نمرود کو یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْداً وَّ سَلٰماً عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ کہہ کر اُنکے لئے ٹھنڈی اور سلامتی والی بنادیا اور انکواس کے نقصان سے محفوظ رکھا۔ پھر اپنے معصوم لختِ جگر حضرت اسماعیلؑ اور انکی والدہ حاجرہؑ کو اللہ کے حکم کی تعمیل میں ایک جنگل بیابان وادی مکہ میں چھوڑ آئے تو اُن ماں بیٹے کی بھوک اور پیاس کو مٹانے کے اور انکی سلامتی کے لیے آبِ زم زم کا چشمہ جاری فرمایا اور اس پانی میں بھوک اور پیاس مٹانے کی صفت رکھی۔ جب حضرت اسماعیلؑ اس قابل ہوئے کہ والد کا ہاتھ بٹاسکیں تو اللہ کی طرف سے انکی قربانی کرنے کا حکم ہوا تو دونوں باپ بیٹے اطاعت و فرمانبرداری کا پیکر بن کر لبیک کہتے ہوئے اس کام کو کرنے پر تیار ہوگئے لیکن اللہ تعالیٰ نے جنت سے ایک دنبہ بھیج کر اسماعیلؑ کو سلامت رکھا اور حضرت ابراہیمؑ کو امتحان میں کامیابی کی نوید قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا کہہ کر سنائی۔ اور یہ اس لئے کہ اسی بیٹے کی پشت سے نبی آخر الزماں ﷺ کا ظہور ہونا تھا۔ یہ سب کرم نوازیاں اور سلامتیاں ایک اعلیٰ معیار رکھتی ہیں اس لئے ہم ابراہیم والی سلامتی۔ رحمت اور برکت کو ایک معیار کے طور پر پیش کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کے لئے بھی اللہ کے حضور دعا گو ہوتے ہیں کہ وہ اس معیار کی سلامتی۔ رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔

قبلہ غلام رسول شاہد صاحب (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ) کا فرمان ہے کہ اللہ کے ہاں دو چیزوں کی مقبولیت ایک یقینی امر ہے۔ ایک درود شریف اور دوسرا ایصال ثواب اسی سلسلہ میں ترمذی شریف کی ایک حدیث میں حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ دعا آسمان و زمین کے درمیان معلق رہتی ہے۔ اوپر نہیں جاتی جب تک کہ اپنے نبی ﷺ پر درود نہ پڑھو۔ اسی طرح ایک حدیث میں روزوں کے بارے میں بھی آتا ہے کہ جب تک صدقہ فطر ادا نہ کیا جائے روزے معلق رہتے ہیں۔

درود پاک اور ذکر الٰہی دو ایسے اوراد ہیں جنکے پڑھنے اور کرنے کی نہ کوئی مقدار معین ہے اور نہ ہی کوئی وقت۔ جتنی کثرت کی جائے گی۔ اتنے ہی درجات کی بلندی ہوگی اور انعامات سے نوازا جائے گا۔ درود پاک کی مقدار کے بارے ترمذی شریف میں ایک حدیث حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ پر کثرت سے درود پڑھنا چاہتا ہوں۔ اب اسکے لئے اور اپنے اور اوراد و وظائف کے لئے کتنا وقت مقرر کروں؟ ارشاد فرمایا۔ جتنا تم چاہو۔ میں نے عرض کیا چوتھائی؟ آپ ﷺ نے فرمایا جتنا چاہو اور اگر زیادہ کرلو تو تمہارے لئے اور بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا۔ نصف؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ جتنا تم چاہو اور اگر اس سے بھی زیادہ کرلو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا۔ تو پھر میں سارا وقت درود پاک ہی کے لئے مقرر کرلوں؟ حضور ﷺ ارشاد فرمایا۔ ایسا ہو تو وہ تمہارے کاموں کے لئے کافی ہوگا اور تمہارے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔

اسی طرح قرآن پاک میں ذکر کثیر کے بارے میں بہت سی آیات موجود ہیں۔ مثلاً

(۱) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْراً کَثِیْراً ۝ (احزاب:۴۱)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کا خوب کثرت سے ذکر کیا کرو۔''

(۲) وَ اذْکُرْ رَّبَّکَ کَثِیْراً وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَ الْاِبْکَارِ ۝ (آل عمران:۴۱)

ترجمہ: ''اور کثرت سے اپنے رب کو یاد کیا کیجئے اور صبح وشام تسبیح کیا کیجئے۔''

گویا اگر درود پاک کا پڑھنا حضور ﷺ سے محبت اور عقیدت کا اظہار ہے تو ذکر الٰہی بھی اللہ تعالیٰ سے محبت اور تعلق کا ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ ہم کو دونوں اوراد کو کثرت سے کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین) ۞

حضور ﷺ کے معمولات وضو

عادتاً ہر نماز کے لیے حضور ﷺ نیا وضو کرتے عرصہ تک یہی معمول رہا لیکن بعد میں ایک وضو سے کئی کئی نمازیں پڑھ لیتے تھے۔ وضو میں بالعموم پہلے تین بار ہاتھ دھوتے، پھر کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈالتے اس کے بعد تین بار منہ اور ہاتھ (کہنیوں تک) دھوتے، سر کا مسح کرتے اور تین بار پاؤں کو دھوتے۔ بعض اوقات کسی عضو کو تین بار، کسی عضو کو دوبار اور کسی عضو کو ایک بار دھوتے۔ (سیرۃ النبی ج ۲ ص ۲۱۵ بحوالہ صحیح مسلم)

معمولات نماز

حضور ﷺ سنن ونوافل بالعموم گھر ہی میں ادا فرماتے۔ فجر کی اذان کے ساتھ ہی اٹھتے اور فجر کی دو رکعت سنت نہایت اختصار کے ساتھ پڑھتے پھر مسجد میں تشریف لے جاتے اور لوگوں کو فجر کے دو فرض پڑھاتے۔ فرض کی دو رکعتوں میں طویل سورتیں پڑھتے۔ ظہر کی فرض نماز کی پہلی رکعت میں تیس آیتوں کے برابر اور دوسری رکعت میں پندرہ آیتوں یا اس کے نصف کے برابر پڑھا کرتے تھے۔ عصر کی دونوں پہلی رکعتوں میں ظہر کی آخری رکعتوں کے برابر قیام فرماتے تھے۔ اور اخیر کی دو رکعتوں میں پہلی رکعتوں کی نصف مقدار رہ جاتی تھی۔ مغرب کی نماز میں والمرسلات اور سورہ طور پڑھتے تھے۔ عشاء کی نماز میں والتین والزیتون اور اسی کے برابر کی سورتیں پڑھتے تھے تہجد کی نماز میں طویل سورتیں پڑھتے تھے مثلاً سورۃ بقرہ سورہ آل عمران سورہ نساء۔

محفل میلاد النبی ﷺ

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ

٭ زمانہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔ انسانوں کی طبائع، ان کے افکار اور ان کے نقطہ ہائے نگاہ بھی زمانے کے ساتھ ہی بدلتے رہتے ہیں۔ لہٰذا تہواروں کے منانے کے طریقے اور مراسم بھی ہمیشہ متغیر ہوتے رہتے ہیں اور ان سے استفادہ کے طریق بھی بدلتے رہتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم بھی اپنے مقدس دنوں کے مراسم پر غور کریں اور جو تبدیلیاں افکار کے تغیرات سے ہونی لازم ہیں ان کو مدنظر رکھیں۔

منجملہ ان مقدس ایام کے جو مسلمانوں کے لیے مخصوص کیے گئے ہیں، ایک میلاد النبی کا دن بھی ہے۔ میرے نزدیک انسانوں کی دماغی اور قلبی تربیت کے لیے نہایت ضروری ہے کہ ان کے عقیدے کی رو سے زندگی کا جو نمونہ بہترین ہو وہ ہر وقت ان کے سامنے رہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے لیے اسی وجہ سے ضروری ہے کہ وہ اسوہ رسول کو مدنظر رکھیں تاکہ جذبہ تقلید اور جذبہ عمل قائم رہے۔ ان جذبات کو قائم رکھنے کے تین طریقے ہیں۔ پہلا طریق تو درود وصلوٰۃ ہے جو مسلمانوں کی زندگی کا جزو لاینفک ہو چکا ہے وہ ہر وقت درود پڑھنے کے موقعے نکالتے ہیں۔ عرب کے متعلق میں نے سنا کہ اگر کہیں بازار میں دو آدمی لڑ پڑتے ہیں، اور تیسرا بآواز بلند اللّٰھُمَّ صلِّ علیٰ سیّدنا محمد وبارك وسلّم پڑھ دیتا ہے تو لڑائی فوراً رک جاتی ہے۔ اور متخاصمین ایک دوسرے پر ہاتھ اٹھانے سے فوراً باز آ جاتے ہیں۔ یہ درود کا اثر ہے۔ اور لازم ہے کہ جس پر درود پڑھا جائے اس کی یاد قلوب کے اندر اپنا اثر پیدا کرے۔

تیسرا طریق اگرچہ مشکل ہے لیکن بہرحال اس کا بیان کرنا نہایت ضروری ہے۔ وہ طریقہ ہے کہ یاد رسول اس کی کثرت سے اور ایسے انداز میں کی جائے کہ انسان کا قلب نبوت کے مختلف پہلوؤں کا خود مظہر ہو جائے یعنی آج سے تیرہ سو سال پہلے کی جو کیفیت حضور سرور عالم کے وجود مقدس سے ہویدا تھی وہ آج تمہارے قلوب کے اندر پیدا ہو جائے۔ حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

آدمی دید ست باقی پوست است
دید آں باشد کہ دید دوست است

یہ جوہر انسانی کا انتہائی کمال ہے کہ اسے دوست کے سوا اور کسی چیز کی دید سے مطلب نہ رہے۔ یہ طریقہ بہت مشکل ہے۔ کتابوں کو پڑھنے یا میری تقریر سننے سے نہیں آئے گا۔ اس کے لیے کچھ مدت نیکوں اور بزرگوں کی صحبت میں بیٹھ کر روحانی انوار حاصل کرنا ضروری ہے۔ اگر یہ میسر نہ ہو تو پھر ہمارے لیے یہی طریقہ غنیمت ہے جس پر ہم آج عمل پیرا ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اس طریق پر عمل کرنے کے لیے کیا کیا جائے؟ پچاس سال سے شور برپا ہے کہ مسلمانوں کو تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔ لیکن جہاں تک میں نے غور کیا ہے تعلیم سے زیادہ اس قوم کی تربیت ضروری ہے اسلام ایک خالص تعلیمی تحریک ہے۔ صدر اسلام میں اسکول نہ تھے، کالج نہ تھے، یونیورسٹیاں نہ تھیں، لیکن تعلیم وتربیت اس کی ہر چیز میں ہے۔ خطبہ جمعہ، خطبہ عید، حج، وعظ غرض تعلیم وتربیت عوام کے بے شمار مواقع اسلام نے بہم پہنچائے ہیں۔ لیکن افسوس کہ علماء کی تعلیم کا کوئی صحیح نظام قائم نہ رہا۔ اور اگر کوئی رہا بھی تو اس کا طریق عمل ایسا رہا کہ دین کی حقیقی روح نکل گئی۔ جھگڑے پیدا ہو گئے اور علماء کے درمیان جنھیں پیغمبر علیہ السلام کی جانشینی کا فرض ادا کرنا تھا، سر پھٹول ہونے لگی۔ مصر، عرب، ایران، افغانستان ابھی تہذیب وتمدن میں ہم سے پیچھے ہیں۔ لیکن وہاں علماء ایک دوسرے کا سر نہیں پھوڑتے۔ وجہ یہ ہے کہ اسلامی ممالک نے اخلاق کے اس معیار اعلیٰ کو پا لیا ہے جس کی تکمیل کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام معبوث ہوئے تھے۔ اور ہم ابھی اس معیار سے بہت دور ہیں۔

دنیا میں نبوت کا سب سے بڑا کام تکمیل اخلاق ہے۔ چنانچہ حضورؐ نے فرمایا: بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ یعنی میں نہایت اعلیٰ اخلاق کے اتمام کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ اس لیے علماء کا فرض ہے کہ وہ رسول اللہؐ کے اخلاق ہمارے سامنے پیش کیا کریں تاکہ ہماری زندگی حضورؐ کے اسوہ حسنہ کی تقلید سے خوشگوار ہو جائے اور اتباع سنت زندگی کی چھوٹی چھوٹی چیزوں تک جاری وساری ہو جائے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کے سامنے خربوزہ لایا گیا تو آپ نے کھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ مجھے معلوم نہیں رسول اللہ نے اس کو کس طرح کھایا ہے۔ مبادا میں ترک سنت کا مرتکب ہو جاؤں۔

کامل بسطام در تقلید فرد
اجتناب از خوردنِ خربوزہ کرد

افسوس کہ ہم میں بعض چھوٹی چھوٹی باتیں بھی موجود نہیں ہیں جن سے ہماری زندگی خوشگوار ہو اور ہم اخلاق کی فضا میں زندگی بسر کر کے ایک دوسرے کے لیے باعث رحمت ہو جائیں۔ اگلے زمانے کے مسلمانوں میں اتباع سنت سے ایک اخلاقی ذوق اور ملکہ پیدا ہو جاتا تھا اور وہ ہر چیز کے متعلق خود ہی اندازہ کر لیا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا رویہ اس چیز کے متعلق کیا ہوگا۔

حضرت مولانا رومؒ بازار میں جا رہے تھے۔ آپ کو بچوں سے بہت محبت تھی، کچھ بچے کھیل رہے تھے، ان سب نے مولاناؒ کو سلام کیا، اور مولانا ایک ایک کا سلام الگ الگ قبول کرنے کے لیے دیر تک کھڑے رہے، ایک بچہ کہیں دور کھیل رہا تھا، اس نے وہیں سے پکار کر کہا کہ حضرت! ابھی جائیے گا نہیں، میرا سلام لیتے جائیے۔ تو مولانا نے بچہ کی خاطر دیر تک توقف فرمایا اور اس کا سلام لے کر گئے۔ کسی نے پوچھا، حضرت! آپ نے بچہ کے لیے اس قدر توقف کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ ﷺ کو اس قسم کا واقعہ پیش آتا تو حضورؐ بھی یونہی کرتے۔

گویا ان بزرگوں میں تقلید رسول اور اتباع سنت سے ایک خاص اخلاقی ذوق پیدا ہو گیا تھا۔ اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں۔ علماء کو چاہیے کہ ان کو ہمارے سامنے پیش کریں۔ قرآن وحدیث کے غوامض بتانا بھی ضروری ہے لیکن عوام کے دماغ ابھی ان مطالب عالیہ کے متحمل نہیں۔ انہیں فی الحال صرف اخلاق نبوی کی تعلیم دینی چاہیے۔ ❀

حکمرانوں کا طرز زندگی، طبقہ امراء اور اسوۂ رسول ﷺ

محمد جمیل

☆ خدائے بزرگ وبرتر کی طرف سے دنیا میں جو ادیان اور انبیاء بھیجے گئے، ان کا مقصد انسانوں کی رہنمائی، ان کی فلاح، اخلاقی اقدار کا فروغ، انسان اور خالق باری تعالیٰ سے تعلق، انسان اور انسان کے مابین محبت اور اخوت کے رشتوں کو استوار کرکے معاشرے میں امن وآشتی، بھائی چارے اور احترام آدمیت کا پیغام دینا تھا۔ اسلام نے روحانیت کے ساتھ ساتھ خصوصی طور پر علم کی فضیلت، تسخیر کائنات، تفکر وتعمق اور معاشرے میں عدل اجتماعی کے حوالے سے انسانوں کی مادی ضروریات پوری کرکے عوام کی خوشحالی کا تصور پیش کیا۔ آخری شریعت ہونے کے حوالے سے اجتہاد جیسا رہنما اصول لازم ٹھہرا تاکہ بدلتے ہوئے ادوار، سماج، ایجادات اور جدید علوم کی روشنی میں قرآن حکیم فرقان مجید کی تعبیر وتشریح ممکن ہوسکے۔ تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ مسلمانوں نے اجتہاد کے دروازے جب تک کھلے رکھے۔ ترقی اور فتح وکامرانی ان کا مقدر رہی۔ اہل دانش کا یہ کہنا بالکل درست ہے۔ کہ کوئی قوم اس وقت تک ہی دنیا میں سرفراز رہتی ہے۔ جب تک علم وفن کے میدان میں اس کی امامت کا سکہ چلتا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا میں انسان کی دو بنیادی ضرورتیں ہیں۔ ایک طرف جسم اور روح کے رشتے کو قائم رکھنے کیلئے اسے مادی وسائل درکار ہیں۔ تو دوسری طرف انفرادی اور اجتماعی زندگی کو صحت مند بنیادوں پر استوار کرنے کیلئے اخلاقی اور تمدنی اصولوں کی ضرورت ہے۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ اسلامی ریاست کا وجود برسراقتدار یا حکمران طبقات کے مفادات کے تحفظ کے لئے نہ تھا بلکہ اس کی غرض وغایت غیر عادلانہ نظام کا خاتمہ کرکے سماج کے مختلف طبقوں میں مساوات قائم کرنا تھا۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی حکومت کا بنیادی مقصد یہ بتاتے ہیں۔ ''اور تم میں جو بے اثر ہیں، میرے نزدیک وہ بااثر ہیں۔ یہاں تک کہ میں ان کا حق واپس دلادوں اور تم میں جو بااثر ہیں وہ میرے نزدیک بے اثر ہیں۔ یہاں تک کہ میں ان سے دوسروں کا حق وصول نہ کرلوں''۔ درحقیقت اسلام کا مقصد ہی انسانی معاشرے سے افراط وتفریط اور ناہمواریوں کا خاتمہ تھا، جن کی وجہ سے مفاسد وجود میں آتے ہیں۔ قرآن حکیم میں یہ ارشاد باری تعالیٰ کسی وضاحت اور تفسیر کا محتاج نہیں کہ ''اے رسول ﷺ لوگ پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کیا جائے، تو کہہ دے جو بھی ضرورت سے زیادہ ہے۔ سب کا سب''۔ آج کے معیار زندگی کو بھی بنیاد تصور کیا جائے تو ایک گھر، ایک کار اور دوسری ضروریات کی اشیاء ایک گھرانے کے لئے کافی ہونگی، لہٰذا جب کئی کئی کوٹھیاں اور کاروں کے فلیٹ رکھے جائیں گے تو اسی نسبت سے عوام اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے سے بھی محروم ہوجائیں گے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے۔'' جہاں ارتکاز زر دیکھو تو سمجھو کہ کسی کا حق مارا گیا ہے''۔

پیغمبر آخرالزمان حضرت محمد ﷺ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے، ''اے اللہ، مجھے مسکین رکھ، مسکین اٹھا اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر کر''۔ رہبر اعظم، کمانڈر انچیف، سربراہ مملکت اور جدید ملت کے بانی ہونے کے باوجود وصال کے وقت انہوں نے کوئی ترکہ نہ چھوڑا حالانکہ نبوت کے اعلان کے وقت تک انہوں نے ایک خوشحال زندگی گزاری تھی۔ انہوں نے حکمرانوں کی جاہ وحشمت، طمطراق اور شان وشوکت کو چھوڑ کر رضاکارانہ طور پر سادہ زندگی اپنائی اور امت اور آنے والے حکمرانوں کے لئے خود کو مثال بنا کر پیش کیا اور تمام عمر انصاف کی فراہمی، قانون کی بالادستی اور انسانیت کی فلاح وبہبود کے لئے کوشاں رہے اور کامیاب وکامران ٹھہرے۔

ارشاد ربانی ہے: کہ

''یقیناً ہر شخص کے لئے اللہ کے رسول ﷺ میں بہترین اسوہ ہے جو اللہ اور روز آخرت کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتا ہو''۔ لہٰذا جو شخص دنیا اور آخرت کے معاملات میں سرخرو ہونا چاہتا ہو۔ اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ رسول اعظم حضرت محمد ﷺ کے اسوہ حسنہ کی پیروی کرے۔ اسلام کی نگاہ میں آپ ﷺ کی حیات ایک مسلمان کے لئے کامل نمونہ ہے: ''لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوہ حسنہ'' لہٰذا عام انسانوں کے علاوہ حکمرانوں کے لئے بھی ضروری ہے بلکہ بہت زیادہ ضروری ہے کہ وہ ان کی پیروی کریں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات وہ حضرت محمد ﷺ کے ساتھ ایک راستے سے گزر رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابوذر اگر احد کا یہ پہاڑ میرے لئے سونا ہوجائے تو بھی پسند نہ کرونگا کہ تین راتیں گزر جائیں اور اس میں سے ایک دینار میرے ہاتھوں میں رہ جائے، البتہ یہ کہ کسی قرض کے ادا کرنے کے لئے کچھ چھوڑ دوں''۔ اس سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ حکمران یا حکمران طبقات بڑے

بڑے محلات اور کئی کئی کنال کی کوٹھیوں میں رہیں اور انہیں زندگی کی تمام سہولتیں اور آسائشیں وافر مقدار میں میسر ہوں اور دوسری جانب عوام کی اکثریت کے پاس تن ڈھانپنے کے لئے مناسب کپڑا ہو نہ رہنے کے لئے جھونپڑا اور وہ دو وقت کی روٹی کے محتاج ہوں تو ان کے احساس محرومی سے معاشرہ درہم برہم ہو سکتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ہمارا ایمان ہے کہ حضور ﷺ کی حیات طیبہ اور اسوہ حسنہ ہمارے لئے بہترین ماڈل ہے تو وہ لوگ جو بغیر کسی حد کے دولت کے انبار اکٹھے کرنے، جائیدادیں بنانے اور وسیع و عریض اراضی کو ملکیت میں رکھنے کو درست قرار دیتے ہیں۔ ان کے متعلق کیا کہا جائے؟ اس بارے میں دو آراء نہیں کہ اسلام کی صحیح تعبیر کی مظہر خود نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ ہے اور دوسرا کوئی بھی تصور (خواہ بڑے سے بڑا عالم پیش کرے) اسلام کے تصور حق کے خلاف ہے۔ اسلام میں اثاثے رکھنے کی شرط یہ ہے کہ اس سے معاشرے کے افراد استفادہ کریں اور نہ صرف اس پر زکوۃ ادا کی جائے بلکہ معاشرے میں تعلیم صحت اور روزگار کے مواقع پیدا کئے جائیں یعنی وہ بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے وقف ہو۔

قرآن حکیم فرقان مجید میں واضح طور پر آیا ہے کہ زمین اللہ کی ہے اور احادیث میں بھی یہ وضاحت موجود ہے کہ غیر حاضر زمینداری ربا کے زمرے میں آتی ہے۔ لہٰذا جاگیرداری کا تصور بھی اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔ اسی فرسودہ نظام کی وجہ سے آج کا انسان انتشار زدہ شخصیت کا حامل ہے۔ سماجی بے اطمینانی، معاشرتی کشمکش، بے راہ روی، جرائم، خودکشی کے واقعات اور ذہنی امراض جس تیزی سے بڑھ رہے ہیں یہ سب کچھ غیر منصفانہ اور غیر متوازن نظام کی پیداوار ہے۔

اسلام ایک معتدل اور ترقی پسند (مروجہ تعریف کے حوالے سے نہیں) مذہب ہے۔ انتہا پسندی، رجعت پرستی اور تنگ نظری کی اس میں کوئی گنجائش نہیں۔ سماجی اور معاشی مساوات، شخصی آزادیاں، انسانی حقوق، عدل و انصاف اور دولت اور پیداوار کی منصفانہ تقسیم اس عظیم انقلاب کے بنیادی اصول تھے اور ہیں، کئی صدیاں گزرنے کے بعد بھی قابل عمل ہیں اور دوسری قوموں نے مستعار لے کر ان سے استفادہ بھی کیا ہے۔ بہرکیف ایک اہم سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے علمائے کرام اور اہل دانش ہر مسئلہ میں سنت کی پیروی کی بات کرتے ہیں۔ تو پھر دولت کے انبار لگانے والوں شاہانہ طرز زندگی بسر کرنے والے حکمرانوں کو تلقین کیوں نہیں کرتے کہ وہ سادگی کو شعار بنائیں اور معاشرے کے کچلے ہوئے افراد کو بھوک، ننگ اور افلاس سے نجات دلانے کے سلسلے میں بھی آپ ﷺ کی پیروی کریں۔ ❁

tsi | Metro sourcing

Metro sourcing is "Hong Kong Based Group" working in Pakistan for last 3 years. Our Aimis to facilitate "Garment Industries" with our unique products & quality services.

Our Product Line:

Products: BUTTONS | ZIPPERS | HANG TAG | LABELS

Unit #4,13-E/I1Gulberg III Lahore Pakistan.
PH#: 5717985-6, FAX:5717987, E mail Info@ metro sourcing.com

سرمد ڈیپارٹمنٹل اسٹور

A- بلاک اسٹور مارکیٹ ماڈل ٹاؤن لاہور
Phone: 5839973 Mobile: 0300 - 9439980

سیرت رسول ﷺ کے روشن پہلو

محمد طارق

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ہم نے آپ ﷺ کو دونوں جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

پیارے نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت طیبہ پر نظر دوڑائیں تو ہمیں خیر و رحمت کا ایک سمندر موجزن نظر آئے گا کیونکہ آپ ﷺ کی زندگی قرآن پاک کی عملی تفسیر کا نمونہ ہے۔

زمانہ امن ہو یا جنگ کے بادل منڈلا رہے ہوں ،تجارتی لین دین ہو یا سیاست کا میدان، گھریلو زندگی ہو یا خارجی معاملات ہوں، غم ہو یا خوشی کا کوئی موقع، تنگ دستی ہو یا آسودگی یا خلوت و جلوت، الغرض زندگی کے ہر میدان میں ہر موقع پر اور ہر جگہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی حیات طیبہ ہمارے لئے روشنی کا مینار ہے اور ہماری رہنمائی کیلئے موجود ہے۔

یہ آپ ﷺ کی تعلیمات ہی تھیں کہ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ پر جان چھڑکتے تھے اور دیوانہ وار آپ ﷺ کی محبت میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے لیکن اس وقت تعظیم و تکریم کا پہلو ہمیشہ ان کے مدنظر رہتا تھا اور وہ آپ ﷺ کو اپنی جان اور اولاد سے بڑھ کر محبوب تصور کرتے تھے اور کیوں نہ کرتے؟ آپ ﷺ بھی اپنے صحابہ کرامؓ سے بے پناہ محبت و خلوص اور ہمدردی سے پیش آتے تھے۔

کائنات کے سارے خزانے آپ ﷺ کے ایک اشارے کے منتظر رہتے، وہ جنہوں نے سورج کو پلٹا دیا اور جن کو گواہی دینے کیلئے کنکریاں بھی بند مٹھی میں بول پڑیں، ذرا غور کیجئے کہ جن کے تصرف میں زمانے کے سارے خزانوں کی کنجیاں تھیں۔ یہ 9 ہجری کا واقعہ ہے۔ جب سارے عرب یمن اور بحرین پر فتح پالی گئی اور خزانے میں خراج اور اموال غنیمت جمع ہو رہے تھے۔''ایک دن حضرت عمر فاروقؓ حضور ﷺ کی بالاخانے والی کوٹھڑی میں حاضر خدمت ہوئے۔ دیکھا کہ سید عرب و عجم حضرت محمد ﷺ کے جسم اطہر پر صرف ایک تہبند ہے۔ ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہیں۔ ایک کھڑی چار پائی ہے۔ سرہانے ایک تکیہ پڑا ہے۔ جس میں خرمے کی چھال بھری ہوئی ہے۔ اور پشت مبارک پر چارپائی کے بان کی بدھیاں پڑ گئی ہیں۔ حضور ﷺ کا یہ حال دیکھ کر حضرت عمر فاروقؓ اشک بار ہو گئے اور عرض کیا۔

یا رسول ﷺ یہ آپ کا کاشانہ اقدس ہے اور یہ اس کا سامان، قیصر و کسریٰ تو دنیا کے مزے لوٹیں اور اللہ کے برگزیدہ رسول ﷺ کے گھر یہ حال ہو۔

حضور ﷺ نے فرمایا۔

اے عمر! کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ وہ دنیا لیں اور ہم آخرت (صحیح بخاری)۔

سبحان اللہ۔ یہ تھی ہمارے پیارے نبی ﷺ کی زندگی۔ آپ دنیا کی زندگی کو کبھی اہمیت نہ دیتے تھے۔ اس عارضی زندگی کے مقابلے میں ہمیشہ آخرت کی زندگی کو ترجیح دیتے تھے۔

ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ بورے پر استراحت فرما رہے تھے اٹھے تو جسم اطہر پر بورے کے نشان پڑ گئے تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ اگر اجازت ہو تو ہم کوئی گدا پیش کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

میرا دنیا سے کیا کام؟ میرا تو دنیا سے صرف اتنا تعلق ہے جیسے کوئی مسافر تھوڑی دیر کیلئے کسی درخت کے سائے میں بیٹھ جائے اور پھر اسے چھوڑ کر آگے بڑھ جائے'' (جامع ترمذی)

آپ ﷺ کی زندگی سے ایک طرف تو ہمیں یہ سبق ملتا ہے۔ کہ دنیا کی زندگی عارضی ہے لیکن دوسری طرف روزمرہ زندگی میں دوسروں کی محتاجی سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔ اور روزمرہ معاملات کے تمام امور بذات خود سرانجام دینے میں دلچسپی رکھتے تھے۔

طبقات ابن سعد میں ہے۔'' ایک مرتبہ اثنائے سفر میں حضور کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا۔ آپ ﷺ درست کرنے لگے تو ایک صحابیؓ نے عرض کیا'''' یا رسول ﷺ میں ٹانک دوں فرمایا ''نہیں''، تشخص پسندی مجھے پسند نہیں ہے۔ چنانچہ آپ نے خود تسمہ ٹانکا (طبقات ابن سعد)

اسی طرح ایک مرتبہ مشہور صحابی حضرت خباب بن الارث مدینے سے دور ایک سریہ پر گئے۔ ان کے گھر میں اور کوئی مرد نہیں تھا اور عورتیں جانوروں کا دودھ دوہنا نہیں جانتی تھیں۔ حضور ﷺ کو علم ہوا تو آپ ﷺ بہ نفس نفیس ہر روز حضرت خبابؓ کے گھر تشریف لے جاتے اور ان کے جانوروں کا دودھ دودھ دیا کرتے۔ (طبقات ابن سعد)

آپ ﷺ کی زندگی انکسار، سادگی، تواضع، مساوات اور زہد و قناعت کا مجموعہ تھی۔ آپ نے اپنی زندگی کا جو عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس کی نظیر پوری تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔

آپ ﷺ نے غریبوں کی دستگیری اور یتیموں کی سرپرستی فرمائی۔ اگر مسلمان بھوکے ہیں تو آپ نے بھی کئی کئی روز فاقہ کی حالت میں گزار دیئے۔ کبھی بھی اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا کہ آپ ان سے الگ ہیں۔ آپ ﷺ بازاروں میں جا کر دیکھ رہے ہیں کوئی ناپ تول میں کمی تو نہیں کر رہا۔ مریضوں کی عیادت کیلئے ان کے گھر پیدل جا رہے ہیں۔ کوئی مرجاتا تو گھر سے پیدل قبر تک جنازے میں شرکت فرما رہے ہیں۔ گھر کے کام کاج میں ازواج مطہرات کا ہاتھ بٹا رہے ہیں اور کبھی ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بازار سے سودا سلف خرید کر لا رہے ہیں۔ آیات الٰہی بھی لوگوں کو سنا رہے ہیں اور مہمانوں کی خدمت بھی

بنفس نفیس فرمار ہے ہیں اور حج کے ارکان بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر ادا کر رہے ہیں۔ جب ماہ رمضان آتا ہے تو سحری وافطار کے ساتھ پورے اہتمام سے روزے بھی رکھ رہے ہیں اور صحابہ اکرامؓ کے ساتھ دین ودنیا کے معاملات پر گفتگو بھی ہوتی رہتی ہے۔ گویا آپ ﷺ کی زندگی ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ آپ ﷺ کے تمام معاملات اور عبادات ہر ایک کے سامنے تھے۔

آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو کبھی یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ آپ ﷺ ان سے الگ ہیں اور آپ برتر ہیں اور وہ کمتر۔ مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کے واقعہ کے بعد سے اس بات کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

''ہجرت کے بعد پہلے مسجد قبا اور پھر مسجد نبوی تعمیر ہوئی تو حضور ﷺ نے اس کی تعمیر میں عام لوگوں کی طرح حصہ لیا۔ آپ صحابہؓ کے ساتھ مل کر گارا ڈھوتے اور دیواریں اٹھاتے تھے۔ وہ عرض کرتے۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ رہنے دیں۔ ہم یہ کام خود کرلیں گے۔ لیکن آپ ﷺ فرماتے نہیں۔ میں تمہارے شانہ بشانہ کام کروں گا۔ اس طرح غزوہ خندق کے موقع پر آپ صحابہؓ کے ساتھ مل کر خندق کھودتے تھے۔ جسم اطہر مبارک گردوغبار سے اٹ جاتا تھا اور آپ تھکن سے چور چور ہوجاتے تھے لیکن کھدائی کا کام برابر جاری رکھتے تھے۔ حالانکہ اردگرد سینکڑوں جان نثار موجود تھے اور آپ ﷺ سے بار بار کام چھوڑنے کی التجا کرتے تھے۔

آپ ﷺ نے کبھی بھی اپنے آپ کو صحابہ کرامؓ سے ممتاز کرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی آپ ﷺ نے کوئی ایسا کام کیا، جس سے یہ ظاہر ہو۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ کسی غزوے میں تشریف لے جارہے تھے۔ سفر کے دوران ایک مقام پر بکری ذبح کرنے اور پکانے کی تجویز ہوئی۔ صحابہ کرامؓ نے آپس میں کام بانٹ لئے۔ ایک صاحب نے کہا میں اس کو ذبح کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں اس کا گوشت بناؤں گا۔ تیسرے نے کہا میں اسے پکاؤں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں آگ جلانے کیلئے لکڑیاں لاؤں گا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا'' یا رسول اللہ ﷺ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ ﷺ تشریف رکھئے۔ ہم سب کام کرلیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تم سے اپنے آپ کو ممتاز کروں۔

ان ہشام کہتے ہیں کہ حضرت عدیؓ بن حاتم طائی قبول اسلام سے پہلے بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے ان کا نام پوچھا اور پھر ان کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر کاشانہ اقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک غریب بوڑھی عورت اور پھر نوعمر لڑکے نے آپ ﷺ کو روک لیا اور دیر تک آپ سے باتیں کرتے رہے۔ جب انہوں نے از خود ختم کی تو حضور ﷺ آگے روانہ ہوئے۔ حضرت عدیؓ یہ واقعہ دیکھ کر بڑے حیران ہوئے اور دل میں خیال کیا کہ یہ طرز عمل کسی دنیوی بادشاہ کا نہیں ہوسکتا۔ گھر پہنچ کر حضور ﷺ نے حضرت عدیؓ کو بہ اصرار چمڑے کے گدے پر بٹھایا اور خود زمین پر بیٹھ گئے۔ حضور ﷺ کا اخلاق کریمانہ دیکھ کر حضرت عدیؓ کو پختہ یقین ہوگیا کہ آپ دنیا کے دوسرے بادشاہوں کی طرح نہیں ہیں پھر حضور ﷺ کے کچھ دیر گفتگو کرنے کے بعد وہ حلقہ بگوش اسلام ہوگئے (ابن ہشام)

آپ ﷺ کی نرمی اور شفقت کا ایک اور واقعہ صحیح بخاری میں ہے'' ایک دفعہ حضور ﷺ کے پاس کہیں سے چادریں آگئیں۔ آپ ﷺ نے ان میں سے اکثر تقسیم فرمادیں۔ اور پھر گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک صحابی حضرت مخرمہؓ اپنے بیٹے مسورؓ کے ہمراہ اپنا حصہ لینے پہنچے مخرمہؓ نے اپنے کمسن فرزند سے کہا رسول اللہ ﷺ کو آواز دے کر بلاؤ۔

مسورؓ نے کہا: ابا جان میری کیا حیثیت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو آواز دوں؟ مخرمہؓ نے کہا۔ رسول اللہ ﷺ جبار نہیں ہیں۔ اس پر مسورؓ نے جرات کر کے آواز دی حضور ﷺ فوراً باہر تشریف لے آئے اور ان کو دیبا کی قبا عنایت فرمائی۔ (صحیح بخاری)

آپ ﷺ نرم گفتار ہونے کے ساتھ ساتھ سادگی میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ اس بارے میں چند احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں۔

بخاری شریف کی حدیث مبارکہ ہے۔

سرور دو عالم ﷺ اکثر موٹے اور کھردرے کپڑے کا لباس زیب تن فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ کا کوئی کپڑا کبھی تہہ کر کے نہیں رکھا گیا۔ یعنی آپ ﷺ کے پاس کپڑوں کا صرف ایک جوڑا تھا۔ دوسرا نہیں تھا۔ جو تہہ کر کے رکھا جاتا۔ (ابن ماجہ)

ایک اور حدیث پاک میں ہے۔

'' سید عرب وعجم ﷺ کا مسکن چند چھوٹے چھوٹے حجروں پر مشتمل تھا۔ انہی میں ازواج مطہرات رہتی تھیں۔ ہر حجرے کی وسعت تین ساڑھے تین گز کے قریب تھی۔ ان کی اونچائی بس اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہوکر ہاتھ بلند کرتا تو چھت کو چھوجاتا۔ حجروں کی دیواریں مٹی کی تھیں اور ان پر کھجور کے پتوں اور ٹہنیوں کی چھت تھی۔ ان حجروں کے ساتھ نہ کوئی صحن تھا اور نہ دالان۔ مٹی کی دیواروں میں بعض اوقات شگاف پڑجاتے تھے جن سے دھوپ اندر آتی تھیں۔ بارش میں بالوں کے کمبل حجروں کے گرد لپیٹنے پڑتے تھے۔ تاکہ پانی اندر نہ آئے۔ ہر حجرے کے دروازے پر ٹاٹ یا کپڑے کا پردہ ایک پٹ کا کواڑ تھا۔

ان حجروں کے علاوہ ایک معمولی سا بالا خانہ تھا (سنن ابوداؤد۔ ادب المفرد بخاری)

حضور ﷺ کی حیات مبارکہ سے ایک واقعہ حدیث شریف میں ہے۔ حضور ﷺ گھر کا کام کاج خود کرتے، کپڑوں میں پیوند لگالیتے، جوتا پھٹ جاتا تو اس کو گانٹھ لیتے، گھ[illegible]ے لیتے، بازار سے سودا سلف لاتے، کسی مجلس میں تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے۔ صحابہؓ کے

درمیان اس طرح گھل مل کر بیٹھتے کہ کوئی اجنبی آپ ﷺ کو پہچان نہ سکتا۔'' (شمائل ترمذی)

ابن ماجہ میں ہے کہ

''لوگ آپ ﷺ کی تعظیم کیلئے اٹھتے تو آپ اسے ناپسند فرماتے اور ان کو ایسا کرنے سے منع فرماتے۔ (ابن ماجہ)

سرور دو عالم ﷺ حجۃ الوداع کیلئے تشریف لے گئے تو آپ کی سواری کا کجاوہ چار درہم سے زیادہ کا نہ تھا اور اتنی ہی قدر وقیمت اس چادر کی تھی۔ جو اس موقع پر آپ ﷺ اوڑھے ہوئے ۔طبقات ابن سعد)

سبحان اللہ: آپ دو جہانوں کے بادشاہ لیکن طرز زندگی ایسا کہ نمود و نمائش اور بناوٹ سے یکسر خالی۔ علامہ شبلی نعمانی نے ''سیرت النبی ﷺ'' میں حضور ﷺ کی شان جہاں بانی کو بڑے بلیغ پیرائے میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ پیغمبروں میں عیسیٰ بھی گزرے ہیں۔ اور موسیٰ اور داؤدؑ سلیمانؑ بھی جو قوموں اور ملکوں کی قسمت کے مالک لیکن محمد رسول اللہ ﷺ عیسیٰ اور یحییٰ بھی اور داؤد و موسیٰ بھی عرب کے خزانے دست تصرف میں لیکن کاشانہ نبوت میں نہ کوئی نرم بستر تھا نہ غذائے لطیف، نہ جسم مبارک پر لباس شاہانہ تھا نہ جیب و آستیں میں درہم و دینار۔

عین اس وقت جب اس پر قیصر و کسریٰ کا دھوکا ہوا تھا وہ گلیم پوش مکہ کا یتیم اور آسمان کا معصوم فرشتہ نظر آتا تھا۔

سرور دو عالم ﷺ نے جس مملکت کی تاسیس و تشکیل فرمائی وہ ایک نظریاتی مملکت تھی۔ جس میں کاروبار حکومت کو احکام قرآنی یا قانون خداوندی سے ہٹ کر چلانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ احکام قرآن یا قانونی الٰہی کا نام ہی دین ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام ہمارا دین ہے لیکن فلاں ازم ہماری معیشت ہے اور فلاح طریقہ ہماری سیاست ہے۔ وہ لوگ انتہائی شدید قسم کی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ دین حق مذہبی رسوم ادا کر لینے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ عبادات کے علاوہ معیشت، سیاست، رفاہ عامہ اور خدمت خلق پر محیط ہے۔

دین کار پردازان حکومت پر یہ فرض عائد کرتا ہے کہ وہ خوف خدا کو اپنے دل میں جاگزیں کر کے کاروبار حکومت چلائیں۔ برائی کو مٹائیں نیکی کو پھیلائیں معاشی انصاف اور سماجی مساوات قائم کریں۔ ظالم کا ہاتھ پکڑیں، مظلوم کی مدد کریں اور اپنے آپ کو مخلوق خدا کی خیر خواہی، بھلائی اور خدمت کیلئے وقف کر دیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا قول ہے کہ میں نے رسول ﷺ سے بڑھ کر کسی کو مشورہ کرنے والا نہیں دیکھا۔

سورۃ آل عمران میں رسول اکرم ﷺ کو براہ راست مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے۔

اور اے نبی ﷺ ان سے معاملات میں مشورہ کرو۔ اہل سیر نے حضور ﷺ کی صحابہؓ سے مشاورت کے بے شمار واقعات تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ خطیب بغدادی نے حضرت علیؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول ﷺ سے پوچھا یارسول اللہ ﷺ آپ کے بعد اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کے بارے میں نہ قرآن میں کوئی حکم نازل ہوا ہو اور نہ آپ ﷺ کا کوئی ارشاد ہمارے سامنے ہو تو ہم کیا کریں۔ حضور ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے عبادت گزار اور اطاعت شعار لوگوں کو جمع کرو اور اس معاملے کو مشورے کے ذریعے ان کے سامنے رکھ دو کسی ایک شخص کی رائے پر فیصلہ نہ کرو۔

الغرض آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا ایک ایک لمحہ ہمارے لئے رہنمائی اور مشعل راہ ہے۔ بات صرف آپ کے بتائے ہوئے راستے پر استقامت کے ساتھ چلنے کی ہے۔ ❁

نعت رسول مقبول ﷺ

تنم فرسودہ جاں پارہ زہجراں یا رسول اللہؐ
دلم پردرد آوارہ زعصیاں یا رسول اللہؐ
شب و روز از شکیبائی زحد گشتم تمنائی
بخلوت سوئے من آئی خراماں یارسول اللہؐ
چو سوئے من گذر آری من مسکین زنا داری
فدائے نقش نعلینت کنم جاں یا رسول اللہؐ
زکرن خویش حیرانم سیاہ شد روز عصیانم
پشیمانم پشیمانم پشیماں یا رسول اللہؐ
زپا افتادم از پیری برحمت دست من گیری
ہمیں یک حرف پذیری زناداں یارسول اللہؐ
زجام حب تو مستم بہ زنجیر تو دل بستم
نمی گویم کہ من ہستم سخنداں یا رسول اللہؐ
بصدیقؓ خریدارم عمرؓ را دوست میدارم
فدا سازم دل و جاں رابعثمانؓ یارسول اللہؐ
نہادم پیش گاہ سرپائے ساقئے کوثر
اماماں راشدم چاکر بایقاں یا رسول اللہؐ
بوقت نزع در مانم رود ازتن بروں جانم
نگاہ داری تو ایمانم زشیطاں، یارسول اللہؐ
چو اندر حشر بوخیزم بداماں تو آویزم
زدیں خون دل ریزم فراواں یارسول اللہؐ
چو بازوئے شفاعت را کشائی بر گنہگاراں
مکن محروم جامی را در آں آں یارسول اللہؐ

(از: جامیؒ)

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

جناب جسٹس اے ایس سلام

☆ مجھے علامہ اقبالؒ کی ایک رباعی کچھ عرصہ سے بہت پسند ہے۔ شاید اس کی ضرورت پیش آنے والی ہے۔ خیال کو اگر خوبصورت جامہ مل جائے تو امر ہو جاتا ہے۔ رباعی یہ ہے۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر   روز محشر عذر ہائے من پذیر
در حسابم را تو بینی ناگزیر   از نگاہ مصطفےٰؐ پنہاں بگیر

سادہ الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے۔ کہ تو تو دو جہاں سے زیادہ امیر ہے۔ میں غریب وفقیر ہوں مجھ سے کیا حساب کتاب لینا۔ قیامت کو مجھے ایسے ہی بخش دینا۔ لیکن اگر حساب لینا ہی ضروری ہو، تو رسول کریم ﷺ کی نگاہ سے ہٹ کر لینا، چھپا کر لینا۔ یعنی وہ میری خطاؤں، گناہوں کو نہ دیکھیں کیوں کہ ایسا ہونے میں بڑی شرمندگی وندامت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو رشتہ مالک ومملوک کا ہے۔ بندہ اچھا ہو، برا ہو بہر حال اللہ کا بندہ ہے۔ اللہ اس کا مالک ہے۔ مالک تو اپنے بندے کو بندگی کے دائرے سے نکال ہی نہیں سکتا۔ رشتہ پکا اور پختہ ہے۔ مگر رسول مقبول ﷺ سے رشتہ عزت واحترام کا ہے، اطاعت ومحبت کا ہے۔ وہ محبت ہی کیا ہوئی جو محبت کے لیے باعث ناراضگی ہو اور محبت کرنے والے کے لیے باعث شرم وحیاء اور ندامت ہو اور اگر محبت ہی میں کمی آجائے اور محب کو اس کا علم ہو جائے تو پھر کیا زعم محبت۔

تعلق رسول ﷺ سے تو ایک محسن اعلیٰ کا ہے، وہ محسن جس نے ہمیں اللہ تعالیٰ سے روشناس کرایا۔ ہم تو اللہ تعالیٰ کو نہ جانتے تھے۔ نہ پہچانتے تھے، نہ کبھی دیکھا تھا نہ سنا تھا۔ یہ رسول اللہ ﷺ ہی تھے، جنہوں نے ہمیں بتلایا کہ کوئی نہیں سوائے اللہ کے۔ لا الٰہ الّا اللہ یعنی اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ تم ہر دو جہاں اور ہر چیز سے آزاد ہو۔ ہمیں تاریخ سے معلوم ہے کہ اگر کچھ لوگ ناجائز قید میں ہوں اور قید خانہ توڑ کر انہیں آزاد کر دیا جائے تو یہ بہت بڑا انقلاب کہلاتا ہے۔ اسے فرنچ ریولیوشن کہتے ہیں۔ اس نے پھیل کر مغرب میں امریکہ تک اور مشرق میں آسٹریلیا تک اپنے اثرات چھوڑے ہیں اور اتنی سی آزادی کا ثمر یہ ہے۔ کہ اس کے نام لیوا اور پیروکار اب چاند پر قدم رکھتے ہیں۔ اگر کوئی ایک قوم کو آزادی سے روشناس کرا دیتا ہے۔ تو ہم انہیں قائداعظمؒ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ پھر کیوں نہ ایسی ہستی جو ہر دو جہاں سے اور ہر وہم وخیال سے پوری انسانیت کو آزادی کا سبق دے، رحمتہ للعلمینؐ کہلائے۔ یہ ہی ہمارے رسول کریم ﷺ ہیں کہ جن کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے کہا ہے کہ ایسے محسن کے سامنے کوتاہیاں اور گناہ گاریاں نہ آئیں۔ اول اللہ قیامت کو بغیر حساب کتاب کے ہی بخش دیجیو۔ اگر ایسا نہ کیا جا سکے تو محمد مصطفےٰ ﷺ کی نگاہوں سے بچا کر میرا پردہ رکھنا تو ستار العیوب ہے۔ علامہ اقبالؒ نے دوسری جگہ کہا ہے۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

محمد ﷺ سے وفا کیا ہے؟ زبانی کلامی نہیں۔ احکامات اور سنت پر عمل جو آپ ﷺ نے بتایا اس پر ایمان اور عمل، جو آپ ﷺ نے کیا اس کی پیروی۔ رسول کریم ﷺ نے بتایا کہ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ میں نے انسان کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور اس میں اپنی روح پھونکی۔ وہ اشرف المخلوقات اور صاحب تکریم ہے۔ یہ انسان میں یا ہم اور آپ ہی نہیں ہیں، سب ہیں۔ جس شخص نے انسان کو انسان جانا اور اس کی تکریم کی یہاں تک کہ اس نے اس کی انسانیت کو تسلیم کیا اور عزت کی اور اس کو احساس دلایا کہ تو صاحب تکریم ہے۔ وہ خود عزت پائے گا اور صاحب تعظیم ہوگا۔

کیوں نہ ہم دوسرے انسان کی عزت وتکریم کریں؟ اسے بھی میرے ہی خالق نے بنایا ہے اور اس میں اپنی روح پھونکی ہے۔ آج اگر ہمارے سامنے کوئی ایسا شخص آجائے جسے پی ایم یا پریذیڈنٹ نے بھیجا ہو تو ہم سب اس کی عزت کریں گے کہ شاید یہ واپس جا کر ہمارے لئے کوئی دو کلمے خیر ہی کے کہہ دے حالانکہ نہ آنے والا پی ایم یا پریذیڈنٹ کا تخلیق کیا ہوا ہے نہ اپنی روح انہوں نے اس شخص میں پھونکی ہوئی ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ وہ واپس جا کر حق میں ہی بات کرے۔ تاہم ہم ایسے شخص کے سامنے بچھے جائیں گے تو کیوں نہ ہم ایسی ہستی کی عزت واحترام کریں جسے اللہ پاک نے، ہمارے خالق نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اس میں اپنی روح پھونکی ہے۔ اس قسم کا خیال ڈاگ ہیمر شولڈ کی کتاب میں درج ہے۔ ترجمہ کچھ اس طرح ہے

" کیا وہ (دوسرا انسان) مجھے پڑھا سکتا ہے؟ (میں تو خود ہی بڑا پڑھا لکھا عالم فاضل ہوں) جواب کیوں نہیں کوئی ایسا نہیں ہے، جس سے تم سیکھ نہ سکو۔ اللہ کے سامنے جو ہر انسان میں سے بولتا ہے۔ تم ہمیشہ کسی جماعت کے آخیر میں ہو یعنی بالفاظ دیگر تم ہر

انسان کی بات غور سے سنو سمجھو اس میں سے اللہ بول رہا ہے کیا محاورہ نہیں آواز خلق کو نقارہ خدا سمجھو۔ تکبر زہر قاتل ہے۔ یہ سمجھنا کہ میں دوسرے سے بہتر ہوں خودکشی ہے۔

متکبر سچا بھی ہو تو راندہ درگاہ ہے۔ شیطان نے جھوٹ نہیں کہا تھا کہ ''وہ آگ سے بنا ہوا ہے اور آدم خاک سے لہٰذا آدم سے بہتر ہے۔ وجہ اب تک جھٹلائی نہیں گئی ہے۔ حقیقتاً شیطان آگ سے بنایا گیا تھا اور آدم خاک سے۔ تاہم خیال برتری نے شیطان کو ہمیشہ کے لیے ملعون قرار دیا''۔

لہٰذا اگر ہم عجز وانکسار سے رسول کریم ﷺ کے بتلائے ہوئے راستے پر چلیں اور اپنے عمل سے ثابت کریں کہ ہم رحمۃ للعلمین ﷺ کے پیروکار ہیں۔ اور ہم سے دوسروں کو فیض ہی ملے گا نہ کہ حزن۔ بالفاظ دیگر اگر ہم کماحقہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کریں، تو اللہ پاک فرماتے ہیں کہ وہ ہمارے ہو جائیں گے اور اگر اللہ پاک ہمارا ہو جائے تو ہمیں اور کیا چاہیے۔ اللہ پاک کہتے ہیں یہ دنیا تو کیا چیز ہے لوح وقلم تیرے ہو جائیں گے۔ قلم اٹھا اور تقدیر لکھ لے۔

اختتام سے پہلے ایک اور خیال کی طرف بھی آپ کی توجہ مبذول کرالوں۔ اللہ پاک کا کہنا ہے کہ اس نے ہر شخص میں اپنی روح پھونکی ہے۔ یعنی ہر انسان اس کا ایک حصہ لئے ہوئے ہے۔ شاید اسی وجہ سے علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ اگر انسان جو کمزور بھی ہے پوری طرح اللہ کا نہیں بن سکتا، تو اپنا ہی بن جائے کسی حد تک تو خود بخود اللہ کا بن جائے۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ یوں ہیں۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

معمولات روز وشب

☆ رسول اکرم ﷺ کا (عام حالات میں) ہر روز کا معمول یہ تھا کہ نماز فجر پڑھا کر آپ مسجد ہی میں تشریف رکھتے۔ صحابہ کرامؓ آپؐ کے اردگرد بیٹھ جاتے۔ آپؐ ان کو وعظ ونصیحت فرماتے اور ان کی باتیں بھی سنتے اگر کوئی صاحب اپنا خواب بیان کرتے تو اس کی تعبیر بتاتے۔ اس کے بعد ہر قسم کی گفتگو ہوتی۔ بعض اصحاب زمانہ جاہلیت کے واقعات بیان کرتے اور شعر پڑھتے پاکیزہ ہنسی مذاق کی باتیں بھی ہوتیں۔ حضور ﷺ ان کو سن کر مسکرا دیتے۔ جب دن کچھ چڑھ جاتا (سورج نکل آتا) تو حضور ﷺ چاشت کی نماز پڑھتے، کبھی چار اور کبھی آٹھ رکعتیں۔ پھر آپ گھر تشریف لے جاتے اور مختلف (ذاتی اور گھریلو) کاموں میں مشغول ہو جاتے۔ بکریوں کا دودھ دوہتے، جوتا ٹوٹ جاتا تو اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیتے، پھٹے کپڑوں کو سی لیتے، بازار سے سودا سلف خرید لاتے یہاں تک کہ ظہر کی نماز کا وقت آ جاتا آپ لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھاتے۔ پھر عصر کی نماز پڑھ کر ازواج مطہراتؓ میں سے ایک ایک کے گھر جاتے اور تھوڑی تھوڑی دیر ٹھہر کر ان کا حال دریافت فرماتے یہاں تک کہ مغرب کی نماز کا وقت ہو جاتا۔ آپ نماز مغرب ادا فرماتے پھر کھانا کھاتے اور جن زوجہ مطہرہ کی باری ہوتی ان کے گھر ہی رات بسر فرماتے۔ دوسری ازواج مطہرات بھی وہیں آ جاتیں۔ عشا تک یہ گھریلو مجلس جمی رہتی۔ نماز عشاء کے بعد آپ آرام فرماتے اس نماز کے بعد آپ کو بات چیت پسند نہیں تھی۔

آدھی رات یا پہر رات رہے آپؐ جاگ اٹھتے، پہلے مسواک کرتے پھر وضو کر کے تہجد کی نماز میں مشغول ہو جاتے یہاں تک کہ فجر کی اذان ہوتی اور آپ سنتیں پڑھ کر مسجد تشریف لے جاتے اور لوگوں کو نماز فجر پڑھاتے۔ حضور ﷺ کے یہ معمولات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے تھے۔ آپؐ کی سیرت طیبہ میں جہاں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ ملک کے داخلی اور خارجی معاملات سے عہدہ برآ ہو رہے ہیں، فوجیں میدان جہاد میں بھیج رہے ہیں یا خود میدان جہاد میں فوجوں کی قیادت فرما رہے ہیں، مسند عدل پر بیٹھ کر لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کر رہے ہیں، مجرموں اور خطاکاروں پر حد جاری فرما رہے ہیں، بادشاہوں اور دوسرے حکمرانوں کو دعوت حق کے خطوط بھیج رہے ہیں۔ وہاں یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بایں ہمہ عظمت ومرتبہ آپ مساکین کی دستگیری، یتیموں اور بیواؤں کی غمخواری اور پریشان حالوں کی دلجوئی فرما رہے ہیں۔ بازاروں میں جا کر دیکھ رہے ہیں۔ کہ کوئی ناپ تول میں کمی تو نہیں کر رہا یا ناقص مال تو گاہکوں کو نہیں دے رہا۔ بازار سے سودا سلف خرید کر لا رہے ہیں، قرآن پاک کی تفسیر بھی فرما رہے ہیں اور حسانؓ بن ثابت کے اشعار بھی سن رہے ہیں، مریضوں کی عیادت کے لیے ان کے گھر پیادہ پا تشریف لے جا رہے ہیں، کوئی فوت ہو جاتا ہے تو گھر سے لے کر قبر میں رکھنے تک جنازے میں شریک ہو رہے ہیں، مجالس میں اصحاب کے ساتھ خوش طبعی کی باتیں بھی ہو رہی ہیں، نماز بھی پورے ارکان کے ساتھ ادا فرما رہے ہیں۔ ماہ رمضان میں سحری وافطار کے پورے احترام کے ساتھ روزے بھی رکھ رہے ہیں۔ غنیمت، صدقات، وظائف اور خراج وغیرہ بھی لوگوں میں تقسیم فرما رہے ہیں گویا دین اور دنیا کے تمام معاملات ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ (صحیحین، جامع ترمذی، مسند احمد دیگر کتب حدیث) ❁

حضرت داؤد علیہ السلام

شفاعت رسول

نسب نامہ

حضرت داؤد علیہ السلام کا تعلق حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہوداہ کی نسل سے تھا۔آپ کے والد کا نام لیسی تھا۔لیسی کے آٹھ بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔حضرت داؤد علیہ السلام انکے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔

بچپن میں آپکا پیشہ چوبانی تھا۔آپ بے حد وجیہہ اور بہادر تھے۔بچپن ہی میں شجاعت و جوانمردی کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی شیر یا بھیڑیا آپکی بکری کا بچہ اٹھا کرلے جاتا تو آپ اس سے مقابلہ کر کے شکار اسکے منہ سے چھڑالاتے اور اسکی گردن مروڑ کر مار ڈالتے۔

حضرت شموئیل علیہ السلام کو اپنی ضعیف العمری میں وحی الٰہی نے مطلع کیا کہ ہم نے تمہارے بعد داؤدؑ کو نبوت اور بادشاہت کیلئے چن لیا ہے۔تم جاکران سے ملو اور ان کا مسح کرو۔(یہود میں مسح ایک متبرک مذہبی رسم تھی جو مقبولیت اور تقرب الٰہی کی نشانی تھی۔نبی وقت کسی فرد کے سر پر تیل مل کر یا پانی ڈالکر اسکو پاک کرتا تھا۔عیسائیوں میں یہی چیز بپتسمہ بن گئی) چنانچہ حضرت شموئیل علیہ السلام بیت اللحم تشریف لے گئے اور لیسی اور اس کے بیٹوں سے ملے۔اسوقت حضرت داؤد علیہ السلام موجود نہیں تھے۔حضرت شموئیل علیہ السلام نے پوچھا تمہارا کوئی اور بیٹا بھی ہے۔لیسی نے کہا ایک چھوٹا بیٹا ہے وہ بکریاں چرانے گیا ہوا ہے۔حضرت شموئیل علیہ السلام نے کہا کہ اسکو بلاؤ۔جب حضرت داؤد آئے تو حضرت شموئیل علیہ السلام نے کھڑے ہوکر آپکا بوسہ لیا اور اپنے پاس سے کچھ تیل نکال کر آپکا مسح کیا۔اسکے بعد آپ واپس چلے گئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام سے قبل اسرائیل میں یہ سلسلہ قائم تھا کہ حکومت ایک سبط (خاندان) سے وابستہ تھی اور نبوت و رسالت دوسرے سبط سے۔ یہوداہ کے گھرانے میں نبوت چلی آتی تھی اور افراہیک کے خاندان میں حکومت و سلطنت۔(البدایہ والنہایہ ج ص۱۰)۔داؤد علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنکے اندر خدائے تعالیٰ نے یہ دونوں نعمتیں یکجا جمع کر دیں تھیں وہ خدا کے پیغمبر اور رسول بھی تھے اور صاحب تاج و تخت بھی۔چنانچہ قرآن عزیز نے حضرت داؤد علیہ السلام کے اس شرف کا اسطرح ذکر کیا ہے۔

ترجمہ: اللہ نے انکو حکومت بھی عطا کی اور حکمت (نبوت) بھی اور اپنی مرضی سے جو چاہا سکھایا۔(بقرہ۔251)

انبیاء و رسل میں سے حضرت آدم علیہ السلام کے علاوہ صرف حضرت داؤد علیہ السلام ہی وہ پیغمبر ہیں جن کو قرآن عزیز نے خلیفہ کے لقب سے پکارا ہے۔قرآن میں ہے کہ

ترجمہ: اے داؤد علیہ السلام بے شک ہم نے تمکو زمین میں اپنا نائب بنایا ہے۔(ص۔26)

ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں حضرت داؤد علیہ السلام کا نسب نامہ اسطرح بیان کیا ہے۔

داؤد بن ایشا (لیسی) بن عوبد بن عابر (یا عابز) بن سلمون بن نخشون بن عونیاذب (یا عمی ناذب) بن ارم (یارام) بن حصرون بن فارض بن یہوداہ بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم (علیہ السلام) (تاریخ ابن کثیر جلد۲ ص۹)

حلیہ مبارک:

محمد بن اسحاق نے وہب بن منبہ کے واسطے سے حضرت داؤد علیہ السلام کا حلیہ مبارک اسطرح نقل کیا ہے۔پستہ قد۔نیگوں آنکھیں۔جسم پر بال بہت کم تھے۔چہرہ اور بشرے سے طہارت قلب اور نفاست طبع جھلکتی تھی۔(البدایہ النہایہ جلد۲ ص۱۰)

قرآن پاک میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر مبارک:

قرآن عزیز میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر سورہ بقرہ۔نساء۔مائدہ۔انعام۔اسریٰ (بنی اسرائیل) انبیاء۔نمل۔سبا۔اور ص میں آیا ہے۔ان سورتوں میں سولہ (16) جگہ نام مذکور ہے اور بعض سورتوں میں مختصر اور بعض میں تفصیلی طور پر انکے حالات و واقعات کا ذکر اور انکی رشد و ہدایت کا بیان ہے۔ذیل کا نقشہ اس مطالعہ کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

سورۃ	آیات	سورۃ	آیات
بقرہ	251	انبیاء	79,78
نساء	163	نمل	16,15
مائدہ	78	سبا	13,1
اسریٰ (بنی اسرائیل)	55	ص	30,26 ,24,22,17
انعام	84		

طالوت کے دربار میں:

حضرت داؤد علیہ السلام کو بربط نوازی میں بھی کمال حاصل تھا۔حضرت داؤد علیہ السلام کی بربط نوازی کا شہرہ سن کر جناب طالوت نے آپ کو دربار میں طلب کیا اور آپکی مہارت سے خوش ہوکر اپنے ساتھ محل میں رکھ لیا۔آپ کچھ عرصہ دربار میں رہتے اور کچھ عرصہ کیلئے اپنے گھر چلے جاتے۔

جالوت کا قتل:

اسی زمانہ میں جناب طالوت کو عمالقہ سے مقابلہ کرنا پڑا۔دشمن کا سپہ سالار مشہور، جنگ آزما، عظیم الجثہ، پہلوان جالوت تھا۔جسکا نام سن کر ہی لوگ خوفزدہ ہوجایا کرتے تھے۔یہ روزانہ خود اور زرہ میں غرق میدان جنگ میں نکلتا اور مقابلہ کیلئے بنی اسرائیل کو للکارتا۔مگر کسی میں اتنی ہمت نہ ہوتی کہ نکل کر اسکے سامنے آئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے تین یا چھ بڑے بھائی بھی

جناب طالوت کے لشکر میں شامل تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے والد نے انکے لئے کچھ بھنا ہوا اناج حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ بھیجا۔ آپ علیہ السلام وہ دینے آئے تھے۔ اسوقت بھی جالوت میدان جنگ میں بنی اسرائیل کو للکار رہا تھا اور انکی تضحیک کر رہا تھا اور اسرائیلی لشکر میں سب لوگ دم بخود تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت داؤد علیہ السلام جناب طالوت کے پاس گئے اور کہا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ بڑھ کر اس کافر کو قتل کر دوں۔ پہلے تو جناب طالوت نے انکو بچہ سمجھ کر منع کیا مگر آپ کے اصرار پر بالآخر ان کو اپنی قبا پہنائی اور اسلحہ دیکر اجازت دیدی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا قد ابھی چھوٹا تھا اور لباس لمبا اور اسلحہ بھاری۔ چنانچہ چند قدم بڑھ کر آپ نے لباس اور اسلحہ اتار کر رکھ دیا۔ صرف لکڑی کا ڈنڈا اور گوپھن آپ کے ہاتھ میں تھا۔ آپ میدان میں جا کر جالوت کی طرف بڑھے جالوت نے ایک بچے کو اس ہیبت سے اپنی طرف آتے دیکھا تو غرور اور غصے سے تلملا اٹھا اور چیخ کر بولا کہ کیا میں کتا ہوں جو تو ڈنڈا لیکر میرے پاس آیا ہے؟ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک پتھر گوپھن میں رکھکر مارا تو وہ اسکے خود اور ماتھے کی ہڈی کو توڑتا ہوا اندر گھس گیا اور وہ اوندھے منہ زمین پر گر پڑا۔ حضرت داؤد علیہ السلام دوڑ کر اسکے اوپر چڑھ گئے اور اسکی تلوار کھینچ کر اسکا سر قلم کر دیا۔ غنیم کی فوج نے اپنے سپہ سالار کا یہ حال دیکھا تو خوفزدہ ہو کر بھاگ کھڑی ہوئی اور بنی اسرائیل نے تعاقب کر کے انکے بے شمار آدمیوں کو تہہ تیغ کر دیا۔ اس واقعے کے بعد جناب طالوت نے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک ہزار سپاہیوں پر سردار مقرر کر دیا۔ اور کچھ عرصے بعد اپنی بیٹی میکل سے آپکا عقد کر دیا۔ اسطرح مشیت ایزدی نے چراگاہ سے اٹھا کر آپکو تخت شاہی تک پہنچا دیا۔

قرآن کریم، تورات اور اسرائیلی تاریخ اسکے شاہد ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام شجاعت و بسالت، اصابت رائے اور قوت فکر و تدبر جیسے اوصاف کے پیش نظر کامل اور مکمل انسان تھے اور فتح و نصرت انکے قدم چومتی تھی۔ اور خدا کا فضل و کرم اس درجہ انکے شامل حال تھا کہ دشمن کے مقابلہ میں انکی جماعت کتنی ہی مختصر ہوتی۔ کامیابی ہمیشہ ان ہی کے ہاتھ رہتی۔ اس لئے بہت تھوڑے عرصہ میں شام۔ عراق، فلسطین اور کے تمام علاقوں پر انکا حکم نافذ اور ایلہ (خلیج عقبہ) سے لیکر فرات کے تمام علاقوں اور دمشق تک تمام ملک انکے زیر نگیں تھا۔ حجاز کا کچھ حصہ بھی آپکی سلطنت میں شامل تھا۔ اسطرح آپ کو بنی اسرائیل نے متفقہ طور پر اپنا بادشاہ منتخب کر لیا اور اسوقت آپکی عمر 30 سال تھی۔ یہ ۱۰۰۴ ق۔م کا واقعہ ہے۔ اسطرح آپ نے ایک نہایت مضبوط اور مستحکم حکومت قائم کی جسمیں امن وامان اور عدل وانصاف کا دور دورہ تھا۔

قرآن کریم نے آپ کو خلیفہ فی الارض کے معزز لقب سے یاد کیا ہے۔ سورہ بقرۃ اور ص میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو بادشاہی اور دانائی بخشی۔ سلطنت کو محکم کیا اور حکمت و عدل کرنا سکھایا۔ اب تک جرون اسرائیلی سلطنت کا دارالسلطنت تھا۔ یہاں ساڑھے سات سال تک آپ نے حکومت کی۔ اسکے بعد سیاسی اغراض و مقاصد کی بنا پر آپ نے دارالخلافہ یروشلم منتقل کر لیا۔ اور یہاں 33 سال تک سریر آرائے سلطنت رہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے خصوصی اوصاف:

(۱) زبور کتاب کا عطا ہونا۔

بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کیلئے اصل اور اساس تورات تھی لیکن حالات و واقعات اور زمانہ کے تغیرات کے پیش نظر حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی خدا کی جانب سے زبور عطا ہوئی جو تورات کے قوانین و اصول کے اندر رہ کر اسرائیلی گروہ کی رشد و ہدایت کیلئے بھیجی گئی تھی چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے شریعت موسوی کو از سر نو زندہ کیا۔ سرائیلیوں کو راہ ہدایت دکھائی اور نور وحی سے مستفیض ہو کر تشنہ کامان معرفت الٰہی کو سیراب کیا۔

زبور خدا کی حمد کے نغموں سے معمور تھی۔ زبور ایسے قصائد اور مسجع کلمات کا مجموعہ تھا جس میں خدا کی حمد و ثناء اور انسانی عبدیت و عجز کے اعتراف اور پند و نصائح اور بصائر و حکم کے مضامین تھے۔ مسند احمد میں ایک روایت منقول ہے کہ زبور کا نزول رمضان میں ہوا اور وہ مواعظ و حکم کا مجموعہ تھی (البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۱۲) نیز بعض بشارات اور پیش گوئیاں بھی منقول تھیں جیسا کہ قرآن میں سورہ انبیاء آیت نمبر 105 میں مذکور ہے۔ ''اور بے شک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ کہہ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہونگے''

بعض مفسرین نے یہ تصریح کی ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں جس واقعہ کا اظہار کیا گیا ہے وہ دراصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی بشارت سے متعلق ہے اور وہی اسکا مصداق ہیں۔

لغت میں زبور کے معنی پارے اور ٹکڑے کے ہیں۔ چونکہ یہ کتاب دراصل تورات کی تکمیل کیلئے نازل ہوئی تھی اسی لئے گویا اس کا ایک حصہ اور ٹکڑا ہے۔

لحن داؤدی:

آپ بے حد خوش آواز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپکو ایسا لہجہ اور سحر آگیں لحن عطا فرمایا تھا کہ جب زبور کی تلاوت فرماتے تو جن وانس حتیٰ کہ وحوش وطیور تک وجد میں آجاتے اس لئے آج تک ''لحن داؤدی'' ضرب المثل ہے۔

مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ابوموسیٰ اشعری کے حسن صوت کو سنتے تو ارشاد فرماتے: ابوموسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے لحن داؤد عطا فرمایا ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۱۱)

تسخیر و تسبیح جبال وطیور:

حضرت داؤد علیہ السلام اسقدر خوش الحان تھے کہ جب زبور پڑھتے یا خدا کی تسبیح و تہلیل میں مشغول ہوتے تو انکے وجد آفریں نغموں سے نہ صرف انسان بلکہ وحوش وطیور وجد میں آجاتے اور آپکے اردگرد جمع

ہو کر حمد خدا کے ترانے گاتے اور سریلی اور پرکیف آوازں سے تقدیس و تسبیح میں حضرت داؤدؑ کی ہمنوائی کرتے اور صرف یہی نہیں بلکہ پہاڑ بھی خدا کی حمد میں گونج اٹھتے۔ چنانچہ داؤدؑ کی اس فضیلت کا قرآن عزیز نے سورہ انبیاء، سبا اور ص میں صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

سورہ انبیاء میں ہے ''اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو تابع کر دیا ہے کہ وہ داؤدؑ کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور ہم ہی میں ایسا کرنے کی قدرت ہے''

سورہ سبا میں ہے '' اور بے شک ہم نے داؤدؑ کو اپنی جانب سے فضیلت بخشی ہے۔ وہ یہ کہ ہم نے حکم دیا ''اے پہاڑوں اور پرندو تم داؤدؑ کے ساتھ مل کر تسبیح اور پاکی بیان کرو''۔

سورہ ص میں ہے۔ '' بے شک ہم نے داؤدؑ کیلئے پہاڑوں کو مسخر کر دیا کہ اس کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کرتے ہیں اور پرندوں کے پرے کے پرے جمع ہوتے اور سب ملکر حمد خدا کرتے ہیں۔

حضرت داؤدؑ کے ہاتھ میں لوہے کا نرم ہونا:

شاہی اور شہنشاہی کے باوجود حضرت داؤدؑ سلطنت و مملکت کے مالیہ سے ایک حبہ نہیں لیتے تھے اور اپنا اہل و عیال کی معاش کا بار بیت المال پر نہیں ڈالتے تھے بلکہ اپنی محنت اور ہاتھ کی کمائی سے حلال روزی حاصل کرتے اور اسی کو ذریعہ معاش بناتے تھے۔ چنانچہ حضرت داؤد کے اس وصف کو حدیث صحیح میں ان الفاظ کے ساتھ سراہا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''کسی انسان کا بہترین رزق اسکے اپنے ہاتھ کی محنت سے کمایا ہوا رزق ہے اور بے شک اللہ کے پیغمبر داؤدؑ دعا مانگا کرتے تھے کہ خدایا ایسی صورت پیدا کر دے کہ میرے لئے ہاتھ کی کمائی آسان ہو جائے کیونکہ میں بیت المال پر اپنی معاش کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔ چنانچہ حضرت داؤدؑ کی اس خواہش کو اللہ تعالیٰ نے اس فضیلت کے ساتھ قبول فرمایا کہ ان کے ہاتھ لوہے اور فولاد کو موم کی طرح نرم کر دیا کہ جب وہ زرہ بناتے تو سخت مشقت اور آلات اعدادی کے بغیر فولاد کو جسطرح چاہتے کام میں لاتے اور ان کے ہاتھ میں موم کی طرح بآسانی ہر قسم کی شکل اختیار کر لیتا تھا۔ قرآن عزیز نے اس واقعہ کو سورۃ انبیاء اور سورۃ سبا میں اسطرح بیان کیا ہے۔

سورۃ سبا آیت ۱۱ میں ہے ''اور ہم نے اس (داؤدؑ) کے لئے لوہا نرم کر دیا کہ بنا زرہیں کشادہ اور اندازہ سے جوڑ کڑیاں اور تم جو کچھ کرتے ہو میں اسکو دیکھتا ہوں''۔

سورہ انبیاء آیت نمبر ۸۰ میں ہے۔ ''اور ہم اس (داؤدؑ) کو سکھایا۔ ایک قسم کا لباس بنانا تاکہ تم کو لڑائی کے موقعہ پر اس سے بچاؤ حاصل ہو۔ پس کیا تم شکر گزار بنتے ہو''۔

توراۃ اور لوہے کے استعمال کے زمانہ کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ داؤدؑ سے پہلے لوہے کی صنعت نے اس حد تک ترقی تو کر لی تھی کہ فولاد کو پگھلا کر اس سے سپاٹ ٹکڑے بناتے اور ان کو جوڑ کر زرہ بنایا کرتے تھے لیکن یہ زرہ بہت بھاری ہوتی تھی اور چند قوی ہیکل انسانوں کے علاوہ عام طریقہ سے ان کا استعمال مشکل اور دشوار سمجھا جاتا تھا۔ اور میدان جنگ میں سبک خرامی دشوار ہو جاتی تھی۔

حضرت داؤدؑ پہلے شخص ہیں جنکو خدا تعالیٰ نے یہ فضیلت بخشی کہ انہوں نے تعلیم وحی کے ذریعہ ایسی زرہیں ایجاد کیں جو باریک اور نازک زنجیروں کے حلقوں سے بنائی جاتی تھیں۔ اور ہلکی اور نرم ہونے کی وجہ سے میدان جنگ کا سپاہی اسکو پہن کر بآسانی نقل و حرکت بھی کر سکتا تھا اور دشمن سے محفوظ رہنے کے لئے بھی بہت عمدہ ثابت ہوتی تھیں۔

منطق الطیر (پرندوں کی بولیاں):

حضرت داؤدؑ اور انکے صاحبزادے حضرت سلیمانؑ کو خدائے تعالیٰ کی جانب سے ایک شرف یہ عطا ہوا تھا کہ دونوں بزرگوں کو پرندوں کی بولیاں سمجھنے کا علم دیا گیا تھا۔ اور جسطرح ایک انسان دوسرے انسان کی گفتگو سمجھتا ہے۔ اسی طرح وہ پرندوں کی گفتگو سمجھتے تھے۔

تلاوت زبور:

بخاری کتاب الانبیاء میں ایک روایت منقول ہے کہ حضرت داؤدؑ پوری زبور کو انتے مختصر وقت میں تلاوت کر لیا کرتے تھے کہ جب وہ گھوڑے پر زین کسنا شروع کرتے تو تلاوت بھی شروع کرتے اور جب کس کر فارغ ہوتے تو پوری زبور ختم کر چکے ہوتے۔ حضرت داؤدؑ کا یہ معجزہ ''حرکت زبان'' سے تعلق رکھتا ہے۔ گویا خدا تعالیٰ حضرت داؤدؑ کیلئے زمانہ کو اس مدت میں ایسا سمیٹ دیتا تھا کہ عام حالت میں وہ گھنٹوں کی مقدار بن سکتا ہے۔ یا حضرت داؤدؑ کو سرعت اداء الفاظ کی اس درجہ قوت عطا کر دی گئی تھی کہ دوسرا شخص جس کلام کو گھنٹوں میں ادا کرے۔ داؤدؑ اسکو بخاری کی نقل کردہ روایت کے مطابق مختصر وقت میں ادا کرنے پر قدرت رکھتے تھے اور یہ تو آج بھی مسلم ہے کہ سرعت حرکت کیلئے کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی۔

تورات، قرآن اور حضرت داؤد علیہ السلام:

توراۃ میں حضرت داؤدؑ کا ذکر صرف ایک بادشاہ کی حیثیت سے ملتا ہے مگر قرآن کریم نے بتایا کہ آپ صرف بادشاہ ہی نہیں ایک اولوالعزم پیغمبر اور زمین پر اللہ کے خلیفہ بھی تھے۔

قرآن کریم نے آپکے سلسلے میں ایک خاص واقعے کا بھی ذکر کیا ہے۔ آپ نے اپنے اوقات کی تقسیم اسطرح فرمائی تھی کہ ایک دن مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے مقرر تھا۔ ایک دن اہل و عیال کیلئے اور ایک دن خالص عبادت الٰہی کیلئے اور ایک دن بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کے لئے ایک دن خالص اپنی ذات کیلئے (حضرت عبداللہ بن عباس سے منقول۔ روح المعانی جلد ۲۳ صفحہ ۱۶۲)۔

لیکن تقسیم ایام کی یہ تفصیل خلیفۃ اللہ کی شان

عدالت گستری کے شایان شان نہ تھی۔ اسلیئے کہ مظلوم کو اسکی وقت بھی انصاف کا دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت پیش آسکتی تھی۔ ایک دن (جو عبادت الٰہی کے لئے ص تھا) آپ محراب میں مصروف عبادت تھے اور کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ تھی کہ دو آدمی دیوار پھاند کر اندر داخل ہوئے۔ آپ ان کو دیکھکر حیران ہوئے تو انہوں نے کہا کہ ہم اپنے قضیے کے فیصلے کیلئے آپ کے پاس آئے ہیں۔ ایک شخص نے کہا کہ میرا ساتھی میرا بھائی ہے۔ اسکے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔ وہ میری ایک دنبی بھی زبردستی چھین لینا چاہتا ہے۔ حضرت داؤدؑ نے فرمایا کہ بے شک یہ ظلم کرتا ہے۔ اور اکثر شریک ایکدوسرے پر زیادتی ہی کرتے ہیں۔ ان کے چلے جانے کے بعد آپکو خیال ہوا کہ فریق ثانی کا بیان سنے بغیر ہی میں نے فیصلہ دے دیا۔ پھر یہ بھی خیال ہوا کہ دنوں کی جو تقسیم میں نے کی ہے۔ وہ فرائض خلافت کی انجام دہی کیلئے مناسب نہیں ہے۔ ان خیالات کے آتے ہی آپ بارگاہ ایزدی میں سربسجود ہوگئے اور توبہ استغفار کی۔ یہ واقعہ قرآن میں سورہ ص کی آیت نمبر 21 تا 26 منقول ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضرت داؤدؑ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایکدن ناغہ کرتے تھے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اس سے افضل روزہ نہیں۔ حضرت داؤد آدھی رات تک سوتے، تہائی رات عبادت کرتے اور پھر آخری چھٹے حصے میں سوجاتے تھے۔

ازواج واولاد:

توراۃ میں آپکی ۹ (ازواج) ۱۸ بیٹوں اور ایک بیٹی کا نام مذکور ہے۔ آپکی زوجہ بت سبع کے بطن سے حضرت سلیمانؑ تولد ہوئے۔ ان کے علاوہ بھی آپ کی کچھ اور ازواج اور دس حرم میں تھیں جنکے نام توراۃ میں مذکور نہیں ہیں۔ آخر زمانے میں آپ بہت ضعیف ہوگئے تھے۔ آپ کے ایک بیٹے ادونیا جو آپ کی زوجہ حجیت کے بطن سے تھے آپ کے بعد تخت پر قبضہ کرنا چاہتے تھے مگر آپ نے مشیت الٰہی کا اشارہ پاکر تمام سرداران بنی اسرائیل اور اعیان سلطنت کو بلاکر حضرت سلیمانؑ کو اپنا جانشین نامزد کردیا۔

عمر مبارک:

مشہور محدث حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں ایک روایت نقل کی ہے جسکا مضمون یہ ہے:۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں۔ کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ عالم بالا میں جب حضرت آدم کی صلب سے ان کی ذریت کو نکال کر انکے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے ایک خوبصورت دمکتی ہوئی پیشانی والے شخص کو دیکھکر دریافت کیا۔ پروردگار یہ کون شخص ہے؟ جواب ملا تمہاری ذریت میں سے بہت بعد میں آنے والی ہستی داؤدؑ ہے۔ حضرت آدمؑ نے عرض کیا اسکی عمر کیا مقرر کی گئی ہے؟ ارشاد ہوا کہ ساٹھ سال۔ حضرت آدمؑ نے عرض کیا۔ الٰہی میں اپنی عمر کے چالیس سال اس نوجوان کو بخشتا ہوں۔ مگر جب حضرت آدمؑ کی وفات کا وقت پہنچا تو آدمؑ نے ملک الموت سے کہا کہ ابھی تو میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں۔ فرشتہ موت نے کہا۔ آپ بھول گئے۔ آپ نے اسقدر حصہ عمر اپنے ایک بیٹے داؤدؑ کو بخش دیا ہے۔ (مستدرک جلد ۲ کتاب التاریخ)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤدؑ کی عمر سو سال کی ہوئی اور توراۃ کے باب سلاطین اور تواریخ میں ہے کہ حضرت داؤدؑ نے کہن سالی میں انتقال فرمایا اور اسرائیلیوں پر چالیس سال حکومت کی۔

اور جعفر بن محمد کہتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ نے ستر سال حکومت کی۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ کا انتقال اچانک سبت کے دن ہوا۔ وہ سبت کے روز مقررہ عبادت میں مشغول تھے اور پرندوں کی ٹکڑیاں پر باندھے ہوئے ان پر سایہ فگن تھیں کہ اچانک اسی حالت میں ان کا انتقال ہوگیا۔

مدفن:

تورات میں مذکور ہے۔ اور داؤدؑ اپنے باپ دادا کے ساتھ سوگیا اور "داؤدؑ کے شہر" صیہون میں دفن ہوا (سلاطین (۱) باب ۲ آیت ۱۱)

نسب نامہ:

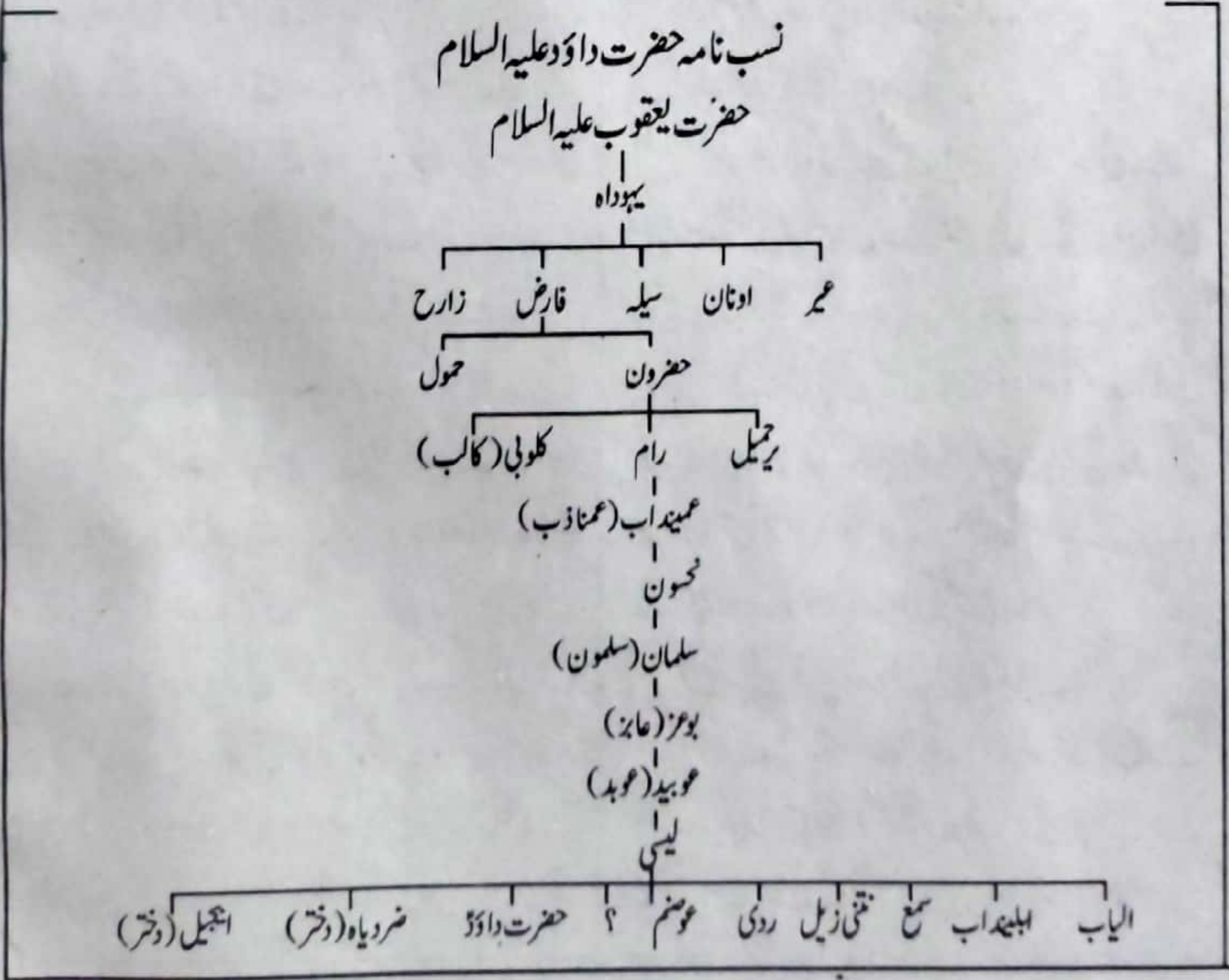

بہ آں عبدالحکیم انصاری تو ؒ کہ می نازد بہ قرب و یاری تو

محمود اقبال

جولوگ ایمان لائے ہیں۔ان کا اللہ دوست ہے۔(القرآن) البقرہ۔257

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

☆ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ 29 جولائی 1893ء کو بروز ہفتہ پونے آٹھ بجے فرید آباد (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا جان حضرت مولانا عبدالعزیزؒ ایک بلند پایہ عالم دین اور ولی کامل تھے۔ ان کے پاس کسب فیض کے لیے جوگی، درویش، فقیر، مولوی، صوفی، قلندر، ملنگ غرض ہر قسم کے آدمی آتے تھے۔ دس برس کی عمر تک آپ نے اپنے دادا حضورؒ کی بزم عرفان کے نظارے کئے۔ دادا جان سے توحید کے سبق اور توحید کی وہ تربیت حاصل کی جس کے اثرات ان کی زندگی پر ہمیشہ رہے۔

دادا جان کی وفات کے بعد آپ کو نئے مرشد کی جستجو ہوئی۔ 18 سال کی عمر تک آپ مرشد کی تلاش میں درویشوں جوگیوں، فقیروں عالموں اور سجادہ نشینوں سے ملتے رہے۔ لیکن توحیدی رنگ میں رنگے ہونے کے باعث ان میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کے لیے دل نہ جما۔ آخر ان کی طلب رنگ لائی اور آپ کی ملاقات حضرت مولانا کریم الدین احمد نقشبندیؒ سے ہوگئی۔ حضرت شریعت کے پابند اور اور دنیائے تصوف کے شاہباز تھے۔ دھوج نامی بستی میں گمنامی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ مہینے میں ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کے لیے دہلی آتے ایک ہوٹل میں دو تین کمرے بک کرواتے یہاں مریدوں سے ملاقات کرتے اور انہیں اپنے پیسوں سے کھانا کھلاتے۔ وہ زیادہ مشہور تو نہ تھے لیکن ہر لحاظ سے ایک کامل فقیر تھے۔ انصاریؒ صاحب پہلی ہی ملاقات میں ان کے مرید بن گئے۔ اور مولانا کریم الدینؒ سے تزکیہ اخلاق، روحانی طاقت اور دیدار باری تعالیٰ کی طلب کا اظہار کیا۔ تو مولانا کریم الدینؒ نے فرمایا۔ پہلی دو چیزیں تو ہمارے توسط سے تمہیں مل جائیں گی مگر دیدار باری تعالیٰ نہیں۔ مگر آپ نے یہ ضرور فرمایا کہ جب تک تم دیدار باری تعالیٰ نہیں کرلو گے مرو گے نہیں۔ مولانا کریم الدینؒ کی یہی بات آپؒ کے لیے بڑی حوصلہ افزاء تھی۔ مولانا کے بتائے ہوئے وظائف پورے ذوق وشوق سے کرنے لگے۔ صرف نفی اثبات کا پانچ ہزار مرتبہ روزانہ کا معمول تھا۔ اسی طرح درود شریف اور دیگر وظائف تھے۔ تین برس کی مسلسل محنت سے آپؒ کے تین لطائف (قلب، روح، نفس) روشن ہوگئے اور کشف بھی حاصل ہوگیا۔ اب مرشد کی ہدایت کے مطابق مراقبہ کی طرف توجہ کردی اور مولانا کریم الدین احمدؒ نے آپ کو تحریری خلافت نامہ عطا فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر بمشکل 21 سال تھی۔ انصاریؒ نے مولانا کریم الدین احمدؒ سے خوب استفادہ کیا۔ مولانا 1920ء میں رحلت فرماگئے۔ اپنے مرشد کی وفات کے بعد سلسلہ چشتیہ کے بزرگ حضرت محمد قاسم کے دست مبارک پر باقاعدہ بیعت کی۔ سلسلہ چشتیہ کا سلوک مکمل طور پر طے کیا۔ عالم ناسوت سے جبروت لاہوت ملکوت اور عالم ہو سب کی سیریں نصیب ہوئیں۔ لیکن دیدار باری تعالیٰ کے لیے آپ کی طلب مکمل نہ ہوئی۔ اور آپ نے پھر سے فقراء اور مشائخ سے ملنا شروع کردیا۔ یوں آپ کی ملاقات ایک اویسی بزرگ جناب رسالدار محمد حنیف خان صاحب سے ہوگئی۔ رسالدار صاحب نے ایک مرتبہ آپؒ کو اپنا جھوٹا پانی پینے کو دیا قبلہ انصاریؒ فرماتے ہیں۔ ''یہ پانی پگھلے ہوئے سیسے کی مانند حلق سے اترا اور آپؒ کا قلب جاری ہوگیا''۔ جناب رسالدارؒ صاحب کی راہنمائی میں آپؒ نے سلسلہ اویسیہ کا سلوک بھی مکمل فرمایا اور بالآخر آپ کو اللہ تعالیٰ کے قرب ولقا معرفت اور دیدار کی دولت عظمیٰ نصیب ہوگئی۔

> میں جس راستہ پر آپکو چلانا چاہتا ہوں۔ وہ بالکل ہمارے سرکار ابد قرار احمد مختارؐ کے نقش قدم پر جاتا ہے۔ جو کچھ میں کہتا ہوں۔ اس کو رسولؐ اللہ کے اسوہ حسنہ سے ملا لو'۔

جس گوہر نایاب کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ وہ آخر کار مل گیا اور آپؒ مطمئن ہوگئے۔ اس بارے میں خود فرماتے ہیں۔

''میں نے جو چاہا پالیا یعنی دیدار باری تعالیٰ''

سبحان اللہ!

حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ بیسویں صدی کی ایک عظیم روحانی شخصیت گزرے ہیں۔ آپ نے متلاشیان حق کی روحانی اور اخلاقی آبیاری کے لیے دنیائے تصوف میں ایک نئے روحانی سلسلہ توحیدیہ کی بنیاد رکھی جس کی بابت اپنی کتاب طریقت توحیدیہ میں لکھتے ہیں۔

''پرانے علوم کے زوال اور نئے علوم کی ترقی کے ساتھ ہی انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں اہم تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ معیشت اور معاشرت کے طریقے اور اصول تک بدل جاتے ہیں۔ نظریات میں تغیر آجاتا ہے۔ سوچنے اور فکر کرنے کے انداز میں فرق پڑجاتا ہے۔ حتیٰ کہ مذہبی عقائد بھی محفوظ نہیں رہتے۔ تصوف بھی مذہب کا ایک جزو لاینفک ہے۔ یہ بھی محفوظ نہیں رہنے پاتا۔ تصوف کے بعض اعمال واشغال نئی ذہنیت کے لوگوں کی یا تو تسلی نہیں کرسکتے یا حالات زمانہ کی وجہ سے ناممکن العمل

ہو جاتے ہیں ۔ یہی وقت ہوتا ہے ۔ جب بعض بزرگ توفیق وتائید الٰہی سے تصوف کے پرانے اعمال واشغال میں مناسب تبدیلیاں اور ترامیم وتجدید کر کے ان کو نئے زمانے کی ذہنیت اور حالات و مقتضیات کے مطابق بنالیتے ہیں ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ تبدیلیاں صرف فروعات ورسوم میں ہوتی ہیں ۔ اصول ہمیشہ وہی رہتے ہیں ۔

طرح طرح کی ماڈرن ایجادات اور انکشافات نے مسلمانوں خصوصاً انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں کے دماغ کو مسحور کر کے رکھ دیا ہے ۔ وہ قرآن اور احادیث کو نئے علوم کی روشنی میں پرکھنا اور جانچنا چاہتے ہیں ۔ وہ ہر بات پر کیوں اور کیا کا جواب چاہتے ہیں...... اور جب ان کا تسلی بخش جواب نہیں پاتے تو بے دین ہو جاتے ہیں اور جو لوگ راسخ العقیدہ ہونے کی وجہ سے بے دین نہیں ہوتے کم از کم ان کا ایمان متزلزل ضرور ہو جاتا ہے"۔

یہ افکار آپ کو توحید کی اس معراج پر لے گئے جہاں اللہ کی تائید ونصرت سے آپکو دنیائے تصوف میں وہ مقام نصیب ہوا۔ جس پر آپ خود بھی نازاں ہیں۔

بہ آں عبدالحکیم انصاریؒ تو
کہ می نازو بہ قرب دیاری تو

"پھر یہ قرب دیاری اپنے ہی تک محدود نہ رکھی ۔ بلکہ **1953ء** میں ایسے متلاشیان کے لیے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد رکھی ۔ اور یوں اس فیض کو عام کر دیا۔ جو بقول علامہ اقبالؒ کے حضرت مجدد الف ثانیؒ سے بند پڑا تھا۔

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے تیرا فیض ہو عام اے ساقی

اب اس مرکز توحید سے جلنے والی شمع دنیا کے گوشے گوشے میں روشنی پھیلا رہی ہے۔

آپؒ جہد مسلسل کے قائل تھے ۔ قرب الٰہی کے حصول کے سلسلے میں آپکی مستقل مزاجی اسکا منہ بولتا ثبوت ہے ۔ آپکی نظر میں جہد مسلسل کے بغیر انسان پتھر کی طرح ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں۔

"اگر ہم ناکامیوں کے ڈر سے کوئی نیا کام ہی نہ کریں تو گویا ہم کبھی کچھ کریں گے ہی نہیں ۔ ہمارا کوئی قدم بھی آگے نہیں بڑھے گا۔ اور پتھر کی طرح ایک جگہ پڑے رہیں گے"۔ مزید کہتے ہیں۔

آتی ہے مجھے غیب سے آواز مسلسل
ہے عرش بھی نیچا ہو جو پرواز مسلسل

گویا آپکی نظر میں عمل زندگی اور بے عملی موت ہے ۔ ان افکار کو مدنظر رکھتے ہوئے آپؒ نے اپنے مریدین کو صحوی تصوف کا درس دیا۔ جس کی بابت فرماتے ہیں۔

"میں آپکو صحوی تصوف سکھانا اور انسان کامل بنانا چاہتا ہوں ۔ میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ حقائق کو چھوڑ کر کوائف میں کھو جائیں ۔ دنیا کا کوئی کام نہ کریں ۔ توکل کی چادر اوڑھے شراب معرفت کے نشہ میں مست پڑے کرامتیں دکھایا کریں ۔ میں جس راستہ پر آپکو چلانا چاہتا ہوں ۔ وہ بالکل ہمارے سرکار ابد قرار احمد مختارؐ کے نقش قدم پر جاتا ہے ۔ جو کچھ میں کہتا ہوں ۔ اس کو رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ سے ملاؤ"۔

> دل میں اللہ کو بسائے رکھو، اور ہاتھوں، پاؤں، آنکھوں اور زبان کو خدمت خلق میں لگائے رکھو ۔ یہی دائمی مسرت اور حقیقی زندگی کا راز ہے ۔ مرتے دم تک کام کرتے رہو اور خدا کی یاد میں مرجاؤ۔ تمہیں کیا خبر یہ کتنا بڑا کام ہے اور مرنے کے بعد اس کیا انعام ملے گا۔

آپؒ نے اپنے مریدین سے مختلف اجتماعات پر خطاب کے دوران انہیں توحید خالص کا درس دیا ۔ یہاں آپؒ کے چند افکار زیر تحریر لائے جاتے ہیں ۔ تا کہ آپ خواجہ عبدالحکیمؒ انصاری کی شخصیت کو جان سکیں۔

تو☆ بہ جن . توں کو خاص طور سے توجہ دلانا مقصود ہوتا ہے ۔ ان کو جتنی مرتبہ بیان کیا جائے کم ہے۔

☆ جب کسی قوم کے صوفیوں میں تصوف بیدار کارفرما ہوتا ہے ۔ وہ قوم برابر ترقی کرتی رہتی ہے ۔ اس قوم میں زندگی ، خوشی ، خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ رہتا ہے ۔

☆ اخلاق وہ سدھار سکتا ہے ۔ جس کا اخلاق خود اچھا ہو ۔

☆ محبت اور اخوت صرف وہ لوگ پیدا کر سکتے ہیں ۔ جن کے دلوں میں خود محبت اور اخوت کے جذبات موجزن ہوں ۔

☆ اگر تزکیہ اخلاق نہ کیا جائے ۔ تو سالک اپنے مقصود تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا ۔

☆ دنیا میں کسی قانون پر عملدر آمد نہیں ہو سکتا ۔ جب تک کہ اس کی پشت پر کوئی طاقت ایسی موجود نہ ہو، جو قانون شکنی کرنے والوں کو سزا دے سکے ۔

☆ اگر تمہاری کوئی چیز تم سے چلی جائے ۔ تو اس کا افسوس نہ کرو ۔ اور اگر تم کو کچھ (نعمت) مل جائے تو اس پر غرور مت کرو ۔

☆ دنیا میں طاقت سب سے بڑی نعمت اور کمزوری سب سے بڑی لعنت ، طاقت دو طرح کی ہوتی ہے ۔ مادی اور روحانی ۔

☆ جب تک کسی کا اخلاق قرآن وسنت رسول اکرمؐ کے مطابق نہ ہو ۔ وہ ولی اللہ تو کیا بنے گا ۔ اچھا مسلمان بھی نہ بن سکے گا ۔

☆ بری محبت آگ کی طرح ہوتی ہے ۔ اگر اس میں ہاتھ ڈالو گے تو ضرور جلے گا ۔

☆ اگر آپ کی کوششوں سے کسی ایک خاندان کی اصلاح ہو جائے ۔ تو یوں سمجھئے کہ انشاء اللہ آپ کی نجات کا پروانہ مل گیا ۔ کیونکہ یہ خیر جاریہ ہوگی ۔ اور اس خاندان کی تقلید میں دوسرے لوگ بھی اصلاح کی طرف قدم اٹھائیں گے ۔ ورنہ خود اس خاندان کے افراد تو نسلاً در نسلاً خوب سے خوب تر ہوتے چلے جائیں گے ۔

☆ اللہ کا راستہ طے کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دن کے چوبیس گھنٹوں میں زیادہ وقت تک اللہ کا خیال دل ودماغ میں رچا بسا ہے ۔ اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے ۔

جب کہ دل و دماغ تفکرات اور تکلیفات سے متاثر نہ ہو۔ لیکن اگر چہ ایسا ہونا ناممکن نہیں۔ لیکن بیحد مشکل ضرور ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ جب کسی پر مصائب یا تکالیف ڈالتا ہے۔ تو تکلیف و آزار پہنچانے کے لیے نہیں ڈالتا بلکہ وہ انسان کو اس قابل بنانا چاہتا ہے۔ کہ اس پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کرے۔

☆ غصہ اور نفرت کو نفی کرنے سے قوت برداشت بڑھتی ہے۔

☆ وقت اور وعدے کی پابندی کردار اور انسانی کی عمارت میں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔

☆ تکلیف دراصل محض ایک خیالی شے ہے۔ جو اپنی حالت کا مقابلہ اپنے سے بہتر لوگوں کی حالت سے کرنے سے محسوس ہوتی ہے۔

☆ اصلاح تو صرف پیار محبت اور مصلحت و حکمت سے ہوسکتی ہے۔ سختی اور غصہ سے تو کام اور بگڑ جاتا ہے۔

☆ دل میں اللہ کو بسائے رکھو، اور ہاتھ پاؤں آنکھوں اور زبان کو خدمت خلق میں لگائے رکھو۔ یہی دائمی مسرت اور حقیقی زندگی کا راز ہے۔ مرتے دم تک کام کرتے رہو۔ اور خدا کی یاد میں مر جاؤ۔ تمہیں کیا خبر یہ کتنا بڑا کام ہے اور مرنے کے بعد اس کیا انعام ملے گا۔

☆ بغیر مرکز کے کوئی ادارہ کوئی گورنمنٹ بلکہ خود نظام عالم بھی کام نہیں کرسکتا۔ اس تمام کائنات کا مرکز رب اعلیٰ کا عرش اعظم ہے۔ جس کے گرد تمام کائنات گھومتی اور گردش کرتی ہے۔

☆ صرف زبان سے کہہ دینے سے کہ میں صرف ایک خدا کو مانتا ہوں۔ توحیدی نہیں بنتا۔ بلکہ خدا نے قرآن پاک میں جو کچھ اقسام وہدایت دی ہے۔ ان پر دل سے یقین اور صداقت سے عمل کرنے سے توحیدی بنتا ہے۔

جب تک کسی کا اخلاق قرآن وسنتِ رسول اکرمؐ کے مطابق نہ ہو۔ وہ ولی اللہ تو کیا بنے گا۔ اچھا مسلمان بھی نہ بن سکے گا۔

☆ ایک مسلمان ہو کر یا توحیدی بن کر تم نے خدا سے یہ ٹھیکہ کر لیا ہے کہ جب تک وہ تمہاری مرضی کے مطابق کام کرتا ہے۔ اس وقت تک وہ تمہارا خدا اور تم اس کے بندے ہو جب کوئی کام وہ تمہاری مرضی کے خلاف کرے تو پھر کس کا خدا کس کی بندگی؟ لاحول ولاقوۃ الا باللہ o لعنت ہے ایسی بندگی پر۔

☆ ہر معاشرہ میں بیسیوں۔ پیشہ ور لوگ ہوتے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی ایک پیشہ کے سب لوگ اپنا کام چھوڑ دیں۔ تو معاشرہ کا سارا شیرازہ درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔

☆ خلوص دل اور محنت سے کام کرنے والوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ ضرور نوازتا اور فائز المرام فرماتا ہے۔

ان سب باتوں کی تفصیل آپ نے اپنی کتب تعمیر ملت، چراغ راہ (خطبات) طریقت توحیدیہ اور حقیقت وحدت الوجود میں بیان کی ہے۔ حقیقت وحدت الوجود جیسے مسئلے کو انتہائی لطیف انداز میں بیان کیا ہے۔ جو کہ ایک عام قاری کے لیے بالکل نیا انداز تحریر ہے۔ اپنی اس کتاب کی بابت لکھتے ہیں۔

حقیقت وحدت الوجود کتاب میں نے اس نیت سے لکھی ہے۔ کہ متلاشیان حق غلط راہ پر پڑ کر گمراہ نہ ہونے پائیں۔ یہ کتاب عالم فاضل لوگوں کے لیے نہیں بلکہ عوام کے لیے لکھی گئی ہے۔ اس لیے فلسفہ علم الکلام اور تصوف کی ادق اور مغلق ناممکن الفہم اصطلاحات سے پاک ہے''۔

آپ کی نظر ہمارے علمائے عظام کا فرض ہے کہ

''قوم کا اخلاق رسولؐ کے معیار پر قائم رکھیں۔ قوم کے افراد میں اتحاد ومحبت واخوت پیدا کریں۔ تا کہ قومی قوت اور طاقت میں کمی نہ آنے پائے۔ اور قوم دن بدن مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جائے۔''

آپؒ نے متلاشیان حق کی روحانی آبیاری 1977ء تک کی۔ آپؒ کی وفات کے بعد آپؒ کے واحد جانشین عبدالستار خانصاحبؒ نے ان فرائض کو باطریق احسن نبھایا۔

بہ آں عبدالحکیم انصاریؒ تو کہ می نازد بہ قرب ویاری تو

(اور تیرے اس عبدالحکیم انصاریؒ کے طفیل۔ جو تیری قربت اور تیری دوستی پر نازاں ہے) ❁

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازِ کلام اور طرزِ خطابت

ملک محمد ارشد

☆ کیا کسی شخص کے عالی مرتبت اور عالی مقام ہونے کیلئے یہ بات کم ہے کہ اس کی پیدائش سے قبل کوئی اس جیسا نہ ہو، اور پیدائش کے بعد پھر قیامت تک کوئی ویسا ہو نہ سکے۔ جی ہاں! اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو ایسے ہی انداز سے تخلیق فرمایا۔ اور آپ ﷺ کو وہ بلند مرتبہ اور مقام عطا فرمایا کہ جس کی بلندیوں کو پانے کیلئے فرشتوں کے بھی پر جلنے لگے تو حضرت انسان ان بلندیوں کا احاطہ کیسے کرسکتا ہے۔ بالکل بھی نہیں کرسکتا۔ کیونکہ الفاظ جس کی تعریف سے معذور ہوں۔ قلم جس کے اخلاق عالیہ کو بیان کرنے سے گریزاں ہو اور زبان جس کی مدح سرائی کو بیان کرنے سے قاصر ہو، بلاشبہ وہ ذات عالی مقام آپ ؐ کے سوا کسی اور کی ہو ہی نہیں سکتی۔

آپ ؐ کا سب سے بڑا اعزاز کہ آپ ؐ کسی ایک قوم، قبیلے، علاقے یا مخصوص خطے کیلئے تشریف نہیں لائے تھے، بلکہ پوری کائنات اور پوری انسانیت کیلئے سامان رشد وھدایت بن کر آئے۔ آپ ؐ نے اپنی حیات طیبہ میں نوع انسانی سے تعلق رکھنے والے تقریباً سبھی کام بحسن وخوبی انجام دیئے۔ اور ہمارے لیے ہر شعبہ زندگی میں ایک کامل اور عملی نمونہ ہیں۔

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی
سلام اے فخر موجودات فخر نوع انسانی!

آپ ؐ کی سیرت مطہرہ کو احاطہ تحریر میں لانے کیلئے یہ لمحے مختصر اور صفحات قرطاس محدود ہیں۔ اور یہ کہ آپ ؐ کی جامع اور وسیع تر شخصیت اور اخلاق وکردار کے چمن گل آرائش سے خوشہ چینی ایک انتہائی مشکل کام اس وجہ سے بھی ہے کہ انداز ہستی کے پیش نظر اخلاق عالیہ کا گلدستہ ہائے عقیدت تشکیل دینے کیلئے انتخاب گل وگلاب ہی مشکل ٹھہرتا ہے۔

تاہم اپنی ایک ادنیٰ سی کاوش کے طور پر آج ہم سرکار دوعالم کی ذات عالیہ ؐ کے جس پہلو کا جائزہ لیں گے وہ ہے:-

اندازِ کلام اور طرزِ خطابت

اندازِ کلام:-

تکلم انسان کے ایمان، کردار اور مرتبے کو پوری طرح بے نقاب کردیتا ہے۔ موضوعات اور الفاظ کا انتخاب، فقروں کی ساخت، آواز کا اتار چڑھاؤ، لہجہ کا اسلوب اور بیان کا زور، یہ ساری چیزیں واضح کرتی ہیں کہ متکلم کس پائے کی شخصیت کا علمبردار ہے۔

آپ ؐ کے منصب اور ذمہ داریوں کی نوعیت ہی ایسی تھی کہ ان کا بھاری بوجھ اگر کسی دوسری شخصیت پر ڈالا گیا ہوتا تو وہ ضرور پریشان ہوجاتی۔ لیکن حضور ؐ کے کمالات خاص میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ایک طرف آپ ؐ تفکرات اور مسائل کا پہاڑ اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں لیکن دوسری طرف لوگوں میں خوب گھلنا ملنا بھی رہتا اور دن رات گفت وشنید کا دور بھی چلتا۔

مزاج کی سنجیدگی اپنی جگہ تھی اور تبسم ومزاح اپنی جگہ۔ امام حسنؓ اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ کے حوالے سے بتاتے ہیں: ''حضور متواتر پریشانیوں میں رہتے۔ ہمیشہ مسائل پر غور کرتے۔ کبھی آپ ؐ کو بے فکری کا کوئی لمحہ نہ ملا۔ دیر دیر تک خاموش رہتے اور فضول بات چیت نہ کرتے ہیں۔

لیکن آپ ؐ چونکہ اللہ کے رسول تھے لہٰذا تبلیغ دین، صحابہؓ کی تربیت وتزکیہ اور دوسرے قبائل کے ساتھ سیاسی روابط کیلئے لوگوں سے ملنا جلنا ضروری تھا جس کا اہم ذریعہ کلام ہے۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم دنیوی معاملات کا ذکر کر رہے ہوتے تو آپ ؐ بھی اس میں حصہ لیتے۔ جب ہم آخرت کے موضوع پر بات کرتے تو آپ بھی اس میں گفتگو فرماتے اور اگر ہم کھانے پینے کی گفتگو کرتے تو آپ ؐ بھی اس میں شریک ہوتے۔ لیکن یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ آپ ؐ کی زبان مبارک سے حق کے سوا کوئی دوسری بات کبھی نہ نکلتی۔

آپ ؐ گفتگو کرتے وقت الفاظ اتنے ٹھہر ٹھہر کر ادا کرتے کہ سننے والا آسانی سے یاد کرلیتا۔ بلکہ الفاظ گنے جاسکتے تھے۔ ام معبد نے کیا خوب تعریف بیان کی ہے کہ ''گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی ہوئی''۔ الفاظ نہ ضرورت سے زیادہ نہ کم۔ نہ چھوٹی بات کہتے نہ بہت طویل، تاکید، تفہیم اور تسہیل حفظ کیلئے خاص الفاظ اور کلمات کو تین بار دہراتے بھی تھے۔ بعض امور میں تصریح سے بات کرنا مناسب نہ سمجھتے تو کنایہ میں فرماتے۔ مگروہ، فحش اور غیر حیادارانہ کلمات سے تنفر تھا۔ گفتگو میں بالعموم ایک مسکراہٹ شامل رہتی۔

حضرت عبداللہ بن حارثؓ کا بیان ہے کہ ''میں نے حضور ؐ سے زیادہ کسی کو مسکراتے نہیں دیکھا''۔ دراصل یہ مسکراہٹ آپ ؐ کی سنجیدگی کو خشونیت بننے سے بچاتی تھی۔ جبکہ رفقاء کیلئے وجہ جاذبیت بھی تھی۔

آپ ؐ کی عادت مبارکہ تھی کہ بات کرتے ہوئے بار بار آسمان کیطرف دیکھتے۔ گفتگو کے دوران میں کسی بات پر زور دینے کیلئے ٹیک سے اٹھ کر سیدھے ہو بیٹھتے اور خاص جملوں کو بار بار دہراتے۔ حاضرین کو کسی بات سے ڈراتے تو تکلم کے ساتھ ساتھ زمین پر ہاتھ مارتے۔ بات کی وضاحت کیلئے شہادت کی انگلیوں کے اشارات سے بھی مدد لیتے۔ مثلاً دو چیزوں کا اکٹھا ہونا واضح کرنے کیلئے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو ملا کر دکھاتے۔ کبھی دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم آر پار کرکے مضبوطی یا جمیعت کا مفہوم نمایاں کرتے، کسی شے یا سمت میں اشارہ کرنا ہوتا تو پورا ہاتھ حرکت میں لاتے۔ کبھی ٹیک لگائے ہوئے اہم معاملات پر بات کرتے تو سیدھے ہاتھ کو الٹے

ہاتھ کی پشت پر رکھ کر انگلیوں میں انگلیاں ڈال لیتے۔ تعجب کے موقعوں پر ہتھیلیوں کو الٹ دیتے۔ کبھی سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی الٹے ہاتھ کے انگوٹھے کے اندرونی حصے پر مارتے۔ کبھی سر ہلاتے اور ہونٹوں سے دباتے، کبھی ہاتھ کو ران پر مارتے۔

حضورؐ عرب کے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ فصاحت و بلاغت کے مالک تھے اور وحی کی لسان مبین نے حسن گفتار کو اور بھی دو چند کر دیا تھا۔ آپؐ کے کلام مبارک کا جہاں ادبی معیار بہت زیادہ بلند تھا وہاں اس میں عام فہم سادگی بھی تھی۔ کبھی کوئی گھٹیا اور بازاری لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ اور نہ ہی مصنوعی طرز کی زبان پسند فرمائی۔

ایک مرتبہ بنو ہند کے لوگ آئے تو گفتگو ہوتی رہی۔ آنے والوں نے بڑے تعجب سے کہا ''اے اللہ کے نبیؐ! آپؐ اور ہم ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ ایک ہی مقام پر پرورش پائی ہے۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ آپؐ ایسی عربی میں بات کرتے ہیں جس کی لطافتوں کو ہم میں سے اکثر نہیں سمجھ سکتے؟ آپؐ نے فرمایا ''میری لسانی تربیت خود اللہ نے فرمائی ہے۔ اور میرے ذوق ادب کو خوش تر بنایا۔ اور یہ کہ میں نے قبیلہ سعد کی فصاحت آموز فضاؤں میں پرورش پائی ہے۔

ایک موقع پر کسی ملاقاتی سے بات ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ تعجب سے سن رہے تھے۔ پوچھا اس شخص نے آپؐ سے کیا کہا اور آپؐ نے کیا جواب فرمایا؟ حضورؐ نے وضاحت فرمائی۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کہنے لگے۔ میں عرب میں گھوما پھرا ہوں اور فصحائے عرب کا کلام سنا ہے۔ لیکن آپؐ سے بڑھ کر کلام فصیح کسی اور سے نہیں سنا۔

اسی طرح حضرت عمرؓ ایک بار کہنے لگے ''اے اللہ کے رسولؐ! کیا بات ہے کہ آپؐ فصاحت میں ہم سب سے بالاتر ہیں، حالانکہ آپؐ ہم سے کبھی جدا نہیں ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ میری زبان اسمٰعیلؑ کی زبان ہے۔ جسے میں نے خاص طور سے سیکھا ہے۔ اسے جبرئیلؑ مجھ تک لائے اور میرے ذہن نشین کر دی''۔

کم سے کم لفظوں میں زیادہ سے زیادہ معانی پیش کرنے میں آپؐ اپنی مثال آپ تھے۔ یہ بھی رب کا خصوصی فضل و کرم تھا۔ یہاں قارئین کی خدمت میں چند مثالیں پیش خدمت ہیں:۔

1۔ آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہو۔

2۔ اعمال نیتوں پر منحصر ہیں۔

3۔ تم اسلام لاؤ تم سلامتی پاؤ گے۔

4۔ کسی عمل کرنے والے کو اپنے عمل میں سے بجز اس کے کچھ نہیں ملتا ہے جو کچھ کہ اس نے نیت کی ہے۔

5۔ جنگ چالوں سے لڑی جاتی ہے۔

6۔ مجالس کیلئے امانت داری لازم ہے۔

7۔ برائی سے باز آنا بھی صدقہ (نیکی) ہے۔

8۔ قوم کا سردار وہ ہے جو اس کی خدمت کرے۔

9۔ ہر نعمت پانے والے سے حسد کیا جاتا ہے۔

10۔ ہر حسن گفتار بھی ایک صدقہ (نیکی) ہے۔

11۔ جو (مخلوق پر، خصوصاً انسانوں پر) رحم نہیں کرتا اس پر (خدا کی بارگاہ سے) رحم نہ کیا جائے گا۔

آپؐ کے ارشادات بلحاظ الفاظ، بلحاظ اسلوب، بلحاظ روح گہری تاثیر رکھتے ہیں۔

عمرو بن عبہ نے آپؐ سے کچھ باتیں کیں جن کے بہت ہی مختصر مگر جامع جوابات حضورؐ نے دیئے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

''اس (دعوت و تحریک کے) کام میں ابتدا کون کون آپؐ کے ساتھ تھا؟''

''ایک مرد آزاد (مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ) اور ایک غلام (مراد حضرت بلالؓ)۔

''اسلام (کی اخلاقی حقیقت) کیا ہے؟''

پاکیزہ گفتار اور بھوکوں کو کھانا کھلانا۔

''ایمان (کا جوہر) کیا ہے؟'' فرمایا ''صبر اور سخاوت''۔

''کیسا اسلام افضل (معیاری) ہے؟'' فرمایا ''جس کے ساتھ پسندیدہ اخلاق پایا جائے''۔

''کیسی نماز افضل (معیاری) ہے؟'' ارشاد ہوا ''جس میں دیر تک عاجزی سے قیام کیا جائے''

''کیسی ہجرت افضل (معیاری) ہے؟'' فرمایا ''ایسی کہ تم ان چیزوں سے کنارہ کش ہو جاؤ جو تمہارے پروردگار کو ناپسند ہیں''۔

''کیسا جہاد افضل ہے؟'' فرمایا ''اس شخص کا جس کا گھوڑا بھی میدان میں مارا جائے اور خود بھی شہادت پائے''

''کون سی گھڑی (عبادت کیلئے) سب سے بڑھ کر ہے؟'' فرمایا ''رات کا پچھلا پہر''۔

اسی طرح ایک بار دریافت کیا گیا کہ انسانوں کو دوزخ تک پہنچانے کے موجبات زیادہ تر کیا ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا ''دہن اور شرمگاہ''۔

آپؐ کا حسن کلام سادگی کی شان لئے ہوئے تھا۔ چنانچہ فرمایا ''تم میں سے قیامت کے روز وہ لوگ مجھ سے انتہائی دوری پر ہوں گے۔ جو بڑے بول بولنے والے باتونی اور گھمنڈ جتانے والے ہیں''

آپؐ سے ایک دفعہ حضرت علیؓ نے سوال کیا کہ آپؐ اپنے مسلک کی وضاحت کریں۔ آپؐ نے مختصراً جس فصیح انداز سے جواب دیا اور اس جواب میں اپنے طرز فکر، اپنے کردار اور اپنی روحانیت کی جو جامع تصویر کھینچی، وہ بھی کسی اعجاز سے کم نہیں۔ فرمایا:۔

''عرفان میرا سرمایہ ہے، عقل میرے دین کی اصل ہے، محبت میری بنیاد ہے، شوق میری سواری ہے، ذکر الٰہی میرا مونس ہے، حزن میرا رفیق ہے، علم میرا ہتھیار ہے، صبر میرا لباس ہے، خدا کی رضا میری غنیمت ہے، عاجزی میرے لئے وجہ اعزاز ہے، زہد میرا پیشہ ہے، یقین میری طاقت ہے، صدق میرا سفارشی ہے، اطاعت میرا بچاؤ ہے، جہاد میرا کردار ہے، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

حسن کلام کی ایسی بے شمار مثالیں آپؐ کے کلام میں محفوظ ہیں آپؐ کو سنجیدگی اور پاکیزگی کی حدود سے نکل کر فحش کے دائرے میں داخل ہونے والی گفتگو سخت ناپسند تھی۔ آپؐ کی محفل میں آپؐ کے چہرہ انور پر

ہمیشہ خندہ روئی موجود رہتی اور چمن زار تکلم میں ہمیشہ تبسم کی لمعانی دکھائی دیتی۔

تکلم ہی کا ایک اہم جز خطابت ہے۔ آپؐ ایک عظیم ذمہ داری کے حامل تھے۔ جس کیلئے خطابت کی ازحد ضرورت تھی۔ خطابت میں عرب ویسے ہی دولتمند تھے۔ اور قبیلہ قریش تو اس سے مالا مال تھا۔

آپؐ نے ضرورت پڑنے پر خطاب کیا اور آپؐ کی زبان مبارک کبھی نسیم سحر کی طرح، کبھی آب جو کی طرح اور کبھی تیغ برق دم کی طرح متحرک ہو جاتی۔ وعظ و تقریر کی کثرت سے آپؐ نے ہمیشہ پرہیز کیا۔ اور معاشرہ کی ضرورت اور ظرف کے مطابق اعتدال سے قوت خطابت کا استعمال فرمایا۔ مسجد میں خطابت فرماتے تو چھڑی پر سہارا لیتے۔ اور میدان جنگ میں تقریر فرمانا ہوتی تو کمان پر ٹیک لگاتے۔ کبھی کبھار سواری پر سے بھی خطاب کیا۔ تقریر میں جسم دائیں بائیں جھوم جاتا۔ ہاتھوں کو حسب ضرورت حرکت دیتے۔ بعض مواقع پر والذی نفس محمد بیدہ (قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، یا محمدؐ کی جان ہے) کہہ کر قسم کھاتے۔

آپؐ کے طرز خطابت کی صرف دو مثالیں پیش خدمت ہیں۔

غزوہ حنین و طائف کے معرکے کے بعد آپؐ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا تو نومسلم روسائے مکہ کو اس میں سے بہت سا حصہ دیا تاکہ ان کے دل مزید نرم ہوں اور وہ احسان کے رشتے سے اسلامی ریاست کے ساتھ مربوط ہو جائیں۔ انصار میں کچھ لوگوں نے عجیب سی بات کر دی کہ ''رسول اللہ ﷺ نے قریش کو خوب انعامات دیے اور ہمیں محروم رکھا۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے ابھی تک خون کی بوندیں ٹپک رہی ہیں۔ مشکلات میں ہم یاد آتے ہیں اور مال غنیمت دوسرے لوگ لے جاتے ہیں''۔

یہ چرچے حضورؐ کے کانوں تک بھی پہنچے۔ ایک چرمی خیمہ نصیب کیا گیا اور اس میں انصار کا اجتماع بلایا گیا۔ اور آپؐ نے دریافت فرمایا کہ آپؐ لوگوں نے ایسی باتیں کہی ہیں؟ جواب ملا کہ جو سنا وہ صحیح ہے مگر ہم میں سے ذمہ دار لوگوں نے نہیں کہی کچھ نوجوانوں نے ایسے فقرے کہے ہیں''۔ واقعہ کی تحقیق کے بعد آپؐ نے یہ تقریر کی:۔

''کیا یہ سچ نہیں کہ تم لوگ گمراہ تھے خدا نے میرے ذریعے سے تم کو ہدایت دی؟ تم منتشر اور پراگندہ تھے اور خدا نے میرے ذریعے تم کو متحد اور متفق کیا؟ تم مفلس تھے خدا نے میرے ذریعے سے تم کو آسودہ حال کیا؟۔ (ہر سوال پر انصار کہتے جاتے تھے کہ بلاشبہ اللہ اور رسولؐ کا بہت بڑا احسان ہم پر ہے)۔ فرمایا کہ ''نہیں تم یہ جواب دو کہ اے محمدؐ تم کو جب لوگوں نے جھٹلایا تو ہم نے تمہاری تصدیق کی۔ تم کو جب لوگوں نے چھوڑ دیا۔ تو ہم نے پناہ دی۔ تم جب مفلس ہو کر آئے تھے تو ہم نے ہر طرح کی مدد کی۔ تم جواب میں یہ کہتے جاؤ اور میں یہ کہتا جاؤں گا کہ ہاں تم سچ کہتے ہو۔ لیکن اے گروہ انصار! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لیکر جائیں اور تم صرف محمدؐ کو لیکر اپنے گھروں کو جاؤ''۔ یہ سن کر انصار کی کہہ اٹھے کہ ''ہمیں صرف محمدؐ درکار ہیں''

اسی طرح ابتدائی دور کا ایک خطبہ ملاحظہ ہو۔ فرمایا:

''قافلے کا دیدبان اپنے ساتھیوں کو کبھی غلط اطلاع نہیں دیا کرتا۔ خدا کی قسم اگر میں اور سب لوگوں سے جھوٹ کہنے پر تیار بھی ہو جاتا، تب بھی تم سے غلط بات ہرگز نہ کرتا۔ اگر میں دوسرے تمام لوگوں کو ہلاکت و خطرہ سے دوچار بھی کر دیتا تو بھی تم کو کبھی خطرہ میں مبتلا نہ کرتا۔ اس خدا کی قسم جس کے سوا اور کوئی الٰہ نہیں، میں تمہاری طرف خصوصیت سے اور تمام انسانوں کی طرف جامع طور سے خدا کا مقرر کردہ رسول ہوں۔ بخدا تم کو لازماً مرنا ہے۔ جیسے کہ تم سو جاتے ہو۔ اور پھر مرنے کے بعد تم کو بھی اٹھنا ہے۔ جیسے کہ تم نیند سے بیدار ہو جاتے ہو۔ تم سے لازماً تمہارے کاموں کا حساب لیا جاتا ہے۔ اور تمہیں بھلے کا بدلہ بھلا اور برے کا بدلہ برا ضرور ملنا ہے۔ پھر یا تو ہمیشہ کیلئے جنت ہوگی یا ہمیشہ کیلئے دوزخ''۔

سبحان اللہ! کیا انداز بیان ہے۔ انداز بیان کی سادگی دیکھیے اور خنجر خطابت کی دھار جو کتنے نازک جذبات سے پر ہے۔ پھر یقین کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔

آپؐ کی زندگی کا یہ پہلو بھی ہمارے لیے چراغ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ❁

رسول اکرم ﷺ کا لباس

حضور ﷺ کا لباس عام طور پر کرتے، تہمد اور چادر پر مشتمل ہوتا تھا ایک آدھ مرتبہ آپؐ نے پاجامہ بھی پہنا ہے۔ موزوں کی عادت نہ تھی لیکن بعض موقعوں پر سیاہ رنگ کے موزے آپؐ نے استعمال فرمائے۔ یہ موزے نجاشی (شاہ حبشہ) نے ہدیہ ارسال خدمت کیے تھے۔ کبھی کبھی جبہ بھی پہنا ہے۔ ایک روایت کے مطابق آپؐ نے شامی عبا اور نوشیروانی قبا بھی استعمال فرمائی ہے قباء کی جیب اور آستینوں پر دیبا کی سنجاف لگی ہوئی تھی۔ دستار جسے صافہ یا عمامہ کہتے ہیں بالعموم سیاہ رنگ کی ہوتی تھی اس کے نیچے سر سے لپٹی ہوئی ٹوپی ضرور ہوتی تھی۔ عمامہ کا شملہ آپؐ دونوں مونڈھوں کے درمیان پیچھے کی طرف لٹکا لیتے اور کبھی دوش مبارک پر ڈال لیتے کبھی کبھار آپؐ صرف ٹوپی پر ہی اکتفا فرماتے۔

حضور ﷺ کا لباس سادہ مگر نہایت صاف ستھرا ہوتا تھا۔ کبھی کبھی آپؐ نے قیمتی کپڑے کا لباس بھی زیب تن فرمایا تھا لیکن بالعموم آپ کا لباس سوتی کپڑے کا ہوتا تھا۔ کتان اور صوف بھی آپؐ نے پہنا ہے۔ امام غزالی کا بیان ہے کہ آپؐ کے پاس زعفران سے رنگی ہوئی ایک بہت بڑی چادر تھی کبھی صرف اسی کو اوڑھ کر پہن کر نماز پڑھا دیتے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ یمن کی دھاری دار چادریں حضور ﷺ کو بہت پسند تھیں ان کو عربی میں حبرہ کہا جاتا ہے۔ سفید رنگ کا لباس آپ کو بہت مرغوب تھا تاہم دوسرے رنگوں کے کپڑے بھی آپؐ نے پہنے ہیں۔ (ایک روایت کے مطابق سرخ رنگ کی طرف رغبت نہیں تھی اس لیے سرخ لباس آپؐ نے کبھی نہیں پہنا۔ ہاں ایسی چادر استعمال فرمائی ہے۔ جس میں سرخ دھاریاں تھیں) جب آپؐ نیا کپڑا پہنتے تو پرانا کسی مسکین کو عنایت فرما دیتے تھے۔

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند

محمد ناصر خان

☆ موسم بہار کی ایک دل آویز اور نورانی صبح تھی۔ ماہ ربیع الاوّل کی بارہویں تاریخ اور دوشنبہ کی مبارک صبح تھی۔ جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند! یعنی حضرت عبداللہ کے مبارک گھر میں حضرت آمنہ کے بطن اطہر سے تاجدار عرب وعجم، محسن کائنات، روح کائنات، سید الانبیاء والمرسلین، تاجدار ختم نبوت، پیغمبر انقلاب حضرت محمد ﷺ اس بزم عالم میں جلوہ گر ہوئے۔ آپ کی آمد سے ہر طرف نور پھیل گیا، ہر جانب روشنی چھا گئی، ہر سمت اجالا ہوگیا، چہار سو توحید و رسالت کا چاند جگمگانے لگا۔ آپ آئے تو سارے جہاں کو توحید ورسالت کے نور سے روشن کردیا۔ جس سے کائنات ارض وسماء کا گوشہ گوشہ بقعہ نور بن گیا......

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اُس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

عید میلادالنبی ﷺ کا معنی ومفہوم:

عید کے معنی اور مفہوم بیان کرتے ہوئے امام راغب اصفہانیؒ (متوفی 502ھ) رقمطراز ہیں کہ: ''عید'' لغت کے اعتبار سے اس دن کو کہتے ہیں کہ جو بار بار لوٹ کرآئے! اور اصطلاح شریعت میں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کو عید کہتے ہیں۔ اور یہ دن شریعت میں خوشی منانے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ عید کا لفظ ہر خوشی اور مسرت حاصل ہونے کے دن میں استعمال ہونے لگا ہے...... (المفردات: صفحہ 352)

علامہ ابوالوفاء غلام رسول سعیدی صاحب دامت فیوضہم کے الفاظ میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ شرعی اور اصطلاحی عید تو صرف عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ ہیں اور یوم عرفہ اور یوم جمعہ عرفاً عید ہیں، اور جس دن کوئی نعمت اور خوشی حاصل ہو، وہ بھی عرفاً عید کا دن ہے۔ اور تمام نعمتوں کی اصل سیدنا محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ سو جس دن یہ عظیم نعمت حاصل ہوئی وہ تمام عیدوں سے بڑھ کر عید ہے اور یہ بھی عرفاً عید ہے، شرعاً عید نہیں ہے۔ اس لئے مسلمان ہمیشہ سے اپنے نبیؐ کی ولادت کے دن یعنی بارہ ربیع الاوّل کو عید میلادالنبی ﷺ مناتے ہیں......

میلادالنبیؐ! نبی ﷺ کی پیدائش اور خوشی کا یہ دن مسلمانوں کا عظیم مذہبی تہوار ہے، جو ہر سال ماہ ربیع الاوّل کی بارہ تاریخ کو انتہائی عقیدت واحترام، جوش وخروش اور ذوق وشوق کے ساتھ اور خصوصی اجتماعات اور دینی محفلوں کے انعقاد کے ساتھ منایا جاتا ہے، جن میں حضور اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ، آپ ﷺ کی سیرت طیبہ، آپ ﷺ کے خصائص ومعجزات اور آپ ﷺ کی عظمت وفضیلت کو بیان کیا جاتا ہے، اور آپ ﷺ کی بارگاہ میں بہ کثرت درود شریف، نعت خوانی اور صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ پیش کیا جاتا ہے۔ اور فقراء، غرباء، اور مساکین میں کھانا وغیرہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ ان محافل کو عرف عام میں ''میلاد'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا پیارا محبوب امام الانبیاء، تاجدار ختم نبوت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرما کر تمام صاحبان ایمان پر احسان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ'' بلاشبہ اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان فرمایا کہ جب اس نے ان میں ایک عظمت والا رسول بھیجا انہی میں سے، جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے اور ان (کے باطن) کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگر چہ وہ لوگ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔''

(سورۂ آل عمران 164)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کو احسان کے طور پر ذکر فرمایا ہے۔ بلاشبہ حضور رحمت دو عالم ﷺ کی ولادت باسعادت، عالم انسانیت پر احسان عظیم ہے، واضح رہے کہ احسان بربنائے نعمت ہوتا ہے۔ لہٰذا حضور سید عالم ﷺ کی ذات گرامی نعمت قرار پائی۔ اللہ تعالیٰ کی جتنی نعمتیں ہیں، ان کا ذکر کرنا باعث فلاح ونجات ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر بجالانا اور تحدیث نعمت کرنا ضروری ہے اور حضور اکرم ﷺ چونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں عظیم ترین نعمت ہیں، اس لئے آپ ﷺ کا ذکر خیر کرنا دنیا وآخرت میں کامیابی کا ذریعہ ہے اور محافل میلاد کا انعقاد، حضور اکرم ﷺ کے ذکر پاک کی ایک بہترین اور عظیم صورت ہے۔

احسان اس لئے جتایا جاتا ہے، تاکہ اس کو یاد رکھا جائے، اس کا تذکرہ کیا جائے، اس کو فراموش نہ کیا جائے بلکہ اس نعمت ورحمت اور اس احسان کا چرچا کیا جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

''اور تم اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔'' (الضحیٰ: 11)

پھر اللہ تعالیٰ نے اس فضل ورحمت اور نعمت واحسان کے چرچے کے ساتھ اس پر خوشیاں منانے کا بھی حکم فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے'' (اے رسول محترمؐ!) آپ کہہ دیجئے کہ (یہ سب کچھ) محض اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے، پس تم (سب

مومنوں) کو چاہیے کہ اس پر خوشیاں منائیں ، یہ اس (سارے مال و دولت) سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں" (سورۂ یونس: آیت نمبر 58)

اس آیت مبارکہ سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہر فضل و کرم اور اس کی نعمت و رحمت کے حصول پر فرحت (خوشی کا اظہار کرنا چاہیے اور خوشی و مسرت پر اظہار کرنے کے کئی طریقے ہوتے ہیں مثلاً اس نعمت اور رحمت کا خوب ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ و خیرات کرنا (مثلاً بچے کی ولادت پر عقیقہ وغیرہ کرنا) محفلیں منعقد کرنا وغیرہ ...... چونکہ حضور سید عالم کی ذات گرامی ، تمام مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت رحمت ہے ، اس لئے آپ کی آمد کا دن مسلمانوں کے لئے عیدوں سے بڑھ کر عید کا دن ہے ۔ لہٰذا آپ کی آمد مبارکہ پر مومنوں کو بے پناہ خوشی و مسرت منانی چاہیے اور محفل میلاد النبیؐ منعقد کرنا اجتماعی طور پر خوشی کے اظہار کی ایک بہترین اور عظیم صورت ہے ......

حضور سید عالم ﷺ اس بزم جہاں میں "پیر" کے دن تشریف لائے ، اس لئے آپ اظہار تشکر کے لئے ہر پیر کے دن روزہ رکھتے تھے ۔ چنانچہ حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ! آپ ہر پیر کے دن روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ: " یہ وہ دن ہے ، جس دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن مجھ پر وحی الٰہی نازل ہوئی" ......

(صحیح مسلم ، مشکوٰۃ المصابیح)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر پیر کے دن روزہ رکھتے تھے ، نیز یہ کہ آپ نے اپنے یوم میلاد کی عظمت و اہمیت کو اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو ظاہر کرتے ہوئے تحدیث نعمت کے طور پر اللہ تعالیٰ کا (روزے کی صورت میں) شکر ادا کیا

برکات میلاد النبیؐ :

روایت میں آتا ہے کہ ابولہب جو ایک مشہور کافر تھا اور سرکار دو عالم ﷺ کا نسبی رشتہ میں چچا تھا ، جب حضور اکرم ﷺ کی ولادت مبارک ہوئی ، تو ابولہب کی لونڈی ثوبیہ نے آپ کی ولادت کی خوشخبری اپنے مالک ابولہب کو سنائی ، تو ابولہب نے حضور اکرم ﷺ کی ولادت کی خوشی میں اپنی لونڈی ثوبیہ کو اپنی غلامی سے آزاد کر دیا ۔ جب ابولہب مر گیا تو اس کے گھر والوں میں سے کسی (حضرت عباسؓ) نے اسے خواب میں دیکھا اور اس کا حال دریافت کیا تو اس نے کہا کہ کفر کی وجہ سے دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوں ، مگر ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ہر پیر کے دن میرے عذاب میں کچھ تخفیف ہو جاتی ہے ۔ اور جس انگلی سے میں نے اشارہ کر کے اپنی لونڈی ثوبیہ کو آزاد کیا تھا ، اس انگلی سے مجھے پلایا جاتا ہے ۔ (بہ حوالہ: صحیح بخاری ، فتح الباری)

حاصل کلام یہ ہے کہ حضور رحمت ﷺ کی ولادت کی برکت سے حضرت ثوبیہ کو غلامی سے آزادی کی نعمت ملی بلکہ لاتعداد غلاموں کو نعمت آزادی ملی ۔ ابولہب ایسے کافر کو عذاب دوزخ میں تخفیف ملی ۔ اہل کفر کو ایمان کی دولت ملی ۔ اہل ضلالت کو رشد و ہدایت کی سعادت ملی ۔ تمام مخلوقات کو رحمت مصطفویؐ میسر آئی ۔ اہل قرن کو افضل ترین زمانہ ! ۔ بے زبانوں اور بے جانوں کو بھی سلام و کلام اور کلمہ پڑھنے کا شرف ملا ۔ اہل زباں کو فصاحت و بلاغت کا عظیم شاہکار ملا ۔ اہل صحبت کو "صحابیت" ایسی انمول نعمت ملی ۔ اور انشاء اللہ ! میلاد النبیؐ کی برکت سے تمام صاحبان ایمان کو دنیوی و اخروی سعادتیں ، جنت الفردوس کی اعلیٰ ترین دولت ، رفاقت مصطفویؐ اور دیدار خداوندی ۔ ایسی عظیم ترین نعمتیں ملیں گی ۔

علامہ ابن الجزری (متوفی 833ھ) فرماتے ہیں کہ جب ابولہب ایسے کافر ، جس کی مذمت میں قرآن مجید کی ایک سورت (سورۃ اللھب) نازل ہوئی ، اس کو (حضور اکرمؐ کے میلاد کی خوشی منانے پر) یہ انعام ملا ، اس مسلمان کو کیا صلہ ملے گا جو اپنے رسول کریم ﷺ کی ولادت کی خوشی مناتا ہے ۔ مجھے میری عمر کی قسم ! اس کی جزا یقیناً ہو گی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل عمیم سے اسے جنت نعیم میں داخل فرمائے گا ...... (بہ حوالہ: المواہب اللدنیہ: جلد اصفحہ 78)

محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (متوفی 1052ھ) ثوبیہ کو آزاد کرنے اور ابولہب کے عذاب میں تخفیف کا ذکر کرنے کے بعد "مدارج النبوت" میں فرماتے ہیں ۔ کہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی ولادت کی شب میں "محفل میلاد" منعقد کرنے والوں اور اس پر خوشیاں منانے والوں کے لئے دلیل ہے ۔ کہ وہ اس پر مال و متاع خرچ کرتے ہیں کیونکہ ابولہب جو کہ کافر تھا اور اس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا ، جب اسے بھی میلاد النبیؐ کی خوشی منانے اور اپنی لونڈی کے دودھ کو آنحضرت ﷺ کے لئے خرچ کرنے کی وجہ سے جزا دی گئی تو اس مسلمان کی جزا کا کیا عالم ہو گا ، جو محبت اور خوشی سے لبریز ہو کر اپنا مال و متاع خرچ کرتا ہے" ...... (مدارج النبوت: جلد 2 صفحہ 19)

شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (متوفی 1317ھ) فرماتے ہیں کہ "اور مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولد میں شریک ہوتا ہوں ، بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں ، اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں" (فیصلۂ ہفت مسئلہ ۔ صفحہ 5)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے والد محترم

حضرت شاہ عبدالرحیمؒ فرماتے ہیں کہ "میں میلاد شریف کے دنوں میں حضور سید عالمؐ کے میلاد شریف کی خوشی میں ہر سال کھانا پکوایا کرتا تھا، لیکن ایک سال مجھے سوائے بھنے ہوئے چنوں کے اور کچھ بھی میسر نہیں ہوا۔ چنانچہ میں نے وہی بھنے ہوئے چنے لوگوں میں تقسیم کر دیئے۔ اسی رات کو خواب میں مجھے حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تو میں نے دیکھا کہ وہی بھنے ہوئے چنے حضور سید عالمؐ کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور حضورؐ ان سے بہت خوش نظر آ رہے ہیں۔ (الدر الثمین۔ صفحہ 8)

یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ تمام عالم اسلام میں ماہ ربیع الاوّل میں محافل میلاد کا انعقاد کرنا، خوشی و مسرت کا اظہار کرنا، نیکیوں میں زیادتی کرنا، مختلف انواع و اقسام کے صدقہ و خیرات کرنا اور دعوت طعام کا اہتمام کرنا۔ ہمیشہ سے مسلمانوں کا محبوب طرز عمل رہا ہے، اور میلاد شریف کے خواص میں سے یہ ہے کہ میلاد شریف کی برکت سے اسی سال امن وامان، مطلوب کی جلد بشارت اور اللہ تعالیٰ کا فضل عام ہوتا ہے۔

عالم اسلام میں ہمیشہ سے اہل ایمان و اہل محبت! ماہ ربیع الاوّل کی راتوں میں بالعموم اور بارہ ربیع الاوّل کو بالخصوص محافل میلاد منعقد کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ علامہ احمد قسطلانیؒ (متوفی 911ھ) فرماتے ہیں کہ "حضور اکرم ﷺ کے میلاد کے مہینے میں اہل اسلام ہمیشہ سے محفل میلاد کرتے رہے ہیں۔ اور اس میں دعوت طعام کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور مختلف انواع و اقسام کے صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور بہت خوشی و مسرت کا اظہار کرتے ہیں اور نیکیوں میں زیادتی کرتے ہیں اور اس میں میلاد شریف پڑھتے ہیں۔ جس سے میلاد شریف کی برکت سے ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل عام ہوتا ہے۔ اور محفل میلاد کے خواص میں سے یہ ہے کہ اس سال امن وامان رہتا ہے اور مطلوب کی بشارت جلد مل جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمتیں نازل فرمائے، جس نے میلاد شریف کے مہینے کی راتوں کو "عید" بنا دیا (المواہب اللدنیہ۔ جلد نمبر 1 صفحہ 78، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

تمام عالم اسلام کے مسلمان بارہ ربیع الاوّل کو یہ عظیم الشان اور ایمان افروز تہوار جشن عید میلاد النبیؐ ہمیشہ سے مناتے چلے آ رہے ہیں اور جب تک یہ دنیا قائم و دائم ہے۔ اور ایک بھی مسلمان روئے زمین پر باقی ہے، یہ جشن عید میلاد النبیؐ اس طرح عقیدت واحترام، خوشی و مسرت اور پوری آب و تاب کے ساتھ منایا جاتا رہے گا اور اہل ایمان میلاد شریف کی برکتوں، رحمتوں اور دنیوی و اُخروی سعادتوں سے فیض یاب ہوتے رہیں گے۔

حضور سید عالم ﷺ کی حیات مبارکہ کے بارے میں اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ یقین و یمین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اتنا کسی اور شخصیت کے بارے میں نہیں لکھا گیا۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا ایک ایک گوشہ ایک ایک انگ، ایک ایک جہت، ایک ایک پہلو، ایک ایک پیش گوئی اور ایک ایک معجزہ کو ارباب سیر اور مورخین نے اقوام عالم کے سامنے اجاگر کیا اور دنیوی اور اُخروی سعادتیں پائیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت نگاری ختم ہونے والی نہیں ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ محمد ﷺ کے سوانح نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے، جس کا ختم ہونا ناممکن ہے، لیکن اس میں جگہ پانا قابل عزت و تکریم ہے۔ ✿

مومن

☆ مومن کی محبت اپنے رب کیساتھ شدید ہوتی ہے۔

☆ مومن کا سب کچھ اپنے رب کریم کیلئے ہوتا ہے کیونکہ اسے اس بات کا مکمل یقین ہوتا ہے کہ یہ زندگی رب تعالیٰ کی بخشی ہوئی ہے اور میرے پاس موجود ہر شے اسی کی امانت ہے۔

☆ مومن وہ ہے، جو اپنے رب کا ذکر کثرت سے کرتا ہے

☆ مومن مجسمہ اطاعت اور مجسمہ خیر ہوتا ہے۔ اور دوسروں کیلئے جیتا ہے۔

☆ مومن کا اخلاق، اخلاق محمدیؐ کا کامل نمونہ ہوتا ہے۔

☆ مومن صابر اور بڑی قوت برداشت کا مالک ہوتا ہے۔

☆ مومن باعمل اور متحرک زندگی گزارتا ہے۔ اور کبھی مایوس اور بدگمان نہیں ہوتا۔

☆ مومن کبھی کسی سے کوئی توقع نہیں رکھتا وہ صرف اور صرف اپنے رب پر بھروسہ رکھتا ہے۔

☆ مومن لاپرواہوں کیطرح زندگی نہیں گزارتا بلکہ وہ اللہ کے ہر حکم کی پرواہ کرتے ہوئے حقوق اللہ وحقوق العباد اور اپنے فرائض منصبی پوری ذمہ داری سے ادا کرتا ہے۔

☆ مومن کسی سے دوستی رکھتا ہے تو اللہ کیلئے اور کسی سے دشمنی رکھتا ہے تو اللہ کیلئے!

☆ مومن اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا اس کے دل میں صرف اللہ کا خوف ہوتا ہے۔

☆ مومن پاکیزہ خیالات کا مالک ہوتا ہے اور برے خیالات سے بھی اللہ کی پناہ مانگتا ہے۔

☆ مومن وسیع النظر اور وسیع القلب ہوتا ہے اور چھوٹی موٹی باتوں پر کبھی رنجیدہ نہیں ہوتا۔

☆ مومن ہر حال میں اللہ کو یاد رکھتا ہے۔ اور کسی بھی حالت میں اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتا۔

رسول اکرم ﷺ کا بچوں کے ساتھ تعلق ومحبت

مولانا اکرام اللہ جان قاسمی

☆ اسلام حقوق انسانی کا پہلا علمبردار مذہب ہے۔ اس دین میں انسان کو دیگر حقوق کے ساتھ ساتھ زندہ رہنے کا حق دیا گیا ہے۔ اور تمام انسانوں پر واضح کیا ہے کہ کوئی بھی انسان چاہے جس مذہب، رنگ، نسل او علاقے سے تعلق رکھتا ہو، اسے چند ایک استثنائی صورتوں کے سوا جینے کا پورا حق حاصل ہے تا آنکہ وہ اپنی حیات مستعار پوری کر کے طبعی طور پر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

اسلام سے قبل دور جاہلیت میں قتل اولاد ایک بھیانک معاشرتی وبا کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ دنیا کی سب سے مہربان ہستیاں والدین اپنے لخت جگر کو موت کی آغوش میں بخوشی دے دیتے تھے۔ قتل اولاد کی تین صورتیں تھیں، ایک صورت یہ تھی کہ اولاد کو دیوی دیوتاؤں کے نام چڑھاوے کے طور استھان (قربان گاہ) لے جا کر ذبح کر دیا جاتا تھا، یہ قسم کسی بڑے مقصد کے حصول یا دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے اوران کا قرب حاصل کرنے کی نیت سے کی جاتی تھی۔ اسلام نے آکر اس سنگدلانہ مذموم فعل سے سختی کے ساتھ منع فرمایا! قرآن پاک میں ارشاد ہے!

ترجمہ: اس طرح بہت سے مشرکوں کو ان کے دیوتاؤں نے یہ بات خوبصورت کر کے دکھائی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل کر دیں تا کہ انجام کار یہ دیوتا ان مشرکوں کو ہلاک کر دیں اور ان کے دین کو ان پر مشتبہ کر دیں۔

اس سلسلے میں مزید ارشاد ہے!

ترجمہ: تحقیق خسارے میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے نادانی سے بغیر علم کے اپنی اولاد کو قتل کیا۔

اسلام نے بڑی سختی کے ساتھ تمام بتوں اور قربان گاہوں کو باطل قرار دیا اور نذر و نیاز کا حقدار صرف اور صرف اللہ کی ذات کو ٹھہرایا۔

قتل اولاد کی دوسری وجہ یہ تھی کہ والدین بچوں کو فکر معاش کی وجہ سے قتل کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس قتل سے بھی واضح الفاظ میں منع فرمایا۔ سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے۔

ترجمہ: اور اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کے خوف سے قتل مت کرو، ہم ہی ان کو رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی۔ بیشک ان کا قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

بخاری شریف کی ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا!

ترجمہ: کونسا گناہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بڑا ہے؟ فرمایا! یہ کہ تو اللہ کے لئے کوئی شریک ٹھہرائے، حالانکہ اس نے ہی تمہیں پیدا کیا ہے! میں نے عرض کیا کہ یہ واقعی بہت بڑا گناہ ہے، اس کے بعد کس گناہ کا درجہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر یہ گناہ سب سے زیادہ ہے کہ تو اپنے بچے کو اس خوف سے قتل کر دے کہ وہ تیرے کھانے میں تیرے ساتھ شریک ہو جائے گا۔

قتل اولاد کی تیسری اور سب سے وحشت ناک صورت یہ تھی کہ عرب اپنی بچیوں کو خود زندہ درگور کرتے تھے اور اس کی وجہ وہ غیر فطری اور مصنوعی شرم وحیاء ہوا کرتی تھی کہ کل یہ لڑکیاں بڑی ہو کر کسی کے گھر کی زینت بنیں گی، اور ان کے ساتھ زن وشوئی کے تعلقات قائم ہوں گے، قرآن کریم نے اس صورت حال کی منظر کشی یوں کی ہے!

ترجمہ: بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کی یہ قبیح رسم ویسے تو پورے عرب میں پھیل گئی تھی مگر بنو تمیم میں اس کا رواج سب سے زیادہ تھا، چنانچہ اس قبیلے کے رئیس قیس بن عاصم نے خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ اعتراف کیا تھا کہ اس نے اپنی بارہ لڑکیاں زندہ درگور کی ہیں، جس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر لڑکی کے بدلے میں ایک غلام آزاد کرو۔

ایک صحابی ایک مجلس میں رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں اپنی بیٹی کو زندہ درگور کرنے کا دلخراش واقعہ سناتے ہوئے کہا کہ اس کی چیخ وپکار کی آوازیں ابھی تک میرے کانوں میں گونج رہی ہیں، تو مجسم رحمت ﷺ سے ضبط نہ ہو سکا اور آپؐ اس قدر روئے کہ داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

اسلام نے قتل اولاد کی ان تمام صورتوں کو بڑی سختی کے ساتھ منع کیا۔ آنحضرت ﷺ نے کئی مواقع پر مردوں اور عورتوں سے جو بیعت لی ہے۔ اس میں قتل اولاد سے باز رہنے کا وعدہ بھی لیا ہے، سورہ ممتحنہ میں جن جن باتوں پر عورتوں سے بیعت لینے کے لئے ارشاد ہوا ہے ان میں ایک یہ بھی تھی۔ سلسلے میں قیامت کا ہولناک دن یاد دلا کر خون میں لت پت ننھی، معصوم اور مظلوم جانوں سے یہ استفسار کیا گیا ہے!

ترجمہ: اور جب لڑکی سے جو زندہ درگور کر دی گئی تھی پوچھا جائے گا کہ تو کس گناہ پر قتل کی گئی۔

ان واضح اور پر تاکید تعلیمات کا یہ اثر ہوا کہ مسلمان دل وجان سے اس کمزور صنف کی خدمت وعزت بجالانے کو باعث فخر سمجھنے لگے۔ صحابہ کرامؓ نے اس سلسلے میں جو بلند روایات قائم کی ہیں اس کا ایک نمونہ بخاری شریف کی کتاب الصلح میں مذکور ہے۔

حضرت براء بن عازبؓ کی روایت کردہ طویل حدیث کے آخر میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے عمرہ ادا کرنے کے بعد مکہ سے واپسی کا ارادہ فرمایا تو سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی یتیم چھوٹی بیٹی (امامہ جو مکہ میں رہ گئی تھی) آنحضرت ﷺ کے پیچھے چچا چچا کہتی ہوئی دوڑی۔ حضرت علیؓ نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر حضرت فاطمہؓ کے حوالے کرتے ہوئے کہا ''اپنے چچا کی بیٹی کو لے کر اٹھا لو''، پھر حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ اور حضرت

جعفرؓ نے اس کے بارے میں جھگڑا شروع کیا۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ میں اس لڑکی کی پرورش کا زیادہ مستحق ہوں کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ حضرت جعفرؓ نے کہا (میں اس کا زیادہ مستحق ہوں کیونکہ) یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے حضرت زید نے کہا کہ یہ میرے (دینی) بھائی کی بیٹی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے لڑکی کا فیصلہ خالہ کے حق میں کر دیا اور فرمایا کہ خالہ ماں کی جگہ ہوتی ہے، پھر حضرت علیؓ سے فرمایا تم مجھ سے ہو اور میں تجھ سے ہوں اور حضرت جعفرؓ سے فرمایا تم میری صورت اور سیرت کے مشابہ ہو اور حضرت زیدؓ سے فرمایا تم میرے بھائی اور مولیٰ ہو۔

آپؐ نے دیکھا کہ عرب معاشرہ جو اس سے کچھ قبل بچوں کے زندہ درگور کرنے پر تلا ہوا تھا بچوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے تعلق و محبت کی وجہ سے ایسے مقام پر پہنچ گیا کہ ایک ہی بچی کو لینے کے لئے ایک ہی وقت میں چار چار گودیں شوق پرورش میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور پھر جب اس بچی کا فیصلہ ان میں سے ایک مستحق کے حق میں ہو جاتا ہے۔ تو آنحضرت ﷺ اس کی پرورش کے دوسرے خواہش مند افراد کو ان کے بارے میں فضائل سنا کر خاموش اور مطمئن کر دیتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی ذات نہ صرف انسانوں بلکہ تمام جانداروں کے لئے مجسم رحمت وشفقت تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس کا اعلان فرمایا!

ترجمہ: اور ہم نے آپ (ﷺ) کو تمام جہانوں کے (لوگوں کے) لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

مگر بچوں کے لئے آپؐ بطور خاص مجسم رحمت وشفقت تھے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ عرب کے سنگدلانہ معاشرے میں بچوں کے ساتھ عملی طور پر پیار و محبت اور رحم وشفقت کی بانی آپؐ کی ذات بابرکات تھی، بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن بن علیؓ کو پیار سے چوما تو آپؐ کے پاس موجود حضرت اقرع بن حابسؓ نے عرض کیا کہ حضرت میرے تو دس بیٹے ہیں میں نے کبھی کسی کو پیار نہیں کیا۔ آپؐ نے اس کو (تعجب سے) دیکھا اور فرمایا کہ جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

ایک دوسری روایت میں ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دیہاتی آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور پوچھا کہ تم لوگ اپنے بچوں کو پیار سے چومتے ہو؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہاں۔ وہ عرض کرنے لگے ہم تو ایسا نہیں کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں سے محبت نکال دی ہے۔ تو میرا کیا بس چلتا ہے۔

رحم وشفقت بچوں کا بنیادی حق ہے اور جو کوئی اس حق کی ادائیگی سے منہ موڑتا ہے تو رسول اللہ ﷺ ایسے شخص کو اپنی امت سے خارج گردانتے ہیں، ترمذی میں حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

تمام عبادات میں نماز اہم ترین عبادت ہے، رسول کریم ﷺ نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بتائی ہے۔ ابتداء اسلام میں عورتیں بھی مسجد میں جا کر جماعت کی نماز میں شریک ہوتی تھیں۔ ان کے بچے جماعت کی نماز کے دوران رو پڑتے تھے۔ آپؐ ان بچوں کے رونے کی وجہ سے اپنی نماز مختصر فرما لیتے تھے بخاری کی روایت میں ہے حضرت حارث بن ربعیؓ نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اور میرا ارادہ ہوتا ہے کہ لمبی نماز پڑھوں پھر میں کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز کو مختصر کر لیتا ہوں اور اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ لمبی نماز کہیں اس کی ماں پر شاق نہ گزرے۔

بچوں کے ساتھ مذاق اور خوش طبعی جہاں ایک طرف بچوں کا حق اور پیار وشفقت کی علامت ہے۔ وہاں یہ صفت انسان کی عاجزی، فروتنی اور منکسر المزاجی کی بھی دلیل ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم سے خوش طبعی بھی فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ میرے چھوٹے بھائی سے فرمایا کرتے تھے۔ ابوعمیر تمہارے نغیر کا کیا ہوا؟ نغیر ایک چڑیا کا نام ہے، انس کا بھائی ابوعمیر اس سے کھیلا کرتا تھا اور وہ مر گئی تھی۔ نغیر چڑیا کو اردو میں پدڑی کہتے ہیں، اس سے چھوٹے ابوعمیر کھیلا کرتے تھے اور اس کے ساتھ کافی مانوس ہو گئے تھے، پھر وہ چڑیا مر گئی تھی، آنحضرت ﷺ اس بچے کو یہ چڑیا یاد دلاتے تو وہ غمگین ہو کر حسرت بھرا چہرہ بنا لیتے۔ بچے کا معصوم چہرہ جب پریشان ہو کر ماضی کے خیالات میں کھو جاتا ہے۔ تو کتنا پیارا لگتا ہے۔ بچوں کی ان اداؤں سے محظوظ ہونا بھی ان کے ساتھ محبت کی علامت ہے، آنحضرت ﷺ بس اسی کیفیت سے محظوظ ہونے کی خاطر اسے اس کی نغیر چڑیا یاد دلاتے تھے۔

بچوں کے ساتھ تعلق و محبت کا تقاضا ہے کہ کھانے پینے میں ان کو اپنے دستر خوان پر شریک کیا جائے اور آداب سکھا کر ان کی تربیت کی جائے، حضرت عمرو بن ابی سلمہؓ کہتے ہیں کہ میں بچہ تھا اور رسول اللہ ﷺ کی پرورش اور تربیت میں تھا میرا ہاتھ کھانا کھاتے وقت (گوشت سبزی کی تلاش میں) رکابی میں گھومتا تھا رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا، بسم اللہ پڑھ اور دائیں ہاتھ سے کھا اور اپنے پاس سے کھا۔

دنیا کی شخصیات میں سے اکثر کو ہم دیکھتے ہیں کہ بعض افراد بظاہر بڑے ہمدرد اور انسان دوست ہوتے ہیں لگتا ہے کہ ان کا رویہ ہر انسان اور ہر جگہ بڑا مشفقانہ اور ان کا کردار قابل نمونہ ہوگا مگر جب ان کے قریب رہا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تنہائی کی زندگی ان کی ظاہری زندگی سے یکسر مختلف ہے۔ اور ان کی ظاہری ہمدردی محض ایک ڈھونگ ہے مگر رسول اکرم ﷺ کی خلوت وجلوت والی دونوں زندگیاں ہمارے سامنے بے غبار حالت میں موجود

ہیں۔ آپؐ کے خادم خاص حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی دس برس تک خدمت کی ہے، آپؐ نے مجھے کبھی اف تک نہیں کہا اور کوئی کام جو میں کر گزرتا اس کے بارے میں نہیں پوچھا کہ تو نے کیوں کیا؟ اور جو کام نہیں کر پاتا اس کے متعلق نہیں پوچھا کہ یہ کام تو نے کیوں نہیں کیا؟

یہی حضرت انسؓ ایک دوسری روایت میں بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اخلاق کے اعتبار سے تمام لوگوں سے بہتر تھے۔ ایک دن آپؐ نے مجھے کسی کام کے لئے بھیجا میں نے کہا بخدا میں نہیں جاؤں گا، لیکن میرا ارادہ تھا کہ (جس کام کا آپؐ نے حکم فرمایا ہے اسے کرنے) چلا جاؤں، پھر میں گھر سے باہر نکلا اور لڑکوں کے پاس گزرا جو بازار میں کھیل رہے تھے، ناگہاں رسول اللہ ﷺ نے پیچھے سے آکر میری گدی پکڑ لی میں نے مڑ کر حضور ﷺ کو دیکھا تو آپؐ مسکرا رہے تھے، آپؐ نے فرمایا انس کیا تم ادھر جا رہے ہو جہاں میں نے تجھے بھیجا تھا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہاں میں اب جا رہا ہوں۔

ذرا سوچئے!! اگر ہمارا کوئی خادم اس طرح کرتا تو ہم مار مار کر اسے لہولہان کر دیتے کہ ہم نے فلاں کام سے بھیجا ہے اور تم یہاں راستے میں کھیل رہے ہو، مگر صدقے جائیے آپؐ کے اخلاق کریمانہ پر کہ حضرت انسؓ نے جب پیچھے دیکھا تو مجسم رحمت و شفقت کا چہرہ انور مسکراتا ہوا پایا۔

گھر میں شور شرابا کرنے والے بچوں کو ہم یا تو مارتے ہیں یا گھر سے نکال دیتے ہیں یا کم از کم ڈانٹ ڈپٹ کر خاموش کرا دیتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کا اس سلسلے میں کیا طرز عمل تھا، حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ آپؐ ان کے گھر میں منہ ڈھانک کر آرام فرما رہے تھے، عید کا دن تھا اور آپؐ کے گھر میں چھوٹی لڑکیاں گا بجا رہی تھیں، حضرت ابوبکرؓ آئے تو ان کو ڈانٹا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! ان کو گانے دو ان کی عید کا دن ہے۔

یہ بچیاں دف بجا رہی تھیں اور کم سن تھیں، نیز جہاد و غزوات میں ان کے باپ دادا نے جو جوانمردی دکھائی تھی اسے اشعار میں بیان کر رہی تھیں، لہٰذا رسول اکرم ﷺ نے ان کو منع نہیں فرمایا بلکہ حضرت ابوبکرؓ کے منع کرنے پر بھی فرمایا کہ ان کو گانے دو، ان کی عید کا دن ہے۔

محبت و تعلق کے حوالہ سے حضرت حسنینؓ آپؐ کے سب سے زیادہ قریب رہے ہیں۔ حضرت حسنؓ کی پیدائش ۳ھ میں ہوئی تھی اور حضور ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر ساڑھے سات برس تھی۔ حضرت حسینؓ ان سے ایک سال چھوٹے تھے یہ دونوں حضرات وہ خوش نصیب ہستیاں ہیں جن کو بچپن میں آپؐ کی آغوش تربیت میں پلنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ آپؐ ان دونوں حضرات سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اہل بیت میں کون آپؐ کو سب سے زیادہ پیارا لگتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا حسن اور حسین۔ آپؐ حضرت فاطمہؓ سے فرماتے کہ میرے بیٹوں کو بلاؤ پھر آپؐ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے جسموں کو سونگھتے اور ان کو اپنے گلے سے لگا لیتے۔

اسی طرح ایک روایت میں حضرت اسامہ بن زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں کسی ضرورت سے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ گھر کے اندر سے اس حال میں باہر تشریف لائے کہ آپؐ ایک چیز کے اندر لپٹے ہوئے تھے۔ جس سے میں ناواقف تھا کہ وہ کیا چیز ہے جب آپؐ سے میں اپنی ضرورت عرض کر چکا اور اپنی حاجت سے فارغ ہو گیا تو میں نے پوچھا حضور ﷺ! یہ آپ کیا چیز لئے ہوئے ہیں، آپؐ نے اس چیز کو کھولا تو وہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ تھے۔ جو آپؐ کے دونوں کولہوں پر بغلوں میں تھے اور آپؐ ان پر چادر ڈالے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا یہ دونوں میرے بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ! میں ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر اور جو شخص ان سے محبت کرے تو اس سے بھی محبت کر۔

ایک دوسری حدیث جس سے حضرت حسینؓ کے ساتھ آپؐ کی بے انتہا محبت کا اندازہ ہوتا ہے، حضرت بریدہؓ کی روایت کردہ ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے سامنے خطبہ فرما رہے تھے اچانک حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سامنے آگئے، جو اس وقت سرخ کرتے پہنے ہوئے تھے۔ وہ چلتے اور گر پڑتے یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ منبر سے اترے اور دونوں بچوں کو گود میں اٹھالیا اور پھر اپنے سامنے دونوں کو بٹھا کر فرمایا خداوند تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ (یعنی آزمائش کی چیزیں) ہیں۔ میں نے دونوں بچوں کو دیکھا کہ یہ چلتے ہیں اور گر پڑتے ہیں تو مجھ سے صبر نہ ہو سکا یہاں تک کہ میں نے اپنی بات کو قطع کر دیا اور ان دونوں کو اٹھالیا۔

اس سلسلے میں ایک دوسری حدیث جس میں حضرت حسنؓ کے ساتھ محبت کے علاوہ آپؐ کی برجستہ گوئی کا بھی بیان ہے حضرت ابن عباسؓ کی روایت کردہ ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حسن بن علیؓ کو اپنے کندھے پر بٹھائے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے عرض کی۔ لڑکے! تو کسی اچھی سواری پر سوار ہے؟ نبی کریمؐ نے فرمایا اور وہ سوار بھی تو اچھا ہے۔

ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے چار نرینہ اولاد مرحمت فرمائی تھی، جو بقضائے الٰہی چاروں بچپن کی حالت میں وفات پا گئے تھے۔ ایک بچے کی وفات پر جو رنج و قلق عام والدین محسوس کرتے ہیں بہ تقاضائے بشریت آپؐ بھی وہ تمام جذبات اور احساسات رکھتے تھے، مگر شرعی حدود کے اندر رہ کر آپؐ نے امت کے سامنے تسلیم و رضا کا کامل نمونہ پیش فرمایا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم (جو ماریہ قطبیہ کے بطن سے تھے) کے پاس تشریف لے گئے اس وقت ابراہیم جان کنی کے عالم میں تھے۔ آپؐ

کی آنکھیں چھلک پڑیں، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ کا بھی یہ حال ہے؟ آپؐ نے فرمایا اے ابن عوف! یہ تو رحمت خداوندی ہے اس کے بعد دوبارہ آپؐ کے آنسو نکل پڑے تو فرمایا!

ترجمہ: بلاشبہ آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں اور دل غمگین ہے، لیکن ہم وہی کچھ کہیں گے جس پر ہمارا رب راضی ہوگا اور ابراہیم ہم تیری جدائی پر غمگین ہیں۔

بچوں سے رحم وشفقت کے سب سے زیادہ محتاج یتیم بچے ہوتے ہیں جو کم عمری میں والدین کے سایہ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ مضبوط سہارا نہ ہونے کے باعث یہ بچے عام طور پر دردر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے اپنی تعلیمات اور عمل کے ذریعہ یتیم بچوں کے ساتھ تعاون اور ان کی نگہداشت پر بڑا زور دیا ہے۔ حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے۔ تو یتیم کے بالوں کے برابر جن پر اس کا ہاتھ پڑتا ہے نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور جو شخص کسی یتیم بچے یا بچی کے ساتھ جو اس کی تربیت اور پرورش میں ہو احسان کرے تو میں اور وہ جنت میں اس طرح ہوں گے۔ آپؐ نے (تشہد اور درمیان والی) دونوں انگلیوں کو ملا کر دکھایا۔

آپؐ یتیموں اور بیکسوں کے خصوصی والی اور نگہبان تھے، آپؐ سے یتیموں کی بیکسی اور غریبوں کی بے بسی دیکھی نہیں جاتی تھی۔ ان میں سے اگر کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی تو آپؐ بے قرار ہو جاتے اور فوراً اس کی مدد کے لئے پہنچ جاتے۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے حضرت جعفرؓ کے گھر والوں کو (ان کی شہادت کے موقع پر) تین دن رونے کی مہلت دی، اس کے بعد ان کے ہاں آئے اور ارشاد فرمایا آج کے بعد میرے بھائی پر مت رونا، پھر فرمایا میرے بھتیجوں کو بلاؤ۔ ہمیں آپؐ کے سامنے پیش کیا گیا، گویا ہم چھوٹے چھوٹے چوزے تھے، پھر فرمایا نائی کو بلاؤ، آپؐ نے حکم دیا تو اس نے ہمارے پورے سر کے بال اتار دیئے۔

حضرت جعفر طیارؓ آپؐ کے چچازاد بھائی تھے۔ موتہ کی مشہور لڑائی میں شہید ہو گئے تھے۔ آپؐ ان کی شہادت کے بعد ان کے گھر تشریف لے گئے اور ان کے بیٹوں عبداللہ، عون اور محمد کو طلب کیا، جو بہت چھوٹے چھوٹے تھے، آپؐ نے ان کے سروں پر دست شفقت پھیرا اور گھر والوں کو تاکید کی کہ وہ سوگ کو حدود شرعی کے اندر محدود رکھیں۔ یتیم پر رحم وشفقت کے حوالے سے ایک دوسری روایت ہے جس میں حضرت ابولدحداعؓ کے ایثار کا ذکر ہے فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی عدالت میں ایک یتیم لڑکے نے ایک شخص پر ایک نخلستان (کھجوروں کے باغ) کے متعلق دعویٰ پیش کیا، مگر وہ دعویٰ ثابت نہ ہو سکا اور آپؐ نے وہ نخلستان مدعاعلیہ کو دلا دیا۔ اس پر وہ یتیم رو پڑا، آنحضرت ﷺ کو رحم آیا اور اس مدعاعلیہ سے فرمایا کہ تم یہ نخلستان اس یتیم کو دیدو، اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے بدلے جنت دے گا۔ وہ اس ایثار پر راضی نہ ہوا، حضرت ابوالدحداعؓ حاضر خدمت تھے انہوں نے اس شخص سے کہا کہ کیا تم اپنا یہ نخلستان میرے فلاں باغ سے بدلتے ہو؟ اس نے آمادگی ظاہر کردی۔ انہوں نے فوراً بدل دیا اور وہ نخلستان اپنی طرف سے اس یتیم کو ہبہ کر دیا۔

مختصر یہ کہ رسول اکرم ﷺ کی ذات بابرکات بچوں کے لئے سراپا رحمت وشفقت تھی اور رہتی دنیا کے لئے ایک کامل نمونہ ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح ہم اس باب میں بھی رسول اکرم ﷺ کی پیروی اور اتباع کو لازم پکڑیں تاکہ ایک طرف بچوں کو صحیح پیار و محبت مل سکے تو دوسری طرف ہم اپنی ذمہ داریوں سے احسن طریق پر عہدہ برآ ہو کر اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو ہو سکیں۔ ❁

معمولات سفر

حضور ﷺ کو جمعرات کے دن علی الصباح سفر کرنا پسند تھا۔ کسی لشکر یا فوجی دستے کو کسی مہم پر روانہ فرماتے تو صبح کے تڑکے ہی روانہ فرماتے۔ سفر پر روانہ ہونے سے پہلے ازواج مطہرات پر قرعہ ڈالتے جن زوجہ محترمہ کے نام قرعہ پڑتا سفر میں ان کو ساتھ لے جاتے۔ سواری سامنے آتی تو رکاب میں قدم رکھتے وقت آپ بسم اللہ کہتے اور سوار ہو کر تین مرتبہ اللہ اکبر فرماتے۔ راستے میں جگہ جگہ دعائیں مانگتے جاتے واپسی پر مدینہ منورہ پہنچ کر پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے پھر گھر تشریف لے جاتے۔

ٹریول پاس انٹرنیشنل
ٹریول ایجنٹس
لائسنس نمبر: 2779
اندرون و بیرون ممالک ہوائی سفر کے لئے تمام ائیر لائنز کے ٹکٹ دستیاب ہیں نیز عمرہ کے لئے بھی رابطہ کریں
آفس: جی-3، اجو اسنٹر، 17 کوپر روڈ لاہور فون: 6362483,6363467,6363843
فیکس: 6363467 ای میل: travelpassintl@hotmail.com

عکسِ تحریر

حسنِ گفتار

''حسن گفتار'' معروف سیرت نگار جناب طالب ہاشمی کی تالیف ہے۔ میں نے ان کی کتاب ''تذکار صالحات'' کے تعارف میں لکھا تھا کہ کسی کتاب کے لائق مطالعہ ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کے سرورق پر جناب طالب ہاشمی کا نام لکھا ہو۔ ایک اچھی اسلامی کتاب لکھنے کے لیے جن عناصر کی ضرورت ہوتی ہے وہ تمام جناب طالب ہاشمی میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں مثلاً وسیع ذخیرہ الفاظ، زبان کے قواعد وضوابط پر عبور، انگریزی، عربی اور فارسی زبانوں سے شناسائی، قرآن مجید، احادیث رسولؐ، سیرت رسولؐ اور سیرت صحابہؓ سے مکمل آگہی وغیرہ۔ اگر جناب طالب ہاشمی کو الفاظ کی لغت اور اسلامی معلومات کا انسائیکلو پیڈیا بھی کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ لکھتے ہوئے وہ اپنے قلم کو زبان کے قواعد وضوابط سے سرمو ادھر ادھر نہیں ہونے دیتے۔ اختلافی موضوعات سے حتی الامکان اپنے آپ کو بچا کر رکھتے ہیں، اس لیے ان کی کتب ہر مکتبہ فکر کے قاری کے لیے یکساں پسندیدہ ہیں۔ زبان شستہ وشگفتہ اور آسان فہم ہوتی ہے، مشکل منطق بھی ان کی تحریروں میں دیکھنے کو نہیں ملتی، اس لیے ہر طبقہ میں ان کی کتب پسند کی جاتی ہیں۔

تازہ تالیف ''حسن گفتار'' جناب طالب ہاشمی کے قلم کی تمام خوبیاں اور حسن اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ کتاب ایمان، اخلاق اور معاشرتی اصلاح کے 50 مختلف مضامین پر مشتمل ہے۔ ہر مضمون جامع ہے۔ نہ صرف طلبہ وطالبات کو یہ کتاب تقریری مقابلوں اور مضمون نویسی میں بہترین مواد فراہم کر سکتی ہے بلکہ خطیب حضرات کے خطبہ جمعہ کے لیے بھی نہایت مفید ہوگی۔ چند عنوانات ملاحظہ فرمائیں: قرآن حکیم کی روشنی میں انسان کا مقصد حیات، خیر وشر میں امتیاز، راست گفتاری، نماز جنت کی کنجی ہے، رواداری اور کشادہ دلی، اسلامی زاویہ نگاہ سے بچوں کی تعلیم وتربیت، حسد کا منہ کالا، والدین کی اطاعت جنت کی ضمانت، چند عجیب عادتیں، مسرت اور شادمانی کا اسلامی تصور وغیرہ۔

فاضل مؤلف اپنی کتاب کے تعارف میں لکھتے ہیں:

''یہ مجموعہ اوراق ان 50 مضامین پر مشتمل ہے جو گزشتہ چند سالوں میں وقتاً فوقتاً مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہوئے یا ریڈیو پاکستان لاہور سے نشر ہوئے اور علمی ودینی حلقوں میں پسند کیے گئے۔ یہ تمام مضامین متفرق دینی ومعاشرتی موضوعات پر ہیں۔ ان میں سے بیشتر کا تعلق اخلاق کے مختلف پہلوؤں دین حق اسلام کے بعض خصائص اور اصلاح معاشرہ ہے۔ ان کو پڑھ کر معلوم ہوگا کہ ایک مومن کا مقصد حیات کیا ہے، اسلامی تہذیب وتمدن کے خدوخال کیا ہیں، اولاد کی تعلیم وتربیت کے تقاضے کیا ہیں، مسرت اور شادمانی کا اسلامی تصور کیا ہے۔ عورتوں، پڑوسیوں اور گھریلو ملازموں (یا زیردست افراد) کے حقوق کیا ہیں، ایک مسلمان کا دوسرے پر کیا حق ہے، اسلام میں عدل، اعتدال اور رواداری کی کیا اہمیت ہے وغیرہ وغیرہ''

مزید لکھتے ہیں: ''فی الحقیقت ان مضامین کا مقصود ومنشا اخلاق کی اصلاح اور اپنے مسلمان بھائیوں کو وہ اوصاف اپنانے کی طرف راغب کرنا ہے، جن کی قرآن حکیم کی سورہ الفرقان میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

ترجمہ: اور رحمٰن کے (اصلی) بندے وہ ہیں۔ جو زمین پر نرم چال (مسکنت کے ساتھ) چلتے ہیں اور جاہل ان کے منہ آئیں تو کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام (یعنی رفع شر کی خاطر ان سے جھگڑا نہیں کرتے) جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں، جو دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے عذاب جہنم کو دور رکھ۔ بیشک جہنم برا ٹھکانا اور برا مقام ہے۔ وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل بلکہ ان کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے۔ جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے۔ اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ کام جو کوئی کرے وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا۔ قیامت کے روز اس کو مکرر عذاب دیا جائے گا اور اسی میں وہ ہمیشہ ذلت کے ساتھ پڑا رہے گا الا یہ کہ کوئی (ان گناہوں کے بعد) توبہ کر چکا ہو اور ایمان لا کر عمل صالح کرنے لگا ہو۔ ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا، وہ بڑا غفور الرحیم ہے۔ جو شخص توبہ اختیار کرتا ہے وہ تو اللہ کی طرف پلٹ آتا ہے جیسا کہ پلٹنے کا حق ہے۔ اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے اور کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہو جائے تو شریف آدمیوں کی طرح (اس کے پاس سے سلامت روی کے ساتھ) گزر جاتے ہیں۔ جنہیں اگر ان کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر اندھے اور بہرے بن کر نہیں رہ جاتے، جو دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا۔ یہ ہیں وہ لوگ جو اپنے صبر کا پھل منزل بلند کی شکل میں پائیں گے۔ آداب وتسلیمات سے ان کا استقبال ہوگا اور ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ کیا ہی اچھا ہے وہ مستقر اور وہ مقام''۔

معروف صحافی ڈاکٹر خواجہ نظامی صاحب کتاب کی ''تقدیم'' میں اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''کتاب کے مضامین قرآن وحدیث کی تعلیمات پر مبنی ہیں جو نہایت عام فہم اور سلیس زبان میں لکھے گئے ہیں۔ انداز بیان شگفتہ شستہ اور دل نشین ہے، جن سے بچے جوان اور بوڑھے سبھی مستفید ومستفیض ہو سکتے ہیں۔ لیکن بعض مضامین ایسے ہیں ان سے خصوصی فائدہ بھی اٹھایا جا سکتا ہے۔ مثلاً کار پرواز ان حکومت ''عدل کی اہمیت'' اور ''اسلام میں عورتوں کے حقوق'' جیسے مضامین سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اسی طرح دکاندار ''تجارت کے اسلامی اصول'' اور ''مسلمان تاجر کا کردار'' وغیرہ مضامین سے بھرپور استفادہ کر سکتے ہیں۔ اور عورتیں ''اسلامی نقطہ نظر سے بچوں کی تربیت''، ''آزادی نسواں''، ''رزق حلال اور پرورش اولاد''، ''عورتوں کی خاص الخاص صفت حیا ہے'' اور ''جہیز کی بیماری'' جیسے مضامین سے بہت کچھ سیکھ سکتی ہیں اور عملی زندگی میں رہنمائی حاصل کر سکتی ہیں۔ اگر ملک کے مخیر حضرات مصنف کی اجازت سے ان مفید مضامین کو پمفلٹ کی صورت میں شائع کر کے لوگوں میں تقسیم کرنے کا اہتمام کریں تو اس سے ہمارے ہاں معاشرتی انقلاب کے سلسلہ میں اہم کام لیا جا سکتا ہے۔ ''حسن گفتار'' میں شامل یہ تمام مضامین گہرے سماجی، معاشرتی اور ملی وقومی شعور کے حامل ہیں، ان کے مطالعہ سے دینی ودنیاوی کامیابی اور اخروی فلاح ونجات کا حصول ممکن ہو سکتا ہے۔ آج ہماری قوم کو ایسی ہی مفید، پرمغز اور ایمان افروز کتابوں کی ضرورت ہے''۔

خوبصورت چہار رنگ دیدہ زیب جلد کے ساتھ 264 صفحات کی یہ کتاب صرف ایک سو روپے میں ''البدر پبلی کیشنز، راحت مارکیٹ، اردو بازار لاہور'' سے دستیاب ہے۔

خوش ذائقہ اور غذائیت سے بھرپور
حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق تیار کردہ
مجاہد
MUJAHID
VEGETABLE GHEE
مجاہد
بناسپتی گھی
مجاہد
MUJAHID
وٹامن اے اور ڈی سے بھرپور
تیار کردہ : حفیظ اقبال آئل اینڈ انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ' انڈسٹریل اسٹیٹ' ہری پور
PH: (0995) 617367, 617368, 617007
Head Off. Islamabad Ph: (051) 430237-38 Fax: (051) 433043

The Monthly Momin Lahore

ان الله وملائكته يصلون على النبي
يا ايها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليما

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے
نبیؐ اکرم پر درود بھیجتے ہیں۔
اے ایمان والو!
تم بھی آپؐ پر (ہمیشہ) درود اور سلام
بھیجتے رہا کرو...... (القرآن)

ماہنامہ
مومن
لاہور

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ

ماہنامہ مومن لاہور

جلد نمبر 3 شمارہ نمبر 5 مئی 2002ء

صدر نشین غلام رسول شاہد

نگران و منتظم محترمہ اُمّ کلثوم خان

مدیر مزین رسول ہاشمی

قانونی مشیر خلیل احمد ایڈووکیٹ

زیرِ سرپرستی

سلسلۂ عالیہ توحیدیہ

G-92 ماڈل ٹاؤن لاہور

ہر زمانے میں بے شمار انسان ایسے گزرے ہیں جنہوں نے مختلف شعبہ ہائے زندگی کے حوالے سے تاریخ کے اوراق پر انمٹ نقوش ثبت کیے۔ ان لوگوں میں شاعر، ادیب، شہنشاہ، جرنیل، فلسفی، قانون دان، علماء و حکماء سبھی شامل ہیں۔ مگر اللہ تبارک و تعالیٰ کے محبوب و مقرب بندوں میں وہی نابغہ روزگار ہستیاں شامل ہوئیں جنہوں نے انسانیت کی خدمت محبت و اخلاص سے کی، انسانیت کی سب سے بڑی خدمت بھولے بھٹکے انسانوں کو اس خالق و مالک کی راہ پر گامزن کرنا ہے جو ذات و صفات ہر لحاظ سے واحد، بے مثل، پوری کائنات کا رب اور الٰہِ واحد ہے۔ صدق و صفا کے پیکران برگزیدہ بندوں کا مشن نوعِ انسان کو ایک ایسا نظامِ حیات دینا تھا جس پر چل کر پوری نوعِ انسانی امن و سلامتی اور راحت و سکون زندگی بسر کر سکے اور اپنی خداداد صلاحیتوں سے استفادہ کر کے برابر ترقی کرتی رہے۔ دینِ اسلام انہی قواعد و ضوابط کی تشکیل و تکمیل کا نام اور سب سے افضل کام ہے جس کا سہرا جناب رسالت مآب حضور سرورِ کونین ﷺ کے سر سجا! آپ ﷺ نے انسان کو نہ صرف صاف ستھری زندگی بسر کرنے کے قاعدے سکھائے بلکہ مکارم اخلاق کی تکمیل فرمائی۔ اللہ کے بندوں کو اس کے پیغام اور نشانیوں سے آگہی اور ان کے قلوب کو اُسی کی یاد سے روشنی اور اطمینان کے حصول کا راستہ بتا دیا۔ کتاب اللہ پر نہ صرف عمل کر دکھایا بلکہ معرفت و حکمت کی تعلیم اور تزکیہ نفس کے ذریعے ایک ایسی جماعت معرضِ وجود میں لائے کہ جس کا ہر فرد پوری انسانیت کے لیے رشد و ہدایت کا روشن ستارہ ہے۔ کشف و کرامات اور معجزات تو تمام انبیاء و رسل کی بزرگی میں شامل تھے ہی مگر خدمتِ انسانیت اور اللہ تعالیٰ کے قرب و دیدار کی معراج محبت و نبوت میں جو کمال آپ ﷺ کو نصیب ہوا۔ وہ صرف آپ ﷺ ہی کا مقدر تھا۔ آپ نے اپنی محبت اور توجہ سے گناہوں میں لتھڑے ہوئے انسانوں کو پاک اور مطہر موحد و مومن بنایا اور تمام قوتوں کے ہوتے ہوئے بھی تسلیم و رضا اور فقر کی راہ اختیار فرمائی۔ .... یہی کمال بزرگی اور معراج انسانیت ہے۔

صدر نشین

حُسنِ اِنتخاب (اِس شمارے میں)

اداریہ	تسلیمات	2
انک لعلیٰ خلق عظیم	غلام رسول شاہد	4
یہ سب تمہارا کرم	محترمہ ام کلثوم خاں	9
حیاتِ طیبہ ماہ و سال	سید قاسم محمود	12
قرآن اور صاحب قرآن	ڈاکٹر عبدالرؤف	16
آنحضورؐ کی فقر پسندی	پروفیسر ارشد کیانی	22
رسول عربی	پروفیسر الجاد انصاری	24
درود و سلام کی اہمیت	غلام رسول شاہد	27
کسب کمال کی اہمیت	محمد حامد کلیم	29
آبروئے ما ز نامِ مصطفٰے	صاحبزادہ خورشید احمد	31
سرورِ دو عالم اور روحانی تربیت	حاجی فضل احمد	33
نعت کہیے مگر احتیاط کے ساتھ	پروفیسر محمد اقبال جاوید	37
سیرتِ رسول	مولانا سید زوار حسین	40
معراج انسانیت	ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی	46
محسن سید و سردار آدم	محمود اقبال	49
مصائب و آلام میں اسوۂ	فلائنگ لیفٹننٹ ثناء اللہ	52
آنحضرت کی تعلیمات	جسٹس مفتی محمد تقی	55
رحمتِ عالم بحیثیت سربراہِ مملکت	حکیم محمد سعید	57
ختمِ نبوت	وائس مارشل سکندر بخت	60

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آئندہ شمارہ میں انشاءاللہ

مقصد قرآن ☆ ایک نئے تعلیمی ماڈل کی ضرورت ☆ مذہب کی اہمیت ☆ طہارت و وضو ☆ معاشرہ تباہی کی راہ پر ☆ میں نے اسلام کیسے قبول کیا؟ علاوہ ازیں سیرت النبیؐ، اخلاقیات، ایمانیات، تصوف، نفسیات، طب و صحت اور حالات حاضرہ جیسے مستقل عنوانات پر تحقیقی مضامین۔

ماہنامہ مومن کے صفحات اخلاقِ عالیہ کے فروغ کے لیے وقف ہیں! ادارہ ھٰذا کا مصنفین کی رائے سے اتفاق کسی طور ضروری نہیں!

پرنٹر و پبلشر: غلام رسول شاہد پہچان پبلی کیشنز B-12 سٹی ٹاور 12 ایبٹ روڈ رائل پارک لاہور

بدل اشتراک

	فی شمارہ	سالانہ
پاکستان	20 روپے	200 روپے
سعودی عرب/امارات	10 ریال	100 ریال
کویت	1 دینار	10 دینار
امریکہ	4 ڈالر	40 ڈالر
برطانیہ	2 پاؤنڈ	20 پاؤنڈ

اظہارِ تشکر ہم زوار اکیڈمی، ماہنامہ اشراق اور مصنفین کے خصوصی تعاون پر دل و جان سے شکرگزار ہیں۔

خط و کتابت: پوسٹ بکس نمبر 5050 لاہور پاکستان

اشتہارات و ترسیلِ زر: B-12 سٹی ٹاور 12 ایبٹ روڈ رائل پارک لاہور پاکستان

فون: +9242-6373219 فیکس: +9242-5881290

درج ذیل ای میل ایڈریس:۔

email:rasul92@hotmail.com

email:momin@hotmail.com

www.momin.biz

تعلیمات

عالمِ اسلام کے لیے نکتہ وحدت

مومن کا یہ شمارہ ربیع الاوّل کی مناسبت سے سرورِ کائنات، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بارگاہ میں بطور ہدیہ عقیدت پیش کیا جا رہا ہے۔ ماہِ جاں، ماہِ جہاں ربیع الاوّل اِس مرتبہ ایسے عالم میں وارد ہُوا ہے کہ پورا عالمِ اسلام آفات و مصائب میں گھرا ہوا نظر آتا ہے۔ پس منظر یہ ہے کہ فلسطین، کشمیر، افغانستان، چیچنیا میں چڑھتی جوانیوں کے خون کے دریا بہائے جا رہے ہیں۔ ایران، عراق اور پاکستان ہمہ وقت مغرب کی دھمکیوں کی دھار پر رہتے ہیں۔ عالمِ اسلام کی واحد ایٹمی طاقت کو ریزہ ریزہ کرنے کا خطرہ ہر وقت موجود رہتا ہے۔ بھارت کے صوبہ گجرات میں جب وہاں کے مسلمانوں نے بابری مسجد کی جگہ مندر بنانے کی تحریک کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تو انتہا پسند ہندوؤں نے ان کے محلے کے محلے نیست و نابود کر دیئے۔ انہیں زندہ جلایا گیا۔ مسلم خواتین کو بے عزت کیا گیا، اور تا دمِ تحریر ہزاروں مسلمانوں کو تہ تیغ کیا جا چکا ہے۔

لیکن نہ تو مایوس ہونے کی ضرورت ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور رحمت و برکت سے نا امید ہونے کی بات۔ آج سے پہلے بھی عالمِ اسلام پر اس سے بھی کڑے وقت آتے رہے ہیں۔ ہر کڑے امتحان میں اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی نے اپنے حبیب صادق ﷺ کی امت کی کمزوریوں، خامیوں اور مجبوریوں کے باوجود اسے اپنی پناہ میں رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے مایوس ہونے کو منع کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: ”(اے نبی ﷺ) مومنوں سے کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہونا۔ اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے اور وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آئے اور پھر تمہاری کوئی مدد نہ کی جائے، تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔ (سورۃ الزمر: 54,53)

توبہ اور معافی کا دروازہ کھلنے کی اتنی واضح نوید اور اتنی بڑی خوشخبری کے ساتھ ساتھ اس کے تقاضوں کی تفصیل بھی میسر ہے۔ محسنِ انسانیت ﷺ کا ”خطبہ حجۃ الوداع“ قیامت تک انسانیت کے تمام دکھوں کا علاج اور تمام پریشانیوں کا مداوا ہے۔ رشد و ہدایت کا یہ آبِ حیات ہمارے ذاتی و اجتماعی، تمام مسائل و مشکلات، خامیوں، کوتاہیوں اور جسمانی و ذہنی و معاشرتی بیماریوں کا علاج ہے۔ مسلمان روئے زمین کے جس حصے میں بھی ہیں، جس بحران اور امتحان میں مبتلا ہیں، وہ اگر ”خطبہ حجۃ الوداع“ ہی کو حرزِ جاں بنائے رکھیں، اور اس عظیم الشان ”منشورِ انسانی“ کے ایک ایک لفظ کو حفظ کر لیں تو اُن میں مشکلات و مسائل پر قابو پانے کی ایک طلسمی طاقت پیدا ہو جائے گی۔

رسول کریم ﷺ نے دنیا کے تمام مسلمانوں بلکہ تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ”جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔ لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے، اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ ہاں عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سُرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سُرخ پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کے سبب سے۔۔۔ اور مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تمہارے غلام! جو خود کھاؤ، وہی ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو، وہی ان کو پہناؤ۔ جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقام خون) باطل کر دیئے گئے، اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کا خون) ربیعہ بن الحرث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں، جاہلیت کے تمام سُود بھی باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سُود (عباسؓ بن عبدالمطلب کا سُود) باطل کرتا ہوں۔ عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ تمہارا عورتوں پر، اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔ ہاں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پُرس کرے گا۔ ہاں! مجرم اپنے جُرم کا آپ ذمہ دار ہے۔ ہاں، باپ کے جُرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں، اور بیٹے کے جُرم کا جواب دہ باپ نہیں...... اگر کوئی حبشی بنی بریدہ غلام بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو اللہ کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرماں برداری کرو...... میں تم میں ایک چیز چھوڑ جاتا ہوں۔ اگر تم نے اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہو گے۔ وہ چیز ہے کتاب اللہ...... جو لوگ اس وقت موجود ہیں، وہ ان کو سنا دیں جو موجود نہیں۔“

آخری جُملہ واضح طور پر بتائے دے رہا ہوں کہ آنحضورﷺ کی زبان مبارک سے ادا شدہ یہ ”بین الاقوامی منشور“ قیامت تک، سینہ بہ سینہ اور تحریر بہ تحریر ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتا رہے گا۔ ہمیں رسولِ کریم ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ منشور سننے کا شرف تو حاصل نہیں، لیکن یہ کیا کم ہے کہ ہم اُن کے حضور ”مومن“ کا یہ شمارہ خوشبودار پھولوں کے گلدستے کی طرح بطور ہدیہ عقیدت پیش کرتے ہوئے، آپ ﷺ کا پیغام نسل در نسل پھیلانے کی تحریک میں بقدرِ ہمت شریک ہیں۔ ہزاروں درود و صلوٰۃ ہوں آپ ﷺ کی ذات والا صفات پر۔

خاکپائے رسول ﷺ

غلام رسول شاہد

ربیع الاوّل

ربیع الاوّل اسلامی کیلنڈر کا تیسرا مہینہ ہے۔ اس کے لغوی معنی ''پہلی بہار'' کے ہیں۔ گلشن کائنات میں اصل فصل بہار حضور ﷺ سرور کائنات ہی کے دم قدم سے آئی۔ آپ ﷺ اس ماہ مبارک کے نویں روز اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئے جو تاریخ عالم کا اہم ترین واقعہ ہے۔ کائنات پر اللہ رب العزت کی یہ رحمت واحسان ۱ عام الفیل بمطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء بروز پیر صبح صادق کے وقت ہوا۔

آفتاب رسالت کا طلوع اور بشارت وحی بھی ۹ ربیع الاوّل ۴۱ عام الفیل بمطابق ۹ فروری ۶۱۰ء کو ہوئی۔ آپؐ نے مدینہ المنورہ میں مسجد قبا کی بنیاد اسی ماہ کی آٹھ تاریخ ۱ھ بمطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء کو اپنے دست مبارک سے رکھی۔ مسجد نبوی شریف کی تاسیس مسجد قبا کا سنگ بنیاد رکھے جانے کے گیارہ روز بعد اس ماہ عظیم کی ۱۹ تاریخ یعنی اکتوبر ۶۲۲ء میں ہوئی اور اذان کی باقاعدہ ابتدا بھی اس روز سے ہوگئی۔ حضور سرور کائنات نے اس ماہ بابرکت میں داعی اجل کو لبیک کہا اور یوں حضرت صدیق اکبرؓ اسی ماہ کی ۱۲ تاریخ کو مسند خلافت رسولؐ پر تشریف فرما ہوئے۔ حضرت سلمانؓ فارسی، حضرت امام حسنؓ بن حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سمیت کئی ایک مکرم صحابہ اور بہت سی بزرگ ہستیاں اسی ماہ مبارک میں دنیا سے رخصت ہوئیں۔

تاہم اس ماہ بہاراں کی سب سے بڑی شان بہارِ دوجہاں، سرور کونین، تاجدار مدینہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آمد مبارک ہے۔ اس لئے ہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ اللہ کے حضور آپ ﷺ کی آمد مبارک کے حوالے سے سجدۂ شکر ادا کریں۔ اپنے پیارے نبی کریم ﷺ کے درجات کی بلندی کے لئے خوب صدقہ خیرات دیں اور غریب بہن بھائیوں کو عید میلاد کی خوشیوں میں شامل کریں۔

تلاوت کلام پاک کثرت سے کریں اور اس کا ایصال ثواب حضور سرور کائنات ﷺ، آپ ﷺ کے اہل ایمان آباؤاجداد، آپ ﷺ کے اہل بیت، ازواج مطہرات، آپ ﷺ کے صحابہ کبار، شہداء اسلام اور آپ ﷺ کا اتباع کرنے والے اولیائے اکرام، صوفیائے عظام، صدیقین، صالحین اور مبلغین اسلام کی ارواح مقدسہ کو پہنچائیں۔

توبہ استغفار کثرت سے پڑھیں کہ دعائے مغفرت اللہ کی رحمتوں کے حصول کی کنجی ہے۔ حضور سرور کائنات ﷺ پر کثرت سے درود شریف بھیجیں۔ سلام بھیجنے والوں پر ہی سلامتی لوٹائی جاتی ہے۔ سورۂ کوثر تواتر سے پڑھیں۔ تہجد اور قیام الّیل کے نوافل ادا کریں اور حضور اقدس ﷺ کی روح مبارکہ کو ایصال ثواب پہنچائیں درود شریف میں سب سے اچھا اور جامع درود شریف درود ابراہیمی یعنی نماز میں پڑھا جانے والا درود شریف ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ ﴿١﴾
فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنْحَرْ ﴿٢﴾
إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ ٱلْأَبْتَرُ ﴿٣﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿١﴾ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِیْمِ ﴿٢﴾ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿٣﴾ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ
اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ﴿٤﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِیْمَ ﴿٥﴾ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ﴿ۙ۬﴾ غَیْرِ
الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ﴿٧﴾

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم

غلام رسول شاہد (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)

جس طرح پھول اور پھل اپنے درخت کی پہچان ہوتے ہیں اسی طرح انسان کے اخلاق، اُسکے ایمان اور کردار کے گواہ ہوتے ہیں انسان چونکہ تعقل پسند حیوان ہے اور اپنے خصائل واعمال کی بنیاد عقل پر رکھنا چاہتا ہے اسلیئے بیشتر دانشوروں بالخصوص مغربی فلسفیوں کی طرح کفار مکہ نے بھی اخلاق کو باطنی طینت اور تطہیر نفس کی بجائے فلسفے اور عقل وعلیت کا حصہ سمجھا۔ یوں مبالغہ آرائی، جھوٹی مسکراہٹ، ہوشیاری، چالاکی، خوشامد، چاپلوسی اور زبانی جمع تفریق سے دوسروں کا دل جیتنے اور انہیں اپنے مطلب پر قائل کرنے کو بہتر اخلاق سمجھتے رہے شاید یہی وجہ تھی کہ انہوں نے حضور سرور کائنات احمد مجتبیٰ ﷺ کے اخلاق عالیہ، اُن کی شرافت وصداقت اور رب کریم کی اطاعت اور عبادت کو جنون سمجھا جس کے جواب میں اللہ ربُّ العزت نے سورۃ القلم میں اعلیٰ اخلاق کا معیار ہی حضور اقدس ﷺ کی ذات گرامی کو قرار دے دیا اور فرمایا: ''بیشک حضور سرور کائنات ﷺ اخلاق کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہیں۔'' اور آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کا ہر گوشہ اخلاق حسنہ کی اعلیٰ مثال ہے۔

اخلاق کے حوالے سے یہودی فلاسفر سپائی نوزا نے انسان کو نفس پرست قرار دیتے ہوئے فلسفۂ اخلاق کو انسانی خواہشات اور تحفظِ ذات تک محدود رکھا۔ یوں اُسکا فلسفۂ اخلاق صرف ایک سوال کے گرد گھومتا ہے کہ انسان تحفظِ ذات اور انانیت پسندی کے حوالے سے کمال تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ سپائی نوزا کے نزدیک ایثار و قربانی کے جذبے لغو اور بے معنی ہیں جو انسان صرف اپنی ذاتی تشفی کیلیئے استعمال کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ سپائی نوزا کے پیروکار بالخصوص یہود و ھنود کی تمام زندگی خودغرضی اور خودساختہ انانیت کے کے گرد گھومتی ہے۔

برطانوی فلاسفر جوزف بٹلر جو ایک پادری تھا۔ عقل کو اخلاق کا مرکز قرار دیتا ہے۔ اُسکے نزدیک انسانی ذہن ایک گھڑی کی مانند ہے جس میں مختلف جبلتیں اور اصول ہیں مگر وہ سب مختلف و متضاد ہونے کے باوجود آپس میں مربوط ہیں۔ بٹلر کے نزدیک کوئی بھی خواہش بذاتِ خود بُری نہیں ہوتی۔ البتہ اُسکا حد سے تجاوز کرنا برائی ہے۔ اُسکے نزدیک ہر وہ فعل جو فطرت کے مطابق ہو وہ نیکی ہے اور ہر وہ کام جو فطرت کے خلاف ہو وہ برائی ہے۔ دوسری طرف ڈیوڈ ھیوم کے نزدیک اخلاقیات کا مرکز لذت اور خوشی ہے لیکن ڈیوڈ خود ساری عمر تشکیکی رویہ کا حامل رہا اور اپنا قطعی نقطۂ نظر مرتے دم تک ثابت نہ کر سکا۔ نہ ہی وہ یہ سمجھا سکا کہ لذت اور خوشی سے مراد اپنی ذات کی خوشی ہے، اپنے کسی چاہنے والے کی یا معاشرے کی؟۔ نتیجتاً آج یورپ کی بیشتر آبادی اخلاقیات کے حوالے سے تشکیک و تذبذب کا شکار ہے بلکہ درست بات تو یہ ہے کہ اندرونی طور پر یورپ کا اخلاقی دیوالیہ نکل چکا ہے۔

جرمن فلاسفر کانٹ فرضیت کے احساس اور عقل کو اخلاق کی بنیاد قرار دیتا ہے اور احساسات کو اخلاقی دنیا سے الگ سمجھتے ہوئے اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ جبکہ اسلام اپنا مکمل، مستقل بالذات اخلاقی نظام رکھتا ہے۔

انسان کے اندر فطری حس بعض صفات کو پسند اور بعض کو ناپسند کرتی ہے البتہ دنیا کے تمام معاشرے جس شے پر متفق نظر آتے ہیں وہ حُسن اخلاق ہے۔

ہر تہذیب و تمدن میں سچائی، عدل و انصاف، عہد کی پاسداری امانت و دیانت، صبر و تحمل، عفو و درگزر، استقلال و بردباری، شجاعت و بہادری، فرض شناسی، وفا شعاری کو ہمیشہ تعریف کا مستحق سمجھا گیا۔ اور جھوٹ، ظلم قتل و غارت، چوری چکاری، جھوٹ و فریب، مکاری اور عیاری، بدعہدی، بے حیائی، بدنظمی، خودغرضی، سنگدلی، بخل اور تنگ نظری، بے صبری، چھچھورے پن، بزدلی، کم ظرفی، بدتمیزی، کام چوری اور غیر ذمہ دارانہ رویوں کو کبھی اچھی نگاہ سے نہ دیکھا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعلیٰ اخلاق وہ عالمگیر حقیقت ہے جسے قرآن حکیم میں نیک اعمال، ''عمل الصالحات'' کہا گیا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

''نیکی صرف یہ نہیں کہ تم مشرق اور مغرب کیطرف منہ کرلو ہاں اصل نیکی یہ ہے کہ ایمان لایا جائے اللہ اور یومِ آخرت اور فرشتوں اور کتابوں اور پیغمبروں پر۔ اور مال دیا جائے اللہ کی محبت میں اور حق ادا کیئے جائیں اپنے والدین رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں۔ راہ گزینوں اور سائلوں کے اور گردنیں چھوڑانے میں

اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں اور اپنا قول پورا کریں جب عہد کریں، اور صبر والے مصیبت اور سختی میں اور جہاد کے وقت۔ وہی تو ہیں جو صادق ہیں اور متقی۔'' (البقرۃ)

یوں قرآن کی رو سے اخلاق حسنہ کی بنیادی تعریف ایمان اور نیک اعمال یعنی حقوق کی خوشی کیساتھ ادائیگی ہے۔ ہر انسان صبح وشام جو اعمال کرتا ہے ان کا تعلق یا صرف اپنی ذات سے ہوتا ہے یا اللہ تبارک وتعالیٰ سے یا مخلوق خدا سے انسان کے وہ افعال جن کا تعلق اُسکی اپنی ذات سے ہو حقوق ذاتی یا حقوق نفسی کہلاتے ہیں وہ افعال جن میں ان کا واسطہ اللہ رب العزت سے ہو وہ حقوق اللہ اور وہ افعال جن کا تعلق معاشرے کے دیگر افراد سے ہو وہ معاملات یا حقوق العباد کہلاتے ہیں۔'' ان حقوق یعنی حقوق نفسی، حقوق اللہ اور حقوق العباد کو انسان جس طریقے اور نہج سے ادا کرتا ہے اسکا نام اخلاق ہے۔'' مثلاً اگر کوئی شخص ان حقوق کی ادائیگی نرمی، خوش اسلوبی اور خوشی سے ادا کردے تو وہ خوش خلق کہلائے گا اور اگر کوئی شخص یہ حقوق سختی، درشتی، تنگ نظری، بدسلوکی، کراہت سے ادا کرے یا سرے سے ادا ہی نہ کرے تو وہ بداخلاق اور ظالم ہوگا۔ ہر انسان، خاندان، قوم اور قبیلے کا ان حقوق سہ گانہ کو ادا کرنے کیلئے کوئی طریقہ یا دستور ہوتا ہے۔ یہ دستور جس قدر جامع اور قوم کے ذہنی، جسمانی، قلبی و روحانی مقتضیات کے مطابق اور نقائص سے پاک ہو وہ قوم اتنی ہی طاقتور اور خوشحالی ہوتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ اُس قوم کے تمام افراد اس دستور کو خوش دلی سے اپنائیں اور اسی کے مطابق زندگی گزاریں۔ جیسا کہ ہم مسلمانوں کا اصل دستور زندگی اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا کردہ الہامی کتاب قرآن مجید ہے جو مکمل ترین اور بے نقص دستور ہے۔

ہم مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والوں اور نماز میں

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبٰتُ

پڑھنے والوں کو اس بات کا یقین محکم ہونا چاہیے کہ اللہ جس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا وہی ہم سب کا رب، مالک اور الٰہ ہے۔ زندگی وموت سب خدا کے ہاتھ میں ہے اس لیے اللہ کی محبت، اطاعت، شکر اور خوف ورجا کو اپنے دل میں بسایا جائے۔ یعنی ان تمام احکام پر کمہ حقہٗ عمل کیا جائے جو حقوق اللہ، حقوق نفسی اور حقوق العباد کے حوالے سے قرآن کریم میں مذکور ہیں۔

قرآن حکیم ہر زمانے کے ہر انسان کیلئے مکمل ضابطۂ اخلاق ہے، جس کی بنیاد عقیدۂ توحید و رسالت اور آخرت پر یقین ہے۔ عبادات، معاملات اور حسن معاشرت سب کا محور ومرکز عقیدہ توحید ہے۔ قرآن کی رو سے انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ کی عبادت وبندگی ہے۔ نماز برائیوں سے روکتی اور سلامتی کا خزینہ ہے تو زکوۃ فلاح وبہبود کی کنجی، روزہ طہارت وتقویٰ اور تزکیۂ نفس کا ذریعہ ہے تو حج بیت اللہ شریف روحانی بالیدگی کا ضامن! قانون حلال وحرام، انسان کی حفاظت اور امن وسلامتی کیلئے عطا ہوئے اور حسنِ معاشرت تو نام ہی ایک پر امن اور خوشحال معاشرے کا ہے۔ حقوق نفسی کے حوالے سے حکم الٰہی ہے کہ

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ

'' کہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو''۔

یعنی اس کی حفاظت کرو نفس کی تربیت تو لازم ہے مگر ہلاکت درکار نہیں! سچائی، صبر وشکر، عفو و درگزر، ایثار و قربانی، حسن سلوک، عدل واحسان، امانت و دیانت، ایفائے عہد اور دعوت الی اللہ یعنی اپنی اصلاح کیساتھ اپنے عزیز واقارب اور معاشرے کی فلاح و اصلاح، اخلاقیات کے اصل ستون ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

''لوگوں کو دانش ونصیحت یعنی حکمت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ۔'' (سورۃ النحل۔ 125)

رشتہ داروں محتاجوں اور مسافروں کو انکا حق ادا کرو اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ کہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا کفران کرنے والا ناشکرا ہے اگر تم اپنے پروردگار کی رحمت کے انتظار میں، جس کی تمہیں امید ہو اُن کی طرف یعنی مستحقین کی طرف توجہ نہ کرسکو تو ان سے نرمی سے بات کہہ دیا کرو اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا کرلو اور نہ بالکل کھول دو کہ ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔'' (بنی اسرائیل 26 تا 29)

'' اور جب کوئی چیز ماپ کر دینے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو اور ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو۔ یہ بہت اچھی بات اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت اچھی ہے اور جس چیز کا تجھے علم نہیں اسکے پیچھے نہ پڑ۔ کہ کان اور آنکھ اور دل، ان سب سے باز پرس ہوگی اور زمین پر اکڑ کر نہ چل کہ تو زمین کو پھاڑ تو نہیں ڈالے گا اور نہ لمبا ہو کر پہاڑ تک پہنچ جائے گا ان سب کی برائی تیرے پروردگار کے نزدیک سخت ناپسند ہے'' (بنی اسرائیل ۳۵ تا ۳۸)

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ
اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۔ اِنَّ الشَّيْطٰنَ
كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ○

ترجمہ: اور میرے بندوں سے کہہ دو کہ ایسی باتیں کہا کریں جو بہت پسندیدہ ہوں کیونکہ شیطان ان میں فساد ڈلوا دیتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے'' (بنی اسرائیل ۵۳)

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۔

ترجمہ: اور بری بات کے جواب میں ایسی بات کہو جو نہایت اچھی ہو۔ (المومنون ۹۶)

'' اور وہ لوگ جو تم میں صاحب فضل اور صاحب وسعت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ رشتہ داروں اور محتاجوں اور وطن چھوڑ کر جانے والوں کو کچھ

خرچ نہیں دیں گے ان کو چاہئے کہ معاف کردیں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ خدا تم کو بخش دے؟ اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ (النور:۲۲)

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْناً وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰماً O

ترجمہ: اور خدا کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے گفتگو کرتے یعنی الجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو سلام کہتے یعنی کنارہ کش ہو جاتے ہیں (الفرقان:۶۳)

''اور جب بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو ہمارے اعمال اور تم کو تمہارے اعمال۔ تمکو سلام ہم جاہلوں کے خواستگار نہیں ہیں۔ (القصص:۵۵)

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَّقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ O

ترجمہ: ''اور اس شخص سے اچھا کون ہو سکتا ہے جو خدا کی طرف بلائے اور عمل نیک کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔'' (حم سجدہ:۳۳)

''مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے، ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں اور عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو۔ ایمان لانے کے بعد برا نام گناہ ہے اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔ اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے کیا تم میں کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے ضرور نفرت کرو گے۔ خدا کا ڈر رکھو بے شک خدا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔'' (الحجرات:۱۱-۱۲)

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ط اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ط

ترجمہ: ''جو صغیرہ گناہوں کے سوا بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں بے شک تمہارا پروردگار بڑی بخشش والا ہے۔'' (النجم:۳۲)

وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ''

ترجمہ: اور اگر معاف کردو اور درگزر کرو اور بخش دو تو خدا بھی بخشنے والا مہربان ہے۔ (التغابن:۱۴)

حضور نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی مہربانی سے تمہاری افتاد مزاج ان لوگوں کے لئے نرم واقع ہوئی ہے اگر تم تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے تو ان کو معاف کردو اور ان کیلئے مغفرت مانگو اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ کرلیا کرو اور عزم مصمم کرلو تو خدا پر بھروسہ رکھو بے شک اللہ بھروسہ رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (آل عمران:۱۵۹)

پھر لوگوں سے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد ربانی ہے

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

ترجمہ: ''تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے مہربان ہیں'' (توبہ:۱۲۸)

سورۃ انبیاء میں ارشاد ہے کہ:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ O

ترجمہ: ''اے محمدؐ! ہم نے تم کو جہان (عالمین) کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔''

بلاشبہ حضور خاتم النبیین رحمت للعٰلمین اور رؤف الرحیم ہیں، مہربان اور نرم رو اور مجسم اخلاق حسنہ!!

آنحضرتؐ کی رحمت و شفقت کے ایک یا دو نہیں سینکڑوں واقعات موجود ہیں۔ سورۃ بقرہ میں اس واقعہ کا حوالہ پیش کیا گیا ہے جب غزوہ تبوک کے مجاہدین کیلئے حضورؐ کی جانب سے سامان جہاد کی فراہمی کی اپیل کی گئی جس سے جو بن پڑا اس نے کیا لیکن منافقین کا رویہ عدم تعاون ہی کا تھا بلکہ اگر کوئی مال لیکر حاضر ہوتا تو منافقین اس کا مذاق اڑاتے۔ مگر حضور سرکار دو عالم کے دہن مبارک سے کسی کے لئے بد دعا نہ نکلی اور وہ صحابی جس کے غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے پر اللہ ناراض ہوا آپؐ نے ان کی قبولیت کے لئے چالیس روز تک اللہ سے گڑگڑا کر دعا مانگی جس پر اللہ رب العزت نے آپؐ کا مومنین پر رؤف رحیم ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ آپؐ کی ذات گرامی عورتوں مردوں، بوڑھوں بچوں حتیٰ کہ کفار کے لئے بھی رحمت تھی آپؐ تبلیغ دین کے لئے طائف تشریف لے گئے تو طائف کے سرداروں نے آپؐ کی شان میں بے حد درجہ گستاخیاں کیں۔ بستی کے غنڈے آپؐ کے پیچھے پڑ گئے اور آپؐ پر پتھروں کی بارش کردی نتیجتہ آپؐ لہولہان ہو گئے۔ مگر اہل طائف کے لئے بددعا نہ کی!

ہجرت سے قبل جو مظالم آپؐ اور آپؐ کے صحابہ کرام پر اہل مکہ نے ڈھائے ان کو دھرانے ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں مگر فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے سب دشمنوں کو محض اللہ کی رضا و خوشنودی اور دین کی سربلندی اور فروغ کی خاطر معاف کردیا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (سورۃ الاعراف:۱۹۹)

ترجمہ: پکڑ درگذر کو اور حکم کر ساتھ بہتر کے اور منہ پھیر لے جاہلوں سے۔

ارشاد ربانی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا O (سورۃ احزاب:۲۱)

ترجمہ:"تمہارے لئے نبی کریم کی زندگی میں ایک بہترین نمونہ ہے پس جسے اللہ سے ملاقات اور قیامت پر ایمان ہے تو چاہئے اللہ کا ذکر کثرت سے کرے۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور سرور کائنات کی زندگی کو اہل ایمان کے لئے ایک بہترین نمونہ قرار دیا اور یہ بات بھی باور فرمادی کہ انسان کی کامیابی وکامرانی آپؐ کے اسوۂ حسنہ پر چلنے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے میں ہے۔ سبحان اللہ کہ کس شان سے ایک مومن کا منشور زندگی صرف ایک آیت مبارکہ میں بیان کردیا گیا مومنین کی زندگی کا اصل دستور عمل قرآن مجید ہے اور حضور سرور کائنات ﷺ چلتا پھرتا قرآن۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے کسی صحابی نے آپؐ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا تو جواباً حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا"کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا"؟ قرآن مجید میں جس قدر اخلاقی صفات اپنانے کا حکم موجود ہے وہ سب اوصاف وفضائل آپؐ کی شخصیت اقدس میں بدرجہ اتم موجود تھے اور جن باتوں سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے منع فرمایا ان میں سے کوئی ایک بات شائبہ کی حد تک بھی آپؐ کے قریب سے نہ گزری حضور نبی کریمؐ کا ایک قول مبارک ہے:

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ یعنی اللہ کے اخلاق اپناؤ کیا خوب صورت تفسیر ہے حکم الٰہی کی کہ اللہ کا رنگ اپناؤ

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ O (البقرۃ:۱۳۸)

ترجمہ:"اللہ کا رنگ اپناؤ اللہ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ ہے اور ہم ان تمام رنگوں اور صفات کا اقرار کرتے ہوئے اسی کے عبادت گزار بندے ہیں"

عفو ودرگزر، بخشش ونجات، پرورش وتربیت نرم مزاجی، اچھی اور کھری بات، عدل واحسان رحمت وشفقت! اخلاق عالیہ نہیں تو کیا ہے؟۔ چنانچہ اللہ حکم دیتا ہے عدل واحسان کا قرابت داروں کی دیکھ بھال کا اور منع کرتا ہے بے حیائی۔ منکرات اور ظلم سے پس تعلیم اخلاق، اسلام کی تعریف بھی ہے اور بعثت مبارکہ کا مقصد اولیٰ بھی، چنانچہ اللہ رب العلمین نے آپ کی بعثت مبارکہ کے مقاصد بیان فرماتے ہوئے سب سے بڑھ کر زور ہی تزکیہ نفس یعنی مکارم اخلاق پر دیا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔ (البقرۃ:۱۳۸)

فَاذْكُرُوْنِىْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِىْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ O (البقرۃ:۱۵۲)

ترجمہ:"اور ہم نے آپ کے لئے آپ ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو کلام پاک کی آیات تلاوت فرماتا، آپکا تزکیہ فرماتا، آپکو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا اور وہ کچھ سکھاتا ہے جو آپ نہیں جانتے پس ہمارا یعنی اللہ کا ذکر کرو اللہ تمہیں یاد رکھے گا اور اللہ کا شکر بجالاؤ اور کفر مت کرو۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ

"اور ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب یعنی قانون اور میزان کو نازل کیا تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوجائیں۔"

تیسری جگہ ارشاد ہوتا ہے!

هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ O

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کردے خواہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔

چنانچہ بعثت مبارکہ کے بعد تبلیغ کے ابتدائی مراحل ہی میں حضور نبی کریمؐ نے ایک وفد سے بات چیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا!

اگر تم وہ قبول کرلو جسے میں پیش کررہا ہوں تو اس میں تمہاری دنیا اور آخرت دونوں کی بہتری ہے۔

آپ کا پیغام اور منشور ہمہ گیر، عالمگیر اور جامعیت سے بھرپور ضابطہ اخلاق ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ کا بنیادی مقصد ہی تزکیہ اخلاق ہے۔ تلاوت کلام پاک، کتاب وحکمت کی تعلیم، ذکر الٰہی اور اللہ کا شکر بجالانا اخلاق حسنہ نہیں تو اور کیا ہے؟ چنانچہ حضورؐ کی سیرت مبارکہ اخلاق حسنہ ہی کا دوسرا نام ہے اگر یوں کہا جائے کہ تمام آسمانی مذاہب اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے مبعوث کردہ سبھی پیغمبر اخلاق عالیہ کے فروغ کے لئے اس دنیا میں تشریف لائے تو مبالغہ نہ ہوگا اللہ تعالیٰ کو الٰہ واحد ماننا اور اسکی عبادت کرنا عین اخلاق حسنہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو رب الناس، ملک الناس اور الٰہ الناس مانتے ہوئے، اپنی زندگی وبندگی اسی کے نام کر دینا ہی اخلاق عالیہ ہے انسان وہی ہے جو اپنے محسن اور منعم حقیقی کو پہچان لے، اسکی قدر کرے اور اس کا شکر بجالائے چونکہ اخلاق کا معنی ہی کسی کا حق خوشی خوشی ادا کرنا ہے لہٰذا جب حق کی ادائیگی کی بات آتی ہے تو انسان پر سب سے پہلا حق اُسی رب العلمین کی عبادت وبندگی ہے۔

حضور سرور کائناتؐ نے اپنی بعثت مبارکہ کا مقصد ہی اچھے اخلاق کی تکمیل بتایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ (مجھے بہترین اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ:

فَاِنَّ خُلُقَ نَبِیِّ اللّٰہِ ﷺ کَانَ الْقُرآن (نبی اکرم کا خلق تو سراسر قرآن پاک ہے (مسلم شریف)
فرائض منصبی ہوں، حقوق اللہ یا حقوق العباد، کسی بھی انسان کا کوئی قول فعل یا خیال دائرہ اخلاق سے باہر نہیں ہوتا کہ اخلاق تو نام ہی انسان کے فضائل واعمال کا ہے جو اپنے فرائض یعنی اپنے ذمے دوسروں کے حقوق خوشی اور تندہی سے کما حقہٗ ادا کرے وہ اعلیٰ اخلاق کا مالک اور جو ناک بھوں چڑھائے، حقوق کی ادائیگی میں بخل، کوتاہی یا بے رخی اور غفلت برتے وہ بد اخلاق ہوتا ہے۔
اخلاق کے موضوع اور اس کی تعریف پر دنیا بھر کے دانشوروں اور فلسفہ دانوں نے نہ جانے کیا کچھ لکھ ڈالا مگر تربیت نفس اور مکارم اخلاق کا جو سہرا اللہ رب العزت نے آپؐ کے سر سجایا وہ کسی اور ذی روح کو نصیب ہوا نہ ہوگا۔

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم

اپنے پرائے دوست دشمن سب آپ کی اخلاقی عظمت کی گواہی دیتے ہیں ۔ نبوت کے ابتدائی دور میں حضرت ابوذر غفاریؓ کے بھائی آپ کی خدمت حاضر ہوئے تو سب سے زیادہ متاثر وہ آپؐ کے اخلاق عالیہ ہی سے ہوئے ۔ اسلام کے اس ابتدائی دور میں جب مسلمان حبشہ کو ہجرت کر گئے تو حبشہ کے بادشاہ ہرقل کے دربار میں حضرت جعفر طیار آپ کی تعلیم کی گواہی آپؐ کے سچ بولنے، خونریزی سے منع کرنے، یتیموں کا مال نہ کھانے اور پاک دامنوں پر تہمت نہ لگانے جیسی اعلیٰ اخلاقی صفات سے دی۔ دوسری طرف ابوسفیان جو اس وقت دشمن اسلام تھے انہوں نے بھی اس بات کی شہادت دی کہ آپ توحید اور عبادت الٰہی کیساتھ پاک دامن رہنے، سچ بولنے اور قرابتداروں کا حق ادا کرنے کی نصیحت فرماتے ہیں
صفا کی پہاڑی پر دی جانے والی دعوت اسلام کے موقع پر آپ کا قریش مکہ سے یہ سوال کہ اگر میں یہ کہوں کہ ابھی اس پہاڑی کے پیچھے سے ایک بڑا لشکر آپ پر حملہ آور ہونے کو ہے تو کیا آپ لوگ اس بات کو تسلیم کر لیں گے جواباً بھی حاضرین نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہاں، ہم آپ کی بات سچ مان لیں گے کہ آپؐ صادق و امین ہیں اور آپؐ نے زندگی بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ یہی صداقت وامانت آپؐ کے اخلاقِ عالیہ کی اصل بنیاد ہے اخلاقیات عملی اور اطلاقی فلسفہ ہے جس کا مرکز انسان کا قلب اور بنیادی منبع مذہب ہے۔ اور مذہب کا خاصا یہ ہے کہ اس کے اصول ضوابط کی اساس عقول کی بجائے ''اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْف اور نَهِیٌ عَنِ الْمُنْكَر'' ہے۔ یوں اعلیٰ اخلاق ایمان کی بنیاد پر کی گئی نیکی کا نام ہے اور بداخلاقی، مذہب سے بیگانگی اور شر پسندی کا نام۔
اعلیٰ اخلاق تقویٰ کی معراج ہے اور بد اخلاقی فسق و فجور کی نمائندہ! من حیث الفرد ہو یا من حیث القوم، جب تک معاشرے کے افراد کا اخلاق اچھا نہ ہو ایک ایسا معاشرہ قائم ہو ہی نہیں سکتا جو راحت وسکون اور امن و سلامتی اور خوشحالی کا مظہر ہو۔
آپ کو اللہ اَحْکَمُ الْحٰکِمِیْنَ نے کیا کیا فضل وکمال بخشے اسکا اندازہ صرف اس بات سے لگالیں کہ قرآن حکیم میں آپ کو ۱۰۲ صفاتی ناموں سے یاد فرمایا گیا اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْماً ○

یعنی آپؐ پر اللہ جل شانہ کا فضل عظیم ہے اور کیوں نہ ہو کہ آپ کی شان اخلاق اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم ہے۔ یعنی آپؐ کا اخلاق حمیدہ اتنا اعلیٰ ہے کہ آپ کو اخلاق جمیلہ کی تمام صفاتِ خیر پر تسلط حاصل ہے آپ ﷺ رحمتہ للعلمین، آپ ﷺ شفیع المذنبین، آپ ﷺ افضل الانبیاء، سید المرسلین اور سردار السالکین ہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم مسلمان جن کے لئے حضور اقدس کو اسوۃ حسنہ یعنی اخلاق حسنہ کا مکمل نمونہ بنا کر بھیجا گیا آپؐ کی اطاعت اور اتباع کے حوالے سے کہاں کھڑے ہیں ؟لہذا آپؐ کے امتی ہونے کے ناطے سے فرقہ واریت ، وعدہ خلافی ، جھوٹ، تکبر، انا پسندی، بخل، عیب جوئی اور غیبت وغیرہ کا تو ایک مسلمان مومن و مومنہ کیساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں ہونا چاہیئے! جس کے اخلاق عالیہ بہترین ہونگے اسے اتنا ہی قرب الٰہی اور معرفت و حکمت نصیب ہوگی اور اپنے رب کی معرفت وحکمت کے بغیر انسان کو نہ اللہ کی نعمتوں کی قدر ہوتی ہے اور نہ ہی اپنے خالق و مالک کی۔ اس لیے ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے محسن و منعم حقیقی کو پہنچانتے ہوئے اسی کے فرمانبردار اور شکر گزار بندے بن جائیں اور اپنے پیارے رسول کریم سرکار دو عالم فخر موجودات، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اخلاق عالیہ اپنائیں جو سچائی ، ایمانداری، قوت برداشت ، تدبر و فراست ، ثابت قدمی ، جرأت و بہادری، حیا، خوف خدا، عفو و درگزر، رحم لی، زہد و تقویٰ، سادگی، شفقت ، صلح پسندی، ضبط و صبر، طہارت و پاکیزگی، عدل و انصاف، قناعت وفیاضی، نرم مزاجی، وعدے کی پابندی، ہمدردی الغرض ہر اس خوبی سے مزین تھے جو اللہ کو پسند ہے۔

بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ
آپ ﷺ اپنے کمال کے سبب بلندی پر پہنچے
کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ
آپ ﷺ نے اپنے جمال سے اندھیروں کو دُور کر دیا
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ
آپ ﷺ نے تمام تر خصائل نہایت حسین ہیں
صَلُّوا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ
آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر درود وصلوات ہو
(شیخ سعدیؒ)

یہ سب تمہارا کرم ہے آقا ﷺ

محترمہ اُمِّ کلثوم خان

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ (الاحزاب:۲۱)

"درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔ ہراس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے"

اسوہٴ حسنہ سے مراد نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ ہے جو آپ نے بعثت کے بعد بحیثیت رسولؐ اللہ بسر کی۔ آپکی اس زندگی کو اللہ نے اہل ایمان کے لیے اسوہ حسنہ اور بہترین زندگی کا نمونہ فرمایا ہے۔ قرآن پاک میں سورہ "القلم" میں ارشاد ربانی ہے "وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ" "اور بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو" خلق لغت میں دوحرفی مفہوم رکھتا ہے طینت باطنی اور ظاہری سیرت اصطلاح عقلاء میں خلق وہ ملکہ نفسی ہے کہ جسے وہ ملکہ حاصل ہو اس کے لیے اچھے کام کرنا آسان ہو جاتا ہے اچھائی اور نیکی کو دل اور دماغ میں راسخ اور جاگزیں ہوجانے کے لیے طویل محنت اور ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے۔ خلق ایسی ہی کیفیت راسخہ کا نام ہے جس کی بنا پر اچھے کام سہولت سے سرزد ہو سکتے ہوں۔ حدیث قدسی ہے۔ کہ اگر تمہیں اطلاع دی جائے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل گیا ہے تو مان لو اور اگر تمہیں بتایا جائے کہ کسی مرد نے اپنی عادت چھوڑ دی ہے تو نہ مانو اگر اللہ چاہے تو اخلاق کو تبدیل فرمادے۔ دراصل انسانوں کی دو قسمیں ہیں۔ 1: جن کی عادت پختہ ہو چکی ہو اس کو کلی طور پر زائل کرنا مشکل ہے۔ تاہم مسلسل محنت اور ریاضت سے ان کا ازالہ کیا جاسکتا ہے۔ 2: جن کی عادتوں کی جڑیں گہری نہ ہوں اگر وہ لوگ محنت سے کام لیں۔ صالحین کی صحبت اختیار کریں تو وہ اچھے اخلاق جو کمزور ہوں وہ قوی ہو سکتے ہیں اور برے اخلاق جو قوی ہوں وہ کم بلکہ ختم ہو سکتے ہیں۔ انبیاء کرامؑ ومرسلین کا کام رشد وہدایت تعلیم وتربیت اور تزکیہ اخلاق ہے۔ اگر اخلاق میں تبدیلی ناممکن ہوتی تو یہ مبعوث ہی کیوں ہوتے؟۔ حدیث شریف میں تعلیم امت کے لیے یہ دعا آئی ہے۔ "اے اللہ مجھے بہترین اخلاق کی ہدایت فرما کہ بہترین اخلاق کی ہدایت تیری ہی عنایت ہے۔" اور برے اخلاق کو مجھ سے دور فرما کہ ان کا دور کرنا تیرا ہی کام ہے۔"۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جو ارفع واعلیٰ اوصاف دیگر انبیاء میں فرداً فرداً پائے جاتے تھے وہ سب مجموعی طور پر اللہ کے حبیب ﷺ میں پائے گئے خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ" یعنی قرآن ہی آپ ﷺ کا اخلاق ہے۔

آپ نے دنیا کے سامنے محض قرآن کی تعلیم ہی پیش نہیں کی بلکہ خود اس کا نمونہ بن کر دکھایا۔ نبوت ورسالت کی گراں بار ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے اللہ نے آپ ﷺ کو صبر، حلم، عفوو درگذر، شجاعت واستقامت، جود وسخا، عدل وانصاف، صداقت وامانت اور حسن معاشرت جیسے اوصاف حمیدہ ودیعت کرر کھے تھے۔ جو تبلیغ دین کا صحیح فریضہ ادا کرنے کے لیے انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔

حلم کا معنی یہ ہے کہ جب طیش دلانے والے اسباب پائے جائیں تو باوقار طریقے سے ان پر قابو پایا جائے۔

عفوو درگزر معاف کرنے کو کہتے ہیں

۔صبر کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ مصائب وآلام میں آہ وفغاں نہ کرنا اپنے آپ کو نیک کاموں کا پابند بنانا برے کاموں سے روکے رکھنا اور اپنے اندر اعلیٰ درجے کی قوت برداشت پیدا کرنا۔ نبی اکرم ﷺ تمام جہانوں کے لیے سراپا رحمت بن کر آئے آپ کی انتہائی آرزو یہ ہوتی کہ کفار ومشرکین ایمان کی دولت سے مالا مال ہو جائیں اور جہنم کے دائمی عذاب سے نجات پا کر جنت کی لازوال نعمتوں کے مستحق بن جائیں۔ لیکن جب انکار اور شدید مذمت کا مظاہرہ ہوتا تو آپ کے قلب اطہر کو شدید صدمہ پہنچتا اس کے باوجود آپؐ سلسلۂ تبلیغ جاری رکھتے اور اللہ کی طرف سے ارشاد ہوتا۔ اِفَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوْ الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ "ترجمہ تم صبر کرو جیسے اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔"

مشرکین آپ کو جادوگر، کاہن، مجنوں اور شاعر کہتے جور وجفا کی آندھیاں چلتی رہیں، جہالت

اور بدتمیزی کے طوفان اٹھتے رہے، کفار و مشرکین آپ ﷺ کی ذات کو نشانہ ستم بناتے رہے، صحابہ پر ظلم کے پہاڑ توڑتے رہے، گالیاں دیتے رہے، طعن و تشنیع کرتے رہے حتیٰ کہ پتھر برساتے رہے لیکن آپ نے اُف تک نہ کی ۔

طائف کا قصہ اور فتح مکہ کے موقع پر آپ کا قریش کو معاف کر دینا عفو و درگذر کی بہترین مثال ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا ''اے قریش! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے بارے میں کیا فیصلہ کرنے والا ہوں ۔زندگی میں پہلی مرتبہ سچ ان کی زبان پر آیا اور یک آواز بولے وہی جو ایک بہترین بھائی اور بہترین بھتیجے کا فیصلہ ہو سکتا ہے ۔'' رحمت اللعالمینؐ نے فرمایا'' جاؤ تم سب آزاد ہو'' اس خلق عظیم نے ان کے دلوں کو فتح کر لیا ۔اور وہ سب مسلمان ہو گئے۔

آپ ﷺ میں شجاعت واستقامت بدرجہ اُتم موجود تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت پر آپ ﷺ کو کامل بھروسہ اور ناقابل شکست اعتقاد تھا۔ابوطالب کے پاس قریش کا آنے اور آپؐ کو دین کی مخالفت سے منع کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا ''بخدا'' اگر میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لا کر رکھ دیں تو بھی میں دعوت اسلام کو ترک نہ کروں گا''۔

ظالم و جابر اور پیکر تکبر و رعونت سرداران قریش کے سامنے اعلی الاعلان دین اسلام کی دعوت دینا اور ان کے عقائد کی مخالفت کرنا انتہائی جرات و شجاعت کا کام ہے۔'' نجد کی طرف جہاد سے واپسی پر حضور ﷺ ایک درخت کے نیچے استراحت فرمارہے تھے کہ ایک کافر غورث بن حارث نے آپ ﷺ کی تلوار اٹھالی اور للکارتے ہوئے کہا تم کو اب میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ مجھے بچائے گا۔ یہ سن کر غورث پر ہیبت طاری ،ہوگئی اور اس کے ہاتھ سے تلوار گرگئی اس پر آنحضرت ﷺ نے تلوار اٹھاتے ہوئے بڑے باوقار لہجے میں اُسے کہا کہ اب تمہیں بچانے والا کون ہے؟ غورث پر کپکپی طاری ہو گئی اور اس نے گڑگڑاتے ہوئے کہا کہ آپ ﷺ تو حلم وصبر کے پیکر اور معاف کرنے والے ہیں ۔آنحضور ﷺ نے اُسے محض اللہ واسطے معاف فرما دیا۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ فوراً مسلمان ہو گیا۔''

جود وسخا یعنی بغیر کسی عوض اور غرض کے عطا کرنا یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے یا پھر اللہ کے بعد اس کے حبیب ﷺ کی۔ آپ ﷺ کی خدمت میں اگر کوئی سوالی آتا تو انکار نہ فرماتے ۔جو موجود ہوتا عطا فرمادیتے اور اگر نہ ہوتا تو شائستہ زبان میں معذرت کر لیتے یا قرض لے کر اس کی حاجت پوری کر دیتے آپ ﷺ کے پاس جو بھی ہدیہ اور نذرانہ آتا سب کا سب صدقہ اور خیرات کر دیتے۔

عدل وانصاف میں آپ ﷺ بے نظیر مقام رکھتے تھے اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی ذات اقدس انصاف وعدالت کا معیار ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

حنین کا مال غنیمت تالیف قلوب کے لیے قریش اور دیگر قبائل عرب کو دیا گیا انصار کو کچھ نہ دیا جسے انصار کے بعض افراد نے شدت سے محسوس کیا ۔حضور ﷺ نے انہیں طلب فرمایا اور مخاطب ہوئے کہ اے گروہ انصار کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ لوگ بکری اور اونٹ لے کر جائیں اور تم رسول اللہ ﷺ کو اپنے گھر لے جاؤ۔؟

''اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔اگر لوگ ایک راستے پر چلیں اور انصار دوسرے راستے پر چلیں تو میں انصار کی راہ چلوں گا۔اے اللہ انصار پر ان کے بیٹوں اور پوتوں پر رحم فرما''۔ یہ سن کر انصار پر رقت طاری ہو گئی ۔اور فرطِ مسرت سے ان کی آنکھیں اشک بار اور داڑھیاں تر ہو گئیں۔انہوں نے بیک زبان کہا ہم آپ ﷺ کی تقسیم پر راضی ہیں ،اور اس پر خوش ہیں کہ آپ ﷺ ہمارے حصے میں آ گئے۔

نبی اکرم ﷺ کے اخلاق عظیمہ اور شمائل جمیلہ کا یہ بہت ہی مختصر تذکرہ ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ جس کے خلق کو اللہ تعالیٰ عظیم فرمائے اسے کوئی انسان کما حقہ بیان ہی نہیں کرسکتا۔

غزوۂ بدر کے موقع پر مجاہدین کی صفین سیدھی کی جارہی تھیں حضرت سواد بن غضیہؓ صف سے کسی قدر آگے نکل کر کھڑے ہوئے حضور ﷺ نے ان کے سینے پر چھڑی سے سیدھا ہونے کے لیے فرمایا! سواد! 'سیدھے ہو جاؤ'۔انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے مجھے تکلیف دی اللہ نے آپ ﷺ کو حق وعدل کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے مجھے بدلا دیجئے۔صحابہ کرام حیران رہ گئے کہ اس وقت زندگی اور موت کا سوال ہے یہ بدلا لینے کا کونسا وقت ہے۔مسلمان تو آقائے دو جہاں ﷺ کے قدموں میں جان قربان کرنے کو سب سے بڑی سعادت سمجھتے

ہیں اور یہ سواد بدلا لینے کی بات کر رہے ہیں۔ جب کہ انہیں فوجی ڈسپلن برقرار رکھنے کے لیے کہا گیا اذیت پہنچانا مقصد نہ تھا لیکن یہ دیکھ کر صحابہ کرامؓ کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ حضور ﷺ نے اپنا گریبان کھول کر سینہ ننگا کر دیا اور فرمایا کہ سواد آؤ اور بدلا لے لو۔ حضرت سوادؓ آگے بڑھتے ہیں اور آپ کے سینے سے لپٹ جاتے ہیں انہوں نے عرض کیا حضور ﷺ حالات آپ کے سامنے ہیں زندگی کا پتہ نہیں میں نے سوچا دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے آپ کی جسد مبارکہ سے اپنا جسم مس کر لوں۔ محبت و عشق کا یہ منظر دیکھ کر مسلمان تو مسلمان فرشتوں پر بھی رقت طاری ہو گئی حضرت سوادؓ کا کہا سچ ثابت ہوا اور وہ شہید ہو گئے۔

نبی اکرم ﷺ کی زبان اقدس کا یہ اعجاز ہے کہ اس سے ہمیشہ سچ اور حق ہی صادر ہوا۔ آپ ﷺ کی صداقت نبوت کی دلیلوں میں سے ہے آپ کی صداقت وہ حقیقت مسلمہ ہے کہ آپ کے بد ترین دشمن بھی اس سے انکار نہ کر سکتے تھے۔ جب آپ ﷺ کا مکتوب گرامی قیصر روم کے پاس پہنچا تو اتفاقاً ابوسفیان بھی شام میں تھے قیصر روم نے انہیں بلا کر سوال کیا کہ کیا تم دعویٰ نبوت سے پہلے انہیں جھوٹ کا الزام دیا کرتے تھے۔؟ ابوسفیان نے ''کہا'' نہیں۔ قیصر نے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگوں کے بارے میں جھوٹ نہ بولیں اور اللہ کے بارے میں جھوٹ کہیں۔ ہجرت مدینہ کے وقت بھی آپ ﷺ کے پاس مشرکین کی امانتیں موجود تھیں جو بعد میں حضرت علیؓ نے مالکوں کے سپرد کیں۔

نبی اکرم ﷺ نے اس وقت درس مساوات دیا جب دنیا کے کسی گوشے میں اس کا تصور نہ تھا آپ ﷺ نے غلاموں کے بارے میں فرمایا یہ تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ نے تمہیں ان کا مالک بنایا ہے لہٰذا جو تم کھاؤ انہیں کھلاؤ اور جو تم پہنو انہیں بھی پہناؤ۔ انہیں ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دو اگر کسی ایسے حکم کا کام دو تو ان کی امداد کرو۔

غزوۂ احد میں بنو دینار کی ایک عورت کا شوہر باپ اور بھائی شہید ہو گئے صحابہؓ نے جب انہیں بتایا تو اُس نے پوچھا حضور ﷺ کا کیا حال ہے۔ صحابہؓ نے فرمایا خیریت سے ہیں اس مقدس خاتون نے کہا مجھے حضور ﷺ کی زیارت کراؤ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہی اس نے کہا کہ آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت چھوٹی ہے۔ مولا کریم ہمیں بھی ایسی محبت اور اخلاق عظیمہ کی توفیق نصیب فرمائے آپ ﷺ کے اخلاق والطاف نے دلوں کی دنیا فتح کی غیروں کو اپنا بنایا اور اپنوں کی صحبت اور عقیدت کو معراجِ کمال تک پہنچا دیا۔ نبی اکرم ﷺ کے خوان کرم سے کس کو حصہ نہیں ملا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو صداقت، حضرت عمر فاروقؓ کو حکمت و عدالت، حضرت عثمان غنیؓ کو سخاوت، حضرت علیؓ کو شجاعت، یاران نبیؐ کو صحابیت، حضرت ابن عباسؓ کو فقہاہیت، حضرت ابو ہریرہ کو حافظہ اور ہم تمام مسلمانوں کو دولت ایمان اور امت رسول ہونے کا شرف آپ ہی کی بارگاہ رسالت سے عطا ہوا۔

یہ سب تمہارا کرم ہے آقا
کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

حقیقت یہ ہے کہ تمام مخلوقات کو نعمت وجود آپ ہی کے طفیل سے ملی۔ قیامت کے دن تمام مسلمان آپ ﷺ ہی کی شفقت و شفاعت کے فیضان کے منتظر ہوں گے اور آپ ﷺ ہی سب کو آب کوثر سے سرفراز فرمائیں گے اللہ ہم سب مسلمانوں کو اپنے نبی محمد ﷺ کی طریقت اور شریعت اور اسوۂ حسنہ کو اپنانے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ دین کی سمجھ بوجھ اور شعور قرآن نصیب فرمائے، اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے اے اللہ نبی اکرم ﷺ پر ان گنت بے حساب درود و سلام بھیج اور ہم سب کو سچی پکی محبت اور دائمی ساتھ اپنے نبی ﷺ کا عطا فرما۔ فیضان رسول ﷺ سے ہمارے قلوب کو منور فرما اور نور محمدی ﷺ کے طفیل روشن پیشانیوں کے ساتھ اپنے حضور پیش ہونے کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ تو اور تیرا رسول ﷺ ہم سب مسلمانوں سے راضی اور خوش ہوں اور ہمارے ساتھ خیر کا معاملہ فرما۔

(آمین ثم آمین یارب العالمین)

انا للہ وانا علیہ راجعون

گزشتہ ماہ بہت سے احباب حلقہ کے قریبی عزیز انتقال فرما گئے جن میں ہری پور میں جمروز خاں کی والدہ، زرخان کی والدہ، لاہور میں چوہدری سلیم صاحب کی والدہ، بورے والا میں حافظ مظہر صاحب کے بھائی جناب اعجاز احمد، محمد اکرم کی والدہ اور موکھل سندھواں میں عابد حسین کے والد شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان سب کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

(شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)

حیاتِ طیبہ ﷺ

ماہ و سال کے آئینے میں

مرتبہ: سید قاسم محمود

مکی زندگی

عمر مبارک	واقعات	ترتیب زمانی
پہلا سال	ولادت رسول ﷺ	ترجیحی قول، بروز پیر، 9، ربیع الاول، مشہور روایت، بروز پیر 12 ربیع الاول، واقعہ فیل کے 93 یا 94 دن بعد
		18 ماہ دے............40 نوشیروانی
		25 ماہ برمودہ.........287 قبطی جدید
		22 اپریل..........571 عیسوی
		20 ماہ ہفتم..........2585 ابراہیمی
		یکم جیٹھ..........628 بکرمی شمس
		یکم جیٹھ..........3672 کلی جگ
		18 ماہ توت..........1319 بخت نصری
		10 ماہ ایار..........4331 عبرانی
پہلا سال	حضرت حلیمہ سعدیہ کی رضاعت	16 ربیع الاول۔ سن میلادی۔ 52 قبل ہجری 29 اپریل 571ء
دوسرا سال	مکہ معظمہ میں والدہ کے پاس	51 قبل ہجری۔ 573ء
تیسرا سال	واقعہ شقِ صدر (اوّل)	3 میلادی۔ 50 قبل ہجری۔ 574ء
چھٹا سال	بنی سعد سے واپسی	6 میلادی۔ 47 قبل ہجری۔ 577ء
چھٹا سال	والدہ سیدہ آمنہ کا انتقال	6 میلادی۔ 47 قبل ہجری۔ 577ء
چھٹا سال	دادا حضرت عبدالمطلب کے سایہ شفقت میں	6 میلادی۔ 47 قبل ہجری۔ 577ء
8 سال	حضرت عبدالمطلب کا انتقال	9 میلادی۔ 17 جمادی الاول، 44 قبل ہجری (عمر مبارک: آٹھ سال دو ماہ دس ن) 30 جون 579ء
8 سال	چچا حضرت ابو طالب کی کفالت میں	9 میلادی، 17 جمادی الاول، 44 قبل ہجری عمر مبارک آٹھ سال دو ماہ دس دن، 30 جون 579ء
12 سال	شام کا پہلا تجارتی سفر بحیرا راہب	13 میلادی، 19 جمادی الاول، 40 قبل ہجری 583ء (عمر مبارک، بارہ سال دو ماہ دس دن)
16 سال	جنگِ فجار میں شرکت	13 میلادی، 37 قبل ہجری، جون 586ء
16 سال	معاہدہ حلف الفضول میں شرکت	15 میلادی، ذی قعد، 37 قبل ہجری، دسمبر 586ء
16 سال	خدمت گلہ بانی	16 میلادی تا 24 میلادی، 38 قبل ہجری تا 27 قبل ہجری 587ء تا 594ء
25 سال	شام کا دوسرا تجارتی سفر نسطورا راہب	25 میلادی، 28 قبل ہجری، جولائی 595ء
25 سال	حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے نکاح	25 میلادی، 25 ربیع الاول، 27 قبل ہجری، ستمبر 595ء
28 سال	ولادت سیدنا قاسمؓ بن رسول ﷺ	28 میلادی، 25 قبل ہجری، جون 598ء
30 سال	ولادت سیدہ زینبؓ بنت رسول ﷺ	30 میلادی، 23 قبل ہجری، جون 600ء
30 سال	"صادق الامین" کا خطاب	30 میلادی، 22 قبل ہجری، 601ء
32 سال	ولادت سیدہ رقیہؓ بنت رسول ﷺ	32 میلادی، 20 قبل ہجری، 603ء
33 سال	ولادت سیدہ اُم کلثومؓ بنت رسول ﷺ	33 میلادی، 19 قبل ہجری، 604ء
35 سال	تعمیر کعبہ اور حجر اسود کے تنازع کا فیصلہ	35 میلادی، 18 قبل ہجری، 605ء
35 سال	ولادت سیدہ فاطمۃ الزہراؓ	35 میلادی، 18 قبل ہجری، 605ء
35 سال	سیدنا علی مرتضیٰ کفالتِ نبوی ﷺ میں	35 میلادی، 18 قبل ہجری، 605ء
36 سال	تخلیہ پسندی، غارِ حرا میں قیام	36 سال میلادی تا 39 میلادی، 17 قبل ہجری تا 14 قبل ہجری 606ء تا 609ء
41 سال	نزولِ وحی، نبوت کا آغاز	بروز پیر، 41 سال میلادی، 12 قبل ہجری، 9 ربیع الاول، سن نبوی کا آغاز، 9 فروری 610ء
41 سال	آغازِ نزولِ قرآن	شب جمعہ، 18 رمضان المبارک، سن 1 نبوی، 12 قبل ہجری، 14 اگست 610ء
41 سال	دو نمازوں کی فرضیت	شب جمعہ، 18 رمضان المبارک، سن 1 نبوی، 12 قبل ہجری، 14 اگست 610ء
41 سال	خفیہ دعوت کا آغاز	شب جمعہ، 18 رمضان المبارک، سن 1 نبوی، 12 قبل ہجری، 14 اگست 610ء
	سابقون الاولون حضرت خدیجہؓ حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت عثمانؓ کا قبول اسلام	
43 سال	کوہ صفا پر اعلانیہ دعوتِ اسلام	43 میلادی، 4 نبوی، 9 قبل ہجری، 614ء
43 سال	روسائے قریش حضرت ابو طالب کی خدمت میں	43 میلادی، 4 نبوی، 9 قبل ہجری، 614ء
43 سال	صحابہ کرامؓ پر قریش کے مظالم	43 میلادی، 4 نبوی، 9 قبل ہجری، 614ء
44 سال	دارارقم: دعوت و تبلیغ کا پہلا مرکز	44 میلادی، 5 نبوی، 10 قبل ہجری، 614ء
46 سال	صحابہ کرام کی ہجرتِ حبشہ	رجب 5 نبوی، 7 قبل ہجری، اپریل 615ء
46 سال	نجاشی کے دربار میں کفار مکہ کا وفد	5 نبوی، 7 قبل ہجری، 615ء
46 سال	چچا حضرت حمزہؓ کا قبول اسلام	ذی الحجہ، 6 نبوی، 7 قبل ہجری، 616ء
46 سال	حضرت عمر فاروقؓ کا قبول اسلام	ذی الحجہ، 6 نبوی، 7 قبل ہجری، 616ء
47 سال	شعب ابی طالب میں محصوری	یکم محرم بروز منگل، 7 نبوی، اپریل 617ء
49 سال	شعب ابی طالب سے رہائی	محرم 10 نبوی، 619ء
50 سال	حضرت ابو طالب کا انتقال	رمضان المبارک 10 نبوی، 3 قبل ہجری، جنوری 619ء

50سال	حضرت خدیجہ الکبریٰ کا انتقال	رمضان المبارک 10 نبوی، 3 قبل ہجری، جنوری 619ء
50سال	عام الحزن (غم واندوہ کا سال)	دس نبوی، 3 قبل ہجری، 619ء
50سال	حضرت سودہؓ سے نکاح	آخر رمضان المبارک 10 نبوی، 3 قبل ہجری فروری 619ء
50سال	حضرت عائشہ سے نکاح	شوال 10 نبوی، 3 قبل ہجری، مارچ 619ء
50سال	دعوت اسلام کیلئے سفر طائف	27 شوال 10 نبوی، 3 قبل ہجری، مارچ 619ء
50سال	قبائل و وفود کو دعوت اسلام	ذی قعد، ذی الحجہ 10 نبوی، 3 قبل ہجری، 619ء
50سال	مدینہ میں اسلام کا آغاز	ذی الحجہ، نبوی، قبل ہجری، آواخر 619ء
51سال	واقعہ معراج اور نماز پنج گانہ کی فرضیت	27 رجب، 10 نبوی، 2 قبل ہجری، 8 مارچ 620ء
51سال	طفیل بن عمرو دوسی اور ابوذر غفاری کا قبول اسلام	اختتام 10 نبوی، 2 قبل ہجری، 620ء
51سال	بیعت عقبہ اُولیٰ	ذی الحجہ، 12 نبوی، 1 قبل ہجری، جولائی 621ء
52سال	بیعت عقبہ ثانیہ	ذی الحجہ، 13 نبوی، تین ماہ قبل ہجری، جون 622ء
52سال	صحابہ کرامؓ کو ہجرت مدینہ کا حکم	ذی الحجہ، محرم 13 نبوی، تین ماہ قبل ہجری، جون 622ء
52سال	رسول کریم ﷺ کے قتل کی ظالمانہ قرارداد	صفر، 14 نبوی، چند ایام قبل ہجری، 622ء
52سال	کاشانہ نبوی ﷺ کفار کے نرغے میں	26,25 صفر، 14 نبوی، 12,11 ستمبر 622ء
53سال	ہجرت مدینہ کا آغاز	27 صفر، شب جمعہ، 14 نبوی، 12 ستمبر 622ء
53سال	مکہ سے غار ثور	27 تا 29 صفر، 14 نبوی، 12 تا 14 ستمبر 622ء
53سال	غار ثور سے روانگی	29 صفر، 14 نبوی، 14 ستمبر 622ء
53سال	قبا میں تشریف آوری	8 ربیع الاول 14 نبوی، 1 ہجری، 23 تا 26 ستمبر
53سال	تعمیر مسجد قبا	9 تا 11 ربیع الاول 14 نبوی، 1 ہجری، 23 تا 26 ستمبر 622ء
53سال	پہلی نماز جمعہ	12 ربیع الاول بروز جمعہ، 1 ہجری، 27 ستمبر 622ء

مدنی زندگی

53سال	مدینہ منورہ میں ورود مسعود	12 ربیع الاول بروز جمعہ، اہجری، 27 ستمبر 622ء
	کاشانہ حضرت ابوایوب انصاریؓ پر قیام	12 ربیع الاول بروز جمعہ، اہجری، 27 ستمبر 622ء
	مسجد نبوی کی تاسیس	19 ربیع الاول، اہجری، اکتوبر 622ء
	اذان کی ابتداء	19 ربیع الاول، اہجری، اکتوبر 622ء
	مہاجرین وانصار میں مواخات	ربیع الثانی، اہجری، نومبر 622ء
	میثاق مدینہ	جمادی الآخر، اہجری، مارچ 623ء
	سریہ سیف البحر	رمضان المبارک، اہجری، مارچ 623ء
	سریہ رابغ	شوال، اہجری، اپریل 623ء
	حضرت عائشہ صدیقہؓ کی رخصتی	شوال، اہجری، اپریل 623ء

	سریہ خرار	ذی قعد، اہجری، مئی 623ء
	ولادت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ	ذی قعد، اہجری، مئی 623ء
54سال	فرضیت جہاد	12 صفر، 2 ہجری، 15 اگست 623ء
	غزوہ ودان (ابوا)	صفر، 2 ہجری، 1 اگست 623ء
	غزوہ بواط	ربیع الاول، 2 ہجری، ستمبر 623ء
	غزوہ سفوان (بدر اُولیٰ)	ربیع الاول، 2 ہجری، ستمبر 623ء
	غزوہ ذوالعشیرہ	جمادی الآخر، 2 ہجری، دسمبر 623ء
54سال	سریہ نخلہ	رجب، 2 ہجری، جنوری 624ء
	حضرت سلمان فارسی کا قبول اسلام	رجب، 2 ہجری، جنوری 624ء
	تحویل قبلہ کا حکم	15 شعبان، 2 ہجری، اا فروری 624ء
	روزوں کی فرضیت	یکم رمضان، 2 ہجری، بروز اتوار، فروری 624ء
	غزوہ بدر	17 رمضان المبارک، 2 ہجری، مارچ 624ء
	وفات سیدہ رقیہ بنت رسولؐ	رمضان، 2 ہجری، مارچ 624ء
	غزوہ بنی سلیم	25، رمضان المبارک، 2 ہجری، مارچ 624ء
	پہلی نماز عید الفطر	یکم شوال، 2 ہجری، اپریل 624ء
	زکوٰۃ کی فرضیت	شوال 2 ہجری، اپریل 624ء
	حضرت فاطمہؓ کی رخصتی	شوال 2 ہجری اپریل 624ء
	غزوہ بنو قینقاع	15 شوال، 2 ہجری، اپریل 624ء
	غزوہ سویق	ذی الحجہ، 2 ہجری، 29 مئی 624ء
	پہلی نماز عید الاضحیٰ	10 ذی الحجہ، 2 ہجری۔ 3 جون 624ء
55سال	غزوہ غطفان	محرم، 3 ہجری، جون 624ء
	حرمت شراب کا حکم	ربیع الاول، 3 ہجری، اگست 624ء
	سریہ محمد بن مسلمہؓ	14 ربیع الاول، 3 ہجری، 4 ستمبر 624ء
	غزوہ بحران	ربیع الثانی، 3 ہجری، اکتوبر 624ء
	سریہ زید بن حارثہؓ	جمادی الآخر، 3 ہجری، نومبر 624ء
	حضرت حفصہؓ سے نکاح	شعبان، 3 ہجری، جنوری 624ء
	غزوہ اُحد	6 شوال، 3 ہجری، بروز جمعہ، 13 مارچ 625ء
	حضرت امیر حمزہؓ کی شہادت	7 شوال، 3 ہجری، بروز ہفتہ، 14 مارچ 625ء
	غزوہ حمراالاسد	8 شوال، 3 ہجری، بروز اتوار، 15 مارچ 625ء
	حضرت زینبؓ بنت خزیمہ سے نکاح	ذی الحجہ، 3 ہجری، مئی 625ء
	حضرت ام کلثومؓ کا حضرت عثمان سے عقد	3 ہجری، 625ء
	ولادت حضرت امام حسنؓ	3 ہجری، 625ء
56سال	سریہ ابوسلمہؓ مخزومی	یکم محرم، 4 ہجری، 13 جون 625ء
	سریہ عبداللہ بن انیسؓ	5 محرم، 4 ہجری، 17 جون 625ء

عمر	واقعہ	تاریخ
	سریہ رجیع	صفر، 4 ہجری، جولائی 625ء
	سریہ بیئر معونہ	صفر، 4 ہجری، اگست 625ء
	غزوہ ذات الرقاع	جمادی الاول، 4 ہجری، ستمبر 625ء
	حضرت ام سلمہؓ سے نکاح	شوال، 4 ہجری، مارچ، 626ء
	غزوہ بدر الاخریٰ	ذی قعد، 4 ہجری، اپریل، 626ء
	حکم حجاب (پردہ)	ذی قعد، 4 ہجری، اپریل، 626ء
57 سال	غزوہ دومۃ الجندل	25 ربیع الاول، 5 ہجری، 24 اگست 626ء
	غزوہ بنو مصطلق	3، شعبان، 5 ہجری، 28 دسمبر 626ء
	تیمم کا حکم	شعبان، 5 ہجری، 626ء
	حضرت جویریہؓ سے نکاح	شعبان، 5 ہجری، دسمبر 626ء
	حضرت زینبؓ بنت جحش سے نکاح	شوال، 5 ہجری، مارچ 627ء
	غزوہ احزاب (خندق)	8 ذی قعد، 5 ہجری، 31 مارچ 627ء
	غزوہ بنی قریظہ	ذی الحجہ، 5 ہجری، اپریل 627ء
58 سال	سریہ محمد بن مسلمہؓ انصاری	10 محرم، 6 ہجری، یکم جون 627ء
	غزوہ بنی لحیان	یکم ربیع الاول، 6 ہجری، 21 جولائی 627ء
	غزوہ ذی قردہ یا غابہ	ربیع الثانی، 6 ہجری۔ اگست 627ء
	سریہ عکاشہؓ بن محصن	ربیع الثانی، 6 ہجری۔ اگست 627ء
	سریہ ذی القصہ	ربیع الثانی، 6 ہجری۔ اگست 627ء
	سریہ بنو ثعلبہ	ربیع الثانی، 6 ہجری۔ اگست 627ء
	سریہ جموم	ربیع الثانی، 6 ہجری۔ اگست 627ء
	سریہ عیص	جمادی الاول، 6 ہجری، ستمبر 627ء
	سریہ طرف	جمادی الآخر، 6 ہجری، نومبر 627ء
	سریہ وادی القریٰ	رجب، 6 ہجری، دسمبر 627ء
	سریہ دومۃ الجندل	شعبان، 6 ہجری، دسمبر 627ء
	سریہ فدک	شعبان، 6 ہجری، دسمبر 627ء
	سریہ اُم قرفہ	رمضان المبارک، 6 ہجری، جنوری 628ء
	سریہ عبداللہ بن رواحہؓ	شوال، 6 ہجری، فروری 628ء
	سریہ کرزؓ بن جابر الفہری	شوال، 6 ہجری، فروری 628ء
	صلح حدیبیہ، بیعت رضوان	ذی قعد، 6 ہجری، 13 مارچ 628ء
	کفار سے اہل اسلام کے نکاح کی حرمت	ذی قعد، 6 ہجری، 13 مارچ 628ء
	حضرت اُم حبیبہؓ سے نکاح	ذی الحجہ، 6 ہجری، اپریل 628ء
59 سال	سلاطین کو دعوت اسلام	یکم محرم، 7 ہجری، 11 مئی 628ء
	غزوہ خیبر	محرم، 7 ہجری، مئی 628ء
	اہل حبشہ کی واپسی	محرم، 7 ہجری، مئی 628ء

عمر	واقعہ	تاریخ
	وفد اشعریین کا قبول اسلام	محرم، 7 ہجری، مئی 628ء
	غزوہ وادی القریٰ و تیما	محرم، 7 ہجری، مئی 628ء
	واقعہ لیلۃ التعریس	محرم، 7 ہجری، مئی 628ء
	سریہ تربہ	محرم، 7 ہجری، مئی 628ء
	سریہ جسمی	محرم، 7 ہجری، مئی 628ء
	سریہ تربہ	محرم، 7 ہجری، مئی 628ء
	سریہ بنو کلاب	محرم، 7 ہجری، مئی 628ء
	سریہ خربہ	رمضان المبارک، 7 ہجری، 628ء
	سریہ بن مرہ	شوال، 7 ہجری، 628ء
	سریہ بشیر بن سعد انصاریؓ	شوال، 7 ہجری، 628ء
	آنحضورﷺ کا عمرۃ القضا	ذی قعد، 7 ہجری، 628ء
	حضرت میمونہؓ سے نکاح	ذقعد، 7 ہجری، 628ء
	سریہ اخرم بن ابی العوجا	ذی الحجہ، 7 ہجری، اپریل 628ء
60 سال	حضرت خالد بن ولیدؓ قبول اسلام	صفر 8 ہجری، جون 629ء
	حضرت عمرو بن العاصؓ کا قبول اسلام	صفر 8 ہجری، جون 629ء
	سریہ موتہ	جمادی الاول، 8 ہجری، اگست 629ء
	سریہ ذات السلاسل	جمادی الآخر، 8 ہجری، ستمبر 629ء
	فتح مکہ	رجب، 8 ہجری، اکتوبر 630ء
	سریہ خالد بن ولیدؓ	25 رمضان، 8 ہجری، جنوری 630ء
	سریہ عمرو بن العاصؓ	25 رمضان، 8 ہجری، جنوری 630ء
	سریہ سعد بن زیدؓ اشہلی	26 رمضان، 8 ہجری، جنوری 630ء
	سریہ خالد بن ولیدؓ	شوال، ہجری، فروری 630ء
	غزوہ حنین (اوطاس)	شوال، ہجری، فروری 630ء
	غزوہ طائف	شوال، ہجری، فروری 630ء
	جعرانہ میں آمد (مال غنیمت کی تقسیم)	ذی قعد، 8 ہجری، مارچ 630ء
	وفد ہوازن کا قبول اسلام	ذی قعد، 8 ہجری، مارچ 630ء
	عمرہ جعرانہ	ذی قعد، 8 ہجری، مارچ 630ء
	وفد صدآ کا قبول اسلام	ذی قعد، 8 ہجری، مارچ 630ء
61 سال	تنظیم زکوٰۃ (عاملین کا تقرر)	محرم، 9 ہجری 630ء
	سریہ عیینہؓ بن حصن	محرم، 9 ہجری 630ء
	سریہ قطبہ بن عامرؓ	صفر، 9 ہجری 630ء
	وفد عذرہ کا قبول اسلام	صفر، 9 ہجری 630ء
	وفد بلی کا قبول اسلام	ربیع الاول، 9 ہجری 630ء
	سریہ ضحاک بن سفیانؓ	ربیع الاول، 9 ہجری 630ء
	سریہ علقمہ بن مجززؓ مدلجی	ربیع الاول، 9 ہجری 630ء

سریہ بنو طے — ربیع الاول، 9 ہجری 630ء
سیدنا ابراہیمؑ کی ولادت — جمادی الاول، 9 ہجری 630ء
غزوۂ تبوک — رجب، 9 ہجری 630ء
جزیہ لینے کا حکم — رجب، 9 ہجری 630ء
سریہ خالد بن ولیدؓ — رجب، 9 ہجری 630ء
مسجد ضرار — شعبان، 9 ہجری 630ء
وفد ثقیف کا قبول اسلام — رمضان المبارک، 9 ہجری، جنوری 631ء
حضرت ابوبکر صدیقؓ کا حج — ذی قعد، 9 ہجری، مارچ 631ء
فرضیت حج — ذی الحجہ، 9 ہجری، اپریل 631ء
سود کی حرمت — ذی الحجہ، 9 ہجری، اپریل 631ء
وفد نصاریٰ نجران — ذی الحجہ، 9 ہجری، اپریل 631ء
62 سال — وفد بنی الحارث کا قبول اسلام — ربیع الثانی، 10 ہجری، جولائی 631ء
حجۃ الوداع، مدینہ سے روانگی — 5 ذی قعد، 10 ہجری، 22، فروری 632ء
مکہ معظمہ میں داخلہ — 4 ذی الحجہ، 10 یکم مارچ 632ء

عرفات میں خطبہ حجۃ الوداع — 9 ذی الحجہ بروز جمعہ، 10 ہجری، 6 مارچ 632ء
منیٰ سے واپسی — 13 ذی الحجہ، منگل، 10 ہجری، 10 مارچ 632ء
63 واں سال — وفد نخع کی آمد (حیات مبارکہ کا آخری سال) بروز اتوار، 15 محرم، 11 ہجری، 11 اپریل، 632ء
سریہ اسامہ بن زیدؓ — 28 صفر، 11 ہجری، 24 مئی 632ء
وفات رسول کریم ﷺ: آغاز مرض — دوشنبہ، 29 صفر، 11 ہجری، 25 مئی 632ء
حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امامت کا حکم — 11 ربیع الاول، 11 ہجری، 6 جون 632ء
آنحضور ﷺ کے آخری لمحات، وصال — 12 ربیع الاول، 11 ہجری، بروز پیر، بوقت چاشت 7 جون 632ء
تدفین جسم اطہر — 14 ربیع الاول، 11 ہجری، بروز بدھ، بوقت شب، 8 جون 632ء

کل عمر مبارک: 63 سال، 4 دن اور تقریباً پانچ گھنٹے
عالم دنیا میں: 22 ہزار 330 دن اور تقریباً پانچ گھنٹے قیام فرمایا
ان میں سے 8 ہزار 156 دن دعوت و تبلیغ میں بسر ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ طیبہ والدہ مطہرہ کی طرف سے

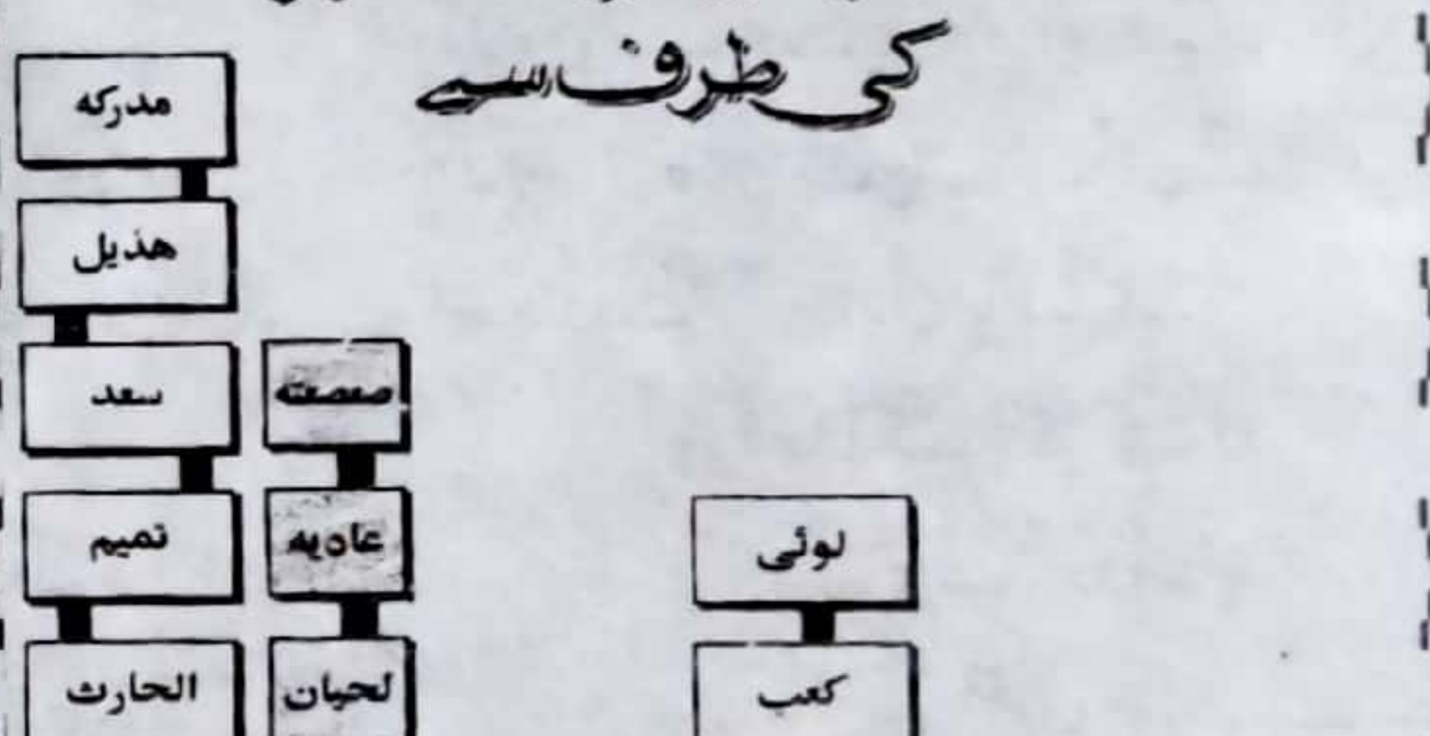

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ مبارک والد ماجد کی طرف سے

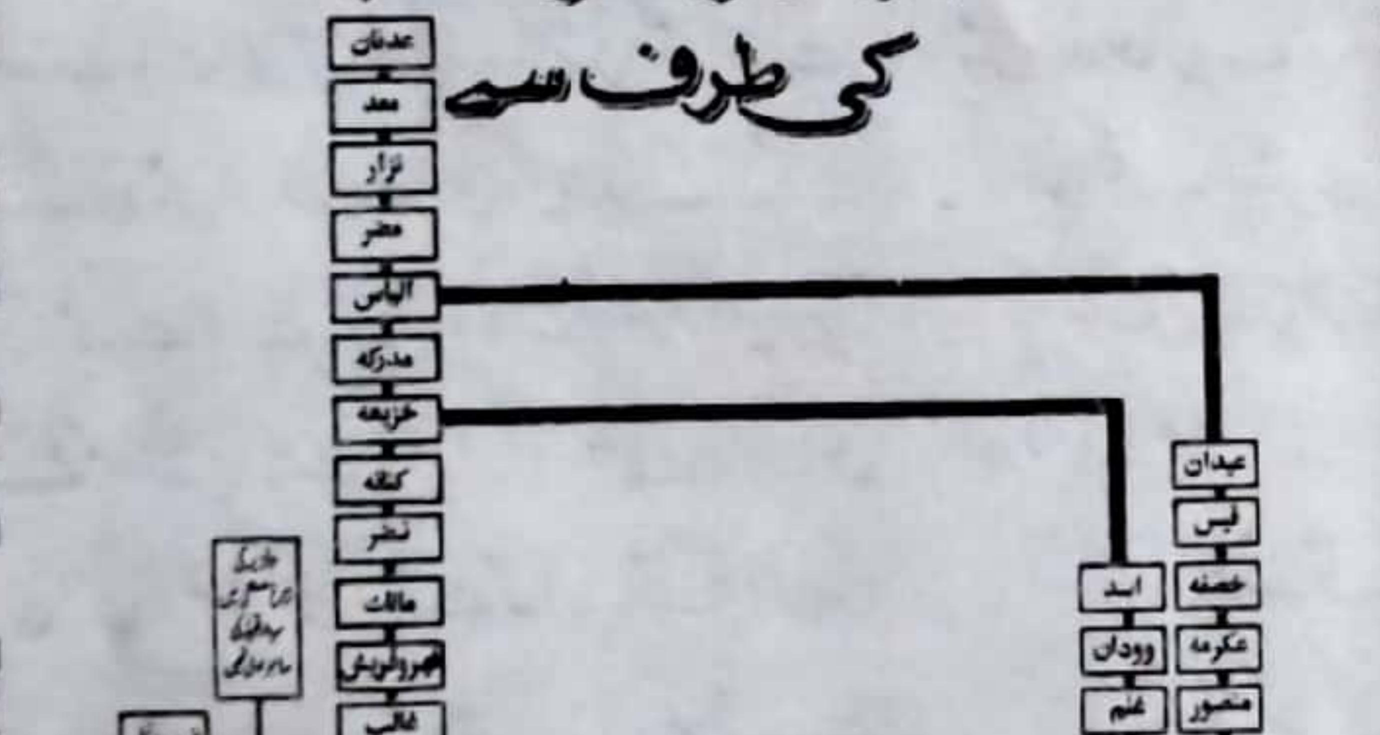

قرآن اور صاحب قرآن، عملی پہلو

ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

☆ رسول اللہ ﷺ کی زندگی قرآن کریم کا کامل بلکہ اکمل نمونہ ہے۔ آپؐ کی عملی زندگی میں قرآن کریم کے الفاظ کا عکس ہے۔ اس کی تائید قرآن کریم کے ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی O اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحیٰ O

''اور وہ نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے یہ تو حکم ہے، بھیجا ہوا''۔

آپ ﷺ کی گفتار و کردار کی قرآن سے مناسبت کی کئی مثالیں قرآن میں موجود ہیں۔

چنانچہ سورۃ المجادلہ کی ابتداء میں ارشاد ہے!

قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِھَا وَتَشْتَکِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ق

''سن لی اللہ نے بات اس عورت کی جو جھگڑتی تھی تجھ سے اپنے خاوند کے حق میں اور شکایت کرتی تھی اللہ کے آگے''۔

عورت اپنے اور خاوند کے درمیان پیدا ہونے والے مسئلہ پر بحث و تکرار اور شکایت کر رہی ہے۔ قرآن اس کا نقشہ کھینچ رہا ہے کہ آپ ﷺ اس کی باتیں سن رہے ہیں اور خاموش ہیں، اپنی طرف سے کوئی بات کہنے کے لئے تیار نہیں، حتیٰ کہ آپ ﷺ پر وحی الٰہی نازل ہوئی۔ یہ صاحب قرآن کی عملی تصویر ہونے کی کتنی عمدہ مثال ہے۔ اس طرح کی مثالیں اور بھی ہیں۔ جن سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ صاحب قرآن کا قرآن کے ساتھ ہمہ پہلو کتنا گہرا تعلق تھا۔

حضرت عائشہ سے جب سوال ہوا کہ آپ ﷺ کا اخلاق کیا تھا انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ!

''اللہ کے نبی ﷺ کا اخلاق قرآن تھا''۔

معروف مفکر ابوالکلام آزادؒ نے لکھا ہے!

دراصل قرآن اور حیات نبوت معناً ایک ہی ہیں۔ قرآن متن ہے اور سیرتؐ اس کی تشریح، قرآن علم ہے اور سیرتؐ اس کا عمل۔ قرآن کریم نے جن اخلاقی رفعتوں کو سراہا لوگوں نے ان کو رسول کریم ﷺ کی زندگی میں پایا۔ آپؐ کے اخلاق عظیم کے پیکر ہونے کا اعلان قرآن نے کیا!

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ O

''اور تو پیدا ہوا بڑے خُلق پر''۔

ایسا کیوں نہ ہوتا رسول ﷺ کو عملی قرآن بنانے کا اہتمام خود ربّ العالمین نے کیا۔ جبرائیلؑ جب پہلی وحی لے کر آئے تو آپ ﷺ فرمانے لگے۔ ''میں پڑھنے والا نہیں ہوں''۔ آپ ﷺ کا یہ کہنا قرآن کریم کی ان آیات کے عین مطابق ہے۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ

''تو نہیں جانتا تھا کہ کیا کتاب ہے اور نہ ایمان۔

اور فرمایا!

عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ط

''تجھ کو سکھائیں وہ باتیں جو تو نہ جانتا تھا''

پھر اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے کہا یہ ہماری ذمہ داری ہے

سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰٓی O

''البتہ ہم پڑھائیں گے تجھ کو، پھر تو نہ بھولے گا۔

پھر پڑھایا اور آپ ﷺ جلدی کرنے لگے۔ تو فرمایا گیا۔

لَا تُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ O اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَ قُرْاٰنَہٗ O فَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ O

''نہ چلا تو اس کے پڑھنے پر اپنی زبان تا کہ جلدی اس کو سیکھ لے، وہ تو ہمارا ذمہ ہے اس کو جمع رکھنا تیرے سینہ میں اور پڑھنا تیری زبان سے پھر جب ہم پڑھنے لگیں فرشتہ کی زبانی تو ساتھ رہ اس کے پڑھنے کے''۔

قرآن کی اس تعلیم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا سینہ کھول دیا۔ جس کو قرآن میں بطور مقام و احسان بیان کیا۔ ارشاد ہے!

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ O

''کیا ہم نے نہیں کھول دیا تمہارا سینہ''۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی قرآن کی تعلیم و تعمیل کا بندوبست کیا۔ اس کے لئے آپؐ کا سینہ کھول دیا اور اس کو آپ ﷺ کے لئے آسان کیا۔ آپؐ کے آداب کو ضروری قرار دیا اور آپ ﷺ کی انسانی حیثیت کو بھی بیان کر دیا۔ تا کہ کوئی انسان کسی وجہ سے دھوکے یا شک و شبہ کا شکار نہ ہو۔ کفار و مشرکین آپ ﷺ کو **ھو الابتر** کہہ کر آپ ﷺ کی دل آزاری کرتے اور اپنے ہمنواؤں کو یہ کہہ کر تسلی دیتے کہ جلد اس کا نام مٹ جائے گا۔ جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا اور فرمایا!

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ O

''ہم نے تیرے ذکر کو بلند کیا''

بحر الکاہل کے مغربی کنارے سے لے کر دریائے ہوانگ کے شرقی کنارہ تک کے رہنے والوں میں سے کون ایسا شخص ہے، جس نے صبح کے روح افزاء جھونکوں کے ساتھ فضا میں گونجتی اذان کی آواز نہ سنی ہو جس نے رات کی خاموشی میں **اشھد ان محمد الرسول اللہ** کی سریلی آواز کو جان بخش نہ پایا ہو۔

آپ ﷺ کے ادب کے متعلق فرمایا!

لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ

اور

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ

"آگے نہ بڑھو اللہ سے اور اس کے رسول ﷺ سے" اور فرمایا "بلکہ نہ کرو اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے اوپر"۔

یہ کہہ کر قرآن نے صاحب قرآن ﷺ کی تعظیم و تکریم کو فرض کر دیا۔ اس آیت نے بتا دیا کہ جس نے نبی ﷺ کی پیروی کی راہ اپنائی اور اپنی آواز اور رائے کو نبی ﷺ کے سامنے پست کر لیا، اصل میں اس نے قرآن پر عمل کیا۔ جس نے ایسا نہ کیا اس کے اعمال برباد ہوئے۔

اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ

"کہیں اکارت نہ ہو جائیں تمہارے کام"

آپ ﷺ کے اس عالی مقام کو بیان کر کے ساتھ ہی قرآن کریم نے آپ ﷺ کی ذات کے متعلق پیدا ہونے والے ان شبہات کو رد کر دیا جن کو بنیاد بنا کر بعض لوگوں نے کفر و انکار کا راستہ اختیار کی کوشش کی

مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ
وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ط

"یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا اور پھرتا ہے بازاروں میں"۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اعتراض کو اس طرح دور کر دیا کہ آپ ﷺ کہہ دیں!

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ

"تو کہہ میں کچھ نیا رسول نہیں آیا"۔

میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں۔ بلکہ مجھ سے پہلے بھی بستیوں کے رہنے والوں کی طرف رسول آتے رہے اور جو بھی رسول مجھ سے قبل آیا وہ انسان ہی تھا۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا
نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى

"اور تجھ سے پہلے بھی ہم نے یہی مرد بھیجے تھے کہ حکم بھیجتے تھے ہم ان کی طرف بستیوں والوں میں سے"۔

مجھ پر بشر رسول ہونے کا اعتراض کیا کرتے ہو۔ ان کے اعتراض کو قرآن نے نقل کیا!

اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝

"کیا اللہ نے بھیجا آدمی کو پیغام دے کر"۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی انسانی حیثیت کو اس طرح واضح کر دیا۔ مسلم شریف میں ہے لوگ کھجور کو پیوند کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرو۔ لوگوں نے پیوند نہ کیا تو پھل کم رہا جس پر آپ ﷺ نے فرمایا!

"میں انسان ہوں جب تمہیں تمہارے دین کے معاملے میں حکم دوں تو اس کو لے لو اور جب اپنی رائے سے بات کہوں تو میں بہر حال انسان ہوں"

قرآن کریم میں کتنے ہی مقامات ایسے ہیں جن میں اس بات کو مختلف الفاظ اور صیغوں کے ساتھ واضح کیا گیا ہے کہ محمد ﷺ ہر آن وحی کی پابندی کی زندگی گزارتے تھے۔

کسی مقام پر اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ کو حکم دے رہا ہے۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ج

"تو چل اس پر جو حکم تجھ کو آئے تیرے رب کا"۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝

"اور چل اسی پر جو حکم آئے تجھ کو تیرے رب کی طرف سے بے شک اللہ تمہارے کام کی خبر رکھتا ہے"۔

اور کبھی رسول ﷺ کی زبان سے یہ کہلوایا جا رہا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ج

"تو کہہ دے میں تو چلتا ہوں اس پر جو حکم آئے میری طرف میرے رب سے"

سیرت کی کتب میں لکھا ہے کہ رسول ﷺ نے ہجرت کے روز دوپہر کے وقت ابوبکرؓ سے کہا: ابوبکر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ہجرت اور ترک سکونت کی اجازت دے دی ہے۔ جب تک آپ ﷺ کی طرف وحی نہیں آئی آپ مصائب و آلام سہتے رہے لیکن مکہ کو نہیں چھوڑا۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

"میں اسی پر چلتا ہوں جو حکم آتا ہے مجھ کو اور میرا کام تو یہی ہے ڈر سنا دینا کھول کر"۔

رسول اللہ ﷺ کی دلی آرزو تھی کہ ان کا قبلہ وہی ہو جو ان کے جد امجد ابراہیمؑ کا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنی خواہش سے ایک بار بھی اس طرف رخ کر کے نماز ادا نہیں کی جب تک کہ اللہ کی طرف سے حکم نہیں آ گیا۔ آپ ﷺ آسمان کی طرف چہرہ اٹھا کر دعا اور انتظار کرتے تھے کہ اللہ اس کا حکم نازل فرما دے جسے قرآن میں ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے!

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ج
فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ص

"بے شک ہم دیکھتے ہیں بار بار اٹھنا تیرے منہ کا آسمان کی طرف، سو البتہ پھیریں گے ہم تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہے"۔

جب تک آسمان سے ان الفاظ کے ساتھ وحی نہیں آئی آپؐ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کرتے رہے۔ جونہی وحی!

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۝

"اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں"

نازل ہوئی آپ ﷺ اسی وقت مسجد حرام کی طرف پھر گئے۔ اور! "اتبع مایوحیٰ الی" کی اعلیٰ مثال بن کر دکھایا۔

قرآن نے رسول اللہ ﷺ کو چار منفرد حیثیتوں سے پیش کیا۔

ابراہیمؑ کی دعا!

وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ
اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
وَيُزَكِّيْهِمْ ط اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

"اے اللہ۔ ان لوگوں میں ایک رسول پیدا فرما جو ان پر تیری آیتوں کی تلاوت کرے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے بے شک تو غالب حکمت والا ہے"۔

سورۃ جمعہ میں ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا
عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

"وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا اور سکھلاتا ہے ان کتاب اور حکمت"۔

دوسری جگہ اللہ نے ان چار صفات والے

رسول ﷺ کو مومنین پر انعام کہا۔

''اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہی میں سے ...... پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی اور پاک کرتا ہے ان کو یعنی شرک وغیرہ سے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت اور وہ تو پہلے سے صریح گمراہی میں تھے''

آپ ﷺ کی چوتھی صفت حکمت کا حکم قرآن مجید میں ارشاد ہے!

''بلا اپنے رب کی راہ پر پکی باتیں سمجھا کر اور نصیحت سنا کر بھلی طرح اور الزام دے ان کو جس طرح بہتر ہو''۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے نصیحت کیجئے جو مختصر اور جامع ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب تو اپنی نماز میں کھڑا ہو تو اس شخص کی طرح نماز پڑھ جو آخری نماز پڑھنے والا ہے اور نہ کہہ ایسی بات جس کے متعلق کل تجھے عذر بیان کرنا پڑے اور پوری طرح ناامید ہو جا اس چیز سے جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے رسول اللہ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ اس آدمی کو سرسبز وشاداب رکھے جس نے میری بات کو سنا پھر اس نے اسے یاد کیا اور محفوظ کیا پھر اسے پہنچا دیا بہت سے فقہ لینے والے ہی غیر فقیہ ہوتے ہیں اور کتنے ہی فقہ لینے والے زیادہ فقیہوں کو پہنچانے والے ہوتے ہیں۔''

آپ ﷺ کے ادب واحترام کا جو حکم قرآن نے دیا اس کا نقشہ صحابہ نے پیش کیا چنانچہ عروہ بن مسعود نے قریش کو بتایا: اے قوم مجھے بار بار نجاشی قیصر وکسریٰ کے دربار میں جانے کا اتفاق ہوا ہے مگر مجھے کوئی بھی ایسا بادشاہ نظر نہیں آیا جس کی عظمت دربار والوں کے دل میں ایسی ہو جیسے اصحاب محمد ﷺ کے دل میں محمد ﷺ کی ہے۔ جب محمد ﷺ کوئی حکم دیتا ہے تو تعمیل کے لیے سب مبادرت کرتے ہیں۔ جب وہ وضو کرتا تو مستعمل پانی کے لیے ایسے گرتے پڑتے ہیں گویا ان میں لڑائی ہو جائے گی۔ جب وہ کلام کرتا ہے تو سب کے سب چپ چاپ ہو جاتے ہیں۔ ان کے دل میں محمد کا اتنا ادب ہے کہ نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔

صاحب قرآن نے قرآن کی آیت کے مطابق تعلیم دے کر ان کا تزکیہ کیا کہ لوگ گناہ سرزد ہو جانے کی صورت میں اتنے پریشان اور بے چین ہو جاتے تھے کہ خود کو سزا کے لیے پیش کر دیا کرتے تھے تا کہ اس دنیا میں ہی اپنے آپ کو پاک کروالیں۔

صاحب قرآن نے ایسے لوگوں کا حدود اللہ کے نفاذ کے ذریعے تزکیہ فرمایا:

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ عز بن مالک اسلمیؓ نے خود آ کر اقرار کیا کہ اسے پاک کر دیا جائے اور اس پاکیزگی کے لیے اس کو سزا دی جائے۔ چنانچہ اس کو رجم کیا گیا۔

قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کی مختلف حیثیتوں کے بارے میں بیان کیا ہے۔

اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا O

''ہم نے تجھ کو بھیجا گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا''

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا

''اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو سارے لوگوں کے واسطے خوشی اور ڈر سنانے کو''

اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ

''تو تو بس ڈر کی خبر پہنچانے والا ہے۔''

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا
وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ O

''ہم نے بھیجا ہے تجھ کو سچا دین دے کر خوشی اور ڈر سنانے والا اور کوئی فرقہ نہیں جس میں نہیں ہو چکا ڈر سنانے والا۔''

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ O

''میں تو بس ڈر اور خوشخبری سنانے والا ہوں ایماندار لوگوں کو۔''

مندرجہ بالا آیات میں قرآن نے صاحب قرآن کو خوشخبری دینے اور ڈرانے کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ رسول کریم ﷺ زندگی بھر اس فریضہ کو ادا کرتے رہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَکَ الْاَقْرَبِيْنَ O

''اور ڈر سنا دے اپنے قریب کے رشتہ داروں کو۔''

تو آپ ﷺ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر فرمایا:

''اے بنی فہر! اے بنی عدی قریش کے قبیلے کے لوگو! یہاں تک کہ وہ جمع ہو گئے۔ اگر کوئی آدمی خود نہ آسکا تو اس نے اپنا قاصد بھیجا تاکہ معلوم کرے کہ کیا ہوا ہے؟ ابولہب اور قریش آئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: آپ کا کیا خیال ہے اگر میں تمہیں بتاؤں کہ اس پہاڑ کی ایک جانب سے لشکر نکلنے والا ہے؟ اور ایک روایت یہ کہ ایک لشکر وادی سے نکلنے والا ہے اور تم پر غارت ڈالنا چاہتا ہے کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے کہا: ہاں، ہم نے آپ ﷺ کو ہمیشہ سچا پایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تم کو ڈرانے والا میرے آگے سخت عذاب ہے۔ ابولہب نے کہا آپ کے لیے ہلاکت ہو۔ اس لیے آپ ﷺ نے ہمیں جمع کیا (اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی:

''تبت یدا ابی لھب''

اسی طرح آپ ﷺ نے بنی کعب، بنی مرۃ، بنی عبد شمس، بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو جمع کر کے ان الفاظ کے ساتھ ڈرایا!

''تم اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ۔''

اسی طرح حضرت فاطمہؓ کو مخاطب کر کے خبردار کیا کہ!

''تم اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ اس لیے کہ میں تیرے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ اختیار نہیں پاتا۔ اے محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ مجھ سے مال دنیا میں سے جو چاہے مانگ لے یقیناً میں تیرے لیے قیامت کو کچھ نہیں کر سکوں گا۔''

قرآن کریم نے رسول کریم ﷺ کی دوسری حیثیت بشیر کی بیان فرمائی اور آپ ﷺ اس کے عملی نمونہ تھے۔ کتنے ہی لوگوں کو آپ ﷺ نے حکم الٰہی سے دنیا میں جنت کی خوشخبری دی۔

ایک موقع پر فرمایا:

''جس شخص نے گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور اس کی لونڈی کے بیٹے ہیں اور جنت اور دوزخ حق ہیں اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔''

''میرے پاس جبرئیل آئے اور میرا ہاتھ پکڑا پھر مجھے جنت کا وہ دروازہ دکھایا جس سے میری امت اس میں داخل ہوگی۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میں پسند کرتا ہوں کہ میں آپ ﷺ کے ساتھ ہوتا تو اس کو بھی میں دیکھ لیتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک تو پہلا شخص ہوگا جو میری امت میں سے جنت میں داخل ہوگا۔''

قرآن کریم میں آپ ﷺ کو نیکی کے پرچار کرنے اور برائی سے منع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ O

''آپ ﷺ معاف کریں۔ بھلائی کا حکم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کشی کریں''

آنحضرت ﷺ نے اپنے جانی دشمنوں کو بھی معاف فرمادیا۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کے متعلق سب نے کہا آپ ﷺ اچھے بھائی ہیں اور اچھے بھائی کے بیٹے ہیں۔ تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا میں وہی بات کہتا ہوں جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی! اور فرمایا ''تم آزاد ہو''۔

آپ ﷺ نے ابوسفیان اور اس کی بیوی ہندہ کو معاف کردیا جو کہ آپ ﷺ کے جانی دشمن تھے۔ اسی طرح وحشی بن حرب کو معاف کیا جو کہ حضرت حمزہؓ کا قاتل تھا۔ اسی طرح عکرمہ بن ابی جہل کو بھی معاف فرمایا۔

قرآن حکیم نے رسول ﷺ کو لوگوں کی اصلاح وہدایت کے لیے بے چینی کی بابت فرمایا:

''آپ ﷺ ان پر حسرتیں کر کے اپنی جان ہلاک نہ کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔''

ایک اور مقام پر قرآن نے صاحب قرآن ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''پس اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائیں گے تو ان کے پیچھے اپنی جان کو ہلاک کر لوگے۔''

آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرو بن مرۃ سے سورہ نساء سنی جب اس آیت پر پہنچے!

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا O

''پس کیسے ہوگا جس وقت لائیں گے ہم ہر امت سے گواہ اور ہم تمہیں ان پر گواہ لائیں گے۔''

تو آپ ﷺ کی آنکھیں بہہ رہی تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے صاحب قرآن کو کفار کی خوشحالی اور مسلمانوں کی تنگ دستی کی بنا پر غمگین رہنے پر مخاطب کر کے فرمایا:

''آپ کو کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا دھوکے میں نہ ڈال دے یہ تو بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے اس کے بعد ان لوگوں کا ٹھکانا تو جہنم ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔''

صاحب قرآن آیاتِ قرآن کی عملی تفسیر تھے دنیا کی کوئی وقعت نہ سمجھتے ہمیشہ آخرت کی تیاری رکھتے سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے رسول کریم ﷺ کو دیکھا ایک کھردری چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور جسم پر اس کے نشان تھے۔ چمڑے کا تکیہ تھا جس میں کھجور بھری ہوئی تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ دعا کریں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی امت پر وسعت کردے فارس اور روم کے لوگ خوش حال زندگی گزارتے تھے، آپ ﷺ فوراً بیٹھ گئے اور فرمایا وہ لوگ ہیں جن کے اعمال کا بدلہ انہیں دنیا میں دے دیا گیا، حضرت عمرؓ نے عرض کی اللہ کے رسول ﷺ میرے لیے استغفار کیجئے

احادیث نبوی ﷺ میں آنحضرت ﷺ کی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ آپ ﷺ کی گھریلو زندگی کے متعلق فرماتی ہیں کہ:

''آل محمد ﷺ نے لگاتار دو دن جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی حتیٰ کہ آپ ﷺ اس دنیا سے چلے گئے۔''

قرآن نے حضرت محمد ﷺ کو دنیا سے بے رغبت رہنے کا حکم دیا:

''اور اپنی نگاہوں کو ان چیزوں کی طرف ہرگز نہ دوڑانا جو ہم نے ان لوگوں کو آرائش دنیا میں سے دی ہیں تیرے رب کا دینا بہت بہتر اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔''

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور روکے رکھا اپنے آپ کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام، طالب ہیں اس کے منہ کے اور نہ دوڑیں تیری آنکھیں ان کو چھوڑ کر تلاش میں رونق زندگانی دنیا کی۔''

چنانچہ آپ ﷺ انہی غرباء سے محبت کرتے اور دعا کرتے۔

''اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین موت دے اور مسکینوں کے گروہ میں اٹھا۔''

قرآن میں صاحبِ قرآن بلکہ تمام رسولوں کو حکم دیا۔

''اے پیغمبروں کی جماعت پاکیزہ کھاؤ اور نیک اعمال کرو۔''

آپ ﷺ کی شفقت ومحبت کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

''اور تجھ کو ہم نے بھیجا دو جہان کے لوگوں پر رحمت بنا کر'' اور

''آیا ہے تمہارے پاس رسول ﷺ تم میں کا، بھاری ہے اس پر جو تم کو تکلیف پہنچے حریص ہے تمہاری بھلائی پر، ایمان والوں پر مشفق اور رحم کرنے والا ہے۔''

آنحضرت ﷺ کا رویہ بھی چھوٹوں اور بڑوں کے ساتھ قرآنی تعلیمات کے مطابق تھا ملاحظہ ہو:

''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابوطلحہ مجھے ساتھ لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ، انس عقل مند لڑکا ہے۔ آپ ﷺ کی خدمت کرے گا۔ حضرت انسؓ

کہتے ہیں۔ میں نے سفر و حضر میں آنحضرت ﷺ کی خدمت کی اللہ کی قسم آپ ﷺ نے کسی کام کے متعلق جو میں نے کیا، یہ نہ فرمایا، تم نے ایسا کیوں کیا؟ اور نہ کسی چیز کے لیے جو نہ کیا ہو، آپ نے یہ نہ فرمایا، تم نے ایسا کیوں نہ کیا؟

آپ ﷺ نے معاشرے کے مظلوم اور بدحال لوگوں کی سرپرستی کی جب قرآن کریم میں رنگ ،نسل اور دولت کی بنیاد پر برتری کے سابقہ قانون کو بدلا گیا اور اس کی جگہ تقویٰ و پارسائی کی بنیاد پر برتری اور فضیلت کا معیار قائم کیا، فرمایا:

''لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔''

تو اسی بات کی مناسبت سے آپ نے حجۃ الوداع میں اعلان فرمایا:

''دیکھو کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی کالے کو سرخ پر اور سرخ کو کالے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں بغیر تقویٰ کے۔''

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ اور قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور رشتہ داروں اور اجنبی ہمسائیوں اور رفقائے پہلو اور مسافروں اور جو لوگ تمہارے قبضے میں ہوں سب کے ساتھ نیک سلوک کرو۔''

مندرجہ بالا فرمان کی آنحضرت ﷺ زندہ تصویر تھے۔ نبی رحمت ﷺ نے معاشرے میں جاری ظلم سے منع فرمایا اور اعلان کیا ''جو شخص کسی دوسرے شخص پر ایک بالشت برابر بھی ظلم کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گلے میں ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر ڈالے گا۔

پڑوسیوں کے متعلق ارشاد فرمایا:

''تم میں سے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے اور جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔''

قرآن حکیم میں اعلان فرمایا گیا:

''جو شخص یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ لوگ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں اور وہ عنقریب اس میں داخل ہوں گے۔''

ان لوگوں کے برعکس ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''بیواؤں اور محتاجوں کا خیال رکھنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مانند ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک بار ایک شخص نے آپ ﷺ سے اپنا قرض مانگا اور سخت کلامی سے پیش آیا۔ صحابہ کرامؓ اس گستاخی کو برداشت نہ کر سکے اور اسے مارنے کے لیے اٹھے آپ ﷺ نے فرمایا اسے کہنے دو جس کا حق ہوتا ہے وہ باتیں کر سکتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت زبیرؓ اور کسی انصاری کے مابین جھگڑا ہو گیا۔ معاملہ آپ ﷺ کے حضور پیش ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت زبیرؓ کے حق میں فیصلہ دے دیا انصاری برافروختہ ہو گیا اور کہا کہ آپ نے اپنے پھوپھی زاد کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے مگر آپ ﷺ نے اس سے درگزر کیا۔

ایک اور موقع پر فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے جس کو بھی نبی بنا کر بھیجا وہ ضرور بکریاں چرایا کرتا تھا۔''

صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا آپ ﷺ نے بھی بکریاں چرائی ہیں فرمایا:

''ہاں: میں نے چند قراریط کے بدلے اہل مکہ کی بکریاں چرائی ہیں۔''

قتل کے بارے میں اللہ کا ارشاد اور رسول کریم ﷺ کا عملی پہلو ملاحظہ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''جس نے کسی کو بغیر بدلے جان کے یا زمین میں فساد کے بغیر قتل کیا پس گویا اس نے سب لوگوں کو مار ڈالا اور جس نے ایک جی کو زندہ کیا گویا اس نے سب کو زندہ کیا۔''

ہادی برحق نے فرمایا:

''بے شک تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری عزتیں تم پر اس طرح حرام ہیں جس طرح یہ تمہارا دن، یہ تمہارا شہر (مکہ) اور تمہارا یہ مہینہ حرمت والا ہے۔''

قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ کے متعلق **رسولامنکم** کہا گیا ہے۔ اس لفظ منکم نے انسان کا شرف ما کان ہونا بتلایا اور ساتھ ہی احساس دے دیا کہ ہر ایک انسان اپنے اعلیٰ ترین کمالات رکھتا ہوا بھی بشر ہی ہوتا ہے۔

کمالاتِ عبدیت کا اتمام واختتام حضور ﷺ ہی کے عنصر شریف بشریت پر ہوا۔

چنانچہ قرآن مجید میں ایک مقام پر نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے کہلوایا گیا ہے:

''نہیں ہوں میں مگر بشر رسول''

قرآن مجید میں ایفائے عہد کے متعلق ارشاد ہے۔

''اور وعدہ پورا کرو وعدے کا سوال ہوگا۔''

آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر ایفائے عہد کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا اور ابو جندلؓ کو مکہ والوں کے حوالے کر کے اپنے عہد کی پاسداری کی دیگر معاہدات کی بھی آپ ﷺ نے ہمیشہ پابندی کی۔ یہودیوں کے ساتھ کئے ہوئے معاملات میں بھی آپ ﷺ نے کبھی وعدہ کی خلاف ورزی نہ کی۔

قرآن کریم میں اہلِ ایمان کی بہت بڑی علامت شرک سے نفرت کو کہا گیا چنانچہ حضور ﷺ نے ہمیشہ شرک سے بیزاری اختیار کی۔ قرآن مجید میں آپ ﷺ کو کفار اور منافقین سے سختی کا حکم ہوا۔

''کفار اور منافقین سے جہاد کریں اور ان پر سختی کریں۔''

آپ نے عملاً جہاد کر کے کفار اور منافقین سے سختی اور دشمنی کی مثالیں قائم کریں۔ جنگ بدر، احد، حنین، تبوک سب اس کی زندہ مثالیں ہیں۔

قرآن مجید میں اہلِ ایمان کے متعلق فرمایا:

''وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔''

آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں ایک دن میں ستر بار استغفار کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ارشاد ہے۔

''وہ صبر کرنے والے ہیں اور سچے اور فرمانبرداری کرنے والے اور خرچ کرنے والے اور پچھلی رات کو استغفار کرنے والے ہیں۔''

یہ تمام کی تمام صفات آنحضرت ﷺ میں عملاً موجود تھیں۔

ارشادِ ربانی ہے:

''(کہہ دو پیغمبر) اے میرے خدا! سارے ملک کے مالک تو جس کو چاہے بادشاہ بنادے جس سے چاہے بادشاہت چھین لے تو جس کو چاہے عزت دے، جس کو چاہے ذلت دے۔ ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

آنحضرت ﷺ نے اس کا عملی نمونہ فتح مکہ کے موقع پر دکھایا۔ ملک دینا اور چھین لینا اللہ کا اختیار ہے۔ آپ ﷺ عاجز تھے۔ سر جھکا ہوا تھا۔ نیکی کا حکم اور جاہلوں سے منہ پھیرنے کا حکم قرآن ان الفاظ میں دیتا ہے۔ حکم دیا گیا:

''آپ ﷺ معاف کریں، نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے اعراض کریں۔''

آپ ﷺ اس آیت کی زندہ تصویر ہیں۔

آپ ﷺ نے بڑے بڑے دشمنوں ابوسفیان، عکرمہ بن ابی جہل، وحشی بن حرب اور ہندہ ابوسفیان کو معاف کرنے کے ساتھ مکہ کے لوگوں کو معاف کردیا۔ اسی طرح امر بالمعروف میں آپ ﷺ نے کوئی کمی نہ چھوڑی اور اعراضِ جاہلین میں بھی آپ ﷺ ایک بہترین نمونہ تھے۔

حضور اکرم ﷺ کے فرائض اور مسلمانوں پر آپ ﷺ کے متعلق فرمایا گیا:

''وہ لوگ جو نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جس کو اپنے پاس لکھا ہوا تورات اور انجیل میں پاتے ہیں۔ وہ ان کو نیکی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا ہے اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے اور ان سے وہ بوجھ ہلکے کرتا ہے جو ان پر تھے وہ لوگ جو ان پر ایمان لائے اور ان کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو ان کی طرف اتارا گیا یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

آپ ﷺ نے تبلیغ میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ اس کے لیے آپ ﷺ نے کسی موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ ایک ایک فرد سے لے کر گروہوں اور حکمرانوں تک تو آپ ﷺ نے دعوت دی۔ بلکہ آخری وقت آپ ﷺ نے سب سے دریافت کر کے پوچھا کہ آپ ﷺ لوگوں کا کیا خیال ہے۔ "الاھل بلغت'' کیا میں نے پہنچا دیا ہے تو انہوں نے کہا ہاں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ''اللھم اشھد'' ''اے اللہ گواہ رہ''۔ آنحضرت ﷺ کے قرآن کے ہر حکم پر عمل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ہر حکم کو اپنا حکم قرار دیا۔

''تیرے رب کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک نہ آپ ﷺ کو اپنے جھگڑوں کے فیصلے سے ان کے دلوں میں تنگی نہ ہو۔ (اور مان کر منظور کرلیں)۔

اور اس وجہ سے قرآن نے آپ ﷺ کی زندگی کو لوگوں کے سامنے نمونہ کے طور پر پیش فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

''تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔''

دورِ حاضر میں ہماری کامیابی اسی میں ہے کہ ہم قرآنی تعلیمات پر اس طرح عمل کریں جیسے رسول اللہ ﷺ نے کیا اور آنحضرت ﷺ کی زندگی کو مشعل راہ بنائیں آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ ہے کہ ہم مختلف مصائب و آلام اور عذابوں میں گرفتار ہیں۔ مسلمانوں کے حالات کی بہتری اور دنیا و آخرت میں سربلندی کا راستہ صرف محمد ﷺ کی مجموعی زندگی کی پیروی ہے۔

جس قدر رازم بھی ہیں جہاں کے ان سے انسان کو کیا ملا ہے
دامن مصطفیٰ ﷺ چھوڑنے سے آدمی کرب میں مبتلا ہے

نعت رسولِ ﷺ

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں
گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گل زاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں
جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا جو نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں
بوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ ہم رتبہ ہیں سب یاران نبیؐ
ہیں اک ہی مشعل کی کرنیں کچھ فرق نہیں ان چاروں میں
وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکان فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

مولانا ظفر علی خاں (مرحوم)

نعت رسول اللہ ﷺ

دنیائے ہست و بود کے آقا مرے نبیؐ
سارے جہاں کے غم کا مداوا مرے نبیؐ
ہر ابتدا حضورؐ سے ہر انتہا حضورؐ
امکان و لامکان سے اولیٰ مرے نبیؐ
رک جائیں جس مقام پہ جبریل بھی وہاں
اک آن میں وہ طے کریں رستہ مرے نبی
شانِ نبیؐ کی حد ہے نہ اس کا کوئی حساب
انساں کی ساری فکر سے اعلیٰ مرے نبیؐ
دکھیا دلوں کے غم کا مداوا مرے حضورؐ
ہر غم کے ہر مرض کے مسیحا مرے نبیؐ

اطہر صدیقی

آنحضورﷺ کی فقر پسندی

پروفیسر ارشد کیانی

☆ حبِّ مال اور جاہ پسندی انسانی فطرت کا وہ آزار ہیں کہ اگر ان کا سدِّ باب نہ کیا جائے تو اٹھنے والا ہر قدم انسان کو ہلاکت وتباہی کے مہیب غاروں میں دھکیلتا چلا جاتا ہے حرص وہوس کے پھندے کارزار حیات میں جہاں جہاں بچھے ہیں ان سے بچ کر جادۂ مستقیم پر استقامت سے گامزن رہنا ایمان کی پختگی اور مومنانہ مردانگی کی علامت ہے۔ حرص وطمع سے دامن کش ہونے اور صبر قناعت کو زینتِ کردار بنالینے کی سعادت اتباع اسوۂ رسول ﷺ کے بغیر نہیں ہوتی۔

آنحضور ﷺ انسانیت کا وہ کامل واکمل نمونہ ہیں کہ جس قدر آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کی جائے فلاحِ دارین کی منزل اتنی ہی آسان اور قریب تر ہونے لگتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی ذاتِ قدسی صفات، کہ جانِ کائنات اور غایتِ موجودات ہے، نے ہمیشہ فقر پر فخر کیا اور شہنشاہی میں فقیری کا شیوہ اختیار کیا۔ اگر اس شیوۂ شریفہ کا لب لباب سمجھا جائے۔ تو یہی کہ حضور پاک ﷺ نے اپنی سیرتِ مطہرہ کے ذریعے امتِ مسلمہ کو عملاً یہ درس دیا کہ فکرِ آخرت کو وظیفہ حیات گردانو کہ یہی اور فقط یہی طریقِ نجات ہے۔ اس راستے سے سرمو انحراف کروگے تو فکرِ دنیا کی گہری کھائیوں میں کھو کر خسر الدنیا والآخرہ کے گھاٹ اتر جاؤ گے۔ کیوں کہ فکرِ دنیا، حبِّ مال اور جاہ پسندی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے، اور یہیں حق سے رخ پھر کر باطل کی طرف مڑ جاتا ہے۔

حضور ﷺ نے غریبوں، فقیروں اور مسکینوں کی سرپرستی فرمائی اور اس طبقہ انسانیت کے ساتھ اپنی عملی ہمدردی کا ثبوت اس طرح دیا کہ خود اپنی زندگی غریبوں اور مسکینوں کی صورت بسر کی اور دعا فرمائی۔

"خداوندا! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اٹھا اور مسکین ہی کے زمرہ میں میرا حشر کر۔"

غرض یہ کہ شہنشاہوں کے آقا ومولیٰ نے فقر اور مسکینی کو پسند کر کے فقیروں اور مسکینوں کو ہدفِ حقارت بننے کے بجائے تفاخر سے ہمکنار کردیا۔ آپ ﷺ کی انہیں تعلیمات کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک غربت و تنگ دستی ذلت ورسوائی کے ہم معنی نہیں اور دولت امارت عزت ووقار کے مترادف نہیں۔ آپ ﷺ نے نیکی وپرہیزگاری کو معیارِ فضیلت وبزرگی گردانا۔

حضور اکرم ﷺ کے نزدیک فقر اور مسکینی میں ایمان کی سلامتی آسان ہے لیکن طمعِ مال اور حرصِ جاہ ایمان کے لیے رسمِ قاتل ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"بھوکے بھیڑیے جب بھیڑ بکریوں کے اس ریوڑ میں چھوڑ دیے جائیں جس کا نگران اور چرواہا غائب ہو تو وہ ان کو اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتے جتنا کہ مال وجاہ کی حرص انسان کے دین کو نقصان پہنچاتی ہے۔"

دراصل دنیوی حرص وہ برائی ہے جو انسان کو عالمِ فانی میں منہمک کر کے عالمِ باقی سے غافل کرتی ہے اور اس سے آگے جتنے مراحل آتے ہیں۔ ان میں انسان مقتضیات ایمانی کو نظر انداز کرتا اور ترغیباتِ گناہ کا اسیر ہوتا چلا جاتا ہے، پھر برائیاں اس کا عمل بن جاتی ہیں اور نیکیاں فراموش ہونے لگتی ہیں۔ زندگی کی جھوٹی چکا چوند پر وہ مرمٹتا ہے اور موت کی اٹل گھڑی اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے، اتنی بڑی گمراہی کا شکار ہو کر وہ احساسِ زیاں سے بے نصیب ہو جاتا ہے۔

ایک دانشمند سے کسی نے کہا کہ "فلاں شخص نے بہت سامان جمع کر رکھا ہے۔"

اس نے جواب میں کہا کہ "کیا اس نے اتنی عمر بھی جمع کر لی ہے جس میں اس مال کو خرچ کر سکے۔"

کہا گیا کہ "نہیں اتنی عمر تو اس کے پاس نہیں ہے۔"

دانشمند بولا کہ "پھر اس نے کچھ جمع نہیں کیا۔"

حقیقت یہ ہے کہ تعلیماتِ نبوی بندۂ مومن کے لیے ایک متوازن اور معتدل راہِ حیات کی نشاندہی کرتی ہیں۔ افراط، تفریط ہرگز منشائے اسلام نہیں۔ اسلام سلامتی کا ضامن ہے، اور سلامتی اعتدال میں ہے۔ حرام انتہاپسندی ہے اور حلال عدل پرور انصاف ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اہلِ ایمان کو سگِ دنیا بن جانے سے روکا ہے، لیکن ترکِ دنیا اور رہبانیت سے بھی منع فرمایا ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

"لوگو! مجھے تمہارے متعلق کسی چیز کا ڈر نہیں۔ مگر ہاں ڈر اس وقت کا ہے جب اللہ تم پر دنیوی عشرت وراحت اور دولت وثروت کے دروازے کھول دے گا۔"

پھر آپ نے تمثیلاً فرمایا:

"دیکھو ایک شخص اللہ کی نعمتوں کو اناپ شناپ کھاتا ہے

تو ہیضہ کا شکار ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے لیکن اس کے برعکس ایک کیڑا جو کچھ کھاتا ہے جب تک اسے ہضم کر کے خارج نہیں کر دیتا کچھ اور نہیں کھاتا۔‘‘

رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان میں ایک عظیم حکمت پوشیدہ ہے...... یعنی دولت ایک خیر کثیر ہے۔ اہلِ ایمان اسے خرچ کرتے ہیں افزونی خیرات کے لیے اور بلندی درجات کے لیے .... لیکن گمراہ لوگ حقوق العباد سے منہ موڑ کر جمع مال کے مکروہ شغل میں محو رہتے ہیں

حضور ﷺ شہنشاہ کونین ہیں، وہ چاہتے تو دنیا جہاں کی دولتیں اور عشرتیں ان کے قدموں میں ہوتیں۔ لیکن انہوں نے دنیا میں اس طرح زندگی گزاری کہ قوت لایموت پر اکتفا کیا اور بوریے کو بستر بنایا۔ زندگی اس طرح گزاری جیسے کوئی سر راہ شب بسر کرتا ہے اور چل دیتا ہے۔ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ پر نظر ڈالیں تو یہ سامانِ زیست دکھائی دیتے ہیں۔

حضور ﷺ کے مسکنِ مبارک میں صحن نہ تھا ،اور نہ دالان تھا۔ دیواریں مٹی کی تھیں، چھت کھجور کی شاخوں اور پتوں سے چھائی تھے، بارش سے بچنے کے لیے بال کے کمبل لپیٹ دیے جاتے تھے۔ بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت چھو سکتا تھا۔ حضرت صفیہؓ کے نکاح میں جب آپ ﷺ نے ولیمہ کا کھانا کھلایا تو صرف کھجور اور ستو تھے۔

حضور ﷺ کی ساری زندگی اس بات کی غماز تھی کہ فکرِ آخرت ہی انسانی زندگی کے ہر عمل اور ہر حرکت کی محور ہونی چاہیے۔ فکرِ آخرت جس قدر توانا ہوگی، انسان دنیوی زندگی میں حق کی راہ سے نہیں ہٹے گا اس کے برعکس اگر آخرت کی فکر کے بجائے دنیوی زندگی کی آسائشوں اور زیبائشوں کو مطمعِ نظر بنایا گیا تو پھر موت کی گھڑی فراموش ہو جائے گی اور یہی سب سے بڑی بھول ہوگی۔ جس میں پڑ کر انسان جوہر انسانیت تک کی بنیادی قدر کو کھو دیتا ہے اور چوپایوں کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے بلکہ اس سے بھی فرو تر مرتبے پر پہنچ جاتا ہے۔ رسولِ خدا ﷺ کی یہ حدیث اس مرض کی نشاندہی کرتی ہے اور ہمیں بھول بھلیوں کے اس پاتال سے ابھر کر مومنانہ کردار اپنانے کی تلقین لیے ہوئے ہے، جس میں درسِ عبرت بھی ہے اور وعید بھی ’’جب میری امت دنیا کو عظیم الشان اور اونچی سمجھنے لگے گی تو اس کے دلوں سے اسلام کی ہیبت جاتی رہے گی۔ جب بُرے کاموں سے روکنا چھوڑ دے گی تو وحی کی برکت سے دور ہو جائے گی اور جب وہ ایک دوسرے کو بُرا کہنے لگے گی تو اللہ کی نگاہ سے گر جائیگی۔

دُرود و سلام

درود اُن پر سَلام ان پر
جو رازدانوں کے رازداں ہیں
جو دونوں عالم میں ضوفشاں ہیں
جو ساری امت پہ مہرباں ہیں
جو وجہِ تخلیق کائنات دوجہاں ہیں
درود اُن ﷺ پر سَلام اُن ﷺ پر

جو بے سہاروں کا آسرا ہیں
جو دلفگاروں کا آسرا ہیں
گنہگاروں کا آسرا ہیں
درود اُن ﷺ پر سَلام اُن ﷺ پر

جو ان بہاروں سے بھی حسیں ہیں
حسیں نظاروں سے بھی حسیں ہیں
جو شاہ کاروں سے بھی حسیں ہیں
جو چاند تاروں سے بھی حسیں ہیں
درود اُن ﷺ پر سَلام اُن ﷺ پر

وہ جو ہدایت کی انتہا ہیں
وہ جو شریعت کی انتہا ہیں
وہ جو طریقت کی انتہا ہیں
وہ جو نبوت کی انتہا ہیں
درود اُن ﷺ پر سَلام اُن ﷺ پر

وہ ابتداء ہیں وہ انتہا ہیں
وہ ہی نبوت کا دائرہ ہیں
وہ روز محشر کا آسرا ہیں
وہ مصطفےٰ ﷺ ہیں وہ مجتبیٰ ﷺ ہیں
درود اُن ﷺ پر سَلام اُن ﷺ پر

محبتوں کا نشان ہیں وہ
ہماری جائے امان ہیں وہ
خدائے برتر کا مان ہیں وہ
کہ دونوں عالم کی شان ہیں وہ
درود اُن ﷺ پر سَلام اُن ﷺ پر

ذہین ہیں وہ متین ہیں وہ
زمانے بھر سے حسین ہیں وہ
گماں نہیں ہیں یقیں ہیں وہ
کہ دشمنوں میں امیں ہیں وہ
درود اُن ﷺ پر سَلام اُن ﷺ پر

بہار، جانِ بہار ہیں وہ
ہمارے دل کا قرار ہیں وہ
نواز عالی وقار ہیں وہ
خدا کا بس شاہ کار ہیں وہ
درود اُن ﷺ پر سَلام اُن ﷺ پر

رسولِ عربی ﷺ
بحیثیت معلمِ اخلاق

پروفیسر الماجد انصاری

☆ دنیا میں انسانیت کی اجتماعی فلاح و بہبود کے لیے انسانوں میں کردار کی اعلیٰ صفات کی ضرورت اور اچھے اخلاق کی تحقیق کی افادیت اور اہمیت نا قابل تردید حقیقت ہے۔ چنانچہ ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے بھٹکی ہوئی انسانیت کو تباہی اور گمراہی سے بچانے کے لیے ایسی عظیم ہستیاں پیدا کیں جنھوں نے اپنے گفتار اور کردار سے انسانوں کو زندگی کے اعلیٰ نظریات کی نہ صرف تعلیم دی بلکہ ان اخلاقی اصولوں پر خود عمل پیرا ہو کر انسانوں کو سیدھے راستے پر چلنا سکھادیا۔

ہر دور میں دنیا کی رہبری اور ہدایت کے لیے رسولوں اور نبیوں کی عظیم اور برگزیدہ ہستیاں خدائے بزرگ و برتر نے مبعوث فرمائیں۔ رشد و ہدایت کی آخری کڑی نبی معظم حضرت محمد ﷺ کی ذات والا صفات ہے جو رہتی دنیا تک کل عالم انسانیت کے لیے زندگی کے ہر شعبے میں ہدایت کا ایک مکمل اور ابدی سرچشمہ ہے۔

آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے اخلاق عالیہ کے ذریعے تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دیا۔ جو دین آپ ﷺ لائے تھے اس کی اساس اور بنیاد ہی اخلاق کو قرار دیا۔

آپ ﷺ کی سیرت طیبہ دراصل آپ ﷺ کی حسن خلق ہی کی تشریح و توضیح ہے۔ اسلام دین فطرت ہے، دین حکمت و بصیرت ہے، اور دین علم و عمل ہے۔ تاریخ عالم اس بات پر شاہد ہے کہ نبی کریم ﷺ دنیا کے کامل ترین انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رحمت للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا تھا۔ آپ ﷺ کی ذات اطہر سے جدا ہو کر نہ ہم صراط مستقیم پر گامزن ہو سکتے ہیں اور نہ ہی منزل مقصود کو پا سکتے ہیں

قرآن نے آپ ﷺ کی شخصیت کو رسالت و بشریت کا امتزاج، آپ ﷺ کی رفتار و گفتار کو خلق عظیم، آپ ﷺ کے اقوال و افعال کو حکمت و بصیرت اور آپ ﷺ کی ذات اقدس کو اسوۂ حسنہ سے تعبیر کیا ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت کسی ایک قوم، کسی ایک ملک، کسی ایک نسل، یا کسی ایک زمانے کے لیے مخصوص نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسا جامع اور مکمل ضابطہ حیات دے کر بھیجا تھا جو تمام انسانوں کی رہنمائی کے لیے تھا۔ اس پیغام کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ انسان صرف خدا کی اطاعت وبندگی کرے۔ جو اس کا خالق و مالک ہے۔ اس کے سوا کسی کی محکومیت اور غلامی قبول نہ کرے۔ نبی کریم ﷺ نے یہ واضح کردیا کہ انسان اس دنیا میں جس صلاحیت، دولت، طاقت اور اقتدار کا مالک بنا ہے وہ اس کی اپنی ملکیت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے جس کو وہ صرف اپنی مرضی کے مطابق ہی استعمال کرسکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اپنے قول و عمل کے ذریعے نہ صرف یہ کہ انفرادی زندگی کے طور طریقے سکھائے بلکہ اجتماعی زندگی گزارنے کے آداب بھی بتائے۔

سرور کونین ﷺ کی مقدس زندگی ک ہر لمحہ تاریخ ساز فیصلوں سے عبارت ہے۔ آپ ﷺ کا ہر فیصلہ انسانیت کی بھلائی کا ضامن اور اس کے عروج کی دلیل ہے۔ آپ ﷺ کے بروقت برمحل اور صحیح فیصلوں نے انسانی معاشرے کی تشکیل و تکمیل میں بنیادی کردار ادا کیا ہے، جس کی مثال روئے زمین پر نہیں ملتی۔

قرآنی تعلیمات اور نظام اسلام کے نفاذ کے لیے کتاب و سنت لازم و ملزوم ہیں۔ قرآن کے قانون اور مفاہم کو سمجھنے کے لیے حیات طیبہ اور احادیث کے مطالعے کی اہمیت اور افادیت سے انکار کفر ہے۔ آج ہم حقوق انسانی کے حصول کے لیے اگر آپ ﷺ کے خطبہ حجتہ الوداع کے ارشادات پر غور کریں تو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ امن و سلامتی صلح و آشتی کے قیام کے سلسلے میں اس سے بڑھ کر کوئی اور منشور انسانیت نہیں ہے۔ آج بھی تمام عالم انسانیت کے لیے حضور نبی کریم ﷺ کے اسوۂ اور سیرت طیبہ، دنیا میں انسانی محبت، عالمگیر برادری، امن عالم کے استحکام اور انسانی اقدار کی نشاۃ ثانیہ اور انسانیت کی بقاء اور تمدنی ارتقاء کے لیے ابدی سرچشمہ ہے۔

آپ ﷺ دنیا کی وہ واحد عظیم ترین شخصیت ہیں جس کا برملا اعتراف کیے بغیر دشمن بھی نہیں رہ سکتے ہیں

ورق تمام ہوا مدح باقی ہے
سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لیے

زندگی کے ہر شعبے میں آپ ﷺ کی حیات طیبہ قرآن حکیم کی عملی تفسیر ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات کے بارے میں فرمایا۔

”میں اخلاق حسنہ کی تشکیل اور تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں“

آپ ﷺ کی زندگی سادگی کا مرقع اور قرآن پاک کی تعلیم کا عملی نمونہ تھی۔ نظام کائنات اور تخلیق انسانی کا یہی تقاضا ہے کہ انسان انفرادی اور اجتماع زندگی کے ہر گوشے اور ہر شعبے میں خالق کائنات کے مقاصد تخلیق کا پیکر ہو اور اس کی متمدنی اور با اخلاق زندگی دوسرے انسانوں کے لئے مایہ رحمت ثابت ہو۔ لیکن تمدن کی برکات اور اس کے نتائج اور ثمرات اس وقت تک بنی نوع انسانی پر سایہ فگن نہیں ہوسکتیں جب تک کہ تمدن کو حسن اخلاق کے صحیح خطوط پر استوار نہ کیا جائے۔ قوانین عالم اور دساتیر عالم اخلاقیات کی معراج پر پہنچ کر ہی ابر رحمت بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس قدر ہادیان عالم کائنات انسانی میں آئے وہ تمام معلمین اخلاق تھے۔ ان کی دعوت کے ہر پہلو میں محاسن اخلاق کا کوئی نہ کوئی درس ضرور ہوا کرتا تھا۔ پوری کائنات کے لیے دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کرنا معلم اخلاق کے لیے ہی مقرر ہو چکا تھا۔ اسی بناء پر پیغمبر اسلام ﷺ نے بعثت نبوت کے بعد پورے عالم انسانیت کو پیغام سنایا۔

اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ آپ ﷺ کو وہ زندہ معجزہ حسن اخلاق عطا فرمایا گیا جس کی بناء پر چلتے پھرتے مُردوں میں جان آ گئی۔ حُسنِ اخلاق چونکہ انسانی شمائل و محاسن کا سرچشمہ ہے لہٰذا جس قوم کے اخلاق بلند ہوں گے اس کی دینی و دنیاوی ترقی دوسری اقوام عالم سے بدرجہا بڑھ جائے گی۔ پیغمبر آخر الزماں ﷺ نے یہ دیکھ کر کہ تمام انسانی کائنات ضلالت و گمراہی کے چنگل میں گرفتار ہو چکی ہے اپنے حسن اخلاق سے کام لیا اور کفر و ضلالت پرستوں کا استحصال اس طرح کیا کہ تاریخ مذاہب عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر نظر آتی ہے۔

آپ ﷺ نے ظالم اور گمراہ قوموں کے لیے بددعا نہیں کی بلکہ انسان نما درندوں اور وحشیوں کو زیور تہذیب سے آراستہ کر کے انہیں دنیا کی بہترین قوم بنا دیا۔ سید المرسلین رحمت للعالمین ﷺ نے اپنے خلاف تلوار اٹھانے والوں سے نہ صرف یہ کہ انتقام نہیں لیا بلکہ کبھی اپنی زبان پر حرف شکایت بھی نہ لائے اور کبھی بددعا کے لیے ہاتھ بھی نہ اٹھائے۔ جب صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ کفار کے حق میں بددعا فرمائیں تا کہ ان کے وجود بد سے دنیا میں مزید گمراہیاں نہ پھیل سکیں تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ میں بددعا کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں۔

اخلاق نبوی ﷺ پر قرآن کی گواہی:

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی سیرت کے اخلاقی پہلو اپنے بلیغ انداز میں بیان فرمائے ہیں۔

1- البتہ آپ ﷺ عظیم خلق (بڑے پسندیدہ اخلاق) کے مالک ہیں۔ (القلم)

2- لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں، تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے۔ تمہاری بھلائی کے لیے بہت خواہش مند ہیں اور ایمان لانے والوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔ (توبہ 129)

3- اے محمد ﷺ! اللہ کی رحمت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی افتاد طبع (ان لوگوں کے لیے) نرم واقع ہوئی ہے۔ اگر آپ ﷺ بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ ﷺ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ پس ان کو معاف کر دیجئے اور ان کے لیے مغفرت مانگئے اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ لیا کیجئے۔ (آل عمران 109)

4- عرب کے بدو اور گنوار بات چیت کے عام آداب سے واقف نہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے بلند آواز سے باتیں کرتے اور وقت بے وقت آپ ﷺ کو پکار کر حجرے سے باہر بلا لیتے۔ رسول اکرم ﷺ کی طبیعت ان حرکتوں سے مکدر ہوتی تھی لیکن اپنے حسن خلق کی وجہ سے لوگوں سے کچھ نہ کہتے۔ اس حال پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی کہ لوگ اپنی آواز رسول خدا کی آواز سے اونچی نہ کیا کریں اور حجرے کے باہر سے پکار کر بلانے کے بجائے آپ ﷺ کے خود بخود باہر آنے کا انتظار کرلیا کریں۔ (سورہ الحجرات)

5- اور اے محمد ﷺ ہم نے آپ ﷺ کو جملہ جہانوں اور عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ (الانبیاء-107)

6- البتہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و اطوار میں نہایت اچھا نمونہ ہے۔ (الاحزاب-21)

اخلاق نبوی ﷺ سے متعلق احادیث مبارکہ

1- حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ ﷺ کافروں کے حق میں بددعا فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''میں لعنت کے لیے نہیں بھیجا گیا، بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (صحیح مسلم)

2- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں صرف اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ بہترین اور پسندیدہ اخلاق کو پورا کردوں۔ (سنن بیہقی)

3- حضرت ابوذر غفاریؓ نے اپنے بھائی کو مکہ روانہ کیا کہ پیغمبر ﷺ کے اخلاق سے مجھے مطلع کرنا۔ انہوں واپس آ کر یہ الفاظ ادا کیے۔ میں نے انہیں دیکھا کہ وہ لوگوں کو اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ (صحیح مسلم)

4-حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہؓ سے پوچھا گیا کہ حضور اکرم ﷺ کے اخلاق کیسے تھے تو آپؓ نے جواباً فرمایا۔"تمام قرآن آپ ﷺ کا خلق مبارک ہے۔"

5-اہل مکہ کی ایذاء رسانیوں کی جب انتہا ہوگئی تو حضور اکرم ﷺ نے یہ خیال فرما کر کہ طائف کا خطہ بہت سرسبز و شاداب ہے وہاں کے لوگوں کے دلوں میں بھی ایسی ہی تازگی ہوگی اور وہ اس پیغام ہدایت کو جو انسانیت کی بہتری کے لیے لایا ہوں ۔بخوشی قبول کریں گے ۔آپ ﷺ طائف روانہ ہوگئے ۔وہاں پہنچ کر خلاف امید اہل طائف کو سخت اذیت کوش پایا۔ ایک غریب الوطن کے ساتھ یہ برتاؤ کہ قدم مبارک پتھروں کے ضرب سے لہولہان ہوگئے ۔راہ چلنا دشوار ہوگیا۔اس وقت حضرت جبریل امینؑ حاضر خدمت ہو کر عرض کرتے ہیں کہ "حکم ہو تو اہل طائف پر یہ پہاڑ جس کے دامن میں یہ بستے ہیں الٹ دیا جائے ۔" ارشاد ہوتا ہے۔"نہیں شاید ان کی نسل میں کوئی اللہ کا ماننے والا پیدا ہو جائے۔" (سیرت ابن ہشام)

6-حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دس برس رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی اور اس دوران آپ ﷺ نے کبھی اف تک نہ کہا اور نہ کبھی یہ کہا کہ تم نے فلاں کام کیوں کیا یا فلاں کام کیوں نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں میں بہترین خلق کے مالک تھے۔(بخاری ومسلم)

7-حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ کسی کو برا بھلا نہیں کہا کرتے تھے ۔برائی کے بدلے برائی نہ کرتے بلکہ درگزر سے کام لیتے ۔" (بخاری ومسلم،ترمذی)

8- مکہ فتح ہونے کے بعد آپ ﷺ نے تمام قصور واروں کو معاف فرمایا۔حالانکہ چاہتے تو ایک ایک ظلم کا بدلہ لے سکتے تھے ۔آپ ﷺ نے فرمایا" آج تم پر کوئی ملامت نہیں ۔جاؤ،تم سب آزاد ہو۔" (طبقات ابن سعد)

9-حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مدینے میں ایک یہودی عالم تھا۔رسول اللہ ﷺ نے اس سے کچھ درہم قرض لے رکھے تھے ۔یہودی نے قرض کی ادائیگی کا تقاضا کیا۔آپ ﷺ نے فرمایا۔"اس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں کہ میں تیرا قرض چکا سکوں ۔" یہودی نے کہا کہ میں آپ ﷺ کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک میرا قرض ادا نہ کردیں ۔ آپ نے وہیں ظہر،عصر،مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کیں۔آپ ﷺ کے چند ساتھی جو وہاں جمع ہوگئے تھے۔انہوں نے یہودی کو ڈرانے کی کوشش کی۔جب حضور ﷺ کو پتہ چلا۔تو آپ ﷺ نے سختی سے منع کیا اور ارشاد فرمایا کہ "اللہ نے مجھے منع کر رکھا ہے۔کہ میں عہد والے شخص پر یا کسی اور پر ظلم کروں ۔چنانچہ آپ ﷺ رات بھر وہیں بیٹھے رہے ۔صبح ہوئی تو یہودی نے کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہوگیا اور کہنے لگا کہ میں اپنا آدھا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں ۔یارسول اللہ ﷺ میں نے آپ ﷺ کے ساتھ اس لیے سختی کی تاکہ دیکھوں کہ تورات میں آپ ﷺ کی جو تعریف وتوصیف بیان ہوئی ہے آپ ﷺ اس پر پورا اترتے ہیں یا نہیں اور وہ صفت کہ اللہ کا آخری رسول محمد ﷺ بن عبداللہ ہے۔وہ بدزبان ہے نہ سخت دل۔بازاروں میں چلا چلا کر بولنے والا ہے نہ بے ہودہ گو۔اب میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں ۔یہ مال حاضر ہے آپ ﷺ اسے اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کردیں۔(سنن بیہقی)

10-عبداللہ بن ابی منافقین کا سردار تھا۔اس کی منافقت نے بارہا نازک مواقع پر مسلمانوں کو نقصان پہنچایا اور حضور ﷺ کو دلی ایذائیں دیں ۔اس کے باوجود جب وہ فوت ہوا تو آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے لیے دعائے مغفرت کی۔اس واقع کے بعد وحی نازل ہوئی کہ اللہ منافقین کی بخشش نہیں کرے گا۔(صحیح بخاری)

ان روایات سے یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی یہ تھا کہ حسن اخلاق سے عالم کو نوازا جاسکے اور صرف عرب ہی نہیں بلکہ پورے عالم میں انسانیت کی روح کو پھونکا جاسکے اور یہ محاسن اخلاق کا وہ عملی مظاہرہ ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی ۔حضور اکرم ﷺ کی پوری حیات مقدسہ ہی اس حقیقت کا مظہر ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ فطری طور پر حسن اخلاق کا مجسمہ تھے ۔آپ ﷺ میں حسن اخلاق کی برکتیں اس طرح جھلکتی تھیں جیسے آفتاب کی شعاعوں میں تجلیات ۔یہ ایک ایسی معجزانہ قوت وطاقت تھی جو ہر شخص کو آپ ﷺ کے سامنے جھکا دیتی تھی اور آپ ﷺ کی دعوت اسلام کی تاثیر کے جوہر بے پناہ طور پر نمایاں کردیتی تھی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اس کو دیکھ کر انصاف پسند مخالفین بھی آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کے قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔آپ ﷺ نے اہل طائف سے بظاہر درگزر کیا مگر باطنی طور پر حسن اخلاق کا اعلیٰ ترین اور بے مثل مظاہرہ کیا۔حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ آپ ﷺ کو سب سے زیادہ تکلیف کہاں پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا:"طائف میں"

کوئی بھی زمانہ ہو۔تاریخ کا کوئی بھی باب ہو اور تہذیب وتمدن کا کوئی بھی سبق ہو وہ انسان کامل کے خلق عظیم کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

دُرود و سلام کی فضیلت و اہمیت

غلام رسول شاہد (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)

دُعا عبادت کا مغز یا بندگی کا جوہر ہے تو دُرود و سلام دُعا کا جوہر ہے

سورۃ احزاب میں رب کریم کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا O

’’اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی ﷺ پر، اے ایمان والو تم بھی خوب درود بھیجو اُس پر اور سَلام بھیجو سلام کہہ کر۔‘‘

عربی میں صَلٰوۃ کا لفظ رحمت، دعا، مدح و ثناء اور درود کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یوں اللہ کی رحمت سے انعام و رحمت فرشتوں کی طرف دعا و مدح اور انسانوں کی طرف حکم ہے۔ کہ وہ بھی حضور ﷺ کے لیے مدح و ثناء اور دعا و سلامتی کے خواہاں ہوں۔

سلامتی سے مراد نقائص و عیوب، مصائب و آفات سے سالم و ثابت اور محفوظ و مامون رہنا ہے۔ سلام بذاتِ خود ایک احسن دُعا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو عالی مرتبت بنایا اور آپ ﷺ کے ذکر کو بلند فرمایا۔ اذان و اقامت ہو یا نماز یا حج کی پُر سعادت گھڑیاں، جہاں جہاں بھی اللہ کا ذکر ہوتا ہے۔ حضور رسولِ مقبول ﷺ کے اسمِ بابرکت کا نور ساتھ ساتھ بلند ہوتا ہے۔

آپ ﷺ نے اللہ کے دین کے لیے اپنا تن من دھن سب وقف کر دکھایا۔ عزیز و اقارب اور گھر بار چھوڑا۔ اپنوں سے جنگ کی اور اللہ کے حکم کو مقدم رکھا تو ربّ کریم نے بھی زمین و آسمان میں ہر جگہ آپ ﷺ کا ذکر بلند فرمایا۔ بلاشبہ تمام خلائق میں آپ ﷺ سب سے اعلیٰ و اولیٰ اور آپ ﷺ کا درجہ بلند و بالا ہے مقامِ محمود آپ ﷺ کا مقدر، رحمت، شفاعت اور سلامتی آپ ﷺ کی ذات سے مزّین ہے۔ آپ ﷺ نبی ﷺ، احمدؐ و محمدؐ۔ آپ ﷺ سراجؐ منیرؐ، آپ ﷺ بشیرؐ و نذیرؐ، آپ ﷺ مزملؐ و مدثرؐ، آپ ﷺ طٰہٰؐ و یٰسینؐ۔ آپ ﷺ حبیب مصطفیٰؐ، آپ ﷺ ناصرؐ و مجتبیٰؐ

دُرود و سلام پڑھنے سے حضور سرورِ کائنات ﷺ سے ساتھ رشتہ رحمت استوار ہوتا ہے

، آپ ﷺ حامدؐ و محمودؐ، آپ ﷺ شاہدؐ و مشھودؐ ......صادقؐ و امینؐ، رؤف الرحیمؐ، حق و مبین، طیب و طاہر اور رحمت اللعالمین ﷺ ہیں۔

زمین و عرش پہ ذکرِ مبین آپؐ کا ہے
کہ جس پہ نازاں ہو یزداں وہ دین آپؐ کا ہے
(شاہد)

حدیث شریف ہے کہ جب سورۃ احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی تو ایک شخص نے نبی پاک ﷺ سے درود و سلام کا طریقہ پوچھا اور عرض کیا کہ سلام کا طریقہ تو اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ ہے تو صَلٰوۃ کا طریقہ فرما دیجئے۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ O

سبحان اللہ! قربان جائیں ہم اور ہمارا سب کچھ آپ ﷺ کے قدموں پر کہ درود پاک کا طریقہ بھی وہی پسند فرمایا جو سراسر توحید ہے۔ جس میں دعا ہے تو اللہ جل شانہٗ سے اور تقلیدِ درود و برکات ہے تو حضرتِ ابراہیمؑ کی اور اپنی آل و امت کے لیے وہی دعا ہے جو بنی اسرائیل کے پیغمبروں اور نبیوں کے شایانِ شان اور ان کے لیے مانگا گیا۔ خیر و برکات کا معیار اس سے اعلیٰ و ارفع بھلا کیا ہوگا۔ جو انبیاء کرام کے لیے مختص ہوا ایسی خیر و سلامتی جو حضرت ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ یعنی حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ اور حضرت عیسیٰؑ جیسے عالی مرتب پیغمبروں پر ہوئی اور جس کی چند ایک مثالیں، حضرت ابراہیمؑ پر نارِ نمرود کا گل و گلزار بن جانا، حضرت موسیٰؑ کی ضربِ کلیمی سے پانی میں راستہ ہموار ہونا اور دشمنی کا فنا ہونا اور حضرت عیسیٰؑ کا اللہ کی حفاظت میں مکان عالی کی طرف رفیع الشان ہونا شامل ہے۔

کیا خوب ہے یہ درودِ ابراہیمیؑ کہ ایک طرف خالص توحید اور بندگی کا مرقع ہے تو دوسری طرف پوری آلِ رسول ﷺ و امت حبیب ﷺ کے لیے خیر و سلامتی کا منبع اور رحمتوں اور برکتوں کا اتھاہ سمندر ہے۔

جناب رسالت مآب ﷺ نے اسے خود پسند فرمایا اور یہی طریقہ نماز کا حصہ بن گیا۔ صحابہ کرامؓ نے بھی **السلام علیک ایھا النبی** کا طریقہ سلام کے لیے اور **اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ** کا مسنون طریقہ درود شریف کے لیے اپنایا۔ مومنین فرش پر اور فرشتے عرش پر آنحضور ﷺ پر درود و سلام بھیجتے ہیں

جمہور فقہاؒ کا اتفاق ہے کہ جب کوئی آنحضور ﷺ کا ذکر کرے یا سُنے تو اُس پر درود شریف واجب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حدیثِ مبارکہ ہے:

’’بخیل ہے وہ شخص کہ جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر دُرود نہ بھیجے۔‘‘

پس مستحب ہے کہ جتنی مرتبہ رسول کریم ﷺ کا ذکر مبارک آئے دِلی محبت اور ادب و عقیدت کے ساتھ

درودِ مبارک پڑھا جائے۔ مسلم معاشرہ سلامتی کا معاشرہ ہے اور جنت الفردوس میں اہلِ معاشرہ کا کلام "سلام" سلام" ہوگا۔ حضور پاک ﷺ پر خیر و سلامتی بھیجنے کے تو کیا ہی کہنے! مسلمانوں کا آپس میں سلام کہنا، اللہ کو اتنا پسند ہے کہ سلام کا بدل دس گناہ سلامتی میں رکھا۔ آپس کا سلام باہمی محبت اور اخوت بڑھانے کے لیے اتنا اہم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے ایمان کا حصہ قرار دیا اور اسے عام کرنے کا حکم دیا۔ اپنے بارے میں تو یہاں تک ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں (یعنی رسول اللہ ﷺ) اُس کے لیے، اُس کے ماں باپ، اولاد اور تمام دوسروں کے مقابلے میں محبوب ترین نہ ہو جاؤں۔

ربِّ ذوالجلال نے سورۃ توبہ کی آیت نمبر 24 میں نہایت واضح انداز میں اس بات کی توثیق و تصدیق اور تنبیہ فرمائی۔

"آپ فرما دیں کہ اگر تمہارے آباؤاجداد اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور کمائی کے مال اور وہ سودا اور تجارت جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہاری پسند کے مکانات، تمہیں اللہ اور اُس کے رسول اور اُس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں تو انتظار کرو حتیٰ کہ اللہ اپنا حکم ظاہر کردے اور اللہ فاسقوں کو ہدایت کی راہ نہیں دکھاتا۔"

نبی کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ صالحین پر سلامتی بھیجنا اور اپنے والدین اور مومنین کے لیے دُعائے مغفرت، نماز میں قعدہ کا لازمی حصہ ہے۔ درودِ پاک کی اہمیت کا ثبوت اس سے بڑھ کر بھلا اور کیا ہوگا کہ نماز جو معراج المومنین اور عین بندگی ہے اس میں نبی کریم ﷺ اور آلِ رسول پر درود و سلامتی ایسے مانگی گئی جیسے آلِ ابراہیمؑ پر۔ کہ دُرودِ ابراہیمی توحید خالص اور وہ بہترین دُعا ہے۔ جسے حضور نبی کریم ﷺ نے خود پسند فرمایا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے دُعا کو عبادت کا مغز اور بندگی کا جوہر قرار دیا۔ اور ہمارے نزدیک درودِ ابراہیمی دُعا کا جوہر ہے۔

بقا و فلاح سلامتی کی مرہونِ منت ہوتی ہے اور ازلی و ابدی رحمت و سلامتی کا اصل منبع بلاشبہ حضور اقدس ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ لہٰذا پوری کائنات کی بقا اور سلامتی، آپ ﷺ کی سلامتی سے ہے۔ جب اللہ سے اُس کے محبوب ﷺ کی سلامتی مانگی جائے تو جواباً کئی گنا سلامتی نصیب ہوگی اور نبیِ رحمت ﷺ کے ساتھ رشتہ رحمت و برکت استوار ہوگا۔ پس ابدی فلاح و سلامتی کے حصول کا آسان ذریعہ حضور ﷺ سے وفا و محبت ہے۔

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

جس طرح اللہ کا ذکر کرنے اور اُس کی طرف رجوع کرنے سے اللہ کا قرب ولقاً نصیب ہوتا ہے اسی طرح درود و سلام سے نبی اکرم ﷺ کا قرب و

دُرود وسلام فلاح وسلامتی کے حصول کا آسان اور موثر ذریعہ ہے

دیدار ملتا ہے۔ اور جس طرح رجوع اِلی اللہ کا افضل طریقہ ذکر الٰہی ہے۔ بعینہٖ نبی کریم ﷺ کی رحمت و شفقت، شفاعت و محبت کے حصول کا آسان طریقہ محبت وعقیدت کے ساتھ درود وسلام بھیجنا ہے۔ جس طرح اللہ کے ذکر سے ایک مومن میں روحانی طاقت اور رحمانی صفات پیدا ہوتی ہیں اسی طرح درود شریف کی برکت سے مومن کے دل میں عفو و درگزر، حلیمی، سلیمی، رؤفی و رحیمی کی صفات جنم لیتی ہیں اور خمیر میں لطافت، صداقت و امانت اور محبت و شرافت کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔ مومن اللہ کو یاد کرے گا تو اُس کی محبت و صفات کا امین کہلائے گا۔ حضور ﷺ پر درود وسلام بھیجے گا تو پیکر لطف و شرف بن جائے گا۔ حضور ﷺ کی توجہ میں پرورش پائے گا اور آپ ﷺ کے فیضان سے سرشار رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو جس سے محبت کرے گا۔ قیامت کے روز اُسی کے ساتھ اُٹھایا جائیگا۔ پس مژدہ ہے اُن خوش نصیبوں کے لیے جو نبی رحمت ﷺ کے متوالے ہیں اور دن رات محبوب ربُ المشرقین والمغربین کی یاد اپنے سینوں میں بسائے آپ ﷺ کے حضور درود و سلامتی کے پھولوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ آخرت میں عقیدت و محبت کا یہی ہدیہ حضور ﷺ کے قرب، اُنکی شفقت و شفاعت اور سایہِ رحمت کا موجب ہوگا۔ اللہ کے محبوب سے محبت کرنے والے اللہ کے محبوب ہونگے جب محبت سچی ہو تو رشتے امیر ہوجاتے ہیں۔

اس لیے یہ بات یاد رکھیں کہ ذکر الٰہی اور درود شریف کا مقصد اُولیٰ حاجت روائی اور مشکل کشائی نہیں بلکہ یہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے قرب کا ذریعہ ہیں۔ یہ خالص عبادت اور بندگی ہے اور اس کے اصل مقاصد و ماحصل اللہ کی رضا اور خوشنودی اور رضائے رسول کریم ﷺ ہے جو انسان کی دائمی فلاح و بقا اور سلامتی کی اصل ضمانت ہے۔ اس لیے ذکر الٰہی اور درودِ پاک کو اللہ کی عبادت اور بندگی سمجھو۔ ربّ العزت سبحان اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تسبیحات کی طرح درودِ پاک بھی رب کریم کے اُن احکام میں سے ہے جن پر عمل پیرا ہوئے بغیر کوئی مسلمان مومن نہیں بن سکتا۔ درودِ پاک کی برکت سے طبیعت کو نرمی، روح کو بالیدگی، نفس کو پاکیزگی اور قلب کو خشیت نصیب ہوتی ہے اور یہی ایمان مکمل کی نشانی ہے۔

اربوں اربوں درود، کھربوں کھربوں سلام نبی رحمت رؤف الرحیم پر کہ درودِ پاک حضور رسولِ مقبول ﷺ کے لیے اللہ کا خاص انعام فرشتوں کی طرف سے اعترافِ مقام و مدحِ رسول ﷺ اور ہم عاجز و مسکین بندوں کی طرف سے ہدیہ سلام وثناء ہے

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا

کسبِ حلال کی اہمیت آنحضورﷺ کی نظر میں

محمد حامد کلیم

☆ رسول اکرم ﷺ نے شروع میں تجارت کو بطور پیشہ اپنایا کیونکہ یہ پیشہ نہ صرف مفید ہے بلکہ اور بھی بہت سے اخلاق حسنہ کا حامل ہے۔ انسان اسی کے ذریعے ایک خوشحال زندگی بسر کرسکتا ہے۔ اس میں انسان اپنی بہترین ذہنی اور اخلاقی صلاحیتیں بروئے کار لاتا ہے۔ تجارت میں انسان کی نگاہ وسیع اور دل فراخ ہوتا ہے۔ معلومات بڑھتی ہیں۔ محنت اور کوشش سے رزق حلال سے رغبت ہوتی ہے۔ انسان ایک دوسرے کی نفسیات سے واقفیت حاصل کرتا ہے۔ تاجر کا ہر لمحہ مصروفیت کا لمحہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی قابلِ قدر مصروفیات میں سے چند آرام کے لمحے بھی بمشکل نکالتا ہے۔ یہی وہ عظیم پیشہ ہے جس میں انسان کے دست وبازو بھی مصروف کار ہوتے ہیں اور ذہن وفکر بھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تاجر ہر موقع پر اللہ ہی کی مدد چاہتا ہے اور اسی سے برکت کی دعا کرتا ہے۔ یوں توکل کی ایک ایسی خوبی ابھرتی ہے جو قابلِ قدر اور قابلِ تقلید ہوتی ہے۔

تجارت کے پیشے کو نہ صرف حضور ﷺ نے بلکہ اکثر صحابہؓ نے اختیار فرمایا اور اپنی دیانت، امانت اور صداقت کی وجہ سے سکون و آرائش سے بہرہ ور ہوئے۔ مسلمانوں نے جب ہجرت کی تو حضور ﷺ نے مواخاۃ کا سلسلہ شروع فرمایا۔ حضرت سعدؓ بن ربیع (انصاری) کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف (مہاجر) کو منسلک کیا گیا سعدؓ خاصے امیر تھے۔ انہوں نے حضرت سعدؓ کو اپنی ہر ملک کے نصف کا حق دار قرار دیا۔ جب انہوں نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے اپنا حصہ لینے کی گذارش کی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے صرف بازار کا راستہ بتادیا جائے۔ میں اپنی دنیا آپ پیدا کرلوں گا۔ چنانچہ حضرت سعدؓ نے قینقاع کے اہم بازار کا راستہ بتادیا۔ انہوں نے وہاں گھی اور پنیر کی فروخت شروع کردی۔ اس کاروبار سے وہ متمول ہوگئے۔ یہاں تک کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں مٹی میں بھی ہاتھ ڈالوں تو سونا ہوجاتی ہے۔ ان کا سامان تجارت سات سو اونٹوں پر لد کر مدینے آتا تو تمام شہر میں دھوم مچ جاتی تھی۔ اسی طرح حضرت ابوبکرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عمرؓ بھی تجارت فرماتے تھے۔ اسلام میں کسبِ حلال بھی عبادت ہے اور حضور ﷺ کی متعدد احادیث اس طرف اشارہ کرتی ہیں۔ ایک مقام پر حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص حلال روزی کی تلاش میں تھک کر سوجائے تو وہ ایسی حالت میں سوتا ہے کہ خدا اس سے خوش ہے ایک دوسرے مقام پر فرمان رسالت ﷺ کچھ یوں ہے۔ اگر کوئی شخص اس حالت میں گھر سے نکلا کہ اپنے بچوں کے لیے کوشش کے ساتھ رزق مہیا کرے، وہ خدا کی راہ میں نکلا اور اگر کوئی اس غرض سے نکلا کہ اپنی ذات کے لیے کوشش کرے، تو وہ بھی خدا کی راہ میں نکلا، لیکن اگر وہ فخر ونمائش کے لیے نکلا تو شیطان کی راہ میں نکلا۔ گویا حلال کسب معاش عبادت بھی ہے اور جہاد بھی۔ اسلام میں تجارت کی اتنی اہمیت ہے کہ ایک بار حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص طلبِ حلال کی جدوجہد کرتے ہوئے مرگیا، وہ بخشا جائے گا۔ گویا رزقِ حلال کی تلاش جہاں اپنے اندر عملی عبادت کی روح لیے ہوئے ہے وہاں جہاد کا شرف بھی رکھتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مغفرت کی سند بھی ہے۔ ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے اپنے اوراد وعبادات کا تذکرہ کیا اور کہا کہ شب وروز عبادت میں مصروف رہتا ہوں۔ حضور ﷺ نے استفسار فرمایا کہ پھر کھاتا کہاں سے ہے؟ اس نے عرض کی کہ میرا ایک بھائی ہے جو کماتا ہے اور مجھے کھلاتا ہے، خود بھی کھاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تیرا بھائی تجھ سے افضل ہے۔

کسب حلال کے کئی انداز ہیں مگر سب نفع بخش ذریعہ تجارت اور کاروبار ہے اور اسی میں فرمان رسالت ﷺ کے مطابق دس میں سے نو حصے رزق ہے اور تاجر کے بارے میں ایک بصیرت افروز حدیث یوں ہے کہ "دلیر تاجر خوب کماتا ہے اور بزدل تاجر نقصان میں رہتا ہے۔" آں حضرت کے جدِ امجد ہاشم بھی تاجر تھے۔ حضرت ابوطالب کا بھی یہی پیشہ تھا۔ آپ ﷺ انہی کے ساتھ تجارتی قافلوں میں سفر کرتے رہے۔ یہ بچپن کا دور تھا مگر جب سنِ بلوغت کو پہنچے تو فکر معاش ہوئی اور آپ ﷺ کو تجارت ہی بہترین پیشہ نظر آیا۔ چونکہ آپ ﷺ صادق اور امین تھے اور آپ ﷺ کو لوگ ایک معتمد انسان سمجھتے تھے اس لیے بہت سے کاروباری لوگ آپ ﷺ کو اپنے کاروبار میں شریک کرنے پر فخر محسوس کرتے تھے۔ آپ ﷺ مال تجارت لے کر شام، بصرہ، یمن اور بحرین تک جاتے اور اپنی دیانت سے اتنا نفع کماتے کہ لوگ آپ ﷺ کے گرویدہ ہوگئے تھے۔

تجارت میں جہاں راست بازی، حسنِ معاملت، امانت اور دیانت کی ضرورت ہے وہاں ایفائے عہد بھی ضروری ہے۔ گویا ایفائے عہد کے بغیر امانت و دیانت کا کوئی شعبہ بھی نکھر نہیں سکتا۔ ایک

صحابیؓ فرماتے ہیں کہ بعثت سے پہلے میں نے حضور ﷺ سے کوئی لین دین کیا۔ معاملہ طے ہوگیا۔ میں نے وعدہ کیا کہ پھر آؤں گا۔ اتفاق سے تین روز تک مجھ کو یاد نہ رہا۔ تیسرے دن یاد آیا تو اس مقام پر پہنچا اور حیران رہ گیا کہ حضور ﷺ وہیں منتظر تھے۔ مجھے دیکھ کر اتنا فرمایا، تم نے مجھے زحمت دی۔ میں اس مقام پر تین دن سے موجود ہوں۔

تجارت کے دوران حضور ﷺ معاملہ کے اتنے کھرے تھے کہ کبھی کوئی جھگڑا پیش نہ آیا۔ وہ لوگ جو آں حضرت ﷺ کے ساتھ شریکِ تجارت رہے ان کی شہادتیں تاریخ نے محفوظ رکھی ہیں۔ اسی دور میں حضرت خدیجہؓ ایک دولت مند خاتون تھیں ان کی عصمت و عفت اور بلندی سیرت و کردار کا ایک زمانہ معترف تھا۔ وہ تجارت کے ذریعے گزر اوقات کرتی تھیں۔ حضور ﷺ کی شہرت کے پیشِ نظر انہوں نے آپ ﷺ کو پیغام بھیجا کہ میرا مال لے کر تجارت کی غرض سے شام تشریف لے جایئے۔ حضور ﷺ کی دیانت اور حسنِ معاملت سے حضرت خدیجہؓ اس قدر خوش ہوئیں کہ بعد میں اسی مسرت نے دونوں کو ازدواجی تعلق میں منسلک کر دیا۔

گویا حضور ﷺ نے زمانہ قبل نبوت یا دوسرے الفاظ میں اپنے شباب کا دور تجارت ایسے پیشے میں گزارا۔ بعد میں منصب نبوت کے ارفع مشاغل کے پیش نظر آپ ﷺ کی مصروفیات بڑھ گئیں۔ جب تک آپ ﷺ تجارت فرماتے رہے، آپ ﷺ نے ایسی اعلیٰ اور قابلِ تقلید روایت چھوڑیں کہ تاریخ انہیں آج بھی ایک بلند پایہ تاجر کی حیثیت سے یاد کرتی ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت یہی ہے کہ وہ دنیا میں رہے اور دنیا کی آلودگیوں سے بچ کر رہے۔ حلال تجارت میں برکت ہے۔ تجارت اور مالی ترقی و فراوانی، دنیا پرستی کی دلیل نہیں بشرطیکہ یہ کاروبار انہی خطوط پر ہو جس کی تعلیم عرب کے اس عظیم الشان انسان نے دی جو ہر شعبہ زندگی میں ایک مثال اور نمونہ ہے۔ اگر تجارت کرنا معیوب ہوتا تو قرونِ اولیٰ کے مسلمان یقیناً راہب، دنیا سے بیزار اور نادار ہوتے۔

صحابہ کرامؓ کی اکثریت تجارت پیشہ تھی۔

ان کے پاس اس پیشے کی برکت سے دولت کی ریل پیل بھی تھی مگر وہ اس دولت کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اپنی زندگی کا واحد مقصد سمجھتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود ایسے عظیم صحابہ، بہترین تاجرانہ بصیرت بھی رکھتے تھے اور تمول کی فارغ البالیوں سے بھی بہرہ ور تھے مگر ایک کردار ساز انسان کامل ﷺ کی صحبت نے انہیں اس قدر کندن بنا دیا تھا کہ ان کے سامنے انسانیت کا ایک ہی معیار تھا اور وہ اِتّقاء تھا اور اسی اِتّقاء نے ان کی تجارت کو بھی عبادت بنا دیا تھا۔ اور ان کے مال و دولت کو ان کی بخشش کا ذریعہ۔ وہ خوب سمجھتے تھے کہ اللہ کی رضا کے مقابلے میں درہم و دینار اور زر و سیم کو بہتر جاننے کا نتیجہ دوزخ کے بھڑکتے آلاؤ ہیں اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ سخاوت سے گناہ یوں محو ہو جاتے ہیں جس طرح سورج کی اولین کرنیں رات کی ظلمتوں کو نگل جاتی ہیں۔

صحابہ کرامؓ کے بعد بزرگانِ سلف میں بھی اکثریت ایسے انسانوں کی ہے جن کے نزدیک کاروبار اور تجارت ایک مقدس پیشہ تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ضیاء الدین، ابن بیطار (حیوانات کا علاج کرنے والا) تھے۔ حضرت عماد الدین نقشبندی خیاط (درزی) تھے۔ حکیم عمر نیشاپوری خیام (خیمہ دوز) تھے۔ شیخ ابو علی دقاق (آٹا پینے والے) ابوبکر بن محمد بن احمد سکاک (لوہار) تھے۔ ابو نصر، صباغ (رنگریز) تھے۔ شیخ فریدالدین عطار (عطر بیچنے والا) تھے۔

آج تجارت کا پیشہ اپنی عظمت کھو چکا ہے۔ ہر بات میں دھوکہ اور فریب آ گیا ہے۔ ایک تاجر اپنے کاروبار کی بنیاد ہی جھوٹ پر رکھتا ہے۔ سود اور ناجائز منافع اس کے نزدیک شیرِ مادر ہے۔ وہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے رشوت تک کو جائز قرار دیتا ہے۔ ہر بات پر غلط قسمیں کھانا اس کا روز مرہ ہے۔ خیانت اس کا دستور اور وعدہ خلافی اس کا معمول ہے۔ ہر لحظہ اس کی نظر اسی بات پر ہوتی ہے کہ کب اور کیسے دھوکہ دے کر نفع حاصل کیا جا سکتا ہے۔ آج کا تاجر بھول جاتا ہے آج سے کئی سو سال پہلے رسول پاک ﷺ نے جو کچھ فرمایا اور جو کچھ کیا وہ اس قابل ہے کہ اُسے زندگی کا دستور بنا لیا جائے اور حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ جس قوم نے بھی ترقی کی، اس نے انہی سچائیوں کو اپنایا جنہیں اسلام نے پیش کیا تھا۔ ہم اگر ذلیل و رسوا ہیں تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ہم اس سانچے کو توڑ چکے ہیں جو حضور ﷺ نے ہمارے لیے تیار فرمایا تھا۔

کسبِ معیشت میں دیانت دارانہ تگ و دو بہت اہم ہے۔ بہت سے انبیائے کرامؑ تلاش معاش، کسبِ حلال اور جہد و عمل میں مصروف نظر آتے ہیں۔ حضرت ادریسؑ خیاطی کو اپنائے ہوئے تھے۔ حضرت لوطؑ کاشت کار تھے۔ حضرت داؤدؑ زرہ ساز تھے۔ حضرت نوحؑ کا پیشہ نجاری تھا اور خود رسول اکرم ﷺ نے شروع میں شبانی (چرواہا) اور بعد میں تجارت کی اور بطور پیغمبر آپ ﷺ نے ہر مقام پر کسبِ حلال پر زور دیا۔ اور تجارت میں امانت دیانت کو ضروری جزو قرار دیا۔ آپ ﷺ ہی کا فرمان اقدس ہے۔ ''عبادت کے ستر جزو ہیں اور ان میں افضل ترین جز کسبِ حلال ہے۔''

آبروئے ما زنام مصطفیٰ است

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

وہ کون سا نظام ہے جو دنیا نے آزما کر نہیں دیکھا اور وہ کون سا طرزِ حیات ہے جو اہلِ دنیا نے اپنا کر نہیں دیکھا مگر حاصل کیا ہے؟ انسانیت کی بے قدری، ایک دوسرے سے بیگانگی، نری خشکی اور محض برہمی، انسانی دنیا اگر فی الواقع خلوصِ دل سے یہ چاہتی ہے کہ وہ مزید ٹھوکروں سے بچ جائے تو اس کا واحد حل یہی ہے کہ وہ اپنا بستر اس گلی میں لگا دے جس کوچے کا ہر گدا شکوہ قیصری رکھتا ہے۔

☆ 12 ربیع الاول کو صرف ظہورِ قدسی ﷺ نہیں ہوا بلکہ عالم نو طلوع ہوا، اس تاریخ کو نہ یہ کہ حضور ﷺ نے جہانِ خاکی میں قدم رکھا بلکہ تاریخِ عالم نے نئے سفر کا آغاز کیا اس روز ایک ماں نے سعادت مند بیٹے کو جنم دیا بلکہ مادر گیتی نے ایک انقلاب کو جنم دیا، اس دن محض آمنہؓ کا گھر منور نہیں ہوا بلکہ تیرہ و تار خاکدان ہستی روشن ہوا، جس کے قدم رنجہ فرمانے سے زندگی پر شباب آ گیا، اور صدیوں سے دیکھے جانے والے خواب کو تعبیر مل گئی، اس کی بارگاہ کی نسبت سے زمین ارجمند اور اس کی پائے گاہ کے بوسے سے آسماں بلند ہو گیا اس کی تاب روسے شش جہت کائنات کو روشنی ملی اور اس کے حلقہ مو میں حیات منتشر کو آسودگی نصیب ہوئی۔

آپ کی تشریف آوری سے دنیا کو شرف انسانی کا حقیقی اندازہ ہوا، ورنہ اس سے پہلے حضرت انسان کو دوسری ہر چیز کی عظمت و شوکت کا احساس تھا لیکن وہ اپنی حرمت اور اپنے مقام سے بے خبر تھا، اس بے خبری کے نتیجے میں وہ سورج، چاند اور ستاروں کی چمک سے مرعوب ہو کر انہیں معبود بنائے ہوئے تھا، پہاڑوں کی بلندی اور غاروں کی گہرائی سے متاثر ہو کر انہیں خدا کا درجہ دیئے ہوئے تھا، راجوں، مہاراجوں، نوابوں، سرداروں، شاہوں اور رہبانوں کی جلالت و حشمت سے مسحور ہو کر انہیں اللہ کا اوتار مانے ہوئے تھا انسان اتنا دبا ہوا تھا کہ ہر ابھرتی چیز کے سامنے جھک جاتا تھا، اتنا ڈرا ہوا تھا کہ ہر ڈراؤنی شئے کی بندگی پر آمادہ ہو جاتا تھا اتنا سہا ہوا تھا کہ ہر ایک کا زور اس پر چلتا تھا، اتنا سمٹا ہوا تھا کہ اسے اپنی وسعت کا ادراک ہی نہ ہو سکا، اتنا مبہوت تھا کہ جن بھوت اس کے سجدوں کے حق دار قرار پائے، اتنا گھٹا ہوا تھا کہ اس بے قراں کائنات میں سانس لیتے ڈرتا تھا، اور اتنا جکڑا ہوا تھا کہ ہر نئی زنجیر کو اپنے لیے تقدیر سمجھتا تھا، حضور ﷺ نے آ کر اسے بتایا کہ تیری حرمت کعبے سے افضل ہے، تیری ذات رازِ الٰہی ہے، تیری تخلیق حرف ''کن'' سے نہیں خاص دست قدرت سے ہوتی ہے، تو امانت الٰہی کا حامل ہے، تجھے ارادہ و اختیار کا وصف عطا کیا گیا ہے، تو اپنے ذرہ ہستی میں صحرا ہے، اور قطرۂ وجود میں قلزم ہے، حضور ﷺ کی اس تعلیم اور خود آگہی کے اس درس کا یہ نتیجہ نکلا، کہ جو انسان پہلے مٹی کے مادھو (بت) کے سامنے سمٹا ہوا ہوتا تھا آج اس کی ہیبت سے پہاڑ سمٹ کر رائی بنے ہوئے ہیں، جو انسان مورتیوں، بھوت پریتوں اور واہموں کے خوف سے نیم جان تھا اب صحرا و دریا اس کی ٹھوکر سے دو نیم ہوئے جا رہے ہیں، جو انسان دیوی دیوتا کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا رہتا تھا آج وہ ''یزداں بکمند آور'' کا نعرۂ مستانہ لگاتا نظر آتا ہے، سچی بات یہ ہے کہ کائنات کا اعتبار ہو کہ انسانیت کا وقار، یہ سب کچھ صاحب لولاک ﷺ کے دم قدم سے ہے۔

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو، خم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

آپ ﷺ کی ولادت باسعادت اور بعثت باکرامت سے پہلے یہی معمورۂ ہستی جہان خراب کا منظر پیش کر رہا تھا، یونان اپنی عظیم الشان تہذیب کے کھنڈر پر یکہ و تنہا کھڑا آنسو بہا رہا تھا، اور اہل یونان اس کھنڈر کے ملبے تلے دبے ہوئے کراہ رہے تھے، یونانی حکماء نے اپنے فلسفہ کے زور پر ہر مسئلہ حل کرنا چاہا، اس دور کا یونان فلسفیوں سے بھرا پڑا تھا، یہ ارشمیدس، یہ اقلیدس، یہ بطلیموس، یہ سقراط، یہ بقراط،

یہ ارسطو یہ افلاطون جس طرف نگاہ اٹھتی، فلسفیوں کی قطار بندھی نظر آتی ،مگر حقیقت پھر وہی ہے جو حکیم الامت اقبالؒ نے کہی ہے۔

اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ہوا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا

یونان کی چمکتی دمکتی اکیڈمیوں نے اندھیرا اور گہرا کر دیا، یہ دنیا منور ہوئی تو غار حرا کے گوشے سے طلوع ہونے والے آفتاب نبوت سے ہوئی۔

رومتہ الکبریٰ کے قیصر اور فارس کے کسریٰ بھی انسانیت کی پیٹھ پر بوجھ ہی رہے، اگر کسی نے آ کر انسان کو سبکدوش کیا تو آغوش آمنہؓ کے پروردہ نے کیا، یہ فغفور و خاقان انسانیت کے لیے تاوان ثابت ہوئے، دنیا کو امان ملی تو پیغمبر ﷺ کے گوشہ ء دامان میں نصیب ہوئی، شاہی قبا و عبا انسانی آبادی کے لیے وبا نکلی، وہ کالی کملی تھی جو گرفتاران بلا کے لیے **نسخہ** شفا بنی، بادشاہوں کی وسیع سلطنتیں اپنے باشندوں کے لیے سخت اور تنگ شکنجے تھے جب کہ یتیم مکہ کی چھوٹی سی کوٹھڑی دنیا بھر کے مظلوموں کے لیے اپنے اندر افلاکی وسعتیں رکھتی تھی، حبش سے آنے والے، روم سے آنے والے، فارس سے آنے والے، اور نجد سے آنے والے آتے گئے اور سماتے گئے، ارقم کے چھوٹے سے گھر میں بحر و بر سمٹ گئے۔

آج ہر آن پھیلتی ہوئی کائنات میں پھر سے تنگی کا احساس ہونے لگا ہے سائنس کی بے کرانی میں دم گھٹنے لگا ہے، سیلائٹ مریخ و مشتری کو گرفتار کرنے کے مشن پر ہیں مگر بد قسمت انسان ہوائے نفس کا اسیر ہو رہا ہے، نیو ورلڈ آرڈر کے پردے میں قبائے انسانی چاک ہوتی نظر آ رہی ہے۔ ''انٹرنیشنل ویلیوز'' کے چکر میں انسان اپنی رہی سہی قدر کھو رہا ہے۔

مولانا احمد رضا خان بریلویؒ نے بڑی خوبصورت بات کی ہے۔

ٹھوکریں کھاتے پھرو گے، ان کے در پر پڑے رہو
قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا

واقعہ یہ ہے کہ آج کا ''بوعلی'' غبار ناقہ میں گم ہو کر رہ گیا ہے، کوئی ''مجنوں'' ڈھونڈھا جائے جو ''محمل لیلیٰ'' کو پا سکے، یہ مجنوں یورپ کی دانش گاہوں میں نہیں ملیں گے، غبار راہ حجاز کو آنکھوں کا سرمہ بنا کر دیکھا جائے تو شائد کہیں مجنوں نظر آ جائیں۔

وہ کون سا نظام ہے جو دنیا نے آزما کر نہیں دیکھا اور وہ کون سا طرز حیات ہے جو اہل دنیا نے اپنا کر نہیں دیکھا مگر حاصل کیا ہے انسانیت کی بے قدری، ایک دوسرے سے بیگانگی، نری خشکی اور محض بربھی، انسانی دنیا اگر فی الواقع خلوص دل سے یہ چاہتی ہے کہ وہ مزید ٹھوکروں سے بچ جائے تو اس کا واحد حل یہی ہے کہ وہ اپنا بستر اس گلی میں لگا دے جس کوچے کا گدا شکوہ قیصری رکھتا ہے، اس گلی کے پھیری لگانے والے اپنے سر میں سکندری کا سودا سمائے رکھتے ہیں، یہ بند اور اندھی گلی نہیں اس کا ایک سرا دنیا اور دوسرا عقبیٰ ہے، دربارشہی میں وہ عزت نہیں ملتی جس قدر اس گلی میں عزت نفس کا احساس نصیب ہوتا ہے کیوں کہ حضور ﷺ انسانیت کی آبرو بڑھانے تشریف لائے تھے، جو آبرو حضرت انسان کو ملی وہ بھی ان کے کرم سے ملی اور جو آبرو آج ملے گی ان کے دم سے ملے گی، غالب نے تو کہا تھا۔

جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں؟

یہ تو غالب کے عشوہ طراز معشوق کا شیوہ تھا ،مگر محبوب خدا ﷺ کا عالم تو یہ ہے، کہ

جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی سے جائے کیوں؟

''میں'' اور ''سے'' کے فرق کو اہل نظر خوب جانتے ہیں۔

نعت شریف

نمی دانم چہ منزل بُود، شب جائے کہ مَن بودم
بَہر سُو رقصِ بسمل بُود، شب جائے کہ مَن بُودم
پری پیکر، نِگارے سَرو قدے، لالہ رُخسارے
سراپا آفتِ دل بُود، شب جائے کہ مَن بُودم
رقیباں گوش بر آوازِ اُو در ناز و مَن ترسال
سخن گفتم چہ مشکِل بُود، شب جائے کہ مَن بُودم
خُدا خُود میرِ مجلسِ بُود، اندر لامکاں خسؔرو
محمد ﷺ شمعِ محفل بُود، شب جائے کہ مَن بُودم

﴾مجھے کچھ خبر نہیں کونسی منزل تھی جہاں کل رات میں تھا۔ ہر طرف آپکے عشق کے متوالے بسمل کی طرح اس منزل میں تڑپ رہے تھے۔﴾حُور کا سا چہرہ اور سَرو جیسے قد کا محبوب جس کے رخسار لالہ کی طرح دمک رہے تھے۔ میرے دل کے لیے سراسر آزمائش بنے ہوئے تھے۔ اس منزل میں جہاں کل رات میں تھا۔﴾میرے حریف اس کی آواز پر ناز کے ساتھ کان لگائے ہوئے تھے اور میں ترس رہا تھا۔ کیا بات بتاؤں، رات میں جس منزل میں تھا اسکی کیفیت بیان کرنا بیحد مشکل ہے۔﴾خسؔرو خُداوند قدوس خود اس مجلس کے سربراہ تھے جو لامکاں کے اندر تھی، اور محمد ﷺ اس محفل کی روشنی کا منبع تھے جس محفل میں رات میں تھا۔

(طوطی ہند حضرت امیر خسروؒ دہلوی)

نماز جمعه کی فضیلت

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی جمعہ کے دن غسل کرے اور جہاں تک ہو سکے صفائی و پاکیزگی کا اہتمام کرے اور جو خوشبو اس کے گھر میں ہو وہ لگائے پھر وہ گھر سے نماز کے لیے جائے اور مسجد میں پہنچ کر احتیاط کرے۔ جو دو آدمی ساتھ بیٹھے ہوں ان کے درمیان میں زبردستی نہ بیٹھے اور جو نماز یعنی سنن و نوافل کی جتنی رکعتیں ہوں پڑھے اور جب امام خطبہ دے، تو توجہ اور خاموشی سے سنے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان اس کی ساری خطائیں معاف کر دی جائیں گی۔

سرورِ دو عالم ﷺ اور تربیتِ روحانی

تحریر: حاجی فضل احمد

☆ اسلام ایک چمنستان ہے جس میں رنگ رنگ کے پھول اور قسم قسم کے پودے پوری جامعیت کے ساتھ موجود ہیں۔ ہر قابلیت اور ہر استعداد اسلام میں آکر پروان چڑھتی ہے جسمانی اور روحانی تمام قوتیں اسلام میں تربیت پاتی ہیں اور اپنا مقام حاصل کرتی ہیں۔

اسلام میں تعطّل اور بیکاری کا مفہوم

جو مادیت، روحانیت سے نا آشنا ہے اس کے نزدیک تعطل اور بیکاری اعضائے جسم کا اسباب معیشت میں دخل نہ دینے کا نام ہے، لیکن اسلام جو روحانیت کا علمبردار ہے اور جس کا حقیقی کارنامہ روحانی قوتوں کو بیدار کرنا اور انہیں عامل و شاغل بنانا ہے۔ اس کے نزدیک حقیقی تعطل اور اصل بیکاری، قلبی قوتوں اور ذہنی حواس کو اپنے مبدأ و معاد کے فکر اور خفی و جلی ذکر سے محروم رکھنے کا نام ہے قرآنی اصطلاح میں غفلت اسی کا نام ہے۔

واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفة ودون الجھر من ...... (سورہ اعراف)

"اور ذکر کر اپنے پروردگار کا اپنے جی میں گڑگڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا دھیمی آواز سے صبح و شام اور نہ ہو غافلوں میں سے۔"

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

"اور روکے رکھ نفس اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں رب اپنے کو صبح اور شام طالب ہیں اس کے دیدار کے اور نہ دوڑیں آنکھیں تیری ان کو چھوڑ کر طرف رونق زندگانی دنیا کے اور نہ کہا مان اس کا جس کا دل غافل کیا ہم نے اپنی یاد سے۔" (کہف: ۲۸)

اسی واسطے قرآن کریم میں جہاں مشاغل دنیوی میں معروفیت کا ذکر کیا گیا ہے وہاں غفلت کی نفی کے بیان کو لازم و ملزوم کی طرح لایا گیا ہے۔

"وہ مرد ہیں جن کو تجارت اور خرید و فرخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔" (النور)

"اے ایمان والو! تمہارے مال و متاع اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کردیں۔" (المنافقون)

اسلام میں بشریت کے تقاضے بھی پورے ہوتے ہیں اور پورا کرنے کا حکم بھی ہے، لیکن ذکر الٰہی سے غفلت ہر حال میں حرام ہے۔

نفس پرستی کی انتہا ہو چکی ہے۔ نفس کے تقاضے پورے ہونے کی بجائے حد سے متجاوز ہو چکے ہیں اور حرص و ہوا، حب دنیا، ذوق پرستی قلبی جرائم اتنے عام ہو چکے ہیں کہ ان کیخلاف بولنا خواص نما عوام کی نظروں میں ایک جرم ہے کیونکہ یہ اعمال ایسے ہیں کہ ہر امیر غریب، تعلیم یافتہ، ان پڑھ ان کا شیدائی ہے اور ان کی مذمت کسی کو گوارا نہیں۔ بلکہ الٹا کثرت ذکر الٰہی اور اس کے متعلقات کو رہبانیت کہہ دیا جاتا ہے۔

رھبانیت کے متعلق لوگوں کا مغالطہ اور اسکے حقیقی معانی کی تصریح

رہبانیت کا ذکر قرآن کریم ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے رہبانیت کی مذمت نہیں فرمائی۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ عیسائی خدا پرستوں نے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے رہبانیت کو اختیار کیا ہم نے ان پر یہ مشقت فرض نہ کی تھی انہوں نے از خود اپنے ذمہ لی، لیکن وہ اس کو نباہ نہ سکے اور اس کے حقوق کی نگہداشت نہ کر سکے۔

"اور رکھ دی اس کے ساتھ چلنے والوں کے دل میں نرمی اور مہربانی اور دنیا چھوڑنا انہوں نے نیا نکالا ہم نے ان پر فرض نہ کیا تھا مگر چاہنے کو رضامندی کی (انہوں نے اختیار کی) پھر نہ نبھایا اس کو جیسا چاہیے نبھانا پھر دیا ہم نے ان کو جو ان میں ایمان دار تھے۔ ان کا نیک اجر اور بہت ان میں بے حکم ہیں"۔ (الحدید)

لیکن دھوکے پر دھوکا یہ لگا ہے کہ نفسی ریاضت کے جتنے کام اسلام میں فرض ہیں ان سب کی کثرت اور ان میں کامل اشتغال کو شیطان نے رہبانیت ظاہر کردیا اور وسوسہ شیطانی کو جلدی سے قبول کرلینے والے دماغ بھی ادھر متوجہ ہوگئے اور رہبانیت کو ایسا مذموم سمجھا کہ تبتل عن الخلق اور کامل توجہ الی اللہ اور ذکر و فکر میں استغراق کو رہبانیت کہہ کر مردان کامل کو صراط مستقیم سے منحرف سمجھ کر ان کے فیض سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوگئے نفسی مجاہدہ فرض ہے اور خدا کی طرف راستہ بھی مجاہدہ ہی سے ملتا ہے۔

ہاں! اگر کوئی بندۂ خدا سرورِ دو عالم ﷺ کی اتباع اور اپنی حیات کا حقیقی مقصد پورا کرنے کے لیے عبادتِ خداوندی اور ذکرِ الٰہی میں استغراق پیدا کرکے مشاغل دنیوی سے وقتی طور پر دست کش ہو جاتا ہے چاروں طرف سے اسے رہبانیت کے طعنے دیئے جاتے ہیں اور عالم و جاہل دونوں اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں کہ "اسلام میں رہبانیت نہیں ہے" اس میں شک نہیں کہ رہبانیت اسلام کے ارکان سے نہیں جیسا کہ عیسائی مذہب کا حصہ ہے، لیکن کیا اسلام میں کثرتِ ذکر بھی نہیں؟ تبتل عن الخلق بھی نہیں۔ وتبتل الیہ تبتیلا (اور کٹ جا اس کی طرف یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف کٹ جانا اور گوشہ نشینی بھی اسلام میں نہیں ہے اور کیا صرف اسی تبتل، گوشہ نشینی اور خالق کی طرف دل و جان سے متوجہ ہو جانے کو رہبانیت کہتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا

"جن لوگوں نے ہم میں یعنی ہماری ذات کے انوار کے حصول کے لیے مجاہدے کیے ہم ان پر اپنے راستے کھول دیتے ہیں۔"

مجاہدہ شرط راہ ہے اور اس کے بغیر کسی بشر پر اسرار الٰہی کھلنا اور انوار الٰہی کا قلب پر برسنا بیحد مشکل ہے اور قرآن کریم جو نور مبین ہے اور عالم غیب کے رموز کا ایک بحر بے کراں ہے۔ اس کا سمجھنا بھی ذکر کثیر، تبتل اور ریاضت کے بغیر مشکل ہے بعض لوگ صرف الفاظ اور ان کے معانی یاد کرلینے پر اکتفا کرتے

ہیں اور اسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ گویا انہوں نے قرآن حقائق حاصل کر لیے ہیں۔ حالانکہ قرآنی حقائق حاصل کرنے کے لیے تقویٰ، طہارت اور ذکر کثیر کی بے انتہا ضرورت ہے جب تک اعمال ظاہرو باطن سے قلب کا آئینہ صاف نہ ہو لے قرآنی حقائق دل پر منطبق نہیں ہوتے اور آئینہ دل صاف کرنے کے لیے ذکر فکر اور تخلق عنا الخلق اور ایسے مجاہدات نہایت ضروری ہیں اور "لا رھبانیۃ فی الاسلام (رہبانیت اسلام میں نہیں ہے) کے معانی کو وسعت دیکر سہل انگار اور عافیت پسند مسلمانوں نے ریاضت اور مجاہدہ کو یک قلم چھوڑ دیا ہے بلکہ فرائض واجبات تک کی بھی پروا نہیں کرتے۔ اور یہ ایسا نقصان ہے جس کی تلافی تمام اسبابِ عالم مل کر بھی نہیں کر سکتے اور ایمان و مشاہدہ کا حقیقی کام قلوب کا مسخر کرنا ہے۔ مادی قوتیں مادی قوتوں کو مسخر کر سکتی ہیں قلوب کو مسخر نہیں کر سکتیں۔ اگر مادی قوتوں کے ذریعے مسلمان ترقی یافتہ اقوام کی صف میں کھڑے ہو بھی گئے تو ان کی صد ہا سال کی کوششوں سے حاصل کردہ بے پناہ مادی قوتوں سے سبقت لے جانا ممکن نہیں ہے۔ اور اگر ایسا ہو بھی جائے اور موجودہ زمانے میں مسلمانان عالم مل کر اور متحد ہو کر پوری جانبازی سے تسخیر عالم کر بھی لیں تو یہ مسلمانوں کی برتری ہوگی اور مسلم قوم سرفراز ہو جائے گی۔ لیکن یہ اسلام کی کون سی خدمت ہوگی؟ مذاہب عالم پر اسلام کی برتری یہ ہے کہ دنیا کو زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بنایا جائے اور خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار کرایا جائے اور حیات آخرت کے لیے بنی آدم کو تیار کیا جائے۔ عیش پسندی اور خواہشات کی غلامی سے انسانیت کو نجات دلائی جائے۔ کیونکہ عشرت کوشی اور خواہشات کی غلامی سے سرکشی بڑھتی ہے ایسا انسان حیاتِ آخرت کیلئے تو کیا تیاری کرے گا وہ تو دنیا کے مختصر سفر میں بھی قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہے۔ بخلاف اس کے اگر مسلمان رسالت کے حقیقی سرمایہ یعنی اللہ کی دوستی اور آخرت طلبی کو دنیا کے سامنے پیش کریں تو جنگ و جدل اور باہم دشمنی سے تنگ آئی ہوئی دنیا اور عیش و عشرت سے اور نفس پرستی سے پریشان حال دنیا اور سلامتی کے راستے کے خلاف چل چل کر تھکی ماندی دنیا یقیناً مسلمانوں کی راہنمائی قبول کرے گی اور اگر مختلف اقوام عالم نے قرآنی حقائق اپنا لیے اور امن اور سلامتی کا راستہ پا لیا تو انسانیت فوز عظیم حاصل کر لے گی۔ اس حال میں مسلمان بھی اپنا صحیح مقام حاصل کر لیں گے اور اسلام بھی سرفراز ہوگا۔ اسلام اور مسلمان حقیقی معنوں میں کامیاب ہوں گے۔

سبق پھر پڑھ محبت کا صداقت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا
مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا، زورِ حیدر، فقرِ بوذر، صدقِ سلمانی
نوا پیدا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا کر

افسوس کہ بعض لوگوں کو نفس نے دھوکا دیا اور ان کا خیال حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کے ڈانڈے پر گامزن ہوا۔ اور حقیقت نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

علم و فنونِ اسلامی جو صرف جسمِ اسلام کی حفاظت کے لیے وجود میں آئے تھے اور اس کے لیے لوگوں نے زندگیاں وقف کیں۔ طالب علموں نے گھر بار چھوڑے اور چودہ چودہ سال تک حصولِ علم میں لگے رہے ان کی ہمت پر آفریں کے نعرے بلند ہوئے اور ان کے راستوں میں فرشتوں نے پر بچھائے، جب یہ فارغ التحصیل ہوئے تو درس و تدریس کی مسند پر بیٹھے مسلمانوں کو حدودِ شرعیہ بتلائیں اور حلال و حرام کی تمیز سکھلائی اور فتویٰ کی کرسی کو زینت بخشی الحمد اللہ کہ ان کی کوششوں سے اسلام کے جسم کی خوبصورتی برقرار رہی۔ لیکن اگر یہی لوگ روحِ اسلام کا انکار کر دیں اور اس کے حصول کے طریقہ روشن کو حقارت سے دیکھیں تو کس قدر......... ہے۔

روح اسلام، تعلق باللہ اور محبت الٰہی

علم دین، دین کا جسم اور اس کا حسن ہے۔

روح اسلام تو کچھ اور ہے۔ روح اسلام، محبت الٰہی اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا ہے جس کے لیے علوم و فنون سے زیادہ تقویٰ طہارت کی ضرورت ہے اور ذکر فکر کے ذریعے یہ روح اعظم پیدا ہو سکتی ہے اور سب سے زیادہ کامل مرشد کی ضرورت ہے۔ جیسے استاد کے بغیر کوئی علم پڑھا نہیں جا سکتا اسی طرح تعلق باللہ بغیر وسیلہ شیخ کامل قائم نہیں ہو سکتا۔ کامل پیر کے بغیر تمام استعدادیں دبی کی دبی رہتی ہیں اور معرفت الٰہی میں کوئی قدم نہیں اٹھتا، لیکن جب ذکر و فکر سے اور کامل مرشد کی راہنمائی سے یہ روحِ اعظم پیدا ہو گئی تو سب مشکلات حل ہو گئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ محبت الٰہی اور تعلق باللہ کی روح جس قدر زیادہ طاقت ور ہوگی اسی قدر آسمان سے برکتیں نازل ہوں گی اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برسیں گی۔ جب اس روح اعظم کا حصول مقصودِ حیات نہ رہا اور صرف علوم و فنون کا خالی خولی جسم رہ گیا جو روح کے بغیر کیسے سلامت رہ سکتا ہے تو اس کے قیام کا کیا فائدہ۔ زمین کا پانی بھاپ بن کر اگر آسمان کی طرف نہ جائے تو بارانِ رحمت کیسے برسے (گویا دنیوی اسباب بھی جاذب، رحمت الٰہی ہیں)

بالکل اسی طرح اگر عبادت اور ذکر و فکر اور محبت کے انوار قلوب کی گہرائیوں سے نورانی شعلے بن کر آسمان پر نہ جائیں تو اللہ تعالیٰ کی امداد اور اس کی نصرت، اطمینان، عزت، کامرانی اور وقار کی صورت میں کیسے نازل ہو۔ سرورِ دو عالم ﷺ کو اسلام کا جسم بھی بنانا تھا۔ اسے حسن کے زیور سے بھی آراستہ کرنا تھا۔ جسم اسلام اور اس کا حسن شریعت حقہ اور اس کے احکام ہیں اور اس مقدس جسم میں جان بھی پیدا کرنا تھی وہ روح اسلام تعلق باللہ، محبت خداوندی اور معرفت الٰہی ہے۔ اسی مقصد عظیم کے لیے حضور ﷺ نے خوش نصیب لوگوں کے قلوب کی دنیا آباد کی۔

سرورِ کائنات کی روحانی تربیت کے جداگانہ نتائج

حضور سرور دو عالم ﷺ نے اپنا مقدس نمونہ دکھا کر ہر قسم کے اہلِ کمال پیدا کیے اور جس شخص میں جو جو استعداد تھی بروئے کار لائے۔ اسلام کا خوبصورت جسم ایمان و احسان کی روح سے آراستہ اور

مکمل ہوا۔ ابوبکر صدیقؓ کا صدق و صفا اور اخلاص و محبت حضور ﷺ کی محبت میں پروان چڑھے۔ اتباع رسول اللہ ﷺ کا رنگ ایسا غالب ہوا کہ صحابہؓ نے سرور دو عالم ﷺ کا ہو بہو نقشہ اسی یار غار میں دیکھا اور وصال سرور کونین ﷺ کے بعد متفقہ طور پر صدیق اکبرؓ کو رسول اللہ ﷺ کی مسند مبارک پر بٹھایا جس سے ظاہر شریعت کو دولتِ حسن ملی اور باطن اسلام کو نورانیت۔ طریقہ نقشبندیہ کی ابتدا حضرتِ صدیق اکبرؓ سے ہوئی اور یہ طریقہ تصوف تمام طرق میں اُسوۂ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ قریب ہے کیونکہ اس میں شریعت اور طریقت دونوں یکساں تربیت پاتے ہیں۔

در کفے جام شریعت در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

حضرت عمر بن الخطاب نے عدل و انصاف اور شجاعت و تدبر کا میدان جیتا اور شرح صدر اور تعلق باللہ کی وہ بلندی پائی جو فاروق اعظمؓ کی شان کے شایاں تھی۔ ظاہر تدبیر کے ساتھ ساتھ باطن کی نظریں سینکڑوں میل پر فوجوں کی راہنمائی کرتیں اور انہیں حوادث سے بچاتیں۔ ایران کی حدود میں جناب ساریہؓ کی کمان میں اسلامی فوج کفر کی فوج سے نبرد آزما ہے۔ دشمن نے جنگی چال چلی اور پہاڑی کی دوسری جانب سے مڑ کر بے خبری میں مسلمان فوج کے عقب پر حملہ کرنا چاہا۔ حضرت عمرؓ مدینہ میں جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ نگاہِ مردِ کامل نے بُعد مکان کے پردوں کو جلا دیا اور عین خطبہ جمعہ میں پکار اٹھے یا ساریۃ الجبل الجبل جناب ساریہؓ اس مانوس آواز سے متنبہ ہوئے۔ پہاڑ کا جائزہ لیا اور دشمن کی چال سے واقف ہو کر ان کے دفعیے کا انتظام کیا۔

حضرت عثمانؓ بن عفان کا حیا اور حلم، راہِ خدا میں مال کی قربانی اور ظاہر و باطن کی بے شمار عالی صفات ایسی ہیں جن سے سرور کائنات کے دربار میں اتنا قرب حاصل کیا کہ صلح حدیبیہ کے دن جب حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے بیعت لی۔ حضرت عثمانؓ حضور ﷺ کی سفارت میں مکے گئے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک کو عثمانؓ کا ہاتھ فرمایا اور انکی طرف سے بیعت لی۔ اور اپنی دو صاحبزادیوں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کی شادی یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ سے کر دی۔

حضرت علی مرتضیٰؓ نے تربیت سید الانبیا ﷺ سے ظاہر باطن کے وہ مراتب حاصل کئے کہ اسد اللہ الغالب کہلائے اور طریقت میں مدینۃ العلم کے دروازے بنے۔ انا مدینۃ العلم وعلی بابھا (حدیث نبوی ﷺ) ''میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔'' اور تصوف کے تین طریقے قادری، چشتی، سہروردی کی نسبت آپؓ سے قائم ہوئی ہے۔

تربیت کے اور نتائج

حضور سید الانبیاء ﷺ کی تربیت میں جو بھی آیا اس نے اپنا درجہ اور مقام حاصل کر لیا اس تربیت کا ایک حصہ وہ ہے جو اصحابِ صُفہ کو ملا۔ صُفہ ایک چبوترا تھا جو مسجد نبوی کے شمالی جانب بنایا گیا تھا جو اب بھی روضہ مبارک کی شمالی جانب قائم ہے اور اس پر ہر وقت تلاوت کلام اللہ شریف ہوتی رہتی ہے۔

بہت سے صحابہ کرامؓ ایسے تھے جن کا کام عبادت الٰہی اور خدمت محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کچھ نہ تھا ہر وقت ذکر و فکر میں مصروف اور انوارِ الٰہی کے حصول میں مستغرق اور دیدار حبیب خدا ﷺ میں محو رہتے تھے۔

ان کی تعداد مختلف اوقات میں مختلف رہتی رہی اور جوش محبت میں بھرے ہوئے سینے لیکر یہ حضرات دعوت اسلام کے لیے مختلف قبائل میں تشریف لے جاتے رہے۔ غزوہ معونہ میں انہیں حضرات میں سے ستر آدمی اسلام سکھانے کے لیے بھیجے گئے ان کی گذر اوقات سرورِ کونین ﷺ کی نوازشات پر تھی۔ جب صدقات میں سے کوئی چیز دربار رسالت میں پیش ہوتی تو وہ پوری کی پوری ان کے پاس بھیج دی جاتی اور یہ حضرات آپس میں بانٹ لیتے اور اگر دعوت کا کھانا وغیرہ آتا تو حضور ﷺ ان سب میں بیٹھ کر تناول فرماتے۔ بعض ان میں جنگل سے لکڑیاں لاتے اور بیچ کر اپنے بھائیوں کیلئے کھانا مہیا کرتے۔ ان کا لباس فقیرانہ، غذا درویشانہ، نہ ملنے پر بھی صابر و شاکر، کئی کئی دن فاقے بھی آ جاتے۔ لیکن اس درویشی پر قانع اور صحبتِ حبیب خدا ﷺ کے ہمیشہ دلدادہ اور یہی ان کی روحانی غذا تھی۔ دنیا سے کامل بے نیازی کے ساتھ اور پورے انقطاع کے ساتھ قرب خداوندی کی تلاش میں ذکر و فکر اور عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ اور خانقاہی صورت کے لیے سنگِ بنیاد بن کر تزکیہ نفس میں لگے رہتے۔

صوفیائے کرام اور انکی مقدس خانقاہیں

صوفیائے کرام کا طرزِ زندگی عین سرورِ دو عالم ﷺ کی طرزِ زندگی کا نمونہ ہے اور خصوصاً اصحاب صُفہ کے ساتھ سرورِ دو عالم ﷺ کی جو نوازشات تھیں اور جس طرز سے حضور ﷺ نے ان کی تربیت فرمائی تھی۔ بعینہ وہی نمونہ خانقاہ کی زندگی کا ہے۔ شیخ طریقت، سرورِ دو عالم ﷺ کی نیابت میں مربی کے فرائض انجام دیتا ہے اور درویشانِ خدا کو جو ملے اسی پر صابر و شاکر رہ کر اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور منازل قرب الٰہی طے کرتے ہیں اور یہی مقدس خانقاہیں تھیں جن کے فیض سے جنید بغدادیؒ، بایزید بسطامیؒ، علی ہجویریؒ، خواجہ اجمیریؒ اور مجدد الف ثانیؒ جیسی ہستیاں تربیت پا کر نکلیں اور یہی حضرات صوفیائے کرام ہیں جو انبیاءؑ کی زندگی عملی کا نمونہ ہیں تسخیر قلوب کی جو قوت انبیاءؑ کے سینوں میں ودیعت رکھی جاتی تھی اور دین کی اشاعت میں زبانی اور کتابی تبلیغ سے ہزار ہا درجہ زیادہ حصہ اس مخفی قوت کا ہے۔ بس اسی قوتِ خداداد سے صوفیائے کرام صرف ایک نظر کے فیض سے عمر بھر کے کفر کو دھو ڈالتے ہیں اور فسق و فجور کی سیاہ گھٹائیں ان کی ایک صحبت کے اثر سے ہمیشہ کے لیے صاف ہو جاتی ہیں۔

سرورِ دو عالم ﷺ اور تزکیہ نفس

سرورِ دو عالم ﷺ کی صحبت پاک تعلیم کتاب تزکیہ نفس اور انوار رحمت کی جامع درسگاہ تھی۔

"اللہ وہ ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں اپنا رسول انہیں میں سے بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت فرماتا ہے اور ان کے نفسوں کو پاک کرتا ہے۔ (ان کا تزکیہ نفس فرماتا ہے) اور ان کو کتاب کی تعلیم دیتا اور حکمت سکھاتا ہے۔ (سورہ الجمعہ)

کتاب کی تعلیم کے لیے تو درس کی ضرورت ہے اس کے لیے کتابیں بھی درکار ہیں اور علمی ماحول بھی لیکن تزکیہ نفس کے لیے سب سے مقدم مرشد کامل پھر ذکر وفکر اور تخلیے کی ضرورت ہے کیونکہ تزکیہ نفس کا تعلق زیادہ تر خیال کی پاکیزگی سے ہے اگر چہ اعمال بھی اپنی روحانیت سے اور اپنے نور سے تزکیہ کا سامان پیدا کرتے ہیں تاہم خیال کی پاکیزگی اور افکار کی نظافت بلاواسطہ نفس کی تقدیس وتطہیر کرتی ہے اور جب تک گندگیوں اور آلائشوں سے نفس پاک نہ ہوجائے اسلام وایمان مکمل نہیں ہوسکتے۔

تاثیر صُحبت

عمل اپنی جگہ خوبی اور برائی کے دو گونہ اثرات اپنے اندر رکھتا ہے اور آہستہ یا بہ زودی ہمنشین کے اندر اپنے نفوذ سے اپنی ہی صورت پیدا کردیتا ہے گویا ہر اچھا اور برا عمل ایک تخم کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ تخم نہ صرف اپنے ہی نفس کی زمین میں پھیلتا اور پھولتا ہے بلکہ اس کا اثر ہمنشین پر بھی ویسا ہی ہوتا ہے اگر کسی ہمنشین کی نفسی قوتیں خیر وشر کے قبول میں پہلے سے مستعد ہوں تو فوراً اثر کرتا ہے اور اس کو اپنے جیسا بنادیتا ہے

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

ترجمہ: ایک نیک عمل والے انسان کی صحبت تجھے نیک بنادے گی اور برے انسان کی صحبت تجھے بدنصیب بنادیگی۔ اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے مثالوں کی ضرورت نہیں جمادات سے لے کر حیوانات تک میں تاثیر صحبت سے انقلاب عظیم پیدا ہوجاتا ہے اور مٹی جیسی چیز پھولوں کے پاس بیٹھنے سے انکی خوشبو اپنے اندر لے لیتی ہے شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

گلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم
ولیکن مدتے باگل نشستم
جمال ہم نشین درمن اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ترجمہ: ایک خوشبو دار مٹی حمام میں مجھے ایک عزیز دوست نے دی میں نے مٹی سے پوچھا اے مٹی! تو کستوری ہے یا عنبری؟ کہ تیری دل آویز خوشبو سے میں مست ہوا جارہا ہوں۔ وہ کہنے لگی میں تو صرف ایک حقیر مٹی ہی تھی، لیکن کچھ وقت پھولوں کی صحبت میں رہنا نصیب ہوا۔ ہمنشیں کے جمال نے اپنی تاثیروں سے مجھے معطر کردیا ورنہ میں تو وہی ناچیز مٹی ہی ہوں۔

تزکیہ نفس اور صحبتِ کامل

ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ ایک ناقص قسم کے درخت کا پیوند ایک عمدہ قسم کے پھل دار درخت سے جوڑ دیا جاتا ہے بس کچھ عرصہ اسی خاموش تاثیر صحبت سے وہ ناقص ثمر کا پودا خوبصورت، شیریں اور خوشبودار پھل کا درخت بن جاتا ہے۔ حیوانات کی خوبو بھی تاثیر صحبت سے ہمیشہ بدلتی رہتی ہے۔

انسانی عمل کی تاثیر سے اسی قسم کا عمل دوسرے انسان میں پیدا ہوجاتا ہے، جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے بالکل اسی طرح خیال کی تاثیرات اپنے اچھے اور برے نتائج رکھتی ہیں بلکہ ہمارے تمام اعمال ہمارے نفس کی لطیف صورتوں کا مظہر ہوتے ہیں اگر نفس انسان متشکل ہوکر سامنے آئے تو اس کی صورت عمل کی صورت سے مل جائے۔

کسی نفس کو پاکیزہ بنانے کیلئے پاکیزہ نفس کے انعکاس کی اشد ضرورت ہے اس کے بغیر صرف اپنے عمل سے نفس میں لطافت اور پاکیزگی کا آنا دشوار ہے۔ محض اس حقیقت کو ایک ابہام کی صورت میں مولانا روم یوں بیان فرماتے ہیں۔

یک زمانہ صحبت با اولیا
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ترجمہ: صرف ایک ساعت ولی اللہ کی صحبت سو سال کی خالص عبادت سے بہتر ہے۔

گر تو سنگ خارہ مرمر شوی
چوں بہ صاحب دل رسی گوہر شوی

ترجمہ: اگر تو سخت پتھر اور سنگ مرمر بھی ہو تو جب کامل کی صحبت کا فیض پائے گا۔ تو ہیرا بن جائے گا۔

تزکیہ نفس کے اربعہ عناصر

(۱) اگر چہ تزکیہ نفس پاکیزہ اور مصفا نفس کی ہم نشینی کی برکت سے خود بخود حاصل ہوجاتا ہے تاہم اس کے لیے مربی کو متوجہ کرنے کی ضرورت ہے اور مرید کا اخلاص، اس کی محبت اور اس کی طلب جسقدر زیادہ ہوگی۔ اسی قدر جلدی یہ دولت نصیب ہوگی اور جب شرائط کی پابندی کے بعد یہ دولت ملتی ہے تو پھر پائیدار رہتی ہے۔

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

(۲) تاثیر صحبت کے دوسرے درجے پر ذکر کثیر ہے قرآن کریم میں ذکر کثیر کی بار بار تاکید فرمائی گئی ہے کیونکہ اس کے بغیر انسانی نفس جلا نہیں پا سکتا۔ آسمان سے انوار الٰہی کو اگر کوئی چیز کھینچنے والی ہے تو وہ ذکرِ کثیر ہی ہے۔

(۳) خلوت بھی اس فنِ شریف کے ارکان سے ہے کہ اس کے بغیر یکسوئی پیدا نہیں ہوتی اور یکسوئی کے بغیر کوئی اہم مقصد علمی ہو خواہ عملی حاصل نہیں ہوسکتا اور یہ نفسی انقلاب علمی اور عملی ہر قسم کے مقاصد سے کہیں زیادہ اہم ہے۔

(۴) تزکیہ نفس کا چوتھا عنصر طلبِ صادق ہے۔ یعنی محض اللہ کی رضا کے لیے اس سے محبت کی جائے اسکی مخلوق سے محبت کی جائے اور اخلاق کو بہتر سے بہتر بنایا جائے اس کے لیے دل سے کینہ، بغض اور حسد جیسے امراض کو خیر باد کہا جائے اور اسلام کے لیے مفید ترین بلکہ جان ایمان و اسلام یہی تزکیہ نفس ہے بس اس کے لیے کامل مرشد۔ ذکر کثیر، خلوت وتنہائی اور طالب صادق کی بلندی ہمت اربعہ عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

نعت کہیے، مگر احتیاط کے ساتھ

پروفیسر محمد اقبال جاوید

☆ دورِ حاضر کو نعت کا دور کہا جاتا ہے۔ نعت نے اِس دور میں جو وسعت حاصل کی ہے وہ یقیناً قابلِ قدر ہے۔ ویسے ہر دور نعت ہی کا دور رہا ہے۔ نعت تو ایسی بہار ہے جو بے خزاں ہے، ایک ایسا نغمہ ہے جو فصلِ بہار کا محتاج نہیں، بلکہ لالہ و گل، رعنائیوں کی بھیک اُس سے مانگتے ہیں۔ حضور ﷺ کا ذکر تو بلند و بالا تھا، ہے اور رہے گا۔ اگر یوں کہا جائے تو شاید بہتر ہو کہ ہمارے دور نے اپنے تشخص کو پالیا ہے اور بھٹکتی ہوئی انسانیت کو یہ احساس ہو گیا ہے کہ وہی ایک در ہے جہاں تمناؤں کے اضطراب کی آسودگی نصیب ہوتی ہے۔ وہی ایک در ہے جو آبلہ پائی کا واحد سہارا ہے اور وہی ایک سہارا ہے جہاں شوق ہی راہرو، شوق ہی رہبر اور شوق ہی منزل ہوتا ہے۔ آج کے قلم کار اگر نعت سرا ہیں تو یہ اسی احساس کی شدت کا نتیجہ ہے۔ اس دور نے اگر آفتاب کو پہچان لیا ہے تو احسان آفتاب پر نہیں ہے۔ یہ تو ثبوت ہے اس بات کا کہ دیکھنے والے کی نگاہ سالم اور سمت درست ہے اور یہ بھی محبوب کی عطا ہے، محب کا فخر نہیں۔

آنکھوں میں نور، دل میں بصیرت ہے آپ سے
میں خود تو کچھ نہیں، مری قیمت ہے آپ سے

مجھے کچھ یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاعروں میں ایک دوڑ شروع ہو گئی ہے اور ہر ”صاحبِ تخلص“ نعت گو بننے کی سعی کر رہا ہے۔ گویا، ہر بوالہوس نے حسن پرستی کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک اس ذاتِ والا صفات سے قلبی تعلق نہ ہو، بات بنتی نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اکثر نعتیں یا تو بے کیف ہیں یا غزل کا چربہ۔ غزل مبالغہ آفرینیوں کا دوسرا نام ہے، جبکہ نعت ایک ایسی احتیاط ہے جو تلوار کی دھار پر چلنے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس نے حضور ﷺ کے بارے میں مبالغے سے کام لیا۔ اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ مقصود صرف یہ ہے کہ نعت میں ادبیت اور حسنِ ادا کو اپنے کمال پر ہونا چاہیے۔ مگر غزل کی مجاز آفرینیوں اور مبالغہ آمیزیوں سے دامن بچانا چاہیے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس پاکیزہ صنفِ سخن اور غزل میں امتیاز مشکل ہو جائے اور پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ مستقبل میں اس دور کی نعت کی تطہیر کے لیے کسی مجتہد کو اٹھنا پڑے اور کہنا پڑے کہ ۔

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اِسے اور ذرا تھام ابھی

اور بقول ڈاکٹر سید عبداللہ ”کوئی ایسا شخص عشقِ رسول ﷺ کی شاعری نہیں کر سکتا جو محبت کے کرب و درد، انہماک اور مرکزیتِ توجہ سے باخبر نہ ہو۔“ سچی بات یہ ہے کہ نعت کی دنیا میں محو ہونے والا انسان، کوئے مجاز کا رُخ کر ہی نہیں سکتا، کیونکہ جب حقیقت دل میں سما جائے تو افسانے خود بخود بکھر جایا کرتے ہیں۔

عشق اک کفر ہے جب تک ہے وہ محدودِ مجاز
اور اِس حد سے گزر جائے تو ایماں ہو جائے

ایک نعت گو کے نزدیک حضور ﷺ کی محبت کے مقابلے میں باقی تمام محبتیں فروتر ہو جاتی ہیں، یہاں تک کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا مومن بیٹا حضور ﷺ سے عرض کرتا ہے کہ اجازت ہو تو اپنے منافق باپ کی گردن اتار کر آپ کے قدموں میں رکھ دوں۔ پاسِ ناموسِ عشق اور تکمیلِ ایمان کا تقاضا یہی ہوا کرتا ہے۔

وفا کا سوز تو کندن بنا دیتا ہے انسان کو
محبت جس کو خاکستر کرے گی کیمیا ہو گا

ضرورت اس امر کی ہے کہ غزل باوضو ہو کر نعت بن جائے۔ مگر غزل باوضو نہیں ہو سکتی جب تک کہ شاعر خود باوضو نہ ہو۔ چنانچہ ضروری ہے کہ شاعر نعت کہنے سے پہلے، حضور ﷺ سے تعلق کی کوئی صورت پیدا کرے اور اس صورت کی اولین منزل اتباعِ رسول ہے جس میں اہم ترین چیز اہتمامِ نماز ہے کہ وہ مومن و کافر میں حدِ امتیاز ہے۔ نماز، حمد و ثنا اور درود و سلام کا ایک شرعی انداز ہے۔ اور نعت اسی درود و سلام کا غنائی اظہار اور مترنم شکل ہے، گویا جب تک دل کا آئینہ شفاف نہ ہو، اس میں جمالِ رسالت جھلک نہیں سکتا اور مکدر آئینہ نہ کوئی عکس سمیٹ سکتا ہے اور نہ کوئی جھلک دکھا سکتا ہے۔

عارض و رخسار اور گیسو و کاکل کے تذکروں نے بھی نعت کو غزل بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے لیے معشوق، نازنین، طرحدار، خوبرو، ایسے الفاظ نعت میں در آئے ہیں۔ رسولِ پاک ﷺ، یقیناً، حسنِ سراپا تھے کہ سورج اُن کی ضیائے رُخ سے تاب و تب لیتا، راستے اُن کے قدموں کی چاپ سے جھوم اُٹھتے، کہسار اُن کے قدِ دل نواز سے سربلندی پاتے اور فضائیں اُن کے نفس کی مہک سے عنبر فشاں رہتی تھیں۔ مگر اصل شے، غازۂ

جاں تھا جس سے رُخِ رسول ﷺ کا ہر خط نکھر گیا تھا اور اسی غازۂ جان کا دوسرا نام سیرتِ رسول ﷺ ہے۔ جس کی آگہی، شناسائی، تعلق اور عشق کے بغیر، ایمان ہی مبہم ہے۔ اور جب ایمان ہی مشکوک ہو تو نعت کے لیے اگر قلم اُٹھے گا تو وہ تخلیقِ مجاز سے بلند نہ ہو سکے گی۔

میں بصد توبہ و استغفار لکھتا ہوں کہ قرآنِ مجید میں موسیقیت کی جو شان، ترنم کا جو انداز، آہنگ کی جو کیفیت اور دل نشینی کی جو خصوصیت ہے، اُسے ہم شعری جمال و کمال کے جملہ محاسن کے باوجود شعر کا نام بھی نہیں دے سکتے۔ اور قرآن نے شعرا کی تکذیب بھی، غالباً، اسی لیے کی کہ اس دور کے لوگ نبی کریم ﷺ کو شاعر اور قرآن کو شعر کہتے تھے، گویا قرآن اپنی تمام تر ترنم ریزیوں کے باوجود شعر نہیں ہے اسی طرح نعت میں اسلوب و ادا کی تمام تر رعنائیوں کے باوجود غزل کا رنگ اور ڈھنگ نہیں ہونا چاہیے اور نہ اُن اصطلاحات و تشبیہات کو نعت کے عظیم و جلیل ممدوح کے لیے استعمال کرنا چاہیے، جو غزل کی مجازی فضا کے لیے مخصوص ہیں۔ قدیم شاعر جب نعت کہتے تھے تو اُن کے پیشِ نظر عرفی کا دیا ہوا کڑا معیار ہوتا تھا:

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا
آہستہ کہ رہ بردمِ تیغ است قدم را
ہُشدار کہ نتواں بیک آہنگ سُرودن
نعتِ شہِ کونین و مدیحِ کے و جم را

نتیجہ معلوم کہ وہ لوگ اپنے دل کی پاکیزگی، عقائد کے خلوص، روح کے گداز اور جملہ شعری صلاحیتوں کے باوجود نعت کہنے سے لرزتے تھے کہ کہیں توہین کے مرتکب نہ ہو جائیں، کیونکہ ممدوح وہ ذاتِ گرامی تھی جس کے حضور میں جنید و بایزید بھی سانس روک کر آتے تھے، اور اُن شعرا کے پیشِ نظر قرآن پاک کی یہ تنبیہہ بھی تھی کہ رسول کی آواز سے اپنی آواز بھی اُونچی نہ کرو، بصورتِ دیگر اعمال یوں سلب ہو جائیں گے کہ احساس تک نہ ہو گا۔ آج ہر کہ و مہ نعت کہنے کی دوڑ میں شریک ہے۔ اس دوڑ نے نعت کو بے کیف، بے سوز اور محض بیت بازی بنا کر رکھ دیا ہے۔ دل میں منافقت کے بُت چھپا کر نعت نہیں کہی جا سکتی، جب تک نعت گو سراپا نالہ نہیں بنے گا، اس کی نوا بے تاثیر رہے گی۔ جب تک سوزِ دل، سازِ رگِ جان نہیں ہو گا، نعت، منافقت ہی کی ایک صدائے بازگشت ہو گی۔ چونکہ یہ دور نعت کا ہے، اس لیے نعت کہنی چاہیے یہ منافقت کا ایک انداز ہے اور سیّدنا علی ﷺ نے فرمایا تھا کہ منافق ہر شب کا چراغ ہوتا ہے۔

نعت خود بولتی ہے۔ اس کا خلوص قاری کے دل میں خود بخود اترتا ہے۔ شعر کے پیراہن میں لہراتے ہوئے آنسوؤں کی تپش، اور مچلتے ہوئے گداز کی لَو از خود دل کی طہارت اور قلم کی پاکیزگی کا پتا دیتی ہے۔ مگر آج کی اکثر نعتیں، علیل جذبوں، اپاہج عقیدتوں اور مصلحتوں کی ترجمان ہیں۔ انداز کی خوش نمائی کے پردوں کے باوجود اعمال کی سیاہی نمایاں ہے اور ریشمی الفاظ کی بہتات اور شبنمی تراکیب کا شکوہ بھی بداعمال کردار کو چھپا نہیں پاتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ نعت میں الفاظ کا بانکپن تو ہے مگر اخلاص کا جمال نہیں اور محض لفظوں کا حُسن ہر دور میں گفتار کے غازیوں کی منافقت کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ صورتِ حال یہ ہے کہ آج کی بیشتر نعتوں کو اگر حضور ﷺ کے اسم گرامی کے بغیر پڑھا جائے تو اُن میں اور ایک عام غزل میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ اور بعض تو توہین تک جا پہنچتی ہیں اور لوگ انہیں جدید دور کا جدید انداز سمجھ کر گوارا کر رہے ہیں۔

گزشتہ دنوں ایک اخباری مبصر نے ٹھیک لکھا تھا کہ آج کے بعض شاعر پہلے ایک غزل کہتے ہیں، پھر وہی غزل قائداعظم کی شان میں نظم بن جاتی ہے، اور بوقتِ ضرورت وہی نظم، نعت کا روپ دھار لیتی ہے...... نعت کو نہ اس روپ کی ضرورت ہے نہ بہروپ کی، اور ڈر ہے کہ کہیں ایسی ثنا وجہ ناراضی نہ ہو جائے اور رحمتِ عالم ﷺ کی خشمگین نگاہوں کا کون سامنا کر سکے گا؟ شاعر کے لیے بہترین حَکَم، اس کا اپنا ضمیر ہے۔ اگر اُس کا ضمیر نعت گوئی پر مطمئن ہے تو ٹھیک، بصورتِ دیگر اُسے اپنے گستاخ قلم کو لگام دینی چاہیے اور توبہ کرنی چاہیے۔ غیر مطمئن ضمیر، برے دل اور آلودہ قلم کے ساتھ نعت سے تلعب ایک خوفناک جسارت ہے۔

خیال رہے کہ نعت ذرا سی بے احتیاطی (بزعمِ خویش عقیدت) سے حمد بن جاتی ہے اکثر نعتیں ایسی ہیں کہ حضور ﷺ کے تصور کے بغیر انہیں پڑھا جائے تو وہ حمد لگتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور کو ان کے مرتبے سے گرا دینا، اپنے ایمان کو ختم کر لینا ہے اور مرتبے سے بڑھا دینا شرک ہے۔ احتیاط کے انھی تقاضوں کی وجہ سے بڑے بڑے قادر الکلام نعت کے میدان میں خود کو عاجز محسوس کرتے ہیں۔ یہ شعر حضور ﷺ کے اعجاز اور غالب کے عجز ہی کا آئینہ دار ہے۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

نعت گوئی جہاں ایک شاعر کے لیے سعادت ہے، وہاں آزمائش بھی ہے۔ شاعرانہ صلاحیتیں تو ہر قلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہیں۔ شاعر ذاتی طور پر اُس وہبی ذوق کو محض جلا دیتا ہے۔ اسی طرح حُبِّ رسول ﷺ ہر مسلمان کا سرمایہ افتخار

ہے۔ 'ظرف' اور عطا کے مطابق دل کی اس کیفیت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے ۔ یہ دونوں صلاحیتیں فطرت کی دین ہیں۔ انسان کے بس کی بات نہیں ہیں۔ ایک نعت گو کے لیے بس کی بات اگر کوئی ہے تو وہ یہی کہ اس نے نعت کو نعت کے دائرے میں رکھنے کے لیے کیا کیا ہے؟ وہ اس کے لیے ذمہ دار بھی ہے اور جوابدہ بھی اور کسوٹی ایک ہی ہے کہ نعت کہتے کہتے ،توحید کے تقاضے تو مجروح رات کو ہر ذی روح سے باندھا بھی گیا تھا اور مانا بھی کہ اللہ ،اللہ ہے۔ اس کی ذات میں، اس کی صفات میں، اسی کے اختیارات میں اور اس کے حقوق میں کسی کو شریک نہیں کیا جائے گا۔ گویا جوہر الوہیت میں اس جیسا کوئی نہیں ، اس ایسی صفات بھی کسی میں نہیں ، اُس جیسا دینے والا اور چھیننے والا بھی کوئی اور نہیں ۔ رکوع و سجود بھی اسی کے لیے وقف ، دعا و پکار بھی اسی بارگاہ میں ، اور اس پر ہر روح نے ہاں بھی کہا اور شہادت بھی دی۔

یہ پیمانِ وفا جب بھی ذہنوں میں دھندلایا، اللہ تعالیٰ نے اسے تازہ کرنے کے لیے نبی بھیجے۔ ہر نبی کے پہلے اور آخری سبق میں توحید ہی کی خوشبو اور توحید ہی کی تازگی ہے۔ رنگ اور خوشبو کے یہ قافلے، ہزاروں کی تعداد میں، پے در پے اسی لیے آتے رہے اور پھر آخر میں وہ آئے جنھیں اقبال نے آیہ کائنات کا معنی دیر یاب کہا اور ظفر علی خان نے الست والی تاریک رات کو باندھے جانے والے عہد (توحید) کو نورِ اولین قرار دیتے ہوئے ،حضور ﷺ کو اُس نور کا اجالا سمجھا۔

چھوٹا جو سینہ شب تارِ الست سے
اُس نورِ اوّلین کا اجالا تمہی تو ہو!

اب چونکہ اس آخری آنے والے کے بعد کسی اور نے نہیں آنا، اس لیے امت محمدی کے ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ اس چراغ کی لو کو اونچا رکھے۔

نعت گوئی آزمائش اسی لیے ہے کہ حمد میں انسان جتنی بھی تعریف کرے، اتنی ہی کم ہے، جبکہ نعت میں شاعر کو انتہائی چوکنا اور باشعور رہنا پڑتا ہے۔ بزعم خویش ارادت و محبت کی رو میں بہہ جائے تو ''الست'' والا عہد وفا ٹوٹ جائے گا اور اگر شایانِ بات نہ بن سکے تو قلم توہینِ رسالت کا مرتکب ہوگا۔ دونوں صورتوں میں ایمان کا جملہ حسن و کمال سلب ہوجائے گا اور شاعر کی بے شعوری کو شعور اس وقت آئے گا۔ جب میدانِ حشر میں خود ممدوح عظیم و جلیل ﷺ اپنے ہی نعت گو کے خلاف ، حضور کبریائی میں استغاثہ دائر کررہے ہوں گے۔ نعت سرائی میں خدا کو خدا کے اور رسول ﷺ کو رسول ﷺ کے مقام پر رکھنا ہی نعت گو کی آزمائش ہے۔ یہ منزل جتنی بڑی ہے، اتنی ہی کڑی بھی ہے۔

سچی نعت گوئی کے لے مقامِ نبوت اور شانِ رسالت سے واقف ہونا بھی ضروری ہے۔ توحید کے تقاضوں سے مکمل آگاہی بھی چاہیے اور یہ بھی لازم ہے کہ مدحت نگار، نعت کو غزل کی آشفتہ مزاجی اور قصیدے کی مبالغہ آرائی سے بچالے جائے ، کیونکہ غزل اور قصیدے کی کوئی مذہبی حیثیت نہیں، یہاں ہر مبالغہ ، خیال آفرینی اور ہر مستانہ لغزش، حسن ہے ۔ جبکہ نعت کی ایک دینی حیثیت ہے، اس لیے یہاں قلم قلم پہرے ہیں اور دیکھنے والی نظروں کی دیکھنا بھی چاہیے اور ٹوکنا بھی کہ کہاں کہاں عقیدت نے عقیدے کے آبگینے کو مجروح کیا ہے، کیونکہ عقیدہ بہر نوع بالاتر ہے۔ حضور ﷺ ہم مسلمانوں سے صرف خراجِ عقیدت نہیں ، بلکہ خراجِ اطاعت بھی لینے کے لیے تشریف لائے تھے۔ یاد رہے کہ سچا اتباع ہی محبت کی واحد دلیل ہے۔ دورِ حاضر کے ایک عظیم نعت گو جناب حفیظ تائب کے الفاظ ہیں:

''نعت اِس کیفیت کا نام ہے جب فکرِ شاعر، ذاتِ رسالت مآب ﷺ کی طرف پورے انہماک و اخلاص کے ساتھ رجوع کرتا ہے۔ اس کیفیت کے اظہار کے لیے اس سے بہتر لفظ نہیں مل رہے۔

شان اُن کی سوچیے اور سوچ میں کھو جائیے
نعت کا دل میں خیال آئے تو چُپ ہوجائیے

یہ کیفیت خدائے کریم کی خصوصی عنایت میں سے ہے۔ اس کیفیت کے الفاظ میں ڈھلنے کا عمل بھی تائید ایزدی کے بغیر ممکن نہیں ، یہاں قدرتِ فن ساتھ دینے سے قاصر رہتی ہے۔

کیا فکر کی جولانی کیا عرضِ ہنر مندی
توصیفِ پیمبر ہے توفیقِ خداوندی

میں نعت گوئی کے موجودہ رجحان کو روکنا نہیں چاہتا، محض سنبھلنے کی تلقین کررہا ہوں۔ نعت کے لیے جس پاکیزہ سوچ اور کمالِ محویت کی ضرورت ہے اس کا احساس ہر نعت گو کو ہونا چاہیے۔ بارگاہِ لطف و کرم سے یہ طہارت و نظافت نصیب ہوجائے تو خاص کرم ہے، ورنہ طلب اور آرزو تو ہونی چاہیے، معلوم نہیں نصیب کب کھل جائیں۔

فیضِ حق ناگاہ می رسد ولیکن بر دلِ آگاہ می رسد

اور سچی طلب کی پزیرائی یقیناً ہوتی ہے۔ اگر وہاں سے توفیق مل گئی تو پھر فکر کے عقدے خود بخود کھل جائیں گے اور قلم میں بھی پرہُما کی جنبش پیدا ہوجائے گی۔

نعت میں کیسے کہوں اُن کی رضا سے پہلے
میرے ماتھے پہ پسینہ ہے ثنا سے پہلے

سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحبؒ

☆ پروردگار کائنات نے موجودات عالم میں ہر شے کی خلقت کے ساتھ اس کی ہدایت کے سامان بھی کئے ہیں اور اس عالم کون و فساد میں مادی نشونما اور روحانی ارتقا، دونوں کے لئے اسباب مہیا فرمائے ہیں، جب زمین تشنہ ہوتی ہے، گرمی اور خشک سالی سے مخلوق بیقرار ہو جاتی ہے تو آسمان پر گھٹائیں امنڈنے لگتی ہیں جن کو دیکھ کر بیقرار و پریشان نگاہوں میں مسرت کی لہر دوڑ جاتی ہے، خوف و پریشانی امید میں بدل جاتی ہے پھر بارش کے قطرے رحمت بن کر برستے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ہرسمت جل کے تھل ہو جاتے ہیں اور ہر طرف ہریالی اور سرسبزی پھیل جاتی ہے جس سے ہر ذی حیات کے لئے غذا اور طمانیت کے سامان پیدا ہو جاتے ہیں اس قسم کے بیشمار مظاہر قدرت ہمیں بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے اس کی نشونما اور تحفظ کے ساز و سامان بھی تخلیق فرمائے ہیں، انسان جو کہ اشرف المخلوقات ہے اور جسم و روح سے مرکب ہے اس کی جسمانی نشونما اور روحانی ارتقا و بقا کے لئے بھی ہر قسم کی ضروریات پیدا فرمائی ہیں۔

جب شیطانی و طاغوتی طاقتیں انسان کے روحانی ارتقا کی راہ میں روڑے اٹکاتی ہیں اور معصیتیں ہر طرف تباہی و فساد پھیلاتی ہیں، انسان کی معاشرتی زندگی اجیرن بن جاتی ہے، معاشی، اقتصادی، مادی، روحانی ہر طرح کا ارتقاء ایک جمود و تعطل کا شکار ہو جاتا ہے تو پروردگار عالم کی رحمت جوش میں آتی ہے اور وہ کسی عظیم انقلابی شخصیت کو بھیجتا ہے جو دنیا میں ایک ایسا ہمہ سمتی انقلاب لاتی ہے جو بیک وقت سماجی اور معاشرتی بھی ہوتا ہے اور اقتصادی اور معاشی بھی، مادی بھی ہوتا ہے اور روحانی بھی، یہ برگزیدہ ہستی نبی و پیغمبر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو دنیا میں مبعوث فرمانے کی ضرورت و اہمیت اور غرض و غایت کو قرآن مجید میں متعدد جگہ ارشاد فرمایا ہے، چنانچہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے!

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

’’سب لوگ ایک ہی دین پر تھے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے جو کہ خوشخبری سناتے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ سچی کتاب نازل کی تاکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان ان کے اختلافی امور میں فیصلہ فرما دے اور اس کتاب میں اختلاف انہی لوگوں نے کیا جن کو وہ کتاب ملی تھی اور ان کے پاس واضح دلائل پہنچ چکے تھے اور انہوں نے یہ اختلافات باہمی ضد کی وجہ سے کیا، پھر اب اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اپنے حکم اور فضل سے امر حق کی ہدایت کی جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ کسی زمانے میں تمام انسان ایک ہی مذہب و ملت اور عقیدہ و خیال پر تھے جو ملت حق اور دین فطرت تھا کیونکہ دنیا میں اوّل بنی نوع انسان کے باوا حضرت آدمؑ مع اپنی زوجہ محترمہ کے تشریف لائے اور خلافت الٰہیہ کا تاج ان کے سر پر رکھا گیا، ان سے جو اولاد ہوئی تھی وہ ان کو دین حق کی تعلیم دیتے رہے اور ان کی اولاد اس تعلیم پر عمل کرتی رہی، ایک زمانہ اسی حالت میں گزر گیا، پھر ان لوگوں میں مزاج و مذاق اور رائے و فکر کے مختلف ہونے کی وجہ سے اختلافات ہونا شروع ہوا حتیٰ کہ ایک عرصہ بعد ان عقائد و اعمال میں بھی اختلافات کی نوبت آ گئی اور یہ امتیاز و فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ ان عقائد و اعمال میں کونسا حق ہے اور کونسا باطل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس اختلاف کو رفع کرنے کے لئے انبیائے کرامؑ کو مبعوث فرمایا جو ان لوگوں کو صحیح عقائد و اعمال کی تعلیم دیتے، ان پر عمل کرنے والوں کو بشارت سناتے اور ان تعلیمات کے نہ ماننے والوں کو آخرت کے عذاب سے ڈراتے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے ان انبیاءؑ پر اپنی کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے جن میں صحیح احکام و عقائد کو کھول کر بیان کیا گیا تھا۔ انبیائے کرام اور آسمانی کتابوں کے نازل فرمانے کا مقصد یہ تھا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے اختلافی امور کا فیصلہ فرما دے اور حق کو باطل سے جدا کر دے۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کے آنے کے بعد چاہئے تو یہ تھا کہ سب لوگ ان کو قبول کر لیتے اور اپنے سب اختلافات مٹا دیتے مگر ہوا یہ کہ بعض نے آسمانی کتابوں کو نہ مانا اور خود اسی میں اختلافات کرنا شروع کر دیا، اس طرح لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ایک وہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت کو قبول کیا اور انبیائے کرامؑ کی پیروی کی ان کو مؤمن کہا جاتا ہے، دوسرے وہ جنہوں نے آسمانی ہدایت اور انبیاءؑ کو جھٹلایا اور ان کی بات نہ مانی یہ لوگ کافر کہلاتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ازل سے سنت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ جب لوگوں میں برائیوں اور بداعتقادیوں کا زور بڑھ جاتا ہے اور حق سے روگردانی عام ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کسی نبی کو مبعوث فرماتا ہے جو لوگوں کو ہدایت کی طرف بلاتا اور حق کو باطل سے جدا کرتا ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے کہ ہر دور میں برے لوگ اور ہر نبی مبعوث اور ہر کتاب الٰہی سے اختلاف کرنے کو پسند کرتے اور ان سے مقابلہ و مخالفت کرنے میں اپنا زور خرچ کرنے پر آمادہ و برسرپیکار رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاَ لِيَعْبُدُوْنِ O

میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کیا کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی زندگی اس طرح بسر کرے کہ اس سے کوئی حرکت اور کوئی فعل ایسا سرزد نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تین چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جن کے ذریعے اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کیا ہے وہ کونسے کاموں کو پسند فرماتا ہے اور کونسے کاموں کو ناپسند فرماتا ہے۔ اس میں سے ایک چیز انسان کے حواس یعنی آنکھ، کان، ناک، منہ اور ہاتھ پاؤں ہیں، دوسری چیز عقل اور تیسری چیز وحی ہے، انسان کو بہت سی چیزیں حواس کے ذریعے معلوم ہو جاتی ہیں اور بہت سی عقل کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں اور جو باتیں ان دونوں ذرائع سے معلوم نہیں ہو سکتیں ان کا علم وحی کے ذریعے عطا کیا جاتا ہے، ان تینوں ذرائع میں سے ہر ایک کا مخصوص دائرہ کار اور ایک خاص حد ہے جس سے آگے وہ کام نہیں دیتا چنانچہ جو چیزیں انسان کو اپنے حواس سے معلوم ہو جاتی ہیں ان کا علم محض عقل سے نہیں ہو سکتا مثلاً ایک دیوار کو آنکھ سے دیکھ کر آپ کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ اس کا رنگ سفید، سرخ یا سبز ہے، لیکن اگر آپ اپنی آنکھ بند کر کے صرف عقل کی مدد سے اس دیوار کا رنگ معلوم کرنا چاہیں تو ناممکن ہے، اسی طرح جن چیزوں کا علم عقل کے ذریعے حاصل ہوتا ہے صرف حواس کے ذریعے نہیں ہو سکتا آپ صرف آنکھوں سے دیکھ کر یا ہاتھوں سے چھو کر یہ پتہ نہیں لگا سکتے کہ اس دیوار کو کسی انسان نے بنایا ہے بلکہ اس نتیجے تک پہنچنے کے لئے عقل کی ضرورت ہے۔ غرضیکہ جہاں تک حواس خمسہ کام دیتے ہیں وہاں تک عقل کوئی رہنمائی نہیں کرتی اور جہاں حواس خمسہ جواب دیتے ہیں وہیں سے عقل کا کام شروع ہوتا ہے لیکن عقل کی رہنمائی بھی ایک حد تک پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے اور بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا علم نہ حواس کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے نہ عقل کے ذریعے، مثلاً اسی دیوار کے بارے میں یہ معلوم کرنا کہ اس کو کس طرح استعمال کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگا اور کس طرح استعمال کرنے سے ناراض ہوگا نہ حواس کے ذریعے ممکن ہے اور نہ ہی عقل کے ذریعے، اس قسم کے سوالات کا جواب انسان کو وحی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو منتخب فرما کر اس کو اپنا پیغمبر قرار دیتا ہے اور اس پر اپنا کلام نازل فرماتا ہے اسی کلام کو وحی کہتے ہیں، کچھ پیغمبر ایسے بھی ہوئے ہیں جو کسی دوسرے نبی پر اتری ہوئی کتاب کے مطابق فرائض نبوت انجام دیتے ہیں اس لئے ہر نبی پر کتاب کا نازل ہونا لازمی نہیں ہے، جس خالق کائنات نے آسمان، زمین، چاند، سورج، سیاروں، ستاروں، بادوباراں اور گرمی سردی وغیرہ کا ایسا محیر العقول نظام پیدا کیا ہو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ انسان کو پیدا کرنے کے بعد اس کو بالکل اندھیرے میں چھوڑ دیا ہو اور اس کو یہ تک نہ بتایا ہو کہ وہ کیوں اس دنیا میں آیا ہے، یہاں اس کے ذمے کیا کیا فرائض ہیں، اس کی منزل مقصود کیا ہے اور کس طرح اس منزل مقصود کو حاصل کر سکتا ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک خاص مقصد کے لئے پیدا فرمایا ہے جیسا کہ آیت قرآنی سے بیان ہو چکا ہے کہ اس کو محض اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے یعنی اس کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا ہے، جن کاموں کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان کو بجالانا اور جن کاموں سے منع کیا ہے ان سے رک جانا ہے، اس مقصد کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک باقاعدہ نظام ضرور بنایا ہے اس باقاعدہ نظام کا نام رسالت و وحی ہے، ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ہم حواس ظاہری و عقل کے ذریعے یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کونسے کام پسندیدہ ہیں اور کونسے ناپسندیدہ ہیں، ان کے معلوم کرنے کے لئے وحی الٰہی کی ضرورت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے کسی برگزیدہ بندے پر نازل فرماتا ہے، جس کو نبی یا رسول یا پیغمبر کہتے ہیں اس سے عقلی و نقلی طور پر انبیائے کرام کی اس دنیا میں تشریف آوری اور ان پر آسمانی کتابوں کے نازل ہونے کی اہمیت معلوم ہوگئی اور واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ وحی و رسالت محض اعتقادی چیز ہی نہیں ہے بلکہ ایک عقلی ضرورت ہے جس کا انکار درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا انکار ہے۔

تاریخ کی دنیا میں ہزاروں بلکہ لاکھوں اشخاص نمایاں حیثیت کے مالک ہوئے ہیں جنہوں نے نظام عالم کو چلانے کے لئے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ایک طرف شاہان عالم کے پرشکوہ دربار ہیں جو ملک و قوم کی ترقی کے لئے نمایاں کردار ادا کرنے کے اجارہ دار ہیں ایک طرف سپہ سالاران افواج ہیں جو قوموں کی تقدیروں کے بدلنے کے دعویدار ہیں، ایک طرف حکما اور فلسفیوں کا سنجیدہ طبقہ ہے جو فلسفوں اور حکمتوں کی موشگافیوں سے نظام عالم کو درست کرنے کی ذمہ داری لیتے ہیں۔ ایک طرف فاتحین عالم کا گروہ ہے جو تمام عالم کو ایک قومیت کی زنجیر میں داخل کرنے کا مدعی ہے، ایک طرف شعرائے کرام کی بزم رنگین ہے جو تقدیر امم کے دھارے کو موڑنے کے لئے کوشاں ہے، ایک طرف تاجروں، دولتمندوں، کارخانہ داروں اور خزانوں کے مالکوں کی جماعتیں اور ان کی گدیاں اور تجوریاں ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ تمام دنیا کا سماجی معاشرتی اور معاشی نظام ان ہی کے سہارے چل رہا ہے، اس میں شک نہیں کہ بڑے بڑے فاتحین اور سپہ سالاروں نے اپنی تلوار کی نوک سے دنیا کے طبق الٹ دیئے، شاعروں نے اپنی خیالی شاعری سے لوگوں سے داد قابلیت حاصل کی، حکما اور فلسفیوں نے حکمت و فلسفے کے چشمے بہا کر مخلوق کو سیراب کیا۔ نظام عالم کے نقشے بدل دیئے، حیرت انگیز نظریئے پیش کئے، اہل ثروت نے تعمیر ملت و قوم میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اس لئے ہم ان سب طبقات کے بزرگوں کے احسان مند ہیں لیکن انہوں نے انسان کی فلاح و بہبود کے لئے کوئی نمونہ نہیں چھوڑا اور اوہام فاسدہ و خیالات باطلہ کی کوئی زنجیر ان کی تلوار سے نہ کٹ سکی۔ ان کی شیریں زبانیوں کے پیچھے ان کے حسن عمل کا کوئی خوشنما نمونہ موجود نہ تھا۔

بنی نوع انسان کی بھلائی، اعمال کی اچھائی، اخلاق کی بہتری، دلوں کی صفائی اور انسانی اقدار و قویٰ میں اعتدال و میانہ روی کی کامیاب کوشش اگر کسی انسانی طبقے نے انجام دی ہے تو وہ صرف اور محض انبیائے کرام و رسولان عظام کا طبقہ

ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں مبعوث فرمایا ہے ان حضرات کی تعلیم وتربیت اور عمل واصلاح کے سر چشمے سے بادشاہ ورعایا، امیر وغریب جاہل وعالم، شہری ودیہاتی، مردوزن اور پیر وجوان سب ہی کو برابر فیض پہنچا ہے۔ انبیائے کرامؑ کا یہ سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہر کر یونہی چلتا رہا کہ جب لوگ راہ حق سے بھٹکے اور گمراہی وبے دینی وبدعات و شرک کا عام دور دورہ ہوا تو ان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی بھیجا اور کتاب نازل فرمائی تاکہ لوگ اس نبی پر ایمان لائیں اور اس کتاب کے موافق عمل کریں پھر وہ نبی اس دنیا سے پردہ فرما گیا اور مرور زمانہ کے ساتھ لوگوں میں گمراہی وبدعات وغیرہ بے دینی کے امور کا عام چرچا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو راہ حق پر لانے کے لئے دوسرے نبی اور کتاب کو بھیج دیا اور اس زمانے کی ضروریات کے مطابق اصلاحی احکامات نازل فرمائے۔ گزشتہ زمانوں میں جو انبیائے کرام آتے رہے وہ اپنے اپنے علاقے کے لوگوں کے لئے ایک محدود زمانے تک کے لئے احکام شریعت لاتے تھے اور اگر کوئی عالمگیر شخصیت مبعوث ہوئی تو ان کی شریعت بھی ایک مخصوص زمانے تک قائم رہی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے دوسرا پیغمبر بھیجا اور دوسری شریعت نازل فرمائی، سب شریعتیں اصول میں متحد تھیں اور فروغ میں اپنے اپنے زمانہ کے مطاب احکام سکھاتی تھیں بالآخر اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے نبی ومرسل کو مبعوث فرمایا جو خاتم الانبیاء ﷺ ہیں جن کے بعد کسی بھی قسم کا کوئی نبی نہیں آئے گا، اور ان کو ایک کتاب عطا فرمائی جو تمام کتب سابقہ کی ناسخ اور احکام الٰہیہ کی جامع ومکمل ہے، ان کو دین اسلام دیا جو تمام ادیان کا ناسخ اور ہر لحاظ سے مکمل وجامع دین ہے، اللہ تعالیٰ ان کی شان میں فرماتا ہے!

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کردیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت تمام کردی اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کیا۔

پہلے انبیاءؑ کی کتابوں میں تحریف ہوکر ان انبیائے کرامؑ کی تعلیمات کے ضائع وگم ہونے کا جو سلسلہ اوپر سے چلا آرہا تھا جس کی وجہ سے دوسرے نبی اور دوسری کتاب کی ضرورت پیش آتی تھی اس کا اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ خود لے لیا اور قرآن کریم کے الفاظ وآیات اور اس کی تعلیمات کو قیامت تک ان کی اصلی صورت میں قائم وباقی رکھنے کے لئے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ السلام میں ایک ایسی جماعت قائم رکھنے کا وعدہ فرمالیا جو ہمیشہ دین پر قائم رہ کر کتاب وسنت کی صحیح تعلیم مسلمانوں میں شائع کرتی رہے گی۔ کسی کی مخالفت وعداوت اس پر اثر انداز نہیں ہوسکے گی، اس کے بعد دروازۂ نبوت ورسالت اور وحی کا بند ہوجانا ناگزیر امر تھا۔ اس لئے ختم نبوت کا اعلان فرمادیا اور فرمایا!

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا O (۴)

''محمد ﷺ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے''۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے!

لانبی بعدی (۵)

''میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں ہوگا''۔

آپ ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری سے پہلے تمام دنیا کی حالت ناگفتہ بہ تھی، حضرت عیسیٰؑ کا ظہور ہوئے چھ ۶ صدیاں گزر چکی تھیں، دنیا کی آبادی اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے ذریعہ حاصل ہوئی صداقت حق کو فراموش کرچکی تھی تمام نوع انسانی اللہ تعالیٰ کی بجائے مظاہر پرستی میں مبتلا تھی۔ سورج، چاند، ستاروں، حیوانوں، درختوں، پتھروں، آگ، پانی، ہوا اور مٹی کی پرستش ہورہی تھی، کوئی کسی انسان کو خدا کا اوتار مانتا تھا تو کوئی خدا کا بیٹا قرار دیتا تھا۔ اگر ایک گروہ مادہ پرست تھا تو دوسرا گروہ اپنی روح یعنی آتما ہی کو خدا سمجھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت وصمدیت کا کوئی خالص تصور نہیں تھا، اگر اللہ تعالیٰ کی پرستش وعبادت کی جاتی تھی تو دوسروں کے واسطے سے کی جاتی تھی اور خالق موجودات کو مانا جاتا تھا تو!

اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ O

''اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے معبود''۔

کے ذریعے سے مانا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا۔

مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی O

''ہم ان کو صرف اس لئے پوجتے ہیں تاکہ یہ خدا کی طرف ہماری قربت کا ذریعہ بن جائیں''۔

تاریکی کا دور دورہ تھا، ظلم وستم کی آندھیاں چل رہی تھیں، لڑکیوں کو زندہ دفن کردیا جاتا تھا۔ بھائی بھائی کا دشمن تھا، شرک وبدعات کے اندھیرے چھائے ہوئے تھے، رسم ورواج کی سیاہ گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں، اسی طرح پوری دنیا اور بالخصوص خطہ عرب ہر قسم کی برائیوں اور خرابیوں کی سب سے بڑی آماجگاہ تھا، ایسے حالات میں چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں خطہ عرب کے عظیم ومبارک شہر مکہ معظمہ میں رحمت الٰہی کی بدلیوں میں ایک عالمگیر نمو ہوئی۔ جس کے فیضان عام نے تمام ہستی کائنات کو سرسبزی و شادابی کی بشارت سنائی۔ یہ ہدایت الٰہی کی تکمیل اور شریعت ربانی کے ارتقاء کا آخری مرتبہ تھا، انبیاء ورسل کی ترسیل اور صحف سماوی کے نزول کا اختتام تھا اور وراثت ارضی کی آخری بخشش تھی، یہ امت مسلمہ کے ظہور کا پہلا دن تھا، اصح روایت کے مطابق ماہ ربیع الاول کی ۸ تاریخ، اور عوام میں مشہور قول کے مطابق ۱۲ تاریخ تھی۔ کہ اس امت مسلمہ کی بنیاد پڑی، یہ دنیا کے عروج کے بانی کی پیدائش کا دن تھا، اس دن کی عظمت وبزرگی کا کیا بیان ہوسکتا ہے، یہ کائنات کے محسن اعظم کی پیدائش کا دن ہے، یہ کرہ ارضی کی مشترکہ اور بے بہا خوش بختی وسعادت کا دن ہے۔ جس کو یہ کائنات کبھی نہیں بھلاسکتی، آپ ﷺ کی پیدائش تمام جہانوں کے لئے رحمت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ O

''ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے''۔

یہ وہ سعادت افروز صبح تھی جس نے کائنات ارضی کو رشد وہدایت کے طلوع کا مژدہ جانفزا سنایا، یہ وہ مبارک ومحمود ساعت تھی جو معمورہ عالم کے لئے پیغام بشارت بنی، عالم کا ذرہ زبان حال سے نغمے گارہا تھا کہ اب دنیائے ہست کی

بدبختی دور ہونے، شرک وکفر کا پردہ چاک ہونے اور سعادت عظمیٰ سے کائنات کے معمور ہونے کا وقت آ گیا ہے۔

جس بے سروسامانی کے عالم میں آپ ﷺ نے اس دنیا میں آنکھ کھولی اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کوان الفاظ میں ادا فرمایا ہے!

اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی O

''کیا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یتیم نہیں پایا پس آپؐ کو ٹھکانا دیا۔

ابھی آپ ﷺ شکم مادر میں تھے کہ آپؐ کے والد ماجد اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور آپؐ شفقت پدری سے محروم ہو گئے۔ پھر چھ سال کی عمری میں بہ حالت سفر آپ کی والدہ ماجدہ کا بھی اس دار فانی سے انتقال ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے شفیق دادا سے پرورش کرایا، پھر آٹھ سال کی صغر سنی میں ان کی بھی وفات ہو گئی، اور آپؐ کے چچا نے آپؐ کی پرورش کی۔ لحہ بہ لحہ بتدریج دنیاوی آسروں کی جدائی کے باوجود خدائے قدوس نے اس دریتیم کی تربیت اپنی ذات خاص سے وابستہ فرمائی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ماحول سازگار رہا ہو یا ناسازگار، آپ ﷺ کی تعلیم وتربیت کا معیار اسقدر بلند ہے کہ اس سے بلند معیار متصور نہیں ہے، آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ میرے رب نے مجھ کو تعلیم دی پس مجھ کو سب سے بہتر تعلیم دی اور میرے رب نے مجھ کو ادب سکھایا یعنی تربیت دی پس مجھ کو سب سے بہتر ادب سکھایا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ کی بعثت کے تین مقصد بیان فرمائے ہیں جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے!

''وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا اور ان کو عقائد باطلہ واخلاق ذمیمہ سے پاک کرتا ہے اور ان کو حکمت و دانش کی باتیں سکھاتا ہے اور یہ لوگ اس پیغمبر کی بعثت سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے''۔

یعنی شرک وکفر اور رسومات جاہلیت میں گرفتار تھے اور اس زمانے کے موجود لوگوں کے علاوہ دوسرے ان لوگوں کے لئے بھی اسی رسول کو بھیجا جو اس کی امت میں ہونے والے ہیں لیکن ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے۔ یعنی خواہ اس وجہ سے کہ وہ اس زمانہ میں موجود تھے اور ابھی اسلام نہیں لائے تھے یا ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے اور آپ ﷺ کے بعد کے زمانے میں پیدا ہوں گے۔

اس آیت مبارکہ سے قیامت تک کے تمام لوگ خواہ عربی ہوں یا عجمی آپ ﷺ کی امت میں شامل ہیں اور آپؐ ان سب کے نبی ہیں، اس سے بھی معلوم ہوا کہ آپؐ خاتم النبیین ہیں، قیامت تک آپؐ ہی کی نبوت جاری ہے، آپؐ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آئے گا۔

اس آیت مبارکہ میں آپ ﷺ کی بعثت کا پہلا مقصد قرآن پاک کی آیات کی تلاوت امت کے سامنے کرنا بتایا گیا ہے اور دوسرا مقصد امت کی تربیت کرنا اور ان کو باطل عقیدوں اور برے اخلاق و عادات سے پاک کرنا بتایا ہے۔ اور تیسرا مقصد کتاب وحکمت کی تعلیم دینا ہے، جس میں تمام ضروری دینی علوم کی تعلیم آ گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید اور اس کی آیات کی تلاوت کرنا یعنی ان کو پڑھنا ایک مستقل فرض اور ایک علیحدہ مقصد ہے اور ان آیات کے معانی ومطالب کو سمجھنا ایک الگ فرض و مقصد ہے، جس طرح قرآن مجید کی آیات کے معانی ومطالب کو سمجھنا اور ان میں بتائے ہوئے اعمال و احکام پر عمل پیرا ہونا فرض اور اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اسی طرح اس کے الفاظ کو پڑھنا بھی ایک مستقل عبادت ہے اور یہ تلاوت انوار وبرکات کا موجب اور نجات اخروی کا سرمایہ ہے اور اس کے معانی و مطالب کو سمجھنا اس کے حقیقی انوار برکات کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید میں سے ایک حرف بھی پڑھے تو اس کے لئے اس کے عوض دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے۔ بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے یعنی اس کے لئے الم کے کہنے پر تیس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ آپ ﷺ نے الم کی مثال فرمائی جو حروف مقطعات میں سے ہے، جس کے متعلق تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اس کے معنی اور مراد اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بغیر معنی جانے ہوئے بھی قرآن پاک تلاوت کرنا فرض وعبادت مقصود اور باعث اجر وثواب ہے اور سمجھ کر پڑھنے والے کے لئے تو اور بھی بہت زیادہ اجرو ثواب اور نور علیٰ نور ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ''قرآن کریم پڑھو جب تک تمہارے دلوں کا میلان اس کی طرف باقی رہے اور جب اکتا جاؤ تو اس سے اٹھ کھڑے ہو یعنی پڑھنا بند کر دو۔ قرآن مجید کا معجزہ ہے کہ اس کو کتنی ہی دفعہ پڑھا جائے یہ نیا ہی معلوم ہوتا ہے اور اس کے بار بار پڑھنے سے طبیعت اکتانے کی بجائے سرور ونشاط محسوس کرتی ہے اور اس کے معارف کبھی ختم نہیں ہوتے۔ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کی مثال حدیث شریف میں ترنجبین کے ساتھ دی گئی ہے کہ اس کی خوشبو بھی اچھی ہے اور مزہ بھی عمدہ ہے، اسی طرح قرآن مجید پڑھنے والا اور اس کے پاس بیٹھنے والے تلاوت کو سن کر ثواب سے مالا مال ہوتے ہیں اور ان کا ظاہر وباطن منور ہو جاتا ہے۔ جو مومن قرآن مجید کی تلاوت سے محروم رہتا ہے اس کی مثال کھجور کی طرح ہے کہ اس کا مزہ تو اچھا ہے لیکن خوشبو نہیں ہوتی یعنی اس کا باطن ایمان کے نور سے منور تو ہے لیکن تلاوت نہ کرنے کے سبب دوسروں کو نفع نہیں پہنچاتا اور قرآن پڑھنے والے منافق کی تلاوت سے دوسروں کو تو نفع ہوتا ہے لیکن اس کا باطن ایمان کے نور سے خالی ہے پس خوشبو ہے تو لیکن مزا اندارد۔

بعثت کے دوسرے مقصد یعنی کتاب و حکمت کی تعلیم سے انسان اللہ تعالیٰ کی مرضیات پر چلنے اور اللہ تعالیٰ کے ناپسندیدہ کاموں سے بچنے کا علم حاصل کرتا اور ان احکام پر عمل کر کے اپنے ظاہر کو شریعت کا پابند کرتا ہے لیکن کسی چیز کا علم ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ شخص اس کے مطابق عمل ضرور کرتا ہے کیونکہ انسان کا نفس جب تک برائیوں سے پاک نہ ہو جائے وہ نیکی کے کاموں میں رکاوٹ ڈالتا اور عمل سے روکتا رہتا ہے اس لئے حضور انور ﷺ کی بعثت کا ایک مقصد تزکیہ کرنا ہے جس کے معنی ظاہری و باطنی نجاست سے پاک کرنا ہے۔ ظاہری نجاست کو تو عام طور پر لوگ جانتے ہیں اور وہ

نجاست حکمی یعنی حدث اکبر و اصغر اور نجاست حقیقی یعنی جسم دار نجاست ہے اور باطنی نجاست سے مراد کفر و شرک، غیر اللہ پر اعتماد کلی۔ اعتقادات فاسدہ اور تکبر، حسد، بغض، حسب دنیا، حرص بخل، عنا کذب، افترا، غیبت اور چغل خوری وغیرہ خصائل رذیلہ ہیں اگرچہ علمی طور پر کتاب و حکمت یعنی قرآن و سنت میں ان سب چیزوں کا بیان موجود ہے لیکن تزکیہ کو آپ ﷺ کی بعثت کا الگ مقصد قرار دے کر اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ جس طرح محض الفاظ کے سمجھنے اور کسی زبان کے سیکھ لینے سے کوئی فن حاصل نہیں ہوتا اور فن کی کتاب کے معنی کو سمجھ لینا اس بات کی دلیل نہیں بنتا کہ اس شخص کو وہ فن بہ تمام و کمال حاصل ہو گیا ہے، محض نظری و علمی طور سے کوئی فن حاصل ہونے سے اس کا استعمال و کمال حاصل نہیں ہوتا، جب تک کہ کسی مربی و استاد کی نگرانی میں اس کی عملی مشق کر کے عادت نہ ڈالی جائے چونکہ تعلیم کا مقصد عمل ہوتا ہے اور عمل وہی درست و قابل قبول ہوتا ہے جس میں اخلاص ہو، اس لئے تعلیم کے ساتھ تزکیہ کا ہونا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝

"تم لوگوں میں سے ایسے شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ سے اور آخرت کے دن سے ملنے کی امید رکھتا ہو (یعنی ان پر ایمان لایا ہو) اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو رسول اللہ ﷺ کی ذات ستودہ صفات میں ایک عمدہ اور بہترین نمونہ موجود ہے۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی عملی رہنمائی کے لئے رسول اللہ ﷺ کو تمام کمالات ظاہری و باطنی سے اکمل درجے تک مزین فرما کر اس دنیا میں بھیجا تا کہ آپ ﷺ قیامت تک ہر دور کے لئے زندگی کے ہر شعبے کا عملی نمونہ لوگوں کو پیش کر سکیں، انبیائے کرامؑ کی زندگیاں خدائے علیم و خبیر کی مرضی میں کامل طور پر ڈھل کر نکلتی ہیں اس لئے ان کی ایک ایک بات، ان کا ایک ایک فعل اور ان کی ایک ایک ادا اُمت کے لئے اسوہ احسنہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضور انور ﷺ کا اسوۂ حسنہ اکمل و اتم ہے، آپ ﷺ نے اس دنیا میں تشریف لا کر اختلافات کو مٹایا، اتفاق و اتحاد اور اخوت کی بنیادیں استوار کیں، عصبیت اور نسل پرستی کے بت کو توڑا، انسانیت کے مسائل زندگی کو حل کیا، کفر و شرک و بدعت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکال کر نور اور روشنی میں لائے، انسان کو خالق حقیقی سے ملایا۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ اپنے ہم نشینوں میں آنحضرت ﷺ کی سیرت کیسی تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ خندہ پیشانی سے رہتے تھے، نرم خلق والے اور زندگی میں آسانی کو پسند کرنے والے تھے (تا کہ امت پر سہولت ہو) نہ درشت خو تھے نہ بد مزاج، نہ فضول بولنے والے تھے نہ عیب جوئی کرنے والے، جس چیز کی خواہش نہ ہوتی اس سے بے نیازی فرماتے، نہ اس کا عیب بیان کرتے نہ اس میں رغبت ظاہر فرماتے۔ تین چیزیں آپ ﷺ نے از خود ترک فرما دی تھیں۔ شک کرنا، مال کثرت سے جمع کرنا، غیر مفید باتیں کرنا، تین چیزوں سے آپ ﷺ نے لوگوں کو چھوڑ دیا تھا۔ کسی کی مذمت نہیں کرتے تھے، کسی کو شرمندہ نہیں کرتے تھے، کسی کی پوشیدہ بات کا تجسس نہیں کرتے تھے، صرف وہی کلام کرتے جس میں آپ ﷺ کو ثواب کی امید ہوتی تھی۔ جب گفتگو فرماتے تو سب اہل مجلس اس طرح خاموش ہو جاتے جیسے ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہیں پھر جب آپ خاموش ہو جاتے تو لوگ کلام کرتے، مسافر و غریب کے بات کرنے یا سوال کرنے میں اس کی بے ادبی پر صبر فرماتے، اس وقت آپؐ کے اصحاب اس شخص کو دور ہٹانا چاہتے تو آپؐ فرماتے کہ جب کسی ضرورت مند کو دیکھو کہ کچھ طلب کرتا ہے تو اس کی مدد کرو، سوائے تلافی کرنے والے کے اور کسی کی مدح و ثنا قبول نہیں کرتے تھے۔ آپؐ کسی کی بات کو قطع نہ کرتے جب تک کہ وہ خود ہی قطع نہ کر دے، حلم و صبر کے جامع تھے، آپ کو نہ کوئی چیز غضبناک کرتی نہ بے راز، احتیاط صرف چار باتوں میں منحصر تھی، بدی کے ترک کرنے میں کہ اس سے باز رہیں، بہبود امت کے امور میں، عقل سے غور و فکر میں اور ان امور کے قائم کرنے میں جن سے امت کی دنیا آخرت جمع ہو، اس کو ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے۔

حدیث شریف ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اس لئے بھیجا گیا ہوں تا کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کروں۔ آپ ﷺ نے صحابہ اکرامؓ کی ایسی اخلاقی تربیت فرمائی کہ ان کی نظیر دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ ایک طرف ان کی عقل و دانش اور علم حکمت کی گہرائی کا یہ عالم تھا کہ ساری دنیا کے فلسفے ان کے سامنے گرد ہو گئے، دوسری طرف ان کے تزکیہ باطنی، تعلق مع اللہ اور اعتماد علی اللہ کا یہ درجہ تھا کہ خود قرآن مجید نے ان کی تعریف کی ہے، یہی وجہ تھی کہ وہ جس طرف جاتے تھے فتح و نصرت ان کے قدم چومتی تھی اور تائید رحمانی ان کے ساتھ ہوتی تھی ان کے محیر العقول کارنامے آج بھی ہر قوم و ملت کے ذہنوں کو مرعوب کئے ہوئے ہیں یہ سب اسی تعلیم و تربیت نبوی ﷺ کے اعلیٰ نتائج ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ کو کامل ترین اسوۂ حسنہ عنایت فرما کر مبعوث فرمایا ہے اور انسان کے اخلاق حسنہ کی تکمیل کرنا، آپ ﷺ کا مقصد بعثت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے!

"آپ ﷺ کہہ دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو پھر اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔"

یعنی جب تم میری لائی ہوئی شریعت پر چلو گے تو پہلے کئے ہوئے گناہوں سے تمہاری توبہ قبول ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔

محبت ایک پوشیدہ چیز ہے کسی کو کسی سے محبت ہے یا نہیں اور کم ہے یہاں زیادہ ہے اس کا اس کے سوا اور کوئی پیمانہ نہیں ہے کہ اس کے حالات و معاملات سے اندازہ کیا جائے محبت کا کچھ آثار اور علامات ہوتی ہیں۔ جن سے اس کو پہچانا جا سکتا ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ اور اس کا محبوب بننے کی تمنا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو اس آیت

مبارکہ میں اپنی محبت کا معیار بتایا ہے کہ اگر دنیا میں آج کسی شخص کو اپنے مالکِ حقیقی کی محبت کا دعویٰ ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کا کامل طور پر اتباع کرے، جو شخص اپنے دعوے میں جتنا سچا ہوگا وہ حضور انور ﷺ کے اتباع کا اسی قدر زیادہ اہتمام کرے گا اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی روشنی کو اپنے لیے مشعل راہ بنائے گا اور جتنا اپنے دعوے میں کمزور ہوگا اسی قدر اس کی طرف سے آپ ﷺ کے اتباع میں سستی اور کمزوری پائی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ O

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ایک حدیث میں آں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے میرا اتباع کیا اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کا اتباع کیا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اسکی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔

آنحضور ﷺ کی سیرت طیبہ کو قرآن حکیم میں ایک جگہ اس طرح بیان فرمایا ہے!

لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ O

"تمہارے پاس تم میں سے ایک رسول آیا جس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گزرتی ہے وہ تمہاری بھلائی پر حریص ہے، ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے"

یعنی اے بنی آدم تمہارا تکلیف و مصیبت اٹھانا حق کے قبول کرنے سے انکار کرنا، اپنی جہالت و مصیبت پڑے رہنا رسول اللہ ﷺ پر شاق گزرتا ہے وہ تمہاری بھلائی اور خیر خواہی کا بھوکا ہے، بنی نوع انسان کے ساتھ اس کی خیر خواہی اس کو تمہاری تبلیغ و نصیحت اور اسلام و اخلاقِ حسنہ کی دعوت پر آمادہ کرتی ہے۔

یہ آیتِ مبارکہ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ آنحضور ﷺ تمام بنی نوع انسان کے خیر خواہ، ہمدرد اور غمگسار تھے اور مسلمانوں پر خصوصیت کے ساتھ مہربان اور شفیق تھے، یہ آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کی آسمانی شہادتیں ہیں۔ آپ کی سیرت مبارکہ قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے، ایمان، توحید، نماز، روزہ، زکوۃ، حج، جہاد، صدقہ خیرات، ایثار، قربانی، عزم، استقلال، صبر شکر، سخاوت، شجاعت، عفت، صداقت، حلم، عدالت، تسلیم و رضا اور ان کے علاوہ اور حسنِ عمل و حسنِ خُلق کی جس قدر تعلیم آپ ﷺ نے فرمائی اُن سب کے لیے آپ نے اپنا نمونہ پیش فرمایا، جو کچھ قرآن مجید میں تھا وہ سب آپ ﷺ کی زندگی میں مجسم عمل ہو کر نظر آیا۔ چند صحابی حضرت عائشہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا ام المومنین! حضور اکرم ﷺ کے اخلاق و معمولات بیان فرمایئے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا آپ ﷺ کا اخلاق ہمہ صفت قرآن تھا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نہایت فیاض، بڑے سخی، راست گو، نہایت نرم طبع تھے، لوگ آپ ﷺ کی صحبت میں بیٹھتے تو خوش ہو جاتے، جو شخص آپ ﷺ کو پہلی دفعہ دیکھتا مرعوب ہو جاتا لیکن جیسے جیسے وہ آپ ﷺ سے ملتا آپ ﷺ سے محبت کرنے لگتا۔

آپ ﷺ کے شمائل مبارک کتب احادیث و سیَر میں نہایت تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں مثلاً یہ کہ آپ ﷺ کی طبیعت میں نرمی تھی، سخت مزاج نہ تھے کسی کا دل نہ دکھاتے تھے کسی کی عزت کے خلاف کوئی بات نہیں کرتے تھے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر لوگوں کا شکریہ ادا کرتے تھے۔ کسی چیز کو برا نہیں کہتے تھے، کھانا جیسا سامنے آجاتا کھا لیتے اس میں عیب نہ نکالتے، آپ ﷺ کو اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی غصہ نہ آتا تھا۔ نہ کسی سے بدلہ وانتقام لیتے تھے۔ اور نہ کسی کی دل شکنی گوارا کرتے تھے، لیکن اگر کوئی حق کی مخالفت کرتا تو حق کی طرفداری میں آپ ﷺ کو غصہ آجاتا تھا اور آپ حق کی پوری پوری حمایت فرماتے، آپ ﷺ اولاد کے لیے ایک شفیق باپ، ازواج مطہرات کے لیے ایک محبوب خاوند، عزیز واقارب کے لیے ایک مقبول رشتہ دار، ہمسایہ کے لیے ایک غمگسار پڑوسی، اہل شہر کے لیے ایک خیر خواہ شہری، قوم کے لیے ایک بہترین مُشیر، ملت کے لیے ایک اعلیٰ رہنما، افواج کے لیے ایک تجربہ کار سپہ سالار، شاگردوں کے لیے ایک مہربان استاد، مریدوں کے لیے ایک کامل ترین مربی و مرشد، انسانیت کے لیے ایک محسنِ اعظم اور تمام ذوی الحیاۃ کے لیے روح رواں تھے۔ بنیادی اقدار حیات یعنی صداقت، امانت، عدالت، شجاعت کا مظہر اکمل تھے، الصادق الامین تھے، بالآخر آپ ﷺ نبوت و رسالت کے مشن کی تبلیغ کو انجام کار تک پہنچا کر تریسٹھ 63 سال کی عمر میں مشہور روایت کے مطابق ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو پیر کے دن اس عالمِ فانی سے پردہ فرما گئے اور رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ ﷺ مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی ﷺ کے متصل اپنے حجرہ شریفہ میں آرام فرما ہیں لیکن مسجد نبوی کی بار بار توسیع کی وجہ سے آپ ﷺ کا حجرہ شریفہ مسجد نبوی کے ایک گوشے میں آ گیا ہے اور بعد میں اس پر گنبد خضریٰ تعمیر کر کے اس کو مسجد سے ممتاز کر دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کا فیض تمام کائنات میں قیامِ قیامت تک جاری و ساری ہے۔ حفاظ و قرأ حضرات آیات قرآن کی تلاوت و تعلیم اور علمائے کرام کتاب و حکمت کی تعلیم اور صوفیائے عظام تزکیہ باطن کے مشن میں مشغول رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو آنحضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر پوری طرح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس پر استقامت بخشے۔ آمین۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

معراج انسانیت

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی

☆ یہ حقیقت کہ انسان میں اچھے اور برے رجحانات بیک وقت جمع ہوتے ہیں۔اس قدر پیش پا افتادہ ہے کہ اسکا اعادہ تحصیل حاصل معلوم ہوتا ہے۔ اس کے باوجود انسان کی فطرت کو سمجھنے کے لئے اسے پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔نفسیات کے ماہر یہ جانتے ہیں کہ انسان کی جبلت میں تاریک اور تباہ کن خواہشوں کا اوقیانوس موجزن ہے کہ اگر اس میں قوت احتساب نہ ہوتی تو وحشی درندوں سے بھی زیادہ خوں خوار اور ان تمام خوبیوں سے عاری ہوتا جو انفرادی اجتماعی زندگی کی ضامن ہیں،جس قوت کو میں نے احتساب کہا ہے اس کے لئے انگریزی میں سینسر Censor اور اردو میں فوق الشعور کی اصطلاح وضع کی گئی ہے۔یہ احتساب کیا ہے؟ یہ کمزور کیوں پڑتا ہے۔یہ وہ سوال ہیں جو ہر ذی فہم کے ذہن مین ابھرتے ہیں،اور ان کے صحیح جوابوں پر اس کے کردار کی تعمیر ہوتی ہے،یہ ممکن ہے کہ یہ سوال شعوری طور پر قرطاس احساس پر منقوش نہ ہوتے ہوں لیکن انسان کا کردار ان ہی سوالوں کے جوابات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

احتساب وہ قوت ہے جو انسانوں کو اپنی خواہشات پر پابندی لگانے پر مجبور کرتی ہے۔وہ یہ بتاتی ہے کہ ہر اندھی خواہش پر عمل کرنا مناسب ہوگا۔ اگر یہ قوت احتساب نہ ہوتی تو اخلاق کا ضابطہ مرتب نہ ہوتا۔یہ قوت اس طرح پیدا ہوئی ہے کہ انسان اپنے طویل نوعی تجربے کی بنا پر یہ معلوم کر چکا ہے کہ ہر خواہش کی بلا روک ٹوک تکمیل سے انفرادی اور معاشرتی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں،اور معاشرے کے انتشار سے وہ خود بھی مجروح ہوتا ہے۔اس نوعی تجربے کے علاوہ جو حقیقتاً احتساب کی بنیاد ہے۔ایسے معاشرے کے عقائد و رواج اسے تقویت پہنچاتے ہیں۔جس میں وہ زندہ ہوتا ہے۔اگر یہ بات معقولیت کے ساتھ سمجھ میں آتی ہو کہ احتساب جس بات سے روکتا ہے وہ نوعی سماجی، یا انفرادی مفاد کے پیش نظر ممنوع ہونی چاہئے۔تو اس فیصلے کو قبول کرنا چاہئے۔

احتساب مسلسل بدعنوانیوں اور بغاوتوں سے کمزور پڑ جاتا ہے۔لیکن احتساب غلطی بھی کر سکتا ہے اگر معاشرہ مریض ہو تو انفرادی احتساب بھی مریض ہو جاتا ہے اور معاشرے کی خرابیوں کے خلاف اس کی قوت مدافعت کمزور پڑ جاتی ہے۔یہی سبب ہے کہ اکثر دانش وروں کی رائے میں ضابطہ حیات و اخلاق کی ضرورت ہے۔جو احتساب کے لئے کسوٹی کا کام کرے اور اسے صحیح راستے پر چلنے کی ہدایت کرے، جب احتساب ایک ایسے ضابطے کا پابند ہو جاتا ہے جو محض منفی اقدار سے آگے بڑھ کر مثبت قید کی صورت اختیار کر لے تو احتساب کا نام ضمیر میں ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ تربیت یافتہ قوت احتساب کا نام ضمیر ہے۔انفرادی اعتبار سے معراج انسانیت یہی ہے کہ انسان خیر کا حامل ہو اور شر سے اس کا دامن پاک ہو، اجتماعی طور پر معراج انسانیت یہ ہے کہ ایک ایسا معاشرہ قائم ہو جو خیر کی ترویج اور شر کی بیخ کنی میں کوشاں ہو اور اس میں کامیابی بھی حاصل کر سکے،کوشش کا ذکر میں نے اس غرض سے کیا ہے کہ بغیر کوشش کے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی اور اگر ایک مرتبہ حاصل ہو بھی جائے تو قائم نہیں رہ سکتی۔وہ تمام خواہشیں اور قوتیں جو انسان کو ودیعت ہوئی ہیں۔انسانی زندگی میں ایک مقام رکھتی ہیں۔اور کوئی نہ کوئی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔وہ اس کی انفرادی اور نوعی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہیں، البتہ ان کے استعمال میں اعتدال شرط ہے اور ان کو کام میں لانے کے لئے بعض حدود مقرر کرنی پڑتی ہیں تاکہ وہ صحیح طور پر بروئے کار آئیں۔انسان کی ہر قوت ایک ایسی طاقت ہے جو تعمیر بھی کر سکتی ہے اور تخریب بھی، جو آب حیات بھی ثابت ہو سکتی ہے اور زہر ہلاہل بھی، معراج انسانیت یہی ہے کہ ان سب کو آب حیات بنا کر کام میں لایا جائے۔اب آپ اسلام کے ضابطہ اخلاق پر نظر ڈالئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس نے انسان کی کسی قوت کو شل کرنے کی ترغیب نہیں دی، بلکہ اس کے استعمال کا ایسا قاعدہ بتایا کہ بہتر سے بہتر خدمت انجام دے سکے۔زندگی میں اس کا وہی کردار ہو جو معاشرے کی تعمیر کے لئے ضروری ہے۔اسلام نے نہ تو اسے ترک کرنے کی تلقین کی جس سے اس کی افادیت ختم ہو جاتی، اور انسانی ذہن کے لئے الجھن اور اس کی نوعی اور انفرادی زندگی کے لئے مشکلات پیدا ہو جاتیں، نہ ایسی چھوٹ دی کہ انفرادی زندگی کا اعتدال اور معاشرے کا استحکام ختم ہو جائے۔یہ توازن

جو اسلام کے ضابطے کی جان ہے اور جو اس ضابطے کو دوسرے ادیان اور ضابطوں پر فوقیت دیتا ہے ایک طرف تو حکمت باور دانش کی معراج ہے ، دوسری طرف فطرت شناسی اور جبلت آگاہی کا کمال ہے۔ اسلام معراج انسانیت کا مفہوم یہ نہیں سمجھتا کہ فرد اپنے آپ کو انفرادی ، نوعی اور اجتماعی فرائض سے علیحدہ کرلے، یہی سبب ہے کہ وہ رہبانیت کو مکروہ اور فرار کو ناپسندیدہ قرار دیتا ہے۔اس کا ضابطہ اس مرد مومن کی تربیت کرتا ہے جس کے لئے زندگی ایک نعمت ہے اور دونوں سے اس کی حفاظت کرتا ہے۔

اس کے نزدیک حیات جدوجہد ہے، کارزار ہے ، وہ پوشیدہ اور دانستہ قوتوں کو صحیح استعمال کے ذریعے سے بیدار کرنے اور ان کی تربیت سے جلا پاتی ہے، کمزور نہیں پڑتی ۔ جو اس کارزار سے جی چرا کر ہمالیہ کی چوٹیوں یا سوامے کے زاویوں میں پناہ لیتا ہے تو اسلام کا مرد مومن نہیں بن سکتا۔ پھر اسلام اس ازلی راز سے بھی پوری طرح آگاہ ہے کہ فرار سے جو ذہنیت پیدا ہوتی ہے وہ نہ انسانیت کی تعمیر کرسکتی ہے نہ اس کی حفاظت ، معراج انسانیت کارزار حیات میں کامیابی کا نام ہے۔اس کا نشان ظفر فتح مبین ہے۔یا شہادت ہے ، زندگی کو تج دینا اور رہبانیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچنا نہیں ہے اور فتح کا ذکر آیا ہے، تو فتح کس کے اوپر، جہاد جو اس کارزار کا ایک پرتو ہے وہ جہاد کس کے خلاف؟ مومن کا جہاد شر کے خلاف ہوتا ہے خواہ وہ اپنے نفس میں ہو یا معاشرے میں یا طاغوتی طاقتوں کے استیلا میں یا انسان پر ظلم کی شکل میں اور ان سب کے خلاف بیک وقت جاری رہتا ہے، ایک ایک کے خلاف علیحدہ علیحدہ ، باری باری سے نہیں بلکہ بیک وقت اس لئے کہ جہاد تو وہ عبادت ہے جو شرط عبودیت ہے۔اس سے مومن کسی جگہ منہ نہیں موڑ سکتا۔

نفس کے خلاف جہاد کا صلہ تزکیہ نفس ہے جو تمام دوسری قوتوں کی تقویت کی بنیاد ہے ۔ معاشرے میں شر کے مقابلے کا صلہ تطہیر معاشرہ ہے جس کے بغیر انسان کی اجتماعی قوتیں بیدار نہیں ہو سکتیں ، طاغوتی قوتوں کا استیلا فرد اور معاشرے دونوں کے لئے پیغام موت ہے اور اس کے خلاف جہاد حیات نو کا پیغام اور اس میں کامیابی کا صلہ انصاف اور عدل کا قیام ہے۔جس کے بغیر انفرادی اور اجتماعی زندگی کے درمیان رشتہ قائم نہیں رہ سکتا۔اگر اسلام کا ضابطہ اخلاق و کردار حیات انسانی کی تطہیر و عروج کا ضامن ہے تو وہ ذات گرامی جسے اس ضابطہ حیات کو سکھانے کے لئے اسوۂ حسنہ بنا کر بھیجا گیا، انسانیت کے کس مقام پر جلوہ افروز ہے، وہ مقام تو وہی ہو سکتا ہے جہاں تک انسان پہنچنے کی برابر کوشش کرے تو قریب تر تو پہنچ سکتا ہے لیکن اس مقام کو حاصل نہیں کر سکتا اس لئے کہ وہ مقام انتہائے عروج ہے ، وہ دوسرے انسانوں کے لئے خواہ وہ انبیا ہوں یا اصفیا سمت الرآس عروج تو ہے مقام عروج نہیں وہ معراج ہے محض معراج نہیں ، اللہ تعالیٰ کی اس امر میں کیا مصلحت تھی کہ اس نے ایک انسان کو ایسے درجے پر پہنچایا کہ اس کا اتباع معراج انسانیت پر پہنچنے کا زینہ اور اس کے مقام کا صحیح ادراک اصل ایمان ہے، یہ نقطہ فلسفیانہ موشگافیوں سے بالاتر اور عرفان و آگاہی کی حدود میں داخل ہے، اسے صرف تشبیہ اور استعارے کی مدد سے بیان کیا جاسکتا ہے، اور تشبیہ و استعارے کا عجز بھی اہل دانش پر عیاں ہے، بہر حال اسے سمجھنے کے لئے اگر ہر امت کی زندگی کو ایک ندی کے بہاؤ سے مماثل سمجھا جائے تو آسانی ہوگی، اگر وہ ندی دائمی بہنے والی ہے اور محض برساتی نالہ نہیں ہے تو اس کا سرچشمہ بالعموم اس پانی سے زندگی پاتا ہے جو کوہستان کی چوٹیوں پر پڑی ہوئی برف جو پگھل پگھل کر بہم پہنچاتی ہے جب یہ ندی اپنے منبع سے روانہ ہوتی ہے تو اس کا پانی شفاف اور آلودگیوں سے پاک ہوتا ہے۔اس میں ایک جوش ہوتا ہے جو پتھروں سے اٹھکیلیاں کرتی ہوئی چھوٹے بڑے سنگریزوں کو جلا کرتی ہوئی بالآخر مسطح علاقے میں پہنچ جاتی ہے اور پھر اس کی رفتار میں سکون پیدا ہوتا ہے۔ وہ اپنے دامن کو دوسری ندیوں اور نالوں کے لئے فراخ رکھتی ہے اور وہ آکر اس میں ملتے ہیں اور اس کی قوت کو بڑھاتے ہیں۔ جب تک یہ نالے صاف پانی لاتے ہیں ندی کا پانی مکدر نہیں ہوتا لیکن پھر اس کو ایسے مقامات سے بھی گزرنا پڑتا ہے جہاں اسے بیسیوں خطرات درپیش ہوتے ہیں، مگر وہ خطرے ایسے ہیں جن سے ندی کی افادیت کم ہو جاتی ہے۔ پہلا خطرہ تو یہ ہے کہ وہ کسی ایسے علاقے میں پہنچ جائے جہاں مزید ندی نالوں کی کمک نہ مل سکے اور ریگستان میں خشک ہوتے ہوتے اس کا وجود ہی ختم ہو جائے ، اور دوسرا خطرہ یہ ہے کہ وہ ایسے علاقے سے گزرے جس کی کثافتیں اس کے پانی کی شیرینی اور صفائی کو ختم کردیں یہ خطرے ان ندیوں کو زیادہ پیش آتے ہیں جو کسی نیچے پہاڑ سے نکلتی ہیں، جہاں برف کی مقدار کم ہو اور یہ مقدار اس کی کفیل نہ ہو سکے کہ اسے کثافت وقلت آب کی بلاؤں سے بچا سکے،ندی کا پانی ہی اصل میں اس کی حیات ہے، اب آپ دنیا کی ان امتوں پر نظر ڈالئے جن کی زندگی کا سرچشمہ کم از کم

ابتداء ہدایت الٰہی تھا، کوئی بہہ کر اپنی تنگ مائیگی کے سبب کسی ریگستان میں جا کر معدوم ہو گئی اور کوئی خارجی اثرات کی کثافتوں کی تاب نہ لا سکی، لیکن امت محمد ﷺ کو چونکہ انسانیت و نبوت کی سب سے اونچی چوٹی سے آب حیات کی رسد پہنچتی رہی اس لئے وہ ریگستانوں کو گلزار بناتی ہوئی ان سے آگے نکل گئی اور اس کی تعلیمات کا سرچشمہ چونکہ وحی کے شفاف اور خالص ضابطے سے سیراب ہوا تھا اس لئے اگر ماحول کی کثافت نے اس پر غلبہ پانے کی کوشش بھی کی تو کامیاب نہیں ہوئی۔ غور فرمائیے کہ وہ کونسا دین ہے جس کی تعلیمات کا انحصار ایسی کتاب پر ہے جس میں لوح محفوظ پر ثبت ہونے سے آج تک یعنی ازل سے ابد تک ایسی بلند ترین ہستی کے طفیل ہی پہنچ سکتا ہے ایک نقطے کی تحریف نہ ہوتی ہو، یہ آب حیات ہم تک ایسی بلند ترین ہستی کے طفیل پہنچ سکتا تھا جس درجہ تمام انبیا علیہم السلام میں سب سے بلند ہے یہ مقام تو تمام انبیا کی تعلیمات کے تقابل سے ظاہر ہوتا ہے، دنیاوی فلسفیوں کی کیا مجال ہے کہ اس بلند مقام پر پہنچیں جہاں انبیاؑ مشیت الٰہی کے ماتحت نہ پہنچ سکے۔

فلسفہ تو اپنے لنگ پا کی وجہ سے ایسی الجھنوں میں گرفتار رہا ہے کہ اس سے خود فلسفیوں کی بھی تشفی نہیں ہوتی اور اگر کسی ناقص فلسفے پر کسی معاشرے کی عمارت کھڑی بھی کی گئی تو اسے قائم رکھنے کے لئے بنیادی فلسفے میں روز افزوں تبدیلیوں اور تحریف کی ضرورت پیش آتی رہتی رہی۔

انسانی سیرت کے تین پہلو ہوتے ہیں جو اس کے ترکیب و تخلیق میں داخل ہیں ایک یہ کہ وہ اس عالم آب و گل میں ایک حیوان ہے جس کی دنیاوی زندگی کا انحصار اس کی مادی ضروریات کی تکمیل پر ہے دوسرا یہ کہ وہ حیوان ناطق ہے جس کے باعث اس میں فکر و دانش کی صلاحیتیں مضمر ہیں اور جو نو گی تجربے اور تحقیقات کی بنیاد پر وسیع تر ہوتی جاتی ہیں۔ تیسرا یہ کہ یہ پیکر خاکی نور تجلیات کا مورد بھی ہے، اور اس کی روح میں وہ تشنگی ہے جو نہ مادی ضروریات کے پورا ہونے سے بجھتی ہے نہ عقل و دانش کے عروج سے رفع ہوتی ہے، ابتدائے آفرینش سے آج تک اس نے یہ کوشش کی ہے کہ اس مادی ماحول سے ماورا کی کیفیات سے اپنے دامن کو بھر لے، یعنی انسان کی زندگی کو جسمانی، ذہنی، روحانی ضروریات پر مشتمل سمجھنا چاہئے اور ان تینوں کو جدا کرنا ایسا ہی ہے کہ گوشت کو پوست سے یا رگ جان کو جسم سے علیحدہ کر کے زندگی کے جاری رہنے کی امید رکھی جائے، جو عروج انسانی کی دسترس میں اب تک رہا ہے، وہ انہی تین طبقات سے متعلق رہا ہے، کوئی اگر جسمانی قویٰ کی تربیت سے مشہور ہوا تو رستم داستان بنا اور اگر کسی نے ذہنی ترقی کی تو وہ سقراط یا افلاطون یا ابن سینا کی ہمسری کا مدعی ہوا، کسی نے روحانی ترقی کی تو اس نے ریشیوں منو کے آسن یا کے آسن یا عزلت نشین رہبانیت کے بوریے پر بیٹھ کر نفس کشی کی منزلیں طے کیں اور اپنے جسم کو اپنی دوسری صلاحیتوں کا مرقد بنا لیا، لیکن یہ شرف متوسلین محمد ﷺ ہی کو حاصل ہوا کہ نان جویں کھا کر قوت حیدری حاصل کی اور مدرسوں کی زینت بن کر علم و فضل کے چراغ فروزاں کئے، اور راتوں کی عبادت سے روحانیت کی شمعیں روشن کیں اور سلسلہ رشد و ہدایت جاری کیا اور میدان جہاد میں اتر کر اپنی معاصر دنیا میں استبدادی سامراجوں کا استیصال کر کے انسانیت کے چہرے سے مظلومیت کے آنسو دھوئے اور نظام عدل و مساوات قائم کیا، یہ تھی انسانی فطرت کے تقاضوں کو پورا کرنے اور انہیں تعمیری مقاصد میں انتہائی کامیابی سے استعمال کرنے کی معراج، جو معراج انسانیت ہے اور یہ معراج تو متوسلین محمد ﷺ کو حاصل ہوئی اس کی مرتبت اور بلندیوں کا کیا ذکر کروں جس پر خدا خود درود بھیجتا ہے اور جس کی بارگاہ میں ملائکہ عقیدت کے پھول چڑھاتے ہیں۔

بحقِ سید و سردارِ آدمؑ
محمد ﷺ مصطفٰی فخرِ دو عالم

محمود اقبال

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا o

اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ مومنو! تم بھی پیغمبر ﷺ پر درود اور سلام بھیجا کرو۔ (الاحزاب: 56)

رحمتہ اللعالمین حضرت محمد ﷺ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی نسل میں سے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ابراہیمیؑ کے نام سے مشہور ہوئی۔ اسی ابراہیمی عربوں میں سب سے زیادہ معزز قبیلہ قریش تھا۔ خانہ کعبہ کی دیکھ بھال اسی قبیلہ کے ایک خاندان بنو ہاشم کے سپرد تھی۔ ہاشم کے صاحبزادے عبدالمطلب بڑے بارسوخ آدمی تھے۔ حضرت عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے۔ ان میں سے حضرت عبداللہ اپنی نیک چلنی اور بہادری کی وجہ سے عرب بھر میں مشہور تھے جب حضرت عبداللہ جوان ہوئے تو ان کی شادی وہب (قبیلہ زہرہ کے سردار وہب بن عبدالمناف) کی پاکباز بیٹی آمنہ خاتون سے ہوئی۔ عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھر 20 اپریل 571ء کی صبح رحمتہ اللعالمین حضرت محمد ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ آپ ﷺ کی پیدائش سے چار ماہ قبل عبداللہ بن عبدالمطلب وفات پاگئے۔ اس طرح آپ ﷺ بوقت پیدائش یتیم تھے۔

حق کی تلاش کے لیے آپ ﷺ کی طبیعت بچپن سے تنہائی کی طرف مائل ہونے لگی۔ آپ ﷺ اکثر مکہ سے باہر کوئی تین میل کے فاصلے پر ایک غار میں چلے جاتے جس کا نام غارِ حرا تھا۔ آپ ﷺ غور و فکر میں مصروف رہتے۔ ایک مرتبہ رمضان کے مہینے میں غارِ حرا میں بیٹھے ہوئے عبادت میں مشغول تھے کہ یکا یک ایک نور چمکا اور اللہ تعالیٰ کا مقرب فرشتہ "جبرئیل" آپ ﷺ کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ جبرئیلؑ نے یہ الفاظ آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے نکلوائے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ o خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ o اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ o الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ o عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ o

"پڑھ اس رب کا نام لے کر جس نے کائنات کو پیدا کیا جس نے آدمی کو جمے ہوئے لہو سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا رب بڑا کریم ہے، جس نے انسان کو قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ وہ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اسے معلوم نہ تھیں۔" (العلق: 1 تا 5)

یہ واقعہ نہایت غیر معمولی تھا۔ جب آپ ﷺ واپس گھر تشریف لائے تو سینہ جلال الٰہی سے لبریز تھا۔ آپ ﷺ نے یہ سارا واقعہ تفصیل کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کو سنایا۔ اس پر خدیجہؓ نے کہا۔

"اے میرے چچا کے بیٹے آپ ﷺ کو خوشخبری ہو اور آپ ﷺ ثابت قدم رہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں خدیجہؓ کی جان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ﷺ اس امت کے نبی ہیں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اپنی جان کا ڈر ہو گیا ہے۔"

اس پر حضرت خدیجہؓ نے فرمایا: "آپ ﷺ کو فکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں میں دیکھتی ہوں۔ آپ ﷺ قریبی رشتہ داروں پر شفقت فرماتے ہیں۔ سچ بولتے ہیں۔ بیواؤں یتیموں اور بیکسوں کی دستگیری فرماتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں۔ مصیبت زدوں سے ہمدردی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی غمگین نہیں کریں گے۔"

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ خود اپنے اطمینانِ قلب کے لیے آنحضرت ﷺ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں یہ کافی عمر رسیدہ اور تورات و انجیل کے عالم تھے اور ان لوگوں میں سے تھے۔ جو تورات اور انجیل کی فراہم کردہ معلوبات کے نتیجے میں اس نبی (محمد ﷺ) کے منتظر تھے۔ جس کا اشارہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو دیا گیا تھا۔

حضرت خدیجہؓ نے ورقہ بن نوفل کو تمام بات سنائی تو انہوں نے کہا۔ "پاک ہے، پاک ہے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں ورقہ کی جان ہے۔ اے خدیجہؓ اگر تو نے سچ بتایا ہے تو یہ وہی ناموسِ اکبر آچکا ہے۔ جو موسیٰؑ پر آیا کرتا تھا۔ اور بے شک وہ اس امت کے نبی ﷺ ہونگے۔"

اس کے بعد آپ ﷺ بدستور غارِ حرا میں تشریف لے جاتے رہے۔ کچھ عرصہ آپ ﷺ پر کوئی

وحی نازل نہ ہوئی۔ اس عرصہ میں آپ ﷺ بہت بے چین رہا کرتے تھے۔ آپ ﷺ اس حالت میں تھے کہ ایک دن جبریل کا ظہور ہوا۔ اس طرح ہوا کہ وہ آسمان اور زمین کے مابین ایک کرسی پر جلوہ فرما تھے۔ اس سے رسول اللہ ﷺ پر ہیبت طاری ہوگئی۔ گھر آئے اور خدیجہ ؓ سے فرمایا۔ دثرونی...... دثرونی...... (مجھے کچھ اڑھادو)۔ اور آپ ﷺ کپڑا لپیٹ کر لیٹ گئے۔ لیکن اللہ کے اس دین کو پھیلانے کا وقت آگیا تھا۔ جس کے لیے آپ ﷺ کو منتخب کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ آیات نازل ہوئیں۔

یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ o قُمْ فَاَنْذِرْ o

وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ o وَ ثِیَابَکَ فَطَھِّرْ O

''اے لحاف میں لپٹے ہوئے شخص! اٹھ پھر لوگوں کو (عذاب الٰہی) سے ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑے پاک رکھ۔'' (المدثر: 1 تا 4)

جب رسول اکرم ﷺ نے اعلانیہ اسلام کی تبلیغ شروع کردی تو قریشِ مکہ آپ ﷺ کے مخالف ہوگئے۔ ان میں ابوجہل اور آپ ﷺ کے چچا ابولہب پیش پیش تھے۔ ان کے علاوہ دیگر اہل مکہ نے اوچھے ہتھیاروں مثلاً تضحیک، کھلم کھلا مخالفت، مزاحمت، استہزاء، الزامات، گالی گلوچ، چھوٹے پروپیگنڈے اور مخالفانہ جتھہ بندی سے اشاعتِ اسلام کو روکنے کی کوششیں کیں۔

جب کفارِ مکہ اپنی چالوں میں ناکام ہوئے تو آپ ﷺ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔ دوپہر کے وقت آپ ﷺ کو حکم ملا کہ آج رات مکہ سے ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ فرمانِ ایزدی کی تعمیل میں آپ ﷺ حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سلا کر رات کی تاریکی میں گھر سے نکل آئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ نبوت کا تیرھواں سال تھا۔ اس سال سے سنِ ہجری کی ابتداء ہوئی۔

آپ ﷺ 24 ستمبر 622ء (ربیع الاول 1ھ) مدینہ وارد ہوئے جب سے مسلمانوں نے مدینہ میں پناہ لی تھی۔ کفارِ مکہ مسلسل اس کوشش میں تھے۔ کہ کسی طرح مسلمانوں کو اس شہر سے نکلوا دیا جائے۔ جب وہ اس میں بھی ناکام ہوئے تو مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے مکہ سے نکل پڑے اور بدر کے مقام پر خیمہ زن ہوئے۔ جو مدینہ سے 80 میل پر واقع ہے۔ یہ جنگ غزوہ بدر کے نام سے موسوم ہوئی۔ اس جنگ میں کفارِ مکہ کی تعداد ایک ہزار تھی جن میں سے چھ سونے لوہے کی زرہیں پہن رکھیں تھیں۔ ابولہب کے سوا تمام سردارانِ قریش اس لشکر میں شامل تھے۔ عتبہ بن ربیعہ اس لشکر کا سپہ سالار تھا۔ ان کے مقابلے میں حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ 313 جانثار تھے۔ جن میں 74 مہاجرین اور باقی انصار تھے۔ ان مجاہدین کے پاس کل دو گھوڑے، چھ زرہیں اور ستر اونٹ تھے۔ 17 رمضان المبارک 2ھ دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ اس طرح دوسری جنگ احد کے مقام پر اور تیسری جنگ غزوہ خندق کے نام سے مشہور ہوئی۔ 10ھ میں حضور ﷺ نے پہلا اور آخری حج کیا اس لیے اسے حجۃ الوداع کہتے ہیں جب آپ مدینہ سے روانہ ہوئے تو نوے ہزار مسلمان آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ عرب ممالک کے مختلف مقامات سے اور لوگ بھی شامل ہوتے گئے۔ چنانچہ حج کرتے وقت تقریباً ایک لاکھ چوالیس ہزار کی جمعیت آپ ﷺ کے ہمراہ تھی۔ اس تاریخی موقعہ پر آپ ﷺ نے اونٹنی پر سوار ہو کر با آواز بلند وہ عظیم الشان خطبہ دیا جسے اسلامی تعلیمات کا نچوڑ کہا جاتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا۔

''اے لوگو! میں خیال کرتا ہوں کہ آج کے بعد میں اور آپ ﷺ اس اجتماع میں کبھی دوبارہ جمع نہیں ہوں گے۔ اے لوگوں! تمہارا خون تمہارا مال اور تمہارا ننگ و ناموس اسی طرح ایک دوسرے پر حرام ہے جس طرح یہ دن یہ مہینہ اور یہ شہر تم سب کے لیے قابلِ حرمت ہے۔

اے لوگو! آخر تمہیں بارگاہِ ایزدی میں پیش ہونا ہے وہاں تمہارے اعمال کی باز پرس کی جائے گی۔ خبردار میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنا شروع کر دو۔

اے لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اپنے اللہ سے ڈرتے رہنا تم نے خدا کے نام کی ذمہ داری سے انہیں زوجیت میں قبول کیا اور اللہ کا نام لیکر ان کے جسم اپنے لیے حلال بنائے۔ عورتوں پر تمہارا حق ہے کہ وہ غیر کو تمہارے بستر پر نہ آنے دیں۔ اگر وہ ایسا کریں۔ تو تم انہیں ایسی مار مارو جو نمایاں نہ ہو اور عورتوں کا حق تم پر ہے کہ انہیں بافراغت کپڑا پہناؤ اور بافراغت کھانا کھلاؤ۔ اے لوگو! تمہارے غلام ہیں جو خود کھاؤ گے وہی انہیں کھلانا جو خود پہنو گے وہی انہیں پہنانا۔

اے لوگو! آج میں جاہلیت کے تمام قواعد و رسوم کو اپنے قدموں تلے پامال کرتا ہوں۔ میں جاہلیت کے قاتلوں کے جھگڑے، ملیامیٹ کرتا ہوں۔ اور سب سے پہلے اپنے خاندانی مقتول ربیعہ بن حارث کے خون سے جسے ہدیل نے قتل کیا تھا معاف کرتا ہوں میں

زمانہ جاہلیت کے تمام سودی مطالبات باطل قرار دیتا ہوں اور سب سے پہلے خود اپنے خاندانی سود۔ عباس بن عبدالمطلب کے سود سے دستبردار ہوتا ہوں۔

اے لوگو! اب اللہ تعالیٰ نے ہر ایک حقدار کا حق مقرر کر دیا ہے۔ لہٰذا کسی کو وارثوں کے حق میں وصیت کرنے کی ضرورت نہیں۔ بچہ جس کے بستر پر پیدا ہو۔ اسی کو دیا جائے۔ اور زنا کاروں کی سزا پتھر ہیں اور ان کی جوابدہی اللہ پر ہے۔ جو لڑکا باپ کے سوا کسی دوسرے نسب کا دعویٰ کرے اور غلام اپنے مولد کے سوا کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے ان پر خدا کی لعنت ہے۔ عورت شوہر کے بلا اجازت اس کا مال صرف نہ کرے قرض ادا کیے جائیں۔ عاریت واپس کی جائے۔ عطیات لوٹائے جائیں اور ضامن تاوان ادا کرنے کا ذمہ دار ہے۔

اے لوگو! تم سب کا اللہ بھی ایک ہے اور تم سب کا باپ بھی ایک ہے لہٰذا کسی عربی کو عجمی پر، کسی سرخ کو سیاہ پر، کسی سیاہ کو سرخ پر کوئی پیدائشی برتری یا امتیاز حاصل نہیں ہوگا۔ ہاں افضل وہی ہے۔ جو پرہیزگاری میں افضل ہو۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اور تمام مسلمان ایک برادری ہیں۔

اے لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہیں ہوگے وہ چیز اللہ کی کتاب قرآن ہے۔

اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور نہ میرے بعد کوئی نئی امت ہے۔ پس تم سب اپنے اللہ کی عبادت کرو نماز پنجگانہ کی پابندی کرو۔ رمضان کے روزے رکھو خوش دلی سے اپنے مالوں کی زکوٰۃ نکالو۔ اللہ کے گھر کا حج کرو۔ حکام امت کے احکام مانو اور بعد اپنے اللہ کی جنت میں جگہ حاصل کرو۔"

آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"ایک دن اللہ تعالیٰ تم لوگوں سے میرے متعلق گواہی طلب کرے گا تم اس وقت کیا جواب دو گے۔"

اس پر تمام مجمع عام سے لوگوں نے پر جوش کہا۔

اے رسول اللہ! آپ ﷺ نے تمام احکام پہنچا دیے۔

اے رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرضِ رسالت ادا کر دیا

اے رسول اللہ! آپ ﷺ نے کھرے کھوٹے کو الگ کر دیا۔

اس وقت حضور سرورِ دو عالم ﷺ نے انگشتِ شہادت آسمان کی طرف اٹھائی۔ ایک دفعہ آسمان کی طرف انگلی اٹھاتے تھے اور دوسری دفعہ مجمع کی طرف اشارہ فرماتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔

اے اللہ! خلقِ خدا کی گواہی سن لے۔

اے اللہ! مخلوقِ خدا کا اعتراف سن لے۔

اے اللہ! گواہ ہو جا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا:

"جو لوگ موجود ہیں وہ ان لوگوں تک جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ میری ہدایات پہنچاتے چلے جائیں ممکن ہے آج کے بعض سامعین سے زیادہ پیامِ تبلیغ کے سننے والے اس کلام کی محافظت کریں۔"

یہ نبی کریم ﷺ کا آخری حج تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا۔

"آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام بطور ضابطہ حیات پسند کیا۔" (المائدہ: ۳)

رحمۃ اللعالمین حضرت محمد ﷺ! اپنا کام خود کرتے۔ ہر چھوٹے بڑے کو پہلے سلام خود کرتے۔ اونچی آواز سے ہرگز نہ بولتے، اکثر خاموش رہتے۔ لیکن جب بولتے تو نہایت عمدہ طریقہ سے کلام کرتے اور دینے کو کچھ بھی پاس نہ ہوتا تو اس سے معذرت کر لیتے۔ کیسی ہی مشکل کیوں نہ آن پڑے صبر کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ بیماروں، بوڑھوں اور عورتوں کے آرام کا ہمیشہ خیال رکھتے۔

غرضیکہ آنحضرت کی سیرت کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بحیثیت ایک رسول اللہ ﷺ کے اپنے پیروکاروں کو جو نصیحت فرمائی اس پر سب سے پہلے خود عمل کیا۔ اور آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ اس لیے ایک صحابی نے جب حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ آپ ﷺ کا خلق کیسا ہے تو آپؓ نے صحابی سے فرمایا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا پڑھتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "آپ ﷺ کا خلق قرآن ہی ہے۔"

حضور اکرم ﷺ 8 ماہ صفر 11ھ دن بیمار ہوئے۔ بیماری دن بدن بڑھتی گئی اور علاج کے باوجود کچھ افاقہ نہ ہوا۔ چودہ دن بیمار رہنے کے بعد 8 جون 632ء بمطابق 12 ربیع الاول 11ھ کے روز صبح کے وقت آپ ﷺ کا وصال ہوا۔

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ O

"اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔" (آلِ عمران: 132)

بحق سیّد و سردار آدمؑ...... محمد ﷺ مصطفیٰ فخرِ دو عالم

(انسانوں کے امام و سردار کے وسیلے۔ یعنی فخرِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے طفیل)

مصائب وآلام میں اسوۂ حسنہ صلی اللہ علیہ وسلم

مرسلہ: فلائنگ لیفٹیننٹ (ر) ثناء اللہ (کراچی)

☆ آج کل کا دور مشکلات و مصائب کا دور ہے، اس وقت معاشی بدحالی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے، امن و مان کی صورت حال بھی چنداں اطمینان بخش نہیں، سیاسی حالات دگرگوں ہیں، معاشرتی اقدار شکست و ریخت اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں، بین الاقوامی تناظر میں دیکھا جائے تو پوری امت مسلمہ پر ایک جمود کی سی کیفیت طاری ہے، من حیث المجموع پوری امت مسلمہ طرح طرح کے مصائب و آلام کی شکار ہے، انفرادی طور پر بھی امت محمد یہ علی صاحبہا الصلوٰۃ السلام کا بہت بڑا حصہ مشکلات و مسائل سے نبرد آزما ہے، یہ صورت حال اس حد تک سنگین ہو چکی ہے کہ ایک بہت بڑا طبقہ آبادی مکمل مایوسی کا شکار ہوگیا ہے، اس کی امید زیست تک ٹوٹ چکی ہے، وہ زندگی سے راہ فرار اختیار کرنے کے سوا کوئی بھلائی اور کامیابی کی صورت نہیں دیکھتا اور بالآخر وہ مجبور ہو کر خودکشی کر لیتا ہے، خودکشی جس کی شرح مسلمانوں میں ہمیشہ نہ ہونے کے برابر رہی، اب مسلمانوں میں بتدریج بڑھ رہی ہے، اور اس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، یہ صورتحال قطعاً اطمینان بخش نہیں بلکہ ایک بہت بڑے خطرے کی گھنٹی ہے۔ جو ہمارے سروں پر منڈلا رہا ہے اور قدرت کی طرف سے تنبیہ بھی ہے، تا کہ ہم اپنے حالات و معاملات پر توجہ کریں اور خامیوں پر نظر رکھ کر، برائیوں کا سدباب کرتے ہوئے انہیں درست کرنے کی کوشش کریں۔

جیسا کہ سطور بالا میں تحریر ہوا کہ ہماری موجودہ مشکلات، مصائب، مسائل اور آلام مختلف النوع ہیں، ذیل میں ہم اسوۂ حسنہ اور سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ السلام سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں ان مصائب و مشکلات کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

معاشی مشکلات

آج کا سب سے اہم مسئلہ معاشی ہے، یوں تو پوری دنیا میں معاشی بدحالی ہے، اور آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ انتہائی غربت کی زندگی گزار رہا ہے، اور متوسط طبقے کا بھی یہ حال ہے کہ انہیں اپنی سفید پوشی قائم رکھنے کے لئے سخت اور جاں گسل محنت کرنی پڑتی ہے اور ان کی روزمرہ زندگی کا اہم ترین حصہ معاشی تگ و دو میں صرف ہو جاتا ہے، یوں وہ اپنی ضروریات تو جیسے تیسے پوری کر رہا ہے، اس نے معیار زندگی کو بھی ایک حد تک برقرار رکھا ہے، لیکن سکون و اطمینان اسے بھی حاصل نہیں، اس کا ایک اہم سبب تو اسباب عیش پر بہت زیادہ انحصار اور انہیں مقصود حیات بنا لینا ہے ایسی بہت سی چیزیں ہیں جنہیں ہم نے ضروری سمجھ لیا ہے، حالانکہ وہ یا تو قطعاً غیر ضروری ہیں یا پھر ان کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے، پس پرسکون زندگی گزارنے کے لئے آدمی میں قناعت اور سادگی کا ہونا ضروری ہے اور قناعت آدمی میں اس وقت آئے گی جب وہ اپنے سے کمتر لوگوں پر نظر رکھے گا۔ سادگی یا سادہ زندگی کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے وسائل کے اندر رہ کر اپنی زندگی گزارنے اور کھانے پینے، رہنے سہنے، لباس اور برت برتاؤ میں اعتدال پر رہے۔ اپنے تمام امور میں بے جا تکلفات دکھاوے اور ریا سے کامل اجتناب کرتے ہوئے زندگی کے ہر شعبے میں میانہ روی اختیار کرنے کا نام سادگی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَالَّذِينَ إِذَآ أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ۝

"اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ ہی تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ ان دونوں کے درمیان اعتدال کے ساتھ ہوتا ہے۔"

خرچ کرنے میں حد سے تجاوز کرنا اسراف ہے یہاں تک کہ فضول خرچی میں داخل ہو جائے اور تنگی سے خرچ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ خرچ کرنا ضروری ہو وہاں خرچ نہ کیا جائے۔ پس جب آدمی فضول خرچی اور کنجوسی کو ترک کر کے اعتدال کے ساتھ زندگی گزارتا ہے، اپنے وسائل کے مطابق خرچ کرتا ہے اور اپنی چادر کے مطابق پاؤں پھیلاتا ہے تو اس کا طرز زندگی نہایت سادہ اور پسندیدہ ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے "وہ شخص کامیاب ہو گیا جو اسلام لایا اور گزر اوقات کے مطابق اسے رزق مل گیا اور اللہ نے اسے قناعت کی دولت سے نوازہ"۔

قناعت کے باوجود بھی بہت سے مرحلے انسانی زندگی میں ایسے آتے ہیں جب ضروریات

زندگی بھی پوری طرح میسر نہیں ہوتیں، یہ صورت حال خواہ کتنی ہی سنگین کیوں نہ ہو مگر اس اعتبار سے غیر معمولی نہیں کہ اس سے بہت سے لوگ دوچار ہوتے ہیں، اور پھر کامیاب وہی کہلاتے ہیں جو ایسے حالات میں صبر واستقامت کا دامن چھوٹنے نہیں دیتے، آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات نے اس سلسلے میں بھی اپنی امت کے لئے بہترین نمونہ عمل چھوڑا ہے، آپ ﷺ نے ہمیشہ سادہ زندگی بسر کی اور فقر وفاقے کی حالت میں نہایت صبر وشکر سے اپنے فرائض منصبی ادا کیئے، آپ ﷺ کے گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا، عموماً رات کو سارا گھر بھوکا ہوتا تھا، کیونکہ رات کا کھانا میسر نہیں ہوتا تھا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کے قیام کے دوران وفات تک کبھی دو وقت سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی۔ آپ ﷺ کا کبھی جوڑا تہہ کر کے نہیں رکھا گیا، کیونکہ دوسرا جوڑا آپ ﷺ کا ہوتا ہی نہیں تھا جو تہہ کر کے رکھا جاتا۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ ہی کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے زندگی میں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا، اور نہ اس حالت کی کبھی کسی سے کوئی شکایت کی نہ کسی کو بتایا، آپ ﷺ کو فاقے کرنا غنا سے زیادہ پسند تھا۔

آپ ﷺ کا فقر اختیاری تھا، ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے پیشکش کی کہ (اگر میں چاہوں تو) میرے لئے پورے بطحائے مکہ کو سونے کا بنا دیا جائے، مگر میں نے کہا نہیں، میرے رب! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن سیر ہوں اور ایک دن بھوکا رہوں، آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی اور فرمایا کہ جب بھوک لگے تو تیرے سامنے روؤں، گڑگڑاؤں اور تجھے یاد کروں اور جب سیر ہوں تو تیرا شکر ادا کروں اور تیری حمد کروں۔

ایک مسلمان کے لئے آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی اسوہ قابل عمل نہیں ہو سکتا، قرآن حکیم نے اسے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا ہمیں جہاں ایک جانب اپنی معاشی مشکلات کے حل کے لئے کوششیں کرنی چاہئیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے، وہیں صبر و رضا کے ساتھ اس ابتلا کو گزارنا چاہئے، کیونکہ مشکلات کا دور خواہ کسی قدر طویل کیوں نہ ہو، اسے آخر ختم ہونا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے،

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝

''سو البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔''

عادت اللہ یہی ہے کہ جو شخص مصائب اور سختی پر صبر کرے اور سچے دل سے اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھے اور ہر طرف سے ٹوٹ کر اسی سے لو لگائے اور اسی کے فضل و رحمت کا امیدوار رہے اور کامیابی میں دیر ہونے سے ناامید نہ ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے حق میں آسانی کر دے گا۔ ایک طرح کی نہیں کئی طرح کی

حضرت حسن بصریؒ کی مرسل روایت میں ہے کہ رسول ﷺ ایک روز صحابہ کرام کے پاس بہت مسرور اور خوش خوش تشریف لائے، آپ مسکرا رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا:

لن يغلب عسر يسرين

''ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں آ سکتی۔''

معاشرتی مشکلات

آج ہماری معاشرتی اقدار بھی روبہ زوال ہیں اور مسلسل شکست و ریخت سے دوچار ہیں، یہ بات بھی بہت بڑے طبقے میں مایوسی کو جنم دے رہی ہے، حالانکہ داعی کے لئے تو یہ بات مہمیز کا کام دیتی ہے، اور دعوت وامر معروف و نہی منکر کا فریضہ پوری امت پر عائد ہے، ان کے مناصب اور فرائض کے مطابق، ایسے میں اگر آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا مطالعہ کریں تو ہمارے لئے اس میں کافی سامان ہدایت موجود ہے، آج ہمارے معاشرے میں لاکھ برائیاں سہی لیکن الحمدللہ ایمانی رمق موجود ہے اور اکثر و بیشتر اس کے مظاہر سامنے آتے رہتے ہیں، جبکہ اس کے مقابلے میں حضور ﷺ نے جس معاشرے میں فریضہ دعوت ادا کیا اس کا کیا حال تھا؟ مختصر کہا جائے تو ہر اخلاقی، اعتقادی، مذہبی، سماجی، معاشی اور معاشرتی برائی کی آماجگاہ تھا۔ ان حالات میں آپ ﷺ نے وہ مثالی معاشرہ تشکیل دیا جس کی مثالیں صرف مسلمان نہیں غیر مسلم بھی دینے پر مجبور ہیں اور صحیح بھی یہی ہے اور ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا عقیدہ بھی یہی ہے کہ اس سے بہتر مثال تلاش بھی نہیں کی جا سکتی، سو اس اسوۂ حسنہ کی موجودگی میں ہمارے لئے مایوس ہونا یا موجودہ صورت حال سے متاثر ہو کر ہمت ہار بیٹھنا کیا معنی رکھتا ہے؟ ایک ایسے معاشرے میں جہاں شاعر یہ کہتے ہوئے بھی کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا تھا کہ:

وحیانا علی بکر اخینا　　اذا مالم نجد الا اخانا

اگر کبھی ہمیں قتل وقتال کے لئے کوئی حریف قبیلہ نہیں ملتا تو ہم اپنے برادر (وحلیف) قبیلے پر ہی حملہ کر دیتے ہیں۔

اور یہ فقط شاعرانہ تخیل اور خیالات کی بلند پروازی ہی نہ تھی، تاریخ میں ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جو شاعر کے اس مزاج کے عکاس ہیں، سو ایسے معاشرے کو باہم شیر وشکر کر دینا کوئی معمولی کام نہیں لہٰذا آپ ﷺ کی امت میں سے ہونے کا شرف پانے والے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ ان اوصاف حمیدہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرے جو آپ ﷺ نے تعلیم فرمائے ہیں۔ اور نامساعد حالات سے نہ گھبرانا، مشکل حالات میں بھی امید کی لو روشن رکھنا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہوئے آخرت کی تیاری کرنا بھی انہی تعلیمات نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں سے ہے۔

سیاسی مشکلات

امور ریاست اور معاملات سیاست بھی اس وقت معاشرے میں مایوس و ذہنی تناؤ کا اہم سبب

ہیں، عرصے سے یہ صورت حال ہے کہ سیاسی عدم استحکام نے انتظامی معاملات بھی درہم برہم کر دیئے ہیں، جس کی بنا پر عوامی مسائل مزید پیچیدہ ہوتے جا رہے ہیں، یہ دیکھ کر ایک بہت بڑا طبقہ اصلاح احوال کی امیدیں ہی توڑ بیٹھا ہے، جو کوئی مناسب بات نہیں، یہ سب اختلافات آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں بھی تھے اور آپ ﷺ نے بھی ان مشکلات کا سامنا کیا، آپ ﷺ کو جن مشکلات کا سامنا تھا وہ تین قسم کی تھیں۔

۱۔منافقین ۲۔یہود ۳۔مشرکین مکہ

تینوں جانب سے آنحضرت ﷺ کے خلاف سازشیں اور شورشیں جاری تھیں، اور آپ ﷺ نے بیک وقت تینوں محاذوں پر مقابلہ کیا اور جہد مسلسل کے ذریعے حالات کا دھارا اپنے حق میں موڑ لیا، ان رکاوٹوں کو خارجی مسائل کہا جا سکتا ہے، داخلی محاذوں پر جو مسائل آپ ﷺ کو درپیش تھے وہ ان کے علاوہ تھے، مثلاً مسلمان ہونے والے قبائل کے آپس کے اختلافات پشت ہا پشت سے چلے آ رہے تھے، انہیں ختم کرنا آسان کام نہ تھا، اور درحقیقت یہ اہم کام وہی ذات کر سکتی تھی جسے نبوت و رسالت کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی براہ راست مدد و تائید حاصل ہو، اس اختلاف کی سنگینی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے اس کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد باری ہے

''کہ ان مومنوں کے دلوں کو آپس میں الفت سے جوڑنا اللہ ہی کا کام ہے اور اگر آپ اپنے طور پر کام کرنا چاہتے تو زمین کے تمام خزانے صرف کر کے بھی یہ عظیم مقصد حاصل نہیں کر سکتے تھے۔''

آپ ﷺ کی یہ جدوجہد بھی ہمارے لئے مثالی نمونہ عمل ہے، ان حالات کو سامنے رکھیں جن کا آپ ﷺ نے مقابلہ کیا تو کوئی وجہ نہیں کہ مایوسی ہم سے رخصت نہ ہو جائے اور ہم مشکلات کو عارضی جانتے ہوئے زیادہ جواں مردی اور ہمت، صبر و استقلال سے اپنے فرائض انجام نہ دینے لگیں۔

تبلیغ دین میں مشکلات

آنحضرت ﷺ کو جو مشکلات پیش آئیں ان کا آغاز آپ ﷺ کی جانب سے دعوت دین و تبلیغ کو شروع کئے جانے سے ہوا۔ آپ ﷺ کو جو تکالیف پہنچائی گئیں ان سے کتب حدیث و سیرت پر ہیں، لیکن ان مصائب و مشکلات کا اندازہ آپ ﷺ کے اس قول مبارک سے ہوتا ہے، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''بلاشبہ اللہ کی راہ میں مجھے جس قدر اذیت دی گئی اتنی کسی کو نہیں دی گئی اور اللہ کی راہ میں مجھے اتنا ڈرایا گیا کہ کسی کو اتنا نہیں ڈرایا گیا۔

صرف آپ ﷺ کو ہی اذیتیں نہیں پہنچائی گئیں بلکہ آپ کے قبیلے تک کا مقاطعہ (بائیکاٹ) کیا گیا اور ہر طرح سے باہر کی دنیا سے ان کا تعلق منقطع کیا گیا۔ مجبور ہو کر مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کرنے لگے تو پہلے تو ان کا پیچھا کیا گیا اور جب انہیں روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو نجاشی تک شکایات لے کر پہنچے اور اس سے مسلمانوں کو اپنے ملک سے بے دخل کرنے کی درخواست کی جو اس نے رد کر دی۔ پھر جب ہجرت مدینہ کا حکم آیا اور آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ تو بھی آپ کے لئے تبلیغ دین کے لئے میدان ہموار نہ تھا، ایک طرف مشرکین مکہ نے پے در پے متعدد جنگیں مسلط کیں، دوسری جانب یہودیوں اور منافقین نے ان سے ساز باز کر کے انہیں مدینہ منورہ پر حملے کرنے پر اکسایا چنانچہ غزوۂ خندق اسی وجہ سے پیش آیا۔ اور بنی قریظہ کو معاہدے کی خلاف ورزی پر اکسانے میں بھی یہود ہی کا ہاتھ تھا۔ اس کے باوجود آپ ﷺ مسلسل ان مسائل و مشکلات سے نبرد آزما رہے مگر آپ کی توجہ ہر وقت تبلیغ دین پر رہی، یہاں تک کہ تھوڑی سی مہلت پاتے ہی آپ ﷺ نے سلاطین و حکمرانوں کو دعوت اسلام کے خطوط روانہ کئے۔ انہیں اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی، اسی طرح مشرکین مکہ سمیت متعدد قبائل و آزاد ریاستوں سے معاہدے کئے تا کہ دعوت اسلام کی راہ میں کوئی رکاوٹ موجود نہ رہے۔

اوپر بیان ہونے والے واقعات آنحضرت ﷺ کے ۲۳ سالہ دور نبوت میں پیش آنے والی مشکلات اور متنوع مسائل کا مختصر سا خاکہ ہے، اس کے باوجود اس سے ہمیں رہنمائی کے لئے بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں، جن کا خلاصہ یہی ہے کہ حالات خواہ کوئی نہج اختیار کریں، مشکلات کسی نوع کی ہوں، مصائب و آلام کسی بھی سمت سے سامنے آئیں ایک مسلمان ہونے کے ناتے اللہ تعالیٰ کی رحمت پر نظر رکھتے ہوئے اور اسوۂ محمدی علی صاحبہا الصلوۃ السلام سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے دنیا میں اپنے بھیجے جانے کے مقصد کی تکمیل کے لئے کوشش جاری رکھنی چاہئے، آج کے حالات میں یہی پیغام سیرت ہے، جس پر دل و جان سے عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ مشکلات و مسائل کی گرداب سے نکال کر سکون، عافیت اور دونوں جہانوں کی سلامتی والی زندگی عطا فرمائے۔ آمین۔

آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کے انقلابی اثرات

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی

☆ محسن انسانیت سرور دو عالم حضرت محمد مصطفی ﷺ پوری انسانیت کے لیے ایک عظیم اور مثالی معلم بن کر تشریف لائے تھے۔ ایسے معلم جن کی تعلیم و تربیت نے صرف تیئس سال کی مختصر مدت میں نہ صرف پورے جزیرہ عرب کی کایا پلٹ کر رکھ دی بلکہ پوری دنیا کے لیے رشد و ہدایت کی وہ ابدی قندیلیں بھی روشن کر دیں جو رہتی دنیا تک انسانیت کو عدل و انصاف، امن و سکون اور عافیت و اطمینان کی راہ دکھاتی رہیں گی۔

نبی کریم ﷺ نے تیئس سال کی مختصر سی مدت میں جو حیرت انگیز انقلاب برپا کیا اس کی برق رفتاری اور اس کے ہمہ گیر اثرات نے ان لوگوں کو بھی انگشت بدنداں کر دیا جو آں حضرت ﷺ اور آپ کے مشن کے سخت مخالف رہے ہیں۔ یہ آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت کا حیرت انگیز کرشمہ تھا کہ تیئس سال کی مختصر مدت میں صحرائے عرب کے جو وحشی علم و معرفت اور تہذیب و تمدن سے بالکل کورے تھے وہ پوری دنیا میں علم و حکمت اور تہذیب و شائستگی کے چراغ روشن کرتے ہیں جو لوگ کل تک ایک دوسرے کے خون سے اپنی پیاس بجھا رہے تھے وہ آپس میں بھائی بھائی بن جاتے ہیں۔ جہاں ہر طرف قتل و غارت گری کی آگ بھڑک رہی تھی وہاں امن و آشتی کے گلاب کھل اٹھتے ہیں جہاں ظلم و بربریت کا دور دورہ تھا وہاں عدل و انصاف کی شمعیں روشن ہو جاتی ہیں، جہاں پتھر کے بتوں کو سجدے کئے جا رہے تھے، وہاں توحید کا پرچم لہرانے لگتا ہے اور بالآخر عرب ہی کے صحرا نشین جو اپنی جہالت کی وجہ سے دنیا بھر میں ذلیل و خوار تھے ایران و روم کی عظیم سلطنتوں کے وارث بن جاتے ہیں اور ساری دنیا ان کے عدل و انصاف، ان کی رحم دلی اور ان کی شرافت نفس کے گن گانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کی تعلیم و تربیت کا جو سو فیصد نتیجہ دنیا نے دیکھا ہے، تاریخ انسانیت کے کسی اور معلم کے یہاں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

آنحضرت ﷺ کے انداز تعلیم و تربیت کی تمام خصوصیات کا احاطہ کسی بھی انسان کے لیے ممکن نہیں ہے، لیکن میں یہاں آپ ﷺ کے انداز تربیت کی صرف دو خصوصیات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو اپنی محدود بصیرت اور مطالعے کی حد تک مجھے سب سے زیادہ بنیادی معلوم ہوتی ہیں۔

ان میں پہلی خصوصیت آپ ﷺ کی شفقت و رحم، دلسوزی و خیر خواہی اور رحم دلی و نرم خوئی ہے۔ چنانچہ قران کریم نے آپ ﷺ کی اس خصوصیت کا ذکر فرما کر اسے آپ ﷺ کی کامیابی کا بہت بڑا سبب قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

''پس یہ اللہ کی رحمت ہی تھی جس کی بناء پر آپ لوگوں کے لیے نرم خو ہو گئے اور اگر آپ درشت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔''

جس شخص نے بھی سیرت طیبہ کا کچھ مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مخالفین نے ااپ کے راستے میں کانٹے بچھائے، آپ کو طرح طرح سے اذیت پہنچائی اور آپ پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی لیکن آپ کی پوری سیرت اس بات کی گواہ ہے کہ آپ کے دل میں کبھی ایک لمحے کے لیے انتقام کا جذبہ پیدا نہیں ہوا، آپ ان پر غضب ناک ہونے کے بجائے ان پر ترس کھاتے تھے کہ یہ لوگ کیسی سنگین گمراہی میں مبتلا ہیں۔ اور ہر وقت آپ کو یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ وہ کیا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے حق بات ان کے دل میں اتر جائے اور یہ ہدایت کے راستے پر آ جائیں۔

آپ ﷺ اس قسم کے معلم نہ تھے کہ محض کوئی کتاب پڑھا کر یا درس دے کر فارغ ہو بیٹھتے ہوں اور یہ سمجھتے ہوں کہ میں نے اپنا فریضہ ادا کر دیا اس کے بجائے آپ ﷺ اپنے زیر تربیت افراد کی زندگی کے ایک ایک شعبے میں دخیل تھے، آپ ﷺ ان کے ہر دکھ درد میں شریک اور ہر لمحے ان کی فلاح و بہبود کے لیے فکر مند رہتے تھے۔ آپ ﷺ کے اسی وصف کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

''بلا شبہ تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک ایسا رسول آیا ہے جس پر تمہاری مشقت گراں گزرتی ہے اور جو تمہاری بھلائی کے لیے بے حد حریص ہے اور مسلمانوں پر بے حد مہربان ہے۔''

علامہ نورالدین ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں مسند احمدؒ اور معجم طبرانی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک نوجوان سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آ کر عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ! مجھے زنا کی اجازت دے دیجئے......'' ذرا تصور تو کیجئے کہ کیا فرمائش کی جا رہی ہے......؟ ایک ایسے گھناؤنے گناہ کو حلال قرار دینے کی فرمائش کی جس کی قباحت و شناعت پر دنیا بھر کے مذاہب و ادیان متفق ہیں اور یہ فرمائش کس سے کی جا رہی ہے......؟ اس برگزیدہ ہستی سے جس کی عصمت و عفت کے آگے فرشتوں کا بھی سر جھک جاتا ہے، کوئی اور ہوتا تو اس نوجوان کو مار پیٹ کر یا کم از کم ڈانٹ ڈپٹ کر باہر نکلوا دیتا، لیکن یہ رحمت اللعالمین ﷺ تھے جن کا کام برائی پر خفگی کا اظہار کر کے پورا نہیں ہو جاتا تھا۔ بلکہ جو اس برائی کے علاج کو بھی اپنا فریضہ سمجھتے تھے، آپ کے دل میں اس نوجوان کے خلاف بغض و غضب کے بجائے ہمدردی اور رحم کے جذبات پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ نے اس پر ناراض ہونے کے بجائے اسے پیار کے ساتھ اپنے

پاس بلایا۔ اپنے قریب بٹھایا، اس کے کندھے پر مشفقانہ ہاتھ رکھا اور محبت بھرے لہجے میں فرمایا۔ "اچھا یہ بتاؤ کہ جو عمل تم کسی اجنبی خاتون کے ساتھ کرنا چاہتے ہو اگر کوئی دوسرا شخص تمھاری ماں کے ساتھ کرنا چاہے تو کیا تم اس کو گوارا کرو گے......؟" نوجوان کے ذہن وفکر کے بند دریچے ایک ایک کر کے کھلنے لگے، اس نے کہا۔ "نہیں۔ یارسول اللہ ﷺ، آپ ﷺ نے فرمایا! پھر دوسرے لوگ بھی اپنی ماؤں کے لیے یہ بات پسند نہیں کرتے۔ اچھا یہ بتاؤ اگر کوئی شخص تمہاری بہن کے ساتھ یہ معاملہ کرے تو کیا تم اس کو گوارا کرلو گے۔ نوجوان نے عرض کیا۔ نہیں، یارسول اللہ ﷺ۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جو بات تمہیں اپنی بہن کے لیے گوارا نہیں۔ دوسرے لوگ بھی اپنی بہنوں کے ساتھ اسے پسند نہیں کرتے۔" آنحضرت ﷺ مسلسل اس نوجوان کو مثالیں دے کر سمجھاتے رہے اور آخر میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا بھی فرمائی کہ "یا اللہ! اس کے گناہ کو معاف فرما دیجئے اور اس کے قلب کو پاک کر دیجئے اور اس کی شرم گاہ کو عفت عطا فرمایئے۔" یہاں تک کہ جب وہ مجلس سے اٹھا تو اس گھناؤنے عمل سے ہمیشہ کے لیے تائب ہو چکا تھا۔

آپ ﷺ اس نوجوان پر غیظ وغضب کا اظہار کر کے اپنے مشتعل جذبات کی تسکین کر سکتے تھے لیکن اس صورت میں آپ کو اس نوجوان کی زندگی تباہ ہوتی نظر آ رہی تھی، یہ آپ کی نرم خوئی، حکمت اور تدبر و تحمل ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ نوجوان ہلاکت کے گڑھے سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا! کاش کہ آج کے مصلحین، اساتذہ اور واعظین سرکار دو عالم ﷺ کی اس سنت پر عمل پیرا ہو سکیں تو آج انہیں اپنے نوجوانوں کے انداز تعلیم وتربیت کی دوسری اہم خصوصیت جسے میں اہمیت کے ساتھ اس وقت ذکر کرنا چاہتا ہوں اور احقر کی نظر میں آپ کے انداز تربیت کی سب سے زیادہ موثر خصوصیت ہے اور وہ یہ کہ آپ نے اپنے پیرووں کو جس جس بات کی تعلیم دی، اس کا بذات خود عملی نمونہ بن کر دکھایا۔ آپ ﷺ کے واعظ ونصائح اور آپ کی تعلیم وتربیت صرف دوسروں کے لیے نہ تھی بلکہ سب سے پہلے اپنی ذات کے لیے تھی، اللہ تعالیٰ نے بہت سے معاملات میں آپ ﷺ کو رخصت و سہولت عطا فرمائی، لیکن آپ ﷺ نے اس رخصت وسہولت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اپنے آپ کو دوسرے تمام مسلمانوں کی صف میں رکھنا پسند فرمایا۔

آپ ﷺ نے لوگوں کو نماز کی تلقین فرمائی۔ تو خود اپنا عالم یہ تھا کہ تہجد کے نوافل میں کھڑے کھڑے پاؤں پر ورم آجاتا تھا، حضرت عائشہؓ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام اگلی پچھلی لغزشیں معاف نہیں فرمادیں۔ پھر آپ کو اتنی محنت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ کرم فرمایا ہے، لیکن کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

آپ ﷺ نے دوسروں کو نماز باجماعت کی تعلیم دی تو خود یہ عمل کر کے دکھایا کہ ساری زندگی باجماعت کی جو پابندی فرمائی تو وہ تو اپنی جگہ ہے، مرض وفات میں بھی آپ نے مسجد کی جماعت کو نہیں چھوڑا، بلکہ دو آدمیوں کے کندھے کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لائے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔

آپ ﷺ نے دوسروں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا تو خود آپ ﷺ کا عمل یہ تھا کہ عام مسلمان اگر رمضان کے فرض روزے رکھتے تھے تو آپ ﷺ کا کوئی مہینہ روزوں سے خالی نہ تھا۔ عام مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ صبح کو روزہ رکھ کر شام کو افطار کرلیا کریں لیکن خود آپ کئی کئی روز مسلسل اس طرح روزے رکھتے تھے کہ رات کے وقت میں بھی کوئی غذا آپ ﷺ کے منہ میں نہیں جاتی تھی۔

آپ ﷺ نے مسلمانوں کو زکوٰۃ دینے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی تاکید فرمائی تو سب سے پہلے خود اپنی عملی زندگی میں اس کا بے مثال نمونہ پیش کیا۔ عام مسلمانوں کو اپنے مال کا چالیسواں حصہ فریضے کے طور پر دینے کا حکم تھا اور اس سے زیادہ حسب توفیق خرچ کرنے کی تلقین کی جاتی تھی لیکن خود آنحضرت ﷺ کا یہ عمل تھا وہ اپنی فوری ضرورت کو نہایت سادہ طریقے سے پورا کرنے کے بعد اپنی ساری آمدنی ضرورت مند افراد میں تقسیم فرمادیتے تھے۔ حضرت ام سلمہؓ بیان فرماتی ہیں "ایک دفعہ آپ ﷺ رنجیدہ گھر میں تشریف لائے میں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا۔ "کل جو سات دینار آئے تھے، شام ہوگئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے۔" حد یہ ہے کہ مرض وفات کی حالت میں جب بیماری کی تکلیف نے سخت بے چین کیا ہوا تھا، آپ کو یاد آتا ہے کہ کچھ اشرفیاں گھر میں پڑی ہیں۔ فوراً حکم دیتے ہیں کہ "انہیں خیرات کردو، کیا محمد اپنے رب سے اس طرح ملے گا کہ اس کے پیچھے اس کے گھر میں اشرفیاں پڑی ہوں۔"

عام مسلمانوں کے لیے آپ کی تعلیم یہ تھی کہ جوش میں آکر اپنی ساری پونجی خیرات کردینا مناسب نہیں بلکہ اپنی ضرورت کے مطابق مال اپنے پاس رکھ کر باقی کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو، لیکن مسلمانوں کو اس تعلیم کا عادی بنانے کے لیے خود آپ نے اپنے عمل کا یہ نمونہ پیش فرمایا کہ گھر میں کوئی نقدی باقی نہ چھوڑی، تاکہ لوگ اس مثالی طرز عمل کو دیکھ کر کم از کم اس حد تک آسکیں جو اسلام کو عام مسلمانوں سے مطلوب ہے۔ چنانچہ انسانیت کے اس معلم اعظم ﷺ کی اسی عملی تربیت کا نتیجہ تھا کہ جب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا کہ "تم نیکی کا مقام ہرگز اس وقت تک حاصل نہ کرسکو گے جب تک اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔" تو صحابہ کرامؓ نے اس آیت پر عمل کرنے کے لیے مسابقت کا جو غیر معمولی مظاہرہ فرمایا وہ تاریخ انسانیت میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس آیت کے نازل ہونے پر تمام صحابہ کرامؓ نے اپنی پسندیدہ ترین اشیاء خیرات کردیں اور ایسی ایسی محبوب چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کردیا جنہیں وہ سالہا سال سے حرز جان بنائے ہوئے تھے۔

رحمتِ عالم ﷺ بحیثیت سربراہِ ملت

حکیم محمد سعید مرحوم

سرکارِ دو عالم فخرِ موجودات سرورِ کونین ختم الرسل حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ اور حیات پاک ہر مسلمان کے لیے اسوۂ حسنہ اور نمونہ عمل ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے انفرادی اور اجتماعی زندگی بسر کرنے کے لیے ہمیں ہر قدم پر ہر شعبہ زندگی میں سرکار ﷺ کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ حضور ﷺ دنیا میں آخری پیغمبر کی حیثیت سے تمام علمی و عملی کمالات کے جامع اور انسان کامل، ایک نمونہ بنا کر بھیجے گئے تھے آپ ﷺ نے امت کو عقائد و عبادات ہی کی ہدایت نہیں فرمائی، بلکہ زندگی کے ہر میدان میں وہ حکمت آفرین ہدایات دی ہیں کہ ان پر عمل کر کے دین و دنیا کی نعمتیں حاصل کی جا سکتی ہیں اور اس کے بعد ہمیں رہنمائی کے لیے کسی جانب دیکھنے کی ضرورت نہیں رہتی، بلکہ اگر دنیا اس حکیمانہ نمونہ فکر و عقل کو اپنا لے تو جس اضطراب اور انتشار میں وہ آج پھنسی ہوئی ہے اس میں مبتلا نہ ہو۔

ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ آپ ﷺ جس طرح ایک مشفق باپ اور ایک محبت کرنے والے شوہر ہیں، اسی طرح امت کے حاکم اور سربراہ ہیں۔ جس طرح آپ ﷺ نے مخلوق کو خالق کا بندہ بنانے میں ایک منفرد مثال قائم فرمائی ہے، اسی طرح خدا کے بندوں کو باہم جوڑنے، ان کے آپس کے معاملات منصفانہ بنیاد پر استوار کرنے اور ایک پاکیزہ معاشرہ قائم کر کے مستحکم نظام دنیا کو بخشنے میں جو کردار ادا کیا ہے، تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

ایک امیر یا ایک سربراہِ ملت کی حیثیت سے بھی حضور ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہمارے لیے روشنی کا ایک مینار ہے، بلکہ ساری انسانیت کے لیے ایک آئیڈیل ہے۔ حضور ﷺ نے واضح الفاظ میں بتا دیا ہے کہ حدود کے معاملے میں بڑے اور چھوٹے کا امتیاز نہیں ہونا چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم سے پہلی امتیں اس لیے ہلاک ہوئیں کہ ان میں سے جب کوئی عزت والا چوری کرتا تھا تو اسے سزا نہیں دیتے تھے۔ قسم ہے اللہ کی اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں۔"

غور فرمایا آپ نے کہ حضور ﷺ نے کس خوبی سے نکتہ بیان فرما دیا کہ جرم اور غلطی ہر حال میں قابل سزا ہیں اور اس معاملے میں کسی امتیاز اور کسی رعایت کی گنجائش نہیں ہے۔ جرم کرنے والا کوئی ہو، کسی طبقے کا فرد ہو، کسی خاندان کا رکن ہو، کیسا ہی بااثر ہو، کیسا ہی دولت مند ہو اگر قانون کی خلاف ورزی کرے گا تو قانون اور انصاف کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ اس طرح حضور ﷺ نے معاشرے کو انصاف اور عدل اور مساوات کی وہ بنیاد فراہم کر دی کہ جو ایک مستحکم اور پرامن معاشرے کی ضامن ہے۔

تاریخ شاہد ہے اور حال بھی ایسی مثالوں سے خالی نہیں کہ بادشاہ اور مطلق العنان آمر اپنی حکومت و جبروت کا سکہ جمانے اور اپنی ہیبت دلوں پر بٹھانے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں کہ ان کے سامنے آ کر اچھے اچھے سرغنے کانپنے لگتے ہیں۔ اپنا رعب جمانے کے لیے یہ بادشاہ اور حکمران اپنے اردگرد وہ اسباب اور وہ ماحول پیدا کرتے ہیں کہ جن سے دیکھنے والا لرزہ براندام ہو جائے، لیکن ہمارے سرکار ﷺ ان تمام ظاہری لوازم اور اسباب سے بے نیاز تھے۔ سارے عرب کی حکومت آپ ﷺ کے قدموں میں تھی، لیکن پھٹا بوریا آپ ﷺ کا "اسباب راحت تھا"۔ عظیم المرتبت حکمراں اور بادشاہ آپ ﷺ کی ملت کے زیر نگیں تھے۔ ایک آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور آپ ﷺ کے رعب سے لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ اس کیفیت سے خوش ہونا تو کجا الٹا اسے دلاسا دیتے ہیں اور اس کے دل سے ہیبت دور کرنے کے لیے جو کچھ فرماتے ہیں وہ انسانی عظمت کا عدیم النظیر چارٹر ہے اور حریت پسندوں اور مساوات کے بڑے بڑے دعوے داروں کے لیے سبق آموز۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں، "ڈرو نہیں، میں قریش کی ایک غریب عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی۔" آپ ﷺ نے ان چند لفظوں میں وہ معیار شرف و مجد بیان کر دیا جو تاریخ انسانی کا کوئی بڑے سے بڑا بادشاہ اور کسی قوم کا بڑے سے بڑا سربراہ نہ کر سکا۔ انسانی عظمت کردار میں پوشیدہ ہے، اخلاق میں مضمر ہے، علم پر منحصر ہے، خدمت میں خفیہ ہے، عہدہ اور دولت عز و شرف کا معیار نہیں ہے۔

ایک سربراہ کے لیے دلنوازیٔ سخن ضروری ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں سے محبت سے کام لے، ان کو کمتر نہ سمجھے اور ان کی عزت بڑھائے۔ حضور ﷺ اپنے معمولی سے معمولی ماتحتوں کے ساتھ برابر سے کام کرتے، ایک بار حضور ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفر پر تشریف لے گئے اور سفر کے دوران ساتھیوں کو بکری بھوننے کا حکم دیا۔ ایک صاحب نے کہا یا رسول ﷺ میں اس کو ذبح کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں اس کا گوشت تیار کروں گا۔ تیسرے صاحب نے اس کو پکانے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔

سربراہ امت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''اور جنگل سے لکڑیاں میں لاؤں گا۔''

اصحاب رسول ﷺ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم جو حاضر ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''ٹھیک ہے، مگر مجھے یہ پسند نہیں کہ میں امتیاز کے ساتھ الگ بیٹھا رہوں۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں فرماتا ہے کہ کوئی شخص اپنے رفیقوں میں ممتاز بننے کی کوشش کرے۔''

سردارِ ملت کی ایک ضروری خصوصیت ان کی دل سوزی اور ہمدردی بھی ہے۔ حضور ﷺ اس خلوص میں بھی بے مثال تھے لوگوں کے دکھ درد کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے اللہ کے عذاب سے بچنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ لوگوں کی ضرورت کے وقت ان کے کام آنے کو بتایا ہے

مشورہ ایک سربراہِ ملت کے لیے مفید ہی نہیں لازمی ہے۔ حضور ﷺ نے نہ صرف مشورے کا حکم دیا ہے، بلکہ اس پر عمل بھی فرماتے تھے، خصوصاً اجتماعی معاملات مشورے کے بغیر کبھی طے نہ فرماتے۔

خطیب بغدادی حضرت علیؓ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ''میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے بعد کوئی معاملہ ایسا پیش آجائے جس کے متعلق نہ قرآن حکیم میں کچھ اترا ہو اور نہ آپ ﷺ سے کوئی بات سنی گئی ہو تو ہم کیا کریں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے عبادت گزار اور اطاعت شعار لوگوں کو جمع کرو اور اس معاملے کو مشورے کے لیے سامنے رکھ دو اور کسی ایک شخص کی رائے پر فیصلہ نہ کرو۔''

خود حضور ﷺ کا عمل بھی یہی تھا کہ ''شاورھم فی الامر'' (آل عمران 159) کی پوری طرح تعمیل فرماتے اور صحابہ کرامؓ کے مشورے سے امور ملت وحکومت فرماتے۔

حضور ﷺ اس امر کا بھی لحاظ فرماتے تھے کہ جن لوگوں کو مسلمانوں کے معاملات اور انتظام کی باگ ڈور سونپی جائے وہ اپنے اخلاق اور اہلیت کے علاوہ عوام الناس کے اعتماد کے بھی اہل ہوں اور لوگ ان کو پسند کرتے ہوں، دوسرے الفاظ میں عوامی مقبولیت بھی پیش نظر رہتی تھی۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ تمہارے بہترین امام اور قائد وہ ہیں جن کو تم چاہتے ہو اور وہ تم کو چاہتے ہوں۔ تم ان کو دعائیں دیتے ہو اور وہ تم کو دعائیں دیتے ہوں اور تم میں بدترین رہنما وہ ہیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور وہ تم کو ناپسند کرتے ہوں اور وہ تم پر لعنت بھیجتے ہوں۔

غرض مختصراً یہی کہا جاسکتا ہے کہ تدبیر، مشاورت، عدل، دل نوازی، دل سوزی، سادگی، خدمت، ہمدردی، اور ہر دلعزیزی کے وہ اصول اور پیمانے حضور ﷺ نے اپنے اسوۂ حسنہ سے ہمیں عطا کئے ہیں جو سربراہان ملت وحکومت کے لئے رہتی دنیا تک سرچشمہ ہدایت رہیں گے۔

ایک امیر یا ایک سربراہِ ملت کی حیثیت سے بھی حضور ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہمارے لیے روشنی کا ایک مینار ہے، بلکہ ساری انسانیت کے لیے ایک آئیڈیل ہے

حُسنِ سلوک

انسان کا سب سے قیمتی سرمایہ اس کے اعمال ہیں۔ اعمال ہی اس کی بلندی وپستی اس کی ترقی وتنزل، اس کی مقبولیت ونامقبولیت کا دارومدار ہے۔ اعمال ہی انسان کو بامِ عروج پر لے جاتے ہیں اور اعمال ہی اس کو ذلت وتباہی کے گڑھے میں پہنچادیتے ہیں۔ یہی حال اجتماعی زندگی کا ہے۔ اگر کسی قوم کے افراد کی اکثریت حسن عمل کی خوگر ہوگی تو وہ قوم ترقی وعروج کی بلندیوں کو چھولے گی اور جس قوم کے افراد حسن عمل سے محروم ہوں گے وہ قوم ترقی کے بجائے تنزل کی طرف جائے گی۔ یہ وہ بات ہے جس کو علوم عمرانی کے ماہر بھی تسلیم کرتے ہیں اور جس کی گواہی میں تاریخ کے اوراق بھی صف باندھے کھڑے ہیں۔

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک بہترین ضابطہ حیات عطا فرمایا ہے جس سے زیادہ جامع اور مکمل کوئی دستور حیات، کوئی ضابطہ عمل اور نظام اخلاق آج تک پیش نہیں کیا جاسکا اور مسلمان کی حیثیت سے ہمیں یقین ہے، ہمارا ایمان ہے کہ آئندہ بھی پیش نہیں کیا جاسکے گا۔ اسلامی نظام عمل میں جہاں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق مکمل ومفصل ہدایات موجود ہیں اور ایک نمونہ کامل محفوظ ہے وہیں زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتوں اور معمولی معمولی گوشوں کو بھی ہدایات کی روشنی سے منور کردیا گیا ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں زندگی کو خوش گوار اور کامیاب بنانے کے لئے بڑی کارآمد اور کارگر ہیں۔ ہادی برحق ﷺ کا فرمان ہے کہ ''مومن کے میزان میں اچھے اخلاق سے زیادہ کوئی چیز وزنی نہ ہوگی۔ (مسلم وترمذی)

اخلاق کا تعلق پوری زندگی اور زندگی کی تمام سرگرمیوں سے ہے، لیکن ہم اس وقت اخلاق کے صرف اس پہلو کو پیش کررہے ہیں جس کو عرف عام میں خوش اخلاقی یا خوش خلقی کہتے ہیں اور اس کا تعلق دوسروں کے ساتھ سلوک اور برتاؤ سے ہوتا ہے۔

سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''ہر چیز میں اللہ تعالیٰ نے احسان فرض کیا ہے، قتل بھی کرو تو حسن کے ساتھ، ذبح بھی کرو تو حسن کے ساتھ۔'' یعنی اللہ کو یہ بات پسند ہے کہ آدمی جب کوئی کام کرے تو خوش اسلوبی سے کرے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان

کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایسے آدمی کے پاس گزرے جو بکری کو گرا کر اس کے چہرے پر اپنا پیر رکھے ہوئے چھری کو تیز کر رہا تھا اور بکری اس کے اس عمل کو دیکھ رہی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''کیا یہ بکری ذبح کرنے سے پہلے نہ مر جائے گی؟ کیا تم اس کو دوہری موت دینا چاہتے ہو؟''

یہ حضور ﷺ کی تلقین تھی حسن سلوک کے لیے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حسن سلوک کی اہمیت زندگی میں کس قدر ہے اور حضور ﷺ نے جو طرز زندگی اپنی امت کو سکھایا ہے اس میں اچھے برتاؤ اور خوش خلقی کو کتنا اہم مقام حاصل ہے۔

حسن سلوک ایسی چیز ہے جس کا اظہار ہر وقت، ہر موقع پر، ہر شخص سے ہو سکتا ہے۔ روزانہ صبح سے شام تک سینکڑوں آدمیوں سے آپ کا واسطہ پڑتا ہے، کسی سے سرسری ملاقات ہوتی ہے اور کسی سے تفصیلی گفتگو اور تبادلہ خیال ہوتا ہے اور کسی سے صرف سلام دعا ہی تک بات پہنچتی ہے، لیکن ان سب میں آپ کا طرز عمل اور برتاؤ ظاہر ہوتا ہے۔ اچھا برتاؤ ہوگا تو وہ بھی نمایاں ہوگا اور اپنے اثرات چھوڑے گا، بُرا سلوک ہوگا تو اس کا اظہار بھی ہو کر رہے گا اور اس کے نتائج بھی نمایاں ہوں گے۔ چلتے چلتے محض سلام کرنے اور مزاج پوچھنے کے انداز ہی سے مخاطب کے ساتھ آپ کے رویے اور سلوک کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ مسکراتا ہوا چہرہ حسن اخلاق کا بہترین مظہر ہے۔ کسی کو دیکھ کر آپ کے چہرے پر بشاشت کا آ جانا اس پر آپ کی توجہ اور اس سے آپ کے تعلق خاطر کا جیتا جاگتا ثبوت ہے اور یہ حسن سلوک ہے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ ان کے ملنے سے آپ کو خوشی ہوئی۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''اپنے بھائی کے لیے مسکرا دینا بھی صدقہ ہے۔'' بتائیے انسانیت کا اس سے زیادہ پاس کس کو ہوگا اور انسانی نفسیات کا لحاظ اس سے زیادہ کس مصلح، کس رہنما نے رکھا ہوگا۔ باہم اخوت و محبت اور یگانگت کے ایسے نکتے آپ کو کہاں ملیں گے۔ یہ بظاہر چھوٹی چھوٹی باتیں زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں اور اکثر دوررس نتائج پیدا کرتی ہیں۔ تعلقات بنانے اور بگاڑنے، رشتوں کو توڑنے اور جوڑنے میں ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا بڑا دخل ہوتا ہے، بلکہ اکثر اہم باتوں کے مقابلے میں چھوٹی باتیں ہی انسانی تعلقات پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں۔ حسن سلوک انسان کو وہ طاقت اور وہ کشش عطا کرتا ہے۔ جس سے وہ دلوں کو مسخر کر لیتا ہے اور انسان کی سچی خدمت انجام دیتا ہے۔ ایک میٹھا بول بعض وقت مایوس و دل شکستہ انسان کو ولولہ تازہ عطا کرتا ہے۔ ہمت افزائی کا ایک جملہ حوصلوں کو بلند اور عزائم کو جوان کر دیتا ہے۔ یہ سب حسن سلوک کے کرشمے ہیں بڑے سے بڑا آدمی اگر اس نعمت سے محروم ہے تو سمجھیے کہ وہ انسانیت کے حقیقی جوہر سے محروم ہے اور سچی خوشی اس کے پاس کبھی نہیں پھٹکے گی۔

> **مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک بہترین ضابطہ حیات عطا فرمایا ہے جس سے زیادہ جامع اور مکمل کوئی دستور حیات، کوئی ضابطہ عمل اور نظام اخلاق آج تک پیش نہیں کیا جا سکا**

انسان جتنا بڑا ہوگا اتنا ہی اس کا طرز عمل اور برتاؤ شائستہ اور شریفانہ ہوگا۔ بڑائی کا مطلب ہی یہ ہے کہ آپ حسن سلوک کی دولت سے مالا مال ہوں انسانی تمدن کی یہ خصوصیت ہے کہ بڑے اور چھوٹے ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ بڑوں کو چھوٹوں کا تعاون درکار ہے اور چھوٹوں کو بڑوں کی مدد مطلوب ہوتی ہے۔ تمدن کی گاڑی دونوں پہیوں سے چلتی ہے اس طرح انسان کو اپنے معاشرے کے مختلف افراد سے ملنا جلنا اور ان کے درمیان رہنا پڑتا ہے۔ پڑوسی کی مثال لیجیے۔ آپ کتنے ہی امیر ہوں اور آپ کا پڑوسی کتنا ہی غریب اور بے سہارا ہو، بہرحال وہ آپ کے قریب ہے، آپ کو اس کی خوشی اور اس کو آپ کی تکلیف کا سب سے پہلے علم ہوگا اور آپ ایک دوسرے کے رنج و راحت میں سب سے پہلے شریک ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو آپ اچھے پڑوسی نہیں ہیں اور اچھے پڑوسی نہیں تو اچھے انسان بھی نہیں ہو سکتے۔ آپ کے حسن سلوک کا سب سے پہلا مستحق آپ کا پڑوسی ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اس نکتے کو کس خوبی سے بیان فرمایا ہے۔

''اگر تیرے ہمسائے تجھے اچھا کہتے ہیں تو تُو واقعی اچھا ہے۔ اگر تیرے بارے میں تیرے ہمسائے کی رائے خراب ہے تو تُو ایک بُرا آدمی ہے۔'' (بخاری)

اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ مومن کا ہر کام اس طرح ہو کہ اس سے معلوم ہو کہ یہ مومن کا کام ہے اور مومن و غیر مومن کا فرق ظاہر ہو۔ حتیٰ کہ اگر ایک مومن کسی کے گھر پر جا کر دروازہ کھٹکھٹائے تو اس عمل سے بھی اندازہ ہو جائے کہ یہ ایک ایسا فرد ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اپنے ہر عمل میں اس کے احکام کا خیال رکھتا ہے۔ ایک مومن کا ہر عمل اس کے ایمان کا مظہر اور عکس ہوتا ہے اور ایک کافر کا عمل اس کے کفر کا آئینہ۔ دین کا فرق اور طرز زندگی کا فرق انسانوں کے کردار، برتاؤ اور اخلاق میں منعکس ہوتا ہے۔ حسینیت اور یزیدیت زندگی کے ہر شعبے میں اپنا اپنا کردار ادا کرتی ہے۔ مومن کا ہر عمل اس کے ایمان کی شہادت دیتا ہے طرز حیات اور طریق عمل سے انسانوں اور انسانوں کے درمیان ایک واضح خط امتیاز کھنچ جاتا ہے۔

ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم

ائیر وائس مارشل (ر) سکندر بخت

☆ سرکار دو عالم ﷺ کی نبوت کا امتیازی وصف اور اعزاز یہ ہے کہ آپ ﷺ کو خاتم النبیین بنایا گیا۔ آپ ﷺ سیّد الانبیاء اور سرتاج الانبیاء ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نور نبوت میں سب نبیوں کے محسن اور مربیؑ ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کی بنوت کے مطلع انوار سے ان تمام نبیوں کی نبوتیں روشن ہوئیں۔ آقائے نامدار ﷺ کے صدقے انہیں نبوتیں عطا ہوئیں۔ آپ ﷺ کے طفیل انہیں کتاب وحکمت اور وحی کے خزانے ملے۔ حضور ﷺ کی سیرت پاک سے پتہ چلتا ہے کہ نور نبوت حضور اقدس ﷺ سے چلا اور آپ ﷺ پر ہی ختم ہوگیا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ خاتم کی یہی شان ہوتی ہے کہ اس کے وصف خاص کی ابتداء ہوتی اور اسی پر انتہا بھی ہوجاتی ہے۔ چنانچہ رحمت دو عالم ﷺ وصف نبوت کے لحاظ سے صرف نبی نہیں بلکہ خاتم النبیین ہیں۔

اپنی فضیلت اور اہمیت کے اعتبار سے ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کی ایسی مستحکم بنیاد ہے۔ جس پر دین کی عمارت استوار ہے۔ ظہور اسلام سے لے کر اب تک اہل اسلام کا فیصلہ ہے۔ کہ سرور کائنات ﷺ کے بعد قیامت تک کس نوع کا کوئی نیا نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ آپ ﷺ کا لایا ہوا پیغام اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی وحی آخری وحی ہے۔ آپ ﷺ پر اترنے والی کتاب رشد وہدایت کی آخری کتاب ہے اور امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بنوت ورسالت اور شریعت بھی آخری ہے۔ ع

بر رسول ماشریعت ختم کرد

مسئلہ ختم نبوت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے ہادیٔ برحق ﷺ کی ہمہ گیر اور عالمگیر نبوت کو سمجھا جائے دنیا میں جتنے انبیاء آئے ان کی نبوتیں، رسالتیں، شریعتیں، احکامات، تعلیمات اور پیغامات محدود تھے اور ان کا زمانہ بھی محدود تھا۔ کوئی فقط اپنی قوم کا نبی تھا تو کسی کی نبوت کا دائرہ مخصوص علاقے یا خطے تک تھا۔ گویا ہر نبی کی دعوت قومی یا مقامی ہوتی تھی۔ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ

كان النبی يبعث الى قومه خاصة بعثت الى الناس كافة

"ہر نبی اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں سارے انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔"

سرکار دو عالم ﷺ کی نبوت عالمگیر اور دعوت ہمہ گیر تھی جسے روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں تک پہنچنا تھا۔ آقائے برحق ﷺ کی نبوت کا فیض پندرہ سو برس سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے۔ حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ ﷺ کی نبوت ورسالت اور دعوت نے کل عالم کے انسانوں کو اپنی آغوش ہدایت اور سایہ رحمت میں لے رکھا ہے۔

حضور اقدس ﷺ کی نبوت کی عالمگیری ختم نبوت کی واضح دلیل ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کی منفرد نبوت تمام زبان ومکان کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ قرآن مجید گواہی دیتا ہے۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ

"اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے تمام انسانوں کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں جس کی حکومت سب آسمانوں اور زمین میں قائم ہے۔ اس کے سوا اور کوئی حقیقی معبود نہیں ہے۔ وہ زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ سو لوگو! اللہ پر ایمان لاؤ اس کے نبی اُمّی پر بھی ایمان لاؤ۔" (سورۃ الاعراف: ۱۵۸)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نسل بنی آدم کو خطاب کر رہے ہیں۔ اس میں نہ کالے گورے کا امتیاز ہے نہ زرد اور گندمی رنگ والے کا۔ نہ عربی وعجمی کا، نہ خطہ وعلاقہ کی تمیز ہے، نہ مشرق ومغرب اور شمال وجنوب کا فرق ہے، نہ ذات برادری اور شکل وعقل کی بحث ہے فقط لفظ "الناس" بولا گیا ہے۔ جس سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کے گوشت پوست میں روح ڈالی گئی ہے، اس میں وہ انسان بھی شامل ہیں جو دنیا میں آنے والے ہیں۔ لفظ جمیعا انسانوں کی اجتماعیت کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ لفظ وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں لفظ جمیعاً کئی جگہ انہی معنی میں آیا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ جہاں جہاں نسل انسانی کے نشان ہوں گے وہاں وہاں سرکار محمد مصطفےٰ ﷺ نبی آخر الزماں ہوں گے۔ جمیعا کا لفظ حضور اکرم ﷺ کی نبوت ورسالت کی سرداری، سربلندی، بالاتری جامعیت، مقبولیت اور وسعت کا احاطہ کیے ہوئے ہے اس آیت میں جمیعاً کے بعد مالک کائنات اپنی

کبریائی بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ میں ہی وہ اللہ ہوں جس کی حکومت سب آسمانوں اور زمین میں قائم ہے۔ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ جہاں اپنی قدرت و کبریائی کا اظہار کر رہا ہے وہاں اپنے محبوب ﷺ کی عظمت وشان بھی بیان کر رہا ہے۔ پوری آیت پڑھیے تو معلوم ہو گا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کا ذکر پہلے اور اپنا ذکر بعد میں کیا ہے۔ اپنے بعد پھر اپنے محبوب ﷺ کا ذکر کر کے اس کی نبوت کے فضائل ومحاسن بیان کئے۔ معلوم ہوا کہ رب العزت اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کی جامع اور عالمگیر نبوت کا ذکر کر کے آپ ﷺ کی عظمت اور شان کو اجاگر کر رہا ہے۔ اسی اظہار محبت اور الفت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا ارشاد فرمانا کہ وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، کسی خاص نکتے کی غمازی کرتا ہے۔ دیکھئے آیت میں پہلے ذکر رسالت کا، پھر ذکر توحید کا اور پھر ذکر رسالت۔ کوئی ایسی اہم بات ضرور ہے جو اللہ تعالیٰ کہنا چاہتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ زمین وآسمان اسی کے بنائے ہوئے ہیں۔ وہی ان کا خالق و مالک ہے۔ آخر یہ زمین اور آسمان یہ کائنات کس کے لئے بنائی گئی۔

گر ارض وسما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

ایک روایت سے حقیقت منکشف ہوتی ہے فرمایا:

لَوْ لَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ

اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو زمین وآسمان پیدا نہ کرتا (مف:۲)

رب العزت کو یہ بتانا مقصود ہے کہ کملی والے یہ زمین یہ کائنات، یہ سارے آسمان میں نے تیرے لئے بنائے ہیں۔ یہ میری قدرت کا شاہکار ہیں۔ ان میں حکومت اور حکمرانی بھی میری ہے۔ لہٰذا زمین و آسمان کی وسعتوں میں جہاں جہاں میری حکومت ہو گی وہاں وہاں میرے محبوب ﷺ کی نبوت ہو گی۔

اب بات واضح ہو گئی ہے کہ سب کے لئے اور سب کا نبی' صرف عرب کا نبی نہیں ہو سکتا۔ عجم کا نبی نہیں ہو سکتا۔ مشرق ومغرب کا نبی نہیں ہو سکتا، شمال و جنوب کا نبی نہیں ہو سکتا، مخصوص قوم کا نبی نہیں ہو سکتا۔ مخصوص خطے یا علاقے کا نبی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ''سب کا نبی'' وہی ہو سکتا ہے، جس کی ہمہ گیر نبوت اور عالمگیر رسالت، زمین و آسمان تک پھیلی ہوئی ہو۔ یہ انفرادیت صرف تاجدار ختم الرسل ﷺ کو حاصل ہے۔ کہ آپ ﷺ صرف زمین ہی کے نہیں آسمانوں کے نبی بھی ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کی منفرد اور ہمہ گیر نبوت بتاتی ہے کہ آپ ﷺ کل انسانوں کے نبی ہیں، کل جنات کے نبی ہیں، کل فرشتوں کے نبی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کل نبیوں کے نبی ہیں۔ اس تفصیل کے بعد ہمارا ایمان ہونا چاہئے کہ حضور اکرم ﷺ صرف اپنے زمانے کے نہیں بلکہ تمام زمانوں کے نبی ہیں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انا رسول من ادرکہ حیا دمن یولد بعدی

''میں ان لوگوں کے لئے بھی نبی ہوں جن کو اپنی زندگی میں پاؤں اور ان کے لئے بھی جو میرے بعد پیدا ہوں گے''

قرآن مجید میں بے شمار جگہوں پر سرکار دو عالم ﷺ کی نبوت کی عالمگیریت بیان ہوئی ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ

''ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ

''ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے انسانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

پہلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ دوسری آیت مبارکہ میں وضاحت ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے انسانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے، معلوم یہ ہوا کہ آقائے نامدار سرتاج انبیا ﷺ ان جہانوں کے بھی نبی ہیں جہاں انسان نہیں بستے۔ جناب رسالتماب ﷺ ان جہانوں کے بھی نبی ہیں جو ہمیں معلوم نہیں اور ان جہانوں کے بھی نبی ہیں جو ابھی دریافت نہیں ہوئے۔

جس طرح سرور کائنات ﷺ کی نبوت عالمگیر اور تمام جہانوں کیلئے ہے اس طرح آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب قران مجید بھی تمام جہانوں کے لئے ہے۔ اس کتاب کی عالمگیریت بزبان قرآن دیکھئے۔

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝

''بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے خاص بندے پر فیصلہ کرنے والی کتاب (قرآن مجید) کو نازل کیا۔ تاکہ وہ تمام اہل عالم کو ڈرانے والا ہو۔''

اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ

''یہ قرآن مجید تو تمام اقوام عالم کے لئے ایک نصیحت ہے۔''

وَمَا ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ

''وہ قرآن مجید تو تمام اقوام عالم کے لئے ایک نصیحت ہے۔''

مندرجہ بالا تین آیت میں قرآن مجید کو تمام جہانوں کی کتاب قرار دیا گیا۔ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن مجید ایسی جامع، اکمل اور اعلیٰ کتاب ہے جو تمام اقوام عالم کے لئے ایک دستور العمل ہے اور نسل بنی آدم کی رشد و

ہدایت اور اس کی فلاح ونجات کا آفاقی خزانہ ہے۔ قرآن مجید ایسی ہمہ گیر کتاب ہے جس میں نظام حیات بھی ہے اور ضابطہ حیات بھی۔ چونکہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر نازل ہوئی اس لحاظ سے یہ آخری کتاب ہے اور اس کے بعد کسی اور کتاب کے نزول کا امکان قطعاً باقی نہیں۔ اپنی اہمیت اور فضیلت کے اعتبار سے یہ کتاب نہایت قیمتی ہے۔ ہمیشہ قیمتی چیز کی حفاظت کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس قیمتی کتاب (قرآن مجید) کی حفاظت کا ذمہ سب سے بڑے محافظ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لے لیا۔

اِنَّا نَحنُ نَزَّلنَا الذِّکرَ وَاِنَّا لَہُ لَحٰفِظُونَ

''ہم نے یہ کتاب اتاری اب ہم خود اس کی حفاظت کریں گے۔'' (سورۃ حج آیت:۹)

قرآن مجید کی تعلیم اور پیغام تمام عالم کیلئے انسانوں کے لئے ہے تو پھر بلاشبہ جن پر قرآن اترا۔ ان کی نبوت ورسالت بھی تمام عالم اور تمام عالم کے لوگوں کے لئے ہوگی۔ قرآن مجید عالمگیر کتاب ہے۔ اس کی دعوت تمام جہانوں کیلئے ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی نبوت عالمگیر ہے۔ آپ ﷺ کی دعوت بھی تمام جہانوں کے لئے ہے۔

اب ایک اور انداز دیکھئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرسَلنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّراً وَّنَذِیراً وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیرًا ط (سورۃ احزاب آیت ۴۶)

اس آیت کریمہ میں تاجدار ختم الرسل ﷺ کی پانچ صفات اور پانچ منصب بیان ہوئے ہیں،

شاھدا: شہادت دینے والا۔

مبشرا: بشارت دینے والا۔

نذیرا: ڈرانے والا

داعیاً: دعوت دینے والا

سراجا منیرا: روشن آفتاب

اس آیت میں حضور اکرم ﷺ کی عالمگیر عظمت ورفعت بیان کی گئی ہے۔ آسمان ستاروں، سیاروں، چاند اور سورج سے مزین ہے، لیکن ان تمام میں سورج کو جو کمال حاصل ہے، وہ کسی کو نصیب نہیں۔ سورج کی بڑی صفت یہ ہے کہ وہ نہ صرف خود روشن ہے بلکہ دوسروں کو بھی روشن کرتا ہے۔ حضور سرورِ کائنات ﷺ بھی اپنی اہمیت وفضیلت اور عالمگیریت کے باعث ہدایت آسمانی کے روشن آفتاب ہیں جو خود بھی روشن ہیں اور جنہوں نے تمام انبیاء کی نبوتوں کو بھی روشن کر رکھا ہے، یہ شاہ کونین ﷺ کا فیض وکرم ہے کہ اب تک رشد وہدایت کی مشعلیں روشن ہیں۔ سورج نہ ہوتا تو سارا عالم تاریک رہتا، اگر حضرت آمنہؓ کے دریتیم ﷺ کی نبوت کا آفتاب طلوع نہ ہوتا تو ساری دنیا کفر وشرک، فسق وفجور، ظلمت وانتشار میں ڈوبی رہتی۔

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب رحمت اللعالمین کو سراجاً منیرا کہہ کر ان کی ہمہ گیر نبوت اور عالمگیر رسالت کو واضح اور سربلند کیا ہے۔ پہلے نبیوں کی نبوتیں محدود تھیں جبکہ تاجدار ختم نبوت ﷺ کی رسالت عالمگیر ہے، جس کا پرچم قیامت تک لہراتا رہے گا۔ لہٰذا کسی بھی قسم کے نئے نبی اور نئی نبوت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ھوالشافی

ہیپاٹائٹس "B" اور "C"

اور

پرانے یرقان کا کامیاب علاج

ڈاکٹر میاں محمد ظفر اقبال

میاں ہومیوپیتھک کلینک

23 ریلوے روڈ۔ لاہور

فون: 7639879

سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں شامل احباب کیلئے

عزیز القدر بھائیو اور بہنو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ چراغ راہ میں رقمطراز ہیں۔ ''میں جس راستہ پر آپ کو چلانا چاہتا ہوں۔ وہ بالکل ہمارے سرکار ابد قرار احمد مختار ﷺ کے نقش قدم پر جاتا ہے۔''

بلا شبہ اللہ کے قرب ولقاء اس کی معرفت وحکمت اور دیدار کے حصول کا آسان اور موثر راستہ آپ ﷺ کا اتباع یعنی اسوۂ حسنہ اختیار کرنا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا

''تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ سے ملاقات اور یوم آخرت کا امیدوار ہو، رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس، اتباع کے لیے ایک بہترین نمونہ ہیں۔ (الاحزاب:۲۱)

آپ ﷺ بہترین اخلاق پر ہیں اور اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ حضور سرور کائنات ﷺ کے بہترین امتی اور قبلہ انصاریؒ صاحب کے مرید ہونے کے ناطے ہم سب بہن بھائیوں کا اخلاق مثالی ہونا چاہیے۔ قبلہ حضورؒ نے ہمیں غصہ اور نفرت کی نفی کرنے اور عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کا حکم دیا۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ نہ صرف اخلاق عالیہ کے اعلیٰ ترین منصب پر فائز ہیں بلکہ آپ ﷺ کے ارشاد گرامی کے مطابق آپ ﷺ کو مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا، اخلاق عالیہ کیا ہے؟ اعلیٰ سیرت وکردار اور حقوق کی بخوشی ادائیگی۔ اخلاق عبادت ہے۔ صداقت وامانت، صبر واستقامت، تقویٰ وطہارت، حیا اور سادگی، ایفائے عہد، نرم مزاجی، عدل واحسان، شکر ورحمت اور غریب پروری جیسے اوصاف سے حضور سرکار دو عالم ﷺ کی شخصیت مبارکہ ایسے ہی اعلیٰ اوصاف کا مرقع ہے۔ تو آیئے اتباع رسول ﷺ کے حوالے سے ہم اپنے دلوں پر دستک دیں اور دیکھیں کہ کیا ہم:۔

(1) اپنے بیوی بچوں کے ساتھ شفقت اور تحمل وبرداشت کا رویہ اپنائے ہوئے ہیں؟ ہاں/نہیں

(2) اپنے عزیز واقارب اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک صلہ رحمی اور احسان کا رویہ رکھے ہیں؟ ہاں/نہیں

(3) اپنی زندگی کے ہر شعبے میں سچائی اور ایمانداری کو اپناتے ہیں؟ ہاں/نہیں

(4) اپنے وعدوں کی پابندی کی پاسداری کرتے ہیں؟ ہاں/نہیں

(5) اپنے ملازموں اور ماتحتوں کے ساتھ عفو ودرگذر رحم دلی کا برتاؤ کرتے ہیں؟ ہاں/نہیں

(6) احکام الٰہی اور اتباع رسول ﷺ کے معاملے میں مستقل مزاج صابر اور ثابت قدم ہیں؟ ہاں/نہیں

(7) عفت وعصمت، شرم وحیاء، پارسائی اور پاکدامنی کی زندگی گذارتے ہیں؟ ہاں/نہیں

(8) دن رات وضو اور طہارت قائم رکھنے کی سعی کرتے ہیں؟ ہاں/نہیں

(9) توبہ استغفار اور درود وسلام کو مستقل وظیفہ کے طور پر جاری رکھے ہوئے ہیں؟ ہاں/نہیں

(10) عدل واحسان، قناعت اور سخاوت کی راہ پر گامزن ہیں؟ ہاں/نہیں

(11) زہد وتقویٰ، میانہ روی اور عاجزی وانکساری کی روش پر ہیں؟ ہاں/نہیں

(12) ذکر الٰہی اور تبلیغ دین کا حق پوری طرح ادا کرتے ہیں؟ ہاں/نہیں

حلقہ توحیدیہ کے سب بھائیوں اور بہنوں سے درخواست ہے کہ اس سوالنامہ پر غور فرمائیں اور قبلہ حضورؒ کی تعلیمات پر عمل کرنے کا پختہ عزم کریں تاکہ قیامت کے دن سرخرو اٹھائے جائیں۔ .... مرتب: رسول ہاشمی

آپ احباب سے مزید درخواست ہے کہ آستانہ عالیہ میں ریکارڈ کی درستی کے لیے ہماری مدد فرمائیں اور مندرجہ ذیل کوائف نامہ پُر کر کے پہلی فرصت میں ارسال فرمائیں:

نام: .... ولدیت: ....

بیعت نمبر/ تاریخ بیعت: .... پیشہ: ....

پتہ (موجودہ): ....

پتہ (مستقل): ....

فون نمبر: گھر: .... دفتر: ....

احباب کے نام اور پتہ جات (کم از کم پانچ) جنہیں آپ سلسلہ کی تعلیمات سے آگاہ کرنا پسند فرماتے ہوں۔

نام: .... پتہ: ....

LA Louis Arden
Louis Arden
QUARTZ
3
Louis Arden
QUARTZ
1
Distributors: Jasina Trading Est.
P.O.Box: 15700, Deira, Dubai, U.A.E. Tel: +971 4 2233928
Fax: +9714 2272296 E-mail: jaseena@emirates.net.ae

بسم اللہ الرحمن الرحیم
اللھم صل علی محمد
وعلی آل محمد کما صلیت
علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید ہ
اللھم بارک علی محمد وعلی
آل محمد کما بارکت علی
ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید ہ
ھدیہ عقیدت
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
92 جی ماڈل ٹاؤن لاہور

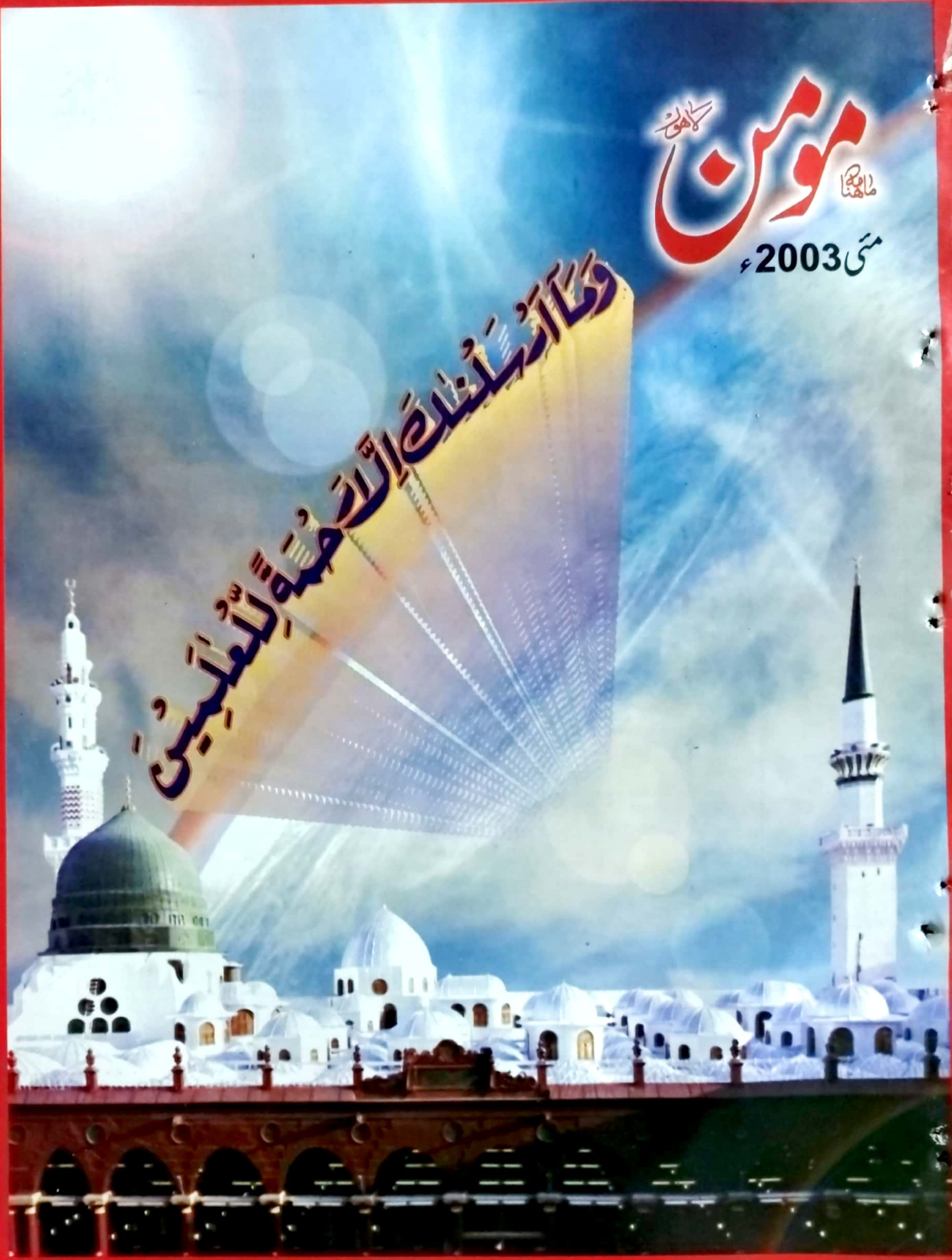
ماہنامہ
مومن
لاہور
مئی 2003ء
وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بانی

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

کی فکر انگیز، حیات آفریں اور نظر افروز تصانیف

روحانیت کی دنیا کا سرمایۂ افتخار تصوفِ بیدار اور رشد و ہدایت کا بیش قیمت خزینہ!

تعمیرِ ملّت

- ہم کہاں کھڑے ہیں ؟
- ملت اسلامیہ کے مادی و روحانی تنزل کی کیا وجوہات ہیں ؟
- تعمیرِ کردار اور روحانی ترقی کے لیے بہترین لائحہ عمل

چراغِ راہ

- حضرت قبلہ انصاریؒ حضور کے بیش بہا خطبات کا انمول خزینہ
- سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی قدم قدم کہانی
- سالکانِ راہ طریقت کے لیے قابلِ قدر رہنما کتاب ہدایت

حقیقت وحدت الوجود

- وحدت الوجود کیا ہے اور کیا نہیں ہے ؟
- وحدت الشہود کی حقیقت
- کہاں اور کیوں ـــہ حقیقت خرافات میں کھوگئی؟

طریقتِ توحیدیہ

- خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ حضور کی وہ زندہ و تابندہ تعلیمات
- جو عظیم روحانی سلسلہ توحیدیہ کی سنگ بنیاد ثابت ہوئیں
- اور جن پر عمل کر کے لاکھوں گم کردہ راہ انسان آسمانِ رشد و ہدایت کے روشن و منور ستارے بنے
- تصوفِ بیدار کی انمول تعلیمات کا مختصر اور جامع مجموعہ

آج ہی طلب فرمائیے پہلی فرصت میں مطالعہ کیجئے اور اپنے دوست احباب کو تحفہ میں دیجئے

بلاشبہ یہ سامانِ ہدایت ہے آپ کے آج اور آنے والے کل کے لیے

پہچان پبلی کیشنز B-12 سٹی ٹاور 12 ایبٹ روڈ (رائل پارک) لاہور — فون نمبر: 042-6373219

فقیری کا مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت و قربت، اس کا ماحصل مکارم اخلاق کی تکمیل اور مصرف مخلوق خدا کی خدمت ہوتا ہے۔ حضور سرور کائنات ؐ افضل الانبیاء اور صوفیائے کرام کے سردار تھے۔ آپ ؐ نے سب سے بڑھ کر محبت اللہ رب العزت سے کی۔ اللہ سے آپ کا تعلق ایسا تھا کہ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے۔ تہجد کے نوافل میں اتنی دیر کھڑے رہتے کہ پاؤں مبارک پر ورم آ جاتا۔ کسی بھی شخص سے آپ کی دشمنی یا دوستی محض اللہ کیلئے ہوتی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ سے محبت ہی اصل ولائت ہے۔ جسے اللہ سے جتنی زیادہ اور خالص محبت ہوگی وہ اتنا ہی بڑا ولی اللہ ہوگا۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط (مومن تو وہ ہی ہیں جو اللہ کے ساتھ ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں)۔ چنانچہ بزرگی کا اصل معیار محبت الٰہی اور اتباع رسول ؐ ہے کشف و کرامات نہیں۔ آپ ؐ سراپائے رحمت، پیکر اخلاق اور حامل قرآن بلکہ چلتا پھرتا قرآن تھے۔ آپ کی سیرت مبارکہ جمال الٰہی کا مظہر تھی۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کو بالمؤمنین روف الرحیم یعنی مومنین کیلئے شفیق و مہربان اور رحمت العالمین یعنی سب جہانوں کیلئے رحمت کی صفات مبارکہ کے حوالے سے یاد فرمایا۔ اللہ خطاؤں کو معاف فرماتا ہے آپ بھی خطا کاروں سے درگزر فرماتے زندگی بھر آپ نے کسی کو برا بھلا کہا نہ اپنے ذاتی معاملے میں کسی سے انتقام لیا۔ کبھی کسی کی درخواست ٹھکرائی نہ اپنے کسی خادم، عورت یا جانور کو اپنے ہاتھ سے مارا۔ آپ ؐ ہر دلعزیز، نرم مزاج اور خوش گفتار تھے۔ ایفائے عہد، سادگی، قناعت اور حیا آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا اور صداقت و امانت آپ کی پہچان! تقوی آپ کا لباس تھا اور فقر آپ کی میراث!! اللہ رب العزت نے آپ کی ذات با برکات کو ہر خوبی کا اعلیٰ ترین معیار بخشا۔ جو آپ کو دیکھتا، مرعوب ہوتا اور جو پاس رہتا وہ آپ ؐ ہی کا ہو جاتا۔ بڑوں کا ادب، اہل وعیال سے نیک سلوک، یتیموں مسکینوں اور غلاموں پر شفقت، سخاوت و فیاضی، مہمان نوازی، تواضع اور سادگی، حوصلہ مندی اور شجاعت، توکل و خشیت اور زہد قناعت سب خوبیوں میں آپ اپنی مثال آپ تھے۔ آپ ﷺ کا اخلاق اتنا بلند تھا کہ خود اللہ رب العزت نے آپ ؐ کے اخلاقِ عالیہ کی تعریف وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ جیسے خوبصورت الفاظ میں فرمائی۔ اخلاق کیا ہے؟ حقوق اللہ، حقوق نفسی اور حقوق العباد، ہر قسم کے حقوق کی بطریق احسن اور خوشی خوشی ادائیگی! چنانچہ اخلاق لذت پرستی، ذاتی خوشی و ناخوشی، انا پرستی، چاپلوسی یا فلسفیانہ مباحث کا نام نہیں بلکہ فقر و احسان کا نام ہے۔ اس لئے اگر آپ صوفی یا فقیر بننا چاہتے ہیں تو رسول اللہ ؐ کے اخلاق عالیہ کو اپناؤ۔

صدر نشین

حُسنِ اِنتخاب

ربیع الاول	محترمہ ام کلثوم خان	4	عدم برداشت اور تعلیمات نبوی ؐ	ڈاکٹر حافظ محمد ثانی	32
علم القرآن	حافظ مشتاق احمد	5	سرکارِ دو عالم ؐ بحیثیت معلّم	مفتی غلام قادر	38
صحیفہ ہدایت	مولانا ماہر القادری	7	محمد ؐ بن عبداللہ کی فتح	سید قطب شہید	40
قرآن کریم اور ہماری زندگی	ایس جی رانا	12	خواتین کے حقوق و فرائض اور تعلیمات نبوی ؐ	ڈاکٹر عصمت ناز	42
اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ	پیر غلام رسول شاہد	13	ام المومنین حضرت سودہ ؓ	حکیم محمود احمد اظہر	48
نعت رسول ؐ کی اہمیت	حکیم محمد سعید	19	حضرت داتا گنج بخش ؒ	شفاعت رسول	51
یہ سب تمہارا کرم ہے آقا ؐ	محترمہ ام کلثوم خان	21	دور حاضر کے چند آثار و تبرکات نبوی ؐ	سید عطاء اللہ	52
نبی کریم ؐ کا انداز تعلیم و تربیت	جنید احمد ہاشمی	24	عکسِ تحریر	عثمان خالد	55
اسوۂ رسول ؐ اور ملی یکجہتی	صاحبزادہ ساجد الرحمن	27	کہکشاں	عائشہ رسول	56
درود و سلام کی فضیلت و اہمیت	مزمّن رسول ہاشمی	30	عربی الفاظ کے غلط تلفظ	غلام رسول شاہد	57

آئندہ شمارہ میں ان شاء اللہ

سیرت النبی ﷺ، اخلاقیات، ایمانیات، تصوف، نفسیات، صحت و سلامتی اور حالات حاضرہ جیسے عنوانات پر تحقیقی مضامین

ماہنامہ مومن کے صفحات اخلاقِ عالیہ کے فروغ کے لیے وقف ہیں! ادارہ ھذا کا مصنفین کی رائے سے اتفاق کسی طور ضروری نہیں!

پرنٹر و پبلشر: غلام رسول شاہد پہچان پبلی کیشنز B-12 سٹی ٹاور 12 ایبٹ روڈ رائل پارک لاہور

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ

ماہنامہ مومن لاہور

جلد نمبر 4 شمارہ نمبر 5 مئی 2003ء

صدر نشین غلام رسول شاہد

نگران و منتظم محترمہ امِ کلثوم خان

مدیر مزمّن رسول ہاشمی

مارکیٹنگ منیجر شفاعت رسول ہاشمی

سرکولیشن منیجر غلام مجتبیٰ

قانونی مشیر خلیل احمد ایڈووکیٹ

زیر سرپرستی

سلسلۂ عالیہ توحیدیہ

G-92 ماڈل ٹاؤن لاہور

بدل اشتراک

	فی شمارہ	سالانہ
پاکستان	20 روپے	200 روپے
انگلستان	1 پونڈ	10 پونڈ
متحدہ عرب امارات	4 درہم	40 درہم
سعودی عرب	4 ریال	40 ریال

خط و کتابت: پوسٹ بکس نمبر 5050 لاہور پاکستان

اشتہارات و ترسیل زر: B-12 سٹی ٹاور 12 ایبٹ روڈ رائل پارک لاہور پاکستان

موبائل: 0300-8466331, 0300-4259134

فون: +9242-6373219 فیکس: +9242-5881290

email:rasul92@hotmail.com

www.momin.biz

ربیع الاوّل

محترمہ اُمّ کلثوم خان

ربیع الاوّل اسلامی کیلنڈر کا تیسرا مہینہ ہے۔ اس کے لغوی معنی ''پہلی بہار'' کے ہیں۔ گلشن کائنات میں اصل فصل بہار حضور ﷺ سرور کائنات ہی کے دم قدم سے آئی۔ آپ ﷺ اس ماہ مبارک کے نویں روز اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئے جو تاریخ عالم کا اہم ترین واقعہ ہے۔ کائنات پر اللہ رب العزت کی یہ رحمت واحسان ۱ عام الفیل بمطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء بروز پیر صبح صادق کے وقت ہوا۔

آفتاب رسالت کا طلوع اور بشارت وحی بھی ۹ ربیع الاوّل ۴۱ عام الفیل بمطابق ۹ فروری ۶۱۰ء کو ہوئی۔ آپؐ نے مدینہ المنورہ میں مسجد قبا کی بنیاد اسی ماہ کی آٹھ تاریخ ۱ھ بمطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء کو اپنے دست مبارک سے رکھی۔ مسجد نبوی شریف کی تاسیس مسجد قبا کا سنگ بنیاد رکھے جانے کے گیارہ روز بعد اس ماہ عظیم کی ۱۹ تاریخ یعنی اکتوبر ۶۲۲ء میں ہوئی اور اذان کی باقاعدہ ابتدا بھی اس روز سے ہوگئی۔ حضور سرور کائنات نے اس ماہ بابرکت میں داعی اجل کو لبیک کہا اور یوں حضرت صدیق اکبرؓ اسی ماہ کی ۱۲ تاریخ کو مسند خلافت رسولؐ پر تشریف فرما ہوئے۔ حضرت سلمانؓ فارسی، حضرت امام حسنؓ بن حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سمیت کئی ایک مکرم صحابہ اور بہت سی بزرگ ہستیاں اسی ماہ مبارک میں دنیا سے رخصت ہوئیں۔

تاہم اس ماہ بہاراں کی سب سے بڑی شان بہارِ دوجہاں، سرور کونین، تاجدار مدینہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آمد مبارک ہے۔ اس لئے ہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ اللہ کے حضور آپ ﷺ کی آمد مبارک کے حوالے سے سجدۂ شکر ادا کریں۔ اپنے پیارے نبی کریم ﷺ کے درجات کی بلندی کے لئے خوب صدقہ خیرات دیں اور غریب بہن بھائیوں کو عید میلاد کی خوشیوں میں شامل کریں۔

تلاوت کلام پاک کثرت سے کریں اور اس کا ایصال ثواب حضور سرور کائنات ﷺ، آپ ﷺ کے اہل ایمان آباؤ اجداد، آپ ﷺ کے اہل بیت، ازواج مطہرات، آپ ﷺ کے صحابہ کبار، شہداء اسلام اور آپ ﷺ کا اتباع کرنے والے اولیائے اکرام، صوفیائے عظام، صدیقین، صالحین اور مبلغین اسلام کی ارواح مقدسہ کو پہنچائیں۔

توبہ استغفار کثرت سے پڑھیں کہ دعائے مغفرت اللہ کی رحمتوں کے حصول کی کنجی ہے۔ حضور سرور کائنات ﷺ پر کثرت سے درود شریف بھیجیں۔ سلام بھیجنے والوں پر ہی سلامتی لوٹائی جاتی ہے۔ سورۂ کوثر تواتر سے پڑھیں۔ تہجد اور قیام اللیل کے نوافل ادا کریں اور حضور اقدس ﷺ کی روح مبارکہ کو ایصال ثواب پہنچائیں درود شریف میں سب سے اچھا اور جامع درود شریف درود ابراہیمی یعنی نماز میں پڑھا جانے والا درود شریف ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ﴿١﴾
فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴿٢﴾
إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ﴿٣﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھم صل علی محمد
وعلی آل محمد کما صلیت
علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم
انک حمید مجید
اللّٰھم بارک علی محمد وعلی
آل محمد کما بارکت علی
ابراہیم وعلی آل ابراہیم
انک حمید مجید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١﴾ الرَّحْمَٰنِ
الرَّحِيمِ ﴿٢﴾ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٣﴾ إِيَّاكَ نَعْبُدُ
وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴿٤﴾ اهْدِنَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِيمَ ﴿٥﴾ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ
الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿٧﴾

علم القرآن

قسط نمبر 12

حافظ مشتاق احمد

75-سورۃ قیامۃ

☆ سورۃ قیامۃ مکی سورۃ مبارکہ ہے اس میں چالیس (40) آیتیں اور دو (2) رکوع ہیں۔اس سورۃ مبارکہ میں قیامت کے دن کا ذکر ہے۔قیامت کے دن کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سورۃ مبارکہ کے آغاز ہی میں اللہ رب العزت نے روزِ قیامت اور نفس لوامۃ کی قسم کھا کر فرمایا کہ ہم انسان کو ضرور دوبارہ زندہ کریں گے، اُسکی بکھری ہوئی ہڈیاں اکٹھی کریں گے اور اللہ اس پر قادر ہے۔ادھر انسان کی غفلت اور غرور کا حال یہ ہے کہ روزِ قیامت کے دن کے بارے میں پوچھتا ہے کہ کب قیامت آئے گی۔حالانکہ جب وہ آئے گی تو سارا نظام عالم درہم برہم ہوجائے گا تو یہی انسان جائے پناہ ڈھونڈنے کے لئے ادھر ادھر بھاگتا پھرے گا لیکن اس دن اللہ کے سوا کسی جگہ ٹھکانہ اور جائے پناہ نہ ہوگی۔ اور یہ کہ انسان کے سارے اعمال اس کے سامنے ہونگے۔

مزید سورۃ مبارکہ میں حضور نبی کریم ﷺ کو وحی کے یاد رکھنے کے بارے تلقین فرمائی جارہی ہے کہ جب وحی آپ ﷺ کو پڑھائی جائے تو آپ ﷺ اسے یاد کرنے کے لئے جلدی نہ پڑھیں۔اس وحی کا یاد کروانا اور جمع کرانا ہمارے ذمے ہے۔انسان کا حال تو یہ ہے کہ وہ دنیا کو دوست اور مقدم رکھتا اور آخرت کو ترک کردیتا ہے۔ اس دن بعض خوش نصیبوں کے چہرے پر رونق ہونگے اور اپنے رب تعالیٰ کے محوِ دیدار ہونگے اور بہت سے منہ اُداس ہونگے کہ ابھی ان پر مصیبت آنے والی ہے۔اس دن وہ انسان بے حد قابلِ افسوس ہے جس نے قرآن پاک کی تصدیق کی اور نہ ہی نماز ادا کی بلکہ حق کو جھٹلاتے ہوئے منہ موڑ لیا۔اختتام اس بات پر ہورہا ہے کہ انسان کی حیثیت تو یہ ہے کہ اسے ایک قطرے سے پیدا کیا گیا ہے مگر یہ پھر بھی اپنے رب تعالیٰ کے اور قیامت کے بارے میں شک میں مبتلا ہے۔

76-سورۃ الدھر

سورۃ الدھر مدنی سورت ہے اس میں اکتیس (31) آیات اور دو (2) رکوع ہیں۔آغاز انسان پر کیے جانے والے انعام واکرام پر ہورہا ہے کہ ایک زمانہ تھا کہ انسان کوئی قابلِ ذکر اور قابلِ قدر شے نہ تھا۔پھر اسے آزمانے کے لئے سوچ بوجھ عطا کرکے اسے سیدھا راستہ دکھلا دیا اب چاہے تو وہ شکر گزار بنے اور چاہے تو ناشکری کی روش اختیار کرلے۔کافروں کے لیے تو بھڑکتی آگ کا عذاب ہے جبکہ اَبراروں (نیک لوگوں) کے لئے کافور کی آمیزش والے شرابی جام ہیں وہ جو اپنی نذریں پوری کرنے والے اور قیامت کے روز سے خوف کھانے والے ہیں، جو اللہ کی محبت میں یتیموں، مسکینوں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں، انہیں یہ کہہ کر کھلاتے ہیں کہ ہم تمہیں کسی بدلے اور شکریہ کے لئے نہیں کھلاتے بلکہ اللہ کے منہ کو کھلاتے ہیں چنانچہ ایسے مخلصین اور صابرین بندوں کو اس دن اللہ رب العزت روزِ آخرت کے شر سے بچا کر تازگی اور سرور اور جنتی ریشمی لباس بخشے گا۔وہ جنت میں تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہونگے جہاں نہ دھوپ ہوگی اور نہ سردی کی شدت،ان مقرب بندوں کی مہمان نوازی کا انداز کچھ ایسا ہوگا کہ ان پر چاندی کے برتن اور شیشے کے ساغر استعمال کے لئے دیے جائیں گے۔جنت کے ایک چشمے سلسبیل سے انہیں خاص شراب کے جام پیش ہونگے۔خدمت کے لئے ایسے لڑکے ہونگے جو دیکھنے کو موتی ہونگے اور ہمیشہ جوان رہیں گے۔جدھر دیکھیں گے نعمتیں ہی نعمتیں ہونگی اور ایک بڑی سلطنت ہوگی۔ان خوش نصیب بندوں کو باریک سبز اور ریشم کے گاڑھے لباس پہنا کر چاندی کے کنگنوں سے سجایا سنوارا جائے گا اور رب رحمٰن ورحیم انہیں خود نہایت صاف ستھرے مشروب پلائے گا اور ساتھ فرمان ہوگا کہ یہ ہے تمہاری جزا اور تمہاری کوشش کی قدر کی گئی ہے۔

دوسرے رکوع کا آغاز نبی کریم ﷺ کو کی گئی اس تلقین سے ہورہا ہے کہ آپ ﷺ کفار ومشرکین کی باتوں پر صبر کیجئے اور ان میں سے کسی گنہگار اور ناشکرے کی بات نہ مانئے آپ ﷺ صبح وشام اپنے رب کے نام کا ذکر کیجئے اور رات کو بھی اس کے حضور سجدہ کیجئے اور رات کے طویل اوقات میں اسکی تسبیح کیجئے۔کفار ومشرکین تو بس دنیا سے ہی محبت رکھتے ہیں اور بھاری دن روزِ آخرت کو پسِ پشت ڈال رہے ہیں۔اللہ چاہے تو انہیں بدل کر کوئی اور انسان لے آئے۔آخر میں یہ خاص بات بتائی جارہی ہے کہ

ہر چیز کا تذکرہ قرآن پاک کی شکل میں کر دیا گیا ہے اب جو چاہے اپنے رب کی طرف جانے والا راستہ اختیار کر لے۔ اللہ علم و حکمت والا ہے وہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل فرمالے۔

77- سورۃ المرسلت

یہ سورۃ مبارکہ مکی ہے اس میں پچاس (50) آیات اور دو (2) رکوع ہیں۔ سورۃ مرسلت کا آغاز بھی دھیرے دھیرے چلنے والی، پھر زور پکڑنے والی، بادلوں کو اٹھا کر پھیلا دینے والی، پھر پھاڑ کر جدا کرنے والی ہواؤں کی قسم سے ہو رہا ہے کہ یہی ہوائیں دلوں میں اللہ کی یاد اور خوف پیدا کرنے کا سبب بھی بنتی ہیں کہ جب آہستہ ہوا تیز و تند آندھی میں بدل جاتی ہے اور اکثر اوقات بالکل بند ہو جاتی ہے تو انسان اللہ ہی کیطرف رجوع کرتا ہے اور اس کے نقصانات سے بچنے اور اس کے فائدوں کے حصول کے لئے دعائیں کرتا ہے۔ بیشک وہ دن جس کا وعدہ کیا گیا ہے ضرور واقع ہو کر رہے گی۔ یہی دن فیصلے کا ہے سو جس نے اسے جھٹلایا اس کے لیے تباہی ہے۔

پچھلی سورہ قیامۃ کی طرح اس میں بھی قیامت کو جھٹلانے والوں کے لئے تباہی کا ذکر کیا گیا ہے کہ جس نے روزِ آخرت کو جھٹلا دیا اس کے لئے تباہی اور جس نے اس پر یقین کر لیا وہی اَمر ہونے والے ہیں۔

زمین و آسمان میں موجود نعمتیں یاد دلا کر انسان کو شکر گزاری کی تلقین کی گئی ہے۔ تا کہ اس دوزخ سے بچنے کا سامان ہو سکے۔ جس کے شرارے محل جیسے بڑے ہونگے۔ اس دن انہیں کچھ بولنے اور عذر پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ دوسرے رکوع میں متقین پر کیے جانے والے انعام واحسان کا ذکر ہے کہ وہ اس تباہی پھیلانے والے دن میں سایوں اور چشموں میں ہوں گے اور جو پھل چاہیں گے انہیں مہیا کیے جائیں گے کہ نیکوکاروں کا یہی اجر ہے۔ اختتام اس بات پر ہو رہا ہے کہ انکار کرنے والوں کے لئے مزے اور چین کے چند دن ہیں پھر ابدی تباہی ان کا مقدر ہوگی یہ وہ تھے جنہیں اللہ کے آگے جھکنے کو کہا جاتا تھا تو یہ جھکتے نہ تھے۔ ❁

امام بوصیریؒ کا ہدیۂ عقیدت

۶۹۶ - ۲ھ

مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الْكَوْنَيْنِ وَالثَّقَلَيْنِ ۔۔۔ وَالْفَرِيْقَيْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

هُوَ الْحَبِيْبُ الَّذِيْ تُرْجٰى شَفَاعَتُهٗ ۔۔۔ لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمِ

مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِيْكٍ فِيْ مَحَاسِنِهٖ ۔۔۔ فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْقَسِمِ

كَالزَّهْرِ فِيْ تَرَفٍ وَالْبَدْرِ فِيْ شَرَفٍ ۔۔۔ وَالْبَحْرِ فِيْ كَرَمٍ وَّالدَّهْرِ فِيْ هِمَمِ

كَاَنَّهٗ وَهُوَ فَرْدٌ فِيْ جَلَالَتِهٖ ۔۔۔ فِيْ عَسْكَرٍ حِيْنَ تَلْقَاهُ وَفِيْ حَشَمِ

وَمَنْ تَكُنْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ نُصْرَتُهٗ ۔۔۔ اِنْ تَلْقَهُ الْاُسْدُ فِيْ اٰجَامِهَا تَجِمِ

وَائْذَنْ لِسُحْبِ صَلٰوةٍ مِّنْكَ دَائِمَةً ۔۔۔ عَلَى النَّبِيِّ بِمُنْهَلٍّ وَّمُنْسَجِمِ

(قصیدۂ بُردہ سے ماخوذ)

منظوم ترجمہ / مفہوم

محمد مصطفیٰ سب کے دلوں کا چین صَلَّی اللہ ۔۔۔ عَرَب ہو یا عَجَم ہو، سرورِ کونین صَلَّی اللہ

اُسی کی ذاتِ اقدس شافعِ روزِ قیامت ہے ۔۔۔ ہم اُس کے اُمتی ہیں اس سے اُمیدِ شفاعت ہے

محاسن میں نہیں کوئی رسُولؐ اللہ کا ہمسر ۔۔۔ کہ ہے ناقابلِ تقسیم حسنِ خاص کا جوہر

تر و تازہ شگُوفہ نور کا مثلِ مہِ کامل ۔۔۔ بلندی آسماں جیسی تو بخشش بحرِ بے ساحل

خلیق و نرم اور لاکھوں پہ بھاری دبدبہ اس کا ۔۔۔ سراپا رحم اور شاہوں سے بڑھ کر مرتبہ اس کا

حبیبِ کبریا ہوں ضامنِ نُصرت تو ڈر کیا ہے ۔۔۔ جلالِ غازیانِ حق کے آگے شیرِ نر کیا ہے

حضورِ پاکؐ پر دائم سلام اے رحمتِ باری ۔۔۔ کہ اُن کے دم سے ہے فیضانِ عام اے رحمتِ باری

(نوائے بردہ از پروفیسر فروغ احمد مرحوم)

صحیفۂ ہدایت

مولانا ماہر القادری

☆ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی کے لیے انسانوں ہی میں سے ایسے مقدس نفوس کو منتخب فرمایا جو ہر اعتبار سے مکمل انسان تھے، جن کی دیانت و صداقت اور سیرت پر معاشرہ اعتماد رکھتا تھا۔ ان مقدس نفوس کو دین کی اصلاح میں نبی اور رسول کہتے ہیں اور ان کو جس ذریعہ سے ہدایت دی گئی اس کا نام ''وحی'' ہے۔ وحی میں نبی اور رسول کی اپنی کوشش اور تجربے کا ذرہ برابر دخل نہیں ہوتا۔ وہ مہبطِ وحی ہوتا ہے یعنی وحی اس پر نازل ہوتی ہے، وہ خود ''وحی ساز'' نہیں ہوتا۔

ہر دَور میں اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ اور مشیتِ کاملہ کے تحت انبیا ورُسل آتے رہے۔ اُن میں سے بعض پر صحیفے اور کتابیں بھی نازل ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سیّدنا عیسیٰؑ کے کئی سَو سال بعد اس ''انسان کامل ﷺ'' کو مبعوث فرمایا جس پر دین کا اتمام کر دیا گیا اور نبوت اور رسالت کے عہدے کو ختم کر کے اعلان فرمایا کہ یہ نبی احمد ﷺ، محمد مصطفیٰ ﷺ...... خاتم النبیین ہے، یعنی اب کسی قسم اور کسی نوع کا کوئی نبی، ظلی یا بروزی قیامت تک نازل نہیں ہوگا۔ نبوت اور رسالت کا منصب اب کسی اور کے لیے باقی نہیں رہا۔ قیامت تک کے لیے اسی نبیِ آخر کی لائی ہوئی ہدایت و شریعت۔ ہر اعتبار سے کافی ووافی ہے۔ اس میں نہ کوئی اضافہ ہوسکتا ہے اور نہ ترمیم۔ حضور خاتم النبیین پر جو کتاب نازل ہوئی اس کا نام ''قرآن'' ہے۔

جب تمام انبیاء آچکے اور کتابیں بھی نازل ہو چکیں اور چشمِ فلک ان کتابوں میں تحریف کا تماشا بھی دیکھ چکی، تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس نبی کو بھیجا جو آخری نبی ﷺ تھا۔ جس کی ذاتِ گرامی پر نبوت و رسالت کا اختتام کر دیا گیا۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں اور رسول آنے والے نہ تھا۔ اس لیے جو کتاب آپ ﷺ پر نازل فرمائی گئی۔ اس کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا قول اور وعدہ سچا ہی ہوا کرتا ہے۔

کلام محفوظ

سب سے پہلی بات غور کرنے کی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی جن حروف والفاظ کے ساتھ نازل ہوئی آپ ﷺ نے حرفاً حرفاً اور لفظاً لفظاً ہو بہو اسی طرح اس کی تلاوت فرمائی۔ ساتھ ہی اس کو لکھوا بھی دیا اور بہت سے صحابہ نے اسے زبانی یاد بھی کر لیا۔ جب حضور ﷺ کی وفات ہوئی تو پورے کا پورا قرآن سفینوں اور سینوں میں محفوظ تھا۔ قرآن کریم میں ایسی آیتیں بھی ہیں جن میں کسی ترکِ اولیٰ پر رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ہے۔ حضور ﷺ نے اس قسم کی آیتوں کو بھی بلفظہٖ تلاوت فرمایا۔ وہ انسانِ کامل، جسے اس کے دشمن ''الامین'' کہتے تھے اس نے کمال امانت کے ساتھ خالق کا کلام مخلوق تک پہنچا دیا۔

قرآن کریم سُورتوں کی جس ترتیب کے ساتھ آج دنیا میں پایا جاتا ہے۔ یہ ترتیب بھی رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ذریعہ بتائی گئی تھی۔

اُمت نے نہ صرف قرآن کو سفینوں اور سینوں میں محفوظ رکھا بلکہ رسول اللہ ﷺ جس لب ولہجہ میں قرآنی آیات تلاوت فرماتے تھے اس لب ولہجہ کو بھی محفوظ کیا گیا۔ دنیا میں کوئی کتاب، صحیفہ، بیاض اور مخطوطہ قرآن کریم کی برابری تو کیا اس سے سینکڑوں درجہ کم تعداد میں بھی نہیں پڑھا جاتا۔ تنہا یہی وہ کتاب ہے جو دن رات میں پانچوں وقت کی نمازوں کے علاوہ دُوسرے اوقات میں بھی تلاوت کی جاتی ہے۔ اس کی معنوی تعلیم کے علاوہ اس کی قرأت وتجوید کی تعلیم کے لیے ہزاروں مدرسے دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ تنہا یہی وہ کتاب ہے جو تمام سے زیادہ مضامین، تحریروں تقریروں میں نقل وبیان کی جاتی ہے اور سال کے سال رمضان کے مہینہ میں کروڑوں مسلمان پورے قرآن کو حفاظ کی زبان سے سنتے ہیں۔

اعجاز در اعجاز

عربوں کو اپنی زبان دانی، شاعری اور فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا۔ وہ اپنے علاوہ ساری دنیا کو گونگا (عجمی) کہتے تھے۔ قرآن کریم نے ان عربوں کو چیلنج کیا کہ تم قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی ہی جیسی ایک سورہ تصنیف کر کے پیش کردو، عربوں کی قومی اور آبائی غیرت کو یہ سب سے بڑا چیلنج تھا مگر اس چیلنج کے جواب میں انہیں سکوت اختیار کرنا پڑا۔

دنیا میں نظم ونثر کی کوئی ایسی قدیم وجدید کتاب نہیں ملتی جس کے کچھ محاورے، اصطلاحیں اور الفاظ متروک نہ ہو گئے ہوں، اور ان میں فرسودگی اور غرابت پیدا نہ ہو گئی ہو۔ ہاں، صرف قرآن کریم ہی وہ تنہا مقدس کتاب ہے، جس کا ایک لفظ بھی چودہ سو

سال کی طویل مدت میں متروک نہیں ہوا۔ عربی زبان وادب کا یہ وہ بلند ترین معیار ہے جس کے سامنے عربی ادب کی تمام شاہکار اور شہرہ آفاق کتابیں کم درجہ اور فروتر نظر آتی ہیں۔ قرآن کریم جس طرح اب سے چودہ سو سال پہلے لغت، الفاظ، طرز بیان اور مفہوم ومعنی کے اعتبار سے تروتازہ تھا، آج بھی وہ اسی طرح تروتازہ اور سدا بہار ہے۔ اس گلکدہ کا ایک پتہ بھی خزاں رسیدہ نہیں ہوا اور اس کی ایک آیت اور ایک لفظ کو کروڑوں بار دہرانے کے بعد بھی وجدان ذرا سی اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا۔

تقریر وتحریر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں شعریت پیدا ہوجائے۔ شاعری کا زبان وادب میں بہت بلند مقام ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نبی ﷺ کو نہ تو ہم نے شاعری سکھائی ہے اور نہ شاعری اس کے شان کے شایان ہی ہے۔ یہ بھی قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ وہ شاعری نہ ہونے کے باوجود کمال درجہ کا حسین ودلکش، فصیح وسادہ، بلکہ سہلِ ممتنع کلام ہے۔

مردِ مومن کی تعریف کرتے ہوئے قرآن کریم کی معجزانہ نغمگی کی طرف لطیف اشارہ کردیا ہے۔ قرآن کریم میں وہ مقدس نغمگی اور ایسا پاکیزہ آہنگ پایا جاتا ہے، جو شریفانہ جذبات کو حرکت میں لاتا ہے، قرآن کی نغمگی کے سامنے وہ راگ راگنیاں کوئی وزن نہیں رکھتی جنہیں سن کر آدمی کے اندر سفلی جذبات اور ہولناک خیالات حرکت میں آتے ہیں۔

قرآن کریم کی تلاوت وسماعت آنکھوں کو اشکبار بھی کرتی ہے اور لبوں پر موجِ تبسم بھی ابھار دیتی ہے۔ خشیت ومحبت کی ملی جلی کیفیت! اس مقدس کتاب میں وہ توازن پایا جاتا ہے جو آدمی کو رحمت و غفاریت کے سہارے غیر ذمہ دار اور فرض ناشناس نہیں ہونے دیتا۔ اور قہاریت اور انتقام کا تصور آدمی کو مایوس نہیں بناتا۔ قرآن کریم کا یہ بیان کس قدر نشاط انگیز ہے کہ بہشت کے قصر وایوان میں غلمان سونے کے تھال لیے ہوئے گردش کررہے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی قرآن پاک میں یہ ہولناک منظر بھی ملتا ہے کہ دوزخ کی غضب ناک آگ مین لوگوں کے جسموں کی کھالیں بدلی جارہی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے امید بھی، اس کا خوف بھی، بیم کے ساتھ رجا بھی، قرآنِ کریم انسان کو اس عالم میں رکھنا چاہتا ہے کہ جنت کی نشاط وشادمانی اور مغفرت کی امید اسے فرض ناشناس، ناشکرا، غافل اور کاہل نہ بنادے اور انتقام و عقوبت، داروگیر واحتساب اور جہنم کے عذاب کا ذکر سن کر آدمی ناامید نہ ہوجائے اور وہ ہاتھ پیر توڑ کر اور جی چھوڑ کر نہ بیٹھ جائے۔

مکمل نظامِ زندگی

قرآنِ کریم صرف دعاؤں اور مقدس زمزموں کی کتاب نہیں ہے کہ خلوصِ نیت وعقیدت کے ساتھ تلاوت کرکے جس کا حق ادا ہوجاتا ہے۔ یہ الکتاب ہے۔ جو زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے اور حکومت کے ایوان سے لے کر فقیر کی جھونپڑی تک زندگی کا کوئی مرحلہ اس سے باہر اور آزاد نہیں ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے، جن پر قرآن نازل ہوا تھا۔ کم وبیش بائیس سال کی مدت تک جنگ ہو، صلح ہو، حکومت ہو، تجارت ہو، عائلی زندگی ہو، قرآنی احکام کو عملاً برت کر دکھایا۔

قرآن کریم کوئی خیالی کتاب نہیں ہے جس کے الفاظ کاغذ پر تو بھلے معلوم ہوتے ہیں مگر عملی دنیا میں ان الفاظ کی معنویت ساتھ نہیں دیتی۔ قرآن کریم مکمل ترین دستور حیات اور اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا آخری اور قطعی منشور زندگی ہے۔ یہ زندگی کے تجربوں کے مرحلوں سے گزرا ہے اور زندگی کے سفر میں قدم قدم پر قرآن زندگی اور فطرت سے انتہائی مربوط ثابت ہوا ہے۔ قرآن کریم میں زندگی سے گریز وفرار کا کوئی چور دروازہ یا پوشیدہ سرنگ نہیں ملتا۔ ترکِ دنیا اور رہبانیت کے علی الرغم قرآن کریم نے اس دعا کی تعلیم دی ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ سے اس مادی دنیا کو حسین وخوبصورت یعنی صالح بنانے کی تمنا کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کا کارخانہ بچوں کے گھروندوں کی مانند کھیل کے لیے نہیں بنایا۔ یہ تو شعور وبصیرت کی تمام قوتوں اور توانائیوں کے ساتھ برتنے کے لیے خلق کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مقدس میں قرآنی اخلاق کی بنیادوں پر معاشرہ استوار کیا گیا اور اس طرح قرآنی تعلیمات کو متشکل کردیا گیا۔ معاشرہ راہبوں اور جوگیوں کا معاشرہ نہیں، فاتحوں اور کشور کشاؤں کا معاشرہ تھا۔ اس معاشرے میں صفہ کے فقرا اور مسکینوں سے زیادہ فاتحین بدر وحنین پائے جاتے تھے۔ قرآنِ کریم نے ان نفوس قدسیہ میں اس قدر جوش اور ولولہ پیدا کردیا تھا کہ مٹھی بھر انسان قریش کے لشکر سے ٹکرا گئے اور چشمِ فلک نے دیکھ لیا کہ فتح ان بے سروسامان اور بوریا نشینوں ہی کی ہوئی۔

اس کے بعد خلافتِ راشدہ کے مبارک دور میں حاملین قرآن نے روم ومداین کی پرشکوہ سلطنتوں کے دھوئیں اڑادیے۔ فتح مندی قرآن کریم کے ان عملی مفسرین کے قدم چومتی تھی اور شوکت واقبال ان کے گھوڑوں کی رکابیں تھام کر چلتے تھے۔ دنیا میں صداقت وامانت ان کے نام اور کام سے پہچانی جاتی

تھی۔ صحابہ کرام کو تمدن و معیشت کے کیسے کیسے نئے نئے اور پیچیدہ مسائل سے سابقہ پڑا مگر کتاب و سنت کی رہنمائی میں انہوں نے ہر مسئلہ کا حل تلاش کر لیا اور جنگ کے میدانوں ہی میں نہیں تمدن و تہذیب اور سیاست و معیشت کے محاذوں پر بھی غالب اور فتح مند رہے۔

صحیفۂ ہدایت

قرآن کریم کی تنزیل کی اصل غایت ''ہدایت'' ہے۔ اس لیے اس مقدس کتاب کو رحمت اور نور بھی کہا گیا ہے۔ قرآن کریم کی ہر آیت نورِ ہدایت ہے۔ اس لیے قرآن کریم میں جہاں کہیں چاند ستاروں اور افلاک کا ذکر آ گیا ہے اس سے یہ سمجھنا درست نہیں ہے کہ قرآن علم ہیئت پر کوئی مقالہ پیش کر رہا ہے۔ اسی طرح ہوا اور پانی کے ذکر کا علم موسمیات سے پیوند جوڑ دینا زمین کے بیان کو علم طبقات الارض سے نسبت دینا، ہریالی، کھیتی، پھول، پتوں اور درختوں کی تفصیل کو فنِ باغبانی اور فنِ زراعت کا ضمیمہ سمجھنا۔ علم قرآن میں غلط اندیشی کی دلیل ہے۔ جو لوگ قرآن کی ہمہ گیری اور جامعیت دنیا کے سامنے پیش کرنے کی نیت سے سائنسی علوم سے قرآن کریم کو مطابقت دینے کی کوشش کرتے ہیں وہ قرآن کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کرتے۔ اسی طرح بعض دوسرے علوم کے نظریے اور کلیے بنتے اور ٹوٹتے رہتے ہیں۔ اگر آج کسی علم و فن کا کوئی نظریہ اور کلیہ کھینچ تان کر قرآن کریم کی کسی آیت پر فٹ کر دیا گیا مگر کچھ زمانہ یا زیادہ مدت گزرنے کے بعد وہ نظریہ اور کلیہ انہی علوم کے ماہرین نے اپنے تجربہ اور تحقیق کی بنا پر رد کر دیا۔ اس وقت قرآن کریم کو مجروح ہونے سے بچانے کے لیے فن تاویل کی پناہ لی جائے گی؟ زمانہ کی ایجادات اور نت نئے تجربوں کا قرآن کریم سے جوڑ ملا دینا بڑا خطرناک کھیل ہے جسے وہی لوگ کھیلتے رہتے ہیں جو قرآنی بصیرت سے بڑی حد تک محروم ہیں۔

قرآن کریم میں جہاں بت تراشی کا ذکر آتا ہے یا ان لوگوں کا ذکر ہے جو پہاڑ کو تراش کر مکانات بنایا کرتے تھے تو اس اجمال سے یہ نکتہ پیدا کرنا کہ قرآن کریم کی ان آیتوں میں فن تعمیر سمویا ہوا ہے۔ قرآن فہمی کے ساتھ ایک طرح کا مذاق ہے۔ قرآن کریم کو تمام علوم و فنون کی انسائیکلوپیڈیا ثابت کرنے کو کوشش کرنے والے قرآن کو سخت امتحان میں ڈال رہے ہیں اور نکتہ چینوں کے لیے زمین ہموار کر رہے ہیں۔

قرآن کریم کی جامعیت اس اعتبار سے مسلم ہے کہ اس میں ہدایت کا ہر جامع عنوان پایا جاتا ہے اور جو مہارت و اصول ہدایت کے ہو سکتے ہیں وہ قرآن کریم میں موجود ہیں۔ اخلاق و تقویٰ کی مکمل ترین تعلیم اس مقدس صحیفہ میں ملتی ہے۔ اس لیے حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا تھا کہ ''ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔''

قرآن کریم صرف صلوٰۃ، زکوٰۃ، روزہ اور حج ہی کے مسائل نہیں بتاتا بلکہ وہ حکومت، تجارت، معاشرہ، عائلی زندگی اور اسی طرح زندگی کے دوسرے شعبوں کو بھی اصول اور قوانین دیتا ہے۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح تکوینی رب ہے۔ اسی طرح تشریعی رب بھی ہے جس طرح عالم تکوین میں اس کا حکم چلتا ہے۔ اسی طرح شریعت میں بھی اس کے حکم کو قطعیت حاصل ہے۔ جس طرح نماز میں اللہ تعالیٰ کے حضور مسلمان کا سر جھکتا ہے۔ اسی طرح پوری زندگی کو اللہ تعالیٰ کے احکام و ہدایت کے آگے سر تسلیم خم کر دینا چاہیے۔

یہ ہے قرآن کے منشورِ حکومت و سیاست کی وہ پہلی دفعہ جو اس بات کو واضح کرتی ہے کہ اصل حاکمیت اور حکومت اللہ تعالیٰ کی ہے اور انسانوں کی حکمرانی اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے تابع ہونی چاہیے۔ پھر قرآن کریم نے ''مشاورت'' کی ہدایت دے کر دنیا کو ''شورائیت'' کا رہنما اصول دیا۔

جس ملک میں بھی مسلمانوں کو غلبہ، اقتدار اور حاکمیت حاصل ہو اور وہاں کا حکمران طبقہ اقامتِ صلوٰۃ اور تنظیم زکوٰۃ سے غافل ہو اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہ دیا جا رہا ہو، اس جگہ حکومت صحیح ہاتھوں میں نہیں ہے۔ وہ جو ہر عہدہ اور منصب کے لیے کچھ صفات ضروری ہوتی ہیں، مندرجہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلم حکمرانوں کی صفات بیان فرمائی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ کی زمین صالحین کا ورثہ ہے۔ اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دنیا کے جن خطوں پر بھی غیر صالحین یعنی فساق و فجار کا قبضہ اور عمل دخل ہے وہ لوگ دراصل غاصب ہیں، اس لیے اس بات کی مسلسل جدوجہد ہوتی رہنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین غاصبوں کے قبضہ سے نکل کر زمین کے جائز وارثوں یعنی صالحین کے قبضہ میں آجائے۔

قرآن کریم نے انسان کی عزت و تکریم کا معیار ''تقویٰ'' مقرر فرما کر حسب نسب، حکومت، دولت، ظاہری حسن و وجاہت اور دوسری تمام اضافی خوبیوں کو پست اور فروتر قرار دے دیا ''تقویٰ'' کو ہر عز و شرف اور حسن و خوبی سے برتر اور بلند تر ٹھہرایا گیا۔ حاکمیت، صالحیت اور تقویٰ کی یہی وہ قرآنی تعلیم تھی، جس کے تحت حضرت سیدنا حسینؓ نے یزید کی بیعت سے انکار فرما کر اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا

سب کچھ قربان کر کے، حق گوئی، سرفروشی اور باطل کے مقابلہ میں استقامت وعزیمت کی ایک روشن مثال قائم فرمادی۔

قرآنِ کریم نے سُود اور قمار کو حرام قرار دے کر سرمایہ داری اور ہوسِ زر کا مٹھ ماردیا۔ شراب، جو ''ام الخبائث'' ہے۔ قرآن نے اُسے رِجس '' مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰن کہا۔ عورت جو معاشرے میں آزادانہ اختلاط کے سبب بہت بُرے فتنہ کا باعث بن جاتی ہے۔ اس کی عصمت وعفت کے لیے جلباب وخمار کے حصار قائم کیے۔ اس کو مقامِ زینت کی نمود ونمائش اور تبرج جاہلیت سے روکا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج یعنی اُمہات المومنین کو براہِ راست اور تمام مسلم خواتین کو تبعاً حکم دیا کہ وقار کے ساتھ گھروں میں بیٹھیں اور کسی نامحرم سے گفتگو کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو دو بدو اور رو برو، نہیں، پردے کی آڑ میں گفتگو کریں اور بات کرنے میں ایسا لہجہ پیدا نہ ہونے دیں جس سے سننے والا غلط قسم کی کوئی اُمید اپنے دل میں قائم کرلے۔

تفہیم وتاویل

قرآنِ کریم میں بار بار عقل وبصیرت سے کام لینے اور ذہن وفکر کی توانائی کو صرف کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ قرآن میں کسی مقام پر بھی عقل کی اہمیت کی نفی نہیں فرمائی گئی۔ عقل اللہ تعالیٰ کا عظیم عطیہ ہے۔ اس کو معطل وبیکار کس طرح رکھا جاسکتا ہے۔ مگر اس نقطہ کو ذہن میں رکھیے کہ قرآن میں غور وفکر کی دعوت اس لیے دی گئی ہے کہ قرآن جن حقائق اور اصول و احکام کو پیش کرتا ہے ان پر ایمان پختہ سے پختہ تر ہوجائے۔ عقل کو دراصل وحی الٰہی کا تابع ہونا چاہیے شیطان نے اللہ تعالیٰ کے الٰہ ہونے سے انکار نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس کا سارا قصور یہ تھا کہ اس ظالم نے عقل کو حکم الٰہی کے تابع کرنے کی بجائے عقل کو حکم الٰہی پر ترجیح دے کر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلہ میں عقلی قیاس سے کام لیا اور حکم الٰہی کی نافرمانی کرنے کے جرم میں اسے ملعون ومردود قرار دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے بے چون وچرا سر تسلیم خم کردینا عقل و دانائی کی بات ہے۔ جو عقل صحیح اور متوازن ہوگی اسے قرآن کے کسی لفظ اور حرف میں کسی قسم کا کوئی شک دکھائی نہیں دے سکتا۔

قرآنی فکر

قرآن کریم میں دو طرح کی آیات ملتی ہیں۔ ایک وہ جن کو ''محکمات'' فرمایا گیا ہے اور یہی ''ام الکتاب'' یعنی کتاب اللہ کی اصل بنیاد ہیں۔ دوسری آیات ''متشابہات'' ہیں۔ ان کے بارے میں خود قرآن کہتا ہے۔

''جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ کی تلاش میں متشابہات کے پیچھے سدا پڑے رہتے ہیں اور ان کو معنی پہنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بخلاف اس کے جو لوگ علم (دین) میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمارا ان پر ایمان ہے یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہے۔''

ربط ونظم

قرآن کریم مصنفوں کی لکھی ہوئی کتابوں اور اہل قلم کے مرتب کیے ہوئے مجموعوں کی طرح کوئی کتاب نہیں ہے۔ جن میں عنوانات ہوں اور ہر عنوان کے تحت ذیلی ابواب اور حواشی ہوں اور جب ایک مضمون ختم ہوجائے تو پھر دوسرا شروع کیا جائے۔

قرآن کا انداز بیان تحریری وتصنیفی نہیں، تقریری ہے۔ جو لوگ عام تصانیف وتالیف پر قرآن کریم کا قیاس کرکے اس کا مطالعہ کرتے ہیں، انہیں قرآن کریم کی آیتوں اور مضامین میں بے ربطی محسوس ہوتی ہے۔ قرآن کریم اس قسم کی تصنیف سرے سے ہے ہی نہیں۔

نظم قرآن کا محور یہ ہے کہ اس کتاب ہمثال میں بار بار اور جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور شان خلاقیت کا ذکر ہے۔ قرآن بار بار آخرت کے محاسبہ کی یاد دلاتا ہے۔ وہ ان لوگوں کا بھی ذکر کرتا ہے جن پر اللہ کا انعام ہوا ہے اور ان کا بھی جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا۔ کسی فرد یا قوم کا ذکر ہو، آثار مشاہدات کی تفصیل ہو، معاشرے کے لیے کسی قانون وحکم کی تنفیذ کا اعلان ہو، ہر موقع پر قرآن کریم ذہنِ انسانی کو یاد دلاتا اور چونکاتا رہتا ہے کہ۔

☆اللہ تعالیٰ اس کا خالق اور رب ہے۔

☆انسان کو دنیا میں وہ زندگی گزارنی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

☆اس دنیوی زندگی کے اعمال کی بنا پر آخرت میں سزا وجزا ملے گی۔

قرآن کریم کا ہر مضمون اسی دعوت کے ارد گرد گردش کرتا ہے اسی کی جگہ جگہ تکرار کی گئی ہے اور یہی ''تذکیر'' اس دعوت کا عمود اور مرکزی نقطہ ہے۔

قرآن اور معلّم قرآن

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم لکھا لکھایا یا مکہ کی کسی پہاڑی پر یا درخت پر نہیں رکھوایا تھا، بلکہ اسے نجماً نجماً حضرت سیدنا محمد (ابن عبداللہ) ﷺ پر نازل فرمایا اور اس نزول کے ساتھ صاحب قرآن اور مہبط وحی الٰہی کا جو منصب تھا۔ اس کا ذکر بھی قرآن ہی میں کردیا گیا۔ یہ کہ:

''درحقیقت اہلِ ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے

ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے۔ اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔"

دنیا کے قدیم و جدید طریقہ تعلیم میں ہر معلم جس کسی کتاب کی تعلیم دیتا ہے تو وہ یہ نہیں کرتا کہ اپنی طرف سے کتاب کی شرح و تفصیل میں کچھ نہ کہے۔ بلکہ کتاب کی اصل عبارت کو دہراتا ہے۔ کتاب کی تعلیم کے معنی ہی یہ ہیں اور یہی تعلیم کی غرض و غائیت ہے کہ معلم جن مقامات کی مناسب سمجھتا ہے شرح کرتا جاتا ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ طلبا اور شاگرد بھی کتاب کے بارے میں استاد سے سوال کرتے ہیں وہ ان کے جواب دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو کتاب و حکمت کی تعلیم کے منصب پر مامور فرمایا تھا۔ اس منصب کی ذمہ داریوں کو حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی کی حیثیت سے انجام دیا۔ حضور کے اس منصب کو ذہن میں رکھ کر نطق رسول کے بارے میں قرآن کا فیصلہ سنیے:

"(یہ نبی) اپنے (نفس کی) خواہش سے کلام نہیں کرتا۔ اس کا کلام تو وحی ہوتا ہے۔"

تلاوت قرآن، تزکیہ نفس اور کتاب و حکمت کی تعلیم وہ فرائض اور ذمہ داریاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو تفویض کی گئی تھیں اور قرآن کریم نطق رسول کو وحی کہتا ہے۔ یعنی جو زبان کتاب اللہ کی تلاوت کرتی تھی۔ وہی زبان کتاب اللہ کی تعلیم بھی دیتی تھی اور قدیم اور جدید طریق تعلیم میں کتاب کی تعلیم سے مراد کتاب کے مضامین کی شرح و تفصیل ہی ہوتی ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے کتاب و حکمت کی جو تعلیم دی وہ بھی وحی الٰہی ہے اور چونکہ کتاب و حکمت کی تعلیم کا فریضہ حضور ﷺ نے نبی ہونے کی حیثیت سے انجام دیا ہے اس لیے وہ منصوص ہے اور اس کی اطاعت امت پر فرض ہے۔

جس اللہ نے قرآن کو نازل فرمایا اور جس ذات گرامی پر نازل فرمایا۔ اسی اللہ نے رسول اللہ ﷺ کے نطق کو وحی الٰہی کہا کتاب و حکمت کی تعلیم اس کو تفویض کی گئی اس کے اسوۂ حسنہ کو معیار حق اور انسانیت کے لیے نمونہ عمل قرار دیا اور اس کی اطاعت کو منصوص ٹھہرایا۔ قرآن کی واضح ہدایت کے بعد جو کوئی سنت رسول ﷺ کو دین میں حجت نہیں مانتا وہ دراصل منصب نبوت کا انکار کرتا ہے اور منصب نبوت کا انکار کفر ہے۔

اس صورت حال کو سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن کریم جن لفظوں میں نازل ہوا ہے۔ یہ الفاظ اگرچہ نطق رسول سے ادا ہوئے ہیں مگر اس میں حضور ﷺ کی کوشش اور ارادے کا کوئی دخل نہیں ہے۔ ایک ایک لفظ وحی ہے مگر احادیث کا معاملہ یہ ہے کہ معانی اللہ کی طرف سے وحی ہوئے ہیں۔ لیکن ان وحی شدہ معانی کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے لفظوں میں ادا فرمایا ہے۔ اس لیے احادیث کو "وحی غیر متلو" کہا جاتا ہے مگر وحی متلو اور وحی غیر متلو دونوں دین میں حجت ہیں۔

قرآن کے ساتھ سلوک

کوئی شک نہیں، قرآن کریم ایک مقدس قانون اور متبرک دستور ہے، جس پر عمل کرنا تو منصوص ہے ہی، اس کا پڑھنا اور سننا بھی ثواب ہے۔ جو اہلِ ایمان قرآن کے معنی جانے بغیر یا ناظرہ سے پڑھتے اور سنتے ہیں وہ بھی ثواب کے مستحق ہیں، مگر قرآن کریم اللہ تعالیٰ نے سمجھ کر پڑھنے، غور کرنے اور عمل کرنے کے لیے نازل فرمایا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے دردمندی کے لہجہ میں فرمایا تھا کہ "دنیا میں سب سے زیادہ مظلوم کتاب "قرآن" ہے کہ مسلمان اسے بے سمجھے پڑھتے ہیں۔"

قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے کلام کی تقدیس کا تصور ذہن و فکر میں جمانا چاہیے، قرآن مجید کی آیتیں ٹھہر ٹھہر کر پڑھنی چاہئیں۔ پورے قرآن کو ایک دن میں بغیر سمجھے ختم کر دینے کے مقابلہ میں ایک رکوع سمجھ کر اور عمل کرنے کی نیت سے پڑھنا زیادہ فائدہ مند ہے۔ جن آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مغفرت کی اور جنت کی بشارت دی ہے ان کو تلاوت کرتے ہوئے زبان سے یا دل ہی دل میں اللہ سے دعا مانگنی اور تمنا کرنی چاہیے کہ اس بشارت کی سعادت ہمیں بھی میسر آجائے۔ جن آیتوں میں عذاب آخرت سے ڈرایا گیا ہے اور عذاب جہنم کا ذکر آیا ہے ان کو پڑھتے وقت خوف و اندیشہ کی کیفیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنی چاہیے۔ دل میں تڑپ، گداز، خلوص، لگن، سوز و درد اور خشیت الٰہی ہو تو قرآن کی تلاوت کے دوران آنکھیں ضرور اشکبار ہو جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جن آیتوں میں اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے ان کی تلاوت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور رات کو سوتے وقت اپنی زندگی کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ قرآن کریم نے اخلاق و نیکوکاری کو جو معیار پیش کیا ہے۔ اس معیار سے ہماری اپنی زندگی کس کس جزئیہ اور مرحلہ میں مطابقت نہیں کرتی۔ اس جائزے اور احتساب کے بعد اس کی پوری پوری جدوجہد کرنی چاہیے کہ ہماری زندگی میں قرآنی اخلاق زیادہ سے زیادہ جھلکنے لگیں...... یہاں تک کہ ہم......

یہ بات کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

کا مصداق بن جائیں۔

قرآن کریم اور ہماری زندگی

ایس جی رانا

☆ قرآن ہی دنیا کی وہ واحد کتاب ہے جو کائنات کے مالک وخالق نے تیئس سال کے عرصہ میں حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اُتاری اور اس کی حفاظت کا ذمہ لیا فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ''یہ ذکر ہم نے نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے حفاظت کنندہ ہیں۔ پھر فرمایا لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ ''یہ پاک کتاب ہے اسے گندے ہاتھوں مت چھوؤ''

آج چودہ سوسال سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہے یہ معجزاتی کتاب نہ بدلی نہ پرانی ہوئی بلکہ ہر روز دنیا کے سامنے سوچ وفکر اور تعمیر وارتقاع کے نئے ابواب کھولتی ہے ترقی کی منازل طے کرواتی ہے۔ ایجادات کا باعث بنتی ہے زمین سے پاتال کی گہرائیوں تک عقدے وا کرتی ہے۔ آسمان کی بلندیوں اور رفعتوں میں نئی دنیائیں تلاش کرواتی ہے۔ یہ عجب کتاب ہے کہ اس میں اور اس کی تعلیمات میں ذرا شک وشبہ نہیں۔ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ۔ یہی وہ کتاب ہے جس نے زندگی کے ہر پہلو کے بارے میں تعلیم دی۔ بولنے کے بارے میں ہدایت فرمائی۔ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا لوگوں سے اچھی بات کہو۔ نرمی اور محبت سے نہ صرف اپنی زندگی آسان بناؤ بلکہ دوسروں کو بھی آسانی دو۔

ناپ تول کے بارے میں فرمایا ''ناپ تول کے وقت اپنے ترازو سیدھے رکھو۔'' اور لوگوں کا نقصان نہ کرو۔ ساتھ ہی ساتھ یہی تعلیم جج اور منصف کے لیے بھی ہے۔ وہ استاد اور گھر کے سربراہ کے لیے بھی ہے۔ فوج وپولیس کے افسران کے لیے بھی ہے۔ عالم دین اور حکمران کے لیے بھی ہے۔ عدل ایک بہت بھاری ذمہ داری ہے۔ فرمایا:

''اے ایمان والو انصاف پر قائم ہو جاؤ۔ اللہ کے لئے گواہی دو خواہ وہ اپنے خلاف ہو والدین یا رشتہ داروں کے خلاف۔'' (النساء:۱۳۵)

دل پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائیے کہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ افسوس! ہم میں تو یہ ہمت ہی نہیں یہ وصف ہی نہیں کہ اپنا آپ سزا کے لیے پیش کریں۔ یا اپنوں کو انصاف کے کٹہرے میں کھڑا کریں۔ آج رسوائی کا خوف اور سٹیٹس سمبل ہماری آنکھوں پر ایک پردہ نہیں بلکہ ذہن پر ہزاروں پردے گرا چکا ہے، ہم دیکھ کر بھی نہیں دیکھتے جان کر بھی نہیں جانتے ہم تو شرالدّواب ہیں جو اللہ کے فرمان کے مطابق جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ یقین جانئے جب نیکی کا حکم دینا اور بدی سے روکنا بند ہو جائے تو عالم و جاہل برابر ہو جاتے ہیں انسان اور حیوان برابر ہو جاتے ہیں۔ ایک اور جگہ فرمایا ''خواہشات کی پیروی نہ کرو۔''

آج بڑے بڑے محلوں جیسے گھر، نوکر چاکر، گاڑیاں نمود ونمائش زر وجواہر کے ڈھیر چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں اے مسلمانو! تم غرض کے بندے ہو تم ہوا وحرص کے بندے ہو۔ تجوریاں بھر رہی ہیں اسلام گھٹ رہا ہے۔ دین سے محبت کم ہو رہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہر امت کا ایک فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔'' سورہ نساء پارہ چار (4) آیت نمبر ترانوے (93) میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اور جس نے کسی مومن کو عمداً قتل کیا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہوگی اور اس کے لیے اللہ نے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے۔ آج اخبار اٹھا کر دیکھ لیں قتل جیسا گھناؤنا جرم ابرو کی ایک ہلکی سی جنبش یا ہوا کے ایک بے وقعت جھونکے کے برابر ہو کر رہ گیا ہے جو انسانی زندگی کی اہمیت اور عظمت کو روند چکا ہے۔ دن رات اکیلے دو کیلے انسان بھی قتل ہو رہے ہیں اور اعلانیہ ظالمین وکافرین بھی نہتے اور کمزور مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل رہے ہیں۔ اپنے آپ کو تہذیب کے ٹھیکے دار کہلانے والے انسانوں کا وہ حشر کر رہے ہیں کہ ہلاکو، چنگیز خان اور ہٹلر بھی شرمائیں۔ بنی اسرائیل کی آیت ہے ''تمہارے رب نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ'' آج مسلمان اللہ کے سامنے صرف دکھ اور تکلیف میں جھکتے ہیں اور ضرورتاً اسے پکارتے ہیں۔ غرض وہوس نے ہزاروں بت تراش رکھے ہیں جو دلوں کے صنم خانوں میں اللہ کے ذکر و فکر سے دور کرتے ہیں والدین تو ان کے نزدیک صرف اشیاء ضرورت بہم کرنے والے کارندے ہیں اولاد ان کا ادب اور حکم کی بجا آوری بھول چکی ہے چہ جائیکہ ان کے آگے ادب سے جھکی رہے آپ اور میں ہزاروں ایسے بچوں کو جانتے ہیں جو آج بڑے بڑے ناموں اور عہدوں سے جانے جاتے ہیں۔ مگر والدین کی ان کی زندگیوں میں کوئی جگہ نہیں کوئی گنجائش نہیں۔

سورہ الحجرات میں فرمایا گیا ''اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو۔'' آج صرف بات اڑانے کا دور ہے اپنے سے دوسرے کو کم سمجھنے کا دوسروں کی ہنسی اڑا کر مزہ لینے کا لیکن ذرا سوچئے یہ وقت تو گزر جائے گا۔ کل کیا ہوگا رب کے سامنے۔ سورہ الحجرات میں ہی ایک جگہ فرمایا گیا ہے ''اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔''

آج مسلمان ایک دوسرے کو لڑانے فتنہ وفساد بھڑکانے کا کام کر رہے ہیں۔ صرف انہیں اپنے دنیاوی فائدے سے غرض ہے دوسروں کی جان مال، آبرو داؤ پر لگے تو لگے انہیں اس سے غرض نہیں، مصلح اور ثالث بننا تو کسی کا مطمع نظر ومقصد نہیں۔

کہنے کو ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ اللہ کا سارا کلام امثال سے بھرا پڑا ہے۔ یہ کلام سراسر حیات کو جلا دیتا ہے زندگی کے راستے ہموار کرتا ہے تکالیف اور دکھ سمیٹتا ہے دین ودنیا سنوارتا ہے۔ بیماریاں رفع کرتا ہے۔ بگڑی بناتا ہے۔ ناؤ ڈوبی تیراتا ہے۔ صرف یقین کامل شرط ہے۔ قرآن پڑھیے اسے سمجھیے، اسے سمجھائیے۔ دیئے سے دیا جلائیے کہ حدیث پاک ﷺ ہے کہ ''جسے علم کا ایک لفظ آتا ہو وہ اسے دوسروں تک پہنچائے'' ❁

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم

پیر غلام رسول شاہد (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)

☆ جس طرح پھول اور پھل اپنے درخت کی پہچان ہوتے ہیں اسی طرح انسان کے اخلاق، اُسکے ایمان اور کردار کے گواہ ہوتے ہیں انسان چونکہ تعقل پسند حیوان ہے اور اپنے خصائل و اعمال کی بنیاد عقل پر رکھنا چاہتا ہے اسلیئے بیشتر دانشوروں بالخصوص مغربی فلسفیوں کی طرح کفار مکہ نے بھی اخلاق کو باطنی طینت اور تطہیر نفس کی بجائے فلسفے اور عقل و علمیت کا حصہ سمجھا۔ یوں مبالغہ آرائی، جھوٹی مسکراہٹ، ہوشیاری، چالاکی، خوشامد، چاپلوسی اور زبانی جمع تفریق سے دوسروں کا دل جیتنے اور انہیں اپنے مطلب پر قائل کرنے کو بہتر اخلاق سمجھتے رہے شاید یہی وجہ تھی کہ انہوں نے حضور سرور کائنات احمد مجتبیٰ ؐ کے اخلاق عالیہ، اُن کی شرافت و صداقت اور رب کریم کی اطاعت اور عبادت کو جنون سمجھا جس کے جواب میں اللہ ربُ العزت نے سورۃ القلم میں اعلیٰ اخلاق کا معیار ہی حضور اقدس کی ذات گرامی کو قرار دے دیا اور فرمایا: ''بیشک حضور سرورِ کائنات اخلاق کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہیں۔'' اور آپ کی حیاتِ مبارکہ کا ہر گوشہ اخلاق حسنہ کی اعلیٰ مثال ہے۔

اخلاق کے حوالے سے یہودی فلاسفر سپائی نوزا نے انسان کو نفس پرست قرار دیتے ہوئے فلسفۂ اخلاق کو انسانی خواہشات اور تحفظِ ذات تک محدود رکھا۔ یوں اُسکا فلسفۂ اخلاق صرف ایک سوال کے گرد گھومتا ہے کہ انسان تحفظِ ذات اور انانیت پسندی کے حوالے سے کمال تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ سپائی نوزا کے نزدیک ایثار و قربانی کے جذبے لغو اور بے معنی ہیں جو انسان صرف اپنی ذاتی تشفی کیلئے استعمال کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ سپائی نوزا کے پیروکار بالخصوص یہود وھنود کی تمام زندگی خود غرضی اور خود ساختہ انانیت کے گرد گھومتی ہے۔

برطانوی فلاسفر جوزف بٹلر جو ایک پادری تھا۔ عقل کو **اخلاق کا مرکز** قرار دیتا ہے۔ اُسکے نزدیک انسانی ذہن **ایک گھڑی کی** مانند ہے جس میں مختلف جبلتیں اور اصول ہیں مگر وہ سب مختلف و متضاد ہونے کے باوجود **آپس میں مربوط** ہیں۔ بٹلر کے نزدیک کوئی بھی خواہش **بذاتِ خود بُری** نہیں ہوتی۔ البتہ اُسکا حد سے تجاوز کرنا برائی ہے۔ اُسکے نزدیک ہر وہ فعل جو فطرت کے مطابق **ہو وہ نیکی** ہے اور ہر وہ کام جو فطرت کے خلاف **ہو وہ برائی** ہے۔ دوسری طرف ڈیوڈ ھیوم کے نزدیک **اخلاقیات کا مرکز** لذت اور خوشی ہے لیکن ڈیوڈ خود ساری عمر **تشکیکی رویہ کا** حامل رہا اور اپنا قطعی نقطۂ نظر مرتے دم تک ثابت نہ کر سکا ہی وہ یہ سمجھا سکا کہ لذت اور خوشی ... اپنی ذات کی خوشی ہے، اپنے کسی چاہنے والے کی یا معاشرے کی؟۔ نتیجتاً آج یورپ کی بیشتر آبادی اخلاقیات کے حوالے سے تشکیک و تذبذب کا شکار ہے بلکہ درست بات تو یہ ہے کہ اندرونی طور پر یورپ کا اخلاقی دیوالیہ نکل چکا ہے۔

جرمن فلاسفر کانٹ فرضیت کے احساس اور عقل کو اخلاق کی بنیاد قرار دیتا ہے اور احساسات کو اخلاقی دنیا سے الگ سمجھتے ہوئے اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ جبکہ اسلام اپنا مکمل، مستقل بالذات اخلاقی نظام رکھتا ہے۔

انسان کے اندر فطری حس بعض صفات کو پسند اور بعض کو ناپسند کرتی ہے البتہ دنیا کے تمام معاشرے جس شے پر متفق نظر آتے ہیں وہ حُسن اخلاق ہے۔

ہر تہذیب و تمدن میں سچائی، عدل و انصاف، عہد کی پاسداری امانت و دیانت، صبر و تحمل، عفو و درگزر، استقلال و بردباری، شجاعت و بہادری، فرض شناسی، وفا شعاری کو ہمیشہ تعریف کا مستحق سمجھا گیا۔ اور جھوٹ، ظلم، قتل و غارت، چوری چکاری، جھوٹ و فریب، مکاری اور عیاری، بدعہدی، بے حیائی، بد نظمی، خود غرضی، سنگدلی، بخل اور تنگ نظری، بے صبری، چھچھورے پن، بزدلی، کم ظرفی، بدتمیزی، کام چوری اور غیر ذمہ دارانہ رویوں کو کبھی اچھی نگاہ سے نہ دیکھا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعلیٰ اخلاق وہ عالمگیر حقیقت ہے جسے قرآن حکیم میں نیک اعمال، ''عمل الصالحات'' کہا گیا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

''نیکی صرف یہ نہیں کہ تم مشرق اور مغرب کیطرف منہ کر لو ہاں اصل نیکی یہ ہے کہ ایمان لایا جائے اللہ اور یومِ آخرت اور فرشتوں اور کتابوں اور پیغمبروں پر۔ اور مال دیا جائے اللہ کی محبت میں اور حق ادا کیئے جائیں اپنے والدین رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں۔ راہ گیروں اور سائلوں کے اور گردنیں چھوڑانے میں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں اور اپنا قول پورا کریں جب عہد کریں، اور صبر والے مصیبت اور سختی میں اور جہاد کے وقت۔ وہی تو ہیں جو صادق ہیں اور متقی ہے۔'' (البقرۃ)

یوں قرآن کی رو سے **اخلاق حسنہ** کی بنیادی تعریف **ایمان اور نیک اعمال یعنی حقوق** کی خوشی کیساتھ ادائیگی ہے۔ **ہر انسان صبح و شام** جو اعمال کرتا ہے ان کا تعلق **یا صرف اپنی ذات** سے ہوتا ہے یا اللہ تبارک و تعالیٰ سے **یا مخلوق خدا** سے انسان کے وہ

افعال جن کا تعلق اُسکی اپنی ذات سے ہو حقوق ذاتی یا حقوق نفسی کہلاتے ہیں وہ افعال جن میں ان کا واسطہ اللہ رب العزت سے ہو وہ حقوق اللہ اور وہ افعال جن کا تعلق معاشرے کے دیگر افراد سے ہو وہ معاملات یا حقوق العباد کہلاتے ہیں۔'' ان حقوق یعنی حقوق نفسی، حقوق اللہ اور حقوق العباد کو انسان جس طریقے اور نہج سے ادا کرتا ہے اسکا نام اخلاق ہے۔'' مثلاً اگر کوئی شخص ان حقوق کی ادائیگی نرمی، خوش اسلوبی اور خوشی سے ادا کردے تو وہ **خوش خلق** کہلائے گا اور اگر کوئی شخص یہ حقوق سختی، درشتی، تنگ نظری، بدسلوکی، کراہت سے ادا کرے یا سرے سے ادا ہی نہ کرے تو وہ بداخلاق اور ظالم ہوگا۔ ہر انسان، خاندان، قوم اور قبیلے کا ان حقوق سہ گانہ کو ادا کرنے کیلئے کوئی طریقہ یا دستور ہوتا ہے۔ یہ دستور جس قدر جامع اور قوم کے ذہنی، جسمانی، قلبی و روحانی مقتضیات کے مطابق اور نقائص سے **پاک** ہو وہ قوم اتنی ہی طاقت ور اور خوشحالی ہوتی ہے **مگر شرط** یہ ہے کہ اُس قوم کے تمام افراد اس دستور کو خوش دلی سے اپنائیں اور اسی کے مطابق زندگی گزاریں۔ جیسا کہ ہم مسلمانوں کا اصل دستورِ زندگی اللہ تبارک و تعالیٰ کی عطا کردہ الہامی کتاب قرآن مجید ہے جو مکمل ترین اور بے نقص دستور ہے۔

ہم مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والوں اور نماز میں

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبٰتُ

پڑھنے والوں کو اس بات کا یقین محکم ہونا چاہیئے کہ اللہ جس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا وہی ہم سب کا رب، مالک اور الٰہ ہے۔ زندگی و موت سب خدا کے ہاتھ میں ہے اس لیے اللہ کی محبت، اطاعت، شکر اور خوف ورجا کو اپنے دل میں بسایا جائے۔ یعنی ان تمام احکام پر کماحقہٗ عمل کیا جائے جو حقوق اللہ، حقوقِ نفسی اور حقوق العباد کے حوالے سے قرآن کریم میں مذکور ہیں۔

قرآن حکیم ہر زمانے کے ہر انسان کیلئے مکمل ضابطۂ اخلاق ہے۔ جس کی بنیاد عقیدۂ توحید و رسالت اور آخرت پر یقین ہے۔ عبادات، معاملات اور حسن معاشرت سب کا محور و مرکز عقیدہ توحید ہے۔ قرآن کی رو سے انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ کی عبادت و بندگی ہے۔ نماز برائیوں سے روکتی اور سلامتی کا خزینہ ہے توزکوٰۃ فلاح و بہبود کی کنجی، روزہ طہارت و تقویٰ اور تزکیۂ نفس کا ذریعہ ہے توحج بیت اللہ شریف روحانی بالیدگی کا ضامن! قانون حلال و حرام، انسان کی حفاظت اور امن و سلامتی کیلئے عطا ہوئے اور حسنِ معاشرت تو نام ہی ایک پر امن اور خوشحال معاشرے کا ہے۔ حقوق نفسی کے حوالے سے حکم الٰہی ہے کہ

وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ

'' کہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو''۔

یعنی اس کی حفاظت کرو نفس کی تربیت تو لازم ہے مگر ہلاکت درکار نہیں! سچائی، صبر و شکر، عفو و درگز، ایثار و قربانی، حسن سلوک، عدل و احسان، امانت و دیانت، ایفائے عہد اور دعوت الی اللہ یعنی اپنی اصلاح کیساتھ اپنے عزیز و اقارب اور معاشرے کی فلاح و اصلاح، اخلاقیات کے اصل ستون ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ

''لوگوں کو دانش و نصیحت یعنی حکمت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ''(سورۃ النحل۔125)

رشتہ داروں، محتاجوں اور مسافروں کو انکا حق ادا کرو اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ کہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا کفران کرنے والا ناشکرا ہے اگر تم اپنے پروردگار کی رحمت کے انتظار میں، جس کی تمہیں امید ہو اُن کی طرف یعنی مستحقین کی طرف توجہ نہ کرسکو تو ان سے نرمی سے بات کہہ دیا کرو اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا کرلو اور نہ بالکل کھول دو کہ ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ''(بنی اسرائیل 26 تا 29)

'' اور جب کوئی چیز ماپ کر دینے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو اور ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو۔ یہ بہت اچھی بات اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت اچھی ہے اور جس چیز کا تجھے علم نہیں اسکے پیچھے نہ پڑ۔ کہ کان اور آنکھ اور دل، ان سب سے باز پرس ہوگی اور زمین پر اکڑ کر نہ چل کہ تو زمین کو پھاڑ تو نہیں ڈالے گا اور نہ لمبا ہو کر پہاڑ تک پہنچ جائے گا ان سب کی برائی تیرے پروردگار کے نزدیک سخت ناپسند ہے''(بنی اسرائیل ۳۵ تا ۳۸)

وَقُلۡ لِّعِبَادِیۡ یَقُوۡلُوا الَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ یَنۡزَغُ بَیۡنَہُمۡ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ کَانَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوًّا مُّبِیۡنًا○

ترجمہ: اور میرے بندوں سے کہہ دو کہ ایسی باتیں کہا کریں جو بہت پسندیدہ ہوں کیونکہ شیطان ان میں فساد ڈلوا دیتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے''(بنی اسرائیل ۵۳)

اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ السَّیِّئَۃَ ط

ترجمہ: اور بری بات کے جواب میں ایسی بات کہو جو نہایت اچھی ہو۔(المومنون ۹۶)

'' اور وہ لوگ جو تم میں صاحب فضل اور صاحب وسعت ھیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ رشتہ داروں اور محتاجوں اور وطن چھوڑ کر جانے والوں کو کچھ خرچ نہیں دیں گے ان کو چاہیئے کہ معاف کردیں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ خدا تم کو بخش دے؟ اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔(النور:۲۲)

وَعِبَادُ الرَّحۡمٰنِ الَّذِیۡنَ یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ ہَوۡنًا وَّ اِذَا خَاطَبَہُمُ الۡجٰہِلُوۡنَ قَالُوۡا سَلٰمًا○

ترجمہ: اور خدا کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی

سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے گفتگو کرتے یعنی الجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو سلام کہتے یعنی کنارہ کش ہو جاتے ہیں (الفرقان:۶۳)

''اور جب بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو ہمارے اعمال اور تم کو تمہارے اعمال۔ تمکو سلام ہم جاہلوں کے خواستگار نہیں ہیں۔ (القصص:۵۵)

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَO

ترجمہ: ''اور اس شخص سے اچھا کون ہو سکتا ہے جو خدا کی طرف بلائے اور عمل نیک کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔'' (حم سجدہ:۳۳)

''مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے، ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں اور عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو۔ ایمان لانے کے بعد برا نام گناہ ہے اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔ اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے کیا تم میں کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے ضرور نفرت کرو گے۔ خدا کا ڈر رکھو بے شک خدا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔'' (الحجرات:۱۱-۱۲)

اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ط اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَۃِ ط

ترجمہ: ''جو صغیرہ گناہوں کے سوا بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں بے شک تمہارا پروردگار بڑی بخشش والا ہے۔'' (النجم:۳۲)

وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

ترجمہ: اور اگر معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو خدا بھی بخشنے والا مہربان ہے۔ (التغابن:۱۴)

حضور نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی مہربانی سے تمہاری افتاد مزاج ان لوگوں کے لئے نرم واقع ہوئی ہے اگر تم تندخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے تو ان کو معاف کر دو اور ان کیلئے مغفرت مانگو اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ کر لیا کرو اور عزم مسمم کر لو تو خدا پر بھروسہ رکھو بے شک اللہ بھروسہ رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (آل عمران:۱۵۹)

پھر لوگوں سے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد ربانی ہے

لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ

ترجمہ: ''تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے مہربان ہیں'' (توبہ:۱۲۸)

سورۃ انبیاء میں ارشاد ہے کہ:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَO

ترجمہ: ''اے محمدؐ! ہم نے تم کو جہان (عالمین) کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔''

بلاشبہ حضور خاتم النبیین رحمت للعٰلمین اور رؤف الرحیم ہیں، مہربان اور نرم رو اور مجسم اخلاق حسنہ!!

آنحضرتؐ کی رحمت و شفقت کے ایک یا دو نہیں سینکڑوں واقعات موجود ہیں۔ سورۃ بقرہ میں اس واقعہ کا حوالہ پیش کیا گیا ہے جب غزوہ تبوک کے مجاہدین کیلئے حضورؐ کی جانب سے سامان جہاد کی فراہمی کی اپیل کی گئی جس سے جو بن پڑا اس نے کیا لیکن منافقین کا رویہ عدم تعاون ہی کا تھا بلکہ اگر کوئی مال لیکر حاضر ہوتا تو منافقین اس کا مذاق اڑاتے۔ مگر حضور سرکار دو عالم کے دہن مبارک سے کسی کے لئے بد دعا نہ نکلی اور وہ صحابی جس کے غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے پر اللہ ناراض ہوا آپؐ نے ان کی قبولیت کے لئے چالیس روز تک اللہ سے گڑگڑا کر دعا مانگی جس پر اللہ رب العزت نے آپؐ کا مومنین پر رؤف رحیم ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ کی ذات گرامی عورتوں مردوں، بوڑھوں بچوں حتیٰ کہ کفار کے لئے بھی رحمت تھی آپؐ تبلیغ دین کے لئے طائف تشریف لے گئے تو طائف کے سرداروں نے آپؐ کی شان میں بے حد درجہ گستاخیاں کیں۔ بستی کے غنڈے آپؐ کے پیچھے پڑ گئے اور آپؐ پر پتھروں کی بارش کر دی نتیجتہ آپ لہولہان ہو گئے۔ مگر اہل طائف کے لئے بد دعا نہ کی!

ہجرت سے قبل جو مظالم آپؐ اور آپؐ کے صحابہ کرام پر اہل مکہ نے ڈھائے ان کو دہرانے ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں مگر فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے سب دشمنوں کو محض اللہ کی رضا و خوشنودی اور دین کی سربلندی اور فروغ کی خاطر معاف کر دیا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ (سورۃ الاعراف:۱۹۹)

ترجمہ: پکڑ درگزر کو اور حکم کر ساتھ بہتر کے اور منہ پھیر لے جاہلوں سے۔

ارشاد ربانی ہے:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْراًO (سورۃ احزاب:۲۱)

ترجمہ: ''تمہارے لئے نبی کریم کی زندگی میں ایک

بہترین نمونہ ہے پس جسے اللہ سے ملاقات اور قیامت پر ایمان ہے تو چاہئے اللہ کا ذکر کثرت سے کرے۔'' اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور سرور کائنات ؐ کی زندگی کو اہل ایمان کے لئے ایک بہترین نمونہ قرار دیا اور یہ بات بھی باور فرمادی کہ انسان کی کامیابی و کامرانی آپ ؐ کے اسوۂ حسنہ پر چلنے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے میں ہے۔ سبحان اللہ کہ کس شان سے ایک مومن کا منشور زندگی صرف ایک آیت مبارکہ میں بیان کردیا گیا مومنین کی زندگی کا اصل دستور عمل قرآن مجید ہے اور حضور سرور کائنات ﷺ چلتا پھرتا قرآن۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے کسی صحابی نے آپ ؐ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا تو جواباً حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا ''کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا''؟ قرآن مجید میں جس قدر اخلاقی صفات اپنانے کا حکم موجود ہے وہ سب اوصاف و فضائل آپ ؐ کی شخصیت اقدس میں بدرجہ اتم موجود تھے اور جن باتوں سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے منع فرمایا ان میں سے کوئی ایک بات شائبہ کی حد تک بھی آپ ؐ کے قریب سے نہ گزری حضور نبی کریم ؐ کا ایک قول مبارک ہے:

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ یعنی اللہ کے اخلاق اپناؤ کیا خوب صورت تفسیر ہے حکم الٰہی کی کہ اللہ کا رنگ اپناؤ

صِبْغَۃَ اللّٰہِ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً وَّنَحْنُ لَہٗ عٰبِدُوْنَ O (البقرۃ:۱۳۸)

ترجمہ:''اللہ کا رنگ اپناؤ اللہ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ ہے اور ہم ان تمام رنگوں اور صفات کا اقرار کرتے ہوئے اسی کے عبادت گزار بندے ہیں''

عفو و درگزر، بخشش و نجات، پرورش و تربیت نرم مزاجی، اچھی اور کھری بات، عدل و احسان رحمت و شفقت! اخلاق عالیہ نہیں تو کیا ہے؟۔ چنانچہ اللہ حکم دیتا ہے عدل و احسان کا قرابت داروں کی دیکھ بھال کا اور منع کرتا ہے بے حیائی۔ منکرات اور ظلم سے پس تعلیم اخلاق، اسلام کی تعریف بھی ہے اور بعثت مبارکہ کا مقصد اولیٰ بھی، چنانچہ اللہ رب العلمین نے آپ کی بعثت مبارکہ کے مقاصد بیان فرماتے ہوئے سب سے بڑھ کر زور ہی تزکیہ نفس یعنی مکارم اخلاق پر دیا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ. (البقرۃ:۱۳۸)

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِيْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ O (البقرۃ: ۱۵۲)

ترجمہ:''اور ہم نے آپ کے لئے آپ ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو کلام پاک کی آیات تلاوت فرماتا، آپکا تزکیہ فرماتا، آپکو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا اور وہ کچھ سکھاتا ہے جو آپ نہیں جانتے پس ہمارا یعنی اللہ کا ذکر کرو اللہ تمہیں یاد رکھے گا اور اللہ کا شکر بجالاؤ اور کفر مت کرو۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ط

''اور ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب یعنی قانون اور میزان کو نازل کیا تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہو جائیں۔''

تیسری جگہ ارشاد ہوتا ہے!

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ O

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کردے خواہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔

چنانچہ بعثت مبارکہ کے بعد تبلیغ کے ابتدائی مراحل ہی میں حضور نبی کریم ؐ نے ایک وفد سے بات چیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا!

اگر تم وہ قبول کرلو جسے میں پیش کررہا ہوں تو اس میں تمہاری دنیا اور آخرت دونوں کی بہتری ہے۔ آپ ؐ کا پیغام اور منشور ہمہ گیر، عالمگیر اور جامعیت سے بھرپور ضابطہ اخلاق ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ کا بنیادی مقصد ہی تزکیہ اخلاق ہے۔ تلاوت کلام پاک، کتاب و حکمت کی تعلیم، ذکر الٰہی اور اللہ کا شکر بجالانا اخلاق حسنہ نہیں تو اور کیا ہے؟ چنانچہ حضور ؐ کی سیرت مبارکہ اخلاق حسنہ ہی کا دوسرا نام ہے اگر یوں کہا جائے کہ تمام آسمانی مذاہب اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے مبعوث کردہ سبھی پیغمبر اخلاق عالیہ کے فروغ کے لئے اس دنیا میں تشریف لائے تو مبالغہ نہ ہوگا اللہ تعالیٰ کو الٰہ واحد ماننا اور اسکی عبادت کرنا عین اخلاق حسنہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو رب الناس، ملک الناس اور الٰہ الناس مانتے ہوئے، اپنی زندگی و بندگی اسی کے نام کردینا ہی اخلاق عالیہ ہے انسان وہی ہے جو اپنے محسن اور منعم حقیقی کو پہچان لے، اسکی قدر کرے اور اس کا شکر بجالائے چونکہ اخلاق کا معنی ہی کسی کا حق خوشی خوشی ادا کرنا ہے لہذا جب حق کی ادائیگی کی بات آتی ہے تو انسان پر سب سے پہلا حق اُسی رب العلمین کی عبادت و بندگی ہے۔

حضور سرور کائنات ؐ نے اپنی بعثت مبارکہ کا مقصد ہی اچھے اخلاق کی تکمیل بتایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ (مجھے بہترین اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ:

فَاِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللّٰهِ ﷺ كَانَ الْقُرْاٰن (نبی اکرم ؐ کا خلق تو سراسر قرآن پاک ہے (مسلم شریف)

فرائض منصبی ہوں، حقوق اللہ یا حقوق العباد، کسی بھی انسان کا کوئی قول فعل یا خیال دائرہ اخلاق سے باہر

نہیں ہوتا کہ اخلاق تو نام ہی انسان کے فضائل و اعمال کا ہے جو اپنے فرائض یعنی اپنے ذمے دوسروں کے حقوق خوشی اور تندہی سے کما حقہ ادا کرے وہ اعلیٰ اخلاق کا مالک اور جو ناک بھوں چڑھائے، حقوق کی ادائیگی میں بخل، کوتاہی یا بے رخی اور غفلت برتے وہ بداخلاق ہوتا ہے۔

اخلاق کے موضوع اور اس کی تعریف پر دنیا بھر کے دانشوروں اور فلسفہ دانوں نے نہ جانے کیا کچھ لکھ ڈالا مگر تربیت نفس اور مکارم اخلاق کا جو سہرا اللہ رب العزت نے آپ ؐ کے سر سجایا وہ کسی اور ذی روح کو نصیب ہوا نہ ہوگا۔

اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیۡم

اپنے پرائے دوست دشمن سب آپ ؐ کی اخلاقی عظمت کی گواہی دیتے ہیں۔ نبوت کے ابتدائی دور میں حضرت ابوذر غفاریؓ کے بھائی آپ ؐکی خدمت حاضر ہوئے تو سب سے زیادہ متاثر وہ آپ ؐ کے اخلاق عالیہ ہی سے ہوئے۔ اسلام کے اس ابتدائی دور میں جب مسلمان حبشہ کو ہجرت کر گئے تو حبشہ کے بادشاہ ہرقل کے دربار میں حضرت جعفر طیار آپ ؐ کی تعلیم کی گواہی آپ ؐ کے سچ بولنے، خونریزی سے منع کرنے، یتیموں کا مال نہ کھانے اور پاک دامنوں پر تہمت نہ لگانے جیسی اعلیٰ اخلاقی صفات سے دی۔

دوسری طرف ابوسفیان جو اس وقت دشمن اسلام تھے انہوں نے بھی اس بات کی شہادت دی کہ آپ ؐتوحید اور عبادت الٰہی کیساتھ پاک، دامن رہنے، سچ بولنے اور قرابتداروں کا حق ادا کرنے کی نصیحت فرماتے ہیں

صفا کی پہاڑی پر دی جانے والی دعوت اسلام کے موقع پر آپ ؐ کا قریش مکہ سے یہ سوال کہ اگر میں یہ کہوں کہ ابھی اس پہاڑی کے پیچھے سے ایک بڑا لشکر آپ پر حملہ آور ہونے کو ہے تو کیا آپ لوگ اس بات کو تسلیم کر لیں گے جواباً سبھی حاضرین نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہاں ہم آپ کی بات سچ مان لیں گے کہ آپ ؐ صادق و امین ہیں اور آپ ؐ نے زندگی بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ یہی صداقت و امانت آپ ؐ کے اخلاقِ عالیہ کی اصل بنیاد ہے اخلاقیات عملی اور اطلاقی فلسفہ ہے۔ جس کا مرکز انسان کا قلب اور بنیادی منبع مذہب ہے۔ اور مذہب کا خاصا یہ ہے کہ اس کے اصول وضوابط کی اساس عقول کی بجائے ’’اَمْـرٌ بِالْمَعْرُوْفِ اور نَہِیُ عَنِ الْمُنْکَرْ ‘‘ ہے۔ یوں اعلیٰ اخلاق ایمان کی بنیاد پر کی گئی نیکی کا نام ہے اور بداخلاقی، مذہب سے بیگانگی اور شرپسندی کا نام۔

اعلیٰ اخلاق تقویٰ کی معراج ہے اور بداخلاقی فسق و فجور کی نمائندہ! من حیث الفرد ہو یا من حیث القوم، جب تک معاشرے کے افراد کا اخلاق اچھا نہ ہو ایک ایسا معاشرہ قائم ہو ہی نہیں سکتا جو راحت و سکون اور امن و سلامتی اور خوشحالی کا مظہر ہو۔

آپ کو اللہ اَحۡکَمُ الۡحٰکِمِیۡنَ نے کیا کیا فضل و کمال بخشے اسکا اندازہ صرف اس بات سے لگا لیں کہ قرآن حکیم میں آپ کو ۱۰۲ صفاتی ناموں سے یاد فرمایا گیا اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَکَانَ فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکَ عَظِیۡمًا ۝

یعنی آپ ؐ پر اللہ جل شانہ کا فضل عظیم ہے اور کیوں نہ ہو کہ آپ کی شان اخلاق اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیۡم ہے۔ یعنی آپ کا اخلاق حمیدہ اتنا اعلیٰ ہے کہ آپ کو اخلاق جمیلہ کی تمام صفاتِ خیر پر تسلط حاصل ہے آپ ﷺ رحمتہ للعلمین، آپ ﷺ شفیع المذنبین، آپ ﷺ افضل الانبیاء، سید المرسلین اور سردار السالکین ہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم مسلمان جن کے لئے حضور اقدس کو اسوۂ حسنہ یعنی اخلاق حسنہ کا مکمل نمونہ بنا کر بھیجا گیا آپ ؐ کی اطاعت اور اتباع کے حوالے سے کہاں کھڑے ہیں؟ لہذا آپ ؐ کے امتی ہونے کے ناطے سے فرقہ واریت، وعدہ خلافی، جھوٹ، تکبر، انا پسندی، بخل، عیب جوئی اور غیبت وغیرہ کا تو ایک مسلمان مومن و مومنہ کیساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں ہونا چاہئے! جس کے اخلاق عالیہ بہترین ہونگے اسے اتنا ہی قرب الٰہی اور معرفت وحکمت نصیب ہوگی اور اپنے رب کی معرفت وحکمت کے بغیر انسان کو نہ اللہ کی نعمتوں کی قدر ہوتی ہے اور نہ ہی اپنے خالق و مالک کی۔ اس لیے ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے محسن و منعم حقیقی کو پہچانتے ہوئے اسی کے فرمانبردار اور شکر گزار بندے بن جائیں اور اپنے پیارے رسول کریم سرکار دو عالم، فخر موجودات، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اخلاق عالیہ اپنائیں جو سچائی، ایمانداری، قوت برداشت، تدبر و فراست، ثابت قدمی، جرأت و بہادری، حیا، خوفِ خدا، عفوو درگزر، رحمدلی، زہد و تقویٰ، سادگی، شفقت، صلح پسندی، ضبط و صبر، طہارت و پاکیزگی، عدل وانصاف، قناعت و فیاضی، نرم مزاجی، وعدے کی پابندی، ہمدردی الغرض ہر اس خوبی سے مزین تھے جو اللہ کو پسند ہے۔

بَلَغَ الۡعُلٰی بِکَمَالِہٖ
آپ ﷺ اپنے کمال کے سبب بلندی پر پہنچے
کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ
آپ ﷺ نے اپنے جمال سے اندھیروں کو دُور کر دیا
حَسُنَتۡ جَمِیۡعُ خِصَالِہٖ
آپ ﷺ کی تمام تر خصائل نہایت حسین ہیں
صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ
آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر درود وصلوات ہو
(شیخ سعدیؒ)

نعتِ رسُول ﷺ کی اہمیت

حکیم محمد سعید

☆ دنیا میں کوئی الہامی کتاب ایسی نہیں ہے جس کے بارے میں یہ دعویٰ اس کے ماننے والے بھی کرسکیں کہ وہ تحریف و تغیر سے محفوظ ہے۔ اور آج جو اوراق اس کے موجود ہیں بعینہ وہی اور بالکل وہی ہیں جو آسمان سے نازل ہوئے تھے۔ البتہ قرآن ایک ایسی الہامی کتاب ہے کہ اس چودہ سو سال کی طویل مدت میں خود اغیار و اجانب و اعداً کا اعتراف ہے کہ اس کے ایک حرف، ایک نقطے اور ایک شوشے میں بھی کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ آج جو قرآن دنیا میں موجود ہے، بالکل وہی ہے جو خُدا کی طرف سے جبریلِ امینؑ کی وساطت سے سرورِ کائنات ﷺ پر نازل ہوا تھا، وہ ہر تحریف سے پاک اور ہر تغیر سے ناآشنا ہے۔

اسی طرح دنیا میں کوئی نبی اور کوئی رسول ایسا نہیں ہے، جس کی زندگی کے شب و روز پوری تفصیل اور صحت و استناد اور جزئیات تک کے استقصاً کے ساتھ موجود ہوں۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی امتوں کے پاس کوئی کتاب ایسی نہیں ہے، جس میں ان انبیاء کے حالات و سوانح جامع و مکمل طور پر نہ سہی، مختصر اور مجمل طور پر سہی، مرتب اور محفوظ ہوں۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ کوئی ایسی کتاب بھی نہیں ہے، جس میں مذکورہ انبیاء کی حیاتِ گرامی کا کوئی ایک دن بھی ضروری تفصیلات کے ساتھ موجود ہو۔ بلکہ میں ایک قدم اور آگے بڑھتا ہوں اور دعویٰ کرتا ہوں کہ کوئی ایک ایسا واقعہ بھی نہیں ہے جسے سندِ مسلسل کے ساتھ پیش کیا جا سکے، اور جس کی صحت شک و شبہ اور اختلاف و نزاع سے بالاتر ہو۔ ہاں محمد عربی ﷺ کی حیاتِ گرامی کا ایک ایک حادثہ، آپ ﷺ کی گفتار و کردار، اَمر و نہی، وضع و طریق اور اعمال و اقوال کا پورا مجموعہ بلا شائبہ ریب و شک سندِ مسلسل کے ساتھ موجود ہے۔ اور ہر طرح کے اختلاف و نزاع سے بالا تر ہے، جس کی صحت و صداقت وہ لوگ بھی تسلیم کرتے ہیں، جو نہ اسلام کو دینِ الٰہی تسلیم کرتے ہیں نہ آپ ﷺ کو نبی برحق! قرآن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ چنانچہ خدا نے اس کی حفاظت کی، وہ آج تک موجود ہے اور ہمیشہ موجود رہے گا۔

رَسُولِ کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو اللہ تعالیٰ نے اسوۂ حسنہ قرار دیا۔ اس اسوۂ حسنہ پر عمل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ پوری صحت و تفصیل کے ساتھ نظر کے سامنے موجود نہ ہو۔ پس لازم تھا کہ آپ ﷺ کی زندگی کے شب و روز پوری تفصیل، جامعیت اور صحت کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائیں۔ نیز آپ ﷺ کے اعمال و اقوال کا ایک ایک گوشہ اور ایک ایک لفظ نظر سے اوجھل نہ ہونے پاتا، تاکہ اِس نقشِ قدم کی پیروی طالبانِ حق و صداقت کے لیے دُشوار نہ رہتی، آسان ہو جاتی۔ آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ سب کے سامنے ہے۔ اور وہ باآسانی معلوم کرسکتا ہے کہ آپ ﷺ کی عبادت و ریاضت کا کیا عالم تھا؟ دوستوں کے ساتھ کیا سلوک اور دشمنوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ سالارِ فوج اور فاتح کی حیثیت سے آپ ﷺ کی شخصیت کیا تھی؟ گھر کے باہر اور گھر کے اندر آپ ﷺ کے اشغال کیا تھے؟ عزیزوں کے ساتھ، رشتے داروں کے ساتھ، پڑوسیوں کے ساتھ، گستاخوں اور نافرمانوں کے ساتھ، جانثاروں اور فدا کاروں کے ساتھ، بوڑھوں کے ساتھ، بیویوں کے ساتھ، بیٹی کے ساتھ، بھائی کے ساتھ، نواسوں اور نواسیوں کے ساتھ، ہم جلیسوں اور ہمدموں کے ساتھ آپ ﷺ کا رویہ کیا تھا؟ اور یہ سب چیزیں اسی وقت معلوم ہوسکتی ہیں کہ جب آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ پیشِ نظر ہو۔ اور اس اسوۂ حسنہ کو دیکھ کر آپ ﷺ کے جمالِ جہاں آرا کا ایسا منظر نظر کے سامنے آتا ہے کہ زبان پر بے ساختہ نعت و تحسین کا ترانہ جاری ہو جاتا ہے۔

دُنیا کے اس سب سے بڑے شخص کی نعت، جو حقیقی اور صحیح معنوں میں انسان کامل تھا، خود اس کے پیدا کرنے والے نے بھی کی ہے، اور افلاک پر فرشتوں کو اور زمین پر انسانوں کو اس کی نعت کا حکم دیا اور اس کی تاکید کی ہے۔ قرآن کریم میں وارد ہوا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ط يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (الاحزاب: ٥٦)

قرآن کریم کی اس صاف اور واضح نعت کے بعد نعتِ رسول ﷺ کی اہمیت پر مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں نعتِ رسول کریم ﷺ کا آغاز عہدِ نبوی ﷺ ہی میں ہو گیا تھا، اور وہ بھی یک بیک اور بے ساختہ ہجرت کر کے جب آپ ﷺ یثرب میں وارد ہوئے تو انصارِ مدینہ کی معصوم لڑکیوں کی زبان پر یہ بول

اشعار کی صورت میں جاری تھے:

طلع البدر علینامن ثنیّات الوداع

وجب الشکر علینا مادعاللہ داع

ایھا المبعوث فینا جئت بالامر

المـــــطـــــاع

مجھے یہ عرض کرنے میں باک نہیں کہ یہ معصوم بول درحقیقت الہامی تھے۔ ورنہ معصوم اور کم سن لڑکیوں کی زبان پر موزوں ہوکر وہ الفاظ کیسے آسکتے تھے، جن میں ایک طرف بھرپور جوشِ عقیدت ہے اور دوسری طرف اتنی حقیقت اور صداقت کہ اس وقت تک کی ہر زبان کی ساری نعتوں کا نچوڑ اس میں آگیا ہے۔

پھر شاعرِ رسول ﷺ حضرت حسّان بن ثابت کے نعتیہ قصائد ہیں جن کا ایک ایک حرف سراپائے رسُول ﷺ کا مرقع ہے۔

رسُول اللہ ﷺ سے محبت اور عقیدت ایمان کا لازمی حصہ ہے اور اسی محبت اور عقیدت کا اظہار نعت ہے۔ ہر دور میں اور ہر زمانے میں تقریباً ہر زبان میں نعت گوئی کا سلسلہ جاری رہا۔ نعت سلطانوں اور شہر یاریوں کی مدح نہیں ہے۔ یہ ذکرِ جمیل ہے اُس رسول جلیل ﷺ کا جس پر نبوت ختم ہوگئی۔ اور جس نے اس زمانے میں جب دنیا سوائے نظامِ شہریاری کے کسی دوسرے نظام کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھی، شُورائی طرزِ حکومت کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ جب شاہی سے لے کر وزارت تک کا وراثت کا چلن تھا۔ اُس نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا۔ اور یہ امرامت کی صواب دید پر چھوڑ دیا۔ جب اسیرانِ جنگ میں سے مردوں کا غلام اور عورتوں کو باندی بنالیا جاتا تھا، اس نے صاحب استطاعت پر فدیہ عائد کیا اور غیر مستطیع کو پروانۂ آزادی عطا فرمایا۔ جب دنیا میں عورت ماں کی حیثیت سے، بہن کی حیثیت سے، لڑکی کی حیثیت سے، بیوی کی حیثیت سے ترکے اور ورثے میں کوئی حق نہیں رکھتی تھی، اور اس سے ننگِ انسانیت سلوک کیا جاتا تھا، آپ ﷺ کی دی ہوئی شریعت نے، جہاں تک انسانی حقوق کا تعلق تھا، دونوں صنفوں کو ایک سطح پر لا کھڑا کیا۔ عورت کو وراثت میں حصہ دیا، اسے خلع کا حق دیا، نکاح کی قبولیت کے لیے اس کی منظوری لازم کردی، اسے اپنی ذاتی املاک و جائداد کا مالک تسلیم کیا، اس کی انفرادیت اور شخصیت کا تحفظ کیا۔ جب غلاموں کو جانوروں سے بدتر سمجھا جاتا تھا تو اس کی شریعت نے غلاموں کو صرف انسانی حقوق ہی نہیں دیے بلکہ تدریجی طور پر نظام غلامی ختم کرنے کا بندوبست کردیا۔ غلام کو آزاد کردینے کے لیے اجروثواب کی بشارت دی، گناہوں کے کفارے میں غلاموں کی آزادی کو ضروری قرار دیا۔ جسمانی مشقت میں مالک کو بھی غلام کا ہاتھ بٹانے کا حکم دیا، غلاموں کے ساتھ بدزبانی کی ممانعت فرمائی۔ حکم دیا جو خود کھاؤ وہی انہیں کھلاؤ، جو خود پہنو وہی انہیں پہناؤ۔ جب مجد و شرف کی بنیاد خاندان اور حسب و نسب تھا آپ ﷺ نے اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰکُمۡ فرما کر اس طلسم کا خاتمہ کردیا۔ جب بڑوں کے لیے کسی جرم و معصیت پر احتساب کا رواج نہ تھا۔ اور چھوٹوں کے لیے معمولی خطائیں بھی برقِ جاں سوز کی حیثیت رکھتی تھیں، اُس نے عدل میں مساوات کا چارٹر ان الفاظ میں دیا "بخدا اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرے گی تو اسے قطع ید کی سزا دی جائے گی!" جب انسانی اور بنیادی حقوق کا کوئی منشور عالم خیال میں بھی وجود پذیر نہیں تھا، اس نے انسانی اور بنیادی حقوق کا پروانہ دکھی انسانیت کو عطا فرمایا۔ اور جب دنیا سے رخصت ہونے لگے تو پوچھا:

"عائشہ وہ جو سونا میں نے تمہارے پاس رکھوایا تھا اس کا کیا کیا؟"

حضرت عائشہؓ نے جواب دیا، "رکھا ہے!"

فرمایا: "عائشہ کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں اپنے رب سے اس حال میں مِلوں کہ وہ مجھ سے بدگمان ہو؟ اسے ابھی تقسیم کردو مستحقین میں!"

اور جس کا اپنی چہیتی بیٹی فاطمہؓ کے ساتھ، کہ جسے حسب روایت حضرت عائشہؓ "سیدۃ النساء العالمین" کا خطاب حاصل تھا، سلوک یہ تھا کہ جب چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے تو انہوں نے ایک خادم کی درخواست کی۔ اس درخواست کے جواب میں خادم دینے کی بجائے یہ فرمایا:

"کیا میں تمہیں اس سے بھی اچھی چیز نہ عطا کردوں؟" یہ کہہ کر چند دعاؤں کی تلقین فرمادی...... یاد رہے کہ جواب یثرب کے مہاجر کا نہ تھا فاتحِ مکہ کا تھا! جس کی سیرت یہ ہو، بلکہ حضرت عائشہؓ کے الفاظ میں جس کی سیرت قرآن کا پرتو ہو، حق یہ ہے کہ ان کی نعت میں جن و بشر شب و روز منہمک رہیں۔ میں اختتام اس خدائی نعت پر کرتا ہوں۔

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِکَتَهٗ يُصَلُّوۡنَ عَلَى النَّبِيِّ ط يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَيۡهِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا ۝ (الاحزاب:۵۶)

اور اگر ضروری ہے کہ میں کوئی نعتیہ شعر بھی پیش کروں تو اقبال کے دو اشعار پر ختم کرتا ہوں۔

کجا بینی جہانِ رنگ و بُو آں کہ از خاکش بروید آرزُو

یا ز نورِ مصطفیٰؐ او را بہاست یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است

یہ سب تمہارا کرم ہے آقا ﷺ

محترمہ اُمِّ کلثوم خان

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا ○ (الاحزاب:۲۱)

☆ ''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔ ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے''

اسوۂ حسنہ سے مراد نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ ہے جو آپ نے بعثت کے بعد بحیثیت رسول اللہ بسر کی۔ آپکی اس زندگی کو اللہ نے اہل ایمان کے لیے اسوہ حسنہ اور بہترین زندگی کا نمونہ فرمایا ہے۔ قرآن پاک میں سورۃ ''القلم'' میں ارشاد ربانی ہے ''وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ'' ''اور بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو'' خلق لغت میں دو حرفی مفہوم رکھتا ہے طینت باطنی اور ظاہری سیرت اصطلاح عقلاء میں خلق وہ ملکہ نفسی ہے کہ جسے وہ ملکہ حاصل ہو اس کے لیے اچھے کام کرنا آسان ہو جاتا ہے اچھائی اور نیکی کو دل اور دماغ میں راسخ اور جاگزیں ہو جانے کے لیے طویل محنت اور ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے۔ خلق ایسی ہی کیفیت راسخہ کا نام ہے جس کی بنا پر اچھے کام سہولت سے سرزد ہو سکتے ہوں۔ حدیث قدسی ہے۔ کہ اگر تمہیں اطلاع دی جائے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل گیا ہے تو مان لو اور اگر تمہیں بتایا جائے کہ کسی مرد نے اپنی عادت چھوڑ دی ہے تو نہ مانو اگر اللہ چاہے تو اخلاق کو تبدیل فرما دے۔ دراصل انسانوں کی دو قسمیں ہیں۔ 1: جن کی عادت پختہ ہو چکی ہو اس کو کلی طور پر زائل کرنا مشکل ہے۔

تاہم مسلسل محنت اور ریاضت سے ان کا ازالہ کیا جا سکتا ہے۔ 2: جن کی عادتوں کی جڑیں گہری نہ ہوں اگر وہ لوگ محنت سے کام لیں۔ صالحین کی صحبت اختیار کریں تو وہ اچھے اخلاق جو کمزور ہوں وہ قوی ہو سکتے ہیں اور برے اخلاق جو قوی ہوں وہ کم بلکہ ختم ہو سکتے ہیں۔ انبیاء کرامؑ و مرسلین کا کام رشد و ہدایت تعلیم و تربیت اور تزکیہ اخلاق ہے۔ اگر اخلاق میں تبدیلی ناممکن ہوتی تو یہ مبعوث ہی کیوں ہوتے؟۔ حدیث شریف میں تعلیم امت کے لیے یہ دعا آئی ہے۔ ''اے اللہ مجھے بہترین اخلاق کی ہدایت فرما کہ بہترین اخلاق کی ہدایت تیری ہی عنایت ہے۔'' اور برے اخلاق کو مجھ سے دور فرما کہ ان کا دور کرنا تیرا ہی کام ہے۔''۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جو ارفع و اعلیٰ اوصاف دیگر انبیاء میں فرداً فرداً پائے جاتے تھے وہ سب مجموعی طور پر اللہ کے حبیب ﷺ میں پائے گئے خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ''كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ'' یعنی قرآن ہی آپ ﷺ کا اخلاق ہے۔

آپ نے دنیا کے سامنے محض قرآن کی تعلیم ہی پیش نہیں کی بلکہ خود اس کا نمونہ بن کر دکھایا۔ نبوت و رسالت کی گراں بار ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے اللہ نے آپ ﷺ کو صبر، حلم، عفو و درگذر، شجاعت واستقامت، جود و سخا، عدل وانصاف، صداقت و امانت اور حسن معاشرت جیسے اوصاف حمیدہ ودیعت کر رکھے تھے۔ جو تبلیغ دین کا صحیح فریضہ ادا کرنے کے لیے انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔

حلم کا معنی یہ ہے کہ جب طیش دلانے والے اسباب پائے جائیں تو باوقار طریقے سے ان پر قابو پایا جائے۔

عفو و درگزر معاف کرنے کو کہتے ہیں۔ صبر کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ مصائب وآلام میں آہ و فغاں نہ کرنا اپنے آپ کو نیک کاموں کا پابند بنانا برے کاموں سے روکے رکھنا اور اپنے اندر اعلیٰ درجے کی قوت برداشت پیدا کرنا۔ نبی اکرم ﷺ تمام جہانوں کے لیے سراپا رحمت بن کر آئے آپ کی انتہائی آرزو یہ ہوتی کہ کفار و مشرکین ایمان کی دولت سے مالا مال ہو جائیں اور جہنم کے دائمی عذاب سے نجات پا کر جنت کی لازوال نعمتوں کے مستحق بن جائیں۔ لیکن جب انکار اور شدید مذمت کا مظاہرہ ہوتا تو آپ کے قلب اطہر کو شدید صدمہ پہنچتا اس کے باوجود آپؐ سلسلۂ تبلیغ جاری رکھتے اور اللہ کی طرف سے ارشاد ہوتا۔ !فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ''ترجمہ تم صبر کرو جیسے اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔''

مشرکین آپ کو جادوگر، کاہن، مجنوں اور شاعر کہتے جور و جفا کی آندھیاں چلتی رہیں، جہالت اور بدتمیزی کے طوفان اٹھتے رہے، کفار و مشرکین آپ ﷺ کی ذات کو نشانہ ستم بناتے رہے، صحابہ پر ظلم کے پہاڑ توڑتے رہے، گالیاں دیتے رہے، طعن و تشنیع کرتے رہے حتیٰ کہ پتھر برساتے رہے لیکن آپ نے اُف تک نہ کی۔

طائف کا قصہ اور فتح مکہ کے موقع پر آپ کا قریش کو معاف کر دینا عفو و درگذر کی بہترین مثال ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اے قریش! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے بارے میں کیا فیصلہ

کرنے والا ہوں ۔زندگی میں پہلی مرتبہ سچ ان کی زبان پر آیا اور بیک آواز بولے وہی جو ایک بہترین بھائی اور بہترین بھتیجے کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ ''رحمت اللعالمینؐ نے فرمایا ''جاؤ تم سب آزاد ہو'' اس خلق عظیم نے ان کے دلوں کو فتح کر لیا۔اور وہ سب مسلمان ہو گئے۔

آپ ﷺ میں شجاعت واستقامت بدرجہ اُتم موجود تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت پر آپ ﷺ کو کامل بھروسہ اور ناقابل شکست اعتقاد تھا۔ابو طالب کے پاس قریش کا آنے اور آپؐ کو دین کی مخالفت سے منع کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا ''بخدا'' اگر میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لاکر رکھ دیں تو بھی میں دعوت اسلام کو ترک نہ کروں گا''۔

ظالم وجابر اور پیکر تکبر ورعونت سرداران قریش کے سامنے اعلی الاعلان دین اسلام کی دعوت دینا اور ان کے عقائد کی مخالفت کرنا انتہائی جرات وشجاعت کا کام ہے۔ ''نجد کی طرف جہاد سے واپسی پر حضور ﷺ ایک درخت کے نیچے استراحت فرما رہے تھے کہ ایک کافر غورث بن حارث نے آپ ﷺ کی تلوار اٹھالی اور للکارتے ہوئے کہا تم کو اب میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ مجھے بچائے گا۔ یہ سن کر غورث پر ہیبت طاری ہو گئی اور اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اس پر آنحضرت ﷺ نے تلوار اٹھاتے ہوئے بڑے باوقار لہجے میں اُسے کہا کہ اب تمہیں بچانے والا کون ہے؟ غورث پر کپکپی طاری ہو گئی اور اس نے گڑگڑاتے ہوئے کہا کہ آپ ﷺ تو حلم وصبر کے پیکر اور معاف کرنے والے ہیں آنحضور ﷺ نے اُسے محض اللہ واسطے معاف فرما دیا۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ فوراً مسلمان ہو گیا۔''

جود وسخا یعنی بغیر کسی عوض اور غرض کے عطا کرنا یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے یا پھر اللہ کے بعد اس کے حبیب ﷺ کی۔ آپ ﷺ کی خدمت میں اگر کوئی سوالی آتا تو انکار نہ فرماتے۔ جو موجود ہوتا عطا فرما دیتے اور اگر نہ ہوتا تو شائستہ زبان میں معذرت کر لیتے یا قرض لے کر اس کی حاجت پوری کر دیتے آپ ﷺ کے پاس جو بھی ہدیہ اور نذرانہ آتا سب کا سب صدقہ اور خیرات کر دیتے۔

عدل وانصاف میں آپ ﷺ بے نظیر مقام رکھتے تھے اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی ذات اقدس انصاف وعدالت کا معیار ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

حنین کا مال غنیمت تالیف قلوب کے لیے قریش اور دیگر قبائل عرب کو دیا گیا انصار کو کچھ نہ دیا جسے انصار کے بعض افراد نے شدت سے محسوس کیا۔حضور ﷺ نے انہیں طلب فرمایا اور مخاطب ہوئے کہ اے گروہِ انصار کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ لوگ بکری اور اونٹ لے کر جائیں اور تم رسول اللہ ﷺ کو اپنے گھر لے جاؤ۔؟

''اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔اگر لوگ ایک راستے پر چلیں اور انصار دوسرے راستے پر چلیں تو میں انصار کی راہ چلوں گا۔اے اللہ انصار پر ان کے بیٹوں اور پوتوں پر رحم فرما''۔ یہ سن کر انصار پر رقت طاری ہو گئی۔اور فرطِ مسرت سے ان کی آنکھیں اشک بار اور داڑھیاں تر ہو گئیں۔انہوں نے بیک زبان کہا ہم آپ ﷺ کی تقسیم پر راضی ہیں، اور اس پر خوش ہیں کہ آپ ﷺ ہمارے حصے میں آ گئے۔

نبی اکرم ﷺ کے اخلاق عظیمہ اور شمائل جمیلہ کا یہ بہت ہی مختصر تذکرہ ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ جس کے خلق کو اللہ تعالیٰ عظیم فرمائے اسے کوئی انسان کما حقہ بیان ہی نہیں کر سکتا۔

غزوۂ بدر کے موقع پر مجاہدین کی صفیں سیدھی کی جارہی تھیں حضرت سواد بن غفیہؓ صف سے کسی قدر آگے نکل کر کھڑے ہوئے حضور ﷺ نے ان کے سینے پر چھڑی سے سیدھا ہونے کے لیے فرمایا! سواد! 'سیدھے ہو جاؤ'۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے مجھے تکلیف دی اللہ نے آپ ﷺ کو حق وعدل کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے مجھے بدلا دیجئے۔صحابہ کرام حیران رہ گئے کہ اس وقت زندگی اور موت کا سوال ہے یہ بدلا لینے کا کونسا وقت ہے۔ مسلمان تو آقائے دو جہاں ﷺ کے قدموں میں جان قربان کرنے کو سب سے بڑی سعادت سمجھتے ہیں اور یہ سواد بدلا لینے کی بات کر رہے ہیں۔جب کہ انہیں فوجی ڈسپلن برقرار رکھنے کے لیے کہا گیا اذیت پہنچانا مقصد نہ تھا لیکن یہ دیکھ کر صحابہ کرامؓ کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ حضور ﷺ نے اپنا گریبان کھول کر سینہ ننگا کر دیا اور فرمایا کہ سواد آؤ اور بدلا لو۔حضرت سوادؓ آگے بڑھتے ہیں اور آپ کے سینے سے لپٹ جاتے ہیں انہوں نے عرض کیا حضور ﷺ حالات آپ کے سامنے ہیں زندگی کا پتہ نہیں میں نے سوچا دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے آپ کی جسد مبارکہ سے اپنا جسم مس کر لوں۔محبت وعشق کا یہ منظر دیکھ کر مسلمان تو مسلمان فرشتوں پر بھی رقت طاری ہو گئی حضرت سوادؓ کا کہا سچ ثابت ہوا اور وہ شہید ہو گئے۔

نبی اکرم ﷺ کی زبان اقدس کا یہ اعجاز ہے کہ اس سے ہمیشہ سچ اور حق ہی صادر ہوا۔ آپ ﷺ کی صداقت نبوت کی دلیلوں میں سے ہے آپ کی صداقت وہ حقیقت مسلمہ ہے کہ آپ کے بدترین

دشمن بھی اس سے انکار نہ کر سکتے تھے۔ جب آپ ﷺ کا مکتوب گرامی قیصرِ روم کے پاس پہنچا تو اتفاقاً ابوسفیان بھی شام میں تھے قیصر روم نے انہیں بلا کر سوال کیا کہ کیا تم دعویٰ نبوت سے پہلے انہیں جھوٹ کا الزام دیا کرتے تھے۔؟ ابوسفیان نے ''کہا'' نہیں۔ قیصر نے کہا یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ لوگوں کے بارے میں جھوٹ نہ بولیں اور اللہ کے بارے میں جھوٹ کہیں۔ ہجرت مدینہ کے وقت بھی آپ ﷺ کے پاس مشرکین کی امانتیں موجود تھیں جو بعد میں حضرت علیؓ نے مالکوں کے سپرد کیں۔

نبی اکرم ﷺ نے اس وقت درس مساوات دیا جب دنیا کے کسی گوشے میں اس کا تصور نہ تھا آپ ﷺ نے غلاموں کے بارے میں فرمایا یہ تمھارے بھائی ہیں۔ اللہ نے تمھیں ان کا مالک بنایا ہے لہٰذا جو تم کھاؤ انہیں کھلاؤ اور جو تم پہنو انہیں بھی پہناؤ۔ انہیں ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دو اگر کسی ایسے حکم کا کام دو تو ان کی امداد کرو۔

غزوۂ احد میں بنو دینار کی ایک عورت کا شوہر باپ اور بھائی شہید ہو گئے صحابہؓ نے جب انہیں بتایا تو اُس نے پوچھا حضور ﷺ کا کیا حال ہے۔ صحابہؓ نے فرمایا خیریت سے ہیں اس مقدس خاتون نے کہا مجھے حضور ﷺ کی زیارت کراؤ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہی اس نے کہا کہ آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت چھوٹی ہے۔ مولا کریم ہمیں بھی ایسی محبت اور اخلاق عظیمہ کی توفیق نصیب فرمائے آپ ﷺ کے اخلاق و الطاف نے دلوں کی دنیا فتح کی غیروں کو اپنا بنایا اور اپنوں کی محبت اور عقیدت کو معراجِ کمال تک پہنچادیا۔ نبی اکرم ﷺ کے خوان کرم سے کس کو حصہ نہیں ملا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو صداقت، حضرت عمر فاروقؓ کو حکمت و عدالت، حضرت عثمان غنیؓ کو سخاوت، حضرت علیؓ کو شجاعت، یاران نبیؓ کو صحابیت، حضرت ابن عباسؓ کو فقہاہت، حضرت ابو ہریرہ کو حافظہ اور ہم تمام مسلمانوں کو دولت ایمان اور امت رسول ہونے کا شرف آپ ہی کی بارگاہِ رسالت سے عطا ہوا۔

یہ سب تمہارا کرم ہے آقا
کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

حقیقت یہ ہے کہ تمام مخلوقات کو نعمت وجود آپ ہی کے طفیل سے ملی۔ قیامت کے دن تمام مسلمان آپ ﷺ ہی کی شفقت و شفاعت کے فیضان کے منتظر ہوں گے اور آپ ﷺ ہی سب کو آب کوثر سے سرفراز فرمائیں گے اللہ ہم سب مسلمانوں کو اپنے نبی محمد ﷺ کی طریقت اور شریعت اور اسوۂ حسنہ کو اپنانے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ دین کی سمجھ بوجھ اور شعور قرآن نصیب فرمائے، اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے اے اللہ نبی اکرم ﷺ پر ان گنت بے حساب درود و سلام بھیج اور ہم سب کو سچی پکی محبت اور دائمی ساتھ اپنے نبی ﷺ کا عطا فرما۔ فیضان رسول ﷺ سے ہمارے قلوب کو منور فرما اور نور محمدی ﷺ کے طفیل روشن پیشانیوں کے ساتھ اپنے حضور پیش ہونے کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ تو اور تیرا رسول ﷺ ہم سب مسلمانوں سے راضی اور خوش ہوں اور ہمارے ساتھ خیر کا معاملہ فرما۔ (آمین ثم آمین یارب العالمین) ۞

تو غنی از ہر دو عالم مَن فقیر
روزِ محشر عُذر ہائے مَن پذیر
گر تُو می بینی حِسابم ناگزیر
از نگاہِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پنہاں بگیر

نبی اکرم ﷺ کا اندازِ تعلیم و تربیت اور انسانی نفسیات

جنید احمد ہاشمی

☆ اسلام کے اولین مخاطب وہ لوگ تھے جو ایک طویل عرصے سے پیغمبرانہ دعوت و تعلیم سے بے بہرہ چلے آ رہے تھے۔ اس صورت حال کو قرآن کریم یوں بیان کرتا ہے۔

''تاکہ تم ان لوگوں کو جن کے باپ دادا کو متوجہ نہیں کیا گیا تنبیہ کر دو، وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔''

رسول اکرم ﷺ کے اولین مخاطبین جس علمی و روحانی افلاس اور تنگ فکری کے ماحول میں پلے بڑھے تھے، وہ آپ ﷺ کے تعلیمی و تربیتی عمل کے لیے ہرگز سازگار نہ تھا۔ چنانچہ ان کی جانب سے دعوت حق کی مخالفت ایک فطری ردعمل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دعوت کا آغاز ہوتے ہی مخالفت کے تمام محرکات نے جن میں جاہلی حمیت (ضد)، تکبر اور حسد وغیرہ سرفہرست ہیں، اپنا کام شروع کر دیا۔ باپ دادا کی روایت کو چھوڑنا، معاشرتی، معاشی اور سیاسی نظاموں میں تبدیلی، قبائلی جمعیت کا انتشار وغیرہ امور ایسے تھے جن کی بنا پر مخالفین و معاندین کی ایک فوج تیار ہو گئی نتیجتاً دوستی کے جواب میں دشمنی، خیر خواہی کے جواب میں پتھر اور کلمۂ حق کے جواب میں گالیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور لوگ جان کے دشمن بن گئے اور نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں پر عرصۂ زندگی تنگ کر دیا گیا۔

ان حالات میں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے سماجی اور قومی رجحانات اور نفسیاتی اثرات کو مدنظر رکھتے ہوئے دعوت اور تعلیم و تربیت کے ایسے اسالیب اختیار فرمائے جن سے ان کے دل و دماغ پر چھائے حسد و نفرت اور عداوت و عناد کے بادل چھٹ گئے اور بالآخر انہی لوگوں نے کاروانِ حق میں شامل ہو کر وفا کی لازوال داستانیں رقم کیں۔ آئندہ سطور میں نبوی تعلیم و تربیت کے اسی پہلو کو سیرت طیبہ کی روشنی میں اجاگر کیا گیا ہے۔

معاندین سے حسن سلوک اور عفو و درگزر

تعلیم و تربیت کی اثر پذیری میں حسن سلوک، نرمی، محبت اور معافی سے بڑھ کر کوئی چیز مؤثر نہیں ہوتی۔ حسن سلوک، ہمدردی اور معافی سے دل قریب ہوتے ہیں جب کہ درشتی، سخت مزاجی اور بدلہ، دلوں کے بُعد اور تکدر کا باعث بنتے ہیں۔

معاندین و مخالفین کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کا طرزِ عمل قرآن کریم کی اس حکیمانہ ہدایت کا عملی مظہر تھا جس میں قرآن نے بدی اور دشمنی کے خاتمے کا حل بتایا ہے۔

''بھلائی اور برائی دونوں برابر نہیں، تم برائی کو اس چیز سے دفع کرو جو زیادہ بہتر ہے تو تم دیکھو گے کہ وہی، جس کے اور تمہارے درمیان عداوت ہے، گویا وہ ایک سرگرم دوست بن گیا ہے۔''

قرآن کریم کی اسی ہدایت کی تاثیر تھی جس نے بدترین جانی دشمنوں کو سرگرم دوست بنا دیا۔

ثمامہ بن اثال ؓ یمامہ کے رئیس اور اسلام کے دشمن تھے۔ ایک رات نجد کے راستے پر صحابہ کرام ؓ کے ہاتھ لگ گئے، گرفتار کر کے مدینہ لائے گئے اور مسجد نبوی میں ایک ستون سے باندھ دیے گئے۔ نبی اکرم ﷺ نماز کے لئے تشریف لائے تو ان سے دریافت کیا: ''ثمامہ! تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟

انہوں نے کہا: ''اگر قتل کرنا چاہیں تو آپ ﷺ ایک خونی مجرم کو قتل کریں گے اور اگر معاف کر دیں تو آپ ﷺ کا یہ احسان ایک احسان شناس کی گردن پر ہو گا۔ اور اگر مال کی خواہش ہو تو جتنا کہیں گے حاضر کیا جائے گا۔'' یہ سن کر آپ ﷺ انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر چلے گئے۔ دوسرے دن بھی انہوں نے اس سوال کا یہی جواب دیا۔ تیسرے دن بھی یہی گفتگو ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ان کی رسی کھول کر انہیں رہا کر دیا۔

ثمامہ رسیوں سے تو آزاد ہو گئے مگر سچائی کی جو زنجیر ان کے پاؤں میں پڑ گئی تھی، اس سے رہا نہ ہو سکے۔ نبی ﷺ کے حسن سلوک اور عفو کا ان پر یہ اثر ہوا کہ مسجد سے نکل کر ایک درخت کی آڑ میں غسل کیا، پھر مسجد میں آئے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! روئے زمین پر آج سے قبل آپ ﷺ کے چہرے سے زیادہ کوئی چہرہ مجھے مبغوض نہ تھا لیکن آج یہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ آج سے پہلے آپ ﷺ کے دین سے زیادہ مجھے کسی دین سے عداوت نہ تھی لیکن آج وہ میرے لیے تمام ادیان سے عزیز تر ہے۔ مجھے آپ ﷺ کے شہر سے زیادہ کسی شہر سے دشمنی نہیں تھی مگر آج یہ شہر مجھے تمام شہروں سے زیادہ خوبصورت نظر آتا ہے۔''

اسی مضمون کا ایک واقعہ حضرت صفوان ؓ کا بھی ہے جو مسلمان ہونے سے پہلے اسلام کے سخت دشمن تھے۔ فتح مکہ کے کچھ عرصہ بعد اسلام لائے۔ نبی کریم ﷺ نے تالیف قلب کی خاطر انہیں تین سو اونٹ عنایت فرمائے۔ خود ان کا بیان ہے کہ ''پہلے آپ ﷺ میرے نزدیک مبغوض ترین شخص تھے لیکن اس فیاضی سے محبوب ترین شخص بن گئے۔''

ریاست نبوی ﷺ میں شمولیت

انسانی نفسیات ہے کہ اپنے مفادات اور طرزِ عمل کے خلاف وہ کوئی بات قبول کرنے کے لیے تیار نہیں

ہوتا۔ اسی طرح جب کسی بات میں وہ سبکی محسوس کرے تو وہ اس کے لیے ذہنی طور پر نا قابل قبول ہوتی ہے چاہے حالات سے مجبور ہو کر عملاً اسے اختیار ہی کیوں نہ کر لے۔

عرب معاشرے میں عمومی طور پر قبائلی نظام رائج تھا۔ قبائل کے اپنے اپنے سردار تھے جو نظم و نسق چلاتے تھے۔ یہ لوگ عزت و تکریم کے خوگر ہو چکے تھے۔ اسلامی ریاست کے استحکام کے لیے ضروری تھا کہ ان سرکردہ افراد کے جاہلی جذبات برانگیختہ نہ ہوں اور وہ اس بات کو محسوس نہ کریں کہ اسلام کی وجہ سے کسی طرح کم تر ہو گئے ہیں۔ چنانچہ جو سردار مسلمان ہوتا اس کو پرانی سیادت پر بحال رکھا جاتا تھا۔

نبی اکرم ﷺ کی اس نفسیاتی تدبیر کی وجہ سے جہاں خود ان افراد کو کسی قسم کی سبکی محسوس نہ ہوئی وہاں عوام کے ذہن بھی مطمئن رہے کہ ان پر کوئی غیر فرد حکومت نہیں کر رہا۔ مزید برآں ان لوگوں کی قبیلہ کے حالات و معاملات سے پوری طرح واقفیت کی وجہ سے انتظامی معاملات احسن طریقے سے چلتے رہے۔

کتب سیرت میں اس طرح کی گئی مثالیں ملتی ہیں کہ آپ ﷺ اہلیت کی صورت میں جاہلی دور کی تقرریوں کو بحال رکھتے تھے۔

جاہلی جذبات (حمیۃ جاہلیۃ)

انسان اپنے عقائد اور نظریات کے بارے میں بڑا حساس اور جذباتی واقع ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر ان کو ٹھیس پہنچے یا اس کے باطل نظریات کی خامیوں کی جانب اس سے براہِ راست توجہ دلائی جائے تو اس میں غصہ اور نفرت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ حق کو حق جانتے ہوئے بھی وہ اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے اولین مخاطب وہ لوگ تھے جنہیں قرآن کریم نے قوما لُدا (جھگڑالو قوم) کہا ہے۔ یہ لوگ اپنے آباؤ اجداد، روایات، رسومات اور عقائد کے معاملے میں بہت حساس تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس قوم کے تزکیہ و تربیت میں ان کی عادات اور جائز رسومات کو پیش نظر رکھا تاکہ ان میں ضد اور ہٹ دھرمی کے جذبات فروغ نہ پائیں۔ اس ضمن میں کتب سیرت میں یہ بات ملتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی دلی خواہش تھی کہ کعبہ کو حضرت ابراہیمؑ کی مقرر کردہ بنیادوں پر تعمیر کرائیں مگر اس مقصد کی خاطر آپ ﷺ نے پرانی عمارت کو گرانے سے اجتناب فرمایا کیونکہ اس وقت اکثر لوگ نومسلم تھے اور ایسا کرنے سے ان کی جاہلی حمیت بھڑک اٹھنے کا اندیشہ تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا:

”اگر تیری قوم سے زمانہ کفر قریب نہ ہوتا تو میں کعبہ کو منہدم کر کے اسے ابراہیمؑ کی بنیادوں پر تعمیر کرتا۔“

قولِ لیّن

قرآن کریم میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی حکایت میں یہ بات کہی گئی ہے کہ جب ان کو فرعون کے سامنے پیغام ربانی لے جانے کی ہدایت دی گئی تو یہ حکم ملا:

”تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، اس نے سرکشی کی ہے۔ اس سے نرم گفتگو کرنا شاید وہ نصیحت قبول کرے، یا (خدا سے) ڈرے۔“

نبی اکرم ﷺ کے الطاف اور نرمی کو قرآن کریم نے یوں بیان کیا ہے:

”اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ﷺ ان پر نرم خو ہیں اور اگر آپ ﷺ درشت خو اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ ﷺ کے گرد اگرد سے بھاگ جاتے۔“

ایک قحط زدہ قبیلے کی مدد کرنے کے لیے ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے ایک یہودی زید بن سعنہ سے کچھ قرض لیا۔ ابھی وعدے کا وقت پورا نہیں ہوا تھا کہ اس نے قرض کی واپسی کا تقاضا شروع کر دیا اور نہایت درشتی اور بدکلامی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگا: ”اے عبدالمطلب کے خاندان والو: تم ہمیشہ یوں ہی حیلے بہانے کیا کرتے ہو۔“ حضرت عمرؓ، جو اس مجلس میں موجود تھے، غصہ سے بے تاب ہو گئے اور اس کی طرف منہ کر کے کہا: ”او خدا کے دشمن! تو رسول اللہ کی شان میں گستاخی کرتا ہے؟“ نبی اکرم ﷺ یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا: ”عمر! تمہیں چاہئے تھا کہ اسے حسن طلب اور مجھے حسن اداء کی تلقین کرتے۔“ پھر آپ ﷺ نے نہ صرف وہ قرض واپس فرمایا بلکہ اسے دو من کھجوریں زیادہ بھی دیں۔ آپ ﷺ کے اس الطاف اور مہربانی کا یہودی پر یہ اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔

مخالفین کے ساتھ اشتراک و اتحاد کے مسلمہ اصولوں پر گفتگو

مخالفت اور عناد کو ختم کرنے کا ایک نفسیاتی اصول یہ ہے کہ مخالف کو کسی ایسے مسئلہ پر قریب کیا جائے جو مصلح و مربی کے اپنے اور اس کے مخالف کے درمیان غیر اختلافی اور مسلمہ ہو۔ جس کا اثر نفسیاتی طور پر مخالف پر یہ ہوتا ہے کہ کم از کم وہ بات سننے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور مخالفت و عناد کی شدت میں کمی ہو جاتی ہے۔

اس نفسیاتی اصول کی بنیاد ہمیں قرآن کریم میں ملتی ہے جس نے اہل کتاب کو خطاب کرنے کے سلسلے میں یہ ہدایت دی:

”(محمد ﷺ) کہہ دیجئے اے اہل کتاب اس چیز کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اس کے ساتھ شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب ٹھہرائے۔“

آیت کریمہ میں اہل کتاب کے سامنے دعوت توحید پیش کی گئی ہے کہ جب اہل کتاب اور مسلمانوں میں توحید ایک بنیادی اصول کی حیثیت سے مسلمہ ہے تو پھر اس کے نتائج اور تقاضوں میں باہم

اختلاف کیوں ہو۔ جب اہل کتاب نے اصل کو مان لیا ہے تو انہیں لازمی نتائج کو بھی تسلیم کر لیں جو اس سے نکلتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے جب ہرقل روم کے نام مکتوب تحریر کروایا تو اس میں یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کے درمیان موجود تصور توحید واضح فرمایا۔ اس مکتوب میں آپ ﷺ نے مذکورہ بالا آیت بھی تحریر فرمائی۔

تالیف قلب کے مختلف طریقوں کا استعمال

تالیف قلب کا معنی ہے ''دل جوئی''۔ قرآن کریم میں یہ لفظ سورۃ توبہ میں مذکور ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ ایسے شخص سے جس کو اسلام کی طرف مائل کرنا مقصود ہو یا ایسے نومسلم سے جس کے اسلام کی پختگی مطلوب ہو، لطف و کرم، امداد و اعانت اور ہمدردی کی جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے رؤسائے مکہ سمیت بہت سے لوگوں کو اس طریقے سے اسلام کا حلقہ بگوش بنایا۔ حنین کی غنیمت کا سارا مال آپ ﷺ نے ان لوگوں میں تقسیم فرما دیا نتیجتاً پھر حق کے خلاف ان کی گردنیں نہ اٹھ سکیں۔ آپ ﷺ نے ابوسفیانؓ اور ان کی اولاد کو تین سو اونٹ اور ایک سو بیس اوقیہ چاندی دی، صفوان بن امیہ کو سو اونٹ دیے۔ اقرع بن حابس، عیینہ بن حصن اور مالک بن عوف کو سو سو اونٹ دیے۔ اسی طرح ان رؤسا کو جنہوں نے قریب زمانے میں اسلام قبول کیا تھا اور ابھی تک اعتقادی طور پر متذبذب تھے، نہایت فیاضانہ انعامات عطا فرمائے۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے کثیر تعداد میں بکریوں کا مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ نے اسے بکریاں عطا کیں۔ وہ اپنی قوم کے پاس آ کر کہنے لگا۔ ''اے میری قوم کے لوگو! مسلمان ہو جاؤ، محمد ﷺ اتنا دیتے ہیں کہ پھر محتاجی کا ڈر نہیں رہتا۔''

تالیف قلب کے جن مختلف طریقوں کو رسول اکرم ﷺ نے تعلیمی و تربیتی عمل میں شامل فرمایا ان میں مالی معاونت کے علاوہ دوسرے طریقے بھی ہیں مثلاً مکتوبات نبوی ﷺ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ عزت و تکریم کے خوگر سلاطین کے ساتھ ان کی نفسیات کے مطابق معاملہ فرماتے اور ان کے ناموں کے ساتھ القابات تحریر فرماتے۔

اسی طرح تالیف قلب کے ضمن میں آپ ﷺ نے مذہبی رواداری کو بہت فروغ دیا۔ آپ ﷺ کے پاس اہل کتاب اور مشرکین قبائل آتے تو آپ ﷺ انہیں مسجد نبوی میں ٹھہراتے، ان کو اپنے طریقے کے مطابق عبادت کی اجازت ہوتی تھی۔ ۹ ہجری کے آخر اور ۱۰ ہجری کے شروع میں عرب کے جن مختلف قبائل کے وفود اسلام قبول کرنے کے لیے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے ان میں نصاریٰ کا ''وفد نجران'' بہت مشہور ہے۔ یہ وفد ساٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ وفد میں نجران کے دو بڑے سیاسی لیڈر عبدالمسیح اور ایہم کے علاوہ ان کا اسقف (Bishop) ابوحارثہ بھی تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے انہیں مسجد نبوی کے ایک حصے میں ٹھہرایا اور اپنے طریقے کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت بھی عطا فرمائی۔ آپ ﷺ کے اس سلوک کا ایہم کے دل پر اتنا اچھا اثر ہوا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔

اس سلسلے کا ایک پہلو سیرت طیبہ کی روشنی میں یہ بھی سامنے آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ مخالفین کو ذہنی طور پر اپنے قریب کرنے کے لیے ان کی اچھی باتوں کو سراہتے۔ اسی طرح بعض معاشرتی امور میں آپ ﷺ نے اہل کتاب کے طریقے کی موافقت بھی فرمائی۔

مخالفین کے جائز مطالبات و روایات کا لحاظ

تربیت و اصلاح کے سلسلہ میں لوگوں کی جائز شرائط اور صحیح روایات کا لحاظ رکھنا نبی اکرم ﷺ کے طرز عمل سے ثابت ہے۔ آپ ﷺ تزکیہ و تعلیم میں اس نفسیاتی اصول کا بہت لحاظ فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ جب رسول اکرم ﷺ نے رومیوں کی طرف خط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ اگر خط مہر بند نہ ہوا تو رومی آپ ﷺ کے مکتوب کو نہیں لیں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک انگوٹھی بنوائی جس کا نقش ''محمد رسول اللہ'' تھا۔

اسی سلسلہ کی ایک مثال اہل طائف کی ہے جنہوں نے مسلمان ہونے سے قبل چند شرائط رکھیں۔ ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ طائف کو بھی حرم قرار دیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کی یہ شرط اور دیگر تمام شرائط منظور فرمالیں۔

فوائد و نتائج

☆ نرمی، محبت اور ہمدردی دلوں کو نرم اور آدمی کو قبول حق پر آمادہ کرتی ہے جب کہ درشتی اور سخت مزاجی، دوری اور مخالفت کا باعث بنتی ہے۔

☆ تعلیم و تربیت کے دوران ہر ایک کو ''ایک لاٹھی سے ہانکنے'' والا معاملہ نہ کیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ معززین اور معاشرہ کے سرکردہ افراد کے ساتھ مصلحتاً امتیازی سلوک بھی فرمایا کرتے تھے۔

☆ کسی معاند یا غیر معاند غیر مسلم کے سامنے اس کے مذہب یا مذہبی پیشوا یا عقیدے کی برائی کرنا نہ صرف اسے حق بات قبول کرنے سے دور کر دیتا ہے بلکہ اسے حق کے مقابلے پر لا کھڑا کرتا ہے۔

☆ دوران تعلیم و تربیت قول و فعل کے کسی بھی ایسے انداز سے گریز کیا جائے جو مخاطب کے لیے نفرت و بعد کا سبب بنے۔

☆ نبی اکرم ﷺ غیر مسلموں کے جائز مطالبات، رواجوں اور مذہبی رسومات کا لحاظ فرماتے تھے۔

☆ تالیف قلب کا حکیمانہ اصول اسلامی نظام تزکیہ و تربیت میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ جس سے حق بات مخاطب کے دل میں راسخ ہو جاتی ہے۔

☆ اگر فتنہ کا خوف ہو تو مستحب امور کو ترک بھی کیا جا سکتا ہے۔ ❁

اسوۂ رسول ﷺ اور ملی یکجہتی

ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمن

☆ خدا وند قدوس کی تعلیمات کا نزول ابتدائے آفرینش سے حکمت پر مبنی ہے۔ جوں جوں نسل انسانی بلوغت کی منزلوں کو طے کرتی رہی، ذہن انسانی ارتقاء کے مرحلے طے کرتا رہا، اسی مناسبت سے اللہ رب العزت احکام نازل فرماتے رہے۔ اسی لئے پہلے انبیاء کا نزول بھی مختلف اقوام میں ہوتا رہا۔ مختلف زمانوں میں ہوتا رہا۔ ان کا دائرہ عمل اقوام کے لحاظ سے بھی محدود تھا اور زمانے کے اعتبار سے بھی۔

مگر جب انسانیت نے ارتقاء کی آخری منزل میں قدم رکھا۔ ذہن انسانی عروج کو پہنچ چکا، تو سلسلہ رشد و ہدایت کی آخری کڑی، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے، اور خالق و مالک نے بالصراحۃ اعلان فرمادیا کہ اب ہمارے مبعوث کئے ہوئے پیغمبر کی تصدیق نہ کسی قوم و آبادی تک محدود ہے، نہ جغرافیائی حدود کی کوئی تقسیم ہے اور نہ ہی یہ آخری پیغام زمانہ کی قید و بند میں محصور ہے بلکہ جب تک خدا کی خدائی قائم ہے، یہی پیغام رشد و ہدایت صراط مستقیم کا ضامن ہے۔ اور اب کے بعد نسل انسانی صرف دو گروہوں میں منقسم ہوگی۔ مومن اور کافر، چنانچہ نبی آخرالزماں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت میں رنگ و نسل اور زبان و وطن کے نام پر قائم کی گئی تمام تفریقات کی نفی اور نظریاتی قومیت کے اثبات کا اعلان ہے۔ اسلامی نظریہ حیات پر یقین رکھنے والا خواہ کالا ہو، یا گورا، مشرق کا رہنے والا ہو، یا مغرب کا، عربی ہو یا عجمی، جو زبان بھی وہ بولتا ہے اور جو بھی رنگ اس کی کھال کا ہے وہ ایک عالم گیر امت مسلمہ کا فرد ہے، اسلام کے نزدیک صرف دو قومیں اور دو طبقے ہیں۔ حزب اللہ اور حزب الشیطن۔ جس نے اقرار توحید و رسالت کیا وہ حزب اللہ میں شامل ہوگیا اور جس نے انکار کیا وہ حزب الشیطن کی فہرست میں داخل ہوگیا۔ تاریخ اسلام پر ایک نظر ڈالئے، حضرت سلمانؓ فارس کے رہنے والے ہیں مگر وحدت عقیدہ کے سبب "سلمان منا و اھل بیت" کے عظیم اعزاز سے سرفراز کئے جاتے ہیں، اس طرح حضرت بلالؓ حبش کے رہنے والے ہیں مگر اسلام نے انہیں عزت و احترام کے اس مقام پر فائز کیا کہ امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم ان کے احترام میں کھڑے ہوجاتے ہیں، اور باآواز بلند فرماتے ہیں: بلال سیدنا و مولی سیدنا" بلال ہمارے آقا ہیں اور ہمارے آقا کے غلام ہیں۔" پوری نوع انسانی کی یک جہتی ہو یا صرف ملت اسلامیہ کا اتفاق و اتحاد، اگر بنظر غائر جائزہ لیں تو چند بنیادی عناصر ہیں جو اتحاد و اتفاق کی فضا کو منتشر کرنے کا سبب بنتے ہیں اور وہ معروف ہیں۔ یعنی نسلی تمیز و تفاخر، علاقائی حد بندیاں، لسانی کشمکش اور مذہبی منافرت۔ آخر الذکر کے حوالے سے اسوۂ رسول ﷺ کو ایک نظر دیکھیں تو دنیائے معلوم میں پائے جانے والے تمام فلسفہ حیات سے ممتاز پیغام اسلام آپ کو سنائی دے گا کہ اے مذہب کے نام پر انسانیت کے خون سے ہولی کھیلنے والو" آؤ اس کلمہ واحد پر اس عقیدہ مشترکہ پر جس میں ہمیں کوئی شبہ نہیں، شک نہیں متحد و متفق ہوجائیں، گویا اسلام اور داعی اسلام تمام مذاہب عالم کو ایک پر امن اور فتنہ و فساد سے پاک فضا قائم کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

جو لوگ دین اسلام کے پیروکار ہیں ان کی یک جہتی اور اتحاد و اتفاق کی فضا قائم کرنے کے لئے داعی اسلام ﷺ نے اپنے پاکیزہ اسوہ سے ان عناصر کی بیخ کنی کردی جو امت کا شیرازہ منتشر کرتے تھے، آپ ﷺ نے ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ فرما کر امت کے افراد کو ایک تسبیح کے دانوں کی طرح یکجا کردیا اور لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا حمر علی اسود ولا لاسود علی احمر کلکم ابناء آدم و آدم من تراب کا انقلاب آفریں پیغام سنا کر رنگ و نسل کے تمام تفاخر کو خاک میں ملا دیا۔ اس طرح حبش کے رہنے والے سیاہ فام غلام حضرت بلالؓ اور فارس سے تشریف لانے والے سلمانؓ کو سینہ نبوت سے لگا کر علاقائی بنیادوں پر پیدا ہونے والے امتیازات کو فلسفہ اسلام سے یکسر خارج کردیا۔

فتح مکہ کے موقع پر اخوت اور جغرافیائی حدود سے ماوراء اسلامی معاشرے کے قیام اور نظریہ پر یقین و پختگی کی بنیاد پر ایک نئی قوم کے قیام کا فقید المثال عملی مظاہرہ چشم فلک نے دیکھا۔ آج کا دن تاریخ اسلام کی عظمت و جلالت کا دن ہے۔ دشمنان اسلام کی ایذاء رسانیوں کو صبر و استقلال سے سہنے کے بعد اللہ کے حکم سے اپنے آبائی شہر مکۃ المکرمہ کو خیر آباد کہنے والے آج پوری شان کے ساتھ فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ آج ان فاتحین میں عرب کے مختلف علاقوں کے لوگ مختلف نسل اور نسب رکھنے والے شامل ہیں۔ کعبۃ اللہ کے سامنے عجیب منظر ہے، جلیل القدر صحابہ، محبوب خدا ﷺ کے سامنے کھڑے ہیں۔ ابوبکر و عمر، عثمان و علیؓ سب ہی موجود ہیں۔ رؤساء قریش بھی موجود ہیں۔ موافق و مخالف، دوست و دشمن کے مجمع میں جب زبان رسالت ﷺ سے یہ ارشاد ہوتا ہے کہ اے بلال! کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اللہ رب العزت کی تکبیر و تقدیس کا غلغلہ بلند کرو، اذان دو تو فلسفہ اسلام کے اس عملی نمونہ کو دیکھ کر تھوڑی دیر پہلے گالیاں دینے والے عتاب ابن اسود

پکار اٹھتے ہیں کہ اے محمد ﷺ! تھوڑی دیر پہلے مجھے آپ ﷺ سے زیادہ کسی اور سے نفرت نہ تھی اور اب آپ ﷺ سے زیادہ کسی سے محبت نہیں۔

الغرض اسلام ملت اسلامیہ میں یک جہتی کی وہ فضا دیکھنے کا خواہاں ہے جوان تمام تفرقات سے پاک ہو، جہاں اخوت ہو، مروّت ہو، محبت اور پیار ہو، مسلمان جذبہ ایثار سے سرشار ہو، ایک کا دکھ، سب کا دکھ اور ایک کی خوشی سب کی خوشی کا ساماں ہو۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان والوں کا تعلق دوسرے ایمان والوں کے ساتھ ایک مضبوط عمارت کا ہونا چاہیے کہ وہ باہم ایک دوسرے کی مضبوطی کا باعث بنتے ہیں پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں۔ یہی وہ مضبوط تعلق تھا، یہی وہ نظریہ تھا، اور اسی کی بنیاد پر یہ جذبہ ایثار کارفرما تھا کہ ہجرت مدینہ کے موقعہ پر مدینہ کے میزبانوں نے مکہ کے مہمانوں کو گلے لگالیا۔ اپنا سب کچھ ان کی خدمت میں حاضر کردیا، ایک مدنی صحابی نے اپنے مکی بھائی سے عرض کی کہ میری دو بیویاں ہیں، ایک کو طلاق دے دیتا ہوں، اس سے تم نکاح کرلو۔ یہ ہے مواخات مدینہ کا وہ منظر اور یہ ہے ملّی یک جہتی کی وہ مثال کہ جس کی کوئی مثال نہیں۔

ملی یکجہتی کا یہی وہ فلسفہ تھا کہ ایک خاتون کی پکار پر فاتح سندھ محمد بن قاسم دیبل کے ساحل پر آپہنچا تھا۔ کوئی شک نہیں کہ اسلام نے فرد کی حیثیت کو بہت ممتاز کیا ہے۔ فرد ہی اس کا ابتدائی اور حقیقی مخاطب ہے جس طرح وہ تنہا پیدا ہوا ہے اسی طرح اللہ کے احکام و مرضیات پر چل کر اپنی زندگی کو کامیاب بنانا بھی اس کی اپنی انفرادی ذمہ داری ہے اور کل بارگاہِ رب العزت میں اپنے عمل کی جواب دہی کے لئے اسے اکیلے ہی حاضر ہونا ہے، لیکن روح اسلام کو ایک نظر دیکھیے تو آپ یقین کی منزل پر پہنچ کر پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکیں گے کہ اسلام فرد کی اصلاح کے ساتھ ایک صالح اور اسلامی معاشرے کا قیام عمل میں لانا چاہتا ہے جو **امر بالمعروف** اور **نہی عن المنکر** کی ذمہ داریوں کو ادا کرے اور منشائے الٰہی کی تعمیل کے لئے منظم ہو کر باطل قوتوں سے برسرپیکار ہو۔

انسانی زندگی کا وہ شعبہ جسے عرف عام کے لحاظ سے عبادتی شعبہ کہنا چاہیے ایک ایسا شعبہ ہے جہاں اجتماعیت کی رسائی کا تصور بھی مشکل کیا جاسکتا ہے۔ عبادت الٰہی کا نام لیجئے، ذہن آپ سے آپ گوشوں اور تنہائیوں کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ انسان چاہتا ہے کہ تمام علاقائی دنیا سے آزاد ہو کر گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر وہ اپنے معبود کی عبادت بجالائے لیکن اسلام نے عبادت کے اندر بھی اجتماعیت کا رنگ پیدا کیا۔ نماز جسے دین کے ستون کا نام دیا گیا اور جسے کفر اور اسلام کا مابہ الامتیاز قرار دیا گیا اس کے لئے اتنا ہی کافی نہیں کہ اکٹھے مل کر اور باجماعت ادا کرلی جائے بلکہ بخاری شریف کی حدیث کے مطابق ضروری ہے کہ لوگ صفیں باندھ کر اور کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوں اور صفیں تیر کی طرح سیدھی ہوں۔ روزہ کو لیجئے! اس میں اجتماعی شان دیکھئے! ایک ہی دن شروع کرنا اور ایک ہی دن عید منانا۔ ایک ہی وقت شروع کرنا اور ایک ہی وقت افطار کرنا۔ یہ مسلمان ملت میں اجتماع اور نظم وضبط کی تعلیم نہیں تو اور کیا مقصود ہیں۔ زکوٰۃ کا فلسفہ ہی یہ ہے کہ **"وترد الی فقراء ھم"** اور حج تو اپنے اندر اجتماعیت کی وہ شان رکھتا ہے کہ مذہب کی تاریخ اس کی نظیر پیش نہ کرسکے گی۔ مختلف رنگوں، نسلوں اور مختلف زبانیں بولنے والے لوگ ایک ہی لباس میں ملبوس، ایک ہی معبود حقیقی کی پرستش میں مصروف نظر آتے ہیں اور سب کی زبان پر ایک ہی کلمہ واحد جاری ہوتا ہے۔

"لبیك اللھم لبیك، لا شریك لك لبیك، ان الحمد والنعمته لك والملك" یہ ان احکام کا مجمل خلاصہ ہے جو اجتماعی نظم اور ملی اتحاد کے بارے میں اسلام نے اپنے پیروکاروں کو دے رکھے ہیں، اگر ان ہی چند ارشادات کو غور سے دیکھ لیا جائے تو اجتماعیت کی وہ قدروقیمت جو اسے اسلام میں حاصل ہے، بڑی حد تک واضح نظر آئے گی۔

ارشاد رسالت مآب ﷺ ہے "جماعت کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہو اور انتشار سے پوری طرح الگ رہو۔" اگر تمام اہل ایمان کا ایک خاص شیرازے میں بندھا رہنا اور "تفرقہ" سے دور رہنا ضروری ہے، اگر جماعت سے بالشت بھر کی علیحدگی بھی مومن کی گردن کو اسلام کے حلقے سے محروم کردیتی ہے، اگر ملت کے اتحاد میں رخنے ڈالنے والے کے خون کی کوئی قدروقیمت نہیں، اگر ملت کے اجتماعی نظام کی حفاظت سے بڑی کوئی عبادت نہیں تو سوچئے وہ کون سا مقام ہے، جو اجتماعیت کو ملنا چاہیئے تھا۔

غور فرمایئے! کہ جس دین کی یہ تعلیم ہو، اور جس دین کے داعی کا یہ اسوۂ حسنہ ہو، اس دین کے پیروکار آج کسی خلفشار کا شکار ہیں۔ اس کا شیرازہ کس حد تک منتشر ہوچکا ہے، آج عرب وعجم کی تفریقات پھر سے پیدا ہوچکی ہیں، آج نسل و زبان کے فتنے کی آگ پوری طرح بھڑک چکی ہے۔ مسلمان کے ہاتھ مسلمان کے خون سے رنگین ہیں۔ مسلمان کی آبرو مسلمان کے ہاتھوں محفوظ نہیں۔ ان ہی جغرافیائی، نسلی اور لسانی تنازعات کے سبب مسلمانوں کی واحد نظریاتی مملکت دولخت ہوگئی اور آج پھر مسلمان قائدین نفرتوں کے بیج بو رہے ہیں، وہی عصبیتیں ہم میں پھر عود کرآئی ہیں۔ ایک خدا، ایک رسول اور ایک کتاب پر ایمان لانے والی امت نسل، رنگ، زبان اور علاقائی عصبیتوں کے مختلف خانوں میں بٹ چکی

ہے، ہمارے مسلمان بھائی جو مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے ناپاک عزائم میں ملوث ہیں ان کی نظروں سے شاید یہ ارشاد رسالت مآب پوشیدہ ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں: ’’جو شخص اس جماعت کو جب تک وہ متحد ہو، پراگندہ کرنا چاہے اسے بدرجہ آخر تلوار پر رکھ لو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔‘‘

دوسری حدیث طیبہ میں ارشاد ہے: ’’نہیں ہے وہ ہم میں سے جس نے لوگوں کو کسی عصبیت کی طرف بلایا‘‘

کسی عصبیت کی طرف بلایا یعنی اسلام کی خالص عقلی اور اعتقادی بنائے اجتماعی کو چھوڑ کر مسلمانوں کو ان نسلی یا وطنی، لسانی یا لونی تعصبات میں سے کسی تعصب پر جمع کرنے کی کوشش کی جن پر خدا فراموش اور مادیت کی غلام قومیں بالعموم جمع ہوا کرتی ہیں۔

درحقیقت ان مغرب والوں اور مادہ پرستوں کے پاس ایسا ٹھوس اور مستحکم نظریہ تھا ہی نہیں جو قومیت کی صحیح بنیاد قرار پاتا، چنانچہ انہوں نے رنگ و نسل اور زبان و وطن کو معیار قومیت ٹھہرایا، ہم نے بھی نقالی کرتے ہوئے ایک اسلامی قوم میں کئی قومیں بنالیں اور یہ نہ سمجھ پائے کہ جو فلسفہ حیات مغرب والوں کے لئے آبِ حیات ہے وہی ہمارے لئے زہر قاتل ہے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ اب اتحاد و اتفاق کی فضا کیوں کر قائم کی جاسکتی ہے! اس کے لئے بنیادی طور پر اسلامی فلسفہ قومیت سے آگاہی حاصل کرنا ہے یعنی خود اور اپنے حلقہ میں دوسروں کو اس سلسلے میں تعلیمات اسلام سے متعارف کرانا، خاص طور پر نسل نو کو اسلامی تعلیمات کے زیور سے آراستہ کرنا بنیادی اہمیت کا حامل فریضہ ہے۔ تعلیم کے بعد اس نظریہ کی صداقت پر یقین دوسری بنیاد ہے۔ حق یہ ہے کہ ہمارے ایمان میں پختگی نہیں، ہم اسلامی تعلیمات کا چرچا کرتے ہیں مگر ان کی صداقت پر یقین و اعتماد جب تک ہم ان نظریات کی سچائی کو حرز جاں نہیں بنائیں گے اور ہمارا ایمان قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی مثل غیر متزلزل نہیں ہوگا، اتحاد و اتفاق کی فضا قائم نہیں ہوسکتی۔ عظمت رفتہ اور شوکت پارینہ کا پھر سے حصول مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ آخری چیز ان نظریات کی تنقید ہے، ان پر عمل پیرا ہونا ہے۔ گویا مقصد سے آگاہی، اس کی صداقت پر یقین اور پھر عمل کے لئے عزم صمیم ہی وہ قوتیں ہیں جو امت مسلمہ کو پھر سے متفق و متحد اور ’’کانھم بنیان مرصوص‘‘ کا مصداق بنا سکتی ہیں۔ ❁

احسان ٹائلز اینڈ سینٹری وئیرز

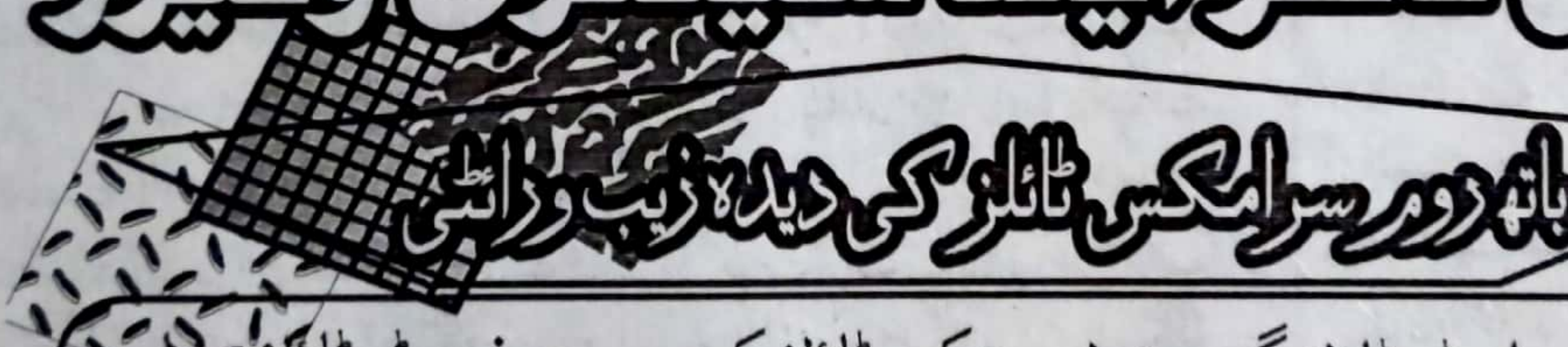

ڈیلرز: ● ماسٹر ٹائلز گوجرانوالہ ● کرم ٹائلز کراچی ● فورٹ ٹائلز پشاور

ایم۔اے۔جناح روڈ سرور پلازہ (نئی صدر روڈ) راولپنڈی

ٹریول پاس انٹرنیشنل

ٹریول ایجنٹس

لائسنس نمبر: 2779

اندرون و بیرون ممالک ہوائی سفر کے لئے تمام ائیر لائنز کے ٹکٹ دستیاب ہیں نیز عمرہ کے لئے بھی رابطہ کریں

آفس: جی-3، اجو اسنٹر، 17 کوپر روڈ لاہور فون: 6362483,6363467,6363843

فیکس: 6363467 ای میل: travelpassintl@hotmail.com

دُرود و سلام کی فضیلت و اہمیت

مزین رسول ہاشمی

دُعا عبادت کا مغز یا بندگی کا جوہر ہے تو دُرود و سلام دُعا کا جوہر ہے

سورۃ احزاب میں رب کریم کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ○

"اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں
نبی ﷺ پر، اے ایمان والو تم بھی خوب
درود بھیجو اس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر۔"

عربی میں صَلوٰۃ کا لفظ رحمت، دعا، مدح و ثناء اور درود کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یوں اللہ کی رحمت سے انعام و رحمت فرشتوں کی طرف دعا و مدح اور انسانوں کی طرف حکم ہے۔ کہ وہ بھی حضور ﷺ کے لیے مدح وثناء اور دعا و سلامتی کے خواہاں ہوں۔

سلامتی سے مراد نقائص و عیوب، مصائب و آفات سے سالم و ثابت اور محفوظ و مامون رہنا ہے۔ سلام بذاتِ خود ایک احسن دُعا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو عالی مرتبت بنایا اور آپ ﷺ کے ذکر کو بلند فرمایا۔ اذان و اقامت ہو یا نماز یا حج کی پُر سعادت گھڑیاں، جہاں جہاں بھی اللہ کا ذکر ہوتا ہے حضور رسولِ مقبول ﷺ کے اسمِ بابرکت کا نور ساتھ ساتھ بلند ہوتا ہے۔

آپ ﷺ نے اللہ کے دین کے لیے اپنا تن من دھن سب وقف کر دکھایا۔ عزیز و اقارب اور گھربار چھوڑا۔ اپنوں سے جنگ کی اور اللہ کے حکم کو مقدم رکھا تو ربِ کریم نے بھی زمین و آسمان میں ہر جگہ آپ ﷺ کا ذکر بلند فرمایا۔ بلاشبہ تمام خلائق میں آپ ﷺ سب سے اعلیٰ و اُولیٰ اور آپ ﷺ کا درجہ بلند و بالا ہے۔ مقامِ محمود آپ ﷺ کا مقدر، رحمت، شفاعت اور سلامتی آپ ﷺ کی ذات سے مزین ہے۔ آپ ﷺ نبی ﷺ، احمدؐ و محمدؐ۔ آپ ﷺ سراجؐ منیرؐ، آپ ﷺ بشیرؐ و نذیرؐ، آپ ﷺ مزملؐ و مدثرؐ، آپ ﷺ طٰہٰؐ و یٰسینؐ۔ آپ ﷺ حبیب مصطفیٰؐ، آپ ﷺ ناصرؐ و مجتبیٰؐ، آپ ﷺ حامدؐ و محمودؐ، آپ ﷺ شاہدؐ

> دُرود و سلام پڑھنے سے حضور سرورِ کائنات ﷺ سے ساتھ رشتہ رحمت استوار ہوتا ہے۔

و مشہودؐ...... صادقؐ و امینؐ، رؤف الرحیمؐ، حق و مبینؐ، طیب و طاہر اور رحمت اللعالمین ﷺ ہیں۔

زمین و عرش پہ ذکرِ مبین آپؐ کا ہے
کہ جس پہ نازاں ہو یزداں وہ دین آپؐ کا ہے
(شاہد)

حدیث شریف ہے کہ جب سورۃ احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی تو ایک شخص نے نبی پاک ﷺ سے درود و سلام کا طریقہ پوچھا اور عرض کیا کہ سلام کا طریقہ تو السَّلامُ عَلَیْکَ ہے تو صلوٰۃ کا طریقہ فرما دیجئے۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○

سبحان اللہ! قربان جائیں ہم اور ہمارا سب کچھ آپ ﷺ کے قدموں پر کہ درود پاک کا طریقہ بھی وہی پسند فرمایا جو سراسر توحید ہے۔ جس میں دعا ہے تو اللہ جل شانہٗ سے اور تقلید درود و برکات ہے تو حضرت ابراہیمؑ کی اور اپنی آل و امت کے لیے وہی دعا ہے جو بنی اسرائیل کے پیغمبروں اور نبیوں کے شایانِ شان اور ان کے لیے مانگا گیا۔ خیر و برکات کا معیار اس سے اعلیٰ و ارفع بھلا کیا ہوگا۔ جو انبیاء کرام کے لیے مختص ہو ایسی خیر و سلامتی جو حضرت ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ یعنی حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ اور حضرت عیسیٰؑ جیسے عالی مرتب پیغمبروں پر ہوئی اور جس کی چند ایک مثالیں، حضرت ابراہیمؑ پر نارِ نمرود کا گل وگلزار بن جانا، حضرت موسیٰؑ کی ضربِ کلیمی سے پانی میں راستہ ہموار ہونا اور دشمنی کا فنا ہونا اور حضرت عیسیٰؑ کا اللہ کی حفاظت میں مکان عالی کی طرف رفیع الشان ہونا شامل ہے۔

کیا خوب ہے یہ درودِ ابراہیمی کہ ایک طرف خالص توحید اور بندگی کا مرقع ہے تو دوسری طرف پوری آلِ رسول ﷺ و امت حبیب ﷺ کے لیے خیر و سلامتی کا منبع اور رحمتوں اور برکتوں کا اتھاہ سمندر ہے۔

جناب رسالت مآب ﷺ نے اسے خود پسند فرمایا اور یہی طریقہ نماز کا حصہ بن گیا۔ صحابہ کرامؓ نے بھی السلام علیک ایھا النبی کا طریقہ سلام کے لیے اور اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کا مسنون طریقہ درود شریف کے لیے اپنایا۔ مومنین فرش پر اور فرشتے عرش پر آنحضور ﷺ پر درود و سلام بھیجتے ہیں

جمہور فقہاؒ کا اتفاق ہے کہ جب کوئی آنحضور ﷺ کا ذکر کرے یا سُنے تو اُس پر درود شریف واجب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حدیثِ مبارکہ ہے:

"بخیل ہے وہ شخص کہ جس کے سامنے میرا
ذکر آئے اور وہ مجھ پر دُرود نہ بھیجے۔"

پس مستحب ہے کہ جتنی مرتبہ رسول کریم ﷺ کا ذکر مبارک آئے دلی محبت اور ادب و عقیدت کے ساتھ درودِ مبارک پڑھا جائے۔ مسلم معاشرہ سلامتی کا معاشرہ ہے اور جنت الفردوس میں اہلِ معاشرہ کا کلام "سلام" سلام" ہوگا۔ حضور پاک ﷺ پر خیر و سلامتی

بھیجنے کے تو کیا ہی کہنے! مسلمانوں کا آپس میں سلام کہنا، اللہ کو اتنا پسند ہے کہ سلام کا بدل دس گناہ سلامتی میں رکھا۔ آپس کا سلام باہمی محبت اور اخوت بڑھانے کے لیے اتنا اہم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے ایمان کا حصہ قرار دیا اور اسے عام کرنے کا حکم دیا۔ اپنے بارے میں تو یہاں تک ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں (یعنی رسول اللہ ﷺ) اُس کے لیے، اُس کے ماں باپ، اولاد اور تمام دوسروں کے مقابلے میں محبوب ترین نہ ہو جاؤں۔

ربّ ذوالجلال نے سورۃ توبہ کی آیت نمبر 24 میں نہایت واضح انداز میں اس بات کی توثیق و تصدیق اور تنبیہ فرمائی۔

"آپ فرما دیں کہ اگر تمہارے آباؤ اجداد اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور کمائی کے مال اور وہ سودا اور تجارت جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہاری پسند کے مکانات، تمہیں اللہ اور اُس کے رسول اور اُس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں تو انتظار کرو حتیٰ کہ اللہ اپنا حکم ظاہر کردے اور اللہ فاسقوں کو ہدایت کی راہ نہیں دکھاتا۔"

نبی کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ صالحین پر سلامتی بھیجنا اور اپنے والدین اور مومنین کے لیے دُعائے مغفرت، نماز میں قعدہ کا لازمی حصّہ ہے۔ درودِ پاک کی اہمیت کا ثبوت اس سے بڑھ کر بھلا اور کیا ہوگا کہ نماز جو معراج المومنین اور عین بندگی ہے اس میں نبی کریم ﷺ اور آلِ رسول پر درود و سلامتی ایسے مانگی گئی جیسے آلِ ابراہیمؑ پر۔ کہ دُرودِ ابراہیمی توحید خالص اور وہ بہترین دُعا ہے۔ جسے حضور نبی کریم ﷺ نے خود پسند فرمایا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے دُعا کو عبادت کا مغز اور بندگی کا جوہر قرار دیا۔ اور ہمارے نزدیک درودِ ابراہیمی دُعا کا جوہر ہے۔

بقا و فلاح سلامتی کی مرہونِ منت ہوتی ہے اور ازلی و ابدی رحمت و سلامتی کا اصل منبع بلاشبہ حضور اقدس ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ لہٰذا پوری کائنات کی بقا اور سلامتی، آپ ﷺ کی سلامتی سے ہے۔ جب اللہ سے اُس کے محبوب ﷺ کی سلامتی مانگی جائے تو جواباً کئی گنا سلامتی نصیب ہوگی اور نبی رحمت ﷺ کے ساتھ رشتہ رحمت و برکت استوار ہوگا۔ پس ابدی فلاح و سلامتی کے حصول کا آسان ذریعہ حضور ﷺ سے وفا و محبت ہے۔

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

جس طرح اللہ کا ذکر کرنے اور اُس کی طرف رجوع کرنے سے اللہ کا قرب ولقاء نصیب ہوتا ہے اسی طرح درود وسلام سے نبی اکرم ﷺ کا قرب و دیدار ملتا ہے۔ اور جس طرح رجوع الی اللہ کا افضل

دُرود وسلام فلاح وسلامتی کے حصول کا آسان اور موثر ذریعہ ہے

طریقہ ذکر الٰہی ہے۔ بعینہٖ نبی کریم ﷺ کی رحمت و شفقت، شفاعت و محبت کے حصول کا آسان طریقہ محبت و عقیدت کے ساتھ درود وسلام بھیجنا ہے۔ جس طرح اللہ کے ذکر سے ایک مومن میں روحانی طاقت اور رحمانی صفات پیدا ہوتی ہیں اسی طرح درود شریف کی برکت سے مومن کے دل میں عفو و درگزر، حلیمی، سلیمی، رؤفی و رحیمی کی صفات جنم لیتی ہیں اور خمیر میں لطافت، صداقت و امانت اور محبت و شرافت کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔ مومن اللہ کو یاد کرے گا تو اُس کی محبت و صفات کا امین کہلائے گا۔ حضور ﷺ پر درود و سلام بھیجے گا تو پیکر لطف و شرف بن جائے گا۔ حضور ﷺ کی توجہ میں پرورش پائے گا اور آپ ﷺ کے فیضان سے سرشار رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو جس سے محبت کرے گا۔ قیامت کے روز اُسی کے ساتھ اُٹھایا جائیگا۔ پس مژدہ ہے اُن خوش نصیبوں کے لیے جو نبی رحمت ﷺ کے متوالے ہیں اور دن رات محبوب ربّ المشرقین والمغربین کی یاد اپنے سینوں میں بسائے آپ ﷺ کے حضور درود و سلامتی کے پھولوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ آخرت میں عقیدت و محبت کا یہی ہدیہ حضور ﷺ کے قرب، اُنکی شفقت و شفاعت اور سایہ رحمت کا موجب ہوگا۔ اللہ کے محبوب سے محبت کرنے والے اللہ کے محبوب ہونگے جب محبت سچی ہو تو رشتے امیر ہو جاتے ہیں۔

اس لیے یہ بات یاد رکھیں کہ ذکر الٰہی اور درود شریف کا مقصد اوّلیٰ حاجت روائی اور مشکل کشائی نہیں بلکہ یہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے قرب کا ذریعہ ہیں۔ یہ خالص عبادت اور بندگی ہے اور اس کے اصل مقاصد و محاصل اللہ کی رضا اور خوشنودی اور رضائے رسول کریم ﷺ ہے جو انسان کی دائمی فلاح و بقا اور سلامتی کی اصل ضمانت ہے۔ اس لیے ذکر الٰہی اور درودِ پاک کو اللہ کی عبادت اور بندگی سمجھو۔ ربّ العزت سبحان اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیحات کی طرح درودِ پاک بھی رب کریم کے اُن احکام میں سے ہے جن پر عمل پیرا ہوئے بغیر کوئی مسلمان مومن نہیں بن سکتا۔ درودِ پاک کی برکت سے طبیعت کو نرمی، روح کو بالیدگی، نفس کو پاکیزگی اور قلب کو خشیت نصیب ہوتی ہے اور یہی ایمان مکمل کی نشانی ہے۔

اربوں اربوں درود، کھربوں کھربوں سلام نبی رحمت رؤف الرحیم پر کہ درودِ پاک حضور رسول مقبول ﷺ کے لیے اللہ کا خاص انعام فرشتوں کی طرف سے اعتراف مقام و مدح رسول ﷺ اور ہم عاجز و مسکین بندوں کی طرف سے ہدیہ سلام و ثناء ہے

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا

عدم برداشت کا قومی و بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی

☆ ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو اقوام عالم کے نمائندوں نے یونیسکو (عالمی ادارہ برائے ثقافت و سائنس) کے منشور پر دستخط کیے۔ جس میں علاوہ دیگر مقاصد کے ایک مقصد یہ بھی شامل تھا!

''مفاہمت، یگانگت، برداشت اور رواداری کو افراد کے درمیان اور لسانی، سماجی، ثقافتی اور مذہبی گروہوں اور خود مختار قوموں کے درمیان بدرجہ اتم فروغ دینا ہماری ذمہ داری ہوگی، یونیسکو کا ادارہ اپنے اس عہد کی تکمیل کے لیے یعنی امن، اخوت، محبت، آشتی اور برداشت کو عام کرنے کے لیے اپنی رکن حکومتوں پر برابر زور دیتا رہتا ہے کہ ہم نے جو عہد نصف صدی پہلے کیا تھا اسے پورا کرنے کے لیے مستعدی سے اپنا کردار ادا کریں۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو جب اس عہد نامے کے پچاس سال پورے ہوگئے تو دنیا بھر میں برداشت اور رواداری کا دن منایا گیا اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی اور اس کے پیغام کو دور دور تک پھیلانے کے لیے ابلاغ کے ذرائع استعمال کیے گئے۔

یونیسکو کا قیام اور اس کے منشور کی منظوری اس لیے ناگزیر تھی کہ دنیا دوسری عالمی جنگ کے باعث اپنے خون میں نہا کر نکلی تھی اور اپنے کھنڈر پر نظر ڈالتے ہوئے ایک نئے عہد کی تعمیر کو لازمی سمجھ رہی تھی، اس نے یہ بھی سیکھا تھا کہ جنگ جو عدم برداشت کا نتیجہ ہے کسی مسئلے کا حل نہیں۔ مسائل افراد کے درمیان ہوں یا اقوام کے درمیان ان کا حل امن، صلح، برداشت اور رواداری میں ہے۔

اس حقیقت میں کوئی شک نہیں کہ برداشت اور رواداری رواں صدی کا قومی اور بین الاقوامی سطح پر تمام ممالک اور مذاہب کا مشترکہ مسئلہ اور حل طلب موضوع ہے۔ برداشت اور رواداری کے عملی اظہار اور اس کے نفاذ کی جتنی ضرورت عہد حاضر میں محسوس کی جارہی ہے وہ مخفی نہیں۔ تاہم برداشت، ضبط و تحمل اور رواداری کے بلند بانگ دعوؤں اور تقاضوں کے باوجود یہ بھی ایک عملی حقیقت ہے کہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر عدم برداشت کا جو عملی مظاہرہ موجودہ دور میں نظر آرہا ہے وہ عہد جدید کی مہذب دنیا کے لیے سب سے بڑا چیلنج ہے۔ جس میں نسلی امتیاز، انسانی حقوق، علاقائی، قومی، مذہبی اور فرقہ وارانہ منافرت اور مذہبی تعصب و تنگ نظری، برداشت، تحمل اور رواداری کے طالب ہیں۔

قومی سطح پر عدم برداشت کا عملی مظاہرہ بدقسمتی سے ہماری موجودہ تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔ چنانچہ آج مذہبی، مسلکی، علاقائی، نسلی، لسانی اور فرقہ وارانہ تعصبات اور اس کے نتیجہ میں دہشت گردی اور قتل و غارت گری اور قیمتی انسانی جانوں کا ضیاع حد درجہ قابل مذمت اور افسوسناک عمل ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ عدم برداشت کا فقدان کے باعث قومی سطح پر لسانی اور فرقہ وارانہ تعصبات کی بنیاد پر تادم تحریر ہزاروں قیمتی انسانی جانوں کا ضیاع ہو چکا ہے اور یہ عمل ایسے ملک میں رونما ہو رہا ہے جو خالصتاً اسلامی نظریے کے تحت وجود میں آیا۔ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے نام لیواؤں کے لیے عدم برداشت کا یہ عمل حد درجہ افسوس ناک ہے۔

اسلام تو ہمیں یہاں تک تعلیم دیتا ہے کہ:

''مسلمانو! جو لوگ اللہ کے سوا معبودانِ باطل کی پرستش کرتے ہیں ان کو برا نہ کہو۔ یہ لوگ نادانی سے اللہ کو برا کہنے لگیں گے۔''

جبکہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ امت محمد ﷺ رحمن و رحیم کی راہنما ہدایات و تعلیمات کو فراموش کر کے فرقہ وارانہ تعصبات اور رنگ و نسل کے تنازعات میں پڑ کر عدم برداشت کے قابل مذمت راستے پر گامزن ہے۔

قومی سطح پر عدم برداشت کے افسوسناک رجحان کے نتیجہ میں ملک میں دہشت گردی، قتل و غارت گری، نسلی اور لسانی عصبیت، مذہبی منافرت اور خودکشی و خودسوزی جیسے واقعات ہماری روزمرہ زندگی کا لازمی حصہ بن چکے ہیں۔

بین الاقوامی سطح پر عدم برداشت کے مناظر دنیا کے ہر خطے میں عام ہیں۔ تاہم عدم برداشت کے نتیجہ میں ظلم و بربریت اور سفاکی و درندگی کا شکار ہونے والے بیشتر خطوں کے باشندے رسول رحمت ﷺ کے نام لیوا اور امتی ہیں۔ چنانچہ آج مغرب کی انسانی حقوق، تہذیب و تمدن، برداشت اور رواداری کی علمبردار دنیا عدم برداشت اور اسلام دشمنی کے موروثی نظریات کے تحت دوہرا معیار قائم کیے ہوئے ہے۔ چنانچہ اسلامی خطوں اور مسلم اقلیتوں پر عدم برداشت کے عمل کے نتیجہ میں کشمیر، فلسطین، عراق، بوسنیا، کوسووو میں جارحیت اور سفاکیت و درندگی کا وحشیانہ رقص ابلیس جاری ہے، رواں صدی میں دو عظیم عالمگیر جنگوں کے بعد عدم برداشت کے افسوسناک رویہ کے نتیجہ میں انسانی دنیا تیسری عالمی جنگ کے دہانہ پر کھڑی ہے۔

عدم برداشت کے بین الاقوامی رجحان کے نتیجہ میں انسان دوستی اور عالمی امن کی علمبردار مغربی دنیا نے ۱۴ اگست ۱۹۱۴ء کو جنگ عظیم اوّل کا میدان جنگ گرم کیا جو بعد ازاں ۱۵۶۵ دنوں تک جاری رہی جس

میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد تقریباً ۹ ملین، شدید زخمی ہونے والوں کی تعداد ۲۲ ملین، اپاہج اور معذور ہوجانے والوں کی تعداد ۲۵ ملین بتائی جاتی ہے۔ یہ اعداد وشمار میدان جنگ کے ہیں۔ جبکہ شہروں میں مرنے اور زخمی ہونے والے افراد کی تعداد جنگ سے کہیں زیادہ ہے۔ اس جنگ پر ہونے والے اخراجات سے بلجیک، بلجیم، روس، امریکہ، جرمنی، کینیڈا اور آسٹریلیا کے مکینوں کے لیے تمام آسائشوں اور لوازمات کے ساتھ ایک مکان بنایا جاسکتا تھا۔

انسانیت کے خلاف عدم برداشت کے بین الاقوامی رجحان کے نتیجہ میں ہونے والی اس جنگ میں ساڑھے چھ کروڑ افراد دھکیلے گئے، ایک کروڑ فوجی میدان میں مارے گئے۔ ڈیڑھ کروڑ شہری قتل ہوئے۔ دو کروڑ سے زائد افراد دائمی معذور ہوئے۔ لاکھوں بچے یتیم ہوئے۔ پچاس لاکھ عورتیں بیوہ ہوئیں، لاکھوں عورتیں، بچے، فوجی اور شہری لاپتہ ہوئے۔

جبکہ دوسری عالمی جنگ میں ۳۵ ملین انسان ہلاک ہوئے، ۲۰ ملین ہاتھ پاؤں سے معذور ہوئے، ۷ ملین لیٹر خون زمین پر بہایا گیا۔ ۱۲ ملین حمل ساقط ہوئے، ۱۳ ہزار پرائمری، سیکنڈری اسکول، ۶ ہزار یونیورسٹیاں، ۸ ہزار لیبارٹریاں ویران ہوگئیں۔

امریکہ اور جاپان کی جنگ ۱۹۴۵ء میں امریکہ کی طرف سے جاپان پر دو چھوٹے بم گرائے گئے جس سے ہیروشیما میں ۷۰ ہزار افراد اور ناگاساکی میں ۴۰ ہزار افراد ہلاک ہوئے اور اتنے ہی زخمی ہوئے۔

بین الاقوامی سطح پر عدم برداشت کا عملی مظاہرہ ایک موقع پر اس وقت دیکھنے میں آیا جب مغرب کی مہذب دنیا کے اتحادی ممالک نے عراق کے خلاف جنگ میں ۴۲ دنوں میں ۸ ہزار ٹن بارود برسایا جو ہیرو شیما پر گرائے جانے والے بارود سے ساڑھے سات گنا زیادہ تھا۔ امریکی وزارت خارجہ پنٹاگون کے مطابق ایک لاکھ دس ہزار بم برسائے گئے یعنی ۴۲ دنوں میں اس جنگ میں اوسطاً ہر دو منٹ بعد ایک بم گرایا گیا اور یہ سارے بم جنگی نوعیت کی اہمیت والی جگہوں کے علاوہ کنوؤں، پانی کے ذخیروں اور رہائشی مقامات پر گرائے گئے۔ عدم برداشت کے بین الاقوامی رجحان کی بدترین مثال اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا ۱۶ اگست ۱۹۹۰ کا فیصلہ اس سے بھی زیادہ بھیانک نتائج لایا جس کے نتیجہ میں عراق پر تجارتی پابندی عائد کیے جانے کے نتیجہ میں پانچ سال کے اندر اندر پانچ لاکھ عراقی باشندے موت کے منہ میں چلے گئے، ۵ سال اور اس سے کم عمر کے ساڑھے تین لاکھ بچے لقمہ اجل بن گئے۔

اسلام، پیغمبر اسلام اور عہد نبوی ﷺ کی فتوحات پر اعتراض اور نکتہ چینی کرنے والی مغرب کی مہذب دنیا کے لیے عدم برداشت کے عمل کے نتیجے میں انسانی جانوں کا اتنا بڑا نقصان تازیانہ عبرت ہے، جنگ عظیم اوّل، جنگ عظیم دوم، ناگاساکی، ہیروشیما اور عراق پر جنگ مسلط کرنے والوں کو عہد نبوی کی فتوحات پر اعتراض کا کوئی حق نہیں۔

اسلامی دنیا کے معروف محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے عہد نبوی کے غزوات وفتوحات اور جنگی مہمات کے مکمل اعداد وشمار ذکر کیے ہیں وہ لکھتے ہیں:

رسالتمآب ﷺ کی وفات کے وقت مدینہ ایک شہری مملکت نہیں بلکہ ایک وسیع مملکت کا دارالسلطنت تھا، اس وسیع سلطنت کا تاریخی رقبہ شواہد کی رو سے تین ملین یعنی تیس لاکھ مربع کلومیٹر بن چکا تھا۔ دوسرے الفاظ میں دس سال تک اوسطاً روزانہ کوئی ۸۴۵ کلومیٹر علاقے کا ملک کے رقبہ میں اضافہ ہوتا رہا۔ سلطنت کی یہ توسیع کچھ تو پرامن ذرائع سے ہوئی اور کچھ جنگوں کے نتیجہ میں آنحضرت ﷺ کے غزوات وسرایا کے متعلق دیگر تفصیلات کے علاوہ مقتولین اور شہداء کے اعداد وشمار بھی ہمارے سامنے موجود ہیں۔

دس سال میں ایک سو بیس مہینے ہوتے ہیں تو ایک سو بیس کے دوگنے دو سو چالیس آدمی بھی ان لڑائیوں میں نہیں مرے۔ دشمن کے مقتولین کی تعداد اس سے کم تھی، مسلمانوں کے شہداء کی تعداد دشمن کے مقتولین سے بھی کم تھی۔ بہرحال بحیثیت مجموعی میدان جنگ میں قتل ہونے والے دشمنوں کی تعداد مہینے میں دو سے بھی کم ہے۔

تعلیمات وسیرتِ نبوی ﷺ

ہادی آخری واعظم، سید عرب وعجم، رحمتِ عالم حضرت محمد ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں آپ ﷺ کی پوری حیات طیبہ برداشت، رحمت ورافت، صبر وضبط، عفو درگزر اور رواداری وتحمل وبرداشت سے عبارت ہے۔

رسالتمآب ﷺ حسن اخلاق کے بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ قرآن کا بیان ہے۔

”آپ ﷺ اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں۔“

آپ ﷺ کی سیرت اور حیات طیبہ کا ہر شعبہ امت مسلمہ کے لیے مثالی راہ عمل اور لائق اتباع ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

”درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے۔“

مشرکین مکہ، منافقین مدینہ اور یثرب کے یہودیوں نے آپ ﷺ کو جیسا کچھ ستایا اور گوناگوں تکلیفیں اور اذیتیں پہنچائیں ہیں ان کا اندازہ آپ ﷺ کے حسب ذیل بیان سے لگایا جاسکتا ہے:

”مجھے اللہ کے راستے میں ایسا ستایا گیا ہے کہ انبیاء میں سے کوئی نہیں ستایا گیا۔“

اعلان نبوت کے بعد بیشتر اہل مکہ آپ ﷺ کے بدترین دشمن بن چکے تھے اور دشمنی کے اظہار میں ایذا رسانی اور ظلم وستم کا کوئی طریقہ اور موقع ہاتھ سے نہ

جانے دیتے تھے۔ تاہم مشرکین مکہ میں جو لوگ آپ ﷺ کی دشمنی، عداوت اور اظہار نفرت میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

''ابوجہل بن ہشام، ابولہب، اسود بن یغوث، حارث بن قیس، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف، ابی بن خلف، ابوقیس بن الفاکہ، عاص بن وائل، نضر بن الحارث، منبہ بن حجاج، زہیر بن ابی امیہ، سائب بن صیفی، اسود بن عبدالاسد، عاص بن سعید عاص بن ہاشم، عقبہ بن ابی معیط، حکم بن العاص، ابن الاصدی، عدی بن حمراء۔

مذکورہ بالا میں سے اکثر و بیشتر آپ ﷺ کے پڑوسی اور صاحب عزت و وجاہت تھے۔ آپ ﷺ سے نفرت اور دشمنی کے اظہار میں ہمہ وقت سرگرم رہتے، شب و روز یہی مشغلہ اور یہی دھن تھی، ان مثالی اور بدترین دشمنوں میں بھی ابوجہل، ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط دشمنی میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔

ہادی آخر و اعظم، سید عرب و عجم حضرت محمد ﷺ کو تبلیغ دین اور اعلاء کلمۃ الحق کی پاداش میں مشرکین مکہ کے سخت ترین مظالم اور ایذاء رسانی کے باوجود برداشت اور عفو و درگزر کا حکم ہوا۔

درگزر کا شیوہ اختیار کرو اور لوگوں کو نیک کام کرنے کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کش رہو۔ ایک اور موقع پر ارشاد ہوا:

''(اے پیغمبر آپ ﷺ کے ساتھ جو برائی کرے) اس کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کریں جو بہت ہی اچھا ہو وہ آپ ﷺ کی نسبت جو کچھ کہا کرتے ہیں اس سے ہم خوب واقف ہیں۔''

برداشت، صبر و ضبط، نرمی اور نرم خوئی ہادی آخر و اعظم اور توحید کے داعی اکبر حضرت محمد ﷺ کو رحمت الٰہی نے خاص طور پر اس کا حصہ وافر عنایت فرمایا تھا خود عفو و درگزر اور صبر و برداشت کے مثالی پیکر حضور انور ﷺ کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

''تو اللہ کی رحمت کے سبب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تم مزاج کے اکھڑ اور دل کے سخت ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے تتر بتر ہو گئے ہوتے۔''

سید المرسلین، رحمۃ للعالمین ﷺ کی سیرت طیبہ میں رافت و رحمت اور ضبط و برداشت کا وصف سب سے نمایاں طور پر ودیعت کیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو خاص اپنی رحمت کا نتیجہ قرار دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ برداشت، رحمت و رافت، حلم و بردباری، عفو و درگزر، چشم پوشی اور خوش خلقی، غرض ان تمام اخلاق جمیلہ کے عطر کا نام جن میں شان جمال پائی جاتی ہے آپ ﷺ کی ہی ذات ستودہ صفات میں بدرجہ کمال و تمام موجود تھیں۔ یہی برداشت، رحمت و رافت، رفق و تلطف اور نرم دلی و نرم خوئی ہے۔ جس سے انسان کا اخلاقی حسن دو چند ہو جاتا ہے۔

نزول وحی اور اعلان نبوت کے بعد دعوت عام کے موقع پر آپ ﷺ کے نہایت قریبی عزیز حقیقی چچا ابولہب عبدالعزیٰ نے کہا! تبا لک لھذا جمعتنا؟ (معاذ اللہ) تم برباد ہو اس مقصد کے لیے ہم سب کو یہاں جمع کیا۔

اس کے جواب میں سورہ لہب نازل ہوئی اور قریش کی طرف سے ذہنی، جسمانی اور روحانی تکالیف پہنچانے کا آغاز ہوا اور وہ آپ ﷺ کی مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''معجم طبرانی'' میں منیب غامدی سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ لوگوں کو یہ فرماتے تھے۔ اے لوگوں! لا الہٰ الا اللہ کہو فلاح پا جاؤ گے مگر بعض بدنصیب تو آپ ﷺ کو گالیاں دیتے تھے اور آپ ﷺ پر تھوکتے تھے اور بعض آپ ﷺ پر خاک ڈالتے، اسی طرح دوپہر ہو گئی اس وقت ایک لڑکی پانی لے کر آئی اور آپ ﷺ کے چہرہ انور اور دست اقدس کو دھویا میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا! یہ آپ ﷺ کی صاحبزادی زینبؓ ہیں۔

بخاری نے اس حدیث کو مختصراً اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ یہ حدیث حارث بن حارث غامدی سے بھی مروی ہے اس میں اس قدر اور اضافہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا! اے بیٹی تو اپنے باپ کے بے عزت ہونے کا خوف مت کر۔

طارق بن عبداللہ المحاربیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بازار ذی المجاز میں دیکھا کہ آپ ﷺ یہ فرماتے جاتے تھے کہ اے لوگو! لا الہٰ الا اللہ کہو فلاح پا جاؤ گے اور ایک شخص آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے پتھر مارتا جاتا تھا جس سے جسم مبارک خون آلود ہو گیا، وہ ساتھ ساتھ کہتا جاتا تھا۔ اے لوگو! ان کی بات نہ سننا یہ جھوٹے ہیں۔

بنی کنانہ کے ایک شیخ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو بازار ذی المجاز میں دیکھا آپ ﷺ یہ فرماتے تھے اے لوگو! لا الہٰ الا اللہ کہو کامیاب ہو جاؤ گے اور ابوجہل آپ ﷺ پر مٹی پھینکتا اور یہ کہتا جاتا تھا: اے لوگو! تم اس کے دھوکے میں نہ آنا یہ تم کو لات اور عزیٰ سے چھڑانا چاہتا ہے اور آنحضرت ﷺ اس کی طرف ذرہ برابر بھی التفات نہ فرماتے تھے۔

حضرت عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک موقعہ پر عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو جو تکالیف پہنچائی ہو اس کا ذکر کرو، تو عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے فرمایا کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ حطیم میں نماز ادا فرما رہے تھے عقبہ بن ابی معیط نے آپ ﷺ کی گردن مبارک میں کپڑا ڈال کر اس قدر زور سے کھینچا کہ گلا گھٹنے لگا سامنے سے حضرت ابوبکرؓ آگئے اور عقبہ کو دھکا دے

کر آپ ﷺ کو چھڑایا۔

ابولہب کے بیٹے عتبہ اور عتیبہ نے آپ ﷺ کی صاحبزادیوں حضرت ام کلثومؓ اور سیدہ رقیہؓ کو طلاق دی۔ ابولہب کی بیوی ام جمیل آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھاتی ہے اور راہ میں پتھر لیے کھڑی رہتی۔

آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے خانوادہ قریش کا تین برس تک ۷ء نبوت سے ۱۰ء نبوت تک سوشل بائیکاٹ کیا گیا۔ چنانچہ معصوم بچوں کے لیے کھانے پینے کی چیزیں تک بھیجنا ممنوع تھا۔ بھوک پیاس سے بچوں کے رونے اور بلبلانے کی آوازیں آتی تھیں لیکن قریش کا دل نہیں پسیجتا تھا۔

حضرت عثمان بن عفانؓ سے روایت ہے کہ ایک بار میں نے رسول اللہ ﷺ کو طواف کرتے دیکھا آپ ﷺ طواف فرما رہے تھے اور عقبہ بن ابی معیط، ابوجہل اور امیہ بن خلف حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے جب آپ ﷺ ان کے سامنے سے گزرے تو انہوں نے کچھ نازیبا کلمات آپ ﷺ کو سنا کر کہے، آپ ﷺ دوسری مرتبہ ادھر سے گزرے تب بھی انہوں نے ایسا ہی کیا جب آپ ﷺ تیسری مرتبہ گزرے تو پھر اسی قسم کے بے ہودہ کلمات کہے تو آپ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور ٹھہر گئے۔

غمگسار چچا حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد آپ ﷺ کا کوئی حامی اور مددگار نہ رہا اور حضرت خدیجہؓ کے رخصت ہو جانے سے کوئی تسلی دینے والا اور غمگسار نہ رہا۔ شوال ۱۰ نبوی میں طائف کا قصد فرمایا کہ شاید یہ لوگ اللہ کی ہدایت کو قبول کریں اور اس کے دین کے حامی اور مددگار ہوں۔ زید بن حارثہؓ کو ہمراہ لے کر طائف تشریف لے گئے۔

عبد یالیل، مسعود حبیب ان تینوں بھائیوں پر جو وہاں کے سرداروں میں سے تھے اسلام پیش کیا بجائے اس کے کہ کلمہ حق کو سنتے، نہایت سختی سے آپ ﷺ کو جواب دیا۔ ایک نے کہا! کیا خدا نے کعبہ کا پردہ چاک کرنے کے لیے تجھ کو نبی بنا کر بھیجا ہے؟ ایک نے کہا! کیا خدا کو اپنی پیغمبری کے لیے تمہارے سوا اور کوئی نہیں ملا؟ ایک نے کہا! خدا کی قسم میں تم سے کلام ہی نہیں کروں گا۔ اگر واقعی اللہ نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے تو تمہارے کلام کو رد کرنا سخت خطرناک ہے۔ اور اگر تم اللہ کے رسول نہیں تو پھر قابل خطاب اور التفات نہیں اور بعد ازاں اوباش اور بازاری لڑکوں کو اکسا دیا کہ وہ آپ ﷺ پر پتھر برسائیں اور آپ ﷺ کی ہنسی اڑائیں، ظالموں نے اس قدر پتھر برسائے کہ آپ ﷺ زخمی ہو گئے۔ جب آپ ﷺ زخموں کی تکلیف سے بیٹھ جاتے تو یہ بدنصیب آپ کے بازو پکڑ کر دوبارہ پتھر برسانے کے لیے کھڑا کر دیتے اور ہنستے۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک بار عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ پر کیا احد سے بھی زیادہ سخت دن گزرا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! تیری قوم سے جو تکلیفیں پہنچیں سو پہنچیں، لیکن سب سے زیادہ سخت دن وہ گزرا جس دن میں نے اپنے آپ کو عبد یالیل کے بیٹے پر پیش کیا اس نے میری بات کو قبول نہیں کیا، میں وہاں سے نہایت غمگین اور رنجیدہ واپس ہوا مقام قرن الثعالب میں پہنچ کر کچھ افاقہ ہوا، یکایک جو سر اٹھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک ابر مجھ پر سایہ کیے ہوئے ہے اور اس میں جبریل امین موجود ہیں۔ اور کہا کہ آپ ﷺ کی قوم نے آپ ﷺ کو جو جواب دیا ہے وہ اللہ نے سن لیا ہے اس وقت اللہ نے آپ ﷺ کے پاس ملک الجبال کو بھیجا ہے تاکہ آپ ﷺ حکم دیں تو ان پہاڑوں کو جن کے درمیان اہل طائف رہتے ہیں ملا دیا جائے جس سے تمام لوگ پس جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا! نہیں میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ اللہ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اس وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

مشرکین کے پے در پے مظالم اور ایذا رسانی کے نتیجہ میں جو اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ مشرکین کی مجلس ندوہ کے متفقہ فیصلے کے مطابق آپ ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا گیا اور اعلان عام کیا گیا کہ ہر قبیلے سے ایک فرد لیا جائے یوں سب مل کر بیک وقت وار کریں اور معاذ اللہ آپ ﷺ کو قتل کر دیا جائے تو کسی پر قصاص اور تاوان نہیں آئے گا۔

چنانچہ اس غرض سے رات کو کاشانہ نبوی ﷺ کا محاصرہ کیا گیا لیکن آپ ﷺ پہرے کے سامنے سے مدینہ طیبہ کی ہجرت کے ارادہ سے عازم سفر ہوئے اور مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا۔

جب مشرکین مکہ آپ ﷺ کے تعاقب میں ناکام ہو گئے تب بھی ان کی آتش عداوت سرد نہ ہوئی اور انہوں نے انتقامی جذبے اور دشمنی کے اظہار کے لیے آپ کی گرفتاری پر سو اونٹوں کا انعام رکھا۔

سرکار دو عالم ﷺ کا قیام جب تک مکہ میں رہا قریش اور مشرکین مکہ کی ستم ظریفیاں جاری رہیں اور مدینہ پہنچنے پر اور زور پکڑ گئیں۔ مدینہ میں دو مخالف قوتوں کا اور اضافہ ہو گیا، منافقین اور یہود۔

قرآن کریم میں سورہ المنافقون میں منافقین کے کردار کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔ مورخ محمد بن حبیب بغدادی نے منافقین کو نام بنام گنایا ہے۔

مدینہ کے یہودی عالم و پیشوا جن کی تعداد تقریباً ۴۵ تھی، رحمت عالم ﷺ کے شدید مخالف اور جانی دشمن تھے انہیں ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ء نے نام بنام گنایا ہے۔

یہود نے کھانے میں زہر ملایا۔ لبید بن الاعصم یہودی نے آپ ﷺ پر سحر کیا۔

ایک بار کچھ یہود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور السلام علیکم کے بجائے ''السام علیکم'' یعنی ''تم کو موت آئے'' کہا حضرت عائشہؓ سنا تو جواب میں کہا! ''تم کو موت آئے، خدا تم پر لعنت بھیجے اور تم پر خدا کا عذاب نازل ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے سنا تو فرمایا! اے عائشہ نرمی اختیار کرو اور سختی اور بدزبانی سے بچو۔

پیکرِ عفوو برداشت

انسان کے ذخیرۂ اخلاق میں سب سے کم یاب اور نادر الوجود شے دشمنوں پر رحم، ان سے عفوو درگزر ہے، لیکن پیغمبر رحمت محسن انسانیت ﷺ کی ذات اقدس میں یہ جنس فراواں تھی، اپنے دشمن سے انتقام لینا انسانی فطرت کا لازمی حصہ ہے لیکن یہی فطرت رحمت عالم ﷺ کی سیرت طیبہ اور تعلیمات میں معدوم نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے بدترین اور انسانی تاریخ کے مثالی دشمنوں سے حسن سلوک برداشت ورواداری اور عفوودرگزر کا عملی مظاہرہ کر کے یہ ثابت کردیا کہ آپ ﷺ دونوں جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے! مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ جو کوئی مجھ پر ظلم کرے میں اسے قدرت انتقام کے باوجود معاف کردوں، جو مجھ سے قطع کرے میں اسے ملاؤں، جو مجھے محروم رکھے میں اسے عطا کروں، غضب اور خوشنودی دونوں حالتوں میں حق گوئی شیوہ بناؤں۔ یوں تو آپ ﷺ کی پوری حیات طیبہ کفار ومشرکین اور دشمنوں سے حسن سلوک، برداشت، عفوودرگزر اور رواداری سے عبارت ہے لیکن اسکا اہم موقع ''فتح مکہ'' ۱۰ رمضان ۸ ھجری جنوری ۶۳۰ ہے کہ جب آپ ﷺ کو اپنے دشمنوں پر کامل اختیار واقتدار حاصل تھا جب صحن کعبہ میں اسلام، پیغمبر اسلام، اور جاں نثاران اسلام کے دشمن گروہ در گروہ سر جھکائے کھڑے تھے، کیسے دشمن؟ جنہوں نے داعی اسلام کے سر مبارک کو شانہ مقدس سے جدا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا؟ جنہوں نے آپ ﷺ کے چچا کا کلیجہ دانتوں سے چبایا جنہوں نے ہر موقع پر آپ ﷺ کو بدنام کرنے اور اذیت رسانی میں کوئی دریغ نہیں کیا تھا لیکن آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر تمام روایات، خدشات اور توقعات کے برعکس برداشت اور عفوودرگزر کے اسوۂ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے فرمایا: ''تم پر کوئی ملامت نہیں تم سب آزاد ہو۔''

رحمت عالم ﷺ دس ہزار کے لشکر کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے تو مشرکین مکہ کو اپنا ظلم وستم یاد تھا اور انتقام کا ڈر تھا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے پانچ باتوں کی منادی کرائی:

1- جو مسجد حرام میں داخل ہوا، اسے امان حاصل ہے۔

2- جو کعبۃ اللہ کے پردے سے لپٹا ہوگا وہ مامون ہے۔

3- جس نے ہتھیار پھینک دیئے وہ بھی مامون ہے۔

4- ابوسفیان کے گھر میں جو داخل ہوا، اسے بھی امان حاصل ہے۔

5- جو گھر میں رہا اور دروازہ بند رکھا، اسے بھی امان حاصل ہے۔

ایک اور روایت میں مزید الفاظ ملتے ہیں جس کے مطابق:

☆ جو کوئی حکیم بن حزام کے گھر جا رہے اسے قتل نہ کیا جائے۔

☆ بھاگ جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔

☆ زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔

برداشت، صبر وضبط اور اعراض کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پہلوان وہ نہیں ہے جو دوسرے کو پچھاڑ دے، پہلوان وہ ہے جو غصے میں اپنے کو قابو میں رکھتے ہوئے برداشت سے کام لے۔

حضرت ابو ہریرہؓ، ابن عمرؓ، حضرت جاریہ بن قدامہؓ، حضرت ابوالدرداءؓ وغیرہ متعدد صحابہ کرامؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھے کوئی نصیحت کیجئے، ارشاد ہوا کہ غصہ نہ کیا کرو، برداشت سے کام لو، انہیں یہ بات معمولی معلوم ہوئی تو دوبارہ پھر سہ بارہ سوال کیا آپ ﷺ نے ہر دفعہ یہ فرمایا کہ غصہ نہ کیا کرو۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ اپنے کو ''غافر'' بخشنے والا، ''غفار'' بڑی بخشائش کرنے والا اور ''عفو'' معاف کرنے والا اور ''غفور'' بخشنے والا کہا ہے۔

اور فرمایا ہے:

''کسی برائی کو معاف کرو تو بے شک اللہ معاف کرنے والا قدرت والا ہے۔''

انسان اگر برداشت اور ضبط سے کام لیتے ہوئے اپنے کسی قصوروار کو معاف کرتا ہے تو اس کی قدرت بہر حال کامل نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ جس کی قدرت کے سامنے کسی کے دم مارنے کی مجال نہیں وہ معاف فرماتا ہے تو لاچار انسان کو صبر و برداشت کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے قصورواروں کو معاف کرنا کتنا زیبا اور سزاوار ہے تو جس طرح قدرت کاملہ اور اقتدار اعلیٰ کا مالک ہمارے قصوروں کو معاف فرماتا ہے اسی طرح ہمیں بھی چاہیے کہ برداشت اور عفوودرگزر سے کام لیتے ہوئے اپنے قصورواروں کو معاف کریں۔

''اور برائی کا بدلہ ویسے ہی برائی ہے لیکن جو شخص معاف کردے اور صلح کرلے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اور وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

''اور جو شخص صبر کرے اور دوسرے کی لغزش معاف کردے تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔''

قرآن کریم میں مومنوں اور پرہیز گاروں کا خاص وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ برداشت اور صبرو ضبط سے کام لیتے ہوئے برداشت کا عملی اظہار اس

طرح کرتے ہیں:

''اور وہ غصے کو پی جاتے ہیں (باوجود تمام تر غضب اور قوت اقتدار کے برداشت سے کام لیتے ہیں) اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں۔''

اخلاق کی سب سے بھاری اور دشوار ترین تعلیم جو اکثر نفوس پر شاق گزرتی ہے وہ برداشت، عفو و درگزر، ضبط نفس، تحمل اور برداشت کی ہے لیکن اسلام نے اس سنگلاخ زمین کو بھی نہایت آسانی سے طے کیا ہے، سب کو معلوم ہے کہ اسلام میں شرک اور بت پرستی سے کتنی شدید نفرت کا اظہار کیا گیا ہے اور رب ذوالجلال کی توحید اور عظمت و جلالت کا کتنا اعلیٰ اور ناقابل تبدیل تصور اس نے پیش کیا ہے۔ جو خالص اسلام کا امتیازی حصہ ہے۔ تاہم مسلمانوں کو یہ تاکید کی جاتی ہے کہ تم مشرکوں کے بتوں کو برا بھلا نہ کہو، ایسا نہ ہو کہ وہ ضد میں تمہارے معبود برحق کو برا کہہ بیٹھیں:

''اور جن کو یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا نہ کہو کہ وہ اللہ کو بے ادبی سے نادانستہ برا کہہ بیٹھیں۔''

یہ برداشت کی انتہائی تعلیم ہے رسول اللہ ﷺ کو باوجود کفار مکہ کے سخت ترین مظالم اور ایذا رسانی کا حکم ہوا کہ کفار اور مشرکین کے ظلم و ستم اور گالی گلوچ پر صبر کرو اور ان کو معاف کرو اور اسی برداشت اور عفو و درگزر کا حکم امت کو ہو رہا ہے۔

''معاف کرنے کی خو پکڑے رہو اور نیکی کا حکم دیتے رہو اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کرو۔''

سکون کی حالت میں برداشت اور صبر و درگزر آسان ہے، مگر ضرورت ہے کہ انسان غصے میں بھی برداشت اور صبر و ضبط کا دامن نہ چھوڑے، صحابہؓ کی تعریف میں فرمایا گیا:

''اور جب غصہ آجائے تب بھی وہ معاف کر دیتے ہیں۔''

نیکوکار اور پرہیزگار مومنوں کی خاص علامت یہ بیان کی گئی کہ وہ برداشت اور درگزر سے کام لیتے ہوئے اپنے غصے کو پی جاتے ہیں۔

انتقام کی قدرت ہونے اور استطاعت رکھنے کے باوجود برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کو معاف کر دینا بہت بڑی بلند ہمتی کا کام ہے۔ فرمایا گیا: ''اور البتہ جس نے برداشت کیا اور معاف کیا تو وہ بے شک ہمت کے کام ہیں، اس برداشت اور عفو کو ''عزم'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جو خاص انبیاء اور پیغمبروں کی توصیف میں آیا ہے۔

''اور برداشت کرو جس طرح ہمت اور عزم والے پیغمبروں نے برداشت کیا۔''

مندرجہ بالا آیات میں برداشت، صبر عفو و درگزر، تحمل اور ضبط کو بڑی اہمیت، اخلاقی بہادری اولوالعزمی اللہ کی محبوبیت و تقرب کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ سید المرسلین، خاتم النبیین، ہادی آخر و اعظم، سید عرب و عجم پوری کائنات انسانی کے لیے ہادی بنا کر مبعوث کیے گئے تھے۔ آپ ﷺ کی نبوت اور ابدی پیغام پوری بنی نوع انسان کے لیے ہے۔ قرآن کا بیان ہے۔

''اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔''

آپ ﷺ کی یہی وہ خصوصیت ہے جو آپ ﷺ کو ہادی عالم ﷺ کی حیثیت سے نمایاں کر کے آپ ﷺ کے ابدی پیغام کی عالمگیریت کا اظہار کرتی ہے۔ جبکہ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کی ذات اور سیرت و کردار پوری امت کے لیے اسوۂ حسنہ اور ابدی نمونہ عمل ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔:

''بے شک تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔'' قرآن کریم اور فرامین صادق و امین ﷺ اس حقیقت کی مزید وضاحت کرتے نظر آتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کی پیروی اور مکمل اطاعت نجات اور صلاح و فلاح کا واحد اور یقینی ذریعہ ہے۔

ہادی آخر و اعظم ﷺ کی ذات سراپا برداشت، عفو و درگزر، روادار اور رحم مجسم تھی۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا یہی وہ پہلو ہے جو آپ ﷺ کو بنی نوع انسان میں ممتاز و منفرد کرتا نظر آتا ہے۔ چنانچہ دعوت اسلام کے آغاز سے فتح مکہ تک کے کٹھن سفر میں حیات طیبہ ﷺ برداشت اور عفو و درگزر کے وہ نمونے پیش کرتی ہے جو پوری انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ دعوت اسلام کا آغاز اور تبلیغ دین کا موقع ہو، شعب ابی طالب کی گھاٹی، عام الحزن والملال ہو، طائف کی وادی ہو، دیوانہ، جادوگر اور مجنون کہا جا رہا ہو، جسد اطہر پر گندگی ڈالی جا رہی ہو، راہ میں کانٹے بچھائے جا رہے ہوں، آپ ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا جا رہا ہو، ہجرت پر گھر بار، آل اولاد اور عزیز و اقارب چھوڑنے پر مجبور کیا جا رہا ہو، مشرکین، منافقین، یہود مدینہ کے کون کون سے مظالم تھے جن پر آپ ﷺ نے صبر و برداشت سے کام نہ لیا۔ صلح حدیبیہ کا موقع ہو، مکہ میں فاتحانہ داخلہ ہو، ہر موقع اور ہر لمحے پر برداشت کا عملی نمونہ پیش کر کے قیامت تک انسانیت کے لیے نمونہ عمل پیش کر دیا۔ آج قومی اور بین الاقوامی سطح پر عدم برداشت کے رویوں میں جو قومی سطح پر فرقہ وارانہ، نسلی، علاقائی اور لسانی و مذہبی اختلافات کی صورت میں نظر آ رہے ہیں، قتل و غارت گری دہشت گردی اور سفاکی کے مناظر اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات کی سراسر نفی ہیں۔ اسی طرح بین الاقوامی سطح پر برداشت کا ماحول عالمی سطح پر دنیا کے بیشتر خطوں میں نظر آ رہا ہے۔ ان حالات میں راہ نجات اور صلاح و فلاح کا راستہ صرف اور صرف اسوۂ رسول اکرم ﷺ اور تعلیمات نبوی ﷺ میں ہے۔ ❀

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت مُعلّم

مفتی غلام قادر

☆ جب سید المرسلین ﷺ پر وحی کے نزول کا آغاز ہوا تو سب سے پہلا حکم پڑھنے، پڑھانے اور سیکھنے، سکھانے کے بارے میں ہوا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ o خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ o اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ o الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ o عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ o

حالانکہ عرب کے حالات کے پیش نظر پہلا اعلان توحید کا بھی ہوسکتا تھا کیونکہ بت پرستی اور شرک عام تھا۔ پہلا اعلان رسالت کا بھی ہوسکتا تھا، کیونکہ خالق و مخلوق کا ٹوٹا ہوا رشتہ اللہ کے رسول ﷺ کے ذریعے جڑ سکتا تھا۔ پہلا حکم قیامت کے بارے میں بھی ہوسکتا تھا کیونکہ یوم آخرت پر یقین آنے سے تمام اعمال وعقائد کو اپنانا آسان ہوجاتا ہے، پہلا اعلان انسانی حقوق کے بارے میں بھی ہوسکتا تھا، کیونکہ وہ پامال ہو رہے تھے۔ پہلا اعلان اعلیٰ اخلاق واوصاف کے بارے میں بھی ہوسکتا تھا۔ کیونکہ ان کے ساتھ موصوف ہونے کی صورت میں کامل انسان بن سکتا ہے۔ پہلا اعلان اللہ کی عبادت، شکر، صبر، جہاد اور ذکر اللہ کے بارے میں بھی ہوسکتا تھا۔ مگر سب سے پہلا حکم پڑھنے کا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے خود سرکار دو عالم ﷺ کو تعلیم دی۔ قرآن مجید میں ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ان تمام باتوں کی تعلیم دی جو آپ ﷺ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آنخضرت ﷺ کی عمدہ تربیت فرمائی اور خود اعلان فرمایا۔

''اور آپ ﷺ خلق عظیم کے ساتھ متصف ہیں۔''

آنخضرت ﷺ کی تعلیم میں جبرئیل امین اسی طرح واسطہ ہیں جیسا کہ معلم اور متعلم کے درمیان قلم واسطہ اور ذریعہ ہوتا ہے۔ قلم باوجود ذریعہ تعلیم ہونے کے معلم اور متعلم پر فضیلت نہیں رکھتا۔ اسی طرح جبرئیل امینؑ بیشک واسطہ تعلیم ہیں مگر آنخضرت ﷺ کو اصل تعلیم دینے والے خود اللہ تعالیٰ ہیں۔ ارشاد باری ہے:

''اس نے انسان کو (رسول پاک کو) ان باتوں کی تعلیم دی جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

تعلیم وتدریس اعلیٰ اور مقدس منصب ہے اور اوصاف فرائض نبوت میں سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان فرمایا کہ انہی میں سے ایک عظمت والا پیغمبر بھیجا جو اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور انہیں معاصی کی آلائشوں سے پاک وصاف کرتا ہے اور انہیں کتاب اللہ اور حکمت و دانائی کی باتوں کی تعلیم دیتا ہے۔''

آیتِ کریمہ میں آپ ﷺ کی صفت معلمی کو اجاگر کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیم کا نصاب کتاب اللہ اور حکمت یعنی سنتِ رسول اللہ ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں۔ کہ مسجد نبوی میں آنخضرت ﷺ کا گزر دو مجلسوں پر ہوا۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کو فرمایا کہ یہ دونوں خیر پر ہیں۔ ان میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر فضیلت رکھتی ہے۔ ان میں ایک جماعت اللہ سے دعائیں کر رہی ہے اور اپنی رغبت کا اظہار کر رہی ہے اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو اس کو وہ دیدے جو وہ مانگ رہی ہے اور چاہے تو وہ چیز اس سے روک لے لیکن یہ دوسری جماعت والے علم حاصل کر رہے ہیں اور جاہل کو تعلیم دے رہے ہیں یہ افضل ہیں آپ اسی جماعت میں بیٹھ گئے اور فرمایا میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

آنخضرت ﷺ کا دنیائے انسانیت پر بڑا احسان ہے کہ آپ ﷺ نے علم پر اجارہ داری کا خاتمہ کیا اور علم کو پانی، ہوا، اور روشنی کی طرح عام کر دیا ورنہ اس سے پہلے علم و تعلم پر راہبوں، پنڈتوں، جادوگروں اور کاہنوں کی اجارہ داری تھی، چنانچہ آنخضرت ﷺ نے علم کو عام کرنے کے لئے فرمایا:

''علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ اور فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔'' نیز ارشاد فرمایا:

''حکمت کی بات تو مومن کی گمشدہ متاع ہے وہ اسے جہاں پائے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔''

کامل معلم اپنے شاگردوں میں حصولِ علم کا شوق اور جذبہ پیدا کرتا ہے چنانچہ آپ ﷺ نے بھی اپنے شاگردوں (صحابہ کرامؓ) میں حصولِ علم کا شوق پیدا کر دیا۔ آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے اعلان ہوا!

''آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ کیا علم والے اور بے علم برابر ہوسکتے ہیں۔'' آنخضرت ﷺ کمال علم کے باوجود یہ دعا کیا کرتے تھے:

''اے میرے رب میرے علم میں اضافہ کر دیجئے۔''

آنخضرت ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص علم کی طلب میں اپنے گھر سے نکلا ہو، واپس آنے تک اللہ کے راستہ میں نکلا ہوا شمار ہوگا'' ارشاد فرمایا:

''رات کی ایک گھڑی میں علم کا باہم تکرار و تدارس پوری رات عبادت میں گزارنے سے بہتر ہے۔''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اس عالم کی فضیلت جو فرائض کے ادا کرنے کے بعد لوگوں کو خیر کی تعلیم دے اس عابد پر جو دن کو روزہ رکھے اور رات عبادت میں گزارے اتنی ہے جیسا کہ میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ پر۔''

آنحضور ﷺ کا طرزِ تعلیم

آنخضرت ﷺ کی اعلیٰ صفات میں سے کمال

علم، عظیم حکمت، اعلیٰ اخلاق، شاگردوں کے ساتھ شفقت و رحمت، ان کی تعلیم و تربیت کے لئے عمدہ اور فصیح اسالیب کا استعمال اور ان کی خبر گیری کے اوصاف اپنے کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔

1- آنحضرت ﷺ کے طرزِ تعلیم کے متعلق حضرت انسؓ ذکر کرتے ہیں کہ میں سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں دس سال رہا اس عرصہ میں آنحضرت ﷺ نے مجھے کبھی ڈانٹ ڈپٹ نہیں فرمائی اور جو کام میں نے کیا اس پر کبھی یہ نہیں فرمایا کہ کیوں کیا اور جو کام میں نے نہیں کیا اس پر کبھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام تم نے کیوں نہیں کیا۔

2- آنحضرت ﷺ کی تعلیم کا وہ نمونہ امت کے سامنے ہے جبکہ ایک بدوی مسجد میں پیشاب کرنے لگا، صحابہ کرامؓ نے اسے ڈانٹنا شروع کیا۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو روک دیا، جب وہ اعرابی پیشاب سے فارغ ہوا تو آنحضرت ﷺ نے نہایت ہی شفقت سے اسے فرمایا کہ یہ مساجد اس قسم کے معاملہ کے لائق نہیں ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا یہ عمل نہایت ہی حکمت پر مبنی تھا کیونکہ اگر اعرابی کو ڈانٹا جاتا تو دو صورتوں میں سے ایک صورت پیش آتی یا تو وہ جاتے ہوئے پیشاب کرتا جاتا تو پوری مسجد ناپاک ہو جاتی اور اگر وہ پیشاب کو روک لیتا تو یہ اس کی صحت پر اثر انداز ہوتا۔

3- آنحضرت ﷺ کا طرزِ تعلیم عموماً سوال و جواب کی شکل میں ہوتا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت معاذؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے معاذ تو جانتا ہے کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے اور بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے؟ حضرت معاذؓ نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک نہ کرے اللہ اسے عذاب نہ دے۔''

4- رسول اللہ ﷺ حضرت معاذؓ کو یمن میں قاضی بنا کر بھیجنے لگے تو تعلیم بصورت سوال و جواب فرمائی، سوال کیا کہ تم کس طرح فیصلے کرو گے، تو انہوں نے جواب دیا کہ کتاب اللہ کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ میں تمہیں وہ مسئلہ نہ ملے تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر سنت رسول اللہ میں بھی تمہیں وہ مسئلہ نہ ملے، تو انہوں نے کہا میں اجتہاد کروں گا اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے رسول اللہ ﷺ کے نمائندہ کو اس بات کی توفیق دی جس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ راضی ہیں۔''

5- رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرامؓ کو ایک نہایت ہی اہم مسئلہ کی تعلیم دینے کی خاطر سوال کیا کہ یہ کون سا شہر ہے؟ کون سا مہینہ ہے؟ اور کون سا دن ہے؟ صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ ہم نے خیال کیا کہ شاید رسول اللہ ﷺ شہر، مہینہ اور دن کے نام تبدیل کرنا چاہتے ہیں، تو ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے مکہ شریف، ذی الحجہ اور یوم النحر کا نام لیا اور فرمایا کہ جس طرح تمہارا یہ شہر اور یہ تمہارا دن حرمت اور عظمت والے ہیں۔ اسی طرح تمہاری جانیں اور تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں بھی حرمت اور عظمت رکھتی ہیں۔

6- ''جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔'' آنحضرت ﷺ کی اس تعلیم پر عمل کر لیا جائے تو دنیا میں ہر قسم کے فساد کی بیخ کنی ہو سکتی ہے۔

7- ''تو لوگوں کے لیے وہی بات پسند کر جو تو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔'' مثلاً ہر شخص چاہتا ہے کہ اگر وہ دوسرے کے پاس جائے تو دوسرا اس کے ساتھ عزت سے پیش آئے اور اس کا کام کر دے۔ اسی طرح جب دوسرا شخص آپ کے پاس آئے تو آپ کو بھی اس کے ساتھ یہی برتاؤ کرنا چاہیے۔

8- آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''جو شخص اپنے دوسرے بھائی کی حاجت پوری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجتیں پوری کرتا ہے اور جو آدمی کسی مسلمان کی کوئی دنیاوی تکلیف دور کر دے تو اللہ تعالیٰ قیامت کی تکلیفوں میں سے اس کی تکلیف دور کرے گا۔''

9- ہمسائے کے حقوق کے بارے میں فرمایا:

''وہ آدمی بہشت میں داخل نہ ہوگا جس کے فتنوں سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہ رہے۔''

10- یتیم کی خبر گیری کے سلسلے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو شخص یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرتا ہے اس کے سر کے جتنے بال پر اس کا ہاتھ گزرا ہے اتنی ہی نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔''

11- نیکی اور گناہ کی پہچان کے لئے ارشاد فرمایا:

''نیکی تو حُسنِ خلق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو ناپسند کرے کہ لوگ اس پر مطلع ہو جائیں۔''

آنحضرت ﷺ کی چند تعلیمات بطور نمونہ عرض کی گئی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی نیابت میں کامل معلم وہی ہو سکتا ہے جو اسی طرز پر تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دے جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا طرزِ عمل پوری انسانیت کے لیے نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سرکار دو عالم ﷺ کی اتباع کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین ❁

محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ کی فتح

سید قطب شہید

☆ زمین کے گوشہ گوشہ میں روز وشب لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی کروڑوں آوازیں گونجتی ہیں۔ یہ آوازیں چودہ صدیوں سے نہ خاموش ہوئی ہیں اور نہ گم۔ سلطنتیں بدل گئیں۔ حالات متغیر ہوگئے۔ لیکن زمانہ کے دل میں پیوست یہ ابدی گونج متغیر نہیں ہوئی۔

یہ آوازیں محمد ﷺ بن عبداللہ کی فتح کی جیتی جاگتی دلیل ہیں۔ آپ ﷺ کی یہ فتح کسی غزوہ یا معرکہ کی فوجی کامیابی نہیں، مکہ کی فتح نہیں، جزیرہ عرب کو مغلوب کرلینے کی تاریخی حقیقت بھی نہیں، قیصر وکسریٰ کو سرنگوں کرلینے کا مہتم بالشان واقعہ بھی نہیں۔ بلکہ وہ فتح ہے جس نے زندگی کی سرشت میں اپنا مقام پیدا کرلیا۔ جو تاریخ کا دھارا موڑنے والی ہے، دنیا کی قسمت پر متصرف ہے اور زمانہ کے قلب میں متمکن ہے۔

یہ وہ فتح ہے جو امت مسلمہ کو پہنچ جانے والے کسی ضعف سے ختم نہیں ہوتی، نئے نئے مذاہب اور فلسفے اس کی قدر وقیمت کم نہیں کرسکتے، زمین کے کسی گوشہ میں ایک فریق کا دوسرے فریق پر غلبہ اس کا نور بجھا نہیں سکتا۔ اس لئے کہ اس کے بیج کائنات کی گہرائیوں میں دفن ہیں اور انسان کے ضمیر اس پر گواہ ہیں، یہ فتح آپ اپنی دلیل ہے۔ اس کے لئے کسی دوسری دلیل یا برہان کی ضرورت نہیں۔

آیئے ہم اس کے اسباب اور وسائل کا پتہ لگانے کی کوشش کریں تاکہ آج ہم وہی ذرائع و وسائل اختیار کرسکیں اور انہی اسباب کے مطابق کام کرسکیں۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ تھی کہ محمد ﷺ بن عبداللہ کامیاب وکامران ہوں اور دین مستقیم کو غلبہ نصیب ہو، لیکن اللہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کامیابی کو آسان اور سہل بنادے اور نہ یہ چاہتا تھا کہ اسے معجزہ بنادے کہ کوئی انسانی کوشش اور ذریعہ اسے حاصل نہ کرسکے۔ اس نے اسے رسول اللہ ﷺ کی جدوجہد کا شیریں پھل اور آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کی قربانیوں کا منطقی نتیجہ بنایا۔

چنانچہ جو شخص معلوم کرنا چاہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کامیابی کیسے حاصل کی اور اسلام کو فتح کیسے حاصل ہوئی، اسے آپ ﷺ کی شخصیت، سلوک، سیرت، اور جدوجہد کے مطالعہ سے معلوم کرنا چاہیے اسے معلوم ہوجائے گا کہ کامرانی کا طریقہ مقرر ہے۔ اس کے وسائل موجود ہیں۔ اسباب حاضر ہیں اور کوئی بھی شخص کسی بھی زمانہ میں، کسی بھی جگہ اگر کامران ہونا چاہے تو اسے رسول اللہ ﷺ کو اپنے لئے نمونہ بنانا چاہیے۔

محمد ﷺ بن عبداللہ کی کامیابی کے تین بنیادی مراحل ہیں۔ اسی میں سارے دیگر مراحل پوشیدہ ہیں۔ محمد ﷺ بن عبداللہ نے کامیابی کا پہلا مرحلہ اس دن طے کیا جس دن قریش کے سردار ابوطالب سے یہ مطالبہ کرنے آئے کہ اپنے اس بھتیجے کو روکے جس نے ان کے دین، ان کی رسومات اور ان کے اعتقادات میں مداخلت کرکے ان کو ہلاکر رکھ دیا ہے۔ اسے ان کے معبودوں کے بارے میں بولنے سے روک دے اور اس کے بدلہ میں اگر وہ چاہے تو وہ اسے مالامال کردیں، اگر سردار بننا چاہے تو سرداری عطا کریں اور اس کے بعد اسے ان پر پورا اختیار ہوگا۔

محمد ﷺ بن عبداللہ کامراں رہے جب آپ ﷺ نے ان لوگوں کے اور زمانہ کے کانوں میں ایمان کے منبع سے پھوٹنے والی ابدی بات کہی۔ ''خدا کی قسم، چچا جان! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں تاکہ میں یہ چھوڑ دوں، تو میں یہ ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ مجھے موت آجائے۔'' خدا کی قسم کیا ہی زلزلہ خیز شان وشکوہ ہے، کتنی پر شکوہ تصویر ہے۔

اس دن محمد ﷺ بن عبداللہ کی کامیابی کا دوسرا مرحلہ جب طے ہوگیا تو آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کو ایمان کی زندہ، چلتی پھرتی تصویریں بنادیا ان میں سے ہر ایک کو زمین پر چلنے پھرنے والا زندہ قرآن اور مجسم اسلام بنادیا۔ لوگ انہیں کیا دیکھتے، گویا اسلام کو دیکھ لیتے۔

خالی نصوص کچھ نہیں کرسکتے۔ صرف مصحف سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اگر ان پر عمل کرنے والا انسان نہ ہو۔ نظریات زندہ نہیں رہ سکتے۔ اگر عملاً اپنائے نہ جائیں۔ محمد ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ انسان تیار کریں، صرف وعظ ونصیحت نہ کریں۔ دلوں اور ضمیروں کو ڈھالیں، صرف تقاریر نہ کریں، ایک امت کی تعمیر کریں۔ صرف فلسفہ پیش نہ کریں..... نظریہ تو قرآن نے پیش کردیا تھا..... محمد ﷺ کا مشن یہ تھا کہ اس مجرد فکر کو، اس نظریہ کو انسانوں کے قالب میں ڈھال دیں اور ایسی زندہ حقیقت بنادیں۔ جنہیں ہاتھ چھو سکیں اور آنکھیں دیکھ سکیں۔

جب یہ لوگ زمین کے مشرق و مغرب میں گئے تو لوگوں نے دیکھا کہ یہ تو کوئی بالکل نئی مخلوق ہے۔ انسانیت اس سے پہلے اس سے آشنا نہ تھی۔ اس لئے کہ وہ اس نظریہ کے زندہ نمونے تھے۔ جو اس وقت کی انسانیت کے لئے اجنبی ہو گیا تھا۔ اس وقت لوگ اس نظریہ پر ایمان لے آئے۔ اس لئے کہ وہ ان لوگوں پر ایمان لے آئے تھے جن میں یہ نظریہ جلوہ گر تھا۔

یہ محمد ﷺ کی کامیابی تھی کہ آپ ﷺ نے اسلامی فکر کو انسانی شکل میں ڈھال دیا۔ مصحف کے سینکڑوں اور ہزاروں نسخے لکھے۔ لیکن یہ روشنائی کے ذریعہ کاغذ کے صفحات پر نہیں لکھے گئے تھے بلکہ نور کے ذریعہ دلوں پر لکھے گئے تھے۔ لوگوں کے تامل کی صورت میں لکھے گئے تھے۔ لوگوں کا عمل یہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ اسلام کیا ہے جو اللہ کے پاس سے محمد ﷺ بن عبداللہ لے کر آئے ہیں۔

اور محمد ﷺ بن عبداللہ کی آخری کامیابی یہ تھی کہ شریعت اسلامیہ کو زندگی پر حکمرانی کرنے والا ضابطہ، معاشرہ کی تبدیلیوں کا بنیادی مرکز اور لوگوں کے معاملات کا حقیقی منتظم بنا دیا۔

اسلام ایک عقیدہ ہے جس کے بیج سے شریعت کی کونپل پھوٹی ہے۔ اس شریعت پر ایک نظام قائم ہوتا ہے۔ اگر ہم اسلام کو ایک درخت سے تشبیہ دیں تو عقیدہ اس کا بیج، شریعت اس کا تنا اور نظام شرعی اس کا پھل ہے۔

تنا بیج کے بغیر جڑ نہیں پکڑ سکتا اور اس بیج کی کوئی قیمت نہیں جس سے تنا نہ نکلے۔ اس تنے کا کوئی فائدہ نہیں جو پھل نہ دے۔ اس لئے اسلام نے ضروری قرار دیا کہ اس کی شریعت ہی زندگی کی حاکم ہو۔

دین اور حکومت کی علیحدگی اسلام میں نہیں ہے۔ کوئی حکومت دین کے بغیر نہیں اور کوئی دین شریعت اور نظام کے بغیر نہیں۔ اسلامی حکومت کے قیام کے اول دن ہی سے شریعت اسلامیہ اس حکومت کا دستور العمل تھی اور صاحب شریعت اس کے والی تھے۔ اس حکومت نے مسلمانوں کو یہ موقع بہم پہنچایا کہ وہ ظلم کے مقابلہ میں اپنا دفاع کر سکیں اور فتنہ سے اپنے آپ کو بچا سکیں اور زمین کے ایک ایک گوشہ میں اسلام کے پرچم تلے محفوظ رہ سکیں۔

اس وقت سے اسلام ایک اجتماعی نظام ہو گیا۔ یہ مسلمانوں کے تعلقات کا مرکزی سر رشتہ تھا۔ وہ ان کے لیے ایک ایسا نظامِ حکومت بن گیا۔ جن کی بنیاد پر وہ غیروں سے معاملات کرتے تھے۔ پھر اسلام زمین کے دوسرے گوشوں میں پھیلنے لگا۔ جہاں بھی اس کا عقیدہ پہنچا اس کی شریعت اور اس کا نظام بھی پہنچا۔ جس نے چاہا اس میں داخل ہو گیا اور اسلامی شریعت اور اسلامی نظام ہر اس سرزمین پر حکمرانی کرنے لگا۔ جہاں اسلام داخل ہوا لوگ اس سے وہ انصاف اور خیر پانے لگے جس کا مزا انہوں نے پہلے کبھی نہیں پایا تھا اور اس وقت لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے اور اس وقت اللہ نے رسول ﷺ سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا۔

اسلام اس لئے فاتح ہوا کہ اس کے عقیدہ نے شریعت کا قالب اختیار کیا اور اس شریعت نے ایک ایسا نظام برپا کیا جس کی طرف لوگوں کے دل کھنچنے لگے اور لوگوں نے اس میں اپنے دلوں کے لئے راحت اور سکون محسوس کیا۔

اس وقت محمد بن عبداللہ کامیاب ہو گئے اس لئے کہ آپ ﷺ نے اللہ کی شریعت نافذ کر دی جس طرح کہ اللہ کی منشا تھی۔

یہ اس لازوال فتح کے مراحل تھے۔ جس پر تاریخ انسانی کا ایک ایک باب گواہ ہے اور آج کروڑوں آوازیں مشرق و مغرب میں اس کے نغمے گاتی ہیں اور یہ مراحل طبعی اور حقیقی ہیں۔ ایسے مراحل جن پر ہم مسلمان ہر دور میں قدرت رکھتے ہیں۔ یہ وہ مراحل ہیں جو ہمارے سامنے ہیں کہ ہم کوشش کریں ان کو آزمائیں اور ان کے ذریعہ وہ کامیابی حاصل کریں جو اللہ نے ان بندوں کے لئے مقرر کر دی ہے جو اللہ کی مدد کرتے ہیں۔ ❁

مکتوب نبوی ﷺ

نائب السلطنت مصر کے نام

محمد خدا کے بندے اور اس کے رسول کی جانب سے مقوقس حاکمِ مصر کے نام...... اُس پر سلامتی ہو جس نے راہِ راست اختیار کی! بعد ازاں، میں آپ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ پس اگر سلامتی منظور ہے تو اسلام قبول کر لیجئے! اگر آپ نے اسلام قبول کر لیا تو اللہ تعالیٰ آپ کو دوہرا اجر عطا فرمائے گا اور اگر آپ نے انکار کیا تو ساری قوم کی گمراہی کی ذمہ داری بھی آپ ہی کے اوپر ہو گی۔

اے اہلِ کتاب! اختلاف و نزاع کی ساری باتیں نظر انداز کر کے ایک ایسی بات پر متفق ہو جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان میں یکساں طور پر مسلم ہے، وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اُس کا شریک ٹھہرائیں، اور نہ ہم اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اپنا رب بنائیں!

اگر تمہیں اس بات سے انکار ہے تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم بہر حال خدا کی یکتائی کا عقیدہ رکھتے ہیں!

محمد رسول اللہ

خواتین کے حقوق و فرائض تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر مس عصمت ناز

☆ محمد ﷺ کی سیرت ایک فرد کی سیرت نہیں، آپ ﷺ کی تعلیمات کسی ایک فرد یا معاشرے کے لئے نہیں ہیں، بلکہ آپ ﷺ کی سیرت اور تعلیمات ایک انقلاب ہیں ایک تاریخی طاقت ہیں، ایک عظیم الشان داستان ہیں جو انسانی پیکر میں جلوہ گر ہوئی، وہ زندگی سے کٹے ہوئے کسی درویش، سادھو، صوفی، یا راہب کی سرگزشت نہیں جو کسی گوشے میں، کسی درخت کے نیچے، کسی قلعے میں، کسی دریا کے کنارے بیٹھ کر محض انفرادی تعمیر میں مصروف ہو۔ بلکہ یہ تو ایک ایسی ہستی کی آپ بیتی ہے، ایک ایسے انسان بامقام کی تعلیمات ہیں۔ جو اجتماعی تحریک کی روح رواں تھی۔ جس نے معاشرے کے ہر فرد کے متعلق ارشادات فرمائے اور ہر گوشہ زندگی کے لئے شاندار و بے مثال راہنما اصول چھوڑے جن کی مثال آج بھی دی جاتی ہے اور تا ابد دی جاتی رہے گی۔

معاشرے کی بنیادی اکائی مرد اور عورت ہیں۔ وحشت کا دور ہو یا پتھر و دھات کا زمانہ، قبائل تمدن کا زمانہ ہو یا جنگ و جدل کے میدان ہوں، آثار و قرائن و تاریخ جہاں تک ہماری راہنمائی کرتی ہے اور ہمیں یونان، ایران، روم، اور پھر عرب کے ریگزاروں میں لا کھڑا کرتی ہے تو ادھر بھی بنتِ حوا کا حال بہت بُرا بلکہ ابترین تھا اور پھر قرآن پاک نے تو واضح الفاظ میں بای ذنب قتلت کے الفاظ میں اس بات کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی کہ زمانہ جاہلیت یہ دعویٰ کر سکے کہ اس نے آنحضرت ﷺ سے پہلے عورت کو حقوق تفویض کئے تھے۔

یہ آپ ﷺ کی ذات بابرکات تھی کہ اسلام کی آمد کے بعد آپ ﷺ نے معاشرے کے اس سب سے زیادہ استحصال شدہ طبقے کی جانب توجہ دی۔ عورت جو ماں بھی تھی۔ بہن بھی تھی، بیوی بھی تھی اور بیٹی تھی۔ مگر کس عبرتناک حالت میں تھی تاریخ کے صفحات اس کے گواہ ہیں۔ دنیا بھر کی تہذیبیں شرمندگی کا یہ داغ اپنے دامن سے نہیں مٹا سکتی ہیں کہ انہوں نے سرزمین عرب پر رحمت کے بادل برسنے سے پہلے اس ہستی کے ساتھ کیا کیا ستم روا رکھا تھا۔ کہیں اسے چندی کی صورت میں کہیں جانوروں کی حیثیت سے، کہیں اسے محض کام کرنے اور جنسی تسکین کے لئے اور کہیں اسے غلام کی حیثیت میں اور کہیں ستی ہونے کے لیے اور کہیں اسے پاؤں کی جوتی سمجھا گیا۔

حالانکہ اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو یہ بیماری اخلاقی، جسمانی، نظریاتی اور نفسیاتی طور پر ہمیشہ سے میدان میں مرد کے شانہ بشانہ متحرک اور فعال نظر آتی ہے۔ کہیں یہ مادر ابراہیم بنتی ہے اور خلیل اللہ کو جنم دیتی ہے اور نمرودی طاقتوں سے بچا کر اسے بت شکن بناتی ہے، کہیں آسیہ بنکر کلیم اللہ کو اپنی آغوش شفقت میں پناہ دیتی ہے، کہیں ہاجرہ بن کر ذبیح اللہ کی پرورش کا فریضہ نبھاتی ہے اور کہیں مریم کے روپ میں عیسیٰ روح اللہ کو جنم دیتی ہے، اسی طرح غیر الہامی مذہب میں کہیں سیتا ماتا کے روپ میں اور کہیں رادھا کے روپ میں جلوہ فگاں یہ عورت ہی ہے۔ لیکن اس کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔

پستی اور ذلت میں ڈوبی ہوئی عورت کو انسانیت کے بلند منصب پر فائز کرنے کے لئے اسلام نے اہم کردار ادا کیا۔ کیونکہ سرزمین عرب پر اس کی حالت بہت ہی نازک تھی نہ اسکی رائے تھی نہ انفرادیت، نہ شخصیت نہ اہمیت اور ظلم کی انتہا کہ اسے بعض اوقات پیدا ہوتے زندہ گاڑ دیا جاتا تھا اور انکی اخلاقی پستی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ باپ کے مرنے کے بعد اسکی بیویاں بھی وراثت میں تقسیم ہوتی ہیں اور ان سے بچے شادی کر سکتے تھے۔ اور بہن سے بھی شادی جائز سمجھی جاتی تھی۔ جائیداد میں حصہ نہیں تھا۔

آپ ﷺ رحمت بن کر آئے تھے لہذا آپ اس نصف انسانیت کے حقوق کو کیسے نظر انداز کر سکتے تھے۔ آپ ﷺ نے عورت کو دنیا کی بہترین متاع قرار دیا۔

آپ ﷺ نے ہر موقع پر ہر جگہ پر ہر مقام پر خواتین کے لئے ایسی شاندار تعلیمات ودیعت کی ہیں کہ ان پر یعنی خواتین کے حقوق و فرائض پر دفتر کے دفتر لکھے جا سکتے ہیں لیکن یہاں مختصراً میں ذکر کروں گی تا کہ بے جا طوالت نہ ہو۔

آپ ﷺ نے جہاں حقوق خواتین کا ذکر فرمایا ہے اسکی تعلیم دی ہے وہاں آپ ﷺ نے ان کو اُن کے فرائض بھی بتائے ہیں تا کہ معاشرے میں توازن قائم رہے۔ کیونکہ سرور عالم ﷺ کی زندگی اور تعلیمات ایک بہتا ہوا دریا ہیں، جس میں حرکت ہے۔ روانی ہے، موج و حباب ہیں، یعنی جلال ہے تو جمال بھی ہے۔ روحانیت ہے تو مادیت بھی ہے، دین ہے تو دنیا بھی ہے، خدا کی عبادت بھی ہے اور بندوں سے رابطہ بھی۔ گہری خدمت بھی ہے اور سیاست بھی، قوم کی قیادت بھی اور زوجات کے ساتھ رہن سہن بھی ہے۔

آپ ﷺ نے اس معاشرے میں جہاں بیٹی باعث ننگ و عار تھی اسے رحمت قرار دیکر ہمیشہ کے لئے عورت کا سر بلند کر دیا، اور اپنی لخت جگر بالخصوص بی بی فاطمہؓ کے ساتھ آپ ﷺ نے جو شفقت و محبت روا رکھی وہ مثال ہے۔ آپ ﷺ نے ان کی تعلیم و تربیت فرمائی شادی کرتے ہوئے مرضی معلوم کی، انکا حق مہر مقرر کیا، ان کے بچوں حسنؓ و حسینؓ کے ساتھ نہایت شفقت کا سلوک فرمایا، سفر سے واپسی پر سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کے گھر جاتے اور اگر وہ آتیں تو اپنی چادر بچھا دیتے۔ اور ساتھ ہی آپ ﷺ نے یہ فرمادیا کہ جو ایک یا ایک سے زیادہ بیٹیوں کی پرورش کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔

یہ بات بہت ہی انقلابی تھی۔ اخلاقیات اور جدید تعلیمات کے ماہر بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ: ''پیغمبر اسلام نے یقیناً عورت کا درجہ بلند کیا، اب عورت شوہر کے لڑکے کا جانور نہیں رہی بلکہ خود لڑکا پانے کی حقدار ہوگئی۔ ایک آزاد فرد کی طرح اسے دوبارہ شادی پر مجبور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ طلاق کی صورت میں شوہر پر واجب تھا کہ اسکا حق مہر ادا کرے۔ اب عورتیں علوم و شاعری میں دلچسپ لینے لگیں اور انکی عزت کی جانے لگی تھی۔''

یہاں اس امر کا ذکر ضروری ہے کہ خواتین کے حقوق کی پامالی اس وقت شروع ہوئی جب اس کے اور مردوں کے درمیان امتیاز روا کیا گیا اور اس بناء پر اسے فاسد اور ذلیل ترین مخلوق سمجھا گیا مگر اسلام نے اس مشورہ کے ساتھ یہ سارے فرق مٹا ڈالے:

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی جاندار سے پیدا کیا۔''

یا پھر یوں ارشاد ربانی ہے۔

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔''

آپ ﷺ چونکہ چلتا پھرتا قرآن تھے۔ لہٰذا آپ ﷺ کی تعلیمات قرآن کے مطابق ہی تھیں۔ قرآن نے ماں کی عظمت کو اس بلند مقام پر پہنچا دیا کہ اس سے بلند تر کوئی مقام ہو ہی نہیں سکتا پھر خواتین کو بہن اور بیٹی اور پھر بیوی کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے جن بہترین حقوق سے نوازا آپ ﷺ نے عملی طور پر اس کا مظاہرہ بھی کیا اور اسکا صحیح نفاذ بھی کروایا یعنی آیات قرآن کی طرح سے۔ عورت کے حقوق و فرائض کے متعلق آپ ﷺ کی سیرت اور احادیث میں جابجا روشن مثالیں موجود ہیں۔

خواتین کو سب سے قبل بحیثیت انسان کے آپ ﷺ نے تسلیم کروایا اور فرمایا:

''عورت مردوں کی ہم جنس ہیں۔''

یعنی آپ ﷺ نے دونوں کو برابری کا درجہ دے دیا۔ اسی طرح حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ تیرے حسن سلوک کی زیادہ مستحق تیری ماں ہے اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ تین مرتبہ اپنے جواب کو دہرا کر ماں کے مرتبے کو عظیم سے عظیم تر بنا دیا۔

ایک اور جگہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنی ماں کی نافرمانی اور حق تلفی حرام کر دی ہے۔''

اسی طرح ایک شخص جو جہاد پر جانا چاہتا تھا اور اس کی ماں گھر پر تھی اسے تلقین فرمائی کہ ''اس کو لازم پکڑ کہ جنت اس کے پاؤں میں ہے۔''

اس طرح چونکہ بچے کی رضاعت، نگہداشت و تربیت خواتین کے فرائض میں تھی لہٰذا اس کو بلند تر حقوق سے نوازا گیا۔ اور حسن سلوک کے معاملے میں ماں کے حقوق باپ سے تین گُنا مقدم رکھے گئے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت میرے پاس مانگنے کے لئے آئی اور اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں۔ میرے پاس ایک کھجور کے سوا کچھ نہ تھا اس نے وہ کھجور لیکر دونوں میں بانٹ دی اور خود کچھ نہ کھایا۔ جب میں نے آپ ﷺ کو یہ بات بتائی تو آپ ﷺ گویا ہوئے:

''جس انسان کو جوان بیٹیوں کی آزمائش میں ڈالا گیا اور اس نے ان سے اچھا سلوک کیا تو وہ اسکے لئے آگ سے آڑ ہونگی''

دنیا میں انسان کو بہت سی چیزیں مرغوب ہوتی ہیں اور ان سے دلی لگاؤ ہوتا ہے دولت ہے، حشمت ہے، عزت ہے جاہ و جلال ہے، لیکن ان کے علاوہ ایک قابل قدر چیز جو اللہ تعالیٰ بندے کو عطا فرماتا ہے وہ نیک اور صالح بیوی ہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے بیوی کے ساتھ حسن سلوک کو بڑی اہمیت بخشی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہے اور میں اپنے گھر والوں کے لئے سب سے بہتر ہوں۔''

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''دنیا کی بہترین متاع نیک عورت (بیوی) ہے۔'' لیکن جہاں پر بھی حقوق کی بات ہوتی وہاں فرائض کی بات آتی ہے۔ آپ ﷺ نے خواتین پر بھی یہ فرض عائد کیا بلکہ انہیں حکم دیا کہ اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کریں، غیر مردوں کو اندر نہ آنے دیں۔ شوہر کی اطاعت گزاری کریں، اور جہاں پر فرائض کا تعین ہوتا ہے۔ وہاں پھر خواتین کو اعلیٰ مقام دیتے ہوئے کہا کہ اگر مرد و عورت کا نبھاہ نہ ہو سکتے تو علیحدہ ہو جاؤ اور طلاق وغیرہ کے قوانین، مہر وغیرہ کے طلاق کے متعلق بار بار ہدایات ارشاد فرمایا۔ ایک جگہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس مرد نے عورت سے شادی کی ایک مہر پر اس

ارادے سے کہ وہ اسکو ادا نہیں کریگا تو وہ زانی ہے۔"

آپ ﷺ نے عورت کی عزت نفس کی خاطر اور معاشرے کی بہتری کی خاطر بار بار خواتین کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین فرمائی اور طلاق کو حلال کاموں میں سے ناپسندیدہ فعل قرار دیا۔ بیوہ ہونے کی صورت میں دوسری شادی کی اجازت دی۔ مگر عدت پوری کرنے پر تاکہ سارے شرعی تقاضے پورے ہوسکیں۔ اگر خواتین جنگی قیدی بن کر آتی ہیں تو بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک ہوا اور ان میں سے آپ ﷺ نے چند کے ساتھ باقاعدہ عقد فرما کر انہیں زوجیت کا شرف بخشا گویا کہ قدیم زمانے والی لونڈیوں کا تصور آپ ﷺ نے اپنی شاندار تعلیمات کے ساتھ پاش پاش کر دیا۔

آپ ﷺ نے عورت کو زیب و زینت کرنے کا اور بننے سنورنے کا حق عین اسلام کے مطابق دیا۔ مگر اس پر یہ فرض بھی عائد کیا کہ یہ زیب و زینت اپنے گھر میں کرے اور اپنے شوہر کے لیے، اور گھر سے نکلے تو حیاداری کے ساتھ نکلے تاکہ پتہ چلے کہ ایک معزز اور مہذب معاشرے کی خاتون ہے۔

معاشرہ میں اس طرح سے معزز اور محترم بنا کر کہ آپ ﷺ سے پہلے خواتین خود وراثت تھیں اب وہ وراثت کی حقدار ہیں۔ اب وہ تجارت کا مال نہیں رہتیں بلکہ خود تاجر تھیں، وہ جنگوں میں ہاتھ بٹا سکتی ہیں، علم حاصل کر سکتی ہیں۔ کہ علم کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض قرار دیا گیا تھا، گویا کہ آپ ﷺ نے مختلف حوالوں سے خواتین کو ان کی ازل سے محرومیوں سے نجات دلائی اور اسے مردوں کے برابر مساوی درجہ عطا کیا۔

حتیٰ کہ قصاص، قتل امان وغیرہ کے معاملات میں بھی خواتین کا خیال رکھا گیا اور ایک جگہ روایت میں آتا ہے کہ:

"ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر پتھروں سے کچل ڈالا، لڑکی نے جب شکایت کی تو آپ ﷺ نے یہودی سے پوچھا اس نے اعتراف جرم کیا آپ ﷺ نے اس سے اسی شکل میں قصاص لیا۔"

اسی طرح اگر عورت اپنے کسی عزیز کے قاتل کو معاف کر دے تو اسکا یہ پروانہ منسوخ نہیں کیا جاسکتا اور حالت جنگ میں اگر وہ کسی کو پناہ دے دے تو اسکو مسترد نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ارشاد رسول ﷺ ہے۔

"عورت بھی اپنی قوم کی طرف سے پناہ دے سکتی ہے۔"

فتح مکہ کے وقت ام ھانیؓ نے کہا کہ یارسول اللہ میں نے ابن ھیرہ کو پناہ دی ہے اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ وہ اسکو قتل کر کے رہینگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے ام ھانیؓ! تم نے جس کو پناہ دی ہے اسے ہماری بھی پناہ حاصل ہے۔"

اسلام سے قبل خواتین کا ذاتی تشخص نہیں تھا۔ وہ کسی بھی روپ میں انفرادیت کی حامل نہ تھیں۔ اسے نکاح کے بعد غلام بے دام، کنیز بے وقعت یا ایک حیوان بے زبان بنا دیا جاتا تھا۔ لیکن اسلام نے اسکی انفرادی حیثیت کو برقرار رکھا اور اسے قانونی معاملات میں بھی شریک کیا۔

آنحضرت ﷺ نے اسلام کی تعلیمات پر عمل درآمد کروا کر ایک مضبوط و منظم اور فعال معاشرے کی بنیاد رکھی جس میں مرد اور خاتون دونوں اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے عورت کو بیعت کرنے، قانونی معاملات میں شامل ہونے، مشورہ دینے کا حق دیا۔ اور بیعت رضوان کے موقع پر آپ ﷺ کے ہاتھ پر ام عمارہؓ نے بیعت کی تھی۔ یعنی جب ان خواتین کو معتبر جانا گیا۔ انہیں حقوق تفویض کئے گئے تو انہوں نے بھی فرائض سے کماحقہٗ انصاف کیا۔ اور حق وصداقت پر قائم رہیں۔ بلکہ معاشرے میں جس جگہ انہیں بگاڑ نظر آیا انہوں نے اس کو بدلنے اور اس کی جگہ خیر وفلاح کو قائم کرنے کی جدوجہد کی۔

اس طرح سے خواتین نے حقوق ملنے پر فرائض کی ادائیگی کا شاندار تصور قائم کیا۔ کہ تعلیمات نبوی ﷺ نے ان کو ایک شعور بخشا تھا، ایک دوام بخشا تھا، ایک زیست عطا کی تھی قعر مذلت سے نکالا تھا۔ جسکے باعث ان کے اندر ایک اعتماد آیا۔ اور اس اعتماد کے باعث انہوں نے پھر نہ رعایا کی پرواہ کی نہ فرمانرواؤں کی اور نہ حاکموں کی کہ وہ ان کے متعلق کہتے ہیں کیونکہ حاکموں کے حاکم اور رسولوں کے سردار محمد مصطفی ﷺ نے انہیں حوصلہ و ہمت عطا کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کے ایمانی جذبات تازہ ہوتے اور انہوں نے دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ خیمے کی چوب اکھاڑ کر یہودی کا سر قلم کر دیا اور جنگ کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا۔ اور کلمہ حق کے اظہار میں نہ تو باطل کی بڑی بڑی قوتیں ان کی راہ کی رکاوٹ بن سکیں اور نہ ہی جابر وسخت گیر حکام کی زیادتی وسختی۔ کہ خیمے جل اٹھے اور چادریں کھینچ لیں گئیں۔ مگر ان خواتین کو کس نے یہ عزم وحوصلہ بخشا کہ وہ برہنہ پا و سر کفر کو کفر کہہ سکیں اور وہ بھی پیٹھ پیچھے نہیں بلکہ دوبدو ہوکر آمنے سامنے بر سر دربار کھڑے ہوکر کہے کہ تو غلط ہے۔ یہ عزم وحوصلہ بخشا انہیں آپ ﷺ کی سچی اور کھری تربیت نے آپ ﷺ کی روشن اور واضح تعلیمات نے۔ جس کے باعث ان خواتین کا نام اور کام آج بھی زندہ ہے۔

عورت کی تعلیم وتربیت کا مقام چونکہ اس کا اپنا گھر ہے لہٰذا اس کے گھر والوں کو حکم دیا گیا کہ اس کی بہترین پرورش کرو حتیٰ کہ حضور نبی کریم ﷺ نے لونڈیوں تک کہ علم وادب سکھانے کا حکم دیا تھا۔

چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہوا:

''جس کے پاس کوئی لونڈی ہو اور وہ اس کو خوب تعلیم دے اور عمدہ تہذیب و شائستگی سکھائے پھر اس کو آزاد کرے اس کی شادی کرے تو اس کے لئے دُہرا اجر ہوگا۔''

یہ آپ ﷺ کی توجہات اور تعلیمات کا ہی نتیجہ تھا کہ اس عہد کی خواتین حصول علم کے میدانوں میں مردوں کے شانہ بشانہ آگئیں۔ ازواج مطہرات براہِ راست آپ ﷺ سے تعلیم یافتہ تھیں لہٰذا دیگر خواتین کے لئے وہ مدرسہ ثابت ہوئیں۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا علمی مقام اور حدیث، فقہ میں ان کی فضیلت مسلمہ ہے۔ آنحضرت ﷺ اور اکابر صحابہ اکثر ان سے گفت و شنید فرماتے اور ان سے مشورہ لیتے تھے۔ سیرت و رجال کی رو سے آپ ﷺ کی رائے اکثر صائب ہوتی تھی۔

چونکہ ساری تعلیمات کا مقصد ہی اخلاق و تقویٰ کے لحاظ سے عورت کو بلند مقام عطا کرنا تھا۔ اس لئے آپ ﷺ نے فکری اصلاح کے ساتھ عملی اصلاح پر بہت دھیان دیا بار بار اس پر زور دیا۔ اور خواتین کو وہ تمام احکام سکھائے جو ایک اسلامی معاشرے کا بہترین فرد بننے کے لیے ضروری ہیں۔ خواتین کو بالخصوص یہ ہدایت کی گئی کہ وہ عزت و حیاء کی زندگی گزاریں۔ سنت نبوی ﷺ میں اور احادیث نبوی ﷺ میں قرآن کی روشنی دکھائی دیتی ہے اور آپ ﷺ کی تعلیمات عین اسلامی اور قرآنی تعلیمات دکھائی دیتی ہیں۔ آپ ﷺ نے ان تمام امور کی نشاندہی کی ہے جس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت ہے:

''وہ عورتیں جو لباس پہننے کے باوجود عریاں رہتی ہیں جو مٹک مٹک کر چلتی ہیں اور جو اونٹ کے کوہان کی طرح اپنے کندھوں کو ہلا کر ناز و ادا کا اظہار کرتی ہیں وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی۔''

یعنی تعلیمات نبوی ﷺ نے خواتین کے حقوق و فرائض کا جو تعین کیا ہے اور ان کے لئے جو دائرہ کار مخصوص کیا ہے جس میں رہ کر معاشرے کی خدمت سرانجام دے سکتی ہیں وہ اتنا اچھا اور بہترین ہے کہ عورت کے لئے بہترین مقام اس کے گھر کو قرار دیا گیا۔ اس کی اسی نماز کو بہتر قرار دیا گیا جو گھر کے آخری گوشے میں ادا کی گئی ہو، اس طرح سے خواتین کو ذمہ داری اور فرض کا احساس دلایا گیا اور مردوں کو بھی آپ ﷺ نے خواتین پر ظلم نہ کرنے اور بہترین سلوک روا رکھنے کی تلقین فرمائی ہے اور انہیں اس معاملے میں آخرت کے عذاب کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ مردوں سے خواتین کے حقوق کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی۔ یہ ہی وہ چیز تھی جن سے عرب کی جاہلیت اور انا کو مرد کے ذہن سے نکالا۔

آپ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر خاص طور پر خواتین کے حقوق و فرائض کو دھرایا تاکہ اس میں کسی قسم کے ابہام و شک و شبے کی گنجائش نہ رہے۔ عبداللہ بن عمرؓ کے مطابق آپ ﷺ نے عورتوں کو اتنے حقوق و مراعات سے نوازا کہ ہم آپ ﷺ کے زمانے میں اپنی عورتوں سے گفتگو میں بے تکلف ہوتے ہوئے ڈرتے تھے کہ کہیں ہمارے متعلق کوئی حکم نہ نازل ہوجائے۔ جب آپ ﷺ رحلت فرماگئے تو پھر کہیں جا کر ہم کچھ بے تکلفی کا مظاہرہ کرنے لگے۔

یہ تھیں وہ تعلیمات جس نے فکر و عمل میں ایسا انقلاب پیدا کیا کہ وہ لوگ جنہیں معصوم زندہ جان کو درگور کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا تھا، اب اس صنف نازک کی چارہ گری اور پرورش کو اپنے لئے سرمایہ حیات اور دوزخ سے نجات سمجھنے لگے تھے۔ وہ لوگ جو عورت کے ساتھ محبت و الفت کی روش سے ناواقف تھے انہیں اب اس مظلوم و بے بس خاتون کی فکر دامن گیر ہونے لگی تھی۔ اب وہ مرد قدم قدم پر اس کا خیال رکھتا تھا اور ہوتا بھی کیوں کہ آپ ﷺ نے تو ایک مرتبہ جب خواتین اونٹوں پر جارہی تھیں اور ایک شخص اونٹوں کو تیزی سے بھگار ہا تھا تو آپ ﷺ نے انتہائی لطیف پیرائے میں فرمایا تھا کہ ''آہستہ چلو اونٹوں پر آبگینے سفر کررہے ہیں کہیں ٹوٹنے نہ پائیں'' سبحان اللہ! خواتین کی ایسی شاندار تشریح اور توضیح اور اس اچھے انداز میں سرزنش یقیناً محمد مصطفیٰ ﷺ کا ہی خاصا ہے۔

آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ایک پیشن گوئی فرمائی تھی کہ:

''ایک زمانہ میں میری امت پر ایسا وقت آئے گا کہ ایک تنہا خاتون شام سے حجاز تک کا سفر کرے گی اور ہاتھوں میں سونا اچھالتی آئے گی لیکن اسے پوچھنے والا (ڈاکہ ڈالنے والا) کوئی نہ ہوگا۔''

حقوق نسواں اور آزادیٔ نسواں کے سلسلے میں مندرجہ بالا مثال سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوسکتی ہے۔

معاشیات کا میدان ہو یا سیاسیات کی وادیٔ پُر خار عورت کو آزادی ہے کہ وہ اپنے مقرر کردہ دائرہ کار میں رہتے ہوئے اپنے فرائض ادا کرے۔ اپنا حق طلب کرے۔ مسلم خواتین نے میدان جنگ میں فرائض سرانجام دیئے۔ نرسنگ کی، پانی پلایا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے شمشیر و سنا سے زیادہ پُر جوش خطابت و تقریر کے ذریعے جذبہ جہاد کو ابھارا۔

یہ آپ ﷺ کی تعلیم کا ہی نتیجہ تھا کہ حضرت عائشہؓ کی بہن حضرت اسماء بنت بکرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیرؓ کو جو کہ حجاج بن یوسف کے خلاف

نبرد آزما تھے۔ اس سوال کے جواب میں کہ دشمن سر پر آن پہنچا ہے اور بچنے کی صورت نہیں، ایسا تاریخی جواب دیا کہ رہتی دنیا تک اس ماں کا جواب قابل فخر و رشک رہے گا فرماتی ہیں:

"بیٹا اگر تم حق پر ہو تو حق کی جانب ہی لوٹ جانا ہے اور اگر حق کی جانب لوگوں کو بلا رہے ہو تو صبر سے کام لو۔ تمہارے ساتھیوں نے لڑتے لڑتے جان دی ہے، لیکن اگر تم نے یہ سارا کھیل دنیا کے لئے کھیلا ہے تو تم دنیا کے بدترین انسان ہو۔ اگر حق پر ہو تو اس لئے جان دینا اچھا ہے، کیونکہ جب ختم ہی ہونا ہے تو کیوں نہ اللہ کی راہ میں قربان ہوں۔"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات خواتین کے حقوق و فرائض کے سلسلے میں ایک ناقابل تردید حقیقت ہیں جس کے اثرات بہت جلد ظاہر ہونے لگتے تھے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا منصب یہ نہیں تھا کہ قرآن کو لوگوں تک پہنچادیں، بلکہ آپ ﷺ کا کام ایک ہمہ گیر تحریک کی راہنمائی بھی تھی اس تحریک کی جس میں نصف حصہ خواتین کا بھی تھا لہٰذا اسکے باعث ایک مسلم قوم اور مسلم معاشرہ وجود میں آیا۔ جو ایک مثالی معاشرہ تھا۔ جس میں جنس کے اعتبار سے خواتین و مردوں کے درمیان امتیازی سلوک ختم ہوگیا اور آنحضرت ﷺ تو اس بارے میں اتنے حساس تھے کہ ایک مرتبہ ایک شخص بیان کررہا تھا کہ کس طرح سے اس نے اپنی بچی کو کھیل کھیل میں گڑھا کھود کر دبادیا اور وہ مجھے پکارتی رہی کہ بابا مجھے کیوں دبا رہے ہو۔ تمہاری داڑھی پر مٹی لگ گئی ہے، مگر مجھ پر شیطان غالب آگیا اور میں نے اسے ختم کردیا آپ ﷺ سنتے جارہے تھے اور روتے جارہے تھے اور بقیہ صحابہ بھی رو رہے تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"اگر زمانہ جاہلیت کے کسی جرم پر سزا دینا ہوتی تو میں تمہیں اس پر ضرور سزا دیتا۔"

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات سے قبل عرب کس حال میں تھے۔ نبوت سے قبل قرآن کے نزول سے قبل خواتین کس ذلت و رسوائی کے عذاب سے گزر رہی ہیں۔ اور اب یہ عام ہے کہ آنحضرت ﷺ خود نماز ادا فرمارہے ہیں تو آپ ﷺ کی پشت پر امامہ بنت زینب تھیں آپ ﷺ سجدے کے وقت انہیں اتارتے اور پھر جب کھڑے ہوتے تو اٹھالیتے۔

اسی طرح سے آنحضرت ﷺ نے خواتین کے نہایت دقیق ازدواجی مسائل اور اس کے متعلق وضاحتیں فرما کر امت مسلمہ پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ میاں بیوی کے تعلقات ہوں، شادی بیاہ کا مسئلہ ہو، رشتے کا طے ہونا ہو، طلاق کی نوبت آجائے تو، اگر بہتان لگایا جائے تو، اگر خواتین غلطی کی مرتکب ہوں تو مرد کیا کرے اور اگر خواتین کو مرد سے شکایات ہوں تو کیا صورت ہونی چاہیے۔ ایک طلاق کے بعد رجوع، غصے کی حالت، زبان پر قابو، روپے پیسے کے خرچ کے معاملات، بلا اجازت کوئی کام کرلینا، اسکا کفارہ کیسے ادا کرنا ہوگا۔ خواتین کو خاوند کی جائداد میں سے کتنا حصہ ملے گا۔ اور اس کی جائداد کیسے تقسیم ہوگی۔ شادی کی صورت میں اس کے نان و نفقے کا بندوبست شوہر کے ذمے ہوگا اور اولاد کی تربیت اور رضاعت بیوی کے ذمے ہوگی۔ یعنی اتنے بہترین انداز میں آپ ﷺ نے تعلیمات قرآن کو عملی شکل میں ڈھالا ہے کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا مبلغ، راہنما اور مفسر ایسا نہیں کرسکتا ہے۔ آپ ﷺ نے بچپن میں ماں کی شفقت بہت تھوڑا عرصہ دیکھی مگر حلیمہ سعدیہ جب تک زندہ رہیں انہیں ماں کا درجہ و احترام دیا، رضاعی بہن شیما کا از حد احترام کیا اور مثال پیش کی۔ بیوی کی صورت میں حضرت خدیجہ الکبریٰ کا ساتھ ملا تو دنیا بدل گئی۔ غم گسار ہمدرد ہی نہیں معاشی و مالی طور پر بھی وہ معاون بنیں۔ اور انہیں یہ اعزاز حاصل ہوا کہ ان کی وفات کو "عام الحزن" یعنی غم کا سال قرار دیا۔ اور تمام ازواج مطہرات پر انہیں ہمیشہ فضیلت دی اور ان کا ذکر ہمیشہ کیا۔ اس طرح سے اپنی بیٹیوں، پھوپھیوں وغیرہ سب سے آپ ﷺ نے شاندار حسن سلوک روا رکھا کہ یہ مثالیں ہمارے لئے مشعل راہ بن گئیں ہیں۔

لیکن حق و باطل کی کشمکش جو ازل سے جاری ہے۔ اس نے قرآن کی اس آیت کو الرجال قوامون علی النساء کو اس طرح سے عجیب تشریحات کے ساتھ پیش کیا کہ وقت کے ساتھ خواتین اور مردوں کے درمیان خلیج آنا شروع ہوگئی۔ مرد نے اپنے آپ کو برتر جاننا شروع کردیا اور عورت کا استحصال شروع کردیا۔ اور آج وہ دور آگیا ہے کہ ایک بار پھر یوں محسوس ہوتا ہے کہ عورت جنس ارزاں بن کر رہ گئی ہے۔ اس کی کوئی قیمت نہیں ہے یہ بے قدر ہے۔

مغربیت اور یورپی طوفان نے اس طرح معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا کہ عورتیں مادر پدر آزادی اور نام نہاد نعروں سے متاثر ہونے لگی ہیں اور آزادی نسواں اور حقوق نسواں کے فلک شگاف نعرے لگاتی سڑکوں پر نکل آتی ہیں۔ حالانکہ اسلام تو دین فطرت ہے۔ اللہ تو خالق ہے ہمارا اور آپ ﷺ ہی کی تعلیمات اس لئے عین فطری ہیں۔ تخلیق کار خوب جانتا ہے کہ آزادانہ مخلوط اور بالکل بے کار معاشرے کا انجام کیا ہوسکتا ہے۔ اسی لئے تو بہت پہلے ایسا نظام وضع کیا گیا کہ عقبس اور چنگاری کا ملاپ نہ ہی ہو تو بہتر ہے ورنہ تصادم کا خطرہ رہیگا۔

مگر کیا کیجئے طبیعت انسانی کا کہ جنت سے

نکالے جانے کے بعد بھی ممنوعہ کاموں کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ ایسا ہی حال خواتین کا ہے۔ عالمی سطح پر خواتین کے دن منائے جا رہے ہیں۔ سیمینار ہو رہے ہیں، خطبات ہیں کہ تھمتے ہی نہیں، خیالات ہیں کہ آئے نہیں، مردوں کے خلاف ایک نفرت کی لہر ہے اور اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے ہوئے مرد نے بھی کم نہیں کیا بلکہ شاید اسی کی طرف سے حقوق کی پامالی اور فرائض کی طلبی نے ایسا ماحول پیدا کیا کہ بنت حوا گھر بھی سنبھالتی ہے اور نوکری بھی کرتی ہے۔ بچے بھی پیدا کرتی ہے اور طعنے بھی سنتی ہے۔ نہ اس سے شادی کے بارے میں پوچھا جاتا ہے۔ نہ مشورہ لیا جاتا ہے۔ جائداد میں حصہ کی خاطر زبردستی انگوٹھے لگوائے جاتے ہیں یا پھر قرآن سے نکاح کر دیا جاتا ہے۔ کاروکاری کی قبیح رسم عام ہے، اسی پاؤں میں گھنگرو بندھوا کر اسے اس کے بلند مقام سے گرا دیا گیا۔ اس کی اجتماعی عزت دری کی گئی۔ اسے بازاروں میں برہنہ پھرایا گیا۔ بیٹی کی پیدائش پر طلاق دے دی گئی، عدل کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا گیا۔ مگر چار عورتوں والی بات یاد رہ گئی، عورت کی کمائی سے نشہ کرنا اور مار پیٹ تو روز کا معمول ہے۔

حالانکہ ہمارے سامنے تو آنحضرت ﷺ کی تعلیمات روشن چراغوں کی طرح سے ہیں۔ ہمارے لئے وہ زندگی ہیں۔ کیونکہ تعلیمات نبوی ﷺ خواتین کو وہ تمام حقوق دیتی ہیں جس کا تقاضا آج کی عورت کرتی ہے۔ ان تعلیمات کی روشنی میں اسے عمل کی آزادی ہے۔ پسند کی اجازت ہے تعلیم حاصل کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ وہ تفریح کر سکتی ہے وہ بن سنور سکتی ہے۔ وہ تجارت کر سکتی ہے۔ وہ سفر کر سکتی ہے۔ وہ ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے روپ میں قابل احترام ہے۔ اس کو اتنے حقوق دیے گئے ہیں کہ مغرب کا معاشرہ تصور ہی نہیں کر سکتا۔ اسے سیاست کا حق ہے، اسے انتخاب کا حق ہے اسے جہاد کا حق ہے یہ فتویٰ دے سکتی ہے۔ یہ نا مناسب حالات میں خلع کا دعویٰ کر سکتی ہے۔ حق مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ ظلم و جبر کے خلاف آواز بلند کر سکتی ہے۔

مگر...... چند حدود و قیود کے ساتھ۔ اور یہ حدود و قیود اس لئے ہیں ہم اشرف المخلوقات ہیں شتر بے مہار نہیں۔ اور جب آج کا مہذب معاشرہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ "ہر عظیم مرد کے پیچھے عورت ہے۔" تو پھر خواتین کی اہمیت میں کیا شک ہے۔ نپولین نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ "تم مجھے اچھی مائیں دو میں تمہیں اچھی قوم دوں گا۔ یہ وہ حقیقتیں ہیں یہ وہ راز ہیں جو آپ ﷺ پر وحی کے ذریعے آشکار کر دیئے گئے تھے۔ کیونکہ عورت ایک مقدس اور معتبر چیز قرار دی گئی ہے۔ اسے نازک آبگینہ کہا گیا ہے۔ اس پر آنے والی نسلوں کی تربیت کا بوجھ ہے۔ اس لئے اس کو مثال ہونا چاہیے۔

یہ خدا بزرگ و برتر کا احسان عظیم ہے کہ اس نے اپنے پیارے نبی محمد ﷺ کے ذریعے خواتین کے حقوق و فرائض کی مکمل تفسیر پیش کر دی۔ آپ ﷺ کی تعلیمات نے اسے نہ صرف خواتین کو ایک اعلیٰ وارفع مقام دلایا بلکہ مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کا حق بھی عطا کیا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے اولین و بنیادی فرائض کو خواہ وہ ماں کے روپ میں ہوں یا بہن کے روپ میں بیٹی کی شکل میں ہوں یا بیوی کی صورت میں بھول جائے۔

بلکہ اس سے یہ سیدھی سادی مراد یہ ہے کہ خواتین و مرد جو ایک ہی نوع کی مختلف اجناس ہیں جیسا کہ ابتداء میں ذکر ہوا ہے۔ ایک دوسرے کے لباس ہیں۔ ایک دوسرے کی دلجوئی کی خاطر پیدا کئے گئے ہیں، ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے دائرہ کار اور حدود میں اپنائے ہوئے خاندان اور معاشرہ کی فلاح و کامرانی کے لئے اپنے اوپر عائد کردہ ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے بجا لائے بالکل ایسے ہی جیسے شمس و قمر، ارض و سماء، لیل و نہار سرانجام دے رہے ہیں۔ اور اسی میں کائنات کی سلامتی و بقاء مضمر ہے۔

خواتین کو آنحضرت ﷺ کی جانب سے حقوق دیئے گئے ہیں۔ جو فرائض بتائے گئے ہیں وہ محض خام خیالی پر مبنی نہیں ہیں۔ شاعر کا تخیل یا فلسفی کی بڑ نہیں ہے۔ بلکہ نہایت ہی پیارے انداز میں آپ ﷺ نے اس کا عملی نمونہ بھی پیش کیا۔ اسی لئے آج بھی خلوت ہو چاہے جلوت، رزم ہو یا بزم ہو، رفتار ہو یا گفتار ہو، معاشیات ہو سیاسیات، مرد ہوں یا خواتین، پوری انسانیت برادری بالعموم اور ملت اسلامیہ بالخصوص آپ ﷺ کے نقشِ قدم پر چل کر نجات کی راہ پر گامزن ہو سکتی ہے کیونکہ آپ ﷺ کا پیغام لافانی ہے ابدی ہے۔ ہر دور کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ بالخصوص ہم خواتین کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ ہم آپ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں نہ صرف اپنے حقوق کو سمجھیں اور ان کا استحصال نہ ہونے دیں بلکہ اس کے ساتھ اپنے فرائض کو بھی جانیں اور انہیں پوری ایمانداری سے سرانجام دیں۔ اسی طرح ہمارا معاشرہ کفر و شرک کے ہمالیہ کو استحقار کی ٹھوکر سے پاش پاش کر سکتا ہے۔ انہی تعلیمات کو سمجھ کر مرد و زن کے اختلافات دور ہو سکتے ہیں۔ اور معاشرے سے لاتعداد برائیوں کے خاتمے کا بھی امکان اسی میں پوشیدہ ہے۔

اس امید کے ساتھ کہ جبر کی سیاہ رات ختم ہوگی اور بے عملی کی منجمد برف پگھلے گی اور پت جھڑ کے موسموں کے بعد بہت جلد ہم لوگ اپنے اصلی پیشوا آقائے نامدار محمد مصطفیٰ ﷺ تعلیمات کی روشنی میں مثالی معاشرہ قائم کرینگے۔ ❁

ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

حکیم محمود احمد اظہر

نام ونسب

☆ نام سودہؓ تھا، قبیلہ عامر بن لوئی سے تعلق تھا۔ جو قریش کا ایک مشہور قبیلہ تھا۔ باپ کی طرف سے سلسلہ نسب حسب ذیل ہے۔

سودہؓ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی۔

ماں کی طرف سے سلسلہ نسب حسب ذیل ہے۔

الشموس بنت قیس بن زید بن عمرو بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار۔

شموس کی والدہ حضرت عبدالمطلب کی والدہ سلمیٰ عمرو بن زید کے بھائی کی بیٹی تھی۔ اس وجہ سے بنونجار سے تعلق تھا اور سیدہ سودہؓ کی کنیت ام الاسود تھی۔

حضور ﷺ کے حرم میں آنے سے قبل سکران بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود کے حبالہ عقد میں تھیں۔ سکران ان کے والد کے چچازاد بھائی تھے اور سہیل بن عامر بن لوئی اور سہیل اور حاطب اور سلیط کے بھائی تھے۔ یہ سارے کے سارے بھائی تھے۔

نکاح

ابتدا میں مشرف باسلام ہوئیں۔ ان کے شوہر نے بھی دعوت اسلام پر لبیک کہا اور دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ اس لحاظ سے دونوں میاں بیوی قدیم الاسلام ہیں۔ ہجرت حبشہ اولیٰ کے وقت تو دونوں میاں بیوی مکہ مکرمہ ہی میں مقیم رہے اور کفار مکہ کی سختیاں جھیلتے رہے، لیکن جب مشرکین کے ظلم وستم اپنی انتہا کو پہنچے تو مہاجرین کی ایک بہت بڑی تعداد حبشہ کی ہجرت پر آمادہ ہوگئی۔ چنانچہ ۸۶ مردوں اور ۱۷ عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ان میں سیدہ سودہؓ اور ان کے خاوند سکرانؓ بن عمرو بھی تھے۔

کئی برس گزارنے کے بعد جب سیدہ سودہؓ واپس آئیں تو ان کے خاوند سکرانؓ کا مکہ میں انتقال ہوگیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ سکرانؓ کا انتقال مکہ میں نہیں بلکہ حبشہ میں ہوا۔ یہ موسیٰ بن عتبہ اور ابو معشر کا قول ہے۔

حریم نبوت میں داخلہ

سکرانؓ کے انتقال کے بعد یہ سرکار دو عالم ﷺ کے حبالہ عقد میں آئیں۔ ایک روایت کے مطابق سیدہ خدیجہؓ کے انتقال کے بعد حضور ﷺ نے دوسرا نکاح ان سے کیا۔

سیدہ خدیجہؓ کے انتقال سے سرکار دو عالم ﷺ نہایت غمگین و پریشان تھے کیونکہ وہ ہر مشکل وقت میں آپ ﷺ کی غم خواری اور غم گساری کرتی تھیں۔ آپ ﷺ کی اس حالت کو دیکھ کر عثمانؓ بن مظعون کی اہلیہ محترمہ سیدہ خولہ بنت حکیمؓ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ کو ایک مونس وغم گسار رفیق کی ضرورت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ آپ ﷺ کے ایماء سے وہ سیدہ سودہؓ اور ان کے والد ماجد کے پاس گئیں۔ سیدہ خولہؓ نے کہا کہ ”اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر خیر و برکت کے دروازے کھول دیے ہیں۔“ انہوں نے کہا وہ کیا؟ سیدہ خولہؓ نے کہا کہ ”مجھے رسول اللہ ﷺ نے تیری طرف بھیجا ہے تاکہ میں تجھے ان کی طرف سے شادی کا پیغام دوں۔“ سیدہ سودہؓ نے فرمایا کہ ”مجھے منظور ہے لیکن آپ میرے والد کے پاس جائیں اور انہیں یہ بتائیں۔“

سیدہ خولہؓ فرماتی ہیں کہ میں سودہؓ کے والد جو نہایت بوڑھے تھے کے پاس گئی اور انہیں جاہلیت کے طریقہ کے مطابق ”انعم صباحا“ کہہ کر سلام کیا۔

انہوں نے پوچھا: کون ہے؟

میں نے جواب دیا: خولہؓ

انہوں نے کہا: مرحبا، کہو کیسے آئی ہو؟

سیدہ خولہؓ نے جواب دیا: ”محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب نے آپ کی بیٹی کے لیے شادی کا پیغام دیا ہے۔“ انہوں نے کہا: ”ہاں محمد ﷺ کریم کفو ہیں (ہو کفو کریم) لیکن تیری سہیلی سودہؓ کیا کہتی ہے؟“

خولہؓ نے جواب دیا کہ اسے یہ پیشکش قبول ہے۔

غرض اس طرح سب مراتب طے ہوگئے۔ سرکار دو عالم ﷺ خود وہاں تشریف لے گئے۔ سودہؓ کے والد نے نکاح پڑھایا اور چار سو درہم زر مہر مقرر ہوا۔

نکاح کے بعد سیدہ سودہؓ کے بھائی عبداللہ بن زمعہ جو اس وقت دولت ایمان سے محروم تھے۔ آئے اور انہیں یہ معلوم ہوا کہ سودہؓ کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ہوا ہے۔ یہ سن کر انہیں بہت افسوس ہوا اور اپنے سر میں خاک ڈال لی۔ بعد میں جب وہ دولت اسلام سے مشرف ہوئے تو ساری زندگی اس حماقت پر افسوس کرتے رہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ سیدہ سودہؓ کے نکاح سے قبل سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا نکاح حضور ﷺ سے ہوا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر نے اسی کو صحیح کہا ہے کہ سیدہ عائشہؓ کا نکاح سیدہ سودہؓ سے پہلے ہوا تھا۔

عام حالات

سیدہ سودہؓ کے عام حالات کوئی اتنے زیادہ کتابوں میں مذکور نہیں۔ نبوت کے تیرھویں سال میں جب سرکار دو عالم ﷺ نے ہجرت فرمائی اور مدینہ تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے وہاں سے سیدنا زید بن حارثہؓ کو مکہ مکرمہ بھیجا تا کہ وہ سیدہ سودہؓ اور دیگر اہل خانہ کو مدینہ طیبہ لے آئیں۔ چنانچہ وہ سیدہ سودہؓ، سیدہ فاطمہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ کو اپنے ساتھ مدینہ لے آئے۔ ان کے آنے سے قبل حضور ﷺ نے ان کے رہنے کے لیے ایک مکان تیار کروایا تھا۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کا خاندان بھی مدینہ طیبہ آ گیا اور یہاں کچھ عرصہ کے بعد سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کی رخصتی ہوگئی۔ اب حریم نبوت میں سیدہ سودہؓ اور سیدہ عائشہؓ تھیں، ایک بوڑھی عورت اور دوسری جوان عورت تھی۔ دونوں میں بعض دفعہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں مزاح بھی ہوتا اور چھیڑ چھاڑ بھی۔

سیدہ سودہؓ اور سیدہ عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کے حبالہ عقد میں آگے پیچھے آئی تھیں۔ سیدہ سودہؓ جب بوڑھی ہوگئیں تو ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں سرکار دو عالم ﷺ مجھے طلاق نہ دے دیں اور وہ شرف صحبت اور شرف زوجیت سے محروم نہ ہو جائیں۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ وہ قیامت کے روز آپ ﷺ کی ازواج میں سے اٹھیں۔ چنانچہ انہوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ میں اپنی باری عائشہؓ کو دیتی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ بھی اس پر راضی ہوگئے اور سیدہ عائشہؓ بھی اس پیشکش سے خوش ہوگئیں۔

۱۰ ہجری میں سرکار دو عالم ﷺ نے حج فرمایا۔ اس موقع پر سیدہ سودہؓ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں چونکہ آپ بلند و بالا اور فربہ اندام تھیں اس وجہ سے تیزی کے ساتھ چل پھر نہ سکتی تھیں بلکہ سست رفتار تھیں لہٰذا رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی کہ لوگوں کے مزدلفہ روانہ ہونے سے قبل ان کو جانے کی اجازت دی جائے۔ حضور ﷺ نے اجازت مرحمت فرمادی۔ چنانچہ وہ لوگوں سے پہلے مزدلفہ روانہ ہوگئیں کیونکہ انہیں بھیڑ میں چلنے سے تکلیف ہوتی تھی۔

وفات

ایک مرتبہ ازواج مطہراتؓ بارگاہ رسالت پناہ میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سب سے پہلے کون مرے گا؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہوں گے۔ ازواج مطہراتؓ نے اس کے ظاہری معنی سمجھے اور آپس میں ہاتھ ناپنے شروع کئے۔ سب سے بڑا اور لمبا ہاتھ سیدہ سودہؓ کا تھا۔ لیکن جب سب سے پہلے سیدہ زینبؓ کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ ہاتھ کی لمبائی سے آپ ﷺ کا مقصود سخاوت اور فیاضی تھی۔

بہرحال واقدی نے ان کا سن وفات خلافت معاویہؓ میں شوال ۵۴ھ بتایا ہے کہ مدینہ طیبہ میں شوال ۵۴ھ میں انتقال فرمایا۔

لیکن مشہور اور ثقہ لوگوں کی روایت یہ ہے کہ سیدنا عمرؓ کی خلافت کے اخیر میں مدینہ طیبہ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ سیدنا عمرؓ کی وفات ۲۳ھ میں ہوئی اس لیے خیال ہے کہ سیدہ سودہؓ کی وفات ۲۲ھ میں ہوئی یہ تاریخ الخمیس میں بھی روایت ہے اور یہی صحیح ہے۔ اسی پر سب کا اتفاق ہے۔

اولاد

سیدہ سودہؓ کا سکرانؓ سے ایک لڑکا تھا جس کا نام عبدالرحمن تھا۔ انہوں نے جنگ جلولاء (فارس) میں جام شہادت نوش فرمایا۔ دوسرا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ہوا۔ آپ ﷺ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

خصائص و فضائل

ازواج مطہراتؓ میں سیدہ سودہؓ سب سے زیادہ دراز قد اور فربہ اندام تھیں سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جس نے انہیں دیکھا اس سے وہ چھپ نہیں سکتی تھیں (کیونکہ دوسری عورتوں سے بلند و بالا تھیں) زرقانی اور دیگر علماء نے بھی لکھا ہے کہ وہ دراز قد تھیں۔

مرویات حدیث

حریم نبوت میں رہنے کی وجہ سے سیدہ سودہؓ دن رات ارشادات نبوت سے مستفید ہوتی تھیں۔ لیکن حدیث کی کتابوں میں ان سے صرف پانچ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بخاری میں صرف ایک ہے۔ صحابہ میں سے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور یحییٰ بن عبدالرحمن بن اسعد بن زرارہ نے ان سے روایت کی ہے۔

اخلاق

سیدہ سودہؓ اخلاق نبوت کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھیں۔ اطاعت و فرمانبرداری تو ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی ازواج مطہراتؓ سے فرمایا: ''میرے بعد گھر میں بیٹھنا، سیدہ سودہؓ نے آپ ﷺ کے اس فرمان پر اس شدت سے عمل کیا کہ پھر کبھی حج کے لیے نہ گئیں۔ فرماتی تھیں کہ میں حج اور عمرہ دونوں کر چکی ہوں اور اب رسول خدا ﷺ کے حکم کے مطابق گھر میں بیٹھوں گی۔

امام احمد بن حنبلؒ کی روایت کے مطابق سب ازواج مطہراتؓ نے رسول اللہ کے انتقال کے بعد کئی حج کئے لیکن سیدہ زینبؓ بنت جحش اور سیدہ سودہؓ بنت زمعہ نے آپ ﷺ کے انتقال کے بعد کوئی حج نہیں

کیا بلکہ برابر گھر میں بیٹھی رہیں بلکہ فرمایا کرتی تھیں۔ "بخدا رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے بعد ہم اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گی۔"

جو دو سخا اور فیاضی میں بھی ان کا ایک خاص مقام تھا۔ سیدہ عائشہؓ کے علاوہ وہ اس وصف میں بھی سب سے ممتاز تھیں۔ درہم و دینار سے انہیں کوئی محبت نہ تھی۔ جو کچھ آتا تھا اس کو راہ خدا میں خرچ کر دیتی تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا عمر بن الخطابؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں درہموں سے بھری ہوئی ایک تھیلی بھیجی۔ لانے والے سے پوچھا: اس میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا درہم، فرمانے لگیں کھجور کی طرح درہم بھی اب تھیلی میں بھیجے جانے لگے؟ یہ کہہ کر وہ سارے کے سارے اللہ کے رستہ میں تقسیم کر دیے۔

سیدہؓ کی طبیعت میں ظرافت و مزاح کا عنصر بھی تھا۔ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ سے کہنے لگیں کہ کل رات میں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تھی۔ آپ ﷺ نے اس قدر دیر تک رکوع کیا کہ مجھ کو نکسیر پھوٹنے کا شبہ ہو گیا اس لیے میں دیر تک ناک پکڑے رہی۔ حضور ﷺ یہ سن کر مسکرائے۔

اس ظرافت اور مزاح کے ساتھ طبیعت میں کچھ تیزی اور حدت بھی تھی۔ سیدہ عائشہؓ ان کی بہت معترف تھیں، لیکن فرمایا کرتی تھیں کہ وہ بہت جلد غصے میں آ جاتی ہیں۔ ایک دفعہ کہیں جا رہی تھیں۔ راستہ میں سیدنا عمرؓ مل گئے۔ چونکہ سیدہ سودہؓ دراز قد تھیں۔ اس وجہ سے سیدنا عمرؓ نے پہچان لیا۔ سیدنا عمرؓ کو ازواج مطہرات کا باہر نکلنا اچھا نہیں لگتا تھا اور وہ نبی اکرم ﷺ کے حضور پردہ کی تحریک بھی کر چکے تھے۔ لہٰذا بولے: سودہؓ! میں نے تمہیں پہچان لیا۔ سیدہ سودہؓ کو عمرؓ کی یہ بات ناگوار گزری اور نبی اکرم ﷺ کے پاس جا کر شکایت کی۔ اس واقعہ کے بعد آیت حجاب نازل ہوئی۔

ترمذی اور طبرانی وغیرہ میں سیدنا ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ سیدہ سودہؓ کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں سرکار دو عالم ﷺ انہیں طلاق نہ دے دیں۔ سیدہ سودہؓ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ مجھے طلاق نہ دیں بلکہ اپنے ہاں رکھیں۔ میں اپنی باری عائشہؓ کو دے دیتی ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی باری سیدہ عائشہؓ کو دے دی۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:۔

"پس کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کر لیں اور یہ صلح بہتر ہے۔" (القرآن) ❀

سرمد ڈیپارٹمنٹل اسٹور
A- بلاک اسٹور مارکیٹ ماڈل ٹاؤن لاہور
Phone: 5839973 Mobile: 0300 - 9439980

tsi
Metro sourcing
Metro sourcing is "Hong Kong Based Group" working in Pakistan for last 3 years. Our Aimis to facilitate "Garment Industries" with our unique products & quality services.
Our Product Line:
Products: BUTTONS | ZIPPERS | HANG TAG | LABELS
ROOM# 26, CENTRE POINT BUILDING, GULBERG III LAHORE, PAKISTAN
PH#: 5717985-6, FAX:5717987, E mail Info@ metro sourcing.com

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

شفاعت رسول

☆ آپ کا نام ابوالحسن ہے۔ سلسلۂ نسب حضرت امام حسن سے ملتا ہے۔ غزنی کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ہجویر اور جلاب غزنی کے دو علاقے ہیں۔ اسی نسب سے ہجویری کہلائے۔ ابتدائی زندگی اور تعلیم کے متعلق زیادہ معلومات میسر نہیں۔ لیکن ان کی تصنیف کشف المحجوب سے ان کی غیر معمولی علمی اور دینی استعداد کا پتہ چلتا ہے۔ طریقت کی منزلیں طے کرنے کے لئے آذر بائیجان، خوزستان، بغداد، دمشق، طبرستان، ترکستان اور دوسرے مسلمان ممالک کا سفر کیا اور جید اہل علم اور اہلِ نظر سے فیض حاصل کیا۔ ان میں ابوالقاسم قشیری، ابوسعید ابوالخیز ابو العباس اشقانی اور ابو القاسم گرگانی بطورِ خاص قابل ذکر ہیں۔ اس کے بعد لاہور آ کر سکونت اختیار کی۔ یہ سلطان محمود غزنوی کا زمانہ تھا۔ لاہور میں تصنیف و تالیف کے ساتھ اشاعتِ اسلام کے کام میں مشغول ہوئے۔ سینکڑوں لوگ حلقہ بگوشِ اسلام کئے۔ ان میں لاہور کا ایک راجہ بھی شامل تھا۔ تصوف اور علوم دینیہ میں آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی اور بابا فرید الدین گنج شکر جیسے ولیوں نے آپ کے مزار پر چلہ کشی کی اور سلوک کی منزلیں طے کیں۔ کہا جاتا ہے کہ خواجہ معین الدین اجمیری اعتکاف ختم کر کے جب رخصت ہونے لگے تو انہوں نے یہ شعر پڑھا۔ جواب لوحِ مزار پر کندہ ہے۔

گنج بخش فیض عالم مظہرِ نورِ خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

☆ آپ نے فرمایا کہ تصوف کی بنیاد آٹھ چیزوں پر ہے۔(۱) سخاوت حضرت ابراہیمؑ کی (۲) رضا حضرت اسماعیلؑ کی (۳) صبر حضرت ایوبؑ کا (۴) ارشادات حضرت ذکریاؑ کے (۵) غربت حضرت یحییٰؑ کی (۶) کیاتت حضرت عیسیٰؑ کی (۷) لباس حضرت موسیٰؑ کا اور (۸) فقر حضرت محمد ﷺ کا۔

☆ پھر فرمایا: دس چیزیں دس چیزوں کو کھا جاتی ہیں۔ توبہ گناہ کو۔ جھوٹ رزق کو۔ غیبت عمل کو۔ غم عمر کو۔ صدقہ بلا کو۔ غصہ عقل کو۔ پشیمانی سخاوت کو۔ تکبر علم کو۔ نیکی بدی کو اور عدل ظلم کو۔

☆ علم ہی کے ذریعے مراتب و درجات بلند ہوتے ہیں علم کی دو شمیں ہیں علم الحقیقت اور علم خلق۔ جس شخص کو علم حقیقت یعنی خدا تعالیٰ کا علم نہیں اس کا دل جہالت کی وجہ سے مردہ ہے اور جس کے پاس خدا کا عطا کردہ علم خلق یعنی علم شریعت نہیں اس کا دل نادانی کے مرض میں مبتلا ہے۔

☆ فقر کا درجہ خدا تعالیٰ کے نزدیک بہت بلند اور افضل ہے۔

☆ نفس کی موافقت باعث ہلاکت اور اس کی مخالفت باعث نجات ہے۔

☆ حضرت داتا گنج بخشؒ نے تین قسم کے لوگوں سے بچنے اور دور رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔

(۱) غافل علماء سے جنھوں نے دنیا کو دل کا کعبہ، شریعت کو گھر کی لونڈی اور ظالم امراء کی بارگاہ کو محض جاہ و ثروت کی خاطر سجدہ گاہ بنالیا ہے۔

(۲) ریاکار فقراء سے جو صرف اپنی نفسیاتی خواہشات کی خاطر لوگوں سے عزت اور شہرت کے طلب گار رہتے ہیں۔

(۳) جاہل متصوف (صوفی) سے جس نے نہ کسی مرشد کی صحبت اختیار کی ہو اور نہ کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہو۔

☆ شیخ علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ مشائخ طریقت کی ایک جماعت نے راہ ملامت اختیار کی ہے ملامت خلوصِ محبت میں بہت تاثیر رکھتی ہے اور ذوق کامل کی نشاندہی کرتی ہے۔

☆ کشف المحجوب میں تحریر ہے کہ صوفی وہ ہے جو ایک ہاتھ میں قرآن مجید اور دوسرے ہاتھ میں سنت رکھتا ہو۔

☆ خاص لوگوں کی توبہ یہ ہے کہ ریاضتوں کے تہہ خانہ میں قتل نفس کریں اور باطن میں قتل نفس، آرزوئیں اور مرادیں قطع کرنے سے ہوتا ہے۔

اپنی مشہور معروف کتاب کشف المحجوب بھی آپ نے لاہور میں لکھی تھی۔ آپ نے گیارہ ملکوں کا سفر کیا اور بے شمار اللہ والوں سے فیض حاصل کیا۔ خدمت اسلام اور فریضہ تبلیغ ادا کرنے کے بعد ستر برس کی عمر میں رشد و ہدایت کا چمکتا ہوا آفتاب اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ آپؒ کا سن وفات 1072 عیسوی مطابق 465 ھجری ہے۔ ❀

دورِ حاضر کے چند آثار و تبرکات نبوی علیہ وسلم ﷺ

سید عطاء اللہ

☆ موجودہ دور میں دنیا کے مختلف مقامات پر آنحضرت ﷺ کی ذات والاصفات سے منسوب تبرکات پائے جاتے ہیں۔

یہ آثار جہاں بھی اور جس کے پاس بھی ہیں ان کو بڑی حفاظت اور احترام کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ نہایت ادب کے ساتھ ان کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ بعض جگہ یہ تبرکات بلاوقت اور بلاتخصیص وقت دیکھے جاسکتے ہیں اور بعض متولی اپنی مخصوص مذہبی تقاریب اور مجالس میں ان کو دکھاتے ہیں۔ اہل عقیدت ان تبرکات سے اپنے فرطِ عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ اگرچہ ان تبرکات کی بنیادی حیثیت حدیث رسول ﷺ کی طرح مسلسل غیر منقطع روایت کی طرح تو نہیں لیکن ان تبرکات کا تاریخی پس منظر ضرور ہے۔ ایسے چند مشہور مقامات اور ان میں موجود تبرکات نبویہ کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

1-توپ کاپی (Top kapi Museum) سرائے استنبول

ترکی زبان میں سرائے محل کو کہتے ہیں اور کاپی دروازے کو لہٰذا ''توپ کاپی سرائے'' کے معنی ہیں ''توپ دروازہ'' اسی لیے اسے عربی میں باب المدفع بھی کہتے ہیں۔

بازنطینی دور میں یہاں قسطنطنیہ پر حملہ کیا تو مسلمانوں نے اپنی ایک بھاری توپ اس دروازے کے سامنے نصب کی تھی اور مسلمانوں کی گولہ باری سے سب سے زیادہ نقصان اسی دروازے کو پہنچا تھا۔ پھر فتح کے بعد سلطان محمد فاتح اسی دروازے سے شہر میں داخل ہوئے تھے۔ اس بناء پر اس دروازے کا نام توپ کاپی (توپ دروازہ) مشہور ہوگیا۔ بعد میں اس جگہ سلطان محمد فتح نے ۸۶۳ھجری/۱۴۵۰ء میں ایک محل بھی تعمیر کیا جو سلاطین آل عثمان کے دور میں سلطان محمد فاتح سے لے کر سلطان عبدالحمید تک سلاطین کی رہائش گاہ وغیرہ کے لیے بھی استعمال کیا گیا۔ آج تک اس محل کو ایک تاریخی یادگار کے علاوہ ایک عجائب گھر کے طور پر بھی استعمال کیا جارہا ہے جو اپنے بیش قیمت نوادر کے لحاظ سے دنیا کے بہترین اور امیر ترین عجائب گھروں میں شمار ہوتا ہے۔

اس محل کے دروازے میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے ایک کشادہ صحن سے گزر کر ''قصر محمد الفاتح'' کے نام سے ایک عمارت نظر آتی ہے جس کے سامنے ایک برآمدہ ہے۔ اس برآمدے کے سامنے صحن کے بیچوں بیچ فرش پر ایک بڑا سوراخ ہے۔ یہ ایک دور میں جھنڈا گاڑنے کی جگہ تھی جہاں صدیوں تک خلافت عثمانیہ کا سرخ ہلالی پرچم لہراتا رہا۔ وہ پرچم جس نے سالہا سال تک یورپ کی طاقتوں کو اپنے آگے سرنگوں رکھا جو صدیوں تک عالم اسلام کے اتحاد کی علامت بنا رہا اور جو آل عثمان کے دور میں دنیا کے تین براعظموں پر مسلمانوں کی شوکت کے نشان کے طور پر لہرایا۔ آج اس کی یادگار کے طور پر صرف یہ سوراخ رہ گیا ہے جس کا خلا اس پرچم کے اکھڑنے کے بعد آج تک بھرا نہیں جاسکا۔

تبرکات کی تفصیل

توپ کاپی میوزیم میں متعدد ہال ہیں۔

ایک ہال میں سرور دو عالم ﷺ کی دو تلواریں چاندی کے ایک صندوق میں رکھی ہوئی ہیں۔ آپ ﷺ کا وہ جھنڈا جس کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ غزوہ بدر میں استعمال کیا گیا اور آپ ﷺ کے وہ دندان مبارک ایک ڈبہ میں رکھے ہوئے ہیں جو غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے۔ یہیں ایک صندوق میں آنحضرت ﷺ کا جبہ مبارک ہے۔ ایک دوسرے ہال میں جسے قاعۃ العرش کہتے ہیں آپ ﷺ کا مکتوب گرامی بنام مقوقس سونے کے فریم میں رکھا ہوا ہے۔ یہ ہال میوزیم کا سب سے زیادہ مقدس حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی جگہ حضور اکرم ﷺ کا موئے مبارک اور مہر مبارک ہے جو گلابی رنگ کے عقیق کو تراش کر لکھی گئی ہے۔ اس کی شکل بیضوی ہے۔ میوزیم کے اس حصے میں ہر وقت پہرہ ہوتا ہے۔

ان تبرکات کو انتہائی نفیس لکڑی کے صندوقوں میں رکھا گیا ہے اور سال میں صرف ایک بار رمضان کی ستائیسویں شب میں انہیں باہر نکال کر ان کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ عام دنوں میں یہ تبرکات صندوقوں میں بند رہتے ہیں اور صرف صندوق ہی دیکھے جاسکتے ہیں۔ تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تبرکات بنوعباس کے خلفاء کے پاس موجود تھے۔ چنانچہ یہ آخری عباسی خلیفہ المتوکل کے حصے میں آئے، وہ آخر میں مصر کے اندر مملوک سلاطین کے زیرِ سایہ زندگی بسر کر رہا تھا۔ دسویں صدی ہجری میں جب حجاز اور مصر کے علاقوں نے عثمانی سلطان سلیم اوّل کی سلطنت تسلیم کی اور ان کو خادم الحرمین الشریفین کا منصب عطا کیا گیا تو عباسی خلیفہ المتوکل نے خلافت کا منصب بھی سلطان سلیم کو سونپ دیا اور مقامات مقدسہ وحرمین شریفین کی کنجیاں اور یہ تبرکات بھی بطور سند خلافت ان کے حوالے کردیئے۔ لہٰذا سلطان سلیم دسویں صدی میں یہ تبرکات مصر سے استنبول لے کر آئے اور یہ اہتمام کیا

کہ ''توپ کاپی سرائے'' میں ان کو محفوظ رکھنے کے لیے ایک مستقل ہال بنوایا۔ سلطان کی طرف سے ان تبرکات کی قدردانی اور ان سے عشق محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب تک سلطان سلیم زندہ رہے۔ استنبول میں قیام کے دوران اس کمرے میں انہوں نے حفاظ قرآن کو مقرر کیا کہ وہ چوبیس گھنٹے یہاں تلاوت کرتے رہیں، اسی طرح یہ سلسلہ چار سو سال تک مسلسل جاری رہا یعنی تلاوت قرآن پاک مسلسل ہوتی رہی اور اسی دوران ایک لمحے کے لیے بھی سلسلۂ تلاوت بند نہیں ہوا، خلافت کے خاتمے کے بعد یہ سلسلہ موقوف ہوا۔

2- درگاہ آثار شریف جامع مسجد، دہلی

یہاں کے تبرکات نبوی ﷺ کی تفصیل یہ ہے۔

1- موئے مبارک (ایک ڈبیہ میں دوسرا ٹین کی نلکی میں

2- نعلین شریف

3- نقشِ قدم شریف

4- غلاف مزار اقدس ﷺ

5- جبہ شریف

ان تبرکات کی تاریخ کچھ اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ ۲۳ جمادی الاخریٰ ۸۰۳ھ/ ۱۴۰۱ء کو جب امیر تیمور نے دمشق فتح کیا تو وہاں کے اہلِ سادات اور قاضی حضرات اس کی خدمت میں زرو جواہر کے ساتھ چند نایاب تبرکات لے کر حاضر ہوئے۔ امیر تیمور انہیں حاصل کر کے بہت خوش ہوا۔ پھر یکم ربیع الاوّل ۸۰۵ھ/۱۴۰۲ء کو جب اس نے سلطان بایزید یلدرم والی روم کو شکست دی تو اس نے بھی چند تبرکات امیر تیمور کی خدمت میں پیش کیے۔ امیر ان سب تبرکات کو لے کر سمرقند واپس چلا آیا۔ امیر تیمور کی وفات کے بعد یہ تبرکات نسل در نسل اس کے وراثوں کے قبضہ میں رہے۔ بابر انہیں اپنے ساتھ ہندوستان لایا۔ اس طرح یہ تبرکات یہاں پہنچے۔

3- تبرکات نبوی ﷺ بادشاہی مسجد، لاہور

یہ مسجد شہنشاہ عالمگیر کے حکم پر ۱۰۸۴ھ/۱۶۷۳ء میں تیار کی گئی تھی۔ مسجد کے شرقی دروازے کی ایک منزل میں حضور ﷺ کی چند یادگاریں تبرکاً شیشوں میں محفوظ ہیں۔

ان تبرکات میں آنحضرت ﷺ کا سبز عمامہ مع ٹوپی ہے۔ ایک سبز جبہ، سفید پاجامہ، نعلین، نقش قدم مبارک اور سفید علم کہ جس پر قرآن پاک کی آیات منقوش ہیں شامل ہیں۔

ان تبرکات کی کڑی بھی ان تبرکات سے ملائی جاتی ہے جو امیر تیمور اپنے ساتھ ہندوستان لائے تھے اور جن میں بعض تبرکات جامع مسجد دہلی میں محفوظ ہیں البتہ بادشاہی مسجد لاہور کے تبرکات کے متعلق یہ اضافہ کیا جاتا ہے کہ یہ محمد شاہ بادشاہ المتوفی ۱۷۴۸ء کی ملکیت میں آئے تھے۔ اس کے بعد اس کی بیٹی مغلانی بیگم کو ملے پھر لاہور کے مختلف سکھ خاندانوں کے قبضے میں آئے اور بالآخر جامع مسجد لاہور میں داخل کیے گئے۔

''تاریخ لاہور'' اور'' واقعات دارالحکومت دہلی'' جیسے مستند مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ جامع مسجد دہلی و بادشاہی مسجد لاہور کے یہ تبرکات امیر تیمور کے مہیا کردہ تھے جو اس کو فتح دمشق کے بعد ۱۴۰۲ء میں دمشقی امراء اور سلطان یلدرم بایزید سے بطور تحفہ حاصل ہوئے تھے۔ ۱۴۰۴ء میں امیر تیمور کا انتقال ہوگیا۔ گویا یہ تبرکات صرف دو برس اس کے پاس رہے۔ اس نے بذات خود ان کو کہیں داخل نہیں کیا بلکہ اس کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء کی تحویل میں آئے تا آنکہ بابر بادشاہ اپنے عہد میں (۱۵۲۶ء تا ۱۵۳۱ء) میں ان کو ہندوستان لایا۔

بابر کے متعلق صرف اتنا کہا گیا ہے کہ وہ تبرکات کو ہندوستان میں لایا مگر انہیں کہاں رکھا اس کا پتہ نہیں چلتا۔ ظاہر ہے کہ مسجد دہلی اور لاہور دونوں مساجد کا اس وقت کوئی وجود ہی نہ تھا۔ لہٰذا یہ سوال اپنی جگہ ہنوز تحقیق طلب ہے کہ جامع مسجد دہلی کے تبرکات کس نے داخل کیے اور جامع مسجد، لاہور کے تبرکات جو محمد شاہ بادشاہ کی ملکیت تھے ۱۷۶۱ء سے قبل اس کی ملکیت میں کب اور کیونکر آئے۔ زیادہ سے زیادہ آخر الذکر تبرکات جامع مسجد، لاہور کے متعلق قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ وہی تبرکات ہوں گے جو بابر ہندوستان لایا تھا۔ اس کی وفات کے بعد یہ اس کے جانشینان دہلی کے پاس یکے بعد دیگرے منتقل ہوتے ہوئے محمد شاہ بادشاہ کو حاصل ہوئے اور بعد ازاں جامع مسجد، لاہور میں داخل ہوگئے۔ معاملہ جب محض قیاس ہی پر ٹھہرا تو ہم نہایت آسانی کے ساتھ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ بابر کے ورثے میں شاید جامع مسجد، دہلی کے تبرکات بھی ملے ہوں گے اور وہ بھی اس کے جانشینوں میں سے کسی بادشاہ کے ذریعہ جامع مسجد دہلی میں پہنچے ہوں گے۔

4- موئے مبارک ﷺ بمقام نور محل

اوچ ضلع دیر صوبہ سرحد کا ایک قدیم تاریخی گاؤں ہے جو چکدرہ سے تیمر گرہ کی طرف تقریباً دس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس گاؤں اوچ میں ایک مسجد میں ایک (کمرہ) جسے نور محل کا نام دیا گیا ہے، میں آپ ﷺ کا موئے مبارک ہے۔ اس کی تاریخ یوں بیان کی جاتی ہے کہ اوچ سے ایک عالم دین مولانا اخوند نسیم صدیقی" معروف بہ بابا اوچ حصول علم کے لیے دہلی گئے تھے۔ علوم ظاہریہ سے

مستفید ہونے کے بعد مرزا مظہر جان جاناںؒ شہید دہلوی سے بیعت ہوئے اور بارہ سال تک ان کی خدمت میں رہ کر معارف باطنی کی تکمیل کی اور جب موصوف واپس اوچ تشریف لا رہے تھے تو مظہر جان جاناں نے دیگر تبرکات کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا موئے مبارک بھی عطا فرمایا۔ (مرزا مظہر جان جاناں کو یہ تبرکات دہلی کے بادشاہ وقت سے حاصل ہوئے تھے) مولانا محمد نسیم صاحب جب اپنے علاقے میں آئے تو پانچ اونٹوں پر تقریباً ۵۰۰ کتابوں کے قلمی نسخوں کے ساتھ یہ موئے مبارک بھی ہمراہ لائے۔ اس وقت سے خاندان نسیمی صدیقی کے پاس سے یہ سب علمی ورثہ و نوادرات موجود ہیں۔ پہلے یہ سب اشیاء ان کے مکان میں تھیں پھر عام استفادہ و زیارت کے لیے مقامی مسجد کے ساتھ متصل مکان نور محل میں محفوظ کر دی گئیں۔ ہر سال ربیع الاوّل کی بارہویں (12) تاریخ کو عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر جلسہ میلاد کے ساتھ ساتھ زیارت تبرکات بھی کرائی جاتی ہے۔

5- موئے مبارک ﷺ المجاہد عمرزئی

اس کے علاوہ عمرزئی چارسدہ (صوبہ سرحد) میں مشہور عالم و مجاہد الحاج محمد امین صاحبؒ کے ہاں بھی ایک موئے مبارک کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف کی جاتی ہے۔

اس موئے مبارک کی تاریخیت کے سلسلے میں خود الحاج محمد امینؒ نے اپنی ایک تصنیف میں ذکر کیا ہے کہ یہ موئے مبارک افغانستان کے بادشاہ امیر عبدالرحمٰن المتوفی ۱۹۰۱ء سے اس کے ایک ایک وزیر سید گل بادشاہ کی وساطت سے پہنچا ہے۔

گلشن سلطان الہند ضلع اٹک

یہاں بھی آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ایک موئے مبارک ہے۔ خانقاہ کا نام تبرک کے طور پر خواجہ غریب نواز چشتی اجمیری الملقب بہ سلطان الہند کے نام پر رکھا گیا ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ یہاں موجود ''موئے مبارک'' کا یہ سلسلہ ۲۷ واسطوں سے حضرت علیؓ تک پہنچایا گیا ہے۔ موئے مبارک کے یہاں تک پہنچنے کی تاریخی کڑیوں پر مشتمل کتابچہ اس خانقاہ شریف میں موجود ہے البتہ اس میں درج کسی عالم کے نام کے ساتھ ولدیت یا تاریخ وفات یا کوئی دیگر معلومات درج نہیں جس کی بنیاد پر کوئی تحقیق کی جاسکے۔ اس موئے مبارک کی زیارت ہر سال ۱۲ ربیع الاوّل کو کرائی جاتی ہے۔

صد شکر اس رب و رحمٰن کا جس نے قوت بیاں بخشی
انسانی فلاح و بہبود تعمیر ملت اور قومی ترقی میں اپنا کردار ادا کیجیے مثبت فکر و عمل کے ذریعے اسلام کی آفاقی اور اخلاقی اقدار کو فروغ دیجیے۔

ماہنامہ مومن کے لیے لکھیے
جہالت کے اندھیرے دور کیجیے
رشحات قلم ارسال کرنے کا پتہ
پوسٹ بکس نمبر 5050 لاہور پاکستان

اپنے شعبہ جات مثلاً تعلیم، صحت، قانون، نفسیات، تاریخ معاشرتی مسائل اور فرقہ واریت سے پاک دین مبین پر لکھیے تعلیم و تربیت کے ذریعے تعمیر انسانیت ہماری ترجیحات اور مکارم اخلاق کی تکمیل ہمارا نصب العین ہے!

مومن کے سالانہ ممبران کو اطلاع دی جاتی ہے کہ سال 2002ء کی ممبر شپ ختم ہو رہی ہے لہٰذا سال 2003ء کے لیے جلد از جلد ممبر شپ کی تجدید کروالیں تاکہ آپ کا مومن آپ تک پہنچتا رہے

اپنی رقوم بذریعہ منی آرڈر مندرجہ ذیل پتہ پر ارسال کریں

12-بی سٹی ٹاور 12-ایبٹ روڈ رائل پارک لاہور فون: 6373219

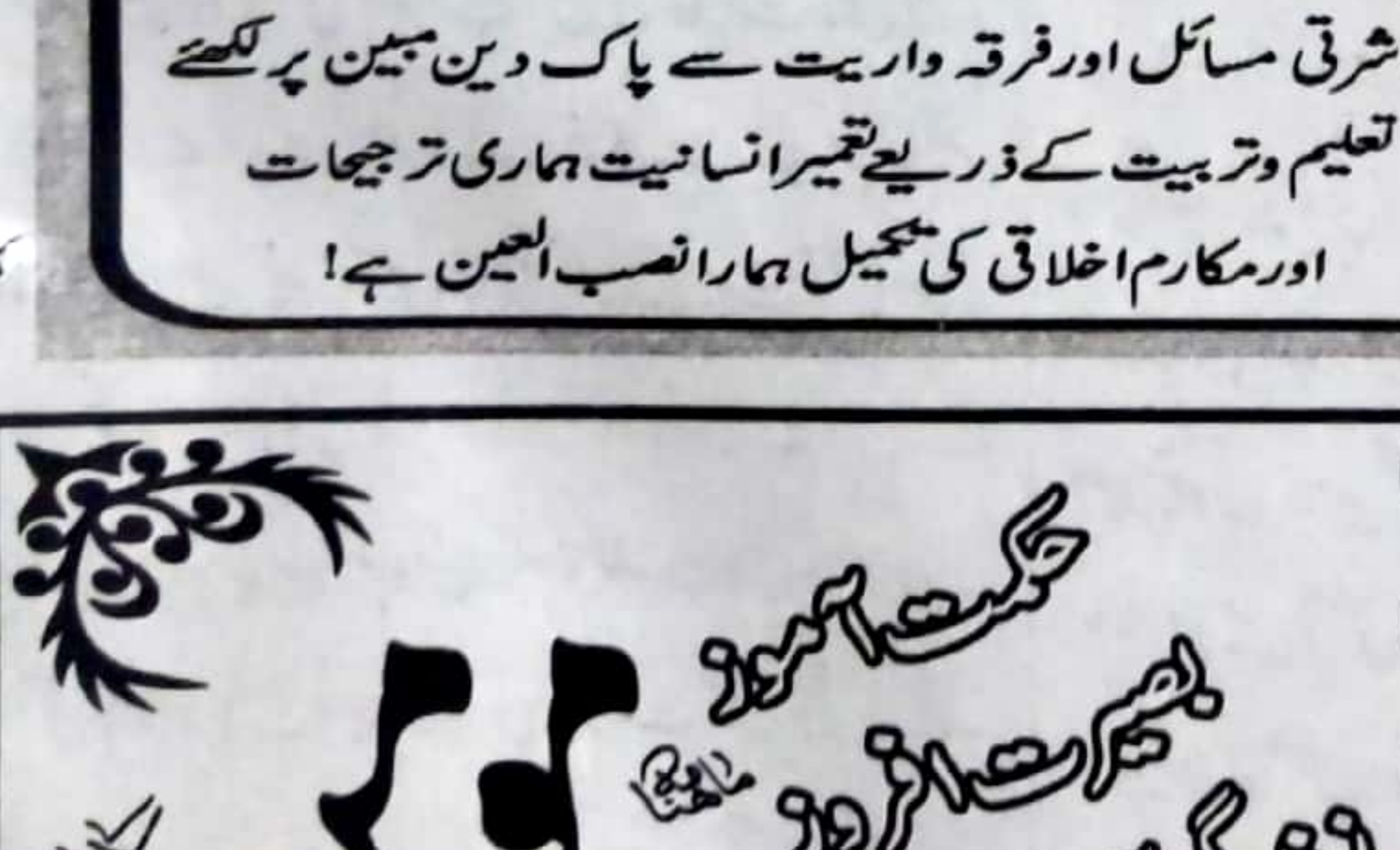

عکسِ تحریر

نام کتاب: رسول کریم ﷺ

مؤلف: پیام شاہجہانپوری

ناشر: رضی الدین خاں

مقام اشاعت: N-23 عوامی فلیٹس ریواز گارڈن لاہور

صفحات: 295

ھدیہ: 100 روپے

محترم جناب پیام شاہجہانپوری اردو ادب، شاعری اور تاریخ کے حوالے سے کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ نے تحریر و تقریر کا آغاز تقریباً چالیس برس قبل جاری ہونے والے ہفت روزہ ''حمایت اسلام'' سے کیا اور سولہ برس اس سے منسلک رہے۔ قریباً پانچ برس ریڈیو پاکستان پر مختلف موضوعات کے حوالے سے تقاریر کرتے رہے۔ 1980ء میں اپنی ذاتی کاوشوں سے ایک ادارہ ''تحقیق و تاریخ'' کے نام سے قائم کیا اور ہفت روزہ ''تقاضے'' کا اجراء کیا۔ آپ پچیس سے زائد کتب کے مصنف ہیں جن میں مقام حسینؓ، حضرت علیؓ اور انکی خلافت، حضرت عثمانؓ اور انکی خلافت، حیات حسنؓ جیسی شہرہ آفاق کتب شامل ہیں۔ شاعری میں آپ کی دو کتابیں، اردو زبان میں ''آئینہ'' اور ایرانی فارسی میں لکھی گئی ''میخانہ عجم'' بہت مقبول ہوئیں۔ آجکل ''۱۸۵۷ء کا جہاد'' کے نام سے ایک کتاب تحریر فرما رہے ہیں، جس میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو جسے فاضل مصنف نے جہاد کا نام دیا، کے اصل حقائق بیان کئے جا رہے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب ''رسول کریم ﷺ'' یورپ کے ممتاز مسیحی دانشور تھامس کارلائل کے ایک تحقیقی مقالے کی بنیاد پر تالیف کی گئی۔ ۱۶۲ سال قبل انگلستان جیسے ملک میں کسی عیسائی عالم کا حضور سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شخصیت پر قلم اٹھانا اور انکی مدح بیان فرمانا بذاتِ خود آپ ﷺ کے ہادیٔ برحق ہونے کا اعتراف ہے۔ تاہم کارلائل آپ ﷺ کے اس مبارک مشن کو اس طرح نہ سمجھ پایا جیسے کہ اس کو سمجھنے کا حق تھا۔ چنانچہ کتاب کی اصل روح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ قاری اس بات کو پیش نظر رکھے کہ کارلائل نے کن حالات اور کس ماحول میں آنکھ کھولی۔ یوں اسلام کو پوری طرح سمجھنا اس کے بس میں نہ تھا۔

نعت رسول ﷺ

شاہ گردوں مقام و عرش خرام　　مظہرِ ذوالجلال و الاکرام
مخزنِ علم و پیکرِ حکمت　　ہیں فصوصِ حِکم حروفِ کلام
کُنت کنزاً کی وادیوں کا نور　　آسمانِ قِدم کا ماہ تمام
وَرَفَعنا کی رفعتوں کا امیں　　ابو الارواح کا بھی پیش امام
مطلعِ انبیاء حضور ﷺ کی ذات　　مقطعِ انبیاء حضور کا نام
سینہ آئینۂ اَلَم نشرح　　دل خدا کی امانتوں کا مقام
تھا یہی انشراحِ صدر کا راز　　اس سے لینا تھا آئینے کا کام
خاکِ بطحا بھی کیا عجب شے ہے　　جس کو حاصل ہے اُن کا قربِ مدام

تو بھی اعظمؔ غبارِ رہ بن جا
چاہتا ہے اگر حضورِ دوام

فاضل مصنف نے اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ حضور ﷺ کی سیرت و سوانح سے متعلق ہے جو بنیادی طور پر کارلائل کے افکار و خیالات کا اردو ترجمہ ہے جبکہ دوسرا حصہ قرآن مجید اور اسلام کے بارے میں کارلائل کے غلط خیالات کی تردید ہے۔

محترم و مکرم مؤلف جناب پیام شاہجہانپوری کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ انہوں نے صرف کارلائل ترجمے پر اکتفا کرنے کی بجائے آپ کی شخصیت کے بارے میں غلط فہمی پیدا کرنے والے عناصر کو رد کرتے ہوئے اصل حقائق کو قرآن و سنہ کی روشنی میں قلمبند فرمایا۔ جس کی ایک اہم مثال قرآن حکیم کا آپ ﷺ کی تصنیف کی بجائے کلام الٰہی ہونا ہے۔ اس طرح یہ کتاب نہ صرف مسلمانوں کے لئے ایمان کی تازگی کا باعث ہے بلکہ ان عیسائیوں کے لئے بھی ایک قیمتی اثاثہ بن سکتی ہے جو خلوص نیت سے حق کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ کتاب کے خاص ابواب میں اسلام اور مسیحیت کے بارے میں اس انداز سے لکھا گیا ہے کہ کوئی بھی ذی شعور انسان نبی کریم ﷺ کو نبی برحق اور قرآن حکیم کو کلام الٰہی ماننے سے انکار نہیں کرسکتا۔ آپ ﷺ کی رسالت کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے حوالے قابل ذکر ہیں۔ ہماری نظر میں یہ کتاب ایک تاریخی دستاویز ہے جو ہر اچھی لائبریری اور ہر علمی گھرانے کے لیے ایک قابل قدر تحفہ ہے۔

انتخاب

کہکشاں

عائشہ رسول

حضور ﷺ کی بچوں سے محبت اور شفقت

ڈاکٹر عبدالرؤف

سرور کائنات ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے لیے شفیق بنایا تھا۔ آپ ﷺ کی شفقت ہر طبقے اور ہر چھوٹے بڑے کے لئے یکساں تھی۔ بچوں پر آپ ﷺ خصوصی شفقت کا اظہار فرماتے تھے اور طرح طرح سے ان کی دل جوئی کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کے قلب پاک میں بچوں کے لئے شفقت و محبت کا ایک سمندر ہے جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں بچپن میں انصار کے کھجوروں کے باغ میں چلا جاتا اور ڈھیلے مار کر کھجوریں گراتا۔ ایک دفعہ لوگ مجھ کو پکڑ کر آپ ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ ڈھیلے کیوں مارتے ہو؟ میں نے کہا کہ کھجوریں کھانے کے لئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جو کھجوریں ٹپک کر زمین پر گر جاتی ہیں ان کو اٹھا کر کھالیا کرو، ڈھیلے نہ مارا کرو۔" یہ کہہ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔

رسول اللہ ﷺ کی محبت و شفقت صرف مسلمانوں کے بچوں ہی تک محدود نہ تھی بلکہ آپ ﷺ مشرکین کے بچوں کو بھی پیار کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی جنگ میں مشرکین کے چند بچے لڑائی کی زد میں آ کر مارے گئے۔ آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ بہت رنجیدہ ہوئے۔ ایک صحابی نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ، وہ مشرکین کے بچے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "بچے تو مشرکین کے بھی تم سے بہتر ہیں۔" اور تاکیداً یہ بات دو مرتبہ کہی کہ "خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو۔ خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو۔" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ہر جان اللہ ہی کی فطرت میں پیدا ہوتی ہے۔"

آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب کوئی فصل کا نیا میوہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتا تو حاضرین میں سے جو سب سے زیادہ کم عمر بچہ ہوتا وہ میوہ پہلے اس کو عنایت فرماتے۔ آپ ﷺ بچوں کو چومتے اور ان کو پیار کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ اسی طرح بچوں کو پیار کر رہے تھے کہ ایک دیہاتی آیا۔ اس نے کہا کہ تم لوگ بچوں کو پیار کرتے ہو میرے تو دس بچے ہیں، میں نے اب تک کسی کو پیار نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اگر تم لوگوں کے دل سے محبت چھین لے تو میں کیا کروں۔"

جابر ابن سمرہؓ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں نے آنحضرت ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ اپنے گھر کی طرف چلے۔ میں بھی ساتھ ہولیا۔ ادھر سے چند لڑکے اور نکل آئے۔ آپ ﷺ نے ان سب کو پیار کیا اور مجھے بھی پیار کیا۔

ہجرت کے موقع پر جب مدینے میں آپ ﷺ داخل ہو رہے تھے، انصار کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں گھروں سے نکل کر خوش ہو کر گیت گا رہی تھیں۔ جب آپ ﷺ کا ادھر سے گزر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اے لڑکیو! کیا تم مجھے پیار کرتی ہو؟" سب نے کہا۔ ہاں یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا: "میں بھی تم سے پیار کرتا ہوں۔"

حضرت زیدؓ کے بیٹے اسامہ سے آپ ﷺ اس قدر محبت کرتے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اسامہ بیٹی ہوتے تو میں اسے زیور پہناتا۔ آپ ﷺ ان کے حال پر اس قدر شفقت فرماتے تھے کہ اپنے دست مبارک سے ان کی ناک صاف کرتے تھے۔ بچوں سے آپ ﷺ کی محبت اور شفقت آپ ﷺ کی شان رحمت اور رحم دلی کا مظہر تھی۔ ❁

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عہد رسالت سے کیا سبق ملتا ہے؟

☆ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مبارک زندگی سب انسانوں کے لئے عمدہ ترین نمونہ ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت و کردار میں وہ سب اچھے اوصاف صاف روشن نظر آتے ہیں جو دنیا کے ہر انسان کے لئے مشعل راہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

بہترین اوصاف کی مثالی شخصیت ﷺ

آنحضور ﷺ خود بھی سچائی کے شیدائی تھے اور دوسروں کو بھی سچ کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ دوست دشمن سبھی متفق تھے کہ آپ ﷺ ایک سچے انسان کا بہترین نمونہ ہیں۔ اسی لئے آپ ﷺ کو "صادق" کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ کی غیر معمولی دیانت داری کی وجہ سے آپ ﷺ کو "امین" کے خطاب سے بھی پکارا جاتا تھا۔ اعلیٰ انسانیت کا کوئی وصف ایسا نہ تھا جو آپ ﷺ کی ذات گرامی میں کمال کو پہنچا ہوا دکھائی نہ دیتا ہو۔ آپ ﷺ بلند اخلاق تھے، دلیر تھے، مستقل مزاج تھے، فراخ دل تھے، سخی تھے، قناعت پسند تھے۔ منصف مزاج تھے، حلیم الطبع تھے، رحم دل تھے۔ آپ ﷺ کے ہر قول و فعل پر فہم و فراست کی چھاپ نمایاں تھی۔

اخلاق حسنہ کے علاوہ آپ ﷺ کے عادات و اطوار بھی بے حد خوشگوار تھے۔ آپ ﷺ صحت و صفائی پسند تھے، جفاکش تھے، ہمدرد تھے، وعدوں کی پابندی کے عادی تھے، سادہ زندگی پسند فرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے شکر گذار اور عبادت گذار بندے تھے۔

دنیا کا سب سے پیارا انسان

کون ہوگا جسے ایسے پیارے انسان سے محبت نہ ہو؟ انسانی تاریخ میں جتنی محبت حضور ﷺ سے ہوئی ہے، جتنی محبت حضور ﷺ سے ہو رہی ہے، اور جتنی محبت حضور ﷺ سے ہوتی رہے گی وہ کسی اور کو نہ میسر ہوئی ہے اور نہ ہوگی۔

لوگ حضور ﷺ سے والہانہ محبت کیوں کرتے ہیں؟ اس لئے کہ انہوں نے لوگوں کو سیدھا راستہ دکھایا اور ان کی زندگی کو ہر طرح سے خوشگوار بنایا۔ جب حضور ﷺ اس کائنات میں تشریف لائے تو جزیرہ نمائے عرب جہالتوں اور برائیوں میں گھرا ہوا تھا۔ مگر جب حضور ﷺ نے اپنا مشن مکمل کر دیا تو وہی علاقہ ساری دنیا کے لئے علم و ادب اور تہذیب و تمدن کا ایک مثالی مرکز بن چکا تھا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہماری اس کائنات میں آپ ﷺ کی تعلیمات سے جتنا اجالا ہوا ہے اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ ساری دنیا کے انسان حضور ﷺ کے احسان مند ہیں اور یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں محبت و عقیدت کا جتنا اظہار حضور ﷺ سے ہوا ہے آج تک کسی اور سے نہیں ہوا۔ ❁

عربی الفاظ کے غلط تلفّظ سے معنی میں فرق

تحقیق وتحریر: غلام رسول شاہد

مُرسَل۔ مُرسِل: ان الفاظ میں (س پر زبر کے ساتھ) پہلے لفظ کے معنی ہیں جو بھیجا گیا۔ (س کے نیچے زیر کے ساتھ) دوسرے لفظ کے معنی بنتے ہیں بھیجنے والا۔

مُخاطَب۔ مُخاطِب: پہلے لفظ (ط پر زبر) کے معنی ہیں جس سے بات کی جائے۔

دوسرے لفظ (ط کے نیچے زیر) کے معنی ہیں بات کرنے والا۔

مُصَوِّر۔ مُصَوَّر: پہلے لفظ (و کے نیچے زیر) کے معنی ہیں تصویر بنانے والا۔ دوسرے لفظ (شد کے ساتھ و پر زبر) کے معنی بنتے ہیں تصویروں سے آراستہ۔ جیسے مُصوَّر رسالہ۔

مُنتظِر۔ مُنتظَر: پہلے لفظ (ظ کے نیچے زیر) کے معنی ہیں انتظار کرنے والا۔ دوسرے لفظ (ظ پر زبر) کے معنی بنتے ہیں جس کا انتظار ہو۔

مُورِّخ۔ مُورَّخہ: پہلے لفظ (ر کے نیچے زیر) کے معنی ہیں تاریخ کی کتاب لکھنے والا۔ دوسرا لفظ (ر پر زبر) کسی سال یا کسی مہینے کے کسی دن کی نشاندہی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

مُتوقَّع۔ مُتوقِّع: پہلے لفظ (ق پر زبر کے ساتھ) کے معنی ہیں جس کی امید یا توقع ہے۔ (ق کے نیچے زیر کے ساتھ) دوسرے لفظ کے معنی ہیں توقع رکھنے والا۔

زبر یا زیر صحیح جگہ لگانے کی ضرورت

مُعزَّز: عزت کے لائق کے معنی میں استعمال کرتے ہوئے اس لفظ کے تیسرے حرف ز پر زبر لگانا ضروری ہے۔ ز کے نیچے زیر لگانے سے معنی میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

مُعلِّم: تعلیم دینے والا کے معنی میں اس لفظ کے تیسرے حرف ل کے نیچے زیر کی ضرورت ہے۔

مُعظَّم: تیسرے حرف ظ پر زبر لگانا ضروری ہے۔ اس لفظ کے معنی ہیں عظیم اور شریف۔

مُثبَت: پہلے حرف م پر زبر لگانا غلط ہے۔ اس لفظ کے معنی ہیں ثبوت اور یقین کے ساتھ۔

مُکرَّم: تیسرے حرف ر پر زبر ہے۔ اس لفظ کے معنی ہیں عزت واحترام کے لائق ہیں۔

مُکمَّل: معنی (پورا۔ تمام): تیسرے حرف م پر زبر ہے۔

مُمتحِن: معنی (امتحان لینے والا): تیسرے حرف ت پر زبر۔ چوتھے حرف ح کے نیچے زیر۔

مُنتَخَب: معنی (انتخاب کیا گیا) ت اور خ پر زبر ہے۔

مُتّحِدہ: لفظ اِتّحاد کی طرح یہاں بھی ت پر شدہ ہے۔ د پر شد لگانا غلط ہے۔

مُتّفِقہ: لفظ اِتّفاق کی طرح یہاں بھی ت پر شد ہے ق پر نہیں ہے۔

مُدَبِّر: تیسرے حرف ب کے نیچے زیر ہے۔ حرف ب پر زبر لگانا غلط ہے۔ معنی ہیں تدبیر کرنے والا عقلمند انسان۔

مُدرِّس: معنی (درس دینے والا اُستاد) تیسرے حرف ر پر شد اور نیچے زیر ہے۔

مُسلَّمہ امر: معنی (درست تسلیم کی گی بات): ل پر شد اور زبر ہے۔

مُرغّن: معنی (بہت گھی والی خوراک): تیسرے حرف غ پر شد اور زبر ہے۔

مُصنِّف: (کتاب یا مضمون لکھنے والا): تیسرے حرف ن پر شد اور نیچے زیر ہے۔

مُہذَّب: (اچھی تعلیم والا): ذ پر شد اور زبر ہے۔

مُستَعمَل: (جو استعمال میں لایا جاتا ہے): پانچویں حرف م پر زبر ہے۔

مُرکّبات: مُرکّب الفاظ: تیسرے حرف ک پر شد اور زبر ہے۔

معنی: ایسے الفاظ مثلاً قادر مُطلَق۔ اللہ تعالیٰ۔ ❁

LRL NO.75

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھم صل علیٰ محمد

و علیٰ اٰل محمد کما صلیت

علیٰ ابراھیم و علیٰ اٰل ابراھیم

انک حمید مجید ہ

اللّٰھم بارک علیٰ محمد و علیٰ

اٰل محمد کما بارکت علیٰ

ابراھیم و علیٰ اٰل ابراھیم

انک حمید مجید ہ

اللہ

ماہنامہ
مومن
لاہور
ستمبر 2003ء

اللہ
رسول
محمد

سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا

معراجِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم	حافظ محمد حسام اللہ
چراغِ راہ	محترمہ اُمّ کلثوم خان
اسلام اور سائنس	ملک محمد ارشد
کائنات کی تخلیق پر غور و فکر	ڈاکٹر فضل کریم
نماز تہجد اور اسکی فضیلت	محمد اسلم جاوید

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ

ماہنامہ مومن لاہور

جلد نمبر 4 شمارہ نمبر 9 ستمبر 2003ء

صدر نشین غلام رسول شاہد

نگران و منتظم محترمہ اُمِ کلثوم خان

مدیر مزین رسول ہاشمی

مارکیٹنگ ایگزیکٹو شفاعت رسول ہاشمی

سرکولیشن منیجر غلام مجتبیٰ

قانونی مشیر خلیل احمد ایڈووکیٹ

زیر سرپرستی

سلسلۂ عالیہ توحیدیہ

92-G ماڈل ٹاؤن لاہور

بدل اشتراک

	فی شمارہ	سالانہ
پاکستان	20روپے	200روپے
انگلستان	1پونڈ	10پونڈ
متحدہ عرب امارات	4درہم	40درہم
سعودی عرب	4ریال	40ریال

خط و کتابت: پوسٹ بکس نمبر 5050 لاہور پاکستان
اشتہار و ترسیل زر: B-12 سٹی ٹاور 12 ایبٹ روڈ رائل پارک لاہور پاکستان
موبائل: 0300-8463031
+9242-6373219 فیکس: +9242-5881290
email:rasul92@hotmail.com
www.momin.biz

اعلیٰ اخلاق تقویٰ کی معراج ہے اور بداخلاقی فسق وفجور کی نمائندہ! من حیث الفرد ہو یا من حیث القوم، جب تک معاشرے کے افراد کا اخلاق اچھا نہ ہو ایک ایسا معاشرہ قائم ہو ہی نہیں سکتا جو راحت وسکون اور امن وسلامتی اور خوشحالی کا مظہر ہو۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم مسلمان جن کے لیے حضور اقدس ﷺ کو اسوۂ حسنہ یعنی اخلاق حسنہ کا مکمل نمونہ بنا کر بھیجا گیا آپ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کے حوالے سے کہاں کھڑے ہیں؟ لہٰذا آپ ﷺ کے امتی ہونے کے ناطے سے فرقہ واریت، وعدہ خلافی، جھوٹ، تکبر، انا پسندی، بخل، عیب جوئی اور غیبت وغیرہ کا تو ایک مسلمان مومن و مومنہ کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں ہونا چاہیے! جس کے اخلاق عالیہ بہترین ہونگے اسے اتنا ہی قرب الٰہی اور معرفت وحکمت نصیب ہوگی اور اپنے رب کی معرفت وحکمت کے بغیر انسان کو نہ تو اللہ کی نعمتوں کی قدر ہوتی ہے اور نہ ہی اپنے خالق ومالک کی۔

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے محسن ومنعم حقیقی کو پہچانتے ہوئے اسی کے فرمانبردار اور شکرگزار بندے بن جائیں اور اپنے پیارے رسول کریم سرکارِ دو عالم، فخرِ موجودات، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اخلاق عالیہ اپنائیں جو سچائی، ایمانداری، جرأت و بہادری، حیاء، خوف خدا، عفو و درگزر، رحمدلی، زہد و تقویٰ، سادگی، شفقت، صلح پسندی، ضبط و صبر، طہارت و پاکیزگی، عدل و انصاف، قناعت و فیاضی، نرم مزاجی، وعدے کی پابندی، ہمدردی الغرض ہر اس خوبی سے مزیّن تھے جو اللہ کو پسند ہے۔

صدر نشین

حُسنِ اِنتخاب

عنوان	مصنف	صفحہ
رجب المرجب	محترمہ ام کلثوم خاں	4
علم القرآن	حافظ مشتاق احمد	5
معراج رسول ﷺ	حافظ محمد حسام اللہ	6
چراغ راہ	محترم ام کلثوم خان	10
حکمتِ معراج	حکیم محمد سعید	13
احکام حجاب	عبدالمالک چترالی	15
نماز تہجد	محمد اسلام جاوید	17
غیبت سے اجتناب کا حکم	شیریں گل رانا	20
حضرت شعیبؑ	شفاعت رسول	22
حضرت قباث بن اشیمؓ	طالب الہاشمی	25
اسلام اور ضرورت مُرشد	ملک حسن اختر	26
حضرت خواجہ باقی باللہ	محمود اقبال	29
خوف وحزن	خورشید احمد گیلانیؒ	30
کائنات کی تخلیق پر غور وفکر	ڈاکٹر فضل کریم	32
حضرت لقمان حکیم	ڈاکٹر جمیلہ شوکت	33
معیار تعلیم کا نقصان دہ فقدان	مزین رسول	39
اسلام اور سائنس	ملک محمد ارشد	41
عربی الفاظ کا تلفظ	غلام رسول شاہد	46
حصول علم اور خواتین	آصفہ سعید	47
خون کی کمی	ڈاکٹر عظمیٰ نورین	51
کہکشاں	عائشہ رسول	56

آئندہ شمارہ میں ان شاء اللہ

سیرت النبی ﷺ، اخلاقیات، ایمانیات، تصوف، نفسیات، صحت و سلامتی اور حالات حاضرہ جیسے عنوانات پر تحقیقی مضامین

ماہنامہ مومن کے صفحات اخلاق عالیہ کے فروغ کے لیے وقف ہیں! ادارہ ھٰذا کا مصنفین کی رائے سے اتفاق کسی طور ضروری نہیں!

پرنٹر و پبلشر: غلام رسول شاہد چھپوان پبلی کیشنز B-17 سٹی ٹاور 12 ایبٹ روڈ رائل پارک لاہور

اسلامی ماہ رجب المرجب

رجب المرجب اسلامی سال کا ساتواں مہینا ہے رجب کے لغوی معانی تعظیم وتکریم کے ہیں حضور سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا فرمان ہے کہ رجب اللہ کا مہینا ہے شعبان میرا اور رمضان میری اُمت کا مہینا ہے اس ماہ مبارک میں نفلی روزے رکھنے کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ماہِ رجب کی ایک بہت بڑی خصوصیت معراج نبوی ﷺ ہے۔ جو بالاتفاق ستائیس رجب المرجب بروز پیر دس نبوی شریف بمطابق آٹھ مارچ 620ء یعنی دو سال قبل ہجرت ہوئی۔ اکثر مسلمان اسی ماہِ مبارک میں فریضہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اس لیے گاؤں، دیہاتوں میں اسے زکوٰۃ کے مہینے سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

معتبر روایات کے مطابق نماز پنجگانہ کی فرضیت اسی ماہ کی شب معراج میں ہوئی۔ اسی محترم ماہ میں چند متبرک ہستیوں کی وفات بھی ہوئی۔ جن میں اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ، اُمّ المؤمنین حضرت حفصہؓ، حضرت عبداللہ ابنِ السلامؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت اسامہ ابن زیدؓ شامل ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدینؒ کی وفات بھی اسی ماہِ مبارکہ میں ہی واقع ہوئی۔

رجب کا لفظ "ترجیب" سے مشتق ہے۔ اہلِ عرب کے ہاں یہ تعظیم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ عربی میں اسے "الرجبۃ" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ "الرجبۃ" اُس دیوار کو کہتے ہیں جو کھجور کے درخت کے اردگرد بنائی جاتی ہے۔ عربوں کے نزدیک "ترجیب" یہ تھا کہ جب کھجور کا درخت جھک جائے تو اسے گرنے سے بچانے کے لیے ستون لگایا جاتا ہے۔ اسی طرح اس ماہِ مبارک میں کیے جانے والے اعمالِ صالح خصوصی طور پر ایمان والوں کے ایمان کی سلامتی اور حفاظت کا ضامن بنتے ہیں۔ اسی طرح اس ماہ کو شہر اللہ الاصم بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت عثمان غنیؓ سے مروی ہے کہ جب ماہِ رجب کا چاند طلوع ہوا تو آپ ﷺ جمعہ کے دن منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطبہ شریف دیتے ہوئے ارشاد فرمایا "سنو! یہ اللہ تعالیٰ کا مہینا ہے یہ تمھاری زکوٰۃ کا مہینا ہے لہٰذا جس پر قرض ہے وہ اپنا قرض ادا کرے پھر بقیہ مال کی زکوٰۃ ادا کرے۔

"شہر اصم" اس ماہ کو اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کو اپنے بندوں کے ظلم اور ذلت سے "بہرہ" بنادیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی امت پر اس ماہ میں عذاب نازل نہیں ہوا۔ اللہ رب العزت نے اسے اپنی مخلوق پر ظلم وذلت سے بہرہ اس لیے بھی بنادیا تاکہ قیامت کے دن یہ مہینہ کسی بندے کے خلاف گواہی نہ دے بلکہ مسلمانوں کے حق میں گواہی دے۔ کیونکہ یہ ماہِ مکرم تو صرف بندوں پر فضل اور اُن کے اعمالِ صالح کو سنتا ہے۔ اسی ماہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو کشتی پر سوار ہونے کا حکم دیا اور وہ آپؑ کے رفقاء کو لیکر چھ ماہ تک چلتی رہی۔ اس ماہ کو شھر اللہ الاحب بھی کہا گیا جس کا مطلب یہ ہے اس مہینے میں اللہ کے بندوں پر اسکی رحمت بہائی جاتی ہے اور انہیں اس قسم کے اعزازات سے نوازا جاتا ہے کہ جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان سے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں انکا خیال پیدا ہوا۔

حضور سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ماہِ رجب اور شعبان میں اکثر نفلی روزے رکھا کرتے تھے چنانچہ اس اہ میں نفلی روزے رکھنے کا بہت ثواب ہے۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ رجب ترک ظلم، شعبان عمل ووفا اور رمضان صدق وصفا کا مہینا ہے۔ رجب توبہ کا، شعبان محبتِ الٰہی اور رمضان قربِ خداوندی کا مہینا ہے۔ ایک اور کہاوت ہے کہ رجب کھیتی بونے، شعبان پانی دینے اور رمضان المبارک کھیتی کاٹنے کا مہینہ ہے۔ الغرض رجب، شعبان اور رمضان المبارک تینوں مہینوں کا عبادت، بزرگی اور اجر کے لحاظ سے آپس میں بہت گہرا ربط ہے اور یہ تینوں مہینے بڑی فضیلت اور بزرگی والے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق حضرت جبرئیلؑ اللہ کے اسی حکم سے ماہ کی ستائیسویں شب آپ ﷺ پر رسالت لے کر آسمان سے اُترے۔ اس ماہ مبارک میں صدقہ، خیرات کے ساتھ توبہ، استغفار کے نوافل کثرت سے ادا کرنے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی اور مغفرت طلب کرنی چاہیے۔ اپنے والدین اور خصوصاً مرحوم بزرگوں کی ارواح مبارکہ کو ایصال ثواب پہنچانے اور ان کے لئے دعائے مغفرت کا خوب اہتمام کرنا چاہیے تلاوت کلام پاک کثرت سے کرنی چاہیے۔ سورۃ الکوثر، سورۃ الکافرون، درود ابراہیمی اور دوسرے کلمہ شریف کا ورد کثرت سے کرنا چاہیے۔

اُمِ کلثوم خان

علم القرآن

حافظ مشتاق احمد — قسط نمبر16

91- سورۃ الشمس

☆ یہ سورۃ مبارکہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس کی پندرہ آیتیں ہیں۔ سورۃ مبارکہ میں اللہ رب العزت نے سورج کی روشنی اور چاند کے اُس کے پیچھے آنے کی، دن اور رات کے آنے کی، آسمان و زمین اور نفس کی قسم کھا کر فرمادیا کہ انسان پر دونوں راستے کھول دیے گئے ہیں چاہیے تو پھٹ کر علیحدہ ہوجائے چاہے تو تقویٰ اختیار کرتے ہوئے اللہ کے ساتھ جُڑ جائے اور یہ کہ دائمی فلاح اسی کا مقدر ہوگی جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کرلیا اور جس نے اپنے آپکو نفس کے حوالے کردیا اور خواہشات کا غلام بنا وہ تباہ و برباد ہوگیا۔ سورۃ مبارکہ کے آخر میں قومِ ثمود کی ہلاکت کا ذکر ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول حضرت صالحؑ کی تکذیب کرتے ہوئے اللہ کے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اللہ کی طرف سے عذاب نازل ہوا۔ لہٰذا جس کسی نے بھی اللہ کی نشانیوں کا مذاق اُڑایا اس کا یہی حال ہوگا۔

92- سورۃ الّیل:

یہ سورۃ مبارکہ بھی مکی ہے اور اسکی اکیس آیتیں ہیں۔ سورۃ مبارکہ کا آغاز بھی رات کے چھا جانے اور دن کے روشن ہوجانے کی قسم اور نر اور مادہ کی قسم کھا کر انسان کے کمائے ہوئے مختلف اعمال و اشغال سے ہورہا ہے۔ جو وہ اس دنیا میں کمارہا ہے۔ سو بامراد انسان وہ ہوگا۔ جو خرچ کرتا رہا اللہ کی راہ میں اور تقویٰ سے رہا اور اللہ کی ہر بات کو حق و سچ جانا اُسکے لئے اللہ تک پہنچنے میں آسانیاں ہوجائینگی۔ دوسری طرف بخیل بے پرواہ اور اللہ کے پیغام کو جھوٹا سمجھنے والا سختیوں کی طرف پہنچادیا جائے گا۔ مزید ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ذمہ راہ سمجھا دینا ہے۔ آخرت اور دنیا تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

آخر میں انسان سے براہِ راست خطاب ہورہا ہے کہ تمہیں اللہ کی طرف سے بھڑکتی آگ کی خبر دی جارہی ہے۔ اور بڑا بدبخت ہے وہ جس نے جھٹلاتے ہوئے منہ پھیر دیا اور وہی جہنم میں گرا، سو بچے گا وہی جس نے اپنے نفس کی پاکیزگی کے لئے انفاق کیا یہی روزِ آخرت میں راضی ہوگا۔

93- سورۃ الضحیٰ:

سورۃ الضحیٰ مکی سورۃ مبارکہ ہے اور اس کی گیارہ آیتیں ہیں۔ اس سورۃ مبارکہ کا آغاز دھوپ کے چڑھنے اور رات کے چھا جانے کی قسم کھا کر اس لیے ہورہا ہے کہ آگے جو بات آنے والی ہے وہ اسی طرح سچ اور ہو کر رہنے والی ہے کہ جیسے دن اور رات کا آنا جانا یہ دونوں امور ہر حال ہو کر رہتے ہیں۔ سو اب یہ بھی ہو کر رہے گا کہ حضرت جبرائیلؑ آپ ﷺ کے پاس آئیں اور وحی کا سلسلہ جاری رہے۔ سورۃ مبارکہ کی شانِ نزول کچھ یوں ہے کہ حضرت جبرائیلؑ آپ ﷺ کے پاس غالباً پہلی وحی لانے کے بعد کچھ عرصہ وحی نہ لائے جس سے مشرکین نے کہنا شروع کردیا کہ آپ ﷺ کو اُن کے رب تعالیٰ نے رخصت کردیا ہے۔ یہاں ان مشرکین کی بات کو رَد کیا جارہا ہے اور فرمایا جارہا ہے کہ آپ ﷺ کی آنے والی حالت مبارکہ پچھلی حالت سے کہیں بہتر اور ارفع ہوگی۔ اسکے بعد حضور نبی کریم ﷺ پر کیے جانے والے انعام و اکرام کا بیان ہے۔ کہ آپ ﷺ کے رب نے آپکو یتیم پایا پھر ہجرتِ مدینہ کی صورت مدینہ شریف میں جگہیں دیں۔ کوئی واضح اور صحیح حتمی راستہ نہ تھا۔ جس پر چل کر انسان اپنے خالقِ حقیقی تک پہنچ سکتا دین اسلام کی صورت میں وہ عطا فرمایا۔ آپ ﷺ مفلس تھے ظاہری و باطنی تمام نعمتیں آپ ﷺ کو عطا کردی گئیں۔ لہٰذا اب آپ ﷺ یتیم کی خبر گیری اور دلجوئی کریں، مانگنے والے کو مت جھڑکیں اور جو نعمت خصوصاً نورِ ہدایت و ایمان کی نعمت جو اصل نعمت ہے لوگوں میں کھول کر بیان کردیں۔ چنانچہ اُمتِ مسلمہ پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہے کہ وہ بھی اللہ رب العزت کے احسانات، انعامات کا بیان کریں اور پیغامِ حق لوگوں تک پہنچائیں۔

94- سورۃ الم نشرح

یہ سورۃ مبارکہ مکی ہے اور اسکی آٹھ آیتیں ہیں۔ اس سورۃ مبارکہ میں بھی رسول کریم ﷺ پر اللہ کی طرف سے خصوصی انعام و اکرام کا ذکر ہے چنانچہ شروع آیت میں ہی فرمایا جارہا ہے کہ کیا ہم نے آپ ﷺ کا سینہ مبارک کھول نہیں دیا اور شرح صدر نہیں کردیا جس سے پوری کائنات آپ ﷺ پر منکشف ہوگئی۔ منصب رسالت کی ذمہ داریوں کو محسوس کرکے خاطر شریف پر جو گرانی گزر رہی تھی وہ بھی دور کردی۔ اور آپ ﷺ کا چرچا اور شہرہ پوری کائنات میں پھیلادیا۔

آخر میں اہلِ ایمان کو یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ آسانیاں تکلیفات کے ساتھ ہیں آسانیاں چاہتے ہو تو مشکلات کا سامنا خندہ پیشانی اور برداشت کے ساتھ کرتے جاؤ اور جب اپنے فرائض منصبی سے فراغت ہوجائے تو اپنے رب کریم کیطرف رجوع کرلیا کرو کہ اسی میں ساری برکتیں ہیں۔ ❀

معراج رسول ﷺ

حافظ محمد حسام اللہ

☆ رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں سے معراج کا واقعہ بہت زیادہ اہمیت کا حامل اور ہماری مادی دنیا سے بالکل ہی ماوراء اور عقل انسانی کے قیاس وگمان کی سرحدوں سے بالا تر ہے ۔ معراج کا دوسرا نام ''اسراء'' بھی ہے اسراء کے معنی رات کو چلانا یا رات کو لے کر جانا ہے۔ حضور اقدس ﷺ کے واقعہ معراج کو خداوند عالم نے قرآن مجید میں

سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً

کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے اس لیے اسے اسراء کا نام دیا گیا اور چونکہ احادیث میں معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حضور اقدس ﷺ نے عُرِجَ بِی (مجھ کو اوپر چڑھایا گیا) کا لفظ ارشاد فرمایا اس لیے اس واقعہ کو معراج کا نام دیا گیا۔

احادیث وسیرت کی کتابوں میں اس واقعہ کو بہت سے صحابہ کرامؓ نے بیان کیا ہے۔ علامہ زرقانی نے 45 صحابیوں کو نام بنام گنایا ہے جنہوں نے حدیث معراج کو روایت کیا ہے۔

معراج کب ہوئی؟

ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں معراج کا واقعہ پیش آیا ابن قتیبہ دینوری (المتوفی ۶۷۸ھ) اور عبدالبرؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) اور امام نوویؒ اور دوسرے جلیل القدر محدثین نے بیان کیا کہ واقعہ معراج رجب کے مہینے میں ہوا۔ اور محدث عبدالغنی مقدسی نے رجب کی ستائیس تاریخ بھی متعین کر دی ہے اور علامہ زرقانی نے تحریر کیا ہے کہ لوگوں کا اسی پر عمل ہے اور بعض مورخین کی رائے ہے کہ یہی سب سے زیادہ قوی روایت ہے (زرقانی جلد ۱ صفحہ ۳۵۵ تا ۳۵۸)

معراج کتنی بار ہوئی؟

جمہور علمائے امت کا کہنا ہے کہ معراج بحالت بیداری، جسم وروح کے ساتھ ایک بار ہوئی ۔ جمہور صحابہ کرام وتابعین اور فقہا ومحدثین نیز صوفیا کرام کا بھی مذہب ہے چنانچہ ملاجیونؒ (اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کے استاد) نے تحریر کیا ہے کہ

''اور سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ معراج بحالت بیداری جسم وروح کے ساتھ ہوئی یہی اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ لہٰذا جو شخص یہ کہے کہ معراج فقط روحانی ہوئی یا معراج فقط خواب میں ہوئی وہ شخص بدعتی وگمراہ اور گمراہ کن اور فاسق ہے۔''

دیدار الٰہی

کیا معراج میں حضور اکرم ﷺ نے اللہ رب العزت کا دیدار کیا ۔ اس مسئلہ میں سلف صالحین کا اختلاف ہے ۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور بعض صحابہؓ اس بات کے قائل ہیں کہ آپ ﷺ نے شب معراج اللہ کا دیدار نہیں کیا۔ بعض علمائے سلف مثلاً حضرت سعید بن جبیرؒ تابعی نے اس معاملے میں توقف کیا اور سکوت اختیار کیا مگر صحابہ کرامؓ اور تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت اس کی قائل ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اللہ رب العزت کو اپنی چشم سر سے دیکھا۔ (شفاء جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۱۲۰ تا ۱۲۱)۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت کعبؓ ایک مجلس میں جمع ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ بلاشبہ حضور اکرم ﷺ نے معراج میں اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا۔ یہ سن کر حضرت کعب نے اس زور سے نعرہ بلند کیا کہ پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ اور فرمایا بے شک حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا اور حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا اسی طرح حضرت ابوذر غفاریؓ نے ''ما کذب الفؤاد ما رای'' کی تفسیر میں فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا۔ اسی طرح حضرت معاذ بن جبلؓ حضور اکرم ﷺ سے روایت بیان کی ہے کہ ''رایت ربی'' یعنی میں نے اپنے رب کو دیکھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت حسن بصریؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ حضرت امام حنبلؒ سے بھی یہی منقول ہے کہ وہ بھی معراج میں حضور اقدس ﷺ کے دیدار خداوندی کے قائل تھے (شفاء جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۱۱۹ تا ۱۲۰)

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے شریک بن عبداللہ نے معراج کی جو روایت بیان کی ہے اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں

ترجمہ: حضور ﷺ سدرۃ المنتہیٰ پر تشریف لائے اور عزت والا جبار (اللہ رب العزت) یہاں تک قریب ہوا اور نزدیک آیا کہ دو کمانوں یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ نے انتہائی شان وشوکت اور آن بان کے ساتھ اپنا مہمان بنا کر عرش اعظم پر بلایا اور خلوت گاہ راز میں ''فاوحی الی عبدہ ما اوحی (سورۃ نجم)

کے راز ونیاز کے کلام سے سرفراز بھی فرمایا۔ مگر ان بے پناہ عنایتوں کے باوصف اپنے حبیب کو اپنا دیدار نہیں کرایا اور حجاب فرمایا۔ یہ ایسی بات ہے جو مزاج عشق ومحبت کے نزدیک مشکل ہی سے قابل قبول ہو

سکتی ہے کیونکہ کوئی بلند مرتبہ میزبان اپنے مہمان گرامی کو اپنی ملاقات سے محروم رکھے اور اپنا دیدار بھی نہ کرائے۔ یہ عشق و محبت کا ذوق رکھنے والوں کے نزدیک بہت ہی ناقابل فہم بات ہے۔

مختصر تذکرہ معراج

شب معراج آپ ﷺ کے گھر کی چھت کھلی اور ناگہاں حضرت جبریل امینؑ چند فرشتوں کے ساتھ اترے اور آپ ﷺ کو حرم کعبہ میں لے جا کر آپ ﷺ کے سینہ مبارک کو چاک کیا اور قلب اطہر کو نکال کر آب زمزم سے دھویا۔ پھر ایمان و حکمت سے بھرے ہوئے ایک طشت کو آپ ﷺ کے سینہ مبارک میں انڈیل کر شکم مبارک کو برابر کر دیا۔ پھر آپ ﷺ براق پر سوار ہو کر بیت المقدس تشریف لائے۔ براق کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ اس کا قدم وہاں پڑتا تھا جہاں اس کی نگاہ کی آخری حد ہوتی تھی۔ بیت المقدس پہنچ کر براق کو آپ ﷺ نے اس حلقہ میں باندھ دیا جس میں سابقہ انبیاء کرامؑ اپنی سواریوں کو باندھا کرتے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے تمام انبیاء و مرسلین کو جو وہاں حاضر تھے دو رکعت نماز نفل باجماعت پڑھائی (تفسیر روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۱۲)

جب یہاں سے نکلے تو جبریل امینؑ نے شراب اور دودھ کے دو پیالے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ ﷺ نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا۔ یہ دیکھ کر جبریل نے کہا آپ ﷺ نے فطرت کو پسند کیا۔ اگر آپ ﷺ شراب کا پیالہ اٹھا لیتے تو آپ ﷺ کی امت گمراہ ہو جاتی۔

اس کے بعد حضرت جبریل امینؑ آپ ﷺ کو لے کر آسمان پر چڑھے۔ پہلے آسمان پر حضرت آدمؑ سے اور دوسرے پر حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سے جو دونوں خالہ زاد بھائی بھی تھے آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی اور کچھ گفتگو بھی ہوئی۔

تیسرے آسمان پر حضرت یوسفؑ سے چوتھے آسمان پر حضرت ادریسؑ سے، پانچویں آسمان پر حضرت ہارونؑ سے اور چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی۔ ساتویں آسمان پر پہنچے تو وہاں حضرت ابراہیم سے ملاقات ہوئی وہ بیت المعمور سے پیٹھ لگائے بیٹھے تھے جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ بوقت ملاقات ہر پیغمبر نے آپ ﷺ کو "خوش آمدید! اے پیغمبر صالح" کہہ کر آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ پھر آپ کو جنت کی سیر کرائی گئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے۔ اس درخت پر جب انوار الٰہی کا پرتو پڑا تو ایک دم اس کی صورت بدل گئی اور اس میں رنگ برنگ کے انوار کی ایسی تجلی نظر آئی کہ اس کیفیت کو الفاظ ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ یہاں پہنچ کر حضرت جبریلؑ ٹھہر گئے کہ اب اس سے آگے میں نہیں بڑھ سکتا۔ پھر سبحانہ تعالیٰ جل جلالہ نے آپ ﷺ کو عرش بلکہ جہاں چاہا بلا کر آپ ﷺ کو باریاب فرمایا اور خلوت گاہ راز میں راز و نیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے جنکی لطافت و نزاکت الفاظ کے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکتی۔ چنانچہ قرآن مجید میں "فاوحی الی عبدہ ما اوحی" کے رمز و اشارہ میں خداوند عالم نے اس حقیقت کو بیان فرما دیا ہے۔

بارگاہ الٰہی سے بے شمار عطیات اور تحائف کے علاوہ تین خاص انعامات مرحمت ہوئے جن کی عظمتوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کون جان سکتا ہے۔

۱: سورۃ بقرۃ کی آخری آیات
۲: یہ خوشخبری کہ آپ ﷺ کی امت کا ہر وہ شخص جس نے شرک نہ کیا ہو، بخش دیا جائے گا۔
۳: امت پر پچاس وقت کی نماز۔

جب آپ ﷺ ان خداوندی عطیات اور تحائف کو لے کر واپس ہوئے تو حضرت موسیٰؑ نے آپ ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ کی امت سے ان پچاس نمازوں کا بار نہ اٹھ سکے گا۔ لہٰذا آپ ﷺ واپس تشریف لے جائیے اور اللہ تعالیٰ سے تخفیف کی درخواست کیجیے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کے کہنے پر چند بار آپ ﷺ بارگاہ خداوندی میں آتے جاتے اور عرض پرداز ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ صرف پانچ وقت کی نمازیں رہ گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے فرمایا کہ میرا قول نہیں بدل سکتا اے محبوب! آپ کی امت کے لیے یہ پانچ نمازیں بھی پچاس کے برابر ہونگی کہ نمازیں تو وہ پانچ ہی پڑھے گی مگر اجر و ثواب ان کو پچاس نمازوں کا عطا کروں گا۔

پھر آپ ﷺ عالم ملکوت کی اچھی طرح سیر فرما کر اور آیات الٰہیہ کا معائنہ و مشاہدہ فرما کر آسمان سے زمین پر تشریف لے آئے۔ اور بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ اور براق پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے۔ راستہ میں آپ ﷺ نے بیت المقدس سے مکہ مکرمہ تک کی تمام منزلوں اور قریش کے قافلہ کو بھی دیکھا۔ ان تمام مراحل کے طے ہونے کے بعد آپ ﷺ مسجد حرام میں پہنچ کر، (چونکہ ابھی رات کا کافی حصہ باقی تھا) اس لیے استراحت فرما ہو گئے۔

صبح کے وقت جب آپ ﷺ نے رات کے واقعات کا تذکرہ قریش کے سامنے کیا تو رؤسائے قریش کو سخت تعجب ہوا۔ یہاں تک کہ بعض کورباطنوں نے آپ ﷺ پر غلط بیانی کا الزام عائد کیا اور مختلف قسم کے سوالات کیے۔ چونکہ رؤسائے قریش نے بار بار

بیت المقدس دیکھا تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ کبھی بھی بیت المقدس نہیں گئے ہیں اس لیے بطور امتحان ان لوگوں نے آپ ﷺ سے بیت المقدس کے در و دیوار اور اس کی محرابوں وغیرہ کے بارے میں سوالات کی بوچھاڑ کر دی اسی وقت اللہ تعالیٰ نے سارے حجابات اٹھا دیئے اور آپ ﷺ کی نگاہ نبوت کے سامنے بیت المقدس کی پوری عمارت کا نقشہ پیش فرما دیا۔ چنانچہ کفار قریش آپ ﷺ سے سوالات کرتے جاتے اور آپ ﷺ عمارت کو دیکھ دیکھ کر ان سوالوں کے ٹھیک ٹھیک جواب دیتے جاتے تھے۔ (بخاری و مسلم۔ شفاء جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۱۵۸ تفسیر روح المعانی جلد نمبر ۱۵ صفحہ نمبر ۴ تا ۱۰)

سفر معراج کی سواریاں

امام علائی نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ معراج میں حضور اقدس ﷺ نے پانچ قسم کی سواریوں پر سفر فرمایا۔

۱۔ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک براق پر۔

۲۔ بیت المقدس سے آسمان اوّل تک نور کی سیڑھیوں پر۔

۳۔ آسمان اوّل سے ساتویں آسمان تک فرشتوں کے بازوؤں پر۔

۴۔ ساتویں آسمان سے سدرۃ المنتہیٰ تک حضرت جبریلؑ کے بازو پر۔

۵۔ سدرۃ المنتہیٰ سے مقام قاب قوسین تک رفرف پر (تفسیر روح المعانی جلد نمبر ۱۵ صفحہ نمبر ۱۰)

سفر معراج کی منزلیں

بیت المقدس سے مقام قاب قوسین تک پہنچنے میں آپ ﷺ نے دس منزلوں پر قیام فرمایا اور ہر منزل پر کچھ گفتگو ہوئی۔ اور آپ ﷺ نے بہت سی خداوندی نشانیاں ملاحظہ فرمائیں۔

اوّل آسمان، دوسرا آسمان، تیسرا آسمان، چوتھا آسمان، پانچواں آسمان، چھٹا آسمان، ساتواں آسمان سدرۃ المنتہیٰ، مقام مستویٰ جہاں آپ ﷺ نے قلم قدرت کے چلنے کی آوازیں سنیں، اور عرش اعظم (تفسیر روح المعانی جلد ۱۵ صفحہ ۱۰)

معراج کس لیے؟

قرآن حکیم میں معراج کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد خداوندی ہے:

"لنریه من ایاتنا" یعنی ہم نے اپنے حبیب ﷺ کو معراج میں اس لیے بلایا تا کہ ہم ان کو اپنی قدرت اپنی ربوبیت، اپنی حکمت غرض اپنی تمام صفات کی آیات بینات اور عالم ملک وملکوت کی تمام کائنات کا مشاہدہ کرا دیں۔

خداوند قدوس کی نشانیاں دو قسم کی ہیں ایک آیات صغریٰ یعنی چھوٹی نشانیاں اور دوسری آیات کبریٰ یعنی بڑی بڑی نشانیاں۔

سورہ النجم میں رب جلیل نے فرمایا

"لقد راءیٰ من ایات ربه الکبریٰ

یعنی محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں کو دیکھا۔

مطلب یہ ہے کہ آیات صغریٰ تو بہت سے خواص یعنی اولیاء و انبیاء علیہم السلام کو دکھائی گئیں مگر آیات کبریٰ یعنی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ یہ صرف نبی آخر الزماں ﷺ ہی کا حصہ تھا۔ جن کو دکھانے کے لئے رب العرش نے آپ ﷺ کو معراج میں بلایا۔

اب رہا یہ سوال کہ کن کن آیات کبریٰ کا رب العزت نے اپنے محبوب کو مشاہدہ کرایا اور کون کون سی بڑی بڑی نشانیوں کو حبیب خداؐ نے دیکھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا علم اللہ اور اس کے رسولؐ کے سوا کسی کو نہیں۔ اس کو تو بس دکھانے والا ہی جانتا ہے کہ اس نے کیا کیا دکھایا اور دیکھنے والا ہی جانتا ہے انہوں نے کیا کیا دیکھا؟ ❁

محبوب کبریا

سفر ہے چاند کا رخ سوئے مصطفیٰ ﷺ تو نہیں
قسم خدا کی یہ پستی ہے ارتقا تو نہیں
کھلا یہ راز بھی معراج سرور دیں سے
زمین و عرش میں کچھ ایسا فاصلہ تو نہیں
یہ دیکھنا ہے کہاں تک ہے پیروی رسول ﷺ
عمل کی راہ سے انسان گریزاں تو نہیں
یہاں تو غیر بھی اپنے دکھائی دیتے ہیں
یہ سر زمین مدینہ ہے کربلا تو نہیں
یہ احترام تھا سرکار ﷺ کا شب اسریٰ
وگرنہ وقت کسی کے لئے رکا تو نہیں
سوا حضور ﷺ کے آدمؑ سے ابن مریمؑ تک
نبی ہیں سب کوئی محبوب کبریا تو نہیں
تم اپنے قلب میں دیکھو تو جھانک کر اعجاز
اس آئینے میں کوئی عکس دوسرا تو نہیں

شب معراج

ارتقائے عالم امکاں معراج رسولؐ
پستیوں پر آج تک خنداں ہے معراج رسولؐ
رک گئی تھی آج شب وقت کی رفتار بھی
بے نیاز گردش دوراں ہے معراج رسولؐ
آدمی کی عظمتوں کا تذکرہ کرتے رہو
انتہائے عظمت انساں ہے معراج رسولؐ
آدمی کو رب سے ملنے کا سلیقہ آگیا
نوع انساں پر عظیم احساں ہے معراج رسولؐ
عزم تسخیر قمر، مریخ کی منزل میں ہے
آج بھی تو سلسلہ جنباں ہے معراج رسولؐ
تا سحر اب ذکر سبحان الذی اسریٰ رہے
آج کی شب سب کے گھر مہماں ہے معراج رسولؐ
کیوں نہ ہو اعجاز روشن شعر مثل کہکشاں
اس قصیدے کا میرے عنواں ہے معراج رسولؐ

صافی کا باقاعدہ استعمال
جلدی بیماریوں سے نجات

خون کو صاف اور صحت مند رکھنے کے لیے سال ہا سال سے آزمودہ
قدرتی جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ ہمدرد کی "صافی" پھوڑے پھنسیوں، خارش، دانوں اور مہاسوں
کا شافی علاج بھی ہے اور جلد کو ان سے محفوظ رکھنے کا بہترین ذریعہ بھی۔

صافی خون صاف، چہرہ شاداب

ہمدرد

ہمدرد کے متعلق مزید معلومات کے لیے ویب سائٹ ملاحظہ کیجیے:
www.hamdard.com.pk

مدینۃ الحکمہ تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ۔
آپ ہمدرد دوست ہیں۔ اعتماد کے ساتھ مصنوعاتِ ہمدرد خریدتے ہیں۔ جائز منافع بین الاقوامی شہرِ علم و حکمت کی تعمیر میں لگ رہا ہے۔ اس کی تعمیر میں آپ بھی شریک ہیں۔

Adarts-SAF-2/2002

چراغِ راہ

محترمہ اُمِ کلثوم خان

☆ اسلام نے جو عزت، احترام اور مقام عورت کو دیا دورِ حاضر میں اس کا شعور اجاگر کرنے کی ازحد ضرورت ہے۔ دوسری طرف یہ بات بھی نہایت ضروری ہے کہ عورت کو اعلیٰ تعلیم کے زیور سے استوار کیا جائے تاکہ وہ معاشرتی ذمہ داریاں پوری خوش اسلوبی سے نبھا سکے۔ خواتین کے بیشتر مسائل میرے اور آپکے علم میں ہیں۔ اس لئے آپ جیسی پڑھی لکھی خواتین کو چاہیئے کہ معاشرے کی ستائی ہوئی خواتین کے دکھ درد میں شریک ہوں۔ اور فلاح و بہبودی کے کام کو آگے بڑھائیں۔ اسلام کی تعلیم کا نچوڑ اخلاق عالیہ کا فروغ ہے۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بانی حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اخلاقی ترقی پر اتنا ہی زور دیتے تھے جتنا کہ روحانی ترقی پر۔

اخلاقی ترقی سے بہت سے نفسیاتی مسائل ازخود حل ہو جاتے ہیں۔ معاشرہ کے بیشتر لوگ احساس کمتری کے چنگل سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ چوری، چکاری اور عورتوں پر زیادتی جیسے واقعات اخلاقی تنزل اور تربیت کی کمی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے آپ سب بہنیں قرآن کی روشنی کو گھر گھر پہنچانے میں اپنا کردار ادا کریں۔ محبتیں بانٹیں اور نفرتیں دھو ڈالیں۔ آپ میں سے ہر بہن معاشرے کی ترقی میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ آپ روحانی اور اخلاقی طور پر تربیت یافتہ ہیں اس لیے آپ پر فرض ہے کہ معاشرتی ترقی میں اپنا کردار ادا کریں۔

قرآن حکیم نے مسلمانوں کو امت وسطیٰ کا لقب عطا فرمایا ہے۔ جس کا مطلب ہے ایسی امت جو ہر رنگ، نسل، وطن اور قوم سے برابر کے فاصلے پر کھڑی ہے اور ہر ایک سے حریفانہ نہیں عادلانہ رویہ رکھتی ہے۔ اس کا سفر ذات سے شروع ہو کر کائنات اور فرد سے بین الاقوامیت تک جاری رہتا ہے۔ خواہ وقت سازگاری کرے یا نہ اور رفتارِ زمانہ ساتھ دے یا نہ اس کا ہدف تبدیل نہیں ہوگا۔ یہ حلیف تو سب کی ہے حریف کسی کی نہیں۔ کیونکہ اس کا خمیر دعوت سے اٹھایا گیا ہے۔ دعوت کے دامن میں تعصب کا ٹانکا لگ ہی نہیں سکتا۔ دعوت سر بسر نصیحت، خیر خواہی، امن، محبت، اخوت اور قربت ہے۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوتیں تو ہم کبھی امت نہ بنتے اور نہ امت کے دائرے میں مختلف براعظم متضاد نسلیں۔ مخالف زبانیں اور پری رنگتیں سما سکتیں۔ فارس کے سلمان، حبشہ کے بلال، روم کے صہیب قرون کے اویس، بسطام کے بایزید، بغداد کے جنید، ہجویر کے سید علی اور اجمیر کے خواجہ معین الدین امت رسول کے دامن میں جذب ہوتے چلے گئے۔ براعظم کا اختلاف آڑے آیا نہ علاقے کا فرق محسوس ہوا۔ نہ رنگ رکاوٹ بنے اور نہ نسلی دیواریں ٹھہریں۔

لیکن اب لوگوں کی ادھوری سوچ۔ بانجھ فکر۔ لولی لنگڑی سیاست۔ دم کٹی ذہنیت نے لوگوں کو سنّی۔ شیعہ۔ دیوبندی۔ بریلوی وہابی اور مقلد و غیر مقلد کے چکروں میں ڈال دیا ہے۔ وہ شاہراہ صراط مستقیم چھوڑ کر پگڈنڈیوں پر آگئے ہیں۔ اور امت وسطیٰ ملت واحد کے گھنے سایوں کی بجائے غیروں کا سائبان مستعار لئے ہوئے ہیں۔ امن، بھائی چارہ تعاون و ہمدردی، رواداری اور اخوت چھوڑ کر نفرت کے الاؤ۔ خون کے چھینٹے اور غیریت کے بھوت پر بت پائے ہیں۔ جینے کا یہ ڈھنگ تو ہمیں اور بھی بے ڈھنگا بنا دے گا۔ گروہوں کی بالا دستی۔ علاقائی تعصب، فرقہ بندی، معاشرتی، معاشی، اخلاقی۔ سیاسی مسائل کے ہجوم اور نسلی۔ علاقائی اور مذہبی چپقلشیں مسلمانوں کے جان اور ناموس کا ضیاع ہیں۔ اور عالمی سطح پر رسوائی کا سامان۔ کیا دورِ حاضر میں طاغوتی طاقتوں کا مقابلہ فرقہ فرقہ ہو کر کیا جا سکتا ہے۔ یا ملت واحد بن کر۔ لہٰذا فرقوں کے کچے گھروندے گرا کر اسلام کی مضبوط فصیل میں پناہ لیں۔ تعصبات کے گھونسلے توڑ کر دین کا ناقابل شکست قلعہ تعمیر کریں۔ علاقائی لہروں کو دین کے سمندر میں جذب کر دیں۔ نیلے پیلے رنگ چھوڑ کر اپنے اوپر ملت اسلامیہ کا گہرا رنگ چڑھائیں اور کشتی ملت کو ساحل مراد تک بحفاظت لے جانے کی فکر کریں۔

نبی محمد ﷺ نے انسان کو اندر باہر سے بدل ڈالا۔ وحشیوں کو متمدن، جاہلوں کو معلم، گمراہوں کو راہبر، راہزنوں کو راہ نما۔ چرواہوں کو حکمران، عیاشوں کو پاکباز، لذت پرستوں کو عفت شعار۔ خدا بیزاروں کو باخدا۔ اور غلاموں کو آقائی آداب سکھائے اس سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ نہ کوئی ہم شہری، ہم ملکی، ہم قومی، ہم وطنی، ہم قبیلہ، ہم لسانی، ہم براعظمی بنا۔ بلکہ سب ملت اسلامیہ کے اجزاء ہیں۔ ہم عقیدت و ہم مذہب بن کر شجر ملت سے پیوستہ ہو گئے اور دنیا کو بہار آشنا کر دیا یہ انقلاب محمدی ﷺ کی روشن جھلک صفحہ ہستی اور سینہ کائنات کو تابناک کر گئی۔

جسمیں نور بشر۔ مقلد و غیر مقلد کے پیمانے نہ تھے۔ بلکہ ایک اللہ۔ ایک رسول۔ ایک

قرآن ،ایک کعبہ اور ایک کلمہ بنیاد و نسبت بنا۔عقیدہ توحید بنائے وحدت ہے۔نظریہ رسالت پیغام رحمت قرآن حکیم سرچشمہ ہدایت۔حرم کعبہ مرکز ملت اور کلمہ طیبہ نشان عظمت ہیں اور ملت اسلامیہ خیر امت اور امت وسطیٰ ہے۔فرقہ واریت اور علاقائی تعصبات نے اسلامی معاشرہ کو زخموں سے چور اور چرکوں سے نڈھال کر دیا ہے۔اب ظاہری اطوار میں تبدیلی اور باطنی واردات میں انقلاب برپا کرنے کے لئے شاہین صفت اور خود آشنا نوجوان بہنوں کو جو فولاد کے اعصاب اور چیتے کا جگر اور طوفانوں سے ٹکر لینے کا حوصلہ رکھتی ہوں کی ضرورت ہے کہ انقلاب محمدی ﷺ کو فروغ دیں اور ملت کفر کا صحیح معنوں میں مقابلہ کر سکیں۔

قرب قیامت میں رونما ہونے والی خرابیوں کی روک تھام کے لئے گردشِ زمانہ اور حالات کی کروٹوں کے پیش نظر قرآنی نشریات کو صف آرا کریں۔تاکہ پوری امت کی آنکھیں کھل جائیں تاکہ انتہائی مضر اور ہولناک خرابیوں سے بچ سکیں۔

جہاں دنیا امت مسلمہ کے متعلق غلط تاثر کا شکار ہو گئی ہے۔تو چاہئے کہ تمام مساجد، مدارس، مسالک۔دبستان خانقاہیں اپنے اصلی نام سے موسوم ومنسوب ہونی چاہئیں۔لاحقے وسابقے لگا کر شناخت کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔کسی شخص کا راہِ راست پر ہونے کے لئے پیمانہ عظمت نوع کے اعتقادی وکلامی ظواہر پر مبنی نہیں بلکہ صحیح العقیدہ ہونے پر ہے۔یعنی اللہ، انبیاء، کتب سماوی، فرشتوں قیامت ختم نبوت پر یقین رکھنے والا ہو۔یہ تمام مسلمانوں میں مشترک و اٹل ہیں۔ان سے کسی پر انحراف دائرہ اسلام سے باہر پھینک دیتا ہے۔صرف رجحان طبع اور میلان فکر کے لئے کسی مسلک کی طرف جھکاؤ کی بجائے۔اہل بیت اور اصحاب عظام کی تقلید ہونی چاہئے لہٰذا اللہ فرماتا ہے۔(ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم)۔یعنی اللہ کے نزدیک تم میں سے بزرگ برتر عزت والا وہ ہے جو متقی ہے۔کسی کو فضیلت نہیں ہے کہ وہ عربی ہے یا عجمی بلکہ تقویٰ کا پلڑا بھاری ہو۔پوری ملت اسلامیہ کی قدر و فلاح اور اسکی شان و شوکت کا دار ومدار اس بات پر ہے۔جو رب نے فرمائی۔اے ایمان والو اللہ سے ڈرو۔جیسے ڈرنے کا حق ہے اور (جینے کے ساتھ ساتھ) مسلمان ہو کر مرو۔

(یا یھا الذین آمنو اتقو اللہ حق تقاتہ فلا تموتن الا وانتم مسلمون)

لہٰذا اتحاد امت۔ملت واحدہ کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ حسن ظن سے دوسروں کے اندر خدا خوفی کم از کم اس درجہ پیدا کریں کہ ان کے ذہن میں قیامت کے دن کی جوابدہی کی ہولناک صورت واضح رہے۔نفرت وغصہ چھوڑ کر عالمگیر محبت اپنائیں۔حکمت سخن پر یا موضوع ونصیحت پر اعتراض برائے اعتراض سے احتراز کیا جائے اور حکمت عملی سے لوگوں کے اندر ظاہری و باطنی کمزوریوں کی کوتاہیوں اور غفلت کو دور کیا جائے۔دین اسلام کے غلبے، اسلامی انقلاب برپا کرنے، القدس کی آزادی، استحصالی نظام سے نجات پانے، عظمت رفتہ کی بحالی، استعماری طاقتوں سے گلوخلاصی، معاشرے کی تعمیر نو اور دنیائے انسانیت کی امامت وقیادت حاصل کرنے کے لئے ملت واحد بن کر دین کی خدمت کریں۔لہٰذا مذہبی عناصر۔طبقات کے درمیان کامل مفاہمت اور ہم آہنگی اسلامی برادری میں اتحاد کی ضمانت بن سکتی ہے۔اختلاف فکر ونظر کے باوجود اکابرین کا احترام وحدت ملی کا ذریعہ وزینہ ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ نبی محمد ﷺ اور سابقہ انبیاء کی شریعت میں اختلاف کے باوجود انبیاء کے درمیان قلبی احترام کے پابند ہیں۔اس ضمن میں افراط وتفریط ہمارے ایمان میں خلل پیدا کرتی ہے۔لہٰذا ہمارے بزرگان دین اور علما دین۔فقہائے اکرام اور محدثین ومفسرین کا احترام دین اسلام کے اتحاد واتفاق کے لئے ضروری ہی نہیں بلکہ لازم ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ تمام تر کاوش و صلاحیت ،تقاریر وتحریر، ایمانیات، اخلاقیات، عبادات اور معاملات پر صرف کریں۔فروعی باتوں کو خیر سگالی اور حسنِ ظن کے جذبہ سے مل کر ختم کریں۔مشترکہ اقدار اور متفق علیہ اصول اپنائیں۔

(۳) ایک اللہ اور ایک رسول، ایک قرآن اور ایک کعبہ کی بنیاد کو متحد و مستحکم بنائیں۔لہٰذا ذہنی اور قلبی تطہیر کے عمل کو فروغ دیں اور اس کے لئے کسی ولی و بزرگ کی صحبت اختیار کریں۔دو نمازوں کے وقفہ کے درمیانی وقت کو اللہ کی یاد اور اللہ کے قوانین وضوابط کے مطابق گزاریں اور کسی سچے ولی اللہ و عاشق رسول ﷺ کی رہنمائی حاصل کریں۔اور اُسکو اپنا ہادی ومرشد مانیں۔قرآن پاک کی روشنی میں اپنے آپکو اور جماعت کو سنواریں۔ہر ایک کی نماز کو نماز سمجھیں۔اور اختلاف کی شرح کو کم کریں۔علم غیب ، حاضر وناظر۔گیارہویں شریف، نور و بشر، آمین بالجہر، تفریہ، ذوالجناح، ختم، تیجہ، دعا اور نماز جنازہ اور اسی قسم کے تمام فروعی مسائل دین اسلام کی بنیاد کو

کمزور بنا رہے ہیں۔ اس کو مفاہمت کے ساتھ حل فرمائیں۔ تاکہ جب ایک ارب مسلمان توحید کے پلیٹ فارم پر متحد ہوں گے تو جن کی سوچ یکساں جن کی آواز ہم آہنگ جن کا لائحہ عمل متفقہ ہوگا تو وہ دنیا کا توازن بدل دیں گے۔ یہ فطرت کا اٹل اصول ہے اور طاغوتی طاقتوں کے شیطانی جالوں کو بے اثر بنا دیں۔

ختم القرآن کے حوالے سے میں نے پوری ایمانداری کے ساتھ اپنی بہنوں اور بیٹیوں میں کسی فروعی اختلاف کو جنم نہیں لینے دیا بلکہ توحید خالص اور سنت رسول محمد ﷺ کی پیروی کرنے کی تعلیم اور ترغیب دیتی رہی ہوں اور دین کو اخلاص کے ساتھ اپنانا ہی سکھایا گیا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ بہنوں نے اس دس سالہ دور میں جو کچھ قرآن پاک سے سیکھا ہے۔ اُسکو اپنے اندر جذب کرسکیں اور توحید کو اپنے اندر راسخ کرسکیں۔

الحمدللہ۔ بہنوں کے قلوب میں عقائد کی پختگی اتنی راسخ ہو چکی ہے کہ ایمان کا اظہار مظاہرِ سماوی اور احکام کی بجا آوری سے روشن و ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس کی زندہ مثال وہ بہنیں ہیں۔ جنہوں نے دین کی خدمت کے لئے اپنے محلّوں میں اہتمام درس قرآن وذکر واذکار کی محافل منعقد کروائی ہیں اور عمل پیرا ہیں۔ یہ ان کے ایمان کی کامیابی کی روشن دلیل ہیں۔ اللہ ان سے راضی وخوش ہو اور ان کو اور سب بہنوں کو دین ودنیا کی دولت سے مالا مال کرے۔ پس یاد رکھیں:

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

معراج النبی ﷺ کی مقدس رات

سید حامد اشرف شاہ جیلانی

رجب کی ستائیسویں شب تھی، جس کی نُور افروز سیاہی پر آفتاب وماہ تاب کی روشنی قربان ہو رہی تھی، شب کا نصف سے زیادہ حصّہ گزر چکا تھا اور آسمان پر لاتعداد چراغ اور قندیلیں روشن تھیں۔ ایسے مسرت انگیز اور فرحت بخش وقت میں دوعالم کے تاج دار، حضورِ اکرم ﷺ حسبِ معمول تہجد کی نماز پڑھ کر آرام فرما رہے تھے۔ بارگاہِ قدس سے روح الامینؑ کو حکم ہوا کہ ارضِ حرم میں جاؤ اور ہمارے پیارے محبوب کو مژدۂ ملاقات سناؤ۔ حکم ملتے ہی حضرت جبرائیل امینؑ حضورِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کیا۔ اے رحمتِ عالم، اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کی ملاقات کا مشتاق ہوں۔ حضورِ اکرم ﷺ یہ پیام سن کر نہایت مسرور ہوئے، آپ ﷺ نے وضو کیا اور شکریے کے نوافل پڑھے۔ آپ ﷺ نوافل سے فارغ ہو چکے تو حضرت جبرائیل امینؑ نے آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کیا اور آپ ﷺ کا قلب مبارک نکال لیا۔ ایک سونے کے طشت میں رکھ کر اسے آبِ زم زم سے دھویا اور پھر ایمان وحکمت سے پُر کر کے اس کو اپنی جگہ رکھ کر درست کر دیا۔ جب آپ ﷺ اس شان کے ساتھ تیار ہوگئے تو جبرائیل امینؑ نے مبارک باد دی اور کہا حضور ﷺ، آج کی رات وہ مبارک ومسعود رات ہے کہ خود ربّ العزت نے آپ کو معراج کی سعادت بخشی ہے۔ ملائکہ کو حکم فرمایا ہے کہ وہ حضورِ اکرم ﷺ کے استقبال اور خیر مقدم کی تیاری کریں۔ آج آپ ﷺ کی خاطر جنت کو آراستہ کیا گیا ہے۔ آسمانوں کو پورے اہتمام کے ساتھ زینت دی گئی ہے اور آج عالمِ بالا آپ کے لیے سراپا چشمِ انتظار ہے۔ آپ کو یہ عزت واحترام شرف باریابی اور انتہائے قُربت وسعادت مبارک ہو۔ جس کی تمنا میں بڑے بڑے جلیل القدر انبیاء نے دعائیں مانگیں اور آہ وزاریاں کیں، مگر کسی کو یہ شرفِ حضوری حاصل نہیں ہوا۔

حضورِ اکرم ﷺ کو خدا تعالیٰ نے جو رفعتِ شان عطا فرمائی ہے، ایسی شان نہ کسی نے پائی اور نہ ہی کوئی پاسکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب کو عرشِ اعظم پر بلایا اور حضور ﷺ بیداری میں جسدِ انور کے ساتھ روانہ ہوئے اور مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک زمینی سفر طے فرما کر آپ ﷺ آسمانوں پر تشریف لے گئے اور ساتوں آسمانوں کو عبور فرما کر سِدرۃُ المنتہیٰ کو بھی عبور فرماتے ہوئے عرشِ اعظم پر جلوہ افروز ہوئے۔

پھر آپ ﷺ اس مقام تک پہنچے، جہاں قلمِ قدرت کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ آگے بڑھ کر آپ ﷺ سِدرۃُ المنتہیٰ تک پہنچے، یہاں پہنچ کر حضرت جبرائیلؑ اپنی اصل صورت میں آپ ﷺ کے سامنے آئے اور آپ ﷺ سے رخصت ہوئے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جبرائیلؑ کیا تم اب ہمارا ساتھ چھوڑ دو گے۔ حضرت جبرائیلؑ نے عرض کیا، میں اس سے آگے نہیں جاسکتا، پھر آپ ﷺ آگے بڑھے اور قربِ خداوندی سے سرفراز ہوئے، وہاں اللہ سے کیا باتیں ہوئیں، اس کا علم اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کو ہے (پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر وحی کی، جو وحی کرنی تھی)

اس وقت بارگاہِ الٰہی سے آپ کو تین چیزیں عطا ہوئیں۔ ”سورۃ البقرۃ“ کی آخری آیات، جن میں اسلام کے عقائد، ایمان کی تکمیل اور مصیبتوں کے ختم ہونے کی خوشخبری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا، امتِ محمدیہ میں سے جو شرک نہ کرے گا، ضرور بخش دیا جائے گا۔ امت پر نمازیں فرض کی گئیں۔ ان تمام منازل کے طے ہونے کے بعد آپ صبح مسجدِ حرام میں تشریف لائے۔ اس طرح لیلۃ المعراج نے جہاں تمام انبیائے کرام علیہم السلام میں رسول اللہ ﷺ کو تقرب الی اللہ کے شرف اور فضیلتِ کبریٰ سے سرفراز کیا، وہیں یہ عظیم واقعہ کفر وایمان میں تمیز کا ایک معیار بھی بن گیا۔

حکمتِ معراج

حکیم محمد سعید

☆ معراج سیرت نبوی کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے اور اس کے دامن میں بے شمار اسرار و رموز پنہاں ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ نے ان پر نہایت شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور خاص کر واقعات معراج کے نکتے کی رمزیت کو بہ کمال فصاحت پیش کیا ہے۔ قوموں کا عروج و زوال قانون الٰہی ہے۔ اس قانون کا جو نکتہ معراج میں پوشیدہ ہے اس کی وضاحت موجودہ ماحول میں بیداری فکر و عمل کے لئے زیادہ اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ اس لیے اختصار کے ساتھ معراج کی چند حکمتیں پیش خدمت ہیں۔

انبیائے کرام علیہم السلام کو اپنے اپنے منصب کی مناسبت سے ایسے مشاہدات کی سعادت حاصل ہوتی رہی ہے کہ ان پر مادی حجابات مرتفع ہو گئے ہیں اور آسمان و زمین کے مخفی مناظر ان کی نگاہوں کے سامنے آ گئے ہیں تا کہ وہ حقائق پر ایمان کی دعوت خود اپنے مشاہدے کے بعد زیادہ استقامت اور اولوالعزمی کے ساتھ دے سکیں۔

حضور سرور عالم ﷺ خاتم الانبیاء اور سرور عالم تھے۔ اس لئے آپ ﷺ کو معراج آپ کے شایان شان ہوئی اور وہ سب کچھ بھی آپ کے مشاہدات میں آیا جو اب تک دوسرے انبیائے کرام اور مقربان بارگاہ الٰہی کی حد نظر سے باہر تھا۔

واقعۂ معراج سے نبی کریم ﷺ کی علوئے شان اور اعزاز کے متعدد ایسے پہلو سامنے آتے ہیں جو آپ کے منصب ختم نبوت اور تکمیل دین و شریعت کے واضح دلائل کہے جا سکتے ہیں۔

یہود، جو اب تک بیت المقدس کے نگہبان اور کلید بردار تھے، حضور ﷺ کے اس سفر معراج کے بعد بیت المقدس کی تولیت اور خدمت سے محروم کر دیئے گئے۔ آل اسمٰعیل کو ہمیشہ کے لیے یہ خدمت اس طرح سپرد کر دی گئی کہ نبی کریم ﷺ نبی القبلتین ہو گئے۔

بنی اسرائیل کی تولیت سے محرومی کی ایک مستقل تاریخ ہے جو نافرمان قوموں کی چشم عبرت کھولنے کے لیے کافی ہے۔ دراصل انہیں بیت المقدس کی تولیت بہت سی شرائط کے ساتھ عطا کی گئی تھی۔ انہیں یہ بات صاف صاف بتا دی گئی تھی کہ اگر وہ ناشکری اور شرک کی راہ اختیار کریں گے اور غیر اللہ کی پرستش کریں گے تو ان سے یہ منصب چھین لیا جائے گا اور محکومی و غلامی ان کی تقدیر بن جائے گی۔ چوں کہ وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہے اس لئے بادشاہ بخت نصر کے ہاتھوں ان سے نیابت چھین لی گئی۔ انہیں جلا وطن کر دیا گیا۔ یروشلم ویران ہو گیا۔ بیت المقدس کی عمارت مسمار کر دی گئی اور توراۃ کے پرزے اڑا دیے گئے۔

اس تباہی و بربادی کے بعد بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ اپنے مشرکانہ اعمال اور نافرمانیوں سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا اور اس منصب پر دوبارہ سرفراز فرما دیا جو انہیں حاصل تھا۔

لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد وہ اپنے عہد سے پھر منحرف ہوئے اور بت پرستی شروع کر دی تو عتاب الٰہی میں گرفتار ہو گئے۔ ان پر یونانیوں اور رومیوں کو مسلط کر دیا گیا اور وہ ذلت و خواری کے عذاب سے دوسری بار دوچار ہوئے۔

نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد تیسری بار انہیں موقع ملا۔ قرآن نے انہیں ایفائے عہد کی دعوت دی۔ قبول حق اور حضور ﷺ کی رسالت کا اقرار کرنے سے ان پر رحمت الٰہی کے دروازے پھر کھل سکتے تھے۔ لیکن وہ اعراض و سرکشی پر قائم رہے۔ اس لئے ارض مقدس کی تولیت سے انہیں پھر ایک بار محروم کر دینے کا وقت آ گیا تھا۔

سفر معراج کے موقع پر بیت المقدس میں حضور ﷺ کی امامت کے ذریعے سے اس امر کا اعلان کر دیا گیا۔ اس سفر کے فوراً بعد مکے سے مدینے ہجرت کرنے کا حکم نازل ہوا۔ اس شہر مبارک کے علاوہ خیبر میں بھی بنی اسرائیل کی آبادی تھی اور وہاں کی زرعی زمینوں پر ان کا قبضہ تھا، مگر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کی معاندانہ ریشہ دوانیوں کی بنا پر انہیں وہاں سے بھی بے دخل کیا گیا اور اس طرح وہ مبتلائے عذاب اور معتوب اقوام کے بدترین گروہ میں داخل ہو گئے۔ مسلمانوں نے بیت المقدس فتح کر کے قبلۂ اوّل کے احترام کو بحال کیا اور اپنی اہلیت و سعادت کا ثبوت دیا۔

سفر معراج کے مضمرات پر اگر غور کیا جائے تو ایک نکتہ اور بھی سامنے آئے گا اور وہ یہ ہے کہ صرف بنی اسرائیل ہی تولیت بیت المقدس سے محروم نہیں کیے گئے بلکہ اللہ کی نافرمانی ناشکری، شرک و کفر، ظلم و خوں ریزی اور حق سے اعراض کی جو سزا جس قانون الٰہی کے تحت بنی اسرائیل کو دی گئی اس کا نفاذ قریش مکہ پر بھی ہوا۔ نبی کریم ﷺ کی تبلیغ و دعوت کے باوجود جب قریش کے امرا کی سرکشی ختم نہ ہوئی اور مومنوں کے طبقے پر، جو بظاہر کمزور تھا، ان کے ظلم و ستم کا سلسلہ جاری رہا تو فتح مکہ کے بعد اپنے جرم کی

پاداش میں قریش بھی خانۂ کعبہ کی تولیت سے محروم کیے گیے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے والوں کو اس کی تولیت سپرد کر دی گئی۔

سفرِ معراج ہی کے بعد یہ دو ایسے اہم واقعات، قلیل زمانی فرق کے ساتھ اس طرح ظہور میں آئے کہ ان سے یہ نتیجہ اخذ کرنا ناممکن ہو گیا کہ کسی قوم یا معاشرے کے عروج کو جو چیز زوال سے بدل دیتی ہے وہ اللہ کے ساتھ کیے جانے والے عہد کی نافرمانی اور انسانوں پر ان کا ظلم و ستم ہے۔ یہی وہ فتنہ ہے جو پوری قوم کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

سفرِ معراج کی حکمتوں میں صرف نافرمانوں کو کعبہ و بیت المقدس کی تولیت سے محروم کرنا ہی نہیں ہے بلکہ ایک اہم نکتہ ہجرت کا بھی ہے۔ جس کی طرف سورۂ بنی اسرائیل میں واضح اشارات کیے گئے ہیں۔

کے میں تقریباً بارہ سال تبلیغ و دعوت کے گزر چکے تھے۔ اس عرصہ میں نبی کریم ﷺ کو سخت ترین مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ نادار اور غریب مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کی مذموم کوششوں میں شدت آگئی۔ دین کا تمسخر ہونے لگا۔ اہلِ مکہ کی طرف سے عذاب کے نزول کا مطالبہ ہونے لگا۔ کمزور اور غریب مسلمانوں کے دل خون ہو رہے تھے۔ اپنے ساتھ مسلسل جبر و استبداد اور اپنی طویل مظلومی کی وجہ سے ان کے دلوں میں افسردگی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ اگرچہ ساری مخالفتوں اور مزاحمتوں کے باوجود آوازِ حق اطرافِ مکہ ہی نہیں بلکہ مدینے تک بھی پہنچ چکی تھی مگر اب وقت آگیا تھا کہ مسلمان ہجرت کر کے ایک ایسی جگہ پہنچ جائیں جہاں ان کا اپنا معاشرہ اور اپنی ریاست وجود میں آجائے اور قانونِ الٰہی کے ذریعے سے ظلم و فساد کو مٹا کر عقیدۂ توحید و رسالت کی بنیاد پر انسانی اخلاق و کردار کی ایک نئی دنیا تعمیر کی جائے۔ اس لئے سورۂ نبی اسرائیل میں ذکرِ معراج سیاق و سباق میں نبی کریم ﷺ کو ہجرت کے لئے اس دعا کی بھی تلقین کی گئی:

''اور اے نبی دعا کرو کہ پروردگار، مجھ کو جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا۔ اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنادے۔'' (بنی اسرائیل: ۸۰)

اس آیت مبارکہ کا یہ معنوی نکتہ بھی اہم ہے کہ اسلام انسانوں کے اخلاق و اعمال میں جو اصلاح چاہتا ہے اس کے لئے وعظ و نصیحت کے ساتھ سیاسی قوت بھی درکار ہے۔

معراج شریف ہی کے پس منظر کے طور پر مسلمانوں کی مظلومیت اور بے بسی کا ذکر آچکا ہے۔ نبی کریم ﷺ کو دعائے ہجرت کے ساتھ مسلمانوں کو دعائے نصرت کی بھی تلقین کی گئی۔ اس بارے میں سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں رسول اللہ ﷺ کو عطا کی گئیں جن سے مظلوم مسلمانوں کے قلوب کی تسکین ہوئی اور انہیں یقین ہو گیا کہ وہ مصائب میں بے یار مددگار نہیں چھوڑ دیئے جائیں گے بلکہ تائیدِ الٰہی ان کے ساتھ ہوگی اور ان کو جلد اللہ کی نصرت حاصل ہوگی۔

یہ نصرتِ الٰہی ہجرت کے بعد ایک اسلامی ریاست کی تشکیل کی صورت میں ظاہر ہونے والی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اپنی بارگاہ احدیت میں قربِ خاص سے نوازا اور تمدن و معاشرت نیز اخلاق و عبادات کے اہم اصول عطا فرمائے۔

نمازِ پنجگانہ، جو روحِ عبادات ہے، معراج شریف ہی کا تحفہ ہے۔ اللہ کی عبودیت اور بندگی کے اظہار اور قربِ الٰہی کا بہترین وسیلہ ہے۔ یہ کیفیت عبادات اس تقرب کی عکاسی کرتی ہے جو نبی کریم ﷺ کو معراج میں حاصل ہوا۔ اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا:

''نماز مومنوں کی معراج ہے۔''

یعنی معراج کے اسرار و حکمت میں حضور ﷺ کا اعزاز اور ختمِ نبوت، تکمیلِ دین نیز تمدن و معاشرت کے اصول پنہاں ہیں۔ معراجِ نبوی کی حکمت یہ ہے کہ نظمِ کائنات کے متعلق ساری ہدایات کے لیے اللہ تعالیٰ نے سرورِ کائنات ﷺ کو اپنی بارگاہِ اقدس میں طلب فرما کر وہ سب کچھ عطا کر دیا جو ایک عالم گیر، آخری اور دائمی پیغامِ الٰہی لانے والے رسول ﷺ کے لیے ضروری تھا۔ اب ہماری معراج کا راز انہی ہدایات کی پیروی میں مضمر ہے۔ ❀

کلام شاہ حسین

من اٹکیا بے پرواہ نال | اوہ دین دُنی دے شاہ نال
قاضی مُلّاں متیں دیندے | کھرے سیانے راہ دیندے
عشق کیہہ لگے راہ نال

ندیوں پار رانجھن دا ٹھانا! | کیتا کول، ضروری جانا
مِنتاں کراں ملاح نال

کہے حسین فقیر نمانا | دنیا چھوڑ، آخر مرجانا
اوڑک کم اللہ نال

احکامِ حجاب

مولانا عبدالمالک چترالی

☆ فواحش، بدکاری، زنا اور اس کے مقدمات دنیا کی ان مہلک برائیوں میں سے ہیں جن کے مہلک اثرات صرف اشخاص وافراد ہی کو نہیں بلکہ قبائل اور خاندانوں کو اور بعض اوقات بڑے بڑے ملکوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔ اس وقت دنیا میں جتنے قتل وغارت گری کے واقعات پائے جاتے ہیں اگر صحیح تحقیق کی جائے تو اکثر واقعات کے پس منظر میں کوئی عورت اور شہوانی جذبات کا جال نظر آئے گا یہی وجہ ہے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اس میں کوئی قوم، کوئی مذہب، کوئی خطہ ایسا نہیں جو اس کی برائی اور مہلک عیب ہونے پر متفق نہ ہو۔ اس کے خلاف اسلام نے جن چیزوں کو جرائم اور انسانیت کے لئے مضر قرار دیکر قابل سزا جرم کہا ہے، ان پر پابندیاں عائد کیں، اور ان کو ممنوع قرار دیا اس معاملہ میں مقصود اصلی زناء اور بدکاری سے بچانا ہے اس لئے اسلام نے نظر نیچی رکھنے کے قانون سے شروع کیا، عورتوں اور مردوں کے بے محابا اختلاط کو روکا۔ عورتوں کو گھروں کی چار دیواری میں محدود رہنے کی ہدایت کی اور ضرورت کے وقت باہر نکلنے کے لئے بھی برقع یا لمبی چادر استعمال کرنیکا حکم دیا

اہل یورپ اور ان کے مقلدین نے اپنی فحاشی کے جواز میں عورتوں کے پردہ کو عورتوں کی صحت اور اقتصادی اور معاشی حیثیت سے معاشرے کے لئے مضر ثابت کرنے اور بے پردہ رہنے کے فوائد پر بحثیں کی ہیں۔

لیکن شریعت اسلامی نے زناء کو حرام قرار دیا تو اس کے تمام اسباب قریبہ اور ذرائع کو بھی محرمات میں داخل کر دیا کسی اجنبی عورت یا مرد پر شہوت سے نظر ڈالنے کو آنکھوں کا زنا قرار دیا، اس کا کلام سننے کو کانوں کا، اس کے چھونے کو ہاتھوں کا، اس کے لئے جدوجہد میں چلنے کو پاؤں کا زنا قرار دیا۔ انہی جرائم سے بچانے کے لئے عورتوں کے واسطے پردہ کے احکام نازل ہوئے۔

اسلام میں پردے کی شرعی حقیقت

عورتوں اور مردوں میں بے محابا اختلاط کو دنیا کی پوری تاریخ میں آدمؑ سے لے کر خاتم الانبیاء ﷺ تک کسی زمانے میں درست نہیں سمجھا گیا اور صرف اہل شرائع ہی نہیں دنیا کے عام شریف خاندانوں میں ایسے اختلاط کو روا نہیں رکھا گیا۔

کیونکہ نزول حجاب سے پہلے بھی عورتوں مردوں میں بے محابا اختلاط اور بے تکلف ملاقات وگفتگو کا رواج شریف اور نیک لوگوں میں کہیں نہ تھا، قرآن کریم میں جس جاہلیت اولی اور اس میں عورتوں کے تبرج وظہور کا ذکر ہے وہ بھی عرب کے شریف خاندانوں میں نہیں بلکہ لونڈیوں اور آوارہ عورتوں میں تھا۔ عرب کے شریف خاندان اس کو معیوب سمجھتے تھے، عرب کی پوری تاریخ اس کی شاہد ہے۔ ہندوستان میں ہندو، بدھ مت اور دوسرے مشرکانہ مذہب والوں میں عورتوں مردوں کے درمیان بے محابا اختلاط گوارا نہ تھا، یہ مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کے دعوے اور بازاروں اور سڑکوں پر پریڈ کرنے اور تعلیم سے لے کر ہر شعبہ زندگی میں مردوزن کے بے تکلف اختلاط ضیافتوں اور کلبوں میں بے تکلف ملاقاتوں کا سلسلہ صرف یورپین اقوام کی بے حیائی اور فحاشی کی پیداوار ہے جس میں یہ اقوام بھی اپنے ماضی سے ہٹ جانے کے بعد مبتلا ہوئی ہیں۔ قدیم زمانے میں ان کی بھی یہ صورت نہ تھی، حق تعالیٰ نے جس طرح عورت کی جسمانی تخلیق کو مردوں سے ممتاز رکھا ہے اس طرح ان کی طبیعتوں میں ایک فطری حیاء کا جوہر بھی رکھا ہے، جو ان کو فطری طور پر عام مردوں سے الگ تھلگ رہنے اور تستر پر آمادہ کرتی ہے، اور یہ فطری اور طبعی حیاء کا پردہ عورتوں مردوں کے درمیان ابتداء آفرینش سے حائل رہا ہے، ابتدائے اسلام میں بھی باہمی پردہ کی یہی نوعیت تھی۔

حجاب شرعی کے درجات اور ان کے احکام کی تفصیل

پردہ نسواں کے متعلق قرآن مجید کی سات آیات اور حدیث کی ستر 70 روایات کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ حجاب شرعی کے کچھ درجات ہیں۔

اصل مطلوب شرعی حجاب اشخاص ہے یعنی عورتوں کا وجود اور ان کی نقل وحرکت مردوں کی نظروں سے مستور ہو، جو گھروں کی چار دیواری یا خیموں اور معلق پردوں کے ذریعہ ہوسکتا ہے اور حجاب کی یہ صورت سورہ احزاب کی آیت: "واذا سالتموھنّ متاعا فسئلوھنّ من وراءِ حجاب"۔ ترجمہ: "اور جب مانگنے جاؤ حضور ﷺ کی بیٹیوں سے کچھ چیز کام کی تو مانگ لو پردے کے باہر سے"۔ واضح دلیل ہے اور اس سے بھی زیادہ واضح

سورہ احزاب ہی کے شروع کی آیت: "وقـرنَ فی بیـوتـکنّ ولا تبرجنّ تبرُّجَ الجاهلیة الاولیٰ"۔ ترجمہ: "یعنی بیٹھو (رہو) اپنے گھروں میں اور زمانہ قدیم کی جاہلیت والیوں کی طرح نہ پھرو۔

اس آیت میں جاہلیت اولیٰ سے مراد وہ جاہلیت ہے جو اسلام سے پہلے دنیا میں پھیلی ہوئی تھی، اس لفظ میں اشارہ ہے کہ اس کے بعد دوسری بھی کوئی جاہلیت آنے والی ہے، جس میں اس طرح کی بے حیائی و بے پردگی پھیل جائے گی، وہ شاید اس زمانے کی جاہلیت ہے۔ جس کا اب مشاہدہ ہر جگہ ہو رہا ہے۔

مذکورہ آیت میں لفظ "تبرج" کے تین مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اپنے چہرہ اور جسم کا حسن لوگوں کو دکھائے۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنے لباس اور زیور کی شان دوسروں کے سامنے نمایاں کرے۔ تیسرے یہ کہ وہ اپنی چال ڈھال اور چٹک مٹک سے اپنے آپ کو نمایاں کرے۔

اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرز عمل سے عورتوں کو روکنا چاہتا ہے وہ ان کا اپنے حسن کی نمائش کرتے ہوئے گھروں سے باہر نکلنا ہے اور اللہ ان کو ہدایت فرماتا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں ٹک کر رہیں۔ کیونکہ عورتوں کا اصل کام گھر میں ہے نہ کہ اس کے باہر لیکن اگر باہر نکلنے کی ضرورت پیش آئے تو اس انداز کے ساتھ نہ نکلو جس کے ساتھ سابق دور جاہلیت میں عورتیں نکلا کرتی تھیں۔ بن ٹھن کر نکلنا زیب و زینت اور جسم کے حسن کو چست لباسوں سے یا عریاں لباسوں سے نمایاں کرنا اور ناز و ادا سے چلنا ایک مسلم معاشرے کی عورتوں کا کام نہیں ہے یہ جاہلیت کے طور طریقے ہیں۔ اب یہ بات ہر شخص خود دیکھ سکتا ہے کہ جو ثقافت آجکل ہمارے ہاں رائج کی جارہی ہے وہ قرآن کی رو سے اسلام کی ثقافت ہے یا جاہلیت کی ثقافت ہے۔

دوسرا حجاب بالبرقع:

ضرورت کے مواقع میں جب عورت کو گھر سے باہر جانا پڑے تو اس وقت کسی برقع یا لمبی چادر کو سر سے پیر تک اوڑھ کر نکلنے کا حکم ہے، جس میں بدن کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب میں ارشاد فرمایا ہے۔ ترجمہ" اے نبی ﷺ آپ اپنی ازواج مطہرات اور بنات طاہرات کو اور عام مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیں کہ اپنی جلباب استعمال کریں" (جلباب اس لمبی چادر کو کہتے ہیں جس میں عورت سر سے پیر تک مستور ہو جائے)۔

یاد رہے ضرورت کے وقت جب عورت گھر سے نکلنے پر مجبور ہو تو اس کو پردہ کا یہ درجہ اختیار کرنا ضروری ہے کہ چادر وغیرہ میں سر سے پاؤں تک مستور ہو اور چہرہ بھی بجز ایک آنکھ کے چھپا ہوا ہو۔

یہ مذکورہ صورت بھی باتفاق فقہاء امت ضرورت کے وقت جائز ہے مگر احادیث صحیحہ میں اس صورت کے اختیار کرنے پر بھی چند پابندیاں عائد کی ہیں، کہ خوشبو نہ لگائے ہوئے ہو، بجنے والا کوئی زیور نہ پہنا ہوا ہو، راستہ کے کنارے پر چلے، مردوں کے ہجوم میں داخل نہ ہو وغیرہ۔ ❁

ٹریول پاس انٹرنیشنل
ٹریول ایجنٹس
لائسنس نمبر: 2779
اندرون و بیرون ممالک ہوائی سفر کے لئے تمام ائیر لائنز کے ٹکٹ دستیاب ہیں نیز عمرہ کے لئے بھی رابطہ کریں
آفس: جی-3، اجو اسنٹر، 17 کوپر روڈ لاہور فون: 6362483,6363467,6363843
فیکس: 6363467 ای میل: travelpassintl@hotmail.com

نماز تہجد اور اُسکی فضیلت

محمد اسلم جاوید

☆ ہجد کے معنی نوم (نیند) ہیں۔ شیخ عبدالحقؒ لکھتے ہیں کہ جسطرح تاثم بمعنی ترک اثم (گناہ کا چھوڑنا) اور تحنث بمعنی ترک اثم کے آتے ہیں اسی طرح تہجد کے معنی ترک نوم کے ہیں۔ چونکہ نماز تہجد نیند کے بعد بیدار ہونے پر پڑھی جاتی ہے اسلئے اس نام سے موسوم ہوئی (مدارج)۔

فضائل نماز تہجد قرآن مجید میں:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ وَ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ ؕ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡہُوۡدًا ۝ وَمِنَ الَّیۡلِ فَتَہَجَّدۡ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ۝

(بنی اسرائیل آیت 78-79)

ترجمہ: ’’نماز کو قائم کریں آفتاب کے ڈھلنے سے لیکر رات کی تاریکی تک اور فجر کا قرآن پڑھنا بھی۔ یقیناً فجر کے وقت کا قرآن پڑھنا موجب حضور (ملائکہ) ہے۔ رات کے کچھ حصے میں تہجد کی نماز میں قرآن کی تلاوت کریں۔ عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں کھڑا کریگا۔‘‘

سورہ بنی اسرائیل کی ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کو تہجد کا حکم دینے کے ساتھ آپ ؐ کو ’’مقام محمود‘‘ کی امید دلائی گئی ہے۔ ’’مقام محمود‘‘ عالم آخرت میں اور جنت میں بلند ترین مقام ہوگا۔

(۲) سورۃ السجدہ میں ارشاد ہے:

تَتَجَافٰی جُنُوۡبُہُمۡ عَنِ الۡمَضَاجِعِ یَدۡعُوۡنَ رَبَّہُمۡ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا ۫

ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں (اور) وہ اپنے پروردگار کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں۔

(۳) سورہ مزمل کی آیت 6 میں فرمایا:

’’رات میں نماز کیلئے کھڑا ہونا نفس پر بہت زیادہ دبانے والا عمل ہے اور اسوقت (دعا یا قرأت میں) جو زبان سے نکلتا ہے وہ بالکل ٹھیک اور دل کے مطابق یعنی دل سے نکلتا ہے‘‘۔

(۴) سورہ فرقان میں عباد الرحمٰن کی صفات بیان کرتے ہوئے آیت 64 میں ارشاد فرمایا:

اور وہ جو اپنے پروردگار کے آگے سجدے کر کے اور (عجز وادب سے) کھڑے رہ کر راتیں بسر کرتے ہیں۔

احادیث میں نماز تہجد کی فضیلت:

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ فرض نماز کے بعد سب نمازوں سے افضل تہجد کی نماز ہے۔ (احمد)

(۲) حضور ﷺ نے فرمایا کہ تہجد کی نماز اپنے اوپر لازم کرلو اگرچہ تھوڑی ہی ہو۔ (سیوطی)

(۳) بروایت حسان بن علیہ۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دو رکعتیں اگر بندہ پچھلی رات کے درمیان پڑھے تو اسکے لئے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور اگر میں اپنی امت پر انکو مشکل نہ جانتا تو ان پر دونوں رکعتوں کو فرض کر دیتا۔

(۴) جو لوگ رات کی عبادت کے باعث بستروں کو خالی چھوڑ دیتے ہیں وہ بلا حساب جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ (اصحاب السنن)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس مرد پر رحم فرمائے جو رات کو (تہجد کیلئے) اٹھا اور اس نے تہجد کی نماز پڑھی اور اپنی بیوی کو (بھی) جگایا پھر اس نے بھی یہ نماز پڑھ لی۔ اگر شوہر کے جگانے پر اس نے انکار کیا تو اسکے چہرے پر پانی چھڑک دیا (تاکہ نیند ٹوٹ جائے اور بیدار ہو کر کچھ رکعتیں پڑھ لے پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس عورت پر رحم فرمائے جو رات کو (تہجد کیلئے) اٹھی اور اس نے نماز پڑھی اور اپنے شوہر کو (بھی جگایا تاکہ وہ تہجد کی نماز پڑھ لے) اگر بیوی کے جگانے پر شوہر نے انکار کیا تو اسکے چہرے پر پانی چھڑک دیا (تاکہ نیند کا غلبہ دور ہو جائے اور بیدار ہو کر نماز پڑھ سکے) مشکوٰۃ شریف ص 106 بحوالہ ابوداؤد و نسائی)

(۶) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر رات کو جب تہائی رات رہ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کیا کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے۔ میں اسکی دعا قبول کروں؟ کیا کوئی ہے جو مجھ سے معافی طلب کرلے میں اسے معاف کردوں؟ کون ہے جو ایسے کو قرض دے جس کے پاس سب کچھ ہے اور وہ ظلم کرنے والا نہیں (جو اسکی راہ میں دو گے اسے قرض شمار فرمائے گا حالانکہ مال اسی کا دیا ہوا ہے پھر اسکا بدلہ دیگا تو خوب بڑھا کر دیگا کم از کم ایک کے دس تو کہیں گئے نہیں اس سے بھی زیادہ اللہ جسکو چاہے گا بہت زیادہ بڑھ کر اجر عطا فرمائے گا)۔ (مسلم)

(۷) حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا بلاشبہ جنت میں بالا خانے ہیں جنکے شفاف ہونے کا یہ عالم ہے کہ باہر والا حصہ اندر سے اور اندر والا حصہ باہر سے

نظر آتا ہے، یہ بالا خانے اللہ تعالی نے ان لوگوں کے لئے تیار فرمائے ہیں جو نرمی سے بات کرتے ہیں اور (ضرورت مندوں) کو کھانا کھلاتے ہیں اور جو رات کو ایسے وقت نماز پڑھتے ہیں جبکہ لوگ سو رہے ہوں یعنی تہجد کی نماز ادا کرتے ہیں (مشکوۃ شریف)

(۸) حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرائیلؑ آئے اور کہنے لگے۔ اے محمد ﷺ۔ خواہ کتنا ہی آپ زندہ رہیں آخر ایک دن مرنا ہے اور جس سے چاہیں کتنی ہی محبت کریں آخر ایک دن جدا ہونا ہے۔ اور آپ جب بھی عمل کریں اسکا بدلہ ضرور ملتا ہے اور (یاد رکھیں) اس میں کوئی تردّد نہیں کہ مؤمن کی شرافت تہجد کی نماز میں ہے اور مؤمن کی عزت لوگوں سے استغناء میں ہے۔ (کتب صحاح)

(۹) ابی امامہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول ﷺ نے تہجد ضرور پڑھا کرو کیونکہ وہ تم سے پہلے صالحین کی روش ہے اور تمہارے لئے قرب خدا کا سبب اور گناہوں کے دور ہونے کا ذریعہ ہے اور (یہ رات کا قیام) گناہوں سے باز رکھنے والا ہے۔ (ترمذی)

اس حدیث میں نماز تہجد کی چار خصوصیات بیان فرمائی گئی ہیں۔

(۱) نماز تہجد دور قدیم سے اللہ کے نیک بندے ادا کرتے رہے ہیں۔

(۲) یہ نماز تقرب الٰہی کا خاص وسیلہ اور ذریعہ ہے۔

(۳) نماز تہجد گناہوں کا کفارہ بنتی ہے۔

(۴) نماز تہجد گناہوں سے روکنے کی خاصیت رکھتی ہے۔

(۱۰) حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (رات کو تہجد میں) اتنا قیام فرمایا کہ آپکے پاؤں متورم ہو گئے۔ آپ ﷺ سے سوال ہوا۔ (یہ اتنی مشقت) آپ کیوں کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ مغفور ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا کیا پھر (جبکہ خدا نے مجھے نبوت کے انعام۔ مغفرت کی دولت اور بے شمار نعمتوں کی عطا سے نوازا ہے) اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں (بخاری۔ مسلم)

(۱۱) حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اُٹھتے رات کو (بستر سے تہجد کے لئے) تو (یہ) پڑھتے۔ اللہ اکبر دس بار۔ الحمد اللہ دس بار سبحان اللّٰہِ وَبِحمدہٖ دس بار سبحان المَلِکِ القُدُّوس دس بار استغفر اللہ دس بار لا الہ الا اللہ دس بار اور پھر اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ ضِیقِ الدُّنْیَا وَضِیقِ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ ط (یا الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ دنیا کی تنگی (سختیوں اور مصیبتوں) سے اور قیامت کے دن کی تنگی (سختیوں اور مصیبتوں) سے۔ دس بار۔ پھر وضو وغیرہ کر کے تہجد شروع کرتے۔ (ابوداؤد)

(۱۲) جو بندہ رات کی نماز تہجد کے لئے نیت کر کے سوتا ہے پھر اگر رات کو آنکھ نہ کھلے اور نماز کا موقع نہ ملے تو بھی نماز کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے اور یہ سونا اس بندہ پر خدا کا احسان ہوتا ہے۔ (ابن حبان)

ان احادیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ نماز تہجد مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے ہے اور یہ تقرب الٰہی۔ گناہوں کی بخشش اور گناہوں کے کفارہ بننے کا ذریعہ ہے۔ اس لئے ہمیں میٹھی نیند کو چھوڑ کر شیطان کو شکست دیتے ہوئے نماز تہجد پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

(۱۳) جامع ترمذی کی ایک روایت میں حضرت عمرو بن عبسہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اللہ تعالی بندے سے سب سے قریب رات کے آخری درمیانی حصے میں ہوتا ہے۔ پس اگر تم سے ہو سکے تو ان بندوں میں سے ہو جاؤ جو اس مبارک وقت میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔'' صوفیائے کرامؒ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص بغیر نماز تہجد کے درجۂ ولایت کو نہیں پہنچ سکتا۔ مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادیؒ کی وفات کے بعد اُن کو کسی نے خواب میں دیکھا تو سوال کیا کہ حق تعالی نے آپکے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ تو حضرت جنیدؒ نے جواب دیا کہ سارے حقائق و رموز اور نکات و عبادات ضائع ہو گئے۔ یہاں کچھ کام نہ آئے۔ اگر کچھ کام آئیں تو وہ چند چھوٹی چھوٹی رکعتیں نماز تہجد کی جن کو میں پڑھتا تھا۔

طبّ نبوی اور شب خیزی

اس بات کا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ ماہ رمضان کے دوران مسلمانوں میں ڈیپریشن کی بیماری نسبتاً کم پائی جاتی ہے۔ اسکی دلیل ماہ رمضان کے دوران ایسے مریضوں کی تعداد میں نمایاں کمی ہے۔ اس مشاہدے سے اس نظریے کو تقویت ملتی ہے کہ سحری کے لئے اٹھنے سے نیند میں جو عارضی تعطل پیدا ہوتا ہے وہ سحر خیزی کے ساتھ منسلک مخصوص مصروفیات مثلاً تہجد اور دوسری عبادات کے ساتھ مل کر ڈیپریشن میں کمی کا موجب ہو سکتا ہے۔ اس مشاہدے کی بنیاد پر یہ نظریہ قائم کیا گیا کہ سحر خیزی (مع تہجد اور دیگر عبادات و اذکار) ایسے امراض کے لئے ایک مؤثر طریقہ علاج ہے جو ڈیپریشن کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔

علم نفسیات کے ماہرین نے مایوسی کے مریضوں پر یہ تجربہ کیا۔ انہوں نے مایوسی کے مریضوں کو تہجد کے وقت جگانا شروع کیا۔ یہ مریض جاگ کر کچھ پڑھ لیتے تھے اور پھر سو جاتے تھے۔ یہ معمول جب کئی مہینوں تک مسلسل جاری رکھا گیا تو مایوسی کے مریضوں کو بہت فائدہ ہوا اور دواؤں کے بغیر ٹھیک

ہوگئے چنانچہ اس مغربی ڈاکٹر نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ آدھی رات کے بعد جاگنا مایوسی کے مریضوں کا علاج ہے۔

طب نبوی اور نماز تہجد کے فوائد

(۱) بے سکونی اور نیند کی کمی کا علاج (۲) دل کے امراض کے لیے تریاق اعظم ہے۔ (۳) اعصابی کھچاؤ اور جکڑاؤ کے لیے مفید ہے۔ (۴) دماغی امراض خاص کر پاگل پن کی خطرناک کیفیت کے لیے آخری علاج ہے۔ (۵) نگاہوں میں خاص طور پر جن کی نگاہ میں دو چیزیں نظر آتی ہوں ۔ اُن کا علاج ہے۔ (۶) انسانی جسم میں نشاط۔ فرحت اور غیر معمولی طاقت پیدا کرتا ہے جو اسے دن بھر ہشاش بشاش رکھتی ہے۔

نماز تہجد کی رکعات

تہجد کے لئے دو دو رکعت کر کے چار رکعت سے بارہ رکعت تک پڑھی جاسکتی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ وتر کے علاوہ عموماً آٹھ رکعت نماز تہجد پڑھا کرتے تھے۔ دس اور بارہ رکعت بھی ثابت ہوئی ہیں۔ شامی نے کہا ہے کہ تہجد کی کمتر تعداد دو رکعتیں۔ اوسط چار اور اکثر آٹھ رکعتیں ہیں۔

اوقات نماز تہجد

اگر نمازی چاہے کہ تہائی رات جاگے اور دو تہائی سوئے تو چاہیے کہ بیچ کی تہائی میں جاگے اور اگر نصف شب جاگنا ہے تو آخری نصف میں جاگے اور بہتر یہ ہے کہ رات کے چھ حصے کرلے۔ پہلے تین حصوں میں سوئے اور چوتھے اور پانچویں میں جاگے اور چھٹے میں سوئے جیسا کہ صحیحین میں مروی ہے کہ حق تعالیٰ کو تمام (نفلی) نمازوں سے زیادہ محبوب داؤد" کی نماز ہے کہ آدھی رات سوتے پھر تہائی رات جاگتے پھر چھٹا حصہ سوتے۔ (کذافی الحلیہ) نماز تہجد کا وقت آدھی رات کے بعد صبح صادق سے پہلے تک ہے۔ ❁

al-malik
SCIENTIFIC & ELECTRONIC INSTRUMENTS INC.
45-S 48 SHARIF PARK, MULTAN ROAD, LAHORE-18 (PAKISTAN)
PHONES: WORKSHOP: 7561119, SHOWROOM: 7597697
www.almalik-electronics.com/test email. Almalikelectronics@hotmail.com
الیکٹروتھراپی وفزیوتھراپی طریقہ علاج سے متعلق آلات

شارٹ ویوڈایاتھرمی یونٹ
ماڈل SWB-2
آپ جانتے ہیں کہ جسم کو گرم کرنے کے لئے پٹھوں (مسل) کا طریقہ علاج بہت پرانا ہے شروع میں ریت یا اینٹ کو گرم کر کے علاج کرتے تھے۔ اس طرح جلد کا اوپر والا حصہ یا سطح زیادہ گرم ہو جاتی ہے۔ آج کل یہ کام شارٹ ویو یا مائیکروویوڈایاتھرمی سے لیا جاتا ہے۔ اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ کسی پٹھے یا نرو کو اندر سے گرم کرتا ہے۔

الیکٹروتھراپی یونٹ
ماڈل H.A.2
اس مشین میں تین قسموں کی کرنٹ مہیا کی گئی ہے۔
(i) فیراڈک کرنٹ (ii) گلوونیک کرنٹ (iii) پلس گلوونیک
ان تینوں اقسام کی کرنٹوں کی وضاحت اوران کا استعمال آپ کتاب "الیکٹروتھراپی وفزیوتھراپی" میں تفصیل سے پڑھ سکتے ہیں۔

سٹرانگ الیکٹرانک ایکوٹینس
ماڈل SEA-6
طاقتور الیکٹرانک ایکوٹینس ایک اعلیٰ قسم کا الیکٹرانک مساجر ہے اس کے ڈیزائن کی تھیوری کی بنیاد ایکوپنکچر ماسور تھراپی پر ہے اور یہ مشین بیٹری پر بھی چلتی ہے۔

الٹراساؤنڈ یونٹ
ماڈل USV-3
کانوں سے سنائی دینے والی آواز کی اوپر کی حد 20 کلوسائیکل ہوتی ہے۔ الٹراساؤنڈ اس سے کافی اوپر جا کر شروع ہوتی ہے۔ اس کی فریکوینسی رینج ایک میگاہرٹز سے تین میگاہرٹز تک ہے۔ ان الٹراساؤنڈ لہروں سے بھی مسل کا علاج کیا جاتا ہے۔

الیکٹروتھراپی یونٹ
ماڈل H.A.4
اس مشین میں چار اقسام کی کرنٹ مہیا کی گئی ہیں۔
(i) فیراڈک کرنٹ (ii) گلوونیک کرنٹ (iii) ویبروڈائن (iv) پلس گلوونیک
اس ماڈل سے آپ الیکٹروتھراپی سے علاج کے متعلق کافی کام لے سکتے ہیں۔

غیبت سے اجتناب کا حکم

شیریں گل رانا

☆ کسی کے بارے میں اس کی موجودگی میں دوسرے سے آہستہ بات کرنا ''چغلی'' ہے جبکہ اس کی غیر موجودگی میں کوئی ایسی بات کرنا جسے سن کر وہ ناراض ہو ''غیبت'' کہلاتی ہے۔ اگر وہ برائی یا عیب اس میں نہ ہو تو یہ ''بہتان'' کی صورت ہے (جس کی سزا اللہ تعالیٰ نے اسی کوڑوں کی سورہ نور میں بتائی ہے) - یہ انتہائی معیوب بات ہے۔ اسلام کسی کے بارے میں پس پشت ایسی بات کہنے کی اجازت نہیں دیتا جس سے مذکورہ شخص کو رنج پہنچے یا اسے دوسروں پر غصہ آئے۔

اسلام نے غیبت کے بارے میں کئی جگہوں پر قرآنی تعلیمات انسانوں تک پہنچائی ہیں۔ جیسے کہ سورۃ الحجرات میں فرمایا:

''اے ایمان والو! کوئی قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے۔ ہوسکتا ہے وہ اس قوم والوں سے بہتر ہو اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔

اس آیت کریمہ میں نہ صرف قوموں کو ایک دوسرے کا مذاق اڑانے سے منع کیا گیا ہے بلکہ عورتوں کو بھی خاص ہدایت ہے کہ وہ بھی ایسا ہرگز نہ کریں کیونکہ ہوسکتا ہے آج تم ان کو مذاق کا نشانہ بناؤ کل وہ تم پر ہنسیں یہ تمہیں ہرگز گوارہ نہ ہوگا۔ بہتر ہے کہ عزت کرو اور عزت کراؤ۔ حدود مت پھلانگو ورنہ تمہاری انا و عزت کی سرحدیں بھی توڑ ڈالی جائیں گی۔ عورتوں کے پاس مردوں کی نسبت کافی وقت ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کی باتیں نمک مرچ لگا کر چسکے لے لے کر سنتی اور سناتی ہیں اور جانتی ہی نہیں کہ یہ ہنسی انہیں کتنی بھاری پڑ رہی ہے اور وہ کتنے بڑے گناہ کی مرتکب ہو رہی ہیں۔

قرآن پاک کی آیت کا ترجمہ ہے کیا تم یہ بات پسند کرو گے کہ تم مردہ بھائی کا گوشت کھاؤ۔ یہ تکلیف دہ عذاب دوسروں کی چغلیوں اور غیبتوں کے صلے میں مسلط کیا جاتا ہے اور ہوگا۔ ایک اور جگہ فرمایا (سورۃ الحجرات) ترجمہ: آپس میں ایک دوسرے پر الزام نہ لگاؤ عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کو برے ناموں سے یاد کرو۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض مسلمان سرے سے قرآن پڑھتے ہی نہیں قرآنی تعلیمات کی اصل روح کہاں جانتے ہوں گے۔ بعض ایسے ہیں جو صرف قرآن ہل ہل کر ضرور پڑھ لیتے ہیں مگر معانی و مطلب اور تفسیر قرآن سے اکثر تمام عمر ہی محروم رہتے ہیں۔ کچھ پڑھیں گے تو ہی کچھ جانیں گے پھر زندگیوں میں بڑی تبدیلی آئے گی عام فرد سے بات پھیل کر مسلم اُمہ تک اثر پذیر ہوگی مگر ابھی جدوجہد کرنا ہوگی اور انہیں اس طرف لانے کی تگ و دو جاری رکھنی پڑے گی۔

ہم جانے انجانے میں ہر روز کتنی ہی بار اس قبیح گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں نہ توبہ استغفار نہ شرمندگی اور نہ اسے دھرانے سے نفرت، حالانکہ اگر ان واقعات کو صرف ایک بار دل کی آنکھ وا کر کے پڑھ لیں تو شاید چغلی غیبت و بہتان لگاتے وقت زبان لکنت کا شکار ہو جائے، دماغ سگنل دے ''مردہ گوشت'' ''مردہ گوشت'' اور پھر یہ گناہ سرزد ہونے سے رہ جائے۔

۱۔ حضرت صفیہؓ کا اونٹ مر گیا آپ نے حضرت زینبؓ سے فرمایا کہ ایک اونٹ تم اسے دے دو۔ حضرت بی بی عائشہؓ نے حضرت زینبؓ کی طرفداری کرتے ہوئے فرمایا ''اس چھوٹے قد والی کو؟'' دونوں ہنس دیں۔ آپ ﷺ نے ناگواری کا اظہار کیا پھر آپ نے انھیں توبہ کی تلقین کی اور دوسروں کا مذاق اڑانے سے منع فرمایا۔

۲۔ ایک روز حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ اکٹھے کہیں تشریف فرما تھے۔ تھکے ماندے تھے تھوڑی دیر استراحت فرمانے لگے اپنے غلام سے کہا کہ کچھ پکا دو وہ بھی سو گیا۔ جب یہ دونوں صاحبان سو کر اٹھے تو غلام کو سوتے پایا ناراض ہوئے اور کچھ بھلا چنگا کہہ دیا پھر اسے آنحضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا تا کہ کچھ کھانے کو لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ تو کھانا کھا چکے۔ انہیں کہو کہ تے کر کے دیکھ لیں ابھی تازہ گوشت کھایا ہے۔ ان حضرات نے ایسا ہی کیا اور سچ پایا۔ توبہ کر کے آنحضور کی خدمت میں حاضری دی۔

۳۔ ایک بار ایک کمزور سے صاحب آنحضور ﷺ کی مجلس سے رخصت ہوئے دو اشخاص آپس میں کہنے لگے ہائے! ''بے چارہ کتنا کمزور ہے'' آپ نے فرمایا ''غیبت ہوگئی چاہو تو تے کر کے تازہ خون کے نشانات دیکھ لو''۔

۴۔ ایک بار نبی کریم ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ روزہ کھولنے کی اجازت لے لینا۔ چنانچہ لوگ

اجازت لینے لگے ایک شخص بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور چار بار عورتوں کیلئے اجازت چاہی آپ بار بار منہ پھیر لیتے آخر فرمایا تمہاری عورتوں کا روزہ ہی کب تھا؟ وہ چغلیوں سے روزہ توڑ چکی ہیں پیالہ دو اور قے کراؤ ایسا کیا گیا تو خون اور گوشت کے لوتھڑے نکلے۔

آپ ﷺ نے صحابہ کو تاکید فرمائی کہ انہیں کسی کے بارے میں بلاوجہ بلاضرورت نہ بتایا کریں تاکہ آپ ﷺ کا دل ان کی طرف سے خراب نہ ہو یا میلا نہ ہو۔

یہ چند واقعات عبرت پکڑنے کو کافی ہیں۔ کوشش کریں دوسروں کے احوال کو نہ کریدیں دوسروں کو حقیر نہ جانیں کہ سورۃ الحجرات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”بے شک بعض گمان تو گناہ ہوتے ہیں اور جاسوسی نہ کرو اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے جس کی غیبت ہو جائے اسے کوئی ہدیہ دیں یا اسے کچھ پڑھ کر بطور نذرانہ بھیج دیں یا اس کے لئے دعا کریں۔ توبہ استغفار کرلیں ہو سکتا ہے جسے برا سمجھا ہے وہ ہم سے اچھا ہو۔ بہادر شاہ ظفر کے مطابق۔

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب وہنر
پڑی اپنی برائیوں پہ جو نظر، تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

زرین زرگری ہاؤس
ZAREEN
ZARGARI HOUSE
Ph: 611483
پروپرائیٹرز:
حاجی محمد زرین زرگر اینڈ سنز
Near Zaman Plaza, Main Bazar, Hari
نزد زمان پلازہ مین بازار ہری پور (ہزارہ)

جدید فیشن کے عین مطابق
دلآویز اور حسین زیورات
الجنت جیولرز
پروپرائٹرز: افتخار احمد اینڈ برادرز
رحمانیہ روڈ۔ ہری پور ہزارہ Ph: 0995-612022

وزیر آٹو سپلائرز
ڈیلر: تمام گاڑیوں کے
بریک لیدر، کلچ پلیٹ،
بریک ڈسک نیز ربڑ پارٹس
۸۶۔ علامہ اقبال روڈ اسماعیل مارکیٹ گڑھی شاہو لاہور
فون: 728883

RT
REHMANI TRADERS
Proprietor: INAM-UL-REHMAN
Whole Sale Dealers of Japanese , Malaysians,
Genuines Local Made Filters (Oil Air-Deisel)
Counter Shop # 2 Kausar Center Bus Stnand,
Badami Bagh, Lahore, Ph:7720962 Mob:0300-9494780

سرمد ڈیپارٹمنٹل اسٹور
A- بلاک اسٹور مارکیٹ ماڈل ٹاؤن لاہور
Phone: 5839973 Mobile: 0300 - 9439980

حضرت شعیب علیہ السلام

شفاعت رسول ہاشمی

حسب ونسب

☆ حضرت ابراہیمؑ کی تین ازواج تھیں۔ حضرت سارہؑ ۔ حضرت ہاجرہؑ اور حضرت قطوراؑ ۔ بنی سارہ سے حضرت اسحاقؑ اور دوسرے انبیاء بنی اسرائیل کا ظہور ہوا۔ بنی حاجرہ سے حضرت اسمٰعیلؑ اور خاتم احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ ﷺ کا ظہور ہوا اور بنی قطورا سے حضرت شعیبؑ پیدا ہوئے۔

ان کا نسب نامہ اس طرح ہے۔ شعیب بن رعوائیل بن عیفاہ بن مدیان بن ابراہیمؑ (زوجہ قطورا)

حضرت شعیبؑ کا ذکر قرآن میں

قرآن حکیم میں حضرت شعیبؑ اور انکی قوم کا تذکرہ سورۃ اعراف، ہود اور شعراء میں قدر تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اور سورۃ حجر اور عنکبوت میں مختصر ہے۔ ان سورتوں میں حجر کے علاوہ حضرت شعیبؑ کا نام دس جگہ مذکور ہے۔

سورۃ	آیات
اعراف	۸۵-۸۸-۹۰-۹۲
ہود	۸۴-۸۷-۹۱-۹۴
شعراء	۱۷۷
عنکبوت	۳۶

قومِ شعیبؑ

حضرت شعیبؑ دو قوموں کی طرف مبعوث ہوئے۔ اصحاب مدین اور اصحاب الایکہ۔ آپ کا نسلی تعلق مدین سے تھا۔ ہمارے اکثر مفسرین و مورخین کو یہ شبہ ہوا ہے کہ مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی قوم کے دو نام ہیں۔ مگر یہ خیال درست نہیں ہے۔ دراصل یہ دو مختلف قومیں تھیں۔ قرآنِ کریم نے ان دونوں کا الگ الگ ذکر کیا ہے۔ ان کے وطن بھی الگ تھے اور ان کی تباہی اور عذاب کی صورتیں بھی مختلف تھیں۔ البتہ ان دونوں میں قدر مشترک یہ تھی کہ دونوں تجارتی قومیں تھیں۔ دونوں میں تجارتی بددیانتی ، دھوکے بازی، ناپ تول میں کمی، لُوٹ مار اور ظلم و فساد کی خصلتیں ایک جیسی تھیں اور ان دونوں قوموں کا تعلق بھی بنی قطورا سے تھا۔ اہلِ مدین حضرت قطورا کے چوتھے بیٹے، مدیان کی نسل سے اور اصحاب الایکہ حضرت قطورا کے دوسرے بیٹے یقسان کے فرزند ودّان کی نسل سے تھے۔

مدیان اپنے اہل وعیال کے ساتھ اپنے سوتیلے بھائی حضرت اسمٰعیلؑ کے پہلو ہی میں حجاز میں آباد ہوگیا تھا۔ یہی خاندان آگے چل کر ایک قبیلہ بن گیا اور شعیبؑ بھی چونکہ اسی نسل اور اسی قبیلہ سے تھے اس لئے اُنکی بعثت کے بعد یہ قوم شعیب کہلایا۔

مدین اور حضرت شعیبؑ

اہلِ مدین، مدین بن ابراہیمؑ کی نسل سے تھے۔ یہ قوم خلیج عقبہ کے سواحل اور جزیرہ نمائے سینا کے مشرقی حصے میں آباد تھی۔ بحرۂ احمر اور خلیج عقبہ کے سرے پر مدین نامی شہر آباد تھا اور اب تک اسی نام سے اُسی جگہ موجود ہے۔ یہ مقام اُس مشہور قدیم تجارتی شاہراہ پر تھا جو یمن سے سواحلِ بحرۂ احمر سے ہوتی ہوئی حجاز اور تیما سے گزر کر شام کو جاتی ہے اور جسکو قرآن نے اِمَامٍ مُّبِین کہا ہے۔ یہاں سے یمن، عرب ہندوستان ، مصر اور شام کے تجارتی قافلے گزرتے تھے۔ اس لئے یہ جگہ قدیم عہد سے بین الاقوامی تجارت کی ایک بڑی منڈی بن گئی تھی۔ حضرت یوسفؑ کو جس قافلے نے کنویں سے نکالا تھا اور پھر مصر لے جاکر فروخت کردیا تھا وہ انھی مدیانی تاجروں اور اسمٰعیلی عربوں کا تجارتی قافلہ تھا۔ رفتہ رفتہ ان میں وہ تمام بداعمالیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ یعنی بددیانتی، ناپ تول میں کمی، لین دین میں بے ایمانی، سُود اور دھوکہ دہی وغیرہ۔ علاوہ ازیں یہ گھات لگا کر مسافروں کو لوٹنے کے لئے بھی بیٹھا کرتے تھے۔

مذہبی اعتبار سے یہ قوم مشرک اور بت پرست تھی۔ اُن کا سب سے بڑا دیوتا بعل تھا۔ اُسکے مندر میں لوبان اور بخورات جلائے جاتے تھے۔ اور قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں۔ اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس کے آگے اولاد کو بھی زندہ آگ میں ڈال دیا جاتا تھا۔

تجارتی شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے یہ قوم بہت خوشحال اور متمول تھی۔ گو یہاں طوائف الملو کی پھیلی ہوئی تھی مگر ساتھ ہی تہذیب وتمدن کے آثار بھی موجود تھے۔ قبائل کی زندگی متمدن تھی اور ہر قبیلے کا ایک سردار یا ایک شیخ ہوتا تھا۔ حضرت شعیبؑ اپنے قبیلے کے سردار تھے۔

حضرت شعیبؑ نے سب سے پہلے اُن کو دین ابراہیمی کی بلایا۔ توحید کی تعلیم دی اور شروع

پرستی سے روکا۔ ساتھ ہی آپ نے ان کی اخلاقی و معاشرتی اصلاح کی بھی سعی فرمائی اور حقوق العباد کی حفاظت، ایمانداری اور تعلقات کی دوستی کی کوشش فرمائی مگر بجائے اصلاح حال کے وہ قوم الٹی آپ کی دشمن بن گئی اور جو لوگ آپ پر ایمان لے آئے تھے ان پر سختیاں کرنا اور مظالم ڈھانا شروع کر دیئے۔

انہوں نے کہا کہ اپنے جیسے ایک انسان کے کہنے سے ہم اپنی آزادی اور اپنے آباؤ اجداد کا مذہب کیسے چھوڑ دیں۔ ہمیں اختیار ہے کہ اپنے مال میں جس طرح چاہیں تصرف کریں، جسطرح چاہیں اس کو حاصل کریں اور جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ اس میں مداخلت کا کسی کو کیا حق ہے۔

حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ جن بُتوں کو تم پوجتے ہو اُنکی کوئی حقیقت نہیں۔ خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے علاوہ نہ کسی میں کوئی قوت ہے نہ اختیار۔ تو سب سے منہ موڑ کر صرف اسی کی عبادت کرو کیونکہ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ یاد رکھو! ایک دن آنے والا ہے جب سب کو اللہ کے حضور پیش ہوکر اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ رہی تمہاری مال و دولت، تو یہ تمہاری نہیں، عطیۂ الٰہی ہے۔ اور تمہیں اسکا امین بنایا گیا ہے۔ اسکو جائز اور حلال طریقے سے کماؤ۔ اور چوری، دھوکا دہی اور ناپ تول میں کمی سے باز آجاؤ۔ اللہ نے تمہیں فراغت دی ہے تو اسکا شکر بجالاؤ لیکن تم نے ظلم اور بے ایمانی سے لوگوں کے حقوق تلف کئے اور ایمان نہ لائے تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں عذابِ الٰہی نازل نہ ہو جائے اور تم تباہ و برباد نہ ہو جاؤ اس لئے کہ نافرمانی کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ (سورۃ ھود)

قوم نے طعن و طنز کرتے ہوئے کہا کہ کیا تمہاری نماز اور عبادت تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ جن دیوتاؤں کی پُوجا ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں اس سے ہمیں روک دو اور اپنے مال میں جو تصرف ہم کرنا چاہیں تمہارے کہنے سے نہ کریں؟ تمہارے کیا کہنے ہیں تم تو بڑے نرم دل اور راست باز ہو۔ حضرت شعیبؑ نے اس طنز کی پرواہ کیے بغیر ان سے کہا کہ دیکھو، اللہ تعالیٰ نے نبوت اور ہدایت عطا فرما کر روشن دلیلوں کے ساتھ مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے اور حلال روزی عطا فرمائی ہے تو کیا اس ہدایت کے ملنے کے بعد میں اس کے خلاف کچھ کر سکتا ہوں؟ اور تمہارے دلوں میں جو یہ شبہ چھپا ہوا ہے کہ میں تمہیں غلط طریقوں سے روک کر خود دولت جمع کرنے کے لیے ان پر عمل کرنے لگوں گا تو یہ غلط اور بے بنیاد ہے۔ میں تو صرف تمہاری اصلاح چاہتا ہوں اور میرا بھروسہ صرف اللہ ہی کے کرم پر ہے۔ پچھلی قوموں کو دیکھو کہ نافرمانی اور بداعمالی کے نتیجے میں ان پر کیسے کیسے عذاب نازل ہوئے۔ قوم نوح کے ساتھ کیا پیش آیا۔ قوم ھود اور قوم صالح پر کیا گزری اور قوم لوط کا کیا انجام ہوا۔ اور قوم لوط کا واقعہ تو کچھ ایسا دور کا بھی نہیں۔ تو گناہوں سے توبہ کرو۔ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس سے بخشش طلب کرو کہ وہ بڑا مہربان اور محبت کرنے والا ہے۔ (سورۃ ھود: ۸۷ تا ۹۰) قوم نے بالآخر لاجواب ہو کر دھمکی دی کہ اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔ اب تک ہم صرف تمہارے بھائی بندوں کے خیال سے رُکے ہوئے تھے۔ اس پر اللہ کے رسول کو جلال آگیا اور آپ نے قوم کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ''کیا میرے بھائی بندوں کا ڈر تمہیں خدا کے خوف سے زیادہ ہے؟ تم میرے خلاف جو کرنا چاہتے ہو کر گزرو۔ میرا خدا تمہارے سب اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ رسوا کن عذاب کس پر نازل ہوتا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ اس دن کا تم بھی انتظار کرو اور میں بھی انتظار کرتا ہوں۔

قوم نے آخری بار آپکو چیلنج دیا کہ یا تو ہمارے آبائی مذہب میں لوٹ آؤ یا پھر عواقب و نتائج کے لئے تیار ہو جاؤ۔ حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ کیا اللہ کی طرف سے ہدایت و بصیرت ملنے کے بعد ہم شرک و گمراہی کی طرف لوٹ جائیں؟ ناممکن ہے۔ معلوم ہوتا ہے اب تمہارا وقت پورا ہو چکا اس لیے ہم اپنے پروردگار سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے اور ہمارا بھروسہ اُسی پر ہے۔

بہرحال جب دلیل و حجت تمام ہوگئی اور قوم کا کفر و طغیان حد سے بڑھ گیا تو بارگاہِ الٰہی سے ان کی تباہی کا حکم صادر ہوا۔ عذاب الٰہی ایک ہیبت ناک چیخ کی صورت میں نازل ہوا اور ساتھ ہی شدید زلزلہ آیا جس سے یہ قوم ہلاک ہوگئی اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔ اس عذاب سے صرف حضرت شعیبؑ اور مؤمنین کی جماعت بچالی گئی۔

حضرت شعیبؑ اور اصحاب الایکہ

اصحاب الایکہ کا مطلب ہے، جنگل والے۔ ان کا مسکن بھی عرب کی اسی قدیم تجارتی شاہراہ پر تھا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور جو یمن سے حجاز اور عقبہ ہوتی ہوئی شام تک جاتی ہے۔ اسی شاہراہ پر مدین

کے قریب حنوک، حما اور رقیم (پیڑا) کے جوار میں یہ قوم آباد تھی۔ یہاں ساتویں صدی قبل مسیح تک جنگل موجود تھا اسی لئے یہ لوگ اصحاب الایکہ یا جنگل والے کہلائے۔ یہ بھی تجارتی قوم تھی اور اس میں بھی وہی تمام بداخلاقیاں اور بداعمالیاں موجود تھیں جن کا ذکر اوپر مدین کے سلسلے میں ہو چکا ہے۔ ان کے مذہبی اعتقادات بھی اہلِ مدین سے ملتے جلتے تھے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کی مذہبی اور معاشرتی اصلاح کے لئے انتھک کوشش کی مگر بدبخت قوم نے آپکی تبلیغ وارشاد کا صرف یہ جواب دیا کہ کہنے لگے، تم تو سحر زدہ معلوم ہوتے ہو۔ تم اور کچھ نہیں، ہماری ہی طرح کے ایک انسان ہو اور ہمارا خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو۔ اگر تم سچے ہو تو آسمان کا ایک ٹکڑا ہم پر لا گراؤ۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا کام تو صرف تبلیغ وارشاد ہے۔ اعمال کا محاسبہ کرنا اور سزا دینا اللہ کا کام ہے۔ وہ تمہارے اعمال سے پوری طرح واقف ہے۔ وہ قادر ہے۔ جب چاہے گا تمہیں سزا دے گا۔ بالآخر قوم نے جس عذاب کو طلب کیا تھا۔ وہ اُن پر نازل ہوا۔ عذاب الٰہی بادل کی صورت میں نمودار ہوا۔ اس بدنصیب قوم پر آگ کی بارش ہوئی جس سے وہ ہلاک ہو گئی۔ اس کا ذکر قرآن پاک کی سورت الشعراء آیت: ۱۷۷ میں آیا ہے۔

عمر اور قبر شعیب علیہ السلام

حضرت شعیب علیہ السلام نے بہت طویل عمر پائی۔ آپکی صحیح عمر توراۃ میں مذکور نہیں ہے۔ قتل قبطی کے حادثاتی واقعے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلی دفعہ مصر سے مدین آئے تھے، اس وقت حضرت شعیب علیہ السلام کافی ضعیف ہو چکے تھے۔ حضرت موسیٰؑ دس سال تک مدین میں آپ کے ساتھ رہے۔ پھر دوبارہ جب حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے اور بیابان سینا میں آئے تو حضرت شعیبؑ حیات تھے اور آپ نے حضرت موسیٰؑ کو انتظامی معاملات میں اپنے تجربے کی بنا پر مفید مشورے دیئے تھے۔ مدین اور اصحاب الایکہ کی تباہی کے بعد آپ نے جماعت مومنین کے ساتھ وہاں سے ہجرت فرمائی۔ مگر ہجرت کر کے آپ کہاں تشریف لے گئے اسکی تشریح قرآن و توراۃ میں نہیں ملتی۔ البتہ ہمارے مفسرین کہتے ہیں کہ آپ جنوبی عرب میں حضرِ موت تشریف لے گئے اور وہیں آپ نے رحلت فرمائی۔

حضرِ موت میں ایک قبر ہے جو زیارت گاہِ عوام و خواص ہے۔ وہاں کے باشندوں کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ شعیب علیہ السلام کی قبر ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام مدین اور اصحاب الایکہ کی ہلاکت کے بعد یہاں بس گئے تھے اور یہیں ان کی وفات ہوئی۔ حضرِ موت کے مشہور شہر "شیبون" کے مغربی جانب میں ایک مقام ہے جسکو "شبام" کہتے ہیں۔ اس جگہ اگر کوئی مسافر وادی ابن علی کی راہ ہوتا ہوا، شمال کی جانب چلے تو وادی کے بعد وہ جگہ آتی ہے جہاں یہ "قبر" ہے۔ یہاں مطلق کوئی آبادی نہیں ہے اور جو شخص بھی یہاں آتا ہے صرف زیارت ہی کے لیے آتا ہے۔

اولاد و شجرۂ نسب

توراۃ نے آپ کی سات بیٹیوں کا ذکر کیا ہے مگر قرآن میں آپکی صرف دو بیٹیوں کا ذکر ہے۔ جن کی ملاقات مدین کے کنویں پر حضرت موسیٰؑ سے ہوئی تھی۔ جب آپ مصر سے مدین آئے تھے۔ ان میں سے ایک بیٹی کا نام صفورا تھا جنکی شادی حضرت موسیٰؑ سے ہوئی۔ آپ کی فصاحت و بلاغت کی بنا پر آپ کو خطیب الانبیاء کہا جاتا ہے۔ ۞

حضرت شعیب علیہ السلام کا شجرۂ نسب

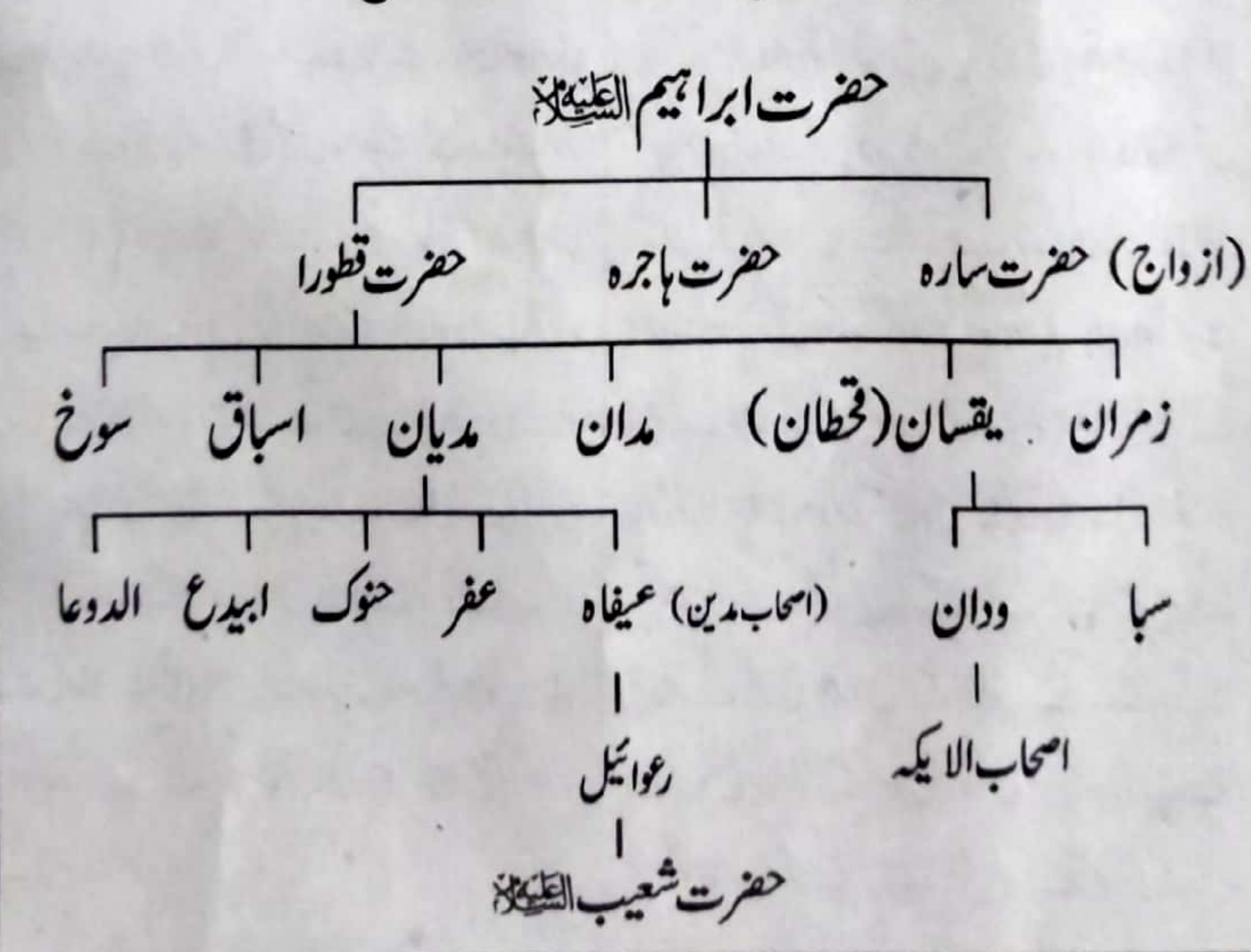

حضرت قباثؓ بن اشیم کنانی

طالب الہاشمی

☆ ایک مرتبہ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کی ملاقات ایک کبیرالسن صاحب رسولؐ سے ہوئی تو اس نے ان سے پوچھا:۔

''اے صاحب رسولؐ آپ نے خاصی بڑی عمر میں رسول اللہ ﷺ کے جمال جہاں آرا سے اپنی آنکھیں روشن کیں ذرا یہ تو بتایئے کہ آپ بڑے تھے یا رسول اللہ ﷺ؟''

عبدالملک کا سوال سن کر ان صاحب رسولؐ کے دل میں ہوک سی اٹھی اپنے آقا و مولاؐ کی یاد نے انہیں بے چین کر دیا اور وہ رُندھی ہوئی آواز میں بولے:۔

''رسول اللہ ﷺ مجھ سے بڑے تھے بہت بڑے البتہ میری عمر حضورؐ سے زیادہ تھی۔''

یہ صاحب رسولؐ جن کو سیدالمرسلین ﷺ کا اس قدر پاس ادب تھا کہ حضورؐ کے مقابلے میں اپنے سن کی زیادتی کو بھی بڑائی کہنا گوارا نہ تھا، حضرت قباثؓ بن اشیم تھے۔

حضرت قباثؓ بن اشیم کا شمار ان مجاہد صحابہؓ میں ہوتا ہے جن کا بڑھاپا بھی انہیں وطن سے سینکڑوں میل دور جا کر میدان جہاد میں حق کی خاطر جان کی بازی لگانے سے نہ روک سکا۔ ان کا تعلق بنو کنانہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

قباثؓ بن اشیم بن عامر بن ملوح بن فیعمر بن عوف کعب بن عامر بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ۔

حضرت قباثؓ غزوہ بدر (۲ھ ہجری) تک اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے اور قریش مکہؐ کے لشکر میں شریک ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑنے آئے تھے۔ چونکہ وہ اپنے قبیلے کے نہایت بہادر اور جنگ آزما لوگوں میں سے تھے اس لیے قریش کے لشکر میں انہیں خاص اہمیت حاصل تھی، ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ غزوہ بدر کے بعد ان کے دل میں یکا یک شمع ایمان روشن ہو گئی اور وہ بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہو کر سعادت اندوز اسلام ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر پچپن اور ساٹھ سال کے درمیان تھی لیکن بڑے قوی اور توانا تھے۔ حافظ ابن حجرؒ نے ''اصابہ'' میں لکھا ہے کہ انہوں نے عہد رسالت کے کئی غزوات میں سرور عالم ﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا اور ہر معرکے میں اپنی شجاعت و بسالت کا سکہؐ بٹھا دیا۔

سرور دو عالم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں شام پر فوج کشی ہوئی تو حضرت قباثؓ اپنے بڑھاپے کے باوجود بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ لشکر اسلام میں شامل ہو گئے اور رومیوں کے خلاف کئی معرکوں میں داد شجاعت دی، اہل سیر نے یرموک کی خونریز جنگ میں ان کی شجاعت اور سرفروشی کا خصوصیت سے تذکرہ کیا ہے اس لڑائی میں وہ اسلامی لشکر کے میسرہ کے افسر تھے ہنگام کارزار میں ایک موقع پر ایک رومی جرنیل ابن قناطیر نے اسلامی فوج کے میسرے پر اس زور کا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اس نازک گھڑی میں حضرت قباثؓ بن اشیم کچھ دوسرے افسروں (حضرت سعیدؓ بن زید، حضرت عمرؓ بن العاص، حضرت صہیل بن حَسنہؓ اور حضرت یزیدؓ بن ابوسفیانؓ) کے ساتھ میدان جنگ میں ڈٹ کر کھڑے ہو گئے اور رومیوں کے تند و تیز سیلاب کو روکنے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دی۔ اس وقت حضرت قباثؓ یہ رجز پڑھ رہے تھے:۔

''اگر مسلمان مجھے کھوئیں گے تو ایک بہترین سپہ سالار اور پشت پناہ کو کھو دیں گے جو جنگ کی ہولناکیوں کا مقابلہ کرتا ہے جس کے دل میں کبھی خوف راہ نہیں پاتا۔ جو ایسا شمشیر زن اور ہیبت ناک حملہ آور ہے جس کی کوئی مدافعت نہیں کر سکتا۔''

اُن کے ہاتھ سے تلواریں اور نیزے ٹوٹ کر گرتے جاتے تھے مگر خوف و ہراس ان کے نزدیک بھی نہ پھٹکتا تھا اور وہ یہ کہہ کر لوگوں سے دوسری تلواریں اور نیزے لیتے جا رہے تھے۔ کہ ''کوئی ہے جو اس شخص کو ہتھیار دے، جس نے اللہ سے اقرار کیا ہے کہ میدان جنگ سے ہٹے گا تو مر کر ہٹے گا۔ لوگ ان کے ہاتھ میں تلوار یا نیزہ لا کر دیتے تو وہ پھر شیر کی طرح جھپٹ کر رومیوں پر جا پڑتے۔ حضرت قباثؓ اور ان کے دوسرے ساتھیوں کی پامردی اور سرفروشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے قدم پھر جم گئے اور انہوں نے رومیوں کو عبرتناک شکست دی۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ جب شام پر مسلمانوں کا مکمل استیلا ہو گیا تو حضرت قباثؓ نے مستقل اقامت اختیار کر لی اور طویل عمر پا کر اسی شہر میں سفر آخرت اختیار کیا، ان کا سال وفات کسی کتاب میں درج نہیں ہے۔ البتہ عبدالملک سے ان کی ملاقات کے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کے دور حکومت (۶۵ھ تا ۸۲ھ) میں حیات تھے۔ ❀

اسلام اور ضرورت مرشد

حسن اختر ملک

☆ انسان کی بیماری دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک جسمانی اور دوسری روحانی ، جب کسی انسان کو جسمانی بیماری لگتی ہے تو وہ جسمانی بیماری کے معالج کے پاس جاتا ہے۔ جسمانی بیماری کے معالج ڈاکٹر ہیں ، حکیم ہیں ، اور ہومیوڈاکٹر وغیرہ ۔ بیماری کی حالت میں ان معالجین کے پاس جانا ضروری ہے۔ اسطرح جب انسان کو روحانی بیماری لگتی ہے۔ تو اس کے معالج کے پاس جانا ضروری ہے۔ روحانی بیماری کے معالج شیخ ، مرشد ، اولیا اللہ ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''جس نے میری طرف رجوع کیا اسکی پیروی کرو۔'' اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا جو شیخ خداوند کریم کیطرف رجوع کرتا ہے۔ اس کی پیروی کرنا اور اس کے دامن کو پکڑنا۔ اور اس کے نقش قدم پر چلنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد کیوں فرمایا ۔ کہ میری طرف رجوع کرنے والے کی پیروی کرو۔ حالانکہ وہ خود فرماتا ہے۔

''میں تمھاری شہ رگ سے بھی قریب ہوں۔''

یعنی اللہ ہماری شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ لیکن ہمیں نظر نہیں آتا۔ کیا وجہ ہے؟ اس سلسلہ میں ایک مثال سمجھیے۔ انسان کی آنکھ ہر چیز کو دیکھتی ہے ۔ مگر جب آنکھ میں سرمہ لگ جاتا ہے۔ تو سرمہ نظر نہیں آتا۔ نظر کیسے آئے گا؟ کسی چیز کا سہارا لینا پڑے گا۔ وہ یہ ہے کہ اگر شیشہ دیکھے تو آنکھ میں سرمہ نظر آجائے گا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ ہے تو بہت قریب لیکن نظر نہیں آتا۔ یعنی رب کی معرفت نہیں ہوتی۔ اگر معرفت الٰہی چاہتے ہو تو کسی اللہ والے کا دامن پکڑو۔ دامن کس کا پکڑنا چاہیے؟ دامن اس کا پکڑا جائے جو شریعت مصطفیٰ ﷺ کا پابند ہو۔ اسی پیر کے ہاتھوں میں ہاتھ دو۔ جو پانچ وقت کا نمازی ہے۔ جس کے چہرے پر سنت رسول ﷺ سجی ہوئی ہے۔ اس کے قول وفعل اس کا اٹھنا بیٹھنا بلکہ زندگی کے تمام معاملات سنت مصطفیٰ ﷺ کے مطابق ہوں۔ کامل ولی کی پہچان کیا ہے؟

حضور امام الانبیا ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

کیا میں تمہیں نیک لوگوں کی علامات بتاؤں۔ صحابہ کرام نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جب انہیں دیکھو تو اللہ یاد آجائے۔'' (مشکوۃ شریف)

یعنی ولی کامل کی نشانی یہ ہے کہ اس کا چہرہ دیکھ کر خدا یاد آجائے۔ مولانا روم فرماتے ہیں:

پیر کامل صورت ظل الٰہ　　یعنی دید پیر دید کبریا

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس چیز کو وضح کر دیا کہ:

''اور کہنا اس کا نہ مانوں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش دل پر چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔''

اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ ہر کسی کی اطاعت نہ کرو اور جاہل وبے علم اور بھنگی چرسی کو اپنا پیر نہ بنالو۔ جنھیں اپنا بھی ہوش نہ ہو اور یہ بھی یاد رہے کہ مرشد ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''ومن یضلل فلن تحد لہ ولیا مرشدا'' اور جسے گمراہ کرے تو کوئی اس کا حمایتی راہ دکھانے والا نہ پاؤ گے۔'' صرف کلمہ پڑھ لینے سے بات نہیں بنے گی۔ اس کی حدود وقیود پر بھی عمل پیرا ہونا پڑے گا۔ ورنہ صرف نام کے مسلمان ہونگے۔ اگر مسلمان ہیں تو پکے اور سچے مسلمان بن جایئے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

'' فاسعلو ا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۔''

''پس اہل ذکر سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے یعنی اللہ والوں کے پاس جاؤ۔'' ان سے دین کے بارے میں راہنمائی حاصل کرو اور مرشد کا بھی یہی مطلب ہے۔ جس طرح بغیر ملاح کے کشتی دریا عبور نہیں کر سکتی اسی طرح بغیر مرشد کامل انسان خدا تعالیٰ تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے پندرھویں پارے کے آخر میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا واقعہ بیان فرمایا ۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ راہ طریقت کا علم حاصل کرنے کے لیے مرشد و رہنما ضروری ہے۔

ایک بار حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کی جماعت میں بہت عالی شان بیان فرمایا، وعظ کے بعد کسی نے پوچھا کیا آپ سے بڑا عالم بھی کوئی ہے فرمایا نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے موسیٰ تم سے بڑے عالم خضرؑ ہیں موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے اُن کا پتہ پوچھا فرمایا جس جگہ دو دریا آپس میں ملتے ہیں وہ آپ کو وہاں ملیں گے اور اُس کی یہ نشانی بتائی کہ جس جگہ بھُنی ہوئی مچھلی زندہ ہو کر دریا میں چلی جائے وہاں ملیں گے، آپ نے مچھلی لی اور یوشعؑ کو جو آپ کے خدمتگار تھے۔ ساتھ لیکر چلے، دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ جو بحر فارس اور بحر روم تھی۔ یہاں حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کی ملاقات ہونا تھی جب جب وہاں پہنچے تو وہاں ایک پتھر کی چٹان تھی۔ اُس کے نیچے آب حیات کا چشمہ تھا ان دونوں بزرگوں نے آرام فرمایا ۔ اور ناشتہ کے لیے بھنی ہوئی مچھلی ساتھ تھی۔ اسے جب پانی لگا تو وہ زندہ ہو کر پانی میں اتر گئی۔ یوشعؑ بیدار تھے۔ اور یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ لیکن جب

حضرت موسیٰؑ بیدار ہوئے تو آپ سے یہ واقعہ عرض کرنا بھول گئے۔ اور دونوں وہاں سے چل پڑے جب دوپہر کا وقت آیا تو حضرت موسیٰؑ نے کھانا طلب کیا یوشعؑ پریشان ہو گئے عرض کی حضور میں آپ کو بتانا بھول گیا۔ وہ مچھلی تو وہیں پانی میں چلی گئی تھی جہاں ہم نے آرام کیا تھا حضرت موسیٰؑ نے جب سے یہ سنا تو فرمایا۔ واپس چلو ہماری منزل وہی ہے۔ جب اُسی مقام پر واپس آئے تو حضرت موسیٰؑ نے حضرت خضرؑ کو پالیا جنھیں اللہ تعالیٰ نے رحمت اور علم لدنی عطا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

حضرت خضرؑ سے موسیٰؑ نے کہا کہ کیا میں تمھارے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دو گے نیک بات جو تمھیں تعلیم ہوئی۔

یعنی حضرت موسیٰؑ نے حضرت خضرؑ کو علم طریقت کے حصول کے لیے کہا حضرت خضر نے جواب دیا۔ بے شک آپ ضرور میرے ساتھ رہیں مگر آپ میرا کام دیکھ کر صبر نہ کر سکیں گے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا، اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والا پاؤ گے اور میں آپ کے کسی کام میں اعتراض نہیں کروں گا پھر دونوں چلے۔ اور دریا کے کنارے پر پہنچے۔ تاکہ کشتی میں سوار ہو سکیں، تو ملاح نے حضرت خضرؑ کو پہچان لیا اور بغیر کرایہ لیے کشتی سوار کر لیا جب کشتی دریا کے درمیان پہنچی۔ تو حضرت خضرؑ نے کشتی کے درمیان سے دو پھٹے اُکھاڑ دیے۔ لیکن پانی کا ایک قطرہ بھی کشتی میں نہ آیا۔ یہ دیکھ موسیٰؑ بول اُٹھے کیا آپ نے کشتی کو اِس لئے پھاڑا کہ یہ تمام ڈوب جائیں یہ تم نے اچھا نہیں کیا اِن ملاحوں نے ہم سے کرایہ بھی نہیں لیا۔ اور آپ نے ان کی کشتی کو خراب کر دیا۔ خضرؑ نے فرمایا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ صبر نہ کر سکیں گے۔ حضرت موسیٰؑ کہنے لگے چلیں اب میں کوئی اعتراض نہ کروں گا۔ پھر دونوں چلے حتیٰ کہ ایک میدان آ گیا۔ یہاں بچے کھیل رہے تھے۔ ان میں ایک جیسور نامی بچہ نہایت ہی حسن و جمال والا تھا۔ خضرؑ اسے ایک دیوار کی آڑ میں لے گئے اور قتل کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا تم نے ایک بے گناہ کو قتل کر ڈالا تم نے بہت برا کیا خضرؑ نے فرمایا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ صبر نہیں کر سکیں گے۔ موسیٰؑ نے کہا کہ اگر اس کے بعد میں نے کوئی اعتراض کیا۔ تو پھر بے شک آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں۔ پھر دونوں چلے ایک بستی جس کا نام انطاکیہ تھا۔ کے پاس گزرے بھوک لگی ہوئی تھی۔ انھوں نے بستی والوں سے کھانا مانگا تو ان لوگوں نے انکار کر دیا۔ جب وہ لوگ اس بستی سے نکلنے لگے تو وہاں ایک دیوار جو سو گز اونچی تھی۔ گرنے والی تھی۔ حضرت خضرؑ نے اس دیوار کو ہاتھ سے سیدھا کر دیا موسیٰؑ کہنے لگے کہ اعتراض تو کوئی نہیں لیکن ان لوگوں نے ہمیں کھانا نہیں دیا اور آپ نے ان کا کام کر دیا۔ حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ صبر نہ کر سکیں گے۔ "قال ھذا فراق بینی و بینک" فرمایا کہ یہ تیری اور میری جدائی ہے۔ حضرت خضرؑ نے جاتے ہوئے فرمایا کہ اب ان باتوں کا باطن بھی جان لیجیے۔

نمبر ۱: جو کشتی میں نے پھاڑ دی تھی اس کے مالک غریب لوگ تھے ان کا بادشاہ "جلندی بن کرکر" بڑا ظالم تھا جو دریا کے دوسرے کنارے پر ہر سالم کشتی کو اپنے قبضے میں کر لیتا تھا۔ اس لیے میں نے کشتی کو عیب لگا دیا تاکہ ان غریب لوگوں کی کشتی بچ جائے۔

نمبر ۲: جس بچے کو میں نے قتل کر دیا تھا۔ اس کے والدین مومن تھے اور اس کی پیشانی پر کافر لکھا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ والدین بیٹے کی محبت میں کافر ہو جاتے۔ اللہ انھیں اس سے نیک اولاد عطا فرمائے گا۔

نمبر ۳: جو دیوار میں نے درست کی تھی وہ ان یتیم بچوں کی تھی اور اس دیوار کے نیچے ان کے باپ نے خزانہ دفن کر دیا۔

عظیم لوگوں کی زندگی ہمیں یاد دلاتی اور دعوت فکر و عمل دیتی ہے کہ ہم بھی اپنی زندگی کی تعمیر کر کے شاہراہ ترقی پر گامزن ہو سکتے ہیں عظیم لوگوں کی زندگی زمانے کی شاہراہ پر اپنے نقوش چھوڑ جاتی ہے تاکہ سالکین راہ ان پر چل کر اپنی منزل مقصود کو پالیں۔

اولیائے کرام سے وابستگی کا راز

اولیائے کرام کی محبت اختیار کرنا ان سے وابستہ رہنا ان کے روحانی فیض سے مستفیض ہو اور کبھی بھی اپنے رب سے غافل نہ ہو جائے دنیا ان کی نگاہوں میں ہیچ اور حقیر نظر آئے اور رب کریم کے احکام کی عظمت ان کے دلوں میں راسخ ہو اور وہ پوری خواہش دلی اور خلوص نیت کے ساتھ پورے جذبے اور لگن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لائیں۔ اور رسول اکرم ﷺ کی سنت مطہرہ کی اتباع کو اپنے اوپر لازم کریں۔

قرآن کریم میں اللہ کے نیک بندوں کے لیے عباد الرحمٰن، مومنین، متقین، صالحین، مفلحون اور اولیاء اللہ جیسے مختلف الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ جن سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ برگزیدہ بندے ہیں، جو شریعت مطہرہ کی پیروی کرتے ہوئے اپنے عمل میں اخلاص پیدا کرتے ہیں۔ جیسے نماز تو ہر مسلمان ادا کرتا ہے۔ لیکن مومنین کی شان یہ ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق یعنی اپنی نمازوں میں خشوع خضوع اپناتے ہیں اور حضور ﷺ نے نماز کو مومنین کی معراج فرمایا ہے۔

حضرت بغدادؒ ایسے لوگوں کی صحبت میں رہنے کو مرید کے از خود ذکر حق کرنے سے بہتر گردانتے ہیں۔ اور حضرت خواجہ احرارؒ مقدس سرہ کے

فرمان کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ ذکر سے بہتر ہے سایہ پیر کا،، اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں یہاں بہتر کہنا نفع کے اعتبار سے ہے۔ پیر کا سایہ مرید کے لیے اس ذکر کے کرنے سے زیادہ فائدہ مند ہے

اس سلسلے میں حضور داتا گنج بخش فرماتے ہیں جب سالک اس مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ تو وہ دنیا اور آخرت کے لیے فنا ہو جاتا ہے۔ اس کی نگاہ میں سونا اور مٹی برابر ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اس کے لیے احکام شریعت کی ادائیگی نہایت سہل اور آسان ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عنایت سے کسی طالب کو اس قسم کا پیر کامل مل جائے تو اسے چاہیے اس مرد کامل کے وجود کو غنیمت مانے اور اپنے آپ کو ہمہ تن اس کے حوالے کر دے اور اپنی سعادت اس کی رضا مندی میں تلاش کرے۔

پیر و مرشد سے محبت

جب مرید کو اپنے پیر سے محبت ہو محبوب سے جو کچھ بھی صادر ہو محبت کی نظر میں محبوب ہی دکھائی دیتا ہے پھر اعتراض کی کہاں گنجائش رہتی ہے۔

پیر سے کرامت طلب نہ کرے

اپنے شیخ سے خوارق و کرامات طلب نہ کرے اگر چہ وہ طلب خطرات اور وساوس کی وجہ سے ہو۔ کبھی کسی مومن نے پیغمبر سے معجزہ طلب نہ کیا معجزہ طلب کرنا کافروں اور منکروں کا کام ہے۔

جان لے کہ شیخ تمام کمالات اور فیوض کا منبع ہے مرشد کا فیض مرید کی استطاعت کی مناسبت سے ہوتا ہے۔ مرید کا کام ہے کہ مرشد کے اعتقاد اور محبت پر ثابت قدم رہے۔

مرید کے لیے خطرناک مرحلہ

سالک راہ طریقت کے لیے کامیابیاں حاصل کرنا انتہائی خوش قسمتی کی بات ہے لیکن جس طرح ایک تاجر کو بے پناہ نفع حاصل ہو اور ایک دن لاکھوں نقد جمع ہو جائیں۔ تو زر مال کی حفاظت کے لیے وہ انہیں خاص جگہ یا بنک میں فوراً محفوظ کر لیتا ہے۔ اسی طرح ایک کامیاب مرید کے لیے فیوض و برکات کے حصول کے بعد روحانی سرمائے کو محفوظ رکھنا بے حد ضروری ہے اس روحانی سرمائے کے دو بڑے ڈاکو ہیں۔ ایک نفس اور دوسرا شیطان یہ یاد رکھیں مرشد جس حالت میں بھی ہو مرید کے حال سے باخبر ہوتا ہے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بانی خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ فرماتے ہیں:

"بیعت ہوتے ہی انسان کی زندگی بدل جاتی ہے اور وہ بالکل دوسرا جنم لے لیتا ہے۔ اور نیا انسان بن جاتا ہے۔ اس نئی زندگی میں اس کو کامیابی اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب وہ شیخ کا ہر حکم بلا چون و چرا مانے۔ جو جس قدر خلوص سے حکم مانتا ہے اتنا ہی جلدی کامیاب ہوتا ہے اور اتنے ہی بلند درجات پاتا ہے۔"

میرا یہ ذاتی تجربہ ہے عرصہ دو سال ہوئے میں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے موجودہ شیخ جناب غلام رسول شاہد صاحب کے دست شفقت پر بیعت ہوا۔ بیعت ہونے سے پیشتر بھی میں پڑھتا تھا۔ اور دیگر عبادات بھی کرتا تھا۔ لیکن جو سکون میں نے بیعت ہونے کے بعد حاصل کیا اس کا مزا میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ قبلہ انصاری" کے الفاظ کے مطابق میری زندگی ہی بدل گئی۔ ان دو سالوں کے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے یہ مضمون تحریر کیا ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ میری اس کاوش کو منظور فرمائے اور مجھے اپنا قرب نصیب فرمائے۔ امین یارب العالمین۔ ❀

نعت رسول ﷺ

جو ذوق نغمہ ہمیں عشق مصطفائی دے
کلی جو چٹکے تو صلِ علیٰ سنائی دے

دل و نظر ہیں چراغ ہدیٰ کے پروانے
میں جان دے دوں اگر روشنی دکھائی دے

وہ ملتفت ہوں تو پھر ہجر بھی ہے عین وصال
جو دل میں ہے وہی صورت مگر دکھائی دے

پڑھوں قصیدہ میں ہر شب تمہاری زلفوں کا
ہر ایک شام جو اذنِ غزل سرائی دے

ہر ایک صبح لکھوں وصف روئے روشن کا
مرے قلم کو جو خورشید روشنائی دے

شکستہ تیغ، دریدہ سپر سپاہی کو
عدو سے حوصلۂ پنجۂ آزمائی دے

وہ لفظ بخش جو سوزِ دروں سے بھر جائیں
مرے کریم مجھے کاسۂ گدائی دے

خداوندا بحق باقی باللہ فنا از ماسویٰ و باقی باللہ

محمود اقبال

اے اہل ایمان اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا۔ اور تم کو ثابت قدم رکھے گا۔ سورۃ محمد آیت 7

حضرت خواجہ محمد باقی باللہؒ

☆ حضرت باقی باللہؒ سمرقند کے رہنے والے تھے آپ کا سلسلہ حضرت عمر یاغستانیؒ سے ملتا ہے جو حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کی والدہ ماجدہ کے آباؤ اجداد میں سے ہیں۔ آپ علوم ظاہری میں مولنا صادق حلوانی کے شاگرد ہیں طریقت میں ظاہر نسبت وارادت آپؒ کو مولنا امکنگیؒ سے ہے لیکن باطنی اور روحانی تربیت آپؒ نے حضرت خواجہ احرارؒ سے حاصل کی۔ حضرت خواجہ امکنگی کے فرمانے پر آپؒ دہلی تشریف لے گئے۔ ہندوستان پہنچنے پر آپؒ ایک سال لاہور رہے اور یہاں کے بہت سے علماء فضلاء آپؒ کی محبت کے گرویدہ ہو گئے۔ اس کے بعد شہر دہلی میں جو دارالاولیاء اور بیت القراء تھا تشریف لے گئے۔ اور قلعہ فیروزی میں سکونت اختیار کی جو نہایت دلکش اور ساحل دریا پر واقع تھا اور جس میں نہایت عظیم الشان مسجد تھی اور زمانہ وفات تک آپؒ یہیں مقیم رہے۔ اور ہندوستان میں نقشبندی سلسلہ کا آغاز آپؒ کی ذات گرامی سے ہوا۔

آپؒ میں عاجزی اور انکساری اس درجہ تھی کہ اگر کسی طالب سے کوئی خطا ہو جاتی تو فرماتے کہ یہ درویش بیچارے کیا کریں۔ یہ تو ہماری بدقسمتی کا اثر ہے جو ان پر منعکس ہو رہا ہے۔ آپؒ کی تواضع اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی طالب حق آپؒ کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوتا تو اس سے بہت معذرت کے ساتھ فرماتے کہ میں کس لائق ہوں تم نے یہ گمان میرے متعلق قائم کیا ہے کہ میں اس کے شایان شان نہیں ہوں۔ کسی اور جگہ جاؤ اگر کوئی رہبر مل جائے تو مجھے اطلاع دینا تا کہ ہم بھی ان کی خدمت میں حاضر رہ کر فیض حاصل کریں۔ مگر صادق العقیدہ طالب آپؒ کے آستا؛ ک کو چھوڑ کر نہ جاتے گوہر مقصود سے اپنے دامن کو بھرتے۔

آپؒ کے متعلق بہت سی خوارق عادات اور کرامات منسوب ہیں ایک دفعہ ایک عورت کا تین چار سال کا لڑکا حصار فیروز آباد کی دیوار سے نیچے گر پڑا نیچے پتھر کا فرش تھا پتھر سے ٹکرا کر اس کے کان سے خون بہنے لگا اور سانس بند ہو گیا وہ عورت روتی پیٹتی حضرت کے قدموں میں گر پڑی حضرت کی عادت مبارک تھی کہ اپنی توجہ اور تصرف کو بہت چھپایا کرتے تھے۔ آپ نے بچے کی طرف ایک دفعہ نگاہ کی تو فرمایا ایسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بچہ مرے گا نہیں حاضرین کو تعجب ہوا کونسی کتاب میں یہ لکھا ہوا ہے آپؒ ایک لحظہ خاموش رہے اور وہ قریب المرگ بچہ ٹھیک ہو گیا لوگ حیران رہ گئے۔

ایک دفعہ ایک فوجی افسر نے آپ کے ہمسائے پر بہت ظلم کیا۔ آپؒ سے اس کا ظلم برداشت نہ ہو سکا۔ آپؒ نے اس کو بلا کر نصیحت فرمائی مگر وہ ظالم اپنے ظلم سے باز نہ آیا۔ آپؒ کو مظلوم کی حالت پر ترس آیا۔ اور اس افسر کو بلا کر کہا کہ ہمارے حضرت خواجگان بڑے غیور اور خود دار ہیں۔ اور یہ شخص مظلوم انہیں کے پڑوس میں رہتا ہے۔ چنانچہ چند روز وہ افسر ایک چور کے خون کے مقدمہ میں گرفتار ہو کر قتل ہو گیا۔

آپؒ نے سورہ اخلاص کے معنی کے بیان میں فرمایا: ”کہ اس کو سورہ اخلاص اس لیے کہتے ہیں۔ کہ اس کو سننے سے بندہ کا اعتقاد اپنے پروردگار کی نسبت شرک جلی وخفی کے غبار سے پاک وصاف ہو جاتا ہے اور اس کے عمل میں خلوص واخلاص پیدا ہو جاتا ہے۔ اعتقاد کا شرک جلی وخفی سے پاک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ الوہیت میں ایسی ذات کا اعتقاد رکھے کہ عرصہ امکان میں کسی طرح اس کا مثل نہ ہو۔ اسی وجہ سے اکابر نے فرمایا ہے کہ قدیم کو حادث سے الگ کرنے کا نام توحید ہے۔“ فرمایا:

”توکل کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان ظاہری اسباب کو چھوڑ کو بیٹھ رہے۔ کیونکہ یہ تو بے ادبی ہے۔ بلکہ سبب مشروع مثلاً کتابت وغیرہ کو اختیار کرنا چاہیے اور عرف سبب پر نظر نہ رکھنی چاہیے۔ کیونکہ سبب کی مثال دروازے کی سی ہے۔ جو کہ خداوند تعالیٰ نے سبب پر پہنچنے کے لیے بنایا ہے۔ اسی صورت میں اگر کوئی شخص دروازے کو بند کر لے کہ خدا اوپر سے پھینک دے گا تو یہ بے ادبی ہے کیونکہ دروازہ اللہ تعالیٰ کا ہی بنایا ہوا ہے۔ اور اس پر دلیل ہے کہ کھلا ہے کھلے ہوئے کو بند نہیں کرنا چاہیے۔ بعد ازاں اس کو اختیار ہے۔ چاہیے دروازے سے بھیجے یا اوپر سے پھینک دے۔“

1012 ہجری کو آپؒ نے انتقال فرمایا۔ اور مزار مبارک دہلی میں شاہ جہاں کے باہر صدر میں ہے۔

خداوندا بحق باقی باللہ فنا از ماسویٰ و باقی باللہ

(اے پروردگار خواجہ باقی باللہ کے حق کے واسطے کہ جنکے ہاں اللہ کے سوا سب فنا ہو چکا ہے۔) ❀

خوف و حزن

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانیؒ

☆　میرے خیال میں قارئین میرے اس احساس کے ہمنوا ہوں گے کہ اگر میں یہ کہوں کہ خوش وہ شخص نہیں جو خوش حال، خوش لباس اور خوش خوراک ہو بلکہ حقیقی معنوں میں خوش وہ ہے جو خوش رہے، اسی لئے اہل دل نے یہ آرزو کی ہے۔

دل دے تو اس مزاج کا پروردگار دے
جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گزار دے

اسی طرح کامیاب وہ شخص نہیں جس کا ہر کام ہو رہا ہے بلکہ کامیاب وہ ہے جس کا کسی سے کام ہی نہ پڑے، کلی کا چٹکنا اور بچے کا چہکنا دونوں کی فطرت ہے۔ اسی لئے یہ دونوں کیفیتیں جاذبیت اور معصومیت سے معمور اور لبریز ہوتی ہیں، کلی کی چٹک میں تصنع کیسا اور بچے کی چہک میں تکلف کیسا؟ زندگی بھی وہی خوبصورت ہے جس میں خوشی ڈھونڈی نہ جائے خود پھوٹ پڑے اور کام نکلوایا نہ جائے بلکہ کام پڑنے کی نوبت نہ آئے، اس بھری دنیا میں ایسی خوشی اور کامیابی کا کون طالب نہیں ہوگا؟ ساری تگ و تاز حیات اسی لئے ہے کہ بندہ خوش رہے اور کامیاب کہلائے یہ الگ بات ہے کہ دنیا نے خوشی کے مراحل اور کامیابی کے مدارج اپنے طور پر وضع کر لئے ہیں، خوشی کی اس قدر بے محابا آواز اور کامیابی کی بے تحاشا جستجو کے باوجود حقیقی مسرت ہنوز خواب اور کامرانی نایاب ہے۔

. ناخوشی اور ناکامی کا اصل سبب ''اندیشہ'' ہے جسے انگریزی میں Fear کہتے ہیں۔ اور قرآن مجید اسے ...... خوف و حزن ...... کا عنوان دیتا ہے۔

اس دنیا میں پائیدار خوشی اور دائمی کامیابی کا تصور تو کیا جا سکتا ہے۔ حصول او روجود تقریباً ناممکن ہے، اندیشہ کبھی پیچھا نہیں چھوڑتا، کوئی سیری ایسی نہیں جس کے بعد بھوک نہ ہو، کوئی سیرابی ایسی نہیں جس کے بعد پیاس نہ ہو، کوئی صحت ایسی نہیں جو بیماری سے کلیۃً پاک ہو، کوئی جوانی ایسی نہیں جسے بڑھاپا نہ آئے، کوئی قہقہہ ایسا نہیں جو آنسو سے بالکل ناآشنا ہو، کوئی عروج ایسا نہیں جسے زوال نہ ہو، اور کوئی زندگی ایسی نہیں جس کا خاتمہ موت پر نہ ہو، ہر چیز کے ساتھ ایک اندیشہ لاحق ہے۔

اس مسلسل تجربے اور بدیہی حقیقت کے باوجود لوگوں نے حصول مسرت کے لئے اقتدار کی پناہ لی، دولت سے ہم آغوش ہوئے، اور شہرت کی طلب کی، مگر اس اندیشے سے نجات نہ پا سکے کہ کہیں اقتدار چھن نہ جائے، دولت دغا نہ دے جائے اور شہرت روٹھ نہ جائے، چنانچہ اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے سازش کی گئی، جبر کے حربے آزمائے گئے، خونی رشتے پامال کئے گئے اور عوام کو مسلسل عذاب میں ڈالا گیا، دولت کے حصول کے لیے جائز و ناجائز کا فرق مٹایا گیا اور ضمیر بیچ کر امیر بننے اور رہنے کے جتن کئے گئے، اسی طرح شہرت کے لپکے نے انسان کو ایسا ڈھنگ اپنانے اور کرتب دکھانے پر آمادہ کیا کہ انسان اور بندر کے درمیان تمیز اٹھ گئی، اللہ کی الہامی کتاب قرآن مجید نے حقیقی مسرت اور لازوال کامیابی کا گر یہ بتایا کہ انسان خوف اور حزن سے پاک ہو جائے، تو وہ اللہ کا دوست یعنی ...... ولی اللہ ...... بن جاتا ہے۔

''آگاہ رہو اللہ کے دوست نہ خوف میں مبتلا ہوتے اور نہ حزن کا شکار ہوتے ہیں۔'' (یونس:۶۲)

خوف اور حزن دو کیفیات ہیں، جن کا تعلق انسان کے باطن، سوچ، فکر اور دل سے ہوتا ہے، انگریزی کا لفظ Anxiety ٹھیک وہی معنے دیتا ہے جو عربی میں خوف کے ہیں جس کا مفہوم ہے۔ بے چینی، بے تابی اور اضطراب، اسی طرح Depression کا وہی مطلب ہے جو قرآن مجید میں ..... حزن کا ہے، یعنی مایوسی، پژمردگی، اداسی اور آزردگی۔

ان دونوں کیفیات اور اصطلاحات کو اگر کھول کر بیان کیا جائے تو مدعا یہ سامنے آئے گا کہ کسی چیز کے پانے، اپنانے، اور حاصل کرنے کی تڑپ خوف کے زمرے میں آتی ہے، آدمی کے حصول مدعا کے لئے بے چین ہو جاتا ہے کہ یہ نعمت کھو نہ جائے، چھن نہ جائے اور سلب نہ ہو جائے، اس فکر میں وہ اداس اور آزردہ رہنے لگتا ہے، اور اگر وہ واقعی چلی جائے تو پھر انسان اداس اور مایوس ہو جاتا ہے، جب کہ اللہ کے دوست نہ کسی غیر ضروری چیز کے طالب ہوتے ہیں اور نہ خوف ان پر غالب آتا ہے۔ اور جو چیز حاصل نہ ہو اس کے چلے جانے کا حزن لاحق نہیں ہوتا۔　یہ ہے راز مسرت اور کلید کامرانی۔

یہاں بات یہ نہیں ہو رہی کہ امیر عشق کرتے رہیں اور غریب قناعت، بلکہ اس کا لب لباب یہ ہے کہ چند انسانوں نے جو حصول لذت و مسرت کے لئے پوری دنیا میں اندھیر مچا رکھا ہے۔ انہیں آئینہ دکھایا جائے کہ وہ سب کچھ پا کر بھی اگر خوف و حزن کے حصار میں رہتے ہیں تو کیا بہتر نہیں کہ وہ پانے کے لپکے سے آزاد ہو کر خود بھی بے خوف ہو جائیں اور

مخلوق خدا کو بھی غمگین نہ ہونے دیں، مسرت کے حصول کا یہ طریقہ نہیں کہ کسی مجبور کو آنسو بہانے پر مجبور کیا جائے بلکہ مظلوم کے آنسو پونچھ کر لطف سمیٹا جائے، بیوہ کے سر سے دوپٹہ اتار کر مسرت نہیں ملتی، اسے پناہ دے کر راحت نصیب ہونی چاہیے، کسی یتیم کو جھڑک کر دور ہٹانے سے آدمی خوش نہ ہو بلکہ اسے لپک کر سینے سے چمٹانے سے شاد ہو۔

جنہیں ہر لحظہ پانے کا جنون ہوتا ہے پھر وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اس کی قیمت کیا دی جارہی ہے۔ خوشامد، چاپلوسی، بے غیرتی، چمچہ گیری، مدح سرائی، قصیدہ خوانی، بے توقیری یہ سبھی کچھ کرنا پڑتا ہے خدا معلوم یہ سب کچھ کرنے اور غیرت، حمیت، انانیت عزت نفس گنوا دینے کے بعد کچھ مل بھی جائے تو کیا راحت حاصل ہوتی ہوگی؟ راحت و مسرت کوئی دال سبزی نہیں جو دکان سے مل جائے سراسر ایک کیفیت ہے مگر جو شخص ان تمام لطیف کیفیات کو حصول مطلب کے لئے خود ہی پامال کر ڈالے وہ سکون میں کیسے رہتا ہوگا؟ رہ گئی وہ چیز جس کا بندہ مستحق ہے تو وہ گھر بیٹھے مل جاتی ہے کیا سقراط نے دانش اپنی عزت نفس بیچ کر لی تھی؟ کیا افلاطون کو دماغ اپنی غیرت تج کر ملا تھا؟ کیا جنیدؒ و بایزیدؒ کو ولایت کسی بادشاہ کی خوشامد کے عوض نصیب ہوئی تھی؟ کیا مولانا رومؒ اور سعدی شیرازیؒ کو یہ شہرت و دوام کسی ہوس میں مبتلا ہو کر ارزاں ہوئی؟ کیا غزالیؒ و رازیؒ کو یہ مقام دولت کے بل بوتے پر حاصل ہوا ہے؟ کیا اقبالؒ کی قلندری کے پیچھے کوئی تونگری کارفرما ہے؟ ہرگز نہیں بات وہی ہے جو پہلے ہو چکی ہے۔ کہ

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق

آدمی اگر پانے کے خمار اور کھو جانے کے آزار سے پاک ہو جائے تو وہ مٹی کے ڈھیلے سے سونے کے ڈلے جیسا حسن پاتا ہے اور اسے کچے چھپر میں قصر مرمر جیسا سکون ملتا ہے، حبیب جالب کے ایک جملے نے مجھے پہروں تڑپا کر رکھ دیا تھا کہ ''لوگوں نے اتنا پایا نہیں جتنا میں نے ٹھکرایا ہے۔'' اہل دنیا پانے کے فن سے تو آگاہ ہے، کبھی ٹھکرانے کا ہنر بھی آزمالیں، شاید فردوس گم گشتہ اسی خطۂ ارضی پر مل جائے۔ ❁

عظیم اخلاص

☆ مسلمانوں اور کفار کے مابین سخت جنگ ہو رہی تھی اس جنگ میں حضرت علیؓ بھی بڑی بے جگری اور دلیری کے ساتھ لڑ رہے تھے آپ نے کفار کے ایک زبردست پہلوان پر قابو پالیا اور اُسے زمین پر گرا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے قریب تھا کہ حضرت علیؓ اپنی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیتے اس کافر نے حضرت علیؓ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا آپ کو بہت غصہ آیا اور آپ نے فوراً اس کو چھوڑ دیا اور اس کے سینے سے اُٹھ بیٹھے وہ کافر آپ کے اس طرز عمل سے بڑا حیران ہوا اور سوچنے لگا کہ حضرت علیؓ نے بجائے میری گردن اُڑانے کے مجھے چھوڑ دیا ہے آخر ماجرا کیا ہے؟

اس پہلوان نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ نے مجھ پر مکمل طور پر قابو پایا تھا اور قریب تھا کہ میری گردن تن سے جدا کر دیتے مگر مجھے سمجھ نہیں آئی کہ آپ نے کیوں مجھے چھوڑ دیا۔ آپ کو کیا دکھائی دیا کہ جو مجھ سے لڑنے سے بہتر تھا؟ کیا بات ہوگئی کہ آپ کا اس قدر تیز غصہ یکدم فرو ہو گیا۔ یعنی کہ ایک بجلی تیزی سے چمکی اور یک لخت واپس ہو گئی۔ اس واقعہ کے اثر سے میرے دل میں ایک بجلی سی کوند گئی ہے۔ آپ نے مجھ پر قابو پانے کے باوجود میری جان بخشی کر دی۔ اس راز سے پردہ اٹھا دیجیے کہ آخر آپ نے ایسا کیوں کیا؟

حضرت علیؓ نے فرمایا۔ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کے لیے لڑتا ہوں میں اللہ کا بندہ ہوں اپنے نفس کا غلام نہیں ہوں بے شک میں شیر خدا ہوں۔ مگر خواہشات نفسانی کا شیر نہیں ہوں جب میں نے تجھے زمین پر گرا دیا اور تجھ پر قابو پالیا اور قریب تھا کہ تیری گردن اڑا دیتا مگر تم نے میرے چہرے پر تھوک دیا اور مجھے اس بات سے سخت غصہ آیا پھر میں نے تجھے اس لیے چھوڑ دیا کہ اب اگر میں تیری گردن اڑاتا تو اپنے اس نئے پیدا شدہ غصے کی وجہ سے اڑاتا جو کہ صرف اور صرف میری اپنی ذات کی وجہ سے پیدا ہوا تھا اور میرے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ چنانچہ میں سوچا کہ اب اگر اس کی گردن اڑاتا ہوں تو یہ ایک انتقامی کارروائی ہوگی اور اللہ کی راہ میں لڑنے کا جو مقصد ہے وہ فوت ہو جائے گا۔ چنانچہ اس بناء پر تجھے معاف کر دیا اور اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے تجھ سے انتقام نہ لیا۔

اس واقعہ سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ دشمن کے ساتھ جنگ صرف اللہ کی خاطر کرنی چاہیے اور ذاتی انتقام سے پرہیز کرنا چاہیے۔ ❁

کائنات کی تخلیق پر غور و فکر

پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم

☆ قرآن حکیم میں انسان کو زمین و آسمان کی پیدائش یعنی کائنات کی تخلیق کے بارے میں غور و فکر اور تدبر کی ہدایت کی گئی ہے تا کہ انسان تخلیق کو دیکھ کر خالق کو دیکھے۔ یہ امر یقینی ہے کہ انسانی ذہن کسی عظیم تخلیق اور شاہکار کے حسن و جمال سے متاثر ہو کر اس کے خالق کی طرف رجوع کرے، کیونکہ تخلیق اپنے خالق کی مظہر ہوتی ہے۔ صاحبانِ بصیرت اور اللہ کے برگزیدہ بندے ہمیشہ کائنات کی تخلیق پر تفکر کرتے رہے ہیں اور کرتے رہتے ہیں۔ زمین اور آسمان کی تخلیق پر تفکر عرفانِ الٰہی کا موجب بن سکتا ہے اور پھر انسان کا اپنے خالق حقیقی سے قرب و تعلق پیدا ہو سکتا ہے۔ اس کی واضح مثال ہمارے سامنے ہے۔ جب چاند پر پہلے انسان نے قدم رکھا اور اس نے چاند کی سطح سے تاریک خلا میں تیرتی ہوئی اور چاند ہی کی مانند منور زمین کے حسن و جمال کا مشاہدہ کیا تو بے اختیار پکار اٹھا ''خدا عظیم ہے'' (God is Great)۔ آج کا سائنس دان اپنی تمام تر کاوشوں، تحقیق و تجربات اور مشاہدات (جو صدیوں سے ہو رہے ہیں) کے باوجود کائنات کی بے پناہ وسعتوں کا احاطہ نہیں کر سکا اور اس کی لامحدودیت نے اسے ورطۂ حیرت میں ڈالا ہوا ہے لیکن اس کا مشاہدہ جاری ہے اور جاری رہے گا تا کہ وہ کائنات کے مشاہدہ کے ذریعے خالق کائنات کو دیکھے۔

جو لوگ زمین اور آسمان کی پیدائش (یعنی کائنات کی تخلیق) پر غور و فکر کرتے ہیں وہ قرآن حکیم کی زبان میں اولی الالباب (عقل والے یا اہل عقل و دانش) کہلاتے ہیں جیسا کہ کلام الٰہی میں ارشاد ہوتا ہے۔

''بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں ''عقل والوں'' کے لیے نشانیاں ہیں۔ (اللہ کے برگزیدہ بندے وہ ہیں) جو اٹھتے، بیٹھتے، کروٹ پر لیٹے اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور و فکر کرتے ہیں۔ (اور پکار اٹھتے ہیں) کہ اے ہمارے رب! آپ نے اس کو عبث پیدا نہیں کیا۔ آپ کی ذات پاک ہے سو ہم کو دوزخ کی آگ سے بچا لیجیے۔'' (سورۃ آل عمران آیات 191,190)

غور کرنے والے لوگ ذکر اور فکر کے بعد کہتے ہیں کہ اے اللہ تو نے کائنات کا یہ کارخانہ بے کار اور بے مقصد نہیں بنایا۔ یقیناً ان عجیب و غریب اور پُرحکمت انتظامات کا سلسلہ کسی عظیم نتیجے پر جا کر ختم ہوگا۔ گویا یہاں سے ان کا ذہن آخرت کی زندگی کی طرف جاتا ہے جو موجودہ زندگی کا آخری، قدرتی اور منطقی نتیجہ ہے کیونکہ موجودہ زندگی عارضی اور ناپائیدار ہے اور تخلیق کے تمام اجزاء رُوبہ زوال ہیں جیسا کہ مرزا غالب نے اپنے ایک خوبصورت شعر میں نشان دہی کی ہے۔

ہیں زوال آمادہ اجزاء آفرینش کے تمام
مہرِ گردوں ہے چراغِ رہ گزارِ بادیاں

چنانچہ ایک سمجھ دار انسان جب زمین اور آسمان کی تخلیق اور دن رات کے نظام پر غور و فکر کرتا ہے تو اسے یقین کرنا پڑتا ہے کہ کُل کائنات کو بنانے والی ایک قادر مطلق ہستی ہے اور اس بے کنار و بسیط کائنات پر اس کا کنٹرول ہے۔ جو لوگ خالق کائنات یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے ہیں ان کے دل میں موت یا قیامت کا خوف بھی نہیں رہتا۔ لہٰذا انسان کو کائنات کی تخلیق پر غور و فکر کرتے رہنا چاہیے۔ جس شخص میں غور و فکر کی عادت ہے وہ اپنی روح سے کلام کرتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

کائنات کی تخلیق پر غور و فکر کے نتیجے میں انسان کو خالقِ کائنات کی عظمت و قدرت، اس کے علم و اختیار اور اس کی بے پایاں ربوبیت کا عرفان حاصل ہو جاتا ہے۔ جن لوگوں کو ان عجائباتِ تخلیق اور قدرتِ الٰہیہ کو دیکھ کر بھی باری تعالیٰ کا عرفان حاصل نہ ہو وہ اہل عقل و دانش ہی نہیں۔ علامہ اقبال نے بھی انسان کی توجہ ان مظاہراتِ قدرت کی طرف دلائی ہے۔

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

لہٰذا کائنات کی تخلیق کے اسرار رموز پر غور و فکر کرنے کے بعد ''عقل والے'' پکار اٹھتے ہیں کہ ربِ کائنات نے یہ کائنات بے مقصد نہیں بنائی بلکہ اس کا مقصد بندوں کا امتحان بھی ہے جو اس میں کامیاب ہوا اس کے لیے ابد الآباد تک جنت کی نعمتیں ہیں جو ناکام ہوا، اس کے لیے نارِ جہنم (دوزخ کی آگ) ہے۔ اس لیے وہ اس نار سے بچنے کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ آخر میں مصنف بقول اقبال اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہے کہ

محروم تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے

حضرت لقمان حکیمؑ شخصیت و اقوال

پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت

☆ لقمان حکیم زمانہ جاہلیت کی ایک برگزیدہ ہستی ہیں، جنھوں نے اپنی حکمت اور دانائی کی وجہ سے نمایاں مقام حاصل کیا۔

زمانہ جاہلیت کے مشہور شعراء مثلاً امراؤالقیس، لبید، اعشٰی طرفہ وغیرہ کے کلام میں بھی ایک لقمان نامی شخص کا ذکر موجود ہے جس نے طویل عمر پائی۔ عموماً ان کی عمر کو سات گدھوں کی عمر کے برابر کہا گیا ہے علاوہ ازیں ان کی حکمت اور دانائی کا بھی بعض شعراء نے ذکر کیا ہے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ طلوع اسلام کے وقت عربوں میں لقمان کی شخصیت دانائی اور حکمت کے حوالے سے جانی پہچانی تھی۔ ہجرت سے قبل مدینہ منورہ سے سوید بن صامت نامی ایک شخص مکہ مکرمہ حج بیت اللہ کے لئے آئے۔ انہوں نے آپؐ کو حاجیوں کے درمیاں تبلیغ کرتے سنا تو عرض کیا کہ آپؐ جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں اسی طرح کی باتیں صحیفہ لقمان میں بھی ہیں۔ آپؐ کی فرمائش پر سوید نے صحیفہ لقمان میں سے کچھ زریں باتیں سنائیں آپؐ نے ان اقوال کی تعریف فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ہمارے پاس تو اس سے بھی بہتر کلام ہے۔ چنانچہ آپؐ نے قرآن حکیم کا کچھ حصہ اسے سنایا، سوید اس کلام سے بے حد متاثر ہوا اور کہا کہ واقعی یہ تو صحیفہ لقمان سے بھی بہتر ہے۔

اللہ کریم نے لقمان حکیم کی بعض نصائح کا قرآن کریم میں ذکر فرما کر ان کو حیات جاوداں عطا کی اور پوری ایک سورۃ کو بھی ان کے نام سے منسوب کیا۔

عربوں میں قدیم ایام سے لقمان ایک معروف شخصیت ہونے اور ان کے صحیفہ کی موجودگی کے باوجود ان کا نسب معروف نہیں۔ اغلباً قرآن حکیم کے اس اعزاز وتکریم کے بعد مسلمان اہل علم نے ان کے نسب کی طرف توجہ دی تا کہ یہ جانا جاسکے کہ کون سے لقمان، لقمان حکیم ہیں۔

میسر قدیم مصادر کا جائزہ لینے کے بعد لقمان نامی شخصیات کے تین نسب نامے سامنے آسکے۔

۱۔ عبید بن شریہ (م۲۳ھ) جو قدیم بادشاہوں کی تاریخ اور قصے کہانیوں کے لیے مشہور تھے۔

ابن ہشام نے اپنی کتاب العیجان میں اس کے آگے اضافہ کرتے ہوئے لکھا:

لقمان بن عاد بن الملطاط بن السکسک بن وائل بن حمیر

بعد میں آنے والے علماء میں سے ابن الجوزی ۵۹۷ھ اور ابن الاثیر نے بھی اسی کو اپنی کتابوں میں بیان کیا۔

۲۔ مشہور مؤرخ مسعودی م (۳۴۶ھ) لقمان حکیم کا نسب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لقمان الحکیم وھو لقمان بن عنقاء بن مربد بن صاوون

ابن کثیر نے اپنی مشہور تفسیر میں اسی نسب نامے کو تھوڑے اختلاف کے ساتھ بیان کیا۔

۳۔ زمخشری (م ۵۳۸ھ) اور قاضی بیضاوی (م۸۸۵ھ) نے اپنی تفاسیر میں لقمان حکیم کا نسب یہ لکھا: لقمان بن باعوراء من اولاد آزر لقمان الحکیم کی شخصی زندگی کے بارے میں بعض مولفین نے لکھا ہے کہ وہ شادی شدہ تھے انکی بیوی اور بیٹا کافر تھے جو بعد میں اسلام لے آئے۔

لقمان حکیم کے بارے میں یہ بحث بھی چلی کہ وہ آزاد تھے یا غلام، طبری، مسعودی، زمخشری، ابن کثیر وغیرہم نے انہیں حبشی غلام کہا ہے جن کے ہونٹ موٹے، پستہ قد بھاری بدن والے تھے۔

عبید بن شریہ اور ابن ہشام، نے ایک مرد آزاد عاد ثانیہ کا ایک نیک دل بادشاہ کہا ہے جسے تین یا سات گِدھوں کے برابر عمر عطا ہوئی۔

ان کے تذکرہ نگاروں میں ایک یہ بھی بحث ہے کہ آیا وہ نبی تھے یا مرد دانا۔ لقمان حکیم کے اکثر تذکرہ نگاران کو حکیم و دانا اور مرد صالح قرار دیتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ انکو نبوت اور حکمت میں اختیار دیا گیا۔ تو انہوں نے اللہ تعالی سے گزارش کی کہ اگر اس میں اختیار کی بات ہے تو وہ حکمت پسند کریں گے سو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت سے نوازا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ بنو اسرائیل میں فتویٰ دیا کرتے تھے پھر جب داؤد علیہ السلام کو پیغمبری ملی تو فتویٰ دینا موقوف کردیا۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب پیغمبر کے ذریعے کفایت فرمائی تو مجھے اس پر اکتفا کرلینا چاہئے۔ یہ بھی بیان ہوا ہے کہ داؤد علیہ السلام لقمان پر رشک کیا کرتے تھے کہ بوجہ عطائے حکمت بہت سی آزمائشوں سے بچ گئے جبکہ بوجہ عطائے حکومت وہ اس میں مبتلا ہوئے۔

ان کے پیشے کے بارے میں مندرجہ ذیل اقوال ملتے ہیں:

الف۔ بڑھئی تھے۔ ب۔ چرواہے تھے۔
ج۔ درزی تھے۔ د۔ بنو اسرائیل کے قاضی تھے

حضرت لقمان کو حضرت ایوب کا بھانجہ کہا گیا ہے اور خالہ زاد بھائی بھی۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت ایوب سے علم سیکھا اور داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا، بنی اسرائیل میں قاضی رہے۔

لقمان حکیم کے تذکرہ نگاروں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا

جا سکتا ہے۔ ابن ہشام کی روایت کے مطابق وہ عربی النسل تھے اور عاد ثانیہ کے نیک طبیعت بادشاہ تھے۔ برصغیر کے مشہور محقق و سیرت نگار بعض شواہد کی بنا پر ابن ہشام کی رائے کی تائید کرتے ہیں اور یہی رائے ان کے بعد مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے اپنی کتاب قصص القرآن میں اختیار کی ہے۔

طبری، زمخشری، ابن کثیر کی بیان کردہ روایات کے مطابق وہ افریقی الاصل غلام تھے۔ زمخشری نے مشہور تابعی سعید بن المسیب کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ امین، حق گو اور منصف مزاج ہونے کی بنا پر حکمت عطا ہوئی۔ ان کے حکیمانہ اقوال و امثال کے عرب میں مشہور ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ اصلاً نوبی تھے مگر مدین اور ایلہ کے باشندے ہونے کی وجہ سے زبان عربی تھی۔

اس وقت ہمارے سامنے سب سے زیادہ غور طلب پہلو یہ ہے کہ قرآن حکیم میں مذکور لقمان حکیم، کتاب التیجان اور اخبار عبید میں مذکور لقمان بن عاد ہیں یا لقمان حکیم کوئی اور ہیں؟

کتاب التیجان میں مذکور روایت وہب بن منبہ کی طرف منسوب ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ شداد بن عاد کی وفات کے بعد لقمان بن عاد کو حکومت ملی۔ لقمان کو سو آدمیوں کے برابر حاسہ ادراک عطا ہوا تھا اور اپنے زمانے میں سب سے زیادہ طویل القامت شخص تھے۔

مختلف مصادر میں یہ روایت بھی بیان ہوئی ہے کہ جب بنو عاد کئی برس تک قحط میں مبتلا رہے تو ان کا ایک وفد جس میں لقمان بن عاد بھی تھے مکہ مکرمہ بارش کی دعا کے لیے گیا۔ یہ وفد بشمول لقمان بن عاد جب مکہ آیا اور اپنے ننھیال میں مہمان ہوا تو تقریباً ایک ماہ تک مہمان نوازی کے مزے لوٹتا رہا اور جس مقصد کے لیے وہ مکہ آیا تھا اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ میزبان جب ان کے طویل قیام سے پریشان ہو گیا تو کسی بہانے ان کو مکہ آنے کا مقصد یاد دلایا تو وفد خانہ کعبہ دعا کے لیے گیا اور پھر اس موقع پر لقمان اور اس کا ایک ساتھی جس کا نام ابو سعید بیان کیا گیا وہ پیچھے رہ گئے۔ جب وفد دعا مانگ کر واپس آ گیا تو یہ دونوں یعنی ابو سعید اور لقمان خانہ کعبہ گئے۔ ابو سعید کے بارے میں ہے کہ اس نے گڑگڑا کر رب کے حضور نیکی و تقویٰ کے عطا کیے جانے کی درخواست کی جبکہ لقمان نے کہ اے رب میں تو اپنے لیے تیرے حضور کچھ مانگنے آیا ہوں سو میری درخواست قبول کر۔ جب آسمان سے آواز آئی کہ اپنی مراد مانگ تو اس نے عمر مانگی سو اس کی خواہش پر اسے طویل عمر دی گئی۔

طویل عمر کے لیے ان کے اشتیاق کا اندازہ کتاب التیجان کی اس روایت سے بھی ہوتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ وہ ہر نماز کے بعد طویل عمر کی دعا کیا کرتے تھے۔

بعض روایات میں یہ بھی بیان ہوا کہ لقمان کی بیویاں ان سے بے وفائی کرتیں سو انہوں نے بیویوں کو اس جرم کی پاداش میں قتل کر دیا ازاں بعد بے گناہ بیٹی صحر کے قتل کے بھی مرتکب ہوئے اس لئے کہ وہ بھی عورت تھی۔

ابن ہشام نے اپنی کتاب التیجان میں وہب بن منبہ کی طرف منسوب یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ لقمان بن عاد بادشاہ حمیر اپنی نیکی اور بھلائی کے لیے مشہور تھا اور لوگوں کو ایمان اور اسلام کی طرف بلاتا تھا کتب امثال میں لقمان بن عاد کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کی شخصیت بعض معاملات میں بطور ضرب المثل بیان کی جاتی تھی مثلاً

طویل عمر کے لیے (معمرین میں سے تھے) پیٹو (بہت زیادہ کھانے والا)

جھوٹ موٹ بہت بڑے دعوے کرنے والا۔

ان حاصل شدہ معلومات کی روشنی میں کسی قول کو ترجیح دینے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ لقمان حکیم کے بارے میں مستشرقین کی آراء کو بھی قاری کے سامنے لکھا جائے۔

یہود و نصاریٰ کی قدیم مذہبی اور سیاسی کتابوں کا سرسری جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان کتابوں میں ان کا کوئی ذکر نہیں۔ جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا تعلق یہود و نصاریٰ سے نہیں۔

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں بی ہیلر (B.Heller) نے اپنے مقالہ لقمان میں انہیں ایک افسانوی اور خیالی شخصیت قرار دیا ہے۔

بعض علمائے یورپ ایک یونانی حکیم Aesop اور لقمان کو ایک قرار دیتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ان دونوں کی طرف جو تمثیلات منسوب ہیں وہ کسی حد تک ملتے جلتے ہیں۔

بعض اہل علم کا خیال ہے عہد نامہ قدیم (تورات) میں مذکور بلعام Ballam سے مراد لقمان ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ عبرانی لفظ بلع اور عربی کا لقم (نگلنا، کھانا) دونوں کے معنی ایک ہی ہیں لہٰذا لقمان سے مراد بلعام ہی ہیں۔

بعض نے اقوال کی مناسبت اور یکسانیت کی وجہ سے Ahikar جو اپنے وقت کے ایک عقل مند انسان سمجھے جاتے تھے ان کی باقیات میں شمار کیا ہے۔

امثال لقمان حکیم کے نام سے Charles Schier نے 1893ء میں Leipic سے ایک کتابچہ مع فرانسیسی ترجمہ شائع کیا ہے۔ یہ امثال تعداد میں اکتالیس ہیں۔

مختلف مصادر سے جو معلومات جمع ہو سکی ہیں ان کے مطابق میری ترجیحات درج ذیل ہیں۔

مختلف مصادر میں مذکور لقمان بن عاد اور قرآن حکیم میں وارد لقمان دو علیحدہ علیحدہ شخصیات ہیں ترجیح کے

اسباب درج ذیل ہیں:
کتاب التیجان میں ایک عادل اور نیک بادشاہ لقمان بن عاد کا ذکر ہے لیکن اسی کتاب اور اخبار عبید بن شریہ میں لقمان بن عاد نامی شخص کی جانب جو باتیں منسوب کی گئی ہیں مثلاً طویل عمری کی خواہش، قوم عاد پر نازل قحط کر دور کرنے کے لیے مکہ مکرمہ کا سفر اختیار کرنا اور پھر وہاں اس مقصد کو پس پشت ڈال کر نہیال کی ضیافت میں گم ہو جانا۔ ازاں بعد خانہ کعبہ جا کر یہ کہنا کہ میں اپنی ذات کے لیے تیرے حضور درخواست لے کر آیا ہوں۔ بیویوں کو خیانت کے جرم میں قتل کرنا اور پھر اپنی بیٹی کو بھی اس جرم کی پاداش میں قتل کر دینا کہ تو بھی عورت ہے۔ ایک نیک سیرت انسان کے شایان شان نہیں۔

علاوہ ازیں کتب امثال میں ان کی شخصیت جن حوالوں سے مشہور بیان کی گئی ہے وہ بھی ایک مرد دانا کی صفات نہیں ہو سکتیں جہاں تک اس مسئلہ کا تعلق ہے کہ وہ عربی النسل تھے یا افریقی النسل آزاد تھے یا غلام، اللہ کریم نے اپنی رحمتوں اور نعمات کی عطا میں کسی قسم کی تخصیص نہیں کی اور حسب و نسب، جنس، آزادی و غلامی وغیرہ کو بنیاد نہیں بنایا اس کے ہاں انعامات و اکرام کے استحقاق کی بنیاد صرف اور صرف تقویٰ ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔ "ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم"

ان کے بارے میں یہ روایت زیادہ قرین از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ وہ حبشی غلام تھے جسے آقا نے ان کی حکمت و دانائی کی بنیاد پر آزادی ایسی نعمت سے نوازا۔ اس کی تائید مندرجہ ذیل روایات سے بھی ہوتی ہے (اسناد کی کمزوری کی بنیاد پر بعض لوگ ان روایات کو درست تسلیم نہیں کرتے) سعید بن المسیب کی طرف یہ روایت منسوب کی گئی ہے کہ ان کے پاس ایک حبشی غلام آیا جو اپنی رنگت کی وجہ سے رنجیدہ تھا سعید نے کہا کہ غم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ سوڈانیوں میں تین آدمی بہتر ہوئے ہیں: لقمان الحکیم، حضرت بلالؓ اور حضرت عمرؓ کے غلام مھجعؓ۔ ابن عباس نے ایک روایت آپ کی طرف منسوب کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ تین حبشی اہل جنت میں سے ہیں: لقمان، نجاشی اور بلال۔

خالد الربعی کی روایت ہے کہ لقمان حبشی غلام تھے۔ ایک دن ان کے مالک نے ان سے ایک بکری ذبح کرنے اور اس کے دو بہترین حصے لانے کو کہا۔ لقمان نے بکری ذبح کر کے زبان و دل آقا کو پیش کیے۔ مالک نے پوچھا کہ آیا اس سے بہتر کوئی اور حصہ نہیں۔ اس پر لقمان نے نفی میں جواب دیا۔ ایک دن مالک نے لقمان کو بکری ذبح کر کے اس کے سب سے برے حصے پیش کرنے کو کہا تو اس بار بھی لقمان نے دل اور زبان پیش کر دیئے۔ مالک بولا کہ میں نے تمہیں بکری کا بہترین حصہ لانے کو کہا تو تم نے زبان اور دل پیش کر دیا۔ اور آج جبکہ بکری کا سب سے برا حصہ لانے کو کہا تو تب بھی تم نے یہی دو چیزیں پیش کر دیں۔ اس پر لقمان نے جواب دیا کہ اگر یہ دو چیزیں اچھی ہوں تو ان سے بہتر کوئی شے نہیں اور جب یہ دو بری ہوں تو اس سے بدتر کوئی اور چیز نہیں۔

ایک اور روایت ہے کہ ایک شخص کا گزر لقمان کے پاس سے ہوا۔ لوگ ان کے پاس جھمگٹا لگائے ہوئے تھے۔ اس شخص نے لقمان سے کہا کیا تم وہی سیاہ فام چرواہے نہیں جو فلاں جگہ جانور چرایا کرتا تھا۔ لقمان نے اثبات میں جواب دیا۔ وہ شخص بولا کہ تم اس مقام تک کس طرح پہنچے؟ لقمان نے جواب دیا سچ بولنے، امانت ادا کرنے اور غیر ضروری امور کو ترک کرنے کی بدولت۔ یہ چند واقعات اس امر کی زیادہ تائید کرتے ہیں کہ وہ محض اپنی نیک خصال اور اعمال کی بدولت اللہ کے محبوب بندے قرار پائے۔ تا آنکہ وہ قرآن کریم کا موضوع قرار پائے۔

جہاں تک یونانی حکیم Aesop کا تعلق ہے وہ ایک نیم تخیلاتی شخصیت ہیں ان کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا آف بریٹنیکا کا مقالہ نگار کہتا ہے:

The obscurity in which the hisotry of Aesop is involved has induced some scholars to deny his existence altogether

اس مقالہ نگار نے ان کی طرف منسوب تمثیلات و حکایات کو بعد کے دور کی تخلیق کہا۔ Aesop پر انسائیکلو پیڈیا آف امیریکانا کا مقالہ نگار بھی کچھ اسی طرح کے خیالات کا اظہار کرتا ہے اس کا کہنا ہے

The ancient life of Aesop which has come down in sculararl several version, thought intresting in itself, is of no historikl value....

لہٰذا لقمان اور Aesop نہ ایک شخصیت کے دو نام ہو سکتے ہیں اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ ہم لقمان کو عربوں کا Aesop قرار دیں۔ کیونکہ Aesop کی شخصیت کے متعلق شکوک و شبہات کا اظہار خود مستشرقین نے کیا ہے۔۔

یہ کہنا کہ تورات میں مذکور بلعام اور لقمان ایک ہی شخصیت ہیں اسکی حقیقت بھی ہم مستشرقین کی تحریروں کی روشنی میں جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

In the new Testament Balam is cited as a type of avarice the Talmud represent him as a typical sinner and there

are the usual worthless Rebbanical fables ,e.g. that he was blind of one eye....

درج بالا بیانات سے معلوم ہوا کہ عہد نامہ جدید اور قدیم دونوں میں بلعام کی شخصیت کو ناپسندیدہ صفات کا حامل کہا گیا ہے لہذا لقمان اور بلعام کی معنوی مما ثلت دونوں کو ایک شخص قرار دینے کے لیے ناکافی ہے۔ علاوہ ازیں لقمان کی صفات حمیدہ اور مکارم اعمال وعقا ئد کی خود قرآن نے شہادت دی ہے۔

Charies Schier کے شائع کردہ امثال لقمان حکیم اور اس کا فرانسیسی میں ترجمہ بعنوان Fables Lokman Suranomme Le Sage جعلی ہے۔ اس کتابچہ میں مذکور امثال کی عربی ناقص ہے علاوہ ازیں اس میں بیان کردہ اکتالیس امثال ونصائح مختلف جانوروں کی زبانی بیان کی گئی ہیں۔ لقمان کے کسی بھی تذکرہ نگار نے اس بات کی طرف اشارہ نہیں کیا کہ امثال ونصائح میں ان کا یہ انداز تھا نیز ان کی طرف منسوب روایات ونصائح جو مختلف کتب میں موجود ہیں وہ بھی اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ لقمان کا انداز بیان یہ نہ تھا۔ غالبا یہ وہی مجموعہ ہے جو J.Derenourg نے 1299ء میں شائع کیا۔ آخر الذکر کے بارے میں قطعی بات کہنی مشکل ہے۔

لقمان حکیم کے بارے میں قرآن نے یہ بات بڑے واضح طور پر بیان کی کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو وہ نصائح اور حکمت کی باتیں تلقین کیں جو حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو بڑی عمدگی کے ساتھ سموئے ہوئی ہیں اور جن کی ادائیگی ہی انسان کی دارین میں فلاح کی ضامن ہے۔ آئندہ صفحات میں بیان کردہ نصائح کے بارے میں یہ بات ہی قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ یہ زبانی روایت کے ذریعے نسل درنسل ہوتی ہوئی مسلمان اہل علم تک پہنچیں۔

وھب بن منبہ (تابعی) کا قول ہے کہ انہوں نے لقمان حکیم کی حکمت کے دس ہزار سے زائد ابواب پڑھے تھے۔

مقالہ کے آغاز میں یہ بات ذکر ہوئی کہ مدینہ منورہ کے ایک شہری سوید بن صامت کے پاس بھی صحیفہ/مجلہ لقمان موجود تھا جو حکیمانہ باتوں پر مشتمل تھا۔

صحابہ کرام اور تابعین کی روایات میں لقمان حکیم کا ذکر موجود ہے اور ان کے بارے میں بعض روایات بیان ہوئی ہیں۔

وھب بن منبہ کہتے ہیں کہ لقمان کا سا کلام میں نے نہیں سنا۔ چھان بین کرنے پر یہ بات میرے سامنے آئی کہ لوگوں نے ان کے کلام کو اپنے کلام کا حصہ بنالیا ہے اور وہ ان کے عمدہ اور خوبصورت کلام سے اپنی تقریروں، تحریروں اور خطبوں میں استفادہ کرتے ہیں۔

اقوال زریں

پیارے بیٹے! حکمت ودانائی ایسی چیز ہے جس نے مساکین کو تخت شاہی پر بٹھایا۔

اے بیٹے! جب کسی مجلس میں جاؤ تو سب سے پہلے سلام کر پھر ایک کونے میں خاموشی سے بیٹھ جا۔ اہل مجلس جب تک گفتگو نہ کریں تم بات نہ کرنا۔ سو اگر وہ ذکر الہی میں مصروف ہو جائیں تو تم بھی ان کے ساتھ۔ اپنا حصہ حاصل کیجیو اور اگر وہ کسی اور بات کو شروع کر دیں تو وہاں سے نکل کر کسی دوسری (ذکر کی) مجلس میں چلے جانا۔

اے بیٹے! جو شخص اللہ تعالی کے پاس کوئی چیز امانت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتے ہیں (یعنی انسان اپنے ایمان کو اللہ کے پاس ودیعت رکھے)

اے پیارے بیٹے! اللہ تعالی سے تقویٰ اختیار کر اور اس میں ریاء کا پہلو نہ ہو کہ اس وجہ سے لوگ تیری عزت کریں اور تیرا دل حقیقتاً گنہگار ہو اور تقویٰ سے خالی ہو۔

اے بیٹے! جاہل سے دوستی نہ کرو وہ یہ سمجھنے لگے کہ تجھے اس کی احمقانہ وجاہلانہ باتیں پسند ہیں اور دانا انسان کی ناراضگی کو معمولی نہ سمجھ کہ کہیں وہ تجھ سے جدائی کا راستہ اختیار کرلے۔

اے بیٹے! عقلمند کی بات کو اللہ کی تائید حاصل ہوتی ہے اللہ تعالی اگر کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو دانا آدمی بولتا ہے

اے بیٹے! خاموشی میں کبھی ندامت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اگر گفتگو چاندی ہے تو خاموشی سونا ہے

اے بیٹے! ہمیشہ برائی سے دور رہ تو برائی تجھ سے دور رہیگی اس لیے کہ برائی سے برائی پیدا ہوتی ہے۔

اے بیٹے! غیظ وغضب سے بچ کہ غصہ کی شدت دانا کے دل کو مردہ کر دیتی ہے۔

اے بیٹے! خوش کلامی اختیار کر اور خندہ پیشانی سے پیش آ، تو تم لوگوں کے نظروں میں اس شخص سے بھی زیادہ پسندیدہ ہو جاؤ گے جو ہر وقت ان کو انعام واکرام سے نوازتا رہتا ہو۔

اے بیٹے! نرم خوئی دانائی کی جڑ ہے۔

اے بیٹے! جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔

اے بیٹے! اپنے اور اپنے والد کے دوست کو عزیز رکھ۔

اے بیٹے! تیرے دسترخوان پر ہمیشہ نیک لوگوں کا اجتماع رہے تو بہتر ہے۔

اے بیٹے! مشورہ ہمیشہ علماء حق ہی سے لینا۔

اے بیٹے! تم رحم کرو تم پر رحم کیا جائیگا۔

سفیان ثوری سے بیان کیا گیا ہے کہ لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے کہا دنیا گہرا سمندر ہے جس میں لوگوں کی کثیر تعداد غرق ہو چکی ہے لیکن تو دنیا میں اپنی کشتی اللہ کے تقویٰ کو بنالے اور اسے ایمان سے بھر لے اور اللہ توکل کو اس کے پتوار (چپو) بنالے شائد

تجھے نجات حاصل ہو جائے وگرنہ میں نہیں سمجھتا کہ تجھے نجات حاصل ہوگی۔

اے بیٹے! دنیا سے کم لے اور اس میں اتنا گم نہ ہو جا جو آخرت کے لیے نقصان دہ ہو اور نہ تو اسے بالکل ترک کر کہ لوگوں کے لیے بوجھ بن جا۔ اپنی خواہشات کو توڑنے کے لیے روزہ رکھ لیکن ایسا روزہ نہ رکھ جو تجھے ادائیگی نماز سے قاصر کردے۔ کیونکہ نماز کا درجہ روزہ سے بڑھ کر ہے (غالباً نفلی روزے مراد ہیں) اے بیٹے جو جھوٹی شہرت کا طالب ہوتا ہے وہ مذاق کا نشانہ بنتا ہے۔ اور جس کے معاملات برے ہوں اس پر تہمت لگتی ہے۔ اور جو اپنی زبان پر قابو نہ رکھے وہ نادم ہوتا ہے۔

اے بیٹے! نیکوکاروں کا خادم بن جا لیکن شریروں کا دوست نہ بن۔

اے بیٹے! اہل علم کی مجلس کو اپنے لیے لازم کر لے اور تو ان کے ساتھ وابستہ ہو جا۔ تو ان سے بحث و مباحثہ نہ کرو گرنہ وہ تجھے علم کے حصول سے محروم رکھیں گے۔ مجلس علمی ختم ہونے پر سوال کر اور سوال میں نرمی اختیار کر اور تو اہل علم کو پریشان نہ کر کہ کہیں وہ تجھے رنجیدہ نہ بنا دیں (علم سے محروم کرکے)

اے بیٹے! لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے وقت اپنے آپ کو نہ بھلا دینا۔ اگر تو نے ایسا کیا تو تیری مثال اس چراغ کی سی ہوگی جو لوگوں کو تو روشنی فراہم کرتا ہے اور خود جلتا ہے۔ چھوٹے کاموں کو حقیر نہ سمجھ کیونکہ چھوٹے (نیک) کام ہی بڑے (نیک) کام کرنے کا باعث بنتے ہیں۔

اے بیٹے! جھوٹ سے اجتناب کر کہ اس سے دین میں فساد پیدا ہوتا ہے اور لوگوں کے نزدیک تیرا ادب ولحاظ کم ہو جاتا ہے علاوہ ازیں جھوٹ تیری حیاء عزت وشرافت اور سچائی کی چمک کو ختم کردیتا اور تجھے ذلیل کردیتا ہے۔ لہذا جب تو لوگوں سے بات کرتا ہے تو نہ اسے وہ سنتے ہیں اور نہ ہی اسے سچا سمجھتے ہیں۔ بیٹے ایسی زندگی کا کوئی مزہ نہیں۔

اے بیٹے! اگر تو بچپن میں ادب سیکھے گا تو بڑے ہو کر تجھے اس کا فائدہ ہوگا۔

اے بیٹے! بدخلقی، بے صبری اور اکتاہٹ سے بچ کہ ان خصلتوں کے تیرے ساتھ کوئی چلنے کو آمادہ نہ ہوگا اور لوگ تجھ سے پہلوتہی کرینگے۔

اے بیٹے! معاملات میں اپنے لیے شفقت کے رویے کو اپنے لیے لازم کر لے اور حالات کی نامساعدگی (خرابی) پر صبر کر، لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آ کہ حسن خلق اور چہرہ کی بشاشت اور کشادگی نیک لوگوں کے نزدیک پسندیدہ ہے جبکہ فاسق وفاجر آدمی اس سے دور بھاگتا ہے۔

اے بیٹے! تو اپنے نفس کو رنج وغم میں مبتلا نہ کر اور تیرا دل اس سے معلق ہو کر نہ رہ جائے۔ لالچ وطمع سے بچ، قضاء وقدر پر راضی ہو جا۔ اس طرح تیری زندگی صاف ستھری رہے گی اور تیرا نفس بھی خوشی محسوس کرے گا اور زندگی سے لطف اندوز ہو سکے گا۔

اے بیٹے! اگر تو یہ چاہتا ہے کہ دنیا کی دولت تیرے پاس جمع ہو جائے تو تجھے لوگوں سے اپنی امیدیں ختم کردینی چاہیں، انبیاء اور صدیقین امیدیں منقطع کر کے ہی اعلیٰ مقامات تک پہنچے۔

اے بیٹے! دنیا کی زندگی مختصر ہے اور تیری عمر تو مختصر تر لہٰذا تیرے لیے تو بہت ہی کم باقی رہا۔

اے بیٹے نیکی اس سے کر جو اس کا اہل ہو اور تو ایسے شخص سے نیکی نہ کر جو اس کا اہل نہیں وگرنہ تو نقصان اٹھائے گا اور آخرت میں ثواب سے محروم رہے گا۔

اے بیٹے میانہ روی اختیار کر اور فضول خرچ نہ بن اور نہ ہی مال کو روک کر (جمع کرکے) کنجوس بن اور نہ ہی اتنا دے کہ فضول خرچی کی حد تک پہنچ جائے

اے بیٹے دانائی کا راستہ اختیار کر! تجھے عزت حاصل ہوگی۔ تو اس کی قدر دانی کرے گا تو وہ تیری قدر دانی کا موجب ہوگی۔

حکمت کے اخلاق کا سردار اللہ کا دین ہے۔

اے بیٹے! حاسد کی تین نشانیاں ہیں جب ساتھی موجود نہ ہو تو غیبت کرتا ہے۔ اور موجودگی میں چاپلوسی اور اس کی مصیبت پر خوش ہوتا ہے۔

زبان اور دل سے زیادہ کوئی چیز پاکیزہ نہیں اور ان دونوں سے زیادہ بری چیز بھی کوئی نہیں۔

کسی نے لقمان سے دریافت کیا کہ سب سے بڑا عالم کون ہوتا ہے؟ جواب دیا جو دوسروں کے علم کے ذریعے اپنے علم میں اضافہ کرتا ہے۔ پھر اس نے پوچھا کہ سب سے زیادہ صابر کون ہوتا ہے۔ کہا کہ جس صبر کے پیچھے ایذاء نہ ہو۔ پھر اس نے سوال کیا کہ سب سے بہترین آدمی کون ہوسکتا ہے؟ فرمایا، غنی۔ سائل نے وضاحت طلب کی کہ کیا غنی سے مال دار آدمی مراد ہے؟ جواب دیا نہیں بلکہ غنی وہ ہے جو اپنے اندر خیر کو تلاش کرے تو موجود پائے ورنہ خود کو دوسروں سے بے نیاز کرلے۔

اے بیٹے! تیرا اللہ سے خوف کھانا لوگوں کو دکھانے کے لیے نہ ہو جبکہ تو اندر سے فاسق ہو۔

اے بیٹے! سفر میں اپنی سواری پر اعتماد نہ کر، جب منزل قریب آجائے تو اپنی سواری سے اتر جا۔ شب کے آغاز میں سفر نہ کر۔ سفر میں اپنی تلوار، جوتی عمامہ، کپڑے سوئی دھاگہ اور چھینی وغیرہ ساتھ رکھ۔ اپنے ہم سفر کا ہمدم اور ساتھی بن جا سوائے اسکے کہ وہ کوئی گناہ کا کام کرے۔

اے بیٹے! طمع، بدخلقی اور لوگوں سے ضرورت پورا کرنے کی کثرت احمق ہونیکی علامتوں میں سے ہے۔

اے بیٹے! جو تیری معذرت قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں تو اس کے پاس معذرت نہ کر اور جو تیری ضرورتوں کی تکمیل پسند نہیں کرتا اس سے مدد طلب نہ کر

اے بیٹے! جو لوگوں کی تکالیف برداشت کرنے میں صبر و ثبات کا مظاہرہ کرے وہ ان کی سرداری حاصل کر لیتا ہے۔

اے بیٹے! مروّت اور ادب کے اعتبار سے بہترین شخص وہ ہے کہ جب اسے کوئی ضرورت پڑے تو وہ لوگوں سے دور رہے اور جب لوگوں کو اس کی ضرورت پڑے تو وہ ان کے قریب ہو۔

اے بیٹے! جب بادشاہ کے سامنے کوئی ضرورت پیش کرنے کا موقعہ آئے تو اس ضرورت کے پوری کروانے پر اصرار نہ کر نیز اس کے سامنے اپنی غرض اور حاجت اس وقت بیان کر جب وہ خوش ہو۔

اے بیٹے! جو تجھے دھوکہ دے اس سے مدد طلب نہ کر

اے بیٹے! کمینے آدمی سے کسی چیز کا مطالبہ نہ کر کیونکہ اگر اس نے تیرا مطالبہ کو رد کر دیا تو یہ تیرے لیے عیب ہوگا اور اگر اس نے ضرورت پوری کر دی تو وہ تجھ پر احسان جتائے گا۔

اے بیٹے! مومن باتیں کم کرتا ہے اور عمل زیادہ جب کہ منافق کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔

اے بیٹے! خاموشی معاملات کو سمجھنے میں معاون، عالم کے دیندار ہونے کی علامت اور جاہل کی پردہ پوشی کرنے والی ہوتی ہے۔

اے بیٹے! جو شخص کسی ایسے آدمی سے گفتگو کرے جو اس کی بات سننا ہی پسند نہ کرتا ہو تو اس شخص کی مثال اس آدمی کی مانند ہے۔ جو اہل قبور کو کھانا پیش کرے۔

اے بیٹے! حکمت اور دانائی کی بات احمقوں سے نہ کر کہ وہ تیری بات کو جھوٹا سمجھیں اور عقلمندوں کے پاس فضول اور لایعنی گفتگو نہ کر کہ وہ کہیں تجھ سے ناراض نہ ہو جائیں۔

اے بیٹے! اپنے دشمن سے بچ کر رہ اور اپنے دوست کے بارے میں احتیاط برت۔

اے بیٹے! تین لوگ ایسے ہیں جن کو عامتہ الناس بغیر کسی گناہ کے مرتکب ہونے کے باوجود پسند نہیں کرتے اور وہ لالچی، متکبر اور بہت زیادہ کھانے والے ہیں۔

اے بیٹے! بیماری سے پہلے طبیب سے مشورہ کر

اے بیٹے! جب تم کسی شخص پر کوئی احسان (نیکی) کرو تو اسے بھول جاؤ خاموشی میں حکمت ہے لیکن کم ہی لوگ خاموش رہتے ہیں۔

اے بیٹے! دانا آدمی اپنی دانائی وحکمت کی وجہ سے ہدایات سے بے نیاز ہوتا ہے۔

ہر شخص اپنے معاملات کو بہتر جانتا ہے۔ جو بھلائی کرے گا وہ بھلائی پائے گا۔

لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: اے میرے پیارے بیٹے میں نے لوہا اور پتھر سب اٹھائے ہیں لیکن قرض سے زیادہ بوجھل کوئی چیز نہیں اٹھائی۔ میں نے پاکیزہ چیزیں کھائی ہیں اور اچھے حالات بھی دیکھے ہیں لیکن عافیت (آزمائش سے دوری) سے زیادہ لذیز کوئی چیز نہیں پائی اور لوگوں کی طرف اپنی ضرورتیں لے جانے سے زیادہ تلخ کسی چیز کو نہیں پایا

اے بیٹے! جو یہ کہتا ہے وہ جھوٹ بولتا ہے کہ برائی، برائی کو ختم کرتی ہے۔ اگر وہ اپنے اس قول میں سچا ہے وہ دو مقامات پر آگ جلا کر دیکھے کہ آیا ایک جگہ کی آگ دوسری جگہ لگی آگ کو بجھانے میں کسی قسم کی مدد کرتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خیر اور بھلائی ہی برائی کو ختم کر سکتی ہے بالکل اسی طرح جس طرح پانی سے آگ بجھ جاتی ہے۔

اے بیٹے! تو نہ اتنا شیریں بن کہ نگل لیا جائے اور نہ ہی اتنا تلخ کہ تھوک دیا جائے۔

جو شخص اپنی ذات سے زیادہ دوسروں کا خیال رکھتا اور ان کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جھک جانا مصیبت میں اکڑنے اور قوت کا مظاہرہ کرنے سے زیادہ مناسب ہے۔

اے بیٹے! اگر تو کسی کو دوست بنانا چاہتا ہے تو دوست بنانے سے قبل اسے غصہ دلا اور اگر وہ غصہ میں اعتدال کا رویہ اختیار کرے تو پھر اسے دوست بنا ورنہ دوستی سے گریز کر۔ ❁

فون: 52032
24 گھنٹے سروس
Sajid Medical Store
ساجد میڈیکل سٹور
چیف ایگزیکٹو: عابد مقبول بھٹی (مون)
پروپرائیٹر: ساجد مقبول بھٹی۔ شاہد مقبول بھٹی
عقب نیو سول ہسپتال گلستان کالونی بورے والا
ہر قسم کی انگریزی و دیسی ادویات اور آپریشن کا مکمل سامان دستیاب ہے۔

معیاری تعلیم کا نقصان دہ فقدان

مزین رسول ہاشمی

☆ ہمارے ملک میں ہر علم اور ہنر کے حصول کا انتظام ہے۔ ایم اے کی تعلیم کے بعد طالب علم لڑکیاں اور لڑکے ڈاکٹر یا انجینئر بننے کی ٹریننگ حاصل کرسکتے ہیں۔ وکالت کے پیشے کے لیے موزوں کالج میں داخلہ لے سکتے ہیں۔ ایم بی اے یا چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ کی طرح کا پیشہ اختیار کرنے کا شوق پورا کرسکتے ہیں کی صرف اس بات کی ہے کہ بہت کم طالب علم معیاری تعلیم حاصل کرکے عملی زندگی میں اپنے لیے اونچا مقام پیدا کرسکتے ہیں۔

انگریزی

طالب علموں کی بڑی تعداد میں اونچا مقام پیدا کرنے کی نا اہلی کی سب سے بڑی وجہ انگریزی سے مناسب واقفیت کا فقدان ہے۔ جن مختلف پیشوں کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ان سب میں قابل قدر مقام حاصل کرنے کے لیے انگریزی پر عبور بہت ضروری ہے۔ لیکن اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے مناسب اقدامات نہیں کیے جاتے ہیں۔ سکول، کالج اور یونیورسٹی کے 80 فیصد سے زیادہ طالب علم انگریزی سے تسلی بخش واقفیت نہیں رکھتے۔ نظام تعلیم میں ہر مضمون کی پڑھائی کی کتابیں انگریزی میں ہوتی ہیں۔ انگریزی زبان کی تعلیم وتدریس کا سامان بھی مہیا کیا جاتا ہے۔ لیکن نتیجہ خاطر خواہ نہیں نکلتا ہے۔ جس سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ اس زبان کی تعلیم وتدریس کا طریقہ کار ناقص ہے۔

یہ ناقص طریقہ کار پرائمری کی ابتدائی جماعتوں سے لے کر سکول کے آخر اور کالج تک چلتا ہے۔ ابتدائی درسی کتابیں تیار کرنے والے نام نہاد ماہرین تعلیم یہ اہم بات پیش نظر نہیں رکھتے کہ کم عمر والے طالب علم کیا سمجھ سکتے ہیں اور کیا نہیں سمجھ سکتے۔ کس قسم کے سبق بچوں کی دلچسپی کا باعث بن سکتے ہیں اور کس انداز کے سبق ان کے لیے کشش کا باعث نہیں بن سکتے۔ افادیت حاصل نہ کرنے کی وجہ سے ابتدائی جماعتوں میں انگریزی زبان کی مضبوط بنیاد فراہم نہیں ہوتی۔

گریمر کی مشق

ابتدائی جماعتوں کے بعد انگریزی گریمر کی تعلیم میں ایسی چیزوں پر بہت وقت ضائع کیا جاتا ہے جو اس زبان کو پختہ طور پر سمجھنے میں مفید ثابت نہیں ہوسکتیں۔ مثلاً predicate کی نشاندہی، compound اور complex جملوں کا فرق، parts of s peech اور analysis وغیرہ کا سلسلہ۔ تجربہ کار اساتذہ اس امر سے واقف ہوتے ہیں کہ اس قسم کی گریمر کی پڑھائی سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ یہ اساتذہ syntheris کی بہت مشق کراتے ہیں۔ یہ ایسی مشق ہے جس سے طالب علم انگریزی کے دو یا تین چھوٹے جملوں کو ملا کر ایک جملہ بنانا سیکھتے ہیں اور اس طرح اپنی انگریزی کی تحریر میں مہارت پیدا کرتے ہیں۔ اس وقت ہمارے ملک میں سوچ بچار والے تجربہ کار اساتذہ کی بہت کمی ہے اور ایسی کتابیں بھی ہر جگہ دستیاب نہیں ہوتیں جن میں انگریزی زبان اچھی طرح سیکھنے کے بہت سبق ہوں۔ ایک اور افسوس ناک بات یہ ہے کہ بہت کم سکولوں میں پانچویں جماعت سے دسویں جماعت تک ہر کلاس میں ایک چھوٹی لائبریری قائم کی جاتی ہے اور طالب علموں کو آمادہ کیا جاتا ہے کہ وہ انگریزی میں لکھی ہوئی کہانیوں کی کتابیں پڑھیں تاکہ انہیں انگریزی روانی سے پڑھنے اور سمجھنے کی مشق حاصل ہو

سائنسی مضامین

ہمارے طالب علموں کی اکثریت کو انگریزی، اردو، اہم تاریخی واقعات، جغرافیائی حقائق اور دنیا کے حالات حاضرہ سے معیاری اور قابل تحسین آگاہی حاصل نہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے سکولوں میں ضرورت سے زیادہ مشکل سائنسی مضامین اور پیچیدہ ریاضیات پڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سکول کی پڑھائی کے دوران اور ہوم ورک کے طور پر طالب علموں کا اتنا زیادہ وقت ان مضامین پر صرف ہوتا ہے کہ درج بالا مضامین کے لیے مناسب وقت نہیں نکالا جاسکتا۔

سائنس اور ٹیکنالوجی کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ ان مضامین سے شناسائی کے بغیر ہمارا ملک ہرگز ترقی نہیں کرسکتا۔ لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ سکولوں کے سب طالب علموں کو ماہر سائنس دان بنانے کی کوشش کی جائے۔ اور ان سب طالب علموں پر سائنس اور ریاضیات کا ڈھیر سارا بوجھ ڈال دیا جائے۔ اس سوال کا جواب نفی میں ہی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ہر طالب علم کامیاب سائنس دان نہیں بن سکتا اور نہ ہی کسی ملک کو اس امر کی ضرورت ہوتی ہے کہ ہر طالب علم سائنس دان بن جائے۔ ہر ملک میں بہت سے اور شعبے ہوتے ہیں جو تعلیم کے بعد طالب علموں کی دلچسپی کا باعث بنتے ہیں۔

سائنسی مضامین اور ریاضیات کی گہرے

انداز میں پڑھائی صرف ان لڑکیوں اور لڑکوں تک محدود ہونی چاہیے جو ان مضامین کا شوق رکھتے ہیں اور کالج کی پڑھائی میں ان مضامین پر عبور حاصل کرنا چاہتے ہیں تاکہ کامیاب سائنسدان بن سکیں یہ بات درست ہے کہ سکول کے ہر طالب علم کو سائنس اور ٹیکنالوجی کی افادیت سے آگاہ ہونا چاہیے۔ اس آگہی کا طریقہ کار یہ ہے کہ سکول کے طالب علموں کو سائنس کے آسان اصولوں پر سبق پڑھائے جائیں اور ایسے سبق بھی جن میں ان سب سائنسی ایجادات کا ذکر ہو جن کے باعث موجودہ دور کے انسان کی زندگی بہت آرام دہ ہو گئی ہے۔ سکول کے طالب علموں کو ایسی باتیں سمجھانے کی کوشش نہیں کی جانی چاہیے کہ موٹر کار کس طریقے سے وجود میں لائی گئی اور اس کار کو کس طریقے سے تیز رفتاری سے چلنے والی گاڑی بنایا گیا۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی دیگر ایجادات اور مصنوعات کے ذکر کے ساتھ ساتھ موٹر کار کا ذکر بھی ضرور آنا چاہیے۔ لیکن تفصیل کے ساتھ نہیں۔

تعلیم یافتہ والدین

ہمارے ملک کے سب تعلیم یافتہ والدین اس بات پر حیران ہیں کہ ہمارا تعلیمی نظام تیار کرنے والے اصحاب اس واضح بات کو کیوں نہیں سمجھتے کہ سکول کے درجے پر مشکل سائنسی مضامین اور پیچیدہ ریاضیات کا بوجھ معیاری تعلیم کے فروغ کے سلسلے میں نقصانات کا باعث بن رہا ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، سائنس اور ٹیکنالوجی کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ لیکن ان مضامین کی تعلیم کی صحیح سطح کالج ہے سکول نہیں۔ کالج کی سطح پر جو طالب علم سائنس کے مضامین پڑھائی کے لیے اختیار کرتے ہیں انہیں بڑی اچھی ٹریننگ دی جانی چاہیے تاکہ پختہ سوچ سمجھ والے سائنس دان بن کر وہ پاکستان کو معیشی اور اقتصادی ترقی کی راہ پر گامزن کر سکیں۔

مرکزی اور صوبائی وزارتوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ موجودہ نظام تعلیم ترک کر کے ایسا نظام وضع کریں جس کے تحت ہر مضمون میں اور ہر سطح پر طالب علموں کو معیاری تعلیم حاصل ہو سکے۔ ❀

رسول کریم ﷺ کی چند نمایاں خوبیاں اور صفات

تحریر: خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
تلخیص: غلام رسول شاہد

☆ حضور اکرم ﷺ نے مکتبی تعلیم بالکل نہیں پائی تھی۔ اس کے باوجود آپ ﷺ انسانوں کے معاشی اور معاشرتی مسائل کو بڑے بڑے عالموں اور فلاسفروں کے مقابلے میں بہتر طور پر سمجھتے اور جانتے تھے۔

ہمارے رسول کریم ﷺ فطرت انسانی کا اتنا وسیع عرفان رکھتے تھے کہ دنیا میں کسی دوسرے شخص کو حاصل نہ ہوا۔

حضور ﷺ کو تائید الٰہی بھی حاصل تھی، یعنی وحی بھی ہوتی تھی۔ اس صفت کے پیش نظر آپ ﷺ سے بہتر دستور العمل انسانوں کے معاملات کے لیے کون پیش کر سکتا تھا یا کر سکتا ہے۔

دنیا کی جتنی قومیں اس وقت ترقی کے نقطہ عروج پر ہیں ان کے معاشرتی قوائد وقوانین کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان سب قوموں نے ہمارے رسول ﷺ کے بنائے قوانین اور اصولوں کو اپنا رکھا ہے۔

ہمارے رسول کریم ﷺ دنیا کے سب سے بڑے صوفی تھے۔ درحقیقت وہ دنیا کے تمام گزرے ہوئے صوفیوں کے سردار تھے۔ اگر کوئی شخص حضور ﷺ کو صوفی نہیں سمجھتا تو جان لو کہ وہ تصوف کو نہیں سمجھتا۔

آپ ﷺ میں دنیا کے تمام صوفیائے کرام کی سب خوبیاں پائی جاتی تھیں۔ مثلاً تزکیہ قلب، خوش اخلاقی، عاجزی انکساری اور جذبہ مساوات۔

آپ اونٹ کے بالوں سے بنے ہوئے موٹی قسم کے کپڑے پہنتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ مزمل میں حضور ﷺ کو اس لباس کی بنا پر کملی والا کہہ کر مخاطب کیا ہے۔

آپ ﷺ طبیعت کے لحاظ سے ہمیشہ ایک سادہ قسم کے انسان رہے۔ آپ ﷺ معمولی لباس زیب تن فرماتے، چٹائی پر سوتے، اور ہر وقت خدمت خلق میں مصروف رہتے تھے

آپ ﷺ ایک بہترین شوہر، بہترین باپ اور بہترین دوست تھے۔

آپ ﷺ نے مزدوری بھی کی، ملازمت بھی کی، تجارت بھی کی، اور پھر بادشاہت بھی کی۔

آپ ﷺ ایک جانباز سپاہی، بے مثال جرنیل، اعلیٰ درجے کے حاکم وناظم اور جج بھی تھے۔

مسلمانوں کے عروج کے زمانے میں آپ ﷺ کے پاس مال غنیمت سے بہت سی دولت آتی تھی۔ اس دولت سے حضور ﷺ اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے۔ سب حاجت مندوں میں بانٹ دیتے تھے۔ حاکم مطلق کی حیثیت سے آپ ﷺ نے ذاتی فائدہ کبھی نہیں اٹھایا۔ ❀

اسلام اور سائنس

ملک محمد ارشد

☆ ٹن۔ٹن۔ٹن۔سکول کی وزنی گھنٹی نے جیسے ہی تیسرے پیریڈ کا اعلان کیا کلاس میں عجیب کھسر پھسر شروع ہوگئی۔مختلف ملی جلی آوازوں کا مدہم سا شور سنائی دینے لگا۔

''یاسر، ہیلو یاسر، کیا تم سائنس کی بک لیکر آئے ہو؟'' آگے بیٹھے ہوئے عمر نے پیچھے بیٹھے ہوئے یاسر سے پوچھا۔''ہاں لیکر آیا ہوں''۔''یار ذرا جلدی سے مجھے کتاب دینا۔میری کتاب گھر میں رہ گئی ہے۔اگر سر کو معلوم ہوگیا تو ناراض ہوں گے''۔عمر نے کہا'' مگر میں کیا کروں گا؟ تمہاری خیر ہے یار تم پیچھے بیٹھے ہوئے ہو اتنی جلدی نظر نہیں آؤ گے۔ویسے بھی سر ایک دفعہ لیکچر شروع کردیں تو پھر پیریڈ ختم ہونے پر ہی جان بخشی ہوتی ہے۔اس سے پہلے سر رکتے ہی نہیں''۔ چنانچہ یہ سن کر یاسر نے عمر کو کتاب دے دی اور خود ہوم ورک بک اور رف بک لیکر بیٹھ گیا۔اور سر کا انتظار کرنے لگا۔

''کلاس اسٹینڈ'' لیجئے جناب! جیسے ہی سر احمد صاحب کلاس میں داخل ہوئے، عمر نے کلاس کو سر کے احترام میں کھڑا کردیا۔

''تھینکس۔او۔کے سٹ ڈاؤن۔شاباش۔سر نے شاباش کہا تو لڑکے بھی مسکرا کر فریش ہوگئے۔

سر احمد صاحب نے بی ایس سی سائنس کیا ہوا تھا اور وہ کلاس نہم کے سائنس ٹیچر تھے۔بہت محنتی اور ذہین استاد تھے۔اور سب سے بڑھ کر یہ کہ فرض شناس تھے۔کیا مجال ہے کبھی پیریڈ خالی چلا جائے۔سر احمد نے بلیک بورڈ پر آج پڑھایا جانے والا ٹاپک (Topic) لکھا۔فطرت۔Nature۔(سائنس کی نظر میں)۔ اور اس کے ساتھ ہی اپنے لیکچر کا آغاز کردیا۔

''مائی ڈیئر بوائیز! سائنس کے اس پیریڈ میں آج ہم جس چیز کو پڑھیں گے وہ ہے فطرت۔فطرت کیا ہے؟ اس کا قرآنی مفہوم کیا ہے؟ فطرت اور سائنس کا آپس میں کیا تعلق ہے۔اور پھر اس سے آگے مزید جیسے جیسے موضوع چلتا گیا ہم ڈسکس کرتے جائیں گے۔

تو سب سے پہلے آیئے دیکھتے ہیں کہ فطرت سے کیا مراد ہے؟

فطرت از مصدر فطر کی رو سے اس کے معنی ہیں پیدا کرنا یا پیدا ہونے کی قسم یا پیدا ہونے کے طریقے ہیں۔

یہ لفظ قرآن مجید میں بقول البیھاویؔ ''خلقنا'' کے معنی میں آیا ہے۔اور رازیؔ کے بقول فطرے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ ہے جو وہ ہر انسان سے پیدائش کے وقت اپنی ربوبیت کے بارے میں لیتا ہے۔جبکہ واحدیؔ کے خیال میں فطرۃ سے مراد دین اسلام کے قبول کرنے کی خلقی صلاحیت ہے۔

فطرت کے ایک معنی طبع انسانی بھی ہیں۔مگر دوسرے معنی کائنات یا عالم خارجی ہیں جو حقیقت مطلقہ کا خارجی رخ ہے۔لیکن سوال یہ ہے کہ اسلام نے اس رخ کو کتنی اہمیت دی ہے؟ صوفیانہ فکر میں اصل حقیقت تو حقیقت مطلقہ کا باطنی رخ ہے۔لیکن وحدت الوجود کے ماننے والوں کی نظر میں جو کچھ ظاہر میں ہے وہ باطن سے جدا نہیں۔لیکن جو منکرین وحدت الوجود کو نہیں مانتے وہ فطرت یا نیچر پر بہت زور دیتے ہیں۔کیونکہ قرآن مجید میں تفکر فی خلق السمٰوٰت والارض کی خاص تلقین ملتی ہے۔چنانچہ اسی تعلیم پر عمل پیرا ہوکر مسلمان مشاہدہ و تجزیہ کائنات کے بانی کہلائے اور یوں سائنس کے محرک بنے۔

فطرت کا قرآنی مفہوم:

فطرت کا مفہوم قرآن کی سورۃ الروم کی آیت 30 سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''تو تم ایک طرف ہوکر دین (خدا کے رستے) پر سیدھا منہ کئے چلے جاؤ۔اور خدا کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کیئے رہو) خدا کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔(الروم - 30)

اہل علم کے نزدیک کسی ذات یا ہستی کی صفات یا خصوصیات کا نام فطرت ہے۔لہٰذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ قانون فطرت ان اصولوں اور ضوابط کا نام ہے جو ہر شے کی صفات یا خواص کو ایک مقرر راستے پر گامزن رکھتے ہیں۔اور اس شے یا ہستی کو قائم رکھنے کی ضمانت دیتے ہیں۔

اگر انسان فطرت کے ان تمام حقائق سے روشناس ہونا چاہتا ہے جو کہ ہمارے ظاہری حواس خمسہ سے معلوم و متحقق نہیں ہو سکتے تو یقیناً اسے حواس انسانی کی سب سے بڑی حس کی مدد لینا پڑے گی جسے روح کہتے ہیں۔اور جو کہ نظام کائنات کی روح رواں ہے۔

کوئی شک نہیں کہ فطرت کا مکمل علم انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔لیکن مزے کی بات تو یہ ہے کہ بہت قلیل اور جزوی سا ادراک بھی جستجو کرنے والے محقق کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ جس کی مدد سے وہ بنی نوع انسان کیلئے نہایت اعلیٰ اور شاندار فلاحی خدمات انجام دے سکتا ہے۔دنیا کی موجودہ ترقی، تہذیب، تمدن اور ماڈرن ایجادات اسی ادنیٰ سی کاوش

کا سراہ ہیں جو کسی محقق نے فطرت کی جستجو میں کر ڈالی

لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ وہ مادی حواس کے ذریعے فطرت کے ان ماورائی حقائق تک پہنچ جائے گا جو کہ مادی حقائق سے زیادہ سچے اور زیادہ پائیدار ہوتے ہیں، ایک ناممکن العمل والی بات ہے۔ کیونکہ میٹا فزیکل ورلڈ (عالم ماورائے مادہ) کے وہ حقائق مادی حواس سے نہ تو معلوم ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی کوئی عقلی توجیہہ پیش کی جا سکتی ہے"۔

جیسے ہی سر احمد صاحب نے اپنی بات مکمل کی عمر نے فوراً ہاتھ کھڑا کر دیا۔

کہو عمر کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ "سر میں یہ پوچھنا چاہتا ہو کہ کیا آج کی سائنس اس بات کو تسلیم کر رہی ہے کہ ماورائے مادہ بھی کوئی دنیا ہے؟ کیونکہ سائنسدان تو مادے کے قائل تھے؟

بہت اچھا سوال کیا آپ نے عمر۔ میں ابھی اس کا جواب بتا دیتا ہوں۔

آج کی سائنس نہ صرف اپنے مادی نظریے کو تبدیل کر رہی ہے بلکہ اس کی تحقیق اور جستجو کا دائرہ مزید وسیع ہوتا چلا جا رہا ہے۔ آج ہمیں جو نتائج سائنس کی طرف سے مل رہے ہیں۔ وہ یہ ہیں:

۱) مادہ کسی ٹھوس جامد شے کا نام نہیں رہا بلکہ یہ لطیف سے لطیف تر ہوتے ہوئے "نوری لہروں"، "حرکت محض"، "خالص انرجی"، "مربوط حوادث" حتیٰ کہ "منجمد خیالات" کی سطح تک جا پہنچا ہے۔

۲) زندگی، مادے کے میکانکی قوانین کی پیداوار نہیں۔ مادہ یہ خاصیت ہی نہیں رکھتا کہ اپنے اندر زندگی پیدا کر سکے۔

۳) مادے کے میکانکی قوانین شعور پیدا نہیں کر سکتے۔

۴) انسانی شعور، حیوانی شعور کی ترقی یافتہ شکل نہیں یہ اپنی ہستی الگ رکھتا ہے۔

۵) انسانی شعور کا مرکز نفس انسانی ہے۔ جس کا تعلق مادے سے ماوراء دنیا سے ہے۔ جسے سائنس "غیب کی دنیا کہہ کر پکارتی ہے"۔

اتنے میں شکیل نے اپنا ہاتھ کھڑا کر دیا۔ اور بولا کہ: "موجودہ ریسرچ کے مطابق سائنسدانوں نے مادہ، فطرت کے قوانین، شعور، نفس انسانی اور دنیائے غیب کے متعلق کیا سوچا ہے اور وہ مزید اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

"اس سلسلے میں سب سے پہلی چیز تو آئمہ طبعیات کا یہ اعتراف ہے کہ مادے کے متعلق صحیح علم حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا قانون فطرت کو جس کے مطالعہ کا نام سائنس ہے، کائنات کی ابتداء کے بارے میں جاننے کیلئے راہنما بنایا ہی نہیں جا سکتا۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ وہ اس بارے میں مزید کیا کہتے ہیں:

ہیکل (Haeckel) اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

"ہمیں اس امر کا اعتراف کر لینا چاہئے کہ فطرت کی حقیقت سے ہم آج بھی اسی قدر بے خبر ہیں جس قدر آج سے 2400 سال قبل کے یونانی یا دو سو سال پہلے نیوٹن اور سپنوزا یا سو سال پہلے کانٹ اور گوئیٹے بے خبر تھے۔ ہمیں تو بلکہ اس امر کا بھی اعتراف کر لینا چاہئے کہ ہم جس قدر اس جوہر کی گہرائیوں تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے یہ کائنات مرکب ہے، اور مادہ اور توانائی جس کے خصائص ہیں، وہ اور معمہ بنتا جا رہا ہے۔ ہم اس کی محسوس شکلوں کا اور ان کی ارتقائی منازل کا علم تو حاصل کر سکتے ہیں لیکن ان مخصوص شکلوں کے پیچھے جو اصل حقیقت ہے اس کے متعلق ہم کچھ بھی نہیں جان سکتے"۔

میسن لکھتا ہے کہ:

"طبعیات کی جدید تحقیق کی رو سے نہ تو مادہ قدیم ہے نہ ہی توانائی۔ جب یہ دونوں معدوم ہو جاتے ہیں تو ان کے ساتھ ہی وہ قوانین بھی ختم ہو جاتے ہیں جنہیں نیچرل لاز کہتے ہیں۔ اس لئے کائنات کی ابتداء معلوم کرنے کیلئے قوانین فطرت کو رہنما بنانا ناممکن ہے"۔

یہی وجہ ہے کہ آج کا محقق یہ کہنے پر مجبور ہے کہ بقول سر جیمز جینز:

"جو کچھ کہا گیا ہے اور جو نتائج تجربتاً پیش کئے گئے ہیں سچ تو یہ ہے کہ وہ تمام محض قیاسی اور غیر یقینی ہیں۔ ہم نے اس مسئلے پر بحث کرنے کی کوشش کی ہے کہ کیا عہد حاضر کی سائنس ان مشکل مسائل کے متعلق کچھ کہہ سکتی ہے جو ہمیشہ ماورائے سرحد ادراک ہیں؟

ایڈنگٹن حتمی طور پر کہتا ہے کہ:

"سائنس کی تحقیقات اشیاء کی حقیقت کے متعلق ہمیں کچھ نہیں بتا سکتیں"۔

اور شین (Sheen) نے کہا تھا کہ:

"سائنس، کتابِ فطرت کو پڑھتی ہے اسے لکھتی نہیں"۔

لیکن کتاب فطرت کا مطالعہ کرنے والوں کا اعتراف ہے کہ سائنس محض سطح کائنات کی کتاب خوانی ہے۔ اس کی حقیقت کا علم اس کے اندر ہے۔

چنانچہ ڈاکٹر جیمز آرنلڈ کروتھر جو کہ ریڈنگ یونیورسٹی میں فزکس کے پروفیسر ہیں لکھتے ہیں کہ:

نظام فطرت اپنی گہری بنیادی سادگی میں اس قدر حیرت انگیز ہے کہ سائنس کی دنیا میں کسی موضوع پر حرف آخری انسان کیلئے ہی چھوڑ دینا پڑتا ہے۔

اور یہ باتیں جو ہمیں آج کا محقق اور سائنسدان بتا رہا ہے تقریباً وہی کچھ ہیں جو کہ آج سے تقریباً اڑھائی ہزار سال قبل افلاطون نے کہا تھا۔ جب اس سے کسی نے پوچھا کہ ماہیت اشیاء کے متعلق ہمارے علم کی کیا کیفیت ہے؟ تو اس نے ایک لمبی چوڑی

مثال دینے کے بعد کہا تھا کہ ہم اپنے سامنے تمام اشیاء کا سایہ تو دیکھ سکتے ہیں لیکن ان کی حقیقت سے آشنا نہیں ہو سکتے"۔

عامر: سر اس کا مطلب یہ ہوا کہ سائنس کی تحقیق ایک خاص نقطے پر آ کر رک گئی ہے۔

بالکل ٹھیک سمجھے ایسا ہی ہے۔ آئمہ طبیعات یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک ایسی گلی میں آ نکلے ہیں جہاں آگے مزید راستہ نمایاں نہیں ہے۔ اور اس کا اعتراف ان الفاظ میں ہے:

"ہم شاہراہ ترقی پر ایک موڑ مڑے ہیں تو ہم نے دیکھا کہ ہماری جہالت، بالکل بے نقاب ہمارا راستہ روکے کھڑی ہے۔ ہماری طبیعات کے بنیادی تصورات میں کوئی اساسی غلطی ہے اور ہم نہیں جانتے کہ اس کی کسی طرح تصحیح کریں"۔

"لیکن سر کیا سائنس خدا کو تسلیم کرتی ہے؟" رضوان نے بھی احمد صاحب سے سوال کر دیا۔

جی ہاں! آج کی سائنس، جس کی تھیوری میں مادے کی فضا کا نظریہ شامل ہے، وہ خدا کے وجود کی قائل ہو گئی ہے۔ اور اس ذات کی معترف بھی۔

پروفیسر ہالڈین کہتا ہے:

"یہ کائنات ہر قسم کے انتشار کے نمود کے باوجود خدا کا تدریجی مظہر ہے"۔

پروفیسر مارگن لکھتا ہے کہ:

"میں اپنے اس عقیدہ کا اعتراف کرتا ہوں کہ اس ارتقاء کو ایک "نفس اعلیٰ" Supreme Mind کا مظہر یا عکس سمجھنا چاہئے۔ "نفس اعلیٰ جو ان تمام اشیاء کا خالق ہے جسے جدید سے تعبیر کرتے ہیں اور میرا یہ عقیدہ ہے کہ فطرت کی ہر شے میں یہ ارتقائی بالیدگی، خدائی عاملیت (Devine Agency) کا ہی مظاہرہ ہے اور ارتقائے نفس انسانی اس، نفس اعلیٰ کی عاملیت کا آئینہ ہے۔ یہ نفس اعلیٰ "Supreme Mind" "لامحدود" اور زمان کی "قیود" سے بے نیاز ہے۔ اس کی ذات کیلئے "اوّل" اور "آخر" اور "جدت" اور "اعادہ" کے الفاظ ان معنی میں استعمال نہیں کئے جا سکتے، جن معانی میں یہ نفس انسانی سے بحث کرتے ہیں۔

بلکہ اب تو رہبانیت کا پرچار کرنے والے مبلغین عیسائیت (Dean Inge) بھی اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ:

زمان و مکاں کی دنیا، غیر حقیقی دنیا نہیں، بلکہ یہ حقیقی دنیا کا جزئی مظاہرہ ہے"۔ اسی بنا پر ڈاکٹر علامہ اقبال سائنس کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

"یہ حقیقت کے مختلف گوشوں کے مطالعے کا نام ہے"۔

یعنی سائنس، فطرت کا مطالعہ کرتی ہے اور فطرت (Nature) حقیقت ہی کے ایک گوشے کا نام ہے۔ اسی لئے ڈاکٹر علامہ اقبال کے نزدیک "ذات خداوندی" سے نیچر کا وہی تعلق ہے جو انسانی ذات سے اس کے کریکٹر کا تعلق ہے۔ اسی کو قرآن نے "فطرت اللہ" کہہ کر پکارا ہے"۔

"لیکن سر سوال یہ ہے کہ کیا یہ لوگ جو حقیقت کی تلاش میں دن رات سر توڑ محنت کر رہے ہیں سر آر یو شور sure کہ وہ حقیقت کو پالیں گے؟ عدنان نے پہلی دفعہ سوال پوچھا۔

لیس آف کورس۔ مائی ڈیئر! دے ول گیٹ اٹ (They will get it) مجھے یقین ہے کہ وہ اسے پالیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ میں بھی اسی خیال کا قائل ہو جاتا کہ یہ لوگ کبھی بھی حقیقت کو نہیں پا سکیں گے اگر میں نے قرآن پاک کی ایک آیت نہ پڑھی ہوتی۔ اسے حسن اتفاق سمجھئے یا کچھ بھی کہہ لیں۔ یہ آیت اچانک مجھے مل گئی جبکہ میں بھی کسی ایسے ہی قرآنی ریفرنس کی جستجو میں تھا۔ آپ بھی آیت سنیں گے تو ضرور حیران ہوں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اے انسان تو جو اس کوشش سے اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے تو ضرور اس سے ملے گا"۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ:

"تم کو چڑھنا ہے (اللہ کی طرف) طبق طبق کر کے"۔

لہٰذا ان آیات سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی ہستی کی جستجو رکھنے والوں کو ضرور اپنی طرف آنے کا پتہ دے گی۔ اور ایک دن آئے گا کہ وہ ذات Explore ہو کر رہے گی۔ لیکن یہ صرف ان کیلئے ہے جو غور وفکر کرتے ہیں۔ اور اللہ کی نشانیوں میں تفکر کرتے ہیں"۔

اتنے میں فواد نے ہاتھ کھڑا کیا۔ اجازت پر بولا۔

"سر آپ نے یہ تو بتا دیا کہ سائنس دان حقیقت کو ایک دن پالیں گے۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ کیسے پالیں گے؟ جبکہ ہم اس سے قبل یہ پڑھ چکے ہیں کہ سائنس اور اس کے قوانین، فطرت کی کنہ و حقیقت کے ادراک سے قاصر دکھائی دیتے ہیں جس کے معترف خود سائنسدان بھی ہیں۔

ایکسیلنٹ **Excellent** فواد۔ یہ ایک اہم سوال ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ بہت اہم سوال ہے اور اس کا درست جواب صرف آپ کیلئے ہی نہیں بلکہ اس سائنس کیلئے بھی روشنی کی نئی کرن اور امید ہے جو مادے کی بھول بھلیوں میں الجھ کر اپنا راستہ کھو بیٹھی ہے۔ اصل راستے سے ہٹ جانے کی وجہ سے ایک بند گلی میں جا پہنچی ہے۔ جہاں ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے اور سائنس اس چار سو پھیلی تاریکی میں انگشت بدنداں، پریشان حال کھڑی ہے۔

لیکن میرے خیال میں سائنس کو زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسکی یہ پہلی ناکامی ہی

اس کی پہلی کامیابی ثابت ہوسکتی ہے اگر..........

سر احمد نے بات ادھوری چھوڑ کر ایک نظر لڑکوں کو دیکھا۔ جو بڑے غور سے بات کو سن رہے تھے۔ چنانچہ سر احمد نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ:

''اگر سائنس بنظر غائر اس بند گلی کے کونے کو دیکھے تو جسے وہ بند گلی سمجھی ہے وہاں اب بھی ایک دروازہ لگا ہوا ہے۔ جہاں سے سائنس اپنی جستجو کا آغاز ایک مرتبہ پھر نئے جوش وجذبے اور ولولے سے کرسکتی ہے اور پھر مزے کی بات کہ اس دفعہ سائنس اور سائنسدان انشاء اللہ ناکام نہیں ہونگے۔ بلکہ انہیں ضرور اور بالضرور فطرت کی اصل حقیقت سے آگاہی ہو جائے گی۔ رہی یہ بات کہ کس کو کتنا ادراک ہوتا ہے یہ منحصر ہے اس کی طلب صادق اور محنت شاقہ پر کہ وہ کس قدر جاننے کا متمنی ہے اور کتنے ظرف کا حامل بھی!!!

یقیناً آپ سب یہی جاننا چاہتے ہیں ناں کہ بند گلی کا وہ آخری دروازہ کون سا ہے جسے ابھی سائنس نے عبور نہیں کیا؟ ''یس سر'' سب یک زبان ہوکر بولے۔

تو سنیں! وہ آخری دروازہ ''روح'' کا دروازہ ہے۔

سائنس جب اس دروازے سے گزرے گی تو اس کے سامنے سیر وسلوک کا ایک طویل راستہ ہوگا۔ اس راستے میں سائنس کو سابقہ روش کے خلاف پہلے عمل کرنا پڑے گا۔ اور پھر اس کی تھیوری اخذ ہوتی چلی جائے گی۔ عالم روحانی کی منازل طے کرنے کیلئے ذکر۔ تذکیہ نفس، تصفیہ قلب اور تزکیہ اخلاق سے بہرہ ور ہونا پڑے گا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ سائنس جو زمانے بھر کی استاد تھی اور ایک زمانہ جس کی شاگردی میں پل کر جوان ہوا۔ اب خود اسے بھی روحانی عالم میں کروڑوں، اربوں اور کھربوں میل کا فاصلہ طے کر کے حریم کبریا تک رسائی حاصل کرنے کیلئے کسی مرشد کامل کے آگے زانوئے تلمذ طے کرنا پڑیں گے۔ اور مرشد کے قلب سے وہ جوہر خاص حاصل کرنا پڑے گا جس کی بدولت ہی سائنس کے تن مردہ میں نئی روح پھونکی جاسکتی ہے۔ لیکن۔

لیکن ان تمام باتوں سے قبل ایسے تمام لوگوں کو جو چاہے مسلم تھے یا غیر مسلم اور جو سائنسی نظریات کی بناء پر روح اور روحانیت کے قائل نہیں تھے، اب جبکہ ان کے سائنسی نظریات تلاش حقیقت کے سلسلے میں انہیں مزید راستہ دکھانے سے قاصر اور عاجز ہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ وہ ذات بحث کی حقیقت کو پانے کیلئے اور اپنی سماعتوں کو نغمات سرمدی سے روشناس کرانے کیلئے حضور سرور کائنات کی روحانی زندگی کو دل وجان سے تسلیم کرتے ہوئے روح اور روحانیت کے راستے، توجہ اور فیضان کا زاد راہ ساتھ لیکر چلیں اور پھر دیکھیں کہ کروڑوں، اربوں کے فاصلے کیسے اور کتنی جلدی طے ہوتے ہیں، صدیوں سے بے نور ظلمت کدے، کیسے اور کتنی تیزی سے روشن ہوتے ہیں، اور اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے والی سائنس کیسے دوسروں کیلئے مشعل راہ قرار پاتی ہے۔

اور اگر تم سمجھتے ہو کہ رشد وہدایت حاصل کیئے بغیر تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ گے، تو میاں پھر یہ گھوڑا اور گھوڑے کا میدان، دیکھتے ہیں تم اور کتنی صدیاں اس میں برباد کرتے ہو۔ اور وہ جو حقیقت کے ادراک کیلئے سائنس کی پیش رفت پر نظریں جمائے بیٹھے ہیں، انہیں اور کتنا انتظار کرنا پڑتا ہے کیونکہ:۔

بہ ایں سعادت بزور بازو نیست

پیریڈ ختم ہونے میں 15 منٹ باقی تھے یہ وقت ہوم ورک چیک کرنے کا تھا لیکن لیکچر اتنا دل چسپ ہوتا جا رہا تھا کہ کسی کو خیال ہی نہیں آیا۔ اتنے میں یاسر نے اپنا ہاتھ کھڑا کر دیا اور بولا:

''سر کیا وہ لوگ جو ہمارے معاشرے میں اعلیٰ روحانی مقام رکھتے ہیں، اور ان کی کشف وکرامات اور رشد وہدایت کے کارناموں کی وجہ سے کیا ہم انہیں بھی روحانی سائنسدان کہہ سکتے ہیں؟ "I mean spiritul scientists"۔

سر احمد: بات یہ ہے کہ اگر ہم ایسے شخص کو جو مادے پر تحقیق کرتا ہے اور اس تحقیق کے بعد پھر چند چیزوں کو مل کر ایک نئی چیز مثلاً ٹیلی ویژن بنالیتا ہے۔ جس میں وہ یہاں بیٹھا ہزاروں میل دور کی نشریات اور مناظر، خبریں اور واقعات براہ راست لمحہ بہ لمحہ دیکھ رہا ہے۔ اسے تو ہم سائنس دان کہتے ہیں۔

لیکن دوسری طرف ایک ایسا شخص جس نے مادے کی بجائے روح پر تحقیق کی، دن رات کی محنت شاقہ سے اس جوہر کے خواص معلوم کیئے اور پھر اسکے بعد وہ آپ کو بے شمار معمولی روحانی کرشمے دکھا سکتا ہے، بے شمار ناقابل علاج بیماریوں کا علاج کر کے دکھا سکتا ہے، آپکو اپنے فوت شدہ آباؤ اجداد کی ارواح سے ملاقات کرواسکتا ہے، ''سیمیا'' کے ذریعے ایسے مناظر دکھا سکتا ہے جن کا دنیا میں سرے سے وجود ہی نہیں، ہزاروں میل سے روحانی پیغام رسانی کرسکتا ہے، مادے پر تصرف حاصل ہونے کی وجہ سے وہ چیزوں کو غائب کرسکتا ہے، دور دراز فاصلوں پر روحانی نہیں بلکہ جسمانی ملاقات کرسکتا ہے، آگ پر چل سکتا ہے، ہوا میں اڑسکتا ہے، پانی پر دوڑسکتا ہے، قلب سلیم اور عقل سلیم + نفس مطمئنہ کے حصول کے بعد اپنے رب کی لقاء، قرب، عرفان، دیدار اور معرفت حاصل کر لیتا ہے اور پھر اس کے بعد نہایت عاجزی، انکساری سے بھٹکی ہوئی انسانیت کیلئے سراپا رشد وہدایت بن کر خود کو دین اسلام کیلئے وقف کر دیتا ہے، تو اب آپ بتائیں کہ پھر اصل سائنس دان اور زمانے کا حقیقی نبض شناس کون ہوا؟

وہ جس کے دامن میں گوہر حقیقی ہے یا وہ جو تہی دست وتہی دامن آج بھی اسی طرح تشنہ لب ہے جیسا پہلے تھا؟

زاہد: سر! اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے پھر تو ایسے لوگ واقعی "Spiritual Scientist" کہلانے کے مستحق ہیں لیکن سر میرا سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے مسلمانوں میں ایسے لوگ ہیں جنہوں نے روح پر تحقیق وغیرہ کی ہو؟

احمد صاحب: ہاں بھئی کیوں نہیں ایسے لوگ اب بھی بلکہ آج بھی موجود ہیں۔ اگرچہ خال خال ہیں، لیکن ہیں ضرور۔ مثال کے طور پر جناب محترم عبدالحکیم انصاریؒ جنہوں نے اس شعبے میں بہت زبردست کام کیا ہے۔ ان کا نام اس وجہ سے لے رہا ہوں کہ انہوں نے روح اور روحانی عالم پر جس قدر واضح اور باریک بین ریسرچ کی ہے، اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ اپنے مشاہدہ روحانی سے انہوں نے بتایا ہے کہ دوزخ اور جنت، زمین و آسمان کی وسعتوں میں کیسے پھیلی ہوئی ہے۔ روح کیا ہے؟ کہاں تھی؟ وہاں سے کیسے آئی؟ کس کس راستے اور طریقے سے زمین پر آئی؟ کیسے روح، انسان بنی؟ دنیا میں انسان کے نیک و بد اعمال کیسے روح پر اثر انداز ہوتے ہیں؟ مرنے کے بعد روح کہاں جائے گی؟ کن مقامات اور طبقات اور ان کے مزید درجات کتنے اور کون کون سے ہیں؟ وحدت الوجود کی کیفیت اور علاج میں کسی روح کا مقام محمود کیا ہے؟ پل صراط کی حقیقت کیا ہے؟ عدم بسیط، نفس بسیط کیا ہیں؟ عالم ارواح کیا ہے؟ عرش اعظم کیا ہے؟ اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اس عظیم عرش اعظم پر وہ اعظم ذات اعلیٰ، خالق کائنات، مالک دو جہاں، رحیم و کریم آقا، سمیع و بصیر مولا، اصل حقیقی ذات بحت، کیسے متمکن اور جلوہ افروز ہے؟ سبحان اللہ!

اور پھر یہ کوئی زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔ سر احمد یہ بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ ابھی 1955ء میں انہوں نے اپنی تمام ریسرچ کو قلمبند کیا ہے اور "تعمیر ملت" کے نام سے اسے تشنگان راہ حق کیلئے منظر عام پر لائے ہیں۔ وہ چھپے رستم نکلے۔ وہ اپنی تحقیق کی بلندیوں کو چھو کر واپس آ گئے مگر یاران ہم نوالہ و ہم پیالہ کو چنداں خبر نہ ہونے دی۔ وہ شہرت سے کوسوں دور بھاگتے تھے۔ اور مشہوری سے بیزار۔ وہ کرامات کو شعبدہ بازی اور بچوں کا کھیل قرار دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہمیشہ اس سے اجتناب کیا۔ اس کے باوجود ان کی زندگی کرامات سے بھری پڑی ہے۔ طالبان راہ حق کے مسلسل اور زور دار اصرار کے ہاتھوں مجبور ہو کر انہوں نے ایک نئے روحانی سلسلے کی بنیاد رکھی۔ جسے آج ہم "سلسلہ عالیہ توحیدیہ" کے نام سے جانتے ہیں۔ عرصہ تک بھولے بھٹکے لوگوں کی اصلاح کرنے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا اور G-92 بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور میں ہی آستانہ عالیہ میں مدفون ہوئے۔

میری لائبریری میں آج بھی ان کی کتاب "تعمیر ملت" وہاں رکھی ہوئی ملے گی جہاں پر "اصل اور سائنس" کے موضوع پر دوسری کتابیں پڑی ہوئی ہیں۔ بے شک سائنس اور اس کی ایجادات کا اپنا نام ہے۔ لیکن خواجہ صاحبؒ کا اپنا مقام اور مرتبہ ہے۔ صحیح معنوں میں سائنسدان میں انہی کو مانتا ہوں۔ اور وہ اس سے کم بھی نہیں ہیں۔ آج کے دور میں کم از کم اس قسم کی دوسری مثال مشکل ہے"۔

ٹن۔ ٹن۔ ٹن۔ ٹن۔ اس کے ساتھ ہی اگلے پیریڈ کیلئے گھنٹی بج اٹھی۔ لڑکے اپنے استاد محترم کے احترام میں کھڑے ہوئے احمد صاحب نے ڈائری اٹھائی اور کلاس روم سے نکل گئے۔ ❀

اُردو میں رائج عربی الفاظ کا صحیح تلفظ

تحریر و تحقیق: غلام رسول شاہد

☆ جمع کے درج ذیل الفاظ کے پہلے حرف پر پیش لگانا ضروری ہے۔ اِن الفاظ کو پہلے حرف پر زبر لگا کر ادا کرنا کم علم ہونے کا اظہار ہے۔

اُمور۔ حُدود۔ حُروف۔ حُقوق۔ خُطوط۔ رُسوم۔ سُلوک۔

عُلوم۔ فُنون۔ قُلوب۔ نُقوش

درج ذیل الفاظ کا تلفظ عام طور پر غلط کیا جاتا ہے۔ صحیح تلفظ کی نشاندہی ہر لفظ کے ساتھ کر دی گئی ہے۔

اِستِقبال: پہلے حرف الف اور تیسرے حرف ت کے نیچے زیر ضروری ہے۔

اِغوا: پہلے حرف کے نیچے زیر ہے۔ اِس لفظ کو پہلے حرف پر زبر لگا کر ادا کرنا غلط ہے۔

اِنضِمام: پہلے اور تیسرے حرف کے نیچے زیر کی ضرورت ہے۔

تنازُع: اس لفظ کو چوتھے حرف ز پر پیش لگا کر ادا کرنا چاہیے۔ ز کے نیچے زیر لگا کر تنازعہ کے انداز میں لکھنا اور بولنا غلط ہے۔

مِعیار: پہلے حرف پر زبر لگانا غلط ہے۔ اس لفظ کا تلفظ مقدار کے انداز میں م کے نیچے زیر کے ساتھ صحیح ہے۔

مُلوَّث: اس قسم کے جملے میں مثلاً وہ اس کام میں مُلوَّث نہیں تھا، معنی کے لحاظ سے تیسرے حرف و پر زبر کی ضرورت ہے۔ و کے نیچے زیر لگانے سے معنی غلط ہو سکتے ہیں۔

مُنتخَب: ہمارے منتخب نمائندے جیسی ترکیب میں اس لفظ کے چوتھے حرف خ پر زبر کا استعمال ضروری ہے۔ خ کے نیچے زیر لگانا غلط ہے۔

مُنشِیات: اس لفظ کے صحیح تلفظ میں پہلے حرف م پر پیش ہے،

دوسرے حرف ن پر زبر ہے اور تیسرے حرف ش پر شد اور نیچے زیر ہے۔ یہ عربی لفظ جمع کے انداز میں ہے۔ اس لفظ کی واحد ترکیب اُردو میں مستعمل نہیں۔

تَوازُن: پہلے حرف پر زبر اور چوتھے حرف ز پر پیش ہے۔

تَواضُع: اس لفظ میں بھی پہلے حرف پر زبر اور چوتھے حرف پر پیش ہے۔

تَوجُّہ: پہلے حرف پر زبر اور تیسرے حرف ج پر شد کے ساتھ پیش ہے۔ اس لفظ کو ج کے نیچے زیر لگا کر ادا کرنا غلط ہے۔

لاحِق: تیسرے حرف کے نیچے زیر ضروری ہے۔ یہاں زبر لگانے سے معنی بن جاتا ہے۔ حق نہیں ہے۔ سچ نہیں ہے۔

مَبلَغ: نقد رقم کی تعداد (مثلاً مَبلَغ دو ہزار روپے) بتانے کے لئے جب یہ لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس کے پہلے اور تیسرے حرف پر زبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ پہلے حرف پر پیش اور تیسرے حرف ل پر شد اور نیچے زیر کے ساتھ معنی بن جاتے ہیں تبلیغ کرنے والا۔

مُتحَدّہ: پہلے حرف پر پیش اور دوسرے حرف ت پر شد اور زبر کی ضرورت ہے۔ چوتھے حرف د پر شد لگانا غلط ہے۔

مُخالفت: صحیح تلفظ کے قوانین کے مطابق اس لفظ پر اور اس قسم کے الفاظ مثلاً ملازمت، منافقت، معاونت کے چوتھے حرف پر زبر کی ضرورت ہے۔ یہاں زیر لگانا غلط ہے۔

مشکور: اس لفظ کے معنی بنتے ہیں شکریہ کا مستحق۔ اس لفظ کو ترک کر کے شکر گزار یا ممنون کہنا چاہیے۔

معزَّز: قابل عزت لوگوں کے لیے اس لفظ کے استعمال میں تیسرے حرف ز پر شد کے ساتھ زبر کی ضرورت ہے۔ نیچے زیر لگانے سے عربی گریمر کے لحاظ سے معنی بن جاتے ہیں عزت کرنے والا یا عزت کرنے والے۔ ❀

حصول علم اور خواتین

مراسلہ: آصفہ سعید

☆ حضور سرور کائنات، فخر موجودات، سید انس و جاں ﷺ کی سیرت مقدسہ نوع انسانی کے لئے دائمی و مکمل نمونہ ہے۔ آپ ﷺ نے انسانیت کو مادی و اخلاقی پستیوں سے نکال کر روحانی عظمتوں اور رفعتوں سے روشناس کرایا۔ زندگی کے ہر شعبے میں انسانیت اور انسانوں کی تربیت و رہنمائی کا سامان کیا تا کہ قیامت تک آنے والی نسلیں فیضیاب ہوتی رہیں۔ آپ نے اپنے اعمال، افعال و کردار سے ایسا نمونہ پیش فرمایا جس کی نظیر تاریخ عالم پیش کرنے سے قاصر رہی ہے اور رہے گی، اسی لئے خالق ارض و سمائے آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ کو نوع انسانی کے لئے ایک مثالی نمونہ قرار دیا۔ ارشاد ربانی ہے:

"لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ"

(لاحزاب. ۲۱)

"بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔

حضور رحمتہ للعالمین ﷺ کی ذات گرامی مجسم خیر و برکت اور رحمت و شفقت ہے یہ کسی خاص طبقے کے لئے مخصوص نہ تھی، بلکہ یہ ابر رحمت دوست دشمن، بوڑھے و جوان، بڑے و چھوٹے، مرد و عورت، آزاد و غلام، انسان و حیوان، مسلم و غیر مسلم ہر ایک پر جھوم جھوم کر برستا رہا...... لیکن آپ ﷺ خواتین کے تو محسن اعظم ہیں آپ ﷺ ہی کے صدقے اسلامی معاشرے میں عورت کو وہ بلند درجہ حاصل ہوا جس کی مثال دنیا کی کسی اور سوسائٹی میں نہیں ملتی۔ ظلم و ستم کی چکی میں پسنے والی عورت نے آپ ہی کے دامن رحمت کے سایہ میں پناہ لی۔

سرکار دو عالم ﷺ نے عورت کی عفت و تقدس کے منافی سرچشموں کو ایک ایک کر کے بند کیا۔ مرد کے ذہن میں عورت کی عزت اور اس کے حق کا تخیل پیدا کیا۔ نفرت و لعنت کی بجائے عورت کو رحمت، طمانیت اور سکون کا مظہر ٹھہرایا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو تعلیم دی کہ عورت کی قدر و منزلت پہچانو۔ اسے حقیر نہ سمجھو۔ ذاتی شرف و تکریم میں وہ مرد سے کسی درجہ میں کم نہیں وہ بھی ویسی ہی انسان ہے جیسا مرد، وہ بھی دنیا میں قدر و منزلت کی اسی طرح مستحق ہے جیسے مرد، معاشرے کی تعمیر میں دونوں کی اہمیت یکساں ہے۔

محسن انسانیت ﷺ نے ماں کے روپ میں عورت کا تقدس سکھایا اور اعلان فرمایا کہ:

"جنت تمہاری ماؤں کے قدموں میں ہے"

تو بیٹی کی پرورش اور حق رسانی پر باپ کو جنت کا مستحق ٹھہرایا۔ نیک بیوی کو خاوند کے لئے دنیا میں سب سے بڑی نعمت قرار دیا تو اپنے آخری خطبہ میں اپنے ماننے والوں کو خاص طور پر ہدایت فرمائی کہ عورتوں سے بہتر سلوک کرو اور ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔

بعثت نبوی ﷺ کے وقت جہالت ہی کے باعث عربوں میں اکثر قبائل ایسے تھے جو لڑکیوں کے وجود کو اپنے لئے باعث ننگ و عار سمجھتے تھے اور معصوم و بے زبان لڑکیوں کو زندہ در گور کر دینا اپنا اہم فریضہ خیال کرتے تھے۔ اس وقت کی تمام تہذیبوں میں عورت کا مقام نہایت حقیر اور پست تھا۔

اسلام کی برکات سے صنف نازک کو وسیع حقوق ملے۔ معاشرے میں مرد و عورت دونوں کی حیثیت مساوی قرار دی گئی پھر یہی خواتین تھیں جنہوں نے دین کی سربلندی کے لئے اور نیکی کے قیام کیلئے بڑی سے بڑی قربانیاں پیش کیں۔ دین کی خاطر بڑی سے بڑی سختیاں اٹھائیں۔ گھر بار چھوڑے، رشتے ناطے توڑے، آرام و سکون ٹھکرایا، غربت و مفلسی کو قبول کیا۔ سب کچھ سہہ لیا مگر حق پر کوئی حرف نہ آنے دیا اور آخر دم تک اللہ تعالیٰ، اس کے پیارے نبی ﷺ اور دین اسلام کی سچی وفادار ثابت ہوئیں اور زندگی کے ہر میدان میں، ہر شعبہ میں انہوں نے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔

بعثت نبوی ﷺ سے قبل دنیا کے کئی معاشروں میں عورت پر جہاں اور جوروستم ڈھائے جا رہے تھے۔ وہاں ان پر یہ پابندی بھی تھی کہ وہ مروجہ علوم حاصل نہیں کر سکتیں۔ خواتین کے لئے تعلیم کو شجر ممنوعہ سمجھا جاتا تھا جس کے نتیجہ میں عورت قعر جہالت میں ڈوبی ہوئی زندگی کے دن پورے کر کے اس خاکدان کو چھوڑ جاتی تھی۔

ہر پڑھا لکھا مسلمان یہ جانتا ہے کہ محبوب کبریا ﷺ پر جو سب سے پہلی آیت نازل ہوئی وہ سورۃ العلق کی ہے:

"پڑھئے اپنے پروردگار کا نام لے کر جس نے (عالم کو) پیدا کیا" اور اس کے بعد کی آیت میں کہا گیا کہ:

"پڑھو! اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جس کا اسے علم نہ تھا......"

قرآن پاک کی ان ابتدائی آیات سے علم کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے حضور ﷺ کی بعثت مبارکہ کا مقصد ہی یہ بتایا کہ آپ ﷺ معلم بنا کر بھیجے گئے ہیں اور کتاب و حکمت کی تعلم دیتے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے:

"اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان فرمایا جب کہ ان کے اندر خود انہی میں سے ایک رسول ﷺ مبعوث کیا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے"۔ (آل عمران ۱۶۴)

خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"بلاشبہ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

"میں تمہارے لئے باپ کی حیثیت رکھتا ہوں کہ تمہیں علم و حکمت سکھاتا ہوں۔ حضور ﷺ نے تحصیل علم پر سب سے زیادہ زور دیا آپ ﷺ نے امت مسلمہ پر واضح کر دیا"۔

"علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے"

یہاں ہر "مسلمان" میں اسلامی معاشرے کا ہر کلمہ گو فرد، مرد ہو یا عورت آجاتا ہے۔ ہمارے نبی ﷺ نے ہر فرد پر علم کی تحصیل اس لئے فرض قرار دی ہے۔ کہ علم دین و دنیا کی ترقی کا باعث ہے۔ علم اللہ کی بہترین نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ علم معاشرے میں عزت و تکریم کی وجہ ہے۔ علم سے انسان اپنے خالق و مالک کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے امتیوں کو علم کا شوق حد درجہ عطا فرمایا اور علم کی اہمیت ہر موقع پر اجاگر کی۔ چنانچہ جب ہم اسلامی تاریخ کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ جب جنگ بدر ہوئی تو قریش مکہ نے اسیروں اور قیدیوں کو چھڑانے کے لئے مختلف طریقے استعمال کئے۔ چند افراد جن کے پاس دینے کے لئے کوئی چیز نہ تھی، وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے انہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم ہمارے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دو چنانچہ انہوں نے تعلیم دی تو انہیں رہا کر دیا گیا۔

حضور ﷺ نے علم کو "نور" فرمایا، اس لئے کہ علم ایک ایسی روشنی ہے جس میں چل کر ہر شخص منزل مقصود پا سکتا ہے۔ دین و دنیا کی منفعتیں حاصل کر سکتا ہے، زمانے میں معزز ہو سکتا ہے۔ اہل دنیا کے دلوں پر اپنی فوقیت کے جھنڈے گاڑ سکتا ہے۔ ان کے دلوں میں اپنے لئے تکریم و تعظیم کا مقام پیدا کر سکتا ہے اور اپنے علم و فضل سے ان کی جہالت کے پردے چاک کر سکتا ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے پیروکاروں کو علم کے حصول اور علم کی ترویج و اشاعت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا۔

☆ علم کی طلب عبادت ہے
☆ علم کا مذاکرہ تسبیح ہے
☆ علم کی تلاش جہاد ہے
☆ علم حلال و حرام میں تمیز سکھاتا ہے
☆ بے علموں کو علم سکھانا صدقہ ہے
☆ مستحقوں میں علم پھیلانا تقرب ہے
☆ علم جنت کے راستوں کو روشن کرتا ہے
☆ عالم تنہائی کا مونس ہے
☆ علم سفر میں رفیق راہ ہے
☆ علم خلوت میں ندیم ہے
☆ علم راحت و مصیبت کا ساتھی ہے
☆ علم دشمن کے مقابلے میں ہتھیار ہے
☆ علم دوستوں کی مجلس کی زینت ہے

علم کی بدولت اللہ تعالیٰ انسان کو اتنا بلند رتبہ دیتا ہے کہ لوگ صدیوں اس کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ عالم کی سیرت کو نمونہ بنا دیا جاتا ہے ملائکہ ان کی خدمت پر فخر کرتے ہیں اپنے پر بچھاتے ہیں، ان کی مغفرت چاہتے ہیں۔

حضور ﷺ نے حصول علم کے لئے کسی جگہ کی قید نہیں رکھی۔ کیونکہ علم ایک ایسا بے بہا خزانہ اور لازوال دولت ہے جس کی ثانی و ہمسر دنیا کی اور کوئی نعمت نہیں۔ اس نعمت کے حصول کے لئے مسلمانوں نے جس جانفشانی، محنت اور لگن سے کام لیا ہے وہ بے مثل ہے۔ کوئی قوم اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی مسلمانوں نے ایک ایک نقطے اور حدیث کے لئے جان جوکھوں کے سفر اختیار کئے اور حصول تعلیم کے بعد علم و فضل میں دنیا کی تمام قوموں کے امام بنے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ یورپ کے ممالک نے مسلمانوں کے علم و فضل سے فائدہ اٹھایا۔ ان کی تصانیف و تالیفات کے ترجمے کئے اور ان پر مزید تحقیقات کیں اور زمانے پر چھا گئے۔ مسلمان اپنی ہی غفلت کی وجہ سے اس میدان میں پیچھے رہ گئے۔

قرون اولیٰ کی مسلم خواتین ہر شعبہ زندگی میں خواہ وہ تجارت ہو، صنعت ہو، کاشت کاری ہو، یہاں تک کہ میدان جنگ میں وہ مردوں کے ساتھ ساتھ نظر آتی ہیں۔ عہد رسالت مآب ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں خواتین سے ان کی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا گیا۔ علم کی تحصیل ہو یا علم کی ترویج و اشاعت، خواتین مردوں کے شانہ بشانہ تھیں۔ عورتوں میں دین کی اشاعت عام کرنے۔ انہیں علم و دین سکھانے اور اخلاق و تہذیب کے اصول سکھانے کے لئے جو جدوجہد ازواج مطہراتؓ نے کی وہ تاریخ کا ایک زریں باب ہے۔

ام المؤمنین سیدہ خدیجہ الکبریٰؓ کی سیرت و شخصیت اور گراں قدر دینی خدمات بے مثال ہیں اعلان نبوت ﷺ کے بعد انہوں نے نہ صرف آپ ﷺ کی حمایت اور تصدیق کی بلکہ سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ آپ حضور ﷺ کی معاون و مددگار تھیں۔ ان کا تجارتی قافلہ اہل مکہ میں سب سے بڑا ہوتا تھا۔

ام المؤمنین حضرت سودہؓ بڑی اطاعت شعار اور خدمت گزار بیوی تھیں۔ ایثار سخاوت اور فیاضی میں ممتاز مقام رکھتی تھیں آپ کھالیں درست کرتی تھیں اور ان کی دباغت کا فن جانتی تھیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ بڑی ذہین، فقیہہ، عالمہ وفاضلہ اور صائب الرائے خاتون تھیں۔ آپ سے سینکڑوں احادیث مروی ہیں۔ ان کی ساری عمر اسلامی علوم کی ترویج واشاعت اور لوگوں کی حاجت روائی میں گزری۔

ام المومنین حضرت حفصہؓ دین کی بے پناہ سمجھ رکھتی تھیں۔ علم وفضل میں بلند درجہ پر فائز تھیں۔ خواتین کے علاوہ بہت سے صحابی بھی علم کے حصول کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے۔ انہوں نے ۲۰ کے قریب حدیثیں روایت کی ہیں جو انہوں نے خود نبی کریم ﷺ اور اپنے والد گرامی حضرت عمر فاروقؓ سے سنیں۔

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نہایت معاملہ فہم اور ذہین خاتون تھیں۔ ریاستی امور، خارجہ امور میں صحابہ کرام کی رہنمائی فرمایا کرتی تھیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر ان ہی کے مشورے سے حضور ﷺ نے جانوروں کی قربانی دی اور تمام صحابہؓ نے آپ ﷺ کی پیروی کی۔ سیدہ ام سلمہؓ کو احادیث سے بڑا شغف تھا انہوں نے ۳۷۸ کے قریب حدیثیں روایت کی ہیں۔ خواتین کی تعلیم وتربیت کی جانب انہوں نے بڑی دلچسپی دکھائی۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ ایک نہایت باعمل، پاکباز متقی اور صاحب علم خاتون تھیں۔ دین کے بارے میں جزئیات کی حد تک حساس واقع ہوئی تھیں۔ خود عمل کرتی تھیں اور دوسروں کو عمل کرنے کی تلقین کیا کرتی تھیں۔ فن حدیث میں آپ کے کئی شاگرد تھے۔ محدثین نے ان سے بعض احادیث بھی روایت کی ہیں۔

ام المومنین حضرت صفیہؓ بڑی نیک، عبادت گزار، عقلمند اور بردبار خاتون تھیں۔ اکثر لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے۔ انہوں نے عورتوں کی تعلیم وتربیت کی طرف بھرپور توجہ دی۔ انہوں نے چند احادیث بھی روایت کی ہیں۔

ام المومنین حضرت میمونہؓ بڑی راسخ العقیدہ، عبادت گزار، غریب پرور اور صاحب علم خاتون تھیں۔ اسلام کی تعلیم وتبلیغ کا انہیں بڑا شوق تھا۔ ان سے تقریباً ۷۶ احادیث مروی ہیں۔

دختر رسول، سیدہ النساء العالمین حضرت فاطمہؓ کی زندگی پر نظر ڈالئے تو وہ اس درخت سایہ دار کے مانند نظر آتی ہیں جو تپتے ہوئے صحرا کے بیچ میں سورج کی تمازت اور دھوپ کی شدت سے جل تو رہا ہے لیکن جس کے سایہ میں لوگ آرام اور سکھ کی نعمت حاصل کر رہے ہوں سیدہ فاطمہؓ اور ان کی صاحبزادیاں علم کے حصول اور اس کی ترویج واشاعت میں پیش پیش نظر آتی ہیں۔ مسلم خواتین کے لئے وہ ہر لحاظ سے قابل تقلید نمونہ ہیں۔

یہ چند ایک مثالیں ہیں جو میں نے پیش کی ہیں تاریخ اسلام ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

☆ یہ عورت ہی تھی جس نے اعلان نبوت کے بعد سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔

☆ یہ عورت ہی تھی جس نے اسلام قبول کرنے کے بعد سب سے پہلے شہادت کا درجہ پایا۔

☆ یہ عورت ہی تھی کہ قرآن جمع ہونے کے بعد اسے اس کا امین مقرر کیا گیا۔

مسلمان خواتین کے مثالی کردار، اور اولوالعزمی اور ہمت واستقامت کی یہ درخشاں مثالیں قیامت تک مسلم خواتین کے لئے مشعل راہ اور بہترین نمونہ عمل ہیں۔

ایک مسلمان خاتون کا اولین فریضہ ہے کہ وہ اپنی نجی زندگی کو اسلامی تعلیمات کے مطابق بنانے کی کوشش کرے اور ایسا تب ہی ممکن ہے کہ اسے دین کا علم حاصل ہو۔ جس کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ اسے روز مرہ کے ہر چھوٹے بڑے کام جو اسے معمول کے مطابق انجام دینا ہوتے ہیں کے بارے میں علم ہو کہ اس کے متعلق خدا تعالیٰ کا کیا حکم ہے اور محسن نسواں حضور ﷺ کا کیا طریقہ ہے یا اس کے بارے میں آپ ﷺ کی کیا ہدایات ہیں؟

تاریخ اسلام کے اوراق بتاتے ہیں کہ خواتین نے علم کے حصول کے لئے معلم انسانیت سے براہ راست رجوع کیا اور حصول علم کی درخواست کی۔

بخاری شریف میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ عورتوں نے حضور ﷺ سے کہا کہ مردوں نے آپ ﷺ سے ہماری نسبت زیادہ حصہ لیا ہے۔ آپ ﷺ ہمارے لئے ایک مخصوص دن رکھیں۔ آپ ﷺ نے ایک دن کا وعدہ فرمایا۔ اس میں آپ ﷺ ان سے ملے انہیں نصیحت کی اور صدقہ کا حکم دیا۔

مسند احمد میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ خواتین نے نبی کریم ﷺ سے مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے ایک جگہ کا تعین فرمایا اور تعلیم دی۔

خواتین بلا حجاب وتکلف حضور ﷺ سے سوال کرتیں اور آپ ﷺ انہیں جواب عطا فرماتے خواتین کا اجتماع ہوتا اور آپ ﷺ انہیں اسلامی تعلیمات سے روشناس کراتے۔ انصار کی خواتین تو حصول علم میں گہری دلچسپی لیتی تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

''انصار خواتین بہت اچھی ہیں کہ انہیں دینی بصیرت حاصل کرنے میں حیاء مانع نہیں ہوتی۔'' (فتح الباری)

معلم کتاب وحکمت حضور ﷺ نے صنف نازک کے لئے تعلیم لازمی قرار دیتے ہوئے کسی خاص قبیلہ، منصب یا حیثیت کی خواتین کے لئے خصوصی احکامات نہیں دیئے بلکہ ہر خاتون کو حصول علم کا مشورہ دیا۔ آپ ﷺ نے خواتین کے حصول علم کے لئے یہاں

تک واضح کر دیا کہ کنیزوں کو بھی تعلیم کی دولت سے مالا مال کیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اگر کسی کے پاس لونڈی (خادمہ) ہو تو اسے بھی تعلیم دے"۔

نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں خواتین علم و فضل کے اعتبار سے مردوں سے کمتر نہیں تھیں اس لئے کہ ان پر علم کے حصول کے دروازے کھول دیئے گئے تھے اسی لئے انہوں نے یہ مقام حاصل کیا۔ خواتین صحابیات نے صرف قرآن پاک کی تفسیر اور تعلیم ہی نہیں دی بلکہ وہ تبلیغ وترویج اشاعت اسلام کی جد وجہد میں بھی شریک رہیں۔ ایسی خواتین میں حضرت ام شریکؓ، حضرت فاطمہؓ بنت خطاب، اور حضرت ام سلیمؓ کے نام نمایاں ہیں۔

عہد نبوی ﷺ میں خواتین نے نہ صرف دینی علوم ہی میں مہارت حاصل کی بلکہ فقہ، تفسیر، حدیث، فتاویٰ، ادب، شاعری، تاریخ، طب، زراعت وتجارت میں بھی بلند مقام پیدا کیا۔ ازواج مطہراتؓ کے علاوہ ام ورقہؓ، حضرت ام سعد بنت اسعد ابن ربیع، حضرت ام ہشام بنت حارثہ، حضرت شفا بنت عبداللہ، حضرت نفیسہؓ، حضرت رائطہ بنت حیانؓ اور حضرت ہند بنت اسیدؓ کو قرآن پاک کے کئی پارے حفظ تھے۔ وہ باقاعدہ درس دیا کرتی تھیں اور خواتین کو قرآن پاک پڑھایا کرتی تھیں۔

حضور ﷺ کی احادیث بیان کرنے والی خواتین میں حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ام سلمیٰؓ، حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ، حضرت ام ہانیؓ اور حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کے نام نمایاں ہیں۔ جبکہ فقہ میں امہات المومنین، دختر رسول سیدہ فاطمہؓ کے علاوہ حضرت لیلیٰ بنت قائف، حضرت خولہ بنت تویتؓ، حضرت ام درداءؓ، حضرت زینب بنت ابوسلمہؓ، حضرت ام ایمنؓ اور حضرت ام یوسفؓ نے بڑی شہرت پائی۔ طب کے شعبہ میں جن صحابیات کا نام روشن ہے ان میں حضرت رفیدہؓ، حضرت ام مطاعؓ، حضرت ام زیادؓ، حضرت امیمہؓ، حضرت ام عطیہؓ، حضرت ام سلیمؓ اور حضرت ربیع بنت مسعودؓ شامل ہیں

عہد نبوی ﷺ میں علم اسرار میں حضرت ام سلمہؓ، علم الفرائض میں حضرت عائشہ صدیقہؓ، علم خطابت میں حضرت اسماء بنت سکنؓ اور علم تعبیہ میں حضرت اسماء بنت عمیسؓ درجہ کمال پر فائز تھیں۔ شاعری میں حضرت صفیہؓ، حضرت زینب بنت عوامؓ، حضرت عاتکہ بنت زیدؓ، حضرت بنت اثاثہؓ، حضرت رقیہ بنت زیادؓ، حضرت کہثہ بنت رافعؓ کو نمایاں مقام حاصل تھا۔

خواتین کی ایک اہم ذمہ داری، اولاد کی صحیح پرورش اور تربیت ہے۔ یہ فریضہ بڑی اہمیت کا حامل ہے کسی انسان کے اچھا یا برا ہونے میں تربیت کا بڑا دخل ہوتا ہے جو اسے ماں کی گود سے ملتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایک ماں علم وآگہی، قابلیت وذہانت، اخلاق وکردار اور دین داری کے اعتبار سے کامل ہو، تاکہ نسل انسانی کی پرورش وتربیت بہتر انداز میں کی جاسکے اور معاشرے کو صالح، باکردار اور مفید افراد مہیا ہوسکیں۔

ضرورت اس بات کی ہے ہم جو آپ ﷺ کے نام لیوا ہیں آپ ﷺ کے امتی اور غلام ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کی روشن اور پاکیزہ تعلیمات کو حرز جان بنائیں اور انہیں پھیلانے کی سعی کریں تاکہ ساری انسانیت آپ کے پیغام رحمت سے روشناس ہوجائے۔ اللہ ہمیں توفیق دے۔ (آمین)

tsi **Metro sourcing**

Metro sourcing is "Hong Kong Based Group" working in Pakistan for last 3 years. Our Aimis to facilitate "Garment Industries" with our unique products & quality services.

Our Product Line:

Products:	BUTTONS	ZIPPERS	HANG TAG	LABELS

Unit #4,13-E/I1Gulberg III Lahore Pakistan.

PH#: 5717985-6, FAX:5717987, E mail Info@ metro sourcing.com

خون کی کمی (Anemia)

ڈاکٹر عظمیٰ نورین

☆ اینیمیا (Anemia) جسے عرفِ عام میں خون کی کمی کہا جاتا ہے، پوری دنیا میں بہت عام ہے۔ یہ ایک مرض بھی ہے اور بہت سی بیماریوں کی ایک علامت بھی ہے۔ خصوصاً ترقی پذیر ممالک میں یہ زیادہ پایا جاتا ہے۔ ایک بین الاقوامی جریدے کے مطابق ان ممالک کے کم آمدنی والے گھروں میں، ہر چھ میں سے ایک بچہ اس مرض میں مبتلا ہے۔ جس کی وجہ ان ممالک میں اعلیٰ معیار کی صفائی نہ ہونا، غربت اور جہالت ہیں جو کئی اور بیماریوں کا موجب بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہاں ہر جگہ بے شمار ایسے بچے اور بڑے نظر آتے ہیں جن کے چہرے زرد تھکے ہوئے اور پریشان ہوتے ہیں۔ یہ لوگ دیگر بیماریوں میں بھی زیادہ مبتلا ہوتے ہیں۔ ان میں اینیمیا زیادہ تر فولاد کی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے جو کہ قابلِ علاج ہے اور جس سے بچاؤ بھی ممکن ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں بھی یہ مرض زیادہ لیکن وہاں زیادہ تر اس کی وجہ دیگر بیماریاں ہیں جن کی علامت کے طور پر Anemia ظاہر ہوتا ہے۔ امریکہ میں 3.4 ملین افراد Anemia میں مبتلا ہیں۔

Anemia کیا ہے؟ دراصل ہمارے خون میں موجود لال خلیوں یا ان میں موجود ایک لال رنگ کے کیمیکل ہیموگلوبن کی کمی کو Anemia کہتے ہیں۔ جس سے لال خلیے جسم کے ہر خلیے تک صحیح مقدار میں آکسیجن نہیں پہنچا سکتے اور جسم میں طاقت کی کمی ہو جاتی ہے۔ اگر اس کا علاج نہ کیا جائے تو یہ جان لیوا بھی ثابت ہوسکتا ہے کیونکہ شدید Anemia میں دل کو زیادہ کام کرنا پڑتا ہے اور اس کی کارکردگی متاثر ہوسکتی ہے۔

اس کی وجوہات جاننے کے لئے ضروری ہے کہ ہم یہ جانیں کہ خون کیسے بنتا ہے اور اسے بنانے کے لیے کن اجزاء کی ضرورت ہوتی ہے۔ خون کے دو بڑے اجزاء ہوتے ہیں۔ ایک جزو تو پانی یا Plasma ہے۔ جس میں جسم کی ضروریات کے لیے دیگر اجزاء بھی شامل ہوتے ہیں۔ دوسرا جز خون کے خلیے ہیں جو تین قسم کے ہیں۔

1- لال خلیئے:

ان کا کام جسم کے ہر حصے میں آکسیجن پہنچانا ہے۔ تعداد میں یہ کافی زیادہ ہوتے ہیں۔ بڑوں میں یہ ہڈیوں میں بنتے ہیں خصوصاً لمبی ہڈیوں، مہروں میں، سینے اور کولہوں کی ہڈیوں میں بنتے ہیں۔ ان خلیوں کی اہمیت اس کے اندر موجود لال رنگ کے ہیموگلوبن کی وجہ سے ہے کیونکہ یہی دراصل کام کرتا ہے۔

2- سفید خلیئے:

یہ جسم میں قوتِ مدافعت پیدا کرتے ہیں۔ انہیں جسم کی پولیس کہتے ہیں۔

3- پلیٹلٹس (Platlets):

یہ خون کو بہنے سے روکتے ہیں۔

لال خلیوں کو بنانے کے لیے سب سے اہم اجزاء جن کی ضرورت ہوتی ہے وہ یہ ہیں۔

خوراک:

آئرن یا فولاد، وٹامن خصوصاً B12 اور Folic acid جو سب سے اہم ہیں۔ B12 گوشت سے حاصل ہوتا ہے اور فولک ایسڈ سبزیوں، پھلوں اور سلاد سے حاصل ہوتا ہے۔

دھاتیں بھی اہم ہوتی ہیں۔ مثلاً جست یا Zinc، میگنیشیم، سوڈیم اور پوٹاشیم وغیرہ جو کہ سبزیوں اور پھلوں سے ملتی ہیں۔

جسم کے ہارمون:

ہمارے جسم کے اندر ایسے کیمیکل یا ہارمون ہیں جو خون بنانے میں مدد کرتے ہیں مثلاً گردوں سے Erythropoietin بنتا ہے جو کہ دواؤں کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اگر گردے فیل ہو جائیں۔

لال خلیوں کی عمر تقریباً 120 دن ہوتی ہے۔ یعنی اتنی دیر بعد پرانے خلیے تباہ ہو جاتے ہیں اور نئے بن جاتے ہیں۔

خون کی کمی کی وجوہات

1- خون کا کم بننا: اس کی بھی بہت سی وجوہات ہیں۔ مثلاً

☆ خوراک میں خون بنانے والے اجزاء کی کمی:

خصوصاً فولاد کی کمی تو بہت ہی زیادہ عام اور اہم ہے۔ تقریباً پوری دنیا میں 25 فیصد افراد کو فولاد کی کمی سے Anemia ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ خوراک میں کمی کے علاوہ جسم کی ایسی حالت بھی ہوسکتی ہے جب فولاد کی ضرورت بہت بڑھ جاتی ہے مثلاً نو سے انیس سال تک کے بڑھتے بچے، بیمار افراد اور خواتین۔ ان سب میں لال خلیئے ضرورت کے لحاظ سے بہت زیادہ بن رہے ہوتے ہیں اور فولاد کی ضرورت بڑھ جاتی ہے جو اگر پوری نہ کی جائے تو بہت جلد کمی ہو جاتی ہے اور

خون کم بننے لگتا ہے۔اس کے علاوہ فولاد خوراک میں تو ہو لیکن جذب نہ ہو رہا ہو، خون بہہ رہا ہو چوٹ سے یا جسم کے اندر مختلف بیماریوں سے جو بعد میں بیان کی جائیں گی، لیکن اُن میں سے سب سے اہم وجہ آنتوں کے خاص کیڑے Hook worms ہیں جو خون چوستے ہیں اور کافی عام ہیں۔

☆ خون بنانے والے ہارمون کی کمی: جو خصوصاً گردوں کی بیماری یا فیل ہونے کے بعد ہوتی ہے۔

☆ہڈیوں میں خون بنانے والے خلیوں کی تباہی یا Aplastic Anemia: اس کی وجہ مختلف ادویہ ہیں یا پیدائشی نقص جس میں ہڈیوں میں موجود خلیئے ہی تباہ ہو جاتے ہیں جس سے خون کے سارے خلیے یا تو بنتے ہی نہیں یا بہت کم بنتے ہیں اور نتیجتاً خون میں کم لال خلیے شامل ہوتے ہیں اور خون کی کمی ظاہر ہو جاتی ہے۔

2-خون کے لال خلیوں کی تباہی:

اس کی وجوہات یہ ہیں۔

☆موروثی یا پیدائشی لال خلیوں کی بیماریاں:

ان بیماریوں میں پیدائش سے پہلے یا فوراً بعد کچھ ماہ یا سال بعد بچوں کے لال خلیوں کی توڑ پھوڑ ہونے لگتی ہے جس کی وجہ پیدائشی طور پر خراب لال خلیے ہوتے ہیں۔مثلاً تھیلیسیمیا جس کی دو اقسام ہیں۔ شدید قسم میں بچے کو تقریباً ہر ماہ یا 15 دن بعد خون لگتا ہے اور کم شدید قسم جس میں صرف ہلکی پیلاہٹ ہو سکتی ہے لیکن علاج کی ضرورت نہیں ہوتی۔اس کے علاوہ Sickle cell anemia وغیرہ شامل ہیں جس میں لال خلیے چپٹی گول شکل کے بجائے بالکل گول اور مرچ جیسی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور جلد ہی تباہ ہو جاتے ہیں۔

☆انفیکشن: سب سے اہم اور عام وجہ ملیریا ہے۔ جس میں ہر سردی کے حملے کے وقت لال خلیوں کی توڑ پھوڑ ہوتی ہے جو خون کی شدید کمی کا باعث بن سکتی ہے۔

☆ادویہ: مثلاً کچھ اینٹی بائیوٹیکس جو کہ پہلے سے ہی خراب خلیوں کو تباہ کر کے Anemia کا باعث بنتی ہیں۔ایسا بہت کم ہوتا ہے۔

☆ حادثات: مثلاً جسم کے بڑے حصے کا جل جانا، بہت زیادہ مقدار میں شعاؤں کا استعمال۔

☆ وٹامن کی کمی: وٹامن B12 اور Folic acid کی کمی سے بھی لال خلیے بڑے ہو جاتے ہیں اور جلد ٹوٹ جاتے ہیں۔ Folic acid کی کمی عام ہے۔

3-خون کا ضیاع:

یہ بیرونی بھی ہو سکتا ہے اور جسم کے اندر بھی۔

☆ حادثات: اس سے بیرونی طور پر خون بہتا ہے خصوصاً بڑی شریانوں کے زخمی ہونے سے بہت زیادہ خون بہتا ہے۔یہ عام وجہ نہیں۔

☆ پیٹ کے کیڑے Hook worms: یہ پوری دنیا میں سب سے زیادہ عام وجہ ہے۔خصوصاً ترقی پذیر ممالک میں تو یہ بہت عام ہے۔یہ کیڑے بہت چھوٹے ہوتے ہیں لیکن ایک کیڑا ایک دن میں تقریباً 0.1 سے 0.2 ملی لیٹر خون چوس سکتا ہے۔اس کے علاوہ لمبے چپٹے کیڑے Tapeworms بھی ایک خاص قسم کے Anemia کا باعث بن سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ وٹامن B12 کی کمی واقع کر دیتے ہیں۔

☆ خواتین کی بیماریاں: یہ پوری دنیا میں خواتین میں خون کی کمی کی سب سے عام وجہ ہے۔اگر ایک مہینے میں 100 ملی لیٹر یا اس سے زیادہ خون بہہ جائے تو خون کی کمی واقع ہو جاتی ہے بشرطیکہ فولاد کی کمی ساتھ ساتھ پوری نہ کی جائے۔ جو کہ خوراک اور ادویہ دونوں کے ذریعے ہی ممکن ہے۔اور ساتھ ہی بیماری کا علاج بھی ضروری ہے۔

☆ پیٹ اور آنتوں کی بیماریاں: خون ضائع ہونے کی یہ بھی اہم اور عام وجہ ہے۔خصوصاً پیٹ کی سوزش یا Gastritis میں تھوڑی تھوڑی مقدار میں پاخانے کے ذریعے خون نکلتا رہتا ہے۔مریض کو صرف ہلکی ہلکی پیٹ کی درد اور جلن ہوتی ہے۔اس کی سب سے عام وجہ ایک بیکٹریا ہے جسے Helicobacter کہتے ہیں۔ جو کہ پیٹ کے السر کا بھی سب سے زیادہ باعث ہوتا ہے۔اس مرض میں دائمی انیمیا یا Chronic Anemia ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ آنتوں کا کینسر جو کہ بوڑھے افراد میں زیادہ ہوتا ہے یا ان لوگوں میں جن میں آنتوں کا کینسر موروثی طور پر پایا جاتا ہے۔یہ اتنی زیادہ عام وجہ نہیں۔اس میں بھی تھوڑی یا زیادہ مقدار میں خون بہتا رہتا ہے۔

4-ہاضمے کی خرابی:

اس میں خوراک کے وہ اہم اجزاء جو خون بناتے ہیں اور جسم کو طاقت پہنچاتے ہیں وہ ہماری آنتوں سے خون میں جذب یا Absorb نہیں ہو پاتے۔اس کی بہت سی وجوہات ہیں مثلاً آنتوں کے جراثیم، سوزش، آپریشن وغیرہ۔

5-پرانی بیماریاں:

اس کو Anemia of chronic کہتے ہیں یعنی کسی لمبے عرصے سے لاحق بیماریوں کی وجہ سے انیمیا ہو جانا۔ اس کی وجہ کم خون بننا ہوتا ہے۔ یہ ایک اندازے کے مطابق پوری دنیا میں خون کی کمی کی دوسری بڑی وجہ ہے۔ مندرجہ ذیل بیماریوں یا امراض میں Anemia ہوسکتا ہے۔

☆ گردوں کا پرانا مرض ☆ ذیابیطس

☆ کینسر ☆ دل کے مریض ☆ ایڈز

☆ جوڑوں کے درد (Rheumatiod Arthritic) ☆ 65 سال سے زیادہ عمر کے افراد ☆ جن مریضوں کا آپریشن ہو گیا ہو۔

یہاں یہ بات کہنی ضروری ہے کہ مندرجہ بالا وجوہات میں سے زیادہ تر وجوہات بالآخر فولاد کی کمی کا ہی باعث بن جاتی ہیں کیونکہ جتنا خون ضائع ہوتا ہے اتنا بنانے کے لیے زیادہ فولاد کی ضرورت ہوتی ہے جو اگر صحیح مقدار میں نہ ملے تو کمی ہو جاتی ہے۔ اور لال خلیے بننے کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر قسم کے Aneimia کا علاج فولاد سے ہوتا ہے۔

علامات: یہ دو قسم کی ہوتی ہیں۔

وہ علامات جو ہر قسم کے Anemia میں ظاہر ہوتی ہیں۔ تھکاوٹ، سر میں درد، چکر اور بے ہوشی

یہ تین علامات بے حد عام اور سب سے پہلے ظاہر ہوتی ہیں۔ لیکن یہ اور کئی قسم کی بیماریوں میں ہوتی ہیں لہٰذا ڈاکٹر سے رجوع کر کے تشخیص کروالینا ضروری ہے۔ ان کے علاوہ مندرجہ ذیل علامات بھی ہوسکتی ہیں۔

دل کی دھڑکن تیز ہونا، رنگ پیلا محسوس ہونا خصوصاً ہاتھ، ناخن اور پاؤں کے تلوے میں سرخی نہیں نظر آتی۔ یہ علامات کچھ لوگوں کو جلد اور کچھ کو دیر بعد یا شدید بیماری میں محسوس ہوتی ہیں۔

سانس میں تکلیف، انجائنا یا دل کا دورہ جو کہ سخت مشقت کے کام کے بعد ہوسکتا ہے۔ یہ شدید Anemia ہی میں ہوتا ہے۔ ٹانگوں میں درد۔

دل فیل ہونا: یہ بہت شدید Anemia میں ہوتا ہے۔ یہ مریض بہت دیر سے بیمار ہوتے ہیں اور خوراک اور علاج ٹھیک نہیں لیتے حتیٰ کہ اس حالت تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ زیادہ تر غریب خواتین میں ہوسکتا ہے۔

نظر کمزور ہونا یا بند ہو جانا: یہ بہت کم ہوتا ہے صرف ان مریضوں میں جن میں زیادہ مقدار میں خون بہہ جائے مثلاً حادثات کے بعد۔

2-وہ علامات جو خاص بیماریوں میں ظاہر ہوتی ہیں:

فولاد کی کمی میں: ناخنوں کا ٹوٹنا اور کبھی کبھار ''چمچے'' کی طرح چپٹا ہوا ہو جانا، ہونٹوں کے کونوں میں زخم ہو جانا، زبان کے اوپر چھوٹے دانے ختم ہو جانا جس سے زبان چمکتی ہوئی۔ بہت ملائم ہو جاتی ہے۔

بالوں کا سخت ہو جانا اور ٹوٹنا: چونکہ فولاد کی کمی کی وجہ سب سے عام ہے۔ لہٰذا اس کی علامات بھی بہت عام ہیں۔

تھیلیسیمیا میں: اس میں مریض بچوں کی ہڈیاں کمزور ہو جاتی ہیں اور ٹیڑھی ہوسکتی ہیں چہرہ خاص قسم کا چپٹا ہوا لگتا ہے۔ پیٹ میں تلی بڑھنے کی وجہ سے درد بھی ہوسکتا ہے۔

لال خلیوں کی تباہی: ان بیماریوں کے مریض میں پیلیا یا Jaundice ہو جاتا ہے۔ دوسری علامات بھی ہوتی ہیں۔ Jaundice میں آنکھیں سب سے پہلے پیلی ہوتی ہیں بعد میں ہاتھ اور پورے جسم کی جلد میں بھی پیلاہٹ ہو جاتی ہے اس کے علاوہ انگلیاں ناخن کے قریب موٹی ہوسکتی ہیں۔ شدید انیمیا میں ٹانگوں میں السر بھی ہوسکتے ہیں۔ یعنی جلد کا پھٹ جانا

تشخیص:

مریض کو اگر مندرجہ بالا علامات ہوں تو ڈاکٹر سے فوراً رجوع کرنا چاہیے تاکہ تشخیص ہوسکے کہ Anemia کی وجہ کیا ہے۔ ورنہ دیر کرنے سے نقصان ہوسکتا ہے۔ ڈاکٹر معائنہ کرنے کے بعد مختلف خون کے ٹیسٹ کروا کر آسانی سے تشخیص کرسکتے ہیں۔ سب سے عام اور سستا ٹیسٹ بلڈ سی پی ہوتا ہے۔ جس میں ڈاکٹر لال خلیوں کی تعداد اور ہیموگلوبن دیکھتے ہیں۔ خواتین میں صحیح تعداد، خون کے ہر ملی لیٹر میں تقریباً ساڑھے چار ملین لال خلیے ہے۔ اور مردوں میں تقریباً پانچ ملین سے زیادہ ہے۔

ہیموگلوبن خواتین میں 12 سے 14 فیصد اور مردوں میں 14 سے 16 فیصد ہونا ضروری ہے۔ اس سے کم تعداد ہو تو Anemia کہلاتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی اہم ہے کہ کچھ لوگوں کو میں خاندانی طور پر زیادہ یا کم لال خلیے ہوتے ہیں۔ مثلاً پٹھان یا پہاڑی علاقوں کے لوگوں میں Hb% خواتین میں بھی 14 یا 15 فیصد ہوتا ہے۔ ان کو Anemia کم ہی ہوتا ہے۔

علاج:

تشخیص ہونے کے بعد یعنی Anemia کی وجہ معلوم ہونے کے بعد اس سبب کے لحاظ سے علاج کیا جاتا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر قسم کے Anemia کا علاج فولاد سے ہو کیونکہ بعض بیماریوں میں فولاد سے نقصان بھی ہوسکتا ہے۔ یہ فیصلہ ڈاکٹر ہی کرتے ہیں کہ آپ کو کس قسم کے علاج کی ضرورت ہے یعنی صرف خوراک میں تبدیلی سے یا دواؤں سے علاج ہونا چاہیے۔

فولاد کی کمی کے Anemia کا علاج:

اس کا علاج فولاد کی گولیاں ہیں۔ ڈاکٹر کے مشورے سے ہی استعمال کرنی چاہیے۔ زیادہ تر ہر روز ایک گولی کھانے کے لیے دی جاتی ہے۔ لیکن مسلسل تقریباً 6 ماہ استعمال کرنا ہوتا ہے۔ ہر ماہ باقاعدہ خون ٹیسٹ کرانے سے یہ معلوم ہوتا رہتا ہے۔ کہ خون کی کمی پوری ہو رہی ہے یا نہیں اگر کمی پوری ہو جائے تو مزید دوا کی ضرورت نہیں رہتی۔ دواؤں کو خالی پیٹ لینا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ اگر مریض کو متلی، ڈائریا یا قبض ہو جائے تو کھانے کے ساتھ لینا یا کسی اور طرح کی گولیاں ڈاکٹر دیتے ہیں۔ جس میں فولاد تھوڑی کم ہوتی ہے۔ یہ فیصلہ آپ کے ڈاکٹر ہی کر سکتے ہیں۔ کہ آپ کے لیے کونسی گولیاں بہتر ہیں۔

اگر پھر بھی مریض کا Anemia ٹھیک نہ ہو تو اس کی وجہ مسلسل خون کا ضیاع ہو سکتا ہے یا فولاد جذب نہیں ہو رہی یا مریض صحیح وقت پر ہر روز دوا نہیں لے رہا یا مریض کو فولاد کی کمی کی وجہ سے Anemia نہیں ہے۔ اس موقع پر ڈاکٹر انجکشن سے بھی فولاد دے سکتے ہیں۔

وٹامن B12 اور Folic acid کی کمی کا Anemia:

گولیوں یا انجکشن کے ذریعے ان کی کمی پوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیادہ تر خواتین اور ملیریا کے مریضوں میں ہوتا ہے یا غریب بیمار لوگوں میں جن کی خوراک ٹھیک نہ ہو اور بہت سے اجزاء کی کمی کے علاوہ اس وٹامن کی کمی ہو گئی ہو۔ وٹامن B12 کی کمی ہوتی ہے کیونکہ یہ وٹامن ہمارے جگر میں اتنی مقدار تک محفوظ ہوتا ہے کہ 3 سال تک کمی پوری ہو سکتی ہے۔ Folic acid زیادہ تر کچی سبزیوں میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اسکی کمی صرف گوشت بہت زیادہ کھانے والوں میں یا پھل سبزیاں اور سلاد نہ کھانے والوں میں ہوتی ہے جو کہ عام ہے۔

3- تھیلیسمیا اور دیگر موروثی بیماریاں:

ان کا علاج زیادہ تر بار بار خون لگنا ہی ہوتا ہے یا بون میرو ٹرانسپلانٹیشن ہوتا ہے۔ ان میں بار بار خون لگنے سے فولاد کی زیادتی بھی ہو جاتی ہے جسکا علاج ساتھ ہی کیا جاتا ہے۔

4- Hook worm کا علاج:

اسکا علاج بے حد آسان ہے جو اگر بروقت کر لیا جائے تو ہمارے ملک کا بہت بڑا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ دوا کی صرف چند خوراکوں سے یہ کیڑے مر کر پاخانے سے نکل جاتے ہیں۔ ان ادویہ کو Anti Helminthics کہتے ہیں۔ جن میں Pyrental Palmoate اور Mebendazole سب سے اچھی ادویہ ہیں۔

5- پیٹ کی بیماروں کا علاج:

H.Pylori سے ہونے والی پیٹ کی سوزش کے لئے خاص اینٹی بائیوٹکس ہوتی ہیں۔ اگر سوزش ڈسپرین سے ہے تو اسکو چھوڑ دیں سوزش ختم ہونے سے پیٹ میں زخم نہیں بنتے اور خون نہیں بہتا جس سے خون کی کمی واقع نہیں ہوتی۔

اس کے علاوہ جو بھی بیماری Anemia کا سبب ہے ڈاکٹر سے اسکی بروقت صحیح تشخیص کروا کر مکمل علاج کروانا ضروری ہے۔

بچاؤ:

1- خوراک: انیمیا کے بچاؤ کا سب سے آسان اور مؤثر طریقہ خوراک کا صحیح استعمال ہے۔ اپنی خوراک میں فولاد اور وٹامن B12 کے لیے ہفتے میں تین سے چار مرتبہ گوشت شامل کرنا بہت ضروری ہے۔ خصوصاً مرغی، بکرے اور مچھلی کا گوشت سب سے اچھا ہے یا سبزیوں کے ساتھ گوشت شامل کرنا بہت اچھا ہے۔ Folic acid کے لیے ضروری ہے کہ سلاد کھایا جائے جس میں کچی سبزیاں اور سیب شامل ہوں کیونکہ پکانے سے یہ وٹامن ختم ہو جاتا ہے۔ پھل اور سبزیاں بکثرت استعمال کریں۔

خواتین کو اپنی خوراک کا خاص طور پر ہر وقت خیال رکھنا چاہیے کیونکہ ان کو مردوں سے زیادہ خوراک کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے لیے ہر روز ایک ابلا یا فرائی انڈا کھانا بہت مفید ہے۔ کیونکہ انڈے کی زردی میں کافی مقدار میں فولاد ہوتا ہے لیکن اگر خاندان میں خون میں کولسٹرول زیادہ ہے تو ہفتے میں تین یا چار مرتبہ انڈہ کھانا بہتر ہے۔ گوشت میں موجود فولاد سبزیوں میں موجود فولاد سے اچھے طریقے سے ہضم اور جذب ہوتا ہے۔ اس لئے فولاد کی کمی گوشت سے ہی بہترین طریقے سے پوری ہو سکتی ہے۔ کھجور بھی بہترین فولاد کا ذریعہ ہے۔ روز

کھانے کے بعد یا ناشتے میں دودھ کے ساتھ استعمال کرنا بہت مفید ہے۔ بڑھتے بچوں میں تو خوراک کا خاص خیال رکھنا بہت ضروری ہے کیونکہ کھیل کود اور کام کے لحاظ سے اگر خوراک نہ ملے تو بہت جلد Anemia ہوسکتا ہے۔ خصوصاً 9 سے 19 سال کے بچے خوراک صحیح نہیں لیتے۔

''پھل'' وٹامن اور دھاتیں حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ لیکن ان کو صحیح استعمال کرنے کا خاص طریقہ ہونا چاہیے۔ ایک بین الاقوامی پی۔ ایچ۔ ڈی ڈاکٹر Bannock کے مطابق فروٹ کھانے کا سب سے اچھا وقت کھانوں کے درمیانی وقفے میں ہوتا ہے۔ یعنی تقریباً 30 منٹ کھانے سے پہلے اور کم از کم 2 گھنٹے کھانے کے بعد فروٹ کھانا چاہیے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ فروٹ باقی غذا کی طرح ہضم نہیں ہوتا بلکہ مختلف طریقے سے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر اسکو کھانے کے بعد یا ساتھ کھایا جائے تو یہ گیس پیدا کرتا ہے۔ دراصل ان میں بھی اللہ تعالیٰ نے خوراک ہضم کرنے کے لیے Enzymes بنائے ہیں۔ جو اپنا کام خالی پیٹ میں اچھی طرح کرتے ہیں۔

جدید دور کے ساتھ گندم کو صاف کرنے کے طریقے، کھادوں اور اسپرے کا استعمال، کولڈ سٹوریج وغیرہ سے خوراک کی غذائیت میں کمی واقع ہو رہی ہے۔ لہٰذا اکثر اوقات دواؤں کی صورت میں یہ اہم غذائی اجزاء کھانے پڑتے ہیں۔

صفائی کے اصولوں پر عمل سے صاف خوراک ہمارے اندر جائیگی جس سے پیٹ اور آنتوں کی سوزش سے بچاؤ عین ممکن ہے۔

دواؤں کے ناجائز استعمال سے بچاؤ:

ڈاکٹر مشورہ کے بغیر یا اپنی مرضی سے زیادہ مقدار میں کچھ دوائیں لینے سے بھی پیٹ کی سوزش اور خون نکلنا شروع ہوجاتا ہے۔ خصوصاً ڈسپرین کے بے جا استعمال سے۔ اس کے لیے خاص احتیاط کرنی چاہیے۔

4- بیماریوں کا بروقت علاج: اس سے بعد میں ہونے والے Anemia کے مضر اثرات سے باآسانی بچا جاسکتا ہے۔

5- عمر رسیدہ افراد کا خصوصی خیال: چونکہ اس عمر میں بزرگ افراد اپنا خود خیال نہیں رکھ سکتے۔ ان کی خوراک کا خیال رکھنا ہمارا فرض ہے۔ خصوصاً دودھ، گوشت اور انڈے مناسب طریقے اور وقت پر دینا ضروری ہے۔

6- غریب لوگوں میں Anemia کے مرض کو ختم کرنے کے لیے اقدام:

چونکہ ہمارے ملک کا بڑا حصہ اِن افراد پر مشتمل ہے۔ یہ لوگ اپنی خوراک کا خیال جہالت اور غربت کی وجہ سے خود ٹھیک طرح نہیں رکھتے لہٰذا اگر پڑھے لکھے اور مخیر حضرات جہاں تک ممکن ہو اپنے گھر کے نوکروں اور ان کے بچوں کو اچھی خوراک فراہم کریں، ان میں بیماری کی علامات پہچان کر ان کو علاج کا مشورہ دیں یا علاج کروادیں جو کہ کافی سستا ہوتا ہے یا اُن کو گاہے بگاہے بتاتے رہیں کہ خوراک کیسے کھانی چاہیئے اور صفائی کا خیال رکھیں تو اِن لوگوں کی صحت کافی بہتر ہو سکتی ہے اور Anemia کی کافی وجوہات کا سدباب ہوسکتا ہے۔ وہ بہترین شہری بن سکتے ہیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ آپ سے خوش ہوں گے۔ آپ اور ہم معاشرے کو بہتر کرنے میں اپنا کردار ادا کریں گے تو ہم اِن بچوں کے چہروں پر بھی صحت مند مسکراہٹ بکھیر سکتے ہیں جس سے لاکھوں تھکے ہوئے بیمار افراد اچھی طرح سے کام کرنے کے قابل ہوجائیں گے۔ انشاء اللہ۔ ❁

مکتوب نبوی ﷺ

محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے، معاذ بن جبلؓ کے نام

السلام علیک، میں خدائے واحد کی حمد کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ تمہارا اجر بڑھائے اور تمہارے غم گین دل کو صبر عطا فرمائے، اور شکرِ الٰہی کی توفیق بخشے۔

حقیقت میں ہماری جانیں، ہمارے اہل وعیال اور ہمارے اموال اللہ کے عطیات میں سے مستعار امانتیں ہیں۔ جب تک چاہتا ہے اپنے بندے کو اُس سے بہرہ ور فرماتا ہے۔ اور جب وقتِ مقررہ آجاتا ہے تو واپس لے لیتا ہے۔

بندے کا فرض ہے کہ اللہ جب کوئی نعمت عطا فرمائے تو اس کا شکر ادا کرے، اور جب وہ نعمت واپس لے لی جائے تو صبر کرنا چاہیے۔

تمہارا فرزند اللہ کی ایک اچھی امانت تھا، اس نے جب تک چاہا تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈا رکھا اور جب چاہا اجرِ عظیم کے عوض میں تم سے لے لیا، بشرطیکہ تم اللہ کی رضا پر صبر اختیار کرو۔

اے معاذؓ! اگر تم نے بے صبری اختیار کی تو تم اللہ کے یہاں اپنے اجر و ثواب کو ضائع کردو گے۔ اگر تمہیں یہ معلوم ہوجائے کہ اس صدمے پر تمہیں کس قدر اجر و ثواب اللہ کے یہاں دیا گیا ہے تو یہ صدمہ تمہاری نظر میں حقیر بن جائے گا۔

مصیبت اور تکلیف پر صبر کرنے والوں سے اللہ نے جو وعدہ کیا ہے بلاشبہ آخرت میں تم اُسے پورا پورا پاؤ گے، اللہ کے وعدے سے تمہارا غم ہلکا ہوجانا چاہیے، جو ہونے والا ہے وہ ضرور پورا ہوکر رہتا ہے۔

والسلام

محمد رسول اللہ ﷺ

کہکشاں

عائشہ رسول ہاشمی

وقت کی پابندی

☆ وقت ایک انمول خزانہ ہے اسے اچھے کاموں میں صرف کرنا چاہیے۔

☆ وقت کی پابندی ہر انسان کو کرنا چاہیے۔اس سے زندگی میں تنظیم پیدا ہوتی ہے۔

☆ انسان اگر وقت ضائع کرے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ انسان وقت کو ضائع نہیں کر رہا بلکہ وقت انسان کو ضائع کر رہا ہے۔

☆ وقت کی پابندی سے انسان میں وقار پیدا ہوتا ہے۔

☆ وقت ہی آگے چل کر انسان کو شعور عطا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر

بہلول ہارون الرشید کے زمانے میں ایک مجذوب بزرگ تھے۔ایک مرتبہ کسی قبر میں پاؤں لٹکائے مٹی سے کھیل رہے تھے ،کسی نے پوچھا: بہلول! یہاں کیا کر رہے ہو؟ کہنے لگے: ایسے لوگوں کے پاس ہوں کہ اگر ان کی صحبت میں رہوں تو مجھے تکلیف نہیں دیتے اور ان سے دور رہوں تو میری غیبت نہیں کرتے۔

پوچھنے والے شخص نے کہا: مہنگائی بہت بڑھ گئی ہے اس کی کمی کے لیے دعا کریں۔فرمایا: ''خدا کی قسم! مجھے کوئی پرواہ نہیں، چاہے گندم کے دانے کی قیمت ایک دینار ہی کیوں نہ ہو جائے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر یہ حق ہے کہ اس کے حکم کے مطابق اس کی عبادت کریں اور اللہ تعالیٰ پر ہمارا حق ہے کہ وہ اپنے وعدے کے مطابق ہمیں رزق دے، جب رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی ہے تو فکر کرنے کی مجھے کیا ضرورت ہے؟

کچن کارنر

چکن جل فریزی

اشیاء: چکن ایک عدد۔نمک آدھا چائے کا چمچ۔سرخ مرچ ایک چائے کا چمچ، ادرک دو کھانے کے چمچ۔گھی آدھا کپ۔ٹماٹر اور ہرا دھنیا باریک کاٹ لیں۔

ترکیب: پہلے چکن کو ابال لیں اور بوٹیاں ہڈی سے اتار لیں۔اب گھی میں ابلا ہوا چکن، سرخ مرچ ،ادرک اور تھوڑا سا پانی ڈال کر فرائی کریں تا کہ پیاز گل جائے اب اسمیں ٹماٹر ڈال کر دم پر دے دیں جب پانی آدھا رہ جائے تو ہری مرچ اور دھنیا ڈال دیں اور دو منٹ بعد اتار لیں۔روٹی اور نان کے ساتھ کھائیں۔

دوستی

☆ اچھا دوست حاصل کرنے کے لیے پہلے خود اچھے بنو۔

☆ دوست خدا کا انمول تحفہ ہے اور یہ تحفہ قسمت والوں کو ہی ملتا ہے۔

☆ دوستی کرنے کے بعد دوست کو سچا پیار دو اس سے دھوکہ اور بے وفائی نہ کرو۔

☆ دوستی کی بنیاد ہی اعتماد ہے۔

☆ دوست سے کبھی بھی ایسی بات نہ کہو جس سے اس کا دل ٹوٹ جائے۔

☆ اچھے دوست کی دوستی ایک چھت کی مانند ہے جو آپ کو دھوپ اور بارش سے بچاتی ہے۔

☆ مخلص دوست ہزار بار روٹھے تو اسے مناؤ کہ اچھے دوست بار بار نہیں ملتے۔

☆ اپنے دوست کو ایسا تحفہ دو جس سے آپ کا خلوص اور ذوق ظاہر ہو۔

زلزلے کہاں زیادہ آتے ہیں

زلزلہ ایک قدرتی آفت ہے۔سائنس دان اس پر مسلسل تحقیق کر رہے ہیں اور وہ ان علاقوں پر جہاں بڑے زلزلے آتے ہیں اپنی نظر رکھتے ہیں۔وہاں مختلف آلات کے ذریعے مانیٹرنگ کی جاتی ہے۔ اس تحقیق سے جو نتائج سامنے آئے ہیں وہ یہ ہیں کہ زلزلے چند مخصوص زون یا علاقوں میں زیادہ آتے ہیں۔زلزلے عموماً ایسے علاقوں میں زیادہ آتے ہیں جہاں سمندروں کے قریب جزیرے اور پہاڑیاں ہوں۔

زلزلوں کا پتا لگانے والے اور اس پر تحقیق کرنے والے ماہرین کو سیسمولوجسٹ کہا جاتا ہے اور اب ایسے سیسمومیٹرز لگائے جا چکے ہیں جو زلزلے سے قبل آنے والے ہلکے جھٹکوں کو محسوس کر کے زلزلے کی خبر دے دیتے ہیں۔

زلزلے کو ناپنے والے اسکیل

زلزلے کی شدت کو دو اسکیلز کے ذریعے ناپا جاتا ہے۔دی مرکلی اسکیل اس کے اثرات سے شدت کو ناپا جاتا ہے۔یہ ''غیر محسوس'' یعنی نمبر 1 سے ''مکمل تباہی'' یعنی نمبر 12 تک زلزلے کو ناپ سکتا ہے۔جبکہ ریکٹر اسکیل شاک ویوز یا جھٹکوں کے تناسب سے زلزلے کو ناپتا ہے۔

عزیز القدر بھائیو اور بہنو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

بلاشبہ اللہ کے قرب ولقاء اس کی معرفت وحکمت اور دیدار کے حصول کا آسان اور موثر راستہ سرکار ابد قرار احمد مختار ﷺ کا اتباع یعنی اسوۂ حسنہ اختیار کرنا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا

"تم میں سے ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ سے ملاقات اور یوم آخرت کا امیدوار ہو،

رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس، اتباع کے لیے ایک بہترین نمونہ ہیں۔ (الاحزاب:۲۱)

آپ ﷺ بہترین اخلاق پر ہیں اور اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں لیے رحمت بنا کر بھیجا حضور سرورِ کائنات ﷺ کے بہترین امتی ہونے کے ناطے ہم سب بہن بھائیوں کا اخلاق مثالی ہونا چاہیے۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ نہ صرف اخلاقِ عالیہ کے اعلیٰ ترین منصب پر فائز ہیں بلکہ آپ ﷺ کے ارشادِ گرامی کے مطابق آپ ﷺ کو مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا، اخلاقِ عالیہ کیا ہے؟ اعلیٰ سیرت وکردار اور حقوق کی بخوشی ادائیگی۔ اخلاق عبادت ہے۔ صداقت وامانت، صبر و استقامت، تقویٰ وطہارت، حیا اور سادگی، ایفائے عہد، نرم مزاجی، عدل واحسان، شکر ورحمت اور غریب پروری جیسے اوصاف سے حضور سرکار دوعالم ﷺ کی شخصیت مبارکہ ایسے ہی اعلیٰ اوصاف کا مرقع ہے۔ تو آیئے اتباع رسول ﷺ کے حوالے سے ہم اپنے دلوں پر دستک دیں اور دیکھیں کہ کیا ہم:

1- احکام الٰہی کو اپنی خواہشات پر مقدم رکھتے ہیں؟

2- احکام الٰہی اور اتباع رسول ﷺ کے معاملے میں مستقل مزاج صابر اور ثابت قدم ہیں؟

3- نماز کی پابندی سختی سے کرتے ہیں؟

4- توبہ استغفار اور درود وسلام کو مستقل وظیفہ کے طور پر جاری رکھے ہوئے ہیں؟

5- ذکر الٰہی اور تبلیغ دین کا حق پوری طرح ادا کرتے ہیں؟

6- اپنے فرائض منصبی، حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پوری تندہی سے ادا کرتے ہیں؟

7- عفت وعصمت وشرم وحیاء پارسائی اور پاکدامنی کی زندگی گذارتے ہیں؟

8- اپنی زندگی کے ہر شعبے میں سچائی اور ایمانداری کو اپناتے ہیں؟

9- زکوٰۃ صدقات اور حلقہ فنڈ کی ادائیگی باقاعدگی سے کرتے ہیں؟

10- اپنے عزیز واقارب اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک، صلہ رحمی اور احسان کا رویہ رکھتے ہیں؟

سب بھائیوں اور بہنوں سے درخواست ہے کہ اس سوالنامہ پر غور فرمائیں اور اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کا پختہ عزم کریں کہ قیامت کے دن سرخرو اٹھائیں جائیں

آپ احباب سے مزید درخواست ہے کہ اپنے ایسے احباب کے نام اور پتہ جات ہمیں ارسال فرمائیں جنہیں آپ ماہنامہ مومن سے متعارف کروانا پسند فرماتے ہوں۔

مزین رسول ہاشمی

LA
Louis Arden
Louis Arden
QUARTZ
Louis Arden
QUARTZ
Distributors: Jasina Trading Est.
P.O.Box: 15700, Deira, Dubai, U.A.E. Tel: +971 4 2233928
Fax: +9714 2272296 E-mail: jaseena@emirates.net.ae

ماہنامہ
مومن
لاہور
نومبر 2002

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ

ماہنامہ مومن لاہور

جلد نمبر 3 شمارہ نمبر 11 نومبر 2002ء

صدر نشین: غلام رسول شاہد

نگران و منتظم: محترمہ ام کلثوم خان

مدیر: مزین رسول ہاشمی

قانونی مشیر: خلیل احمد ایڈووکیٹ

سرکولیشن منیجر: غلام مجتبیٰ

زیر سرپرستی

سلسلۂ عالیہ توحیدیہ

G-92 ماڈل ٹاؤن لاہور

بدل اشتراک

	فی شمارہ	سالانہ
پاکستان	20روپے	200روپے
انگلستان	1پونڈ	10پونڈ
سعودی عرب	4ریال	40ریال
متحدہ عرب امارات	4درہم	40درہم

خط و کتابت: پوسٹ بکس نمبر 5050 لاہور پاکستان

اشتہارات و ترسیل زر: B-12 سٹی ٹاور 12 ایبٹ روڈ رائل پارک لاہور پاکستان

موبائل: 0300-8466331

فون: 6373219-9242+ فیکس: 5881290-9242+

email:rasul92@hotmail.com

www.momin.biz

برکتوں اور نعمتوں سے مالا مال ماہِ صیام کی آمد آمد ہے۔ یہ شہر الاسلام ہے۔ اللہ کا خاص مہینہ ہے۔ جس میں ابواب رحمت کھول دیئے جاتے ہیں اور شیاطین پابہ زنجیر کر دیئے جاتے ہیں۔ روزہ دار اور پرہیز گار بندے اپنے خالق یکتا کے مہمان ہوتے ہیں اور اس کے خوانِ بیکراں سے نعمتوں کے نوالے چنتے ہیں نیز صوم و صلوٰۃ، انفاق و زکوٰۃ، نہی از منکرات، طاعت و عبادات اور ادائے خیرات و صدقات کے ذریعے خوشنودی خدا اور رضائے رسول ﷺ کی سعی کرتے ہیں۔ عنایت ایزدی سے نزول قرآن مجید فرقان حمید بھی اسی ماہ مقدس میں ہوا اور یوں لیلۃ القدر بھی اسی ماہ کے مقدر میں ہے جو ہزاروں مہینوں سے افضل و برتر ہے۔ جس میں فرشتے اور روح القدس اذن ربی سے زمین پر اترتے ہیں اور طلوع فجر تک سلامتی ہی سلامتی ہے۔ گویا یہ طلوع فجر طلوع اسلام کی عکاس ہے۔ تجدید عہد کا وقت ہے۔ بہارِ قرآن کا موسم ہے اس مقدس مہینے اور خیر و سلامتی کی ضامن شب قدر میں تلاوت قرآن اور قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے بہترین مواقع ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ان بابرکت اوقات میں قرآن مجید پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگیوں کو اسلام کے زریں اصولوں کے ڈھانچے میں ڈھال لیں کیوں کہ قرآن ہی وہ ''حبل المتین'' ہے جسے تھام کر انسان ظلمتوں میں بھٹکنے سے نجات حاصل کر سکتا ہے اور تعمیر و ترقی کی راہوں پر گامزن ہو سکتا ہے۔

صدر نشین

حسن انتخاب

عنوان	مصنف	صفحہ
علم القرآن	حافظ مشتاق احمد	5
تطہیر قلب	غلام رسول شاہد	7
معلم قرآن	شیر محمد خان	9
قوتِ برداشت	خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ	13
روزے ضرورت و اہمیت	سید زوار حسین	17
قرآن اور رمضان	حکیم محمد سعید	19
تلاوتِ قرآن کے آداب	خرم مراد	20
قرآن کی عظمت	زاہد ملک	25
قرآن اور سائنس	ڈاکٹر فضل کریم	32
رمضان المبارک	سید داؤد غزنوی	35
قرآن اور اکیسویں صدی	احسن اقبال	41
حضرت ہودؑ	شفاعت رسول	42
حضرت علیؓ	مزین رسول	45
بحق خواجہ عارف	محمود اقبال	47
غزوۂ بدر	خورشید احمد گیلانی	48
اقبال اور قرآن	نفیسہ انور	50
رمضان اور خواتین	بشریٰ تسنیم	53
روزہ کے طبی فوائد	حکیم راحت	56
ایک نو مسلم	اوریا مقبول جان	58

آئندہ شمارہ میں انشاءاللہ

حفاظت حدیث، امت کا پہلا صوفی، زکوٰۃ، ذکر کی اہمیت، حضرت قبلہ عبدالستار خانؒ، اسلام میں اجتہاد کی اہمیت، علاوہ ازیں سیرت النبی ﷺ، اخلاقیات، ایمانیات تصوف، نفسیات، صحت و سلامتی اور حالاتِ حاضرہ جیسے عنوانات پر تحقیقی مضامین

ماہنامہ مومن کے صفحات اخلاقِ عالیہ کے فروغ کے لیے وقف ہیں! ادارہ ھذا کا مصنفین کی رائے سے اتفاق کسی طور ضروری نہیں!

پرنٹر و پبلشر: غلام رسول شاہد پہچان پبلی کیشنز B-12 سٹی ٹاور 12 ایبٹ روڈ رائل پارک لاہور

رمضان المبارک

''رمضان'' اسلامی سال کا نواں قمری مہینہ ہے۔ ماہ شعبان کے اختتام کیساتھ ہی ماہ رمضان کا چاند جلوہ افروز ہوتا ہے۔ ساکنان عالم اور کلمہ گو مسلمانوں کو ماہِ صیام کی نوید سناتا ہے۔ صوم کا مطلب عربی میں رکنا ٹھہرنا ہے۔ یعنی برائیوں سے رُک جانا ہے۔ لغوی معنوں میں صوم کا مطلب ایسا گھوڑا ہے جو مصائب اور مشقت کے لئے تیار کیا جاتا ہے اس طرح اس کا مقصد مسلمانوں کو طاغوتی قوتوں کے خلاف تیار کرنا ہے۔ فارسی زبان میں اسے روزہ کہا جاتا ہے۔ (یعنی ایک دن) چونکہ دن میں رکھا جاتا ہے۔ رمضان کا لفظ ''رمض'' سے ماخوذ ہے اور یہ وہ بارش ہے جو موسم خزاں میں برستی ہے۔ اسے رمضان اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ مہینہ انسانی بدنوں کو گناہوں سے دھوڈالتا ہے۔ نیز دلوں کو بھی خوب پاک صاف کردیتا ہے۔ لفظ رمضان ۵ حرفی لفظ ہے 'ر' سے رضائے الٰہی 'م' سے اللہ کی محبت 'ض' سے ضمانت 'ا' سے اللہ کی الفت اور 'ن' سے نور، پس یہ مہینہ اللہ کے دوستوں اور نیک لوگوں کے لئے اللہ کی رضا محبت وضمانت، الفت ونور بخشش اور بزرگی کا مہینہ ہے۔ باقی مہینوں میں رمضان کا مقام ایسے ہی ہے جیسے سارے بدن میں دل اللہ رب العزت نے ۲ ہجری میں غزوۂ بدر سے پہلے روزہ رکھنے کا حکم نازل فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر تا کہ متقی بن جاؤ''

قرآن حکیم کے علاوہ گذشتہ کتابیں اور مختلف صحائف بھی اسی ماہِ مبارک میں نازل ہوئے۔ چنانچہ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ رمضان کی تیسری رات گزرنے پر صحف ابراہیمؑ نازل ہوئے، چھ راتیں گزرنے پر تورات موسیٰؑ پر نازل ہوئی۔ رمضان کی اٹھارویں رات حضرت داؤدؑ پر زبور اتاری گئی۔ حضرت عیسیٰؑ پر رمضان المبارک کی تیرہویں رات انجیل مقدس اتاری گئی اور حضور سرور کائنات ﷺ پر رمضان المبارک کی چوبیسویں رات قرآن پاک نازل فرمایا گیا۔ حضور نبی مکرم ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ ''اے لوگو! تم پر ایک بہت باعظمت مہینہ سایہ فگن ہوا ہے یہ وہ مہینہ ہے جس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے''

رمضان المبارک کے تین عشرے ہیں۔ عشر کا مطلب دس ہے۔ فرمایا گیا کہ پہلا عشرہ رحمت ہے۔ دوسرا مغفرت ہے۔ تیسرا دوزخ سے رہائی ہے۔ لیلۃ القدر کو اس آخری عشرے میں مخفی کردیا گیا ہے۔ لہٰذا آخری عشرے میں خوب راتوں کو جاگ کر لیلۃ القدر کو تلاش کریں تا کہ ہزار مہینوں کی عبادت کا ثواب پا سکیں۔ اس مقدس وبابرکت رات جبریل امینؑ اور ملائکہ کرام زمین پر اترتے ہیں بندوں کی دعائیں پہلے آسمان پر اللہ رب العزت کو پہنچاتے ہیں۔ نیک بندوں کو اللہ کا سلام کہتے ہیں۔ اس رات کی علامات میں جسم کے بالوں کا کھڑے ہوجانا، دل کا نرم وگداز ہونا، آنکھوں سے اشکوں کی روانی شامل ہے۔ کتے بھی اس رات کی عظمت اور فرشتوں کے نزول کے سبب نہیں بھونکتے۔ اللہ اپنے نیک بندوں پر اس رات اسرار منکشف کرتا ہے۔ رمضان المبارک میں نفلوں میں قرآن پاک سنایا جاتا ہے جسے نمازِ تراویح کہتے ہیں۔ نمازِ تراویح کا باقاعدہ آغاز حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوا۔ الحمدللہ! یہ سلسلہ بڑھا ہے گھٹا نہیں۔ تمام قرآن کا دور ہوتا ہے۔ اجتماعی دعائیں ہوتی ہیں۔ آیات قرآنی اور احکامات کو بہتر طور پر سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ باآواز بلند قرأت سنت ہے۔ مل کر اللہ کو یاد کرنے کا لطف ہی نرالا ہے۔ جو نمازِ تراویح پڑھتا ہے وہ ان سجدوں کی اہمیت ولطف خوب جانتا ہے۔ یوں تو رمضان المعظم سارے کا سارا ہی عظمت اور برکتوں والا ہے مگر اس کے آخری عشرے میں اہلِ ایمان کے لئے ''اعتکاف'' کو خصوصی رحمتیں لوٹنے کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضرت رسول کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرماتے تھے۔ اعتکاف کے لغوی معنی اپنے آپ کو کسی مخصوص جگہ ومقام پر روک رکھنا کسی چیز کو چند دن دائمی طور پر اختیار کرنا۔ مرد حضرات مسجدوں میں اعتکاف کرتے ہیں جبکہ عورتیں گھروں میں ضروری نہیں کہ آخری عشرے کے دس دن اعتکاف میں بیٹھیں۔ جزوی طور پر ہر روز چند گھنٹوں کا اعتکاف اختیار کرسکتے ہیں۔ مگر اس کے لئے خاموش، یکسوئی، دنیاوی معاملات سے علیحدگی ضروری ہے۔

رمضان المبارک میں نزول قرآن، لیلۃ القدر وغیرہ کے علاوہ چند معتبر واقعات بھی رُونما ہوئے ہیں جن میں وفات اُم المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ، وفات حضرت فاطمۃ الزہراؓ، وفات حضرت رقیہ بنتِ رسول ﷺ، شہادت حضرت علی کرم اللہ وجہہ، وفات اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت اُمِ سلمہؓ شامل ہیں۔

رمضان المبارک میں روزے، نمازِ تراویح کے علاوہ سے اللہ کا ذکر جس میں پاس انفاس اور نفی اثبات یعنی کلمہ طیبہ کا ذکر کثرت سے کرنا چاہیے، تلاوت قرآن پاک جتنی ہوسکے، تیسرا کلمہ اور درود شریف کثرت سے پڑھنا چاہیے اس کے علاوہ توفیق اور استطاعت کے مطابق غریبوں محتاجوں اور مسکینوں کی صدقہ وخیرات کی صورت میں مالی امداد کرنا بزرگانِ دین کے معمولات ہیں۔

محترمہ ام کلثوم خان

علم القرآن

قسط نمبر 6

حافظ مشتاق احمد

۴۹۔سورۃ الحجرات

☆ یہ سورت مدنی ہے ۔ اس میں دو (۲) رکوع اور اٹھارہ (۱۸) ہیں۔ حجرات حُجرہ کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں کمرہ۔ حضور اکرم ﷺ کا مکان مبارک چھوٹے چھوٹے کمروں پر مشتمل تھا۔ جنھیں سورۃ میں حجرات کہا گیا ہے۔ سورۃ مبارکہ کے شروع ہی میں مسلمانوں اور بالخصوص دیہاتی بدوؤں کو مخاطب کر کے اس بات سے آگاہ کیا جارہا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول مکرم ﷺ سے آگے مت بڑھو اور آپ ﷺ کی آواز مبارک کے باہر کھڑے ہو کر اجڈ انداز سے مت پکارو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے سارے کے سارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔ ان کے بعد معاشرت کے انداز اور اخلاقی پہلوؤں سے ناواقف مسلمانوں اور نادان دیہاتی اعرابیوں کے آداب معاشرت اور حسنِ اخلاق کی تلقین فرمائی گئی ہے اور غیبت، چغل خوری، بے جا تمسخر کرنا، بدگمانی اور تجسس اعمال جیسے گناہ کبائر جسے ہر مسلمان نادانی اور ناسمجھی میں کر گزرتا ہے سخت منع فرمایا گیا ہے۔ ذات پات کو صرف انسانی پہچان تک محدود کر کے بزرگی کا اصل معیار ''تقویٰ'' قرار دیا ہے آخر میں سمجھا دیا گیا ہے کہ ایمان زبانی کلامی دعووں کا نہیں بلکہ اس قلبی کیفیت کا نام ہے جو شک و شبہات سے بالاتر شکر گزاری، احسان مندی اور عبادت و بندگی کی صورت ایک مومن میں پائی جاتی ہے۔

۵۰۔سورۃ قٓ:

اس سورۃ مبارک کا آغاز حروفِ مقطعات سے ہو رہا ہے۔ اور قرآن پاک کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ نبی مکرم اللہ کے پیغمبر ﷺ ہیں۔ کافر اور مشرک خواہ اس بات پر کتنا ہی متعجب کیوں نہ ہوں۔ یہ کافر تو مرنے کے بعد جی اٹھنے پر شک میں ہیں اور صرف عقل میں آنے والی بات کو مانتے ہیں جو بالکل محدود ہے جبکہ اللہ رب العزت کی ذات اور اسکی نشانیاں لامحدود! اگر ان کی نیت ایمان لانے کی ہو تو اس کے لئے رب قدیر کی یہ ایک ہی نشانی کافی ہے کہ وہ زمین کو مردہ اور بے جاں ہو جانے کے بعد آسمان سے پانی برسا کر کیسے زندہ اور سرسبز و شاداب کر دیتا ہے۔ مٹی میں صرف ایک بیج بونے پر کیسے اس میں سے کونپلیں پھر پھول اور پھر انہیں پھولوں میں سے مختلف قسم کے پھل پیدا فرماتا ہے۔ اس کے بعد انسان کی تخلیق کی بات فرماتے ہوئے آگاہ کیا جارہا ہے کہ وہ ذات بابرکت تو بندے کے دل میں گزرنے والے خیالات سے بھی باخبر ہے۔ قیامت والے دن صور پھونکا جائے گا تو ہر انسان دوبارہ زندہ ہو کر اٹھے گا اور اس دن ہر ذی روح کا حال کھل جائے گا اور نجات اس رحمٰن سے بن دیکھے ڈرنے اور ''قلب منیب'' لانے والوں کے لئے ہوگی۔ اختتام اس اعلیٰ بات پر ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ خبر کرتے رہیے صبح و شام اور رات کے پچھلے پہروں میں اپنے رب کی تسبیح کیجئے۔ آپ ﷺ ان پر سختی کرنے والے ہر گز نہیں ہیں ہاں خوف و خشیت رکھنے والے کو قرآن پاک سے پند و نصائح کرتے رہیے۔

۵۱۔سورۃ الذّٰریٰت:

یہ سورۃ مبارکہ مکی ہے۔ اس میں تین (۳) رکوع اور (۶۰) آیات ہیں۔ الذّٰریٰت کے معنی وہ ہوائیں ہیں جو اڑ کر پھیلانے کا کام کرتی ہیں۔ آغاز اڑا کر بکھیر دینے والی ہواؤں کی قسم سے ہو رہا ہے کہ قیامت کا دن حق ہے۔ اس کے بعد رستوں والے آسمان کی قسم کھا کر بتایا جارہا ہے کہ کفار و مشرکین ایک متناقض بے جوڑ میں بلاوجہ اڑے ہوئے ہیں۔ اور یوم آخرت کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں۔ ان کے بعد ان تہجد گزار توبہ و استغفار اور مومنوں کا ذکر ہے۔ جن کے لئے جنت میں ان کے پاک و مطہر ٹھکانے منتظر ہیں۔ مزید حضرت ابراہیمؑ کے پاس آنیوالے ان فرشتوں کا تذکرہ ہے جو انسانی شکل آپ کو بیٹے کی بشارت دینے کے لئے آئے بعد ازاں وہ سیدھے حضرت لوطؑ کی قوم پر کھنگر برسنے کا عذاب لیکر گئے۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ، حضرت نوحؑ کی قوموں کی مختصر سا ذکر کرتے ہوئے سورۃ مبارکہ کا اختتام اس بات پر ہو رہا ہے کہ یہ کافر لوگ ہر سچے پیغمبر کو جادوگر اور دیوانہ کہتے پھر رہے ہیں۔ لگتا ہے ان کے بڑے وصیت کے طور پر ان سے یہی

کہتے ہیں! اللہ رب العزت نے تو انسان کو پیدا ہی اپنی عبادت و بندگی کے لئے کیا ہے۔ وہ بندوں سے رزق طلب فرماتا ہے نہ کھانے کو کچھ اور! بلکہ اللہ تو خود رزق دینے والا زور آور اور مضبوط ہے۔

۵۲۔سورۃ الطّور:

یہ سورۃ مبارکہ مکی ہے۔ اس میں دو (۲) رکوع اور ۴۹ آیات ہیں۔ طور کے معنی ہیں پہاڑ۔ یہ معنی سورۃ کی پہلی آیات سے ماخوذ ہیں۔ سورۃ مبارکہ کے شروع ہی میں قیامت کے عذاب کا ذکر ہے کہ قیامت کا دن بڑا سخت ہے اور جھٹلانے والوں کے لئے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔ جبکہ دوسری طرف اہلِ تقویٰ اپنے نیک اعمال کے صلے میں جنتین کی ابدی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہونگے۔ اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ اہلِ جنت کی اولادیں بھی اگر ایمان پر اس دنیا سے رخصت ہوئیں تو انہیں بھی اپنے جنتی والدین کیساتھ ملا دیا جائے گا۔ یہی نہیں بلکہ متقی لوگ وہاں آپس میں باہم یہ گفتگو کریں گے کہ ہم دنیا میں اللہ سے ڈرتے رہے ہیں۔ تو اللہ رب العزت نے ہم پر احسان فرمایا اور لُو کے عذاب سے بچا لیا بیشک وہ بڑا ہی مہربانی ہے۔ مزید مشرکین مکہ کا آپ ﷺ کو کاہن اور جادوگر کہنے اور اس پر آپ ﷺ کو تبلیغ دین جاری رکھنے کی تلقین کا بیان ہے۔ سورۃ مبارکہ اس اہم بات پر ختم ہو رہی ہے کہ کافر تو اپنے داؤں میں خود گھرنے والے ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ صبر کا دامن چھوڑے بغیر اپنے رب کریم کی تسبیح بیان کرتے رہیں کہ آپ ﷺ تو ویسے بھی ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔

۵۳۔سورۃ النجم:

یہ سورۃ مبارکہ مکی ہے۔ اس میں تین (۳) رکوع اور باسٹھ (۶۲) آیات ہیں۔ نجم کے معنی ہیں ستارہ۔ یہ نام سورۃ کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ ابتداء ستارے کی قسم سے ہو رہا ہے کہ حضور ﷺ اقدس جو تمہارے رفیق اور ساتھی ہیں وہ نہ بھولے ہیں اور نہ ہی بھٹکے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ تو وہی کچھ فرماتے ہیں جو رب کریم ان پر نازل فرماتا ہے۔ اس کے بعد واقعہ معراج کا تذکرہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کو جسم سمیت عرش پر بلا کر اپنے قرب و دیدار کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا اور سمجھا دیا کہ رب قدیر جو چاہے کر سکتا ہے وہ قوی عزیز" اور کل شی قدیر ہے۔ یہی نہیں حضور سرور کائنات ﷺ کو واپسی پر امت مسلمہ کے لئے نماز کی صورت میں تحفہ عظیم بھی عطا فرمایا کہ اگر میرے بندے میرے ہاں معراج چاہتے ہیں تو مومن کی معراج نماز ہے۔ اگلے رکوع میں ہر انسان کو باور کرا دیا گیا ہے ہر وہ شے جس کی انسان خواہش کرتا ہے ضروری نہیں کہ وہ اسکو مل جائے بلکہ دنیا و آخرت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے جنتی عطا کر دے۔ مزید یہ کہ آپ ﷺ ان بدنصیبوں سے رُخ انور پھیر لیں جو صرف دنیا کی زندگی چاہتے ہیں اور اللہ کے ذکر سے مُنہ پھیرے ہوئے ہیں۔ حقیقتِ حال تو یہ ہے کہ آپ ﷺ تو پچھلے نبیوںؑ کی طرح لوگوں کو تنبیہہ فرمانے والے پیغام حق صاف صاف پہنچا دینے والے ہیں۔ مگر تعجب ہے ان منکرین حق پر جو اسے سن کر ہنستے ہیں اور روتے نہیں۔ ❁

نعت رسول ﷺ

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تُو نے طلوعِ آفتاب

شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب

شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

(علامہ اقبالؒ)

مومن کے لئے انعام

حضرت عبداللہ مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کسی مرد مومن کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے کسی مرض سے یا اس کے علاوہ تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑتا ہے۔“

رمضان

تطہیر قلب اور ضبط نفس کا مہینہ

غلام رسول شاہد

تمام دنیا کے مسلمان اسلامی کیلنڈر کے نویں مہینے میں خاص انفرادی اور اجتماعی عبادت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ رمضان المبارک میں روزے رکھنے کا مقصد مسلمانوں کو ایک ایسا موقع فراہم کرنا ہے، جس میں وہ ایمان کی تجدید کر سکیں، خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کر سکیں اور اپنے جسم اور روح کی تطہیر کر سکیں ایک روزہ دار اپنے آپ کو ہر ناپسندیدہ فعل سے باز رکھتا ہے تا کہ گزشتہ سال میں کئے گئے گناہوں سے پاک ہو سکے۔

623ء ہجرت کے دوسرے سال اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر روزہ فرض کیا۔ درحقیقت صرف اسلام ہی وہ واحد مذہب نہیں جو روزے کو فرض قرار دیتا ہے بلکہ یہودیت اور نصرانیت کو ماننے والے بھی وقتاً فوقتاً روزے رکھتے ہیں جیسا کہ روزہ کا حکم ان پر بھی صادر کیا گیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "روزہ تم پر اسی طرح فرض کیا گیا ہے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تا کہ تم پرہیز گار بن سکو۔" (سورۃ بقرہ۔183) اس آیت کریمہ سے تین حقائق ثابت ہوتے ہیں۔

اول یہ کہ روزہ مذہب کا لازمی جزو ہے دوم اسلام میں روزہ کا مقام اپنے مقاصد کے لحاظ سے دوسرے مذاہب سے فرق ہے سوم روزہ کے ذریعے مسلمان خدا تعالیٰ کا قرب و تقویٰ حاصل کرتے ہیں جو کہ صرف خدا تعالیٰ کے لیے وقف ہونے کا نام ہے۔ مگر اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ اسلام میں روزہ رکھنے کا طریقہ اوقات اور دوسرے اہم جزیات پہلے مذاہب کے مطابق ہیں بلکہ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ روزہ (ترک خواہشات) کے ذریعے ضبط نفس کا نام ہے جو مسلمانوں کے لیے نیا نہیں۔

تاہم روزہ مسلمان کے عقیدہ اور ایمان کی مضبوطی اور ناجائز خواہشات کو ترک کرنے کی تربیت کا بہترین ذریعہ ہے۔ روزہ اپنی خواہشات

> روزہ مسلمان کے عقیدہ اور ایمان کی مضبوطی اور ناجائز خواہشات کو ترک کرنے کی تربیت کا بہترین ذریعہ ہے

نفس اور اپنے جسم اور روح کو خدا کی رضا کے تابع کرنے کا مؤثر ذریعہ ہے۔ روزہ رضائے الٰہی کے حصول میں بھی مددگار ہے۔ کھانے پینے اور ہر قسم کے ناشائستہ قول و فعل سے باز رہنا روزے کا اصل مقصد ہے۔ روزے کے دوران کھانا پینا اور سگریٹ نوشی ایسے اعمال ہیں جو روزے کی اہمیت کو ختم کر دیتے ہیں۔ تمام غلط رویوں اور خیالات سے پرہیز کرنا ضروری ہے اسی طرح، الٹی آجانا، جسم کے کسی حصے سے خون بہنا یا جنسی خواہشات کو پورا کرنا بھی روزے کی اہمیت کو ختم کر دیتی ہیں

سحری کھانا

مسلمان روزہ رکھنے کے لیے سحری کھاتے ہیں جو طلوع فجر سے پہلے کھائی جاتی ہے لیکن سحری روزہ کے لیے شرط نہیں ہے بلکہ یہ روزہ کی سختی کو برداشت کرنے میں سہولت پیدا کرتی ہے جیسا کہ اللہ کے پیارے رسولؐ نے فرمایا کہ رمضان المبارک میں تلاوت قرآن پاک اللہ تعالیٰ سے خصوصی اجر عطا کرتی ہے اور روزہ دار کو یہ آگہی اور شعور عطا کرتی ہے کہ کس طرح خدا تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور کس طرح اسکا قرب حاصل کیا جائے۔ یہ رمضان المبارک ہی کی ایک مبارک رات تھی جب یاد الٰہی میں مگن و گم سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰؐ کے پاس، روح الامین حضرت جبریلؑ پہلی وحی لیکر غار حرا میں حاضر ہوئے۔ حضرت محمدؐ اور بعد میں آنے والے مسلمانوں نے اس رواج کو فروغ دیا کہ ماہ رمضان میں اس مقدس رات تک ایک دفعہ قرآن پاک کی تلاوت مکمل کی جا سکے۔ اسی طرح اس بات پر بھی خصوصی زور دیا گیا کہ اس مبارک مہینے میں زیادہ سے زیادہ صدقہ و خیرات کیا جائے کیونکہ یہی وہ مبارک مہینہ ہے جس میں ان لوگوں کو بھی رب تعالیٰ کی نعمتوں کا شریک بنایا جائے جو کسی وجہ سے ان سے محروم چلے آرہے ہیں۔

افطار: روزہ کھولنا

روزہ کھولنا یعنی افطاری سورج غروب ہوتے ہی کی جاتی ہے۔ روزہ سورج غروب ہوتے ہی افطار کرنا

سنت نبویؐ ہے۔ سہیل ابن سعد سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ سورج غروب ہوتے ہی روزہ افطار کرلیں۔

لیلۃ القدر

رمضان المبارک کے آخری ایام میں نہایت قدر و منزلت والی ایک رات لیلۃ القدر آتی ہے۔ یہ خصوصی اہمیت کی وہ رات ہے جس میں قرآن پاک کو لوح محفوظ سے اتارا گیا۔ آخری عشرے کی طاق راتوں میں مسلمان خدا کے قرب و رضا کے لیے خصوصی عبادت کا اہتمام کرتے ہیں۔ نبی کریمؐ نے اس رات کا خصوصی تعین نہیں فرمایا بلکہ مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری دس دنوں کی طاق راتوں میں تلاش کریں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ یہ وہ رات ہے جب قرآن حکیم کو نازل کیا گیا اور یہ رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ ایک اور سورۃ میں ارشاد ہے لیلۃ القدر خصوصی انعام و اکرام کی رات ہے۔ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ "جو کوئی اس رات کو اس ایمان کے ساتھ کھڑا رہا کہ خدا اسکے گناہ بخش دے تو اللہ رب العزت اس کے تمام پچھلے گناہ معاف فرما دیں گے۔ قرآن حکیم میں لیلۃ القدر کا بیان اس طرح آیا ہے۔ "ہم نے قرآن کو قدر والی رات میں نازل کیا اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس رات میں فرشتے اور روح الامین خدا کے حکم سے ہر کام کے انتظام کے لیے اترتے ہیں۔ یہ رات طلوع صبح تک امن اور سلامتی ہے

عید الفطر

رمضان المبارک ختم ہونے کے اگلے دن یکم شوال کو تمام دنیا کے مسلمان عید الفطر کی اجتماعی نماز ادا کرتے ہیں۔ یہ ایک اسلامی تہوار ہے جو خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اسکی ان گنت رحمتوں کے شکرانے کے لیے تمام مسلمان اجتماعی طور پر مناتے ہیں یہ دن مسلمانوں کو ایک موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ اپنے مستقبل کے بارے میں لائحہ عمل اختیار کریں اور گزشتہ اعمال کے بارے میں سوچیں۔

نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تہوار ان مسلمانوں کے لیے خوشی کا تہوار ہے جنھوں نے روزہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ خدا کی اطاعت بھی اسکی بندگی کا اظہار ہے۔ نبی کریمؐ عید الفطر سے پچھلی رات عبادت میں گزارتے اور ارشاد فرماتے کہ اس رات کی

> **رمضان المبارک میں روزے رکھنے کا مقصد مسلمانوں کو ایک ایسا موقع فراہم کرنا ہے جس میں وہ ایمان کی تجدید کرسکیں، خدا کی نعمتوں کا شکرادا کرسکیں اور اپنے جسم اور روح کی تطہیر کرسکیں**

عبادت نہ صرف گناہوں سے مغفرت کا باعث ہے بلکہ بیشمار نعمتوں کے حصول کا ذریعہ ہے۔ وہ جنھوں نے روزے رکھے اور جنھوں نے روزے نہیں رکھے ان سب پر فطرانہ ادا کرنا ضروری ہے تاکہ غریب مسلمانوں کے حقوق پورے کیے جاسکیں۔ فطرانہ کی مخصوص رقم یا اس کے برابر اناج غریبوں کو دینا ضروری ہے۔ اس طرح اہل ایمان کو ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ خدا کی نعمتوں میں دوسرے غریب مسلمانوں کو بھی حصہ دار بنائیں۔

روایت ہے کہ فطرانہ کی ادائیگی کے بغیر روزہ تکمیل نہیں پاتا۔ تاہم عید الفطر ایسا موقع نہیں کہ فضول خرچی اور مرغن غذاؤں پر بے دریغ پیسہ خرچ کیا جائے۔ اس کی بجائے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس دن کو خدا کی یاد، اور اسکی رحمت اور مغفرت کی طلب کے لیے اسکی عبادت کریں۔ بہت سی روایات سے ثابت ہے کہ اس دن کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں کے سب دروازے اپنے اطاعت گزار بندوں کے لیے کھول دیتے ہیں۔ رمضان کے ایام میں چاہیے کہ اپنی جسمانی خواہشات کی تکمیل کو غالب نہ آنے دیا جائے کہ روزے کا اصل مقصد ہی بھول جائے۔ اگر روزہ افطار کرنے کے بعد روزہ دار اس نیت سے اگلا روزہ شروع ہونے تک مسلسل کھاتا رہے تو روزے کا اصل مقصد فوت ہوجاتا ہے۔

رمضان المبارک ایک ایسا موقع ہے جس کے دوران مسلمان اس عمل میں مشغول رہتے ہیں کہ وہ آنے والے وقت میں (اگلے سال میں) اپنے لیے کیا لائحہ عمل اختیار کریں گے۔ صرف رمضان المبارک کا مہینہ ہی وہ مہینہ نہیں ہے جس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ کس طرح خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے محنت کی جائے اور کس طرح اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع کیا جائے۔ پورے ماہ کے روزے کے ذریعے اللہ تعالیٰ ہمیں یہ سکھانا چاہتے ہیں کہ ہم کس طرح پورے سال کے دوران زندگی کے باقی دائرہ کار میں بہترین مسلمان بن سکتے ہیں۔ ❁

معلمِ قرآن، بہ نگاہِ قرآن

ملک شیر محمد خان اعوان

☆ قرآن حکیم میں رسول اللہ ﷺ کے اوصاف حمیدہ اور خصائص ستودہ کے بے انتہاء ذخائر موجود ہیں۔ اگر تمام خصائص کو مناسب تشریحات کے ساتھ بیان کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بھی ناکافی ہوگی۔ لہٰذا بخوف طوالت جمال سیرت النبی ﷺ کی چند جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں:

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ:

"یہ امر حضور ﷺ کے خصائص میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حضور ﷺ کے نام لے کر نہیں پکارا بلکہ صفت کا ذکر کیا ہے لیکن باقی انبیاءؑ کو اللہ تعالیٰ نام لے کر پکارا ہے۔"

حضور ﷺ سے خطاب خداوندی

اللہ تعالیٰ کے خطاب کی یہ خصوصیت رسول اکرم ﷺ کے سوا کسی کو نصیب نہیں۔

❁ اے رسول! جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچادیجئے۔" (پارہ ۶ رکوع ۱۴)

❁ اے نبی ﷺ! ہم نے بیشک آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ (مومنین کے) بشارت دینے والے ہیں اور (کفار کے) ڈرانے والے ہیں" (پارہ ۲۲ رکوع ۳)

❁ قسم ہے قرآن باحکمت کی کہ بیشک آپ منجملہ پیغمبروں کے ہیں۔" (پارہ ۲۲ رکوع ۱۸)

❁ اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات۔" (پارہ ۲۹، رکوع ۱۳)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں رسول اللہ ﷺ کے اسم گرامی کی تصریح فرمائی وہاں ساتھ ہی رسالت یا کسی اور وصف کا ذکر فرمایا:

❁ "اور محمد ﷺ نرے رسول ہی ہیں آپ سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں۔"

❁ "محمد ﷺ تمہارے مردوں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔" (پارہ ۲۲، رکوع ۲)

❁ "اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے اور وہ اس سب پر ایمان لائے جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے۔" (پارہ ۲۶، رکوع ۵)

حضور ﷺ کا ادب رکنِ ایمان ہے

❁ "ہم نے تمہیں گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا کر کے بھیجا ہے تاکہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور اس (کے دین) کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو۔" (پارہ ۲۶، رکوع ۹)

❁ "اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے مت بلند کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو کبھی تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔" (پارہ ۲۶، رکوع ۱۳)

❁ "اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں (بے بلائے) مت جایا کرو مگر جس وقت تم کو کھانے کے لیے اجازت دی جاوے ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے منتظر نہ ہو۔" (پارہ ۲۲، رکوع ۴)

❁ "اے ایمان والو! اللہ اور رسول (کی اجازت) سے پہلے تم سبقت مت کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔" (پارہ ۲۲، رکوع ۱۳)

❁ "جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں ان میں اکثر کو عقل نہیں ہے۔" (پارہ ۲۲، رکوع ۱۳)

❁ "تم لوگ رسول ﷺ کے بلانے کو ایسا (معمولی بلانا) مت سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بلا لیتا ہے۔" (پارہ ۱۸، رکوع ۱۵)

❁ "تو وہ جو اُن پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں۔" (پارہ ۹، رکوع ۹)

❁ "اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول ﷺ کے کہنے کو بجالایا کرو جب کہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں۔" (پارہ ۹ رکوع ۱۷)

حضور ﷺ کی گستاخی کفر ہے

❁ "اے ایمان والو! تم لفظ "راعنا" مت کہا کرو اور "اُنظرنا" کہہ دیا کرو اور (اس حکم کو اچھی طرح) سُن لو اور ان کافروں کو (تو) سزائے دردناک ہوگی۔" (پارہ ۱، رکوع ۱۴)

❁ "بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔" (پارہ ۲۲ رکوع ۴)

- "تم اب (یہ بیہودہ) عذر مت کرو تم تو اپنے کو مومن کہہ کر کفر کرنے لگے۔ اگر ہم تم میں سے بعض کو چھوڑ بھی دیں تاہم بعض کو تو (ضرور ہی) سزا دیں گے بہ سبب اس کے کہ وہ مجرم ہیں۔" (پارہ ۱۰ رکوع ۱۴)
- "اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو امرِ حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا رستہ چھوڑ کر دوسرے رستہ ہو لیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے جانے کی۔" (پارہ ۵، رکوع ۱۴)
- "اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے سو اللہ تعالیٰ (اس کو) سخت سزا دیتے ہیں سو یہ سزا چکھو اور جان رکھو کہ کافروں کے لیے جہنم کا عذاب مقرر ہی ہے۔" (پارہ ۹، رکوع ۱۶)
- "لوگ اللہ اور رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ (دنیا میں بھی) ایسے ذلیل ہوں گے جیسے ان سے پہلے لوگ ذلیل ہوئے اور ہم نے کھلے کھلے احکام نازل کیے ہیں اور کافروں کو ذلت کا عذاب ہوگا جس روز ان سب کو اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کرے گا (کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے وہ محفوظ کر رکھا ہے اور یہ لوگ اس کو بھول گئے اور اللہ ہر چیز پر مطلع ہے" (پارہ ۲۸، رکوع ۱)
- "یہ اس سبب ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی ہے اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سخت سزا دینے والا ہے۔" (پارہ ۲۸، رکوع ۴)

حضور ﷺ تمام دنیا کے لیے نبی ہیں

- "اور ہم نے تو آپ ﷺ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے (ایمان لانے پر ان کو ہماری رضا و ثواب) خوشخبری سنانے والے اور ایمان نہ لانے پر ان کو ہمارے غضب و عذاب) ڈرانے والے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔" (پارہ ۲۲، رکوع ۹)
- "اور ہم نے (ایسے مضامین نافعہ دے کر) آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہاں کے لوگوں (یعنی مکلفین پر) مہربانی کرنے کے لیے۔" (پارہ ۱۷، رکوع ۷)
- "آپ کہہ دیجئے کہ اے (دنیا جہان کے) لوگوں میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا (پیغمبر) ہوں۔" (پارہ ۹، رکوع ۱۰)
- "بے شک ہم نے آپ کو کوثر (ایک حوض کا نام ہے اور ہر خیر کثیر بھی اس میں داخل ہے عطا فرمائی ہے۔" (پارہ ۳۰ رکوع ۳۳)
- "اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہیں۔" (پارہ ۵، رکوع ۸)

حضور ﷺ آخری نبی ہیں

- "محمد ﷺ تمہارے مردوں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں۔" (پارہ ۲۲، رکوع ۲)
- "آج کے دن تمہارے لیے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تام کر دیا اور میں نے اسلام تمہارا دین بننے کے لیے پسند کر لیا۔" (پارہ ۶، رکوع)
- "اور جب ان کو ایک ایسی کتاب پہنچی (یعنی قرآن) جو منجانب اللہ ہے (اور) اس کی (بھی) تصدیق کرنے والی ہے۔" (پارہ ۱ رکوع ۱۱)
- "اور آپ پر اپنے احسانات کی تکمیل کر دے اور آپ کو سیدھے رستہ پر لے چلے۔" (پارہ ۲۶، رکوع ۹)

حضور ﷺ معلم کتاب و حکمت ہیں

- "اے ہمارے پروردگار اور اس جماعت کے اندر اُن ہی میں کا ایک ایسا پیغمبر بھی مقرر کیجئے جو ان لوگوں کو آپ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو (آسمانی) کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیا کریں اور ان کو پاک کر دیں بلاشبہ آپ ہی ہیں غالب القدرت کامل الانتظام۔" (پارہ ۱، رکوع ۱۵)
- "حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جبکہ ان میں ان ہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور بالیقین یہ لوگ قبل سے صریح غلطی میں تھے۔" (پارہ ۴، رکوع ۸)
- "وہی ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ لوگوں میں ان ہی (کی قوم) میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور حکمت (دانشمندی کی باتیں) سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ (آپ ﷺ کی بعثت کے) پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے۔" (پارہ ۲۸، رکوع ۱۱)

حضور ﷺ امت کے تمام معاملات اور فیصلوں میں قاضی ہیں

- "بے شک ہم نے آپ ﷺ کے پاس یہ

نوشتہ بھیجا ہے واقع کے موافق تاکہ آپ ﷺ ان لوگو کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کریں جو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلا دیا ہے۔" (پارہ ۵، رکوع ۱۴)

- "اور آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میں سب پر ایمان لاتا ہوں اور مجھ کو یہ (بھی) حکم ہوا ہے کہ (اپنے اور) تمہارے درمیان میں عدل رکھوں۔" (پارہ ۲۵، رکوع ۳)
- "مسلمانوں کا قول تو جب کہ ان کو (کسی مقدمہ میں) اللہ کی اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ رسول ان کے درمیان میں فیصلہ کردیں یہ ہے کہ وہ (خوشی خوشی) کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے سُن لیا اور (اس کو) مان لیا۔" (پارہ ۱۸، ۱۳)
- "اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور رسول کی طرف تو آپ منافقین کی یہ حالت دیکھیں گے کہ آپ سے پہلو تہی کرتے ہیں۔" (پارہ ۵، رکوع ۶)
- "اور کسی ایماندار مرد اور کسی ایماندار عورت کو گنجائش نہیں جو کہ اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے دیں کہ (پھر) ان کو ان (مومنین) کے اس کام میں کوئی اختیار (باقی) رہے۔" (پارہ ۲۲، رکوع ۲)
- "پھر قسم ہے آپ کے رب کی کہ یہ لوگ ایماندار ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرادیں پھر اس سے آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورے طور پر تسلیم کرلیں۔" (پارہ ۵ رکوع ۶)

حضور ﷺ بحیثیت حاکم وفرمانروا

- "جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔" (پارہ ۵، رکوع ۸)
- "اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ صاحب امر ہیں ان کا بھی پھر اگر کسی امر میں تم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور رسول کے حوالہ کردیا کرو اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔" (پارہ ۵، رکوع ۵)
- "اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور (کفار کی طرح اللہ اور رسول کی مخالفت کرکے) اپنے اعمال کو برباد مت کرو۔" (پارہ ۲۶، رکوع ۸)
- "جو لوگ آپ سے بیعت کررہے ہیں تو وہ (واقع میں) اللہ تعالیٰ سے بیعت کررہے ہیں خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔" (پارہ ۲۶ رکوع ۹)

حضور ﷺ کی محبت واتباع سب پر فرض ہے

- "سو اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی اُمّی پر جو کہ (خود) اللہ پر اور اسکے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا اتباع کرو۔" (پارہ ۹ رکوع ۱۰)
- "آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کردے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا بڑی عنایت فرمانے والا ہے۔" (پارہ ۳ رکوع ۱۲)
- "اے ایمان والو تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو۔" (پارہ ۵ رکوع ۵)
- "اور ان (نبی ﷺ) کا اتباع کرو تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ۔" (پارہ ۹ رکوع ۱۰)
- "جو لوگ اس نبی (موصوف) پر ایمان لاتے ہیں اس کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔" (پارہ ۹ رکوع ۹)
- "اور اگر تم نے ان کی اطاعت کرلی تو راہ پر جالگو گے۔" (پارہ ۱۸، رکوع ۱۳)
- "اور رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز (کے لے لینے) سے تم کو روک دیں تم رک جایا کرو۔" (پارہ ۲۸ رکوع ۴)

حضور ﷺ کو بشیر ونذیر بنا کر بھیجا گیا

- "کیا ان (مکہ کے) لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی کہ سب آدمیوں کو (احکام خداوندی کے خلاف کرنے سے) ڈرایئے اور جو ایمان لے آئے ان کو یہ خوشخبری سنایئے کہ ان کے رب کے پاس (پہنچ کر) ان کو پورا مرتبہ ملے گا۔ (پارہ ۱۱ رکوع ۶)
- "بے شک میں تمہارے لیے اس کی طرف سے ڈر اور خوشی سنانے والا ہوں۔" (پارہ ۱۱ رکوع ۱۷)
- "اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر خوشی اور ڈر سنانا۔" (پارہ ۱۹ رکوع ۳)

حضور ﷺ کی ذات قدسی صفات میں ہر مومن کے لیے اُسوۂ حسنہ ہے

- "تم لوگوں کے لیے یعنی ایسے شخص کے لیے جو اللہ سے اور روزِ آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکرِ الٰہی کرتا ہو رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود

تھا۔" (پارہ ۳۱ رکوع ۱۹)

دُعائے خلیلؑ و نوید مسیحاؑ

"اے ہمارے پروردگار اور اس جماعت کے اندر ان ہی میں کا ایک ایسا پیغمبر بھی مقرر کیجیے جو ان لوگوں کو آپ کی آیتیں پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو (آسمانی) کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیا کریں۔ (پارہ ا رکوع ۱۵)

"اور میرے بعد جو ایک رسول ﷺ آنے والے ہیں جن کا نام (مبارک) احمد ہوگا میں ان کی بشارت دینے والا ہوں۔" (پارہ ۲۸ رکوع ۹)

حضور ﷺ کی نبوت کا ثبوت واستدلال

"کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہے آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ اگر میں نے اس کو اپنی طرف سے سنایا ہوگا تو پھر تم لوگ مجھ کو خدا سے ذرا بھی نہیں بچا سکتے وہ خوب جانتا ہے تم قرآن میں جو جو باتیں بنا رہے ہو۔ میرے اور تمہارے درمیان میں کافی گواہ ہے۔ (پارہ ۲۶ رکوع ۱)

حضور ﷺ پر کتاب اور حکمت نازل کی گئی

"اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر کتاب اور حکمت کی باتیں نازل فرمائیں۔" (پارہ ۲۹ رکوع ۳)

حضور ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کی تعریف

"اور بے شک آپ ﷺ کے لیے ایسا اجر ہے جو (کبھی) ختم ہونے والا نہیں اور بے شک آپ ﷺ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں۔" (پارہ ۲۹ رکوع ۳)

اللہ نے حضور ﷺ کا ذکر بلند کر دیا

"اور ہم نے آپ ﷺ کا ذکر بلند کیا۔" (پارہ ۳۰ رکوع ۱۹)

حضور ﷺ پر دُرود بھیجنے کا حکم

"بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں پیغمبر پر۔ اے ایمان والو تم بھی آپ ﷺ پر دُرود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔" (پارہ ۲۲ رکوع ۴)

حضور ﷺ خدا کی حفاظت میں

"اور اے محبوب ﷺ! تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو کہ بے شک تم ہماری نگہداشت میں ہو۔" (پارہ ۲۷ رکوع ۴)

"یقیناً میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔" (پارہ ۹ رکوع ۱۴)

"اور اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔" (پارہ ۶ رکوع ۱۴)

"آپ کہہ دیجیے کہ میرے لیے خدا کافی ہے۔" (پارہ ۲۴ رکوع ۱)

"کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ (محمد ﷺ کی حفاظت) کے لیے کافی نہیں۔" (پارہ ۲۴ رکوع ۱)

"یہ لوگ جو ہنستے ہیں ان سے آپ ﷺ کے لیے ہم کافی ہیں۔" (پارہ ۱۴ رکوع ۶)

حضورؐ کی ازواجؓ مسلمانوں کی مائیں ہیں

"اور آپ ﷺ کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔" (پارہ ۲۱ رکوع ۱۷)

"اور تم کو جائز نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی بیبیوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔" (پارہ ۲۲ رکوع ۴)

حضور ﷺ نے فتح مکہ کی پیشین گوئی کی

"بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا جو مطابق واقع کے ہے کہ تم لوگ مسجد حرام (یعنی مکہ) میں ان شاء اللہ ضرور جاؤ گے۔ امن وامان کے ساتھ۔" (پارہ ۲۶ رکوع ۱۲)

حضور ﷺ کو سبع مثانی عطا ہونے کا انعام

"اور ہم نے آپ ﷺ کو سات آیتیں دیں جو (نماز میں) مکرر پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم دیا۔" (پارہ ۱۴ رکوع ۶)

حضور ﷺ کے مزاج اور نرم دلی کی تعریف

"بعد اس کے اللہ ہی کی رحمت کے سبب آپ ﷺ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپ ﷺ تند خوسخت طبیعت ہوتے تو یہ آپ ﷺ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے۔" (پارہ ۴، رکوع ۸)

قرآن کریم سے کہاں تک آیات نقل کی جائیں جبکہ پورا قرآن، سیرت النبی ﷺ کا بیان ہے جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضور ﷺ کا اخلاق دریافت کرنے والے سے فرمایا تھا کہ "پوری سیرت پاک قرآن کا بیان ہے۔" قرآن حیات رسول ﷺ کا متن ہے اور حیات رسول ﷺ قرآن کی متن۔ کتاب اللہ سیرت النبی ﷺ کی تفسیر ہے اور سیرۃ النبی ﷺ کتاب اللہ کی تفسیر۔

قوت برداشت

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بانی حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ صاحب نے تصوف کے علاوہ تعمیر ملت اور اصلاح معاشرہ جیسے موضوعات پر نہ صرف تحقیقی کتب تحریر فرمائیں بلکہ انسانی فلاح و بہبود اور ملتِ اسلامیہ کی تعمیر نو کی غرض سے ایک بہت بڑے سلسلہ تصوف (سلسلہ عالیہ توحیدیہ) کی بنیاد بھی رکھی۔ آپؒ عظیم مفکر اور ولی کامل تھے۔ آپؒ کے خطبات سالکین حق کے لیے ایک بے نظیر تحفہ اور تصوف کے موضوع پر ایک حکم کا درجہ رکھتے ہیں۔ (ادارہ)

بہت سی الجھنیں اور پریشانیاں ہیں جو کسی وقت بھی انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ مثلاً بیماریاں ' مقدمات' میاں بیوی کی ناچاقی ' ہمسائیوں کی بے جا زیادتیاں ' دفتروں میں افسروں کی ناراضی' ملازمت جانے یا ترقی رک جانے کا خوف' کاروبار میں نقصان۔ الغرض ایک بات ہو تو بیان کیا جائے۔ یہاں تو جس طرف دیکھو خطرات اور پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں اور کیوں نہ ہوں جب کہ پیدا کرنے والے نے خود ہی کہہ دیا ہے لقد خلقنا الانسان فی کبد (ہم نے انسان کو پیدا ہی پریشانیوں کے بیچ میں کیا ہے) اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حالت یہ ہے کہ تو انسان کس طرح اطمینان و سکون کی زندگی بسر کر سکتا ہے اور اس کو حقیقی خوشی اور دائمی مسرت کس طرح میسر آسکتی ہے جواب یہ ہے کہ صرف پکا اور سچا توحیدی بن کر۔۔۔ وہ کس طرح؟۔۔۔ وہ اس طرح کہ کوئی شخص صرف زبان سے یہ کہہ دینے سے کہ میں صرف ایک خدا کو مانتا ہوں توحیدی نہیں بنتا بلکہ خدا نے قرآن پاک میں جو کچھ احکام و ہدایات دی ہیں ان پر دل سے یقین اور صداقت سے عمل کرنے سے توحیدی بنتا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب تم پر کوئی مصیبت پڑے تو حکم ہے کہ صبر اور صلوۃ کے ذریعے خدا سے مدد مانگو۔ افسوس یہ کہ آج عام مسلمان صبر کے صحیح معنی بھی نہیں جانتے صبر کے معنی ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جب کوئی مصیبت پڑے تو اس کو دور کرنے کے لئے عملاً کچھ نہ کرو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے خاموش گھر میں بیٹھ جاؤ اور انتظار کرتے رہو کہ اللہ تبارک تعالیٰ کسی نہ کسی دن اس مصیبت کو خود ہی دور کر دے گا چنانچہ زبان سے ایسے ایسے محاورے بھی نکل جاتے ہیں کہ "ہم تو صبر کئے بیٹھے ہیں" "میرا صبر پڑے تیری جان پر" "مجبوری کا نام صبر ہے" وغیرہ وغیرہ صبر کے ہرگز یہ معنی نہیں ہیں بلکہ صبر کے معنی ہیں "برداشت کرنا" اور خوشی سے برداشت کرنا" میں بھی پہلے صبر کے وہی معنی سمجھتا تھا جو اوپر بیان ہوئے ہیں لیکن ایک دن فتوح الشام میں جنگ یرموک کی ایک لڑائی کا ذکر پڑھتے ہوئے یہ الفاظ نظر سے گزرے۔ "جب رات کا اندھیرا بہت گہرا ہو گیا تو لڑائی بند ہو گئی اور صحابہؓ کبار اپنے اپنے خیموں میں واپس آئے تو ان میں دو صحابہ (جن کا نام مجھے اس وقت یاد نہیں) جب اپنے خیمے میں پہنچے تو اپنی زرہ بکتر وغیرہ اتارتے ہوئے ایک صحابیؓ نے دوسرے سے کہا الحمد اللہ کہ آج اللہ تبارک وتعالیٰ نے بڑا صبر عطا کیا۔ "صبح کی نماز کے بعد جب لڑائی شروع ہوئی اس وقت سے اب تک میں دونوں ہاتھوں میں تلوار لے کر برابر لڑتا رہا ہوں نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ نمازیں بھی قضا ہو گئیں۔ لیکن میں نے ذرا تکان محسوس نہیں کی۔ دو ایک مرتبہ کچھ سستی سی غالب ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے نئے سرے سے دل میں وہ طاقت پیدا کی کہ نئے ولولہ اور جوش سے پھر لڑنے لگا اور سینکڑوں کافروں کو جہنم پہنچایا۔" یہ الفاظ پڑھ کر میرے ذہن میں صبر کے معنی اس طرح کھلے جیسے کہ کوئی چیز آنکھوں سے نظر آتی ہے۔ اس وقت میں سمجھا کہ صبر کے معنی تو برداشت کرنے کے ہیں اور وہ بھی خوشی سے برداشت کرنے کے ہیں۔ یعنی جب تم کو کوئی مشکل پیش آئے یا کوئی مصیبت آپڑے تو اس کو

> **آنے والی مصیبتوں کو اگر کوئی ٹال سکتا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ٹال سکتا ہے**

دفع کرنے کے لئے بھرپور کوشش کرو اور وہ بھی اس طرح کہ سستی، تکان، یا مایوسی کا خیال تک تمہارے دل میں نہ آنے پائے اب آپ خود غور کریں کہ جب کوئی آدمی اس شان سے کوشش کرے گا تو اول تو وہ یقیناً کامیاب ہوگا اور اگر نہ بھی ہو تو کوشش کے دوران مصیبت کا خیال اس کے دل و دماغ کو ہرگز اس طرح متاثر نہ کرے گا جیساکہ خاموش بیٹھے رہنے میں کرتا ہے۔

الغرض کہیں بھی اور کسی بھی حال میں ہو سوائے خدا کے نہ کسی سے ڈرو نہ کسی سے مدد چاہو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بندہ خدا کے بنائے اور بتائے ہوئے وسائل سے کام لینا ترک کر دیتا ہے بلکہ ہر مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لئے بھرپور کوشش کرنے کے بعد بھی اگر ناکامیاب ہو جاتا ہے تب بھی ہمت نہیں ہارتا اور مایوس نہیں ہوتا بلکہ خوش ہی رہتا ہے۔ ایسی حالت میں وہ اس آیت کی طرف رجوع کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک چیز کو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ لیکن اللہ اس کو تمہارے لئے پسند نہیں کرتا (اس لئے نہیں دیتا) یہ آیت اس کو بے انتہا سکون اور طاقت قلبی عطا فرماتی ہے۔ اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ اگر میری کوشش کامیاب ہو جاتی تو انجام کار وہ میرے لئے مفید ہونے کے بجائے انتہائی تکلیف دہ اور ممکن ہے کہ تباہ کن ثابت ہوتی۔ ایسے تین چار واقعات خود مجھ کو اپنی زندگی میں پیش آئے ہیں اور یہ میرا ذاتی تجربہ ہے۔ آپ کو میرے تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ میں وہ واقعات یہاں محض طوالت کے خوف سے تحریر نہیں کر رہا لیکن عام مجلسوں میں اکثر آپ لوگوں کو سناتا رہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم پر جو مصیبت آنے والی ہے وہ ہم نے پہلے ہی سے تمہارے نام کتاب میں لکھ دی ہے۔ اس آیت سے بھی تم کو ذہنی اور قلبی تقویت ملنی چاہیے۔ تم کو سوچنا چاہیے کہ جب اللہ نے یہ مصیبت ہمارے نام پہلے ہی سے لکھ دی ہے تو اس پر گھبرانا، رنج کرنا یا مایوس ہو جانا انتہائی ناشکری، کفران نعمت بلکہ ایک قسم کی بغاوت ہے۔ اگر تم آنے والی مصیبتوں کو نعمت سمجھ لو تو تم کو دائمی مسرت جیسی نعمت حاصل ہو جائے جو کروڑوں اور اربوں روپے میں بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہاں آپ کے دل میں یقیناً یہ خیال یہ سوال پیدا ہوگا کہ بھلا مصیبت کو نعمت اور رحمت کس طرح سمجھا جا سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے قرآن پاک غور سے نہیں پڑھا۔ غور سے پڑھا ہوتا تو یہ اعتراض ہرگز دماغ میں پیدا نہ ہوتا۔ فرماتے ہیں علمه الذين يستنبطونه (قرآن کا علم ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو اس میں سے نتائج اخذ کرتے ہیں) تو بہت سی آیات ایسی ہیں کہ اگر ان کو بار بار غور سے پڑھا جائے اور سمجھنے کی کوشش کی جائے تو نہایت صحیح معنی سمجھ میں آتے ہیں۔

جب تک قوت برداشت بدرجہ کمال حاصل نہ ہو جائے راہ سلوک میں دو قدم آگے بڑھنا بھی ناممکن ہو جاتا ہے

دیکھئے اللہ کے فرمان کے مطابق مصیبت اس طرح نعمتوں کی تکمیل کا باعث ہوتی ہے۔ مصیبت میں خدا زیادہ یاد آتا ہے اور تضرع وزاری کے ساتھ یاد آتا ہے۔ قلب میں جو غرور اور خشونت اور رعونت یا غصہ پیدا ہوتا ہے وہ عام جسمانی اور قلبی ودماغی کمزوری کی وجہ سے اگر بالکل کمزور نہ ہو بہت کچھ کم ضرور ہو جاتا ہے اور طبیعت شر وفساد سے ہٹ کر نیکی کی طرف مائل ہو جاتی ہے زندگی سے مایوسی کی وجہ سے انسان اپنے پچھلے گناہوں سے سچی اور پکی توبہ کر لیتا ہے یہ تو عوام کے لئے سالکان راہ خدا کا تجربہ ہے کہ جس قدر کسی کو تکلیف ہوتی ہے اسی قدر اس کا قلبی تعلق خدا سے زیادہ ہو جاتا ہے اور قرب اور لقائے باری تعالیٰ کے حصول میں جس قدر مدد اس سے ملتی ہے وہ کسی اور ریاضت وعبادت سے نہیں ملتی۔ اب خود سوچئے کہ لقاء اور قرب خداوندی سے زیادہ بڑی نعمت اور کون سی ہو سکتی ہے اور یہی ہے وہ تکمیل نعمت جس کا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مصیبتوں اور تکلیفوں سے سب سے بڑی نعمت جو انسان خصوصاً ایک سالک کو ملتی ہے وہ ہے قوت برداشت۔ یہ صفت اتنی اہم ہے کہ اگر کسی انسان میں نہ ہو تو وہ یا تو پاگل ہو جائے گا یا مر جائے گا۔ غور کیجئے کہ ہر انسان کو صبح سو کر اٹھنے سے رات کو سونے تک ایسی بیسیوں باتیں پیش آتی ہیں جو اس کو سخت ناگوار گزرتی ہیں اور اس کے دماغ پر بہت برا اثر کرتی ہیں۔ مثلاً ناشتہ حسب منشاء نہ تھا۔ ایک بچے نے پلیٹ توڑ دی۔

دوسرے نے اپنے چاقو مار لیا۔ خرچ پر بیوی سے جھڑپ ہو گئی۔ اب دفتر پہنچے تو دیکھا کہ صاحب بہادر کا پارہ کھولاؤ کے درجے تک پہنچا ہوا ہے۔

> صبر کے معنی تو برداشت کرنے کے ہیں اور وہ بھی خوشی سے برداشت کرنے کے ہیں

دن بھر جا و بیجا جھاڑ پڑتی رہی۔ گھر کو لوٹے تو راستے میں ایک دوست سے فضول سی بحث ہو گئی۔ الغرض نوے فی صدی لوگوں کے دن رات ایسی ہی لغویات میں صرف ہوتے ہیں پہلے تو وہ برداشت کرتے ہیں پھر رفتہ رفتہ عادی ہو جاتے ہیں۔ سیاست دانوں کے دن رات بھی جوڑ توڑ اور سیاسی جھگڑوں میں کٹتے ہیں۔ بہت بڑے اولوالعزم لوگ جو "زمانہ باتو نسازد تو بازمانہ ستیز" کے اصولوں پر چل کر اپنا راستہ ہی سارے ملک و معاشرے سے الگ بنانا چاہتے ہیں۔ ان کے تفکرات بھی اتنے ہی شدید ہوتے ہیں۔

مہم جو بہادروں کی ہمت پر غور کیجئے موت سے لڑ کر پہاڑوں کی چوٹیوں کو سر کرتے ہیں میدان جنگ میں جب انتہائی گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہو اگر فوجوں کو لڑانے والے افسر اور جنرل برداشت کی قوت سے عاری ہوں یا گھبرا جائیں تو ساری فوج کی تباہی اور شکست فاش یقینی ہے۔

چنگیز خان کے تین برس تک سخت خارش رہی مگر اس نے تین برس میں ایک مرتبہ بھی نہیں کھجایا۔ یہ ہے قوت برداشت۔ نپولین بارہ گھنٹے گھوڑے پر سوار رہتا نیند آتی تو وہیں سو جاتا۔ مصطفی کمال پاشا جب پہلی جنگ عظیم میں گیلی پولی پر انگریزوں سے لڑ رہا تھا تو اس نے اپنا ہیڈ کوارٹر ایک پہاڑی کی چوٹی پر بنایا تھا۔ ہیڈ کوارٹر کیا تھا صرف ایک خیمہ تھا۔ وہیں سے وہ اپنی فوج کو لڑاتا تھا۔ ایک دن انگریزوں نے اس قدر سخت گولہ باری کی کہ گولے خیمے سے بیس پچیس فٹ کے فاصلے پر گرنے لگے۔ سٹاف کے افسروں نے کہا کہ آپ کا خیمہ اور پیچھے لگا دیں۔ اس نے انکار کر دیا۔ وہیں سے فوج کو لڑاتا رہا اور آخر کار انگریزوں کو ایسی سخت شکست دی جو برطانیہ کی تاریخ میں سب سے بڑی اور سب سے تباہ کن شکست تھی۔ یہ ہے قوت برداشت جس کے بغیر دنیا کے کسی عظیم الشان کام میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔

پیغمبروں کی ہمت اور قوت برداشت پر نظر کیجئے۔ جاہل عوام کی اصلاح کے لئے کیسی کیسی سخت تکلیفیں اٹھاتے ہیں لیکن ان کے پائے ثبات میں تزلزل نہیں آنے پاتا۔ خود اپنے نبی کریمؐ کی مکے کی ۱۳ سال کی زندگی کا مطالعہ کیجئے اگر حضورؐ دشمنوں کے مقابلے میں اس قدر ٹھنڈے دل و دماغ اور برداشت سے کام نہ لیتے اور بات بات پر مشتعل ہو جاتے دشمنوں سے لڑنے لگتے تو آج اس دنیا میں اسلام کا نام و نشان بھی نہ ہوتا۔

پیغمبروں کی ہمت اور قوت برداشت پر نظر کیجئے۔ جاہل عوام کی اصلاح کے لئے کیسی کیسی سخت تکلیفیں اٹھاتے ہیں لیکن ان کے پائے ثبات میں تزلزل نہیں آنے پاتا۔ خود اپنے نبی کریمؐ کی مکے کی ۱۳ سال کی زندگی کا مطالعہ کیجئے اگر حضورؐ دشمنوں کے مقابلے میں اس قدر ٹھنڈے دل و دماغ اور برداشت سے کام نہ لیتے اور بات بات پر مشتعل ہو جاتے دشمنوں سے لڑنے لگتے تو آج اس دنیا میں اسلام کا نام و نشان بھی نہ ہوتا۔ یہی حال صوفیوں کا ہے جو لقائے ربانی اور قرب باری تعالیٰ کا مقصد سامنے رکھ کر سلوک طے کرتے ہیں۔ ان کو بھی ہر ہر قدم پر خانگی، معاشرتی اور مالی رکاوٹوں اور حوادثات کا مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔ حالانکہ اس سلوک کے لئے ضروری ہے کہ جب تک سالک اللہ کا خیال ذہن میں رکھے کوئی شے ارتکاز خیال میں رکاوٹ ڈالنے والی نہ ہو۔ چونکہ یہ ممکن نہیں۔ اس لئے لامحالہ قوت برداشت کا تھامنا اور اس کی مشق کرنی ہوتی ہے۔ جب تک قوت برداشت بدرجہ کمال حاصل نہ ہو جائے راہ سلوک میں دو قدم آگے بڑھنا بھی ناممکن ہو جاتا ہے اور یہ تو صرف اتنی دیر کی بات ہے جب کہ سالک مراقبہ یا دھیان میں ہو۔ سب سے مشکل بات تو یہ ہے کہ روزانہ کی زندگی میں جو ناقابل برداشت واقعات اور حادثات پیش آتے ہیں ان کا بھی سالک کے دل پر اتنا اثر نہ ہو جو خدا کو بھلا دے مثلاً سالک کا اکلوتا جوان بیٹا مر جائے۔ بڑی عزت اور معقول تنخواہ کی نوکری چھوٹ جائے اور پاس ایک پیسہ نہ ہو اور بیوی بچوں کا خرچ ناگزیر ہو جائے گھر میں آگ لگے یا چوری ہو جائے کہ ایک چیز بھی باقی نہ بچے۔ جھوٹا الزام لگے اور قید خانے کی ہوا کھانا پڑے۔ کوئی سخت اور لمبی بیماری

آن پڑے اور علاج کی مقدرت نہ ہو۔ الغرض یہ اور ایسی ہی کئی اور مصیبتیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنے راستے کے سالکوں کو نوازتا ہے۔ جیسا کہ اس نے خود قرآن کریم میں فرمادیا ہے۔ اب آپ خود سوچیں کہ ان روح فرسا اور ہوش ربا مصائب و الام کے ہوتے ہوئے کون مائی کا لال ہے جو ان کا اثر دل پر نہ ہونے دے اور برابر آگے بڑھتا چلا جائے۔ اثر ضرور ہونا چاہئے کیونکہ اسلامی تصوف میں نفس کو بالکل ہلاک کر دینا اور خواہشات کو قطعاً مٹا دینا سخت منع ہے۔ لیکن یہ اثر اگر دس پانچ منٹ نہیں تو زیادہ سے زیادہ دو چار گھنٹے رہنا چاہئے اس کے بعد جب خدا کی طرف دھیان کرے تو سوائے خدا کے کچھ بھی یاد نہ رہے اس سے روحانی قوت اتنی بڑھتی ہے اتنا سکون قلب حاصل ہوتا ہے کہ جس کو تجربہ ہو صرف وہی جان سکتا ہے۔

میں نے جو حلقہ توحیدیہ کی تعلیم میں تزکیہ اخلاق کے لئے غصہ کو نفی کرنا لازم قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ غصہ کی نفی سے قوت برداشت پیدا ہوتی ہے۔ پہلے زمانہ کے بزرگ قوت برداشت پیدا کرنے کے لئے اپنے مریدوں کو کئی کئی سال تک سفر کرنے کا حکم دیتے تھے۔ سقے اور خاکروب کا کام کراتے اور بھیک منگواتے تھے۔ آج زمانہ بدل چکا ہے۔ زندگی کے طریقے، سوچنے کے انداز اور ذہنیت بالکل بدل گئے۔ اگر ایسا کوئی حکم دیا جائے تو شاید ایک آدمی بھی حلقہ میں شامل نہ ہو۔ پھر غصہ کی نفی میں یہ فائدہ ہے کہ اس کی مشق گھر ہی میں ہو سکتی ہے۔ آپ اپنی بیوی کی غلطیوں حتیٰ کہ بد مزاجی پر مطلق غصہ نہ کریں۔ بعض باتوں کو نظر انداز کر جائیں اور بعض پر نہایت میٹھے اور نرم لہجہ میں سمجھا دیں۔ بچوں کی شرارتوں اور نوکروں کی خطاؤں پر ہرگز غصہ نہ کریں بلکہ نرمی اور پیار سے سمجھا دیں۔ آپ دیکھیں گے کہ ادھر آپ کا غصہ بہت کم ہو جائے گا ادھر بیوی بچوں اور نوکروں کی بھی کسی نہ کسی قدر اصلاح ہو جائے گی۔ ہمارے حلقہ میں ایک صاحب ہیں جن کے غصہ سے نہ صرف گھر والے بلکہ ماں باپ اور اہل محلّہ بھی ڈرتے تھے اور ڈر کی وجہ سے کوئی ان کے پاس نہ جاتا تھا۔ وہ جب بیعت ہوئے اور میں نے غصہ کی برائیاں ان کو سمجھائیں تو انہوں نے صرف دس پندرہ دن میں غصہ بالکل نفی کر دیا۔ اب یہ حال ہے کہ وہ گھر اور محلّہ میں سب سے زیادہ ہردلعزیز ہیں۔ وہ خود مجھے کہتے تھے کہ قبلہ صاحب جس آدمی میں غصہ ہو وہ انسان نہیں حیوان اور درندہ ہے۔

اب آپ کے ذہن میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ جانی چاہئے کہ ذکر کا حسب دلخواہ فائدہ اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ دنیا کے تمام تفکرات و الام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے بے فکر ہو جاؤ کہ جو کچھ اس کو کرنا ہے وہی ہو گا اور اسی میں ہمارا فائدہ ہے اور آنے والی مصیبتوں کو اگر کوئی ٹال سکتا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ٹال سکتا ہے۔ لہٰذا اسی سے دعا کرو اسی کے آگے روؤ اور اسی سے مانگو جو مانگنا ہے ہرگز کسی زندہ یا مردہ بزرگ سے استعانت نہ چاہو۔ اس کا ڈائرکٹ تعلق اپنے ہر بندے کے ساتھ ہے۔ وہ سمیع ہے بصیر ہے مجیب الدعوات ہے۔ اگر اس پر بھی تمہاری دعا قبول نہ ہو تو سمجھ لو کہ جو کچھ تم مانگ رہے ہو۔ خدا اس کو تمہارے لئے اچھا نہیں سمجھتا۔ لہٰذا اپنی مرضی کو اسی کی مرضی کے سپرد کر دو اور جو کچھ بھی ہو اس پر خوش رہو۔ کیا مسلمان ہو کر یا توحیدی بن کر تم نے خدا سے یہ ٹھیکہ کر لیا ہے کہ جب تک وہ تمہاری مرضی کے مطابق کام کرتا ہے اس وقت تک وہ تمہارا خدا اور تم اس کے بندے ہو اور جب کوئی کام وہ تمہاری مرضی کے خلاف کرے تو پھر کس کا خدا اور کس کی بندگی؟ لا حول و لا قوۃ الا باللہ لعنت ہے ایسی بندگی پر۔

اب آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ مصیبتوں کو خوشی سے برداشت کرنا راضی برضائے الٰہی رہنا اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے کس قدر ضروری ہے۔

> اللہ کے فرمان کے مطابق مصیبت اس طرح نعمتوں کی تکمیل کا باعث ہوتی ہے۔ مصیبت میں خدا زیادہ یاد آتا ہے اور تضرع وزاری کے ساتھ یاد آتا ہے'۔ قلب میں جو غرور اور خشونت اور رعونت یا غصہ پیدا ہوتا ہے وہ عام جسمانی اور قلبی و دماغی کمزوری کی وجہ سے اگر بالکل کمزور نہ ہو بہت کچھ کم ضرور ہو جاتا ہے اور طبیعت شر و فساد سے ہٹ کر نیکی کی طرف مائل ہو جاتی ہے زندگی سے مایوسی کی وجہ سے انسان اپنے پچھلے گناہوں سے سچی اور پکی توبہ کر لیتا ہے

روزے ضرورت و اہمیت

مولانا زوار حسین

روزہ اسلام کا تیسرا رکن اور فرض محکم ہے' یہ ان عبادات میں سے ہے جن کو دین اسلام کا ستون اور شعار قرار دیا گیا ہے' صبح صادق کے طلوع ہونے سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور مباشرت سے رکا رہنے کا نام روزہ ہے' جبکہ یہ سب روزہ کی نیت کے ساتھ ہو' پس اگر غروب آفتاب سے ایک منٹ پہلے بھی کچھ کھا پی لیا تو روزہ نہیں ہوا۔ اسی طرح اگر ان تمام چیزوں سے پرہیز تو پورے احتیاط کے ساتھ کیا مگر نیت روزہ کی نہیں کی تب بھی اس کا روزہ نہیں ہوا۔ روزہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ روزہ کی فرضیت صرف امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے جو امتیں گزری ہیں ان پر بھی روزے فرض کیے گئے تھے۔ جیسا قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ اور یہ فرض روزے چند گنتی کے دنوں یعنی ایک ماہ کے روزے ہیں۔"

(سورہ بقرہ آیت ۱۸۳' ۱۸۴)

اس آیت مبارکہ سے روزہ کی خاص اہمیت بھی معلوم ہوتی ہے اور مسلمانوں کی دلجوئی کا بھی انتظام کیا گیا ہے کہ اگرچہ روزہ مشقت کی چیز ہے مگر یہ مشقت گنتی کے چند دنوں کے لئے ہے اور تم سے پہلے لوگ بھی یہ مشقت اٹھاتے رہے ہیں اور یہ طبعی بات ہے کہ جب مشقت عام ہو اور بہت سے لوگ اس میں مبتلا ہوں تو وہ ہلکی معلوم ہونے لگتی ہے' جو امتیں اس امت سے پہلے گزر چکی ہیں۔ ان پر بھی روزے فرض تھے' لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے روزے تمام حالات وصفات میں مسلمانوں کے روزوں کے مساوی ہوں' چنانچہ ہر امت کے فرض روزوں کی تعداد مختلف رہی ہے اور ان کے ایام و اوقات اور بعض صفات میں بھی فرق ہوتا رہا ہے۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کی تمام شریعتوں اور امتوں میں روزہ فرض رہا ہے اور جس طرح نماز کی عبادت سے کوئی شریعت اور کوئی امت خالی نہیں رہی اسی طرح روزہ بھی ہر شریعت میں اور ہر امت پر فرض محکم رہا ہے۔

روزہ کی ایک اہمیت آیت مذکورہ میں یہ بیان فرمائی ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ اور پرہیزگاری حاصل کرنے میں روزہ کو بڑا دخل ہے کیونکہ روزہ رکھنے سے اپنی خواہشات نفسانی کو قابو میں رکھنے کا ایک ملکہ پیدا ہوتا ہے جو کہ تقویٰ کی بنیاد ہے اور تقویٰ ہی سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے اور متقی آدمی اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ مکرم ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے کہ۔

"تم میں سب سے زیادہ مکرم اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔"

(سورہ الحجرات آیت ۱۳)

فطرت کا یہ تقاضا کہ انسان کی عقل کو اس کے نفس پر ہمیشہ کا غلبہ اور تسلط حاصل رہے' لیکن اکثر اوقات بشری تقاضوں کے باعث اس کا نفس اس کی عقل پر غالب آجاتا ہے۔ اس لئے اسلام نے نفس کی اصلاح اور پاکیزگی کے لئے روزہ کو فرض فرمایا اور اصول دین میں سے ٹھہرایا ہے' کیونکہ زیادہ کھانے پینے اور نفسانی خواہشات میں مبتلا رہنے سے سوائے نفسانی وشہوانی کو ترقی ہوتی ہے جس کا لازمی نتیجہ گناہ' برائی اور بے حیائی ہے' اس سے انسان کی دنیا اور آخرت کی زندگی تباہ و برباد ہو جاتی ہے اور کم کھانے پینے اور خواہشات نفسانی میں میانہ روی اختیار کرنے سے پرہیزگاری حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے ارشاد فرمایا ہے کہ تم پر روزے اس لئے فرض کئے گئے ہیں تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

روزہ رکھنے میں بہت سی حکمتیں اور فوائد ہیں' جن سے روزہ کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے' ایک حکمت یہ ہے کہ روزہ رکھنے سے انسان کو اپنی عاجزی اور مسکینی اور خدا تعالیٰ کی عظمت و جلال اور اس کی قدرت کاملہ پر نظر پڑتی ہے اور اس سے بندگی او فرمانبرداری کی صفت پیدا ہوتی ہے' روزہ کی برکت سے چشم بصیرت کھلتی ہے اور دین کی سمجھ میں ترقی ہوتی ہے' روزہ کی حالت میں فرشتوں کی صفات ملکیہ سے متصف ہوتا ہے اور اس کی برکت سے انسان کو ملائکہ الٰہی کے ساتھ قرب حاصل ہوتا ہے روزہ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کا موقع ملتا ہے' درندگی اور چوپایوں والی صفت سے دوری حاصل ہوتی اور انسانی ہمدردی کا جذبہ دل میں پیدا ہوتا ہے کیونکہ جب تک کسی شخص نے بھوک اور پیاس کی تکلیف کو محسوس ہی نہ کیا ہو وہ بھوکوں اور پیاسوں کے حال سے کس طرح واقف ہو سکتا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر میں عزیز مصر تھے اور مصر میں قحط سالی کا طویل دور شروع ہوا تو اس زمانے میں آپ شکم سیر ہو کر نہیں کھاتے تھے تاکہ بھوکے لوگوں کی تکلیف کو بھول نہ جائیں اور ان کی امداد میں فرق نہ آجائے۔

جو شخص بھوک اور پیاس کی مشقت سے واقف نہ ہو رزاق مطلق کی نعمتوں کا شکر حقیقی طور پر ادا نہیں کر سکتا اگرچہ زبان سے شکر کے الفاظ ادا کرتا رہے۔ جب تک کسی کے معدہ میں بھوک

اور پیاس کا اثر اور اس کے رگ و ریشہ میں ضعف و ناتوانی کا احساس نہ ہو اس کو اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی قدر نہیں ہوتی، جو اس کی بھوک پیاس کو دور کرتی اور کمزوری کو زائل کرتی ہیں۔ اسی لئے وہ ان خداوندی نعمتوں کا کماحقہ شکر بھی ادا نہیں کر سکتا۔ روزہ انسان کے لئے ایک روحانی غذا ہے جو دوسرے جہان یعنی آخرت میں انسان کو ایک غذا کا کام دے گا۔ جن لوگوں نے اس دنیا میں روزے نہیں رکھے وہ اس جہان میں بھوکے پیاسے ہوں گے اور ان پر آخرت میں روحانی افلاس ظاہر ہو گا کیونکہ انہوں نے اپنے ساتھ اپنا زاد راہ نہیں لیا۔

روزہ کی اہمیت یہ بھی ہے کہ یہ بلغمی امراض اور رطوبات فضلہ کو جسم سے زائل کر دیتا ہے، روزہ میں صبر اور برداشت کرنے کی عادت ہو جاتی ہے، ریگستان یا بیابانی سفر میں اگر اتفاق سے غذا یا پانی میسر نہ آئے تو روزہ کا عادی شخص اس فاقہ کو برداشت کر سکتا ہے، بخلاف زیادہ کھانے والے شخص کے جو فاقہ کو زیادہ دیر تک برداشت نہ کر کے تھوڑے عرصہ میں موت کے منہ میں پہنچ جاتا ہے، اسی طرح میدان جہاد میں روزہ کا عادی بھوک پیاس برداشت کر سکتا ہے۔ مشہور ہے کہ کسی ملک میں دو اشخاص کو غیر ملکی جاسوس ہونے کے جرم میں گرفتار کر کے جیل خانہ میں بند کر دیا گیا، ان میں سے ایک شخص موٹا تازہ تھا جو دن میں کئی مرتبہ کھاتا پیتا تھا اور دوسرا شخص کمزور تھا جو اکثر روزہ سے رہتا تھا ایک ہفتہ بعد معلوم ہو کہ دونوں بے گناہ ہیں۔ جب جیل خانہ کا دروازہ کھولا گیا تو جو شخص موٹا تازہ تھا وہ مر چکا تھا اور جو دبلا پتلا کمزور تھا وہ زندہ سلامت تھا۔ لوگوں کو اس بات پر بہت تعجب ہوا اتفاقاً ایک دانا آدمی کا ادھر سے گزر ہو جب اس کو اس واقعہ کا علم ہوا تو اس نے کہا کہ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ اگر اس کے برخلاف ہوتا تو تعجب ہوتا اس لئے کہ یہ موٹا تازہ آدمی بھوک و پیاس کی برداشت کا عادی نہیں تھا اس لئے اتنا عرصہ کھائے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا تھا اور یہ دبلا پتلا آدمی روزے کا عادی تھا اس لئے بھوک و پیاس کو اتنے عرصہ تک برداشت کر گیا اور زندہ سلامت رہا۔

ان سب مصلحتوں اور حکمتوں کے باوجود روزہ کی ایک بہت بڑی اہمیت اور ایک خاص حکمت یہ ہے کہ روزہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک بہت بڑا نشان ہے۔ جس طرح کوئی شخص کسی کی محبت میں سرشار ہو کر کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے اور میاں بیوی کے تعلقات بھی اس کو بھول جاتے ہیں اسی طرح روزہ دار بھی اللہ تعالیٰ کی محبت میں سرشار ہو کر اسی حالت کا اظہار کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے روزہ رکھنا جائز نہیں ہے اور اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے ہر نیک عمل کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مگر روزہ کہ وہ خاص میرے ہی لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا یعنی اس کی جزا میں ہی جانتا ہوں میں خود ہی دوں گا اس کو کسی اور کے سپرد نہیں کروں گا کیونکہ وہ اپنی خواہشات اور اپنا کھانا پینا میرے لئے ہی چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی اس کو افطار کے وقت حاصل ہوتی ہے اور ایک خوشی آخرت میں اپنے پروردگار یعنی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت حاصل ہوگی۔

روزہ دار کے منہ کی بو جو عام طور پر بھوک پیاس کے وقت منہ میں پیدا ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ نفیس اور پاکیزہ ہے۔

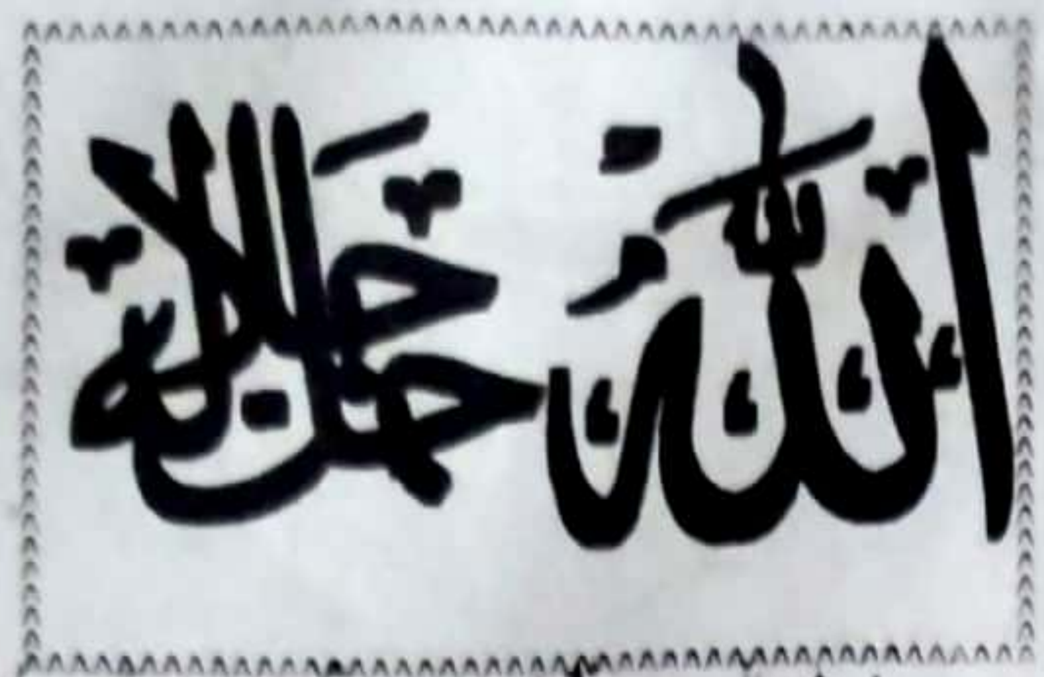

روزہ ڈھال ہے اس دنیا میں گناہوں کے لئے اور آخرت میں دوزخ کے لئے اور تم میں سے جب کسی کا روزہ ہو تو وہ نہ فحش کلام کرے اور نہ اونچی آواز سے بیہودہ چلائے پھر اگر اس کو کوئی گالی دے یا برا بھلا کہے یا اس سے لڑائی جھگڑا کرے تو اس کو یہ کہہ دینا چاہیے کہ بھائی میں تو روزہ دار ہوں۔ اس حدیث کو امام بخاری رحمتہ اللہ و امام مسلم رحمتہ اللہ نے روایت کیا ہے، اس روایت سے معلوم ہوا کہ روزہ کا ثواب بے انتہا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہ کس کو کتنا اجر و ثواب ملے گا۔

روزے کے فضائل میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں جس سے روزہ کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ ایک حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا جنت کے آٹھ دروازے ہیں ان میں سے ایک دروازہ کا نام ریان ہے، اس دروازے سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے۔

نیز حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا جو شخص روزے کی حالت میں جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑتا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے روزے کی ضرورت نہیں ہے۔ رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اس مبارک ماہ کے تمام روزے پورے آداب کے ساتھ رکھنے اور اس ماہ مبارک کی فضیلتوں کو حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

قرآن کریم اور رمضان المبارک

حکیم محمد سعید شہیدؒ

رمضان کا مقدس مہینہ اپنی اہمیت' صفات' خصائص اور برکات کے اعتبار سے تمام مہینوں پر فضیلت رکھتا ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے کہ جس میں سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر قرآن کریم نازل ہوا۔ قرآن کریم کا نزول انسانوں کی ہدایت و رہنمائی اور ایک ضابطہ حیات کے طور پر ہوا۔ رمضان المبارک خوشنودی رب اور احتساب کا مہینہ ہے۔ یہ مہینہ ایثار و قربانی' نفس کشی' تعلق باللہ اور تطہیر جسم و روح کا مہینہ ہے۔ اس کی ستائیسویں شب تاریخ ارض کی سب سے بڑی سب سے زیادہ روشن اور منور شب ہے۔ اس میں نزول قرآن کی ابتداء ہوئی اور قرآن کی روشنی نے صفحہ ارض کی تمام تاریکیوں کو دور کر کے انسانی بصارت و بصیرت اور فہم و ادراک کے لئے تمام راہیں روشن کر دیں۔

قرآن سے پہلے بھی دنیا کی مختلف قوموں امتوں کے لئے کتابوں کا نزول ہوتا رہا' لیکن عالم گیر اور ہمہ گیر حیثیت صرف قرآن ہی کو حاصل ہوئی ہے۔ یہ ایک ضابطہ اخلاق اور دستور حیات ہے۔ نظام حکومت اور آئین شریعت ہے۔ اس وقت دنیا میں سوائے قرآن پاک کے کوئی بھی کتاب ایسی نہیں جو تحریف سے پاک ہو' جس کی تعلیمات اپنی اصل صورت میں موجود ہوں اور جو نفس و روح کے ہر مرض اور ہر دکھ کا تیر بہدف علاج پیش کرتی ہو۔

قرآن پاک ہی وہ مقدس صحیفہ ہے جو لفظی اور معنوی اعتبار سے ہر قسم کے تغیر سے محفوظ ہے۔ اس کے بارے میں یہ دعویٰ بالکل صحیح اور درست ہے کہ وہ جن الفاظ کے ساتھ آج سے 14 سو سال پہلے نازل ہوا تھا بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ آج تک محفوظ ہے۔

قرآن کا نزول انسانیت پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان ہے۔ آج ابتدائے نزول قرآن کو پورے چودہ سو سال ہو چکے ہیں۔ اس مدت طویل میں اس کے کسی ایک حرف اور کسی ایک نقطے میں بھی کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ اسی طرح ہدایت و رہنمائی کے جو اصول قرآن میں ملتے ہیں وہ چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد آج بھی انسانیت کی اصلاح و فلاح کے ضامن ہیں اور قیامت تک یہ خصوصیت قائم رہے گی۔ آج انجیل مقدس کے ماننے والے بھی موجود ہیں اور توریت و زبور پر اعتقاد رکھنے والے بھی۔ بلاشبہ ان کتابوں کا آسمانی کتاب ہونا ایک حقیقت ہے' لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کتابوں میں اس درجہ تحریف ہو گئی کہ ان کے احکام و ہدایات اپنے اصل جوہر سے محروم ہو چکے ہیں۔ قرآن کے بارے میں یہ بات نہیں کہی جا سکتی۔ حتیٰ کہ قرآن کے بارے میں یہ بات وہ مستشرقین بھی نہیں کہہ سکے جن کا منشائے حیات ہی مخالفت اسلام و قرآن ہے۔ قرآن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (الحجر-9)

(رہا یہ ذکر' تو اس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں)۔

ہم مسلمان ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب اور دنیا کی رہنمائی کے لئے آخری صحیفہ ہے۔ بنی نوع انسان کی صلاح و فلاح قرآن کے ماننے پر منحصر ہے۔ قرآن کے بارے میں ہمارا یہ دعویٰ اگر محض منافقانہ نہیں تو اس کا کم از کم تقاضا یہ ہے کہ یہ کتاب ہم کو تمام کتابوں سے زیادہ عزیز ہو اور ہم تمام علوم و فنون کے مقابلے میں اس کے سیکھنے اور سمجھنے کے زیادہ شائق ہوں۔ کسی کتاب کو اللہ کی کتاب ماننا' اس کے ہدایت بخش ہونے پر اصرار کرنا اور پھر بھی ہماری زندگی کا اس کتاب سے بے تعلق ہونا کچھ سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کتاب سے تعلق تو ہمیں ویسا ہی ہو جیسا کہ ہم ظاہر کرتے ہیں' لیکن عملاً اس سے ہم اس قدر بے تعلق ہوں کہ یہ کتاب نہ تو ہمارے اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہو نہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں۔ نہ اس کا کوئی گزر ہماری عدالتوں میں ہو نہ دفتروں' گھروں اور بازاروں میں' حتیٰ کہ ہمارے دل میں بھی نہیں!

قرآن پاک اس لئے بھی قابل توجہ اور قابل مطالعہ ہے کہ اس کو انسانی معاشرے کی تاریخ میں بڑا اہم مقام حاصل ہے۔ اس کتاب نے انسانی تاریخ کا وہ عظیم انقلاب برپا کیا جس کی کوئی نظیر نہیں۔ دنیا میں لاتعداد انقلابات آئے مگر دنیا کی آنکھ نے ایسا انقلاب کبھی نہ دیکھا تھا کہ جس کا اصل باعث ایک کتاب اور اس کی تعلیمات رہی ہوں۔ چنانچہ اگر ہم صرف تاریخ میں دلچسپی رکھتے ہیں تب بھی ہمیں انسانی تاریخ کی اس سب سے بڑی اور موثر کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ قرآن صرف پڑھنے (قرآن خوانی) ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ سمجھنے (قرآن فہمی) کے لئے بھی ہے۔

تلاوت قرآن کے آداب

خرم مراد

☆ قرآن مجید کے ساتھ ہمارا تعلق کیا ہونا چاہیے؟ اس کو ہمیں کیسے پڑھنا چاہیے؟ اس کے لیے قرآن مجید نے ایک ہی لفظ استعمال کیا ہے اور وہ ہے تلاوت۔ ہم مطالعہ قرآن اور اس طرح کے بہت سے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ میں قرآن کے اتباع میں اسی اصطلاح کو استعمال کر رہا ہوں، اگرچہ مطالعہ قرآن کے آداب و شرائط بھی عنوان بنا سکتا تھا۔

تلاوت کا مفہوم:

تلاوت کے لفظ سے عام طور پر یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ آدمی سپارہ اٹھائے، قرآن اٹھائے اور پڑھے، یا نماز میں کھڑا ہو کر تلاوت کرے لیکن تلاوت کا لفظ عربی زبان میں، جس مادے سے نکلا ہے، ت ل و سے، اس کے معنی ہیں پیچھے آنا۔ پڑھنا تو ایک ثانوی عمل ہے۔ آپ غور کریں گے تو دیکھیں گے، پڑھنا تو ایسے ہے کہ ایک حرف کے بعد دوسرا حرف آئے، ایک لفظ کے بعد دوسرا لفظ آئے ایک آواز کے بعد دوسری آواز آئے۔ اگر حروف کو الٹ پلٹ دیں، جملے الٹ پلٹ دیں تو کوئی بات سمجھ نہ آئے گی۔ ایک کے بعد دوسرے کا آنا بھی پڑھنے کا اور سمجھنے کا عمل ہے۔ لیکن اس کے معنی کے اندر بڑی وسعت ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ دل و دماغ اس کے پیچھے لگ جائیں، زندگی بھی اس کے پیچھے لگ جائے اور قدم بھی اس کے پیچھے اٹھیں۔ وہی امام ہو، وہی نور ہو، وہی ہدایت ہو، وہی راہ نما ہو۔ آدمی پڑھے تو اس کا دل بھی اس کے اندر جذب ہو جائے، آنکھیں بھی اس کے اندر جذب ہو جائیں۔ زندگی کا کوئی گوشہ، کوئی پہلو تلاوت کے اثر سے خالی نہ رہے۔ تلاوت کے اس عمل سے، جب زبان الفاظ پڑھے گی تو آنکھیں بہنے لگیں گی، جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے، دل بھی کانپ اٹھے گا، عمل بھی بدل جائے گا اور سوچ میں بھی انقلاب آجائے گا۔ یہ سب کچھ جب اس کے پیچھے لگ جائیں، تو یہ تلاوت کا عمل ہوگا۔ اس تلاوت کے نتیجے میں تبدیلی آتی ہے۔

انسان تو ایک بہت نامعلوم سی چیز ہے، ایک زمانہ تھا کہ وہ ناقابل ذکر شے تھا۔ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ○ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ○ (الدھر ۷۶:۱-۲) ''کیا انسان پر لامتناہی زمانے کا ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا؟ ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تا کہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا''۔ اگر انسان اپنے آپ کو قرآن کی آغوش میں ڈال دے، سپرد کر دے تو وہ اس کو بالکل بلندیوں پر پہنچا سکتا ہے۔ اسی چیز کو حدیث میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بندے سے کہے گا کہ قرآن پڑھتا جا، اور اوپر چڑھتا جا، سہولت کے ساتھ، آسانی کے ساتھ۔ لہٰذا اگر اپنے آپ کو قرآن مجید کے سپرد کر دیا جائے تو عظمت و سربلندی کی کوئی انتہا نہیں ہے

تلاوت کی شرائط:

تلاوت کے حقیقی مفہوم تک پہنچنے کے لیے کچھ شرائط اور کچھ آداب ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کو مختصراً آپ کے سامنے بیان کروں۔ یوں سمجھیے کہ یہ زادِ سفر ہے۔

۱۔ اس میں پہلی چیز یہ ایمان ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اللہ کا کلام ہونے پر ایمان تو سب مسلمانوں کا ہے، لیکن اس ایمان کے کچھ مزید عملی تقاضے بھی ہیں جن کے بغیر ایمان ادھورا اور نامکمل ہے۔ اس ایمان کے بغیر یہ کتاب ہدایت اور رہنمائی کا کام نہیں کرتی۔ یہ ایمان سب کے لیے ضروری ہے، رسول کے لیے بھی ایمان رکھنا ضروری ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط (البقرہ ۲:۲۸۵) ''رسول اس ہدایت پر ایمان لایا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہے اور جو لوگ اس رسول کے ماننے والے ہیں، انھوں نے بھی اس ہدایت کو دل سے تسلیم کیا ہے''۔

اس تفصیل میں جانے کی یہاں ضرورت نہیں ہے کہ بغیر ایمان کے ہدایت کیوں حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ فلسفہ اور منطق کے مسائل ہیں جو اس وقت میرا موضوع نہیں۔ ان سب کا جواب بھی دیا جا سکتا ہے۔ بہرحال پہلی چیز ایمان ہے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اسی ایمان کے بعد ہی وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جس سے آدمی اس کتاب کے لیے محنت کرنے کو تیار ہوتا ہے، اور جو تعلق، شوق اور اضطراب ہونا چاہیے، جو بے چینی ہونی چاہیے، وہ حاصل ہوتی ہے۔ جس کو آدمی اپنا خالق سمجھتا ہو، جس کی رحمت کا اس کو یقین ہو، جس کی محبت کے اندر وہ غرق ہو، یہی احساس کہ اسی کا نامہ اور خط میرے پاس آیا ہے، وہ ساری کیفیات پیدا کرتا ہے، جو کہ اس کتاب کے

ساتھ تعلق کے نتیجے میں پیدا ہونی چاہئیں۔

۲۔ دوسری چیز نیت کا اخلاص ہے۔ اس نیت کے علاوہ کہ اللہ سے ہی رہنمائی لینی ہے، اللہ سے قریب ہونا ہے، اللہ کی معرفت حاصل کرنا ہے، کوئی اور نیت قرآن کے بارے میں صحیح نہیں ہو سکتی۔ کوئی اور نیت ہوگی تو وہ گمراہ بھی کردے گی۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ کتاب ہدایت گمراہ بھی کر دیتی ہے۔ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ط (ابراہیم ۱۴:۴) ”اللہ جسے چاہتا ہے بھٹکا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے“۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ط (البقرہ ۲:۲۶) ”اللہ ایک ہی بات سے بہتوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور بہتوں کو راہ راست دکھا دیتا ہے“۔ تلاوت کے لیے شرائط تو اور بھی ہیں لیکن نیت کا خالص ہونا بنیادی شرط ہے۔

۳۔ تیسری چیز حمد اور شکر ہے۔ اس لیے کہ جو عظیم الشان خزانہ اور نعمت اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں میں تھمائی ہے، ہمارے سپرد کی ہے، اس پر ہمارا دل حمد اور شکر کے جذبات سے لبریز ہونا چاہیے۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۔ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۔ (الاعراف ۷:۴۳)

اور وہ کہیں گے کہ ”تعریف خدا ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں یہ راستہ دکھایا، ہم خود راہ نہ پا سکتے تھے اگر خدا ہماری رہنمائی نہ کرتا“۔

حمد اور شکر سے ہی سارے دروازے کھلتے ہیں۔ ”اگر شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا“ (ابراہیم ۱۴:۷)۔ اور جس کو قدر ہی نہ ہو کہ کیا مل رہا ہے، اس کے لیے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ دروازے اسی کے لیے کھلیں گے، اسی کو ملے گا جس کو قدر ہوگی، جو شکر کرے گا۔ شکر کا حق ادا نہیں ہو سکتا بلکہ کسی بھی چیز کے شکر کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ لیکن جو نعمت سب سے بڑی نعمت ہو، جو اس عارضی اور فانی دنیا کو لافانی زندگی میں تبدیل کر سکتی ہو، اس کا شکر بجا لائیں تو کیسے بجا لائیں! اس فانی زندگی کی کسی ایک نعمت کا بھی شکر ادا کرنا محال ہے۔ کوئی آدمی اگر چاہے کہ ہاتھ پاؤں کا حق ادا کر دے، حق ادا نہیں کر سکتا، اور جو کتاب اس ہاتھ پاؤں کو ہمیشہ کے لئے قائم کر دے گی، اس کتاب کا شکر کیسے ادا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی شکر ادا کرنا ضروری ہے۔

۴۔ چوتھی چیز اعتماد ہے کہ جو چیز بھی اس کتاب میں ہے، صحیح ہے، وہی میرے لیے نافع ہے، اسی میں میری بھلائی ہے، اسی میں خیر ہے۔ ریب (شک) اور تذبذب، یہ دو مرض کینسر کی طرح کتاب کے ساتھ تعلق کو تباہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی شک یا تذبذب میں مبتلا ہو، تو وہ اس کتاب سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ قرآن نے بار بار ایسے لوگوں کی نفی کی ہے، اور اسی لیے آگاہ اس طرح کیا ہے کہ لا ریب فیہ، اس بات میں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، کوئی شک نہیں ہے۔ جس کو اس کے کلام الٰہی ہونے میں یا اس کی کسی بھی بات میں ذرا بھی شک ہو، اس کے لیے یہ کتاب ہدایت نہیں ہے۔ جس میں تردد پیدا ہو گیا، وہ بھی اس کتاب سے ہدایت نہیں پا سکتا۔

۵۔ پانچویں چیز اطاعت ہے، یعنی انسان قرآن کے مطابق اپنے اندر تبدیلی اور تغیر لائے۔ لیکن آدمی جب اطاعت کرے گا تو اس سے گناہ بھی ہوں گے، نافرمانیاں بھی ہوں گی، آدمی پھسل بھی جائے گا، لیکن پہلے سے خود سپردگی کی کیفیت کہ جو یہ کتاب کہے گی، وہ میں کرنے کی کوشش کروں گا، آداب تلاوت میں سے ہے۔ یہ کتاب نکتہ آفرینی یا ذہنی عیاشی کے لیے نہیں ہے۔ یہ کتاب تو آئی ہی اسی لیے ہے کہ انسان اس کے پیچھے چلیں، اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیں۔ ”اے یحییٰ، کتاب الٰہی کو مضبوط تھام لے“ (مریم ۱۹:۱۲)۔ پھر اسی کا چرچا کریں، اسی کے پیچھے چلیں اور قرآن کے مطابق اپنے اندر تبدیلی اور تغیر لائیں۔ یہ اطاعت کا بنیادی تقاضا ہے۔

۶۔ چھٹی چیز یہ ہے کہ اس کتاب سے فائدہ اٹھانے میں جو خطرات لاحق ہوں ان سے بچنے کے لیے شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو۔ شیطان تو گھات لگا کر بیٹھے گا۔ اس نے کہا ہے کہ دائیں سے آؤں گا، بائیں سے آؤں گا، آگے سے آؤں گا، پیچھے سے آؤں گا، اور اس طریقے سے، جسے یہ کتاب لے کر آئی ہے، جو لوگ اس پر چلنا چاہیں گے ان کو ہٹانے کی کوشش کروں گا۔ ایسے میں پھر کون پناہ دے سکتا ہے، کون سہارا دے سکتا ہے، کس کے پاس فصیل اور قلعہ ہے جس میں ہمیں پناہ مل سکتی ہے سوائے اس کے کہ جس نے اس کتاب کو اتارا ہے۔ اس لیے قرآن کہتا ہے کہ جب کتاب پڑھو تو پہلے اللہ کی پناہ مانگ لو۔

”پھر جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان رجیم سے خدا کی پناہ مانگ لیا کرو۔ (النحل ۱۶:۹۸)“

قرآن پڑھنے کے لیے یہ حکم اسی بات کے پیش نظر آیا ہے۔ یہ زندگی کے لیے بڑی نازک اور اہم جستجو اور سفر ہے اور اس سفر میں بڑے خطرات ہیں۔ ان خطرات کا احساس، ان کا ادراک اور شعور ضروری ہے اور ان سے بچنے کے لیے تعوذ پڑھنا ناگزیر ہے۔

یہ چھ چیزیں بنیادی لوازمات کی حیثیت رکھتی ہیں، اور اس کتاب کے لیے زاد سفر ہیں اور ناگزیر ہیں۔ یہ ظاہری آداب تھے۔ اس کے بعد کچھ باطنی آداب ہیں۔

باطنی آداب:

ہماری شخصیت کے دو حصے ہیں ۔ ایک ظاہری ہے اور دوسرا باطنی ۔ ایک جسم اور ہاتھ پاؤں ہیں اور دوسری اندرونی شخصیت ہے ۔ یہ ہمارا دل اور قلب ہے۔ اس کو قرآن مجید نے قلب سے تعبیر کیا ہے اس قلب کو تلاوت کے عمل میں شریک کیا جائے ۔ یہ نہیں کہ آدمی زبان سے پڑھتا جائے اور دل کہیں اور گھوم رہا ہو۔ وہ کیا چیزیں ہیں جن سے دل بھی اس تلاوت کے عمل میں شریک ہو سکتا ہے؟ اب میں ان کا تذکرہ کروں گا۔

۱۔ خود اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں ذکر فرمایا ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے والوں پر اس کے اثرات اور تجلیات مرتب ہوتی ہیں۔ ان کو آپ ایک لحظے اور ایک لمحے کے لیے تازہ کرلیں۔ یہ تلاش کرنا آپ کے لیے مشکل نہیں ہے۔ اس حوالے سے قرآن کی بہت سی آیات ہیں۔

سورۃ الانفال میں ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو دل کانپ اٹھتے ہیں اور جب کلام پڑھا جاتا ہے تو ایمان بڑھتا ہوا محسوس ہوتا ہے ۔ سورہ المائدہ میں ہے کہ جب وہ کلام سنتے ہیں تو ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ سورہ الزمر میں ہے کہ جب کتاب پڑھی جاتی ہے تو جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، کھالیں نرم پڑجاتی ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل میں ہے کہ لوگ جب اس کو پڑھتے ہیں تو روتے ہوئے سجدوں میں گر جاتے ہیں ، اور ان کے خشوع میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ سورہ مریم میں بھی اس طرح کی آیات ہیں۔ جگہ جگہ اس طرح کے موضوعات ہیں ۔ اگر تلاوت سے پہلے ان کو سامنے رکھا جائے اور ایک لمحے کے لیے آدمی یہ ذہن میں تازہ کرلے کہ قرآن کو پڑھنے والے ایسے تھے اور ان کی یہ کیفیت ہوتی تھی تو بہت مفید ہے ۔ اگر ایسا نہ ہو سکے پھر بھی ان کیفیات کو اپنے اوپر طاری کرنے کی کچھ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ سوچنا چاہیے کہ اگر میں اس راستے پر آگے بڑھوں تو مجھے بھی ایسا کرنا چاہیے۔

۲۔ یہ سوچا جائے کہ اللہ میرے سامنے ہے، اس کے سامنے بیٹھ کر میں قرآن پڑھ رہا ہوں اور یہ اس کی کتاب ہے۔ قرآن مجید میں بار بار یہ حکم بھی آیا ہے کہ اس کے سامنے کھڑے ہو کر بار بار تلاوت کرو۔ جس طرح بچہ استاد کے سامنے جو نگرانی کر رہا ہو، کھڑے ہو کر پڑھتا ہے تو اور ہی کیفیت ہوتی ہے اور تنہائی میں پڑھتا ہے تو اور کیفیت ہوتی ہے۔ عبادت میں احسان کی منزل بھی یوں ہی حاصل ہوتی ہے۔ کہ آدمی اس طرح بندگی کرے کہ گویا اللہ کے سامنے ہے اور وہ اسے دیکھ رہا ہے ۔ لیکن یہ تو اللہ کی کتاب کا معاملہ ہے۔ یہ سب سے بڑی عبادت ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت نماز میں کی جائے۔ اس طرح کے بے شمار احکام قرآن میں دیے گئے ہیں اور اللہ کا ذکر تو قرآن میں سب سے بڑھ کر ہے۔

یہ احساس کہ میں اللہ کے سامنے ہوں، متحضر ہونا چاہیے۔ قرآن کی آیات گواہ ہیں کہ تم کہیں بھی ہو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ’’تم ہماری نگاہوں میں ہو۔‘‘ (الطور:۴۸:۵۲) میں ہر بات سن رہا ہوں ’’ہم اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔‘‘ اگر دو ہوتے ہیں تو میں تیسرا ہوتا ہوں۔ تین ہوتے ہیں تو میں چوتھا ہوتا ہوں، کم ہوں یا زیادہ میں ساتھ ہوتا ہوں۔ تنہائی میں بیٹھے ہوں یا مجلس میں، یا درس ہو رہا ہو، میں موجود ہوتا ہوں۔ یہاں تک کہ کوئی بھی کام کرتے ہو، قرآن پڑھتے ہو، ہم وہاں موجود ہوتے ہیں۔ یہ چیز ذہن میں اسی طرح تازہ رہنی چاہیے۔

۳۔ ہم یہ سوچیں کہ ہم اس کلام کو اللہ سے سن رہے ہیں، چاہے یہ بہت اونچا درجہ اور مقام ہو۔ امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ ایک بزرگ نے کہا کہ پہلے میں اس کتاب کو ایسے ہی پڑھتا تھا۔ پھر میں نے سوچا کہ میں اس کو محمد رسول اللہ ﷺ سے سن رہا ہوں، تو میرے مزے اور کیفیت میں اضافہ ہو گیا۔ پھر میں نے سوچا کہ میں تو اس کو جبریلؑ امین سے سن رہا ہوں، تو پھر یہ کیفیت اور دوبالا ہو گئی۔ اس کے بعد میں فرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے خود موجود ہوں، وہ میرے ساتھ ہی ہیں، وہی مجھے سنا رہے ہیں، وہی اس کتاب کو نازل کر رہے ہیں، اس کے بعد نیا مزا اور لطف، میری کیفیت کا کوئی اندازہ نہ رہا۔ اس کیفیت کی جتنی بھی کوشش کریں کہ حاصل ہو جائے، کم ہے۔

۴۔ یہ احساس ہو کہ جو بھی کہا جا رہا ہے، اس کا ہر لفظ میرے لئے ہے۔ اگر اہلِ ایمان سے خطاب ہو رہا ہے تو بھی ، اور اگر منافقین سے ہو رہا ہے یا کافروں سے ہو رہا ہے تو بھی، اور اگر منافقین سے ہو رہا ہے یا کافروں سے ہو رہا ہے تو بھی ہمارے لیے ہے کہ ہم ایسے نہ بنیں۔ گویا ہر لفظ میرے لیے ہے۔ اگر ایک ایک حصے کو کاٹ کر الگ کرنا شروع کر دیا کہ یہ مہاجرین کے لیے ہے میں مہاجرین نہیں ہوں، یہ انصار کے لیے ہے میں تو نہیں ہوں، یہ یہودیوں کے لیے ہے میں تو یہودی نہیں ہوں، تو ساری کتاب کا ستیاناس ہو جائے گا۔ یہ سمجھنا چاہیے کتاب کا ہر لفظ میرے لیے ہے۔

۵۔ کتاب جب آدمی پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے گفتگو اور مکالمہ کرتا ہے۔ ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سورۃ الفاتحہ

میرے اور بندے کے درمیان برابر تقسیم ہے۔ جب بندہ کہتا ہے کہ الحمد اللہ تو میں کہتا ہوں کہ بندے نے میری حمد بیان کی ہے۔ جب بندہ **الرحمن الرحیم** کہتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ بندے نے میری بزرگی بیان کی ہے۔ اس کے بعد جب وہ کہتا ہے کہ **ایاک نعبد وایاک نستعین** اب میرے اور بندے کے درمیان معاہدہ ہوگیا، جو کچھ بھی مانگے گا میں اس کو دوں گا۔ اس کے بعد بندہ کہتا ہے کہ **اھدنا الصراط المستقیم** ،اے اللہ تو ہمیں سیدھا راستہ دکھادے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بندہ قرآن مجید پڑھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے کلام کرتا ہے، مکالمہ کرتا ہے اور یہ گفتگو آدمی اور اللہ کے درمیان چلتی رہتی ہے

ظاہری آداب

یہ تو وہ چیزیں ہوگئیں جو اندرونی طور پر دل کو شریک کرنے کے لیے بہت مفید ہوسکتی ہیں۔ تھوڑا تھوڑا جس قدر بھی بس میں ہو، ہم عمل کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے بعد کچھ ظاہری افعال بھی ہیں۔

جب کلام پڑھا جاتا ہے اور ہم سنتے ہیں کہ کوئی بات ہم سے کہی جارہی ہے، کوئی ہم سے مکالمہ کررہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اے میرے بندے، اے میری بندی اس کو سنو۔ جب ہم سے کہا جارہا ہے تو پھر اس بات کا جواب بھی دیا جانا چاہیے۔ کوئی گونگا یا بہرا ہوگا تو جواب نہ دے گا، یا اندھا ہوگا جسے دکھائی نہ دے گا۔ قرآن نے خود کہا ہے کہ یہ لوگ اندھوں اور بہروں کی طرح قرآن سے گزر جاتے ہیں، ان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لیکن گوشت پوست کے انسان سے اس کا محبوب، اس کا رب، اس کا مالک کلام کررہا ہو اور اس کا کوئی جواب اس کی طرف سے نہ ہو۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔

دل کا جواب یہ ہے کہ اس پر وہی کیفیت طاری ہوجائے، جو کیفیت اس کلام کے اندر موجود ہے۔ زبان کا جواب یہ ہے کہ آیات سننے کے بعد ان کا جواب دیا جائے۔ بہت ساری آیات پر تو نبی کریم ﷺ نے خود تعلیم دی ہے کہ جب وہ آیات پڑھی جائیں تو ان کا جواب دیا جائے۔ اگر آیت پڑھی جائے۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ (التین 95:8) ”کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں؟“ آدمی کہے: بلیٰ، ”کیوں نہیں“ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (الرحمن 15:55) سنے تو بھی جواب دینے کی تعلیم دی گئی ہے۔

اس طرح کی اور بہت ساری آیات ہیں۔

یہ پہلو تو آیات کا جواب دینے کا ہے۔

لیکن جن صحابہؓ نے رات کی نماز میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ شرکت کی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی تلاوت قرآن کا انداز یہ تھا کہ اگر کہیں اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر آتا تو آپ ﷺ سبحان اللہ کہتے ،کہیں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر آتا تو الحمد اللہ فرماتے ،کہیں اس کی نعمتوں کا ذکر آتا تو آپ ﷺ رک کر اس کا سوال فرماتے ،اور اس کو مانگتے اور کہیں اس کے عذاب کا ذکر آتا تو آپ ﷺ اس پر پناہ مانگتے آپ ﷺ ہر چیز کا فوراً جواب زبان سے دیا کرتے۔

تلاوت آیات پر آنکھیں بھی جواب دیتی ہیں۔ اس کلام کی عظمت کا احساس ہو تو دل نرم پڑنے چاہیں، اور دل نرم پڑیں تو آنکھوں میں نمی آنی چاہیے۔ اس لیے حدیث ہے کہ قرآن پڑھو تو روؤ، رونہ سکو تو رونے کی کوشش کرو اور اگر ہوسکے تو اس کیفیت کو طاری کرو۔

قرآن کا ادب اور تعظیم ضروری ہے، اس میں قبلہ رو بیٹھنا، وضو کرنا، سر جھکا کر پڑھنا، یہ سب باتیں شامل ہیں۔ لیکن اس ادب کو اس حد تک نہ بڑھایا جائے کہ تلاوت کو ہی ترک کردے مثلاً یہ کہ وضو نہیں ہے اور بغیر وضو کے تلاوت نہیں ہوسکتی۔

تلاوت کے بہت سارے مدارج ہیں۔

ایک درجہ ترتیل ہے، جس کا قرآن نے خود حکم دیا ہے وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا (المزمل 73:4) ”اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو“ مطلب یہ ہے کہ خوب سمجھ کر پڑھے، جذب کرکے پڑھے، اچھی طرح پڑھے، لحن کے ساتھ پڑھے اور ذوق اور شوق کے ساتھ پڑھے۔ ترتیل کا اردو یا انگریزی میں ترجمہ نہیں ہوسکتا۔ ترتیل میں یہ سب مفہوم شامل ہیں۔

پاکیزگی بھی ضروری ہے۔ اس کے لیے ہمارے ہاں دینی لفظ طہارت ہے۔ طہارت کے ایک معنی ظاہری طہارت کے ہیں جو فقہ کے احکام سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے دوسرے معنی باطنی طہارت کے ہیں۔ باطنی طہارت یہ ہے کہ دل ان چیزوں سے پاک ہو جو اللہ کو ناپسند ہیں۔ اخلاق ان چیزوں سے پاک ہوں جنھیں اللہ نے ناپسند فرمایا ہے۔ زبان اُن چیزوں سے پاک ہو جو اللہ کو ناپسند ہیں۔ مال ان چیزوں سے پاک ہو جن سے اللہ نے منع فرمایا اور حرام ٹھہرایا ہے۔ غذا اس لقمے سے پاک ہو جو اللہ کے نزدیک ناپاک ہے۔ یہ بھی پاکیزگی کے معنی ہیں اور جب تک یہ نہ ہو قرآن اپنے دروازے نہیں کھولتا۔

اللہ سے تعلق بھی بہت ضروری ہے۔ سب کچھ اس کے ہاتھ میں ہے اور احادیث کے اندر بے شمار دعاؤں کی تعلیم دی گئی ہے۔ ان سب دعاؤں کو آپ کتابوں سے حاصل کرسکتے ہیں۔ ان کو یاد کرسکتے

ہیں اور ان کو پڑھنے کا اہتمام کر سکتے ہیں۔

قرآن کو سمجھنا بھی اہم ہے۔ یہ آپ نہ سمجھیں کہ سمجھے بغیر قرآن کا فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ ہوگا تو سہی لیکن پورا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن صرف سمجھنا اور علم ہی کافی نہیں ہے اس لیے کہ بے شمار لوگ ہیں جو بغیر سمجھے بھی قرآن سے بہت کچھ حاصل کر لیتے ہیں اور بہت سارے لوگ بہت کچھ سمجھنے اور علم حاصل کرنے کے باجود اس سے کچھ حاصل نہیں کر پاتے۔

آپ نے شاید اپنے گھروں میں یا محلوں کے اندر دیکھا ہو کہ ایسے لوگ جو قرآن کا ایک حرف اور معنی نہیں جانتے وہ کتاب کھول کر بیٹھ جاتے ہیں اور زاروقطار روتے ہیں اور پڑھتے ہیں اور پڑھتے چلے جاتے ہیں اور وہ جو اس کی لغت اور معانی اور تفسیر کے امام ہوتے ہیں وہ عرب جو اس کی زبان سے پوری طرح واقف ہوتے ہیں، وہ ملحد اور بے دین بھی ہوتے ہیں اس لیے صرف زبان کا جاننا اور سمجھ لینا کافی نہیں ہے۔ ظاہر ہے اس کے لیے ایمان اور بہت ساری چیزیں ضروری ہیں۔

میں نے تو اندھوں کو بھی دیکھا ہے کہ بے چارہ پڑھنا نہیں جانتا لیکن لائنوں پر انگلی پھیرتا جاتا ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کا کلام ہے، دوسرے کلاموں کی طرح کا کلام نہیں ہے اور نہ دوسری کتابوں کی طرح کی ہی کتاب ہے۔ البتہ سمجھنا بھی ضروری ہے۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ خود قرآن کو سمجھے اور معنی معلوم کرے اور پھر اس سے آگے بڑھے۔

تلاوت کی مقدار

تلاوت پر گفتگو میں یہ پہلو بھی آتا ہے کہ کتنی کثرت کے ساتھ پڑھے۔

یہ بات تو معلوم ہے کہ قرآن سارے انسانوں کے لیے آیا ہے، کمزوروں کے لیے بھی، قوی اور ضعیف کے لیے بھی، بوڑھوں کے لیے بھی، مردوں اور عورتوں کے لیے بھی۔ سب کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ اگر قرآن کہہ دیتا کہ نہیں اتنا پڑھنا ضروری ہے، تو پھر بڑی مشکل ہو جاتی، لہٰذا جتنا قرآن پڑھنا ضروری اور فرض ہے اس کے لیے اس نے نمازیں فرض کر دیں۔ پانچ نمازوں میں قرأت ہو جاتی ہے اور قرآن پڑھ لیا جاتا ہے۔ باقی اُس نے کہہ دیا ہے کہ **فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ط** (المزمل ۷۳:۲۰) ”اب جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو، پڑھ لیا کرو۔“

آپ جانتے ہیں کہ پہلے رات کی نماز فرض تھی۔ آدمی رات کو، اس سے کچھ زیادہ، اس سے کچھ کم لوگ کھڑے رہا کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں، ہم کو معلوم ہے کہ تم میں مریض بھی ہوں گے، لوگ تلاش معاش میں بھی سرگرم عمل ہوں گے اور بعض راہ حق میں جہاد کے لیے بھی مصروف ہوں گے۔ اس لیے ان سب کی وجہ سے کہہ دیا کہ اس میں سے جو بھی آسانی کے ساتھ پڑھ سکو پڑھو۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔

کتنا پڑھا جائے اس کا کوئی معیار نہیں۔ اس لیے کہ مختلف لوگوں کے مختلف طریقے رہے ہیں۔ بعض لوگ ایک ماہ میں ایک قرآن ختم کرتے تھے، اسی کے حساب سے پارے بنائے گئے۔ بعض لوگ ایک ہفتے میں قرآن ختم کرتے تھے، اسی کے حساب سے قرآن کی سات منازل ہیں۔ بعض لوگ صرف نمازوں میں پڑھتے تھے، اس لحاظ سے اس کے رکوع بن گئے۔ اس کی کوئی مقدار طے نہیں ہو سکتی کہ کتنا پڑھیں۔

کس وقت پڑھیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس وقت بھی ہو سکے پڑھیں، ”رات کی گھڑیوں میں بھی، دن کی گھڑیوں میں بھی“۔ جو وقت بھی میسر آجائے۔ کچھ لوگ اپنی جیب میں بھی قرآن کے مصحف رکھتے ہیں کہ جہاں موقع مل جائے پڑھ لیتے ہیں۔ اگر یاد ہو تو راستہ چلتے ہوئے بھی قرآن پڑھا جا سکتا ہے، سواری میں سوار ہو کر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح سوتے ہوئے یا سونے کے بعد اُٹھ کر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ بہت سارے مواقع ہوتے ہیں، لیکن یہ بات قرآن نے خود کہی کہ اس کے لیے پڑھنے کا سب سے بہتر وقت سحر کا وقت ہے کہ **اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا o** (المزمل ۷۳:۶) ”درحقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لیے بہت کارگر اور قرآن ٹھیک پڑھنے کے لیے زیادہ موزوں ہے۔“ اور ویسے بھی فرمایا گیا ہے کہ **اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا o** قرآن فجر میں پڑھا جاتا ہے تو فرشتے اس میں حاضر ہوتے ہیں اور نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ فجر کی نماز میں طویل رکعتیں پڑھا کرتے تھے، کم سے کم ۵۰ آیات۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن خواہ کثرت کے ساتھ پڑھا جائے، یا کم پڑھا جائے لیکن کوئی دن ایسا نہ ہونا چاہیے جو تلاوت کے بغیر گزرے۔ قرآن سے مستقل تعلق قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ نماز کے باہر، بہت تھوڑا پڑھے لیکن باقاعدگی کے ساتھ پڑھے۔ تھوڑا عمل جو باقاعدگی کے ساتھ ہو، وہ اللہ کو زیادہ مرغوب اور پسند ہے۔

اللہ مجھے، آپ کو، ہم سب کو صحیح معنوں میں قرآن کی تلاوت کرنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی طرف دعوت دینے والا بنا دے۔ آمین!

قرآن کی عظمت و اہمیت

زاہد ملک

☆ تخلیق کائنات کے ابتدائی مرحلے سے لے کر انسان کی پیدائش تک، اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان میں جو کچھ پیدا کیا، وہ انسان کی فلاح و بہبود اور نفع رسانی کے لیے پیدا کیا، پھر انسان کو بے شمار ظاہری اور باطنی، جسمانی اور روحانی نعمتیں عطا کیں، لیکن ان تمام نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑا انعام و اکرام رشد و ہدایت کا وہ نظام ہے جو رسولوں کی بعثت اور آسمانی صحیفوں کے ذریعے قائم کیا۔ کیوں کہ اگر پیغمبروں اور آسمانی صحیفوں کے ذریعے انسانوں کی ہدایت اور اصلاح کا انتظام نہ کیا جاتا تو یہی انسان جو آج اشرف المخلوقات کہلاتا ہے، حیوانوں سے بھی بدتر اور گم کردہ راہ ہوتا۔ چنانچہ جن لوگوں نے خُدا کے پیغام کو سننے سے انکار کیا، اس کے رسولوں کی دعوت سے منہ موڑا اور اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت سے رُو گردانی کی، قرآن انکو جانوروں اور چوپایوں سے بدتر قرار دیتا ہے۔

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ط

"یہ لوگ (منکرین ہدایت) چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی بدتر" (الاعراف ۱۷۹)

جب اللہ تعالیٰ کو یہ مقصود ہوا کہ نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ ختم کرے، کائنات کی راہ نمائی اور فلاح و سعادت کے لیے ایک ایسا صحیفہ نازل کرے جو رہتی دنیا تک رشد و ہدایت کا فرض انجام دیتا رہے جو ابد تک کے لیے روشنی کا مینار ہو، جس سے آنے والی قومیں رہ نمائی حاصل کرتی رہیں۔ جس کا پیغام اور جس کی راہنمائی قوم، وطن، جغرافیہ، حتیٰ کہ زمان و مکان کی قیود سے ماورا ہو، تو اس نے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر دین و دنیا کی فلاح و سعادت اور رشد و ہدایات کا ایک جامع اور کامل ترین دستور نازل کیا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کو تمام انبیاء کے علمی اور عملی کمالات، اور فضائل و محاسن کا مجموعہ بنایا اور کمالات نبوت کو آپ ﷺ کی ذات پر ختم کر کے "خاتم الانبیاء" کے منصب پر فائز کیا، اسی طرح آپ ﷺ پر نازل ہونے والے اس دستور ہدایت اور آئین فلاح و سعادت کو تمام پچھلی آسمانی کتابوں اور الٰہی علوم و معارف کا خلاصہ، لُبّ لباب، اور گنج گراں مایہ بنایا۔

"بلاشبہ یہ قرآن سب سے سیدھے راستے کی نشان دہی کرتا ہے۔"

نبی کریم علیہ السلام سے پہلے جتنے نبی اور رسول آئے، سب اپنی اپنی قوموں کی اصلاح کے لئے آئے، ان کی نبوت اور رسالت کسی خاص قوم اور خاص علاقے تک محدود تھی، ان کو جو آسمانی صحیفے دیے گئے وہ بھی مخصوص اور محدود علوم کے حامل تھے۔ ان میں یہ استعداد اور صلاحیت ہرگز نہ تھی کہ وہ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کی وسعتوں میں بسنے والی مختلف نسلوں اور قوموں کو ایک مرکز پر جمع کر سکیں، ان صحیفوں کا پیغام زمان و مکان کی حدوں سے ماورا نہ تھا، ان صحیفوں کے ذریعے ممکن نہ تھا کہ مختلف عقیدے رکھنے والی قوموں، مختلف زبانیں بولنے والے قبیلوں اور نوع بنوع بلکہ متضاد رسم و رواج کے حامل لوگوں کو ایک عقیدے اور ایک مسلک کا قائل کیا جائے۔ مگر جناب محمد ﷺ کو تمام عالم کے لیے اور قیامت تک کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا، آپ ﷺ کی ذات، گرامی پر فہرست انبیاء ختم کردی گئی اور آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو عالم گیر اور دائمی نمونہ عمل کا مقام عطا کیا گیا، اس لیے آپ ﷺ پر اتاری جانے والی کتاب کو بھی اسی شان اور بلند مرتبہ سے نوازا گیا۔ اس میں تمام الٰہی علوم کو جمع کیا گیا، اسکو ایک جامع اور ابدی دستورِ حیات کی حیثیت دی گئی تا کہ ہر دور اور ہر علاقے کے لوگ، ہر زمانے میں اس کے ذریعہ دین و دنیا کی فلاح اور سعادتیں حاصل کرتے رہیں۔ افراد انسانی اپنے ظاہری اور باطنی اعمال کی اصلاح کرتے رہیں اور انسانیت اس پر عمل پیرا ہو کر اخلاق و کردار کی بلندیوں کو چھو سکے۔

اس میں انفرادی مشکلات و مصائب کا حل بھی ہے اور اجتماعی مسائل کا بھی، کوئی پہلو ایسا نہیں، چاہے وہ معاش و اقتصاد سے متعلق ہو یا اصلاح معاشرہ سے، یا اس کا تعلق امور مملکت سے ہو جس کے لیے اس کتاب ہدایت (قرآن) میں کامل راہنمائی موجود نہ ہو۔ مشہور اور بلند پایہ مفسر قرآن امام فخر الدین رازیؒ کہتے ہیں کہ: "تمام آسمانی صحیفوں کا خلاصہ اور نچوڑ قرآن کریم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم پر ایمان لانا، تمام آسمانی صحیفوں پر ایمان لانے کے مترادف ہے، اور قرآن کا انکار تمام الہامی کتابوں کا انکار ہے"

اللہ کے اس آخری اور ابدی دستور اور کامل ترین کتاب ہدایت کے بارے میں خود اس کا نازل کرنے والا کیا کہتا ہے؟ اس کا جاننا ضروری ہے۔ متکلم سے بہتر اپنے کلام کی مراد اور مفہوم کون بیان کر سکتا ہے۔ اور اس سے زیادہ جچے تلے انداز میں اس کے رتبے کا تعین کسی دوسرے کے لیے ممکن نہیں۔ اللہ کے کلام پر اللہ کی جو شہادتیں ہمارے سامنے ہیں ہم ان پر جتنا غور کرتے جائیں گے اتنا ہی ہم پر یہ حقیقت واضح ہوتی جائے گی۔ "ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کو ادھورا نہیں چھوڑا" (الانعام ۳۸)

اپنی کتاب اور کلام کے بارے میں اللہ کی پہلی شہادت یہ ہے: "یہی کتاب، حقیقت میں کتاب ہے، خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہے۔" (البقرۃ ۲:۲)

یعنی یہ ایسی کتاب ہے جو ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے۔ یہ تمام آسمانی صحیفوں اور کتابوں کے متفرق و منتشر علوم اور مضامین کی جامع ہے، اسی باعث اس کی پیروی، تمام آسمانی کتابوں اور حکموں کی پیروی ہے۔ کہیں قرآن کے داعی حق و صداقت اور کتاب رشد و ہدایت ہونے کی گواہی ان الفاظ میں دی گئی۔

"تمام خوبیاں اس پروردگار کے لیے ثابت ہیں جس نے اپنے بندے (حضرت محمد ﷺ) پر کتاب نازل فرمائی۔

اس میں ذرہ برابر کجی نہیں رکھی۔ نہایت ہی استقامت اور سیدھے پن کے ساتھ موصوف کیا، تاکہ وہ ایسے سخت عذاب سے ڈرائے جو اللہ کی طرف سے ہوگا۔ اور ان ایمان لانے والوں کے لیے خوش خبری سنائے جو اچھے اچھے کام کرتے ہیں۔" (الکھف:۱۔۲)

کہ ان کے لیے پروردگار کے ہاں بہت ہی نفیس اجر ہے" یعنی اعلیٰ سے اعلیٰ تعریف اور شکر کا مستحق وہی خدا ہو سکتا ہے جس نے اپنے مخصوص اور مقرب ترین بندے حضرت محمد ﷺ پر سب سے کامل اور اعلیٰ کتاب اتاری اور اس کے ذریعے زمین والوں کو سب سے بڑی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ بے شک اس کتاب میں کوئی ٹیڑھی ترچھی بات نہیں۔ اس کی عبارت دیکھو تو فصاحت و بلاغت کا مرقع، انداز بیان مؤثر اور شگفتہ جو دل کی گہرائیوں میں اتر جائے۔ تعلیم ایسی سادہ اور معتدل جو ہر زمانے اور ہر طبیعت کے مناسب، حکم ایسے بچے تلے کہ عقل سلیم کے مطابق، جن پر عمل کسی کے لیے بھی دشوار نہیں، غرض ہر طرح کی افراط وتفریط سے پاک۔ ایک موقع پر پوری بنی نوع انسان کو خطاب کرتے ہوئے قرآن کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں۔

"اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی ہے اور شفا دلوں کے روگ کی اور ہدایت و رحمت ہے مسلمانوں کے لیے" (یونس:۵۷)

یہ سب قرآن کریم کی صفات ہیں۔ قرآن اول سے آخر تک نصیحت ہے، جو لوگوں کی مہلک اور مضر باتوں سے روکتا ہے۔ اللہ کی خوشنودی اور اس تک پہنچنے کا راستہ بتاتا ہے، اپنے ماننے والوں کو دین و دنیا کی رحمتوں کا مستحق گردانتا ہے۔ مفسرین اور صوفیہ اس آیت کی رُوح یہ قرار دیتے ہیں کہ اس میں نفسِ انسانی کے مراتب کمال کیطرف اشارہ ہے۔ یعنی جو شخص قرآن کے منشاء اور مقتضاء پر عمل کرلے، وہ ان مراتب پر فائز ہو سکتا ہے ایک جگہ اللہ تعالیٰ قرآن کو "نورِ مبین" سے تعبیر کرتے ہیں، جو شرکت وبدعت کی تاریکی میں روشنی دکھاتا ہے۔

"لوگو! یقیناً تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک بڑی دلیل آچکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف ایک صاف اور واضح نور نازل کیا ہے۔"

نبی کریم ﷺ کو بُرہان، یعنی دلیل کہا اور یہ حقیقت ہے کہ آپ ﷺ کی ذات اقدس، آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ، آپ ﷺ کے معجزات اور آپ ﷺ پر قرآن کا نزول یہ سب باتیں آپ کی نبوت و رسالت کی روشن دلیلیں ہیں، جنہیں دیکھنے کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ قرآن کو "نور" فرمایا۔ روشنی کا کام لوگوں کو راستہ دکھانا ہوتا ہے۔ اندھیرے میں اگر روشنی کا سامان نہ ہو تو ایک قدم چلنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کفر و شرک کی تاریکیاں انسان کو گھیرے ہوئے ہیں۔ ان تاریکیوں اور ظلمتوں سے انسان قرآن ہی کے ذریعے نجات حاصل کر سکتا، اور منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔

قرآن کس درجے کی کتاب ہے۔ اس کا کیا مقام ہے۔ شاید انسانوں کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی؟ اللہ تعالیٰ قرآن کی عظمت اور بلندی کا بیان ایک واضح مثال کے ذریعے کرتے ہیں۔ "اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو اے مخاطب! تو دیکھتا کہ وہ پہاڑ خدا کے خوف سے دب جاتا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا، اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ وہ غور و تأمل سے کام لیں۔"

یعنی قرآن اپنی عظمت وجلال کی وجہ سے ایسی شان رکھتا ہے کہ اگر اس کو کسی پہاڑ پر نازل کیا جاتا، اور اس پہاڑ کو احساس و شعور عطا کیا جاتا تو وہ یقیناً اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو جاتا، لیکن منکروں اور کج رووں کا حال یہ ہے کہ ان کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں، قرآن سنتے ہیں اور ان کے دلوں پر جُوں تک نہیں رینگتی۔ بار بار یہ مثالیں اسی لیے دی جاتی ہیں کہ لوگ سمجھیں، غور و فکر سے کام لیں اور پھر عمل کریں۔ کیونکہ قرآن صرف اسی صورت میں دین و دنیا کی فلاح کا ضامن ہے جب اس کو سمجھا جائے اور سمجھ کر اس کے مقتضا اور منشاء پر عمل کیا جائے۔ آپ دیکھیں گے کہ قرآن نے ایمان اور حُسنِ عقیدہ کے بعد سب سے زیادہ زور جس بات پر دیا ہے وہ نیک عمل ہے۔

قرآن کریم کے بارے میں حاملِ قرآن حضرت محمد ﷺ کا یہ تبصرہ یقیناً ایک بسیط اور جامع تبصرہ ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

"اللہ ہی کی کتاب، کتاب ہدایت ہے۔ اس میں اُن لوگوں کے حالات بھی ہیں جو تم سے پہلے گذر چکے اور ان لوگوں کے واقعات کا بھی ذکر ہے جو تمہارے بعد آنے والے ہیں، یہ کتاب الٰہی قانون محکم ہے۔ تمہارے مابین پیش آنے والے جھگڑوں کا فیصلہ اس میں موجود ہے۔ یہ کوئی بے مقصد اور فضول دستاویز نہیں، جو شخص تکبر اور کج روی کے سبب اس کو چھوڑ دے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کردے گا۔ جو شخص اس کے سوا کسی اور جگہ سے ہدایت تلاش کرے، اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ کردے گا، یہ کتاب اللہ کی مضبوط رسی ہے۔ یہ اللہ کا محکم ذکر و بیان ہے یہی سیدھا راستہ ہے۔"

قرآن، اللہ کی ایسی ہدایت ہے کہ لوگوں کی خواہشات اس کو ٹیڑھا نہیں کرسکتیں، اس کی پیروی کرنے والے بے راہ رو نہیں ہو سکتے۔ لوگوں کی زبانیں اس کو غلط ملط نہیں کرسکتی کہ اسکے ذریعے حق و باطل میں فرق و امتیاز نہ کیا جاسکے۔ یا یہ کہ زبانیں قرآن کے تلفظ میں ملتبس نہیں ہو سکتیں، جو زبان قرآن کا صحیح تلفظ کررہی ہے وہ حق ہے۔

قرآن ایسا کلام ہے جس سے علماء کبھی سیر نہیں ہو سکتے، بار بار پڑھنے سے وہ پرانا اور بوسیدہ نہیں ہوتا، بلکہ ہر بار جب اس کی تلاوت کی جائے گی تو قاری زیادہ لطف اور حلاوت محسوس کریگا اس کے علوم، اور حقائق ومعارف کبھی ختم نہ ہوں گے۔

قرآن، اللہ کا ایسا کلام ہے کہ جنات نے سنا تو صبر نہ کرسکے اور بول اٹھے کہ یہ کیا ہی عجیب وغریب کلام ہے، اس کے مضامین کی فصاحت و بلاغت، گہرائی اور گیرائی دنیا کو حیرت واستعجاب میں ڈال دیتی ہے۔

جس نے قرآن کا کوئی لفظ یا فقرہ بولا، اس نے سچ بولا، جس نے قرآن کے مطابق فیصلہ کیا، اس نے عدل وانصاف کیا۔ جس نے لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی، اس نے حق وراستی کی طرف دعوت دی۔ بلاشبہ قرآن، دین ودنیا کی تمام سعادتوں کا ضامن ہے، کامل ترین ضابطہ ہدایت اور دستور حیات ہے اس کتاب مبین نے

انسان کے لیے سعادت دارین کی تمام راہیں کھول دیں۔ تہذیب اخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مملکت کے تمام علوم سے آگاہ کر دیا۔ اور بتا دیا کہ جو قرآن پر عمل کرے گا وہی ابدی سعادت سے ہمکنار ہوگا اور جو قومیں اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں گی وہی غالب و برتر ہوں گی۔

لفظ قرآن کے معنی

اس جامع اور کامل ترین دستور ہدایت کو جس مخصوص نام سے پکارا گیا وہ قرآن ہے یوں کہنا چاہیے کہ کتاب اللہ کے پچاس سے زائد ناموں میں قرآن کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ لفظ قرآن کے کیا معنی ہیں۔ یہ اسم مشتق ہے، یا اسم علم غیر مشتق۔ اس بارے میں علماء، ماہرین لغت اور مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

''امام شافعیؒ'' کہتے ہیں کہ قرآن علم غیر مشتق ہے، جس طرح توریت، زبور اور انجیل، علم غیر مشتق ہیں اور ان آسمانی صحیفوں کے نام ہیں جو حضرت موسیٰؑ، حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوئے۔'' اسی طرح قرآن اللہ کے اس کلام کا نام ہے جو اس کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔ اس صورت میں یہ لفظ غیر مہموز پڑھا جائے گا۔

بعض آئمہ لغت اور مفسرین کہتے ہیں کہ: قرآن مشتق ہے۔ بعض ''قَرن'' سے مشتق مانتے ہیں، جس کے معنی ہیں ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانے کے، کہا جاتا ہے قَرَنْتُ الشیءَ بالشیء میں نے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملا دیا۔ قرآن میں بھی آیتیں، رکوع اور سورتیں ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی ہیں۔ اس لیے قرآن کو قرآن کہا جانے لگا۔

مشتق ماننے کی صورت میں ایک جماعت کہتی ہے کہ: قرآن قَرء'' سے مشتق ہے۔ جس کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے قَرَیَ الماءَ فی الحوض (حوض میں پانی جمع کیا) اس صورت میں قرآن، فعلان کے وزن پر صفت کے صیغہ ہوگا۔

بعض ماہرین لغت کہتے ہیں کہ: قرآن، غفران کی طرح مصدر ہے۔ جس کا مادہ قرأت ہے بمعنی پڑھنا، اور یہ بات خاصی معروف ہے کہ مصدر مفعول کے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح اس کے معنی ہوں گے۔ پڑھا گیا، جو بہت پڑھا جائے، جس کی کثرت سے تلاوت کی جائے۔ قرآن اسی معنٰی کی تائید کرتا ہے۔

''یعنی اس کا جمع کرانا اور پڑھانا، ہمارے ذمہ ہے۔'' (سورۃ القیمۃ: ۱۷)

قرآن کا اصلاحی مفہوم

گذشتہ سطور سے یہ معلوم ہوا کہ ''قرآن'' کے لغوی معنی کیا ہیں؟ لیکن اس سے زیادہ یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن کا اصطلاحی مفہوم کیا ہے اور شریعت کی زبان میں قرآن کسے کہتے ہیں؟

امام بیہقی کتاب الاعتقاد میں کہتے ہیں:

''قرآن'' اللہ کا کلام ہے اور اللہ کا کلام، اللہ کی ذاتی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ جس طرح اللہ کی صفات میں سے کوئی صفت نہ مخلوق ہے اور نہ حادث اسی طرح اس کی صفت کلام بھی قدیم ہے۔''

جس جگہ بھی کلامِ خداوندی کا ذکر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت اپنی طرف کی ہے اور اپنے آپ کو اس کا متکلم فرمایا ہے۔ تاکہ یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ صفتِ قدرت کے ساتھ متصف ہونے کی بنا پر قدیر ہے۔ اسی طرح صفتِ تکلم کے ساتھ متصف ہونے کی بنا پر متکلم بھی ہے۔ ارشاد ہے:

''کسی انسان کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ (براہ راست) اللہ سے کلام فرمائے، مگر اس صورت میں کہ وحی کے ذریعہ ہو، یا از پس پردہ یا کسی قاصد (فرشتے) کے ذریعے، یا قاصد اللہ کا پیغام، اللہ کے حکم سے پہنچا دے، جو بھی پیغام اللہ بھیجنا چاہے۔'' (الشوریٰ: ۵)

اصولیین نے کتاب اللہ (قرآن) کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

قرآن کریم وہ کلام الٰہی ہے، جو رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا گیا، مصاحف میں لکھا ہوا ہے۔ نقل متواتر کیساتھ آنحضرت ﷺ سے منقول ہے۔ جس میں کسی شبہ کا امکان نہیں، اور وہ نظم یعنی تعبیر اور معنٰی دونوں کا نام ہے۔ امام ابو حنیفہ اور عام علماء کے قول کے مطابق یہی تعریف صحیح ہے

قرآن حکیم کے اصطلاحی مفہوم کے بارے میں یہ بہت مختصر سا عرض کیا ہے۔ ورنہ متکلمین اور محدثین کے ہاں یہ مسئلہ بہت اہم ہے اور اس موضوع پر خاصی طویل اور فنی بحثیں ہیں۔ بہر حال اجمالی طور پر اتنا جان لینا کافی ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، نہ مخلوق ہے اور نہ حادث، اللہ کی صفت ہے اور جس طرح اللہ کی دوسری تمام صفتیں قدیم ہیں اسی طرح یہ صفت کلام، یعنی قرآن بھی قدیم ہے

اسمائے قرآن کریم

قرآن کریم، اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور ایسی محکم اور بلند پایہ کتاب ہے، جس کے بارے میں خود قرآن کی یہ شہادت ہے:

''اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے۔ نہ پیچھے سے (اور) دانا (اور) خوبیوں والے (خدا) کی اتاری ہوئی ہے۔'' (حم السجدہ: ۴۲)

جس طرح اللہ تعالیٰ کے نام، اس کی صفتوں اور عظمتو کے عنوان ہیں، اسی طرح اس کے کلام پاک کے بھی متعدد نام ہیں جو اس کی خوبیوں اور خصوصیتوں پر دلالت کرتے ہیں۔

اللہ نے اپنی کتاب کا نام ''قرآن'' ایسا عجیب اور بے مثال رکھا کہ نہ صرف عرب کے ادیبوں نے کبھی اپنی کسی کتاب اور مجموعے کا یہ نام نہیں رکھا بلکہ تاریخ یہ گواہی دینے سے قاصر ہے کہ اس سے پہلے دنیا میں کسی کتاب کا نام ''قرآن'' رکھا گیا ہو۔

امام راغب اصفہانی کہتے ہیں: ''نہ ہر مجموعے کو قرآن کہتے ہیں، اور نہ ہی ہر شخص کے یا ہر قسم کے کلام کے مجموعے کو قرآن کہا جائیگا۔ بلکہ صرف کلام الٰہی کے مجموعے کو قرآن کہا جائے گا کیوں کہ اس میں پچھلی تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کے نتائج و ثمرات جمع ہیں یا اسے اس بنا پر قرآن کہا جائے گا کہ یہ جملہ اقسام کے علوم و معارف کا مجموعہ ہے۔''

علماء اور مفسرین نے خود قرآن سے قرآن کریم کے جو نام اخذ کیے ہیں، ان کی تعداد پچپن (۵۵) ہے۔ مناسب ہوگا اگر ان کی تفصیل دے دی جائے اور ہر نام کے ساتھ اس کی وجہ تسمیہ ظاہر کر دی جائے اور یہ بھی بتا دیا جائے کہ یہ نام کس قرآنی آیت سے ماخوذ ہے۔

نام	وجہ تسمیہ	وہ سورۃ اور آیت جس سے یہ نام اخذ کیا گیا
۱۔القرآن	بہت پڑھا جاتا ہے	سورۃ بنی اسرائیل آیت:۹
۲۔القرآن الکریم	بڑی کرامت اور بزرگی والا ہے	سورۃ الواقعہ:۷۷
۳۔القرآن العظیم	عظمت اور بڑی شان رکھتا ہے	سورۃ الحجر:۸۷
۴۔القرآن الحکیم	حکمت اور دانائی کی باتوں سے بھرا ہوا ہے	سورۃ یٰسین:۲
۵۔الفرقان	حق و باطل اور حلال وحرام کے درمیان فرق کرنے والا ہے	سورۃ الفرقان:۱
۶۔السبع المثانی	آیات قرآنی بار بار خصوصاً تلاوت کی جاتی ہیں	سورۃ فاتحہ سورۃ الحجر:۸۷
۷۔الکتاب المبین	حق کو ظاہر کرنے والا ہے	سورۃ الزخرف:۲۰
۸۔الکریم	سرتاپا کرامت ہے	سورۃ الواقعہ:۷۷
۹۔کلام اللہ	اللہ کا کلام	سورۃ التوبہ:۶
۱۰۔نُور	اللہ کا نُور ہے	سورۃ المائدہ:۱۵
۱۱۔ہدیٰ و رحمۃ	رحمت وہدایت ہے	سورۃ یونس:۵۷
۱۲۔شفاء	روحانی شفا ہے	سورۃ یونس:۵۷
۱۳۔موعظۃ	نصیحت ہے	سورۃ یونس:۵۷
۱۴۔ذکر	ذکر ونصیحت ہے	سورۃ الانبیاء:۵۰
۱۵۔مبارک	برکت والا ہے	سورۃ الانبیاء:۵۰
۱۶۔علیّ	بلند ہے، عظمت والا ہے	سورۃ الزخرف:۴
۱۷۔حکمت	سرتاپا حکمت ودانائی ہے	سورۃ القمر:۵
۱۸۔الحکیم	سراپا حکمت والا ہے	سورۃ یونس:۱
۱۹۔مہیمن	نگہبان وگواہ ہے، تمام عالم کے لیے برکت ہے	سورۃ المائدہ:۴۸
۲۰۔صراط مستقیم	کائنات کے لیے سیدھا راستہ ہے	سورۃ الانعام:۱۵۳
۲۱۔قیّم	اس کی ہر ہدایت اور تعلیم عالم کی نگران ومحافظ ہے	سورۃ الکہف:۲،۱
۲۲۔قول فیصل	اس کی ہر بات محکم اور اٹل ہے	سورۃ الاعلیٰ:۱۳،۱۴
۲۳۔نبأ عظیم	اس کی ہر خبر اہم ہے	سورۃ صٓ:۶۷
۲۴۔احسن الحدیث	بہترین باتوں پر مشتمل ہے	سورۃ الزمر:۲۳
۲۵۔متشابہ	اسے بار بار دہرایا گیا ہے	سورۃ الزمر:۲۳
۲۶۔تنزیل	آسمان سے اتارا گیا	سورۃ الشعراء:۱۹۲
۲۷:روح	قلب انسانی کے لیے حیات ہے، روح ہے	سورۃ الشوریٰ:۵۲
۲۸۔وحی	وحی الٰہی ہے	سورۃ الانبیاء:۴۵
۲۹۔عربی	عربی زبان میں ہے	سورۃ یوسف:۲
۳۰۔بصائر	عبرت وبصیرت کا مجموعہ ہے	سورۃ الجاثیہ:۲۰
۳۱۔بیان	اس کی ہر تعلیم واضح ہے	سورۃ آل عمران:۱۳۸
۳۲۔العلم	علم ومعرفت کا خزینہ ہے	سورۃ البقرہ:۱۲۰
۳۳۔الحق	سراسر حق وراستی ہے	سورۃ یونس:۱۰۸
۳۴۔ہادی	عالم کے لیے رہنما ہے	سورۃ بنی اسرائیل:۹
۳۵۔عجب	اس کے علوم ومعارف دنیا کو حیرت وتعجب میں ڈالنے والے ہیں	سورۃ الجن:۱
۳۶۔تبصرہ	لوگوں کے لیے بصیرت ہے	سورۃ قٓ:۸
۳۷۔ذکریٰ	ذکر وفکر کا سامان ہے	سورۃ قٓ:۸
۳۸۔العروۃ الوثقیٰ	ہدایت اور عمل کیلئے مضبوط حلقہ ہے۔	سورۃ البقرۃ:۲۵۶
۳۹۔صِدق	سچائی ہے	سورۃ الحجرات:۳۳
۴۰۔عدل	عدل وانصاف ہے	سورۃ الانعام:۱۱۵
۴۱۔اَمر	حکم الٰہی ہے	سورۃ الطلاق:۵
۴۲۔منادی	حق کا اعلان کرنے والا ہے	سورۃ آل عمران:۱۹۳
۴۳۔ہدیٰ وبُشریٰ	اہلِ ایمان کے لیے ہدایت اور بشارت ہے	سورۃ البقرۃ:۹۷
۴۴۔مجید	بزرگی والا ہے	سورۃ البروج:۲۲
۴۵۔زبور	علوم وہدایت اس میں جمع کر دیے گئے ہیں	سورۃ الانبیاء:۱۰۵
۴۶۔بشیر	مؤمنوں کو اجر وثواب کی خوشخبری سنانے والے ہیں	سورۃ البقرۃ:۱۱۹
۴۷۔نذیر	کافروں کو اللہ کے عذاب ڈرانے والا ہے	سورۃ البقرۃ:۱۱۹
۴۸۔عزیز	غالب ہے، عزت والا ہے	سورۃ حٰم السجدۃ:۴۱
۴۹۔بلاغ	ایسا پیغام جو ہر ایک تک پہنچا دیا گیا	سورۃ ابراہیم:۵۲
۵۰۔قصص	پچھلی اُمتوں کے واقعات اس مذکورہ ہیں	سورۃ البقرۃ:۲۶
۵۱۔صحف مکرمۃ	جن اوراق پر لکھا جاتا ہے اُن کی عزت کی جاتی ہے	سورۃ العبس:۱۳
۵۲۔مرفوعۃ	اور اسکو سروں پر اٹھایا جاتا ہے	سورۃ العبس:۱۴
۵۳۔مطہرۃ	پاکیزہ ہے	سورۃ العبس:۱۴
۵۴۔الکتاب	صحیح معنٰی میں کتاب کہلانے کی مستحق یہی کتاب (قرآن) ہے	سورۃ البقرۃ:۲

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے پچپن ناموں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اوپر ہم نے جو فہرست دی ہے وہ ۵۴ نام ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ 'ہدیٰ' کو انہوں نے الگ بھی ایک نام شمار کیا ہے۔ حالانکہ 'ہدیٰ' دو مرتبہ آیا ہے۔ ایک بار 'ہدیٰ ورحمۃ' اور ایک بار 'ہدیٰ وبشریٰ'۔ بہر حال ۵۴ اور ۵۵ میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔

نزولِ قرآن کریم

نزولِ قرآن کا مفہوم اس لحاظ سے بہت اہمیت کا حامل ہے کہ قرآن پر ایمان لانے اور اس بات پر یقین واعتقاد کی بنیاد ہے کہ یہی وہ اللہ کا آخری کلام ہے جو اس نے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا۔ جب تک ایک شخص صحیح طور پر نزولِ قرآن کا مفہوم نہیں سمجھے گا، اس کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اللہ کی الوہیت، قرآن کے کلام الٰہی اور نبی کریم کے نبی برحق ہونے کا ادراک کر سکے اور اس پر اذعان ویقین کر سکے۔

لغت کے اعتبار سے "نزول" کے معنی اُترنے کے ہیں۔ اور انزال کے معنی اتارنے کے نزول کے معنی میں تھوڑی سی تخصیص ہے۔ وہ یہ کہ "صعود" کے مقابل آتا ہے، صعود کے معنی ہیں نیچے سے اوپر چڑھنا، جانا، اس بنا پر نزول کے معنی ہوں گے اوپر سے نیچے کی طرف اُترنا، آنا، سورۃ الاسراء میں میں دونوں لفظ یعنی نزول اور انزال، انہی مذکورہ معنوں میں استعمال ہوئے ہیں:

"ہم نے حق کے ساتھ قرآن کو اتارا اور وہ حق ہی کے ساتھ اترا"۔ (الاسراء:۱۰۵)

نزول سے پہلے قرآن لوح محفوظ میں تھا جیسے کہا گیا:

"(یہ کتاب ہزل و بطلان نہیں) بلکہ قرآن عظیم الشان ہے۔ لوحِ محفوظ میں (رکھا ہوا)"۔

اللہ کا کلام لوح محفوظ میں کیسے تھا، وہاں سے کس طرح آسمان سے دنیا پر اتارا گیا اور پھر تھوڑا تھوڑا حضور ﷺ پر کیسے نازل ہوا؟ ان سب باتوں کی حقیقت تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہمیں صرف اس حد تک معلوم ہے جتنا اللہ نے خود، یا اپنے نبی ﷺ کی زبانی ہم کو بتا دیا۔

لوح محفوظ سے قرآن سب سے پہلے آسمان دُنیا پر شب قدر میں اتارا گیا۔ ارشاد ہے: إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ لیلۃ مبارکہ سے بھی لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔ لیلۃ القدر میں جس جگہ پورا قرآن نازل کر کے محفوظ کیا گیا، اس جگہ کا نام "بیت العزۃ" ہے۔ اس کے بعد "بیت العزۃ" سے تھوڑا تھوڑا حضور ﷺ پر نازل ہوتا رہا۔ کبھی دو دو، چار چار آیتیں، کبھی ایک ایک، دو دو رکوع، اور کبھی پوری سورۃ۔ ضرورت اور حکمت ومصلحت کے مطابق نازل ہوتی رہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں:

"قرآن کریم پہلے بیک وقت پورا لوح محفوظ سے آسمان دُنیا پر اتارا گیا اور پھر ضرورت ومصلحت کے مطابق تھوڑا تھوڑا نبی کریم ﷺ پر اتارا جاتا رہا۔"

اتارنے اور نازل کرنے کے معنی میں ایک اور لفظ آتا ہے اور وہ ہے "تنزیل" اس کے مفہوم میں یہ بات شامل ہے کہ تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا جائے تو نزّل اور تنزیل کہیں گے۔ چنانچہ جہاں اس حقیقت کو نمایاں کرنا مقصود ہوا کہ قرآن تھوڑا تھوڑا نازل کیا گیا، بیک وقت اس کا نزول نہیں ہوا، وہاں نزّل اور تنزیل کا لفظ استعمال کیا:

جب منکروں نے اعتراض کیا کہ قرآن ایکبارگی کیوں نازل نہ کیا گیا، دو دو، چار چار آیتیں کیوں نازل کی جاتی ہیں تو اس کا جواب یوں دیا گیا:

"کافر لوگ کہنے لگے یہ قرآن نبی پر ایک ہی دفعہ میں کیوں نہ نازل کر دیا گیا، (فرمایا) ہماری طرف سے یہی طے ہوا کہ تھوڑا تھوڑا کر کے اتاریں تاکہ اس قرآن کے ذریعے حضور ﷺ کے قلب کو تقویت پہنچائیں، اور ہم ترتیل و خوبی کے ساتھ اس کی تلاوت کریں (یعنی بتدریج نازل کریں) تاکہ آپ ﷺ کے لیے اس کی تلاوت اور یاد کرنا آسان ہو۔" (الفرقان:۳۲)

قرآن کریم کے بتدریج نازل کرنے میں بہت سی مصلحتیں اور حکمتیں پوشیدہ تھیں، منکرین کوئی اعتراض کرتے، اس کا جواب نازل ہو جاتا۔ مسلمانوں کو جو مسائل در پیش ہوتے، ان کا حل بتا دیا جاتا، آنے والے اہم واقعات و حوادث سے نبی ﷺ کو آگاہ کیا جاتا، مسلمانوں کو پیش آمدہ مشکلات کے حل کے ساتھ صبر و تسلی کے پیغامات سے نوازا جاتا۔ غرض اسی طرح بہت سی حکمتیں تھیں جو قرآن کے بتدریج اور مرحلہ وار نزول سے حاصل ہوئیں۔

قرآن کیسے نازل ہوا؟

نزول قرآن کی کیا کیفیت تھی۔ جبریل امین، بارگاہ ایزدی اور لوح محفوظ سے اللہ کا کلام لے کر کس طرح حضور ﷺ کے پاس آتے تھے، اسے حضور ﷺ تک کیسے پہنچاتے تھے۔ حضور کے دل پر یہ کلام کس طرح منعکس ہوتا تھا۔ اور پھر اسے کیسے احاطہ تحریر میں لایا جاتا تھا؟

علماء نے اس کی دو صورتیں بیان کی ہیں:

اوّل یہ کہ: جبرئیل امین پہلے اس کلام کو باطنی اور روحانی طور پر اللہ تعالیٰ سے اخذ کر لیتے ہوں اور پھر آنحضرت ﷺ پر لے کر اترتے ہوں اور آپ ﷺ کو سناتے ہوں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ: جبرئیل امین کی نظروں کے سامنے قرآن منعکس کر دیا جاتا ہو، وہ اسے یاد کر لیتے ہوں اور پھر حضور تک پہنچاتے ہوں۔

پہلی صورت کا حاصل یہ ہے کہ کسی واسطہ کے بغیر جبرئیل امین یہ کلام اللہ تعالیٰ سے اخذ کریں اور پھر اس کلام کو اللہ کی مرضی اور مشیئت کے مطابق حضور ﷺ کو سنا دیں، اور یاد کرا دیں۔ آج کے سائنسی دور میں ہم اس بات کا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ بغیر کسی صورت کے ایک آواز اور خطاب ٹیپ کر لیا جاتا ہے اور وہ ایک سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہتا ہے۔ علماء اور محققین نے اسی صورت کو ترجیح دی ہے۔ اگرچہ اس بارے میں قطعی اور حتمی توجیہ و تعبیر ممکن نہیں۔ قرآن کی اس آیت اور تعبیر سے اسی صورت کو تقویت ملتی ہے۔ ارشاد ہے:

"جبرئیل امین، آپ ﷺ کے قلب پر اللہ کا کلام، اللہ کے حکم سے لے کر اترتے ہیں۔"

علامہ جلال الدین سیوطیؒ کہتے ہیں کہ:

"وحی الٰہی کا نزول نبی کریم ﷺ پر دو طرح ہوتا تھا۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے احکام جبرئیل امین کے ذریعے آنحضرت ﷺ پر اتارتے کہ آپ ﷺ یہ کام کیجئے۔ اس کام سے لوگوں کو منع کر دیجئے، اس کام کا حکم

دیجئے۔ لیکن اس میں کوئی تعبیر اور مخصوص عبارت نہ ہوتی۔"

دوسری صورت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ جبرئیل امین کو حکم دیتے کہ تم یہ کلام (اور حکم) ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ کو پڑھ کر سنا دو، جبرئیل امین وہ کلام لیکر اترتے اور آنحضرت ﷺ کو سنا دیتے، آپ ﷺ اسے یاد کر لیتے۔"

علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ وحی کی یہ دوسری قسم ہی کلام اللہ اور قرآن ہے اور پہلی قسم سنت رسول ﷺ ہے

نبی ﷺ پر وحی مکہ میں بھی نازل ہوئی اور مدینہ میں بھی اور مکہ اور مدینہ کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی، نیز مختلف حالات میں وحی کا نزول ہوتا، کبھی آپ ﷺ سواری پر ہوتے اور کبھی بیٹھے ہوئے، کبھی اپنے گھر میں ہوتے اور کبھی کسی دوسرے کے گھر میں اور کبھی ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کے بستر پر۔

جس وقت نبی ﷺ پر وحی کا نزول ہوتا تو آپ اس کے ثقل کے باعث مشقت اور اعصاب پر دباؤ کی کیفیت محسوس کرتے جیسا کہ خود قرآن اس کی شہادت دیتا ہے: "ہم عنقریب تم پر ایک بھاری فرمان نازل کریں گے" (المزمل:۵)

حدیث عبادۃ بن صامتؓ میں ہے کہ "نبی ﷺ پر جب وحی کا نزول ہوتا تھا تو شدت کرب سے آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا۔"

مختلف روایات میں آتا ہے کہ جب نبی ﷺ اونٹنی پر سوار ہوتے اور اس حالت میں آپ ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہو جاتا تو اونٹنی وحی کے ثقل (بوجھ) سے بیٹھ جاتی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حارث بن ہشام نے نبی ﷺ سے پوچھا، آپ ﷺ پر وحی کیسے آتی ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: "کبھی گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے، یہ صورت مجھ پر زیادہ گراں گزرتی ہے، جب منقطع ہوتی ہے تو میں اسے سمجھ اور یاد کر چکا ہوتا ہوں۔ اور کبھی فرشتہ کسی آدمی کی شکل میں میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے بات کرتا ہے، وہ جو کچھ کہتا ہے میں اسے یاد کر لیتا ہوں۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ "میں نے دیکھا کہ شدید سردی میں آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی اور آپ ﷺ پسینہ پسینہ ہو جاتے اور آپ ﷺ کی جبین مبارک سے پسینہ ٹپکتا ہوا محسوس ہوتا۔

نزول قرآن و وحی کی ابتداء

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے طویل روایت ہے:

"سب سے پہلے وحی کی ابتداء آنحضرت ﷺ کے لیے مبارک اور سچے خوابوں سے ہوئی۔ پس آپ ﷺ جو بھی خواب دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح روشن اور واضح ہوتا، پھر آپ ﷺ کو خلوت و تنہائی محبوب ہو گئی تو آپ ﷺ غار حراء میں خلوت گزیں ہو کر عبادت فرمانے لگے، آپ گھر والوں کی طرف لوٹنے سے پہلے کئی کئی راتیں عبادت میں مشغول رہتے اور اس کے لیے توشہ لے جاتے۔ پھر خدیجہؓ کے پاس آتے پھر توشہ لے کر چلے جاتے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاس اچانک حق آ گیا (یعنی آپ ﷺ بعثت و رسالت سے سرفراز فرمائے گئے) اس وقت آپ ﷺ غار حرا میں تھے، اللہ کا فرشتہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا، پڑھیئے......! آپ ﷺ نے فرمایا میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس فرشتے نے مجھے پکڑ کر خوب دبایا جس سے بے حد تکلیف ہوئی، پھر مجھ کو چھوڑا اور کہا...... پڑھیئے! میں نے کہا میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں، فرمایا۔ اس نے مجھ کو پھر پکڑا اور اتنا زور سے بھینچا کہ تکلیف انتہا کو پہنچ گئی۔ پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھیئے! میں نے پھر یہی کہا کہ، میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس نے پھر تیسری بار انتہائی شدت سے بھینچا۔ یہاں تک کہ تکلیف اپنی انتہاء کو پہنچ گئی پھر مجھ کو چھوڑ دیا اور کہا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ (العلق: ۱-۵)

ان آیات کو نبی کریم ﷺ، حضرت خدیجہ کی طرف لے کر لوٹے اور حال یہ تھا کہ آپ ﷺ کا جسم مبارک کانپ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے خدیجہؓ سے کہا مجھے کمبل اڑھا دو، مجھے کمبل اڑھا دو! انہوں نے کمبل اڑھا دیا۔"

صحیح بخاری اور مسلم کی اس مشہور اور طویل حدیث سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ آں حضرت ﷺ کو منصب نبوت و رسالت عطا ہونے کے ساتھ سب سے پہلے کون سی آیتیں نازل ہوئیں، امام بیہقی "دلائل النبوت" میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے: "سب سے پہلی آیت جو قرآن کریم میں نازل ہوئی، وہ "اقراء" ہے۔

قرآن کیسے لکھا گیا؟

اگرچہ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے اہل عرب ان پڑھ تھے، ان میں تعلیم و تعلم کا رواج بالکل نہ تھا۔ علوم و فنون، درس و تدریس اور کتابت سے نا آشنا تھے، اسی سبب اُمّی (اَن پڑھ) کہلاتے تھے۔ خود قرآن حکیم نے اس حقیقت کو آشکار کیا۔ "وہ اللہ جس نے ان پڑھ لوگوں میں اپنا رسول بھیجا، جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے۔" (الجمعہ:۲)

لیکن اللہ تعالیٰ کو انہی حالات میں اسی خطے اور اسی طبقے میں اپنے برگزیدہ رسول پر اپنی آخری کتاب ہدایت بھی نازل کرنا تھی اس لیے پوری قوم کے اَن پڑھ ہونے کے باوجود کچھ لوگ علم و فن سے بھی آشنا تھے، وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ انہیں اپنے خاندانوں اور قبیلوں میں ممتاز مقام حاصل تھا۔ یہ لوگ اپنے قبیلوں کی نمائندگی اور سفارت کی خدمات انجام دیتے تھے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ سے وحی الٰہی کا آغاز ہونا اس بات کی علامت تھی کہ عرب میں کچھ لوگ قلم اور قلم کے ذریعے علوم و معارف کی نشر و اشاعت اور کتابت کو پہچانتے تھے۔ علم، فن اور کتابت سے آشنا اسی طبقے کے حصے میں یہ سعادت آئی کہ ان کو حضور ﷺ نے خدا کی آخری وحی، یعنی قرآن پاک کی کتابت کے لیے مخصوص کیا۔

الطبقات الکبریٰ لابن سعد، تاریخ طبری، روضۃ الاحباب اور بعض دوسری کتابوں میں مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ کے حکم سے چالیس صحابہ کرام، کتابت وحی کی خدمت پر مامور تھے، ان میں مشہور صحابہ کرام یہ ہیں:

حضرت ابوبکر صدیقؓ — حضرت عمر فاروقؓ
حضرت عثمانؓ — حضرت علیؓ
حضرت زید بن ثابتؓ — حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
حضرت عبداللہ بن رواحہؓ — حضرت خالد بن ولیدؓ
حضرت محمد بن مسلمؓ — حضرت عبداللہ بن سلولؓ
حضرت مغیرہ بن شعبہؓ — حضرت عمرو بن العاصؓ
حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ — حضرت جہم بن الصلتؓ
حضرت حذیفہ بن الیمانؓ — حضرت عبداللہ بن ارقمؓ
حضرت سعید بن جبیرؓ — حضرت عبداللہ بن ابی السرحؓ
حضرت زبیر بن العوامؓ — حضرت حنظلہ بن ربیعؓ
حضرت عبداللہ بن ارقم زہریؓ

عہدِ رسالت میں حفاظ قرآن

حضور نبی کریم ﷺ کے مبارک دور میں بہت سے صحابہ قرآن پاک حفظ کر چکے تھے۔ قرآن کریم جس طرح ازل سے لوحِ محفوظ میں محفوظ تھا۔ اس طرح اللہ کی مشیت یہ طے کر چکی تھی کہ حضرت محمد ﷺ پر نازل ہونے کے بعد ابد تک اہلِ ایمان کے سینوں میں محفوظ رہے گا۔ گویا اللہ نے امتِ محمدیہ کے سینوں کو دنیا میں لوحِ محفوظ کا نمونہ بنا دیا۔ انجیل میں آنحضرت ﷺ کی اُمت کی علامات میں یہ بات ذکر کی گئی ہے ان کے سینے ان کی انجیلیں ہوں گی۔ قرآن نے اس کی گواہی یوں دی:

"بلکہ وہ تو کھلی نشانیاں ہیں (جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہیں) اور علم والوں کے سینے میں محفوظ ہیں" (العنکبوت: ۴۹)

مراد یہی ہے کہ وہ کتاب الٰہی کو یاد کریں گے، کتابِ الٰہی کا حفظ ایک معجزہ ہوگا۔ لیکن امتِ محمدیہ کے لیے اسے آسان بنا دیا جائے گا۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ نے فرمایا:

"اے محمد ﷺ! میں تم کو آزمانے والا ہوں اور تمہارے ذریعے امت کو بھی آزماؤں گا اور تم پر ایک کتاب اتارنے والا ہوں جس کو دُنیا کا کوئی پانی نہ دھو سکے گا، سوتا ہوا بھی اس کو پڑھے گا اور جاگتا ہوا بھی۔" (مُسلم)

جو حروف اوراق پر لکھے ہوئے ہوں، انہیں پانی مٹا سکتا ہے۔ لیکن جو حروف وکلمات سینوں پر نقش ہو گئے، جنہیں لاکھوں افراد نے اپنے حافظوں کا حصہ بنالیا۔ انہیں نہ کوئی پانی دھو سکتا ہے اور نہ کوئی آگ جلا سکتی ہے۔

امام حسن بصریؒ کا قول ہے کہ یہ بات اُمت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب کے حفظ کی نعمت سے نوازا، پچھلی تمام امتیں اس نعمت سے محروم رہیں۔

حفظ قرآن کا سلسلہ جناب رسالتِ مآب ﷺ کے عہد ہی سے شروع ہو گیا اور آپ ﷺ کے دور میں قرآن سے حافظوں اور قاریوں کی تعداد اس حد تک ہو گئی تھی کہ عام مسلمانوں کی تعلیم کے لیے حضور ﷺ ایک ایک شہر اور بستی میں چالیس چالیس حافظ اور قاری بھیجا کرتے تھے۔

بیر معونہ کا واقعہ سن چار ہجری کا ہے جس میں منافقین نے ستر (۷۰) حفاظِ قرآن کو بڑی بے دردی سے شہید کر دیا تھا۔ علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ:

"یوں تو عہدِ نبوت میں صحابہ کی بڑی تعداد نے قرآن حفظ کر لیا تھا، مگر سات صحابہ ایسے ہیں جن کی سند حفظ و قرأت میں پوری دنیا میں مسلّم ہے اور سلسلہ حفظ کی سند انہی سے ملتی ہے وہ سات حضرات یہ ہیں:

حضرت عثمان غنیؓ — حضرت علی بن ابی طالبؓ
حضرت ابی بن کعبؓ — حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
حضرت ابو الدرداءؓ — حضرت زید بن ثابتؓ
حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ

روایات کی چھان بین سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام میں حفاظِ قرآن کی تعداد دس ہزار تھی۔ خواتین بھی قرآن کریم حفظ کرتی تھیں۔ صحابیات میں بہت سے خواتین نے پورا قرآن کریم حفظ کیا جن میں:

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، اُم المؤمنین حضرت حفصہؓ، اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ، حضرت اُم ورقہ بن نوفلؓ

شان نیل لاجواب کپڑے چمکائے بے حساب

کپڑوں کی شان
کپڑوں کی جان
ہر گھر کی ضرورت

شان نیل

شان کیمیکل انڈسٹریز لاہور (پاکستان) فون: 042-290453

قرآن اور جدید سائنس

پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم — قسط نمبر 2

☆ یہاں چند دلائل آفاق سے اس نقطہ کی مزید وضاحت ہوگی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ

''اور وہی ہے قادر مطلق جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ یوم میں پیدا کیا اور (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا۔'' (سورۃ ھود: آیت ۷)

اس آیت کریمہ میں دو لفظ ''یوم'' اور ''عرش'' کی وضاحت ضروری ہے۔ لغت میں یوم سے مراد دن یا وقت ہے اس کی جمع ایام ہیں۔ انسانوں نے اپنے مشاغل کے تعین کے لیے اوقات کی جو تقسیم کی ہے اس میں یوم (دن) طلوع آفتاب و غروب آفتاب کی درمیانی مدت کا نام تجویز کیا گیا ہے۔ یہ مدت زمان و مکان کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً قطب شمالی پر چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے۔ جب دنیا کے مختلف حصوں میں ''یوم'' کی مدت اس قدر مختلف ہے تو نظام شمسی کے ماوراء کے دن کو تو ہم دنیا کے دن پر قیاس ہی نہیں کر سکتے۔ اللہ جل شانہٗ کے اشاروں پر یہ کرہ ارض اور تمام اجرام سماویہ رقص کناں ہیں۔ بارگاہ خداوندی میں اوقات کے تعین کی صورت کیا ہے؟ اسکا صحیح تصور ہمارے لیے ممکن ہی نہیں تاہم ہمارے سمجھانے کے لیے فرمایا گیا ہے اور اپنے رب کے یہاں کا ایک دن ایسا سمجھ جیسے تمہارے حساب سے ہزار سال۔

''وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر امر کی تدبیر کرتا ہے، پھر ہر امر اسی کے حضور میں پہنچ جاوے گا ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار برس ہوگی۔'' (سورۃ السجدہ: ۵)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے رب کے ہاں وقت کے وقفہ کو ایک دن قرار دیا جاتا ہے وہ اس دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر پھیلاؤ رکھتا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

''اور اس کی طرف فرشتے اور روح اس دن چڑھیں گے جس کی مقدار (دنیا کے) پچاس ہزار سال ہوگی۔'' (سورۃ معارج: ۴)

اس آیت میں قیامت کے دن کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو کہ یہ دن اپنی ہولناکی کے سبب کافروں کے لئے پچاس گنا ہو جائے گا جیسا کہ مومنوں کے لئے بے حد مختصر ہو جائے گا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے ''خدا کی قسم ایماندار آدمی کو وہ دن ایسا چھوٹا معلوم ہوگا جتنا کہ ایک فرض نماز ادا کرنے کا وقت۔'' تاہم مندرجہ بالا آیات میں یہاں بھی بارگاہ خداوندی کے دن مراد ہیں۔ سورۃ ھود کی آیت میں ''یوم'' سے مراد تخلیق کائنات کا ایک دور (Period) ہوگا چنانچہ ''یوم'' سے مراد وقت کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس آیت میں چھ یوم سے مراد چھ ادوار ہو سکتے ہیں اور ہر دو اربوں سال پر بھی محیط ہو سکتا ہے۔

اب آیت کے دوسرے لفظ ''عرش'' پر غور فرمائیے۔ لغت میں اس کے معنی چھت، تخت شاہی، بلند مقام، عظمت و جلال ہے۔ عرش الٰہی کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ فلک اعلیٰ ہے۔

مفسرین نے ''عرش'' کی کئی توضیحات کی ہیں مثلاً یہ کہ عرش اللہ تعالیٰ کا تخت سلطنت ہے جہاں سے وہ احکام جاری کرتا ہے۔ عرش کے علاوہ قرآن مجید میں ایک اور لفظ ''کرسی'' آیا ہے۔ آیت الکرسی میں ''کرسی'' کا ذکر ہے۔ سورہ البقرہ کی آیت 255 میں ارشاد ہوتا ہے۔ (مفسرین نے اس کے مندرجہ ذیل تراجم کئے ہیں)

''اللہ تعالیٰ کی کرسی زمین و آسمان پر محیط ہے۔''

''اس کی کرسی نے سب آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے۔''

''اس کی کرسی میں تمام آسمانوں اور زمین کی گنجائش ہے۔''

کرسی سے یہ مراد نہ لینا چاہیے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کوئی جسم رکھتا ہے اور وہ کرسی نشین ہے۔ کرسی کے معنی علم کے ہو سکتے ہیں اور قدرت و طاقت کے بھی یعنی اللہ تعالیٰ کا علم اور قدرت ساری کائنات پر غالب ہے۔ انسانی ذہن میں ''عرش'' اور ''کرسی'' کے الفاظ سے کسی اعلیٰ و ارفع بیٹھنے کی جگہ کا تصور پیدا ہوتا ہے چونکہ دنیا میں کرسی اور تخت بیٹھنے کی جگہ ہی ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا تصور انسانی ذہن کے لیے ناممکنات میں سے ہے، اس لحاظ سے لفظ ''عرش'' یا ''کرسی'' کا تصور بھی ناممکن ہے۔ سائنسی نقطہ نگاہ سے عرش یا کرسی سے مراد ''انرجی'' (Energy) یا قدرت ہو سکتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ عرش یا کرسی کی حقیقت و کیفیت سے ہم کبھی بھی واقف نہیں ہو سکیں گے۔

زندگی کا آغاز

اب سورۃ ھود کی آیت (7) پر غور فرمایئے۔ میری حقیر دانست کے مطابق "اللہ کا عرش پانی پر تھا" سے مراد ہے کہ جب اللہ جل شانہ، نے زمین و آسمان تخلیق کر لیے تو پھر پانی کی طرف توجہ فرمائی تا کہ زندگی کا آغاز ہو۔ زندگی کا آغاز پانی اور گارے (کیچڑ) سے ہوا جس کی تصدیق خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ چند آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔

"ہم نے ہر زندہ شے کو پانی سے بنایا"

(سورۃ الانبیاء 21: آیت 30)

مذکورہ آیت سے واضح ہوتا ہے کہ زندہ اشیاء پانی سے وجود میں آئی ہیں۔

"وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا" (سورۃ انعام 6: آیت 2)

"اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں کالے سڑے ہوئے گارے سے جو کھن کھن بولنے لگتا ہے ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں"

(سورۃ حجر 15: آیت 28)

"اور اللہ ہی نے تمام جانداروں کو پانی سے پیدا کیا۔ ان میں بعض پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض ان میں سے دو پاؤں پر چلتے ہیں اور بعض ان میں سے چار پاؤں پر چلتے ہیں اور جس وضع پر چاہتا ہے پیدا کرتا ہے"۔ (سورۃ نور 24: آیت 45)

مندرجہ بالا تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کا آغاز یا پیدائش پانی اور کیچڑ یا مٹی دونوں سے ہوا۔ چنانچہ پہلے پیدائش پانی (اور مٹی) سے ہوئی پھر اللہ تعالیٰ نے تخلیق کے پروسیس کو رحم مادر سے جاری کیا جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہوتا ہے۔

"پس ہم نے تمہیں مٹی سے اور نطفے سے پیدا کیا"

(سورۃ حج 22: آیت 5)

"اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ (یعنی غذا) سے بنایا۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ (ایک مدت معینہ تک) ایک محفوظ مقام (یعنی رحم) میں رہا۔ پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا۔ پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنایا۔ پھر ہم نے اس بوٹی (کے بعض اجزاء) کو ہڈیاں بنا دیا۔ پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا۔ پھر ہم نے اس کو ایک دوسری طرح کی مخلوق بنا دیا۔ سو کتنی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے (یعنی سب بنانے والوں سے بہتر)"۔

(سورۃ مومنون 23: آیت 12 تا 15)

اب ماہرین حیاتیات وحیوانات نے بھی دریافت کیا ہے کہ ابتدائی زندگی کا آغاز پانی اور مٹی کے ملاپ سے ہوا۔ میڈیکل سائنس میں اناٹومی کے ماہرین نے بھی اس سارے انسان کی تخلیق کے پروسیس کی تصدیق کر دی ہے جو مذکورہ بالا آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح زمین اور آسمانوں کی تخلیق مختلف ادوار میں ہوئی جس کا عرصہ کروڑوں اور اربوں سالوں پر محیط ہے اور ان حقائق سے تمام ماہرین فلکیات وارضیات متفق ہیں۔ نبی کریم ﷺ ماہر حیاتیات یا ارضیات نہ تھے بلکہ یہ سارے حقائق (جو اب مختلف سائنسی علوم کی بنیاد ہیں) اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید (وحی الٰہی) کے ذریعے بتا دیئے تھے۔ قارئین کرام کو ان آیات سے قرآن حکیم کی معجزیت کا بخوبی اندازہ ہو جانا چاہئے۔ اسی لئے میں نے اس مضمون کے شروع میں لکھا تھا کہ قرآن حکیم میں جو حقائق وشواہد موجود ہیں جدید سائنس صدیوں کی مسافت کے بعد اب ان تک پہنچی ہے۔ اب ایک مسلمان سائنس دان کا ردعمل کیا ہونا چاہئے؟ یہی کہ وہ جب ان آیات پر تدبر، تذکر اور تفقہ کرتا ہے تو یقیناً اس کا ایمان اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات پر مزید پختہ ہو جانا چاہئے۔

ایک بات یاد رکھئے کہ موجودہ سائنس ابھی اس نہج پر نہیں پہنچی کہ وہ قرآن حکیم میں بعض سائنسی حقائق کی توضیح پیش کر سکے لیکن یہ حقائق ان کے لئے مزید تحقیق اور جستجو کا محور ہو سکتے ہیں مثلاً ارشاد ہوتا۔

ترجمہ: " اور تحقیق تمہارے واسطے چوپایوں میں سوچنے کی جگہ ہے ہم ان کے پیٹ کی چیزوں میں سے گوبر اور خون کے درمیان سے تمہیں دودھ پلاتے ہیں صاف ستھرا پینے والوں کیلئے خوشگوار"۔ (سورۃ نحل 16: آیت 66)

اس آیت میں ارشاد ہے کہ زمین کی پیداوار کے علاوہ جانوروں سے بھی تمہاری ضرورت کی چیزیں پیدا کیں۔ دیکھو جو کچھ وہ کھاتے ہیں وہ ان کے پیٹ کے اندر جا کر ان کل پرزوں کے ذریعے جو اندر کام کر رہے ہیں، تین چیزوں کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ایک حصہ تو گوبر وغیرہ بن کر پھینک دیا جاتا ہے۔ ایک حصہ خون بن کر زندگی کو برقرار رکھتا ہے۔ ان دونوں کے بیچ میں سے ایک تیسری چیز بنتی ہے جسے دودھ کہتے ہیں۔ یہ گوبر اور خون کے درمیان ہی بنتا ہے لیکن ان دونوں گندگیوں اور بدمزگیوں سے پاک ہے۔ یہ ایک صاف ستھری، خوشنما، خوش ذائقہ گلے میں باآسانی اتر جانے والی چیز ہے جسے پینے والے مزے لے کر پیتے ہیں"۔

اس آیت سے مراد ہے کہ اس مشاہدہ سے اس حیرت انگیز قدرت کا ادراک کرو اور جانو کہ وہ کس طرح نا قابل فہم طریقوں سے ایسے نتائج حاصل کرتا ہے جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے۔ موجودہ سائنس مویشیوں کے اندر دودھ بننے کے نظام کو دیکھ کر اس جستجو میں لگ جاتی ہے کہ وہ کون سے کیمیائی عوامل ہیں جو خوراک کو دودھ میں تبدیل کرتے ہیں۔لیکن قرآن کی رو سے ایک سائنس دان کو اس مشاہدہ سے جست لگا کر قدرت خداوندی کا ادراک کرنا چاہئے ۔ جو لوگ عبرت پذیری کی صلاحیت کو مردہ کر دیتے ہیں ان کے عقل و دل کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں وہ دیکھتے سب کچھ ہیں لیکن ان کو سوجھتا کچھ بھی نہیں ۔ قرآن مجید نے کائنات کے بہت سے ایسے شواہد کا ذکر فرمایا ہے جو سائنس کی جستجو کا منبع و محور ہو سکتے ہیں مثلاً آسمان اور زمین کا نظام، انسانوں اور حیوانوں کی تخلیق، رات اور دن کی گردش، ہواؤں کی گردش اور زمین پر بارش کے اثرات۔ان شواہد کے بیان کے بعد فرمایا: "یہ اللہ کی آیتیں (نشانیاں ہیں) جو ہم تمہیں بالکل حق کے ساتھ سنا رہے ہیں؟ (یا پڑھ کر سناتے ہیں)"۔

(سورۃ جاثیہ 45: آیت 6)

زمانہ حاضر کا انسان

حضرت علامہ اقبال" نے "دور حاضر کا انسان" کے عنوان سے جو نظم لکھی ہے اس کا اطلاق، میری حقیر دانست کے مطابق، سائنس دان پر زیادہ ہوتا ہے۔چند اشعار ملاحظہ فرمائیے

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا!

حاصل کلام

جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اس کے باوجود کہ قرآن حکیم سائنس کی کتاب نہیں مگر اس نے بہت سارے دلائل افاق کی بنیاد ایسی چیزوں کے مشاہدہ پر رکھی ہے جو آج جدید سائنس کا موضوع ہیں بلکہ پہلے بھی رہے ہیں لیکن اس مشاہدہ کو اس نے ایک سمعی و بصری عمل قرار نہیں دیا بلکہ یہ تحریک دی ہے کہ سمع و بصر کے خواص کے پہلو بہ پہلو تدبر، تذکر، تفقہ، اور عبرت پذیری کو بھی جگہ دے تا کہ یہ مشاہدہ انسان کو اصل حقائق تک پہنچائے ۔ اگر سائنس دان قرآن مجید کی اس ہدایت کو ملحوظ رکھیں تو سائنس مذہب و اخلاق سے اس طرح بے بہرہ نہ ہو جیسی اب ہے۔ ❀

The Tingate Coy
METRO
TEXTILES SOURCINC
Metro sourcing

Metro sourcing is "Hong Kong Based Group" working in Pakistan for last 3 years. Our Aimis to facilitate "Garment Industries" with our unique products & quality services.

Our Product Line:

Products: BUTTONS ZIPPERS HANG TAG LABELS

Unit # 4,13 E/II, Gulberg III, Lahore
Tel:(92+42) 5717985-6 Fax: (92+42)5717987
Email: shahid@tingate.com.hk:shahid@metrosourcing.com

رمضان المبارک

سید داؤد غزنوی

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (البقرۃ:۱۸۵)

"رمضان وہ مبارک مہینہ ہے جس میں قرآن حکیم نازل ہوا، جو انسانوں کے لئے موجب ہدایت ہے اور جس کی تعلیم میں ہدایت وضلالت اور حق وباطل کی تمیز کے لئے کھلے نشان موجود ہیں، پس جو اس مہینے میں زندہ موجود ہو، وہ روزے رکھے اور جو مریض ہو یا مسافر وہ ان کے بدلے دوسرے دنوں میں پھر روزے رکھ لے۔ خدا تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا، تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کرسکو، اور روزے اس لئے فرض ہوئے کہ تم اس عطائے ہدایت پر خدا کی بڑائی کرو اور شکر بجالاؤ۔"

قرآن مجید نے مذکورہ آیات میں روزے کا حکم دیتے ہوئے ہمیں ماہِ صیام کی اصل حقیقت، مقصد اور اس کے نتائج کی اطلاع دی ہے، ہم ان آیاتِ قرآنی کے مضامین کو ان تین عنوانوں کے تحت تقسیم کرسکتے ہیں:

اوّل: اصل حقیقت ماہِ صیام

دوم: مقصد صیام

سوم: نتائج صیام

اوّل: حقیقتِ ماہِ صیام

سب سے پہلے یہ فرمایا کہ رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں اقلیم رسالت اور کشور نبوت کے سب سے بڑے تاجدار محمد بن عبداللہ ﷺ پر نامہ خیر وبرکت اور دستور ہدایت قرآن حکیم کا نزول ہوا اور یہ اس وقت ہوا جبکہ آپ غار حرا کے اندر انسانی آبادی سے دور، مادی ضروریات سے کنارہ کش ہو کر کئی کئی روز بھوکے اور پیاسے رہ کر راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر مشغول دعا تھے اور انسانوں کو گمراہی، باطل پرستی، سرکشی اور تمرد سے نکالنے کے لئے سربسجود رہتے تھے۔ پس رمضان المبارک یا ماہِ صیام کی اصل حقیقت نزول قرآن کی یادگار اور تذکار ہے، فرمایا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ

"رمضان وہ مبارک مہینہ ہے جس میں قرآن حکیم نازل ہوا"

اور حامل ومبلغ قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُسوہ حسنہ کی اقتدا اور اتباع ہے۔ فرمایا:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ

"تم میں سے جو شخص اس مہینے میں زندہ موجود ہو، وہ روزے رکھے"

انبیاء کرام کا اُسوہ حسنہ

قرآن کریم میں انبیاء کرام کے اعمال حیات اور وقائع زندگی کو اس لئے پیش کیا گیا ہے کہ ان کی اقتدا کی جائے اور ان کے اسوہ حسنہ کی تاسی (پیروی) کی جائے۔ انبیاء کرام میں سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اعمال حیات کو ایک خاص عظمت وشرف اور اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور لوگوں کو اس کے اتباع کی اس طریق پر دعوت دی، اور فرمایا:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (الممتحنہ:۴)

"یقیناً تمہارے لئے ابراہیم کی زندگی میں اور ان لوگوں کی زندگی میں جو ایمان کے اعلیٰ مدارج میں ان کے ساتھ نظر آتے ہیں، پیروی اور اتباع کے لئے بہترین نمونہ ہے۔"

جس طرح قرآن کریم نے حضرت ابراہیمؑ کی مبارک زندگی کو بطور اُسوہ حسنہ کے دنیا کے سامنے پیش کیا، اسی طرح ہمارے نبی اکرم ﷺ کی پاکیزہ زندگی اور اعمال حیات کو بھی اسوہ حسنہ کے طور پر پیش کیا اور فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

"یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کے اعمال حیات میں بہترین نمونہ رکھا گیا ہے۔"

یہی دو انبیاء ہیں جنہیں یہ شرف مخصوص حاصل ہے کہ قرآن نے ان کی پاکیزہ زندگیوں کے لئے "اسوہ حسنہ" کا لفظ استعمال کرکے دنیا کے لئے انہیں بہترین نمونہ کے طور پر پیش کیا اور ان کے عملوں کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کرکے ضائع ہونے سے بچادیا۔

اُسوہ ابراہیمیؑ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو بے آب وگیاہ سرزمین پر لاکر بسایا کہ خدا کی تحمید وتقدیس بجالائیں۔ خدا نے حضرت ابراہیمؑ سے ان کے عزیز فرزند کی قربانی طلب کی۔ باپ بیٹا دونوں نے اس قربانی کو پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے پیارے بندوں کی یہ مخلصانہ ادائیں کچھ اس طرح بھاگئیں کہ

اس موقع کی ہر حرکت کو ہمیشہ کے لئے قائم کر دیا اور اس کو ہمیشہ دنیا میں زندہ رکھنے کے لئے اس موقع کی ہر ہر ادا کو پیروانِ دینِ حنیفی پر فرض کر دیا گیا، اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہر سال جب حج کا موسم آتا ہے تو لاکھوں انسانوں کے عمل سے اسوۂ ابراہیمی جلوہ نما ہوتا ہے اور ان میں سے ہر متنفس وہ سب کچھ کرتا ہے جو آج سے کئی ہزار برس پہلے خدا کے دو مخلص بندوں نے وہاں کیا تھا۔ یہی وہ دائمی بقا ہے جس کا ذکر یوں ہے:

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَ جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا (البقرۃ:۱۲۹)

''ہم نے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد کو اپنی رحمت سے بہت بڑا حصہ دیا اور ان کے لئے اعلیٰ و اشرف ذکرِ خیر دنیا میں باقی رکھا۔''

اُسوۂ محمدی

حضرت ابراہیمؑ نے خدا کے حضور یہ دعا والتجا کی تھی کہ

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ (البقرۃ:۱۲۹)

''اے پروردگار! میری اولاد میں سے اک ایسا رسول بھیج جو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے، کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک کر دے۔''

خدا نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا قبول کی اور اس معلم کتاب وسنت کو مبعوث فرمایا اور دنیا کے سامنے ''اسوۂ محمدی'' کو پیش کیا۔ اس اُسوۂ عظیمہ کا سب سے پہلا منظر عالم ملکوتی میں وہ استغراق تام تھا، جبکہ صاحب سنت یا صاحب اُسوۂ انسانوں کو ترک کر کے خدا کی صحبت اختیار کئے ہوئے تھا اور انسانوں کے بنائے ہوئے گھروں کو چھوڑ کر غار حرا کے تیرہ و تاریک حجرے میں گوشہ نشین ہو گیا تھا۔ وہ اس عالم میں کئی کئی راتیں جمالِ الٰہی کے بے کیف نظارے میں بسر کرتا رہتا تھا تا آنکہ اس تنگ و تاریک غار کے اندر قرآن کا نور طلوع ہوا اور خدا کو اپنے پیارے بندے کی اس ماہ میں مخلصانہ عبادت، گوشہ نشینی، بھوک پیاس اور راتوں کو جاگنا کچھ ایسا پسند آیا کہ دنیا میں اُسوۂ حسنہ کے طور پر اس کو ہمیشہ زندہ رکھا۔ پس جس طرح خدا تعالیٰ نے دینِ حنیفی کے داعی اوّل کے اُسوۂ حیات کو دوامیت بخشی، اسی طرح دینِ حنیفی کے آخری مکمل اور متمم وجود کے اُسوہ حسنہ کو بھی ہمیشہ کے لئے قائم کر دیا۔

آپ راتوں کو بارگاہِ الٰہی میں مشغولِ عبادت رہتے تھے، پس پیروانِ اُسوۂ حسنہ اور متبعین سنتِ محمدیہ بھی رمضان المبارک کی راتوں میں قیامِ لیل کرنے لگے اور تلاوت و سماعتِ قرآن مجید سے وہ تمام برکتیں ڈھونڈنے لگے جو اس ماہِ مبارک کو قرآنِ حکیم کے نزول سے حاصل ہوئیں۔ آپ اپنا گھر بار چھوڑ کر ایک تنہا گوشہ میں خلوت نشین ہوتے تھے۔ پس ہزاروں مؤمنین قائمین اس ماہِ مقدس میں اعتکاف کے لئے مساجد میں گوشہ نشین ہونے لگے، اور اس طرح غارِ حرا کے اعتکاف کی یاد ہر سال زندہ ہونے لگی۔ آپ بھوکے پیاسے رہتے تھے، لہٰذا تمام مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تم بھی بھوکے پیاسے رہو، تا کہ ان برکتوں اور رحمتوں میں سے حصہ پاؤ جو نزولِ قرآن کے مبارک دنوں کے لئے مخصوص تھیں۔

چنانچہ جس طرح اُسوۂ ابراہیمی کی یادگار حج کو فرض کر کے قائم رکھی گئی، اسی طرح اُسوۂ محمدی کی بھی یادگار ماہِ رمضان المبارک کی صورت میں قائم رکھی گئی جو چودہ سو برس گزر جانے کے بعد بھی زندہ ہے اور ان شاء اللہ ابدالآباد تک زندہ رہے گی۔

رمضان المبارک

رمضان المبارک کیا ہے؟ سعادتِ انسانی اور ہدایتِ اقوام وملل کے ظہور کی وہ عظیم الشان یادگار ہے جس کا دروازہ قرآنِ حکیم کے نزول سے دنیا پر کھلا۔ یہی مہینہ خدا کی سب سے بڑی رحمت و برکت کے نزول کا ذریعہ بنا اور اسی مہینہ میں خدا کی رحمتوں کی صدیوں کے بعد بارش ہوئی اور اسی عہد میں دنیا کی وہ سب سے بڑی خشک سالی ختم ہوئی جو سو سال سے بنی نوع انسان کے قلب و روح پر چھائی ہوئی تھی اور اسی موسم میں ایام اللہ کی وہ بہار آئی جس میں کوہ فاران کی چوٹیوں پر ابرِ رحمت نمودار ہوا تا کہ کشورِ انسانیت کی سوکھی کھیتیوں کو سرسبز کرے اور کائناتِ ارضی کی تشنگیٔ ہدایت کو سیراب کرے۔

لیلۃ القدر

اور وہ کون سی رات تھی؟ جس میں سعادتِ انسانی کا یہ مبارک پیغام آیا جس کی تبلیغ صادق ومصدوق محمد عربی ﷺ کے سپرد ہوئی، جس میں وحیِ الٰہی کا دروازہ غارِ حرا کے گوشہ نشین پر کھلا، وہ عزت وحرمت کی رات تھی۔ وہ ہزاروں راتوں بلکہ ہزاروں مہینوں سے بہتر رات تھی، کیونکہ اس رات ہم پر برکاتِ ربانی کی سب سے پہلی بارش ہوئی۔ اس رات آسمان کی باتیں زمین والوں کو سنائی گئیں اور اسی رات عصیاں وسرکشی کی تاریکی میں مبتلا اور ظلم وتعدی سے مضطرب اور بے چین دنیا کو امن اور سلامتی کا پیغام ملا۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ أَمْرٍ ۝ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

''ہم نے قرآن کو عزت وحرمت والی رات میں اتارا اور ہاں تمہیں کیا معلوم کہ عزت وحرمت والی رات کیا ہے؟ وہ رات ہزار مہینہ سے بہتر ہے، جس میں ارواح

مقدسہ اور فرشتے حکم الٰہی سے احکام لے کر نازل ہوتے ہیں۔ اس رات میں طلوع صبح تک سلامتی ہی سلامتی ہے۔" (سورۃ القدر)

قیام رمضان

یہ انہی احسانات وانعامات الٰہیہ کا شکریہ ہے کہ مسلمان دن بھر کی بھوک اور پیاس کے بعد عجب جوش اور محویت کے عالم میں رات کو خدا کی یاد کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ دنیا کا ذرہ ذرہ خاموش اور محوِ خواب ہوتا ہے، لیکن شیفتگانِ سنتِ محمدیہ اپنے بستروں کو خالی کردیتے ہیں اور اسی کی حمد وثنا میں مشغول ہوجاتے ہیں، جس نے اس ظلمت کدہ عالم میں صرف ہمیں ایک ایسا چراغ بخشا جس سے ہمارے قلوب منور ہوگئے۔ اسی کی تسبیح وتقدیس کے نغمے بلند کرتے ہیں جس نے اقوام عالم میں ہمیں یہ عزت بخشی کہ ہم نے اس کے رسول کی دعوت کو قبول کیا اور اس کی سنت کو زندہ کیا۔

دوم: مقصدِ صیام

یہ ایک حقیقتِ مسلمہ ہے کہ انسان جسم اور روح سے مرکب ہے اور جس قدر روح میں پاکیزگی اور طہارت ہوگی، اسی قدر انسان ملکوتی صفات کا مظہر اور حامل ہوگا اور جس قدر انسان کھانے پینے اور لذائذ شہوانی میں زیادہ منہمک ہوگا، اسی قدر قوائے بہیمیہ مشتعل اور قوائے ملکیہ کو شکست دینے کے درپے ہوں گے۔ چونکہ قوائے بہیمیہ کی قوت وطاقت کا دارو مدار کھانے پینے اور لذاتِ شہوانیہ میں انہماک پر ہے، اسی لئے ظاہر ہے کہ نفس کی قہرمانی کو شکست دینے اور قوائے بہیمیہ کو کمزور کرنے کے لئے ان اسباب و دواعی کو کم کرنے کی ضرورت ہے جن سے قوائے بہیمیہ کو طاقت اور ملکوتی صفات کو شکست ملتی ہے۔ اور یہی مقصد روزہ کا ہے۔ جس طرف آیت زیب عنوان میں اشارہ کیا گیا ہے، لیکن اصل مقصد چونکہ عبادتِ روح ہے نہ کہ تعذیبِ جسم، اس لئے اسلام نے تکلیفِ جسم کو اس قدر شدید اور ناقابل برداشت نہیں بنایا کہ اس سے اصل مقصد فوت ہوجائے۔ اس لئے سال بھر میں صرف ایک مہینہ روزوں کے لئے مخصوص کردیا، جس میں قرآن مجید کا نبی ﷺ پر نزول ہوا، تاکہ یہ مبارک مہینہ قرآنِ مجید کے نزول کی یادگار ہو اور روزوں کے ذریعے روح کی پاکیزگی اور طہارت کا سبب بھی ہو۔

چونکہ اصل مقصد تقویٰ اور تزکیہ روح ہے، نہ کہ تعذیبِ جسم جیسا کہ دوسرے مذاہب میں خیال کیا جاتا ہے، اس لئے تقلیل غذا اور لذائذ شہوانیہ کی ایسی صورت قائم کردی جو سوائے معذور انسانوں کے باقی سب کے لئے قابل عمل اور آسانی ہو۔ کیونکہ تقلیل غذا کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں: ایک تو یہ کہ مقدارِ غذا کم کردی جائے اور دوسرا یہ کہ خوراک کے مختلف اوقات میں معتاد وقفہ سے زیادہ وقفہ کردیا جائے۔ اسلام نے اور دوسرے مذاہب نے بھی تقلیل غذا کی دوسری صورت کو تجویز کیا ہے۔

اس لئے کہ پہلی صورت یعنی مقدارِ غذا کو کم کردینا اگر روزہ قرار دیا جاتا تو اول یہ کسی قاعدہ اور ضابطہ کے ماتحت نہ ہوتا کیونکہ اگر کم وزن مقرر کردیا جاتا تو یہ اختلافِ ملک، اختلافِ آب وہوا، اختلافِ مزاج اور اختلافِ قویٰ کی بنا پر کسی حالت میں درست نہ ہوتا اور اگر ہر ایک شخص کے لئے انفرادی طور پر حکم ہوتا کہ اپنی معتاد غذا کا نصف کھاؤ یا اس سے کم وبیش تو یہ بھی ایک ناقابل عمل چیز تھی، کیونکہ ہر ایک انسان کی اگرچہ ایک معتاد غذا ضرور ہے لیکن پھر بھی ہر شخص کو اپنی معتاد غذا کا ٹھیک نصف یا تہائی کرنا اور ایک لقمہ بھی کم و بیش نہ ہونے دینا قریباً ناممکن ہے اور ثانیاً اس سے قانون اور ضابطہ کی وہ عمومیت جو اس کی سب سے بڑی صفت ہے، جاتی رہتی لہٰذا تقلیل غذا کی دوسری صورت اختیار کی، یعنی خوراک کے اوقات میں معتاد اوقات سے زیادہ فاصلہ جس سے بھوک اور پیاس محسوس ہو اور قوائے بہیمیہ کی پامالی ہو اور روح کو طہارت اور پاکیزگی حاصل ہو۔

اسلام نے اس بھوک، پیاس اور ترکِ لذائذِ شہوانیہ کو اس قدر سخت اور ناقابل عمل نہیں بنایا کہ یہ مقصود بالذات ہوجائے اور جو اصل مقصد ہے، وہ فوت ہوجائے۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ اسلامی عبادات و ریاضت کا دوسرے مذاہب سے مقابلہ کرکے دکھایا جائے تاکہ معلوم ہو کہ ارشادِ خداوندی یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ اس قدر اپنے اندر ناقابلِ تردید صداقت رکھتا ہے۔

دوسرے مذاہب نے تکلیف وتعذیبِ جسمانی کو بھی ایک قسم کی عبادت بلکہ بہترین اقسامِ عبادات میں سے قرار دیا ہے۔ اور اسی تخیل کا یہ اثر ہے کہ یہودیوں کے ہاں قربانی اس قدر طویل وکثیر رسوم پر مشتمل تھی جس کی صرف شرائط اور لوازمات کا بیان تورات کے چار پانچ صفحوں میں مذکور ہے۔ افطار کے وقت صرف ایک دفعہ کھا سکتے تھے، اس کے بعد دوسرے روز کے وقتِ افطار تک کچھ نہیں کھا سکتے تھے (یعنی مستقل سحری کھانے کی اجازت نہ تھی) اور اگر بغیر کھائے ہوئے بدقسمتی سے نیند آگئی تو پھر کھانا مطلق حرام تھا۔ ایام صیام کی پوری مدت میں بیویوں کی مقاربت بھی حرام تھی۔

عیسائی راہبوں نے رہبانیت کی بنیاد ڈالی تو انہوں نے شرعی بیاہ کو بھی اپنے اوپر حرام کردیا، اور ترکِ آسائش ولذائذِ جسمانی ان کے ہاں بہترین عبادت تھی۔ قربان گاہ، صلیب اور کنواری کے بت

کے آگے گھٹنوں کے بل گھٹنوں جھکے رہنا، کئی کئی روز کھانا پینا چھوڑ دینا زہد و تقویٰ کی انتہا سمجھی جاتی تھی۔

ہندو جوگیوں نے تپسیا اور ریاضتِ شاقہ کی اور بھی عجیب و غریب رسم ایجاد کی۔ ان کے ہاں سالہا سال تک کھڑے رہنا، سخت دھوپ میں بغیر کسی سائے کے گزارا کرنا، جاڑوں میں ننگے بدن رہنا، تمام جسم پر راکھ ملنا، دس دس برس تک ایک ہاتھ کو ہوا میں بلند رکھنا اور ایک ایک چلہ تک کھانا پینا بالکل چھوڑ دینا تقرب الی اللہ کے حقیقی راستے سمجھے جاتے تھے۔

ان میں جینیوں کا فرقہ پیدا ہوا تو اس نے ناک، منہ اور کان کو بند رکھنا شروع کیا تاکہ ان کے تنفس کے ذریعے کسی کیڑے کو اذیت نہ ہو۔ ہندوؤں میں "بدھ" کا فرقہ پیدا ہوا تو اس کے بھکشو جنگلوں اور پہاڑوں میں رہنے لگے اور گھاس، پتوں اور بھیک کے ٹکڑوں پر گزر کرنے کو زہد و اتقا کی علامت سمجھنے لگے، جس کی معمولی سی یادگار اس وقت بھی برما میں موجود ہے۔

لیکن اسلام نے رہبانیت کی تمام شکلوں کو ناجائز قرار دیتے ہوئے یہ اعلان فرمایا:

لا رهبانية في الاسلام "اسلام میں کسی قسم کی رہبانیت نہیں ہے"۔ یہود و نصاریٰ جس رہبانیت پر فخر کرتے تھے، اس کے متعلق یہ فرما کر رہبانیت کی حقیقت بے نقاب کر دی کہ

وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ

"یہ رہبانیت ان کی اپنی ایجاد ہے، ہم نے ان کو اس قسم کا کوئی حکم نہیں دیا" (الحدید: ۲۷)

غرض اسلام نے تعذیبِ جسمانی اور ریاضتِ شاقہ کو خلاف منشاء دین اور انسان کی ضعیف گردن کے لئے بار گراں سمجھ کر اس کو غلط قرار دیا اور پیغمبر اسلام کی تعریف میں یہی فرمایا:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف: ۱۵۷)

"اور اس طوق و زنجیر کو جو شدید احکام کی، ان کی گردن پر پڑی ہوئی تھی، علیحدہ کرتا ہے۔"

اور روزوں کے حکم کے بعد خاص طور پر فرمایا:

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

"خدا تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں۔"

☆ اسلام نے صیام کے سلسلہ میں جو آسانیاں اُمتِ مسلمہ کے لئے پیش کی ہیں، ان کے مطالعہ سے اس آیت کی پوری پوری تشریح سامنے آجاتی ہے، مثلاً اسلام کے سوا دوسرے مذاہب میں شب و روز کا روزہ ہوتا تھا، اسلام نے روزے کی مدت صرف صبح صادق سے شام تک قرار دی

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ

"کھاؤ پیو یہاں تک کہ رات کے تاریک خط سے صبح کا سپید خط ممتاز ہو جائے۔ پھر روزے کو ابتدائے شب (شام) تک پورا کرو۔" (البقرۃ: ۱۸۷)

بعض لوگ عمر بھر روزے رکھتے تھے، اسلام نے اس کو بالکل ممنوع قرار دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جس نے ہمیشہ روزہ رکھا، اس نے کبھی روزہ نہیں رکھا"

☆ ایام صیام میں رات کو سو جانے کے بعد پھر کھانا حرام تھا، اسلام نے اس کو منسوخ قرار دیا جیسا کہ بخاریؒ کی روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ ابتدائے اسلام میں جب روزہ رکھتے اور افطار کا وقت آجاتا اور وہ افطار کرنے سے پہلے سو جاتے تو پھر رات بھر اور دن بھر دوسرے دن کی شام تک کچھ نہ کھاتے۔ اس اثنا میں قیس بن صرمہ انصاری جو روزہ سے تھے، افطار کا وقت آیا تو وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے، انہوں نے کہا: ہے تو نہیں لیکن چل کر ڈھونڈتی ہوں، قیس دن بھر کام کر کے تھکے تھے، سو گئے۔ بیوی آئیں تو افسوس کر کے رہ گئیں، جب دوپہر ہوئی تو قیس کو غش آگیا، یہ واقعہ آنحضرت سے بیان کیا گیا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ

"کھاؤ پیو، یہاں تک کہ رات کے تاریک خط سے صبح کا سپید خط ممتاز ہو جائے۔" (البقرۃ: ۱۸۷)

☆ اسلام سے پہلے ایام صیام کی پوری مدت میں مقاربت سے محترز رہتے تھے لیکن چونکہ یہ ممانعت انسان کی فطری خواہش کے بالکل منافی تھی، اس لئے اکثر لوگ اس میں خیانت کے مرتکب ہوتے تھے۔ اسلام نے اس حکم کو صرف روزہ کے وقت تک محدود رکھا جو صبح سے شام تک کا زمانہ ہے۔ فرمایا:

"تمہارے لئے روزہ کی شب اپنی بیویوں سے مقاربت حلال کی گئی، تمہارا ان کا ہمیشہ کا ساتھ ہے۔ خدا جانتا ہے کہ تم اس میں خیانت کرتے تھے، پس اس نے تم کو معاف کر دیا۔ اب ان سے ملو جلو اور خدا نے تمہاری قسمت میں جو لکھا ہے، اس کو ڈھونڈو۔"

☆ اسلام میں بھول چوک اور خطا و نسیان معاف ہے، رسول اللہ ﷺ نے اُمتِ مسلمہ کو اس شرف سے مخصوص کرتے ہوئے فرمایا:

"میری امت سے خطا و نسیان معاف کیا گیا"

اس لئے اگر حالتِ صوم میں کوئی شخص بھول چوک سے کچھ کھا لے یا پی لے، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، آپ ﷺ نے فرمایا:

"جو بھول کر کھا پی لے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، وہ تو خدا کی روزی ہے۔"

☆ اسی طرح وہ افعال جو گو روزہ کے منافی ہیں لیکن انسان سے بقصد اسرزد نہیں ہوئے بلکہ وہ اس میں مجبور ہے۔ مثلاً محتلم ہو جانا، بلا قصد قے ہو جانی،

ان چیزوں سے بھی نقص صوم نہیں ہوتا۔ بعض لوگ اس حدیث کی بنا پر کہ ''ایک بار آپ ﷺ کو استفراغ (قے) ہوا تو آپ ﷺ نے روزہ توڑ دیا'' یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ استفراغ ناقض صوم ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نفلی روزہ رکھا تھا۔ اتفاقی استفراغ سے بنظر ضعف آپ نے روزہ توڑ دیا جیسا کہ امام ترمذیؒ نے ''جامع ترمذی'' میں لکھا ہے۔

☆ اسلام سے پہلے دوسرے ادیان میں بوڑھوں، کمزوروں، بیماروں اور معذوروں کے لئے کوئی استثنا نظر نہیں آتا، لیکن اسلام نے ان تمام اشخاص کو مختلف طریق سے مستثنٰی قرار دیا۔ بیمار اور مسافر کے لئے فرمایا کہ وہ رمضان کے علاوہ اور دنوں میں قضا روزے رکھ لیں۔

☆ عورتوں کے فطری عذرات کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے ایام عادیہ، ایام حمل اور ایام رضاعت میں رمضان کے روزے معاف کر دیئے اور ان کے بجائے دوسرے دنوں میں روزوں کی قضا یا فدیہ مقرر کر دیا۔

سوم: روزہ کے نتائج

مقصد صوم اور اس کے نتائج کے تشریح کے لئے آیات ذیل عنوان کے مندرجہ ذیل جملوں کی طرف توجہ فرمایئے۔

لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ''تا کہ تم متقی بن جاؤ''

لِتُکَبِّرُوْ اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰاکُمْ ''اللہ نے جو تم کو راہ راست دکھائی ہے اس پر اللہ کی تکبیر و تقدیس کرو۔''

وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ.

''تا کہ تم اس نزول خیر و برکت پر خدا کا شکر بجالاؤ''

ان آیات سے معلوم ہوا کہ روزہ کے مقصد اور اس کے نتائج و آثار میں ان تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے:

(۱) اِتقا (۲) تکبیر و تقدیس (۳) حمد و شکر

اگر روزہ دار نے اپنی زندگی میں روزہ کے نتائج کے طور پر ان تینوں اُمور کو نہ پایا تو پھر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ روزہ رکھا گیا اور اس فرض کی انجام دہی ہوگی۔

کیونکہ انسانی اعمال و اشغال کا وجود فی الحقیقت ان کے نتائج و آثار کا وجود ہے۔ اگر نتائج و آثار ظہور پذیر نہ ہوئے پھر یہ نہ کہئے کہ ان اعمال کا وجود تھا۔ اگر آپ دوڑتے چلے جا رہے ہیں کہ راستہ ختم ہو اور منزل قریب ہو، لیکن آپ غلطی سے بھٹک کر دوسرے راستہ پر جا پڑتے ہیں، جس سے آپ کی مسافت لمبی اور منزل دور تر ہوتی جاتی ہے، تو آپ کی سعی لاحاصل اور ساری تگ و دو عبث ہوتی ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے مسافت طے کر لی اور منزل پر پہنچ گئے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر روزہ دار روزہ رکھتا ہے، کھانے پینے اور جماع سے پرہیز کرتا ہے، لیکن روزہ کے نتائج یعنی اِتقا، تکبیر و تقدیس اور شکر و حمد الٰہی اس کے اندر نمایاں نہیں ہوتے تو اس کو روزہ دار نہیں کہا جا سکتا۔ ہم یہ کہیں گے کہ وہ فاقہ کش ہے، وہ پیاسا ہے، لیکن افسوس کہ اس کی گرسنگی (بھوک) اور تشنگی کی حیثیت اس پھول سے زیادہ کچھ نہیں جس میں رنگ و بو نہیں۔ یقیناً اس روزہ دار کی مثال ایک بے جوہر آئینہ اور بے روح جسم کی ہے اور ہر شخص سمجھتا ہے کہ ایک جسم بے روح، ایک آئینہ بے جوہر، ایک بے رنگ و بو گل ایسی چیزیں ہیں جن کی کوئی قدر و قیمت نہیں، اسکی کوئی حقیقت نہیں، اسی حقیقتِ کبریٰ کی طرف نبی اکرم ﷺ نے اشارہ کیا ہے:

''کتنے روزہ دار ہیں جن کو روزہ سے بجز بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے رات کا قیام کرنے والے ہیں جن کو نماز سے جاگنے کے سوا کچھ فائدہ نہیں۔''

یہ کون بدقسمت لوگ ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پیٹ نے روزہ رکھا لیکن دل نے روزہ نہیں رکھا، ان کی زبان پیاسی تھی لیکن دل پیاسا نہ تھا، پس یہ لوگ کیونکر حوض کوثر سے اس دن اپنی پیاس بجھانے کی توقع رکھتے ہیں جس دن ہر ایک کی زبان پر **العطش العطش** ہوگا۔

آج روزہ داروں کی کتنی محفلیں ہیں کہ ان میں غیبت کا مشغلہ نہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ اس گناہ کی آلودگی اور ارتکاب سے روزہ نہیں ٹوٹتا، حالانکہ وہ اپنا روزہ توڑ چکے ہیں، لیکن وہ نہیں سمجھتے کہ وہ روزہ توڑ رہے ہیں:

''روزہ دار صبح سے شام تک عبادت خدا میں ہے، جب تک کسی کی غیبت نہ کرے اور جب وہ کسی کی برائی کرتا ہے تو اپنے روزہ کو پھاڑ ڈالتا ہے۔'' (دیلمی)

وہ سمجھتے ہیں کہ نفس کی اطاعت اور ہوا و ہوس کی بندگی اور عمل شر، منافی روزہ نہیں، لیکن ان کو سچا سمجھا جائے یا اس ہادیٔ برحق کو جس نے فرمایا:

''روزہ کھانے پینے سے پرہیز کا نام نہیں بلکہ لغو اور عمل شر سے پرہیز کا نام ہے۔''

جو لوگ جھوٹ اور عمل بد کو روزہ کے لئے مضر نہیں خیال کرتے اور دن بھر روزہ کے ساتھ اس میں مصروف رہتے ہیں، ان کو اپنی طرف سے کیا کہا جائے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے:

''جو روزہ کی حالت میں جھوٹ اور جہالت کے کاموں کو نہیں چھوڑتا تو خدا کو کوئی ضرورت نہیں کہ یہ روزہ دار بے کار اس کے لئے اپنا کھانا پینا چھوڑ دے''

پس اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ روزہ کی حقیقت کیا ہے۔ روزہ ایک ملکوتی حالت کے ظہور کا نام ہے۔ صائم کا جسم انسان ہوتا ہے لیکن اس کی روح فرشتوں کی زندگی بسر کرتی ہے جو نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں۔

وہ تمام مادیتِ عالم سے پاک اور ضروریاتِ دنیوی سے منزہ اور مصروفِ تسبیح و تحمید تقدیس ہوتے ہیں۔ اس لئے صائم بھی کھاتا ہے، نہ پیتا ہے۔ وہ مادیات سے پاک اور ضروریاتِ دنیوی سے منزہ رہنے کی، جہاں تک اس کی خلقت اور فطرت اجازت دیتی ہے، کوشش کرتا ہے۔ پس صائم مجسم نیکی ہوتا ہے، وہ کسی کی غیبت نہیں کرتا، وہ کسی کو برا نہیں کہتا، وہ کسی سے جہالت نہیں کرتا، وہ اس حکم کی تعمیل کرتا ہے:

''تم میں سے جب کسی کے روزے کا دن ہو تو نہ بد گوئی کرے، نہ شور غل کرے، اگر اسے کوئی بُرا کہے یا اس سے آمادۂ جنگ ہو تو کہہ دے، میں روزہ سے ہوں''

روزہ فی الحقیقت نفس کشی کے لئے بہترین حربہ ہے اور شیطانی حملوں کی مدافعت کے لئے بہترین سپر ہے۔ وہ دنیا میں بھی سپر ہے اور آخرت میں بھی سپر ہے، دنیا میں بغاوت نفس کے لئے اور آخرت میں جہنم کے حملوں کے لئے اور کیوں نہ ہو جبکہ روزہ خیر محض اور نیکی خالص ہے اور روزہ کی جزا خود اللہ دینے والا ہے۔

حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''انسان کا تمام عمل اس کے لئے ہے لیکن روزہ میرے لئے ہے، میں اس کی جزا دینے والا ہوں اور روزہ سپر ہے۔''

پس مبارک اور خوش قسمت ہے وہ جو اس سپر کو لے کر دنیا کے کارزارِ اعمال میں آتا ہے اور خدا کی رحمت کا مستحق ہوتا ہے، کیونکہ یہ شرف روزہ داروں کو ہی حاصل ہے کہ جب رمضان المبارک آتا ہے تو ان کے لئے رحمتِ خداوندی کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، جیسا کہ اس صادق و مصدوق نے فرمایا:

''جب رمضان شروع ہوتا ہے تو جنت کے دروازے اور دوسری روایت میں رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔''

پس مبارک ہے وہ جو روزہ کو سپر بنا کر شیاطین کے حملوں سے اپنے کو بچاتا ہے۔ مبارک ہے وہ جس پر رحمتِ خداوندی کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ مبارک ہے وہ جو ان ایام میں خدا کے لئے اپنے کھانے پینے اور جماع کو چھوڑتا ہے اور اس شرف سے مشرف ہوتا ہے جس کا اعلان اشرف الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی زبانِ حق سے فرمایا:

''ابنِ آدم کے ہر نیک کام کا بدلہ دس سے سات سو نیکیوں تک دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مگر روزہ اس سے مستثنیٰ ہے، وہ میرے لئے ہے، میں اس کا بے حساب اجر دوں گا، کیونکہ روزہ دار میرے لئے اپنی شہوانی خواہشات اور کھانے پینے کو چھوڑتا ہے۔''

(بشکریہ ہفت روزہ توحید، امرتسر۔۱۳، فروری ۱۹۲۹)

صد شکر اس رب ورحمٰن کا جس نے قوت بیاں بخشی
انسانی فلاح و بہبود تعمیر ملت اور قومی ترقی میں اپنا کردار ادا کیجئے، مثبت فکر و عمل کے ذریعے اسلام کی آفاقی اور اخلاقی اقدار کو فروغ دیجئے۔

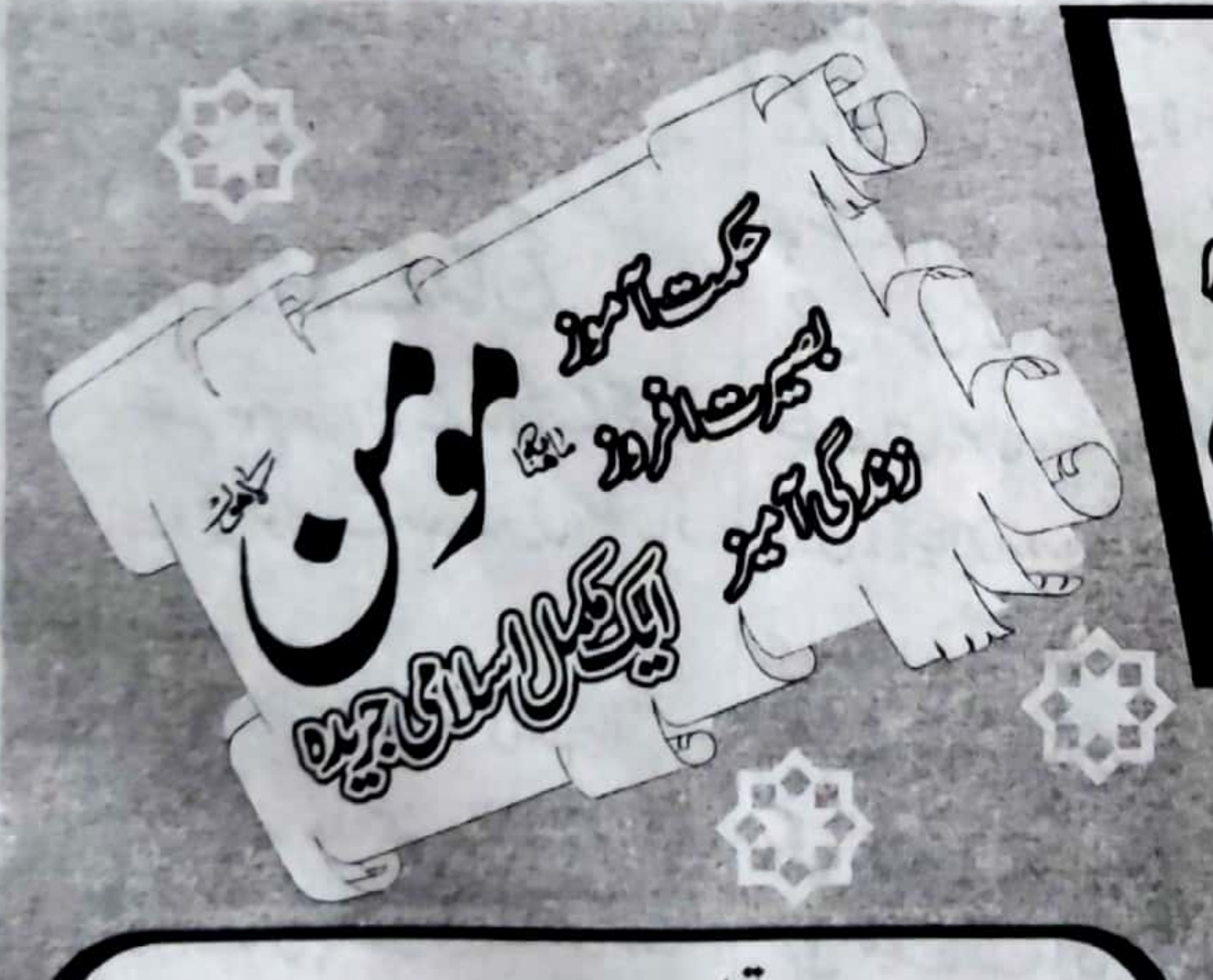

ماہنامہ مومن کے لیئے لکھیے
جہالت کے اندھیرے دور کیجئے

اپنے شعبہ جات مثلاً تعلیم، صحت، قانون، نفسیات، تاریخ معاشرتی مسائل اور فرقہ واریت سے پاک دین مبین پر لکھئے
تعلیم و تربیت کے ذریعے تعمیر انسانیت ہماری ترجیحات اور مکارم اخلاق کی تکمیل ہمارا نصب العین ہے!

رشحات قلم ارسال کرنے کا پتہ
پوسٹ بکس نمبر 5050 لاہور پاکستان

قرآن اور اکیسویں صدی

احسن اقبال

آج ہم حیران کن تبدیلیوں اور فیصلہ کن لمحات کے دور سے گزر رہے ہیں۔ ہمارا ہر قدم آنے والی کئی نسلوں کے مستقبل کی تقدیر لکھ رہا ہے۔ ایسے مواقع، امکانات اور حالات صدیوں میں ایک مرتبہ پیدا ہوتے ہیں جب دنیائے سیاسی اور اقتصادی ڈھانچے کی تشکیل کرتی ہے اور اب ۲۱ ویں صدی کے دروازے پر تاریخ نے ہمیں اسی ایک انوکھے لمحے کے سامنے لا کھڑا کیا ہے یہ لمحہ وہ ہے جب تاریخ کامیاب اور ناکام قوموں کی ایک نئی فہرست مرتب کر رہی ہے۔ چیلنجوں اور امکانات سے بھرپور اس منظر میں ہمارے لئے اصل چیلنج یہ نہیں کہ پاکستان یا اسلام کو زندہ کیوں کر رکھنا ہے۔ کیونکہ پاکستان اور اسلام کی بقا کا انتظام خود خالق کائنات نے کیا ہے۔ مخلوق کے لئے اصل چیلنج یہ ہے کہ خدا کے نزدیک اس نازک ترین مرحلے میں ہمارے کردار کی قیمت کیا قرار پائے گی۔ گویا اصل چیلنج خدا کے دربار میں سرخرو ہونے کا چیلنج ہے اور یہ خود خدا کے فضل و کرم کے بغیر پورا نہیں کیا جا سکتا۔ اس فیصلہ کن موڑ پر تاریخ، اقوام عالم کی بقا کا انحصار بدلتی ہوئی دنیا میں خود کو نئے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے میں ہوگا۔ اپنے تجربے کی روشنی میں، میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اسلام کی بقا اور سربلندی کے لئے جن گروہوں کا نام اس فہرست میں نمایاں طور پر شامل ہوگا، ان میں، مغربی ممالک میں آباد مسلم برادری سرفہرست ہوگی۔ آپ کو یہ بات سن کر تعجب ہوگا لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغرب میں بسنے والی مسلم برادری نے اب زبردست تہذیبی قوت اور شاندار سماجی حیثیت حاصل کر لی ہے اور اس طرح وہ اس پوزیشن میں آگئے ہیں کہ عقائد پر پختگی سے کاربند رہنے کے ساتھ ساتھ جدید ذرائع ابلاغ اور فکر و عمل کے ذریعے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے خواب کی تعبیر دنیا کے سامنے مجسم کر سکیں۔ گویا ایک مرتبہ پھر تاریخ فرعون کے گھر موسیٰ کی پرورش کر رہی ہے۔ یہ حقیقت آزاد مسلم معاشروں میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے بلاشبہ ایک چیلنج ہے۔ ۲۱ ویں صدی علم ابلاغ کی صدی ہوگی۔ اس سے پہلے تاریخ عالم، زرعی انقلاب اور صنعتی انقلاب کا مشاہدہ کر چکی ہے۔ اب تاریخ کی نظریں علمی انقلاب پر مرکوز ہیں۔ یہ ہمارے لئے المیہ ہے کہ ایک ایسے مذہب کے علمبردار ہونے کے باوجود جو "اقرا" سے شروع ہوا اور ایسی شخصیت کے پیروکار ہونے کے باوجود جو غیر مسلم قیدیوں کو مسلمانوں کو تعلیم دینے کی صورت میں آزاد کرنے کا حکم دیتی ہے۔ ہم اس میدان میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں حالانکہ قرآن بذات خود علم ہی کا ایک معجزہ ہے۔ اگر ہم ذرائع ابلاغ پر نظر ڈالیں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انفارمیشن ٹیکنالوجی نے دنیا کو ایک عالمی گاؤں تشکیل دینے میں اہم ترین کردار ادا کیا ہے۔ اب ایک دس سال کا بچہ چند منٹ کے اندر ان معلومات تک رسائی حاصل کر سکتا ہے جو آج سے پندرہ برس پہلے ترقی یافتہ ملک کا سربراہ اپنے تمام اسٹاف کی دن رات محنت کے بعد دو ہفتے میں حاصل کر پاتا تھا۔ دنیا بھر میں انفارمیشن کا ایک ہی سگنل سیاروں کے ذریعے دیکھا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں نئی معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی حقیقتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ بدقسمتی سے ہم ان تکنیکی تبدیلیوں اور حقیقتوں سے چشم پوشی کر رہے ہیں جبکہ ہمیں ابلاغ عامہ کے تمام جدید طریقوں کو قرآنی فکر اور تعلیم کی اشاعت کے لئے استعمال کرنا چاہئے جیسا کہ دیگر مذاہب کر رہے ہیں۔ اس کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ قرآن کا پیغام دنیا بھر میں نشر کرے۔ انسان کی ہوشربا ترقی نے ایک ایسی دنیا کو جنم دیا ہے جس کی فیصلہ کرنے اور ان پر عمل درآمد کرنے کی رفتار بہت تیز ہے اور دوسری طرف کوئی نمایاں تہذیب ان تبدیلیوں سے انسانی تمدن پر پیدا ہونے والے اثرات سے عہدہ برا ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ یوں ایک تہذیبی خلا پیدا ہو چکا ہے جس کو جلد یا بدیر پر ہونا ہے یہ تہذیبی خلا اسلام ہی پر کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کے پیروکار اس خلا کو پر کرنے کے عصری تقاضے پورے کر سکیں۔ یہ عصری تقاضے کیا ہیں؟ ان سب میں سے اہم قرآن کے الفاظ "احسن تقویم" (بہترین صورت) یا Excellence کا حصول ہے چونکہ خدا نے انسان کو "احسن تقویم" میں پیدا کیا ہے اس لئے اس صورت کو زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی معاملات میں قائم رکھنا ہماری ذمہ داری ہے۔ یہ اہلیت ہمیں انفرادی سطح پر تو کسی حد تک نظر آتی ہے مگر اجتماعی سطح پر اس کا وجود نایاب ہے۔ اسی اجتماعی لیاقت کو پیدا کرنے کے لئے ایسے اداروں کا قیام بہت ضروری ہے جو مسلمانوں کو بلند فکری اور آزادانہ تخلیقی سوچ عطا کر سکیں تاکہ ہم اپنے مذہب کو عصری چیلنجوں کا جواب دینے کے لئے دنیا کے سامنے موثر انداز میں پیش کر سکیں۔ دنیا میں قیادت کا جھنڈا اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے یہ اقدام لازمی ہے بدقسمتی سے ہمارے مذہبی تعلیم کے ادارے آج صدیوں پرانے نصاب پڑھا رہے ہیں جبکہ انہیں عہد حاضر کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت ہے اسی طرح ہمارے ہاں تخلیقی اور تحقیقی روایات کو پروان چڑھانے کا کلچر ناپید ہو چکا ہے جو قرآن کی روح کے سراسر منافی ہے۔ قرآن کی تعلیمات کا نچوڑ تو فکر اور تدبر ہی ہے۔ آخر میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ قرآن آسان تحریک کو قرآنی پیغام گھر گھر پہنچانے کے مقصد میں کامیاب کرے اور مسلمان قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اسے اپنی زندگی کا ناگزیر حصہ بنالیں میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں اس عذاب سے جو قول و فعل میں تضاد کی صورت میں دیا جائے گا۔ ❀

حضرت ہود علیہ السلام

شفاعت رسول ہاشمی

حضرت ہود علیہ السلام کا سلسلہ نسب

☆ حضرت ہودؑ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر تھے جنکو اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کی طرف مبعوث فرمایا۔ حضرت ہود علیہ السلام عاد کی سب سے زیادہ معزز شاخ خلود کے ایک فرد تھے۔ عاد بغیر کسی اختلاف کے عرب نژاد تھے اور لفظ عاد عربی ہے نہ کہ عجمی جسکے معنی عبرانی میں ''بلند و مشہور'' کے ہیں۔ ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ کا ایک اثر نقل کیا ہے کہ ہودؑ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے عربی زبان میں گفتگو کی۔

قرآن عزیز میں عاد کے ساتھ ارم کا لفظ لگا ہوا ہے اور ارم (سام) کے معنی بھی 'بلند و مشہور'' ہی کے ہیں۔ انہی عاد کو توراۃ کی غلط پیروی میں کہیں کہیں عمالقہ بھی کہا گیا ہے۔ آپ حضرت نوحؑ کے بیٹے سام کی نسل سے تھے۔ آپ کے والد کا نام سلح تھا۔ جنہوں نے حسب بیان توراۃ چار سو چونسٹھ (۴۶۴) سال کی عمر پائی توراۃ میں آپکا عبرانی نام عبر (EBER) بتایا گیا ہے۔ آپ سرخ و سپید رنگ اور وجیہہ تھے۔ آپکی داڑھی بڑی گھنی تھی۔ آپ کے دو بیٹے تھے ایک کا نام یقطان (قحطان) اور دوسرے کا نام فلج تھا۔ آپ کا نسب نامہ اسطرح بنتا ہے۔ حضرت ہود (عبر) بن سلح بن ارفکسر بن سام بن نوح علیہ السلام (بحوالہ توراۃ کتاب پیدائش باب ۱۰)

قرآن پاک میں حضرت ہودؑ کا تذکرہ

قرآن پاک میں حضرت ہود علیہ السلام کا سات جگہ ذکر ہے۔

سورۃ الاعراف ۶۵

سورۃ ہود ۵۰،۵۳،۵۸،۶۰،۸۹

شعرآء ۱۲۴

قرآن پاک میں قوم عاد کا ذکر (گیارہ جگہ)

سورۃ	آیات	سورۃ	آیات
الاعراف	۶۵	ذاریات	۴۱
ہود	۵۰،۵۹،۶۰	القمر	۱۸
شعرآء	۱۲۴	الحاقہ	۷
حم السجدہ	۱۵	الفجر	۶
احقاف	۲۱		

نوٹ: سورہ مؤمنون کی آیت نمبر ۳۱ میں بغیر نام لئے ایک قوم کو جو نوحؑ کے بعد آئی مخاطب کیا ہے مفسرین کے خیال میں یہ قوم عاد یا قوم ثمود کا ذکر ہے۔

قوم عاد

یہ وہ قوم ہے جس کی طرف حضرت ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ یہ قوم عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح کی اولاد تھی۔ تقریباً اڑھائی سال قبل مسیح جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی حصے میں (بلاد احقاف) جو سواحل خلیج فارس سے حدود عراق اور جنوب مغرب میں حضر موت اور یمن تک پھیلا ہوا تھا۔ ایک قوم آباد تھی جس کو عاد ارم کہتے ہیں۔ یہ قوم عاد اولیٰ بھی کہلاتی ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم کی تحقیق کے مطابق اس قوم کے عروج کا زمانہ ۲۲۰۰ ق م سے ۱۷۰۰ ق م تک ہے۔ یہ لوگ بہت تنومند اور قد آور اور نہایت متمول اور خوشحال تھے۔ ان کو مال و دولت اور جسمانی قوت عطا کی گئی تھی۔ یہ بلند مقامات پر شاندار اور پر تکلف عمارتیں تعمیر کرتے تھے۔ مگر قوت اور دولت کے نشے نے ان کو خدا فراموش، گمراہ، بدکار اور ظالم بنا دیا تھا۔ ایک خدا کو چھوڑ کر بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ اس گمراہی پر سختی سے قائم تھے اور اپنی قوت اور تمول کے نشے میں کمزوروں اور زیر دستوں کو ظلم و جور کا نشانہ بنا رکھا تھا۔

خداوند قدوس نے اُنکی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو اللہ تعالیٰ کے احسانات یاد دلا کر بہت کچھ وعظ و نصیحت کی۔ مگر انہوں نے ایک نہ سُنی۔ آخر کار سنت الٰہیہ کے مطابق اُن پر عذاب نازل ہوا اور یہ تباہ و برباد ہو گئے۔ کچھ لوگ جوان پر ایمان لے آئے وہ بچے اور اُنکی اولاد ''عاد ثانیہ'' کے نام سے موسوم ہوئی۔ یہی عاد ثانیہ ثمود ہیں جو حضرت صالح علیہ السلام کی نافرمانی پر معذب ہوئے۔

تبلیغ اسلام

طاقت و سلطنت نے جب قوم عاد کو سرمستِ غفلت بنا دیا اور انہوں نے اپنے منعم حقیقی کو بھلا کر اپنے فرضی معبودوں کو آگے سر جھکا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن ہی کی قوم میں سے حضرت ہود علیہ السلام کو دعوتِ حق کے لئے مبعوث فرمایا۔ انہوں نے نہایت شفقت و محبت کے ساتھ انہیں سمجھایا کہ اپنے فرضی معبودوں کو جنہیں تم نے برباد شدہ قوم نوح کی باطل پیروی میں اپنا خداوند بنا رکھا ہے چھوڑو اور خدائے واحد کے سوا جسکا مثل کوئی دوسرا نہیں ہے۔

کسی کی چوکھٹ پر اپنی گردن نہ جھکاؤ۔ تم خدا کے غضب سے ڈرو پرہیز گاری کی زندگی اختیار کرو۔ تم اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات یاد کرو۔ اُس نے قوم نوح کی بربادی کے بعد تمہیں زمین کا وارث بنایا۔ اس نے تمکو جسمانی ڈیل ڈول اور سیاسی قوت و طاقت دی۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ تم اسکے احسانات کا شکر ادا کرتے مگر تم نے اسکو چھوڑ کر اپنے ہاتھوں سے گھڑے ہوئے نام نہاد بتوں کو اپنا خدا بنالیا اور خدا اور اسکے احکام کو چھوڑ بیٹھے۔ تم نے مخلوق خدا کو اپنے جسمانی و سیاسی طاقت کے بل بوتے پر کچلنا شروع کردیا اور شاندار عمارتیں اور دلکشا باغات اور فرحت افزا نہریں بنا کر گلچھڑے اڑانے اور بادۂ عشرت کے ساغر چھلکانے لگے۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ فانی زندگی ہمیشہ رہے گی۔ تمہیں موت نہ آئے گی۔ اور تمہیں خدائے جل وعلیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے اعمال بد کی جوابدہی کرنی نہ ہوگی۔ مگر قوم عاد نے انتہائی نخوت وغرور کے ساتھ جواب دیا۔ ہم سے زیادہ طاقت وقوت کا مالک کون ہے؟ ہم کیوں نہ استعمال میں لائیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔ ہمیں ہماری من مانی کرنے سے کون روک سکتا ہے؟ باقی رہا خدا اور اسکی جزاء وسزا کا معاملہ تو یہ سب پرانے ڈھکوسلے ہیں۔ مرنے اور خاک میں مل جانے کے بعد پھر کوئی کیسے زندہ ہوسکتا ہے۔ جو کچھ ہے یہ دنیاوی زندگی ہی ہے اور بس تم ہم جیسے انسان ہی تو ہو۔ پھر خود کو خدا کا پیغمبر کیسے بتاتے ہو اور خدا کے نام پر بہتان اٹھاتے ہو؟ دو ہی باتیں ہوسکتی ہیں یا دیدہ و دانستہ جھوٹ بولتے ہو یا بیوقوف ہو۔

حضرت ہودؑ نے ان سے کہا کہ نہ میں بیوقوف ہوں اور نہ پاگل۔ بلا شبہ خدا کا رسول اور پیغمبر ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے بیوقوف کو منتخب نہیں کیا کرتا کہ اُسکا نقصان اُسکے نفع سے بڑھ جائے اور ہدایت کی جگہ گمراہی آجائے۔ وہ اس عظیم الشان خدمت کے لئے اپنے بندوں میں سے ایسے شخص کو چُنتا ہے جو ہر طرح اسکا اہل ہو اور اس خدمت حق کو بخوبی انجام دے سکتے۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ

''اور اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنے منصب رسالت کو کس جگہ رکھے''

مگر قوم کی سرکشی اور مخالفت بڑھتی ہی رہی اور اُن پر آفتاب سے زیادہ روشن دلائل ونصائح کا مطلق اثر نہ ہوا اور وہ حضرت ہودؑ کی تکذیب وتذلیل کے اور زیادہ درپے ہوگئے اور (العیاذ باللہ) مجنون اور خبطی کہہ کر اور زیادہ مذاق اڑانے لگے اور کہنے لگے اے ہودؑ! جب سے تُو نے ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہنا اور ہمکو اُنکی عبادت سے باز رہنے کے لیے تلقین کرنا شروع کیا ہے ہم دیکھتے ہیں اسوقت سے تیرا حال خراب ہوگیا ہے اور ہمارے خداؤں کی بددعا سے تُو پاگل ومجنون ہوگیا ہے تو اَب ہم اسکے علاوہ تجھ کو کیا سمجھیں؟ ان کو اپنی اس گستاخانہ جرأت وتہمت سے یہ خیال ہو چلا تھا کہ اَب کوئی شخص حضرت ہود علیہ السلام کی طرف دھیان نہ دیگا اور اُن کی باتوں کو توجہ سے نہ سُنے گا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے یہ سب کچھ نہایت ضبط وصبر سے سُنا اور پھر ان سے یوں مخاطب ہوئے: ''میں خدا کو اور تم سب کو گواہ بنا کر سب سے پہلے یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں اس اعتقاد سے قطعاً بری ہوں کہ ان بتوں میں یہ قدرت ہے کہ مجھ کو یا کسی کو کسی قسم کی بھی کوئی برائی پہنچا سکتے ہیں۔ اس کے بعد تمکو اور تمہارے ان معبودان باطل کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر ان میں ایسی قدرت ہے تو وہ مجھ کو نقصان پہنچانے میں جلدی سے اقدام کریں۔ میں اپنے خدا کے فضل و کرم سے صاحب عقل وخرد ہوں۔ فراست وکیاست کا مالک ہوں اور حکمت و دانائی کا حامل۔ میں تو صرف اپنے اس خدا پر ہی بھروسہ کرتا اور اسی پر وثوق رکھتا ہوں جسکے قبضہ قدرت میں کائنات کے تمام جانداروں کی پیشانیاں ہیں اور جو حیات وممات کا مالک ہے، وہ ضرور میری مدد کریگا اور ہر نقصان پہنچانے والے کے نقصان سے محفوظ رکھے گا۔''

آخر حضرت ہودؑ نے انکی مسلسل بغاوت وسرکشی کے خلاف یہ اعلان کردیا کہ عاد کا رویہ یہی رہا اور حق سے اعراض وروگردانی کی روش میں انہوں نے کوئی تبدیلی نہ کی اور میری پند ونصائح کو گوشِ دل سے نہ سنا تو میں اگرچہ اپنی مفوضہ خدمت کے لئے ہر وقت چست کمر اور باہمت ہوں مگر ان کے لئے ہلاکت یقینی ہے۔ اللہ تعالیٰ عنقریب انکو ہلاک کردیگا اور ایک دوسری قوم کو زمین کا مالک بنا کر انکی جگہ قائم کردیگا اور بلا شبہ وہ اللہ تعالیٰ کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے، وہ تو ہر شے پر قادر ومسلط اور ہر شے کا حافظ ونگہبان ہے اور کائنات اسکے یدِ قدرت میں مسخر ہے۔

اے قوم! اب بھی سمجھ اور عقل وہوش سے کام لے۔ قوم نوح کے حالات سے عبرت حاصل کر اور خدا کے پیغام کے سامنے سر نیاز جھکا دے ورنہ قضاء وقدر کا ہاتھ ظاہر ہو چکا ہے اور بہت قریب ہے وہ زمانہ کہ تیرا یہ سارا غرور وگھمنڈ خاک میں مل جائے

گا اور اسوقت ندامت سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

حضرت ہودؑ نے بار بار انکو یہ بھی باور کرایا کہ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں دوست ہوں۔ تم سے زر وسیم اور ریاست کا طالب نہیں ہوں بلکہ تمہاری فلاح و نجاح چاہتا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کے پیغام کے بارہ میں خائن نہیں بلکہ امین ہوں۔ وہی کہتا ہوں جو مجھ سے کہا جاتا ہے۔ جو کچھ کہتا ہوں قوم کی سعادت اور حسنِ حال و مآل کے لئے کہتا ہوں بلکہ دائمی و سرمدی نجات کے لئے کہتا ہوں۔ تم کو اپنی ہی قوم کے ایک انسان پر خدا کے پیغام نازل ہونے سے اچنبھا نہیں ہونا چاہیئے کیوں کہ یہ قدیم سے خدا کی سنتِ جاریہ ہے کہ انسانوں کی ہدایت وسعادت کے لیے ان ہی میں سے ایک شخص کو چُن لیتا اور اپنا رسول بنا کر اسکو خطاب کرتا ہے اور اپنی مرضیات و نامرضیات سے اسکی معرفت اپنے بندوں کو مطلع کرتا رہتا ہے اور فطرت کا تقاضا بھی تو یہی ہے کہ کسی قوم کے رشد و ہدایت کے لیے ایسے شخص کا ہی انتخاب کیا جائے جو بول چال میں ان ہی کی طرح ہو۔ انکے اخلاق و عادات کا واقف و دانا ہو۔ انکے خصوصی امتیازات سے آشنا اور ان ہی کے ساتھ زندگی گزارتا رہا ہو کہ اسی سے قوم مانوس ہوسکتی ہے اور وہی انکا صحیح ہادی مُشفق بن سکتا ہے۔

عاد نے جب یہ سنا تو وہ غم وغصہ میں آگئے کہ کسطرح ہم باپ دادا کی ریت "اصنام پرستی" کو چھوڑ دیں؟ یہ تو ہماری اور ہمارے باپ دادا کی سخت توہین ہے۔ آخر کار وہ بھڑک اٹھے اور حضرت ہود علیہ السلام سے بگڑ کر کہنے لگے تُو نے ہمکو اپنے خدا کے عذاب کی دھمکی دی اور ہم کو اس سے یہ کہہ کر ڈرایا:

"میں تمہارے اوپر بڑے دن کے عذاب آنے سے ڈرتا ہوں (کہ کہیں تم اسکے مستحق نہ ٹھہر جاؤ)۔" (شعراء: ۲۶)

تو اے ہودؑ! اب ہم سے تیری روز روز کی نصیحتیں نہیں سنی جاتیں۔ ہم ایسے ناصح مشفق سے باز آئے۔ اگر تُو واقعی اپنے قول میں سچا ہے تو وہ عذاب جلد لے آ کہ ہمارا تیرا قصہ پاک ہو۔

"پس لا تو ہمارے پاس اس شے کو جسکا تو ہم سے وعدہ کرتا ہے اگر تُو واقعی سچوں میں سے ہے۔" (اعراف: ۷۰)

حضرت ہود علیہ السلام نے جواب دیا کہ اگر اتنا ہی شوق ہے تو وہ بھی کچھ دور نہیں۔

"بلاشبہ تمہارے پروردگار کی جانب سے تم پر عذاب و غضب آپہنچا۔" (اعراف: ۷۱)

الحاصل جب قوم ہود (عاد) میں اصلاح پذیری اور قبول ایمان کی اہلیت بالکل ختم ہوگئی تو نزول عذاب کا وقت آگیا اور گہرے بادل آسمان پر چھا گئے۔ قوم کے لوگ اس خیال سے خوش ہوئے کہ اَب خوب بارش ہوگی اور پیداوار اور خوشحالی میں اضافہ ہوگا۔ مگر حضرت ہود علیہ السلام نے متنبہ کیا کہ یہ عذاب الٰہی ہے اور تمہاری ہلاکت کا سامان ہے۔ اس پر بھی بد نصیب قوم کی آنکھیں نہ کھلیں آخر غیرت خداوندی کو حرکت ہوئی اور عذاب الٰہی ایک نہایت شدید اور ہیبت ناک آندھی کی صورت میں نازل ہوا۔ یہ آندھی مسلسل آٹھ دن اور سات رات تک چلتی رہی۔ اسکی ہولناکی اور ہلاکت خیزی کا یہ عالم تھا کہ چھتیں اُڑ گئیں۔ مکان منہدم ہوگئے۔ پیڑ جڑوں سے اُکھڑ کر کہیں سے کہیں جاپڑے اور اُس نے قوی ہیکل انسانوں کو، جو اپنی جسمانی قوتوں کے گھمنڈ میں سر مست اور سرکش تھے، اٹھا اٹھا کر اس طرح پٹخا کہ گویا وہ اُکھڑے ہوئے کھجور کے پیڑوں کے کھوکھلے تنے ہیں۔ قوم عاد جب اس طوفان عذاب میں گری ہوئی تھی تو حضرت ہود علیہ السلام مؤمنین کی ایک مختصر جماعت کو لئے ایک باڑہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی ہوا کو جو کافروں کے سر کو جسم سے جدا کر رہی تھی۔ ان کے لئے رحمت و راحت کا سامان بنا دیا تھا۔

غرض کہ تمام ظالم اور بدکار لوگ ہلاک ہوگئے اور صرف ان کی بستیوں کے نشان اور کھنڈر دنیا کی عبرت کے لئے باقی رہ گئے۔ حضرت ہود علیہ السلام قوم کی بربادی کے بعد حضرموت کی طرف چلے گئے اور ایک روایت کے مطابق وہیں زندگی کے باقی ایام گذارے اور وہیں دفن ہوئے۔ حافظ ابن کثیر نے بحوالہ محمد بن اسحاق حضرت علیؓ کا ایک اثر نقل کیا ہے۔ کہ آپ نے حضرموت کے ایک شخص سے فرمایا کہ تم نے حضرموت کے فلاں مقام پر سرخ مٹی کا ایک ٹیلا دیکھا ہے جس پر بہت سی بیری اور جھاڑ کے درخت ہیں۔ حضرمی نے جواب دیا، جی ہاں وہ بالکل ایسا ہی ہے تو آپ نے فرمایا کہ "اس جگہ حضرت ہود علیہ السلام کی قبر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ۲ ص ۲۴)

نشانِ عبرت

قوم ہود کو اللہ تعالیٰ نے طاقت جسمانی، باغات، سرسبز وشاداب زمین سے نوازا، انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کے سمجھانے کے باوجود اللہ کا شکر ادا نہ کیا بلکہ بتوں کی پوجا کرتے رہے اور تکبرانہ رویہ اپنایا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب دیکر صفحہ ہستی سے مٹا دیا اور آنے والے لوگوں کے لئے نشان عبرت بنایا۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت

مزین رسول

☆ رمضان المبارک کے مہینے کا ایک نہایت اہم واقعہ حضرت علیؓ کی شہادت ہے امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ حضور سرورِ کائنات کی پیاری صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کے شوہر نامدار، حضور اقدس ﷺ کے چچیرے بھائی اور رفیق وغمگسار تھے حضور سرکارِ دوعالم ﷺ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک ہی دادا حضرت عبدالمطلب کی اولاد تھے حضرت علی شیرِ خدا کے والد ماجد جناب ابو طالب حضور ﷺ کے والد مکرم حضرت عبداللہ کے سگے بھائی تھے یعنی ایک ہی ماں باپ سے تھے یہ وجہ تھی کہ حضرت عبدالمطلب نے اپنی وفات کے موقع پر جناب سرکارِ دوعالم احمد مجتبیٰ ﷺ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو کفالت کے سلسلے میں حضرت ابوطالب کے سپرد کیا۔

نبی اقدس ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو حضرت علیؓ نے اُسی روز حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت سیدہ زینبؓ بنتِ رسول، حضرت سیدہ رقیہ بنتِ رسول، سیدہ اُم کلثوم بنتِ رسول اور سیدہ فاطمۃ الزہرا بنتِ رسول، رسول کریم ﷺ کے غلام و خادم اور منہ بولے صاحبزادے حضرت زید بن حارثؓ یعنی حضور اقدس ﷺ کے اہلِ بیت والوں کیساتھ یعنی آپ ﷺ کے گھر والوں کیساتھ مشرف بہ اسلام ہوئے یوں یہ بات طے شدہ ہے کہ بچوں میں سب سے پہلے داخل اسلام ہونے والے بہادر صحابی حضرت علیؓ تھے۔ قبول اسلام کے وقت آپ کی دس برس تھی۔ مکی زندگی میں کفار نے قدم قدم پر آپ کو نشانہ ستم بنایا۔ جب حضور ﷺ نے ہجرت مدینہ کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ کے بستر مبارک پر استراحت کا شرف بھی حضرت علیؓ کے حصے میں آیا یہ وہ موقع تھا جس میں زندہ رہنے یا جان کے بچ جانے کا کوئی امکان موجود نہ تھا مگر قربان جائیں اُس صادق وامین پیغمبر ﷺ کے جنہیں ہجرت جیسی کڑی آزمائش کے موقع پر بھی امانتیں لوٹانے کی فکر تھی اور قربان جائیں حضرت علیؓ جیسے جانثاروں پر کہ جنہیں پرواہ اور فکر اپنی جان بچانے کی نہیں بلکہ ناموس نبی ﷺ کی تھی جنہیں پاس اور لحاظ اُن وعدوں کا تھا اور فکر امانتیں لوٹانے کا جنہیں مان تھا حضور ﷺ کا بھائی ہونے پر اور جنہوں نے حق ادا کر دیا بھائی ہونے کا۔

ایک موقع پر حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ”اے علیؓ! تم میرے لیے ایسے ہی بھائی ہو جیسے حضرت موسیٰؑ کے لیے حضرت ہارونؑ تھے فرق صرف اتنا ہے کہ حضرت ہارون نبیؑ تھے اور میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

علم و تقویٰ، خطابت و شجاعت، حکمت و معرفت، جرأت و بہادری اور محبتِ رسول ﷺ میں کوئی آپ کا ثانی نہ ہوا۔ مواخاتِ مکہ میں نبی کریم ﷺ نے آپؓ کو اپنا بھائی بنایا۔ آپؓ ان چار خلفاء میں سے ہیں جنہیں حضور اکرم ﷺ نے راشدین کے لقب سے سرفراز فرمایا آپؓ ان چھ صحابہ میں پہلے ہیں جنہیں حضرت عمر فاروقؓ نے خلافت کے شایانِ شان سمجھا اور آپؓ ان عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جنہیں جنت کی بشارت جناب سرورِ کونین ﷺ کی زبان مبارک سے اسی دنیا میں عطا ہوئی آپؓ حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے والدِ ماجد اور جملہ مشاہدات میں حضور کے ہمدم و ہم رکاب ہیں جنگِ بدر میں کفار کے نو سردار یکے بعد دیگرے آپؓ ہی کی وار تلوار سے جہنم واصل ہوئے جنگ احد شروع ہوئی تو قریش کے علمبردار طلحہ نے حقارت اور طنز آمیز لہجے میں کہا کہ ہے کوئی جو مجھے جہنم میں پہنچائے یا قتل ہو کر جنت میں جائے؟ حضرت شیر خدا نے تلوار کے ایک ہی وار سے اسے جہنم کی راہ دکھادی۔ طلحہ کا بھائی عثمان آگے بڑھا تو حضرت حمزہؓ نے اسے بھی ڈھیر کر دیا۔ جنگ کے دوران جب حضور اقدس ﷺ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے تو حضرت علیؓ شدید زخمی تھے مگر اس کے باوجود مستقل مزاجی صبر و ہمت اور پورے عزم اور بہادری سے لڑتے رہے اور آخر کار آنحضرت ﷺ سے دشمنوں کو ہٹانے میں کامیاب ہوئے۔ جنگِ خندق میں کافروں کے سردار عمرو عبدہ آپ ہی کے ہاتھو جہنم رسید ہوا حدیبیہ کی گفت وشنید کے بعد معاہدۂ حدیبیہ لکھا جانے لگا تو کتابت کے لئے خاتم النبیین ﷺ نے آپؓ کو مقرر فرمایا۔

تحریر کے دوران حضرت علیؓ نے آپ ﷺ کا اسم مبارک محمد رسول اللہ لکھا جس پر قریش کے نمائندوں نے اعتراض کیا اور یہ دلیل پیش کی کہ ان کے جھگڑے کی بنیاد ہی رسالت ہے اس لیے وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نام کیساتھ رسول اللہ کا لفظ تحریر نہ ہونے دینگے۔ حضور رحمۃ للعلمین ﷺ نے صلح جوئی اور مصلحت کی بنیاد پر حضرت علیؓ کو محمد رسول اللہ ﷺ کی بجائے محمد بن عبداللہ لکھنے کو کہا تو آپؓ نے بڑے ادب اور عقیدت و احترام سے عرض کیا کہ یہ میرا

عقیدہ ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ لکھ کر مٹا نہیں سکوں گا اس واقعہ سے آپؓ کے عقیدے کی مضبوطی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسا ہی مضبوط عقیدہ عطا فرمائے۔ خیبر کی جنگ میں آپؓ نے بڑی جرأت کا مظاہرہ دکھایا۔ خیبر میں یہود کے چھوٹے چھوٹے کئی قلعے تھے۔ ان میں ایک قلعہ قموس ایسا تھا جو باوجود کوشش کے فتح نہیں ہو رہا تھا۔ سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ کل ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا۔ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ اور رسول اسے محبوب رکھتے ہیں اور حق تعالیٰ اس کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائے گا۔ (بخاری و مسلم)

ہر صحابی کی خواہش کہ یہ سعادت اسے نصیب ہو مگر جب مقررہ وقت آیا۔ تو وہ جھنڈا حضرت علیؓ ہی کو عطا کیا گیا۔ حضور نبی کریم ﷺ رؤف رحیم نے فرمایا کہ اے علیؓ! مجھے سُرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہوگا کہ تیرے ذریعے کوئی اسلام قبول کرے جنگ شروع ہوئی تو یہود کا شہزور مرحب آگے بڑھا اس کے مقابلے میں عامرؓ بن اکوع آئے مرحب نے اُن پر وار کیا تو انہوں نے اپنی ڈھال پر روک لیا اور ساتھ ہی جوابی حملہ کیا ان کی تلوار چھوٹی تھی اس لئے وار پورا نہ پڑا اور خود ان کا پاؤں زخمی ہو گیا اکثر روایات میں ہے کہ سیدنا علیؓ بن ابی طالب اس کے مقابلے کو آئے اور اسے ایک ہی وار سے ڈھیر کر دیا۔ بھائی کا بدلہ لینے کی خاطر مرحب کا بھائی یاسر تیزی سے آپؓ کی طرف بڑھا۔ حضرت زبیرؓ نے اُسے حضرت علیؓ تک پہنچنے سے پہلے ہی قتل کر دیا۔ عام حملہ شروع ہوا تو آپؓ نے قلعہ کا دروازہ دھکا مار کر گرا دیا اور مسلمان قلعے میں داخل ہو گئے اور اس طرح آنحضرت ﷺ کی پیشنگوئی پوری ہوئی۔

حضرت علیؓ نے کافی غزوۃ میں حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ حصہ لیا اور شیرِ خدا ہونے کی حیثیت سے ہر غزوہ میں کفار و مشرکین کو شکستِ فاش دی اور حضور ﷺ کے ساتھ کیے ہوئے وعدوں کا حق ادا کر دیا۔ آخر کار حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد اکابرِ مدینہ نے حضرت علیؓ کو خلیفہ مقرر کیا۔ اس کے بعد خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہو گیا حضرت علیؓ نے مدینہ چھوڑ کر کوفہ کو اپنا دارالخلافہ قرار دیا کیونکہ بدامنی عراق ہی سے شروع ہوئی تھی۔ وہیں سے شامیوں کے خلاف جنگ کرتے رہے۔ باغیوں اور منافقوں نے سازش تیار کی کہ حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ اور عمرو بن عاص حاکم مصر۔ ان تینوں کو قتل کر دیا جائے چنانچہ تین آدمی اس کام کے لئے کوفہ، دمشق اور مصر پہنچے دو تو ناکام رہے لیکن ایک بد بخت جس کا نام عبدالرحمٰن ابن مُلجم تھا، حضرت علیؓ کو شہید کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ ۲۰ رمضان ۴۰ ہجری کا دن تھا کہ حضرت علیؓ اپنے پیدا کرنے والے کے دربار میں سرخرو حاضر ہو گئے۔

ایک چھوٹا سا واقعہ جو کہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی زندگی کے حوالے سے ہے کہ آپؓ کے ہمسائے میں رہنے والے بچے نے آپؓ کی شہادت کے بعد اپنے والد سے سوال کیا کہ ابا جان ہمارے گھر کے ساتھ والے گھر میں ایک درخت تھا وہ اب نظر نہیں آتا وہ کہاں گیا۔

اعوان لاؤڈ سپیکرز
ایمپلی فائر، ہارن یونٹ، مائیک
وغیرہ کی تمام ورائٹی دستیاب ہے
گراؤنڈ فلور، عوامی مارکیٹ، ہال روڈ لاہور
فون نمبر: 7320139

وزیر آٹو سپلائرز
ڈیلر: تمام گاڑیوں کے
بریک لیدر، کلچ پلیٹ،
بریک ڈسک نیز ربڑ پارٹس
۸۶۔ علامہ اقبال روڈ اسماعیل مارکیٹ گڑھی شاہو لاہور
فون: 728883

بحق خواجہ عارفؒ خواجہ محمود
کہ از عشقِ تو یک دم مے نیا سود

محمود اقبال

حضرت خواجہ عارف ریوگریؒ

☆ حضرت خواجہ عبدالخالقؒ کے چار خلفاء تھے۔
(۱) حضرت خواجہ احمد صدیقؒ (۲) حضرت خواجہ اولیائے کبیرؒ (۳) حضرت خواجہ سلمان کرینیؒ (۴) حضرت خواجہ عارف ریوگریؒ

لیکن حضرت خواجہ بہاؤ الدین بخاری نقشبندیؒ کی نسبت وارادت ان میں سے خواجہ عارفؒ تک پہنچتی ہے۔ حضرت خواجہ عارف ریوگریؒ حضرت خواجہ عبدالخالقؒ کے خلیفہ اعظم تھے۔ تاحیات حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر رہے اور کمالات باطنی حاصل کئے اور حضرت خواجہ غجدوانیؒ کی وفات کے بعد ان کی مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے اور طالبانِ حق کی ہدایت میں مصروف رہے۔

علم وحلم، زہد وتقویٰ، ریاضت ومجاہدہ اور اتباع سنت نبی کریم ﷺ کی تعلیم میں شانِ عالی رکھتے تھے اور ذکر الٰہی عشق سے کرتے تھے اور یہی ذکر آپؒ کی پہچان ہے۔

آپ ﷺ نے ۶۱۶ ہجری کو انتقال فرمایا اور ریوگر (بخارا سے اٹھارہ میل دور) میں مدفون ہیں۔

حضرت خواجہ محمود انجیری فغنویؒ

آپؒ بمقام موضع انجیر فغنہ پیدا ہوئے۔ جو علاقہ بخارا میں وابکنہ کا ایک گاؤں ہے، میں رہا کرتے تھے اور ذریعہ معاش گل کاری تھا۔ آپؒ خواجہ عارف کے خلیفہ اعظم کے تمام اصحاب سے افضل واکمل تھے۔

بعد خلافت جب آپؒ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو طالبان حق کے حالات کے مطابق اور اس زمانہ کی مصالح کی بنا پر آپؒ نے اپنے مریدوں کو ذکر جہری کی تعلیم شروع کی۔ حالانکہ آپؒ کے خاندان میں ذکر خفی کا طریقہ رائج تھا۔ کیونکہ حضرت خواجہ عارفؒ نے ایک بار فرمایا تھا کہ ایک وقت ایسا کرنے والا ہے۔ جبکہ بنا بر مصلحت طالبانِ حق کو ذکر جہر اختیار کرنا پڑے گا۔

چنانچہ ایک بار مولانا حافظ الدین بخاری نے جو اپنے زمانے کے ایک جید اور متبحر عالم تھے اور حضرت خواجہ محمد پاشاؒ کے جد اعلیٰ تھے۔ رئیس العلماء وشمس الائمہ صوانی کے اشارے پر علمائے وقت کے ایک مجمع میں حضرت خواجہ محمودؒ سے دریافت کیا کہ آپؒ ذکر جہر کی تعلیم کس وجہ سے دیتے ہیں۔ جواباً آپؒ نے فرمایا:

"ذکر جہر کی غایت یہ ہے کہ سویا ہوا بیدار ہو جائے اور غفلت سے ہوشیار ہو جائے اور راہِ راست پر آجائے۔ اور شریعت اور طریقت پر استقامت حاصل کرے اور توبہ اور انابت کی جانب راغب ہو جائے۔"

جس کا حلق حرام وشبہ سے، دل ریا وسمعہ سے اور باطن توجہ بماسواء سے پاک ہو۔

یہی وہ باتیں ہیں جن کی بناء پر خواجہ محمودؒ اپنے دور کے عارفوں میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ اور اللہ کی یاد میں ہمیشہ غرق رہتے تھے۔ حضرت خواجہ محمودؒ نے ۷۱۷ھ میں انتقال فرمایا اور وابکنہ میں مدفون ہیں۔

بحق خواجہ عارفؒ خواجہ محمودؒ
کہ از عشقِ تو یک دم مے نیا سود

(الٰہی خواجہ عارفؒ اور خواجہ محمودؒ کے طفیل۔ کہ جن کو تیرے عشق میں ایک لمحہ بھی چین نہ تھا۔) ❀

قرآنی معلومات

- قرآن مجید میں کل 114 سورتیں ہیں۔
- قرآن پاک کے 540 رکوع ہیں اور کل آیات 6666 ہیں۔
- قرآن مجید کے کل حروف کی تعداد 323760 ہے۔
- قرآن پاک کی سات منزلیں ہیں۔
- قرآن مجید کی مدت نزول 22 سال 5 ماہ اور 14 دن ہے۔
- حضور ﷺ کا اسم گرامی محمد ﷺ چار (4) مرتبہ اور اسم گرامی احمد ﷺ ایک بار قرآن پاک میں آیا ہے۔
- قرآن پاک کی سورت فاتحہ کو سبع مثانی، ام الکتاب، ام القرآن کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔
- حضرت موسیٰؑ کا ذکر قرآن مجید میں سب سے زیادہ مرتبہ آیا ہے۔
- قرآن مجید کی سورت توبہ کے شروع میں 'بسم اللہ' نہیں ہے۔
- قرآن پاک کی سورت "نحل" میں بسم اللہ شریف دو مرتبہ آئی ہے۔
- صلح حدیبیہ کو قرآن پاک میں "فتح مبین" کے نام سے پکارا گیا ہے۔
- قرآن پاک میں خانہ کعبہ کو دنیا کو سب سے پہلی اور قدیم ترین مسجد قرار دیا گیا ہے۔

غزوہ بدر نظریاتی اور مادی سرحدوں کا تعین

خورشید احمد گیلانیؒ

☆ یوں تو دنیا میں بے شمار جنگیں ہوئیں جن کی ہلاکت آفرینیاں اور حشر سامانیاں تاریخ انسانی کا ہولناک وحشتناک اور دردناک باب ہیں، تمام جنگیں اپنے پہلو میں سوائے بربادی، تباہی، خونریزی اور درندگی کے کوئی مثبت اور پیداواری نتیجہ نہیں رکھتیں، چھوٹی موٹی جھڑپوں سے لے کر ملکوں کے درمیان باقاعدہ جنگوں اور عالمی سطح پر لڑی جانے والی دو عظیم جنگوں سمیت ان میں بہت کم ایسا ہوا کہ ان کا جذبہ محرکہ کوئی نظریہ اور کوئی اصول ہو اور اس کے بطن سے عالم انسانی کے لئے خیر اور فلاح کا اظہار ہوا ہو۔

جنگ عظیم میں زخمی ہو کر مفلوج، معذور اور اپاہج بننے والوں کی تعداد ستر لاکھ بیان کی جاتی ہے اور ہلاک ہونے والے تہتر لاکھ بتائے جاتے ہیں، اس جنگ کے پیچھے ایک آمر کے جنون اور ایک قوم کی نفسیاتی تسکین کے علاوہ کون سا داعیہ تھا جسے مثبت کہا جا سکے۔

ہٹلر کی آپ بیتی "میری جدوجہد" کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ کے لئے ۱۲۵ جانیں، ہر صفحہ کی خاطر ۴۷۰۰، اور باب پر بارہ لاکھ جانیں ضائع ہوئیں۔

انقلاب روس میں جو تشدد برپا ہوا وہ بھی تاریخ کا غم آگیں حصہ ہے ایک لاکھ چھیانوے ہزار مزدور اور آٹھ لاکھ نوے ہزار کسان اس دیوی کی بھینٹ چڑھے۔ اساتذہ، طلبہ، فوجی جوان، وکلاء اور عام شہری اس کے علاوہ ہیں۔

سٹالن نے محض اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے تیس ہزار سرکاری ملازمین تہ تیغ کر دیئے۔ اس خونناک فلم میں صرف ایک منظر خوش کن اور نتیجہ خیز ہے وہ اسلام کی وسعت، غلبہ اور استحکام کا ہے، دار ارقم سے لے کر فتح مکہ تک کئی مراحل اور موڑ ہیں۔ جنگیں بھی ہوئیں، جھڑپیں بھی ہوئیں، لیکن اس پورے عرصے میں مسلمان شہداء کی کل تعداد ۲۵۵، اور کفار مقتولین ۷۵۹ بنتے ہیں اس قدر معمولی نقصان کا نتیجہ عالمی امن، بین الاقوامی اخوت اور ہمہ گیر اور آفاقی نظام رحمت کی صورت میں نکلا، اور واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے جنگ کو بھی عبادت بنا دیا، ایسا کیوں کر ہو گیا! دراصل اس کی وجہ مزاج اور نظریات کا فرق ہے، اسلام کے نزدیک جنگ پسندیدہ نہیں بلکہ ناگزیر اقدام ہے، اسلام میں جنگ اظہار قوت نہیں بلکہ دفع شر کا ذریعہ ہے،، اسلام کے ہاں جنگ کا مقصد مال کا اتلاف اور جان کا ضیاع نہیں بلکہ ظلم کا خاتمہ اور امن کا قیام ہے، اسلام کی نظر میں جنگ ہر روک ٹوک سے بالا نہیں بلکہ قواعد اور اصولوں کی پابند ہے۔ بناء بریں اس تصور جنگ نے جنگ کے مابعد حالات پر بھی مثبت اثر ڈالا اور اس کی بے شمار مثالیں تاریخ اسلام میں ملتی ہیں جو محض اعتقادی خوش فہمی پر مبنی نہیں بلکہ پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہیں۔

تاریخ اسلام مزاحمت، جدوجہد اور کشمکش کے بہت سے مرحلے عبور کرتے ہوئے اس موڑ پر پہنچی جہاں سوائے جنگ کے چارہ نہ تھا اور یہ جنگ جارحانہ نہیں بلکہ مدافعانہ تھی جو بدر کے میدان میں لڑی گئی اس غزوہ کو قرآن حکیم نے "یوم الفرقان" کا عنوان دیا اس عنوان میں کس قدر معنویت اور کتنی مقصدیت ہے وہ اظہر من الشمس ہے، یعنی اس روز امتیاز و تفریق کا پیمانہ اور معیار قائم ہوا اس جنگ کے ذریعے ہمیشہ کے لئے طے پا گیا کہ مسلم اور غیر مسلم کے نقطہ نظر میں بنیادی فرق ہے اس سے پہلے انسانیت کے درمیان کھینچی ہوئی لکیریں باطل قرار پائیں اور حقیقی سرحدوں کا تعین ہو گیا اسلام نسلی، قومی، علاقائی، وطنی، لسانی، معاشی، معاشرتی امتیازات کے مقابلہ میں نظریاتی سرحدوں کا قائل ہے اس کے نزدیک حق و باطل دو سرحدیں ہیں یا "اس پار" یا "اس پار" باقی جو کچھ ہے تعصب ہے جاہلیت ہے، تنگ نظری ہے، اور بت پرستی ہے۔

غزوۂ بدر میں دو علاقے، دو قومیں، دو رنگ اور دو نسلیں برسر پیکار نہیں تھیں بلکہ دو نظریے آمنے سامنے تھے، ایک کا مقصد حق کا غلبہ اور دوسرے کا مقصد باطل کا فروغ!

اہل اسلام دنیوی اغراض و مقاصد سے ہٹ کر نسلی تعصبات سے عاری رہ کر اللہ کی راہ میں نوع انسانی کی فلاح اور عزت نفس کے لئے کمربستہ تھے اور اہل کفر برادری، سرداری، نسلی تمرد، تجارتی مفاد اور مادی منفعت کے ہتھیاروں سے آراستہ و پیراستہ۔

اہل اسلام خدا کے سامنے جھکے ہوئے نمازیوں اور یاد خدا میں مصروف اور رضائے الٰہی کے طالب تھے اور اہل کفر شراب و کباب میں مست، موسیقی کی تانوں سے مسحور، لونڈیوں کے رقص سے محظوظ اور نخوت جاہلیہ سے مغلوب نظر آتے تھے۔

اہل اسلام افرادی قوت (۳۱۳) اور سامان حرب کی کمی کے باوجود جذبہ جہاد سے سرشار اور وحدت و نظم کے سائے میں مصروف عمل تھے اور اہل کفر تعداد و اسلحہ کی فراوانی کے باوجود انجانے خوف میں مبتلا اور اخلاقی و نظریاتی قوت سے محروم تھے۔

گویا دونوں کیمپ جداگانہ مزاج رکھتے اور جداگانہ مقاصد کی تکمیل کر رہے تھے، ایک کی سوچ ذاتی تھی اور دوسرے کا نظریہ کائناتی تھا ایک منفی قوت تھی اور دوسری مثبت رویے کا انجام قیام و استقلال اور منفی رویے کا انجام انہدام و اضمحلال ہے کیوں کہ بے فیض چیزوں کی عمر اس سے زیادہ نہیں ہوتی، غزوہ بدر میں دنیا نے حیرت انگیز تقسیم و تمیز دیکھی اور یہی تقسیم و تمیز ہی نظریاتی سرحد کا تعین کرتی ہے، اور اسی سے اسلامی قومیت کا پورا فلسفہ واضح ہو جاتا ہے یہ جنگ نقطہ آغاز تھا اور اس کا نقطہ انتہا خطبہ حجۃ الوداع ٹھہرا جب امام انقلاب اسلامی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے رہتی دنیا تک کے لئے اولاد آدم کو منشور حقوق انسانی سے مورتیوں کو خاک بسر کر دیا جن کی پوجا پاٹ میں نہ جانے کتنا انسانی غرور و وقار پیوند خاک ہوا تھا۔

نظریاتی سرحد کا تعین:

غزوۂ بدر میں جو لوگ دو بدو تھے ان میں بظاہر ہر رنگ، نسل، وطن اور زبان کا گہرا اشتراک تھا ان کی رگوں میں ایک ہی باپ دادا کا خون دوڑ رہا تھا، ہر ایک کا سلسلہ نسب براہ راست ایک دوسرے سے مل رہا تھا،، زبان میں قاف شین کی حد تک۔ یکسانیت تھی مگر اس کے باوجود یہ دیکھ کر چشم تاریخ کی پتلیاں ایک جگہ پر جم کر رہ گئی تھیں کہ:

ایک طرف حضرت ابو بکرؓ تھے اور ان کے مقابل ان کا حقیقی بیٹا عبدالرحمان تھا (جو بعد میں مسلمان ہو گئے)۔

ادھر حضرت حذیفہؓ تھے اور ادھر حقیقی والد عتبہ تھا۔

اس جانب حضرت عمرؓ تھے اور اس جانب آپ کا ماموں کھڑا تھا۔

اہل اسلام کی طرف سے مصعب بن عمیرؓ تھے اور اہل کفر کی طرف سے آپ کا سگا بھائی عزیز تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلامی فوج کے کماندار حضور ﷺ اپنے داماد سے رہائی کا فدیہ وصول کر رہے ہیں۔

اور حضرت ابو بکرؓ اس حسرت کا اظہار کرتے ہیں کہ کاش میرا بیٹا میری تلوار کی زد میں آ جاتا تو بچ کر نہ نکلتا اور حضرت مصعبؓ کہہ رہے ہیں کہ عزیز کی رسیاں کس کر باندھو اس کی ماں مالدار ہے بڑا فدیہ دے گی۔

اور حضرت عمرؓ تجویز پیش کرتے ہیں کہ جو جس کا رشتہ دار ہے وہی اس کو قتل کرے تاکہ آج کے دن سے یہ طے ہو جائے کہ کس کو خونی اور نسلی رشتے پیارے ہیں اور کس کو اللہ و رسول ﷺ کا تعلق عزیز ہے۔

اور یہی اس غزوہ کا ذروۃ السنام (کلائمکس) ہے کہ اصل سرحد مادی نہیں بلکہ نظریاتی ہے اور اب وصل و فصل، نفع و نقصان، قربت و فرقت، یگانی و بیگانگی، عزت و دولت اور رد و قبول کا پیمانہ بدل دیا۔ ❁

سرمد ڈیپارٹمنٹل اسٹور

گزشتہ 15 سال سے آپکی خدمت میں پیش پیش

ضروریات زندگی بازار سے ارزاں نرخوں پر موجود ہیں

ہمارا نصب العین

کم منافع — زیادہ سیل

اچھا معیار — تسلی ڈھیر

A-بلاک اسٹور مارکیٹ ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 5839973

اقبال اور قرآن

نفیسہ انور

☆ علامہ اقبال موجودہ صدی میں دنیائے اسلام کے عظیم اور منفرد مفکر ہیں اور اپنے عہد میں ملت اسلامیہ کے ذہن کے معمار بھی۔ اپنے وقت کے فکری اور جذباتی رجحان کو تبدیل کرنے۔ فکر اسلامی کو جمود سے نکالنے اور فکر اسلامی کی تشکیل جدید میں ان کا حصہ سب سے نمایاں ہے۔

اقبال نے اپنے فکر وفلسفہ کی بنیاد قرآن پر رکھی۔ ان کا خیال ہے کہ قرآن پاک عین فطرت ہے لہٰذا فطرۃ اللہ کا انکشاف جس پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے قرآن ہی کے ذریعے ہوا۔ ایک جگہ اقبال لکھتے ہیں کہ ”قرآن پاک میں قانون بھی ہے اور تصورات بھی گو انسان کو تصورات کی اتنی ضرورت نہیں جتنی قانون کی۔ یہ انسان کی عقل، اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہے۔ جس میں قرآن مجید کا قانون حیات منکشف ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔“

ان کا نظریہ تھا کہ قرآن انسان کے مستقبل کا آئینہ ہے یہ ایک ایسی دستاویز ہے جو ہر عہد میں انسان کی رہنمائی عہد جدید کی طرف کرتی ہے۔ چنانچہ جدید الٰہیات اسلامیہ کے پہلے خطبے میں فرماتے ہیں ”جس قدر انسان کا ذوق وجدان اور اخلاق و روحانیت ترقی کرتے جائیں گے اسی قدر اس پر قرآنی مطالب آشکار ہوتے جائیں گے۔“

اقبال کا یہ راسخ عقیدہ تھا کہ ”قرآن حکیم کی تعلیم محض کسی ایک زمانے اور ایک قوم کے لیے نہیں ہر زمانہ جب اس میں غوطے لگائے گا تو نئے آبدار موتی ملیں گے۔

آں کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت او لازوال است و قدیم
حرف او لاریب نے تبدیل نے
آیہ اش شرمندہ تاویل نے
نوع انسان را پیام آفرین
حامل او رحمۃ للعالمین

اقبال کے نزدیک مومن کی ساری فراست اور اس کی ساری بصیرت نہ صرف قرآن حکیم کی مرہون منت ہے بلکہ مومن خود سراپا قرآن ہے۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن
فطرت کا سرودازی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفت سورہ رحمٰن

ایک دن علامہ حسب معمول صبح کی تلاوت قرآن میں مصروف تھے تو ان کے والد نے فرمایا کہ ”جب تک تم یہ نہ سمجھو کہ قرآن تمہارے قلب پر بھی اسی طرح اترتا ہے جیسا محمد رسول اللہ ﷺ کے قلب اقدس پر نازل ہوا تھا تلاوت کا مزا نہیں۔“

ان کا یہ فقرہ اقبال کے دل میں اتر گیا۔

اسی لیے انہوں نے ہمیشہ قرآن حکیم کی جانب اسی ذوق وشوق اور انہماک واستغراق کے ساتھ رجوع کیا جیسے یہ صحیفہ خود ان کے دل پر نازل ہوا ہو اس خیال کو انھوں نے اپنے اشعار میں بھی پیش کیا۔

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

اقبال کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی منشاء دریافت کرنے کے لیے ہمیں قرآن سے باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

علامہ کے نزدیک قرآن کریم فلسفے اور الٰہیات کی کوئی تصنیف نہیں ہے۔ قرآن اس لیے نازل ہوا ہے کہ وہ انسان میں خدا سے ربط قلبی کا اعلیٰ شعور پیدا کردے تاکہ انسان اس ربط کی بدولت مشیت ایزدی سے ہم آہنگی پیدا کر سکے۔

اقبال جو صوفی منش انسان ہے اس کی طبیعت سادہ، ذہن منطقی، مزاج قلندرانہ اور تخیل شاعرانہ ہے۔ اس نے علی اعلان اس حقیقت کا اظہار خود اپنے کلام میں کیا کہ ان کے قلم سے جو کچھ نکلا ہے وہ قرآنی علم وحکمت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

قرآن مجید اور عشق رسول ﷺ سے علامہ اقبال کے شخصی عناصر کی تعمیر ہوئی اور اس اجمال کی تفصیل ان اقوال واحوال میں پیش کی جاتی ہے جو مختلف کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

توحید:

اسلامی عقائد کی بنیاد نقطہ توحید ہے یعنی وجود باری تعالیٰ سے ہی چیز کا وجود ظہور ہے اور عرش سے فرش تک اور ذرہ سے آفتاب تک ہر چیز کی ہستی اس کی ہستی کی روشن دلیل ہے۔

اقبال نے بھی اپنے کلام میں توحید کا اقرار کیا۔

کثرت میں ہوگیا ہے وحدت کا راز مخفی
جگنو میں جو چمک ہے وہ پھول میں مہک ہے

رسالت محمدی ﷺ

قرآن کریم خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کو اس طرح نذرانہ عقیدت پیش کرتا ہے۔

انک لمن المرسلین ٥ علی صراط مستقیم ٥

اقبال اس آیت کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآن، وہی فرقان، وہی یٰسین وہی طٰہٰ

فرد اور جماعت

قرآن مسلمانوں کو کافروں کے مقابلے میں اسلام پر ثابت قدمی پامردی کا مظاہرہ کرنے، جہاد کے لیے ہمیشہ تیار رہنے اور جماعت سے وابستگی پر زور دیتا ہے۔

اقبال کا بھی خیال ہے کہ انسان کی زندگی کی تکمیل اور اس کے اصلی جوہر کا ظہور اجتماعی ماحول کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ ملت کے ساتھ وابستگی کی وجہ سے ہی خزاں رسیدہ چمن امید بہار رکھ سکتا ہے۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

اتحادِ ملی

علامہ کے نزدیک جبل اللہ یعنی اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کے بعد انفرادی زندگی کی طرح مسلم قوم کی اجتماعی قوت بھی غیر متزلزل اور ناقابل اختلال ہو جائے گی تمام بکھری ہوئی قومیں مجتمع ہو جائیں گی۔

ایک ہوں مسلمان حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

اقتدار اعلیٰ

اقتدار اعلیٰ کے متعلق قرآنی نقطہ نظر یہ ہے کہ آسمان و زمین میں سب جگہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور اختیار چلتا ہے۔ ایجاد و اعدام کی باگ اسی کے ہاتھ میں ہے کوئی طاقت اس کے تصرف تکوینی کو روک نہیں سکتی۔

اقبال کے نزدیک مملکتی اقتدار کا ماخذ ذات باری تعالیٰ ہے وہ اصل حاکم ہے جو دنیاوی اعتبارات اور مقیدات سے پاک اور مطلق محض ہے اور اسی کے آگے فطرت انسانی اپنی ہستی نا[illegible] جھکا سکتی ہے۔ بقول اقبال

سرور زیاب فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمران ہے بس وہی باقی بتان آزری

سعی و کوشش

آج کا مسلمان جوش، گرمی، عمل کے لیے سرگرمی اور تن دہی نہ ہونے کی وجہ سے راکھ کا ڈھیر بن گیا ہے حالانکہ وہ عمل اور سعی و کوشش کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم واضح الفاظ میں انسان کو سعی کی تلقین کرتا ہے۔

قرآنی نقطہ نگاہ کی طرح اقبال فرماتے ہیں کہ کوشش کی تکمیل نہ ہو اور کوشش جاری ہے تو ہی زندگی زندگی ہے۔

راز حیات پوچھ لے خضر خجستہ گام سے
زندہ ہر ایک چیز ہے کوشش ناتمام سے

بانگِ درا میں اقبال ترکِ دنیا کی مذمت کچھ اس طرح سے کرتے ہیں۔

مدعا تیرا اگر دنیا میں ہے تعلیم دیں
ترک دنیا قوم کو اپنی نہ سکھلانا

نظام سرمایہ داری

قرآن ناجائز اور ظلم و زیادتی سے کمائی گئی ہر روزی کو حرام قرار دیتا ہے۔

اقبال کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ سرمایہ داری کی قوت جب اعتدال سے تجاوز کر جائے تو دنیا کے لیے ایک قسم کی لعنت ہے۔

تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے

مرد مومن

اقبال مرد مومن غیرت مند نوجوان سچے مسلمان اور انسان کامل کی یہ خصوصیات بیان فرمائے ہیں۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

انسان کامل

اقبال کا خیال ہے کہ انسان کامل اپنے اعجاز عمل سے تجربہ حیات کرتا ہے وہ اپنی سعی و عمل اور [illegible]ں کے مراحل سے گزر کر نیابت الٰہی کی ذمہ داریاں قبول کرتا ہے اور عناصر پر اپنی حکمرانی کا سکہ جماتا ہے۔

نائب حق در جہاں بودن خوش است
ہر عناصر حکمران بدودن خوش است

حیات ابدی

قرآن راہ خدا میں جان کا نذرانہ پیش کرنے والوں کو حیات ابدی کی نوید سناتا ہے۔

اسی طرح اقبال کے خیال میں

مرے خاک و خوں سے تو نے یہ جہاں کیا ہے پیدا
صلہ شہید کیا ہے؟ تب و تاب جاودانہ

قول و فعل میں ہم آہنگی

قرآن مسلمانوں کو منافقت سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے اسے ناپسندیدہ فعل قرار دیتا ہے اقبال کی نظر میں قول و فعل میں یکسانیت ہی ایک مسلمان کا شیوہ ہے۔

ہزار خوف ہو، لیکن زبان ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

لال وحرص سے اجتناب

قرآن حکیم ان لوگوں کو بامراد قرار دیتا ہے، جن کے دلوں کو اللہ کی توفیق و دستگیری نے لالچ اور حرص و بخل سے محفوظ رکھا۔

اقبال کا خیال ہے کہ نفس کے لالچ کی وجہ

سے ہی غیر اللہ کی محتاجی پیدا ہوتی ہے جو انسان کو اس کی بلندی سے گرادیتی ہے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

حیات اخروی

قرآن بنی نوع انسان کو اس حقیقت سے آگاہ کرتا ہے کہ انسان پہلے معدوم تھا پھر وجود میں آیا عدم پہلی موت اور وجود پہلی زندگی ہے۔ دوسری موت معروف موت ہے اور دوسری زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ اقبال بھی اخروی زندگی پر یقین کامل رکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا ایک پیغام ہے

ملت کی زبوں حالی

ہندوستان کے مسلمان کس طرح غلامی کی زندگی سے دوچار ہوئے اور پھر کس قدر ذلیل ہوئے اس کی تاریخ ہمیشہ یادگار رہے گی۔ اقبال نے اپنی شاعری میں ملت کی زبوں حالی اور پستی سے نجات کے لئے مسلمانوں کو اپنا رخ بیت اللہ اور میر حجاز کی طرف کرنے کی تلقین کی۔

دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسبان ہیں وہ پاسباں ہمارا
سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

علامہ اقبال ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

''میرا عقیدہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطہ نگاہ سے زمانہ حال کے جورس پروڈنس (اصول فقہ) پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کرے گا وہی اسلام کا مجدد ہوگا اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہوگا۔''

ایک جگہ مزید لکھتے ہیں ''عہد جدید کا ایک مسلمان اہلِ علم جب ان مسائل کو مذہبی تجربات اور افکار کی روشنی میں بیان کرتا ہے جن کا سرچشمہ قرآن مجید ہے تو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ جدید افکار کو قدیم لباس میں پیش کیا جارہا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ پرانے حقائق کو جدید افکار کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

اقبال اپنی ملت کو مستقیم پر گامزن رہنے، محبت رسول ﷺ اور اطاعت رسول ﷺ کو اپنا شعار بنانے کی تلقین کرتے ہیں۔

اقبال فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ کے اوصاف شائستہ، کردار بلند اخلاق عالیہ اور اسوۂ حسنہ وہ راستہ ہے جس کا اتباع ہم پر واجب ہے اتباع رسول ﷺ میں ہی ہمارے لیے محبت الٰہی مضمر ہے۔

بقول اقبال ۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی ملت کا ہے ملک ونسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری

احسان ٹائلز اینڈ سینٹری وئیرز

باتھ روم سرامکس ٹائلز
کی دیدہ زیب ورائٹی

ایم۔اے۔ جناح روڈ سرور پلازہ (نئی صدر روڈ) راولپنڈی

ڈیلرز
ماسٹر ٹائلز گوجرانوالہ
کرم ٹائلز کراچی
فورٹ ٹائلز پشاور

رمضان اور خواتین

بشریٰ تسنیم

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔ گویا رمضان المبارک کی اہمیت روزے کی وجہ سے نہیں بلکہ نزول قرآن کی شان اس کو اہم بناتی ہے۔ یہ جس قرآن کا مہینہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "لوگو! تمہارے پاس رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے، یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کے لئے شفا ہے اور جو اسے قبول کرلیں ان کے لئے رہنمائی اور رحمت ہے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کہو کہ یہ اللہ کا فضل ہے اور اس کی مہربانی ہے کہ یہ چیز اس نے بھیجی۔ اس پر تو لوگوں کو خوشی منانا چاہئے۔ یہ ان سب چیزوں سے بہتر ہے جو لوگ سمیٹ رہے ہیں۔" (سورہ یونس 10-58)۔ گویا روزوں میں جس چیز کی طرف توجہ دلائی گئی، وہ قرآن سے تعلق ہے۔ روزے کی شان یہ ہے کہ اس میں کلام الٰہی سے نسبت بڑھائی جائے۔

قرآن سے تعلق بڑھانے اور روزے کی شان دوبالا کرنے کے لئے ہمیں کیا کرنا ہے؟

نیت

سب سے پہلے تو ہم اپنی نیت کو خالص کریں کہ تمام نیکیوں اور اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ نیت شعور و احساس پیدا کرتی ہے، شعور بیدار ہو تو ارادہ مستحکم ہوتا ہے اور پھر محنت اور کوشش کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ اسی لئے نماز، روزہ اور عبادت کے لئے نیت کی تاکید کی گئی۔ اگر اعمال میں صحیح نیت کی روح ہو تو وہ اثر آفرینی، نشوونما اور نتیجہ خیزی کی قوت رکھتے ہیں۔ اگر نیت خالص نہ ہوگی اور آپ کام صرف اللہ تعالیٰ کے لئے نہ کریں گی تو وہ قبول نہ ہوگا، محض راکھ کا ڈھیر ثابت ہوگا۔

قرآن سے مضبوط تعلق

1- خالص نیت کریں کہ رمضان المبارک میں قرآن سننا اور پڑھنا اپنے رب کی رضا کے لئے ہوگا اور اس تمنا کے ساتھ کہ یہ کلام میرے عمل کا حصہ بن جائے۔

2- یہ بھی رمضان المبارک کی تیاری کا حصہ ہے کہ پہلے سے سوچ لیا جائے کہ کتنی مرتبہ قرآن پاک پڑھنا ہے۔ عربی متن کے ساتھ اردو ترجمہ کتنی مرتبہ پڑھنا ہے۔ روزانہ کا پارہ اور پھر ترجمہ روز پڑھ لینا ہرگز مشکل نہیں۔ یہ نہ ہوسکے تو پورے پارے کا خلاصہ جو اکثر اخبارات میں روزانہ تراویح کے حساب سے چھپتا ہے، ذہن نشین کرلیا جائے۔

3- حفظ کی کوشش کرنا۔ جو قرآن کا حصہ حفظ ہے، اس کو دہراتے رہنا۔

ذاتی محاسبہ

رمضان المبارک کے آغاز پر ہی ہم کوئی ایک اچھی عادت اپنانے کا ارادہ کرلیں، کوئی ایک بری عادت چھوڑنے کا سوچ لیں اور پورا مہینہ اس پر کاربند رہیں۔ جس طرح ہم ہروقت کوشش کرتے ہیں کہ اپنے ظاہری لباس کو خوب سے خوب تر بنائیں، اسی طرح تقویٰ کا لباس بہتر سے بہتر بنانے کے لئے کوشش تیز کردینی چاہئے۔

مطالعہ قرآن و حدیث، اسلامی لٹریچر، نوافل، خیرات، نیکی کی جستجو، ذکر و دعا، قیام اللیل، شب قدر، اعتکاف اور اللہ کے بندوں کی مدد...... یہ وہ چیزیں ہیں جو تقویٰ کا لباس ... کے لئے ہمیں درکار ہیں۔ ان سب کے لئے اپنے اوقات کار اور اپنے کاموں کو منظم کرنا اور سہولت حاصل کرنا ضروری امر ہے۔ سردیوں میں دن چھوٹے اور راتیں لمبی ہوتی ہیں، راتوں کو اپنے رب سے لو لگانے کا خاصا وقت مل سکتا ہے۔

میں یہ ضرور ذکر کرنا چاہوں گی کہ رمضان المبارک کے استقبال کے لئے ہم جہاں گھر کی صفائی خوب توجہ اور خاص محنت سے کرتے ہیں، کچھ ایسی ہی صفائی اپنی روحانی دنیا کی بھی کرنی چاہئے۔ تقویٰ جو دل میں اپنا مقام بناتا ہے، اس دل کی صفائی کتنی کرلی گئی ہے۔ کتنے اخلاقی اوصاف اس گھر میں سجائے گئے ہیں اور اخلاقی برائیوں کے کتنے جالے اور جھاڑ جھنکار، اس گھر میں لگے ہوئے ہیں۔ جب تک اس اندرونی گھر کی صفائی نہ ہوگی گھروں، کپڑوں اور جسم کی صفائی ادھوری رہے گی۔

امور خانہ داری کی منصوبہ بندی

رمضان المبارک کی پہلی سحری آپ کی جدوجہد کا بنیادی نقطہ بن سکتی ہے۔ کچن کے معاملات میں تھوڑی سی سمجھ داری سے کام لیا جائے تو بہت سا وقت اور بہت سی پریشانی سے بچا جاسکتا ہے۔

رمضان المبارک کی سحری و افطار کی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے چند دن پہلے ہی کچھ کام کرلئے جائیں تو انتہائی سہولت رہتی ہے:

پیاز، لہسن اور ادرک چھیلنے، پیسنے میں بہت وقت لگتا ہے، اگر ایک دن بچوں کو ساتھ ملا کر یا گھر میں کام کرنے والی ماسی کے ذریعے مہینے بھر کا مصالحہ پسوالیا جائے، پیاز سرخ کرکے پیس لی جائے اور یہ سب چیزیں شیشیوں میں بھر کر فریج میں رکھ دی

جائیں تو رمضان میں بہت سی الجھنوں سے بچا جاسکتا ہے اور وقت بھی وافر مل جائے گا۔ بہت سی سبزیاں بھی صاف کر کے ابال کر یا ابالے بغیر محفوظ کی جاسکتی ہیں، بلکہ اب تو ایک ہی دن بہت سے کھانے پکانے کے کام کر کے باقی دنوں میں فارغ رہا جاسکتا ہے۔

افطاری میں ڈھیر سارے کھانے دستر خوان پر سجانے کے بجائے سادگی اور ون ڈش کو رواج دیا جائے۔ اس میں سہولت بھی ہے، بچت بھی اور صحت بھی۔ گھر میں کام کرنے والے ملازموں سے مشقت میں کمی کرنا اور ان کا ہاتھ بٹانا بہت زیادہ اجر و ثواب کا مستحق ہے۔ اس کے لئے بھی خصوصی اور شعوری کوشش کرنی چاہئے۔ برتنوں کا کم سے کم استعمال کیا جائے اور گھر کے ہر فرد کو ہدایت کی جائے کہ اپنا گلاس اور پلیٹ خود دھو کر رکھ دے۔ ان کو احساس دلایا جائے کہ اس کا کتنا اجر ہے۔

عید کی تیاری

عید الفطر کی تیاری بھی رمضان المبارک کے آنے سے پہلے مکمل کر لی جائے تو رمضان کے قیمتی وقت سے بھرپور استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ ورنہ ہوتا یہ ہے کہ شب قدر جیسی عظیم راتیں اور چاند رات جیسی قیمتی رات کہ اس وقت "مزدور" کا "مزدوری" لینے کا وقت ہوتا ہے، خواتین چوڑیوں، کپڑوں، دوپٹوں اور بٹن دھاگوں کے مسائل میں الجھی رہتی ہیں۔ یوں شیطان ان سے وہ تمام محنتیں ضائع کرا دیتا ہے جو پورے مہینے کی تھیں۔ یاد رکھئے کہ رمضان المبارک کے دن اور رات کا ایک ایک لمحہ اتنا قیمتی ہے کہ ایک پوری زندگی دے کر بھی اس کا نعم البدل ملنا محال ہے۔ رمضان المبارک کے شروع ہونے سے پہلے ایک فہرست بنالی جائے کہ اس ماہ مبارک میں وہ دنیاوی امور جو انجام دینا ناگزیر ہیں، کون سے ہیں، اور کون سے کام ایسے ہیں جن کی بجا آوری ضروری نہیں۔ ترجیحات کا تعین انسان کو سچی خوشی اور کامیابی عطا کرتا ہے۔

عید کے موقع پر نئے کپڑے اور زیور بنانا آپ کا حق ہے۔ مگر کیا ہم اپنے اردگرد تمام انسانوں کی ضروریات پوری کر چکے ہیں یا جتنا ہم کر سکتے ہیں کر لیا ہے؟ کیا ہمارے لباس پر خرچ ہونے والی رقم کا کوئی اس سے بہتر مصرف نہیں ہے؟ کیا ہم سے زیادہ ضرورت مند کوئی موجود نہیں؟

راہ خدا میں خرچ

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ " بندوں کے عمل اللہ کے نزدیک سات درجے پر ہیں۔ دو عمل ایسے ہیں کہ دو چیزوں کو واجب کرتے ہیں اور دو ایسے ہیں کہ ان میں بدلہ عمل کے برابر ملتا ہے۔ ایک عمل وہ ہے جس کے بدلے 10 نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ ایک عمل ایسا ہے کہ اس کے بدلے 700 نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ایک عمل ایسا ہے کہ اس کے ثواب کی حد سوائے اللہ پاک کے اور کوئی نہیں جانتا۔ وہ عمل جس کا بدلہ 700 گنا تک ہے وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے، اور وہ عمل جس کے اجر کی کوئی حد نہیں، رمضان المبارک کا روزہ رکھنا ہے۔

جب رمضان المبارک میں روزے کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اس قدر ثواب کا مستحق بنا دیتا ہے تو ہمیں ضرور اس کو پانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ہمارے پاس اگر اتنی گنجائش نہیں کہ خوب خرچ کریں تو یہ ایثار تو کر سکتے ہیں کہ بہت شاندار اور قیمتی لباس کے بجائے سادہ لباس بنالیں یا اس لباس کو کسی ایسے کو دے دیں جو زیادہ مستحق ہو۔

اپنی اور اولاد کی تربیت

رمضان المبارک میں اپنی اولاد کی طرف اس طرح خصوصی نظر کرم کریں کہ جس طرح اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ روزے کے ساتھ چند دن تو ایسی مشق کی جاسکتی ہے کہ بچوں کے سامنے ایک بہتر نمونہ موجود ہو۔ بچے کو بھی معلوم ہو کہ روزہ دار ماں اور عام دنوں میں ماں کی مہربانی میں کچھ فرق ہوتا ہے۔ وہ جان لے کہ روزہ رکھنے والی ماں کتنی اچھی ماں ہوتی ہے اور پھر یہی مشق دوسرے گیارہ مہینوں میں بھی جاری رہنی چاہئے۔ روزہ رکھ کر چیخنا، چلانا روزے کو خراب کرتا ہے۔ روزہ رکھ کر بدزبانی اور غیبت کرنا حرام ہے۔ اس روزے کا کوئی فائدہ نہیں جس میں زبان کی حفاظت نہ کی گئی ہو۔ اپنے بچوں کو روزے کی خوبصورتی کا احساس دلائیں۔ روزے کی محبت ان کے دل میں جاگزیں کرنا چاہئے۔

افطار کے وقت ہر عمر کے بچے کو روزہ دار ہونا چاہئے۔ عمر کے لحاظ سے روزہ رکھوایا جاسکتا ہے۔ اسکول جانے والے چھوٹے بچے اسکول سے آکر عصر سے مغرب تک روزہ رکھ سکتے ہیں حتیٰ کہ دو سال کا بچہ بھی افطاری سے چند منٹ پہلے روزے کا احساس کر سکتا ہے۔ بچوں کی تربیت کرنا اور ان کو افطاری کی خوشی میں شریک کرنا چاہئے۔ افطاری مغرب کی اذان سے 15، 20 منٹ پہلے تیار کر لینی چاہئے۔ تمام کاموں سے فارغ ہو کر ذکر الٰہی کیا جائے۔ تمام اہل خانہ سمیت اجتماعی و انفرادی دعائیں کی جاسکتی ہیں۔

سحری کے وقت خواتین اپنے رب سے راز و نیاز کر سکتی ہیں، کام کاج کرتے ہوئے بھی، چند منٹ پہلے اٹھ کر اپنے رب کے حضور سجدہ کر کے بھی، اپنے گناہوں کی معافی چاہنا اللہ کو بے حد پسند ہے۔ توبہ استغفار سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے تو دنیاوی پریشانیوں سے بھی نجات ملتی ہے۔ شب قدر کی تلاش اور اس کی معراج ہر روزہ دار کی آرزو ہوتی ہے۔ اپنے قلب و روح، مزاج و انداز، فکر و عمل کو اپنے اللہ کے رنگ میں رنگنے کی جستجو اور کوشش جاری رہے تو یہ نعمت بھی ملنا ناممکن

نہیں۔ خود پسندی، تکبر، اللہ کے سامنے عاجزی اختیار کرنے میں مانع ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو اپنا قرب عطا نہیں کرتا جو خود پسندی اور تکبر میں مبتلا ہوں۔

سحری کے وقت نفل پڑھنا یا کوئی بھی نفل نماز پڑھنے سے پہلے اعتکاف کی نیت کر لینا چاہئے۔ اگر مسجد میں نماز تراویح پڑھنے کا موقع ملے تو اس سے ضرور مستفید ہوں اور مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کر لی جائے۔

سالانہ منصوبہ بندی کیجئے

رمضان المبارک نیکیوں کا موسم بہار ہے۔ ہر عمل نیکی کے بیج سے پھوٹ کر پھل پھول لا رہا ہوتا ہے۔ مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ بہار کس کے لئے ہے؟ کسی کی زندگی میں؟ کس کے رمضان میں؟ لازماً" گزشتہ پورے سال میں اپنے دل میں نیکیوں کے بیج بوئے ہوں گے تو موسم بہار میں رنگینی بہار نظر آئے گی۔ دلوں میں ایمان اور نیکیوں کے بیج بو کر ان کی آبیاری کتنی کی گئی، اسی لحاظ سے یہ بہار بھی آئے گی۔ اگر اس رمضان میں ثمربار شجر اور پھولوں کی مہکار نظر نہیں آ رہی تو اس کی تلافی ممکن ہے۔ ابھی اور آج ہی سے وہ بیج بو لئے جائیں۔ دل کی زمین جتنی زرخیز ہو گی پھل اسی کثرت سے اور خوب تر آئے گا۔

رمضان المبارک تو سالانہ نیکیوں کا میلہ ہے جس کے تین حصے بنا دیئے گئے۔ رحمت، مغفرت اور آگ سے رہائی۔ ہر کوئی اپنے ظرف کے مطابق وصول کر رہا ہے۔ جو محروم رہ گیا، وہ نہ جانے دوبارہ اس میلے میں شریک ہو سکے گا یا نہیں؟ نیکیوں کی سیل لگی ہوئی ہے۔ کم دام دے کر زیادہ چیزیں خرید لو، قیمتی خرید لو۔ نفل نیکی کا فرض کے برابر اور فرض کا 70 فرض کے برابر ثواب۔ رحمت خداوندی جوش میں ہے۔ خوش نصیب ہیں جو اس سے فیض حاصل کر لیں۔

رمضان المبارک ہمارے لئے سالانہ امتحان کا سا درجہ رکھتا ہے۔ جنت اور رضائے الٰہی ہمارا مقصود و مطلوب ہے۔ یہی ہماری منزل ہے۔ اس منزل کو پانے کے لئے ہم درجہ بہ درجہ اوپر کی طرف جا رہے ہیں، نیچے کی طرف جا رہے ہیں، اپنے رب سے قریب ہو رہے ہیں، یا دور ہو رہے ہیں؟ یہ ہمارے جائزے کا وقت ہے۔ رمضان المبارک ہمارے لئے سالانہ منصوبہ بندی کا وقت ہے۔ اس رمضان اور آئندہ رمضان کے دوران ہم نے کیا حاصل کرنا ہے، کیا چھوڑنا ہے، کیا خریدنا ہے، کیا چیزیں ضروری ہیں، کتنا دین کا علم حاصل کرنا ہے اور آگے پھیلانا ہے؟ قرآن و حدیث کی تعلیم کا نصاب بنانا، حقوق اللہ و حقوق العباد میں توازن پیدا کرنا اور خوب سے خوب تر کی تلاش کرنا کیسے ممکن ہے؟

گھر کی کون سی چیزیں ضروری خریدنا ہیں اور کن کے بغیر گزارا ہو جائے گا۔ اپنے، بچوں کے لباس اور دیگر مشاغل میں سادگی کا عنصر کتنا بڑھایا جا سکتا ہے۔ کون سی اخلاقی خوبیاں اپنے اندر اجاگر کرنا اور کون سی برائیاں چھوڑنی ہیں؟ اس بابرکت مہینے میں جو بھی منصوبہ بنایا جائے گا اس میں اللہ کی رحمت شامل ہو گی۔ پورا نہیں تو کچھ مفید منصوبہ پورا ہو گا۔ زندگی ایک منظم طریقے سے بسر ہو گی۔ دل کو اطمینان اور خوشی ملے گی اور آئندہ رمضان اگر نصیب ہوا تو معلوم ہو جائے گا کہ ہم اپنے دفتر میں کیا جمع کر رہے ہیں۔

رمضان کا پیغام

روزوں کا مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ تقویٰ دل کا چراغ ہے، عبادت اس چراغ کا تیل ہے۔ تیل ہو گا تو چراغ روشن ہو گا۔ اس چراغ کی روشنی باطن کو منور کرتی ہے، ظاہر کو حسن بخشتی ہے۔ مضبوط قوت ارادی کے ذریعے خواہشات و جذبات کو قابو میں کر لینے کا نام ضبط نفس ہے۔ یہ ضبط نفس ہی اصل میں پرہیزگاری اور تقویٰ ہے۔ انسان کی خواہشات اور جذبات اعتدال کی حدود سے آگے گزر جائیں تو برائی سرزد ہوتی ہے۔ خواہشات کی یہ خصوصیت ہے کہ جب ہم انہیں پورا کرتے چلے جائیں تو یہ مضبوط ہوتی ہیں، دباتے رہیں تو کمزور ہوتی ہیں۔ ہر خواہش نفس کو دباتے رہنے سے قوت حاصل ہوتی ہے۔ روزے میں بھوک، پیاس کی خواہش کے دبے رہنے سے یہ خواہش پورا دن سر نہیں ابھارتی۔ قوت ارادی سے روزے میں بھوک، پیاس کے احساس کو مغلوب کر لیا جاتا ہے، اسی طرح اپنے تمام اعضاء کو قوت ارادی کے ذریعے برائی سے دور رکھا جا سکتا ہے۔ دراصل پیٹ کے روزے سے مومن کو یہ باور کرانا مقصود ہے کہ جب اپنی قوت ارادی سے بھوک، پیاس اور نفسانی خواہشات پر قابو پا سکتے ہو تو دیگر خواہشات اور اعضاء اور فکر و عمل پر پابندی لگانا، ان پر قابو پانا تو آسان ہے۔ دنیا میں تمام جرائم اور اخلاق رذیلہ کی بنیاد پیٹ ہے۔ جس نے اس پر قابو پا لیا وہ دیگر روحانی مدارج کو طے کرنے کے لئے اپنے آپ کو کامیابی کی راہ پر گامزن سمجھے۔

(بشکریہ۔ ترجمان القرآن)

ماں باپ

محسن کی شکر گزاری و احسان مندی شرافت کا اولین تقاضا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارے والدین جنکی پرورش اور نگرانی میں ہم پلتے، بڑھتے اور شعور کو پہنچتے ہیں اور جس غیر معمولی قربانی اور انتہائی شفقت و پیار سے وہ اولاد کی دیکھ بھال اور تربیت کرتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ ہمارا دل ان کی عقیدت و احسان مندی اور عظمت و محبت سے سرشار ہو اور ہمارے جسم کا رُواں رُواں انکا شکر گزار ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی شکر گزاری کے ساتھ ساتھ والدین کی شکر گزاری کی تاکید کی ہے "اور تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا کہ تم خدا کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔"

روزہ کے طبی فوائد

حکیم راحت نسیم سوہدروی

☆ روزہ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک ہے اور ہر مسلمان پر فرض ہے۔ یہ عبادت مسلمانوں سے پہلی امتوں پر بھی فرض تھی اور اللہ کے تمام رسولوں کی عبادت وشریعت میں شامل رہی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"اے ایمان والو! روزہ تم پر اس طرح فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تا کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔"

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ روزہ پہلی امتوں پر بھی فرض تھا وہاں، یہ معلوم ہوتا ہے کہ روزہ کا مقصد تقویٰ پیدا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم خالی از مصلحت نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ انسانی فہم کی اس تک رسائی نہ ہو۔ ایک خاص وقت تک کھانے پینے اور نفسانی خواہشات سے باز رہنے کا نام روزہ ہے لیکن یہ اصل مقصد نہیں ہے بلکہ مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے قرآن حکیم نے روزہ کا مقصد تقویٰ بیان کیا ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اور فطرت کا ہر عمل انسان کی فلاح کے لئے ہے۔ اس طرح روزہ کے دینی مقاصد اپنی جگہ مسلم مگر جسمانی یعنی طبی پہلو سے بھی انسان کے لئے مفید ہے۔ صبح سحری سے افطاری یعنی نماز مغرب تک فاقہ نہیں بلکہ وقفہ روزہ ہے۔ روزہ میں کھانے پینے اور دیگر نفسانی خواہشات کا جو وقفہ ہوتا ہے وہ جسم کو فضلات سے پاک اور خون کو صاف کرتا ہے روزہ دار میں حرص اور مرض سے مقابلے کی قوت پیدا ہوتی ہے اس لئے نفس کے تزکیہ کے لئے روزے فرض کئے گئے مسلمانوں پر سال میں ایک ماہ تک روزے فرض کر کے نفس اور جسم کی تربیت کا سامان کیا گیا ہے۔ یوں ضبط ونظم کی عادت ہو جاتی ہے اور پابندی اوقات کی تربیت ہوتی ہے۔ ماہرین طبی سائنس اس امر پر متفق ہیں کہ وقت مقررہ پر کھانے پینے سے صحت بحال رہتی ہے۔ اس طرح یہ بھی ایک طے شدہ بات ہے کہ بہت سے امراض کی جڑ معدہ کی خرابی ہے یعنی نظام ہضم میں فتور ہے۔ روزہ میں وقت مقررہ پر کھانے پینے اور کچھ وقت وقفہ سے نہ صرف معدہ کو آرام کا موقع مل جاتا ہے بلکہ اس کی اصلاح بھی ہو جاتی ہے۔ طب و سائنس اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ روزہ سے جسم کی ان رطوبات کا خاتمہ ہوتا ہے جن سے امراض جنم لیتے ہیں اور جسمانی اعضاء کی کارکردگی پر کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ جسمانی صلاحیت عمل بڑھتی ہے۔ آج جدید زمانے نے جن امراض کو جنم دیا ہے۔ مثلاً ہائی بلڈ پریشر موٹاپا، نزلہ زکام، گیس ریاح ان میں سے بیشتر کا روزہ ایک قدرتی علاج ہے۔ روزہ نہ صرف جسمانی اصلاح کرتا ہے۔ بلکہ روحانی طور پر انسانی رفعت وعظمت کا ذریعہ ہے بعض لوگ روزہ کو محض فاقہ قرار دیتے ہیں جس سے جسم تحلیل ہوتا ہے اور جسمانی کارکردگی اور صلاحیت عمل متاثر ہوتی ہے حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ روزہ فاقہ نہیں ہے بلکہ صرف صبح سے شام تک کھانے پینے میں وقفہ ہے اور وقفہ سے جسم کو اس وقت تک کوئی نقصان نہیں پہنچتا جب تک ایک خاص حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔

روزہ کی حقیقت کو جاننے کے لئے ضروری ہے کہ قدرت نے جسم میں قوت مدافعت مدبرہ بدن پیدا کی ہے جو کسی خارجی تدبیر کے بغیر بیماریوں سے محفوظ رکھتی ہو اور جسمانی اعضاء کی قوتوں کی حفاظت کرتی ہے۔ اس لئے علاج معالجہ میں یہ اصول پیش نظر رکھا جاتا ہے کہ وہ تدابیر بھی اختیار کی جائیں جس سے امراض سے نجات کے ساتھ ساتھ اس قوت کو مضبوط بنایا جائے اور ان تمام باتوں سے پرہیز کیا جائے جس سے یہ قوت کمزور ہو۔ روزہ اس قوت کو مضبوط بناتا ہے۔

جدید سائنس اور ماہرین علاج معالجہ کچھ وقت کے لیے ترک خوردونوش کو ازالہ امراض کے لئے ایک اہم تدابیر قرار دیتے ہیں۔ ویدک طریق علاج میں تو اس کی بڑی اہمیت ہے۔ تمام حیوانی اجسام میں یہ قدرتی اصول علاج رائج ہے کہ وہ تمام اشیاء جن میں زندگی کے آثار مفقود ہوں اور فرسودگی پائی جائے جسم سے خارج کر دینے چاہئیں۔ روزہ سے جسم کی ان قوتوں کو فائدہ ہوتا ہے جو مضر اور غیر حیات بخش عناصر کو جسم سے خارج کرتے ہیں۔ گویا قوت ہضم جو ان عناصر کو برسر پیکار رکھتی ہے ان سے فارغ ہو کر قوت مدافعت میں شامل ہو کر اسے مضبوط بنا دیتی ہے۔

کیلیفورنیا (امریکہ) کے ایک ڈاکٹر لوگان نے لکھا کہ وہ جب بیمار ہوتے ہیں تو روزہ رکھ کر صحت یاب ہو جاتے ہیں اس طرح دیگر معالجین اور لوگوں کے تجربات سامنے آئے تو مغرب کے ماہرین طب وسائنس اس جانب متوجہ ہوئے اور کھلم کھلا اعتراف کیا کہ روزہ بہت سے امراض کا علاج ہے روزہ کا پابند انسان ہر طرح چاق وچوبند اور تندرست

رہتا ہے اس بابرکت مہینے میں دینی پہلو کے ساتھ ساتھ جسمانی فوائد کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ روزہ کو اس کی روح کے مطابق رکھا جائے۔ قلیل غذا کا اصول اختیار کریں۔ ضبط نفس کا مظاہرہ کریں۔ سحری و افطاری میں معمول کی سادہ غذا لی جائے۔ البتہ غذا ایسی ہو جس میں صحت کے لئے متوازن اجزاء ہوں۔ مگر ہمارے ہاں روزہ کے مطلوبہ طبی فوائد اس لئے نہیں حاصل ہو پاتے کہ ہم لوگ ماہ رمضان المبارک میں بسیار خوری کرتے ہیں۔ مرغن غذاؤں کا استعمال بڑھا دیتے ہیں اور ثقیل غذا کی بجائے کھانے میں اضافہ کر دیتے ہیں اور ہمارے گھروں میں رمضان المبارک میں کھانے پینے کا بجٹ دوگنا ہو جاتا ہے جس سے روزہ کے دینی اور طبی پہلو، دونوں کے مقاصد پورے نہیں ہوتے کیونکہ زائد از ضرورت غذا کو جلانے کے لئے اور اسے بدن سے خارج کرنے کے لائق بنانے والے اعضائے ہضم کو زیادہ توانائی خرچ کرنا پڑتی ہے جو اعضاء اس عمل میں زیادہ کام کرتے ہیں اس سے اضافی بوجھ اٹھانا پڑتا ہے۔

ہمارے ہاں افطاری اور افطار دعوتوں میں سموسے پکوریاں پکوڑے وغیرہ بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔ گھروں میں بھی انواع اقسام کے کھانے تیار ہوتے ہیں اس طرح معدہ بوجھل ہوتا ہے اور زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔ نماز تراویح میں طبعیت میں اضمحلال محسوس ہوتا ہے اور بھوک کم ہو جاتی ہے چند دنوں میں نقاہت کا احساس ہونے لگتا ہے حالانکہ روزہ کا صحیح طریقہ یہ ہے۔ سادہ غذا سے روزہ رکھا جائے۔ اس طرح افطار بھی سادہ کیا جائے۔ کھجور یا دودھ زیادہ مناسب ہے۔ کھجور حضورﷺ کی مرغوب غذا ہے اور حیاتین سے بھرپور ہے اور جلد جزو بدن بن جاتی ہے۔ نماز مغرب کے بعد معمول کا سادہ سالن روٹی لی جائے۔ پھر کوئی پھل لے سکتے ہیں مگر ہمارے ہاں لوگ افطاری میں اس قدر کھاتے ہیں کہ دن بھر معدہ کو جو آرام ملتا ہے وہ اس سے زائل ہو جاتا ہے۔ نماز تراویح میں غذا منہ کو آتی ہے اور طبیعت بوجھل ہوتی ہے۔ سادہ طریقے سے روزہ رکھا جائے تو نہ صرف قلیل غذا کا مقصد پورا ہوگا بلکہ دل و دماغ اور گردوں کا آرام کا موقع ملے گا جس سے ان کی کارکردگی بہتر ہوگی۔ یورپ والے جو ہر شے کو مادیت اور ظاہری حسن سے دیکھتے ہیں فاقہ کے نام سے روزہ کے معترف ہیں اور متعدد امراض میں علاج قرار دیتے ہیں۔ آج کل سلمنگ سنٹروں کی بھرمار ہے جہاں مصنوعی ادویہ اور فاقہ سے علاج کیا جاتا ہے مگر دیکھا جائے تو روزہ موٹاپا کا قدرتی علاج ہے۔ روزہ میں مرغن اشیاء پراٹھے، چاول، پکوڑے، سموسے اور کچوریاں وغیرہ سے پرہیز کریں اور سادہ غذا سے سنت نبویﷺ کے مطابق روزہ رکھیں اور افطار کریں اس طرح روزہ کے طبی پہلو اور اللہ کی رحمت سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ ❁

ٹریول پاس انٹرنیشنل
ٹریول ایجنٹس

لائسنس نمبر: 2779

اندرون و بیرون ممالک ہوائی سفر کیلئے تمام ایئر لائینز کے ٹکٹ دستیاب ہیں نیز عمرہ کیلئے بھی رابطہ کریں۔

آفس: جی۔3، اجو اسنٹر، 17 کوپر روڈ لاہور

فون 6362483, 6363467, 6363843

فیکس : 6363467

ای میل travelpassintl@hotmail.com

ایک نومسلم کا ایمان

اوریا مقبول جان

☆ اس کا بچپن اور جوانی امریکی ریاست ایریزونا میں بسر ہوئی۔ یہ ریاست بے آب و گیاہ پہاڑوں، ریگستانوں اور تھوڑے سے باغات کی وجہ سے بالکل ایسے لگتی ہے جیسے بلوچستان ہے۔ اگر ان وادیوں کے درمیان سے ایک شاندار موٹروے نہ گزر رہی ہو اور جگہ جگہ خوبصورت ہوٹل اور پٹرول پمپ نہ ہوں تو ایسے لگے جیسے آپ سوراب سے ہنگور جا رہے ہیں یا پھر کاکڑ خراسان سے لورالائی جا رہے ہیں۔ اس ریاست میں اس نے انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کی اور ایک عام امریکی کی طرح زندگی گزارنے لگا۔ چونکہ ایک ایسی ریاست سے اس کا تعلق تھا جہاں پانی کی کمی تھی اس لیے اس نے اپنے علم کو پانی کی تلاش اور ترسیل کے لیے مخصوص کر لیا۔ اکثر پڑھے لکھے امریکیوں کی طرح اسے بھی عالمی اداروں اور بڑی بڑی عالمی کمپنیوں میں ملازمت ملنا مشکل نہ تھی۔ اسے بھی ایسی ہی ایک انٹرنیشنل کمپنی میں ملازمت مل گئی جس کی وجہ سے اسے افریقہ کے ایسے ممالک میں کام کرنے کا موقع ملا جہاں قحط، خشک سالی، غربت اور محکومیت چاروں طرف نظر آتی تھی۔ یہاں اس امریکی کے سامنے اس کے اپنے ملک اور اپنے ہم مذہب لوگوں کا دوہرا معیار پہلی دفعہ نظر آیا۔ صومالیہ میں اس کی پوسٹنگ نے تو جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اس نے قحط زدہ لوگوں کی امداد کے نام پر آئے ہوئے امریکیوں کو ایک خاص تعصب کے ساتھ مسلمانوں پر گولیاں برساتے دیکھا۔ اس نے سوڈان میں کیمیائی ہتھیار تباہ کرنے کے نام پر وہاں کی سب سے بڑی دوائیوں کی فیکٹری تباہ ہوتے دیکھی جس کے بعد وہاں کے مسلمان عام اسپرین کی گولی کے لیے بھی ترسنے لگے۔

میری اس سے ملاقات جنوری 99ء میں ایشین ڈیولپمنٹ بینک کے ہیڈ کوارٹر منیلا میں ہوئی۔ وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ ہزاروں کمروں کی اس عمارت میں اس کے کمرے کے باہر بسم اللہ الرحمن الرحیم کی خوبصورت تختی لگی ہوئی تھی۔ یوں تو منیلا کے شہر میں ہزاروں مسلمان رہتے ہیں۔ اور ایشین بینک میں کئی سو مسلمان کام کرتے ہیں جن میں پاکستانی بھی ہیں لیکن جس کے کمرے کے دروازے سے اس بات کا اظہار ہو کہ وہ مسلمان ہے، وہ ڈیوڈ کا کمرہ تھا۔ جواب اپنے آپ کو داؤد کہتا تھا۔ ایک گورا امریکی جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تو اس نے صومالیہ کی ایک کالی مسلمان عورت سے شادی کر لی۔ ہدایت کا نور عجیب ہے آدمی کے اردگرد اپنا ہالہ بنا لیتا ہے۔ منیلا کے مسلمان بھی اس ہالے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ وہ دیکھتے تھے کیا عجیب امریکن ہے۔ انگریزی بول رہا ہو تو ہمیشہ اللہ کے ذکر پر سبحانہ وتعالیٰ کہتا ہے، کبھی GOD کا لفظ استعمال نہیں کرتا۔ وہ تمام الفاظ جو مسلمان کی پہچان ہیں جیسے السلام علیکم، بسم اللہ، الحمد للہ، سب اسی طرح بولتا ہے۔ کبھی اس نے HI, THANK's GOD یا GOOD LUCK نہیں کہا۔ اتنے بڑے ادارے میں کام کرتا ہے۔ ہزاروں تقریبات ہوتی ہیں۔ کسی کی بات پسند آ جائے تو تالی نہیں بجاتا زور سے اللہ اکبر کہہ دیتا ہے۔ اس کے گھر میں ایک عجیب عالم تھا جو میں نے دیکھا۔ حجاب میں ملبوس ایک بیوی اور ایک سات سالہ بیٹی، میں جس دن اس کے گھر گیا تو داؤد نے بتایا کہ آج کے دن وہ پیدا ہوئی تھی لیکن اس گھر میں کوئی سالگرہ کا سماں نہ تھا۔ میں نے پوچھا تو بچی نے خود کہا کہ میں سالگرہ نہیں مناتی۔ میں نے کہا اس میں دوست آتے ہیں، تمہیں تحفے ملتے ہیں۔ اس نے کہا میرے دوست اور ماں باپ ویسے ہی میری اچھی باتوں سے خوش ہو کر تحفے دے دیتے ہیں پھر اس رسم کی کیا ضرورت ہے۔ داؤد کی بیوی نے کہا کہ ہم لوگ یہاں کسی کلب میں نہیں جاتے، ڈانس نہیں کرتے لیکن ایک دفعہ ہم تینوں بے اختیار خوشی سے ناچ اٹھے جب پاکستان نے ایٹمی دھماکہ کیا تھا۔

لیکن جس بات نے مجھے حیرت اور شرمندگی میں ڈال دیا وہ شاید ہم سب کو بحیثیت مسلمان حیرت میں ڈال دے۔ میں اس کے ساتھ ایشین بینک کے ایک کمرے میں جسے لوگوں نے نماز پڑھنے کے لیے مخصوص کیا تھا، نماز پڑھنے گیا۔ میں قصر (کی آدھی) نماز پڑھ کر تھوڑی ہی دیر میں باہر آ گیا لیکن اسے وہاں سے باہر آنے میں پون گھنٹہ لگ گیا۔ میں حیران تھا کہ یہ شخص میرا اتنا بھی خیال نہیں کرتا، مجھے باہر کھڑا کر گیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ میرے پاس آیا اور انتہائی شرمندگی اور عاجزی سے کہنے لگا: اصل میں تم لوگوں نے بچپن سے اللہ تعالیٰ کا ذکر سنا ہوتا ہے، مسلمان گھر میں پیدا ہوتے ہو۔ اس لیے تم نماز پڑھتے ہو تو اللہ تعالیٰ کا تصور ذہن میں لانے میں کتنی آسانی ہوتی ہے، مجھے تو آدھا گھنٹہ لگ جاتا ہے اپنے ذہن کو یکسو کر کے یہ کیفیت لانے میں کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا ہوں۔ آپ مجھے مہربانی کر کے کوئی ایسا طریقہ بتا دو کہ میں جلدی سے اللہ تعالیٰ کے تصور میں اپنے آپ کو یکسو کر سکوں۔ میری آنکھوں سے ایک دم آنسو نکل پڑے۔ شرم سے میرا سر جھک گیا۔ میرے دامن میں اپنے ایمان کی کمتری کے سوا کچھ نہ تھا۔

میں شرمندہ کیوں نہ ہوتا۔ ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے جاتے ہوئے اتنا بھی خوف نہیں کھاتے جتنا ایک پٹواری یا تھانیدار کے سامنے جاتے ہوئے کھاتے ہیں۔ ہم انگلش میڈیم میں چار جماعت پڑھ لیں تو ہمیں اس وقت تک سکون حاصل نہیں ہوتا جب تک WISH YOU GOOD LUCK, HI, OH GOD, نہ کہہ لیں۔ میں آنسوؤں سے رو رہا تھا اور داؤد مجھ سے اور متاثر ہو رہا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کے خوف اور خشیت سے رو رہا ہوں حالانکہ میں تو اپنے ایمان کی کمزوری، اپنے عمل کی کمتری اور اپنی شرمندگی کی وجہ سے رو رہا تھا۔ ❁

CPL No. 618

The Monthly Momin Lahore